



لاوا

کتاب دوست

www.kitaabdost.com

عموماً کوئی سنسنی خیز داستان بیان کرتے ہوئے یہی لکھا جاتا ہے کہ یہ میری زندگی کے ناقابل یقین واقعات ہیں۔ مجھے ان الفاظ سے شدید اختلاف ہے۔ کوئی بات ناقابل یقین نہیں ہوتی۔ ہاں اگر ہماری عقل میں نہ آئے تو ہم اسے ناقابل یقین کہہ دیتے ہیں۔

میرا نام شاہ نور ہے۔ جب تک آپ کو خود نہ بتاؤں کہ مرد ہوں یا عورت، تب تک آپ اس نام سے دھوکا کھا سکتے ہیں۔ بہت سے نام مشترک ہوتے ہیں۔ خیر جناب میں عورت ہوں۔ دل چاہے تو لڑکی کہہ لیجئے۔ صنف نازک کہہ کر میں اس لفظ کا مذاق نہیں اڑاؤں گی کیونکہ میرا قد پانچ فٹ دس انچ ہے۔ وزن ایک سو بیس پونڈ ہے۔ شکل و صورت اللہ کی بنائی ہے۔ اپنے منہ سے کچھ کہہ کر آپ کا دل خراب نہیں کرنا چاہتی۔ آہ..... دل تو یہ چاہتا ہے کہ آپ بھی اپنے آپ کو ”چاہتی“ نہیں ”چاہتا“ لکھوں، لیکن اگر میں نے ایسا کیا تو میری داستان الجھ جائے گی۔ یہاں سے آغاز کرتی ہوں کہ میری پرورش فطرت کے خلاف ہوئی تھی۔ نہ جانے کون سی عمر سے مجھے لڑکا بنا کر پرورش کیا گیا تھا اور جوان ہو کر میرے لئے بے حد مشکل ہو گیا کہ میں خود کو لڑکی سمجھوں۔ تعلق خاصے دولت مند گھرانے سے ہے۔ خود سروں کے بیچ پلی۔ چنانچہ سکول سے ہی گڑ بڑ ہو گئی۔ سیکنڈری میں آئی تو انتظامیہ نے مجھے لڑکے کی حیثیت سے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حکم دیا کہ لڑکیوں کا یونیفارم پہنوں۔ لڑکیوں کی صورت اختیار کروں۔ الماس بیگم کو یہ قبول نہیں تھا۔ خوب جنگ چلی لیکن سکول بھی معمولی نہیں تھا اور بات اصولی تھی اس لئے الماس بیگم کامیاب نہ ہو سکیں۔ ہاں انہوں نے مجھے سکول سے اٹھایا اور سکول کے عملے کو محکمہ ایجوکیشن نے اٹھایا کیونکہ الماس بیگم کے والد اس وقت فارن سیکرٹری تھے۔

الماس بیگم کا پورا خاندان سیاستدانوں اور یورو کریٹس پر مشتمل تھا۔ ایک سے ایک اچھا عہدے دار، آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں الماس بیگم سے اپنا رشتہ کیوں نہیں ظاہر کر رہی تو تھوڑا توقف فرمائیے۔ ساری حقیقت سامنے آ جائے گی۔ ابھی میرا ہی مکمل تعارف ہو جانے دیجئے۔ پھر میرا سکول میرے گھر آ گیا۔ پانچ پانچ ٹیوٹر، ورزش کرانے والے، مارشل آرٹس سکھانے والے اور والیاں، ان کے بارے میں تفصیل بتانا بیکار ہے۔ بس اتنا کہ دینا کافی ہے کہ انہوں نے مجھے ایسے بہت سے فنون سے آگاہ کر دیا تھا کہ اگر کبھی کسی جگہ کوئی مشکل پیش آ جائے تو جسمانی قوتوں سے کام لے کر بھی بچا جاسکے اور یہ بہت بڑی بات ہوتی، زندگی ایک ایسے سرکش نیل کی مانند گزر رہی تھی جس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ کوٹھی پر راج تھا۔ بہت سے ملازمین، زندگی کی ہر آسائش، کمال احمد صاحب بہت اونچے قسم کے کاروباری تھے اور پھر سب سے بڑی بات انہیں الماس بیگم کے خاندان کی پوری پوری مدد حاصل تھی۔ بڑے بڑے ٹھیکے مل جاتے تھے۔

ایسے ٹھیکے جن کے لئے نہ جانے کون کون کوشش کرتا رہتا تھا لیکن کمال احمد صاحب کی سرکاری حکام سے بھری پڑی تھی چنانچہ پھر کسی کی مجال تھی کہ ان کا راستہ روکے، بہر حال زندگی بغیر کسی رکاوٹ کے گزر رہی تھی۔ تمام آرزوئیں پوری ہو جاتی تھیں۔

زندگی کے معمولات بہت حسین تھے۔ جمناسٹک، گھر سواری، تیراکی، لڑکیاں دوست بننے کی کوشش کرتی تھیں، لیکن مجھے ان سے کوئی خاص دلچسپی نہیں محسوس ہوتی تھی نہ ہی لڑکوں سے میری کوئی خاص بنتی تھی، خاندان کے کچھ لڑکے تھے لیکن بے چارے میری جسامت اور میری شخصیت کے آگے خود ہی شرمندہ ہو جاتے تھے، چنانچہ عشق و محبت کی بات تو بہت دور رہ جاتی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں میری دوستی ہی برداشت نہیں کر پاتے تھے لیکن کہا جاتا ہے کہ زندگی کبھی یکساں نہیں رہتی، گزرنے والا ہر دن ایک نہ ایک ایسی بات پیدا کر دیتا ہے کہ جسے انسان اپنی زندگی کا کوئی واقعہ تصور کر لیتا ہے۔

الماس آراء بیگم میری خوب ناز برداریاں کرتی تھیں۔ لڑکی ہو کر لڑکوں کی طرح پرورش پا رہی تھی۔ بہت سی جسمانی ورزشوں نے جسم میں بھی ایک معمولی سی تبدیلی رونما کر دی تھی، لیکن یہ تبدیلی بھی ایک دلکشی کی حامل تھی، پھر زندگی کا وہ دن آیا جہاں سے زندگی کے معمولات میں تبدیلی کا آغاز ہوا۔

ہوا یوں کہ بہت سے ملازموں اور ملازماؤں کی موجودگی میں، میں اپنے وہ کام کرنے کی عادی نہیں رہی تھی جو خود اپنے ہاتھ سے کر لئے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایک کام کے سلسلے میں ایک ملازمہ جو عام طور پر گھریلو کام کیا کرتی تھی بہت پرانی تھی اور گھر کے ایک ملازمہ بخت مراد کی بیٹی تھی، میرے کسی کام میں تساہل کا باعث بنی۔ ویسے تو خیر غصہ بہت کم آتا تھا لیکن اس دن غصہ آگیا، ملازمہ وہ کام کیے بغیر اپنی رہائش گاہ یعنی سروٹ کوارٹر میں چلی گئی تھی۔ میں نے جب اس کام کا جائزہ لیا اور اسے مکمل نہ پایا تو شدید غصے کا شکار ہو گئی۔ اس ملازمہ کی حرکتوں سے ویسے بھی ذرا بد دل رہتی تھی۔ اس طرح مجھ سے محبت کا اظہار کرتی تھی جیسے ساری دنیا میں وہ مجھے سب سے زیادہ چاہتی ہو۔ ملازماؤں کی بے تکلفی مجھے ویسے بھی پانپند تھی، میں نے کبھی اس کی پذیرائی نہیں کی تھی۔ اس وقت شدید غصہ آیا اور میں نے یہ سوچا کہ کم بخت مجھے بے وقوف بناتی رہتی ہے۔ ایک ذرا سا کام نہیں کیا گیا میرا، شدید غصے سے دیوانی ہو کر میں سروٹ کوارٹر میں پہنچ گئی۔ باہر اس ملازمہ کی دونوں جڑواں بیٹیاں جن کی عمریں تیرہ تیرہ چودہ چودہ سال کے قریب ہوں گی کسی کام میں مصروف تھیں۔ اندر بخت مراد بیٹھا ہوا بیٹی سے باتیں کر رہا تھا۔ میں اندر داخل ہوئی، غصے سے دیوانی تو ہو ہی رہی تھی، آگے بڑھ کر میں نے اس ملازمہ کے بال پکڑے اور اسے کھڑا کر دیا، اس کے حلق سے ایک آواز نکل گئی تھی، میں نے اس سے کہا۔

”کم بخت، نمک حرام! بے غیرت، بے حیا، بے شرم میں نے تجھ سے کچھ کہا تھا، تم لوگ فقیروں کی طرح اپنے مطلب کے لئے گز گراتے ہو اور اس کے بعد جب تمہاری ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو بالکل دور کھڑے نظر آتے ہو۔ میں نے تجھ سے کچھ کہا تھا، تو نے کیا وہ کام؟“

ملازمہ نے میری جانب دیکھا۔ کچھ کہنے نہیں پائی تھی۔ بابا بخت مراد ہکا بکا کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ میں نے اس کے بال جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

”دو گھنٹے کے اندر اندر یہاں سے باہر نکل جاؤ، ورنہ اتنا ماروں گی کہ شکل بگڑ جائے گی۔“ یہ کہہ کر میں نے اسے زور سے جھٹکا دیا اور وہ ایک چیخ کے ساتھ ایک طرف لڑھکنے لگی تو بابا بخت مراد نے اسے اپنے بازوؤں میں سنبھال لیا۔ ایک لمحے کے لئے بابا بخت مراد کے چہرے پر شدید سختی پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے ان سے کہا۔

”بابا صاحب! آپ بزرگ آدمی ہیں آپ یہاں رہ سکتے ہیں لیکن اس مردود عورت کو یہاں سے نکال دیجئے ورنہ دوسری صورت میں، میں امی سے کہہ کر آپ کو بھی یہاں سے نکلوا دوں گی۔“

”بس بی بی صاحبہ..... بس..... جب میں نے آپ سے یہ بات کہہ دی کہ میں اسے بلے کر یہاں سے نکل جاؤں گا تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میری یہاں سے نوکری ختم ہو گئی، میری بیٹی کو آپ نے ایک بھی گالی دی تو.....“

”تو.....“ میں نے خونخوار نظروں سے بخت مراد کو دیکھا۔

”میں نے کہا.....“

”میں اس کی ہڈیاں توڑ دوں گی۔ آپ کیا سمجھتے ہیں؟“

میں نے کہا اور ایک قدم آگے بڑھی لیکن پھر وہ ہو گیا جس کا میں خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتی تھی، بابا بخت مراد نے ایک بار پھر مجھے روکا اور دوسرے لمحے ان کا تھپڑ میرے منہ پر پڑا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار تھپڑ کھایا تھا، آپ چاہیں تو مجھے پانچ کہہ سکتے ہیں۔ دیوانہ کہہ سکتے ہیں بابا بخت میری جسمانی قوتوں کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا۔ میں اگر چاہتی تو اس کا وہ ہاتھ توڑ کر اس کے دوسرے ہاتھ میں تھما دیتی جس سے اس نے مجھے مارا تھا لیکن اس تھپڑ کی ایک عجیب سی لذت مجھے بے خود کیے بغیر نہ رہ سکی، میں سکتے کے عالم میں کھڑی بخت مراد کو گھورتی رہی اور اس کے بعد وہاں سے واپس پلٹ پڑی۔ میں نے پتا نہیں کون سے جذبے کے تحت اس عمر رسیدہ شخص کو چھوڑ دیا تھا۔ میرے رخسار پر جو سناہٹ ہو رہی تھی، وہ میری زندگی کی سب سے لذت آمیز چیز تھی۔ غالباً اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ میں کبھی اس لذت سے آشنا نہیں ہوئی تھی اور یہ میرے لئے ایک نئی چیز تھی۔ سروٹ کوارٹر سے واپس حویلی میں آگئی، اپنے بیڈ روم میں داخل ہو کر میں نے اس رخسار پر ہاتھ رکھ لیا جس پر تھپڑ پڑا تھا، ابتدائی لذت کے اثرات ختم ہوئے تو اندر کی کیفیت ابھر آئی۔ گھر کے ایک ملازم نے مجھے مارا تھا۔ اس ملازم کو زندہ رہنے کا حق نہیں دیا جاسکتا اور وہ عورت، میں غصے سے دانت پیستی رہی، بہت دیر تک سوچتی رہی حالانکہ بہت سے فیصلے ایسے تھے جنہیں میں خود بھی کر سکتی تھی۔ بقیہ ملازموں کو لے کر بخت بابا کے کوارٹر میں جاتی، اس کا سامان نکال کر باہر پھینکتی اور اس میں آگ لگا دیتی۔ یہ کام میں بہت آسانی سے کر سکتی تھی لیکن میں نے سوچا کہ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔ بہتر ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے یا پھر اگر اس کے خلاف کوئی عمل کرنا ہی ہے تو الماس آراء سے اس بارے میں گفتگو کی جائے۔ الماس آراء تو اس کی کھال اترا کر اس کے پیروں میں ڈالوا دیتیں۔ جب پانچ چھ گھنٹے گزر گئے تو میری کیفیت بدلنے لگی، میرے اندر ایک عجیب سی سکک پیدا ہو گئی۔ میں نے سوچا بے چارہ بوڑھا آدمی ہے۔ بیٹی کی بے عزتی اور مار برداشت نہیں کر سکا اور گستاخی پر اتر آیا، چاہوں

تو اس کی ہڈیاں توڑ سکتی ہوں، چاہوں تو اسے بڑے سے بڑا نقصان پہنچا سکتی ہوں، لیکن کیوں نہ اسے معاف کر دیا جائے، پہلا آدمی ہے جس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ جا پہلے آدمی میں نے تجھے معاف کیا۔ میں نے دل میں سوچا اور اس کے بعد اس خیال کو دل سے نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔

البتہ رات کو میں نے بستر پر لیٹ کر یہ سوچا تھا کہ اب جب میں بخت بابا کے سامنے جاؤں گی تو اس کی کیا کیفیت ہوگی۔ میں جانتی تھی کہ وہ سخت شرمندہ اور خوف زدہ ہوگا۔ بہر حال نہ جانے کیوں یہ بات ذہن پر اس قدر مسلط ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ کچھ بھی بات ہے اس نے میرے گال پر تھپڑ مارا تھا۔

پھر دوسری صبح جاگنے کے بعد بھی میں نے اس کے بارے میں سوچا۔ اب میرے اندر کوئی غصہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ بخت بابا کو جا کر یہ بتا دوں کہ میں نے اسے معاف کر دیا ہے چنانچہ میں اپنا صبح کا لباس پہن کر باہر نکلی، میرے ہاتھ میں اسٹک تھی اور میں اسٹک لئے چھوٹے چھوٹے پتھروں کو بال بنا کر بخت بابا کے کوارٹر کی جانب جا رہی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد میں کوارٹر کے سامنے پہنچ گئی لیکن اچانک ہی ایک عجیب سا احساس ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے کوارٹر بے نور ہے۔ ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں شدید سنسنی دوڑ گئی۔ دوسرے لمحے میں دوڑ کر کوارٹر میں داخل ہو گئی۔ کوارٹر خالی پڑا ہوا تھا۔ وہ ضروری سامان جو کہ مالکوں کی طرف سے ملازموں کو دیا جاتا تھا وہ جوں کا توں پڑا ہوا تھا۔ بس بخت بابا نہیں تھا۔ اس کی بیٹی اور نوایاں بھی نہیں تھیں۔ میرے دل نے کہا کہ یہ لوگ گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ یقیناً وہ گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ ایک لمحے کے لئے دل میں دکھ کا احساس ہوا تھا میں نے ہی تو کہا تھا بخت بابا سے کہ اس عورت کو یہاں سے نکال دے، بھلا اپنی بیٹی کو وہ کہاں لے جاتا، ہمیشہ سے تو یہیں رہتا تھا ظاہر ہے بیٹی کو نہیں نکال سکتا تھا خود بھی یہاں سے چلا گیا لیکن لیکن..... اس کے بعد میں نے چونک کر اس موضوع پر بات کی تھی۔

”جمالی بابا..... یہ بخت مراد کہاں ہے.....؟“ جمالی بابا نے مڑ کر دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آگئی۔

”چلا گیا وہ بے چارہ..... بی بی صاحب! آپ ہی نے تو اسے گھر سے نکال دیا تھا۔“

”میں نے تو نہیں نکالا تھا اسے۔“

آپ نے کہا تھا نا کہ وہ یہاں سے چلا جائے، وہ چلا گیا۔“

”مگر میں نے تو اس کی بیٹی کو جانے کے لئے کہا تھا۔“

نہیں بی بی صاحب! بیٹی کو کہاں لے جاتا ہے چارہ، بیٹی تھی، نوایاں تھیں، کوئی مرد تو تھا نہیں اس کا جو وہ بیٹی کو کہیں اور لے جاتا۔“

”مم..... مگر وہ گیا کہاں؟“

”بی بی صاحب! اس نے کسی کو نہیں بتایا..... حالانکہ ہم نے پوچھا تھا کہ بخت مراد کہاں جاؤ گے کوئی جگہ ہے تو ہنس کر بولا کہ اللہ کی زمین وسیع ہے کہیں نہ کہیں ٹھکانہ بنایا ہی لوں گا۔“

میں خاموشی سے واپس چلی آئی لیکن نہ جانے کیوں دل کو ایک دکھ کا احساس ہوا تھا اور طبیعت سخت

بو جھل ہو گئی تھی۔ گھر والوں کو اس بات کی بالکل پروا نہیں تھی کہ کون ملازم رہتا ہے کون چلا جاتا ہے۔ بخت مراد تو شاید اپنا حساب بھی لے کر نہیں گیا تھا۔ بس سرسری سا تذکرہ ہوا تھا اس کا اور یہ سوچا گیا کہ آخر بخت مراد اچانک کیوں چلا گیا۔ میں نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی، تھوڑی سی تحقیقات ہوئی، یہ پوچھا گیا کہ کہیں بخت مراد کوئی قیمتی چیز لے کر تو نہیں چلا گیا لیکن یہاں قیمتی چیزوں کی حیثیت ہی کیا تھی۔ بات ختم ہو گئی، بخت مراد کو جس نے اپنی زندگی کا ایک طویل ترین حصہ اس کو نبھی میں گزارا تھا کچھ دنوں میں بھلا دیا گیا اور ہر شخص اپنے معمولات میں مصروف ہو گیا۔ میں خود بھی چند روز تک ذرا اداس رہی اور اس کے بعد میں نے بھی بخت مراد کو اپنے ذہن سے نکال دیا کیونکہ ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی جس پر انسان اتنی زیادہ گہرائیوں میں جا کر سوچے۔

پھر تقریباً ڈیڑھ دو مہینے بعد کی بات ہے۔ میری ایک دوست، دوست کیا عزیز تھی۔ ایک دن کے لئے میرے پاس آ رہی تھی۔ اسے کہیں آگے جانا تھا۔ مجھے فون کر کے بتایا تھا کہ وہ بذریعہ ٹرین آ رہی ہے۔ کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔ بس تھوڑا سا وقت وہ میرے ساتھ گزارے گی اور اس کے بعد وہاں سے چلی جائے گی۔ اس لڑکی سے مجھے خاصی دلچسپی تھی، چنانچہ مجھے اس کی آمد سے خوشی ہوئی۔

میں ریلوے اسٹیشن پہنچ گئی اور ٹرین کا انتظار کرنے لگی پھر ٹرین آگئی اور میں ایک طرف کھڑی ہوئی حنا کا انتظار کرنے لگی۔ میرے ملازم اس بوگی کی طرف دوڑ گئے تھے۔ میری نگاہیں ادھر ادھر بٹکنے لگیں، میں نے کچھ قلیوں کو ریل کے ڈبوں کی طرف بھاگتا ہوئے دیکھا انہی میں سے ایک قلی بابا بخت مراد بھی تھے۔ سرخ قیض پہنے ہوئے، سینے پر قلیوں کا بالا لگائے ہوئے وہ بھی دوسرے قلیوں کے غول میں ریل کے ایک ڈبے کی طرف دوڑے تھے۔ میں رنگ رہ گئی۔ ایک نظریں میں نے بابا بخت مراد کو پہچان لیا تھا۔ ایک بار پھر ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ بخت مراد سے میرا کوئی خاص رابطہ نہیں رہا تھا لیکن اس دن کا وہ تھپڑ میری زندگی کی ایک ایسی نئی چیز تھی جس نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ بعد میں میں نے کئی بار اس بارے میں سوچا تھا اور میرے دل نے کہا تھا کہ وہ اصل میں ایک باپ کا جذبہ تھا جو بیٹی کے لئے ابھرا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی بیٹی کے بال پکڑ کر اسے جھنجھوڑا تھا، دھکا دیا تھا، کچھ بھی تھا لیکن باپ تھا، لیکن اس وقت اسے قلیوں کا کام کرتے دیکھ کر ایک بار پھر میرے دل کو دکھ ہوا تھا اور میں چکرا کر رہ گئی تھی، لیکن اسی وقت مجھے حنا نظر آئی اور میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ خیر اب یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ جس انداز سے میری پرورش ہوئی تھی اس میں میرے جذبات بھی مجھ سے چھن گئے تھے۔ جذبات تو انسانی فطرت کا ایک حصہ ہوتے ہیں، کوئی اگر یہ کہے کہ وہ غیر جذباتی ہے تو بڑی بے وقوفی کی بات کرتا ہے وہ جانور اور انسان میں یہی تو فرق ہوتا ہے بلکہ شاید جانور بھی جذباتی ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انسان جانور کے جذبات سمجھ نہیں سکتا۔

بہر حال حنا سے ملاقات ہوئی، میں اسے بڑے احترام کے ساتھ اپنے گھر لے آئی۔ پھر وہ رات دوسرا دن اور دوسری رات بڑی خوشگوار گزری، حنا کے ساتھ بہت سی باتیں ہوئیں، تھوڑی سی تقریبات بھی رکھی گئیں مختصر وقت کے حساب سے اور اس کے بعد جب میں حنا کو رخصت کرنے کے لئے ریلوے اسٹیشن

جاری تھی تو بخت بابا پھر میرے ذہن میں تھے۔ میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ حنا کے روانہ ہونے کے بعد بخت بابا کو تلاش کروں گی۔ ان سے معافی مانگوں گی۔ یہ عمر ایسی نہیں تھی کہ بخت بابا قلی کا کام کرتے پھر حنا زمین میں بیٹھ کر چلی گئی اور میں نے سرخ وردی والوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ میں جب بخت بابا کو پانے میں ناکام رہی تو میں نے ایک قلی کو روک کر پوچھا۔ ”تمہارے ساتھ ایک بزرگ کام کرتے ہیں۔ بخت مراد نام ہے ان کا، وہ نظر نہیں آ رہے، ان سے ملنا چاہتی ہوں میں۔“

”کیوں بی بی صاب، کوئی سامان میں گز بڑ ہو گئی ہے کیا؟“

”ارے نہیں نہیں..... بس وہ میرے جاننے والے ہیں۔“

”بخت مراد، بلا نمبر کیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”وہ تو مجھے نہیں معلوم، بزرگ سے ہیں اور وہ ڈھالی مینے سے قلی بنے ہیں۔“

”ارے ہاں، ہاں وہ بابا جی، ارے وہ تو فرشتہ ہیں، بخار چڑھا ہوا ہے انہیں تین چار دن سے، اپنے گھر پر ہی ہوں گے۔“

”تین چار دن سے نہیں میں نے دو ایک دن پہلے انہیں دیکھا تھا۔“

”ہاں وہی میرا مطلب ہے۔ دو دن سے بخار چڑھا ہوا ہے انہیں، وہ آئے نہیں ہیں۔“

”مجھے ان کا گھر بتا سکتے ہو؟“

”نہیں بی بی سننے آدی ہیں، پتا نہیں کہاں سے کوشش کر کے ایک دم بلا لے لیا۔ ویسے آدی بہت شریف ہیں۔ ہمیں ان کے گھر کا نہیں پتا۔“

میں مایوس واپس آ گئی لیکن شاید یہ بھی ایک ضد تھی، ایک احساس تھا جس نے مجھے ریلوے اسٹیشن کے چکر لگانے پر مجبور کر دیا۔ چوتھے دن میں نے بخت بابا کو دیکھا، قلی کا لباس پہنے ایک ستون سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے، میں ان کے پاس پہنچ گئی اور میں نے انہیں سلام کیا تو وہ گردن اٹھا کر مجھے دیکھنے لگے پھر ایک دم سے کھڑے ہو گئے۔

”جی۔ چھوٹی بی بی صاب، آپ؟“

”ہاں بخت بابا آپ خیریت سے ہیں؟“

”اللہ کا شکر ہے،‘ کبیں جا رہی ہیں؟“

”نہیں..... چار پانچ دن سے آپ کو تلاش کر رہی ہوں۔ روزانہ یہاں آتی ہوں۔ آپ چاہیں تو ان قلیوں سے پوچھ لیجئے، کیسی طبیعت ہے آپ کی؟“

”ارے کوئی کام تھا مجھ سے بیٹے تم..... معاف کرنا بی بی..... بڑی شرمندگی ہوئی مجھے، آپ کو مجھے تلاش کرنا پڑا۔“

”بخت بابا آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”یہاں اس جگہ تو اچھا نہیں ہوگا، ویسے مجھے بخار ہے، آتو گیا تھا لیکن سوچ رہا تھا کہ واپس جاؤں، آ جاؤ..... باہر گاڑی تو ہوگی، تمہاری گاڑی میں بیٹھ کر بات کر لیں گے آؤگی.....؟“

”ہاں آئیے۔“ میں نے کہا اور بخت بابا کے ساتھ باہر نکل آئی، اکیلی ہی کار ڈرائیو کر کے یہاں تک پہنچی تھی بہر حال یہ سارے معاملات اپنی جگہ تھے، میں درحقیقت اس وقت اپنے دل میں بڑی کمزوری محسوس کر رہی تھی اور مجھے بخت بابا سے سخت شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر میں بخت بابا کے ساتھ اپنی بار میں آ گئی، میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر برابر کا دروازہ بخت بابا کے لئے کھول دیا تو وہ جھپکتے ہوئے

”ہم پیچھے بیٹھ جاتے ہیں۔“

”آئیے بخت بابا، میرے پاس آکر بیٹھے، جتنا چاہیں ذلیل کر لیجئے مگر آئیے تو سہی۔“

”ارے نہیں نہیں بیٹا، بار بار منہ سے لفظ بیٹا نکل جاتا ہے، تمہیں ذلیل کرنے کی ہمت بھلا ہم کر سکتے ہیں۔ ہم تو جو کچھ کر بیٹھے تھے اس پر جان دینے کو دل چاہ رہا تھا۔ مالک پر ہاتھ اٹھانا، بس پاگل ہو گئے تھے ہم۔ معافی مانگنا چاہتے تھے مگر معافی مانگنے کی بھی ہمت نہیں پڑی۔“

”اور کچھ بخت بابا، آپ کسی ایسی جگہ چلے جہاں آپ جوتے سے میری پٹائی کر سکیں۔ مجھے خوشی ہوگی

بخت بابا، میری بد تمیزیوں کے جواب میں اگر آپ میرے ساتھ یہ سلوک کریں تو۔“ بخت بابا نے گردن جھکا

دی تھی۔ میں نے کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد پھر کہا۔

”بخت بابا، مجھے اپنے گھر لے چلئے۔“

”نہیں بیٹا، وہ بات دراصل یہ ہے کہ.....“

”جی بتائیے، اپنا گھر نہیں دکھانا چاہتے آپ مجھے؟“

”ایسا بھی نہیں ہے مگر جس گلی میں میں رہتا ہوں اس میں ایک چوڑی کالے رنگ کی نالی بہتی ہے۔

اس سے بدبو اٹھتی ہے اور تمہاری یہ شاندار گاڑی تو اس میں جا ہی نہیں سکتی، اگر گاڑی دور کھڑی کر دوں گی تو

بہتی میں رہنے والے غریب بچے ہیں، گاڑیوں کی اہمیت نہیں جانتے، نشان ڈال دیں گے اس پر، خراب کر

دیں گے اسے، یہ بات ہے بیٹا۔ ہمیں بات کر لو جو کرنی ہے۔“

”بخت بابا! آپ مجھے اپنے گھر کا راستہ بتائیے پلیز۔“

”ٹھیک ہے..... چلو۔“ بخت بابا نے کہا اور میں نے کار اشارت کر کے آگے بڑھا دی۔ بخت بابا

بڑے اچھے اچھے بیٹھے ہوئے تھے، وہ مجھے راستہ دکھاتے رہے اور تھوڑی دور جانے کے بعد انہوں نے کہا۔

”وہ جو کچی آبادی نظر آ رہی ہے نا، بس اس کے اس سرے پر گاڑی روکنی پڑے گی، پیدل زیادہ نہیں چلنا پڑے گا۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے آپ بے فکر رہیں۔“ میں نے کہا۔

جس جگہ میں نے گاڑی روکی وہاں پر چون کی ایک چھوٹی سی دکان تھی، لوگ چونک چونک کر ہمیں

دیکھنے لگے تھے، بخت بابا دکاندار کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ وہ گاڑی کا خیال رکھے، غریبوں کی بہتی میں

بس ایک ہی بات قابل ذکر ہوتی ہے۔ یہ لوگ ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کی بات بہت مانتے ہیں اور پھر بخت بابا تو ایک بزرگ تھے۔ اس شخص نے کڑے ہو کر کہا۔

”فکری نہ کرو بابا جی، خیال ہے کسی بھوتی والے کی گاڑی کے قریب جا کر کھڑا ہو جائے۔“
 ”ہمت بہت شکریہ بیٹے، بس تھوڑی دیر کے لئے تکلیف دیں گے تمہیں۔“
 واقعی گلی بہت گندی تھی، میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ کبھی کبھی جانور انسانوں پر بہت حاصل کر

ہیں۔ وہ انسانوں سے بہتر حالت میں رہتے ہیں، یہ جگہ جہاں یہ انسان رہتے تھے درحقیقت انسانوں کے قابل نہیں تھی لیکن ہم خوبصورت باتیں کر سکتے ہیں، جو سوچ سکتے ہیں ان کا کوئی حل ہمارے پاس ہوتا۔ میں بخت بابا کے ساتھ چلتی ہوئی آگے بڑھی اور پھر ایک گھر کے دروازے پر رک کر بخت بابا دستک دی۔ بخت بابا کی ایک نواسی نے جس کا نام فوزیہ تھا دروازہ کھولا اور بخت بابا میرے ساتھ اندر ہو گئے۔ بخت بابا کی دونوں نواسیوں میں سے ایک کا نام فوزیہ اور دوسری کا رابعہ تھا۔ میں نے بخت بابا اس نئی رہائش گاہ کو دیکھا۔ بہر حال غربت کے ایسے نظارے کبھی میرے سامنے نہیں آئے تھے۔ یہ ماحول دیکھا۔ اس پر کوئی تبصرہ بیکار ہے۔ پتا نہیں بے چارے بخت بابا نے یہ گھر کیسے حاصل کیا تھا۔ بس سرچھپو کا ٹھکانہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ دالان میں ایک تخت بچھا ہوا تھا۔ چھوٹا سا مچن تھا جس میں غسل خانہ، بادو خانہ وغیرہ تھا۔ اندر ایک اور بڑا سا کمرہ تھا۔ اس گھر کی کل کائنات یہی تھی۔ مچن میں سرکاری ٹکا لگا ہوا جس کے نیچے برتن پھیلے ہوئے تھے اور بخت بابا کی دوسری نواسی رابعہ یہ برتن دھو رہی تھی۔ میں چاروں طرف دیکھ کر کہا۔ ”آپ کی بیٹی کہاں ہے؟“ بخت بابا نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ بولے۔ ”اندر ہے، بیار ہے، شاید سو رہی ہوگی۔“

”بیار ہیں“ آئیے ذرا میں انہیں دیکھوں۔“ میرے دل میں اس وقت ہمدردی کا سمندر موجزن تھا۔ حالانکہ اب تک میں نے اپنے آپ کو ایک غیر جذباتی شخصیت سمجھا تھا۔ خاص طور سے غریب غر کے معاملے میں کبھی کوئی ایسا احساس میرے اوپر طاری نہیں ہوا تھا جس میں بہت زیادہ ہمدردی کا عنصر شامل ہوتا۔ ایک نارمل سی کیفیت تھی، بخت بابا کو جس حال میں دیکھا تھا بس اس سے متاثر ہو گئی تھی۔ بچپن سے آنکھ کھول کر انہیں دیکھا تھا، اب یہ الگ بات ہے کہ بہت سے ایسے نوکر تھے لیکن انہیں اس عمر میں قلی کام کرتے دیکھ کر ذرا سادہ ہوا تھا اور خاص طور سے اس احساس کے ساتھ کہ میں نے انہیں گھر سے نکا تھا جس کے نتیجے میں انہیں یہ سب کچھ کرنا پڑ رہا تھا۔ بہر حال میں بخت بابا کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں، تین چارپائیوں میں سے ایک پر بخت بابا کی بیٹی چادر اور بے سوری تھی، چہرے پر شدید نقاہت تھی اور آنکھوں کے گرد چلتے پڑے ہوئے تھے۔ گرمی نیند سو رہی تھی۔ میں کھڑی ہو کر اسے دیکھتی رہی۔ پھر میں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا، چہرہ ٹھنڈا ہو رہا تھا کچھ لمبے دہان کھڑے رہ کر میں بخت بابا کے ساتھ باہر نکل آئی۔ بخت بابا کا چہرہ گہرا سرخ ہو رہا تھا۔ میں انہیں دیکھ کر چونک پڑی۔ ان کے پورے جسم پر تشنگ طاری تھا، ہاتھوں کی مٹھیاں بار بار کھل اور بند ہو رہی تھیں، میں نے جلدی سے بخت بابا کو تخت پر بٹھایا اور ایک بچی کو آواز دی۔

”فوزیہ پانی لاؤ۔“ اور فوزیہ کٹورے میں پانی لے آئی تو میں نے وہ پانی بخت بابا کو اپنے ہاتھ سے پلایا اور پھر کہا۔

”بخت بابا کیا بات ہے طبیعت کچھ خراب ہو گئی؟“

بخت بابا کچھ نہ بولے۔ ایک عجیب سی کیفیت ان پر طاری تھی۔ پھر ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے
 میں کافی بے چین ہو گئی۔

”آپ کو کیا ہو گیا اچانک بخت بابا، پلیز دیکھیے، میرے یہاں آنے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنی غلطی کا ساس ہے، واقعی بد تمیزی کی تھی میں نے آپ سے، معافی مانگنا چاہتی تھی، آپ یقین کریں بخت بابا میں نے کیا کیا ہے، بہت شرمندہ ہوں۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ اتنا بڑا قدم اٹھانے کے بعد معافی کے چند الفاظ کہہ پنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ اتنا بڑا قدم اٹھانے کے بعد معافی کے چند الفاظ کہہ ر میرا گناہ ختم ہو جائے گا“ ایسی بات نہیں ہے بخت بابا میں واقعی دل سے شرمندہ ہوں۔ آپ پلیز مجھے عاف کر دیجئے۔ آپ جو کہیں گے وہی کروں گی۔ یہ نہیں کہوں گی آپ سے کہ آپ واپس کوٹھی میں چلیں، لیکن بخت بابا اپنے آپ کو سنبھالے۔“

”کیا کہوں تجھ سے..... کیا کہوں میں تجھ سے شاہ نور..... کیا کہوں بیٹی..... مجھے معاف کر دینا..... مجھے معاف کر دینا..... شاہ نور مجھے معاف کر دینا..... میری بچی میں..... آہ میں کیا کروں..... اتنا بڑا انسان نہیں ہوں میں..... اتنا بڑا انسان نہیں ہوں..... میرے معبود..... پتہ نہیں تیری کیا مرضی ہے..... میرے معبود! مجھے ہمت دے..... مجھے ہمت دے..... میرے مالک، قدسیہ بیٹی معاف کرنا..... معاف کر دینا قدسیہ تم جس حالت میں ہو..... کر میں..... اگر میں قدسیہ..... معاف کر دینا.....“ بخت بابا پر شدید ہجیان طاری تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت کیا کہہ رہے ہیں، قدسیہ ان کی بیٹی کا نام تھا، مجھ سے بھی معافی مانگ رہے تھے، قدسیہ سے بھی معافی مانگ رہے تھے۔ میں نے کہا۔

”بخت بابا! آپ کو اور پانی پلاؤں؟“

”نہیں بیٹا! بس ٹھیک ہوں میں..... ٹھیک ہوں، میرے دل کو قرار آ گیا ہے، سن، کتنا وقت ہے تیرے پاس؟“ بخت بابا کے لہجے میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جسے میں کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔ ایک عجیب سی تمکنت، ایک عجیب سا غرور ان کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔ تاہم میں نے ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

”مجھے کوئی جلدی نہیں ہے بخت بابا، ظاہر ہے میں کسی کی غلام نہیں ہوں، آپ کو تلاش کرتی ہوئی میں آپ کے پاس آئی تھی، آپ وقت کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں، دوسری بات یہ کہ آپ کی بیٹی کو کیا بیماری ہے، آپ نے کہاں دکھایا ہے انہیں؟“

”بس بیٹے! ڈاکٹر سے دوا لے لی ہے۔ بیماری بڑی عجیب ہے، بڑی شدید ہے، لیکن بیٹا اب تو یہاں آ ہی گئی ہے تو میں تجھے ایک کمائی منانا چاہتا ہوں۔ بیٹا بہت عرصے سے یہ کمائی میں نے اپنے سینے میں دبا رکھی تھی، شاید کبھی اسے اپنی زبان پر نہ لاتا۔ تو نے بڑا اچھا کیا کہ ہمیں اپنی کوٹھی سے نکال دیا، اس وحشت کدے سے نکال دیا تو نے ہمیں بیٹا جہاں انسان کا دم گھٹتا ہے، جہاں انسان، انسان بن کر نہیں رہتا اسے جانور بننا پڑتا ہے۔ بیٹا معاف کرنا اب جب آتش فشاں کھول اٹھا ہے تو اب اسے بھڑکنے دے، اس کا لاوا بہہ

”میں تجھ سے کہہ رہا تھا کہ اندر سوتی ہوئی عورت کو دیکھا لوگ کہتے ہیں کہ خون کو دیکھ کر خون نہ مارتا ہے، کیسی عجیب عجیب کہانیاں سناتے ہیں لوگ۔ کہاں ہوتا ہے ایسا، کس جگہ ہوتا ہے؟ یہ سب کہانیوں کی باتیں ہیں، لوگ جذباتی باتیں کر کے اپنے آپ کو تسلی دے دیتے ہیں۔ تو بتا تیرے خون نے جس جوش مارا..... جواب دے مجھے..... کیسے اندر کوئی تحریک پیدا ہوئی اس عورت کو دیکھ کر؟“

”جی..... میں سمجھی نہیں بخت بابا.....“

”نہیں سمجھی نا تو اب سمجھ، اندر لیٹی ہوئی عورت تیری ماں ہے، سمجھی، پاگل سمجھ رہی ہوگی نا تو مجھے،“

”نہیں سمجھی نا تو اب سمجھ، کہاں گنگو تیلی، کہاں تو ٹخوں کی شرازی اور کہاں وہ ایک معمولی سی ملازمہ،“

”کے بال پکڑ کر تو اس کے گالوں پر تھپڑ لگا سکتی ہے..... میں..... ماں ہے وہ تیری..... میں اس کے بڈا لالہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو اس کائنات کا خالق ہے، اپنی قبر کی قسم کھاتا ہوں میں..... اپنے ایمان، اپنی زندگی، اپنی ان آنکھوں کی قسم کھاتا ہوں، ان آنکھوں میں دوڑتی لی مینا کی قسم کھاتا ہوں میں، شاہ نور! وہ تیری ماں ہے، تیری سگی ماں۔ جس کے پیٹ سے تو نے جنم لیا ی تیری سگی ماں ہے۔“

بخت بابا پر جو بیجانی کیفیت طاری تھی اب وہ مجھ پر منتقل ہو گئی، درحقیقت زندگی میں نہ تو کبھی کسی سے خوفزدہ ہوئی تھی نہ کبھی کسی ایسے جذباتی ماحول سے آشنا ہوئی تھی، یہ نہیں جانتی تھی کہ دل کی مرکز اچانک تیز کیسے ہو جاتی ہے، یہ نہیں پتہ تھا کہ دوران خون کس طرح اچانک جوش مارنے لگتا ہے، نہیں پتا تھا کہ بدن میں آگ کیسے دوڑ جاتی ہے، آج پہلی بار ان تمام چیزوں سے آشنا ہوئی تھی، بخت بابا کو بھتی رہی، یہ پاگل بوڑھا کیا کہہ رہا ہے، میری کوششی میں کام کرنے والی ملازمہ میری ماں کیسے ہو سکتی ہے۔ سوٹ بول رہا ہے یہ، میں بے یقینی کے انداز میں بخت بابا کو دیکھنے لگی تو بخت بابا نے کہا۔

”جتنی قسمیں میں نے کھائی ہیں اب اس کے بعد اس کائنات سے سچ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے، سمجھ ہی ہے نا تو..... ہر سچ مٹ جاتا ہے اس کے بعد اگر انسان اتنی ساری قسموں کے بعد جھوٹ بولے۔ سچ انام مٹ جاتا ہے مینا، لیکن میں پھر وہی الفاظ دہراتا ہوں، تیری ماں ہے یہ۔ تیری ماں ہے۔“

”لیکن کیسے بخت بابا..... آخر کیسے..... یہ کون سی نئی کہانی شروع کر دی تم نے..... میں تو سارے پاس صرف اس لئے آئی تھی کہ تم سے اپنے کئے کی معافی مانگ لوں۔ یہ کیا کہہ رہے ہو تم۔ اگر تم ہاتھ ہو کہ اس طرح تم مجھ سے انتقام لو، اس طرح میرے دل میں بیجان پیدا کر کے مجھے دیوانہ کر دو، تو منت بابا! وقتی طور پر تو ایسا ہو سکتا ہے لیکن میں اپنے آپ کو سنبھال لوں گی اور اس کے بعد اس کے بعد بخت بابا، تمہاری مجھ سے بڑی دشمن اور کوئی نہیں ہوگی۔ اپنے ان الفاظ کو ثابت کرو، اپنے ان الفاظ کو سچ کہہ کر ثابت کرو..... ورنہ بخت بابا ورنہ ورنہ..... میں درندہ ہوں سمجھ رہے ہو نا تم۔“

”بالکل نہیں دُرتا میں تجھ سے، تو دُرتے والی چیز بھی نہیں ہے، اس معمولی سی عورت کی معمولی سی اولاد، بھلا تجھ سے کون دُرتے گا کیوں دُرتے گا، کیا ہے تو، کیا حیثیت رکھتی ہے تو۔ سن بیٹھ جا، آبیٹھ جائیں تجھے اس کی کہانی سناؤں۔ مان یا نہ مان یہ کہانی سچ ہے اور اس بات کی مجھے سب سے بڑی خوشی ہے کہ اس

جانے دے۔ بیٹے..... بس اب میں برداشت نہیں کر سکتا، کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا، تم سب معاف کر دینا، اے وقت! اے ہواؤ! وہ سب مجھے معاف کر دیں جو میری اس بے وزنی سے متاثر معاف کر دینا مجھے سب، مجھے معاف کر دینا۔“

بخت بابا کے بارے میں تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ دیوانگی کا شکار ہو گئے ہیں۔ ایسا لگ رہا تھا اپنے آپ سے باتیں کر رہے ہوں، میں حیران تھی۔ میں تو بس ان سے معافی مانگنے آئی تھی، میں نے سوچا کہ اگر بخت بابا کو کبھی واپسی کے لئے تیار ہو گئے تو میں انہیں واپس لے آؤں گی۔ اگر نہ تیار ہوئے، میں ان کی مالی مدد کروں گی لیکن انہیں قتل کا کام کرنے نہیں دوں گی۔ بس یہی باتیں سوچتی تھیں میں لیکن بخت بابا کی اس بیجانی کیفیت کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اچانک ہی انہوں نے مجھے شروع کر دیا، مجھے گھورنے لگے، دیر تک گھورتے رہے، میں کچھ پریشان سی ہو گئی تھی، اب مجھے واقعی بابا کی ذہنی کیفیت پر کچھ شبہ ہونے لگا تھا، میں نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”کہہ دیجئے بخت جو کچھ آپ کے دل میں ہے کہہ دیجئے، مجھے برا بھلا کئے، ڈانٹ دیجئے، لہجے میرا دوسرا رخسار بھی حاضر۔ اس پر تھپڑ مار دیجئے، کہہ دیجئے، اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیجئے، میں..... میں واقعی بہت شرمندہ ہوں، بابا.....“

”بخت بابا نے ہاتھ بڑھا کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے بڑی شدت سے بھینچنے لگے، مجھے ان کے ہاتھ کی قوت کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا لیکن ہر حال میں نے یہ سب کچھ برداشت کیا، کہنے لگے۔

”تو نے اس عورت کو دیکھا جو اندر نیم بے ہوشی کی کیفیت میں پڑی ہوئی ہے، دیکھا مینا تو۔ اسے؟“

”ہاں بابا! کیوں..... دیکھا ہے میں نے اچھی طرح، آپ بے فکر رہیں وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔“

”وہ ٹھیک نہیں ہوگی مینا۔“ بخت بابا نے کہا۔

”کیوں..... کوئی مملکت بیماری ہے انہیں؟“

”ہاں..... اتنی مملکت بیماری کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”کک..... کیا؟“

”اس کی ماما چھن گئی ہے، ایک عورت سے اس کی ماما چھن جائے تو اس سے بڑی بیماری اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس کی ماما چھن گئی ہے۔ مینی۔“

”بخت بابا! آپ بہت بڑی بڑی باتیں کر رہے ہیں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔“

”سمجھائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے مینا، سمجھائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے، بتانا پڑے گا، اور پھر

کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے جو بہت ہی سنسنی خیز ہو، اب جو ہوگا دیکھا جائے گا، کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ، مجھے گولی مار دی جائے گی، قتل کر دیا جائے گا، ٹکڑے کر دیئے جائیں گے میری لاش کے، ہو سکتا ہے میری بیٹی

اور میری نوایسوں کو بھی نقصان پہنچایا جائے، لیکن..... لیکن انسان ہوں میں۔ کتنی محبت کروں میں اس

دنیا سے، بس کافی ہے۔ اپنا فرض پورا کر لیا میں نے..... خود محبت کئے جاؤں میں اس دنیا سے اور جواب

میں کچھ بھی نہ ملے..... کیا فائدہ.....؟“

جج کی تصدیق تو اپنی کوٹھی میں کسی سے بھی کر سکتی ہے، بہت سے پرانے ملازم ہیں، بہت سے ہیں ایسے اس پورے جج کو جانتے ہیں، میں اکیلا نہیں ہوں، اس لئے مجھے کوئی پروا نہیں ہے، جا معلوم کر اس جس کے راز دار بہت سے ہیں۔ ہاں تو قدیہ کی بیٹی ہے اور قدیہ میری بیٹی نہیں ہے، مگر ہے وہ یہ سبھی..... وہ میری ماں ہے، بات تیری سمجھ میں آگئی نا۔“

☆=====☆

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے بخت مراد کو دیکھتی رہی، پھر میں نے کہا۔
”کیا یہی پوری کہانی ہے؟“

”نہیں..... پوری کہانی تو میں اب سنا رہا ہوں تجھے، اور مجھے افسوس ہے کہ اس طرح سنا رہا، جس طرح کسی دشمن کو اس کی حقیقت بتائی جاتی ہے، حالانکہ کچھ وقت پہلے میں تیرا دشمن نہیں تھا، غلام، تیرا، تجھ سے محبت کرتا تھا لیکن اب شکر ہے اب ایک الگ حیثیت نے میں تجھے یہ تفصیل بتا رہا ہوں۔ نور، سن..... تیرا باپ کمال احمد نہیں ہے، تیرے باپ کا نام جمال احمد تھا، کمال احمد کا چھوٹا بھائی، احمد، ایک سادہ لوح فوجی جو باپ کی موت کے بعد کمال احمد کے ساتھ پروان چڑھا، کمال احمد نے بے اس کے ساتھ کوئی نا انصافی نہیں کی، اس نے اسے بھائی کا ہی مقام دیا لیکن پھر وقت بدلا، کمال احمد کی شادی ہو گئی اور جیسا کہ تجھے معلوم ہے کہ وہ عورت جو تجھے اپنی بیٹی کہتی ہے، ایک سیاستدان کی بیٹی تھی، اس پورے خاندان میں حکومت کے جراثیم تھے، اس کے بہت سے رشتے دار بڑے اچھے اچھے عہدوں پر کمال احمد کی زندگی میں داخل ہو کر اس نے کمال احمد کو بڑے مالی فائدے پہنچائے، ایک حیثیت بنا دی، لیکن جمال احمد کی شادی اس معصوم عورت سے خاص طور پر کرائی تھی اور یہ کام اسی عورت نے جس کا نام الماس آراء ہے۔ الماس آراء نے ایک ایسے معمولی شخص کی بیٹی سے جمال احمد کی شادی کرائی، بذات خود کچھ بھی نہیں تھا۔ اپنی دانست میں اس نے اس شخص پر بڑا احسان کیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ نہیں چاہتی تھی کہ جمال احمد کی شادی کسی اچھی جگہ ہو اور اس کی کوئی ہم پلہ عورت جمال احمد کی بیوی حیثیت سے اس کے گھر میں آئے۔

وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی، قدیہ اس گھر میں آگئی، جمال احمد تو ایک بالکل سیدھا سچا، سادہ لوح انسان تھا۔ بھائی کو وہ ولی اور درویش کا درجہ دیتا تھا اور بھائی کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے گردن جھکا دیتا اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا، قدرت کے معاملات الگ ہوتے ہیں۔ الماس آراء بیگم کو کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بانجھ ہے اور اس کے ہاں اولاد نہیں پیدا ہو سکتی، یہ بات اس کے لئے بڑی دلدوز تھی، لیکن یہاں بھی اس نے بیچاری قدیہ کو برباد کیا، قدیہ کے ہاں تو پیدا ہوئی، یہ بات الماس آراء نے پہلے ہی اپنے شوہر سے کہہ دی تھی کہ چونکہ اس کے ہاں تو کوئی اولاد ہو نہیں سکتی، لیکن جمال کے ہاں جو پہلی اولاد پیدا ہو اسے جمال کی اولاد نہ کہا جائے، چاہے وہ بیٹا ہو یا بیٹی، اسے الماس آراء کی آغوش میں لا ڈالا جائے۔ الماس آراء بیگم کی خواہش مند تھی، میں نہیں چاہتا کہ جب تجھے قدیہ کی آغوش سے اٹھا کر الماس آراء کی گود تک پہنچایا جا رہا تھا تو قدیہ پر کیا بیت رہی تھی، یہ کام جمال احمد نے کیا تھا جو

کا بے دام غلام تھا اور خود اس نے کبھی اپنی عقل سے کوئی کام نہیں لیا تھا۔ وہ کتنا تھا کہ جو بھائی سوچ رہے وہی سب سے بڑا فرمان ہے، اور اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ تو تجھے الماس آراء کی دس میں لاکر ڈال دیا گیا اور الماس لڑکوں کی طرح تیری پرورش کرنے لگی، اس نے تجھے لڑکا بنا کر پالا، ہر لمحہ کو بدایت کر دی گئی تھی کہ خبردار اگر کسی کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ تو الماس آراء کی اولاد نہیں ہے تو اس کی زبان کو کٹوا دیا جائے گا، ملازموں کو انعامات بھی دینے لگے تھے، میرے پاس بھی وہ انعام آج تک مل چکا ہے، میں جانتا تھا کہ جمال احمد کتنا نیک نفس ہے، کمال احمد اپنی بیوی کا شکار تو ہو ہی چکا تھا، بہر حال خدا نواز ہے، میں جانتا تھا کہ جمال احمد کتنا نیک نفس ہے، کمال احمد اپنی بیوی کا شکار تو ہو ہی چکا تھا، بہر حال خدا نے قدیہ کو دو بیٹیاں اور دس، قدیہ اپنی ماما کو سنبھالے، اپنی بیٹیوں کی پرورش کرنے لگی لیکن پھر اس کی زندگی میں ایک اور بدترین حادثہ ہوا۔

آہ! اس حادثے نے مظلوم قدیہ سے سب کچھ چھین لیا، حادثہ یہ ہوا تھا کہ بد بخت الماس آراء کے ایک بھائی نے ایسی بڑی شخصیت کو قتل کر دیا جو خود بھی بہت بڑی حیثیت کی حامل تھی۔ کوئی ایسا چارہ نہ رہا جس سے الماس آراء کا بھائی بچ سکے۔ تب الماس آراء نے اپنے شوہر سے کہا کہ اس کا باپ براہ راست اس سٹے میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتا لیکن قتل کا یہ الزام ایک خاص کہانی کے ساتھ جمال احمد اپنے سر لے لے تو اس کے باپ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ جمال احمد کو صاف نکال لے گا اور اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے دے گا، بہر حال کمال احمد نے بھائی سے یہ بات کہی اور بیوقوف جمال احمد نے بھائی کے کہنے پر بھری عدالت میں جج کے سامنے قتل کا وہ الزام اپنے سر لے لیا۔ مقدمہ چلا اور جمال احمد کو عمر قید ہو گئی، جمال احمد کو سزائے موت نہیں ہونے دی گئی تھی لیکن وہ عمر قید بھگتے کے لئے جیل بھیج دیا گیا اور اس کے بعد اچانک یہ پتہ چلا کہ جمال احمد جیل توڑ کر فرار ہو گیا، یہ جیل بھی اس سیاستدان نے تروائی تھی جو الماس بیگم کا باپ تھا، لیکن ظاہر ہے اس کے بعد جمال احمد کو گھر واپس نہیں آنا تھا۔ چنانچہ اسے مفرور قرار دے دیا گیا۔ اس طرح تیری ماما نے اس دولت اور جائیداد کا راستہ بھی صاف کر دیا جو دونوں بھائیوں کی مشترکہ ملکیت تھی۔ پھر اس کے بعد الماس آراء نے اس احساس کے ساتھ کہ کہیں تو کسی وقت یہ نہ جان جائے کہ تیری اصل ماں کون ہے، قدیہ کو اس کی دونوں بیٹیوں سمیت گھر سے نکلوانے کی کوشش شروع کر دی، اس کا پرسان حال بھلا اور کون تھا۔ یہاں میں نے آگے بڑھ کر الماس آراء سے درخواست کی کہ اگر قدیہ کو اس کی بیٹیوں کے ساتھ وہ میرے حوالے کر دے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ قدیہ ایک ملازمہ کی حیثیت سے یہاں زندگی گزارے گی اور کبھی کسی کو یہ علم نہیں ہونے پائے گا کہ شاہ نور قدیہ کی بیٹی ہے۔ بڑی مشکل سے میں اس ماں کو اس پر آمادہ کر سکا اور اس کے بعد سے قدیہ خاموشی سے میرے پاس رہنے لگی۔ سمجھ رہی ہے نا تو اس کے بعد تو نے اپنی ماں پر تشدد کیا تو میں اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکا، یہ کہانی میں نے تجھے سنائی ہے، ماں پر ہاتھ اٹھا رہی تھی تو، میں انسان ہوں۔ نہیں برداشت کر سکا، نہیں برداشت کر سکا۔“

بخت مراد خاموش ہو گیا، لیکن مجھ پر سکتہ طاری تھا، قدیہ میری ماں ہے اور یہ دونوں اس بوسیدہ گھر میں رہنے والی میری بہنیں ہیں، آہ کیا واقعی، واقعی ایسا ہے، اگر ایسا ہے تو اس سے زیادہ غم کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی، میرے اعصاب ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے لیکن پھر میں نے اپنی جسمانی قوتوں کو آواز دی،

اپنے آپ کو سنبھالا اور کہا۔

”بخت مراد! جو کچھ کہہ رہے ہو سچ ہے؟“

”افسوس تو اسی بات کا ہے کہ دنیا نے الٹی سیدھی روایتیں قائم کر رکھی ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ خون کو پکارتا ہے۔ کہاں پکارتا ہے خون، خون کو، کون سی جگہ ہے وہ؟ میں سمجھتا ہوں ایسی کوئی بات ہے۔ کوئی خون، خون کو نہیں پکارتا۔ سب فضول باتیں ہیں بیکار، بے مقصد قہے کہانیاں، ہاں تو اپنی کوئی بات میں کسی بھی معتبر ملازم سے یا کسی بھی ایسی شخصیت سے جسے توجہ بولنے پر آمادہ کر سکے یہ بات معلوم کرنا ہے جو میں نے کی۔“

”ٹھیک ہے اب تم یہ بتاؤ کہ میں کیا کروں؟“

”کچھ نہیں بتاؤں گا میں، ارے مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کچھ بتانے کی۔ تیرے باپ نے مجھ پر کیا ایسا احسان نہیں کیا تھا جس کے عوض میں یہ ساری مصیبتیں جھیلوں۔ میں تو انسانیت کے نام پر یہ سب کچھ رہا تھا اور کر رہا ہوں۔ نہ میرا اس سے کوئی جھگڑا ہے۔ بڑے لوگوں کے کھیل بھی بڑے ہوتے ہیں۔ بھلا مجھ کیا پڑی ہے کہ الماس آراء بیگم سے کوئی جھگڑا مول لوں۔ ارے مجھے کیا ملے گا اس کے بدلے میں؟ کون؟ میری اولادیں ہیں یہ۔ بھاڑ میں جائیں جہاں جاتی ہیں۔ جو کچھ بھی ہو گا ان کا ان کی تقدیر ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ قلی کا کام کر کے ان کی ضرورتیں پوری کر دیتا ہوں۔ پیٹ بھر دیتا ہوں ان کا۔ میں کیوں تجھ سے کہوں کہ جا اپنی تائی سے لڑ۔ ہاں اگر میری بات میں کوئی شبہ ہے تو جابجا یہ بوڑھا شخص تجھ سے کہتا ہے کہ جتنی ذہانت ہے تیرے پاس جتنی عقل ہے، ان تمام چیزوں سے کام لے کر صرف اس بات کی تصدیق کر لے کہ میں نے تجھے برکانے کی کوشش تو نہیں کی ہے۔ سمجھ رہی ہے نا اور کیا کروں میں؟“

”میری ماں کو کیا بیماری ہے؟“

”ٹائی بی ہے اسے سمجھی، ٹائی بی ہے، خون تھوکتی ہے وہ، علاج کی ضرورت ہے اسے۔ کہاں سے علاج کراؤں گا میں؟ پہلے بھی میرے پاس پیسے نہیں تھے زیادہ اب بھی نہیں ہیں، کیا کر سکتا ہوں بھائی! کیا کر سکتا ہوں۔“

”ہوں۔ ٹھیک!“ میں اپنے دل اور دماغ پر قابو پانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ آج اگر میں اپنے بارے میں سوچوں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ واقعی میری تربیت جس انداز میں کی گئی وہ مجھ پر احسان تھا۔ اس قدر ٹھوس اس قدر مضبوط اعصاب بن چکے تھے میرے کچھ عوامل کی بنیاد پر کہ اتنے بڑے انکشاف کو بڑی خوبصورتی سے سہہ گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بخت مراد کی کسی ہوئی ایک ایک بات مکمل سچ محسوس ہو رہی تھی۔ اتنی پہچان تو مجھے تھی کہ سچ کو سمجھ سکوں، لیکن جو انکشاف ہوا تھا وہ بڑا ہولناک تھا۔ اچانک ہی کسی کی دنیا اس طرح تہہ و بالا ہو جائے۔ وہ کیا کر سکتا ہے؟ کوئی معمولی بات نہ تھی یہ سب کچھ لیکن میں نے برداشت کر لیا تھا۔ اپنی ٹھوس فطرت کی بنا پر برداشت کر لیا تھا۔ بہت دیر تک میں سوچتی رہی پھر میں نے کہا۔

”بابا بخت مراد، بہت سی غلطیاں ہوئی ہوں گی مجھ سے۔ میں آپ سے صرف چند سوالات کرنا چاہتی

ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے اپنے معمولی سے تجربے کی بنیاد پر میں نے اسے سچ جانا ہے لیکن اس کے باوجود میں تھوڑی بہت تصدیق ضرور کروں گی اور مجھے یقین ہے کہ بات وہی سچ ہوگی جو آپ نے کی۔ کیونکہ یہ تصدیق میں نے آپ کے چہرے کی لکیروں سے ہی کر لی ہے۔ بابا بخت مراد، میں تو آپ سے جو کہنا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ ایک ایسی لڑکی جس کی پرورش ہی غلط ہاتھوں میں ہوئی ہے۔ غلط ہاتھوں سے میری مراد میرے تایا اور تائی ہیں۔ تائی نے صرف اپنا شوق پورا کیا۔ میرے ماں اور باپ کو انہوں نے زمین پر لٹا دیا۔ مٹی میں لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ جو زندگی میری ماں نے گزار دی، میری بہنوں نے گزار دی، وہ میرے لئے اس قدر دردناک ہے کہ آج میرا دل ماں پر ہونے والی ہر زیادتی پر خون کے آنسو رو رہا ہے۔ جہاں تک بابا خون کے جوش مارنے والی بات ہے تو یہ سب کچھ ابھی تک میرے تجربے سے باہر ہے۔ دوسرے اہم انسان میرے باپ ہیں جن کے بارے میں جو کچھ میں نے سنا ہے اسی سے ان کی فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک ایثار پسند شخص جو دوسرے کے لئے اپنے آپ کو تباہ کر دے، اتنا ہی عظیم ہو سکتا ہے جتنے میرے باپ ہیں۔ میں ان کے بارے میں کوئی بری بات سوچ بھی نہیں سکتی ہوں لیکن تایا جیسے برے انسان انہیں قتل بھی کرا سکتے ہیں اور تائی جیسی بری عورت ان کے ساتھ دنیا کا ہر برا عمل کر سکتی ہے۔ اس کے بارے میں جوش و جذبات سے کام نہیں لوں گی میں لیکن اگر ان دونوں نے میرے باپ کو دنیا سے مٹا دیا ہے، میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ تایا اور تائی کو ضرور زندہ رکھوں گی لیکن ان کے آدھے خاندان کو ختم کر دوں گی۔ ان لوگوں کو جو تائی کے خونی رشتے دار ہیں اور تائی کو یہ بتاؤں گی کہ یہ میرے باپ کے بدلے میں ہوا ہے لیکن اس کے لئے بخت بابا، میں زیادہ جلد بازی نہیں کروں گی۔ دوسری بات جو میں آپ سے کہہ رہی تھی وہ یہ تھی کہ مجھے تو ان ساری باتوں کے بارے میں معلوم ہی نہیں تھا۔ میں تو بالکل نادان تھا تھی ان تمام چیزوں سے۔ بابا بخت مراد، اس کے علاوہ میں اپنی تائی سے ایک سودا کروں گی۔ کچھ رقم حاصل کروں گی ایک غلطی کا مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے۔ بہت سی بار تایا نے کہا کہ میں اپنا اکاؤنٹ الگ کھولاؤں۔ اگر میرے ذہن میں ایسی بات ہوتی تو یقینی طور پر ایسا ہی کرتی۔ آج میں محسوس کر رہی ہوں کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اپنی ماں کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتی لیکن یہ کام بھی میں کروں گی۔ تائی کو مجھے یہ رقم دینا پڑے گی کسی نہ کسی شکل میں۔ بہر حال بخت بابا، آپ قلی کے کام پر مت جائیے گا۔ میں آپ پر کوئی احسان نہیں کر رہی۔ بلکہ اب تمام حالات معلوم ہونے کے بعد آپ کے مزید احسانات لینا چاہتی ہوں۔ میری ماں کو آپ کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے بابا، میرا دل چاہ رہا ہے کہ اپنی ماں کے قدموں کو آنسوؤں سے دھو دوں لیکن افسوس مجھے رونے کی عادت نہیں ہے بخت بابا۔ یہ آنکھیں آنسوؤں سے خالی ہیں۔ میں زندگی میں کبھی نہیں روتی۔ بخت بابا میرا دل چاہ رہا ہے کہ اپنی دونوں بہنوں کو کیچے سے لگا لوں لیکن یہ بے غیرتی اور خود غرضی ہوگی۔ اس سے پہلے بھی تو یہ انسان تھیں۔ میں نے تو کبھی نگاہ بھر کر ان کے چہرے بھی نہیں دیکھے تھے۔ آج میری محبت اگر پھٹ پڑے گی تو وہ کیا سوچیں گی بخت بابا! میں اس وقت ان کو سینے سے لگاؤں گی جب ان کا مستقبل بنا دوں گی۔ جب ان کے سر پر باپ کا سایہ لے آؤں گی اور جب انہیں جیتی جاگتی ماں دے دوں گی۔ بخت بابا! یہ میری زندگی کا سب سے بڑا عزم ہے۔

بڑی باقاعدگی سے کرانا ہوگا۔ معمولی طریقے سے کام نہیں چلے گا لیکن دوائیں دے رہے ہیں۔ تھوڑا فائدہ بھی ہے ان دواؤں سے۔ رقم ہی کا معاملہ تھا ورنہ بہت ایتھے سے سینی ٹوریم میں داخلہ ہو سکتا تھا۔ صاحب نے معلومات بھی کی تھیں۔ مگر خرچہ بہت بڑا ہے۔“

”علاج جاری رکھئے گا۔ انشاء اللہ بہت جلد ماں کو کسی سینی ٹوریم میں داخل کرا دیں گے۔ آپ بے فکر رہیں۔ اچھا میں چلتی ہوں۔ چاہیں تو بچوں کو بتا دیں۔ ماں کو ہوش آئے تو ماں کو بھی بتا دیجئے اور بھی بتا دیجئے کہ میں اس کا سامنا کروں گی لیکن کچھ وقت کے بعد تھوڑے سے وقت کے بعد۔“

بخت بابا آخر کار انسان تھے۔ ایسے وقت میں تو پتھروں کے بھی آنسو نکل آتے ہیں لیکن شاید میں سے بھی الگ کوئی مخلوق تھی۔ یا پھر ممکن ہے میرا دل ہی آنسو بہانا جانتا ہو۔ آنکھوں کو یہ عادت نہ ہو لے وہ اس وقت بھی خشک تھیں۔ بخت بابا مجھے میری کار تک چھوڑنے کے لئے آئے۔ میں نے انہیں کیا اور پھر کار میں بیٹھ کر چل پڑی۔ اب اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ میری شخصیت مکمل طور پر بدل تھی۔ وہ طوفان وہ بلا خیز لڑکی جس نے لڑکوں کی طرح تربیت پائی تھی اس وقت عجیب و غریب کیفیت کا ڈھل تھا۔ دل میں آگ سلگ رہی تھی۔ دھواں اٹھ رہا تھا۔ نہ جانے کیسے کیسے خیالات آرہے تھے۔ کبھی بخت کی آواز ابھرتی جس میں وہ سمجھا رہے ہوتے۔ نہیں تجربے کی آنکھ سے دیکھو مبر سے کام لو۔ بے صبر نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ واسطہ خطرناک لوگوں سے ہے۔ ہوشیار، ہوشیار۔

کوٹھی میں داخل ہو گئی سب کچھ برا لگ رہا تھا۔ یہ سب کچھ میرا بھی ہے لیکن مجھے یوں لگ رہا جیسے کسی دوسرے بادشاہ نے میری مملکت پر قبضہ کر لیا ہو۔ میری بادشاہت چھین لی ہو۔ معاف نہیں کروں ان لوگوں کو۔ معاف نہیں کروں گی۔ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی اور بستر پر لیٹ گئی۔ سرگھوم رہا تھا۔ اپنی شاندار صحت کی بنا پر ایک دن بھی ایسا یاد نہیں تھا جو بیماری کا دن ہو۔ بہت ہی اچھی زندگی گزاری تھی لیکن آج سارا وجود بیمار محسوس ہو رہا تھا۔ ساری کسر پوری ہو گئی تھی۔ ایک ایک کردار ذہن میں آ رہا تھا اس کا مطلب ہے کہ کمال احمد صاحب میرے والد نہیں ہیں۔ میرے والد کی شکل و صورت کیسی ہوگی۔ میر ان ماموں صاحب کو بھی اچھی طرح جانتی تھی جن کی نشاندہی بخت بابا نے کی تھی جو قاتل تھے اور ان کے اعمال کا نتیجہ میرے باپ کو بھگتنا پڑا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ میں انہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی اگر مجھے اس بات کا علم ہو گیا کہ میرا باپ اب اس دنیا میں نہیں ہے اور ان لوگوں نے اسے زندگی سے محروم کر دیا ہے۔ صرف اس لئے کہ کہیں وہ کسی وقت حقیقت کا انکشاف نہ کر دے کہیں کسی کو سب کچھ معلوم نہ ہو جائے۔ نہیں ایسا نہیں ہونے دوں گی میں۔ بڑی ذمہ داریاں آپڑی ہیں میرے شانوں پر، کرنا پڑے گا بہت کچھ کرنا پڑے گا۔

ذہن پھر ماں کی طرف منتقل ہو گیا۔ میں یہ سوچنے لگی کہ مجھے کرنا کیا چاہئے۔ آغاز کہاں سے کروں، ماں کی بات کروں پہلے یا پھر؟ دماغ دیکھنے لگا صحیح فیصلہ کرنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔ خاص طور سے کسی ایسے شخص کے لئے جو زندگی کے ایسے مسائل سے ناواقف ہو وہ نہ جانتا ہو کہ برے لوگ کس کس طرح اقدامات کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے نمٹنا کتنا مشکل کام ہے۔ آہ۔ میں نے کبھی اس طرح تو نہیں سوچا

تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تائی صاحبہ اب جبکہ میرے منہ سے ان رشتوں کا اظہار ہو ہی گیا ہے تو رشتہ بدل کر کیا کروں یا چھپانے کی کوشش کیا کروں۔ تائی صاحبہ ہی کون گئی اب محترمہ الماس آراء بظاہر مجھ سے کسی خاص رغبت کا اظہار تو نہیں کرتی تھیں۔ غالباً شروع کا شوق تھا جو پورا ہو گیا تھا۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ناز برداریاں مختلف طریقوں سے اب بھی ہو جاتی تھیں۔ یعنی کبھی کسی ایسی چیز کے لئے سوچنا نہیں پڑا تھا جس کی ضرورت ہوتی۔ بس اظہار کر دینا کافی تھا اور عمل شروع ہو جاتا تھا۔ ہدایت تھی ہر ایک کو کہ مجھے اپنی ضرورتوں کے سلسلے میں کبھی کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے اور ایسا ہی ہوتا تھا۔ باقی جہاں تک تعلق بہت زیادہ محبت کے اظہار کا تھا تو ایسی بات کم از کم اب نہیں ہوتی تھی جبکہ پہلے ایسا ہوا کرتا تھا شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اب میں ان لوگوں کو زیادہ وقت بھی نہیں دیتی تھی۔ اپنے ہی معاملات میں مصروف رہتی تھی۔ لیکن کیا کروں اب کیا کرنا چاہئے۔ دماغ پھٹنے لگا تھا اور آخر کار اپنی نا تجربہ کاری اور نوجوبیت سے مشورہ کیا۔ تو یہی دماغ میں آئی کہ براہ راست ان لوگوں سے بات کی جائے۔ انہیں بتا دیا جائے کہ سب کچھ جان چکی ہوں میں۔ اب ذرا وہ میرا سامنا کریں۔ بخت بابا کی تمام تر ہدایت کے باوجود میں نے جذبات میں آکر یہی سوچا کہ اظہار کر دینا چاہئے۔ اس کے بعد دیکھوں کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

لیکن پھر بھی اس کے لئے میں نے دوسرا دن ہی منتخب کیا تھا۔ مجھے کمال احمد صاحب اور الماس آراء کے معاملات کا علم تھا۔ کمال احمد صاحب بارہ ساڑھے بارہ بجے گھر سے باہر نکلتے تھے۔ ناشتہ بے شک ساڑھے آٹھ بجے ہی ہوا کرتا تھا لیکن ساڑھے آٹھ بجے کے بعد میاں بیوی اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے اور پھر دنیا جہان کی باتیں ہوتی تھیں۔ گیارہ بجے تایا صاحب تیار ہوا کرتے تھے اور پھر کاروباری امور کی دیکھ بھال کے لئے باہر نکل جایا کرتے تھے دوپہر کو کبھی کھانے پر واپس نہیں آتے تھے۔ البتہ شام کی چائے بیرونی حصے میں لی جاتی تھی اور اس میں تایا صاحب ضرور موجود ہوا کرتے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے کے ناشتے میں، میں نے کسی قسم کی کیفیت کا اظہار نہیں کیا۔ یہ البتہ سوچ لیا تھا کہ اب اس سلسلے میں کسی رعایت کا تصور کرنا بھی اپنے خون اپنے ماں باپ سے غداری ہے۔ ظاہر ہے یہ میرا فرض تھا اس کے لئے کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ بخت بابا اگر اسے نا تجربہ کاری کا قدم قرار دیتے تو یہ بخت بابا کا خیال تھا۔ میں تو سمجھتی تھی کہ نا تجربہ کاری ہو یا کچھ بھی بہر حال میرا فرض مجھے پکار رہا ہے اور وہ تو مجھے پورا کرنا ہی ہے۔ پھر ساڑھے دس بجے میں نے الماس آراء بیگم کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دی تو ان کی آواز سنائی دی۔ ”کون ہے اندر آ جاؤ۔“ میں اندر داخل ہو گئی تھی۔ معمول کے مطابق تایا صاحب اور تائی الماس آراء آئے سامنے بیٹھے ہوئے کہیں لگا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہیں نے ہمیشہ ہی کی طرح مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا۔ ”خیریت؟ غیر متوقع طور پر آ گئی ہو۔“ الماس آراء بیگم نے کہا۔

”اور چہرہ دیکھو یوں لگ رہا ہے جیسے ہش اور الگور کے درمیان انتخابی مشکلات کا سب سے زیادہ اثر انہی خاتون پر ہو رہا ہے۔ آئیے بیٹھے تشریف رکھئے، کیا بات ہے؟“ میں آگے بڑھ کر ان کے قریب پہنچ گئی اور پھر میں نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

”آپ لوگ جس طرح میرا استقبال کرتے ہیں اور جس طرح مجھے دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں محبت

”سنو میری بات تو سنو شاہ نور!“ تاپا صاحب نے بھی اس محاذ میں شرکت کرتے ہوئے کہا۔ ”تاپا ہوں میں تمہارا اور یہ تمہاری تائی ہیں۔ ہم نے تمہیں اس وقت اپنی پناہ میں لیا جب تمہارے والدین کا انتقال ہو گیا۔ سمجھ رہی ہوں نا تم اور یہ ملے کر لیا تھا کہ تمہیں کبھی یہ احساس ہونے نہیں دیں گے۔ یہ علم نہیں ہونے دیں گے کہ تم ہماری بیٹی نہیں ہو اور اب تک ہم نے یہی کوشش کی ہے۔ آج اگر کسی بد بخت نے تمہارے کانوں میں یہ بات پہنچا دی ہے تو ہاں ٹھیک ہے میں اعتراف کرتا ہوں اس بات کا اور ان کی طرف سے بھی یہی بات کہتا ہوں کہ میں تمہارا باپ نہیں تاپا ہوں اور یہ تمہاری ماں نہیں بلکہ تائی ہیں۔“

”اگر اس بات کا اعتراف کر لیا آپ نے تو اب اس کے بعد دوسرے اعترافات بھی کیجئے۔ وہ مردود کون ہے جس نے خود گناہ کر کے اس گناہ کا الزام میرے باپ پر لگایا تھا اور اسے عمر قید کرا دی تھی۔“

”شاہ نور! دیکھ میں مختلف مزاج کی عورت ہوں۔ اگر تو نے مجھ سے جھگڑا مول لیا تو اسی طرح فنا کر دوں گی جس طرح تیرے ماں باپ کو فنا کر چکی ہوں۔ سمجھ رہی ہے نا تو۔ چار دن کی لڑکی ہماری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہی ہے۔ تو ہے کس حیثیت کی مالک؟ اس طرح پیس دی جائے گی جیسے چکی میں گیہوں پس جاتا ہے۔“

”ویری گڈ۔“ محترمہ الماس آراء بیگم بڑے اچھے لوگ ہیں آپ۔ کم از کم حقیقتوں کا اعتراف تو کرتے جارہے ہیں۔ چاہے غصے میں آکر ہی سہی اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آپ نے میرے ماں باپ کو پیسا ہے۔“

”الماس‘ ضرورت سے زیادہ نہیں بول رہیں تم؟“ تاپا صاحب نے پھر درمیان میں مداخلت کی۔

”بکواس بند کرو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کہاں تک پہنچی ہوئی ہے۔“

”اور میں سوچ رہا ہوں کہ تم بیوقوفی کی باتیں کر رہی ہو۔ اسے یہاں تک پہنچانے والا کون ہے۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر یہ تبدیلی رونما ہوئی ہے۔“

”اوہ..... اوہ میں سمجھ گئی وہ کتنا بخت مراد وہ بوڑھا نمک حرام جو اپنے آپ کو دنیا کا سب سے رحم دل اور نیک آدمی ثابت کرنا چاہتا تھا اور جو دو دن پہلے اس کی ماں اور بہنوں کو لے کر غائب ہو گیا ہے۔ سو فیصد‘ سو فیصد وہی ہے۔ کہاں ہے؟“ الماس آراء بیگم نے اس بار ناگن کی طرح پھنکارتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

”وہ جہاں بھی ہے آپ فضول باتوں سے گریز کریں گی۔“ اس بار کمال احمد صاحب نے کرفت لہجے میں کہا اور تائی صاحبہ انہیں دیکھنے لگیں۔ تائی کی آنکھوں میں ایک ناگن جیسی چمک تھی اور تاپا صاحب غالباً اب اس چمک کا مقابلہ کرنے کی عادت ڈال چکے تھے دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں جیسے مختلف کیفیتوں کا تبادلہ ہوا اور پھر تائی صاحبہ کا لہجہ مدہم ہو گیا۔

”تم دیکھ نہیں رہے یہ مجھ سے کس طرح پیش آرہی ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے اس کے کان بھر دیئے ہیں تو کم از کم اسے ان کی باتوں پر یقین کر کے فوراً ہی انداز تو نہیں بدل لینا چاہئے تھا۔ کم از کم یہ مجھ سے اس بارے میں بات تو کرتی ٹھنڈے دل سے پوچھتی سلیطے سے پوچھتی۔“

ابھر آتی ہے اس پر مجھے اب حیرت ہو رہی ہے جبکہ اس سے پہلے بالکل نہیں تھی۔“

”یہ فلسفہ بولنا چھوڑ دیجئے محترمہ! کیا بات ہے کہیں گھونٹے پھرنے جانا ہے۔ ملک سے باہر جا۔ خیال یا خناس دل میں سیایا ہے۔ کیا قصہ ہے بتائیے؟“ کمال احمد صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جو سوال میں آپ سے کرنے جارہی ہوں۔ وہ بڑا مشکل اور ٹیڑھا سوال ہے۔“

”یقیناً ہوگا ورنہ آپ کے چہرے کے زاویے یوں نہ بد لے ہوتے۔“ کمال احمد صاحب نے پھر انداز میں کہا۔

”پہلے آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ میرے والد ہیں یا تاپا؟“ میں نے سوال کیا۔ رد عمل میری توقع مطابق ہی تھا۔ کمال احمد صاحب اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ بیٹھے رہے پھر الما آراء بیگم کی طرف دیکھا پھر میری طرف پھر چاروں طرف اور اس کے بعد پھر مجھے گھورتے ہوئے بولے۔

”مم..... میں کچھ سمجھا نہیں۔“

”سمجھنے کی کوشش کیجئے تاپا صاحب۔ میں اب آپ کو تاپا صاحب کہہ کر با آسانی مخاطب کر سکتی ہوں کیونکہ مجھے اس بات پر کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ میرے والد نہیں ہیں۔“ اس بار میں نے الماس آراء کی طرف دیکھا الماس آراء کا چہرہ رفتہ رفتہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ میں ان خاتون کے بارے میں اس سے پہلے کبھی اس انداز میں نہیں سوچتی تھی لیکن اب میری سوچیں خاصی بدل گئی تھی۔ آخر کار الماس آراء نے یہ محال منہ صال لیا اور بولیں۔

”اس سے پہلے کہ تم ہم سے کوئی سوال کرو شاہ نور! یہ بتاؤ یہ سوال تمہارے ذہن میں کس نے پیدا کیا ہے۔ تم نے اس انداز میں کیوں سوچا ہے۔ کس نے تمہیں ہمارے خلاف برکایا ہے؟“

”آپ ہمیشہ مجھ سے سوال کرتی رہی ہیں اور میں نے آپ کے ہر سوال کا جواب آپ سے پوچھے بغیر دیا ہے کہ آپ یہ سوال کیوں کر رہی ہیں۔ آج پہلی بار میں آپ سے یہ سوال کر رہی ہوں الماس آراء بیگم۔ معاف کیجئے گا آپ اسے ضرور گستاخی تصور کریں گی لیکن جو کچھ میرے علم میں آچکا ہے اور میں جس بات پر یقین کر چکی ہوں اس کے بعد بھلا اس بات کے کیا امکانات ہیں کہ میں آپ کی عزت کروں یا آپ کو اسی نگاہ سے دیکھوں جس نگاہ سے پہلے آپ کو دیکھتی رہی ہوں۔ آپ اگر صاحب اقتدار ہیں ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں تو مجھے بتائیے کہ کیا آپ میری ماں ہیں؟“

”مجھے زندگی بھر کیا محسوس ہوا ہے؟“

”مجھے جو محسوس ہوا ہے ان محسوسات کو جانے دیجئے بعض اوقات انسان ایک دائرے میں گھومتا رہتا ہے اور اپنی عقل کے مطابق سوچتا رہتا ہے لیکن جب عقل کی شاخیں پھوٹی ہیں اور کچھ دور تک نظر آتا ہے تو اس کی سوچ کا انداز بدل جاتا ہے الماس آراء بیگم۔“

”بد تمیز لڑکی۔“ مٹی کہتے کہتے ایک دم سے بد تمیزی پر اتر آئی۔ میرا نام لے رہی ہے۔“

”ہاں مجبوری ہے الماس آراء بیگم۔“

”کیا مجبوری ہے تجھے۔ پہلے صرف یہ بتا کہ تجھے کس نے اس بات پر آمادہ کیا ہے؟“

اس کی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہیں اس کی بیماریوں کا علاج کراتے ہیں، لیکن کتا کتا ہی ہوتا ہے ان کی میں۔ بہر حال میں الماس آراء بیگم کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ بلکہ اب تو چھوڑنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے ان تمام حقیقتوں سے روشناس ہونا تھا جن کا تعلق میری زندگی سے تھا۔ میں انتظار لی رہی دوسرے کو مجھے کھانا پر بلایا گیا لیکن میں کھانے پر نہیں پہنچی۔ اپنے کمرے میں بی رہی جو ملازمہ مجھے سے میں بنانے آئی تھی میں نے اس سے کہہ دیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بہر حال مجھے دوبارہ بلایا گیا تھا لیکن کوئی سوا دو بجے میرے دروازے پر دستک ہوئی اور الماس آراء بیگم اندر آ گئیں۔

”کھانا نہیں کھایا تم نے؟“

”جی نہیں۔“

”کیوں؟“

”دل نہیں چاہا۔“

”اچھی بات ہے یہ؟“

”نہیں۔“

”پھر.....؟“

”بس دل نہیں چاہا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں بھی تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ جو گھناؤنا الزام مجھ پر لگایا ہے یا جس انداز میں تمہیں ہمارے بارے میں بتایا گیا ہے۔ یا جس طرح ہمارے علاوہ کسی اور نے تمہیں تفصیلات بتائیں وہ سب کچھ اچھی بات نہیں ہے۔ انھو آؤ میرے ساتھ۔“

”کہاں؟“

”اب یہ سوال بھی کرو گی؟“ الماس آراء بیگم نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ایک لمحے تک میں نے پاس اس کے بعد اٹھ گئی۔ الماس آراء بیگم ساتھ لے کر چل پڑی تھیں۔ میں نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ وہ حرجا رہی ہیں۔ بہر حال وہ کوٹھی کے عقبی حصے میں پہنچی تھیں اور سب سے آخری کمرے میں پہنچنے کے انہوں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ پھر وہ ایک دیوار کے پاس پہنچیں۔ میں حیرانی سے یہ دیکھ کر رہی تھی۔ دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ میں سے انہوں نے ایک سوئچ پر انگلی رکھی۔ اسے بار اوپر نیچے کیا تو دیوار میں ایک سرسراہٹ سی پیدا ہوئی اور پھر ایک پردہ سا اٹھنا چلا گیا۔ مجھے یہ بالکل نہیں تھا کہ اس کوٹھی کے ایک کمرے میں ایسا کوئی انتظام موجود ہے۔ پردے کے پیچھے ایک خلا نظر آ رہا۔ جس میں ایک سوئچ دبانے سے روشنی ہوگئی تھی اور مجھے میزبیاں نظر آنے لگی تھیں۔ کشادہ اور وسیع ریمیں دیکھ کر میں نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ الماس آراء بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

”آؤ۔ میں تمہیں اس اہم راز سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں جس نے تمہارے اور میرے درمیان ایک خلا کر دیا ہے۔ آؤ اس خلا کو پُر کریں یہ ضروری ہے ورنہ بہت سے نقصانات ہو جائیں گے۔“ میں خاموشی سے میزبیاں اتر کر اس بڑے سے ہال میں پہنچ گئی جس میں ہر طرح کی آسائشوں کے انتظامات تھے۔ گھٹن کا

”دیکھو۔ حقیقتیں بھی کبھی نہ کبھی منظر عام پر ضرور آتی ہیں۔ اسے ہم خود جانتے ہیں جیسا کہ میں سے کہہ چکا ہوں کہ ایک نہ ایک دن ہمیں اس پر یہ انکشاف کرنا پڑے گا، کہ یہ ہمارا خون نہیں ہے بلکہ میرے بھائی کا خون ہے لیکن جس انداز میں لوگوں نے اسے یہ بات بتائی ہے وہ بڑی خطرناک ہے۔ میں۔ تم سے پہلے بھی ایک بار کہا تھا کہ الماس آراء بیگم بچی بڑی ہوگئی ہے اسے تمام حقیقتوں سے روشناس کر دینا تم نے کہا کہ وہ کبھی بھی تم سے منحرف نہیں ہو سکتی۔ دیکھ لیا نا اب اپنی ضد کا نتیجہ۔ اسے کتے پر عورت کی بیوقوفی۔ اگر میری بات مان لیتیں تو آج اس طرح یہ تمہارے سامنے آ کر کھڑی نہ ہوتی اور تمہیں اس طرح غم اور دھچکا نہ پہنچتا۔“

الماس آراء بیگم مدہم پڑتی چلی گئیں۔ میں کچھ نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ یہ سب کچھ کیا ہے تیا صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔ بخت بابا تو بہت ہی اچھا آدمی تھا اور پھر میری ماں اور دونوں چھوٹی بہنیں معصوم سی شخصیتیں میرے باپ کی ناموجودگی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ الماس آراء بیگم تھوڑی دیر تک خاموش رہی تھیں پھر انہوں نے مدہم لمحے میں کہا۔

”سنو، تم نے مجھ سے جس انداز میں یہ سوال کئے اس نے میرا دماغ بھی اڑا دیا تھا۔ شاید میں تم سے اس انداز میں نہ پیش آتی اور تمہیں تمام حقائق بتاتی۔ تھوڑا سا توقف کرلو۔ تھوڑا سا انتظار کرلو میں تمہیں ساری تفصیلات بتا دوں گی۔ جاؤ، وعدہ کرتی ہوں اپنے کمرے میں جاؤ، آرام سے بیٹھو، ٹھنڈے دن سے اس بات پر غور کرو کہ بچپن سے لے کر اب تک تم نے جو زندگی گزاری ہے۔ کیا وہ اتنی ہی بری ہے کہ ایک دن تم میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھ سے یہ سوال کرو؟ ہاں یہ بات سچ ہے بالکل سچ میں۔ تمہاری ماں نہیں ہوں اور کمال احمد تمہارے باپ نہیں ہیں۔ تم کمال احمد کے چھوٹے بھائی جمال احمد کی بیٹی ہو لیکن ساری تفصیلات تو سن لیتیں پہلے۔ دشمن بہت ہوتے ہیں دوست کم ہوتے ہیں۔ بد بخت، بخت مراد کو تو میں دیکھ لوں گی۔ سمجھیں، دیکھ لوں گی میں اسے۔ اس نے میری پشت میں خنجر گھونپا ہے۔ مجھے اس سے یہ امید نہیں تھی۔ خیر چھوڑو کوئی بات نہیں۔ آئی ایم سوری۔ جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو۔ خود بھی نرم رہو اور مجھے بھی نرم ہونے دو۔ میں تھوڑی دیر کے بعد تمہارے پاس آتی ہوں۔ جاؤ بس اب کوئی ضد نہ کرنا جاؤ۔“

میں تھوڑی دیر تک انہیں دیکھتی رہی اور اس کے بعد وہاں سے پلٹ کر اپنے کمرے میں واپس آ گئی لیکن میرے وجود میں ابھی تک ٹھنڈک نہیں پیدا ہوئی تھی۔ میں سوچ رہی تھی بہت کچھ سوچ رہی تھی۔ الماس آراء بیگم نے شدید غصے کے عالم میں کہا تھا کہ وہ مجھے اس طرح پیس دیں گی جیسے اس نے میری ماں اور میرے باپ کو پیسا ہے۔ غصے میں وہ سچ بول گئی تھیں۔ اب اس کے بعد وہ کیا ظاہر کرنا چاہتی ہیں۔ بیٹھے بیٹھے میں سوچتی رہی بہت سے خیالات میرے دل میں آتے رہے۔ ان لوگوں نے واقعی میرے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا تھا بلکہ ایک عجیب سا انداز بے شک تھا۔ مجھے وہ سچے ماں باپ نہیں لگتے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے میری پرورش اچھے انداز میں کی تھی۔ غالباً یہ صرف الماس آراء کا شوق تھا لیکن یہ شوق اسی طرح کا تھا جیسے لوگ اپنی پسند کا کتا پال لیتے ہیں۔ اسے بہت اچھی طرح پرورش کرتے ہیں۔ کھلاتے پلاتے

کو؟ آپ بتا دیجئے۔ کم از کم یہ تو بتا دیجئے کہ کیا میں یتیم ہو چکی ہوں۔ اپنے آپ سے آگاہ ہونے کی خواہش کس کے دل میں نہیں ہوتی۔ اگر میں یتیم ہو چکی ہوں تو بھی مجھے بتا دیجئے تیا جان یہ خاتون تو نہیں بتائیں گی۔“

”کمال احمد کے بارے میں تم کیا سمجھتی ہو کیا حیثیت تھی ان کی شاہ نور بیگم؟ معمولی سے آدمی تھے۔ ان کی اوقات بنا دی ہے میں نے۔ ان کی کیا مجال ہے کہ میرے حکم سے ادھر ادھر گردن بلا سکیں۔ دیکھو ہم وگ جو ہوتے ہیں نا ہمارا مزاج بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ہم حکمرانی کرنے کے لئے عالم وجود میں آتے ہیں اور حکمرانی کرتے ہوئے دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ اس دوران جو کھیل ہوتے ہیں شاہ نور بیگم، بہت مختلف ہوتے ہیں۔ تم جیسے لوگوں کے فرشتے بھی ان حقیقتوں کو نہیں سمجھ سکتے اور نہیں پاسکتے۔ ہمارے لئے کسی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ہم اپنے بالکل سگوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کی نیند سلا دیتے ہیں اگر وہ ہمارے اقتدار کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ یہ تمام اعتراضات کرتے ہوئے مجھے کوئی شرم نہیں محسوس ہو رہی۔ میں نے کہا نا کہ ہماری پیدائش ہی ذرا مختلف انداز میں ہوتی ہے۔ ہم الگ قسم کے لوگ ہوتے ہیں سمجھیں، الگ قسم کے لوگ۔“ الماس آراء بیگم کا یہ روپ میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ روپ مستقل ہو لیکن میں نے اس پر کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ میری اپنی زندگی کا انداز تو بالکل ہی الگ تھا لیکن آج مجھے بہت سی حقیقتیں معلوم ہو رہی تھیں۔ الماس آراء بیگم نے جو انداز اختیار کیا تھا اس میں رحم کا کوئی ذرہ نہیں تھا۔ مارے رشتے، ساری محبت، ساری لگن بھول گئی تھیں وہ۔ واقعی وہ الگ قسم کی انسان تھیں لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے، خد، ختی، جذباتی اقدامات مصیبت میں پڑ جاؤں گی اس طرح تو۔ میں نے بھی انہی کے ہاتھوں پرورش پائی تھی۔ میں نے بھی انہی کی تمام خصوصیتیں اپنائی تھیں۔ میں نے کہا۔

”دیکھئے معزز خاتون! ہر قیمت پر انسان کو سودا تو کرنا ہوتا ہے۔ میں نے تو دنیا میں کچھ بھی نہیں دیکھا آپ کے سوا۔ یہ جو کچھ میرے علم میں آیا ہے، اب اس بات کا اظہار ہو رہا ہے کہ سچ ہے۔ آپ خود سوچئے کہ اس سچ سے میرے ذہن کو سکون حاصل ہو سکتا ہے؟“

”نہیں کوئی ایسی بات نہیں۔ یہ جذبات ہی تو انسان کو جانور کی موت مرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مجھے صرف ایک بات بتاؤ۔ صرف ایک بات۔ سب سے پہلی بات۔ اس کے بعد دوسری بات ہوگی۔“

”جی۔ کیا؟“ میں نے سوال کیا۔

”کیا تمہیں یہ تمام تفصیلات بخت مراد نے بتائی ہیں؟“

”جی بالکل ٹھیک اسی نے مجھے بتائی ہیں۔ میں نے اس کے ساتھ ختی برتی تھی۔ میں نے اس عورت کو مارا تھا جو اس کے ساتھ اپنی دو بچیوں کے ہمراہ رہتی تھی اور جسے بخت مراد اپنی بیٹی کہتا تھا۔ وہ گھر چھوڑ کر نکل گیا پھر وہ مجھے ایک دن بازار میں ملا اور برا بھلا کہتے ہوئے اس نے مجھے یہ تمام تفصیلات بتائیں۔ یہ حقیقت ہے۔“

”ہوں۔ تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی کہ وہ جس عورت کو اپنی بیٹی کہتا تھا۔ وہ تمہاری ماں تھی؟“

”ہاں اس نے مجھے یہی بتایا۔“

ذرا برابر احساس نہیں تھا میں اس تہ خانے کے بارے میں آج تک کچھ نہیں جانتی تھی حالانکہ پورے اس کوٹھی میں گزاری تھی۔ بچپن سے لے کر اب تک یہاں پرورش پائی تھی لیکن کبھی اس راز۔ نہیں ہوئی تھی کہ کوٹھی کے نیچے کوئی ایسا تہ خانہ بھی موجود ہے۔ بہر حال یہاں موجود فرنیچر میں۔ کرسی گھسیٹ کر میں بیٹھ گئی الماس آراء میرے سامنے بیٹھ گئی تھیں۔ پھر اچانک ہی میں نے قدموں کا محسوس کی اور میری نگاہیں ایک بار پھر میڑھوں کی جانب اٹھ گئیں۔ دو افراد نیچے آ رہے تھے۔ ان۔ تیا صاحب بھی موجود تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں ہلکی سب مشین گئیں دبی ہوئی تھیں۔ ان دو میں نے پہلے کبھی اس کوٹھی میں نہیں دیکھا لیکن ان کے لباس ان کے انداز سے مجھے یہ چل گیا تہ باڈی گاڑڈ ہیں۔ الماس آراء بیگم نے ایک دم سے اپنا روپ بدل لیا۔ دونوں باڈی گاڑڈ دیوار سے کھڑے ہو گئے۔ تیا صاحب نے الماس آراء بیگم کو دیکھا اور بولے۔

”بہتر ہے کہ انداز صحیح رکھا جائے۔ جلد بازی نہ کرنا۔“

نجانے کیوں مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ مجھے یوں لگا جیسے ساتھ دھوکا کیا گیا ہو۔ بہر حال میں نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا اور الماس آراء کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی آپ مجھے کچھ بتانا چاہتی تھیں۔“

”بتانا نہیں بلکہ تم سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔“

”پوچھئے۔“

”صرف ایک بات بتاؤ۔ کیا تمہیں یہ ساری تفصیلات بخت مراد نے بتائی ہیں؟“

”کیا آپ کے خیال میں بخت مراد کو یہ ساری تفصیلات معلوم تھیں؟“

”لڑکی، اس وقت تو دوستوں میں نہیں ہے۔ ایک بات ذہن میں رکھنا یہاں اس تہ خانے

آسانی تیرے پورے جسم میں گولیاں اتار دی جائیں گی اور تیری لاش کو یہاں موجود گٹر میں بہا دیا جائے

کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکے گا کہ کوئی یہاں تھا۔ تیرے بارے میں یہ صاف کہا جاسکتا ہے کہ تو گھر چھو

کسی آشنا کے ساتھ فرار ہو گئی۔ تو کیا سمجھتی ہے، تجھے معلوم ہے کہ میں ایک سیاستدان کی بیٹی ہوں۔ یہ

ماں باپ نے مجھے زندگی بھر سیاسی داؤ بیچ سکھائے ہیں۔ تجھ جیسی لڑکی میرے مقابلے پر آنے کی کوشش

رہی ہے۔ ارے ہم نے تو بڑے بڑے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں۔ اقتدار حاصل کرنا کوئی آ

کام نہیں ہے۔ اس کے لئے نہ جانے کیا کیا طریقے اختیار کرنا پڑتے ہیں اور پھر میں نے تو بچپن سے سیکھ

لی ہے۔“

میں خاموشی سے الماس آراء کو دیکھتی رہی۔ اب مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ میرے ساتھ چلائی

گئی ہے اور مجھے جال میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ میں نے کمال احمد صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ خاتون تو خیر غیر خون ہیں تیا جان! آپ کی رگوں میں تو وہی خون دوڑ رہا ہے جو میری رگوں

ہے۔ آپ بھی اسی قدر برے کردار کے مالک ہیں۔ آپ نے اپنے بھائی کو اپنے سالے کے بدلے جرم

الزام میں پھنسا دیا۔ اسے عمر قید کرا دی اور اس کے بعد اسے فرار بھی کرایا آپ نے۔ کیا مار دیا میرے با

”تمہارا اپنا کیا خیال ہے اس بارے میں؟“

”آپ نے اس بات کی تصدیق کر دی۔“

”بخت مراد کہاں ہے؟“

”یہ مجھے نہیں معلوم۔ میں نے کہا نا کہ وہ مجھے بازار میں ملا تھا۔“

”ہمیں تم جھوٹ بول رہی ہو۔“

”کیوں؟“ میں نے سوال کیا۔

”جس لڑکی کو اس بات کا علم ہو کہ ایک عورت اس کی ماں ہے اور جسے وہ ماں سمجھتی ہے وہ

نہیں ہے۔ اور اسے یہ بھی پتا ہو کہ وہ عورت زندہ ہے۔ ایک شخص کے ساتھ ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر

خاموشی سے نہیں چلی آئے گی۔ بلکہ وہ اس عورت سے ملنا چاہے گی۔ تاکہ وہ عورت اسے تمام حقا

بتا سکے۔ یہ مجھ سے دوبارہ نہ کہنا کہ تمہیں یہ بات نہیں معلوم کہ تمہاری ماں کہاں ہے۔ سمجھیں، اس

آگے کی بات کرو۔“

”اچھا فرض کیجئے الماس آراء بیگم مجھے یہ معلوم ہے کہ بخت مراد کہاں رہتا ہے اور میں اپنی ماں

بھی ملی ہوں، تو آپ کیا کہنا چاہیں گی؟“

”بخت مراد کا ہمارے قبضے میں آنا ضروری ہے۔ بات کچھ نہیں ہے۔ تمہاری ماں کو زندہ رہنے

جائے گا۔ وہ عورت ہمارے راستے کی چیز نہیں۔ وہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی لیکن بخت مراد کو سزا

ضروری ہے۔ تم صرف یہ بتاؤ شاہ نور کہ بخت مراد اس عورت کے ساتھ کہاں رہ رہا ہے۔ پتہ بتا دو اس

تمہارے بارے میں بہتر انداز اختیار کیا جائے گا۔“

”بتا دوں گی۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے لیکن اس سے پہلے الماس آراء بیگم آپ مجھے یہ با

تائیے کہ میرا باپ کہاں ہے؟“

”مطلب؟“

”دیکھتے ہیں کوشش کروں گی کہ مجھے میرے باپ کا پتہ مل سکے۔ یہ کوشش میں آخری حد تک کروا

گی لیکن پھر میری آپ سے دوستی نہیں رہے گی۔ اگر آپ صاحب اقتدار خاندان سے تعلق رکھتی ہیں

میری پرورش بھی آپ ہی نے کی ہے۔ میں بھی بہت سی باتوں کو نظر انداز کروں گی۔ صرف اس خیال کے

تحت کہ آپ نے مجھے بہر حال ایک اچھی زندگی دی ہے لیکن مجھے میرے باپ کا پتہ بتا دیجئے۔“

”جنم کا راستہ جانتی ہو؟“ الماس آراء بیگم نے سوال کیا اور میں سرد نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

”آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ میرا باپ جنم میں ہے؟“

”ہاں یہی سمجھو۔“

”آپ نے قتل کر دیا انہیں؟“

”بیوقوف ہو تم۔ اگر ہم انہیں قتل کرنا چاہتے تو با آسانی انہیں سزائے موت دلوائی جاسکتی تھی۔

انہیں سزائے موت سے بچالیا گیا۔ اس کے بعد..... مگر نہیں بعد کی کہانی بعد کے لئے رہنے دو۔ بتاؤ بخت

مراد کہاں ہے؟“ جواب میں، میں ہنس پڑی میں نے کہا۔

”الماس آراء بیگم صاحب اقتدار ہیں نا۔ اپنے اقتدار سے کام لیجئے اور پتہ چلا لیجئے بخت مراد کا۔“

الماس آراء کا چہرہ غصے سے سرخ اور پھر سیاہ ہو گیا۔ وہ مجھے گھورتی رہی اور اسی وقت تایا صاحب اس

کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے الماس آراء کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

”تھوڑا سا وقت دے دو اسے سوچے گی، غور کرے گی۔ اس کے بعد بتا دے گی۔ آؤ میرے

ساتھ..... چلو تم بھی چلو۔“ تایا صاحب نے ان دونوں باڈی گارڈز سے کہا اور پھر تقریباً الماس آراء بیگم

کو وہ گھینے ہوئے ادھر لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد تہ خانے کا دروازہ بند ہو گیا۔ میں ساکت رہ گئی

تھی۔ میرے وجود میں ایک عجیب سی ٹھنڈک گردش کر رہی تھی۔ دوران خون کی پتہ نہیں کیا کیفیت تھی۔

بس دل و دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں کچھ دیر کے لئے سو گئی تھیں۔ میں ایک

جگہ بیٹھ گئی اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

تھوڑی دیر تک ذہن سوتا رہا پھر آہستہ آہستہ خود ہی اس میں زندگی پیدا ہوئی۔ میرے سوچنے سمجھنے

کی قوتیں بحال ہوتی چلی گئیں تو میں نے سوچا کہ تہ خانے کا دروازہ باہر سے بند ہوگا۔ وہ عورت جس کی

بارہ گھنٹے قبل میں بہت عزت کرتی تھی۔ ماں ہی سمجھتی تھی میں اسے اور اس مرد کو باپ لیکن کچھ ہی لمحوں

کے اندر اندر سارے رشتے ختم ہو گئے تھے۔ کچھ ہی لمحوں کے اندر اندر مہربان وجود دشمنی کا مرکز بن گئے

تھے۔ اتنا فاصلہ ہو گیا تھا میرے اور ان کے درمیان کہ اب بیچ میں آگ کے وسیع و عریض گڑھے کے سوا کچھ

نہ تھا اور دوسری طرف مجھے ان کے سیاہ ہونے نظر آ رہے تھے۔ رفتہ رفتہ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں

بیدار ہو گئیں۔ اپنی جگہ سے اٹھی اور اٹھنے کے بعد سب سے پہلے وہ میز صیال طے کر کے اس دروازے تک

پہنچی۔ بڑی گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ پہلی بات تو یہ کہ دروازہ باہر سے بند تھا۔ دوسری بات یہ کہ

انتہائی مضبوط تھا اور میں اسے نہ تو توڑ سکتی تھی اور نہ کھول سکتی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ تہ خانہ

یہاں کہاں سے آیا۔ دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو ماضی ہی میں اسے بنایا ہوگا لیکن کمال احمد اور جمال احمد

خاندان یا میرے دادا کی شخصیت کیا ایسی تھی کہ انہیں اپنے گھر میں ایک قید خانے کی ضرورت پیش آئے۔

یہ تہ خانہ اگر قید خانہ تھا تو اس میں کون قید رہتا تھا؟

بہت سے دلچسپ سوالات تھے۔ خیر اب مسئلہ یہ تھا کہ اس قید خانے میں مجھے کیا کرنا چاہئے یا مستقبل

میں الماس آراء بیگم کا میرے ساتھ کیا رویہ اور کیا سلوک ہوگا۔ مجھے قید کرنے کے بعد کیا وہ مجھے بھوک سے

قتل کرنے کے بارے میں سوچیں گی۔ کیا یہاں مجھے بھوکا پیاسا رکھا جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہی معلوم

کرنا چاہتی ہیں تاکہ بخت مراد کہاں ہے میری ماں اور بہنیں کہاں ہیں؟ بات خیر اس قدر سنگین نہیں تھی۔

بہت سے معاملات ایسے تھے جن کے بارے میں بہت کچھ کیا جاسکتا تھا، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں کیا

کروں۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ الماس آراء بیگم سوالات کریں گی اور جس ٹائپ کی وہ عورت ہیں، ہو سکتا ہے

شدت کا راستہ بھی اختیار کریں۔ اصل میں بات وہی بخت بابا کی آ جاتی ہے۔ بزرگ جو بھی کہتے ہیں اس میں

ان کا تجربہ شامل ہوتا ہے۔ بخت بابا نے اگر یہ کہا تھا کہ میں ابھی اپنی ماں سے ٹکرانے کی کوشش نہ کروں تو

بہر حال غلط نہیں کہا تھا۔ میں تو انہی کے سامنے میں پروان چڑھی ہوں اور میں نے بھی تو ہمیشہ انہی کے میں دیکھا سوچا اور کیا ہے۔ کوئی فائدہ نہیں کہ میں کوئی ایسا قدم اٹھاؤں جو فوری طور پر میرے اور ان درمیان دشمن کی بنیاد بن جائے۔ خیر دشمنی تو پیدا ہو گئی تھی لیکن فرض کیا جائے کہ کوئی میرے لئے وغیرہ لے کر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مجھے بھوکا مارنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک دم سے اتنی سنگدل تو ہو جائیں گی یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خود دوبارہ آئیں اور کوئی نیا منصوبہ لے کر آئیں۔ یہ معلومات مجھ سے کہ بخت مراد کہاں ہے یا آئندہ میرا کیا منصوبہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے پیار کے راستے راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ بہت سے کام ہو سکتے ہیں ایسے وقت میں اگر میں چاہوں تو اپنے طو کچھ کر سکتی ہوں۔ یعنی انہیں جسمانی نقصان پہنچانے کی کوشش کروں۔ کیا مجھے ایسا کرنا چاہئے لیکن ذرا غلط جائے گا۔ ایسے عمل سے مجھے بہت سے نقصانات پہنچ سکتے ہیں۔ ابھی تو معاملہ صرف میرے اور ان درمیان ہے۔ اگر شدت جذبات میں مجھ سے کوئی غلط قدم اٹھ گیا تو پھر میرے لئے صورت حال سنگین جائے گی۔ مگر پھر کرنا کیا چاہئے۔

اب میں ایک عجیب و غریب حالت اختیار کر چکی تھی۔ پھر میں نے اپنے پیروں کے لباس پر بستر کی چادر لپیٹی پیروں سے لے کر کمر تک میں نے اس چادر کو اپنے گرد کس لیا اور اپنی دانست میں تیار ہو گئی۔ تہ خانے کا دروازہ میں نے اسی وقت اندر سے بند کر دیا تھا جب میں اوپر سے دروازہ دیکھ کر پیچھے اتری تھی۔ گویا اب کوئی تہ خانے میں داخل ہونے کی کوشش بھی کرے تو آسانی سے داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے اسے بڑی محنت کے ساتھ دروازہ توڑنا پڑے گا کیونکہ اور کوئی راستہ اندر آنے کا نہیں تھا۔ پھر میں نے ان تمام کاموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد گٹر کے ڈھکن کو آزمایا، گٹر کا ڈھکن اٹھایا تو سرخ کیڑوں کی فوج نے اچانک ہی ابلنا شروع کر دیا اور مجھے گھن گھن کھا کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ یہ کارڈج تھے جو دیکھتے ہی دیکھتے خوبصورت واش روم میں پھیلنے لگے۔ لاکھوں کی تعداد تھی ان کی اور لاکھوں نیچے سے نکلنے آ رہے تھے۔ میرے خدا کیا مجھے اس گٹر میں داخل ہونے کا جرأت مندانہ قدم اٹھانا چاہئے۔ ان کیڑوں کو دیکھ کر وحشت کے مارے میرا دم نکلا جا رہا تھا لیکن بات وہی تھی تربیت جس انداز میں ہوئی تھی۔ وہی غلط تھا۔ خوف بے شک فطرت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے احساسات اور جذبات بھی لیکن اس کے بعد جو بے خوفی اندر سے ابھرتی ہے۔ وہ تربیت ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

میں نے ان کارڈجوں کے باہر نکلنے کا انتظار کیا، دیوار چھت فرش، یہاں تک کہ کھلے دروازے سے یہ کارڈج باہر تک نکلنے جا رہے تھے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد جب ان کا ابلنا بند ہو گیا اور میں انہیں اپنے جسم پر سے جھاڑتے جھاڑتے تھک گئی تو میں نے گٹر کے اندر داخل ہونے کا عمل شروع کیا۔ نجانے اندر کون کون سی غلاظتیں میری منتظر ہوں۔ اس کے بعد اگر میں گٹر کے اس سفر کا تذکرہ کروں تو ایک طرح سے یہ بلا وجہ کی بات ہوگی۔ میری خوش قسمتی یہ تھی کہ تھوڑا سا راستہ طے کرنے کے بعد یہ گٹر لائن مین لائن میں مل جاتی تھی اور مین لائن اتنی وسیع تھی کہ میں با آسانی اس میں چل سکتی تھی آگے چل کر گندے اور بدبو دار پانی کی روانی میں بھی تھوڑی سی تیزی آتی جا رہی تھی اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جذبات کا یہ سفر میری زندگی کا آخری سفر ثابت ہو۔

میں چلتی رہی۔ اپنے اندازے کے مطابق کوئی مین منٹ چل کر ایک جگہ سے روشنی کا ایک تیز دھبہ گٹر کے بتے ہوئے پانی پر مجھے نظر آیا۔ یہاں لوہے کی سیڑھی بھی بنی ہوئی تھی جو اوپر تک گئی تھی۔ یقینی طور پر یہ اس جگہ کی مرہانی تھی جس کا تعلق سیوریج سے تھا۔ گٹر کے کھلے ہوئے ڈھکنوں کے بارے میں بہت سی کہانیاں سننے کو ملتی رہتی تھیں۔ بہت سے حادثے بھی ان کے ذریعے ہو چکے تھے لیکن کبھی کبھی کسی کا غلط

بہر حال غلط نہیں کہا تھا۔ میں تو انہی کے سامنے میں پروان چڑھی ہوں اور میں نے بھی تو ہمیشہ انہی کے میں دیکھا سوچا اور کیا ہے۔ کوئی فائدہ نہیں کہ میں کوئی ایسا قدم اٹھاؤں جو فوری طور پر میرے اور ان درمیان دشمن کی بنیاد بن جائے۔ خیر دشمنی تو پیدا ہو گئی تھی لیکن فرض کیا جائے کہ کوئی میرے لئے وغیرہ لے کر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مجھے بھوکا مارنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک دم سے اتنی سنگدل تو ہو جائیں گی یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خود دوبارہ آئیں اور کوئی نیا منصوبہ لے کر آئیں۔ یہ معلومات مجھ سے کہ بخت مراد کہاں ہے یا آئندہ میرا کیا منصوبہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے پیار کے راستے راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ بہت سے کام ہو سکتے ہیں ایسے وقت میں اگر میں چاہوں تو اپنے طو کچھ کر سکتی ہوں۔ یعنی انہیں جسمانی نقصان پہنچانے کی کوشش کروں۔ کیا مجھے ایسا کرنا چاہئے لیکن ذرا غلط جائے گا۔ ایسے عمل سے مجھے بہت سے نقصانات پہنچ سکتے ہیں۔ ابھی تو معاملہ صرف میرے اور ان درمیان ہے۔ اگر شدت جذبات میں مجھ سے کوئی غلط قدم اٹھ گیا تو پھر میرے لئے صورت حال سنگین جائے گی۔ مگر پھر کرنا کیا چاہئے۔

بہر حال نہ تو میں بخت بابا اور اپنی ماں کا پتہ بتا سکتی تھی اور نہ ہی الماس آراء بیگم سے کوئی تقاضا کر سکتی تھی۔ ایسی شکل میں ظاہر ہے۔ میرے اور ان کے درمیان صرف تشدد کا رشتہ رہ جاتا۔ نکل چاہئے یہاں سے ہر قیمت پر نکل جانا چاہئے۔ اب ساری کوشش اس بات پر صرف ہونی چاہئے کہ میں ا کے چنگل سے نکل جاؤں اور اس کے لئے کوئی مناسب طریقہ اختیار کرنا ضروری تھا۔

بہت دیر تک سوچتی رہی اور پھر اچانک ہی مجھے الماس آراء بیگم کے کچھ الفاظ کا خیال آیا۔ یہاں موجود گٹر میں لاش ہماوی جاتی اس کا مطلب ہے کہ یہاں کوئی ایسا گٹر موجود ہے جس میں میری لاش میرے ٹکڑے بٹائے جاسکتے تھے۔ دیری گزشتہ..... اگر میں زندہ ہی اس میں بہہ جاؤں تو کیا حرج ہے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اب میں اپنی اصل فطرت میں واپس آگئی تھی۔ کچھ انوکھی ذمہ داریاں اچانک ہی مجھ پر عائد ہو گئی تھیں۔ یہ انوکھی ذمہ داریاں بڑی سنگین نوعیت کی تھیں۔ زندگی کو ایک نیا راہ مل رہا تھا لیکن بہر حال نئے راستے بھی ضروری ہوتے ہیں۔ ایک ہی انداز میں زندگی نہیں گزارا جاسکتی اور وہ بھی ایسی شکل میں جب اچانک ہی کچھ فرائض سر پر آ پڑے ہوں۔ چنانچہ میں تیار ہو گئی۔ ویسے بھی اس تہ خانے میں میں نے جو فرحت محسوس کی تھی۔ اس کے ذرائع تھوڑی دیر کے بعد میرے علم میں آ گئے تھے۔ بڑی شاندار طرز تعمیر تھی اس کی۔ چھوٹے چھوٹے سوراخ رکھے گئے تھے جن کا قطر تین انچ سے زیادہ نہیں تھا۔ ان سے صرف ہوا اور روشنی آ سکتی تھی۔ باقی اور کوئی مقصد نہیں تھا ان کا۔ چنانچہ یہ ساری چیزیں ذہن میں رکھ کر میں نے اس گٹر کی تلاش شروع کر دی اور پھر وہ گٹر بھی مجھے آسانی سے مل گیا۔ تہ خانے میں ایک ٹوائلٹ تھا اور ٹوائلٹ کیا بلکہ ایک بڑا کمرہ ہی تھا جس میں ضروریات زندگی کی جدید ترین چیزیں لگی ہوئی تھیں۔ وہیں پر گٹر بھی تھا۔ جو بڑی نفاست سے بنایا گیا تھا اور دلچسپ بات یہ تھی کہ اتنا وسیع تھا کہ کوئی اس میں با آسانی اتر سکتا تھا۔ زندہ باد الماس آراء بیگم زندہ باد۔ آپ نے خود ہی اس کی نشاندہی کر دی۔ ورنہ شاید بہت بعد میں مجھے اس کے بارے میں سوچنا پڑتا اور جب کوئی ایسا کام ہو گیا ہے تو پھر دیر

عمل بھی بڑی آسانی کا باعث بن جاتا ہے۔ لوہے کی رنگ آلود میٹھی طے کر کے میں اوپر آگئی۔

طبیعت پر جو ہول اور جو وحشت طاری تھی اس نے سب سے پہلے مجھے اس بات کے لئے مجبور کیا میں اپنے پورے بدن سے غلاطت کا یہ خول اتار دوں۔ پلاسٹک کی تھیلی اتاری اور تازہ ہوا میں گہری گرم سانس لینے لگی۔ پھر ہاتھ پیروں سے پکڑا کھولا۔ آہ کیا ہی غلیظ ہو رہی تھی اس وقت جو توں میں غلاط بھری ہوئی تھی اور پورے بدن سے اتنی بدبو اٹھ رہی تھی کہ طبیعت متلائے جا رہی تھی۔ کیا کروں کر کروں۔ وحشت زدہ لگا ہوں سے چاروں طرف دیکھا تو تھوڑے ہی فاصلے پر پانی کا ایک سرکاری ٹلک لگا ہوا آیا۔ خدا کا شکر ادا کر کے اس جانب بڑھی اور پھر سب کچھ بھول کر پانی کے ٹلک کے پاس پہنچ گئی اور جب حد تک ممکن ہو سکتا تھا۔ اپنے آپ کو صاف کیا۔ پلاسٹک کے خول اور بدن پر لپٹے ہوئے پکڑوں نے کافی کی تھی۔ وہ کیفیت نہیں ہو پائی تھی۔ جس کی توقع کی جاسکتی تھی لیکن پھر بھی جسم پر جہاں بھی کوئی چیز تھی۔ اس سے بدبو اٹھ رہی تھی۔

بست دیر تک وہاں اپنے آپ کو صاف کرتی رہی جوتے بھی صاف کئے۔ بھاڑ میں جائیں تمام چیزیں از کم گھرنک پہنچنے میں تو آسانی ہو سکتی ہے۔ دل پر ایک دم گھونسا سا لگا۔ گھر لیکن پھر فوراً ہی اندر سے ابا اور آواز ابھری۔ ہاں! اصل گھر وہ کونسی نہیں جہاں دشمن آباد ہیں۔ ان تمام کاموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد تھوڑا سا پیدل چلی اور پھر ایک رکشہ مل گیا۔ آؤ رکشہ میں بیٹھ کر میں نے اسے ایک غلط بتایا یہ اس جگہ سے کافی فاصلے پر تھا جہاں بخت مراد رہتے تھے۔ اصل میں عقل ساتھ دے رہی تھی۔ اگر ذہانت سے کام نہ لیا تو مصیبت نازل ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ میں رکشہ سے اس جگہ اترتی اور پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو جان ہی نکل گئی۔ پیسے میرے پاس موجود نہیں تھے۔ ظاہر ہے اس کی گنجائش نہیں ملی تھی تھوڑی دیر تک سوچتی رہی کچھ بھی ہے پیارے رکشہ والے کو چوٹ دینا ہوگی۔ چنانچہ میں سامنے کے ایک اسٹور کی جانب دیکھا۔ اس اسٹور میں پہلے بھی آچکی تھی۔ میں جانتی تھی کہ چھ میٹریاں اس اسٹور میں داخل ہونے کا راستہ دوسری سڑک پر اترتا ہے۔ میں نے رکشہ والے سے ایک منٹ کے لئے کہا اور وہ شریف زادہ رک گیا۔ رکشہ کا نمبر دیکھ لیا تھا میں نے۔ اس غریب کو جو نقصان پہنچے گا، بد میں اسے تلاش کر کے ضرور کہیں نہ کہیں سے پورا کر دوں گی۔ چنانچہ میں اسٹور میں داخل ہو گئی اور پھر فاصلے طے کر کے دوسری جانب اتر گئی۔ یہاں بھی بست سے رکتے کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک رکشہ میں بیٹھ کر میں اس علاقے کی جانب چل پڑی۔ جہاں بخت بابا رہا کرتے تھے۔ اس علاقے میں پہنچنے کے بعد میں نے رکشہ روکایا اور مجھے وہی دکاندار نظر آیا جس سے اس دن میں کارڈی عمرانی کرنے کے لئے کہہ کر گئی تھی اور اس پیارے نے کسی بھی بچے کو اس تک پھٹکنے نہیں دیا تھا۔ میں اس کے پاس پہنچی میں نے اسے سلام کیا۔ تو وہ شاید مجھے پہچان گیا جواب میں جلدی سے کھڑا ہو گیا تھا۔ کہنے لگا۔

”جی بی بی صاحب خیریت۔ بخت بابا اندر موجود ہیں بلا کر لاؤں۔“

”نہیں آپ ایک کام کیجئے آپ کو تکلیف تو ہوگی۔ میں اصل میں اپنا پرس بھول آئی ہوں۔ انہیں

تھوڑے سے پیسے دے دیجئے۔ کتابت بنا ہے رکشہ والے آپ کا؟“

”ستائیس روپے جی۔“ رکشہ والے نے جواب دیا۔

”ستائیس روپے دے دیجئے۔ ابھی بخت بابا کے ہاتھ بھجوائے دیتی ہوں۔“

”ارے آجائیں گے بی بی صاحب! ایسی کیا بات ہے۔“ دکاندار نے کہا اور اس کے بعد جلدی سے پیسے دے دیئے۔ میں اس کا شکریہ ادا کر کے چل پڑی تھی۔ بڑی فرحت محسوس ہو رہی تھی یہاں آکر۔ اس دن بھی میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ غریبوں کی اس ہستی میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ عزت کرتے ہیں ان کے لیے جس میں محبت ہوتی ہے۔ بے غرض اور بے منت۔ جبکہ ان سے کوئی واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ تو بخت بابا ہی نے دروازہ کھولا

”ارے بیٹا آپ؟“

”بخت بابا رکشہ سے آئی ہوں پیسے نہیں تھے میرے پاس وہ جو آپ کے دکاندار شناسا ہیں انہیں

تائیس روپے دے آئیے۔ میں ناپیسے آپ کے پاس۔“

”ہاں کیوں نہیں آؤ بیٹا آ جاؤ۔ کوئی بات نہیں پہنچ جائیں گے اس کے پاس پیسے۔ بست اچھا آدمی ہے۔ میری اچھی خاصی دوستی ہے۔“ بخت بابا نے کہا۔

”جی.....“

”کون ہے بخت بابا۔“ اندر سے مجھے اپنی ماں کی آواز سنائی دی اور میرے بدن پر جیسے تھر تھری سی طاری ہو گئی۔ پتہ نہیں ماں کو میری پہلے کی آمد کا علم ہے یا نہیں۔ البتہ دونوں ہمیں باہر نکل آئی تھیں اور ان کے چہرے پر ایک دم ایسی خوشی نظر آئی تھی جیسے انہیں میری آمد سے بست ہی زیادہ مسرت حاصل ہوئی ہو۔ دونوں کئی قدم آگے بڑھی تھیں اور پھر ٹھک کر رہ گئی تھیں انہوں نے کبھی زندگی میں میرے قریب آنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا اب اس سے زیادہ سنگدل کا مظاہرہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ وہ میرا خون ہیں میری سگی ہمیں ہیں اور جس طرح میری طرف آگے بڑھی تھیں اس کے بعد انہیں نظر انداز کرنا میرے لئے ایک سنگین جرم تھا۔ میرے دونوں ہاتھ بے اختیار پھیل گئے اور وہ دونوں اس طرح آگے میرے سینے میں سما گئیں۔ جیسے انہوں نے دنیا کی سب سے قیمتی شے پالی ہو۔ میں ایک بات پھر آپ سے کہوں کہ زندگی میں کبھی میری آنکھیں آنسوؤں سے آشنا نہیں ہوئی تھیں۔ ہاں دل میں وہی نمی کبھی کبھی تیرنے لگتی تھی۔ جب کوئی انتہائی سنگین واقعہ ہو جاتا۔ جذبات اس وقت طوفان کی شکل اختیار کر گئے تھے لیکن آنکھوں نے ایسا کوئی کھیل نہیں کھیلا جو کمزوری کا اظہار کرے۔ میری آنکھوں سے تو صرف آگ نکلتی تھی۔ آنسو شاید یہ کبھی ان آنکھوں سے نہ ہوئے۔ ہمیں البتہ مجھ سے لپٹ کر سسک رہی تھیں اور اسی دقت ماں دروازے سے نمودار ہو گئی۔ اس کی حالت بھی کافی بہتر نظر آ رہی تھی۔ قدیہ بیگم نے مجھے دیکھا یہ منظر دیکھا جو آنکھوں کے سامنے تھا میرے پیچھے کھڑے ہوئے بخت بابا کو دیکھا اور پھر شاید انہیں چکر آیا۔ گرنے سے بچنے کے لئے انہوں نے دروازہ کھولا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں کو خود سے جدا کیا اور ایک ایک قدم آگے بڑھی اور قدیہ بیگم کے سامنے پہنچ گئی۔ قدیہ بیگم کے چہرے پر جو تاثرات تھے انہیں شاید دنیا کا

مشکلات آخر کار دور ہو ہی جاتی ہیں۔ مشکل کے ساتھ حل کا لفظ بھی لازمی ہے۔ اگر کوئی مشکل ہوتی ہے تو اس کا حل بھی لازمی طور پر نکلتا ہے۔ میرے لئے بھلا اب اور کون سی جگہ تھی۔ چنانچہ طے یہ کیا گیا کہ اس وقت تک سکون سے وقت گزارا جائے جب تک دل نہ بھر جائے۔ چنانچہ ہم لوگ اس گھر تک محدود ہو گئے۔ بخت بابا بہت ہی اچھے آدمی تھے۔ پہلے میں نے ان لوگوں کو کبھی اس نگاہ سے نہیں دیکھا تھا لیکن آج یہ سب میرے اہل خاندان تھے۔ میری بہنیں مجھ پر غار ہوتی جا رہی تھیں۔ ماکن تھی میں ان کی۔ دور سے دیکھا کرتی تھیں وہ مجھے۔ آج میں ان کی بہن کی حیثیت سے ان کے ہر اچھے برے کی شریک کار تھی۔ ماں کی خدمت کا موقع ملا تھا۔ بہت بڑی سعادت ہوتی ہے یہ۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ماں بیمار بھی تھی۔ تین یا چار دن کے دوران میں ماں کی بیماری کا جائزہ بھی لیتی رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھال رکھا تھا۔ انہوں نے۔

پانچواں دن تھا ہم لوگ سکون کی آغوش میں سانس لے رہے تھے۔ سارے کے سارے اتنے خوش تھے کہ بیان سے باہر ہے اور میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ واقعی میرا دل اسی کچی خوشی کے لئے تڑپا تھا۔ سب کچھ حاصل تھا مجھے۔ دنیا کی ہر شے میرے لئے موجود تھی۔ آسائشیں کھلی ہوئی تھیں لیکن دل کی ایک بند بند سی کیفیت غالباً فطرت کی رہنمائی بھی تھی۔ بخت بابا نے کہا تھا کہ بھوٹ ہے سب کہ خون، خون کو پہچانتا ہے۔ اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ خون کی قربت کائنات کی سب سے بڑی خوشی ہے۔ مجھے خون کی قربت ملی تھی۔ بہنیں اور ماں۔ اب احساس ہو رہا تھا کہ وہ عورت، انا پرست جھوٹی عورت صحیح معنوں میں ماں نہیں تھی۔ غالباً اس کے اندر مانتا کہ جراثیم ہی نہیں تھے۔ قدرت نے اسے ماں کے منصب سے محروم رکھا تھا۔ قدرت کا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور وہاں سے جو کچھ بھی ہوتا ہے وہی ایک بڑی سچائی ہوتی ہے۔ چنانچہ الماس آراء بیگم مانتا سے محروم رہی تھیں۔ مانتا کا صحیح انداز قدیہ بیگم سے ملا تھا اور مجھے وہ لمس حاصل ہوا تھا جو روح کو سکون دیتا ہے۔ چنانچہ میں ماں کے سینے سے لپٹ کر لیٹ جاتی تھی لیکن تمام دنوں میں، میں نے محسوس کیا تھا کہ جب بھی میں جاگتی ہوں ماں مجھ سے دور ہوتی ہے۔ پانچویں دن میں نے اس کی شکایت بھی کر دی۔ میں نے کہا۔

”رات کو جب میں سوئی ہوں تو یہ سوچ کر سوئی ہوں کہ صبح کو آپ کی آغوش میں ہی آنکھ کھولوں گی لیکن آپ دوسری جگہ جا کر لیٹ جاتی ہیں آخر کیوں؟ کیا اس لئے کہ مجھے آپ کی موجودگی میں تکلیف ہوگی؟“ قدیہ بیگم کے چہرے پر عجب سے تاثرات پھیل گئے۔ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم کیا سوچتی ہو؟“

”دو ہی باتیں ہیں۔ ویسے اس بات کا مجھے احساس ہے کہ آپ بیمار ہیں اور آپ کو میری وجہ سے تکلیف ہوتی ہوگی۔“

”نہیں بیٹی، بات اصل میں یہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ مجھے ایک ملک بیماری ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ گندی بیماری کے جراثیم تم تک پہنچیں۔ تمہاری محبت مجھے بھی مجبور کرتی ہے کہ میں تمہیں سینے سے لگا کر سلاؤں لیکن یہ احساس بھی ہے مجھے کہ خدا خواستہ میری ذات سے تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔“ میں

بڑے سے بڑا قلم کار تحریر میں نہ لاسکے۔ ایک لفظ نہیں کہا جاسکتا تھا ان کے بارے میں۔ دروازہ خاموش کھڑی جن نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں خدا کی قسم، ان نگاہوں کا مغموم صرف دل تک تو سفر کر سکتا ہے۔ تحریر نگار کی ایسی تپسی جو انہیں تحریر کر دے۔ میں نے خاموشی سے ماں اور پھر میرے منہ سے پھرائی ہوئی آواز نکلی۔

”میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں بہت جھوٹی تھی مجھے جو بتایا گیا تھا وہی سچھی تھی۔ میں نے بری کے پاس پرورش پائی تھی۔ میرا بالکل قصور نہیں ہے۔ مجھے بتاؤ میں کیا کرتی۔ مجھے تو کچھ اور ہی بتایا میں خود تو جا کر اس کی آغوش میں نہیں پڑ گئی تھی۔ تم لوگوں نے مجھے اس کے حوالے کیا تھا۔ میرے نے اپنا رشتہ نبھایا تھا۔ بیٹی تھے میں دے کر اور تم نے خاموشی اختیار کی تھی لیکن اب اس کے بعد میر تم ہو۔ میری بہنیں ہیں ہمارے محسن بخت بابا ہیں۔ ہم سب ہیں باقی سب لوگ بعد کے لوگ ہیں۔ دشمن ہے اور دشمنوں کو میں جھوڑوں گی نہیں۔ اب اگر چاہو تو اپنی آغوش میرے لئے کھول دو۔ نہیں گی تو ناراض نہیں ہوں گی کیونکہ بہر حال تم سے بہت زیادہ بد تمیزی کر چکی ہوں۔“ رکا ہوا دریا بہہ ڈا اس طرح بلک بلک کر روئی کہ اس کے دل کا سارا درد باہر نکل گیا۔ میرے لباس میں پہلے بھی نمی تھی یہ ساری نمی اب میرے سینے میں ساگنی۔ میں ماں کو سمجھا رہی تھی۔

”اب میں کہیں نہیں جاؤں گی تمہاری بیٹی ہوں تمہارے پاس رہوں گی۔ ہمیشہ ہمیشہ تمہارے رہوں گی۔ ہمیشہ تمہارا ساتھ دوں گی اور فکر نہ کرنا میں تمہیں اب تک جو کچھ دیتی رہی ہوں۔ وہ وقت دین تھی میرا قصور نہیں تھا لیکن اب میں تمہیں باپ دوں گی۔ اپنا باپ تمہارا شوہر، میں انہیں تلاش کر گی یہ میرا وعدہ ہے، اور بے فکر رہو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ جو کچھ کروں گی پوری ہمت اور محنت کروں گی۔ بھلا دنیا کا ایسا کون سا کام ہے جو ہمت سے نہ ہو جاتا ہو۔ میں نے تم سے کہہ دیا اور بہترینی کہ مجھے معاف کر دو اس کی وجہ یہ ہے کہ سب کچھ ناواقفیت میں مہوا۔ دیکھو! اگر میرا باپ مجھے کسی عورت کے حوالے کرتا تو میری تربیت مختلف انداز میں ہوتی۔ میں ایک اچھی شخصیت ہوتی لیکن اس میرا تو قصور نہیں ہے کہ اس بری عورت نے مجھے برا بنایا۔ اس نے مجھے سکھایا کہ غریبوں اور ملازموں ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ دیکھو ماں، بات وہی ہو جاتی ہے تاکہ جو بچپن سے سیکھتے ہیں وہی ہوتا ہے۔ ا تم میری تربیت کرو۔ مجھے اچھی باتیں سکھاؤ۔ یقین کرو میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ مجھ سے اچھی تمہاری ان دونوں سے سے کوئی نہیں ہوگی۔ بہت بیماری ہیں یہ دونوں مجھے اپنے بدن، اپنے بازو، آنکھوں کی طرح عزیز ہیں۔ ماں معاف کر دو گی مجھے۔“

ماں نے ایک بار پھر مجھے اپنے سینے میں بھیج لیا تھا اور اس کے بعد میری دونوں بہنیں بھی مجھ۔ آہٹیں تھیں۔ کیا بیان کروں ان لمحوں کو، کیا کہوں اس وقت کے بارے میں۔ بس! یہ سمجھ لیجئے کہ زندگی کا اگر کسی کی روح کو، کوئی خزانہ مل جائے تو وہی کیفیت اس وقت میری تھی مجھے نہیں میری روح کو خزانہ تھا۔ ایک ایسا خزانہ جس نے میرے سارے وجود کو سرشار کر دیا تھا۔ بخت بابا بھی کچھ فاصلے پر کھڑے زار و قطار رو رہے تھے۔ بہر حال بہت سے معاملات سے نمٹنے کے لئے ایک وقفہ ضروری ہوتا ہے سارا

ایک دم خاموش ہو گئی تھی۔ ماں کے الفاظ سے مجھے دکھ ہوا تھا لیکن پھر میں نے فوراً ہی اپنے آپ سنبھالتے ہوئے کہا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے اول تو یہ کہ مجھے آپ کے جراثیم کبھی نہیں لگیں گے۔ ماں کی عجز بھی تو ان فضاؤں میں شامل ہے اور قدرت کبھی کسی ماں کے ہاتھوں اس کی اولاد کو دکھ نہیں پہنچائے گی۔ تو بد نصیب اولاد ہی کا مسئلہ ہے کہ ماں باپ کو اس سے دکھ پہنچ جاتا ہے۔ خیر آپ اس بات کی بالکل فکر کیجئے میں آپ کا علاج بہت جلد شروع کراؤں گی۔ ہم آپ کو کسی ایسے سے ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔“ اور پھر بخت بابا کے ساتھ مل کر میں نے یہی پروگرام بنایا۔ میں نے کہا۔

”بخت بابا! ہم ماں کو کسی ایسے ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔“ بخت بابا نے فکر مندی کے انداز میں مجھے دیکھ اور بولے۔

”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں اس سلسلے میں ڈاکٹر سے معلومات حاصل کر چکا ہوں ایک ڈاکٹر فراز ام صاحب ہیں۔ اس سلسلے میں بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں لیکن انہوں نے نہایت ہمدردی سے مجھے مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ بہت بڑی رقم خرچ ہوگی ان کے علاج میں۔ کیا تم یہ رقم مہیا کر سکتی ہو؟“ میں نے پریشانی سے اپنا رخسار کھاتے ہوئے کہا۔

”بخت بابا ایک غلطی ہو گئی ہے مجھ سے۔“

”کیا بیٹے؟“

”وہاں سے نکلنے سے پہلے مجھے ایک لمبی رقم کا انتظام کر لینا چاہئے تھا۔ یہ کام میرے لئے مشکل نہیں تھا ایک بار الماس آراء بیگم نے مجھ سے میرے اکاؤنٹ کھولانے کے بارے میں کہا تھا۔ اس وقت میں نے یہ توقع کر ڈالی تھی۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ لوگوں کی موجودگی میں مجھے کسی چیز کی کمی کہاں محسوس ہوتی ہے جو میں بلاوجہ بینکوں کے چکر میں پڑوں۔ بخت بابا! اگر میں یہ کام کر لیتی تو آج میرا بڑا کام ہو سکتا تھا۔ مجھے بڑی آسانی سے رقم حاصل ہو سکتی تھی۔ میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔“

”کیا.....“

”ایک بار پھر کوٹھی میں واپس جاؤں۔“

”کیا.....؟“

”ہاں۔“

”نہیں۔ اگر مجھ سے اجازت مانگ رہی ہو تو اجازت نہیں دوں گا مجھے خاموش ہونے کا حکم دو گی تو دوبارہ اس موضوع پر نہیں بولوں گا یہ وعدہ کر رہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے بابا اگر آپ کہتے ہیں تو میں ایسا نہیں کروں گی لیکن بہر حال مجھے اس کی اجازت تو دیجئے کہ میں باہر نکل کر ماں کے لئے کوشش کروں۔ ایک بات اور بھی کہنا چاہتی ہوں۔“

”ہاں بولو۔“

”ہو سکتا ہے۔ اپنے اس عمل کی تکمیل کے سلسلے میں مجھے آپ لوگوں سے دور ہونا پڑے۔ میں چاہتی ہوں کہ ماں کے علاج کے لئے ہر قیمت پر پیسے حاصل کروں۔ اس کے لئے باہر کی دنیا میں بھی وہ مواقع ہیں۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔“

”دیکھو بیٹا! جو کچھ بھی کرنا چاہتی ہو بے شک کرو۔ بس ایک درخواست ہے میری تم سے۔ ماں کو تو تمہاری اس عنایت کا ہمیشہ ہمیشہ میں شکر گزار رہوں گا۔“

”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں اس سلسلے میں ڈاکٹر سے معلومات حاصل کر چکا ہوں ایک ڈاکٹر فراز ام صاحب ہیں۔ اس سلسلے میں بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں لیکن انہوں نے نہایت ہمدردی سے مجھے مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ بہت بڑی رقم خرچ ہوگی ان کے علاج میں۔ کیا تم یہ رقم مہیا کر سکتی ہو؟“ میں نے پریشانی سے اپنا رخسار کھاتے ہوئے کہا۔

”بخت بابا ایک غلطی ہو گئی ہے مجھ سے۔“

”کیا بیٹے؟“

”وہاں سے نکلنے سے پہلے مجھے ایک لمبی رقم کا انتظام کر لینا چاہئے تھا۔ یہ کام میرے لئے مشکل نہیں تھا ایک بار الماس آراء بیگم نے مجھ سے میرے اکاؤنٹ کھولانے کے بارے میں کہا تھا۔ اس وقت میں نے یہ توقع کر ڈالی تھی۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ لوگوں کی موجودگی میں مجھے کسی چیز کی کمی کہاں محسوس ہوتی ہے جو میں بلاوجہ بینکوں کے چکر میں پڑوں۔ بخت بابا! اگر میں یہ کام کر لیتی تو آج میرا بڑا کام ہو سکتا تھا۔ مجھے بڑی آسانی سے رقم حاصل ہو سکتی تھی۔ میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔“

”کیا.....“

”ایک بار پھر کوٹھی میں واپس جاؤں۔“

”کیا.....؟“

”ہاں۔“

”نہیں۔ اگر مجھ سے اجازت مانگ رہی ہو تو اجازت نہیں دوں گا مجھے خاموش ہونے کا حکم دو گی تو دوبارہ اس موضوع پر نہیں بولوں گا یہ وعدہ کر رہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے بابا اگر آپ کہتے ہیں تو میں ایسا نہیں کروں گی لیکن بہر حال مجھے اس کی اجازت تو دیجئے کہ میں باہر نکل کر ماں کے لئے کوشش کروں۔ ایک بات اور بھی کہنا چاہتی ہوں۔“

”ہاں بولو۔“

”ہو سکتا ہے۔ اپنے اس عمل کی تکمیل کے سلسلے میں مجھے آپ لوگوں سے دور ہونا پڑے۔ میں چاہتی ہوں کہ ماں کے علاج کے لئے ہر قیمت پر پیسے حاصل کروں۔ اس کے لئے باہر کی دنیا میں بھی وہ مواقع ہیں۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔“

”دیکھو بیٹا! جو کچھ بھی کرنا چاہتی ہو بے شک کرو۔ بس ایک درخواست ہے میری تم سے۔ ماں کو تو تمہاری اس عنایت کا ہمیشہ ہمیشہ میں شکر گزار رہوں گا۔“

”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں اس سلسلے میں ڈاکٹر سے معلومات حاصل کر چکا ہوں ایک ڈاکٹر فراز ام صاحب ہیں۔ اس سلسلے میں بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں لیکن انہوں نے نہایت ہمدردی سے مجھے مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ بہت بڑی رقم خرچ ہوگی ان کے علاج میں۔ کیا تم یہ رقم مہیا کر سکتی ہو؟“ میں نے پریشانی سے اپنا رخسار کھاتے ہوئے کہا۔

”بخت بابا ایک غلطی ہو گئی ہے مجھ سے۔“

”کیا بیٹے؟“

”وہاں سے نکلنے سے پہلے مجھے ایک لمبی رقم کا انتظام کر لینا چاہئے تھا۔ یہ کام میرے لئے مشکل نہیں تھا ایک بار الماس آراء بیگم نے مجھ سے میرے اکاؤنٹ کھولانے کے بارے میں کہا تھا۔ اس وقت میں نے یہ توقع کر ڈالی تھی۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ لوگوں کی موجودگی میں مجھے کسی چیز کی کمی کہاں محسوس ہوتی ہے جو میں بلاوجہ بینکوں کے چکر میں پڑوں۔ بخت بابا! اگر میں یہ کام کر لیتی تو آج میرا بڑا کام ہو سکتا تھا۔ مجھے بڑی آسانی سے رقم حاصل ہو سکتی تھی۔ میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔“

تو نہیں ہیں۔" بہر حال ہمیں اور ماں وغیرہ خوب ہنتی رہیں میں نے یہ بھی کہا۔

"اور اب بخت بابا! میں مردانہ طے میں ہی رہا کروں گی۔ میں مردانہ آواز میں بول بھی سکتی ہوں سمجھے آپ؟" میں نے بخت بابا سے کہا اور وہ منہ کھول کر رہ گئے پھر ہنستے ہوئے بولے۔

"پتہ نہیں بیٹا! الماس بیگم نے تمہیں کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ ویسے ان کے فرشتوں کو بھی اس بار گمان نہیں ہوگا کہ جو کچھ وہ کر رہی ہیں وہ ان کے ہی خلاف استعمال ہوگا۔"

میں ان لوگوں کے ساتھ ہنتی تھی بولتی تھی لیکن دل ہی دل میں میرے اندر ایک لاوا سا پکڑاؤ

میں یہ سوچتی تھی کہ جو کچھ ہوا ہے وہ غلط ہوا ہے۔ میرے ماں باپ کے کھلے دشمن میری نگاہوں کے سا

ہیں۔ اصولی طور پر تو یہ ہونا چاہئے کہ پہلے میں ان دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچا دوں۔ اس کے بعد کچھ

سوچوں لیکن بات وہی جذباتی کنکشن کی تھی۔ بخت بابا اور ماں نے مجھے بیٹھ کر سمجھایا تھا اور کہا تھا کہ فوراً

طور پر اگر ان لوگوں کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا تو پھر جمال احمد کا پتہ نہیں لگایا جاسکے گا۔ ترکیب ایسی

جائے کہ رفتہ رفتہ ہی عمل کیا جائے اور جب ایک مضبوط حیثیت حاصل ہو جائے تو پھر ان لوگوں کے خلاف

کوئی عمل شروع کیا جائے۔ میں نے بہر حال اس سے اتفاق کر لیا تھا لیکن اب اس کے بعد سوال یہ پیدا

تھا کہ رقم کے حصول کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ میرے سامنے ایک اچھا ٹارگٹ تھا کہ اگر میں

اور تائی ہی کو نشانہ بناؤں تو با آسانی روپیہ حاصل کر سکتی ہوں لیکن ان لوگوں کے سلسلے میں مجھے سختی ہے

کیا گیا تھا۔ بہر حال اس کے بعد میں منصوبہ بندی ہی کرتی رہی کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا ویسے تو بہت سے شائبہ

تھے۔ اگر کسی کی مدد مانگوں تو شاید انکار نہ ہو لیکن یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ الماس آراء بیگم۔

چاروں طرف جال پھیلا رکھا تھا۔ ہر اس جگہ انہوں نے اپنے نمائندے بھیج رکھے ہوں گے جہاں کے بارے

میں انہیں شبہ ہوگا کہ میں وہاں تک جاسکتی ہوں۔ واقعی میں نے بہت غور کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ الماس

آراء بیگم کافی اختیارات کی مالک ہیں اور انہوں نے اپنے دشمنوں کو کبھی بھی صحیح حالت میں نہیں رہنے دا

بلکہ جس کے بھی خلاف عمل چیرا ہو جاتی تھیں اسے آخر کار زمین چٹائی پڑتی تھی یا تو وہ الماس آراء کے

قدموں میں آگرا ہوتا تھا یا پھر جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں تک پہنچ جاتا تھا اور ان میں سے بہت سے

ایسے بھی تھے جن کی الماس آراء وغیرہ سے کوئی دشمنی ہوئی تھی اور پھر ان کے رشتے ناتے دار انہیں تلاٹ

ہی کرتے پھرتے تھے۔ الماس آراء کے پاس آتے تھے ان کے قدموں میں گر جاتے تھے۔ روتے تھے مگر

گڑاتے تھے اور پھر ان سے پوچھتے تھے کہ وہ کہاں ہیں جن کا الماس آراء سے جھگڑا ہوا تھا۔ بہت سے ایسے

مواقع آئے تھے جب میں نے اپنی آنکھوں سے اس قسم کے مناظر دیکھے تھے۔ خاص طور سے ایک خاندان

تو مجھے بہت ہی رحم آیا تھا۔ یہ ایک دیہاتی زمیندار تھا جس کے دو بیٹے کسی تنازعے میں الجھ گئے تھے اور

تنازعہ بھی ہمارا براہ راست نہیں تھا بلکہ وہی الماس آراء کے میکے والوں کا کوئی جھگڑا تھا۔ دونوں بیٹے اغوا کر

کے کوٹھی بلوائے گئے تھے۔ میں نے چونکہ کبھی ایسے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں لی تھی اس لئے میں

الماس آراء بیگم کے سامنے موجود نہیں تھی لیکن الماس آراء بیگم نے خود مجھے طلب کر کے کسی کام کے لئے

کہا تھا اور اس وقت میں نے ان دونوں کو دیکھا جنہیں رسیوں سے جکڑ کر صحن میں ڈال دیا گیا تھا اور وہ

چمکیاں بک رہے تھے۔ الماس آراء بیگم بہت بڑے سکون تھیں۔ مجھے نہجانے کیوں اس سے دلچسپی پیدا ہوئی اور

آخر کار الماس آراء نے اپنے دو خاص ملازموں کو بلا کر کہا۔ جو بڑے طاقتور اور وحشی قسم کے لوگ تھے۔

"ایسا کرو ذرا انہیں جا کر دلی دکھا دو۔" اور پھر ملازم انہیں لے گئے تھے۔ دلی دکھانے کا مطلب تو میں

نہیں سمجھی تھی لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد جب دو بوڑھے ایک بزرگ خاتون کے ہمراہ آئے اور بزرگ

خاتون الماس آراء کے قدموں سے لپٹ گئیں۔ انہوں نے رو رو کر کہا کہ ان کے بیٹے انہیں واپس دے

دیئے جائیں تو الماس آراء نے بڑی معذرت کرتے ہوئے کہا۔ وہ درندہ صفت نہیں ہیں۔ ان کے بیٹوں کو تو

وہ جانتی بھی نہیں ہیں۔ اگر کوئی ایسی بات ہے تو وہ ضرور کوشش کر کے معلومات حاصل کریں گی۔ بعد میں

انہوں نے کیا صاحب سے کہا تھا۔

"بھلا بتائیے جنہیں دلی دکھا دی گئی ہو ان کا کہیں آنے جانے کا کیا سوال ہے۔ وہ تو بیچارے بس سکون

کی زندگی بسر کر رہے ہوں گے قبر کی گمراہیوں میں۔"

میں نے اپنی فطرت کے مطابق اس بات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی لیکن اب غور کرتی تھی تو

اندازہ ہوتا تھا کہ الماس آراء کس قدر خطرناک خاتون ہیں۔ یعنی ان دو نوجوانوں کو قتل کرا دیا گیا تھا۔ دلی

دکھانے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے۔ بہر حال ان ساری باتوں کے باوجود دل میں یہ سوچ رہی تھی کہ دنیا

بہت ہی بری ہے اور اگر میں آدھی زندگی بھی کوشش کروں تو دنیا میں رہنے والے ان تمام لوگوں کی طرح

دولت کے حصول میں ناکام رہوں گی کیونکہ دولت کا حصول کوئی اتنی آسان بات نہیں ہوتی۔

تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ نگاہوں میں ایسی شاندار کوٹھیاں گھوم گئیں جن میں رہنے والے زندگی کی ہر

مشکل سے دور تھے۔ ان پراسرار اور سنسان کوٹھیوں میں دولت کے انبار لگے ہوئے تھے اور وہاں رہنے

والے اپنے آپ کو اس زمین کا مالک سمجھتے تھے۔ باقی لوگوں کے لئے پاتال کی گمراہیوں کے سوا اور کچھ نہیں

تھا۔ اگر ان روشن گھروالوں سے ایک ٹی بی زدہ عورت کے لئے زندگی مانگ لی جائے یا چھین لی جائے تو ایسی

کوئی بری بات تو نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ بخت بابا نے قسم دلا دی تھی کہ میں کسی بھی طرح اپنی

کوٹھی کا رخ نہ کروں اور اپنی تائی اور تبا سے کوئی جھگڑا مول نہ لوں لیکن یہ قسم تو نہیں دلائی تھی انہوں

نے کہ دولت کے حصول کے لئے میں کوئی کوشش ہی نہ کروں۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتی تھی کہ کوئی

عام ذریعہ ایسا نہیں ہو سکتا جس سے مجھے دولت مل جائے۔ چنانچہ کوئی نہ کوئی عمل کرنا ضروری تھا۔ میں نے

اپنی تیاریاں مکمل کر لی تھیں بخت بابا یا ماں سے کچھ کہنا ضروری نہیں تھا۔ اپنے عمل کے لئے جب بھی قدم

اٹھاؤں میں اس کے لئے آزاد تھی۔ اب اس قدر بھی کسی کو اپنے اوپر مسلط کرنا نہیں چاہتی تھی کہ میری

فطرت ہی ماحول کی پابندیوں میں گم ہو کر رہ جائے۔ اس وقت شام کے چھ بجے تھے جب میں باہر نکلی۔ میں

نے مردانہ طے اختیار کیا ہوا تھا۔ بالائی ہونٹوں پر باریک مونچھیں لگائی ہوئی تھیں۔ بالوں کی تراش تو تھی ہی

مردانہ۔ انہیں ایک مخصوص انداز میں موڈ لیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ جینز اور بش شرٹ پر میں نے جرسی

پہن لی تھی اور اس جرسی نے میرے نسوانی خطوط کو بہت اچھی طرح چھپا لیا تھا۔ ڈھیلی ڈھالی جرسی میں نے

خاص طور سے خریدی تھی تاکہ مجھے اس میں کوئی دقت نہ ہو۔ نہ جانے کیوں احتیاط میں نے اپنے پاس ایک

بلڈ ہاؤنڈ دور گرا۔ ”بف“ کی ایک اور آواز اس کے منہ سے نکلی اور اس کے بعد اس نے پھر اسی میں بچھ کر چھلانگ لگائی لیکن اس بار میں تیار تھی۔ میں نے اپنا چاقو اس کے سینے میں گھونپ دیا اور کمر اس سے شانے تک گھسیتی رہ گئی۔ بلڈ ہاؤنڈ کے خون کا فوارہ میرے پورے لباس کو بھگو گیا اور وہ مجھ کے گرد دوڑ جاگرا۔ پھر اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کے پاؤں ٹکلی ہوئی آنتوں میں الجھ رہے زمین پر لوٹیں لگانے لگا۔ آواز اس کم بخت کے حلق سے اس وقت بھی نہیں نکلی تھی لیکن چند ہی کے بعد اندر کا دروازہ کھلا اور اندر پھیل ہوئی تیز روشنی باہر نکل آئی۔ دروازے میں ایک عورت نظر آئی۔ جس کے ایک ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ اس کے منہ سے م آواز نکلی۔

لبا چاقو رکھ لیا تھا یہ چاقو بھی میں نے خریدا ہی تھا۔ اس طرح کے چاقو عام طور سے مل جاتے ہیں حالانکہ ان کی فروخت خاصی خطرناک ہوتی ہے۔ چاقو کو میں نے اپنی پسند کے مطابق بنالیا تھا اور اسے اپنی جیکٹ کے ایک مخصوص حصے میں چھپا لیا تھا۔ اگر غلطی سے کہیں ایسا عمل ہو جائے کہ کوئی میرے لباس کی تلاش لے تو یہ چاقو اسے آسانی سے حاصل نہ ہو سکے لیکن بہر حال اس وقت یہ میرا بہت بڑا ہتھیار تھا۔

اس کے بعد میں شر کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے لگی۔ میرے ذہن میں بہت سے منصوبے تھے۔ بہت سی ایسی باتیں تھیں جو بظاہر ایک قصہ ایک کہانی ہی معلوم ہوتی تھیں لیکن اب ان قصے کہانیوں میں سے کسی ایک داستان کی تکمیل ہونے جا رہی تھی۔ میرے ذہن میں سوچا تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب پہلے میں نے کبھی اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔ کبھی بھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب رات کی تاریکیوں میں کسی ایسے گھر کو تلاش کر رہی ہوں گی جہاں میں چوری کر سکوں ڈاکہ ڈال سکوں لیکن بس سامنے اور کوئی راستہ تھا ہی نہیں۔ بخت بابا نے قدم روک دیئے تھے ورنہ اپنے دشمنوں کے گھر سے کچھ حاصل کرنا میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ میں جانتی تھی کہ الماس آراء بیگم نقد رقم کہاں رکھتی ہیں۔ میں جانتی تھی کہ ان کی تجوری کیسے کھولی جاسکتی ہے لیکن اس جانکاری کو میں نے اس قسم کے نیچے دبا دیا تھا جو بخت بابا نے اور قدیرہ بیگم نے مجھے دے دی تھی۔ انہی لوگوں کے لئے تو میں یہ سب کچھ کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وقت نے مجھے اتنا ضرور بتا دیا تھا کہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ میں کہیں سے یہ رقم حاصل کروں۔ بڑی عجیب اور بڑی مشکل خیر بات تھی لیکن میری سوچ بھی محدود تھی۔ ذہن بہت زیادہ طاقتور نہیں تھا اور فوری طور پر میں بہت جلدی فیصلے بھی نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئی تھی۔ غرض یہ کہ میں اس انداز میں یہ عمل کرتی رہی۔ کوٹھیاں، بنگلے، شہر کے ایک پوش علاقے میں پہنچ گئی۔ یہاں کے رہنے والے میری ہی طرح کے لوگ تھے۔ ہمارے گھروں کے انداز میں زندگی گزارنے کے عادی۔ اپنے آپ میں مست اپنی دولت کی گرمی سے خوش اپنے گھروں کی عیش گاہوں میں آرام کرتے ہوئے۔ چنانچہ وہ مزے کی نیند سو رہے تھے۔

میں نے ایک ایسے گیٹ کو تاکا جس کی چار دیواری سے اندر داخل ہونے میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی تھی۔ غالباً گھر کے مالکان اس چار دیواری کو غیر محفوظ سمجھ کر اونچا کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مزدوروں نے دن بھر کام کیا تھا بہت سی اینٹیں احاطے کی دیوار میں لگائی تھیں لیکن ایک جگہ انہوں نے دیوار کے ساتھ اینٹوں کے انبار بھی لگا دیئے تھے۔ ایسے انبار جن پر چڑھ کر دیوار پر اور پھر دیوار کے دوسری جانب کودا جاسکتا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ اس خوبصورت کوٹھی میں کون رہتا ہے لیکن بہر حال مجھے اس میں داخل ہونے میں کوئی خاص دقت محسوس نہیں ہوئی۔ اینٹیں اس انداز میں بکھری پڑی تھیں کہ میں نے اپنا وزن سنبھال کر ان اینٹوں پر پاؤں رکھے اور اوپر آخر کار دیوار پر اور پھر اندر کی مدہم روشنیوں کا جائزہ لے کر دیوار کے دوسری جانب۔ میں نے اپنے قدموں کی آواز بھی پیدا نہیں ہونے دی تھی۔ نہ جانے اس وقت مجھ پر کیسا جنون سوار تھا۔ ماں جو زندگی بھر مجھ سے دور رہی تھی۔ اسے زندہ رکھنے کے لئے مجھے رقم کی ضرورت تھی اور رقم کے حصول کے لئے جو ذریعہ میری سمجھ میں آیا تھا بس میں اس میں ہر قیمت پر کامیاب

”بابا صاحب کے بچے بکواس کر رہے ہو یہ تم خود دیکھو گے۔“ عورت بری طرح بھگری اور چونک کر نارنج کی روشنی چاروں طرف ڈالنی شروع کر دی۔ اچانک ہی چوکیدار کی روشنی اس باڑ پر پڑی جس پیچھے میں موجود تھی۔ میں تھوڑی سی گردن اٹھائے یہ تمام مناظر دیکھ رہی تھی اور چوکیدار کی تیز آنکھ نے بھانپ لیا کہ باڑ کے پیچھے کوئی موجود ہے۔ دوسرے لمحے اس نے راتقل سیدھی کر کے گولی چلا دی اگر میں پھرتی سے نیچے نہ بیٹھ جاتی تو گولی نے مجھے اڑا کر رکھ دیا تھا۔ باڑی مٹھنیاں ٹوٹیں، پتے ٹوٹے اس بعد دوسری گولی تیسری اور ایک کے بعد دیگرے ادھر گولیاں چلائی جانے لگیں۔ مجھے صورت حال کا اچھا طرح اندازہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں برق رفتاری سے بھاگی اور کسی ایسی دوسری جگہ کی تلاش کرنے لگی جہاں پناہ کر میں بچ سکتی۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں لیکن پھر تقدیر نے میری رہنمائی میں عمارت کے ساتھ ساتھ بھاگ رہی تھی کہ ایک جگہ مجھے دباؤ سا محسوس ہوا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ دروازہ ہے۔ دوسرے لمحے میں دروازے سے اندر جا پڑی۔ اپنی جگہ سے پھرتی سے اٹھی۔ جا تو ہاتھ میں۔ یا تھا اور اندازہ لگا رہی تھی کہ یہاں آس پاس کوئی موجود ہے یا نہیں لیکن کچھ ہی لمحوں میں یہ اندازہ ہوا کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ یہ کوئی ایسا دروازہ تھا جو ایک پتلی سی کوریڈور میں کھلتا تھا۔ اس کوریڈور میں غالباً

ہوتے تو بڑی مشکلات کا شکار ہو جاتے۔ قتل کر دیا تھا اس نے انہیں اور بڑی مشکل سے ہمیں ان کی اچھپائی پڑی تھیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے بابا صاحب! لیکن اب یہ بتائیے کہ کیا کیا جائے۔ ویسے تو ہم نے پوری کوششی ماری ہے۔ ایسا لگتا ہے جو کوئی بھی اندر داخل ہوا ہے وہ یہاں کے حالات دیکھ کر فرار ہو گیا ہے۔“

”مگر کریم بابا کتا ہے کہ گیٹ سے کوئی اندر داخل نہیں ہوا۔“

”میں سمجھ گیا بابا صاحب کہ وہ کدھر سے داخل ہوا ہے۔ دیوار کے اس طرف اینٹیں جتنی ہوئی یقیناً وہ انہی جتنی ہوئی اینٹوں سے چڑھ کر اندر آیا ہو گا۔“

”ان کم بجتوں سے کہا تھا کہ اینٹیں اندر رکھ دو۔ واقعی تم ٹھیک کہتے ہو۔ ادھر گئے؟“

”ہاں۔ ہم نے ادھر کا جائزہ لے لیا ہے۔ اندازہ یہی ہوا ہے کہ جو کوئی بھی اندر آیا ہے وہ ان سے چڑھ کر اندر آیا ہے۔“

”بس میں یہ سوچ رہی ہوں کہ کیس کوئی غلط آدمی نہ ہو۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہونا۔“

”جی۔ اب آپ حکم کریں کہ کیا کیا جائے؟“

”نہیں۔ میں کوئی حکم نہیں کرتی بس ہوشیار رہو اور آج رات سونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جا کیا صورت حال ہے۔ ایسا نہ ہو کہ گہری نیند سو جاؤ اور اس کے بعد جاگنا ہی مشکل ہو جائے۔“ عور

لجہ بڑا معنی خیز تھا۔

”نہیں بابا صاحب بھلا ان حالات میں سونے کی کیا گنجائش ہے۔ ڈیمبل کی لاش کا کیا کیا جائے؟“

”اب وہ ایک ناکارہ چیز ہے۔ زندہ تھا تو بڑے کام کا تھا۔ اسے کسی بورے میں پیک کر کے یا تو پھینکوا دیا پھر یہیں کسی گٹر میں بہا دو۔“

”نہیں گٹر میں وہ سڑ جائے گا۔ میں ایک کام کرتا ہوں بندے کو بھیج دیتا ہوں۔ اس کی لاش کبیر پھینک آئے گا۔“

”یہی میں کہنا چاہتی تھی کوٹھی کے آس پاس اس کی لاش نہ پھینکی جائے۔ او۔ کے جاؤ۔ میں کروں گی۔“

”بابا صاحب دروازہ اندر سے بند کر لیجئے۔“ ان میں سے کسی نے کہا اور عورت کی ہنسی کی آواز دی۔ وہ غالباً کوئی نڈر عورت معلوم ہوتی تھی۔ ویسے بھی میں نے اس کے ہاتھ میں پستول دیکھا تھا۔ یہ خوب ہنسی تھی یہاں آکر۔ یہ اچھی بات تھی کہ عورت کو اس بات کا شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ اندر داخل والا ابھی تک کوٹھی میں ہے۔ وہ مسہری پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر تک پاؤں لٹکائے ہوئے اسی طرح بیٹھی پھر دوبارہ اپنی جگہ سے اٹھی اور آگے بڑھ کر تیز روشنی بجھا دی، البتہ نائٹ بلب کی سرد روشنی کمرے ماحول کو اچھا خاصا منور کئے ہوئے تھی۔ میں خاموشی سے مسہری کے نیچے سانس روکے لیٹی رہی۔ عورت غیر معمولی حیثیت کی مالک معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے ہوشیار رہنا بے حد ضروری تھا۔ پھر غالباً وہ مسہر

کام کے سلسلے میں بھی میں نے اچھی طرح غور کر لیا تھا کہ میں نے کیا کرنا ہے۔ چنانچہ میں اسی طرح مسہری کے نیچے لیٹی رہی۔ تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا۔ باہر مکمل خاموشی طاری تھی۔ اس ایک گھنٹے میں مسہری کے نیچے گئے تھے میری کمر اکڑ گئی تھی لیکن بہر حال ایک گھنٹہ کافی تھا مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ سوچ سکتی ہے۔ اس کی

گہری گہری سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر میں آہستہ آہستہ مسہری کے نیچے سے ریٹنگتے ہوئے باہر نکل آئی اور اس کے بعد بڑی احتیاط سے کھڑی ہو گئی۔ مجھے یاد تھا کہ اس کے پاس پستول موجود ہے۔ سب سے پہلے مجھے یہ پستول اپنے قبضے میں کرنا تھا تاکہ خطرات سے بے نیاز ہو جاؤں۔ چنانچہ کھڑے ہونے کے

بعد میں نے اس پر نگاہ ڈالی۔ اس کا چہرہ میری ہی جانب تھا اور میں اس کے نقوش دیکھ سکتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ میری جگہ اگر کوئی مرد ہوتا تو ان نقوش کو دیکھ کر یقینی طور پر متاثر ہو جاتا۔ خوبصورت عورت تھی حالانکہ عمر اٹھائیس اور تیس سال کے قریب تھی لیکن دلکشی بے مثال، اس کا سارا وجود ایک حسین پیکر کی شکل رکھتا تھا۔ بہر حال مجھے اس کے حسن سے زیادہ اس کے پستول کی فکر تھی۔

پستول جیسی چیزیں عموماً ایسی ہی جگہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ میرے ہاتھ آہستہ آہستہ اس کے تکیے کی جانب بڑھے بے شک یہ ایک خطرناک کام تھا لیکن اس کے بغیر چارہ کار بھی نہیں تھا۔ تکیے کے نیچے سے پستول نکال کر

ہی میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھ سکتی تھی۔ باقی کام اس کے بعد کے تھے۔ میں جھکی اور جھکی تھوڑی سی اور اب اس کا چہرہ میرے چہرے کے کوئی آٹھ انچ کے فاصلے پر تھا اور میرے ہاتھ اس کے تکیے کے نیچے ریٹنگتے

ہی والے تھے کہ دفعتاً ہی مجھے ایک حسین مترنم اور دلکش آواز سنائی دی۔

”ہیلو.....“ میں جس طرح اچھلی تھی ایسے شاید زندگی میں کبھی خوفزدہ ہو کر نہیں اچھلی تھی۔ میری نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ تھی اور داہنے ہاتھ میں

پستول دبا ہوا تھا۔ اس کے پورے وجود کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ اس کا داہنا ہاتھ اس کی کمر کے پیچھے دبا ہوا ہے۔ اب جو داہنا ہاتھ سامنے آیا تو اس کا رخ میری جانب تھا اور اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ سنسنی، شدید سنسنی، انتہائی عجیب احساس میرے دل

میں پیدا ہو گیا تھا۔

☆=====☆

☆=====☆

☆=====☆

☆=====☆

☆=====☆

☆=====☆

آئی اے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میری آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ بہر حال تجوری کو تو پہچان ہی سکتی تھی۔ میری نگاہیں عورت کی جانب اٹھیں تو اس نے کہا۔

”تجوری ہے۔ پہلے اپنی تسلی کر لو۔ اس کے بعد میں تمہیں کچھ اور بتاؤں گی۔ چلو اٹھو۔“ میں اپنی بگ سے نہیں اٹھی تھی تو اس نے پستول کو جنبش دے کر کہا۔

”تم میری کوشش میں داخل ہوئے۔ تم نے انتہائی مجربانہ عمل کرتے ہوئے میرے ایک بے حد قیمتی در خطر ناک کتے کو مار دیا ہے۔ نقصان پر نقصان۔ اگر تم اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتے تو میں نہیں جانتی کہ مجھے کتنا نقصان پہنچتا لیکن اس کے باوجود میں نے تمہارے ساتھ کتنا اچھا رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔ اب صلی طور پر تمہیں میری ہر بات کو ماننا چاہئے۔ اٹھو اپنی جگہ سے۔“ میں آہستہ سے اٹھی تو وہ پھر بولی۔

”چلو تجوری کی طرف۔“ میں تجوری کی جانب بڑھ گئی اور اس کے قریب پہنچ گئی۔

”یہ اس کی چابی ہے۔“ اس نے کہا اور ایک چابی میری جانب اچھال دی جسے میں نے اپنے ہاتھ میں پک لیا۔

”تملے میں لگاؤ تجوری کھل جائے گی۔“ وہ بولی۔ بہر حال اس وقت میں اس کے بحر میں گرفتار تھی۔ پٹانچہ میں تجوری کے قریب پہنچ گئی۔ میں نے تجوری کو چابی لگائی تو تجوری کا ہینڈل کھٹ کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔

”کھولو اسے۔ دیکھو۔“ اس نے کہا۔ میں نے ہینڈل پر زور لگایا تو تجوری کا ڈھکن کھلنے لگا۔ میری آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی لیکن اچانک ہی پھر ایک ایسا عمل ہوا جس نے مجھے ایک دم ششدر کر دیا۔ تجوری ہی سے ایک اور آواز نکلی تھی اور اس کے ساتھ ہی میرے ہینڈل پکڑنے والے ہاتھ کی کلائی میں ایک اسٹیل کی ہتھکڑی فٹ ہو گئی۔ میں نے بری طرح زور لگا کر اپنے ہاتھ کو اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی لیکن فولادی ہتھکڑی میری قوت سے زیادہ حیثیت رکھتی تھی۔ عورت کی آواز ابھری۔

”کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی تو زندگی بھرافسوس کرتے رہو گے۔ دیکھو تجوری میں جھانک کر دیکھو۔ دوسرا ہاتھ تو خالی ہے نا۔“ میرا دل سینے میں کانپ رہا تھا لیکن ظاہر ہے ایسی ڈرامائی پڑویشن بلاوجہ ہی نہیں پیدا کی جاسکتی تھی۔ اسے اطمینان ہو گا کہ اس کی دولت کو کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن میں مکمل طور پر اپنی مسلسل نا تجربہ کاریوں کا ثبوت دے رہی تھی۔ تجوری میں نگاہ ڈالی تو اس میں بہت کچھ موجود تھا۔ عورت آہستہ آہستہ میرے قریب آ گئی۔ پستول اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

”یقین کرو۔ اتنی رقم میں تمہیں دے سکتی ہوں جتنی تمہارے کام آجائے اور میرے لئے تکلیف دہ نہ ہو اور اس کے بعد میں تمہیں جانے کی اجازت بھی دے دوں گی لیکن کیا سمجھے؟“ اس نے میرے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھی اور پھر اسے وہاں سے ہٹا کر اپنے ہونٹوں پر رکھ لی۔

”اسنے دلکش نفوش ہیں کہ میں ہی کیا کوئی بھی اپنا ایمان کھو سکتی تھی۔ بہت ہی چھوٹی عمر ہے اور یہ بھرا بھرا بدن۔ بولو، کیا قیمت لگاتے ہو اس کی؟“

وہ جیسے اندر ہی اندر ناچ رہی تھی۔ میں سچی بات یہ ہے کہ دیے تو نا تجربہ کار تھی لیکن زندگی کے ان

ثبوت دو۔ چلو سیدھے ہو جاؤ اور سنو۔ یہ پستول میں نے مذاق میں نہیں رکھا ہوا ہے، بھرا ہوا ہے اور وقت میں آدھی فیند کی کیفیت میں ہوں۔ اگر انگلی دب گئی تو تمہارے سینے کا سوراخ مجھے اچھا نہیں لگے ویسے اگر دوستی کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ اچھی شکل و صورت کے مالک ہو۔ عمر بھی بہت چھوٹی سی ہے نہیں کس چکر میں یہاں تک آئے ہو۔“

وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی اور گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیتی رہی۔ وہ اب مجھے مرد سمجھ تھی۔ وہ جن نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اس میں ایک نوع کی بھوک بھلک رہی تھی۔ کچھ دیر غائب کے بعد وہ پھر بولی۔

”اوہو..... میں سمجھ گئی۔ تو تم وہ چور ہو مگر تمہاری ایک مہارت کی داد دینی پڑے گی۔ تم اتنے خطرناک کتے کو ہلاک کر دیا۔ بڑی بات ہے سیدھے ہو جاؤ۔ سیدھے ہو جاؤ۔ شاید تم جھک کر میرا پٹہ تلاش کرنے والے تھے۔“

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر سیدھی ہو گئی۔ عورت نے اپنے جسم کا زاویہ بدلا۔ بڑے جسمانی نفوش تھے اور جس کیفیت میں وہ نظر آ رہی تھی۔ اس میں ان نفوش کی جاذبیت کچھ اور نمایاں تھی۔ میں سیدھی ہو گئی تو اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اب اچھے بچوں کی طرح ادھر بیٹھ جاؤ۔ دیکھو! میں زیادہ اسارٹ بننے کی کوشش نہیں کر رہی۔ میں اگر تم مجھے جانتے ہوتے تو شاید یہ جرات ہی نہ کر پاتے لیکن خیر جرات کرنا اچھی بات ہے۔ کبھی انسان کو بن مانگے موتی مل جاتے ہیں۔ کیا چاہئے، مال؟“ میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہی تھی اس کے بولنے کے انداز میں بڑی دلکشی تھی۔ اب وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی لیکن پستول سے اس کی ایک لمحہ کے لئے نہیں ہٹتی تھی۔ یعنی وہ غافل نہیں تھی جبکہ میں نے کئی بار اس کے ہاتھ کی ڈائریکٹر دیکھا تھا۔ میرا فاصلہ اس سے اتنا زیادہ نہیں تھا کہ اگر مجھے ذرا بھی موقع ملتا اور میں اس کے پستول یا ہاتھ تک پہنچ سکتی تو پستول اس کے ہاتھ سے نکالنے میں مجھے کوئی خاص وقت نہ ہوتی۔ بہر حال ساری بات اپنی جگہ۔ وہ اس وقت مجھ پر حاوی ہو گئی تھی اور میں سوچ رہی تھی کہ اب کرنا کیا چاہئے۔

”بتایا نہیں، تم نے ہینڈ سم کتنا مال چاہئے؟ اگر کوئی چھوٹی موتی بات ہو تو سودا کیا جاسکتا ہے۔ کیا ہاں اگر اس کے علاوہ کوئی مسئلہ ہے تو بھی۔ بہر حال خوش نصیب ہو کہ تمہارا مجھ سے واسطہ پڑا ہے۔ چلو بھی بتاؤ کیا قصہ ہے؟“ میں نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا حالانکہ میرے لئے مردانہ آواز میں! مشکل کام نہیں تھا لیکن میں اصل میں ایک دم سے پڑنے والی افناد سے کچھ نروس ہو گئی تھی۔

”اچھا چلو پہلے تمہاری خوشی ہی پوری کر دی جائے۔ اس کے بعد تم ہمارے بارے میں سوچ لینا۔ عورت نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ پھر اس نے اپنے بیڈ کے ایک سائیڈ پر لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا مجھے ایک سرسراتی آواز سنائی دی جیسے کوئی رول چل رہا ہو۔ میری نگاہیں بے اختیار آواز کی سمت اٹھ گئیں بالکل سانسے ہی ایک دیوار میں ایک پلیٹ ہٹی جا رہی تھی۔ وہ پلیٹ اسی طرح فولڈ ہو رہی تھی کہ چڑچڑاہٹ کی بنی ہوئی ہو لیکن دیوار کے رنگ سے مختلف چیز نہیں تھی وہ۔ البتہ اس کے پیچھے جو شے مجھے نا

مابین سب کچھ بے کار تھا۔ وہ ایک شاندار نظام تھا جس کے تحت میں گرفتار ہو گئی تھی۔ یقینی طور پر یہ آجوروں کے لئے ہی قائم کیا گیا تھا۔ عورت نے ٹیلی فون پر جو نمبر ڈائل کئے تھے شاید ادھر سے رابطہ ہو گیا تھا۔ مجھے اس کی آواز سنائی دی۔

”خضر خان۔ ہاں“ میں بول رہی ہوں۔ تم جلدی سے میری کوٹھی پر آ جاؤ۔ گدھے میں جانتی ہوں کہ تم کا کیا وقت ہے۔ تم مجھ سے یہ سوال کر رہے ہو۔ آ جاؤ میں انتظار کر رہی ہوں۔ ہاں ہاں میں کریم نامہ لکھ چکی ہوں۔ نہیں کتے کا خطرہ نہیں ہوگا۔ فضول بکواس کرنے کے بجائے فوراً یہاں پہنچ جاؤ۔ اور

”کچھ

”اس نے فون بند کر دیا پھر وہیں رک کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے ایک بار پھر کوشش کی۔ ”دیکھیے بلیم! آپ بے شک مجھ سے ناراض ہیں۔ میری زندگی لے سکتی ہیں آپ لیکن یہ تو سوچئے کہ ایک لڑکی اپنا بیدل کر اگر چوری کرنے کے لئے نکلتی ہے تو اس کے پس منظر میں کوئی ایسی ہی مشکل ہوگی۔“

یہ بدل کر اگر چوری کرے گا تو اس سے پس کریں گی ایسی سب سے پہلی بات کہ ”تمہاری ساری مشکلیں ابھی تھوڑی دیر میں دور ہو جائیں گی۔ فکر مت کرو۔“ وہ سفاک لہجے میں لی۔ میں خاموش ہو گئی تھی۔ البتہ دل میں یہ سوچ رہی تھی کہ بابا بخت مراد نے غلط مشورہ دیا تھا۔ اگر اپنے گھر میں ہوتی اور وہاں تجوری خالی کر رہی ہوتی اور اگر الماس آراء بیگم جاگ بھی جاتیں تو کم از کم ایسی کسی نکل میں نہ پڑتی میں۔ اب پتا نہیں یہ عورت میرے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ تھوڑا تھوڑا سا اندازہ مجھے کی اندرونی کیفیات کا ہو رہا تھا۔ مجھے مرو سمجھ کر تو وہ بہت خوش تھی، لیکن جب اسے علم ہوا کہ میں لڑکی ہوں تو اچانک ہی اس کا غصہ شدت اختیار کر گیا۔ پتا نہیں کیوں وہ ایک دم سے میری دشمن بن گئی تھی۔ پھر اس نے کچھ سوچ کر اپنی جگہ چھوڑی اور ایک دیوار پر لگے ہوئے اشتر کام کے پاس پہنچ گئی۔ اشتر کام سوچ آن کر کے اس نے کہا۔

”کریم مرگئے کیا۔ آواز کیوں نہیں آرہی تمہاری؟ ہاں ظفر خان آ رہا ہے اسے روکنے کی کوشش مت کرتا۔“

”جی بابا صاحب! آپ فکر مت کرو۔“

”شٹ اپ۔“ عورت نے غرغری ہوئی آواز میں کہا اور انٹرکام بند کر دیا۔ پھر وہ مسہری پر جا بیٹھی۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ بجاتا تھا اور اس کے بعد ایک کالے رنگ کی شکل اندر داخل ہوئی تھی۔ چھوٹا قد، لیکن بہت ہی مضبوط بدن۔ چہرہ بہت ہی شیطانی تھا۔ عورت کے اشارے پر وہ اندر آگیا۔

”جی بابا صاحب! خیریت۔ ارے..... یہ یہ۔ اودہ ہو..... اودہ ہو۔“

”چورے۔ تمہیں پتا ہے اس نے میرے انتہائی قیمتی کتے کو چاقو سے ہلاک کر دیا۔“

”کک..... کیا واقعی؟“

”تو کیا میں تم سے جھوٹ بولوں گی۔“

”نن..... نہیں بابا صاحب! لیکن یہ..... اودھ میرے خدا۔“ وہ آہستہ آہستہ میری جانب بڑھا اور بھراچانک ہی اس کے چہرے پر بھی ایک تبدیلی رونما ہوئی اس کے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی

رموز سے بالکل ہی نا آشنا تھی۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ جب کسی نوجوان عورت کا انگ انگ ناچ رہا اس کے اندر کی آواز کیا ہوتی ہے۔ اس کی آنکھوں کی مسکراہٹ، ہونٹوں کی کپکپاہٹ اس کے اندر کی سنار ہی تھی۔ ایک ایسی کہانی جو ایک اجنبی زبان میں تھی اور میں اس اجنبی زبان کو نہیں سمجھتی تھی۔ ہاتھ آہستہ آہستہ میرے شانے پر آٹکا پھر اس نے کہا۔

”بہت کچھ لے کر جاؤ گے یہاں سے۔ میں بہت فراخ دل ہوں۔ بس کبھی کبھی ہی میرا دل کٹی جاتا ہے لیکن ایمانداری شرط ہے۔ دغا کرو گے تو قتل کر دوں گی۔ بولو کیا کہتے ہو، جلدی بولو۔“ وہ میرے بالکل قریب آگئی اور اس نے اپنا ہاتھ میری گردن پر رکھا۔ پھر میرے سینے پر۔ اچانک ہی اس کے چہرے ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک تعجب سا تھا۔ اس بعد اس نے جو عمل کیا وہ میرے لئے بالکل غیر متوقع تھا۔ اس نے ایک دم میرے بدن کو دبا کر دیکھا تھا پھر غراتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی تھی۔

”تو لڑکی ہو تم۔“ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں ایک جھلکا دیکھی تھی۔ ایک وحشت دیکھی تھی، اس کی آنکھوں میں۔ وہ بری طرح جھلکا تھی۔ وہ اپنے دانت رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اب صورت حال اور بھی بگڑ گئی ہے لیکن اب کچھ کرنا چاہئے چنانچہ میں نے ہی اپنے چہرے پر ایک مغموم سی کیفیت پیدا کی اور آہستہ سے بولی۔

”ہاں! میں لڑکی ہوں۔ بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہوں۔ سمجھ لو آج میں دو ہی فیصلے کر کے تھی۔ خودکشی یا پھر اپنی مصیبتوں کا خاتمہ۔ اتنی رقم کا حصول جس سے میری ماں کا علاج ہو سکے۔ جس میری زندگی پاکیں۔“

میں اپنی دانست میں ایک کامیاب اداکاری کر رہی تھی لیکن میں واقعی ایک نا تجربہ کار لڑکی تھی۔ زندگی کے اس دوسرے رخ کے بارے میں علم نہیں تھا۔ عورت شاید کوئی اور وقت ہو تا تو متاثر ہو میری بھرائی ہوئی آواز پر غور کرتی لیکن اس وقت اس کے اندر جو شیطان جاگا ہوا تھا۔ وہ اسے اس و شدید جھنجھلاہٹ میں مبتلا کئے ہوئے تھا۔

”تو پھر دوسرا ہی کام تمہارے لئے ممکن ہے۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ سبھی کتاؤں نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ تجھے خودکشی بھی نہیں کرنے دوں گی، دیکھ تیرا کیا حال کرتی ہوں میں۔“ وہ غرائی ہوئی بولی اور اس بعد وہ ایک طرف رکھے ہوئے ٹیلی فون کی جانب بڑھ گئی۔ اس کے اندر شدید دیوانگی جنم لے چکی تھی۔
نے اسے پھر آواز دی۔

”میڈم..... میڈم پلیز‘ میری بات تو سنئے‘ میری بات سن لیجئے میڈم۔ اگر آپ نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو بعد میں آپ کو افسوس ہوگا۔ میں ایک بہت ہی مظلوم لڑکی ہوں۔ اگر آپ یقین نہ آئے تو آپ میرے ساتھ چل کر دیکھ لیجئے۔ میری ماں بی بی کی مریضہ ہے اور میری بہنوں کا اس میں اور کوئی نہیں ہے۔ آپ یقین کیجئے میڈم‘ آپ یقین کیجئے۔“ لیکن اس کے کان بند تھے۔ وہ ٹیلی کے پاس پہنچ کر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگی۔ میں نے اپنے ہاتھ میں بڑی ہوئی پھٹکڑی کو دیکھا۔ اس کے مرکز

تھی۔

”یہ..... یہ“۔

”یہ لڑکی ہے، لڑکے کا بھیس بدلے ہوئے ہے۔“ عورت نے بتایا۔

”ل..... لڑکی۔“ ظفر خان پھر ہلکایا اور اس کے بعد وہ میرے بالکل قریب پہنچ گیا حالانکہ ایک ہاتھ آزاد تھا لیکن میں اس سے زیادہ کام نہیں لے سکتی تھی۔

پھر اچانک ہی جیسے اسے کچھ یاد آیا۔ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کوٹ نکال لی۔ یہ غالباً ایک جھوٹا سا بادی لغانہ تھا۔ اس نے لغانے کو کھول کر اس میں سے ایک تصویر نکالا اسے دیکھنے لگا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ تصویر دیکھ کر بار بار میرا چہرہ دیکھ رہا ہو۔ اس دوران عورت اٹھ گئی تھی۔

”کیوں۔ تمہاری کوئی رشتہ دار ہے۔ کیا دیکھ رہے ہو یہ؟“

”بابا صاحب! جو میں دیکھ رہا ہوں آپ بھی دیکھئے۔“ اس نے کہا۔ تصویر کا رخ اس کے چہرے کی طرف تھا اس لئے میں تو اسے دیکھ نہیں سکتی تھی لیکن وہ عورت کے قریب پہنچا تھا۔ اس نے عورت کی تصویر دکھائی تھی۔ تب عورت نے وہ تصویر دیکھی تھی اور چونک کر بولی تھی۔

”ارے یہ تو واقعی اس کی تصویر ہے۔ تمہارے پاس کہاں سے آئی؟“ ظفر خان نے میری طرف دیکھ کر سرگوشی کے انداز میں اس نے عورت سے کچھ کہا تو عورت جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

”تم نے اپنا ڈرامہ شروع کر دیا۔ میں کہتی ہوں یہ۔“

”آپ یقین کریں بابا صاحب! یہ تو..... یہ تو..... اودہ مائی گاؤ۔“ اس نے تصویر عورت کو دکھا کر آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے مجھے بہت غور سے دیکھا۔ کچھ عجیب سی کیفیت تھی ا کی۔ چند لمحے تک وہ مجھے گھورتا رہا اور پھر اس کے بعد عورت کی طرف رخ کرتے ہوئے بولا۔

”یہ تو بذات خود کیش بکس ہے بابا صاحب!“

”پتا نہیں تم کیا بک رہے ہو۔ مجھے بتاؤ تو کسی کہ آخر یہ کون ہے؟“ عورت نے کہا اور ظفر خان اسے اشارہ کیا۔ پھر وہ اسے کمرے ہی سے نکال لے گیا تھا لیکن میری حیرتیں عروج پر تھیں۔ کیا اس کے پاس میری تصویر ہے۔ مگر کوئی سمجھ میں آنے والی بات بھی ہو۔ اگر وہ میری تصویر دیکھ کر میرا چہرہ مجھ سے ملتا ہے تو یہ تصویر اس کے پاس کہاں سے آئی۔ دوسری بات وہ جو بکواس کر رہا ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟ کیش بکس کیسے ہو سکتی ہوں؟ بہت سے سوالات میرے ذہن میں پیدا ہو گئے لیکن سب سے بڑی الجھن: تھی کہ میں اپنے مشن میں ناکام رہی تھی اور کچھ بھی نہیں کر پائی تھی۔ یہ تو بہتر نہ ہوا۔ میں نے تو دل میں بہت سے فیصلے کئے تھے لیکن کیا کرتی بخت مراد بابا نے قسم بھی دلادی تھی۔ خود میں نے سوچا تھا کہ ایک بار

الاس آراء بیگم کے جنگل سے نکل بھاگی ہوں کہیں ایسا نہ ہو دوبارہ پھنس جاؤں۔ اپنی تو خیر کوئی پروا نہیں تھی لیکن اب ماں اور بہنیں اور خود بخت مراد بابا کے لئے فکر مند تھی میں۔ آہ پتا نہیں کیا قصہ ہے۔

الجھنیں شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ظفر خان اکیلا میرے پاس آیا۔ اس کے

ہاتھ پر مکاری تھی۔ بابا صاحب یا وہ عورت اس کے ساتھ نہیں آئی تھی چنانچہ میں اسے دیکھنے لگی۔ ظفر میرے پاس آیا اور بولا۔

”سنو۔ اگر تم چاہو تو بہت بڑی دولت کی مالک بن سکتی ہو۔ تمہیں رقم چاہئے نا؟“ میں خاموشی سے دیکھتی رہی اور وہ بولا۔

”میرے منصوبے میں شریک ہو جاؤ۔ میں تمہیں بہت بڑی دولت کا مالک بنا دوں گا۔ کیا سمجھیں؟“

”کیسا منصوبہ؟“ میں نے کہا۔

اس نے دروازے کی طرف دیکھا پھر دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ پھر ایک کی کے پاس پہنچا اسے بھی بند کیا۔ اندازہ یہ ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی بات باہر نہ جانے دینا چاہتا ہو۔ میں دُش سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر وہ میرے قریب آیا اور میرے بہت قریب پہنچ کر سرگوشی کے انداز میں

”ایسا منصوبہ ہے کہ تم سونگی تو حیران رہ جاؤ گی۔ بس یوں سمجھ لو کہ تمہارے دن بھی پھر جائیں گے میرے بھی۔“

”لیکن.....“ میں ابھی اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ اچانک ہی اس نے اپنا اٹا ہاتھ میرے منہ پر جمادیا۔ سیدھے ہاتھ سے میری گردن مضبوطی سے جکڑ لی۔ اصل میں یہ سب کچھ بالکل غیر متوقع طور پر ہوا تھا۔ اس طرح مجھے اپنے چہرے کے تاثرات اور الفاظ کے جال میں پھنسا لیا تھا کہ میں سوچ بھی نہیں سکی کہ اس کا اگلا قدم کیا ہو گا۔ اصل میں اس طرح وہ مجھے کسی جدوجہد سے روکنا چاہتا تھا کیونکہ بہرحال میرا ہاتھ تو آزاد تھا۔ ایک انتہائی تیز بدبو میری ناک سے نکلتی اور مجھے یہ محسوس ہوا جیسے میرا دماغ ایک تاریک ہو گیا ہو۔ کلوروفارم کی بو کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ یہ بہت بعد کی بات ہے جب مجھے اس کے بے میں معلوم ہوا لیکن اس وقت میں صرف چند لمحوں تک ہوش میں رہی اور اس کے بعد میرے ہوش داس رخصت ہو گئے۔

☆=====☆=====☆

جب جاگی تو منہ کڑوا ہو رہا تھا۔ سر میں ایک ہلکے سے چکر کی کیفیت تھی۔ میں نے زور سے آنکھیں میچ لیں اور گردن جھٹکنے لگی تاکہ اپنے ذہن سے یہ احساس جھٹک سکوں۔ اس وقت ایک ہاتھ میرے سینے آکر ٹک گیا اور میں بری طرح اچھل پڑی۔ میں نے سانپ کی طرح پلٹ کر اپنے آپ کو اس ہاتھ کے لمس سے آزاد کیا پھر غور سے دیکھا تو وہ تین بائیس سال کی عمر کی ایک خوش شکل لڑکی تھی۔ اس کے چہرے پر بی اور ہمدردی کے آثار تھے۔ میری کڑی نگاہوں کے جواب میں اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی کراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

”نہیں۔ ہم آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ہم تو آپ کی خدمت پر یہاں رکھے گئے ہیں۔ آپ ٹھیک تو ہیں ناں۔ ہم نے آپ کے لئے چائے بنائی ہے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ آپ چند منٹ کے بعد دُش میں آجائیں گی۔ ہم آپ کے لئے چائے لے آئیں؟“ میں خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔ عجیب محسوس

اور سادہ سا لہجہ تھا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ اٹھ کر بولی۔

”ہم آپ کے لئے چائے لے آتے ہیں۔“ اور پھر وہ میری مسری کے پاس سے اٹھ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔ میں ایک بار پھر چکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ کمرے کے ماحول کو دیکھتا رہتا رہتا۔ گزرے ہوئے واقعات مجھے یاد آنے لگے اور دوسرے لمحے میں اچھل پڑی۔ میں نے وہ لنگھوں سے اس کمرے کو دیکھا۔ روشن دانوں اور کھڑکیوں سے سورج کی روشنی اندر آرہی تھی۔ اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ میں پوری رات یہاں اس قید خانے میں گزار چکی ہوں۔ گزرے ہوئے ایک ایک لمحہ میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا اور اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا لیکن بہرہ پختہ کار مجرم نہیں تھی۔ آہستہ آہستہ ہی تجربہ ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے ہوگا۔ ایک بار پھر میں اپنے اندر ہی اندر اچھل پڑی۔ لڑکی دروازے سے باہر نکل کر گئی تھی اور میرے پاس اس بات کی گنجائش تھی کہ اگر کوشش کروں تو کمرے سے باہر جاسکتی ہوں۔ ایک لمحے اس احساس نے عمل کی صورت اختیار کر لی اور میں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور دروازے کے ہنگامہ میں نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر برق رفتاری سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن دروازہ باہر تھا۔ دو تین بار میں نے دروازے کو زور سے ہلایا لیکن دروازہ نہ کھلا تو میرے ذہن کو ایک اور جھٹکا لڑکی معصوم صورت کی مالک ضرور تھی لیکن اپنے گمن کی پکی تھی۔ کم بخت دروازہ باہر سے بند کر بھولی تھی۔ میں نے بہت کوشش کی۔ دروازے کا جائزہ بھی لیا لیکن انتہائی مضبوط دروازہ تھا اور اس کے دروازے اتنی آسانی سے نہیں کھولے جاسکتے۔ بہرحال لڑکی واپس آئے گی اور میرے ذہن میں بننے لگے لیکن پھر میں نے سوچا کہ اگر یہ وہی گھر ہے جہاں میرے ساتھ یہ تمام واقعات پیش آئے ہیں گھر کے مکین یا پھر خاص طور سے اس عورت کا تذکرہ کروں جس کا اب تک مجھ سے واسطہ رہا تھا تو بے وقوف نہیں ہیں۔ وہ آدمی ظفر خان۔ پتا نہیں وہ تصویر کس کی تھی۔ اگر میری ہی تھی تو اس کے کہاں سے آئی۔ کیا ہوا تھا یہ سب کچھ میرے خدا۔ کچھ تو سمجھ میں آتا۔ میں سوچتی ہی رہی اور کچھ کے بعد دروازہ کھلا۔ وہ لڑکی ایک ٹرے اٹھائے ہوئے اندر آئی۔ ٹرے پر برتن سجے ہوئے تھے۔ باقاعدہ لگا ہوا تھا اس پر۔ مجھے ایک دم بھوک کا احساس ہوا اور میں نے دل میں سوچا کہ باقی ساری باتیں اپنی چلو ناشتہ کیا جائے۔ بیٹ میں کچھ ہوگا تو عقل بھی ساتھ دے گی۔ بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ لڑکی نے میرے سامنے رکھا تو میں نے اس سے کہا۔

”بہت بہت شکریہ۔ کیا نام ہے تمہارا؟“

”عزیزہ ہے ہمارا نام۔ آپ سے ایک درخواست کریں۔ ہم جن حالات میں بھی یہاں نوکری آئیں ان کی تفصیل بتانا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی آپ کو اس سے دلچسپی ہوگی اور ایک بات کہیں ہم سارے معاملات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ یہاں کیوں بند ہیں اور بابا صاحب نے آپ کو کیوں رکھا ہے یہ آپ یقین کریں بڑے لوگ جانتے ہیں۔ ہم تو بس نوکری کرتے ہیں۔ ہم سے کہا کہ کی خدمت کریں۔ ہمیں کچھ باتیں سمجھا دی گئیں۔ ہم اپنا وہی کام کر رہے ہیں۔ آپ ہمیں کوئی فائدہ

بچانے کی کوشش نہ کریں۔ ہم آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لڑکی کے بارے میں ایک بار پھر میرے ذہن میں وہی تصور پیدا ہو رہا تھا کہ بہرحال وہ ایک معصوم سی شخصیت ہے اور اس کے خلاف کوئی عمل کرنا کہیں خود ہی کے لئے دکھ کا عذاب نہ ہے۔ تاہم میں نے ناشتہ کرتے ہوئے کہا۔

”بظاہر تو تم بہت معصوم ہو لیکن یہاں سے نکلنے وقت تم دروازہ بند کرنا نہیں بھولیں۔“

”نہیں۔ نہ ہم نے دروازہ کھولا ہے نہ باہر سے بند کیا۔ باہر تو وہ دونوں ہیں۔“

”کون دونوں؟“

”جنہیں بابا صاحب نے یہاں پہرے پر رکھا ہوا ہے۔ دونوں باہر رہتے ہیں۔ اندر کی ساری باتیں سنتے ہیں۔ ہم دروازے پر پہنچتے تو انہوں نے دروازہ کھول دیا تھا اور جیسے ہی ہم باہر گئے دروازہ بند کر دیا۔“

”ہوں۔ تو باہر پہرہ ہے۔“

”نادر اور شبو ہیں وہاں۔ مگر ہم سے اس کے لئے منع نہیں کیا گیا۔ زیادہ ہم سے کچھ نہ پوچھیں۔“

”کیوں کوئی غلط بات منہ سے نہ نکل جائے۔“ میں نے برا سامنے بنایا اور ناشتا کرتی رہی۔ دوبارہ کہا۔

”یہ گھر بابا صاحب کا ہی ہے؟“

”ہاں۔“

”بابا صاحب ہیں اور کون ہیں؟“

”کوئی بزرگ، درویش، داڑھی والے، بڑے میاں۔“ میں نے کہا اور وہ ہنس پڑی۔ پھر بولی۔

”نہیں جی۔ آپ ان سے ملی نہیں، وہ ہماری مالک ہیں۔“

”تو تب انہیں بابا صاحب کیوں کہتے ہیں؟“

”اب جی۔ ہم کسی کو ان کو بابا صاحب کہنے سے نہیں روک سکتے تھے۔“ وہ بولی اور میں جھلا کر اموش ہو گئی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ کچھ کر ڈالوں لیکن صرف ناشتا ہی کیا۔ لڑکی کے بارے میں دل میں یہ رنج تھی کہ شاید کسی مجبوری نے ہی اسے یہاں نوکری کرنے کے لئے رکھا ہوا ہے ورنہ واقعی معصوم مانتی آتی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ بخت بابا میرے لئے پریشان ہوں گے۔ سوچ رہے ہوں گے کہ کہیں میں نے کوئی غلط کام تو نہیں اٹھایا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں گھر میں دوپٹہ اوڑھ کر قید رہنے کی کیفیت میں تو بالکل بیٹھتی تھی۔ جس انداز میں میری پرورش ہوئی تھی مجھے اسی کے انداز میں کچھ کرنا تھا۔ سب سے پہلی بات تو کہ ماں کی بیماری دور ہونی چاہئے۔ اسے اعلیٰ درجے کے اسپتال میں داخل کرانا ضروری ہے۔ رات کو بے لگ کچھ حقائق سن ہوئی ہیں لیکن جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ بات وہی تھی کہ میرا کوئی تجربہ نہیں تھا اس سلسلے میں۔ بالآخر ایک سبق ضرور ملا تھا۔ وہ یہ کہ خود کو تجربہ کار نہ سمجھوں اور جو کام بھی کروں احتیاط سے کروں۔ بہرحال دشمن سامنے آگئے تھے اور واسطہ اپنے سے ہزار گنا تجربہ کار لوگوں سے پڑا تھا۔ اب ان کے اندر تجربہ نہ سہی لیکن ان سے مقابلہ تو کیا جاسکتا تھا۔ وہ لڑکی دوپہر کو آئی، کھانا لائی تھی میرے لئے۔ اس بار

میں نے اس کے ساتھ بہت ہی نرم رویہ اختیار کیا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”عزیزہ تمہیں میرے بارے میں علم تو ہو چکا ہے نا۔“

”نہیں جی۔ کوئی علم نہیں ہے۔ بس یہ کہا گیا ہے کہ ہوشیار رہیں۔ آپ لڑکوں کے ہمیں میر ہیں مگر لڑکوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اس بات کا خیال رکھیں ہم۔ بھلا ہم کیا خیال رکھ سکتے ہیں۔ آپ چاہو ہماری گردن مرد ڈکر پھینک دو۔ ہم کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے آپ کا لیکن ہمیں مار کر آپ فائدہ نہیں ہوگا۔ ہم ہاتھ جوڑتے ہیں آپ لوگوں کی لڑائی بڑے لوگوں کے درمیان رہے تو زیادہ اچھا میں نے کھانے کی طرف نگاہ دوڑائی پھر عزیزہ سے کہا۔

”اس کھانے میں کوئی نشے کی چیز تو نہیں ملی ہوئی ہے؟“

”نشے کی چیز۔ نہیں جی۔ کھانا تو ہم نے خود پکایا ہے اور خود ہی نکالا بھی ہے۔ بابا صاحب تو کہیں گئی ہوئی ہیں۔ ہم سے کہہ گئی تھیں کہ ہم آپ کو کھانا بنا کر دیں۔ اس میں نشے کی چیز بالکل نہیں ہے ہم آپ کو خود کھا کر دکھا دیتے ہیں۔“

”نہیں ٹھیک ہے۔ تم کہہ رہی ہو تو سب کچھ ٹھیک ہوگا لیکن میں تم سے ایک بات کہنا چاہتی عزیزہ۔“

میں نے کھانے کی ٹرے اپنی جانب سرکالی۔ وہ خاموشی سے میرے سامنے بیٹھ گئی تب میں نے سے کہا۔

”تمہارے ماں باپ ہیں؟“

”ماں ہے جی۔ باپ نہیں ہے۔ نوکری کرتے ہیں۔ ماں گاؤں میں رہتی ہے۔ بہن بھائی بھی ہیں۔ یوں سمجھ لیجئے آپ کہ جو تنخواہ ہمیں ملتی ہے اس سے ان کی پرورش ہو رہی ہے مگر آپ نے یہ پوچھا؟“

”اس لئے عزیزہ کہ اتفاق کی بات ہے کہ میرے بھی باپ نہیں ہیں۔ بہنیں ہیں چھوٹی، بیمار ماں اور ان سب کے لئے میں چوری کرنے لگی تھی۔ لڑکوں کا یہ بھی بنا کر میں اپنی ماں اور بہنوں کے رزق حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن یہ ہوا جس کے نتیجے میں تمہارے سامنے ہوں۔ وہ انتظار کر رہے گے۔ ماں بیمار ہے۔ میں گھنے سے زیادہ گزر چکے ہیں اور مجھے ان کی کوئی خبر نہیں ہے۔ میں تمہارا دل چاہتی تھی۔ کیا اس دل میں غربت کے ساتھ ساتھ انسانیت بھی موجود ہے۔ دیکھو عزیزہ، اچھے سے اچھا ہوا سے برا وقت گزر جاتا ہے لیکن زندگی میں ایک بار کسی پر احسان کرو۔ ان لمحات کی کوئی قیمت نہیں ہوا بڑے بیش قیمت لمحات ہوتے ہیں وہ۔ کیا تم مجھے یہاں سے آزادی دلا سکتی ہو؟“ میں نے بغور اس کا دیکھا۔ اس کے چہرے پر پیلاہٹ دوڑ گئی تھی۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر بولی۔

”مارے جائیں گے جی ہم۔ بابا صاحب کو آپ نہیں جانتیں۔ ہم یہاں اپنی آنکھوں سے بہت کچھ اچکے ہیں۔“

”کیا دیکھ چکی ہو؟“

”چھ فٹ کے لمبے ترنگے مرد بابا صاحب کے ہاتھوں اتنے پٹے ہیں کہ اپنے قدموں سے اٹھ کر باہر نہیں جاسکتے۔ ہمیں تو وہ ایک گھونسا مار کر ختم کر سکتی ہیں۔“

”ہوں۔ چلو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے تو ایسے ہی کہا تھا کہ اگر تم کوئی ترکیب نکال سکو تو۔“

”ہم ہاتھ جوڑتے ہیں، ہم کیا کہیں آپ سے۔“ عزیزہ نے کہا۔

”نہیں، نہیں عزیزہ۔ اتفاق سے تم پر بھی کچھ ایسی ہی ذمہ داریاں ہیں جیسے مجھ پر۔ میرے دل میں تمہارے لئے ہمدردی ہے۔ ٹھیک ہے میں تمہیں اس سلسلے میں بالکل پریشان نہیں کروں گی۔“

اس نے گردن جھکا لی۔ میں کھانے سے فارغ ہوئی تو وہ برتن لے کر باہر چلی گئی۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ یہ خیال بھی دل میں تھا کہ آخر یہ لوگ کیوں مجھے قید رکھنا چاہتے ہیں۔ ویسے ظفر خان نے ایک بات کہی تھی کہ میں تو خود کیش بکس ہوں۔ اس بات کا مقصد کیا تھا۔ میں اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ ویسے بھی سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ لوگ یعنی بابا صاحب وغیرہ مجھ سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں لیکن یہ فائدہ انہیں کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ذہن ان ساری باتوں کا فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ اس کے بعد فخر گندم کا سلسلہ شروع ہو گیا یعنی آنکھوں میں کچھ غنودگی سی آنے لگی۔ میں مسہری پر جا کر لیٹ گئی اور تھوڑی دیر کے بعد نیند آگئی تھی۔ شاید کلوروفارم کی بو سے آنے والی نیند مکمل نہیں تھی۔ اب اصل نیند آئی تو شام کے کوئی سات ساڑھے سات بجے کا وقت ہوگا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ گئی لیکن کوئی خاص بات نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ کمرے میں ٹیوب لائٹ روشن ہو گئی تھی۔ کمرے کا ماحول جوں کا توں تھا اور اندازہ یہ تھا کہ یہاں کوئی نہیں آیا ہے۔ کوئی ساڑھے آٹھ بجے کا وقت ہوگا۔ میں اس بات کی منتظر تھی کہ عزیزہ رات کا کھانا لے کر آئے گی۔ کم از کم اس سلسلے میں ان لوگوں نے بڑی باقاعدگی اختیار کئے رکھی تھی۔ پھر دروازے پر ہلکی سی سرسراہٹیں سنائی دیں اور میری نگاہیں دروازے کی جانب اٹھ گئیں۔ یقیناً عزیزہ ہی آئی تھی اور میرا اندازہ بالکل درست نکلا لیکن عزیزہ اس وقت کھانے کی ٹرے نہیں اٹھائے ہوئے تھی بلکہ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے اور وہ چور سی نظر آرہی تھی۔ اندر آکر سرگوشی کے انداز میں بولی۔

”باہر جاؤ گی بی بی؟“

”کیا.....“ میں نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ اس کی آواز لرز رہی تھی اور چہرے پر خوف کے تاثرات تھے۔ وہ بیجا انداز میں بولی۔

”ہاں۔ باہر جانا چاہو تو جاسکتی ہو۔ اصل میں بابا صاحب کسی پارٹی میں گئی ہوئی ہیں۔ ٹاور اور شبونے موقع سے فائدہ اٹھا کر نشہ کیا ہے اور خوب شراب پی رہے ہیں۔ وہ ایک طرف لڑھکے ہوئے پڑے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں آپ سے کھانے کے بارے میں پوچھنے کے لئے آ رہی تھی کہ آپ کتنی دیر میں کھانا کھائیں گی تو میں نے انہیں زمین پر پڑے ہوئے دیکھا۔ دونوں سرسے باہر پڑے ہوئے ہیں۔ میں نے ٹھوکریں ماریں پھر بھی نہیں جاگے۔ ایسی صورت میں میری ذمہ داری تو ختم ہو جاتی ہے۔ اب اگر مجھ سے

پوچھا جائے گا تو میں یہی کہوں گی کہ ان دونوں نے شراب پی تھی اور نشے میں اوندھے ہو گئے تھے۔ یہاں آئی تو دروازہ کھلا ہوا تھا اور آپ اندر موجود نہیں تھیں۔ بس یہی کر سکتی ہوں آپ کے لئے۔ اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔
”کیا تم مجھ پر یہ احسان کرو گی عزیزہ؟“

”ہم تو بہت غریب ہیں بی بی! ہم کسی پر کیا احسان کر سکیں گے لیکن آپ ہمارے لئے بس اتنی دعا کہ یہ لوگ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔“ میں نے عزیزہ کا شانہ تختہ پٹیا اور مدہم لے کر بیٹھ لی۔
”عزیزہ میں تمہیں یاد رکھوں گی۔ تمہیں اندازہ نہیں تمہارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گی۔ ذرا مجھے راستہ بتاؤ۔ کوٹھی میں اور کوئی ہے؟“

”ہاں جی۔ نوکر تو ہیں۔ آپ آؤ ہم آپ کو آسان سا راستہ بتائے دیتے ہیں۔ سب سے بڑی بات کہ کتا مرچکا ہے لیکن بہت جلد گھر میں دو سرا کتا آ جائے گا۔ بابا صاحب اس کے لئے کوشش کر رہی ہیں۔ میں دروازے سے باہر نکلی تو میں نے دو افراد کو اوندھا سیدھا پڑے ہوئے دیکھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ زیادہ پی جانے کی وجہ سے اوندھے ہو گئے ہیں۔ عزیزہ نے مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور راہداری دوسری سمت چل پڑی۔ میں اس سے آگے قدم بڑھا رہی تھی اور اس وقت پوری طرح ہوشیار تھی۔ راہداری کا اختتام عمارت کے عقبی حصے میں ہوتا تھا۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا لان پھیلا ہوا تھا۔ اور آؤ دیوار تھی۔ عزیزہ نے کہا۔

”دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود جاؤ، ادھر ایک خالی پلاٹ ہے۔ اس کے بعد میدان، میدان۔ آخری سرے پر سڑک ہے۔ بس اتنی ہی بتا سکتی ہوں تمہیں۔“

”شکریہ عزیزہ۔“ میں نے کہا اور اس کے بعد دوڑ لگا دی۔ آن کی آن میں دیوار کے قریب پہنچی۔ دیوار کوئی آٹھ فٹ اونچی تھی لیکن یہ ساری مشکلات میری محترم تائی الماس آراء نے دور کر دی تھیں۔ میر چند قدم پیچھے ہٹی اور پھر ایک چھلانگ مار کر دیوار پر پہنچی۔ یہ اندازہ پہلے ہی لگا چکی تھی کہ دیوار پر شیشے نہیں ہیں۔ دیوار پر ہاتھ لگائے اور دوسرے لمحے دوسری جانب کود گئی۔ بچوں کے بل نیچے آئی تھی۔ ویسے بھی نیچے مٹی پڑی ہوئی تھی جس نے مجھے خوش آمدید کہا لیکن یہاں سے دور نکل جانا ضروری تھا۔ پلاٹ کے کچھ حصے زیر تعمیر تھے۔ اینٹوں وغیرہ کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ میں نے برق رفتاری سے یہ فاصلہ طے کیا اور اس میدان میں پہنچ گئی۔ میدان غالباً پارک کے لئے چھوڑا گیا تھا اور اس وقت در در در تک دیرانی اور سناٹا تھا۔ حالانکہ وقت بہت زیادہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر بھی میں نے احتیاط رکھی۔ سامنے سڑک نظر آرہی تھی اور سڑک پر اکا دکا گاڑیاں چلتی ہوئی دکھائی دے جاتی تھیں۔ میں یہ اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ بہر حال سڑک کے دوسری طرف نشیب میں اتر گئی اور وہیں سے پیدل چلنا شروع کر دیا۔ شہر کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ یہاں سے باہر تو نکل آئی تھی لیکن مجھے دکھ تھا کہ میں نے ابھی تک کوئی رقم نہیں حاصل کی بلکہ بے چارے بخت مراد بابا ہی سے پیسے لے کر خرچ کر رہی تھی۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ اب ذرا سوچنا پڑے گا حالانکہ ابھی بہت سی مشکلات ذہن میں تھیں۔ بہت سے معاملات دل میں تھے۔ جگہ کا

اندازہ ہو گیا لیکن پیسے نہ ہونے کی وجہ سے مجھے ایک لمبا سفر پیدل ہی طے کرنا تھا۔ بہر حال اس سلسلے میں پیچھے نہیں تھی۔ چلتی رہی۔ سوچنے کا موقع بھی مل گیا تھا۔ ظاہر ہے بخت مراد بابا کے پاس ہی جا سکتی تھی۔ کیونکہ اب وہی میرا گھر تھا۔ وہ لوگ مجھ سے صورت حال کے بارے میں پوچھیں گے تو انہیں کیا جواب دینا پڑے گا۔ اگر میں ان لوگوں کو ساری تفصیل بتاتی ہوں تو صورت حال بالکل مختلف ہو جائے گی اور وہ لوگ یقینی طور پر میرے ان اقدامات کو پسند نہیں کریں گے اور اس سلسلے میں مجھے ان کی نصیحتیں سننا پڑیں گی۔ بہتر یہ ہے کہ انہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا جائے اور کوئی اچھا سا جھوٹ بول دیا جائے۔ طے میں بھی کوئی خاص خرابی نہیں تھی۔ اس لئے بولا ہوا ہر جھوٹ چل جائے گا۔ آخری فیصلہ میں نے یہی کیا تھا۔ آخر کار اس محلے میں داخل ہو گئی جہاں بخت مراد بابا میری ماں اور میری بہنیں رہتی تھیں۔ ایک بات میں نے بڑی اچھی طرح محسوس کی تھی حالانکہ میں جن حالات میں زندگی گزار رہی تھی ان میں کہیں بھی غرت کا دخل نہیں تھا لیکن اس محلے کو جب سے دیکھا تھا کہ جب سے مجھے یہ علم ہوا تھا کہ میری ماں یہاں رہتی ہے اور لوگوں کا رویہ ان کے ساتھ یعنی بخت بابا کے ساتھ میری ماں اور بہنوں کے ساتھ اتنا اچھا ہے تو نفسیاتی طور پر میں یہاں سے مانوس ہو گئی تھی۔ میرے گھر کے دروازے کی کٹدی اندر سے لگی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو پرسکون کیا پھر دروازہ بجایا تو چھوٹی بہن رابعہ نے دروازہ کھولا۔ مجھے دیکھ کر ایک دم خوش ہو گئی اور زور سے بولی۔

”بابی آگئی۔ بابی آگئی۔“ میں مسکراتی ہوئی اندر داخل ہو گئی تھی۔ بخت بابا اس کے بعد ماں باہر آگئے۔ چند لمحوں کے بعد فوزیہ بھی آگئی تھی۔ ماں نے مجھے لپٹا لیا اور پھر ہم لوگ اندر داخل ہو گئے۔ ”کہاں چلی گئی تھیں؟ حالانکہ میں نے ان لوگوں کو بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے کہا شاہ نور بیٹی کی پرورش جس انداز میں ہوئی ہے اس میں اس کے بارے میں کوئی تنقید بے کار ہے لیکن اب جب تمہاری ماں کو یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ تم اسے ماں تسلیم کر چکی ہو تو متا کچھ زیادہ ہی بھڑک اٹھی ہے۔ بڑی پریشان ہو رہی تھی یہ۔“ بخت بابا نے کہا۔

”مگر بیٹا چلی کہاں گئی تھیں۔ تمہیں خدا کا واسطہ کہ اب کہیں جایا کرو تو بتا کر ہی جایا کرو۔“
”اچھا ابھی چلو کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ باقی ساری باتیں بعد میں ہوں گی۔“ بخت بابا نے کہا اور فوزیہ جلدی سے باورچی خانے کی طرف چل پڑی۔ کچھ دیر کے بعد دسترخوان بچھا ہوا تھا اور ہم تینوں بہنیں ماں اور بخت بابا دسترخوان پر بیٹھے آلو کی ترکاری اور سادہ روٹیاں کھا رہے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات کوئی چھوٹی سی چیز بھی اتنا مزہ دے جاتی ہے کہ انسان اسے کبھی نہیں بھول سکتا۔ ماں مجھ پر غار ہو رہی تھی۔ محبت تو خیر ماں کو سبھی سے ہوتی ہے لیکن میں ایک بچھڑی ہوئی اولاد تھی۔ قریب رہ کر بھی بہت دور تھی اور اب جب قریب آئی تھی تو ماں کی ساری محبتیں مجھ پر غار ہو رہی تھیں۔ بخت بابا نے کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد پوچھا۔

”بیٹی کہاں تھیں؟ یہ بات تو میں جانتا ہوں کہ تم واپس کوٹھی نہیں گئی ہوگی۔“
”بات اصل میں یہ ہے بخت بابا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ ماں کا بھرپور علاج کراؤں گی اور ایک دن

وطن کی سڑکوں پر سرگرداں یہ سوچ رہی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ گھر سے یہ کہہ کر آئی تھی کہ رات کو باپنی ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے واپس نہ آؤں۔ ویسے بھی میں گھر میں رہ کر کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ باہر کی دنیا کو دیکھنا ضروری تھا اور اس کے لئے ذرا ہمت ہی سے کام لینا ہوگا۔ کافی دیر تک سڑکوں پر باری باری پھرتی رہی۔ ذہن میں مختلف منصوبے بن رہے تھے۔ ایک بار تو دل یہ چاہا کہ اس بار میں اپنی ہی کوٹھی میں کس جاؤں اور جو کچھ بھی بن پڑے کروں۔ وہاں میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ نوکر چاکروں کو یہ بات معلوم تھی کہ میں گھر کی لاڈلی ہوں۔ باقی تائی اور تایا کا معاملہ رہا تو ان سے سننے کی کوشش کروں گی لیکن پھر دل میں سوچا کہ ایک بار پھنس گئی تو شاید تائی مجھے نکلنے نہ دیں کیونکہ وہ بھی مجھے سمجھ چکی ہیں۔ شام کو گھونٹنے پھرنے کے بعد رات کے ایک حصے میں، میں نے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کمرہ حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ توڑے بت پیسے پاس تھے جو بخت بابا سے لئے تھے۔ کمرے کے حصول میں وقت نہیں ہوئی۔ البتہ یہ بات میرے ذہن میں بہتر انداز اختیار کر گئی کہ ایسے ہوٹل اور ایسے کمرے میرے لئے بہت مناسب ہیں۔ بڑے لوگ بڑائی کی طرف جاتے ہیں یعنی یہ کہ اگر کوئی میرے ذہن کا تعاقب کرنے کی کوشش کرے اور یہ سوچے کہ جس انداز میں، میں نے پرورش پائی ہے اس انداز میں، میں کیسا طرز زندگی اختیار کر سکتی ہوں تو کم از کم ایسے کسی ہوٹل کی جانب کسی کا ذہن نہیں جائے گا۔

کمرہ چھوٹا سا تھا۔ ایک بستر، ایک میز، بیچ ہاتھ اور بس۔ یہ کمرے کی کل کائنات تھی۔ کمرہ بھی بہت مناسب تھا۔ کچھ روز گزار لئے جائیں اور اس کے بعد مزید رقم حاصل کر کے اسی ہوٹل میں سکونت اختیار کر لی جائے۔ ہوٹل کا نام منور ہوٹل تھا۔ بہر حال منور ہوٹل کے اس کمرے میں مقیم ہو کر میں نے سوچا اور پھر پورا دن بھی یہیں گزارا۔ دوسرے دن شام کو میں اپنی جگہ سے نکل کر چل پڑی۔ کوئی صحیح فیصلہ کر ہی نہیں پائی تھی۔ بس شدید ذہنی بحران میں مبتلا تھی۔ گھر کے دروازے پر پہنچ گئی اور دروازے پر دستک دی۔ پہلی دستک، دوسری دستک، تیسری پر بھی جب دروازہ اندر سے نہ کھلا تو گواڑوں کو تھوڑا سا دبا کر دیکھا۔ گواڑ کھل گئے اور میرا دل نہ جانے کیوں زور سے دھڑکا۔ اندر قدم رکھتے ہی کچھ ایسا لگا جیسے کچھ ہو گیا ہو۔ بس چھٹی حس ہی تھی جس سے یہ احساس ہوا تھا کہ میں نے فوزیہ اور رابعہ کو آوازیں دیں۔ بخت بابا اور ماں کو پکارا اور پھر میری نگاہیں صحن میں پڑے ہوئے ایک جوتے پر پڑیں۔ یہ جوتا بخت بابا کا تھا اور اس طرح دیوار سے لگا پڑا ہوا تھا جیسے پاؤں سے نکل گیا ہو۔ خوفزدہ انداز میں کچھ اور آگے بڑھی تو ٹوٹی ہوئی چوڑیاں اور اس کے قریب ہی خون کی چند بوندیں نظر آئیں جو سوکھ گئی تھیں۔ میرے حلق سے دہشت زدہ آواز نکل گئی۔ اندر کمرے میں پہنچی تو وہاں بھی اس طرح کی اتھری نظر آئی جیسے کوئی ہنگامہ ہوا ہو۔ میں نے انتہائی پریشان انداز میں چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ اب اتنا تجزیہ تو کر ہی سکتی تھی کہ یہاں کی صورت حال سے یہ پتا لگا لوں کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ کوئی بڑی اور دہشت ناک گڑبڑ۔ بڑے خوفزدہ انداز میں، میں نے اچھی طرح پورے گھر کا جائزہ لیا اس کے بعد باہر نکل آئی تھی۔ پھر برابر والے دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک بزرگ باہر نکل آئے۔ مجھے دیکھا اور بولے۔

”ہاں بیٹے! کیا بات ہے؟“

”انہیں تندرست کر کے ہی دم لوں گی۔ ٹھیک ہے ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ شاید میری محترم تائی نے لڑکا بنا کر اس لئے پالا تھا کہ جوان ہونے کے بعد میں اپنے ماں باپ اور بہنوں کی خدمت کروں۔ آپ مجھے بخت بابا کے میں نے دہری ذمہ داریاں قبول کر لی ہیں۔ پہل تو یہ کہ اپنے باپ کی تلاش، دوسری ماں علاج اور ظاہر ہے جو کام کرنا ہے اس کا آغاز فوراً کر دینا چاہیے۔ جو لوگ انتظار کرتے ہیں اور کل سے بنانے کے پکڑ میں رہتے ہیں وہ ہمیشہ بے کل رہتے ہیں اور ان کی کل کبھی نہیں ہوتی۔“

”خوب اچھی سوچ ہے بیٹے۔ کاش عمر میرا بھی ساتھ دیتی اور میں تمہاری مدد کر سکتا۔“

”نہیں بخت بابا آپ لوگوں سے یہی درخواست ہے کہ بے فکر رہیں۔ مجھے اپنے کام میں کچھ ضرور ہو سکتی ہے لیکن بہر حال یہ ذمہ داری میں نے قبول کی ہے۔ آپ مجھے اپنی یہ ذمہ داری پور کرنے دیں۔ ہاں بخت بابا ایک بات اور کہوں آپ سے۔ میں نے آپ کی قلی والی نوکری چھڑوا دی ہے آپ کو یقینی طور پر مالی پریشانی ہوگی لیکن.....“

”نہیں بیٹے، بات یہ نہیں ہے۔ اصل میں ساری زندگی ملازمت کی۔ اخراجات تو کوٹھی سے پورے ہو جاتے تھے۔ تنخواہ جو بچتی تھی وہ جمع ہی کرتا تھا۔ بعد میں قدیمہ بیٹی کی ذمہ داری شانوں پر آ پڑی لیکن کھانا پینا ان کا بھی وہیں سے ہوتا تھا۔ پہننے کو کپڑے بھی مل جاتے تھے۔ بچوں کا بھی کوئی ایسا خرچ نہیں تھا کیونکہ ان معصوم لڑکیوں کو پڑھا تو سکتا نہیں تھا۔ ایک ملازم کو اس کے اختیارات کہاں ملتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پیسے ابھی میرے پاس کافی موجود ہیں۔ وہ تو بس میں نے اس لئے نوکری شروع کی تھی کہ کچھ کچھ ہوتے رہنا چاہئے۔ کل کو بچوں کے ہاتھ بھی پیلے کرتے ہیں۔ کوئی اچھا رشتہ مل جائے تو سب سے بڑا کام یہی کروں کہ ایک ایک کر کے ان دونوں کو ٹھکانے لگا دوں۔ تم گھر کے اخراجات کی بالکل پروا نہ کرو۔ میرے پاس اس کا طویل عرصے تک کے لئے معقول انتظام ہے۔“

”ٹھیک ہے بخت بابا۔ انشاء اللہ بہت مختصر وقت میں ہم اپنی مشکلات پر قابو پالیں گے۔“ پھر رات اُ سونے کے لئے لیٹ گئی لیکن نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ذہن میں جکی سی چل رہی تھی۔ کیا ہو رہا ہے یہ سب کچھ۔ میں اس کوٹھی میں جا کر اپنے ہی جال میں پھنس گئی تھی۔ حالانکہ میرے لئے بالکل انجی جگہ تھی لیکن اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ وہ جگہ انجی نہیں تھی۔ پتا نہیں وہاں کیا چکر چلا ہوا ہے۔ بے شمار خیالات ذہن میں آرہے تھے۔ آخر ظفر خان کے پاس میری تصویر کہاں سے آئی تھی۔ وہ کیا چاہتے تھے۔ کیا کرنا تھا انہیں؟ غرض یہ کہ بے شمار ابھی ہوئی باتیں ذہن میں گردش کرتی رہیں۔ ماں کے لئے روپیہ درکار تھا اس کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اگر کہیں نوکری کروں تو کیا میں اس قابل ہوں کہ کسی کی نوکری کر سکتی ہوں؟ پھر میں نے حلیہ بھی بدل لیا ہے۔ ایسی شکل میں کون مجھے نوکری دے گا؟ بے شمار اگلے سیدھے خیالات ذہن میں آتے رہے اور آخر میں نیند کی آغوش میں پناہ لی۔ پھر تین دن تک بالکل خاموش رہی۔ گھر سے باہر نہیں نکلی تھی۔ بخت بابا کے لئے بھی خطرہ تھا کیونکہ پہچان لئے جاسکتے تھے۔ میری وجہ سے یہ سب بے چارے مشکل میں پڑ گئے تھے ورنہ شاید بخت بابا کو اتنی مشکلات درپیش نہ ہوتیں۔ بہت غور کیا تھا میں نے۔

تیسرے دن بخت بابا سے اجازت لے کر باہر نکل آئی۔ شام کے کوئی چار بجے تھے اور میں اپنے ہی

”بابا صاحب! یہ برابر کے گھر والے؟“

”ہاں، کیا ہوا ادھر؟“

”بابا صاحب! گھر میں کوئی بھی نہیں ہے اور یوں لگ رہا ہے جیسے گھر میں کچھ ہوا ہو۔“

”ایں!“ وہ کچھ سوچنے لگے اور گھر میں واپس مڑ گئے۔ میں حیران و پریشان دروازے پر کھڑی تھی تھوڑی دیر کے بعد ایک اور نوجوان لڑکا باہر آگیا۔

”جی بھائی۔ کیا بات ہے؟“ اس نے مجھ سے سوال کیا۔

”وہ یہاں۔ اس گھر کے لوگ۔“

”رات کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے کے قریب یہاں کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی تھی۔ ایسا لگا تھا جیسے ان کوئی جھگڑا ہو گیا ہو۔ تیز تیز باتیں کرنے کی آواز اور پھر تھوڑی سی اٹھا بٹھا اصل میں پڑوس کے محلہ سے بہت زیادہ دلچسپی نہیں لی جاسکتی تھی اس لئے ہم خاموش ہو گئے۔ ہم نے سمجھا کہ آپس میں کوئی جھگڑا ہو گیا ہو گا۔ مگر ہوا کیا ہے؟“

”ایسا لگتا ہے جیسے اندر کوئی واردات ہوئی ہو۔ گھر میں کوئی بھی نہیں ہے۔“

”چتا نہیں۔ سارے لوگ کہیں جاتے تو نہیں ہیں۔“

”اصل میں، میں نے بھی یہ آوازیں سنی تھی اور اپنے بیٹے کو بگایا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ دیکھو نہیں وہاں کیا ہو رہا ہے۔ آوازیں سننے کے بعد ہم دونوں باپ بیٹے نے یہی فیصلہ کیا کہ وہاں کوئی آپس میں جھگڑا ہو رہا ہے۔ آپس کے جھگڑے میں ٹانگ نہیں اڑانی چاہئے مگر تم کہہ رہے ہو کہ وہاں کوئی گڑبڑ ہوا ہے۔“

”ہاں۔“ اور اس کے بعد میں نے دو تین جگہوں سے تحقیقات کی۔ اس دکاندار سے پوچھا تو اس دکاندار نے بتایا کہ بخت مراد صاحب کل سے آئے بھی نہیں ہیں ورنہ ایک دو چکر ان کے میری دکان ضرور ہو جاتے ہیں۔ میں پریشان حال گھر میں داخل ہو گئی۔ ایک بار پھر میں نے تمام جگہوں کا جائزہ لیا۔ گھر کے ایک حصے میں مجھے کوئی دو ہزار روپے رکھے ہوئے ملے۔ پیسے ایسی جگہ رکھے ہوئے تھے جہاں اگر کوئی تلاش کرنے کی کوشش کرتا تو اسے دقت نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ کوئی چوری و دہری کا مسئلہ نہیں ہے۔ چوری کا مسئلہ ہوتا بھی تو پھر وہ چاروں کمان غائب ہو جاتے۔ چور رقم لوٹ کر لے جاتے۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ پڑوس کے لوگ گلی میں جمع ہو گئے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں جانتی تھی کہ اس کے بعد کیا ہو گا۔ فوری طور پر یہاں سے نکل جانا ہے جد ضرور تھا۔ لوگ مجھے دیکھتے رہے۔ کسی کو مجھ سے کچھ پوچھنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ میں وہاں سے باہر نکل آئی اور اس کے بعد میں انتہائی چھپتے چھپاتے اپنے ہونٹ بچتی تھی۔ وہ دو ہزار روپے میں نے اپنی جیب میں رکھ لئے تھے جو میرے کام آسکتے تھے۔ ہونٹ کے کمرے میں پہنچنے کے بعد میں بری طرح نڈھال ہو کر پینک پر گر گئی۔ یہ لوگ اپنی مرضی سے کہیں گئے ہیں اور اگر گئے ہیں تو گھر کو اس طرح کھلا کیوں چھوڑ گئے ہیں یا پھر انہیں کوئی حادثہ پیش آیا اور اگر حادثہ پیش آیا ہے تو وہ حادثہ کیا ہو سکتا ہے؟ آہ۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔

رجال اب صورت حال کافی خطرناک ہو گئی تھی۔ ایک خیال دل میں یہ بھی آیا کہ ممکن ہے مائی صاحبہ کو بابا کا کسی طرح سے پتا چل گیا ہو اور وہ لوگ ان کے قبضے میں ہوں۔ تو کیا مائی صاحبہ کے پاس پہنچاؤں؟ لیکن بات ایسے نہیں بنے گی۔ اب کوئی اندھا قدم مشکلات میں اضافہ ہی کر سکتا ہے۔ مجھے مکمل طور خود پر بھروسہ کرنا ہے۔ دل بری طرح ڈولنے لگا۔ اگر مائی صاحبہ نے کسی طرح سے بخت بابا کا پتا چلا کر میں وہاں سے حاصل کر لیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ باپ کے بعد ماں اور دونوں بہنوں سے بھی ہاتھ اونے پڑیں گے۔ نہیں الماس آراء بیگم کچھ بھی ہے بہت عرصے تک آپ کو اپنی ماں سمجھتی رہی ہوں۔ رت بھی کی ہے، احترام بھی کیا ہے میں نے آپ کا۔ اتنا فاصلہ نہیں رہا ہے میرے اور آپ کے ذہن کے درمیان کہ میں آپ سے نفرت کروں لیکن آپ جو نفرت کی بنیاد ڈال رہی ہیں وہ مجھے مجبور کر دے گی کہ خیر کار شرافت کے تمام دروازے بند کر دوں اور آپ کو ایک دشمن سمجھ کر آپ کے خلاف کام کا آغاز کروں۔ باپ کو تو خیر میں نے نہیں دیکھا۔ جو کچھ بھی آپ نے اس کے ساتھ کیا ہے وہ ایک الگ بات ہے لیکن ماں بہت عرصے کے بعد میرے پاس آئی ہے اور میں نے ایک لمحہ بھی اس کی کوئی خدمت نہیں کی ہے۔ اگر آپ کے ہاتھوں اسے کوئی نقصان پہنچا تو الماس آراء بیگم صرف آپ کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گی۔ آپ کے پورے خاندان کو برباد کر دوں گی۔ جن لوگوں پر بھروسہ کرتی ہیں انہیں آپ کے سامنے ذبح کر دوں گی۔ شاہ نور میرا تمام آپ ہی نے رکھا ہے۔ سمجھ رہی ہیں نا آپ۔ میری آنکھوں سے غصے کی چنگاریاں نکلنے لگیں اور اندر ہی اندر ایک لادا سا کھولنے لگا۔

☆=====☆=====☆

بہت دیر تک میں شدید غصے سے جھلتی رہی پھر عقل کے دروازے کھل گئے۔ آندھی اور طوفان کی نند کوٹھی میں جا گھٹایا الماس آراء بیگم کو نقصان پہنچانا، ایک جذباتی دیوانگی کے علاوہ کچھ نہ ہوتا۔ اب عقل سے کام لینا ہے۔ اگر نہیں سیدھی وہاں چلی جاؤں تو ممکن ہے وہ لوگ میرا انتظار کر رہے ہوں اور انہوں نے میرے استقبال کا معقول انتظام کر لیا ہو۔ بخت بابا اور ماں وغیرہ کی گمشدگی سے متعلق جو نشانات اس کچی آبادی والے مکان میں ملے تھے اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ دست درازی کی گئی ہے اور انتہائی سختی کے ساتھ انہیں وہاں سے نکال کر لایا گیا ہے۔ پڑوس کے لوگ بھی بتا رہے تھے۔ ان بے ہاروں کا کتنا بھی ٹھیک تھا۔ اندر کے حالات کا انہیں کیا علم۔ یہی سمجھے ہوں گے کہ اندر کوئی آپس کا جھگڑا ہے۔ ایسی صورت میں اگر الماس آراء بیگم نے میری ماں اور بہنوں کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے تو وہ اس بات کی توقع کر رہی ہوں گی کہ میں ان کے پاس پہنچوں گی اور آسانی سے ان کے قبضے میں آ جاؤں گی۔ نہیں۔ اب ایسی کوئی جذباتی ملاقات بالکل ہی زیر زمین کر دے گی۔ عقل سے کام لینا چاہیے کوئی ایسا عمل کرنا چاہیے جس سے فائدہ حاصل ہو اور پھر ذہن میں ایک خانہ سا کھل گیا۔

ظفر خان! اگر نام نہاد بابا صاحب کو صحیح صورت حال کا علم نہیں ہے تو کم از کم ظفر خان ضرور جانتا ہے اس بارے میں۔ ظفر خان کا پتا انہی خاتون سے مل سکتا ہے۔ بے شک وہ خاتون بہت چالاک ہیں اور وہ بے چاری معصوم لڑکی جس نے مجھے وہاں سے نکالنے میں مدد کی تھی۔ میرے دل میں اس کے لئے بھی ایک

اچھی طرح کھڑکی کا جائزہ لیا اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے سامنے نظر آنے والے دروازے کو بھی دیکھا تھا۔ راہداری کا میں اندازہ لگا ہی چکی تھی کہ ادھر کوئی موجود نہیں ہے چنانچہ اپنے آپ کو پوری طرح تیار کر کے میں نے کھڑکی کی چوکت پکڑی۔ اپنے پھرتیلے بدن کو اٹھایا اور چند ہی لمحوں کے بعد میں کھڑکی کے دوسری طرف تھی۔ یہ جگہ ہر لحاظ سے بہتر تھی۔ یہ باہر کا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا تھا۔ کھڑکی سے واپسی بھی ممکن تھی۔

میرے اندر پہنچنے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ بابا صاحب گہری نیند سوئی رہی تھی۔ میں نے کچھ لمحے سوچا پھر دروازے کے قریب پہنچ کر دروازے کا جائزہ لیا۔ خود بخود لاک ہو جانے والا تالا لگا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود اوپر دولاک اور لگے ہوئے تھے جنہیں میں نے اطمینان سے بند کر دیا۔ ویسے بھی کمرے کی بناوٹ سے یہ اندازہ ہو گیا تھا اندر کی آواز باہر نہیں جاسکتی۔ پوری طرح جائزہ لینے کے بعد میں آہستہ آہستہ اس کی مسہری کے قریب پہنچ گئی۔ پچھلی بار کا مجھے اندازہ تھا۔ اس مسہری کے نیکے کے نیچے پستول ہوا کرتا تھا اور سونے والی عورت بہت چالاک تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے پستول تلاش کیا۔ آج اس کی نیند ہلکی نہیں تھی جتنی اس رات اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں رات وہ ہنگاموں سے گزر چکی تھی اور اسے کتے کی موت کا علم تھا لیکن آج وہ بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے پستول تلاش کر لیا اور اس کے بعد میں نے اس کے جیب خالی کر لئے۔ پستول کو واپس اس کی جگہ رکھ کر میں بڑی مطمئن ہو گئی اور اس کے بعد میں سامنے سے اس کے قریب آ گئی۔ میں نے تیز روشنی جلائی۔ چٹ کی آواز کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی اور پھر اس کے حواس جاگنے میں کوئی وقت نہیں پیش آئی۔ اس نے مجھے دیکھا اور سانپ کی طرح پلٹا کھا کر اس نے پستول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر دو تین بار آنکھیں بھیج کر اپنی آنکھوں کی کیفیت بحال کی اور اس کے بعد پشیمانی ہوئی آواز میں بولی۔

”تم پھر آگئیں یہاں؟“

جواب میں میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

”جی میڈم! آپ ایسی پزکش خاتون ہیں کہ آپ کے پاس بار بار آنے کو دل چاہتا ہے۔“

”شاید تمہاری موت میرے ہی ہاتھوں لکھی ہوئی ہے حالانکہ میں نہیں چاہتی کہ کسی کا خون کروں لیکن تم بتاؤ کیوں آنا ہوا ہے یہاں؟“

”آج میرا نظریہ ذرا مختلف ہے۔ میں آج تم سے کچھ معلومات حاصل کرنے کے لئے آئی ہوں۔“

”میں تمہارے باپ کی نوکر ہوں ناں جو تمہاری خواہش کی تکمیل کروں گی۔ مجبوری ہے اس دن تو خیر تو کچھ ہوا تھا وہ ہوا ہی تھا لیکن اب میرے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ تمہیں سبق دوں۔“

”وہ سبق کیا ہو گا میڈم؟“

”تمہاری ایک پنڈلی ناکارہ کیے دیتی ہوں تاکہ تمہیں دوبارہ میرے کمرے میں گھسنے کی جرأت نہ ہو۔“

اس نے کہا اور بے اختیار میری پنڈلی کا نشانہ لے کر ٹیگر دبا دیا لیکن ریوالتور سے مدھم سی آواز نکلی۔ گولی نہیں نکلی۔

تصور پیدا ہو گیا۔ پتا نہیں بعد میں اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہو۔ مناسب یہی ہے کہ ایک بار پھر عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کروں۔ میں نے اپنا وہ شاندار چاقو تلاش کر کے صاف کیا اور احتیاط اسے اپنے لباس میں محفوظ کر لیا۔ میں نے اپنے فیصلے پر خود ہی غور کیا تھا اور اسے ہر لحاظ سے اطمینان پایا تھا۔ پھر میں عمل کے لئے تیار ہو گئی۔ میں نے اپنے ذہن میں ان راستوں کو زندہ کیا جن سے فرار آزادی حاصل کی تھی۔ انہی راستوں کو اختیار کرنا زیادہ موزوں رہے گا۔ چنانچہ رات کو تقریباً ساڑھے نو میں اپنے ہوٹل سے باہر نکل آئی۔ ایک مناسب لباس پہن لیا تھا میں نے جو ایسے موقعوں کے لئے نہ موزوں تھا۔ میں نے پوری ذہانت سے کام لینے ہوئے ان راستوں پر سفر شروع کر دیا اور آخر کار اس مہ کو عبور کر کے اس پلاٹ تک پہنچ گئی جس کی دوسری جانب وہ کونٹھی تھی۔ پلاٹ سے کونٹھی کی دیوار ملی تھی۔ پہلے تو میں نے صرف فرار کا راست اختیار کیا تھا اس کے علاوہ جس راستے سے اندر گئی تھی وہ بھی نہیں تھا۔ البتہ اس پلاٹ کے اندر داخل ہونے کے بعد مکمل طور پر اس کا جائزہ لیا اور اس درخت کو دیکھا جو کافی پھیلا ہوا تھا اور جس کی شاخیں اس دیوار کو عبور کر رہی تھیں۔

میرے ذہن میں اس کتے کا تصور تھا جس کے بارے میں عزیزہ نے مجھے بتایا تھا کہ بابا صاحب اس لئے کوشش کر رہی ہیں اور دوسرا چوکیدار کتا آ جائے گا۔ اس چوکیدار کتے کا تجربہ کرنے کے بعد اٹھکانے لگانا بھی ضروری تھا بشرطیکہ وہ آگیا ہو۔ درخت کی شاخ نے مجھے دیوار کی دوسری طرف پہنچا یہاں سے احتیاط کے ساتھ اندر کود کر میں عمارت کی طرف جاسکتی تھی۔ شاخ پر بیٹھ کر میں یہ جائزہ لینے کہ کتا کیسے آس پاس تو نہیں ہے حالانکہ یہ بات میں بھی دعوے سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ کتا ابھی گیا یا نہیں۔ بہر حال مجھے بالکل خاموشی کا احساس ہوا۔ جب میں نے شاخ چھوڑ دی اور بلی کی طرح دبے پا نیچے کود گئی۔ کچھ لمحوں تک آہٹیں لیتی رہیں اور اس کے بعد جھکی جھکی آگے بڑھ کر عمارت کے بالکل قریب پہنچ گئی۔

وہی عقیبی راہداری میرے کام آئی تھی جس سے عزیزہ نے مجھے فرار کرایا تھا۔ میں اس راہداری داخل ہو گئی اور پھر اس کمرے تک پہنچ گئی جس کے شیشوں سے نیلی مدھم روشنی باہر آرہی تھی۔ یہ یقینی طور پر بابا صاحب کی خواب گاہ تھا۔ میں نے یہاں ایسی چند جگہیں منتخب کیں جہاں کسی بھی صورت حال میں مجھے پناہ اور فرار کا موقع مل سکے۔ یہ ایک دانش مندانہ قدم تھا۔ کسی بھی جگہ اندر آنکھوں سے کام کرنا شدید نقصان کا باعث ہوتا ہے اور میں اسی نقصان سے بچنا چاہتی تھی۔ پھر میں نے کمرے کا ایک چکر لگایا۔ سامنے کا راستہ مخدوش تھا کیونکہ دور تک پھیلی ہوئی راہداری میں کوئی بھی ٹھٹھا آسکتا تھا۔ البتہ میری تقدیر کی کھڑکی عقب میں کھلی ہوئی تھی۔ غالباً تازہ ہوا کے لئے یہ کھڑکی کھول دی تھی۔ اس میں شیشے لگے ہوئے تھے۔ سلاخیں نہیں تھیں۔ سامنے ایک پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے چند وہاں رک کر سن گھن لی۔ اندر سے گھرے گھرے سانپوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کھڑکی جھانکنے سے یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ وہی خواب گاہ ہے جہاں تجوری موجود تھی اور میں نے پھر بابا صاحب کو دیکھ لیا۔ وہ شب خوابی کے لباس میں گہری نیند سو رہی تھی۔ کمرے میں مدھم نیلا بلب روشن تھا۔ میں

میں اسے سرو نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کئی بار ٹریگر دبایا اور اس کے بعد حیرت سے کھول کر رہ گئی۔ میرے ہونٹوں پر ایک نفرت بھری مسکراہٹ چھیلی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔
”اپنی دانست میں تم نے اپنا ریوا اور مجھ پر خالی کر کے مجھے ختم کر دیا ہے۔ اس لئے اب کسی طرح رعایت کی حد تو ختم ہو گئی ہے۔ مجھے حق حاصل ہو گیا ہے کہ تم سے معلومات حاصل کرنے کے لئے یہ تمہارے ساتھ ہر ممکن سلوک کر سکوں۔“ وہ ریوا اور ہاتھ میں لئے ہوئے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ پھر اس نے سرسراہٹ نگاہوں سے ادھر ادھر کا جائزہ لیا اور میری طرف دیکھ کر مسکری سے پاؤں اسیے۔

”اگر تم سمجھتی ہو کہ تم اتنی آسانی سے مجھ پر قابو پا لو گی تو یہ تمہارے لئے ممکن نہیں ہو گا۔“
”اور اگر تم نے اپنی جگہ سے جنبش کی تو اس کے بعد اپنے ہر عمل میں آزاد ہوں گی۔“

اس نے ایک دم مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ وہ یہ دیکھ چکی تھی کہ میرے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ پچھلی با تو خیر اس نے مجھے قابو کر کے میرا پورا جائزہ ہی لے لیا تھا اور اسے یہ پتا چل گیا تھا کہ میں مرد نہیں لڑا ہوں۔ اس وقت بھی اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میرے پاس ریوا اور نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے؟ پر چھلانگ لگا کر کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دینے کی کوشش کی تھی لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ الماس آراء۔ ایک بہت بڑا کام مجھے جسمانی تربیت دلا کر کیا تھا۔ میں نے اپنے جسم کو ہلکا سا موڑا اور اس کے بعد اس کا گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ پھر یہ ہاتھ مضبوطی سے اس کی گردن میں ڈال کر میں نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھا اور اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اسے میری اس قدر جسمانی قوت کا اندازہ نہیں تھا۔ اچھی خاصی جسامت کی عورت تھی لیکن یہ داؤ ایک مشہور ریلر کا تھا اور میں نے اسی کو ذہن میں رکھ کر یہ داؤ اس پر مارا تھا۔ بے شک نیچے قاتلین بچھا ہوا تھا لیکن بہر حال وہ پوری قوت سے زمین پر گری تھی۔ ابھی وہ چت لیٹی ہوئی تھی کہ میں نے اس کی پٹلی پر اپنا پاؤں رکھ دیا اور اس کے حلق سے ایک آواز نکلی لیکن میں نے اس پاؤں اپنے پاؤں سے بری طرح رگڑ دیا اور غرا کر کہا۔

”اگر چیتنے کی کوشش کی تو یہ پاؤں تمہاری گردن پر پڑے گا اور اس کے بعد تمہاری زبان باہر نکل آئے گی۔“

اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے اپنے لباس سے اپنا لمبا چاقو کھول کر نکال لیا۔ اب اس کے چرے؟ خوف کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ میں نے جھک کر اس کے بال پکڑ لئے اور پوری قوت سے اسے اٹھایا۔ چاقو کی نوک میں نے اس کی گردن کی ہڈی پر رکھ دی تھی اور دباؤ اتنا تھا کہ اس سے خون پھوٹ پڑا تھا۔ میں نے سفاک لہجے میں کہا۔

”جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے اس کے بعد تمہیں بتا چکی ہوں کہ کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔ پہلی چیز تو یہ کہ چیخ پکار سے گریز کرو۔ دوسری بعد میں بتاؤں گی۔“ میں نے اس کے بال پکڑے پکڑے اسے ایک طرف گھسیٹا اور پھر درمیان میں پڑی ہوئی ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ پھر چاقو کو اس کی نگاہوں کے سامنے لاتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔

”تمہارے چرے پر لاتعداد خراشیں پڑ جائیں گی۔ اس چاقو کو دیکھو۔ اس کی نوک اگر تھوڑی تر چھی کر کے تمہارے گالوں پر پھیری جائے تو یہ گوشت کو کھرچتی ہوئی نیچے تک آ جائے گی اور وہ نشان تم زندگی بھر نہیں مٹا سکو گی۔ کیا سمجھیں؟“

”نن..... نہیں، پلیز ایسا مت کرنا۔“ میں سہمی ہوئی آواز میں بولی۔
”ٹھیک ہے نہیں کروں گی لیکن اس کے لئے تمہیں تھوڑی سی قربانی دینی پڑے گی۔“
”تجوری کی چابی تیکے کے نیچے ہے۔ تم جو چاہو لے سکتی ہو۔ میں خود تمہیں نکال کر دوں گی اور وعدہ کرتی ہوں کہ اس بار کوئی چالاکی نہیں کروں گی۔“

”گڈ..... اچھا آئیڈیا ہے، مجھے پسند آیا لیکن تم جس بات سے گریز کر رہی ہو اس کا تمہیں خود بھی اندازہ ہے اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں تمہیں اس بات سے گریز نہیں کرنے دوں گی۔“
وہ خاموشی سے میری صورت دیکھتی رہی۔ اب اتنا اندازہ تو مجھے ہو ہی گیا تھا کہ وہ زروس ہو چکی ہے۔ اس کی اپنی ذہنی اور جسمانی قوتیں جواب دے چکی ہیں۔ یقیناً وہ اپنے ہاتھ پیروں میں شدید سنسٹاٹ محسوس کر رہی ہو گی اور یہی وہ دلچسپ لمحات تھے جب میں اس کی زبان کھلوا سکتی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں کچھ کرسفاک لہجے میں کہا۔

”تم جانتی ہو مجھے کتنے بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑا ہے اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ تمہاری تجوری میں موجود دولت اس دولت سے بہت کم ہے جس کی مالک میں تھی اور ہوں۔“
”میں سمجھی نہیں۔“

”میں بھی تمہیں بابا صاحب کہہ کر پکاروں تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مجھے نہ تو تمہارے نام سے لپچی ہے نہ تمہاری شخصیت سے۔ ہاں جو کچھ میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں اگر اس سلسلے میں تم نے میرا قت ضائع کرنے کی کوشش کی تو نتیجے کی مکمل ذمہ داری تم پر ہی ہو گی۔“
”کیا معلوم کرنا چاہتی ہو مجھ سے؟“

”ظفر خان کون ہے؟“

”ظفر خان..... تم اسے..... تم اسے جانتی ہو؟“ اس نے کہا اور میرا زور دار اٹلے ہاتھ کا تھپڑ اس کے منہ پر پڑا۔ خاصا زور دار تھپڑ تھا اس کا چہرہ گھوم گیا اور ہونٹ کا پھیلا حصہ پھٹ گیا۔ خون کی ایک لیر اس کی ٹھوڑی پر بسنے لگی تھی۔ اس نے کسمائے کی کوشش کی تو میں نے چاقو کی نوک اس کے شانے رکھ دی اور پھر ہلکے سے دباؤ کے ساتھ اسے نیچے تک کھینچ دیا۔ اس کی سفید جلد سے خون پھوٹ پڑا تھا۔ لا اور دلکش خون جس کی لکیر اس قدر خوبصورت بن گئی تھی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی لیکن وہ بری طرح پکرا گئی اس کی آنکھیں چڑھنے لگیں تو میں نے اس بار چاقو کی نوک اس کے سینے کے دوسرے رخ پر کھینچے ہوئے کہا۔

”اپنے حسن کی تمام رعنائیوں سے محروم ہونے کی ابتدا کر چکی ہو تم۔ سمجھ رہی ہو، جانتی ہو میں کون دں؟“ اس کی قوت برداشت جواب دے گئی اور اس کے حلق سے سسکیاں آزاد ہونے لگیں۔ وہ سسکیاں

لیتے ہوئے بولی۔

”تم..... میرے ساتھ یہ سلوک مت کرو۔ مجھے..... مجھے زندہ رہنے دو۔“

”طریقہ تم جانتی ہو۔ سب کچھ صاف صاف بتا دو۔“ وہ تکلیف سے سسکیاں لیتی رہی۔ بار بار اس کی نگاہیں اپنے زخم سے اٹھتے ہوئے خون پر پڑ رہی تھیں۔ میں نے اس سے کہا۔

”یہ تو نمونہ تھا۔ اس کے بعد اگر تم نے کسی لفظ سے گریز کیا تو یقین کرو ایک بدترین نقصان سے دوچار ہو جاؤ گی۔“ میں نے اسے اس نقصان کی تفصیل بتائی تو وہ دہشت سے سٹ گئی۔ اس نے خوفزدہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے اور بولی۔

”ظفر خان میرے لئے کام کرتا ہے۔ وہ ایک غنڈہ ہے۔ وہ ایئر لائن ریستورنٹ میں رہتا ہے۔ وہاں کا میئنجر ہے۔ یہ ریستورنٹ اس کے ایک دوست کا ہے جو لندن میں قیام پذیر ہے۔ وہ اس سے بھی زیادہ خطرناک غنڈہ ہے اور اس نے ظفر خان کو اس ریستورنٹ کے انتظامات سنبھالنے کے لئے مخصوص کر دیا ہے لیکن ظفر خان دوسرے جرائم بھی کرتا ہے جن کی تفصیلات مجھے نہیں معلوم۔ البتہ ایک ایسا سلسلہ ہے جو ہم لوگوں کے درمیان مشترک ہے اور تم جانتی ہو کہ وہ سلسلہ کون کر رہا ہے؟“

”نہیں میں کچھ نہیں جانتی نام کے ساتھ بتاؤ گی۔“

”عزت جلال کو تو تم جانتی ہو۔ تمہارا ماموں ہے وہ۔ میری مراد خاور جلال، عزت جلال اور عظمت جلال سے ہے۔ تم کمال احمد کی بیٹی ہو ناں۔ الماس آراء تمہاری ماں ہیں ناں؟“

”بولتی رہو، بولتی رہو۔“

”ظفر خان، عزت جلال کے لئے کام کرتا ہے۔“ اس نے کہا اور میں نے گردن ہلائی۔ خاور جلال، عزت جلال اور عظمت جلال الماس آراء بیگم کے بھائی تھے۔ وہ انہی میں سے ایک کا نام لے رہی تھی۔

”ٹھیک ہے پھر؟“

”اس وقت میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ جب تم یہاں آئی تھیں اور تم نے میرے کتے کو ہلاک کر دیا تھا اس کے بعد تم میرے کمرے میں آئی تھیں اور تم سے تجوری والا کھیل کھیلا تھا لیکن جب میں نے ظفر خان کو بلایا اور یہ چاہا کہ تمہیں اس کی تحویل میں دے دوں تو ظفر خان تمہیں دیکھ کر چونک پڑا۔ اس کے پاس ایک تصویر موجود تھی جو تمہاری تھی۔ اس تصویر کی کمانی اس نے یہ بتائی کہ تم کمال احمد کی بیٹی ہو اور گھر سے فرار ہو گئی ہو۔ تمہیں ہر قیمت پر گرفتار کر کے کمال احمد کے پاس پہنچانا ہے۔ بہر حال یہ بات طے کی گئی تھی اور ظفر خان نے کہا تھا کہ اگر اس نے تمہیں کمال احمد تک پہنچا دیا تو اسے بہت بڑی رقم، انعام میں ملے گی۔ کیونکہ الماس آراء بیگم نے بڑے خفیہ طریقے سے یہ کام ظفر خان کے حوالے کیا تھا اور اسے تمہاری تصویر دی تھی۔ انعام لاکھوں میں تھا لیکن ظفر خان اپنی چالاکی کا شکار ہو گیا۔ اس نے تمہیں میرے پاس بند کر دیا اور اس کے بعد الماس آراء بیگم سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے اسے ہدایت کی کہ تمہیں چالاکی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے اور جب تم یہاں سے فرار ہو تو تمہارا تعاقب کیا جائے۔“ وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئی۔ میرے پورے بدن میں خون کی گردش تیز ہو گئی تھی۔ پورا

بدن آگ میں جلنے لگا تھا اور کچھ عجیب سی کیفیت کی شکار ہو گئی تھی میں۔ سازشیں ایسے کی جاتی ہیں اور سازشیں کرنے والے ایسے گہرے انداز میں اپنا کام کرتے ہیں۔ وہ خاموش ہوئی تو میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”جاری رہو۔ جاری رہو۔“

”بس یہ سمجھ لو کہ ظفر خان کو کوئی ہدایات ملی تھیں اور تمہیں عزیزہ کے ذریعے فرار کرایا گیا۔“ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ شدت جنون سے میرے دانت بھینچ گئے تھے۔ کچھ لمحہ میری یہی کیفیت رہی پھر میں نے کہا۔

”ہاں پھر۔“

”عزیزہ نے تمہیں فرار کرایا۔“

”ایک منٹ۔ عزیزہ کو یہ بات معلوم تھی کہ اسے کیا کرنا ہے؟“

”ہاں۔ اسے بتا دیا گیا تھا۔“ بابا صاحب نے کہا اور میں بری طرح الجھ گئی۔ اتنی بری ہے یہ دنیا۔ کیا سمجھا تھا میں نے اس بد بخت لڑکی کو۔ کتنی ہمدردی ابھر آئی تھی میرے دل میں اس کے لئے، کیا ہی معصوم چہرہ تھا اور کیا ہی معصوم انداز اختیار کیا تھا اس نے لیکن وہ سب کچھ دھوکا تھا۔ ایک جانی بوجھی اسکیم کے تحت اس نے مجھے یہاں سے فرار کرایا تھا۔ خیر ٹھیک ہے۔ دیکھ لوں گی اسے بھی۔ میں نے دل میں سوچا اور پھر میں نے اس سے کہا۔

”آگے بولو۔“

”جب تم یہاں سے فرار ہوئیں۔ ظفر خان کو اس کا پورا پورا علم تھا۔ اس نے تمہارا تعاقب تمہارے گھر تک کیا اور بعد میں مجھے جو تفصیل معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ ظفر خان نے تمہارے کچھ ایسے ساتھیوں کو اغوا کر لیا جن کی الماس آراء بیگم اور کمال احمد کو تلاش تھی۔ بس یہاں تک مجھے معلوم ہے بعد میں اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں بتایا گیا کیونکہ میں براہ راست الماس آراء یا عزت جلال سے متعلق نہیں ہوں۔ میرا اپنا تھوڑا سا کام الگ ہے لیکن کبھی کبھی ان لوگوں سے بھی مجھے کوئی مدد مل جاتی ہے۔ یہ ہے سارا قصہ۔“ اس نے کہا اور میں ایک عجیب سی کشش کا شکار ہو گئی۔ بہت بڑی سازش ہوئی تھی اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ سازش کرنے والے بہت عظیم دماغ رکھتے ہیں۔ اس طرح میرے ماں باپ یا بخت مراد بابا، میری ماں اور بہنوں کا پتا لگا لیا گیا تھا۔ خود میرے ذریعے جو لوگ وہاں تک پہنچے اور اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ بخت مراد کا پتا لگانے کے بعد الماس آراء نے انہیں اغوا کر لیا تھا۔ اغوا کرنے کا ذریعہ یقیناً ظفر خان بنا ہو گا۔ وہی جذباتی جنون مجھ پر سوار ہو رہا تھا۔ ایک خیال یہ آیا تھا کہ یہاں سے سیدھی الماس آراء کے پاس جاؤں، ان سے اس بات کا اظہار کروں کہ میں اب بھی ان کی وفادار ہوں۔ انہیں اپنی ماں سمجھتی ہوں اور اس کے بعد میں انہیں جبر کر رکھ دوں۔ ان سے پوچھوں کہ میری ماں، بخت بابا، میری بہنیں کہاں ہیں لیکن بات وہی آ جاتی ہے۔ بخت بابا نے یہی تو کہا تھا کہ بیٹے اتنے خطرناک لوگوں کے مقابلے پر اگر کہیں ذرا سی بھی چوک ہو گی تو نقصان اٹھا جاؤ گی۔ وہ تجربہ کار ہیں، جرائم پیشہ ہیں اور انہیں نقصان نہیں

نہیں۔“

”معافی چاہتی ہوں میڈم۔ میں بھی تمہیں مارنا نہیں چاہتی تھی لیکن مجبوری ہے۔“ میں نے چاقو کی دھار اس کی گردن پر رکھی تو وہ دہشت زدہ انداز میں کانپتی ہوئی بولی۔

”دیکھو! زندگی میں ایک بار زندگی میں صرف ایک بار کسی کی زبان پر اعتبار کرلو۔ جو کچھ ہوا ہے میں اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ اگر کسی اور ذریعے سے کسی کو یہ واقعات معلوم ہو جائیں تو مجھ پر شک مت کرنا۔ میں تمہاری میاں آمد اور ان تفصیلات کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ وعدہ کرتی ہوں۔ ایک بار زندگی دے دو۔ بس ایک بار۔ میں تمہیں اس احسان کا بدلہ دوں گی۔ کبھی کسی مشکل میں پڑ جاؤ تو میرے پاس آ جانا۔ میں تمہیں اور بھی بہت کچھ بتاؤں گی مگر اس طرح میری زندگی مت چھینو۔ میں نے تو ابھی صحیح معنوں میں اس دنیا کو ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں ہے۔ دیکھو صورت حال کچھ بھی ہو تم پلیز..... تم.....“

وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ خیر کسی کو قتل کرنا تو مجھے خود بھی پسند نہیں تھا۔ جب تک کہ کوئی بہت ہی مشکل اور اہم بات نہ ہو جائے۔ ہو سکتا ہے آنے والے وقت میں مجھے اس سے بھی گزرنا پڑے لیکن میں فی الحال ایسا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“

”نادیہ..... مگر بہت کم لوگ مجھے اس نام سے جانتے ہیں۔ میرا ایک ماضی ہے۔ ایک تفصیل ہے میرے ماضی کی جو تمہارے لئے بے کار ہوگی۔ تمہاری میاں آمد کے بارے میں، اور جو معلومات تم نے حاصل کی ہیں ان کے بارے میں، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ خدا کے لئے کسی اور کو اس کا راز دار نہیں بنا لینا۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ یہ بات میں خاموشی سے لی جاؤں گی۔ کیونکہ میرا براہ راست کمال احمد صاحب یا ان کی منزے رابطہ نہیں ہے۔ یہ صرف ظفر خان کا پتہ تھا۔“

”ہوں..... چلو ٹھیک ہے تم نے کہا ہے کہ ایک بار اور کسی پر اعتبار کرلوں۔ دیکھو، میری زندگی کا ایک مشن ہے۔ ایک مقصد ہے اور کچھ لوگ اس مقصد کی راہ میں میری رکاوٹ ہیں، جن کا تعلق مجھ سے براہ راست رہ چکا ہے۔ جب دو فریق میدان جنگ میں اترتے ہیں تو ایک کو ضرور شکست ہوتی ہے۔ ممکن ہے میں ان لوگوں کے ہاتھوں باری جاؤں لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لوگ میرے ہاتھوں مارے جائیں۔ بہتر ہے کہ تم اس سلسلے میں فریق نہ بنو۔ باقی سب کچھ میں کروں گی۔“

”وعدے پر یقین کر سکتی ہو تو یقین کرلو۔ یہ ملاقات میرے سینے میں رہے گی۔ تم سے میری دوسری ملاقات ہوئی ہی نہیں لیکن ایک بات اور کہہ دوں تم سے اگر مان سکو تو مان لینا۔“

”کیا؟“

”کیا تم عزیزہ کو قتل کر دو گی؟“

”وہ کہاں ہے؟“

”میں اسی کونٹری میں ہے۔ اگر تم اسے قتل کرنا چاہتی ہو تو تمہاری مرضی ہے۔ میں تمہیں نہیں

بچنے کا جبکہ تم نقصان اٹھا جاؤ گی۔ مجھے بخت بابا کے وہ الفاظ بھی یاد آگئے تھے جب انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ عزت جلال نے ہی وہ قتل کیا تھا جس کا الزام میرے والد نے خوشی سے اپنے سر لے لیا تھا۔ اصل میں تصور تو بتایا صاحب کا تھا جو بیوی کے بے دام غلام بن کر سارے رشتے بھول گئے تھے۔ بے شک ان لوگوں سے میرا ایک خاصا گرا رشتہ رہا تھا لیکن معاملہ اب اس وقت ماں باپ کا تھا اور جب ماں باپ کا معاملہ آگیا تھا تو پھر کون سا رشتہ، کیا رشتہ۔ سیدھے سیدھے دشمن تھے وہ لوگ اور میں بہر حال اپنے دشمنوں سے نفرت کرتی تھی۔ شدید نفرت۔ کہیں بھی کوئی رعایت کرنا اب میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ اس نفرت کا نتیجہ ان کے حق میں بہتر نہیں نکلے گا لیکن شرط وہی ہے کہ عقل سے کام لوں۔ کہیں بھی جلد بازی کا مظاہرہ کروں گی تو عذاب میں گرفتار ہو جاؤں گی۔ ہر کام بہت سوچ سمجھ کر اور اسی پیمانے پر کرنا ہو گا جس پیمانے پر کام کر کے ان پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ میں نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

”تو محترمہ بابا صاحب یا میڈم، اب آپ مجھے ظفر خان کا تفصیلی پتا بتائیے۔“

”جو پتا میں نے بتایا ہے اس کا پتا اس سے مختلف نہیں ہے۔ تم اسی ریستوران چلی جاؤ۔ ویسے وہ اشارہ پس بھی کھاتا ہے۔ اگر تمہیں اس کا خفیہ نام معلوم کرنا ہے تو اشارہ پس کے نام سے اسے تلاش کر سکتی ہو۔“

”کس کا نام؟“

”اس ریستوران کا اور وہاں پہنچنے کے بعد تم اگر اشارہ پس کا حوالہ دو گی تو وہ لوگ تمہیں ظفر خان تک پہنچا دیں گے۔“

”کون؟ ریستوران کے مالک؟“

”اس کا اسٹاف، اشارہ پس ایک خفیہ کوڈ ہے جس سے تم براہ راست ظفر خان تک رسائی حاصل کر سکتی ہو۔“

”ٹھیک ہے اب یہ بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟“ وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی تو میں نے چاقو کی دھار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”تمہاری معلومات میرے لئے بڑی اطمینان بخش ہیں لیکن افسوس تمہاری زندگی میرے لئے بالکل غیر اطمینان بخش ہے۔ یہ مجبوری ہے میڈم۔ میں بے مقصد کسی کی جان لینا پسند نہیں کرتی لیکن شاید تمہیں مزید معلومات حاصل ہوں تو تم یہ اندازہ لگا سکتی ہو کہ اس وقت میں کن برے حالات کا شکار ہوں۔ انسان جب خود برے حالات میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر انسانیت جیسی بہت سی باتیں اس کے ذہن میں نہیں آتیں۔ یہ مجبوری ہے کہ میں تمہیں قتل کر دوں۔ میں درحقیقت اس بات پر ہوش افسردہ رہوں گی۔ ویسے بھی یہ سمجھ لو کہ یہ میرا پہلا قتل ہو گا۔ میں یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن کیا کیا جائے؟“

میرا لہجہ خود بخود سفاک ہو گیا تھا اور وہ تھر تھر کانپنے لگی تھی۔ وہ پھر نیم بے ہوشی کی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے بال پکڑے تو وہ کرب زدہ انداز میں چیخ پڑی۔

”خدا کے لئے نہیں۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔ خدا کے لئے نہیں۔ خدا کے لئے

نوٹوں کی لیکن مشکل پیش آجائے گی۔ اس کی لاش کا بہر حال پتا تو چلے گا۔ ویسے وہ ظفر خان کی ساتھی اور ظفر خان مجھ سے اس بارے میں ضرور پوچھے گا کہ عزیزہ کو کس نے قتل کیا۔ میں اسے کوئی جواب نہ دے سکوں گی۔ اگر تم اس سے صرف معلومات حاصل کرو گی یا اپنے معاملات کا بدلہ لوگی تو پھر عزیزہ تمہارے یہاں آمد کے راز کو کھول دے گی۔ میں اسے بچا نہیں رہی کیونکہ جو کچھ اس نے کیا وہ میری نہیں بلکہ ظفر خان کی مرضی سے کیا۔ میں تو صرف اپنے لئے تم سے زندگی مانگ رہی ہوں۔“

”اٹھو۔“ میں نے اس سے کہا اور وہ اٹھ کھڑی ہو گئی لیکن اس کے پاؤں لرز رہے تھے۔ اب پوری طرح میرے قبضے میں تھی اور اس کے اندر ہمت انہیں تھی کہ وہ مجھ سے منحرف ہو۔ میں نے اسے بڑھ کر تکیے کے پیچھے سے چابی نکالی اور اس کی طرف اچھالتے ہوئے بولی۔

”مجھے رتم چاہیے۔ ایک بھر پور رتم۔“

”میں تمہیں وہ رتم دے سکتی ہوں۔ اتنی کہ تمہاری زندگی عیش سے گزر جائے۔ حالانکہ اس کے بوجھ کا کافی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن کوئی حرج نہیں ہے۔ اس مسئلے کو میں سنبھال لوں گی۔ وہ دیکھو وہ سامنے ایک بریف کیس رکھا ہوا ہے۔ وہ اٹھا کر مجھے دو۔“ میں نے اس کی طرف دیکھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر وہ بولی۔

”پھر مجھے اس بریف کیس تک جانے کی اجازت دو۔“ میں نے اس کا پتہ بتا دیا اور اس کی نکال دی گئی گولیاں دوبارہ اس میں ڈالیں۔ پتہ بتا دیا اور اس کے اشارے کرتے ہوئے کہا۔

”چلو۔ تم اٹھاؤ بریف کیس۔“ اس نے آگے بڑھ کر بریف کیس اٹھایا۔ خالی بریف کیس کھولا اور پھر تجوری کے پاس پہنچ گئی۔ تجوری میں نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے وہ گڈیاں بریف کیس میں جمائیں اور کافی بڑی تعداد بریف کیس میں منتقل کر کے بریف کیس بند کیا اور میرے حوالے کر دیا۔

”اب یہاں سے جانے کے بعد تم کتنی دیر میں اپنے وعدے سے منحرف ہو گی؟“

”زندگی چاہتی ہوں۔ کبھی ایسا نہیں کروں گی۔ کبھی ایسا نہیں کروں گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں ابھی ایک ناجرہ کار مجرم ہوں۔ تم جیسے لوگ ہی مجھے تجربہ بخشیں گے۔ اپنی ناجرہ کاری کی بنیاد پر ایک بار پھر دھوکا کھا رہی ہوں اور دیکھوں گی کہ اس دھوکے سے مجھے کیا کیا نقصان پہنچے ہیں۔“

میں نے بریف کیس سنبھالا اور وہاں سے واپس نکل آئی۔ اسے بھی زندہ چھوڑ دیا تھا۔ عزیزہ کو بھی عارضی طور پر معاف کر دیا تھا۔ پہلے اپنے پاؤں جماؤں، ماں کو تلاش کرنے کا مسئلہ ابھی باقی تھی اور اس سلسلے میں مکمل اعتماد چاہتی تھی۔ وہ لوگ ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ الماس آراء بیگم جو کچھ بھی اقدامات کریں لیکن بہر طور مجھے سنبھالنا تھا اور سنبھال کر ہی سارے کام کرنے تھے۔ پہلے تو یہاں سے جا کر یہ جائزہ لینا چاہتی تھی کہ اس عورت کو زندہ چھوڑ دینے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ بہر حال ہر طرح کے خطرے کو مول لینے کے بعد ہی زندگی کو کوئی بہتر سارا مل سکتا تھا۔ عمارت سے باہر نکلنے میں کوئی خاص دقت نہیں پیش آئی۔ البتہ باہر نکلنے کے بعد یہ خیال دل میں پیدا ہو گیا کہ اس بریف کیس کو سنبھالنا ایک مشکل کام ہے۔ اتنی بڑی دولت کہاں

نہ جائے۔ ہوٹل میں اپنے کمرے کا خیال آیا اور میں ذہن دوڑانے لگی کہ اگر وہیں پر رہ کر یہ نوٹ نہ لے کر کوشش کی جائے تو کون سی جگہ مناسب ہو سکتی ہے۔ کسی بینک میں اکاؤنٹ بھی کھولا جاسکتا تھا اتنی بڑی رقم کسی اکاؤنٹ میں جمع کرانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو مشکوک کر لیا جائے۔ بہر حال یہاں عبور کرتے ہوئے میں یہی سب کچھ سوچتی رہی تھی۔ پھر ایک ٹیکسی نے مجھے میرے ہوٹل سے کچھ لے کر اتار دیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو بل ادا کر کے میں ہوٹل کی جانب چل پڑی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد کمرے میں پہنچ گئی۔ بریف کیس میں نے تکیے کے پیچھے رکھا۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور اس کے بعد پھر وہی سوچنے لگی۔ پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خوبصورت تجویز آئی۔ ہوٹل کے کمرے ایک چھوٹے سے حصے کو پارٹیشن بنایا گیا تھا اور اس میں پردہ لگانے کے لئے زبردستی لکڑی کا کام کیا گیا تھا۔ یہ لکڑی جگہ جگہ سے ٹوٹ چھوٹ چکی تھی اور اس کا ٹوٹا پھوٹا پن ہی میرے کام کی چیز تھی۔ وہاں کسی کی توجہ نہیں جاسکتی تھی۔ کوئی ضرورت ہی نہیں پیش آتی تھی اور خاص طور سے جب تک یہ کمرہ رے پاس ہے اس وقت تک تو کوئی جھگڑا ہی نہیں ہے۔ میں نے اطمینان سے ایک کرسی رکھی اور بریف کیس کو اس ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس نے کام بڑے آرام سے ہو گیا۔ میں نے بریف کیس میں سے دن کی ایک گڈی نکال لی تھی۔ بریف کیس میں جتنے نوٹ بھرے ہوئے تھے ان کا جائزہ میں بخوبی لے چکی تھی۔ بہر حال یہاں سے مطمئن ہونے کے بعد میں اپنے بستر میں لیٹ گئی۔ پھر میرے دل میں ایک دردناک بات رقم ملی ہے تو ماں نہیں ہے۔ میں بڑے آرام سے ماں کو کسی شاندار اسپتال میں داخل کرا سکتی تھی۔ پتا میں کہاں ہے وہ۔ کیا قصہ ہے۔ غرض یہ کہ بڑی دیر تک اس کا دکھ کا شکار رہی اور پھر یہ سوچنے لگی کہ ب کرنا کیا چاہئے۔ ہو سکتا ہے ظفر خان کو ماں کا پتا بھی معلوم ہو۔ ضرور اسے اس بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات ہوگی۔ آہ کیا کروں۔ کیسے اس تک پہنچ جاؤں اگر بخت بابا صاحب نے ظفر خان کو آگاہ کر دیا ہو گا تو ہاں جانا میرے لئے عذاب بن جائے گا۔

بہر حال میں اس قدر تجربہ کار نہیں تھی۔ ظفر خان باقاعدہ ایک جرائم پیشہ آدمی تھا۔ غرض یہ کہ جانے کس طرح وقت گزرا۔ دوسرا دن بھی اسی طرح گزارا اور پھر بہت سوچنے سمجھنے کے بعد میں نے ایک فیصلہ کیا۔ عمل کرنا بڑا ضروری تھا کیونکہ بہر حال انہوں نے میرا تعاقب کیا تھا اور میرے اس طے سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ اب کچھ ایسا عمل کرنا چاہئے جس سے حلیہ بدلا جاسکے اور وہ لوگ مجھے نئی شکل میں نہ پہچان سکیں۔ چنانچہ اب طریقہ کار یہ ہونا چاہیے کہ ایک بار پھر لڑکے سے لڑکی بن جاؤں۔ اس کے لئے کچھ سامان کی ضرورت تھی۔ تھوڑا بہت میک اپ کرنا بھی آتا تھا حالانکہ میری زندگی ذرا مختلف انداز میں گزری تھی۔ عورتوں کی طرح میک اپ کرنا میرا شعبہ نہیں تھا لیکن ضرورت ایجاب کی ماں ہے۔ انسان بہت سے کام ضرورت کے تحت کر لیا کرتا ہے چنانچہ میں نے بھی اپنی ضرورت کے تحت اپنا تھوڑا بہت کام سیکھ لیا تھا مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ہوٹل میں تو میں مرد کی حیثیت سے مقیم ہوں پھر کیا کروں گی اور فوراً ہی ایک ترکیب ذہن میں آگئی۔ ہوٹل میں اور بھی تو بہت سے کمرے ہیں اگر ایک اور کمرہ حاصل کر لوں اور عورت کی حیثیت سے یہاں رہوں تو دونوں کام ایک ساتھ چل سکتے ہیں۔ مجھے اپنی اس سوچ پر خود ہی خوشی

کا احساس ہوا اور میں اس سلسلے میں متعدد فیصلے کرنے لگی۔ فیصلے اس وقت تک بے کار ہوتے ہیں جب ان پر عمل نہ کیا جائے۔ چنانچہ ہر خطرہ مول لے کر میں اس کام کے لئے تیار ہو گئی اور سب سے بڑے بازار جاکر میک اپ کا سامان خرید۔ بالوں کی وگ اور ضرورت کی دوسری چیزیں۔ باقی معاملات یہ ہے مجھے کوئی مشکل نہیں تھی۔ زنانہ لباس بھی اپنی جسامت کے خریدے اور اس کے بعد ایک سو لے کر واپس اپنے ہوٹل میں آگئی۔ کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے نہایت احتیاط کے ساتھ اپنا کیا۔ بالوں کی تراش کرا دی تھی۔ بس وہی ایک مشکل مسئلہ تھا باقی سب خیریت تھی۔ چنانچہ میں عہدہ میک اپ کرنے کے بعد برقعہ اوڑھا جسے میں خرید کر لائی تھی اور پھر احتیاط سے ہوٹل کے دوبارہ پہنچ گئی۔ یہاں پہنچ کر میں نے اپنے لئے ایک کمرہ مانگا تو کاؤنٹر کلرک نے مجھ سے حیرت سے کہا ”بی بی! آپ اکیلی ہو؟“

”ہاں۔ میرے شوہر پندرہ دن کے بعد آئیں گے۔ اس دوران مجھے یہیں رہنا ہوگا۔“

”اکیلی عورت کو کمرہ دینا خطرناک ہے۔“

”میں ایک شریف عورت ہوں۔ تم اس سلسلے میں بالکل فکر مت کرو۔“

”ٹھیک ہے۔ مگر ایک بات سن لیتا بی بی۔ ہمارا ہوٹل واقعی شریفوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ کوا اگر ہوئی تو.....“

”برائی ہوئی تو مجھے یہاں سے نکال دیتا۔“ بہر حال کمرہ مل گیا۔ میں نے رقم ادا کر دی تھی اور بعد میں اپنے دوسرے کمرے میں منتقل ہو گئی تھی۔ اپنا زنانہ سامان میں نے یہاں رکھا اور پھر میک اپ اتارنے کے بعد واپس اپنے کمرے میں آگئی۔ مجھے خود اپنے آپ پر ہنسی آرہی تھی۔ اگر بخت بابا بہنوں کی گمشدگی کا غم نہ ہوتا تو یقیناً طور پر اپنے اس ایڈوینچر سے میں پورا پورا لطف اٹھاتی لیکن ان ذہن پر کچھ اور ہی احساس سوار تھا۔ پھر ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اپنا کام شرا دیا۔ یعنی دوسرے ہی دن میں زنانہ حلقے میں برقع اوڑھ کر نکل کھڑی ہوئی اور اس کے بعد میں کاوشوں سے ہوٹل اشار پس تلاش کر لیا۔ اس ہوٹل کے دو نام تھے۔ درمیانے درجے کا ہوٹل تھا۔ یہاں پہنچ کر میں نے سوچا کہ اس حلقے اور اس انداز میں ظفر خان کو کس طرح تلاش کر سکوں گی۔ بہرہ ایک مشکل کام تھا۔ میں نے تھوڑی دیر تک سوچا پھر اچانک ہی میری نگاہ ایک جانب اٹھ گئی اور میں کرچونک پڑی کہ وہ ظفر خان ہی تھا جو ہوٹل کے سامنے ایک اسٹور سے باہر نکل رہا تھا۔

میں نے وحشت بھری نگاہوں سے ادھر دیکھا۔ اب کیا کروں؟ کیا کرنا چاہیے؟ سامنے ہی ٹیکسی تھا۔ ظفر خان اسٹور سے نکلنے کے بعد ٹیکسی اسٹینڈ کی جانب بڑھا اور میں فوراً ہی سنبھل گئی۔ ظفر خان ایک ٹیکسی روکی تھی اور ڈرائیور ہے کچھ باتیں کرنے لگا تھا۔ پھر وہ ٹیکسی کا پیچھلا دروازہ کھول کر اندر گیا۔ دفعتاً ہی میرے ذہن میں ایک چھٹکا سا ہوا۔ اس کا تعاقب کرنا چاہیے۔ فوراً ہی میں ایک دوسری کی جانب لپکی۔ ٹیکسی ڈرائیور ایک مچھلا سا آدمی تھا۔ میں دروازہ کھول کر پیچھے بیٹھی اور میں نے کہا۔ ”ڈرائیور اس ٹیکسی کے پیچھے چلو۔“ ڈرائیور نے مجھے پلٹ کر دیکھا تو میں نے سو روپے کا نوٹ

لرف بڑھا دیا۔

”تعاقب کرتے رہو۔ نوٹ ملتے رہیں گے۔“ میرے ان الفاظ پر ڈرائیور نے پٹنی پٹنی نگاہوں سے دیکھا۔ پھر سیلف لگا کر ٹیکسی اشارٹ کر دی اور اسے آگے بڑھا دیا۔

”ایک بات بتاؤ بیگم جی، کوئی مارا ماری کا مسئلہ تو نہیں؟“

”میں عورت ہو کر کسی کو ماروں گی؟“ میں نے نفہ بار آواز میں کہا۔

”تو پھر آپ اس کا پیچھا کیوں کر رہی ہو؟“ ڈرائیور نے پوچھا۔ کم بخت کچھ زیادہ ہی محتاط معلوم ہوتا نوٹ دیکھ کر مجھی اسے قرار نہیں آیا تھا۔ میں نے فوراً ہی دوسرا نوٹ دیتے ہوئے اس سے کہا۔

”اس ٹیکسی میں میرا مفرد شوہر ہے۔ میں یہ جانتا چاہتی ہوں کہ وہ کم بخت کہیں کسی اور عورت کے میں تو نہیں پڑ گیا ہے۔“

”پھر ٹھیک ہے جی۔ پروا مت کرو۔“ اس نے کہا اور مطمئن ہو کر اس کا پیچھا کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ٹیکسی ایک ایسی عمارت کے سامنے رکی جو رہائشی عمارت تھی۔ بارہ پندرہ فلیٹوں کا ایک چھوٹا سا بیٹک دو منزلہ عمارت تھی۔ ظفر خان وہاں پر اتر کر ٹیکسی کو بل دینے لگا تو میں نے بھی ٹیکسی ڈرائیور کو سوکے دونوں دے کر کہا۔

”شکریہ بھائی۔“ ڈرائیور نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن وہ کسی قدر کنکشن کا شکار نظر آ رہا تھا۔ غالباً میں ایمان جاگ رہا تھا اور وہ یہ سوچ رہا ہوگا کہ ایک ایسی عورت جو اپنی شوہر کی بے وفائی کا شکار ہے کیا قاتل ہے کہ اس سے اتنی زیادہ رقم لی جائے۔ پھر ضرورت کا احساس اس کے جذبہ ایمانی پر غالب آ گیا۔ بے ٹیکسی آگے بڑھا دئی۔

میں تیز قدموں سے چلتی ہوئی عمارت میں داخل ہو گئی۔ ظفر خان سامنے ہی سیڑھیوں پر جاتا ہوا نظر آ تھا۔ میں نے دوسری سیڑھیاں استعمال کیں اور ظفر خان کے ساتھ ساتھ ہی اس راہداری میں پہنچ گئی۔ مابین فلیٹوں کے دروازے تھے۔ میں نے ظفر خان کو ایک فلیٹ کا تالا کھولتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کی سری سمت مڑ گئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی برقع پوش عورت اس طرح اس کا قب کر رہی ہوگی۔ بہر حال جب وہ اندر داخل ہو گیا تو میں گھوم کر ایک ایسی جگہ کھڑی ہو گئی جہاں سے میں مافلیٹ کے دروازے کو بخوبی دیکھ سکوں۔ فیصلہ کرنا تھا کہ کیا کرنا چاہیے۔ چنانچہ کچھ لمحے میں فیصلہ کرتی ہی۔ تالا کھول کر اندر داخل ہونے کا مطلب یہ تھا کہ فلیٹ یا تو ظفر خان کا ہے یا اس کے استعمال میں ہے اس وقت اندر ظفر خان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ آخر کار ایک اطمینان بخش فیصلہ کرنے کے بعد میں کھنکھناتی ہوئی اور ظفر خان کے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ گئی۔ دروازے پر بیل لگی ہوئی تھی۔ میں نے بیل پر ہلکی دھجکی دئی تو اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اور کچھ لمحوں کے بعد ظفر خان نے دروازہ کھول دیا۔ مجھے

یکے کر وہ حیران ہوا اور اس نے کہا۔ ”بی بی بی! کون ہو؟ کیا بات ہے؟“

”ظفر صاحب اسی فلیٹ میں رہتے ہیں؟“ میں نے ایک بے ٹکا سا سوال کیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے

”نہیں یہاں کوئی ظفر خان نہیں رہتا۔“
 ”تب وہ کوئی اور فلیٹ ہوگا۔“ میں نے مایوسی سے کہا اور اسی طرح واپس پلٹی جیسے کسی تلاش کرنے جا رہی ہوں تو ظفر خان جلدی سے بولا۔
 ”سنو بات سنو۔ کیا کام ہے تمہیں ظفر خان سے اور کس نے تمہیں یہاں بھیجا ہے؟“
 ”میں ایک مظلوم عورت ہوں بھائی۔ ایک شدید پریشانی کا شکار ہوں۔ ظفر خان ہی میرا
 کر سکتے ہیں۔ اب آپ کو کیا بتاؤں اس بارے میں۔“
 ”تم ظفر خان کو پہچانتی ہو؟“
 ”نہیں بھائی میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔“

”ہوں۔ تو یہ بات ہے اچھا اندر آؤ۔ میرا نام ہی ظفر خان ہے۔ پر مجھے تعجب ہے کہ کس
 اس فلیٹ کا پتا بتایا ہے۔ یہ بات تو بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ میرا یہاں کوئی فلیٹ بھی ہے۔“
 رہتا بھی نہیں ہوں۔ اندر تو آؤ۔“ میں اندر داخل ہو گئی تو اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا اور
 ”چلو۔ وہ ڈرائنگ روم ہے۔“ ڈرائنگ روم میں سادہ سا فرنیچر بٹا ہوا تھا۔ ظفر خان نے
 ”برقع اتارو۔ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ کس مشکل کا شکار ہو؟ بتاؤ اور یہ بھی بتاؤ کہ کس نے
 پتا بتایا ہے۔ اس بات پر مجھے سب سے زیادہ حیرت ہے۔“
 میں نے اطمینان سے برقع اتار دیا۔ وہ چونکے ہوئے انداز میں مجھے دیکھنے لگا پھر بری طرح
 کیونکہ بہر حال میرے نقوش اس کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ اس نے میری دگ اور میرے بدن
 دیکھا اور سرسرائی آواز میں بولا۔

”تم..... تم۔“

”ہاں ہیں۔ شاہ نور۔“

وہ ایک دم سکتے میں رہ گیا تھا۔ حیرت اور پریشانی اس کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھی۔ بہت
 اسی طرح چھٹی چھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا میں سامنے ایک صوفے پر جا بیٹھی تھی۔ مجھے اندازہ
 ظفر خان کوئی ایسا عمل نہیں کرے گا جو فوری ہو اور میرے لئے باعث نقصان بھی ہو۔ وہ مجھے د
 اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔
 ”مگر شاہ نور تم یہاں تک کیسے آگئیں؟“

”بہت سی باتیں ایسی ہیں ظفر خان جو میرے اور تمہارے درمیان ہوئی ہیں۔ مجھے یقین
 ایک اچھے انسان کی حیثیت سے میرا ساتھ دو گے۔“

”دیکھو شاہ نور بات وہیں آ جاتی ہے کہ یہاں ہر شخص اپنے مفادات کا غلام ہے۔ میں بھی
 سے انکار نہیں کروں گا کہ تمہارے بدلے مجھے ایک بڑی رقم مل سکتی ہے جس کی مجھے پیشکش ہو
 میں ابھی تک تمہیں ان لوگوں کے قبضے میں دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہوں۔ تم کافی چالاک لو
 اگر چاہو تو مجھ سے بات کرو۔ میں تمہارے اور بیگم صاحب کے درمیان مفاہمت کر سکتا ہوں۔“

فیصلہ کر لیا تھا کہ جلد بازی سے کوئی کام نہیں لوں گی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ ظفر خان پر ٹوٹ پڑوں اس
 ن پلایاں ایک کدو اور اس سے بابا بخت مراد اور ماں کا پتا پوچھوں لیکن صبر سے کام لیتا ہی کامیابی
 ل ہوتی ہے۔ یہ مقولہ میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جہاں تک
 و۔ صبر و سکون سے کام لوں گی۔ ظفر خان کے چہرے پر بار بار حیرت کے نقش ابھر آتے تھے۔ اس
 ۔

”پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہ پتا تمہیں کس نے بتایا؟“
 ”کیا تم مجھے اپنا دوست سمجھ رہے ہو۔ کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ میں کسی قسم کی مشکل کا شکار ہو کر
 ے پاس آئی ہوں۔ دیکھو ظفر خان اپنے ذہن سے یہ احتمالہ خیال نکال دو۔ میں جو کچھ ہوں تم ابھی
 جانتے۔“

”نہیں۔ میں واقعی نہیں جانتا تھا لیکن مجھے پتا دیا گیا ہے۔ خیر اگر آپ اس بارے میں نہیں جانتا چاہتیں
 رہے ہیں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا حالانکہ مجھے آپ کے یہاں تک چلے آنے پر جس قدر حیرت ہے میں
 لفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہ جگہ کسی کو بھی نہیں معلوم لیکن خیر آپ کے بھی اپنے ذرائع ہوں گے۔
 صاحب! مجھے بیگم صاحب نے یہ کام سونپا تھا اور کہا تھا کہ اگر میں اس میں کامیاب ہو جاؤں تو مجھے منہ
 نام ملے گا۔ آپ کو میں ساری بات پوری تفصیل سے بتا رہا ہوں اور یہ سب کچھ بتانے کی ایک وجہ
 وہ وجہ یہ ہے کہ بعد میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میری بات مان لیں۔ میں آپ کو
 کرنے کی کوشش کروں گا۔ دیکھیں بہر حال میں ایک مرد ہوں اور یہ بات کہنے میں کوئی برائی نہیں سمجھتا
 مرا تعلق برے کاموں سے ہے۔ اب کیوں ہے یہ بات نہ آپ کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگی اور نہ میں
 و بتا کر آپ کا وقت ضائع کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہر انسان کے ساتھ کچھ واقعات لگے ہوتے ہیں۔
 زندگی برائی کی حد میں کیسے داخل ہوئی اس کا ایک پورا پس منظر ہے لیکن بہر حال چھوٹے موٹے جرائم
 نے زندگی گزارتا رہا ہوں اور ہمیشہ اس بات کی خواہش کرتا رہا ہوں کہ کوئی بڑا کام کر کے بڑی دولت
 اور اس کے بعد کسی ایسی جگہ نکل جاؤں جہاں لوگ مجھے نہ جانتے ہوں۔ وہاں ایک اچھا آدمی بن کر
 گزاروں۔ ایک عجیب و غریب خواہش ہے جس کے بارے میں آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن میں
 اگر بس دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ میرا اصل واسطہ تو عزت جلال صاحب سے تھا۔ عزت جلال صاحب
 نے بیگم صاحب کے پاس بھیجا تھا وہ ان کی بہن ہیں اور بیگم صاحب نے مجھے آپ کی تصویر سونپ کر
 کی تلاش کا کام سونپا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ گھر سے بھاگ گئی ہیں اور انہوں نے یہ بھی بتایا تھا
 پ ایک خطرناک عورت ہیں۔ آپ سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ میں یہ تصویر لے کر آپ کو تلاش
 ہا تھا کہ اس گھر میں جہاں میری آپ سے پہلی ملاقات ہوئی اور جہاں میڈم نادیر رہتی ہیں۔ میرا مطلب
 صاحب! وہاں سے مجھے یہ اطلاع ملی کہ بابا صاحب کے ہاں کوئی گھس آیا ہے اور اس نے ان کے
 ل کئے کو ہلاک کر دیا ہے۔ میں وہاں پہنچا تو آپ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ کا حلیہ بے شک بدلا ہوا تھا
 میری نگاہوں میں آپ کے نقش تھے کیونکہ میں نے آپ کی تصویر کو بہت غور سے دیکھا تھا۔ اصل میں

کسی کو تلاش کرنے کا پہلا گریہ ہے کہ اس کے ہر نقش کو آنکھوں میں بٹھالو۔ ایسی صورت میں تھوڑے بہت بدلے ہوئے حلقے میں بھی نظر آتا ہے تو بہر حال پہچان لیا جاتا ہے۔ بس میں نے آپ لیا۔ آپ پکڑی تو جاچکی تھیں۔ میں نے آپ کو بے ہوش کر دیا اور اس کے بعد میں نے بیگم صاحبہ دی اور ساری صورت حال بتائی تو بیگم صاحبہ نے فوراً ہی منصوبہ بدل دیا۔ پہلے تو انہوں نے یہی کہا کہ میں آپ کو حاصل کر کے ان کے حوالے کر دوں لیکن پھر انہوں نے کہا کہ مجھے ایک اور طریقہ کار کرنا ہے۔ بس جی میں ان کی ہدایت پر عمل کرتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں سوالیہ انداز میں اسے لگی۔ پھر میں نے کہا۔

”آگے؟“

”بس جی اس کے بعد آپ وہاں سے فرار ہو گئیں اور ہم ہاتھ ملتے رہ گئے۔“ ظفر خان نے چلا کام لیتے ہوئے کہا اور میری آنکھوں میں خون اترنے لگا۔ وہ بہت سی باتیں صاف چھپا گیا تھا البتہ ایک اندازہ ضرور ہوتا تھا وہ یہ کہ کم از کم میڈم ناویہ نے اپنے وعدے کے مطابق میرے وہاں پہنچنے سے نہیں بتائی تھی اور نہ یہ بتایا تھا کہ میں نے ظفر خان کا پتا معلوم کیا ہے۔ میں نے کچھ دیر خاموشی کی پھر میں نے کہا۔

”ظفر خان‘ باقی کہانی بھی سنا دو۔“ ظفر خان نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔

”باقی کہانی سے تمہاری کیا مراد ہے؟“

”وہ کہانی جو میرے نکلنے کے بعد شروع ہوئی تھی۔“

”ہاں جی۔ اب میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آپ کو باقی کہانی بھی سنا دینی چاہئے۔ آپ انہیں تو میں نے آپ کا تعاقب اس محلے تک کیا جہاں بخت مراد رہتا تھا۔ میرا کام بس یہی تھا۔ میں مراد کا پتا لگا کر بیگم صاحبہ کو بتا دیا۔“

”پھر.....“

”نہیں..... بیگم صاحبہ نے مجھے کچھ انعام دے کر کہا کہ میرا کام ختم ہو گیا ہے۔ اصل آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں ہر چھوٹا بڑا کام کر لیتا ہوں۔ لوگوں کے چھوٹے موٹے کام میری اتنی آہنی ہیں کہ میرا آرام سے گزارا ہو جاتا ہے۔ ویسے ابھی میرے لئے ایک اور چانس ہے۔“

”کیا؟“

”وہ یہ کہ آپ کو صحیح مشورہ دوں اور بیگم صاحبہ کو خوش کر کے کچھ اور انعام حاصل کر لوں۔“ ظفر خان‘ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ اس گھر سے میری ماں اور ہمیں غائب ہو چکی ہیں! مراد بابا بھی نہیں ہیں۔“

”نہیں جی۔ ہمیں اس بات کا علم نہیں ہے کیونکہ ہمارا کام وہاں ختم ہو گیا تھا۔“

”جھوٹ بولتے ہو۔ بکواس کر رہے ہو۔ اس گھر میں داخل ہونے کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ میری ماں اور بہنوں کو بالکل صاف صاف اغوا کیا گیا ہے اور ظفر خان یہ اغوا تم نے کیا ہے۔“

”ظفر خان صرف ایک بات بتاؤ۔ بخت بابا میری ماں اور دونوں بہنوں کے بارے میں تمہیں کچھ معلومات ہیں یا نہیں؟“

”وہ کیا طریقہ ہو گا بی صاحب جس سے آپ ہم پر اعتبار کر لیں۔ یہ کام ہم سے نہیں کرایا گیا۔ اصل یہ بڑے لوگ بھی بڑے چالاک ہوتے ہیں وہ کسی کے ہاتھوں بلیک میل ہونا نہیں چاہتے۔ اب سارے کام اگر ہم سے کرائے جاتے تو پھر ہمیں انہیں اپنا راز دار بھی بنانا پڑتا۔ بس جتنا انہوں نے ہمارا کام سمجھا ہم سے کرایا۔ باقی اور بھی لوگ ہیں ہاں یہ الگ بات ہے کہ ہم آپ کے لئے بھی کام کر سکتے ہیں۔“ ظفر خان نے مجھے دانہ ڈالا لیکن بہر حال اب اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ اس کے چکر میں آتی۔ میں نے اس سے کہا۔

”ٹھیک ہے ظفر خان میں بیگم صاحب سے ملنے کے لئے تیار ہوں۔ تم اس سلسلے میں کیا مدد کر سکتے ہو؟“ وہ خوشی سے اچھل پڑا پھر بولا۔

”یہ ہوئی ناقص مندوں جیسی بات۔ میں آپ کو آرام سے وہاں لے جاسکتا ہوں جی۔“

”کہاں؟“

”آپ کی کوٹھی میں۔ وہ گھر تو آج بھی آپ ہی کا ہے، بی بی صاحب۔“

”نہیں ظفر خان، یہی تو ممکن نہیں ہے۔“

”جی!۔“

”یہ ممکن نہیں ہے۔“

”تو پھر؟“

”تو پھر یہ کہ کسی دوسری جگہ ملاقات کا بندوبست کرو۔“

”آپ جہاں حکم دو۔“

”کسی ہوٹل وغیرہ میں۔ کسی ایسی کھلی جگہ جہاں میرے خلاف کوئی سازش نہ ہو سکے۔“ ظفر خان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”اچھا تو پھر آپ یہ بات بتاؤ کہ ہم اگر آپ سے بات کرنا چاہیں تو کہاں آپ سے مل سکتے ہیں؟“

”نہیں۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ میں تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ تم ایسا کرو مجھے وقت دو میں خود تمہیں فون کر لوں گی۔ ٹیلی فون نمبر بھی بتاؤ مجھے۔“

”ٹھیک ہے آپ ایسا کرو کہ کل شام کو چار بجے ہمیں ٹیلی فون کرلو۔ ہم آپ کو بتا دیں گے کہ کون کی جگہ اور کہاں یہ سب کچھ کرنا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں تمہیں کل چار بجے ٹیلی فون کر لوں گی۔“

”بہت مناسب۔“

”اور سنو۔ اب تم میرا تعاقب مت کرنا۔ اگر نیک نیتی سے میرے ساتھ تعاون کرنا چاہتے ہو تو میرا پیچھا مت کرنا۔“

”دیکھو بی بی صاحب! بڑا سچا سودا کیا ہے ہم نے آپ سے۔ بڑی سچی بات کہی ہے۔ جتنی معلومات تمہیں آپ کو سب کچھ بتا دیا بس اس کے بعد ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ آپ آگئی ہو یہاں تو یہ سے یہ بات کر رہے ہیں۔“

”ظفر خان مجھے میری ماں اور بہنوں کا پتا بتا دو۔“

”ارے کہاں کر رہی ہیں آپ۔ اچھا چلے ایک بات اور کہتے ہیں آپ سے۔ اگر یہ بات پتہ جائے کہ انہیں ہم نے اغوا کیا ہے یا نہیں اس بارے میں کچھ معلوم ہے تو آپ جو برا سلوک چاہے ساتھ کرنا۔“

”تو تمہیں نہیں معلوم!“

”بالکل نہیں۔ اصل میں اب ہم ایک ایسی بات کہہ رہے ہیں جو ہمیں نہیں کہنی چاہئے۔ آپ جلال کو جانتی ہیں؟“

”ہاں جانتی ہوں۔“

”کیا آپ انہیں کوئی معمولی آدمی سمجھتی ہیں۔ بہت بڑے اسمگلر ہیں وہ۔ بہت بڑے بڑے کرتے ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم ان کا پتا پورا گروہ ہے۔ وہ یہ کام اپنے کسی آدمی سے بھی لے سکتے البتہ ہم آپ کو ایک مشورہ جو دے رہے ہیں اس پر غور کر لیں۔“

”ہاں بولو کیا؟“

”بیگم صاحب سے مل لیں۔ ان کے ساتھ دوستی کر لیں۔ اس سے بڑا فائدہ آپ کو اور کوئی ہو گا۔ یاد کریں گی ظفر خان کو کہ اس نے کوئی مشورہ دیا تھا۔ اس وقت آپ کے لئے سب سے اچھا یہی ہے کہ بیگم صاحب سے مل لیں اور ان سے سودا کر لیں۔“

”سودا؟“

”ہاں۔“

”کیسا سودا؟“

”اپنی ماں اور بہنوں کی بازیابی کا۔“

”بدلے میں کیا دے سکتی ہوں میں انہیں؟“

”جہاں تک بات ہمارے علم میں ہے دیکھیں ہم بھی انسان ہیں۔ تجس ہمارے دل میں بھی پنا ہے۔ ہم نے جہاں تک معلومات حاصل کی ہیں وہ یہ ہیں کہ بیگم صاحب آپ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ گھریلو معاملات جو کچھ بھی ہیں وہ آپ جانیں اور بیگم صاحب جانیں۔ اتنی تفصیل ہم جیسے لوگوں کو کہاں جاسکتی ہے۔ یہ تفصیل تو ہمیں خود بخود معلوم ہو گئی ہے۔ یعنی اس سلسلے میں کام کرتے ہوئے جب ہم سوچا کہ بیگم صاحب ہمیں اتنے پیسے دینے پر کیوں آمادہ ہیں تو ہم نے اس بارے میں معلومات حاصل کیں ہمیں پتا چل گیا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ خیر اگر ایسی بات ہے تو آپ ان سے ایک دفعہ مل لو جی۔“

میں ظفر خان کی صورت دیکھتی رہی۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ میں نے اس سے

ابھی کوئی خاص تجربہ نہیں تھا۔ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ لوگ اتنے چھپے ہوئے چروں کے مالک ہوتے ہیں کہ اصل چہرہ دیکھنا ناممکن ہی ہو جاتا ہے، اور پھر ظفر خان تو ایک جراثیم پیشہ شخص تھا۔ البتہ ایک بات کی میں نے خلوص دل سے قدر کی تھی۔ وہ یہ کہ بابا صاحب یعنی نادبہ نے وعدے کے مطابق ظفر کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ ویسے بھی اس نے سوچا ہوگا کہ ایک نئی مصیبت گلے پڑ جائے گی۔ پتا نہیں کس ٹائپ کی عورت تھی لیکن بہر حال اس نے اپنا قول نبھایا تھا۔ اب باقی بات رہی ظفر خان کی پیشکش کی تو الماس بیگم سے مل لینا میرے خیال میں کوئی غیر مناسب بات نہیں تھی لیکن ایسے نہیں کہ ان کے چنگل میں آجاؤں۔ البتہ یہ بات میں اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر الماس آراء بیگم نے مجھ پر قابو پا بھی لیا تو زیادہ سے زیادہ مجھے قید کرنے کی کوشش کریں گی کیونکہ بہر حال انہوں نے ایک طویل عرصے مجھے پروان چڑھایا ہے۔ بے شک اب غور سے حالات کا جائزہ لینے سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ الماس آراء بیگم کے انداز میں وہ ساری چیزیں نہیں تھیں جو ماں کی مانتا اور محبت سے منسوب کی جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود جس قدر بھی تھا انہوں نے مجھے اپنی اولاد ہی کا درجہ دیا تھا لیکن ان کے قبضے میں جانے کا مطلب یہ تھا کہ باقی معاملات سے کٹ جایا جائے جبکہ اب میرے اوپر ڈبل ذمے داری عائد ہو گئی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ ایک طویل عرصے تک ماں سے محروم نہ رہی ہوتی یعنی قدیمہ بیگم کو پہلے ہی سے جانتی کہ وہ میری ماں ہیں تو شاید ان لوگوں کی گمشدگی میرے حواس ہی کم کر دیتی لیکن محبت تو تھی البتہ رفتہ رفتہ آگے بڑھ رہی تھی۔ مجھے ان لوگوں کو تلاش کرنا تھا۔ اپنے باپ کو بھی تلاش کرنا تھا مجھے۔ زندگی کا اگر کوئی مقصد بن جاتا ہے تو زندگی گزارنا بھی آسان ہو جاتی ہے۔ آخر کار ان لوگوں کو ہتھیار ڈالنا پڑیں گے۔ مجھے میرے باپ کا پتا پانا پڑے گا۔ ٹھیک ہے میرا کوئی بھائی نہیں ہے ورنہ عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ ماں باپ پر ہونے والے ظلم کا پتا چل جانے پر بیٹے قسم کھاتے ہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کا انتقام لیں گے۔ یہاں بے چارے میرے ماں باپ بیٹے سے محروم تھے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ہر آسانی سے محروم تھے۔ تو یہ فرض میرا بنتا ہے اور بہر حال زندگی اگر کسی فرض کی نذر کر دی جائے تو اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہوتی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھی اور میں نے برف کیس کے ساتھ وہ ریوالور بھی تلاش کیا جو میں نادبہ کے گھر سے لے کر آئی تھی۔ یعنی بابا صاحب کے ہاں سے۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ ریوالور دوبارہ لوڈ کرنے کے بعد میں نے واپس آتے ہوئے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ خیر پیسے سے دنیا کا ہر کام ہو جاتا ہے لیکن ابھی ان ساری باتوں کا تجربہ نہیں تھا۔ وقت رفتہ رفتہ تجربہ دے رہا تھا۔ اتفاق سے میرا واسطہ انہی لوگوں سے پڑ گیا تھا جن کے ساتھ میں نے زندگی گزار لی تھی۔ چنانچہ یہ جانے پہچانے لوگ مجھے اتنے خطرناک نہیں معلوم ہوتے تھے۔ ریوالور چیک کرنے کے بعد میں نے اسے اس کی جگہ رکھا پھر بہت سی باتیں سوچتی ہوئی آخر کار نیند کی آغوش میں جا پڑی لیکن دوسری صبح جاگنے کے بعد سب سے پہلا تصور شام چار بجے کا ہی آیا تھا۔ میں نے فیصلہ تو کر لیا تھا کہ میں الماس آراء بیگم سے ملوں گی لیکن دل کے کسی گوشے میں ایک خوف کا احساس ضرور تھا۔ کہیں وہ چالاک عورت دوبارہ مجھے اپنے قبضے میں نہ لے لے لیکن اگر ایسا ہوا تو مجبوری ہے۔ انتہائی قدم اٹھاؤں گی۔ بہر حال دن جس طرح گزرا میں ہی جانتی تھی۔ شام کو ٹھیک چار بجے میں نے ایک پبلک

”ٹھیک ہے ہم نہیں کریں گے آپ سے وعدہ کر رہے ہیں۔“
”اگر میں نے محسوس کر لیا کہ تم نے وعدہ خلافی کی ہے تو یقین کر لو کہ دوبارہ تمہارے ساتھ کبھی بھی نہیں ہوگی۔“

”منظور ہے بی بی صاحب! آپ ایسا کرو یہاں سے باہر نکلو! باہر سے دروازہ لاک کر جاؤ تاکہ اس بات کا یقین آجائے۔“
”بچوں جیسی باتیں مت کرنا۔ تمہارے پاس کوئی ذریعہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تم اپنے کسی اطلاع دے دو اور بعد میں مجھ سے کہہ دو کہ تم نے تو میرا پیچھا ہی نہیں کیا تھا۔“ ظفر خان ہنسنے لگا۔
”چالاک لوگوں میں رہ کر انسان کتنا چالاک ہو جاتا ہے۔ پھر آپ دروازہ مت بند کرو اور ہماری بات پر یقین کرو۔“

میں خاموشی سے ظفر خان کے پاس سے اٹھ گئی تھی اور اس کے بعد اس کے فلیٹ سے باہر تھی۔ لیکن مجھے بخت بابا کا یہ قول یاد تھا کہ کسی پر کبھی کوئی بھروسہ مت کرو۔ دنیا بہت بڑی جگہ بھروسے ہمیشہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے تھوڑا سا فاصلہ پیدل طے کرنے کے بعد ایک آٹو رکشہ رکشہ ڈرائیور کو بالکل ہی مختلف جگہ کا پتا بتا دیا۔ اس دوران میں پیچھے دیکھتی رہی تھی کہ کہیں میرا تو نہیں کیا جا رہا لیکن مجھے اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ پھر ایسے ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے سامنے رکی جس دروازے تھے۔ سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ڈیپارٹمنٹل اسٹور شروع ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے رکشہ ڈرائیور سے کہا کہ ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا راستہ اختیار کیا۔ اندر داخل ہونے کے بعد میں ایک ایسی جگہ رک گئی جس سے میں ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے صدر دروازے کو دیکھ سکتی تھی۔ ویسے تو بہت سے لوگ آ جا رہے تھے مجھے کوئی ایسی مشکوک شخصیت نظر نہیں آئی جس پر مجھے شبہ ہو کہ وہ میرے تعاقب میں ہے۔ ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں تھوڑی دور چلنے کے بعد میں اس کے دوسرے دروازے سے اتر گئی۔ یہاں بھی میں نے کاہ فاصلے طے کیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور آٹو رکشہ لے کر چل پڑی تھی اور اس آٹو رکشہ نے مجھے ہوٹل کے پاس سڑک پر لے دیا۔ کچھ دیر کے بعد میں ہوٹل میں داخل ہو گئی اور میں نے اس کمرے کا رخ کیا جس میں عورت کی حیثیت سے رہتی تھی۔ یہاں پہنچنے کے بعد میں نے پھر سے لباس تبدیل کیا اور بعد رابرداری میں جھانکنے کے بعد باہر نکلی اور دوسرے کمرے میں آگئی جہاں میں مردانہ حیثیت سے کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بعد میں نے سب سے پہلے اپنی اس مخصوص رقم کو تلاش کیا وہ موجود تھی۔ چنانچہ میں مطمئن ہو کر اپنے بستر پر آ لیٹی۔ آج کی کارکردگی خاصی بہتر رہی تھی، اور اب سے بڑی ڈھارس مجھے اس بات سے تھی کہ میرے پاس اچھی خاصی رقم موجود تھی اور سب سے اہم میں مجھے کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ اس ہوٹل میں، میں مستقل قیام بھی کر سکتی تھی۔ ہوٹل وا کرائے کے علاوہ اور کیا چاہئے تھا۔

پھر بستر پر لیٹنے کے بعد میں نے ظفر خان کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے ایک ایک لفظ پر غور انتہائی ذہانت کے ساتھ اس کا تجزیہ کرنے لگی۔ میں اپنی ذہانت کو حرف آخر نہیں سمجھتی تھی کیونکہ

کال بوتھ سے اس نمبر پر رنگ کیا جہاں ظفر خان کے مل جانے کے امکانات تھے۔ فون فوراً ہی ریسیو کر رہا تھا۔ ظفر خان کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو..... کون بول رہا ہے؟“

”ظفر خان میں بول رہی ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”اوہو۔ بی بی صاحب! بات ہو گئی ہے بیگم صاحب آپ سے ملنے کے لئے تیار ہیں اور انہوں نے یقین دلایا ہے کہ آپ کو آپ کی مرضی کے خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ آپ پورے اطین کے ساتھ ان سے ملیں۔“

”لانا کہاں ہے؟“

”ہوٹل ایمرؤ، روم نمبر ایک سو آٹھ۔“

”ظفر خان!“

”جی بی بی صاحب۔“

”کیا تم پورے یقین کے ساتھ کہہ رہے ہو کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں کوئی سازش نہیں ہے؟“

”بی بی صاحب! بیگم صاحب نے ہمیں بھی یہ عزت دی ہے۔ ہوٹل ایمرؤ کے گیٹ پر سب سے پہلے ہم آپ کو ملیں گے۔ آپ کو پوری طرح اطمینان دلادیتا ہماری ڈیوٹی ہے۔ آپ وہیں پر ہم سے ملے کر لیتا کیا کرتا ہے۔“

”رات کو نوبت۔“

”جی بی بی صاحب۔“

”ٹھیک ہے، میں ٹھیک نوبت پر ایمرؤ پہنچ جاؤں گی۔“

میں نے جواب دیا اور رسمی گفتگو کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا۔ پورے بدن میں ایک سنسنی سی دہری تھی۔ کیا واقعی یہ سب کچھ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح میں نے سوچا ہے۔ کیا پہلے کی مانند الماس آراء بیگم کوئی چال نہیں چلیں گی وہ بہت خطرناک خاتون تھیں۔ پہلے تو خیر میں نے کبھی انہیں ایسی نگاہ نہیں دیکھا تھا لیکن اب احساس ہو رہا تھا کہ بہت سے سلسلوں میں انہوں نے بہت سے لوگوں کو شدید نقصانات پہنچائے تھے۔ میں تو اس وقت ایک آزاد پنچھی کی مانند کھلی فضاؤں میں زندگی بسر کر رہی تھی لیکن گزرے ہوئے واقعات میں الماس آراء بیگم کی سنگ دلی کی بہت سی داستانیں پوشیدہ تھیں۔ اب وہ میرے لئے تو کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائیں گی۔ بہت عرصے کے بعد ان کا سامنا کرنا تھا لیکن بہت کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ اب جب ان بھیڑیوں کے سامنے آئی گئی ہوں تو ان سے جنگ کرنی ہی پڑے گی۔ باپ تو باپ انہوں نے ماں اور بہنوں کے لئے بھی مسئلہ ڈال دیا تھا لیکن خیر اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ بہت کرتی دو پھر کسی خیال کے تحت میں نے واپس اپنے ہوٹل کی جانب قدم بڑھا دیئے یہاں میں نے زنانہ کمرے میں کمر بستہ ہی عمدہ لباس پہنا تھا۔ اپنے آپ کو بڑے سلیقے سے سنوارا تھا۔ بہت ہی نفیس قسم کی وگ لگائی تھی اور اس کے بعد جدید انداز میں برقع کے بغیر باہر نکل آئی تھی۔ میں نے ایک ٹیکسی روک کر ایمرؤ کی جانب

خ کیا تھا۔ ہوٹل ایمرؤ کا پوری طرح جائزہ لیا۔ کمرہ نمبر ایک سو آٹھ بھی دیکھا اور اس کے بعد وہاں کے انہیں کے مطابق ڈانٹنگ ہال میں ایک میز ریزرو کرالی۔ ان تمام کاموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں نے بقیہ وقت مختلف جگہوں پر گزارا تھا اور یہ جائزہ لیتی رہی تھی کہ کوئی میری ان کارروائیوں کا جائزہ تو میں لے رہا لیکن سچی بات ہے کہ پوری کوشش کے باوجود مجھے کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ایک بار دل میں بابا صاحب کا خیال بھی آیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ کیوں نہ بابا صاحب کے پاس چلوں لیکن پھر خود اپنی اس ممانعت سے شرمندہ ہو گئی تھی۔ ایسی احمقانہ سوچوں کو ذہن میں جگہ نہیں دینی چاہئے۔ اگر کوئی ایک چھوٹا سا حسان کر دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مستقل محسن ہے۔ پھر بابا صاحب نے تو اپنی مشکل دور کرنے کے لئے یہ خاموشی اختیار کی تھی۔ اس میں ان کا کوئی احسان نہیں تھا۔ بلاوجہ اپنا راز دوسروں کو دیا جائے۔ اب اس وقت بخت بابا تو تھے نہیں جو نصیحتیں کرتے اور مجھے صحیح راستے دکھاتے بہر حال ٹھیک نوبت ہے۔ ہوٹل ایمرؤ پہنچی تو ایمرؤ کے صدر گیٹ پر ہی میں نے ظفر خان کو دیکھا۔ جب میں ٹیکسی سے اتر کر اس کی جانب بڑھی تو اس کے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے پُر احترام لمبے میں کہا۔

”اور آپ جانتی ہیں بی بی صاحب کہ آپ کا احترام میرے لئے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ بہت بڑی شخصیت ہیں اس وقت آپ۔ اور یقین کریں پہلے آپ کو یہ مقام اور درجہ حاصل نہیں تھا۔“

”کیا الماس آراء بیگم آگئیں؟“

”نہیں، ابھی نہیں۔ بس اب میں انہیں اطلاع دوں گا کہ آپ آگئی ہیں۔ آئیے آپ آئیے میرے ساتھ۔“

”نہیں۔ تم میرے ساتھ آؤ۔“ میں نے کہا اور ظفر خان چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

”کہاں؟“

”ڈانٹنگ ہال میں۔“ میں نے جواب دیا۔

”لیکن بی بی صاحب کمرہ نمبر 108“

”بالکل نہیں۔ میں کھلی جگہ میں الماس بیگم سے ملاقات کروں گی۔“ میں نے حتی لمبے میں کہا۔

”دیکھیے میں آپ کو.....“

”ظفر خان۔ ڈانٹنگ ہال میں۔“ میں نے سخت لمبے میں کہا اور ظفر خان بے بسی سے میری صورت دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”آپ دیکھ لیجئے بی بی صاحب۔ ابھی تک تو یہی بات ہوئی ہے بڑی بیگم صاحب سے کہ آپ ان سے ہوٹل کے کمرے میں ہی ملیں گی بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ یہ بات بھی انہوں نے پسند نہیں کی تھی بس کچھ دیر سوچا تھا پھر ایک گہری سانس لے کر کہا تھا کہ ٹھیک ہے۔“

”ظفر خان۔ اس بات پر تم نے ان سے کیا کہا تھا؟“

”ہم کیا اور ہماری اوقات کیا۔ ہم ان کے سامنے کچھ بول سکتے تھے۔“

”میرے سامنے اپنی اوقات سے آگے کیوں بڑھ رہے ہو؟“ میں نے سرد لمبے میں کہا اور ظفر خان

الماس آراء نے اور میں نے ایک دم چونک کر بیچھے دیکھا تھا۔ میرے چہرے پر حیرت کے آثار اور الماس آراء کے چہرے پر شدید غصے کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ یہ تو تایا صاحب تھے یعنی کمال احمد جنہوں نے بڑے بالکل طریقے سے ان کے ہاتھ سے ننھا سا ریوالور چھین لیا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ تایا صاحب کہاں سے آگئے۔ بہر حال یہ سب ایک ہی تھیلی کے پٹے بٹے تھے۔ ان کے لئے بھی میرے دل میں کوئی رت، کوئی احترام نہیں تھا۔ ایسے بیوی کے غلام لوگ تو انتہائی قابل نفرت ہوتے ہیں جو حقیقتوں کو کبھی نہ نہیں رکھتے اور بیوی کی جوتیاں چاٹتے رہتے ہیں۔ میں نے نفرت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا تو وہ لے۔

”آپ لوگ جانتے ہیں کہ یہ بھرا پڑا ہوٹل ہے۔ نہ یہ آپ کی کوٹھی ہے اور نہ بے بی یہ تمہارا کوئی ٹھکانہ۔ چاروں طرف لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جو کچھ ہو گا اسے تم میں سے کوئی نہیں سنبھال سکے گا۔ تم ان کے دماغ میں ضرورت سے زیادہ ہی خرابی ہو گئی ہے۔“

”اپنے الفاظ پر قابو رکھو اور اس وقت خود کو میرا شوہر نہ تصور کرو ورنہ نتیجے کے ذمہ دار تم خود گے۔“ الماس آراء خوشخوار لہجے میں بولیں۔

”تم لوگ یہاں سے اٹھو اور باہر چلو۔ باہر چل کر کوئی بھی بات کی جاسکتی ہے۔“

”میں پوچھتی ہوں تم یہاں تک پہنچے کیسے؟“ الماس آراء نے کہا۔

”آپ کی تیاریوں پر مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ ضرور کوئی خطرناک کھیل کھیلنے جا رہی ہیں۔ بھائی! عزت بنانا مشکل کام ہے اور خاص طور سے آپ خواتین اللہ کی طرف سے عذاب ہیں مردوں کے لئے۔ چھوٹی دلی عقلیں ہوتی ہیں آپ کی اور کام کرنا چاہتی ہیں بڑے بڑے۔ سنو الماس آراء! اٹھ جاؤ یہاں سے ورنہ مانیں ہوگا۔“

”میں کہتی ہوں کہ تم واپس جاؤ۔ یہ لڑکی بے حد ہٹ دھرم ہے۔ میں نے اسے پیشکش کی تھی کہ ہا ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیتی ہوں وہاں بیٹھ کر بات چیت ہوگی لیکن یہ ضرورت سے زیادہ لاک بننے کی کوشش کر رہی ہے ان دنوں اور یہ حقیقت ہے کمال کہ اگر میرا اس سے تھوڑا سا ذہنی لگاؤ نہ رہتا اور میں خود اپنی حماقت کا شکار نہ ہو جاتی تو اب تک اس کی لاش کسی ویرانے میں پڑی سڑ رہی ہوتی۔“

”محترمہ الماس بیگم! غلط فہمیاں انسان کو زندہ رکھتی ہیں۔ آپ بھی اپنی غلط فہمیوں میں ہی زندہ ہیں۔ زانم پیشہ بھائیوں کے ساتھ آپ اپنے آپ کو بھی تمیں مار خان سمجھنے لگی ہیں۔ بات اب اس حد تک آگے بڑھ گئی ہے کہ آپ کا کوئی احترام میرے دل میں نہیں رہا ہے۔ سودے بازی کے لئے بلایا تھا آپ نے مجھے، میں آگئی ہوں سودے بازی کرنے کے لئے۔ جہاں تک میری لاش کسی ویرانے میں سڑنے کا سوال ہے تو فزائش تو میری بھی یہی ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے آپ جیسے لوگوں کی یہ دنیا چھوڑ دوں لیکن کچھ ذمہ داریاں زندہ رکھے ہوئے ہیں مجھے اور یہ ذمہ داریاں مجھے زندہ رکھیں گی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے آپ کی اپنی لاش کسی ویرانے میں پڑی سڑ جائے اور آپ کو کفن بھی نہ ملے۔“

”ٹھیک ہے۔ ہوٹل کے سپروائزر کے پاس جاتا ہوں۔ سارا کیس اس کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ویٹر

چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر کسی قدر غصیلے لہجے میں بولا۔

”ٹھیک ہے۔ وہ آجائیں تو ہم ان سے بات کرتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ میں پرسکون انداز میں اپنی میز پر بیٹھی رہی بلکہ خود کو اور زیادہ بے پروا ظاہر کرنے کے لئے میں نے اپنے لئے کس جوس طلب کر لیا جو فوراً ہی سرور کر دیا گیا اور میں اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔ خاصی دیر کے بعد میں نے ظفر خان اور الماس آراء بیگم کو اندر آتے ہوئے دیکھا اور میں نے سامنے رکھا جوس کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ دونوں میرے پاس آگئے۔ ظفر خان نے الماس آراء کے لئے کرسی گھمائی۔ ان کے بیٹھ جانے کے بعد اس نے دوسری کرسی کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ الماس آراء نے کہا۔

”جاؤ..... کسی اور میز پر جا کر بیٹھو۔ تمہیں خود اتنی تمیز نہیں ہے۔“

”میری ضرورت..... بیگم صاحب۔ ٹھیک ہے میں باہر موجود ہوں۔“ اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔ الماس آراء سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور پھر شعلہ بار نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ ان کا خیال تھا کہ میں ندوس ہوں گی لیکن اس کا کیا سوال تھا۔ میں خاموش بیٹھی انہیں گھور رہی تھی۔

”بالکل دیوانی ہو چکی ہو۔“ وہ غرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

”صرف کام کی بات بیگم صاحبہ۔“ میں نے پتھر لے لہجے میں کہا۔

”میں نے تمہاری پرورش میں کوئی کمی نہیں چھوڑی حالانکہ اگر میں چاہتی تو.....“

”مجھے بھی نوکروں کے کوارٹر میں بھجوا دیتیں۔“ میں نے طنزیہ کہا۔

”ہاں۔ میں ایسا کر سکتی تھی۔“

”آپ کی ہوس کو ایک بچہ درکار تھا جو آپ پیدا نہیں کر سکی تھیں کیونکہ آپ بانجھ تھیں۔“ میں نے کہا اور الماس آراء کا منہ ایک لمحے کے لئے حیرت سے کھل گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس پر سرفنی آنے لگی اور کچھ ہی لمحوں کے بعد ان کا چہرہ گہرا سرخ ہو گیا اور آنکھیں چمکنے لگیں۔

”مجھے جانتی ہو۔ خود سے بد تمیزی کرنے والوں کو میں زندہ آگ میں جلوا دیتی ہوں۔“

”ان لوگوں کا نام پتا بتا سکتی ہیں بیگم صاحبہ جنہیں آپ نے زندہ جلوایا ہے؟“ میں نے زہریلے لہجے میں کہا اور الماس آراء تمللا کر مجھے گھورنے لگیں۔ پھر بولیں۔

”تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے۔“

”نہیں۔ آپ نے ضرور ایسا کیا ہوگا۔ میں تو صرف آپ کے خلاف ثبوت حاصل کرنا چاہتی ہوں تاکہ آپ کو پھانسی کے تختے تک پہنچانے میں آسانی ہو۔“

الماس آراء شدت غضب سے بری طرح مغلوب ہو گئیں۔ انہوں نے پاس رکھا ہوا پرس اٹھایا۔ اسے کھولا اور دوسرے لمحے ان کے ہاتھ میں ایک ننھا سا ریوالور نظر آیا لیکن اسی وقت ایک ہاتھ ان کی کلائی پر آگرا اور اس نے الماس آراء کا ہاتھ میز کے نیچے کر دیا۔

تم دونوں کو پکڑ کر یہاں سے نکال دیں گے۔ ایک لمحے کے اندر اندر نہ اٹھ گئیں تو میں یہ کام کروں
 ”میں کہتی ہوں کہ تم ہمارے پھدے میں ٹانگ کیوں اڑا رہے ہو؟“
 ”اوکے۔ اوکے۔ ٹھیک ہے۔“ کمال احمد صاحب واپسی کے لئے مڑے تو الماس آراء بیگم نے
 ”سنو۔ کمرہ نمبر ایک سو آٹھ میرے پاس موجود ہے اور اس کی چابی میرے پاس ہے۔ اس
 میرا ایک آدمی ظفر خان بھی یہاں موجود ہے۔ اس سے کو کمرے میں چل کر مجھ سے بات کرے۔“
 ”تاکہ آپ دونوں مل کر مجھ پر آسانی سے قابو پا سکیں۔ معاف کیجئے گا تایا صاحب! اخلافا آپ
 کہہ رہی ہوں ورنہ اپنے خاندان کا اپنے ماں باپ کا دشمن بھی کہہ سکتی ہوں میں آپ کو۔ اگر آپ
 ہیں کہ آپ کی باتوں پر مجھے اعتبار ہے تو یہ آپ کی بھول ہے۔“ تایا صاحب نے مجھے بغور دیکھا پھر
 آراء بیگم سے چھینا ہوا پستول میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔
 کمرے میں چل کر اگر یہ تمہارے ساتھ کوئی بڑا کرنے کی کوشش کریں تو تم بے دھڑک بے
 استعمال کر سکتی ہو۔“

”کمال احمد.....“ تائی صاحبہ غرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔
 ”اٹھو..... اٹھو شاہ نور کمرہ نمبر ایک سو آٹھ کی طرف چلو۔ یہ خاتون اگر آنا چاہیں گی تو آ
 گی۔ اطمینان رکھو۔ میرے ہوتے ہوئے تمہارے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتیں یہ.....“
 میں نے ایک لمحہ کے لئے سوچا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ پھر تایا صاحب کے ساتھ میں لا
 جانب بڑھی۔ ہم لوگ راہداری کے آخری سرے تک ٹھلے ہوئے چلے گئے۔ نہ میں کچھ بولی تھی
 صاحب۔ ہم انتظار کر رہے تھے کہ ممکن ہے الماس بیگم آہی جائیں اور بہر حال انہیں عقل آگئی۔
 تھیں اور پھر کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا۔ میں نے کہا۔
 ”دیکھئے تایا صاحب! معافی چاہتی ہوں۔ آپ کے کہنے پر یہاں تک آگئی ہوں اگر تائی صاحبہ
 بھی حرکت کرنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ انہیں گولی مار دوں گی۔ آپ کو صورت حال کا پورا پورا
 ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میں اس وقت جنون کی ایسی منزل پر ہوں کہ کوئی تکلف نہیں کر سکتی ہوں
 رہے ہیں نا آپ! بالکل معذرت چاہتی ہوں۔ یہ کام کے بغیر نہیں رہ سکوں گی میں۔“
 ”تم چلو میرے ساتھ“ جو تمہارا دل چاہے تم کرنا مگر پہلے ذرا تفصیلی بات چیت کر لیتے ہیں۔“
 ”ٹھیک ہے“ آئیے میں بزدل نہیں ہوں۔ یہاں ایک خطرناک آدمی تائی صاحبہ کے دست راہ
 حیثیت سے کام کر رہا ہے۔“

”ظفر شاہ کی بات کر رہی ہو نا؟“

”جی۔“

”جنتا خطرناک وہ ہے میں جانتا ہوں اچھی طرح سے۔ تم پستول چیک کر لو بات ختم ہو جاتی ہے
 اندر کچھ ہوا تو اس کا الزام میں اپنے سر لوں گا“ وعدہ کرتا ہوں۔“ کمال احمد نے کہا۔
 ”ٹھیک ہے آئیے۔“ میں کمرے میں داخل ہو گئی۔ الماس بیگم صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں

ابھی نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھا۔ تایا صاحب نے پلٹ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔
 ”تم نے جو مداخلت کی ہے کمال احمد“ اور تم نے جس طرح چوروں کی طرح میرا تعاقب کیا ہے اس کا
 میں پورا پورا جواب دینا پڑے گا۔“
 ”دیکھو الماس! برائی کی بے شک ایک حد تک ہوتی ہے اور ہم اس کی توقع بھی رکھتے ہیں۔ جب میں
 نے تم سے شادی کی تھی تو تم اتنی بری عورت نہیں تھیں بعد میں تمہارے بارے میں مجھے تفصیلات معلوم
 کہیں۔ تمہارے بھائیوں نے تمہیں سر پر چڑھا کر جو کچھ بنا دیا وہ میرے علم میں نہیں تھا۔ مجھے خود بھی اس
 سے نقصانات ہوئے لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ اگر تم میری حیثیت بالکل ہی ختم کر دو تو یقین کر دو ختم
 دے ہوئے بھی میں تمہیں ختم کئے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔ آج پہلی بار یہ بات کہہ رہا ہوں۔ تمہارے لئے
 جی ضرور ہوگی لیکن اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دینا کہ بھائیوں کی مدد سے تم دنیا کے ہر شخص کو اپنا
 لام بنا سکتی ہو۔“

”اوسنہ۔“ الماس بیگم نے نفرت سے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

”مجھ سے کچھ بھی کہہ لو لیکن کم از کم اس لڑکی سے سکون سے بات کر لو۔“

”میں اس سے تمہارے سامنے بات نہیں کرنا چاہتی۔“

”اس کی میں تمہیں اجازت نہیں دوں گا۔ صرف دو منٹ دیتا ہوں۔ تم لوگوں نے اگر کام کی بات
 شروع نہیں کر دی تو پھر میں شاہ نور کو لے کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔ یہ اپنے راستے چلی جائے گی اور میں
 اپنے راستے۔ میں سکیڈ گزر چکے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے کمال احمد۔ بہت اچھا پورا لگایا ہے تم نے۔ پروان چڑھنے دو اسے۔ اس لڑکی
 کے بارے میں تم کیا کہتے ہوئے میں نے دنیا کی ہر خوشی دی۔ جس کی پرورش کے لئے میں نے وہ کیا جو اپنی
 ذات کے لئے بھی نہیں کیا۔ آج دیکھ رہے ہو کہ اس کا رویہ کیا ہے۔ کیا کہہ رہی ہے۔ کیا کیا الفاظ کہہ چکی
 ہے یہ مجھ سے۔ کہتی ہے کہ آپ کو ایک بچہ درکار تھا جو آپ پیدا نہیں کر سکیں کیونکہ بائجھ تھیں۔ آپ نے
 مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ اگر آپ بائجھ نہ ہوتیں تو آپ مجھے ملازموں کے کوارٹروں میں بھجوا دیتیں۔
 مجھ سے کہہ رہی تھی یہ کہ جن لوگوں کو آپ نے زندہ جلایا ہے“ ذرا ان کے نام اور پتے تو بتا دیجئے تاکہ میں
 آپ کو پھانسی کے تختے تک پہنچا سکوں۔ یہ کہہ رہی تھی یہ مجھ سے جس کے بارے میں تم جانتے ہو کہ میں
 نے کس انداز میں سوچا ہے۔“

”ایک منٹ، ایک منٹ۔ یہ الفاظ میں نے کہے تھے کمال احمد صاحب! لیکن جو کچھ میرے ساتھ ہو چکا
 ہے۔ اس کا علم تو آپ کو ہو گا اچھی طرح۔ چلئے آج اعتراف کر لیجئے اپنے گندے گناہوں کا جن کا اعتراف کر
 کے آپ اپنے آپ کو نالی کا کیرا سمجھیں۔ تایا صاحب آپ یہ محسوس کریں گے کہ گندی نالیوں میں ریگننے
 والے کیرے آپ سے کہیں باعزت اور باوقار ہوتے ہیں۔ اپنی زندگی ان ہی گندی نالیوں میں اپنی ضرورت
 کے مطابق گزار دیتے ہیں۔ آپ کی طرح دوسروں کی زندگی تنگ نہیں کرتے۔ آپ کو شرم نہیں آئی کہ
 آپ کا اپنا رگ بھائی کس مصیبت میں پھنسا۔ الماس بیگم نے اپنے بھائی کی زندگی بچانے کے لئے آپ کے

بھائی کو قریان کر دیا۔ سزائے موت آپ کے بھائی کو ہو یا عمر قید اور اس کے بعد اس خوف کے تحت کہیں زندگی میں اس کا کوئی مددگار نہ پیدا ہو جائے، کہیں وہ سچائیوں کا اظہار نہ کرے اسے غائب کروا گیا۔ ان جرائم پیشہ لوگوں نے جن میں آپ کی بیگم بھی شامل ہیں، آپ کو ایسے کسی لمحے پر شرم نہیں کمال احمد صاحب! میری ماں کو رعایتی طور پر زندہ رہنے دیا گیا۔ میری ماں اور بہنوں کو ان کی اپنی کوششوں کو بروکس کی طرح زندگی بسر کرنی پڑی۔ پایا بخت مراد اگر انہیں سہارا نہ دیتے تو یہ ظالم عورت تو انہیں زندہ جلو ادیتی جو خود اعتراف کرتی ہے۔

”اور سنو“ اور سنو کمال احمد! سن لو۔ اپنا شوق پورا کر لو اس کے بعد میرے شوق پورے کرنا وقت آئے گا۔“

الماس آراء بیگم نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ کمال احمد نے ان کی بات کا کوئی اثر نہیں لیا۔ خامو پھرائے ہوئے سے مجھے دیکھتے رہے۔ میں نے کہا۔

”کمال احمد صاحب! ایک بات سن لیجئے۔ بڑی اچھی حویلی میں رہ رہے ہیں آپ، لیکن اب خیر منہ اس حویلی کی۔ اس عورت سے کہیے کہ میری ماں اور بہنوں کو میرے حوالے کر دے۔ میرے باپ بارے میں مجھے صحیح اطلاع دے کہ وہ کہاں ہیں اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو قسم کھاتی ہوں اپنے معبود کی اس حویلی کی جگہ صرف کھنڈر نظر آئے گا۔ اس حویلی میں جو کوئی بھی ہے وہ مرجائے گا اور یہ ہی نہیں اس عورت کے اہل خاندان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میں انتقام کا نمونہ بن جاؤ گی۔ کمال احمد صاحب یہ میری وارننگ ہے آپ سن لیجئے۔ اچھی طرح سن لیجئے۔“

الماس بیگم نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن ان کے چہرے کی بے چینی سے یہ اظہار ہوتا تھا کہ سخت جنون کا شکار ہوتی جا رہی ہیں۔ میں خاموش ہوئی تو انہوں نے کہا۔

”اور کچھ؟“

”الماس تم تھوڑی دیر کے لئے خاموشی اختیار کرو، پلیز۔“

”خاموش ہوں، خاموش ہوں، خاموش ہوں۔“ الماس آراء نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”کیا کہتے ہیں اس سلسلے میں جناب قبلہ تایا صاحب؟“

”اگر تمہاری یہ باتیں سچ ہیں تو میں کچھ کروں گا اس سلسلے میں۔ اگر تمہارے ماں باپ کا مسئلہ ہے تم مجھ پر یقین کرو۔ الماس کو اگر اس کا علم ہے تو میں تلاش کر کے انہیں تمہارے بارے میں بتاؤں گا۔ ایک بات میں بھی تم سے کہنا چاہتا ہوں شاہ نور، الماس جس مزاج کی خاتون بھی ہوں لیکن تمہارے ساتھ میں وہ ہمیشہ مخلص رہی ہیں۔ تم سے انہوں نے جنونی انداز میں محبت کی ہے۔ تمہیں بالکل اپنی اولاد ہے۔ تم اگر چاہو تو ان کے گلے میں بانٹیں ڈال کر اپنی ماں اور بہنوں کو پتا پوچھ سکتی ہو۔“

”ان بانسوں کو میں بازوؤں کے پاس سے کٹ دوں گی کمال احمد! تم میری عادت جانتے ہو۔ یہ کبھی اب ختم ہو چکا ہے۔ میں ہاتھ ہوں اولاد نہیں پیدا کر سکتی۔ میں تو وہ کھیل کھیلوں گی جو تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہ لڑکی..... یہ لڑکی اگر میرے ہاتھ لگ گئی تو میں اسے بھی بانجھ کر ادوں گی تاکہ یہ بھی کبھی کو

نہ پیدا کر سکے۔ زندہ رکھوں گی میں اسے۔ میں نے اس سے کہا ہے کہ میں نے بہت سوں کو زندہ جلوا ہے تو اس نے کہا ہے کہ ان کے نام پتے اسے بتا دوں تاکہ یہ مجھے سزائے موت دلوا سکے۔ سن بے بی میری لاڈلی۔ اب میں تیری ماں اور بہنوں کو زندہ جلاؤں گی۔ تجھے ان کے نام اور پتے پوچھنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ یہ کام میں کروں گی، سمجھ رہی ہے ناں۔ الماس آراء ہے میرا نام بھی۔ لے چلو اسے احمد اپنے ساتھ۔ بڑے پیار سے رکھوں گی میں اسے۔ ہو سکتا ہے میں اس کی فضول باتوں کو بھلا کر معاف کر دوں۔ لے چلو۔“

الماس آراء نے آنکھ دبا کر کہا اس کے چہرے پر شیطان ناچ رہا تھا اور اس کے طنزیہ الفاظ کو کمال احمد محسوس کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔

”الماس! اگر تم خود کو یا اپنے بھائیوں کو اس ملک کا سب سے بڑا غنڈہ سمجھتی ہو تو یہ خیال اپنے دل نکال دو۔ میں شریف آدمی ہوں لیکن میری شرافت کو اگر تم نے چیلنج کیا تو جب تک جیتی رہو گی سر پر رکھے روٹی رہو گی۔“

”جانتی ہوں۔ جانتی ہوں، تمہاری شرافت کو چیلنج کر رہی ہوں میں۔ سر پر ہاتھ رکھ کر رونا چاہتی

”ایسا کرو شاہ نور! تم جہاں جانا چاہتی ہو جاؤ۔ میں کل دن کو ساڑھے بارہ بجے تمہارے فون کا انتظار لگاؤں گا۔ تم مجھے فون کرنا۔ اس وقت تک میں صورت حال کافی بہتر کر لوں گا۔ ہو سکتا ہے میں تم پر بہت سے ماف کروں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں قدسیہ بیگم اور بچوں تک پہنچا دوں۔ سمجھ رہی ہو نا۔ جاؤ گل جاؤ یہاں سے۔ ریوالور اپنے پاس رکھو اور سنو یہ کچھ نوٹ بھی رکھ لو۔ تمہارے کام آئیں گے۔ مجھے اگر نا اس بات کو نہ بھولانا۔“

میں نے نفرت بھرے انداز میں تایا جان کے نوٹوں پر تھوک دیا اور اس کے بعد ان دونوں پر کراخت بڑھاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی لیکن اس کے لئے میں تیار تھی کہ عقب سے کوئی حرکت ہو یا نی طور پر مجھے روکا جائے تو میں اپنے طور پر کام شروع کر دوں۔ بہر حال مجھے اپنی زندگی سے اتنی کوئی ہی نہیں تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان موت کے ساتھ آنکھ جھولی کھلیا ہے اور اسے دعوت ہے کہ آجیے پکڑ لے۔ اس وقت اس کے دل میں خوف کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ دنیا چھوڑنی ہی ہوتی ہے نہ ایک دن اگر کسی مقصد کے لئے دنیا چھوڑ دی جائے تو کم از کم دنیا چھوڑنے کا مزہ بھی آتا ہے۔ ظفر مجھے کیس نظر نہیں آیا تھا البتہ اس بات کو ذہن میں رکھا تھا میں نے کہ ہو سکتا ہے کہ ظفر شاہ میرا قب کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ کافی دور تک پیدل چلنے کے بعد میں نے ٹیکسی لی تھی اور پھر تین چار میل بدلتی ہوئی اپنے ہوٹل میں پہنچی تھی۔ ہر وقت دل میں یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ رقم جو میں نے پارکس کے کسی کے ہاتھ نہ لگ جائے چنانچہ یہ سوچ کر واپس آنے کے بعد میں نے نوٹوں سے بھرے بے برف کیس کو دیکھا۔ ابھی تک ایک بار بھی میں نے یہ پوری رقم گننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ زندگی نام کی پیسے یا دولت کے بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ سانسوں کو آگے بڑھانے

کے لئے زندگی کا کوئی مقصد پانے کے لئے دولت کتنی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس کے بغیر ان کا کارہ اور بے مقصد ہو جاتا ہے۔

پھر ایک سیدھا سچا سا خیال دل میں آیا۔ اس رقم کو یہاں چھپانے کے بجائے کیوں نہ کسی محفوظ کر دیا جائے۔ حالانکہ اتنی بڑی رقم کا معاملہ تھا لیکن بہر حال یہ رقم بینک میں رکھی جاسکتی تھی۔ فیصلہ کیا کہ دوسرے دن سب سے پہلا کام یہی کروں گی۔ کم از کم اس خدشے سے تو چھٹکارا حاصل گا۔ پھر اس کے بعد سوچوں کے دائروں کے درمیان پہنچ گئی۔ آج جو ملاقات ہوئی تھی محترمہ الما سے، اس سے ان کی شخصیت کھل کر سامنے آگئی تھی۔ تایا کمال احمد تو مٹی کے مادھو تھے۔ موم جدرہ چاہو موڑ دو۔ پیوی پر بس اتنی ہی اجارہ داری رکھتے تھے کہ کسی مسئلے میں ٹانگ اڑا دی اور بعد منہ کی کھائی۔ دیکھنا یہ تھا کہ کل دوپہر میں کیا تیر مارے ہیں وہ۔ مجھے یقین تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں گے اب تک جو تجربہ ہوا تھا الماس بیگم کے بارے میں اس کے تحت یہ بات پورے آرام سے کہی جا کہ وہ کمال احمد کو کچھ بھی نہیں سمجھتی تھیں اور بقول شخص وہ کسی بھی کھیت کی مولیٰ نہیں تھے۔ جو ہے خود ہی کرنا ہوگا۔ ایک عجیب سی خواہش دل میں پیدا ہوئی۔ کاش کوئی ایسا دوست ایسا ساتھی ہو تو موقع پر اور کچھ نہ سہی تو کم از کم ساتھ ہی کھڑا نظر آتا تھا۔ کوئی مشورہ ہی دے دیتا۔ مودل سپورٹ تو بہت سے مسئلے حل ہو سکتے تھے لیکن منحوس الماس آراء کی صحبت میں جو زندگی گزار رہی تھی اس پر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ انسانوں کو کبھی اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اپنے برابر لاکھڑا کیا جاسکے۔ لڑکے الگ کی بات ہیں کسی لڑکی سے بھی دوستی نہیں ہو پائی تھی اور میری ذات بالکل تنہا تھی۔ بہر حال جو اس کے لئے افسوس کرنا بالکل بے کار بات تھی۔ مسئلہ یہی تھا کہ تائی صاحبہ کی ایسی تہمتی کرنی ہے تو خیر ہر طرح سے اب پایہ تکمیل تک پہنچ گئی تھی کہ ماں اور بہنوں کو بعد بخت بابا کے تائی ہی نے تھا۔ اچانک ہی ایک خیال دل میں آیا۔ ظفر شاہ بہر طور ہر حالت میں تائی ہی کا گر گا ہے۔ اسی نے ملاقات کا بندوبست بھی کیا تھا۔ باتیں چاہے کتنی ہی بنائی ہوں اس نے لیکن وہ اس بات کا ذمہ دار تھا نے میرا تعاقب کر کے الماس بیگم کو بخت بابا کے گھر کا پتا بتایا تھا۔ اگر اسے اس بات کا علم بھی نہیں کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہئے کہ وہ الماس بیگم سے میری ماں بہنوں کا پتا کرنے۔ والد صاحب کے بارے تو خیر ابھی معلومات ہونا تو مشکل ہی تھا۔ اس کے لئے تو ذرا قدم مضبوط ہو جانے کے بعد ہی کوئی جاسکتا تھا لیکن فوری طور پر ماں اور بہنوں کا جو معاملہ تھا اس کے لئے ظفر شاہ کا سہارا لینا بڑا ضرور اسے شیشے میں اتارنے کے لئے کیا انتظامات ہو سکتے ہیں میں نے دل میں سوچا کہ ویسے تو اگر کوشش کر اسے بے وقوف بنا کر کوئی بھی نقصان پہنچا سکتی ہوں لیکن کوئی ایسا عمل ہونا چاہئے جس سے ظفر شاہ قبضے میں آسکے۔ چنانچہ بہت غور و خوض کے بعد ایک اور فیصلہ کیا۔ ہر شخص کی کوئی نہ کوئی کمزوری ہے۔ ظفر شاہ کے بارے میں یہ بات تو پتہ چل چکی تھی کہ مکمل طور سے وہ ایئر لائن ریستوران یا اس میں رہتا ہے اور وہیں سے اس کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں۔ ایسا کیا جائے کہ وہاں ظفر دیکھا جائے۔ اس کا مسلسل تعاقب کیا جائے اور اس سے متعلق کسی ایسی شخصیت کا پتا کیا جائے جو اس

جذباتی اہمیت کی حامل ہو۔ پھر اس کے بل پر اسے اپنے کام کے لئے مجبور کیا جائے۔ شام ہوگئی۔ کھانے پینے کا اب کوئی مسئلہ نہیں رہا تھا۔ کھانا وغیرہ کھایا۔ آرام کرنے لیٹ گئی۔ پھر ایک حواس ساتھ دیتے رہے اسی مسئلے میں سوچتی رہی۔ آخر کار نیند نے آنکھوں میں جگہ بنائی۔

بے دن خوب دیر سے جاگی تھی۔ ناشتہ طلب کرنے پر وینٹر نے کہا اب کھانے کا وقت ہے چنانچہ میں نے اسے کھانا لانے کی ہدایت کر گھڑی میں وقت دیکھا تو ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ دوڑتی ہوئی نیچے آئی تھی اور پھر ہوٹل ہی میں ہوئے ٹیلی فون بوتھ سے گھر کے نمبر ڈائل کئے تھے۔ گھنٹی بجتی رہی۔ مجھے یہ خوف تھا کہ کمال احمد رکر کے کہیں چلے نہ گئے ہوں۔ بہر حال پھر دوسری طرف سے ریسیو کیا گیا۔ آواز الماس بیگم کی تھی اور آواز میں زہر بھرا ہوا تھا۔

”ہیلو۔“

”میں شاہ نور پور رہی ہوں۔“

”پتہ ہے مجھے۔“ دوسری طرف سے زہریلی آواز سنائی دی۔

”کمال احمد صاحب کہاں ہیں؟“

”گڈ..... مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے انہیں تیا کھنے کے بجائے کمال احمد کہہ کر مخاطب کیا۔“

”الماس بیگم یہ وقت مجھے دیا گیا تھا بات کرنے کے لئے۔ آپ براہ کرم ٹیلی فون کمال احمد صاحب کو دیں۔“ جواب میں الماس بیگم کی ہلکی سی ہنسی سنائی دی تھی۔ پھر انہوں نے کہا۔

”بے وقوف پنچی! تجھے پہلے بھی میں نے بتا دیا تھا کہ میرا نام الماس آراء ہے۔ مجھ سے دشمنی کی لڑکھنڈا کر کرتی جائے گی یہ سمجھ لے تیری قبر کی گہرائی بھی اتنی ہی ہوتی چلی جائے گی۔ کمال احمد نے آج کیا ہے اپنے اس کیے کی سزا پارہے ہیں۔ بے شک وہ شخص میرا شوہر ہے لیکن میں کیا کروں، میری بات ہی ایسی ہے۔ میں شہنشاہ پیدا ہوئی ہوں۔ شہنشاہ کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہوں اور شہنشاہ ہی کی بت سے مرجاؤں گی۔ تم جانتی ہو نا کہ شہنشاہ کیا چیز ہوتی ہے۔ بادشاہ اپنے ملک کا حکمران اپنی ریاست کا نرزا ہوتا ہے لیکن شہنشاہ بے شمار ریاستوں کا مالک ہوتا ہے۔ یہ فرق ہے بادشاہ اور شہنشاہ کا اور تو ذرا فک کی پنچی اس فرق کو سمجھ لے۔ کمال احمد سے اب تیری کوئی ملاقات نہیں ہوگی۔ میں نے اسے اس کی ات تیار ہی ہے۔ یہ بتا دیا ہے کہ نہ تو وہ میرے کسی بچے کا باپ ہے اور نہ ہی میری ذات پر اس کا کوئی ہے۔ ایسی صورت میں صرف یہی ہو سکتا تھا کہ ایک شریف زادی کی حیثیت سے میں اسے شوہر مانتی تھی لیکن شوہر کا جو درجہ میری نگاہوں میں ہے اس نے اس سے تجاوز کرنے کی کوشش کی تھی کل۔ میں بالکل برداشت نہیں کر سکتی اور ٹوٹن۔ میں ابھی تجھے کئی مواقع دوں گی۔ جس مصیبت میں تو گرفتار ہوئی اس سے چھٹکارا پالے۔ میرے پاس آ، میرے قدموں میں بیٹھ کر میرے ٹکڑوں کو چاٹ، مجھ سے معافی تو وہ اس وقت تک جب تک مجھے تجھ پر رحم نہ آجائے۔ میں تجھے ماروں گی نہیں۔ ابھی تک تو بہر حال مائے تجھے زندگی کا بہت اچھا وقت بھی دیا ہے۔ گویا اس پر شرمندہ ہوں پھر بھی انسانی فطرت میں رحم کی

لے پناہ مان سکتے تھے۔ رات کو تین چار بجے تک سوچتی رہی تھی اور یہ طے کر لیا تھا کہ اب الماس بیگم کا بیچ قبول کرتے ہوئے اگر اپنی تمام تر صلاحیتوں کا استعمال نہ کیا تو اس تجربہ کار عورت کو شکار ہو جاؤں گی۔ دوسری بات ذرا فلمی انداز کی تھی لیکن فلمیں بھی شاید ایسی ہی حقیقت سے متاثر ہو کر بنائی جاتی ہیں یہی حقیقت کا میں شکار تھی۔ میں نے ایک عہدہ کیا تھا اور وہ عہدہ یہ تھا کہ اگر میرا باپ زندہ ہے تو چاہے

ماس بیگم نے انہیں ہسپتال کی گھڑیوں میں ہی کیوں نہ چھپا رکھا ہو میں انہیں نکال کر لاؤں گی۔ میں انہیں اؤں گی کہ بیٹیاں بھی کسی طرح بیٹوں سے کم نہیں ہوتیں۔ قدرت نے مجھے اس کا موقع فراہم کیا تھا کہ میں ہمارے کون 'اپنے باپ کے لئے اور جان دے دوں اس کو شش میں کہ اگر وہ زندہ ہے تو اسے مکمل طور پر زندگی بخشوں۔ دوسرا مسئلہ ماں کا تھا۔ دل ہی دل میں 'میں نے قسم کھائی تھی کہ الماس بیگم 'میں اپنی ماں کا اہم کرنا چاہتی تھی۔ انہیں زندگی سے قریب لانا چاہتی تھی لیکن اگر تم نے زندگی ان پر مختصر کر دی 'تمہاری بہ سے وہ علاحدہ رہیں اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں تو ان کی موت تو خیر مکمل طور پر قدرتی ہوگی 'آنے والا ایک بار آتا ہے اور ایک ہی بار چلا جاتا ہے لیکن کچھ لوگ اپنے نام پر کالک لگا لیتے ہیں اگر یہ کالک ماری تقدیر میں ہوئی تو تم یقین کرنا کہ میری ماں توئی بی سے مرے گی لیکن تم کتے کی موت ماری جاؤ گی۔ اس کے بعد بھی اگر میں اپنی شرافت کا دامن پکڑے رہوں تو اسے شرافت نہیں 'بے غیرتی کہا جاتا ہے اور رھال میں بے غیرت نہیں ثابت ہوں گی۔ برا عزم پیدا ہو گیا تھا میرے اندر۔ کچھ منصوبے بھی بنائے تھے۔ ردل میں یہ سوچا تھا کہ ان پر ٹھوس طریقے سے کام کروں گی۔ چنانچہ تیار ہو گئی اور اس کے بعد دوسری جانب ٹائٹے وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے نکل آئی۔ میں نے بڑی رقم بینک میں ڈپازٹ کرادی تھی۔ ایک رہات بھی خاص طور سے ذہن میں رکھی تھی وہ یہ کہ کسی ایک بینک میں سارے اکاؤنٹ نہ ہوں۔ بلکہ ر کے مختلف حصوں میں کئی بینکوں میں یہ اکاؤنٹ کھولے جائیں۔ پچھلے دن اتنی بڑی رقم سے اکاؤنٹ کھولنے ہوئے بینک مینجر نے میرا برا احترام کیا تھا اور دلچسپ بات یہ تھی کہ خود میری گارنٹی دے دی تھی لاکہ یہ ایک رسمی اور امتحانہ بات تھی۔ بھلا اتنی بڑی رقم میں بینک میں جمع کرا رہی تھی اور میری گارنٹی نامزد تھی۔ رقم تو بذات خود ایک گارنٹی ہوتی ہے لیکن خیر بینکوں کے اصول۔

میں نے تین بینکوں میں اپنا اکاؤنٹ کھولا۔ تیسرے بینک میں ایک بڑی رقم جمع کراتے ہوئے مجھے وڈا سا انتظار کرنا پڑا۔ یہ ڈے اور ٹائٹ شفٹ بینک تھا شام کافی گہری ہو رہی تھی میں انتظار کرتی رہی اور اس انتظار کے دوران میں نے اس چوڑے شانے والے نوجوان کو دیکھا جو نیلے رنگ کی ایک چھچھوری سی پیش پئے ہوئے تھا۔ اس پر کوئی مونو گرام بنا ہوا تھا جس پر کچھ عجیب سے بے ہودہ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ شخص خاصی خطرناک صورت کا مالک تھا اور میں نے جو خاص بات دیکھی تھی وہ یہ تھی کہ وہ بھوکے انہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ میرے پاس اب بھی اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ میرے ذہن میں پہلا خیال آیا کہ یہ جو خونخوار شکل والا کوئی اچھا آدمی نہیں ہو سکتا۔ اس کی آنکھوں میں خون کی سرخی لہرا رہی تھی۔ اس کے نقوش یہ بتاتے تھے کہ وہ کوئی جراثیم پیشہ آدمی ہے۔ مونے مونے ہونٹوں کے پیچھے دانتوں کی لمبھدی اور بد نما قطار جھانک رہی تھی۔ دانت معمول سے خاصے بڑے تھے جس کی وجہ سے اس کے

بڑی مہجائش ہوتی ہے۔ رحم آتا ہے مجھے تجھ پر اور رحم کرتے ہوئے میں تجھے زندگی دے رہی ہوں بے چارہ کر بھی کیا سکتا ہے۔ تین دن تک تیرا انتظار کروں گی۔ تین دن کے اندر اندر پشیمان چہرہ ہوئی کروں لے کر نہ آگئی تو اس کے بعد تیرے اوپر اس برے وقت کا آغاز ہو گا جس کے بارے میں نہیں سکتی۔

"بہت بڑی بری باتیں کی ہیں تم نے 'الماس بیگم! لیکن اس کے جواب میں صرف ایک بات کہ میں شریف زادی ہوں 'ایک شریف باپ کی بیٹی اور آپ کیا ہیں 'یہ آپ خود جانتی ہیں 'ٹھیک ہے۔ صاحب کے ساتھ یہی سب کچھ ہونا چاہیے تھا۔ بہت اچھا کیا آپ نے کم از کم ایک مرحلے پر توجہ بخشی۔ بے شک جو مرو ہو کر اپنے گھر پر اپنا اقتدار قائم نہ کر سکے 'جو گھر کے ماحول کو بہتر نہ بنا سکے اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے اور یونہی ہونا بھی چاہیے۔ آپ کے جال آپ کے قریب میں احمد نے اپنے بھائی کو عذاب میں گرفتار کر دیا۔ اپنی بھانجیوں کو دبدب کر دیا اس کے اب بھی آپ کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ اس کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیے۔ میں تو کہتی ہوں شخص کو آپ کھال اترو کر نمک لگا دیجئے لیکن میں آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ گزرنے والے میرے دل میں آپ کی نفرت کے پودے کو پروان چڑھاتا جا رہا ہے اور مجھے یوں لگتا ہے جیسے چندہ کے اندر یہ پودا جوان ہو کر تادور درخت بن جائے گا۔ میرا نام بھی یاد رکھ لیجئے گا۔ شاہ نور ہوں میں۔ کسی بھی آسمان کے نیچے پناہ نہیں ملے گی اگر یہ درخت جوان ہو گیا۔ آپ میری ماں اور بہنوں کو اس میں پھنسا دیجئے جہاں سے آپ نے انہیں اغوا کرایا ہے۔ میرے والد صاحب کا پتا بخت مراد کو پتا دیجئے آپ نے ایسا نہ کیا تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ میری طرف سے جوابی کارروائی کا آغاز ہو گا۔ وہ جوابی کار ہوگی یہ آپ کو آنے والا وقت بتائے گا۔"

غصے کی شدت سے الماس بیگم کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ اس سے زیادہ مجھے ان بات بھی نہیں کرنی تھی۔ چنانچہ میں نے فون بند کر دیا اور اس کے بعد میں نجانے کیسی کیسی سوچ ڈوب گئی۔ دل پر ایک بوجھ تھا دکھ کا احساس بھی تھا 'کیا کرنا چاہتی تھی کیا ہو گیا تھا۔ بہر حال جو کچھ اب تو صورت حال ہی ایسی ہے کہ مجھے سمجھنا پڑے گا۔ بہر حال بزرگوں کا کہنا ہے کہ دشمن کو کم نہیں سمجھنا چاہئے۔ اس کے خیال کے تحت الماس بیگم کو بھی ذہن میں رکھنا تھا اور یہ بھی جانتی خطرناک بھائیوں کی بہن ہیں۔ جرم ان کے گھر سے شروع ہوتا ہے اور وہ ایک باقاعدہ مجرمہ ہیں انہوں نے مجھے کیا ہے وہ بے مقصد نہیں تھا۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مجھے اپنے لئے مناسب بندوبست کرنا تھا۔ ہوٹل میں رات کو اپنے چھوٹے سے کمرے میں لیٹ کر میں نے اپنے ذہن کو تیز سے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ کوئی ایک ٹھکانہ میرے لئے خطرناک ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کو میر ٹھکانے کا پتا چل گیا تو صورت حال سنگین ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ کسی ایک ٹھکانے کو سامنے جائے بلکہ کچھ نئے ٹھکانے بھی بنائے جائیں۔ وسیع و عریض صنعتی شہر میں ایسی لاتعداد بستیاں موجود ہیں جہاں اگر میں کوشش کرتی تو ٹھکانہ بنالینا مشکل نہیں ہوتا۔ عظیم الشان شہر کے بہت سے گلی کوچے

موٹے ہونٹ بند نہیں ہو سکتے تھے۔ بہر حال اس کا چہرہ مکروہ تھا لیکن لباس کم بخت سلیفے سے پہنے ہوئے سوائے اس قبض کے جس پر وہ چھپورا مونو گرام بنا ہوا تھا۔ اگر وہ مونو گرام اس پر نہ ہوتا تو بہر حال ایک اچھا لباس کہا جاسکتا تھا۔ کسی ایک شخصیت پر اتنی توجہ دینا ایک عجیب سی بات ہے لیکن میں اس لئے توجہ دے رہی تھی کہ اس کے چہرے کے نقوش مجھے کچھ عجیب عجیب سے لگ رہے تھے۔ جیسے وہ طور سے بھوکے پیلے کی طرح میری تاک میں ہو۔ خیر ایسے بھوکے پلوں کو میں خاطر میں نہیں لاتی تھی جانتی تھی کہ صورت حال سنگین بھی ہو سکتی ہے۔ بہت سے مشکل مرحلے تھے میرے ساتھ۔ بیگلوں بارے میں یہ سن چکی تھی کہ کچھ لوگ وہاں باقاعدہ ڈاکہ زنی کا پروگرام بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ بڑے نہیں اونٹنے لیکن ایسے لوگوں کی تاک میں ہوتے ہیں جو بڑی رقمیں نکلوانے کے بعد سفر کرتے ہیں اور پر ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ خیر میں اب اتنا نرم چارہ کج نہیں تھی۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

دوسری صورت جو میرے ذہن میں آئی تھی وہ یہ تھی کہ کہیں یہ الماس بیگم کی طرف سے کردہ کوئی شخص نہ ہو۔ اس بات کے سو فیصد امکانات تھے۔ ظفر شاہ تو میری نگاہوں میں آچکا تھا۔ اب میرے سلسلے میں وہ الماس آراء کے لئے ایک بے کار منہ بن چکا تھا۔ دوسری بات یہ کہ ظفر طبیعت میں کچھ نرم گوشے بھی تھے۔ جبکہ الماس بیگم اب بالکل درندہ بن چکی تھیں اور خاص طور میرے سلسلے میں وہ کسی قسم کی رعایت کر کے خود اپنی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھیں۔ اس ممکن ہے اس شخص کو انہوں نے حاصل کیا ہو۔ جہاں تک ظفر شاہ کا معاملہ تھا اس کے پاس میری موجودگی۔ ایسی تصویریں بہت سے پرنٹ بنوا کر پورے شہر میں جرائم پیشہ افراد کے پاس پہنچا دی گئی۔ کام نہیں تھا جبکہ خاص طور سے الماس بیگم کو اپنے بھائی کا سہارا حاصل تھا۔ زبردست اور دیری گز یہ تو بڑا دلچسپ تھا۔ مجھے پوری طرح سمجھنا ہو گا۔ ایک بار پھر میں نے اس شخص کو دیکھا اور یہ اندازہ کہیں اسے شبہ تو نہیں ہو گیا کہ میں اس کی دلچسپی بھانپ گئی ہوں۔ مجھے اس کی آنکھوں میں قاتلوں چمک نظر آئی۔ اس چمک کی وجہ سے اس کی دلچسپی کا مفہوم صرف یہی سمجھ میں آتا تھا کہ وہ مجھے تو دے۔ ذہن میں پکارتے والے خیالات میں ایک نئے خیال کا اضافہ اور ہو گیا تھا۔ میں نے اسے واپس ہوئے دیکھا اور پھر میں تیزی سے آگے بڑھی اور بینک سے باہر نکل آئی۔ تب ہی میری نگاہ دائیں کھڑی ایک ٹیکسی پر پڑی۔ نیلی قبض والا نوجوان ٹیکسی ڈرائیور سے بات کر رہا تھا۔ وقتی طور پر سڑک جانے والے ذہن میں ایک بار پھر پھل جھج گئی اور میں سوچنے لگی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے کہ ٹیکسی ڈرائیور سے بات چیت کے بعد نیلی قبض والے نے کوئی چیز ڈرائیور کو دی۔ دور ہونے کے میں نے وہ نوٹ دیکھ لئے تھے۔ پھر وہ کھڑکی سے ہٹ گیا اور فوراً ہی ٹیکسی اشارت ہو کر اس طرف جہاں میں کھڑی ہوئی تھی۔

”سنو! تم نے مجھ سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ مجھے کہاں جانا ہے؟“

”بی بی صاحب! وہی تو انتظار کر رہا ہوں۔ آپ نے بتایا ہی نہیں۔“

”کیا تم سواریوں سے یہ نہیں پوچھتے کہ انہیں کہاں جانا ہے؟“

”عام طور سے سواریاں خود ہی بتا دیتی ہیں جی اور اگر کوئی سواری یہ بات نہیں بتاتی تو اس کا مطلب ہے کہ خود اس نے اس کا فیصلہ نہیں کیا ہوتا کہ اسے کہاں جانا ہے۔“

”مطلب؟“

”بی بی جی! ہم نے تو ایسے ہی یہ بات کہہ دی۔“

”وہ نوجوان کون تھا جس نے تمہیں کچھ دیا تھا؟“

”کہاں بی بی جی؟“

”کہاں چلیں گی بی بی صاحب۔ آئیے۔“ اس نے عقبی دروازہ کھول دیا۔ حالانکہ میں اگر چاہتی ٹیکسی کو دفع بھی کر سکتی تھی لیکن نجانے کیوں اس وقت ایک اعصابی دباؤ کا شکار ہو گئی تھی۔ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ ذرا ٹیکسی والے سے اس نیلی قبض والے کے بارے

”کہاں چلیں گی بی بی صاحب۔ آئیے۔“ اس نے عقبی دروازہ کھول دیا۔ حالانکہ میں اگر چاہتی ٹیکسی کو دفع بھی کر سکتی تھی لیکن نجانے کیوں اس وقت ایک اعصابی دباؤ کا شکار ہو گئی تھی۔ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ ذرا ٹیکسی والے سے اس نیلی قبض والے کے بارے

”وہ جو نیلی قیض پینے ہوئے تمہارے پاس کھڑا تھا۔“

میں نے کہا۔ سامنے لگے ہوئے عقبی شیشے میں ڈرائیور کا چہرہ بھی نظر آ رہا تھا۔ میں نے بہت اچھی طرح محسوس کیا کہ ڈرائیور بری طرح چونکا ہے لیکن پھر اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

”وہ تو صرف ایک سواری تھی میم صاحب!“

”تو تم نے اسے ہٹھایا کیوں نہیں؟“

”جس علاقے میں وہ جا رہا تھا ہم ادھر نہیں جانا چاہتے تھے۔“

”کیوں؟“

”بس جی۔ علاقہ ایسا ہی تھا۔ آپ کو تو پتا ہے آج کل ٹیکسی ڈرائیوروں کو بھی لوٹ لیا جاتا ہے اور ہم ایسے چھوٹے موٹے علاقوں کی سواریاں لین دین میں بھی مگر بڑکرتی ہیں۔“

اچانک ہی میں چونک پڑی۔ ٹیکسی اس وقت جس علاقے سے گزر رہی تھی وہ خاصا ویران سا تھا۔ ہم

ایک پل آیا اور ٹیکسی اس پر سے گزر کر ایک ایسی سڑک پر پہنچ گئی جس کے اطراف میں دور دور تک

اندھیرے میدان پھیلے ہوئے تھے۔ پل ایک بہت بڑے دریا کا تھا جو اسی شہر کا دریا تھا اور بہت

خوبصورت بنا ہوا تھا اس کے کنارے کنارے سیر و سیاحت کے لئے چتر بچھائے گئے تھے۔ دریا کا پانی ان چتر

پر سے گزرتا تھا۔ صاحب ذوق یہاں آ جایا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے یہاں چھوٹے چھوٹے ہٹ بھی

رکھے تھے اور ان میں قیام کیا کرتے تھے۔ پھر اس انداز میں بچھائے گئے تھے کہ پانی ایک مخصوص حد تک

پر سے گزرتا رہے باقی اگر کوئی وہاں بیٹھ کر پانی سے لطف اندوز ہونا چاہے تو لطف اندوز ہوتا رہے۔ دریا کے

کنارے کنارے کشتیاں بھی کھڑی ہوئی تھیں۔ یہ کشتیاں ماہی گیروں کی تھیں جو دریا سے اپنا رزق حاصل

کرتے تھے۔ بہر حال مجھے ایک لمحے کے اندر اندر اندازہ ہو گیا کہ ان دور دور تک پھیلے ہوئے اندھیرے

میدانوں میں میرے لئے خطرہ ہے اور اس وقت میں نے یہ سوچا کہ شاید ٹیکسی ڈرائیور کوئی حرکت کرنا چاہے

ہے لیکن نجانے کیوں اگلے ہی لمحے میرے بدن پر خوف کی نفی نفی سی چپکلیاں رینگنے لگیں۔ میں اس

قیض والے کو یاد کر رہی تھی۔ میں نے نگاہ اٹھا کر ایک بار پھر شیشے کی طرف دیکھا۔ ڈرائیور میری طرف

متوجہ تھا۔ نگاہیں چار ہوئیں تو اس نے فوراً نگاہیں جھکا لیں اور سامنے دیکھنے لگا۔ بڑی سنگین صورت حال

ہو گئی تھی۔ اچانک ہی میں نے محسوس کیا کہ ٹیکسی کی رفتار دھیمی ہونے لگی۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا

تھا۔ میں چونکا ہوا کر بیٹھ گئی۔ اگر میں چاہتی تو ٹیکسی وہیں رکو کر اسے سیدھے راستے پر ڈال سکتی تھی لیکن

خود ابھی ہوئی تھی اور صورت حال کا مجھے صحیح اندازہ نہیں ہوا تھا بہر حال میرے ذہن میں بے شمار خیالات

آگئے تھے۔ اچانک ہی ٹیکسی رک گئی تو میں نے چونک کر پوچھا۔

”کیا ہوا؟“

”اوہو۔ پٹرول ختم ہو گیا بی بی جی۔“ ڈرائیور نے کہا لیکن اس کے چہرے کا اطمینان مجھے پریشان کر

تھا۔ وہ پلٹ کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اپنی سیٹ کی پشت گاہ پر کبھی جہاں اور دوسرے ہاتھ سے اندر

لاٹ جلا دی۔ اس کی بے باک نگاہوں میں درندگی کی چمک تھی۔ آنکھوں میں شیطانی مسکراہٹ۔ مجھے

اندازہ ہو گیا کہ وہ مجھے تنہا اور بے بس سمجھ کر اس وحشیانہ پن کے مظاہرے پر اتر آیا ہے جس کی کمابیاں

لا تعداد اخباروں کی زینت بن چکی ہوتی ہیں۔ دفعتاً ہی اس کا دوسرا ہاتھ حرکت میں آیا اور پلک جھپکتے ہی ایک

لمبے بلبل والا چاقو میری گردن پر چبک گیا۔ کسی عام سی لڑکی کے لئے یہی کافی ہوتا کہ وہ یا تو بیچ مار کر بے

ہوش ہو جاتی یا اس کی دہشت سے ٹیکسی ڈرائیور کے قابو میں آ جاتی۔ خنجر کو یوں اپنی گردن پر دیکھ کر بڑے

بڑے ہماروں کے دل دہل جاتے ہیں لیکن میں کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا

اور نجانے اسے کیا نظر آیا میری آنکھوں میں کہ اس کے اندر ایک لرزش سی پیدا ہو گئی۔ میں نے فوراً ہی

خود کو سنبھال لیا کیونکہ چاقو کی نوک مجھے اپنی گردن پر چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ بہر حال میں نے فوراً

ہی اس پر سے نگاہیں اٹھالیں۔ یہ مظاہرہ کرنا ضروری تھا کہ میں اس سے خوفزدہ ہو گئی ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا

تو وہ اپنی وحشیانہ فطرت کو آواز دیتا اور پتہ نہیں مجھ پر کیا بنتی۔ دفعتاً ہی وہ غرایا۔

”نیچے اترو۔“

”تنت..... تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“ میں نے پوچھا۔ بہر حال وہ خوفناک انداز میں ہنس پڑا۔ اس کی

آنکھوں میں ہوس ناچ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

”تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

”دو..... دیکھو میں ایک شریف لڑکی ہوں اور تن..... تم..... تم میرے ساتھ کوئی زیادتی

نہیں کر سکتے۔“ اس نے ایک خوفناک قہقہہ لگایا اور ہنستا ہوا بولا۔

”اس ویرانے میں تمہارے ساتھ کوئی بھی بھلائی نہیں کی جاسکتی۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔“

”لیکن میں.....“ میں نے کہا اور خوفزدہ انداز میں دایاں ہاتھ کھڑکی پر رکھ دیا۔ یہاں سے ہاتھ کو

سر کا کر میں نے ہینڈل پر رکھ دیا۔

”جو کچھ میں کہتا ہوں اگر تم مان لو تو زندگی بچ جائے گی ورنہ میں تمہیں ایک بات بتا دوں۔ میں عادی

مجرم ہوں اور اس ویرانے میں تم جیسی بہت سی لڑکیوں کو دفن کر چکا ہوں۔ اس کے بعد میری کی ہوئی

واردات کی تفصیل اخبارات میں شائع ہوتی ہے اور میں مزے لے لے کر ان اخبارات کو پڑھتا رہتا ہوں۔

میں اس سلسلے میں بہت ماہر ہوں۔“

”لیکن..... تم..... میں۔“

”ایک ہی صورت ہے تمہارے سامنے۔ تم اپنے اس خوبصورت بدن کو بچانا چاہتی ہو تو اسے میرے

حوالے کر دو ورنہ یہ خون میں بھیگ جائے گا۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اپنی سیٹ سے اٹھنے لگا۔ میں سمجھ گئی کہ وہ

اب اپنی بچھلی نشست پر آنا چاہتا ہے اس کی معمولی سی حرکت نے چاقو میرے گلے سے ہٹا لیا اور اب میرے

پینے کے سامنے تھا اور میرا سینہ چاقو کی نوک سے ٹکرا رہا تھا۔ وہ گھٹنوں کے بل اگلی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔

میں نے ہینڈل گھمایا۔ اس وقت وہ وحشیانہ نگاہوں سے میرے بدن کو دیکھ رہا تھا۔ اس لئے اسے تب پتا چا

جب میں نے کھلے دروازے سے چپک کر دونوں ٹانگیں پوری قوت سے اس کے بازو کی طرف ماریں۔ ایک

ٹھوکر اس کے بازو کے نیچے پڑی تھی جس سے اس کا چاقو والا ہاتھ بلند ہو کر ٹیکسی کی چھت سے ٹکرایا۔ یہ

جانب بڑھنے لگا تو میں نے مجبوری کی حالت میں اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر میرا ایک قدم تھوڑا سا آگے بڑھا،
 ٹھنکے میں خم پیدا کر کے میں نے بڑے محتاط انداز میں ٹانگ گھمائی تو میرے جوتے کی ٹھوکر اس کی ہتھیلی کے
 نیچے پڑی۔ میں نے وہ پاؤں سڑک پر رکھتے ہی پوری قوت سے گھمایا اور میری دوسری ٹھوکر اس کے منہ پر
 پڑی۔ وہ بری طرح چیخا ہوا نیچے گرا تھا۔ چاقو تو پہلی ہی ٹھوکر میں اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اب وہ
 دونوں ہاتھوں سے چہرہ دبائے سڑک پر پڑا تھا اور میں ایک طرف خاموش نکھڑی ہوئی اس کے اٹھنے کا انتظار کر
 رہی تھی اور وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہو چکی تھیں۔ مرد کی مرواگی پر ضرب
 پڑی تھی۔ جوتا مرد کے منہ پر پڑ جائے تو بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے وہ۔ چنانچہ میں نے اس کی
 آنکھوں میں دیوانگی کی سرنی دیکھی۔ وہ واقعی ایک خطرناک آدمی تھا۔ بہر حال جیسے ہی وہ اپنے پیروں پر کھڑا
 ہوا میں نے دونوں ہتھیلیاں گھمائیں اور تب اسے پتا چلا کہ دائیں اور بائیں سے کس طرح مار کھاسکتا ہے۔
 دونوں ہتھیلیوں کی چونوں سے گھوم کر وہ ایک بار پھر سڑک کی طرف جھک رہا تھا۔ مزید دقت ضائع کرنا اب
 بے کار ہی تھا۔ اس لئے میں اس کے اوپر سے کود کر اس کی پشت پر جا پہنچی اور پھر میں نے جھک کر اس کی
 گردن دائیں بازو میں جکڑ لی اور گھٹنے کے سہارے سڑک پر بیٹھ گئی۔

”تمہاری زندگی میرے بازو کی ہلکی سی حرکت کی محتاج ہے بے وقوف کے بچے۔“ میں نے لہجے میں
 زور پیدا کر کے کہا اور ہنسنے لگی۔ ”شاید تم مجھے بھی کوئی ایسی دہی لڑکی ہی سمجھتے تھے جو خاموشی سے تمہارے
 اشاروں پر ناپتا شروع کر دے گی لیکن افسوس تمہاری یہ غلط فہمی ایک لمحے کے اندر دور ہو سکتی ہے۔ میں
 نے اگر اپنے ہاتھوں کو ذرا سی بھی جنبش دی تو تمہاری گردن کے منکے ٹوٹ جائیں گے۔“ اس کی گردن پر
 شدید دباؤ تھا۔ اس کے حلق سے خرخراہٹ نکل رہی تھی میں نے دباؤ کم کر دیا کہ کہیں وہ مر ہی نہ جائے۔
 ”چچھ..... چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔“ اس نے پاپٹے ہوئے کہا۔

”جو ٹپاک جڑا غم تمہارے ذہن میں پیدا ہو گئے تھے وہ مرچکے ہیں یا نہیں؟“

”مم..... مجھے معاف کر دو۔ آہ مجھے معاف کر دو۔“ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا اور میں نے
 اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں ہٹ گئی تھی۔ چند لمحوں تک وہ اپنا گلا ہاتھ سے رگڑتا رہا پھر آہستہ آہستہ
 اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اس کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھی اور اب پوری طرح موڈ میں آ گئی تھی۔
 اس کے بیٹریا بدلتے ہی میں مزید مشق ستم کے لئے پوری طرح تیار تھی لیکن اس کی حالت زیادہ بہتر نہیں
 تھی اور اس میں اب بالکل دم خم نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ جو کچھ میں نے اس کے ساتھ کیا تھا اس نے اس
 کے حواس بالکل درست کر دیئے تھے۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔

”جاؤ۔ اپنا چاقو تلاش کر کے جیب میں رکھ لو۔“ وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے غور سے اسے
 دیکھا تو اس کے چہرے پر مایوسی کی آڑی ترجیحی سلوٹیں نظر آنے لگیں گویا وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس
 کر چکا تھا پھر وہ گردن جھکائے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چاقو سڑک پر ہی موجود تھا جلدی سے اس نے اسے اٹھالیا
 لیکن جب وہ چاقو ہاتھ میں لے کر پلٹا تو ایک لمحے کے لئے پھر اس کی آنکھوں میں درندگی پیدا ہو گئی لیکن
 اسے جلد ہی احساس ہو گیا کہ چاقو پہلے بھی اس کے ہاتھ میں تھا اور اس چاقو نے اس کا کوئی ساتھ نہیں دیا تھا

نے پشت کے بل دروازے سے گرتے ہوئے الٹی قتا بازی کھائی اور زمین پر دونوں پیروں کے بل جا کر
 ہوئی۔ اس کے حلق سے ٹٹکنے والی خوفناک غراہٹ میرے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ جس طرف میں گئی
 ادھر اندھیرا تھا۔ میں ایک قدم ہٹی تو بری طرح لڑکھائی اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کے باوجود گرنے
 محفوظ نہ رہ سکی۔ اندھیرے میں وہ گڑھا مجھے نظر نہیں آیا لیکن میں نے اٹھنے میں کسی قسم کی سستی کا
 نہیں کیا۔ اس وقت تک وہ بدبخت بھی باہر آچکا تھا۔ ٹیکسی کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں۔ اندر کی بتی بھی
 رہی تھی۔ اس کا خوفناک بدن آہستہ آہستہ میری جانب بڑھنے لگا اور دوسرے لمحے میں نے دائیں طرف
 چھلانگ لگا دی اور سڑک پر ٹیکسی کے بالکل سامنے جا پہنچی۔ ہیڈ لائٹس میں اب وہ مجھے صاف دیکھ سکتا تھا
 میں نے دیکھا اور دفاع اور حملے کی ابتدائی حالت اختیار کرتے ہوئے اپنے جسم کا بوجھ دونوں ٹانگوں پر متوازن
 کر لیا۔ وہ چاقو ہاتھ میں پکڑے آہستہ آہستہ میری طرف بڑھا اور مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا لیکن
 میں محسوس کر رہی تھی کہ اب اس کے انداز میں تھوڑی سی ہچکچاہٹ تھی۔ غالباً اسے مجھ جیسی لڑکی
 اتنی بے جگری کی توقع نہیں تھی۔ میں نے ایک لمحے اس کی آنکھوں میں چمک معدوم ہوتی دیکھی لیکن
 دوسرے ہی لمحے اس کے دماغ پر شیطانی جذبوں نے اپنا گھیرا تنک کر دیا اور وہ پھر میری طرف بڑھنے لگا۔

”سنو.....“ میں نے سرسراتی آواز میں کہا اور وہ رک گیا۔ میرے لہجے نے غالباً اسے پھر ایک
 مرتبے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔
 ”زندگی پتانا چاہتے ہو تو میں تمہیں ایک شرط پر معاف کر سکتی ہوں۔“
 ”وہ شرط کیا ہے؟“ اس نے میرا مذاق اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

”نہلی فیض والے کے بارے میں مجھے تفصیل سے بتاؤ۔“ میں نے اس کی ہنسی کو نظر انداز کرتے
 ہوئے کہا لیکن اس بار وہ بہت زور سے ہنسا تھا۔ اس نے یہ تو محسوس کر لیا تھا کہ میں ایک نڈر لڑکی ہوں
 لیکن شاید اس کو اس بات کا یقین نہیں آیا تھا کہ میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوں اور اگر میں اپنی ضد پر
 آجاؤں تو کم از کم وہ بدبخت اپنی زندگی سے محروم ہو سکتا ہے۔ حالانکہ وہ ایک مضبوط جسم کا مالک تھا اس کے
 چہرے کی ساخت میں عقب نما آئینے میں پہلے ہی دیکھ چکی تھی اور یہ اندازہ میں نے قائم کر لیا تھا کہ وہ ایک
 بے ضمیر سا آدمی ہے۔ ایک ایسا شخص جس کے دل پر دماغ کی نہیں بلکہ دل کی دماغ پر حکومت ہوتی ہے۔
 ایسے آدمی دل سے سوچتے ہیں اور جذبات سے ہر چیز کا جائزہ لیتے ہیں۔ میں ایسے آدمیوں کو اندھا سمجھتی
 ہوں اور ایسے اندھوں ہی کے لئے میں نے بہت کچھ سیکھا ہوا تھا۔ دعا دیتی ہوں الماس بیگم کو تمام برائیوں
 کے باوجود انہوں نے مجھے اس قاتل بنا دیا تھا کہ اگر ایسا کوئی لمحہ مجھ پر آجائے تو اس سے نمٹنے کے لئے پوری
 طرح مستعد۔ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”اور یہی ایسے لمحات ہوتے ہیں جب بے وقوف لڑکیاں اپنی جان کھو بیٹھتی ہیں۔ دیکھو زندگی میں یہ
 سب کچھ تو ہوتا ہی ہے۔ کبھی اپنی پسند سے اور کبھی دوسرے کی پسند سے۔ چنانچہ بہتر یہ ہے کہ زندگی کی
 زیادہ قدر کی جائے اور ایسے کچھ لمحات کو بھول جایا جائے، کیا سمجھیں۔ میرے ہاتھ میں یہ چاقو ہے۔ یہ تمہارا
 زرخہ بھی کاٹ سکتا ہے۔ تمہارے جسم کے ٹکڑے بھی کر سکتا ہے۔ چلو آؤ میرے قریب آجاؤ۔“ وہ میری

کیونکہ مد مقابل خود بھی ذرا بہتر کیفیت کا مالک تھا۔ اس نے بھرائی آواز میں کہا۔
”تم..... تم تو واقعی عجیب ہو۔ میں نے..... میں نے اس سے پہلے کبھی زندگی میں سوچا ہی نہیں تھا کہ کسی عورت کے ہاتھوں اس طرح.....“

”ہاں۔ زمانہ قدیم کی عورت اور اس وقت کی عورت میں فرق ہے میرے دوست۔ تم لوگ جن زندگی کر سکتے تھے کر چکے ہو اب صورت حال بالکل مختلف ہو گئی ہے۔ اب تم عورت کا یہ روپ دیکھو۔“
”م..... مگر میں نے پہلے کوئی ایسی لڑکی نہیں دیکھی جو اس قدر ہمارا ہو اور اس طرح.....“
”فلموں میں تو یقیناً دیکھا ہوگا لیکن ظاہر ہے تم اسے صرف فلم سمجھ کر دیکھتے ہو گے۔“ وہ بے لوم سے میری طرف دیکھتا رہا تو میں نے کہا۔

”اگر میں تمہیں پولیس کے پاس لے چلوں تو؟“

”اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟“

”اور نقصان بھی کیا ہوگا؟“

”کچھ نہیں۔“ اس نے بے چارگی سے کہا۔

”میں نے تم سے ایک شرط پر معاف کر دینے کے لئے کہا تھا۔“

”ہاں۔ وہ شرط کیا ہے؟“

”میں تمہیں وہ شرط بتا چکی ہوں۔“

”اچھا ایک بات بتاؤ۔ نیلی قیض والے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“

”میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ مجھ میں کیوں دلچسپی لے رہا تھا اور تم نے اس سے کیا باتیں کی تھیں؟“ وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر ایک طویل سانس لے کر اس نے جیمیں ٹٹولنا شروع کر دیں۔ میں غور سے اس کی ان حرکتوں کو دیکھ رہی تھی اور مجھے اطمینان تھا کہ اس کے پاس ریوالور نہیں ہے۔ اگر ریوالور موجود ہوتا تو وہ پہلے ہی چاقو کے بجائے اسے نکالتا۔ اس نے سگریٹ کا ایک پیکٹ نکالا میری ٹانگوں اور بازوؤں کے اکرے ہوئے عضلات ڈھیلے پڑ گئے۔ سگریٹ سگایا اس نے ایک طویل سانس لیا۔ سانس ہموار ہو چکی تھیں وہ اپنے آپ پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور کہا۔

”مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ رات بھر میری لاش بھی تو مییں کہیں پڑی رہ سکتی تھی۔“ اس نے سگریٹ کے دو تین گھرے گھرے کش لئے اور پھر سگریٹ وہیں پھینک دیا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی اعصابی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔ میرے ذہن میں بہت سے منصوبے گردش کر رہے تھے۔ نیلی قیض والے کے بارے میں ابھی تک اس نے کچھ نہیں بتایا۔ نجانے کیوں میرے ذہن میں تجسس پیدا ہو گیا تھا کہ نیلی قیض والا بہت ہی پراسرار آدمی تھا۔ میں تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر میں نے کہا۔

”چلو۔ یہاں سے چلتے ہیں۔“

”جیسی مرضی۔“ اس نے کہا اور واپس ٹیکسی کی طرف چل پڑا۔ یہ تو دنیا کا بہترین اصول ہوتا ہے کہ

دشمن کو کبھی کمزور نہ سمجھو۔ کچھ لمحوں کی کامیابی کو دائمی کامیابی نہ سمجھ لو۔ جس نے ایسا کیا اسے بہر طور نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس کی طرف سے غیر محتاط رہنا تو بالکل ہی مناسب نہیں تھا۔ البتہ میں پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھی تھی جس پر ایک لمحے کے لئے اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا تھا اور پھر خاموشی سے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔ آگے جا کر اس نے ٹرن لیا اور ٹیکسی واپس شرکی جانب چل پڑی۔

”رفار سٹ رکھو۔ تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔“

”کیسی باتیں کرنی ہیں؟“

”تم سے پہلے بھی پوچھ چکی ہوں اور اب بھی وہی سوال کر رہی ہوں کہ نیلی قیض والے کے بارے میں مجھے تفصیلات بتاؤ۔“

”دیکھو۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں۔ پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں کہ وہ صرف ایک سواری تھی۔“

”اچھا۔ اچھا۔ میں سمجھی۔ واقعی کوئی ایسی بات ہے۔ ایک کام کرو۔“

”کیا؟“

”وہ آگے ایک پگنڈی نظر آ رہی ہے۔ ذرا اس طرف موڑ دو۔ رفتار سست کرو۔“

”پ..... پ..... پگنڈی۔“

”وہ بائیں طرف دیکھو۔“ میں نے کہا اور اس نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔ ایک چوڑی سی پگنڈی بھی جو نیچے پیسلے ہوئے کھیتوں کی جانب جاتی تھی۔ میں نے چاقو کی نوک اس کی پشت پر رکھی اور اسے دبا دیتے ہوئے کہا۔

”جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہی کرو۔“

”ارے کیا ہو گیا تمہیں۔ میں تو تمہیں واپس لے جا رہا ہوں۔“ اس نے کہا لیکن چاقو کی نوک کی جھن محسوس کر کے وہ جلدی سے بولا۔

”ٹھہرو، ٹھہرو۔ جیسے تم کہتی ہو میں ویسے ہی کرتا ہوں۔“

اس نے کہا اور اس کے بعد اس نے ٹیکسی کا رخ اس پگنڈی کی طرف موڑ دیا۔ پگنڈی کے دونوں طرف لمبی لمبی قد آدم گھاس کھڑی ہوئی تھی۔ ایک عجیب سی جگہ تھی۔ بہر حال ٹیکسی اس میں پہنچ گئی۔ دونوں جانب ڈھلان تھے لیکن داہنی سمت کا ڈھلان ذرا گھاس سے پاک تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

”انجن بند کرو۔“

”میری بات تو سنو۔ تم کہنا اور کرنا کیا چاہتی ہو؟“

”تم کیا سمجھتے ہو؟“ اوباش اور عیاش صرف مرد ہی ہوا کرتے ہیں۔ میں اصل میں تمہیں یہ بتانا چاہتی تھی کہ ہر لڑکی کو اپنی قوت بازو سے زیر کرنا ممکن نہیں ہوتا اور میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ کوئی بھی لڑکی اگر اپنا عزت لوٹنے والے سے جدوجہد کرنا چاہے تو اپنا بچاؤ کر سکتی ہے لیکن ہمارے بھی تو دل ہوتے ہیں اس بات کو کیوں بھول جاتے ہو۔“ میں نے کچھ اس انداز میں کہا کہ وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا۔ پھر اس

نے کہا۔

”مم..... مم..... دیکھو بات سنو میں..... میں.....“

”چلو آ جاؤ۔ نیچے آ جاؤ۔“ میں نے لگاوت بھرے انداز میں کہا۔ یہ اداکاری زندگی میں پہلی بار کر رہی تھی۔ لیکن پہلی ہی بار تو مجھے اس قسم کے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ میرے کتنے پر وہ نیچے اتر گیا۔ میں نے کہا۔

”آؤ نیچے چلتے ہیں۔“

”میری بات سنو۔ میرا تو داغ اب بالکل درست ہو گیا ہے۔ صحیح راستے پر لانے کے بعد مجھے وہ راستے پر کیوں لے جا رہی ہو؟“

”وجہ ہے اس کی۔“ میں نے بدستور لگاوت بھرے انداز میں کہا۔

”تمہاری مرضی ہے مگر میں..... ارے باپ رہے یہ تجربہ بھی زندگی میں پہلی بار ہو رہا ہے۔“

”تم نے مجھے ایک عجیب لڑکی کہا تھا ناں۔ میں تمہیں عجیب لڑکی بن کر ہی دکھانا چاہتی ہوں۔“ تھوڑی

دیر تک ہم اس جگہ بیٹھ گئے۔ سنسان سڑک پر کسی گاڑی وغیرہ کی آواز نہیں سنائی دی تھی میں نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ تو اب تم مجھ سے کیلو گے۔“

”سنو۔ ذہنی طور پر تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میرے ہوش و حواس تو اب میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ تمہاری کوئی بات بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ نجانے تم کون ہو اور کیا کرنا چاہتی ہو؟“

”ٹیکسی میں‘ میں نے سوچا تھا کہ تم ہوش میں آ گئے ہو اور مجھے مناسب جواب دو گے لیکن میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم بہت زیادہ چالاکی کا مظاہرہ کر رہے ہو اور اپنے آپ کو ذہن سمجھ رہے ہو۔ تمہارے دل میں یہی خواہش تھی ناں کہ تیز رفتاری سے چلتے ہوئے شری آبادی میں داخل ہو جاؤ اس کے بعد ظاہر ہے میں تم پر کوئی تشدد کر کے تم سے اس نیلی فیض والے کے بارے میں نہیں پوچھ سکتی تھی لیکن اب تمہیں اس کے بارے میں بتانا ہو گا ورنہ دوسری صورت میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسی جگہ پھینک دوں گی اور ٹیکسی لے چلی جاؤں گی۔ سمجھ رہے ہو نا تم؟“

”ٹک..... کیا؟“

”ہاں۔ آؤ۔ یہ چاقو میں اپنی جیب میں رکھتی ہوں۔ اس کے بعد تم مجھے زیر کر لو۔ وعدہ کرتی ہوں کہ اگر تم نے مجھے زیر کر لیا تو میں تمہاری ہر خواہش کی تکمیل کر دوں گی ورنہ دوسری صورت میں تمہارے جسم کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اسی جگہ چھوڑ جاؤں گی۔ بالکل کھلی آفر ہے تمہیں۔“

”نہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ بالکل میں ایسا نہیں کر سکتا۔“

”تو پھر اس کے بارے میں زبان کھول دو۔“

”زبان کھول دو؟“ وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا اور پھر اس نے کہا۔ ”تم جانتی ہو کہ ہم سڑکوں؟ زندگی گزارتے ہیں ہر طرح کے لوگوں سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے۔ اس میں خطرناک قسم کے جرائم پیشہ لوگ

ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ اچھی خاصی رقیں ہمیں دے کر ہماری بت سی مشکلوں کا حل تلاش کر دیتے ہیں۔ تمہیں سچ بتا رہا ہوں میں ایک بہت ہی غریب آدمی ہوں۔ پہلے میں مالک کی ٹیکسی چلاتا تھا اور مالک مجھے ذلیل کیا کرتا تھا محنت مزدوری کر کے اس کا بڑا حصہ مالک کو دے دیا کرتا تھا اور چھوٹے حصے سے ناندوان کا گزارا کرتا تھا پھر ایسے ہی جرائم پیشہ لوگوں میں سے کچھ لوگ مجھے ٹکرائے۔ انہوں نے مجھے چھوٹے موٹے کاموں کے سلسلے میں استعمال کرنا شروع کر دیا اور اس کے بعد میں نے اپنی یہ ٹیکسی بی۔ میں اب بھی سڑکوں پر یہی ٹیکسی چلاتا ہوں اور سواریوں کو اٹھانے اور بٹھانے کے علاوہ ہر طرح کے جرائم پیشہ لوگوں کے لئے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرتا ہوں۔ بس یوں سمجھ لو کہ برائیوں میں ڈوبا ہوا ہوں میں۔ کیا کیا جائے۔“

”لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی تم نے۔ میں نے تم سے تمہاری برائیوں کے بارے میں نہیں پوچھا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ نیلی فیض والا کون تھا اور اب اس کے لئے میں زیادہ وقت برباد نہیں کرتی۔“

”بتاتا ہوں‘ بتاتا ہوں اور یہ بھی بتا دوں تمہیں کہ اگر تمہیں ساری تفصیل بتا دوں تو میری زندگی بے میں پڑ سکتی ہے۔“

”اس وقت تمہاری زندگی جتنے خطرے میں ہے اس سے زیادہ خطرہ کہیں باہر نہیں پیش آ سکتا۔“ اس مجھے دیکھا اور بولا۔

”ٹیک ہے۔ مسئلہ صرف اتنا سا ہے کہ..... کہ آہ..... خیر چھوڑو اب جو بھی تقدیر میں ہے وہ بائے گا۔ وہ ایک بڑے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا نام رمضان ہے اور تمہیں یقین نہیں آئے گا وہ ایک انتہائی خطرناک آدمی ہے۔ اسلگنگ‘ منشیات کی تجارت‘ چوری‘ ڈاکہ زنی‘ بینک لوٹنا‘ اس کا اپنا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں کافی لمبے ہیں اور وہ ہر قسم کی مجرمانہ کارروائیاں کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ اس کی ہر سانس اس کے نئے جرم کو جنم دیتی ہے۔ اس کے شب و روز بعض ایسے جرائم کی تکمیل میں رستے ہیں جن کا تصور کر کے عام آدمی خوف سے کانپ اٹھے اور ایک بار میں نے ایک سواری بینک کے نئے اداری تھی۔ بینک میں ڈاکہ پڑ رہا تھا۔ ڈاکو بینک سے لوٹ مار کر کے بھاگے۔ ان کے پاس اپنی گاڑی نود تھی۔ ایک ڈاکو گاڑی میں بیٹھنے سے رہ گیا۔ چونکہ گاڑی فائرنگ کر رہا تھا۔ وہ ڈاکو میری ٹیکسی میں آ بیٹھا۔ اس نے پستول کی نال میری گردن پر رکھ کر مجھ سے چلتے کے لئے کہا۔ بہر حال میں اسے وہاں سے بچا لایا نا جانتی ہو واپسی میں کیا دیا اس نے مجھے۔ پورے ایک لاکھ روپے اور مجھ سے کہا کہ میری ٹیکسی کا نمبر مٹانے نوٹ کر لیا ہے۔ وہ مجھ سے دوبارہ بھی ملے گا اور کام لے گا۔ میں خیال رکھوں اور کسی کو اس کے سے میں کچھ نہ بتاؤں۔ اس کے بعد سے رمضان مجھ سے چھوٹے موٹے کام لیتا رہتا ہے۔ بس یہ ہے سارا سلسلہ۔ اب تم جو تمہارا دل چاہے سمجھو۔“

”مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے سلسلے میں رمضان تم سے کیا چاہتا تھا؟“

”بس وہ یہی کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں کسی دیرانے میں لے جاؤں‘ تمہاری عزت لوٹ کر تمہیں قتل

کردوں۔

”کیا تم اس سے پہلے بھی کسی کو قتل کر چکے ہو؟“ میں نے کہا اور اس نے گردن جھکا لی۔

”جواب دو۔“

”ہاں۔“ اس نے جواب دیا اور میں اسے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ میرا ذہن تیزی کر رہا تھا۔ بہر حال میں نہیں جانتی تھی کہ اس قسم کے جرائم پیشہ شخص نے مجھے قتل کرنے کا بیڑا کیا ہے لیکن ایسی ہی بات تھی۔ اس کے پس منظر میں الماس آراء بیگم بھی ہوں۔ الماس اتنی گر جائیں گی یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ انہوں نے مجھے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا اور بقول بابا کے وہ اب بھی مجھے اتنا ہی چاہتی تھیں لیکن انہوں نے اپنے جنون کی تسکین کے لئے میرے قتل کا تھا۔ الماس آراء بیگم جواب میں، میں تمہیں بھی قتل کر سکتی ہوں۔ یہ یقین ہو جائے مجھے کہ کارروائی تم نے ہی کی ہے۔ وہ خاموشی سے کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

”چلو..... ٹیکسی کی طرف چلو۔“ اور کچھ دیر کے بعد ٹیکسی ریوڑس ہو کر دوبارہ سڑک اس نے کہا۔

”میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر ہو سکا تو آئندہ اس قسم کے جرائم سے پرہیز کروں گا۔ ج رمضان کا معاملہ ہے۔ میں اسے یہی بتاؤں گا کہ میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکا بلکہ تم نے خود بخود اور وہاں سے غائب ہو گئیں۔ بس یہ کہہ دوں گا میں۔ اس سے کچھ اور کھلونا چاہتی ہو تو وہ بھی بتا دو میں نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر کہا۔ ”نہیں بس ٹھیک ہے“ اتنا ہی کافی ہے۔ اب کرو کہ مجھے شہری آبادی تک پہنچا دو“ اور ایک بات دماغ میں رکھنا۔ اگر میرا پیچھا کرنے کی کوشش ہو سکتا ہے اس وقت تم اپنا پیچھا کر لو لیکن بعد میں نہیں کر سکو گے۔“

ڈرائیور نے گردن ہلا دی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد میں روشن آبادی کے ایک گوشے میں تھی۔ دل دو دماغ پر جس قدر بوجھ تھا اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ چاروں طرف سے مصیبتوں رکھا تھا اور مجھے ان سے نمٹنا تھا۔ پھر احتیاطاً دو ٹیکسیاں کی تھیں اور دوسری ٹیکسی سے میں اپنے ہو کافی فاصلے پر اتر آئی تھی اور ایک پتلی سی گلی میں گھس گئی تھی۔ گلی میں ایک مکان کے شیڈ کھڑے ہو کر میں نے یہ اندازہ لگائے کہ کوشش کی تھی کہ یہاں تک تو میرے پیچھے کوئی نہیں آیا یہ اطمینان ہو گیا کہ نہیں ایسا نہیں ہوا ہے تو پھر میں اپنے ہوٹل کی جانب بڑھی تھی۔

☆=====☆

کمرے میں داخل ہوتے ہی حشکن کا اجلاس ہونے لگا اور میں بے دم سی ہو کر بستر پر گئی۔ طرح ٹوٹ رہا تھا، آنکھیں جل رہی تھیں مگر دماغ میں دن بھر کے واقعات کی فلم سی چل رہی تھی۔ واقعہ کی کڑی سے کڑیاں ملانے لگی۔ آج کا سب سے اہم واقعہ بینک میں پیش آیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور مجھے قتل کرنے کا حکم دینے والے کا نام رمضان بتایا تھا۔

اس رمضان پر کس طرح ہاتھ ڈالا جائے؟ اس خیال کے تحت میں چونک کر اٹھ بیٹھی۔ اگر

اگر بروئے کار لا کر رمضان سے معلومات حاصل کروں تو ہو سکتا ہے مجھے کچھ کام کی باتیں معلوم ہو۔ وہ کام کرنا چاہیے جس طرح بھی بن پڑے جس طرح بھی ممکن ہو۔ پھر انہی سوچوں میں نیند آگئی اور دوسری صبح ناشتہ کرتے ہوئے میں نے بہت سے منصوبوں پر غور کیا تھا۔ مجھے یہ معلومات حاصل تھیں کہ بہت سی فلموں اور کمپنیوں میں جرائم پیشہ افراد سیکرٹ ایجنٹ اپنے چرے تبدیل کر لیا کرتے لیکن اس کے لئے ایک مہارت، ایک عمل درکار ہوتا ہے۔ خواتین چروں پر میک اپ کرتی ہیں، کبھی وہ بالکل ہی شکل تبدیل کر لیتی ہیں اپنی اور صحیح معنوں میں آٹنی چڑیل بن جاتی ہیں۔ میں ایسے جگے میک کے ذریعے ہی اگر اپنی شکل تبدیل کر لوں اور ایسی بن جاؤں کہ لوگ مجھے پہچان نہ سکیں تو بڑا اچھا نیز یہ کہ اپنے لئے کوئی ایسی قیام گاہ تلاش کروں جہاں اس ہوٹل کے علاوہ بھی وقت گزارا جاسکے۔ ان باتوں پر نہایت غور کیا اور دل میں سوچا کہ کچھ تھوڑی سی خریداری کرنا ہوگی۔ مثلاً بالوں کی دگ اور لباس جو میری پسند سے مختلف ہوں اور خود الماس بیگم بھی یہ فیصلہ نہ کر پائیں مجھے دیکھ کر کہ میں ایسے بہن سکتی ہوں۔ واقعی، اس کوشش سے کم از کم چہرہ تبدیل ہو یا نہ ہو، لیکن شخصیت تبدیل ہو سکتی۔ اس طرح کہ مجھے میری اصل شخصیت سے پہچانا نہ جاسکے۔ بس یہ سوچ ذہن پر سوار ہو گئی تھی اور میں، طور پر خاصی حد تک مطمئن ہو گئی تھی کہ ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے میرا کام بن جائے۔ اس کے علاوہ یہ بات تو دل میں ٹھان لی ہی تھی کہ ماں باپ کی تلاش کے لئے مجھے ہر وہ قدم اٹھانا پڑے گا جس سے ایک ناواقف رہی ہوں۔ جنگ و جدل میں مہارت الماس آراء بیگم کے احسان کی بنیاد پر تھوڑی سی مالی ورزش اور ماحول پر قابو پانے کی قدرت تو پہلے ہی طبیعت میں تھی۔ اب یہ صلاحیتوں کے استعمال کا مناسب وقت تھا۔ چنانچہ بہت عہدگی کے ساتھ سارے مسئلے حل کرنے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات مسلسل سوچ رہی تھی کہ کوئی ایسا ذریعہ ہونا چاہئے کہ میرے لئے کچھ کام کرنے والے ہوں۔ ایسے کچھ دھن کا تعلق بے شک جرم کی ہی دنیا سے ہو لیکن وہ میرے حکم پر میری حفاظت کر سکیں۔ میرے لئے ماکہ بازی لگا سکیں۔ ایسا کوئی سلسلہ ہونا چاہئے۔ بہر حال یہ فیصلہ کر لیا تھا میں نے کہ گھٹی فضا میں مقابلہ لے کے بجائے کھلی سڑک پر مجھے ان لوگوں کا سامنا کرنا چاہیے۔ الماس بیگم کو معمولی شخصیت سمجھ کر نظر اڑ کرنا عظیم الشان حماقت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ابھی دشمن کی طرح ان سے مقابلہ کرنا پڑے گا کیونکہ مکی مکمل طور سے کھل کر سامنے آچکی تھیں۔

تقریباً پندرہ سولہ گھنٹوں میں، میں نے بہت سے ایسے منصوبے بنائے تھے جن کے بارے میں مجھے اپنی نابھجی عقل تھی اس کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان سے فائدہ ہی پہنچیں گے۔ اس سلسلے میں بابا بخت مراد ایک بات میں نے خاص طور سے گرہ میں باندھ لی تھی کہ الماس بیگم کا تعلق ایک سیاسی خاندان سے ہے موجودہ دور کی سیاست میں سارے ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ کٹلے میدان میں سامنے آ کر رکھی بھابی فلم کے ہیرو کی طرح لٹاکر سامنے آنے سے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بس جہاں تک ہو مجھے نا اپنے طور پر محتاط ہو کر ان سے مقابلہ کرنا چاہیے جس دن بھی میں جوش جذبات سے مغلوب ہو کر کھل سالن کے سامنے آئی اسی دن نقصان اٹھا بیٹھوں گی۔ بہر حال فی الحال تو ایک چاقو میرے پاس محفوظ تھا اور

کے پورے وجود پر اتر آیا تھا۔ میں نے اطمینان سے پستول دوبارہ ہاتھ میں لے لیا اور سوچنے لگی کہ کیا کرنا چاہیے۔ وہ کافی دیر تک کرب کا شکار رہا اور جب وہ بے جان ہو کر زمین پر بیٹھ گیا تو میں کے سامنے اینٹوں کے ایک ڈھیر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”یہ میری پہلی کوشش تھی۔ دوسری کوشش اس کے بعد ہوگی اور رمضان یہ میرا وعدہ ہے۔“
 تمہیں مرنے نہیں دوں گی لیکن دو تین کام ہوں گے۔ پہلا کام تو یہ ہوگا کہ میری دوسری کوشش زندگی میں ایسا خلا پیدا کر دے گی جسے تم مرتے دم تک پورا نہیں کر سکو گے اور جسے محسوس کر کے خودکشی کرنے کو جی چاہے گا۔ ایک عورت ہو کر میں تم سے صرف اتنے ہی الفاظ کہہ سکتی ہوں کہ تم سے آگے کی گفتگو شرمناک حد میں داخل ہو جائے گی اور میں اس حد تک نہیں جاسکتی۔ ہاں تمہارا وہ سلوک میں ضرور کروں گی۔ خیر اب آخری بار میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں چاہتی۔ جن لوگوں نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہوگا انہوں نے شاید تمہیں یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ میری معافی یا رحم کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ میں تمہیں بڑے اطمینان سے زندگی سے محروم کر کے مالا جاؤں گی کیونکہ بہر حال مجھے تمہارے بڑوں سے نمٹنا ہے۔ ہاں صرف ایک سوال کا جواب دے کر حاصل کر سکتے ہو۔“

”کیا چاہتی ہو؟ کیا معلوم کرنا چاہتی ہو مجھ سے؟“
 ”پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو مجھ سے اجنبی رہنے کا اظہار بالکل مت کرو۔ سمجھ رہے؟“
 ”ہاں۔“

”دوسری بات یہ کہ مجھے بتاؤ کہ تمہیں کس نے میرے پیچھے لگایا ہے؟“
 ”میں..... میں.....“

”تمہیں انتظار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم سوچ رہے ہو اور کوئی مناسب نام تلاش کر رہے ہو۔ بات صرف جھوٹ بولنے کے لئے ہوتی ہے۔ سوچ لو بتانا چاہتے ہو تو بتاؤ ورنہ پھر میں مجبور ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا اور وہ جلدی سے بولا۔“

”نہیں۔ پلیز نہیں، میری بات سنو۔“
 ”ہاں۔ ہاں۔ بولو۔“

”ظفر شاہ کو جانتی ہو؟“ اس نے کہا اور میرے چہرے پر نفرت کے گہرے نقوش پھیل گئے۔
 شخص کو میں اچھی طرح جانتی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

”ہاں جانتی ہوں۔“
 ”ظفر شاہ نے کہا تھا کہ تمہیں اس حد تک ناکارہ کر دیا جائے کہ تم کچھ نہ کر سکو اور اگر ہلکے بھی آگے بڑھ جائے تو پھر تمہیں ختم کر دیا جائے۔ میں مصروف تھا اور وہ شخص جو عین ذرا تیرے لئے کئی کام کر چکا ہے چنانچہ میں اپنی ذمہ داری اس کے سپرد کر کے اس بات سے مطمئن ہو گیا تھا ٹھیک کر لے گا لیکن..... لیکن.....“

”وہ تمہاری توقعات پر پورا نہ اتر سکا۔ خیر اس کے بعد کیا ہوا؟“
 ”اس کے بعد کیا ہوا؟“ مجھے خود ہی اس مسئلے کو دیکھنا پڑا تھا۔
 ”اس علاقے میں کیا کر رہے تھے؟“

”ہاں یوں سمجھ لو میں نے تمہیں اس علاقے میں دو تین بار دیکھا ہے۔“
 ”کیا ظفر شاہ نے تمہاری رہنمائی کی تھی؟“

”بالکل نہیں۔ میں نے خود ہی اپنی کوششوں سے تمہیں تلاش کیا تھا۔“
 ”مجھے کیسے جانتے تھے؟“

”تصویر کے ذریعے۔ مجھے تمہاری تصویر دکھائی گئی تھی۔“ اس نے کہا۔
 ”اب کیا کرو گے؟“

”میں نہیں جانتا۔ تم شیطان کی اولاد ہو۔ تم نے مجھ جیسے آدمی کو ناکارہ کر دیا ہے۔ میں نے اچھے سا کنبھال لیا لیکن تم.....“

”اچانک ہی میرے اندر خون پیدا ہو گیا۔ جو الفاظ اس نے کہے تھے وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ میرے لئے ہم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شیطان کی اولاد کہا تھا اس نے مجھے حالانکہ میرے باپ جیسا مظلوم آدمی روئے پر دوسرا نہیں ہوگا۔ بہت جذباتی تھی میں اپنے باپ کے سلسلے میں۔ اس بد بخت نے ایک ایسا جملہ کہہ دیا جو اسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ کچھ لمحوں کے لئے میں دنیا کی ہر بات کو اگلی۔ میرے حلق سے ایک خوفناک آواز نکلی۔“

”کیا کہا تو نے مجھے..... شیطان کی اولاد کہا ہے تو نے مجھے۔ شیطان ہے میرا باپ، شیطان کہا ہے تو نے مجھے۔“

میں اس پر ٹوٹ پڑی اور اس کے بعد قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے اپنی کیفیت کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکا۔ رعبی ہوں، کیسے کر رہی ہوں۔ میں نہیں جانتی ماحول سناں تھا اور صورت حال بڑی سنگین۔ میں اسے ہی تھی وہ تڑپ رہا تھا۔ چیخ رہا تھا اس کے بعد اس کی چیخیں بھی بند ہو گئیں اور اس کا تڑپنا بھی بند۔ وہ ساکت ہو گیا تھا۔ میں خونی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر میں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔
 ”شیطان کی اولاد ہوں میں..... کیوں.....؟ شیطان کی اولاد کہا تو نے مجھے۔“ لیکن وہ کچھ نہ۔ رفتہ رفتہ میرے حواس واپس آتے گئے اور پھر مجھے ایک دم احساس ہوا کہ اس میں زندگی باقی نہیں۔ مر چکا تھا وہ۔ میں نے نفرت سے اس کی لاش پر تھوک دیا۔ عین اسی وقت مجھ پر گاڑیوں کی روشنی آئی۔ دو دو گاڑیاں تھیں غالباً پولیس کی موبائل تھیں اور دوسرے لمحے مجھے کچھ آوازیں سنائی دیں۔

”خبردار..... خبردار۔ بھائے کی کوشش مت کرنا ورنہ..... ورنہ۔“ لیکن مجھے ہوش آ گیا تھا۔ اس آگے تھی۔ مجھے لاش کے قریب دیکھ لیا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک لمبی چلائنگ لگائی اور یہ سوچے بغیر کہ آگے کیا ہے دوڑتی چلی گئی۔

”خبردار۔ خبردار۔“ کی چند آوازیں پھر سنائی دیں اور اس کے بعد تڑا تڑا گولیاں چلنے لگیں۔ منہی منہی

روشن چنگاریاں میرے قریب و جوار سے گزرنے لگیں کس کو ان کی پروا تھی۔ میں چاہتی تو پلٹ کر بھی حملہ کر سکتی تھی لیکن یہ ضرورت سے زیادہ ہو جاتا۔ پستول کو اپنی حفاظت کے لئے اپنے پاس چاہیے۔ چنانچہ میں جان توڑ کر دوڑتی رہی اور چنگاریاں میرا پیچھا کرتی رہیں۔ وہ لوگ میرے پیچھے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس وقت قدرت کا نظارہ دیکھنے کو مل رہا تھا ورنہ پولیس وار طرح مجھ پر گولیاں برسارہے تھے اس سے چپتا ناممکنات میں سے تھا لیکن میں دوڑ رہی تھی۔ اس کا رہی تھی کہ شاید اس سے پہلے کبھی اتنی تیز رفتاری سے نہیں دوڑی تھی۔ بہر حال نہ جانے کتنی میرے ہوش و حواس قائم رہے۔ تھوڑے فاصلے پر کچھ روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ یہاں چڑھائی کم میں نہیں جانتی تھی کہ یہ روشنیاں کیسی ہیں لیکن بس بہت زیادہ تھک جانے کے باعث یا پھر ذہنی انہ عالم میں۔ میں ان روشنیوں کی جانب دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ پھر مجھے تاریکی میں کچھ دھندلے سائے نظر آئے اور میں برق رفتاری سے ان سایوں کے قریب پہنچ گئی۔ ٹرک کھڑے ہوئے تھے۔ فاصلے پر ایک جھونپڑا ہوٹل بنا ہوا تھا۔ غالباً یہ کوئی ٹرکوں کا اڈا تھا۔ بس اتنی قوت اور تھی بدن میں سے کسی ایک ٹرک پر چڑھ جاؤں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ میں ایک ٹرک پر چڑھ گئی اور اس کے قدر شدت کا چکر آیا کہ بس سر کو سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی تھی اس کوشش میں کامیابی نہیں ہو تھوڑی ہی دیر کے بعد میرا ذہن گہری تاریکیوں میں گم ہو گیا۔ بہت دیر گزر گئی تھی۔ آنکھ کھلی تو سر پر بھرا آسمان تھا اور چاروں طرف ہو کا عالم۔ گہری تاریکی قرب و جوار میں پھیلی ہوئی تھی۔ البتہ آس پاس لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور یہ باتیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک آواز میرے کانوں کے قریب ہی ابھری۔ بھونڈی اور بھدی آواز۔

ہولی ہولی بھل جانواں گے، اک دوسے دیاں شکلاں وی

ہولی ہولی سکھ جانواں گے، زندہ رہن دیاں عقلاں وی

کھلیاں ورگا روپ اوسدا، سوہنا سچا تاں

بھینج دے اتے مالکا، سکھ دی ٹھنڈی چھال

”اوانکے بھئی اٹکے۔ اوئے اج تو توں غضب ڈھاریاں اے کچھو۔ کیا ہو گیا بھئی؟“

”چھڑ یار! ہوتا کی اے۔ بس دل دیاں لگیاں۔“

دوسری آواز ابھری اور کوئی ٹرک کے پیچھے حصے پر چڑھ آیا۔ میں ایک دم آنکھیں بند کر کے تھی۔ اس وقت یہی صورت حال مناسب تھی ورنہ ان لوگوں کو جواب دینا پڑتا۔ اندازہ یہ ہو گیا تھا کہ پر کام کرنے والے ہیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور دوسرے لمحے ان میں سے ایک نے کہا۔

”اوئے ہوئے، ہوئے ہوئے۔ یہ کون ہے بھئی۔ ذرا دیکھو۔ ارے باپ رے کوئی لاش پڑا کسی لڑکی کی لاش ہے۔“

”لاش..... اوئے یار کیا کہہ رہا ہے تو بیٹھے۔ کیا مصیبت ہے یار؟“

”تو خود دیکھ لے۔ میں جھوٹ تھوڑی بول رہا ہوں۔“

دوسرے آدمی نے کہا۔ وہ رات کی تاریکی میں جھک جھک کر مجھے دیکھنے لگے۔ میں آنکھوں میں بھری کر کے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”یار یہ تو زندہ ہے۔“

”بے ہوش ہے شاید۔“

”دیکھو کوئی زخم دھم ہے کیا۔ پر یہ ہمارے ٹرک میں آ کیسے گئی؟“

”اودہ یار تو، تو مجھ سے ایسے پوچھ رہا ہے جیسے میں اسے لے کر آیا ہوں۔“

”پر اب کریں کیا؟“

”اے ہوش میں لاؤ۔“ دونوں مجھے ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے اور میں آنکھیں بند کیے رہی۔ مجھے ہوش میں تو آتا ہی نہیں تھا۔ ان میں سے ایک نے پریشان لہجے میں کہا؟

”اب کیا کریں یار بتاؤ۔“

”جبوری ہے۔ چیکنگ نہیں سکتے۔ اتار کر استاد سے پوچھو۔ استاد جو کچھ بھی کہے۔“ جواب میں سرے نے کسی کو آواز دی۔

”استاد..... استاد ذرا رکنا۔“

”کیا بات ہے؟“ ایک بھاری بھر کم آواز سنائی دی۔

”استاد ٹرک کے پیچھے حصے میں ایک لڑکی پڑی ہوئی ہے۔“

”کیا.....؟“

”ہاں۔ استاد زندہ ہے مگر بے ہوش ہے شاید۔“

”اوبو۔ ٹھہرو۔“ اگلے حصے کا دروازہ کھلا اور پھر کوئی پیچھے حصے میں چڑھ آیا۔ میں خاموشی سے دریت حال کا جائزہ لے رہی تھی۔ پولیس سے تو جان بچ گئی تھی لیکن یہ لوگ نجانے کون تھے۔ جو آدمی پر آیا تھا اس نے کہا۔

”اوئے یہ نوجوان لڑکی ہے۔“

”خوبصورت بھی ہے استاد۔“ دوسرے نے کہا اور استاد خاموش رہا لیکن پھر چٹاں کی آواز ابھری تھی ر دوسرا آدمی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

”میں نے کسی بڑے ارادے سے تو نہیں کہا استاد۔“

”پھر خوبصورتی کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ لڑکی ہے، بے ہوش پڑی ہے۔ پتا نہیں کس شکل کا شکار ہوئی ہے۔ بس اتنا کافی ہے۔“ ایک لمحے کے لئے صورت حال میرے ذہن میں آئی تھی اور اس نے سوچا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ کم از کم ان لوگوں میں ایک ایسا آدمی موجود ہے جو کسی کو خیرصورت کہنے پر تھپڑ مار سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے دل میں انسانیت زندہ ہے۔ چنانچہ ب مجھے ہوش آ جانا چاہیے۔ دوسرے لمحے میں حلق سے کراہوں کی آوازیں نکالیں اور پھر وحشت زدہ نرا میں اٹھنے کی کوشش کی تو چوڑے چپکے بدن والا چیخا۔

”اوہو۔ اوہو۔ تم ہوش میں آگئیں۔ فکر مت کرو۔ ہم تمہارے بھائیوں کی طرح ہیں۔ تمہیں تکلیف نہیں پہنچے گی یہاں۔ تم..... تم ہمارے اس ٹرک میں چڑھی ہوئی تھیں۔ بے ہوش تھیں لیکن فکر مت کرو کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر کسی نے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو اقسیم کا لایا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ کالیا ہے ہمارا نام۔“ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اکر کرتے ہوئے بولی۔

”میں تم لوگوں کی بہت شکر گزار ہوں بھائی! تم نے میری جان بچالی ہے۔ مگر تم کون ہو؟“

”انسان ہیں۔ بھائی کہہ رہی ہو تو پریشانی دل سے نکال دو۔“

”یہ کون سی جگہ ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ٹرک اڑا ہے۔ وہ دیکھو سامنے کمرانی کا ہوٹل ہے۔“

”میں یہاں سے شہر جانا چاہتی ہوں، کیا شہر جاسکتی ہوں؟“

”جہاں تم جانا چاہو جاسکتی ہو پہلے اپنے آپ کو سنبھالو۔ یہ بتاؤ ادھر کیسے آگئیں؟“

”میں ایک مصیبت زدہ لڑکی ہوں۔ کچھ لوگ میرے دشمن بن گئے ہیں۔ وہ میری جان لینا۔

ہیں۔ ان کے خوف سے دوڑی تھی۔ انہوں نے مجھے پیچھے کار میں اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ میر

ایک لمبی دوڑ لگائی۔ یہاں تک پہنچی، تھک گئی تھی۔ وہ میرے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ بمشکل تمام میں اوپر

گئی اور اس کے بعد میرے حواس قابو میں نہ رہے۔“

”کوئی بات نہیں۔ تمہارے دشمنوں کو بھی دیکھ لیں گے۔ بس ہم ایک بات کہتے ہیں تم سے، فکر

کرنا اگر تم نے کالیا پر شک کیا تو اسے بڑا دکھ ہوگا۔ دیکھو تم جہاں چاہو گی ہم تمہیں وہاں پہنچا دیں گے۔

”مجھے بس راستہ بتا دیجئے بھائی! میں خود چلی جاؤں گی۔ تمہاری اس مہربانی کا بے حد شکریہ ادا

ہوں۔ یہ کچھ رقم ہے رکھ لو۔ تمہارے احسان کے بدلے پر میں یہ رقم تمہیں دے رہی ہوں۔“ جواب

وہ شخص خاموش ہو گیا۔ میں نے اس کی صورت غور سے دیکھنے کی کوشش کی مجھے ایک لمحے کے لئے پوا

جیسے اسے میرے ان الفاظ سے دکھ ہوا ہو۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”خیرات فقیروں کو دیتے ہیں۔ تمہیں ایک بھائی میں اور فقیر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ بھائی

کے رشتے کو نہیں جانتی تم۔ کون ہو تم، کہاں سے تعلق ہے تمہارا؟“

”معاف کرنا بھائی! میرا بھی تصور نہیں ہے۔ دنیا اتنی بڑی ہو چکی ہے کہ ہر شخص لالچ میں ڈوبا ہوا

آتا ہے۔ میں نے تو صرف یہ سوچا تھا کہ تم.....“

”اور کچھ مت سوچنا۔ اللہ کا کرم ہے ہم بھی بیٹ بھر کر روٹی کھا لیتے ہیں۔ محنت مزدوری کرتے؛

اس ٹرک پر لوڈر ہیں۔ کالیا ٹرک ڈرائیور ہے اور ہمارا استاد ہے۔ ہم کنڈیکٹر ہیں، مال لے جاتے ہیں

لاتے ہیں۔ بس تم اپنے آپ کو دولت والا سمجھتی ہو تو تمہاری مرضی ہے ورنہ ہم نے تو تمہیں دیکھنے ہی

کہا تھا۔“ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں نے مجھے شرمندہ کر دیا۔ میں نے نوٹ واپس رکھتے ہو

کہا۔

”بھائی میں بتا چکی ہوں کہ کچھ ایسے حالات ہیں میرے کہ میں ہمدردی کو سمجھ ہی نہیں پاتی۔ میں شرمندہ ہوں، بڑی پریشان ہوں میں۔ اگر تم لوگ میری مدد کرو تو میں تمہاری بڑی شکر گزار ہوں گی۔“

”کچھ دشمن ہیں تمہارے؟“

”ہاں۔ یوں سمجھ لو کہ ایک تہذبات ہونے کے باوجود میں اپنے دشمنوں میں گھری ہوئی ہوں۔ وہ ہر

طرح سے میرے خلاف کوشش کر رہے ہیں۔ طرح طرح کے الزامات مجھ پر لگا رہے ہیں۔ مگر میں بچاؤ کر

رہی ہوں اپنا۔ کوشش کر رہی ہوں میں کہ اپنی عزت اور اپنی زندگی بچا سکوں۔“

”استاد! میرا خیال ہے اسے شاہ جی کے پاس لے چلتے ہیں۔ ہم نے اسے بمن کہا ہے۔ اس کی مدد ہمارا

فرض ہے۔ کیا خیال ہے؟“

”نہیک ہے بمن۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ہم تمہیں لے کر اپنی بستی چلتے ہیں۔ ہمارے ٹرکوں کا مالک

اور ہمارا استاد سلطان شاہ ہے۔ وہ جو کچھ ہے تم اس سے مل کر دیکھ لینا۔ وہ تمہاری ہر طرح سے مدد کرے

گا۔ ہم برے لوگ ہیں مگر اللہ نے ہمیں دل برا نہیں دیا ہے۔“

میں خاموش ہو گئی۔ میرا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ میں تو بہت پہلے یہ سوچ رہی تھی کہ

مجھے کچھ ایسے مددگار ملنے چاہئیں جو میرے لئے کام کریں۔ بات اصل میں یہی تھی۔ میرے سوچنے کا انداز

محدود تھا۔ کسی کو بھی اپنا ساتھی بنانے کی کوشش کروں گی اگر کوئی پڑھا لکھا سمجھ دار آدمی ہوا تو وہی کام

کرے گا تو مجھ سے اظہار عشق کر ڈالے گا یا پھر دولت کے چکر میں رہے گا لیکن یہ مخلص لوگ، ان سے

زیادہ مخلص بھلا اور کون ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے یہ میرے کام آئیں۔ میں نے گردن جھکا دی اور پھر وہ لوگ

تیار ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹرک میں بیٹھی ہوئی ان کے ساتھ جا رہی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے ان

لوگوں پر بے حد اطمینان ہو گیا تھا۔ یہ لوگ غلط نہیں ہو سکتے اور پھر ویسے بھی میں ہر طرح کے لوگوں سے

رشتے کے لئے اپنے آپ کو تیار پاتی تھی۔ اب میں نے جب اس زندگی میں قدم رکھ ہی دیا تھا تو پھر خوف کھانا

بے کار بات تھی۔ ضروری تھا کہ پہلے خوف کے شکنجے سے نکل آؤں۔ پھر اپنے لئے فیصلے کروں۔ کتنے کردار

تو میرے سامنے بکھر گئے تھے۔ ظفر شاہ، نادہ اور اس کے بعد سب سے بڑی شخصیت الماس بیگم کی جنہوں

نے مجھے چیلنج کر دیا تھا۔ نہ صرف چیلنج کر دیا تھا بلکہ اپنے کسے پر عمل بھی کر ڈالا تھا اور اب پولیس بھی میرے

پیچھے لگ گئی تھی۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے ہاتھوں ایک قتل ہو گیا تھا اور میں پولیس کی

نگاہوں میں قاتل بن چکی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ میرے بارے میں وہ ابھی کچھ جانتے تھے یا نہیں جانتے

تھے۔

ٹرک سفر کرتا رہا اور پھر وہ ایک قدرے پسماندہ علاقے میں پہنچ گیا۔ یہاں بڑا رش تھا۔ طرح طرح کی

جہیز فروخت ہو رہی تھیں۔ حالانکہ رات اچھی خاصی گزر چکی تھی لیکن ایسا لگتا تھا جیسے یہاں کے لوگ

سونا نہیں جانتے ہوں گے۔ پھر وہ لوگ نیچے اتر آئے۔ لمبے لمبے قد قامت کے مالک تھے۔ مجھے بھی انہوں

نے نیچے اتارا اور پھر ایک کچی گلی میں آگے بڑھ گئے۔ لال اینٹوں سے بنی ہوئی گلی جس دروازے پر ختم ہوئی

تھی اس پر رک کر بشیر نامی شخص نے دروازے پر دستک دی اور چند سماعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔

”ہاں۔ کیا بات ہے؟“ اندر سے ایک آواز ابھری۔

”کچھ نہیں شاہ جی کے پاس آئے ہیں۔“

”ارے تم لوگ ہو۔ میں تو پہچان ہی نہیں سکا۔ آجاؤ اندر آجاؤ۔“ آواز دوبارہ ابھری اور دو کھل گیا۔ کالیا نے پلٹ کر کہا۔

”آجاؤ بابی! اندر آجاؤ۔“ میں اندر داخل ہو گئی۔ یہ ایک کشادہ صحن تھا اور اس کے بعد اتنا ہی کڑ والاں جس میں کچھ تخت پڑے ہوئے تھے۔ تختوں کے نزدیک کچھ لوگ بیٹھے ہوئے چرس وغیرہ پی رہے تھے۔ چرس کی بو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ہم اندر پہنچے تو کچھ نگاہیں ہماری طرف اٹھیں اور پھر اب کام میں مصروف ہو گئیں۔ کالیا، بشیر اور کاجھو تینوں مجھے لئے ہوئے والان سے گزر کر ایک کمرے دروازے تک پہنچ گئے۔ دروازہ کھولا اور دوسری جانب ایک بڑا سا ہال نما کمرہ سا نظر آیا۔ اس ہال میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہی میں ایک شخص جو نمایاں تھا تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ ایک طویل القامت اور چوڑے چپکے بدن والا شخص تھا جس کی داڑھی بھی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ ان بڑی بڑی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔ اس کے جسم کو دیکھتے ہی یہ اندازہ جاتا تھا کہ وہ فلواد کا بیٹا ہوا ہے اور کسی بھی انسان کو صرف اپنے بازوؤں کے شکنجے میں کس کر ہلاک کر سکا ہے۔ اس نے ان تینوں کو دیکھا اور پھر مجھے پھر اس کے بعد وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

”کیا بات ہے؟ تم لوگوں کو تو کہیں اور جانا تھا اس وقت؟“ اس نے ایک بار پھر مجھے دیکھا۔ میں بغور اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ عورت کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک خاص حس دی ہے۔ وہ کتنی ہی معصوم لیکن مرد کی نگاہ پہچان لیتی ہے اور میں نے بھی اس وقت اس خطرناک شخص کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ بات سوچنے والی تھی۔ آتو کئی تھی میں یہاں تک۔ اپنے آپ پر بھی ہمسورہ کیا تھا اور ان لوگوں پر بھی لیکن اس کے باوجود اس احساس کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی کہ میں عورت ہوں جس کے لئے قدم قدم پر خطرات بکھرے ہوئے ہیں۔ اچھے لوگوں کی کمی ہے، بروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے سے نکل کر چولے میں آچھنوں لیکن ایک لمحے کے اندر اندر میں نے محسوس کر لیا تھا کہ مجھے دیکھ کر اس لے اور چوڑے چپکے آدمی کی آنکھوں میں کوئی غلط تاثر نہیں ابھرا تھا جسے سب لوگ شاہ جی کہہ کر پکار رہے تھے۔ بس اس نے ایک سرسری سی نگاہ ڈالی تھی مجھ پر اور اس نگاہ میں سادگی تھی۔ پھر وہ کالے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”کیا بات ہے کالیا؟ کون ہے یہ بی بی؟“

”شاہ جی! تمہارے پاس ایک کام سے آئے ہیں۔“

”بول۔ کیا کام ہے؟ اس بچی کے بارے میں بتاؤ یہ کون ہے؟“

”ہم نے اپنی شاہ جی! کالیا نے جواب دیا اور سلطان شاہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

”ہم نے تو ادھر کیوں کھڑے ہوئے ہو؟ چلو ادھر آجاؤ۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ہمارے آگے آگے بڑھ گیا۔ پھر وہ ہمیں ایک دوسرے کمرے میں لے کر آیا تھا۔ اس کمرے میں تھوڑا سا فرنیچر بھی بڑا ہوا

۱۔ اس نے نرمی سے میری طرف رخ کر کے کہا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ اور پھر سوالیہ نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھنے لگا۔

”کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟ یہ سب کچھ مجھے بڑا عجیب لگ رہا ہے۔“

”شاہ جی! یہ لڑکی برسے حالات میں ہے۔ کچھ لوگ اس سے دشمنی پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ وجہ ہم نے میں پوچھی بس یہ بے چاری سمجھی تھی کہ ہم اس کی عزت کے دشمن بن گئے ہیں۔ ڈر رہی تھی ہم سے۔ م نے اسے بہن کہہ دیا۔ یہ بڑی مصیبتوں میں پھنسی ہوئی ہے، شاہ جی!“ سلطان شاہ نے رحم آلود نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولا۔

”فکرت کرو بہن! ہر شخص کا تمہارا اللہ ہوتا ہے اور وہ اپنی اس پیاری زمین پر کسی نہ کسی کو ہر ایک کی مدد کے لئے مقرر کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ سب اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے مددگار بنائے گئے ہیں۔ میں تم سے ابھی کچھ نہیں پوچھوں گا۔ آرام کرو۔ یہاں تمہیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ تھوڑا سا اپنے آپ کو سکون دے لو اس کے بعد میں تم سے تمہارے بارے میں معلومات کروں گا۔ ٹھیک ہے۔ اب تم ایسا کرو یہیں آرام کرو اور سکون سے یہاں رہو۔ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا۔ وہ مجھے لے کر ایک اور کمرے میں آگئے اور یہاں انہوں نے میرے لئے آرام کا بندوبست کیا۔ بات کچھ نہیں تھی۔ رمضان میرے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ میں اس کی تفصیل جانتا چاہتی تھی۔ آنے والی پولیس ہی تھی۔ اس کا مجھے پورا پورا یقین ہو گیا تھا لیکن کیا پولیس کو میرے بارے میں تفصیلات معلوم ہو سکیں؟ دوسری چیز یہ سلطان شاہ تھا جو لوگ اس کے ساتھ آئے تھے وہ تینوں تو برسے اچھے انسان معلوم ہوتے تھے حالانکہ ان کے ملے، ان کے چہرے تمام چیزیں ایسی تھیں جنہیں دیکھنے کے بعد کوئی بھی یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ خطرناک لوگ ہیں اور ان سے زیادہ عزت کے دشمن اور کوئی نہیں ہو سکتے لیکن کیا کہا جاسکتا ہے۔ چہرے اللہ کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اور ان چہروں کے نیچے جو جسم ہوتے ہیں ان میں جو کچھ ہوتا ہے وہی اصلیت ہوتی ہے۔ یہ لوگ برسے اچھے ثابت ہو رہے تھے حالانکہ باہر کا ماحول میں دیکھ چکی تھی۔ اب اتنی معلومات تو مجھے بھی تھی کہ چرس اور منشیات کے ایسے اڈوں پر جس کو سلطان شاہ جیسا شخص چلا رہا ہو، اچھے لوگ نہیں ہوتے اور کسی بھی وقت وہاں خطرہ رہ سکتا ہے لیکن اب پتا نہیں سلطان شاہ کیا چیز تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ کوئی حرج تو نہیں ہے اگر کوئی گڑبڑ ہو بھی جاتی ہے تو دیکھ لوں گی۔ کیا ہوگا۔ ویسے میرے ذہن میں ایک تصور یہ بھی آیا تھا کہ اس طرح کے لوگوں کو اگر اپنا ساتھی بنالوں تو الماس بیگم کے مقابلے پر اچھے لوگ آسکتے ہیں یا پھر اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ الماس بیگم ان لوگوں کو اپنے دائرہ کار میں لے آئیں۔ پر اب جب مصیبتوں میں سرورے ہی دیا تھا تو باقی چیزوں کا کوئی خوف نہیں کرنا چاہیے۔ پتہ تو اور چاقو میرے پاس موجود تھا۔ ان لوگوں نے اب تک مجھ سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک عمر رسیدہ عورت اندر آ گئی۔

”میرا نام نجی ہے۔ شاہ جی نے مجھے میرے گھر سے بلایا ہے۔ اصل میں یہاں کوئی عورت نہیں ہے۔ شاہ جی نے بتایا کہ ان کی بہن آئی ہوئی ہے۔ بی بی میں تمہاری خدمت کے لئے ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ میں

تمہارے لئے کیا کروں؟

”اس وقت تو مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں فنی خالہ۔ کوئی ضرورت ہوئی تو بتا دوں گی۔“

”تم چاہو تو میں تمہارے ساتھ بیٹیں زمین پر بستر بچھا کر سو جاؤں گی۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”تم فکر مت کرو، میں تمہارے کمرے کے باہر ہی موجود ہوں۔ شاہ جی نے کہا تھا کہ اگر تم مجھے سونے کی اجازت نہ دو تو باہر میں اپنی چارپائی ڈال لوں۔“

”فنی خالہ! یہی مناسب ہو گا۔ اس وقت مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔“ بوڑھی عورت باہر گئی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ چائے کے برتن لئے ہوئے اندر آگئی۔

”چائے میں نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ شاہ جی نے کہا کہ باہر ہوٹل کی چائے تمہیں پسند آئے گی۔ برتن بھی صاف ستھرے ہیں۔ دیکھ لو اگر پسند نہ آئیں تو دوبارہ دھو لیتی ہوں۔“

”نہیں فنی خالہ! ٹھیک ہیں، آؤ میرے ساتھ آپ بھی چائے پیو۔“

”نہیں! ارے بیٹا! شاہ جی کو یہ بات پسند نہیں آئے گی، حالانکہ وہ ایک بہت اچھا آدمی ہے۔“

”بیٹھو تو سہی فنی خالہ! کچھ باتیں ہی کریں گے۔ لو تم اس چائے دانی میں چائے پی لو۔ میرا مقصد پلیٹ میں نکال نکال کر۔“ فنی میرے ساتھ چائے پینے کے لئے بیٹھ گئی۔ واقعی بہت اچھی چائے بنائی تھی میں نے اس کی چائے کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”فنی خالہ! تم کرتی کیا ہو؟“

”پڑوس ہی میں رہتی ہوں بیٹا! یہ جو اپنا سلطان شاہ ہے نا، اسی محلے میں پیدا ہوا۔ بڑے اچھے بابہ بیٹا تھا۔ اس کے اباجی نوکری کرتے تھے لیکن جہاں نوکری کرتے تھے وہاں ان کے کچھ دشمن پیدا ہو گئے۔ پر پیسے چرانے کا الزام لگایا گیا۔ تھانے میں ڈال دیا گیا۔ عزت دار آدمی تھے، تھانے میں ہی مر گئے یا پھر پول والوں نے مار ڈالا۔ بس سمجھ لو سلطان شاہ اس وقت اٹھارہ انیس سال کا تھا۔ وہیں سے بگڑ گیا۔ جیلیں کا بندوں کو مارا مگر اب بڑی حیثیت ہے اس کی۔ بہت اچھا آدمی ہے، سمجھ لو محلے کا رکھوالا ہے۔ ہر ایک ساتھ اتنی اچھی طرح رہتا ہے کیا خیال ہے کہ محلے میں اگر کوئی بد معاشی کر جائے۔ سلطان شاہ کا نام سن کر لوگ کانپتے ہیں۔“

”گلتا ہے فنی خالہ! ایسا ہی گلتا ہے۔“

”اور یہی نہیں، محلے کی بو بیٹیوں کی عزت اس کی اپنی عزت ہے۔ مجال ہے کوئی کسی کی طرف آٹھا کر دیکھ جائے۔ آنکھیں نکال کر ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ بڑے اچھے لوگ ہیں یہ۔ تمہیں تعجب ہو گا، پتا نہ تم کون سے محلے، کون سے علاقے یا کون سے شہر کی ہو لیکن تم نے ایسی جگہ پہلے کبھی نہیں دیکھی ہو گی بڑے اچھے اچھے تیس مار خان میاں آکر ناک رگڑتے ہیں اور سلطان شاہ ان کی ہر طرح سے مدد کرتا ہے۔ فنی خالہ نے سلطان شاہ کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے تھے۔ اتنا اندازہ تو مجھے بھی ہو گیا تھا کہ یہ بڑے آنے والے لوگ کافی اچھے لوگ ہیں۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان لوگوں کا مل جانا میرا

لے ایک بہت اچھی بات تھی۔ ایسے لوگوں کے درمیان مجھے کس طرح رہنا ہو گا، یہ بھی سوچنا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ رہنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ جو مختصر کمائی میں نے انہیں سنا دی تھی اس کے بعد میں خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گی۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ سوچ کر میں خاموش ہو گئی اور پھر یہاں میرا وقت گزرنے لگا۔ دوسرے دن صبح کو فنی خالہ آئیں تو میں نے ان سے کہا۔

”خالہ! یہاں اخبار وغیرہ نہیں آتا؟“ فنی خالہ ہنس پڑی تھیں۔ پھر انہوں نے کہا۔

”اے بیٹا۔ آیا تو ہو گا پر ہمیں اس بارے میں بھلا کیا معلوم۔“

”خالہ! مجھے کچھ اخبار منگوا دیئے جائیں گے؟“

”ہاں! ہاں کیوں نہیں۔ میں چھیکے سے کتنی ہوں، وہ اخبار لادے گا۔“ وہ آگے بڑھنے لگیں تو میں نے ان سے کہا۔

”خالہ! یہ پیسے رکھ لو۔“

”ایسا ہے کہ بعد میں لے لوں گی تم سے۔ ابھی تو میں اپنے پاس سے منگوا لیتی ہوں۔ تم ہماری مہمان ہونا۔ اگر کسی نے پوچھ لیا کہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں تھی تو مجھے بتانا پڑے گا اور اگر شاہ جی نے یہ پوچھ لیا کہ مہمان کی ضرورت کیا اس سے پیسے لے کر پوری کی گئی ہے تو پھر تو سمجھ لو کہ مصیبت ہی آ جائے گی ہماری۔ ہاں اگر پیسے نہ ملے تو تم سے لے لیں گے۔“ میں ہنسنے لگی، میں نے کہا۔

”اچھا ٹھیک ہے فنی خالہ! اخبار منگوا دو مجھے۔“ تھوڑی دیر کے بعد کچھ اخبار آگئے تھے اور میں چائے کے ساتھ اخبار پڑھنے لگی تھی لیکن ایک خبر پر نظر پڑتے ہی میرا دل دھک سے ہو گیا۔ اسی خبر کے لئے میں نے اخبار منگوا لیا تھا۔ میں جلدی جلدی خبر پڑھنے لگی۔ پورا واقعہ درج تھا۔ ایک قتل کی کمائی سنائی گئی تھی اور مقتول ایک بدنام زمانہ اسمگلر تھا جس کا نام رمضان تھا۔ اسے قتل کرنے والی ایک نوجوان لڑکی تھی جو فرار ہو گئی حالانکہ پولیس نے اس کا بہت دور تک پیچھا کیا تھا لیکن پولیس اس پر ہاتھ ڈالنے میں ناکام رہی۔ پولیس نے دعویٰ کیا تھا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر وہ لڑکی کا سراغ لگا لے گی اور اسے گرفتار کر لے گی۔ تین اخبارات میں یہ خبریں چھپی تھیں۔ ایک دو تک خبر نہیں پہنچی تھی۔ میں خنگ ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔ قتل کا معاملہ ذرا غلط ہو گیا تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ الماس بیگم کے میکے کا پورا خاندان سیاسی حیثیت رکھتا تھا اور ان کے بڑے وسائل تھے۔ اگر ان کے ذریعے بات آگے بڑھ گئی تو میرے خیال میں بے چارہ سلطان شاہ بھی کچھ نہیں کر سکتے گا۔ بہر حال اتنا تو میں جانتی تھی کہ وہ صرف ایک غنڈہ ہے۔ غنڈہ گردی الگ چیز ہوتی ہے اور اس سلسلے میں کوئی ٹھوس قدم اٹھانا بالکل ایک الگ بات ہوتی ہے۔ بہر حال میں بڑی کشش کا شکار ہو گئی۔ یہ سوچنے لگی کہ سلطان شاہ جیسا آدمی اگر یہ سمجھ لے کہ میں نے ان سے جھوٹ بولا ہے تو بات اور خطرناک ہو سکتی ہے۔ ان جیسے سر پھرے لوگ بہت جذباتی ہوتے ہیں اور انہیں بھڑکانا بالکل مناسب نہیں ہو گا۔ دماغ میں پکر آتے رہے۔ سوچتی رہی کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ بہر حال وقت گزرتا رہا۔ ناشائستہ لکھنا کوئی پابندی نہیں تھی۔ سلطان شاہ نے بھی ابھی تک دوبارہ ملاقات نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی اور شام کے تقریباً ساڑھے پانچ بجے سلطان شاہ میرے پاس آیا۔

”ارے نہیں نہیں شاہ جی! یقین کرو ایسی بات نہیں ہے۔ بس اندر آ گیا تھا اپنا گھر سمجھ کر۔“
 ”خیر خیر اس سے بڑی باتیں نہیں بھی کرنا آتی ہیں۔ کو کیا بات ہے۔“
 ”آؤ شاہ جی بیٹھو گے نہیں۔“

”کام کی بات کرو۔ کام کی بات اور میاں سے دفع ہو جاؤ فوراً ورنہ غفار خان‘ اس طرح سے آنے لے کو میں.....“

میرے دل میں خوف کی پرچھائیاں رقصاں ہو گئیں۔ میں نے ایک زخمی پرندے کی مانند ادھر ادھر مائل پھر میری نگاہ اس کھڑکی پر پڑ گئی جسے میں پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ عجیب سی کھڑکی تھی جس میں شیشہ ڈالنا۔ سلاخیں نہیں لگی ہوئی تھیں۔ لمبی اور اتنی بڑی کہ ایک آدمی اس میں سے با آسانی نکل سکے۔ شبہ ہوا کہ پولیس مجھ تک پہنچ جائے گی۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہیں اور دوسرے لمحے میں کھڑکی کی جانب بڑھی اور کھڑکی سے باہر نکل گئی۔ ادھر ایک پتلی سی گلی تھی اور کے بعد احاطے کی دیوار۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں اس پتلی سی گلی سے کود جا۔ احاطے کی دیوار پر چڑھنا میرے لئے مشکل ثابت نہیں ہوا۔ دوسری طرف کوئی تو تھوڑے ہی فاصلے

رہے ہوئے تھے۔ میں تیز رفتاری سے آگے بڑھتی ہوئی ان گھروں کے درمیان داخل ہو گئی اور بہت سے چلتی ہوئی دوسری جانب جانے لگی لیکن مجھے پتا نہیں تھا کہ کیا صورتِ حال پیش آئے گی۔ اچانک پر گولیوں کی بوچھاڑ ہو گئی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ گولیاں چلانے والی پولیس ہے یا میرے لیکن ایک گولی میرے نچے کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔ میرے حلق سے ایک کراہ نکلی اور میں زمین پر گر پھراں کے بعد مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ کیونکہ زمین پر گرے ہوئے میرے سر میں ایک پتھر تھا۔ آہ۔ شاید میں نے غلطی کی تھی، بہت بڑی غلطی کی تھی۔ ہو سکتا ہے سلطان شاہ واقعی میری ڈھال تھا اور مجھے کوئی دشواری پیش نہ آتی لیکن اب سب کچھ معدوم ہو گیا تھا۔ ہوش تو خیر آنا ہی تھا۔ زندگی ہے تو اس قسم کے معاملات بھی چلتے ہیں چنانچہ مجھے ہوش آیا۔ نہ جانے کب ہوش آیا تھا اور ہوش بھی کس سے آیا تھا۔ آنکھ کھلی تو سامنے نظر آنے والا چہرہ برا خیرصورت تھا۔ سفید لباس میں پری جیسی کی مالک نرس میرے سامنے کھڑی تھی۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ مسکرا دی۔

”ہیلو۔ کیسی طبیعت ہے؟“ میں کھوئی کھوئی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ گزرے ہوئے لمحات کو یاد

”ٹھیک ہے شاہ جی! مجھے ذرا سوچنے کا موقع دیجئے۔ یہ نہ سمجھنے کے مجھے آپ لوگوں پر بھروسہ ہے۔ اللہ نے آپ لوگوں کو نیرادوگار بنا کر اس دنیا میں اتارا ہے تو میں بھی اپنے مددگاروں کو دل سے کرتی ہوں لیکن شاہ جی! بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جہاں انسان بڑا محتاط ہوتا ہے اور اپنے آپ میں ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ خدا خواستہ دوسرے پر اس کو بھروسہ نہیں ہوتا۔ وہ ڈرتا ہے، وہ آپ سے ڈرتا ہے، بس یہی صورت حال ہے۔“

”ٹھیک ہے، ہم اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کہیں گے۔“ اسی وقت ایک آدمی اندر داخل ہو پولا۔

”شاہ جی! پولیس آئی ہے۔ انسپکٹر غفار خان تحقیقات کرنے کے لئے آیا ہے کچھ۔“

”تحقیقات کرنے کے لئے آیا ہے انسپکٹر غفار خان! آؤ ذرا دیکھیں۔ کیسی تحقیقات کرنا چاہتا ہے ہے کہاں؟“

”شاہ جی! وہ اندر آچکا ہے۔“

”بغیر اجازت کے؟“

”نہیں۔ وہ کہتا ہے شاہ جی سے بڑا ضروری کام ہے۔“

”اچھا..... کمال ہے بھی پہلے ایسا ہوا تو نہیں ہے۔“ اسی وقت کمرے کے دروازے کے باؤں تک ہوئی اور سلطان شاہ باہر نکل گیا۔ نجانے کیوں میری چھٹی حس نے مجھے ہوشیار کیا تھا کہ بات شاید مجھ سے ہی متعلق ہے۔ میں خاموشی سے دروازے کے پاس آکھڑی ہوئی۔ یہاں سے باہر جھانکنے کی جھرمچ موجود تھی۔ میں نے باہر جھانکا۔ ایک لمبے جوڑے بدن کا خطرناک سی شکل کا پولیس آفیسر دروی میں لمبا موجود تھا۔ اس نے سلطان شاہ کو سلام کر کے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”معاف کرنا شاہ جی! اتنی جلدی میں تھا کہ سیدھا اندر آ گیا۔“

”جب ہمارے دوست آتے ہیں تو پہلے دروازے پر رکتے ہیں یا آنے سے پہلے ہمیں اطلاع دیتے ہیں کہ وہ آرہے ہیں اس کے بعد ہم ان کا استقبال کرتے ہیں۔ جو جانور کی طرح منہ اٹھائے اندر گھس چلا آتا ہے وہ دوست نہیں ہوتا اور جو دوست نہیں ہوتا اس سے ہاتھ نہیں ملایا جاتا۔ غفار خان تم نے بنیاد ڈالی

کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور مجھے گزرے ہوئے لمحات یاد آگئے وجود میں ایک اضطراب سا اٹھا لیکن فوراً میں نے خود کو سنبھال لیا۔

”ٹھیک ہوں نرس۔“

”کوئی ضرورت محسوس ہو رہی ہے؟“

”ہاں۔“

”بتائیے مجھے۔“ نرس نے کہا۔

”اپنے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔“

”کیا؟“

”گولی لگی تھی میرے پاؤں میں۔“

”ہاں شاید، لیکن بہت معمولی سی چوٹ لگی ہے۔ بس گولی ٹخنے کے قریب گوشت کو چھوتی ہوئی“

گئی ہے۔ بینڈج کر دی ہے آپ ذرا پاؤں ہلا کر دیکھئے۔ کوئی تکلیف محسوس ہو رہی ہے آپ کو۔“

میرے دل میں خوشی کی ایک لہریں پیدا ہوئی۔ پہلے تو میں نے سوچا تھا کہ شاید مصیبت آگئی لیکن

اپنے آپ کو اتنا آسان دیکھ کر حیرت ہوئی تھی اور سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اتنی آسانی کیسے ہو گئی۔ میں

ظاہر ہے نرس سے یہ سب کچھ نہیں پوچھا تھا۔ پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ڈاکٹر اندر آ گیا۔ اس

بھی پر خلوص انداز میں مجھ سے میری خیریت پوچھی اور پھر نرس سے کہا کہ مجھے ناشتا دیا جائے۔ میں بیل

اتر گئی اور اپنے پاؤں سے چل کر واش روم گئی۔ میں یہ یقین کرنا چاہتی تھی کہ میرے دشمنوں کو اس

کے بارے میں معلوم ہے یا نہیں۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ گولی کس نے چلائی تھی۔ پولیس

قاتلہ کی تلاش میں وہاں تک پہنچی تھی اور پھر میں وہاں سے فرار ہو گئی تھی۔ بعد میں کیا ہوا میرے

کو بھی نہیں معلوم تھا۔ آہ! کاش کسی طرح مجھے یہ سب پتا چل جائے۔ پتا نہیں اسپتال کون لایا تھا مجھے؟

نرس سے یہ ساری باتیں پوچھنا مناسب نہیں تھا۔ بہر حال ناشتا کیا؟ نرس مجھے آرام کرنے کے

کہہ کر چلی گئی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجھے کرنا کیا چاہیے۔ معلومات حاصل کروں۔ یہ وہ

کہ کہیں میں پولیس کی تحویل میں تو نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے مجھے زخمی پا کر اسپتال میں داخل کرا دیا

باہر پولیس موجود ہو۔ اس خیال سے دل کو ایک شدید خوف کا احساس ہوا۔ اگر ایک قاتلہ کی حیثیت

مجھے گرفتار کر لیا گیا تو اس کے بعد جیل میں وقت گزرے گا اور چونکہ اس وقت میرا پڑسانہ حال کوئی

نہیں ہے اور وہ دشمن ہیں جنہوں نے زندگی بھر میری ناز برداریاں کی ہیں اور اب وہ مجھے موت کے

اتارنے پر تے ہوئے ہیں تو ایسی شکل میں کسی کی مدد کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ جہاں تک سلطان

تعلق ہے تو ہو سکتا ہے کہ اب وہ بھی میرے خلاف ہو گیا ہو۔ میں اپنے جذبات پر قابو نہیں پاسکتی تھی

خوف کا شکار ہو کر وہاں سے نکل بھاگی تھی کہ کہیں پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جاؤں۔ صورت حال کافی

ہو گئی تھی۔ بہر حال اس کے بعد کیا ہوا یہ صیغہ راز میں تھا لیکن اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ کہیں سے اس

میں کچھ نہیں معلوم ہو سکتا۔

ناشتے سے فراغت حاصل کر کے میں نے کمرے میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ میرے بستر کے

سمت ایک کھڑکی موجود تھی۔ نہ جانے یہ کھڑکی کہاں کھلتی ہے۔ مجھے ہنسی آگئی۔ کھڑکی میری زندگی میں

نمایاں حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ کہیں نہ کہیں مل ہی جاتی ہے اور میرا کام بن جاتا ہے۔ یہاں بھی یہ

لی بڑی کار آمد تھی۔ بہر حال میں نے سوچا کہ میں اس کھڑکی کے ذریعے نکل سکتی ہوں اور میرے لئے

فائدہ مند رہے گی۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا اور اس انداز میں آگے بڑھی جیسے صرف اس

لی سے دوسری طرف دیکھنا چاہتی ہوں یا کمرے میں چل قدمی کر رہی ہوں۔ میں نے کھڑکی کھول کر

ی طرف دیکھا۔ اسپتال کی چار دیواری زیادہ دور نہیں تھی۔ کھڑکی کی دوسری طرف کار پارکنگ تھی

یہ جگہ ذرا اونچی تھی۔ یعنی یہ کہ دوسری طرف زمین پر کھڑے ہو کر کھڑکی سے اندر نہیں جھانکا جاسکتا

بہت اوپر چڑھا جاسکتا تھا لیکن کھڑکی کی دوسری طرف دیکھ کر میرے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل

اس طرف دو آدمی موجود تھے اور ان دونوں کو میں اچھی طرح پہچانتی تھی۔ ان میں ایک کاجپو تھا اور

ایک بلیئر۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ ایک ایسا احساس جو اس سے پہلے

ہوا تھا۔ یہ تو میں بالکل نہیں جانتی تھی کہ سلطان شاہ نے پولیس کو کس طرح ٹالا۔ پولیس انسپکٹوریوں

تھا جیسے سلطان شاہ کے ذریعے کی تلاشی لینے پر مٹا ہوا تھا۔ حالانکہ اس کے اور سلطان شاہ کے درمیان

ت جیت ہوئی تھی وہ خاصی سخت تھی۔ پتا نہیں سلطان شاہ نے اس سے کیا کہا سنا اس کے علاوہ میں تو

کل ہی آئی تھی کم از کم پولیس تو مجھ پر تو گولیاں نہیں چلا سکتی تھی۔ پھر وہ کون لوگ تھے جنہوں نے مجھے

ا کرنے کی کوشش کی تھی۔ یا پھر ہلاک کرنے میں ناکام رہے تھے۔ مجھے اسپتال کون لایا؟ اب تو یہی

س ہو رہا تھا کہ ایسا کرنے والا یقینی طور پر سلطان شاہ ہی تھا اور اس کے آدمی۔ کیونکہ کسی اور آدمی کے

کی یہ بات نہیں تھی۔ سارے معاملے ان لوگوں نے سنبھال رکھے تھے۔ ایک بار پھر مجھے یہ احساس ہوا

اب ان حالات میں سلطان شاہ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ وہ لوگ گمرانی کر رہے تھے اور ظاہر

ہے کہ ان کا کوئی ذاتی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ صرف اپنا فرض نبھا رہے تھے۔

بہت دیر تک انہی سوچوں میں ڈوبی رہی تھی۔ الماس آراء کے لئے اب میرے دل میں اور کوئی جذبہ

تھا۔ سوائے نفرت کے۔ ہوٹل میں ان سے جو باتیں ہوئی تھیں اس کے بعد تو کوئی اور بات سوچنا یا کسی

کی رعایت اور مروت کا احساس بھی حماقت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ جس عورت نے پہلے میرے باپ کو

لی سے دور کیا اس کے بعد میری ماں اور بہنوں کو نوکروں کی طرح رکھا یہاں تک کہ مجھ سے میری ماں

سے عزتی کرانی اس عورت کے ساتھ کسی رشتے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اب وہ میری بدترین

نا تھی۔ کہیں ایک اور احساس بھی میرے دل میں جاگتا تھا۔ وہ ایک تجربہ کار عورت تھی۔ جرم اس کے

کوئی نئی چیز نہیں تھی اور میں نئی ہی اس دشت کی سیاح بنی تھی۔ میں اس معیار کو نہیں پاسکتی تھی جس

تحت میں اس خطرناک عورت سے بھرپور مقابلہ کرتی۔ مجھے کھڑتا ہو گا کچھ اور کھڑتا ہو گا۔

انہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ ایک پڑوقار سی شکل کا ڈاکٹر اندر آ گیا۔ اس نے مسکراتی نظروں

مجھے دیکھا۔ پھر بولا۔ ”ہیلو بے بی۔ کیا حال ہے تمہارا؟“

”ٹھیک ہوں ڈاکٹر صاحب۔“

”تکلیف کیسی ہے؟“

”تکلیف تو بالکل نہیں ہے۔“

”ہوتی بھی کیوں؟ کیونکہ زخم نہ ہونے کے برابر ہے۔ بے ہوشی سر میں چوٹ لگنے کی وجہ۔“

”لیکن لگتا ہے شاہ جی تمہیں بہت چاہتے ہیں۔“

”جی!“ میں نے مختصر اگما۔

”کچھ باتیں کریں۔“ ڈاکٹر نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”جی۔“ میں نے پھر رسمی انداز میں کہا۔

”تم یہاں رکنا چاہتی ہو؟“

”میں سمجھی نہیں ڈاکٹر صاحب۔“

”تمہارا پاؤں بالکل ٹھیک ہے۔ اب تمہیں صرف آرام کرنا ہے۔ کیا تم یہاں سے جانا چاہتی ہو؟“

”شاہ جی کیا کہتے ہیں؟“

”وہ تمہیں یہاں رکھنا چاہتے ہیں۔“

”جو کچھ وہ چاہتے ہیں وہی ٹھیک ہے۔“

”ہاں یقیناً۔ ایک بات اور پوچھ سکتا ہوں؟“

”جی ڈاکٹر صاحب۔ ضرور۔“

”شاہ جی سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟“

”وہ میرے بھائی ہیں۔“ میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر کے چہرے پر کشمکش کے آثار نظر آنے لگے۔

اس نے کہا۔

”دیکھیے خاتون۔ میری ان باتوں سے یہ نہ سمجھیں کہ میں کوئی تفتیش کر رہا ہوں۔ میں ڈاکٹر اور میرا کام علاج کرنا ہے لیکن ڈاکٹر کے علاوہ میں انسان بھی ہوں اور انسان کے اندر تجسس ہوتا ہے جی کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ سلطان شاہ ان لوگوں میں سے ہے جو برے نہیں مگر نہ جانے کیوں برائی کا لیل لگا لیتے ہیں۔ وہ زبان سے کسی کو کچھ کہہ دیتے ہیں تو زندگی کی قیمت پر بھاتے ہیں۔“

”بے شک۔“

”کیا آپ ان کی منہ بولی ہیں۔“

”یہی سمجھ لیں۔“

”بس یہی پوچھنا تھا۔ ایک الجھن تھی ذہن میں۔ دور ہو گئی۔ میں اس کے لئے شکر گزار ہوں کوئی ضرورت تو نہیں؟“

”نہیں۔ بے حد شکریہ۔“ ڈاکٹر چلا گیا اور میں سلطان شاہ کے بارے میں سوچنے لگی۔ کیسے ہے

ہیں اس دنیا میں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح دنیا کو بنایا کیا ہے۔ بروں کی شکل میں اچھے اور اچھوں کی

رے۔ کسی کے دل میں کیا چھپا ہے، کوئی نہیں جانتا۔

شام ہو گئی۔ روشنیاں جل اٹھیں۔ پورا دن پرسکون گزرا تھا۔ نرس کی ڈیوٹی بدل گئی تھی۔ اس نرس

کی میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ میں خود کو بہت بہتر محسوس کر رہی تھی۔ نرس ابھی اٹھ کر گئی

طبیعت پر کچھ بوجھ سا تھا۔ میں نے تازہ ہوا میں سانس لینے کا فیصلہ کیا اور اٹھ کر کھڑکی کی طرف بڑھ

باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اسپتال کے احاطے میں کھڑے درخت جھول رہے تھے۔ ٹھنڈی روشنی

ا طرف پھیلی ہوئی تھی۔ درختوں کے ساتھ پھولوں کے گلے لگے ہوئے تھے جن پر کھلے ہوئے پھولوں

نبواؤں کو فضا میں مہک رہی تھی۔ دل کو شدت سے تنہائی کا احساس ہوا۔ کتنی تنہا تھی میں۔ الماس

نے مجھے بہت خود پسند بنا دیا تھا کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتی تھی۔ اس لئے کوئی دوست بھی نہ بنا سکی۔

ایسا نہ ہوتا تو کوئی نہ کوئی میری خبر گیری کرتا۔

بہت دیر تک انہیں سوچوں میں ڈوبی کھڑی رہی۔ پھر واپسی کے لئے مڑی ہی تھی کہ اچانک کوئی چیز

ہوئی میری گردن کے نزدیک سے گزری اور دوسری طرف دیوار میں لگا بڑا شیش زور دار آواز کے

ٹٹ گیا۔ میرا سر پکرا گیا۔ ایک لمحے کے اندر مجھے احساس ہو گیا کہ مجھ پر گولی چلائی گئی ہے۔ میرے

انے میرا ساتھ دیا اور میں تیزی سے نیچے بیٹھ گئی لیکن دوسری گولی نہیں چلی تھی۔ البتہ باہر سے

لی آواز آنے لگی تھی جو تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔

میں سکتے کے عالم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ اندازہ مجھے فوراً ہی ہو گیا تھا کہ باہر سے مجھ پر ہی گولی چلائی

لیکن ہنگامہ کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ کہیں اسپتال والے میری طرف سے بدظن نہ ہو جائیں۔ اس

حال کو بھی سنبھالنا تھا۔ فائرنگ اور شیش ٹوٹنے کی آواز دور تک سنائی دی گئی ہوگی۔ اس لئے ایک

دو دو دارڈ بوائے دوڑتے ہوئے میرے کمرے میں گھس آئے۔ انہوں نے تعجب سے ٹوٹے ہوئے

بکھا اور پھر مجھے دیکھنے لگے۔

کیا ہوا میڈم؟“ نرس نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا اور انجان انداز میں

کی نے کھڑکی سے کوئی چیز پھینکی ہے جو اس شیشے میں آکر لگی ہے۔“ میرے ان الفاظ پر وارڈ

کی کی طرف دوڑے اور پھر ان میں سے ایک اس اونچی کھڑکی سے نیچے کود گیا۔ نرس نے کہا۔

آپ تو ٹھیک ہیں میڈم؟“

ہاں۔“ میں نے جواب دیا اور دوسرا وارڈ بوائے اس پتھر کو تلاش کر رہا تھا جس سے شیش ٹوٹا تھا

کے لئے جو شے تلاش کی اسے دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔ یہ راکٹل کی گولی تھی۔ اس نے نرس کو

کے ہوئے کہا۔

کچھ سزا یہ تو بندوق کی گولی ہے۔ کیا کسی نے آپ پر گولی چلائی ہے؟“ یہ سوال اس نے مجھ

نے

”استاد نے کہا ہے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے تو اب یہاں سے چلیں۔ بے کار رکنے سے کوئی فائدہ ہے۔“ یہ کہتے ہوئے کالیا نے آنکھ سے مجھے اشارہ کیا تھا۔
”ٹھیک ہے۔ بھائی نے کہا ہے تو میں چلتی ہوں۔“
میں نے جواب دیا۔ ڈاکٹر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ آپ صرف تھوڑا سا آرام کریں اور کوئی بات نہیں ہے۔ آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ میں ابھی کاڈیچارج لیٹر بنائے دیتا ہوں۔“ اس کام میں دقت نہیں ہوئی۔ کالیا کے ساتھ دو اور آدمی بھی تھے جو اسے پیچھے چل رہے تھے۔ وہ لوگ مجھے ساتھ لئے ہوئے اسپتال سے باہر آئے اور کچھ دیر کے بعد ایک ہمارے سامنے آکر رک گئی۔ کالیا نے میرے لئے دروازہ کھول دیا اور خود اسٹیشنرنگ پر بیٹھ گیا۔ دونوں پیچھے موٹر سائیکلوں پر سوار ہو گئے تھے۔ کار آگے بڑھی تو میں نے سوال کیا۔

”بھائی نے کیا کہا ہے۔ میرا مطلب ہے شاہ جی نے؟“

”جس وقت آپ پر حملہ ہوا تو اپنے آدمیوں نے بھی فوری جوابی کارروائی کر کے ان میں سے ایک کو لیا۔ دوسرے حملہ آور بھاگ گئے لیکن ان میں سے ایک شدید زخمی ہو گیا ہے۔“

”جو گولی کا شکار ہوا تھا وہ مر گیا کیا؟“ میں نے بے تاب سے پوچھا۔

”نہیں۔ ہم نے ٹانگ میں گولی ماری تھی۔ وہ زندہ ہے۔ ہمارا ایک ساتھی اسے پکڑ کر شاہ جی کے پاس لایا ہے۔“

”ویری گڈ۔ تب تو رفتار تیز کرو کالیا۔ کہیں وہ کم بخت کچھ جتانے سے پہلے مرنے جائے۔ پتا تو چلے وہ نالوگ ہیں اور کس کے لئے کام کر رہے ہیں۔“ میں نے کہا۔

کالیا نے رفتار تیز کر دی۔ میں دل ہی دل میں سلطان شاہ کی بہت ممنون تھی۔ واقعی وہ کھلے دل سے مدد کر رہا تھا اور مجھ پر توجہ دے رہا تھا ورنہ اتنی جلدی میں صورت حال کو اپنے قابو میں نہیں کر سکتی۔ ایک طرف ایک بڑا گروہ تھا، لازمی بات تھی کہ یہ سب کچھ صرف الماس بیگم نہیں کر رہی تھیں بلکہ ان خود سری کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے سو فیصدی اپنے بھائیوں کی مدد حاصل کی ہوگی۔ اگر خوش نصیبی سے سلطان شاہ مجھے نہ مل جاتا تو میں مشکل کا شکار ہو جاتی اور ہو سکتا ہے کہ الماس بیگم مجھے ختم ہی کر لیں۔ ویسے ان جنونی خاتون کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتی تھی۔ بے شک انہوں نے مجھ سے بے محبت کی تھی۔ میری پرورش کی تھی لیکن بات اپنے شوق کی تھی۔ جو کچھ انہوں نے کیا تھا اپنے شوق کی لڑکھائیاں اور اب جب وہ میری دشمن بنی تھیں تو بھرپور دشمن بنی تھیں۔ کیا ان خطرناک دشمنوں سے میں بچ سکتی تھی۔ بہت سے کردار نگاہوں کے سامنے تھے۔ ظفر شاہ تھا۔ اس کا پتا مجھے نادیہ نے بتا دیا تھا۔ یعنی لی صاحب نے۔ اس بے چاری کا کردار بہر حال جو کچھ بھی تھا لیکن میرے لئے بڑا فائدہ مند رہا تھا۔ ہوٹل لکھنؤ اور وہ رقم جو میں نے ہوٹل میں چھپا رکھی تھی۔ میرے لئے بڑی حیثیت کی حامل تھی۔ نادیہ سے میں نامناسب موقع پر بھی مدد لے سکتی تھی لیکن ابھی تو صحیح معنوں میں سنبھلنے کی کوشش ہی کر رہی تھی۔ اگر شخص جسے زخمی کیا گیا ہے، زبان کھول دے تو مجھے بڑی آسانی ہو جائے گی۔

”مجھ پر! نہیں، بھلا مجھ پر گولی کون چلائے گا؟“ میں نے خوفزدہ ہونے کی اداکاری کی اور تم دیر کے بعد وہ وارڈ بوائے دروازے سے اندر داخل ہو گیا جو کھڑکی سے کود کر نیچے گیا تھا۔
”باہر تو بڑا ہنگامہ ہو رہا ہے۔ خوب گولیاں چل رہی ہیں۔ شاید بد معاشوں کے دو گروہوں ہو گیا ہے۔ اب دونوں فرار ہو گئے ہیں۔“

”تو یہ انہی کی چلائی ہوئی گولیوں میں سے کوئی گولی ہے جو ادھر آگئی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ نقصان نہیں پہنچا۔“ نرس نے کہا پھر وارڈ بوائے سے بولی۔

انچارج صاحب کو جا کر اطلاع دو۔ وہ شیشہ بدلوئے کا بندوبست کریں۔ آپ فکر نہ کریں۔ ایک اتفاقیہ واقعہ تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ آپ بچ گئیں۔“

نرس کچھ دیر میری دلجوئی کرتی رہی۔ میں ایک گہری سانس لے کر آرام کرسی پر بیٹھ کر سو ڈوب گئی۔ میں جانتی تھی یہ دو گروہوں کی جنگ نہیں تھی۔ گولی سو فیصدی مجھ پر ہی چلائی گئی تھی صاحبہ ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں جس کے لئے یہ ساری ہنگامہ آرائی کوئی حیثیت نہیں وہ سیاسی لوگ ہیں اور موجودہ دور کی سیاست جس طرح کی ہے یہ سب کچھ اس کا نمونہ ہے۔ بے تابی صاحبہ کی تربیت میں جوان ہوئی تھی اور میرے اندر عورت سے زیادہ ایک مرد چھپا ہوا فطرت میں بھی ہنگامہ آرائی تھی لیکن پے در پے حملے اور حادثے میرے لئے تھوڑی سی مشکل بن گئی تھی اب اور زیادہ سمجھنے لگی تھی کہ تابی صاحبہ جیسی عورت نے زندگی میں بہت سرد و گرم دیکھے ہیں اب تجربے کی بات ہے میں ابھی اس کے پیروں کی دھول تک کو نہیں جھوس سکتی ہوں لیکن وہ جو وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے تو میں بھی اس قلیل عرصہ میں بہت کچھ سیکھ چکی تھی۔ الماس بیگم کی کاٹنے نے مجھے ناگن بنا دیا تھا۔ میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ ایسا دسوں گی ان لوگوں کو کہ وہ بھی زندگی بھر کے لیکن اس کے لئے جذباتی ہونا ضروری نہیں ہے۔ میں اگر جذبات میں ڈوب گئی تو کوئی فائدہ نہ پڑے گا یہ بھی ایک سچائی تھی کہ سلطان شاہ بہت اچھا انسان تھا۔ اس کے بارے میں جیسا کہ کہا گیا کہ برے راستوں پر نکل گیا۔ بہر حال مجھے اس وقت اس برے راستے والے ہی کی ضرورت تھی۔ اسے اپنا راز دار بنانا تھا اور اس سلسلے میں اپنی مکمل ذہانت اور جسمانی قوتوں سے کام لینا تھا۔ میں نے چند افراد کو میرے خلاف لگا دیا ہے۔ یہ بھی ان کی ایک چال ہے کہ انہوں نے مجھے ادھر لے لیا صرف اتنی سی ہے کہ وہ اپنی انا کی جنگ لڑ رہی ہیں۔ جبکہ میرے لئے یہ صرف انا کی جنگ تابی صاحبہ اپنے آپ کو مجھ سے بہت زیادہ برتر سمجھ رہی تھیں۔ بہت کچھ سوچنا پڑے گا اور ان چیزیں تھی کہ میں صحیح فیصلے کروں۔ پھر کوئی دو گھنٹے کے بعد کچھ لوگ میرے کمرے میں آئے سوچوں میں گم تھی کہ دروازہ کھلا۔ ایک ڈاکٹر، وہی نرس اور اس کے ساتھ ہی کالیا بھی تھا۔

”آپ ٹھیک ہو اب؟“

”ہاں۔“

کار تیز رفتاری سے سفر کر رہی تھی۔ سلطان شاہ کے بارے میں میں سوچ رہی تھی کہ جو شخص کسی لالچ کے اس حد تک میری مدد کر رہا ہے یقیناً قابل اعتماد انسان ہے اور اس کے دل میں میرے نیکیوں کے جذبے جاگ اٹھے ہیں۔ کالیا نے مجھے خاموش دیکھا تو کہنے لگا۔

”دیے وہ مرے گا نہیں بہن! اس کی صرف ٹانگ ختم ہوئی ہے۔ وہ خود ٹھیک ہے۔ آپ اس لئے فکر مت کرو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی۔ کچھ دیر کے بعد کار اسی مکان میں ہو گئی تھی جہاں پہلی بار میں عجیب و غریب حالات میں آئی تھی۔ صحن کے بعد والان میں حسب معمول آدمی موجود تھے جو منشیات وغیرہ سے شغل کر رہے تھے۔ عجیب سی بو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں داخل ہو گئی۔ ہال نما کمرے میں سلطان شاہ موجود تھا۔ کچھ اور لوگ بھی وہاں نظر آ رہے تھے لیکن مجھے ہی سلطان شاہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے، تم لوگ جاؤ، میری بہن آگئی ہے۔“ میں نے دیکھا کہ ان سب سے نے آنکھیں میچیں۔ سلطان شاہ کی اس بات کے بعد ان میں سے کسی نے میری صورت دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لمحوں کے بعد کمرے میں میرے اور سلطان شاہ کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ سلطان شاہ نے کہا۔ ”اللہ کا شکر ہے کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ بہن! میں نے ایک چور لیا ہے، پتا تو چل گیا ہوگا۔ بس تھوڑی سی غلطی ہو گئی پر تم بے فکر رہو جو غلطی میرے آدمیوں نے کی۔ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کریں گے۔ اب وہ پوری طرح ہوشیار رہیں گے۔“

”اس آدمی سے کچھ معلومات کی ہیں آپ نے؟“

”نہیں ابھی نہیں۔ اسے اندر بند کیا ہوا ہے۔ بہت دیر کے بعد اسے ہوش آیا ہے۔ گولی نے ہانگ بڑی توڑ ڈالی ہے۔ ہم نے ڈاکٹر ادھر ہی بلا کر اس کی مرہم پٹی کرا دی ہے۔ اب تم بتاؤ اس کے لئے کیا ہے؟“

”میں اس کو دیکھ سکتی ہوں؟“

”تمہارے لئے تو اسے پکڑا ہے۔ آؤ جو کچھ تم کوگی میں وہی کروں گا۔“ سلطان شاہ نے کہا اور جگہ سے اٹھ گیا۔ میں اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔ یہاں بستر پر ایک بد صورت آدمی پڑا ہوا تھا۔ اس کی شکل خاصی مکروہ تھی اور اس وقت اس کا چہرہ گمراہیا ہو رہا تھا اور اس پر کرب آثار نمایاں تھے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر اس نے کہا۔

”خدا کے لئے..... خدا کے لئے مجھے اسپتال لے جاؤ۔ میں مر رہا ہوں۔ تم لوگ مجھے پولیو حوالے کر دو۔ پولیس مجھے اسپتال بھجوا دے گی۔ میں مرا جا رہا ہوں۔ میری قوت برداشت جواب دہ ہے۔“

”تمہاری زندگی کو ابھی جواب نہیں دینا چاہیے۔ ابھی تو تم اس کو جواب دو گے جس پر تم۔ چلائی تھی۔“ سلطان شاہ نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔

”مجھے نہیں معلوم تھا..... خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم تھا شاہ جی کہ یہ تمہاری بہن ہے۔“

نہ ہو کہ ہم لوگ ایک دوسرے کا خیال کرتے ہیں۔“ اس نے کہا اور سلطان شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

”ہوں۔ پہچانتے ہو تم مجھے؟ کون سے اڈے کے ہو؟“

”کسی اڈے کا نہیں ہوں سلطان دادا! بس چھوٹے موٹے کام کرتا ہوں۔ پیسے لے لیتا ہوں۔ تم مجھے نال بھجوا دو، جیل بھجوا دو۔ جس ڈاکٹر نے میری ٹانگ کی بینڈج کی ہے پتا نہیں وہ ڈاکٹر تھا بھی یا نہیں۔“

”شدید تکلیف میں مبتلا ہوں۔“

”ہم جیل اور اسپتال کو ادھر ہی منگوا لیں گے جان من! بس تم اب سچ بولنا شروع کر دو۔ یہ بتاؤ کہ تم اس بجی پر گولی کیوں چلائی تھی؟“

”پانچ ہزار روپے دیئے تھے ایک آدمی نے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا میں۔“ اس نے کہا۔

”اور کون تھا تمہارے ساتھ؟“

”کوئی بھی نہیں تھا..... شاہ جی! کوئی بھی نہیں تھا۔ مجھے اسپتال بھجوا دو تمہیں خدا کا واسطہ، میں جا رہا ہوں۔“ اس نے کرب سے روتے ہوئے کہا۔

”ارے خانہ خراب کے بچے۔ اب مرے جا رہے ہو اور اس سے کچھ زیادہ ہی زندہ تھے تم۔ ابھی میں ٹھیک کرتا ہوں۔“ سلطان شاہ نے کہا۔

”یہ جھوٹ بول رہا ہے شاہ جی! اس کے ساتھ دوسرے بھی تھے۔ ان میں سے بھی ایک آدمی زخمی ہے۔“ میں نے کالیا کی بتائی ہوئی بات دہرائی۔

”معلوم ہے ہمیں اچھی طرح معلوم ہے۔ شروع میں یہ لوگ جھوٹ بولتے ہی ہیں مگر بعد میں سچ لے لگتے ہیں۔“ سلطان شاہ سفاک لہجے میں بولا۔

”تم اسے میرے حوالے کر دو۔ مجھے بھی ان میں سے ایک کی ضرورت تھی شاہ جی۔ باقی کام میں رہوں گی۔“

میں نے اپنے شکار کو گھورتے ہوئے کہا اور سلطان شاہ تعجب سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔ ”ان لوگوں کے بارے میں تم نہیں جانتی ہو بہن۔ یہ بڑے کٹے کی نسل کے ہوتے ہیں۔ تمہارے قابو میں نہیں آئے۔ میں اس کی زبان کھولتا ہوں۔ ہاں برادر کس کے لئے کام کرتے ہو۔ اب بول دو بہت دیر ہو گئی ورنہ ماتماری دوسری ٹانگ بھی توڑ دوں گا۔“

”ہوں۔ آپ بے فکر رہیں یہ ابھی تھوڑی دیر میں سب کچھ بتا دے گا۔ میں اسے بالکل ٹھیک کر دیتی ہوں۔“

”نہیں! بھائی کے ہوتے ہوئے بہن کو مشکل نہیں پیش آنی چاہئے۔ یہ کام کرتا ہوں۔“ سلطان شاہ نے کہا پھر اس نے جب سے ایک عجیب سی آواز نکلالی۔ اس میں غالباً یل لگے ہوئے تھے۔ وہ اسے آنکھوں کے بعد اس آدمی کی طرف بڑھا اور پھر ایک سوئی سی جھک کر اس نے اس کی ٹانگ کے زخم پر دیکھا۔ اس کی دلخراش چچیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ سلطان شاہ نے کوئی دس سیکنڈ اسے اس عجیب

و غریب آلے سے اذیت پہنچائی اور وہ بیسنہ بیسنہ ہو گیا۔ اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔
 ”خدا کی قسم۔ خدا کی قسم۔ سب بتا دوں گا۔ سب کچھ بتا دوں گا۔ سب کچھ بتا دوں گا۔“
 ”ہاں۔ اب ہوئی نابات۔ اب یہ بتاؤ تم نے اس لڑکی پر گولی چلائی تھی؟“
 ”ہاں۔ چلائی تھی۔“
 ”اور کون تھا تمہارے ساتھ۔“
 ”فتح شاہ اور جبک۔“ اس نے جواب دیا۔
 ”کس کے لئے کام کرتے ہو؟“ میں نے سوال کیا۔
 ”بگ شو کے لئے۔ بگ شو نے مجھے اس کام کے لئے ہدایت کی تھی۔“

”ارے اوہ! تو تم اس باتھی کے پلے کے آدمی ہو۔ چلو اچھا ہوا بہت عرصے سے میرے اور ا درمیان ایک بلاوجہ کا تکلف چل رہا تھا۔ اب اس نے مجھے چھیڑ دیا ہے تو پھر میرے بھی ہاتھ دیکھ۔ تو موقع کی تلاش میں تھا۔“ سلطان شاہ نے کہا۔
 ”اور بگ شو کس کے لئے کام کر رہا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ وہ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتا تھا؟“
 ”ٹھیک۔ اور پوچھو اس سے بہن اور پوچھو۔“ سلطان شاہ نے کہا۔
 ”اگر یہ سچ بول رہا ہے تو اس سے اور کیا پوچھنا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اب اسے تھوڑی لے ایسے ہی چھوڑ دیا جائے۔“
 ”اور کیا میں اسے اسپتال پہنچاؤں گا؟ بیٹا! آرام کرو‘ مر جاؤ گے تو قبر میں پہنچانے کا وعدہ کرتا ہوں“
 ”معاف کرو شاہ جی۔ مجھے معاف کر دو۔“

”کر دیں گے۔ کر دیں گے۔ ڈاکٹر کو بلوا دیتا ہوں تیرے لئے وہ انجکشن و انجکشن دے دے گا۔ ہو جائے گا۔ ایسے آسانی سے نہیں مرے گا تو۔ ٹانگ ہی ٹوٹی ہے“ پیچھے پھڑپھڑتے نہیں پھٹ گئے ہیں تیرے ہاتھ باہر نکل آئے تو میں نے اس سے پوچھا۔
 ”شاہ جی! یہ بگ شو کون ہے؟“

”میں نے اسے باتھی کا پلا کہا تھا۔ کسی باتھی ہی کی اولاد ہے۔ وہ کم بخت عقل سے خالی ہے۔“
 ”سے بھرا ہوا ہے۔ اپنے آپ کو بہت بڑا بد معاش سمجھتا ہے۔ ہمارا اس سے پرانا جھگڑا چل رہا ہے؟“
 ”دونوں کبھی ایک دوسرے کے راستے میں نہیں آئے۔ ویسے وہ ہم پر وار کر چکا ہے۔ ایک پولیس آفیسر اس کی دوستی ہو گئی تھی تو اس نے تختہ کے طور پر پولیس آفیسر کو ہمارے ایک پوائنٹ کا جوا پکڑا دیا۔ وقت سے ہمارے اور اس کے درمیان ایک خاموش جنگ چل رہی ہے لیکن کوئی ثبوت نہیں ملا تھا۔ اب اس نے ہماری بہن پر حملہ کر دیا ہے تو ہم بھی آزاد ہو گئے ہیں۔ اب دیکھ لیں گے اسے۔“
 ”وہ کہاں ملتا ہے؟“

”اس کا اپنا علاقہ ہے رنگ محل۔ رنگ محل کے علاقے میں رہتا ہے۔“
 ”ٹھیک ہے۔ میں اس سے ضرور ملاقات کروں گی۔“ میں نے پُر خیال انداز میں کہا اور سلطان

کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ جب وہ کافی دیر تک کچھ نہیں بولا تو میں نے ہی اسے مخاطب کیا۔
 ”کیا بات ہے شاہ جی! کیا سوچنے لگے؟“
 ”کچھ نہیں۔ اسی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔“
 ”ویسے بھی تمہیں پہچانتا ہے اس نے فوراً ہی اس کا اظہار کر دیا تھا۔“
 ”یہی تو بے وقوفی کی تھی اس نے۔ ویسے سلطان شاہ کو کون نہیں پہچانتا۔“
 ”اگر یہ بگ شو کو یہ جا کر بتا دے کہ اسے سلطان شاہ کے آدمی نے زخمی کیا ہے تو بگ شو پر اس کا کیا رد عمل ہو گا؟“

”ظاہر ہے وہ بھی ہماری طرح بھڑ جائے گا لیکن ہمیں اس کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ ہاں ایک بات ہمارے دل میں بار بار آ رہی ہے۔ بہن اگر تم اجازت دو تو ہم تم سے وہ بات کہہ دیں۔ کیونکہ وہ بات ہمیں دکھ دے رہی ہے۔“ میں نے چونک کر سلطان شاہ کو دیکھا اور بولی۔
 ”کیا بات ہے؟“

”ہم خلوص دل سے تمہارے ہر معاملے میں شرکت کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن تم نے ساری تفصیل ہم سے چھپائی ہے۔ ہم اتنے یوقوف نہیں ہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ ہم تو بہن بھائی کا رشتہ نبھانا چاہتے ہیں۔ نبھائیں گے۔ تم بتاؤ یا نہ بتاؤ یہ تمہاری مرضی ہے۔ جب بہن کہہ دیا کسی کو تو کہہ دیا۔ اب اس سے یہ ساری باتیں پوچھنا کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ اور کیوں ہوا؟ یہ اصولی طور پر مناسب نہیں ہے اور خلوص کی توہین ہے لیکن اگر تم یہ سب کچھ ہمیں بتا دیتیں کہ تمہاری کس سے دشمنی ہے۔ کیوں ہے اور کیا وجہ ہے اس کی تو اس سے ہمیں صرف ایک فائدہ ہو گا کہ تمہارے دشمن ہماری نگاہوں میں ہوں گے۔ کام تو ہم اسی طرح کرتے جس طرح تم چاہتیں۔ اس لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ تم اپنی زبان کھول ہی دو۔“
 ”ہاں! شاہ جی! تمہارا خیال درست ہے لیکن جھگڑے ایسے انوکھے ہیں کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کسی کو کیا بتاؤں۔ تم نے جس طرح میری مدد کی ہے اس کا احساس میرے دل میں ہے۔ میرا کوئی بھائی نہیں ہے اور میں نے تمہیں بھائی کہا ہے۔ اگر میں تمہیں اپنی مشکل بتا دوں تو تم خود مشکل میں پھنس جاؤ گے۔“

”میں نے کہا تھا تمہاری مرضی ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا لیکن ایک بات سن لو کہ جب تم میرے پاس آئی تھیں تو میرے دل میں تمہارے لئے بہن کی محبت کا جذبہ جاگ اٹھا۔ تم کہتی ہو کہ تمہارا کوئی بھائی نہیں ہے۔ میری بھی کوئی بہن نہیں ہے۔ میں بہت برا انسان ہوں لیکن تم یقین کرو میں نے کسی کو بہن نہیں کہا کہ مجھے اس کا کردار نہیں معلوم ہوتا۔ اپنی بہن کا کردار اچھا ہی ہونا چاہیے لیکن نبھانے کیوں میں نے تمہیں جانے بوجھے بغیر بہن کہہ دیا اور جب زبان سے ایک بات نکل گئی تو مرتے دم تک اس کا خیال کرتا ہو گا۔ ویسے تمہاری مرضی ہے جو بات دل چاہے بتا دو جو نہ دل چاہے نہ بتاؤ۔“

میں الجھن میں پھنس گئی۔ اس کے الفاظ بڑے متاثر کن تھے لیکن وقت نے مجھے یہی تربیت دی تھی کہ دل کی بات کسی کو نہ بتاؤ۔ یہاں تک کہ بابا بخت مراد نے مجھے یہ کہا تھا کہ دنیا میں کسی پر اعتبار کرنا اپنے

کیا؟ یا وہ سلطان شاہ کے سامنے آئیں سکتا؟ ایک عورت پر تم سارے گروہ کے لوگ حملہ آور ہوئے ہو۔ کوئی مرد نہیں ہے تمہارے درمیان جو مرد سے مقابلہ کرے؟“

”دیکھو سلطان شاہ! میں چاہتا ہوں کہ میرے اور تیرے درمیان کوئی جھگڑا نہ ہو۔ بگ شو کے جوتے پہن کر رہا ہوں میں“ تو تجھے اس سے کیا۔ ہمارے گروہ آپس میں ضم ہو چکے ہیں اور اب تو یہ سمجھ کہ میں خود بگ شو کا آدمی ہوں۔“

”تو اپنے نام پر ان آدمیوں کو مانگ رہا ہے یا بگ شو کے نام پر؟“

”میرا اپنا نام بھی کافی ہے۔“ میں جیسے ہی باہر نکلی اچانک ہی گلاب شاہ کی نظر مجھ پر پڑی اور اس نے مکرانے ہوئے کہا۔

”یہ وہ فن نوش جس کے لئے جھگڑا ہو رہا ہے۔ یار بڑی خوبصورت لڑکی ہے۔ چل اس کا ٹھیکہ مجھے دے دے۔“ میں..... ”ابھی گلاب شاہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک ہی سلطان شاہ نے پستول نکال لیا۔

”کتے کے پلے..... تیرے ہاں ماں بہن نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ میں.....“ سلطان شاہ اس پر فائر کرنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے آگے بڑھ کر سلطان شاہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

”میں نے ابھی تم سے کہا تھا ناں بھائی کہ میں اس قدر کمزور نہیں ہوں۔ یہ چھپ کر وار کرنے والے زخموں مجھ پر چھپ کر ہی وار کر سکتے ہیں۔ سامنے آکر وار کرنے کی ہمت ان میں بھی نہیں ہے۔ تم دگ انہیں بد معاشی کہتے ہو۔ میں کہتی ہوں ان کی بد معاشی میرے سامنے بے اثر ہے۔“

”تم ہٹ جاؤ بہن۔“

”نہیں۔ تم اپنے آپ کو بڑے کاموں کے لئے رہنے دو شاہ جی! تمہاری ہی بہن ہوں میں۔ تم تو بہت حد کی چیز ہو“ ذرا اس کی بد معاشی سے مجھے نمٹ لینے دو۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ یہاں سے اس طرح چٹ کر بائے کہ کسی کو بتا بھی نہ سکے کہ اس کی مرمت عورت کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ میں ذرا دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ کتنا غیرت مند ہے۔“ میں نے کہا اور والان سے صحن میں اتر آئی۔ سلطان شاہ منہ کھول کر رہ گیا تھا۔ میں نے کہا۔

”ہاں تو تم بگ شو کے کتے ہو اور وہ تمہارے کتے تھے جنہوں نے چھپ کر مجھ پر حملہ کیا تھا اور بگ شو کس کا کتا ہے یہ تو میں اسی سے معلوم کروں گی۔ فی الحال تم اپنا حصہ لے کر چلے جاؤ۔“

”ہمارے حصے میں اگر تم آ جاؤ تو ہم کوئی اور حصہ نہیں مانگیں گے۔ ہمارا ایک آدمی مر گیا ہے، دوسرا زخمی ہے۔ یقین کرو تم چلو ہمارے ساتھ ہم انہیں بھول جائیں گے۔“

گلاب شاہ نے اوباش لہجے میں کہا لیکن اس کے ساتھ ہی چناک کی آواز ابھری اور گلاب شاہ کی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ میرا اپنا ہاتھ جھنجھٹا تھا لیکن وہ تھپڑ لگایا تھا میں نے اس کے گال پر کہ پٹائی جیسی آواز ابھری تھی اور میری پانچوں انگلیاں اس کے گال پر چھپ گئی تھیں لیکن دوسرے لمحے وہ دانت پیس کر مجھ پر جھپٹا اور میں نے اپنے جوتے کی ایڑی پر گھوم کر ایک ٹانگ گھما دی۔ گلاب شاہ جس زور میں آیا تھا اسی زور سے اپنے آدمیوں پر واپس جا پڑا اور سلطان شاہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس کے حلق سے ایک عجیب سی

ہاتھ کاٹ کر اس کے ہاتھ میں دے دینے کے مترادف ہے لیکن جذبات بھی بڑی چیز ہوتے ہیں۔ بلکہ معنوں میں جو لوگ خود کو غیر جذباتی کہتے ہیں وہ اپنے آپ کو انسان کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے۔ جذ ہی تو انسان اور جانور میں فرق پیدا کرتے ہیں۔ بہر حال کچھ دیر کی سوچ کے بعد میں نے کہا۔

”ہاں! شاہ جی! میں بھی انسان ہوں اور انسان سے محبت کرنا جانتی ہوں۔ میں بڑی درندگی کا ہوں۔ یوں سمجھ لو ایک عجیب و غریب زندگی ہے میری۔ ایک بہت بڑے آدمی کی بیٹی کی حیثیت سے پرو پار ہی تھی۔ وہ بہت بڑا آدمی میرا تایا تھا اور میری تائی کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ میری تائی نے مجھے اپنی ا کی طرح پرورش کیا اور کبھی یہ معلوم نہیں ہونے دیا کہ میں اس کی اولاد نہیں ہوں لیکن پھر حالات نے پر عجیب و غریب انکشاف کیے۔ مجھے پتا چلا کہ میں اس عورت کی بیٹی نہیں ہوں۔ اس کی بیٹی بھی ہوں۔ عورت نے میرے باپ کو ایک ایسے جرم میں پھنسا دیا جو اس کے بھائی نے کیا تھا۔ میرے باپ کو غم ہو گیا لیکن پھر اس عورت نے یا پھر وقت اور حالات نے اسے جیل سے نکال دیا۔ اس کے بعد سے وہ ہے۔“ میں نے ساری تفصیل اسے بتا دی اور وجہ صرف یہ تھی کہ میں بھی ایک انسان کی محبت چاہتی اور اس شخص نے میرے لئے اپنے دل کے دروازے کھول دیے تھے۔ بہر حال یہ ساری صورت حال اور اس کے لئے میں اس جدوجہد میں گرفتار ہوں۔ میں نے ماں اور بہنوں کا قصہ بھی اسے بتا دیا اور ساری تفصیل بتانے کے بعد میں نے گردن جھکا لی۔ سلطان شاہ خاموشی سے یہ پوری صورت حال دیکھ تھا۔ میں نے کہا۔

”اور تم یقین کرو بھائی! میں اپنے آپ کو بے بس نہیں سمجھتی۔ اس خاتون نے جس نے یہ پرورش کی ہے۔ اس نے خود ہی مجھے اس قابل بنایا ہے کہ میں صورت حال کا مقابلہ کر سکوں۔ یہ احسان ہے اس نے مجھ پر۔ میں اس قدر بزدل نہیں ہوں اور جسمانی طور پر اس قدر کمزور نہیں ہوں۔ میں اس طرح کے حالات کا مقابلہ کر سکتی ہوں لیکن بس ابھی ہوئی گھبراہٹ ہوئی ہوں۔“ سلطان شاہ نے میرے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”اس کی تو تم فکر ہی مت کرو۔ جن بہنوں کے بھائی ہوتے ہیں وہ.....“ دفعتاً باہر سے کچھ ہنگام کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد سلطان شاہ ایک دم چونک پڑا۔

”میں ذرا دیکھتا ہوں کہ کیا صورت حال ہے؟“ سلطان شاہ باہر نکل گیا میں بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گئی تھی۔ باہر میں نے دیکھا کہ تین چار افراد کھڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سب سے آگے ایک شخص موجود تھا۔ اس نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”سلطان شاہ! تم نے ہمارے ایک آدمی کو زخمی کر دیا ہے اور سنا ہے کہ ہمارا ایک ساتھی تمہارے قبضے میں بھی ہے۔ اسے ہمارے حوالے کر دو ورنہ پھر یہ سمجھ لو کہ تمہارے اور گلاب شاہ کے درمیان ایک لمبا جھگڑا چل جائے گا۔“ جواب میں سلطان شاہ مسکرا دیا اور پھر اس نے کہا۔

”مجھے معلوم ہے گلاب شاہ جھپٹے کچھ دنوں سے بگ شو کے جوتوں کی پالش کر رہا ہے۔ وہ آدمی میرے قبضے میں آیا ہے وہ بگ شو کا آدمی ہے اور لینے آیا ہے تو اسے۔ بگ شو نے خود چوڑیاں پہن لی ہیں

آواز نکلی لیکن گلاب شاہ کا چہرہ گہرا سرخ ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے خون جھپکنے لگا تھا۔ ادھر وہاں مزہ تمام آدمی اس دلچسپ منظر کو دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ گلاب شاہ مجھے گھور رہا تھا۔ پھر اچانک ہی دونوں بازو پھیلا کر مجھ پر اس طرح جھپٹا جیسے بازوؤں میں پس کر رکھ دے گا لیکن اس بار میں نے قلاباز کھائی اور دونوں ہاتھ زمین پر نکا کر بیروں سے گلاب شاہ کی گردن میں قینچی ڈال دی اور پھر گھوم گئی۔ گلاب شاہ قلابازی کھا کر دور جاگرا تھا لیکن دوسرے لمحے اس کے آدمیوں نے چاقو نکال لئے۔ جیسے ہی انہوں نے چاقو نکالے سلطان شاہ نے ہاتھ بلند کر کے دو تین فار کیے اور بولا۔

”ارے ابو مجھڑو! پیچھے کھڑے رہو ورنہ کھوپڑی اڑا دوں گا ایک ایک کی۔ چلو گلاب شاہ وکیلہ لوسلطا شاہ کے اڑے کا کمال۔ چلو آگے بڑھو۔ ارے یار! یہ تو کام ہی دوسرا ہو گیا۔ اب تو یہ دیکھو کہ میرے اڑ میں لڑکیاں کیا کچھ کر کے دکھاتی ہیں۔ تھوہے تیری مراد گئی پر۔“

اسی وقت کڑکڑاہٹ کی آواز کے ساتھ گلاب شاہ کے ہاتھ میں ایک لمبا چاقو نظر آنے لگا میں نے یہ کچھ نہ کرتی لیکن جو فیصلہ میں نے اپنے بارے میں کیا تھا کہ اب شیرینی بن کر کام کرنا ہوگا، بڑی کچھ بنا دے گی۔ الماس بیگم اور اس کے بھائی بڑے بڑے بد معاشرے کا سہارا لے کر میری جان کے لاگو تھے۔

اب میں نے اپنے اندر ایک انوکھی قوت بیدار کر لی تھی۔ ادھر گلاب خان چاقو لہرا رہا تھا۔ میں اس کی طرف مڑ گئی۔ گلاب خان چاقو تیزی سے ایک سے دوسرے ہاتھ میں کرنے لگا۔ وہ مجھے جھکا کر چاہتا تھا اور جب میں بالکل اس کے سامنے پہنچی تو اس نے چاقو بائیں ہاتھ میں پکڑ کر میرے سینے میں گھو چاہا لیکن الماس نے جو تربیت مجھے دلائی تھی اس کے سامنے گلاب شاہ کی یہ کوشش بیکانہ تھی۔ میں اطمینان سے پلٹ کر اس کی کھائی پر ہاتھ ڈالا اور اچھل کر ایک لات اس کی بغل میں رسید کر دی۔ گلاب اس بار پھر دو تین فٹ اونچا اچھلا اور زمین پر ڈھیر ہو گیا لیکن اس بار میں نے اس کی کھائی پر گرفت ہلکی کی تھی اور دوسرا پاؤں اس کی گردن کے نیچے پھنسا کر بل دیا تھا۔ یہ بڑا خطرناک واقعہ تھا۔ گلاب خان کی کھلی اور چاقو اس کے ہاتھ سے نکل گیا لیکن جو دباؤ میں نے اس کی گردن پر ڈالا تھا اس نے اس کا طریقے سے کام کر دیا۔ اس نے بے اختیار اپنی گردن پکڑ لی اور زمین سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن بار منہ کے بل زمین پر گر رہا۔ اس کی گردن کے چند پٹوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی اور اب ان درست ہونا آسان بات نہیں تھی۔ وہ بے اختیار اپنی چپٹیں روک رہا تھا اور سلطان شاہ حیرت سے آنکھ پھاڑے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں گلاب شاہ کے کھڑے ہونے کا انتظار کرتی رہی پھر میں نے پلٹ کر سلطان کو دیکھا اور بولی۔

”کیا حکم ہے شاہ جی! چھٹی کر دوں اس کی یا رہنے دوں؟“ سلطان شاہ تو کچھ نہیں بولا تھا اور سارے کے سارے زمین پر لوٹیں لگاتے ہوئے گلاب شاہ کو دیکھ رہے تھے جو نیچے گر کر بار بار زمین چا رہا تھا پھر سلطان شاہ نے کہا۔

”چلو بھئی۔ چلو اٹھالو اپنے سورا کو۔ اب تو مجھ سے بھی اس کی حالت نہیں دیکھی جا رہی۔ چلو۔ جاؤ اسے۔ دو چار مہینے اسپتال میں رکھ کر اس کا علاج کراؤ۔“

گلاب خان کی گردن ایک طرف مڑی ہوئی تھی اور وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کے منہ آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اس کے ساتھی اس پر جھک گئے اور پھر انہوں نے اسے سارا دے کر اٹھایا۔ شاہ اب بھی بری طرح پاؤں پٹ رہا تھا۔ جب وہ دروازے سے نکل گئے تو سلطان شاہ نے حیرت بھری نگاہ سے مجھے دیکھا اور بولا۔

”خدا کی قسم۔ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تم خود ہی کافی ہو۔ ارے واہ۔ کالیا! کچھو ذرا دیکھو تو بہن تو ہماری ہی بہن ہے۔ اوہ! زبردست! زبردست! واقعی خدا شکر خورے کو شکر ہی دیتا ہے۔ واہ! مرا آگیا۔ ویری گڈ..... ویری گڈ۔ چلو بھئی یہ تو جشن منانے والی بات ہے۔ اب یہ گلاب شاہ ادھر نہیں آئے گا حالانکہ مجھے بہت عرصے سے خبریں مل رہی تھیں کہ اس کا اور بگ شو کا ملاپ ہو گیا ہے۔ یا بات ہے بھئی۔ اب دیکھو کتنے قہقہے نکلتے ہیں۔ اور بہن آؤ۔ ادھر بیٹھو۔ اب تو میں تمہیں بہن کے لئے بھائی کہوں گا۔“ سلطان شاہ بہت زیادہ خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

”میں نہیں جانتا کہ تم ہمارے جیسے اڈوں کے بارے میں کیا جانتی ہو بس اتنا بتاؤں تمہیں کہ اس دور بھی جب قانون بہت زیادہ ایڈوائس ہو گیا ہے ہم جیسے لوگوں سے قانون کی بڑی گہری چلتی ہے۔ ہمارے اڈے ہوتے ہیں اور ان اڈوں سے قانون کو بہت کچھ ملتا ہے چنانچہ قانون ہم لوگوں کو زیادہ پریشان کرتا اور اگر کبھی ہماری اور ان کی ٹھن جاتی ہے تو فریخ تو انہیں ہی ہوتی ہے مگر نقصان بھی اٹھانا پڑتا اور نقصان سے تو سبھی ڈرتے ہیں۔ بہر حال تم نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ تم نے جو اپنے بارے میں مجھے بات تو سمجھ میں آجائے گی لیکن ذرا دیر سے۔ اب چھوڑو ان باتوں کو اب یہ بتاؤ کہ آگے کیا کرنا ہے۔ اندر آؤ اب ذرا تفصیل سے بیٹھ کر تم سے باتیں ہوں گی۔“ میں اس کے ساتھ اندر آ گئی۔ سلطان شاہ زیادہ ہی خوش نظر آ رہا تھا۔ اندر پہنچ کر اس نے کہا۔

”دیکھو بہن تم نے ساری داستان مجھے سنا دی ہے۔ وہ نام اور پتے دو جو تمہارے دشمن کے نام ہیں۔ زہیں ان سے بھڑنا تو ہے۔ اگر مجھے ان کا پتا چل جائے۔“

”سلطان شاہ! تم یقین کرو میں تم پر مکمل بھروسہ رکھتی ہوں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ابھی میری ما اور میری دو بہنیں اور وہ بزرگ جن کا نام بخت مراد ہے، انہی کے قبضے میں ہیں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اتنی سرگرمی نہ ہو کہ ان لوگوں کو پتا چل جائے۔“

”دیکھو پتا تو ان لوگوں کو چل ہی جائے گا۔ میرا نام بھی سامنے آ جائے گا۔ اب۔ پھر بات چھپے گی نہیں“ یہ تمہاری مرضی ہے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔“

”اب چونکہ میں نے میدان عمل میں قدم رکھ دیا ہے۔ اس سے پہلے تو میں ایک خوفزدہ لڑکی کی حیثیت سے ان سے ڈرتی رہی تھی لیکن اب کسی قسم کا خوف ممکن نہیں ہوگا۔ اب مجھے مردوں کی طرح ہر ٹاپران سے جنگ کرنا پڑے گی۔ یہ بہت ہی اچھی بات ہے کہ بھائی سلطان شاہ تم میرے ساتھ ہو لیکن پھر ٹکڑیوں میں یہ نہیں چاہتی کہ وہ لوگ تمہارے بھی پیچھے پڑ جائیں۔ میں تمہیں اپنا ایک محفوظ پھلو رکھنا چاہتی ہوں۔ میں تمہاری ان لوگوں کو پکڑ دے رہی ہوں اور جس دن مجھے پتا چل جائے گا کہ میری ماں اور بہنیں

کہاں ہیں پھر اطمینان رکھو میں کھل کر ان کا سامنا کروں گی اور ان سے بھرپور مقابلہ کروں گی۔
 ”دیکھو بن! بات اصل میں یہ ہے کہ انسان بڑا عجیب ہوتا ہے۔ ہم لوگوں کی زندگی جو کچھ تمہیں اس کے بارے میں پہلے نہیں معلوم ہوگا لیکن اب تم خود دیکھ رہی ہو کہ ہم کس طرح کی گزارتے ہیں۔ حالانکہ ہم لوگوں سے مختلف نہیں ہوتے۔ وقت اور حالات ہمیں نجانے کہاں سے کہہ دیتے ہیں۔ کچھ لوگ ہمیں خونخوار، قاتل، غنڈا، چور، ڈاکو، اسمگلر جو کچھ بھی دل چاہتا ہے کہہ لیتے ہوتے بھی ہیں لیکن ہمارے اندر بھی ایک انسان ہوتا ہے جو بہر طور اللہ کی مخلوق ہے۔ وہ بے شک ہر ہوتا ہے لیکن ہوتا تو انسان ہی ہے نا۔ تم اپنے آپ کو اکیلا مت سمجھنا۔ جو صورت حال تمہیں ہے ہے میں اسے سمجھتا ہوں۔ خیر یہ تو سوچنا بھی نہیں کہ میں کبھی تمہارے ساتھ چھوڑ دوں گا اور پھر شاندار بہن کو کون چھوڑ سکتا ہے۔ آج تو تم نے میرے آدمیوں کی بھی آنکھیں کھول دی ہیں۔ یہ بات ہے کہ ایک لڑکی اس طرح ایک غنڈے کا منہ کالا کر سکتی ہے۔ گلاب شاہ کوئی معمولی آدمی نہیں اور بگ ٹو نے بھی اسے بلاوجہ ہی نہیں رکھا ہوگا۔ اس کا اپنا ایک مقام ہے۔ اس کے بارے میں تم تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ مجھے اب یہ بتاؤ کہ میں فوراً تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟“

”شاہ جی! مجھے ایک گھر چاہیے۔ ایسا گھر جو گمنام ہو، خفیہ ہو اور وہاں رہ کر میں اپنی کار کرسکوں۔“

”بالکل ٹھیک۔ یہ بات میرے ذہن میں بھی تھی اور تم فکر مت کرو میں اس کا بندوبست کروں تمہیں ضرورت ہے پیسے کی؟“

”نہیں شاہ جی! یہ بات میں آپ سے کہنا چاہتی تھی۔ میرے پاس بھی اچھا خاصا پیسہ ہے جو ایک ہوٹل میں رکھا ہوا ہے۔ میں نے ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر لیا ہوا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ وہ میرے دشمنوں کی نگاہوں سے محفوظ ہے۔ رقم کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کا انتہائی معقول بندہ فی الحال مجھے ایک مکان درکار ہے۔“

”چند گھنٹوں میں ہو جائے گا۔ یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ میں ابھی آدمی بھیج دیتا ہوں!“

علاوہ بتاؤ۔

”نہیں۔ جب ضرورت ہوگی میں اس کے بارے میں بتاؤں گی۔“

”تو پھر جاؤ۔ ابھی تو یہاں تھوڑی دیر آرام کرنا پڑے گا تمہیں۔ میں خود بھی نہیں چاہتا کہ میرا کی جانب کسی کی نگاہیں انھیں۔ گلاب شاہ نے تمہارے خلاف جو الفاظ کہے تھے اسے ان کا خمیازہ لیکن میں نہیں چاہتا کہ کسی کی بھی نظر میری بہن پر پڑے۔ اس نظر میں ذرا بھی کھوٹ ہوئی تو بلاوجہ اپنے ہی ہاتھوں سے میرے آدمی مارے جائیں گے۔“

”آپ میرے لئے مکان کا بندوبست کریں اور بہتر ہے کہ وہ فریضہ ہو، مجھے اس کے لئے کوئی نہ خریدنا پڑے۔“

”یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”اور اگر مناسب سمجھیں تو مجھے تھوڑی سی اجازت دیں۔ میں وہ رقم لے آؤں۔“ مجھے پورا پورا یقین تھا کہ رقم کے سلسلے میں بے چارہ سلطان شاہ ذرا بھی کوئی گڑبڑ نہیں کرے گا بلکہ یہ بات تو سوچنا بھی لائق تھی۔

”یہ تشویش کی بات ہے مگر ابھی ضرورت بھی نہیں ہے اس کی۔ میں پیسے دیئے دیتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ تم مجھے واپس کر دینا۔ حالانکہ ایک بھائی کے لئے.....“

”نہیں۔ مجھے جب بھی ضرورت ہوئی نا سلطان شاہ میں تم سے وہ رقم یا کوئی بھی ضرورت کی چیز مانگ دیاں گی۔ جب تم نے مجھے بہن کہہ دیا ہے تو میں نے بھی خلوص سے ہی تمہیں بھائی کہا ہے۔“ سلطان شاہ نے مجھے کمرے میں پہنچا دیا۔ اب ان ساری ہنگامہ آرائیوں کے بعد تھوڑے سے آرام کی ضرورت بھی تھی۔ میں کمرے میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ میری نگاہیں پچھت میں گڑی ہوئی تھیں اور میں آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ میں سوچوں میں ڈوبی ڈوبی نجانے کب سو گئی۔ پھر مجھے خالہ نے ہی جگایا تھا۔

”اب اٹھو بیٹے! شاہ جی نے کہا ہے کہ تمہیں جگا دوں۔ منہ ہاتھ دھو لو، چائے بنا دی ہے میں نے۔“

”اچھا۔ اچھا۔“ چائے میں سلطان شاہ بھی میرے ساتھ شریک تھا۔ اس نے کہا۔

”مکان کا بندوبست ہو گیا ہے۔ تمہیں یقیناً پسند آئے گا۔ ہر کام تیار ہے۔ ویسے میں نے فلیٹ کا بندوبست نہیں کیا کیونکہ فلیٹ میں انسان وہ سب کچھ نہیں کر سکتا۔ بلاوجہ بہت سوں سے رابطہ ہوتا ہے۔ مکان جس علاقے میں ہے وہ بہت پوش علاقہ ہے۔ بہت ہی خوبصورت مکان ہے مالک نے اسے خوب سجا کر رکھا ہوا ہے۔ اصل میں پوش علاقوں میں بس ایک آسانی ہوتی ہے۔ انسان اگر اپنے آپ میں رہنا چاہے تو اسے کوئی دقت نہیں ہوتی ورنہ ہلکے پھلکے علاقے میں لوگ ایک دوسرے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی کبھی ان کی یہ کوشش بڑی تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔

سلطان شاہ تھوڑی دیر کے بعد تمام تیاریاں کر کے مجھے لے کر چل پڑا۔ وہی گاڑی تھی جس میں میں یہاں تک آئی تھی۔ میں تھوڑی دیر کے بعد اس خوبصورت علاقے میں پہنچ گئی۔ سلطان شاہ کا کہنا بالکل درست تھا۔ مکان واقعی بے حد خوبصورت تھا، جگہ بھی بڑی پُر فضا تھی۔ مجھے یہ مکان بہت پسند آیا اور میں نے سلطان شاہ سے کہا۔

”بہت اچھی جگہ ہے۔ ٹیلی فون ہے یہاں؟“

”ہاں۔ لیکن بہن کیا تم یہاں اکیلی رہ سکو گی؟“

”فی الحال تو اکیلا ہی رہنا پڑے گا شاہ جی لیکن بہت جلد مجھے کچھ آدمیوں کا انتظام کرنا پڑے گا۔“

سلطان شاہ سوچتا رہا، بولا۔

”میں اپنے بے شمار آدمی یہاں چھوڑ سکتا ہوں لیکن یہاں علاقے بڑے ہوتے ہیں۔ لوگ یہ جانتے ہیں کہ تمہارے والے ہی علاقے کا کنٹرول کرتے ہیں لیکن شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ ہر علاقے

میں ایک بد معاش بھی ہوتا ہے۔ ہم لوگ ہم اپنے آپ کو بد معاش ہی کہتے ہیں یعنی برسے روزگار والا۔ روزگار اچھا تو نہیں ہوتا۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ یہاں بھی ایک اڑہ ہے اور اس اڑے کا مالک کوئی اور۔ اگر میرے آدمی یہاں نظر آئے تو سب تمہارے بارے میں عجیب سے انداز میں سوچیں گے۔ ہاں ایک آدمی میں یہاں ضرور پہنچ دوں گا۔

”کون؟“

”ہے ایک۔ آجائے گا وہ، تم سے مل لے گا۔ رحیم جان ہے اس کا نام۔ پورے بھروسے کا آدمی ہے۔ رحیم جان۔ چوکیداری کرے گا۔ زبان کا سچا اور نشانے کا پکا۔“

”یہ اچھی بات ہے۔ کم از کم بالکل تنہائی سے بچ جاؤں گی میں۔ تم رحیم جان کو فوراً بھیج دو۔“

”وہ یہاں پہنچ جائے گا۔“

”اور ذرا مکان کا جائزہ لے لو اور بتاؤ کہ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میرے پیارے سے بھائی۔ ضرورت کی فکر مت کرو۔ ویسے تو اندازہ ہو رہا ہے کہ یہاں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے لیکن میں خود بھی ابھی اپنے ہوٹل جاؤں گی اور وہاں سے اپنا مختصر سامان اٹھا لوں گی۔ کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“

”پھر بھی یہ تھوڑی سی رقم رکھو کام آئے گی۔ کم از کم اور کچھ نہیں تو مجھے اطمینان ہو جائے گا۔“

سلطان شاہ نے جیب سے ایک ہزار روپے نکال کر مجھے دے دیے اور میں نے صرف اس کا رکھنے کے لئے انہیں قبول کر لیا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے اس مکان کا جائزہ لیا۔ بہت عمدہ اور بڑا خوبصورت تھا۔ زندگی کی ساری ضروریات سے آراستہ کچن میں گئی تو کھانے پینے کی اشیاء بھری ہوئی تھیں۔ میں نے پہلی بار سکون سے بیٹھ کر سلطان شاہ کے بارے میں سوچا تو وہ برائیوں کی تجارت کرنے والا آدمی بے کردار انسان تھا لیکن اس بے کردار انسان کے سینے میں چھپی ہوئی شرافت لاکھوں صاحب کردار انسان کا مذاق اڑاتی تھی۔ اس نے بے لوث ہو کر میری کتنی مدد کی تھی۔ اس کی میں تہہ دل سے شکر گزار تھی۔ اس کے باوجود میں یہ سوچ رہی تھی کہ اس نے نبھانے کیا کیا چکر چلا رکھے ہیں۔ اس مکان کا مسئلہ بھی سوچنے کے قابل تھا۔ بہر حال اس وقت میرے لئے ایک بہترین پناہ گاہ تھی۔ پھر میں بیڈ روم میں جا کر ہونے بستر پر لیٹ گئی۔ جن واقعات اور حادثات سے گزری تھی مجھے ان کی ذرا بھی توقع نہیں تھی اور نہ کبھی زندگی میں کبھی کسی ایسے حالات کے بارے میں سوچا تھا کہ صورت حال یوں ہوگی۔ میں نے بلاشبہ اپنا خود سر لڑکی کی حیثیت سے زندگی گزار لی تھی لیکن اب جب مجھ پر پے در پے مصیبتیں پڑی تھیں اور اب بولکھلا کر رہ گئی تھی بہر حال اس تھوڑے سے وقفے میں مجھے بہت سے تجربات بھی ہوئے تھے اور اب بالکل اپنے آپ کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ خاص طور سے اس ایک بد معاش کی پٹائی کرنے کے بعد دل میں سوچ رہی تھی کہ جو فیصلہ میں نے کیا ہے وہ انتہائی مناسب ہے۔ مجھے درحقیقت اب شیرینی بٹنا ہوا ہے اپنے دشمنوں کو چھڑا کھانے کے لئے تیار۔ دل کا وہ گداز جو الماس بیگم یا کسی کے لئے تھا، ختم ہو گیا تھا۔

”کون؟“ میں نے ٹھنڈی اور نرم آواز میں پوچھا۔

”وہٹر۔“ باہر سے آواز آئی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اب ان سارے ہتھکنڈوں سے بیکار تھی میں۔ یہ گدھے اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک اور مجھے بے وقوف سمجھ رہے تھے۔ بہر صورت اس نے اپنے تئیں قدم اٹھائے اور دروازے کے نزدیک پہنچ گئی۔ دروازے کا بولٹ کھولا۔ ہینڈل پکڑا اور پھر چمکے سے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھولنے کے ساتھ ہی میرا ہاتھ آگے کی سمت پڑا اور جو شخص باہر نکلا اس کا کریبان میرے ہاتھ میں آگیا۔ پھر ایک جھٹکے کے ساتھ وہ کمرے کے وسط میں تھا لیکن میں دائرے کی جانب متوجہ نہیں ہوئی بلکہ ایک چھلانگ لگا کر اس شخص کے نزدیک پہنچ گئی اور پھر اس کے

”نہیں..... نہیں، بالکل نہیں۔“ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا اور پھر خود ہی جھینپ گیا۔
 ”تو پھر بتاؤ کیسے آئے؟“
 ”میں تمہاری نگرانی کر رہا تھا۔“
 ”کس کے حکم سے اور کیوں؟“
 ”یہ میں نہیں بتا سکتا۔“

”ہوں۔“ میں نے پستول کا میگزین نکال کر اس میں سے گولیاں نکالیں اور انہیں ایک طرف ڈال دیں۔
 میرے اس فعل کا اثر خاطر خواہ ہوا اور وہ کسی قدر دلیر ہو گیا۔ اب اس کے چہرے پر پہلے جیسے سے
 اثرات نہیں تھے بلکہ اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔ اس نے مجھے کرخت نگاہوں
 دیکھا اور بولا۔

”تم سنو کی بچی، تم نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور اب مجھے لوٹنا چاہتی ہو۔“ اس کی آواز میں
 بی سی جھجکتی تھی لیکن انداز بڑا ہی قابل نفرت تھا اور پھر اس نے مجھے گالی دی تھی۔ ایک ایسی گالی جس
 اس نے اپنے لئے مشکلوں کے سوا اور کچھ نہیں پیدا کیا تھا۔

”خوب! بہت اچھی سوچ ہے تمہاری لیکن تمہارا کیا خیال ہے۔ تم یہاں سے زندہ نکلنے میں کامیاب ہو
 گے۔ سنو، تم نے مجھے باپ کی گالی دی ہے۔ سنو کی بچی کہا ہے تم نے مجھے، لیکن تم یقین کرو کہ اس
 نتیجے میں تم یہاں سے اپنے پیروں سے باہر نہیں جا سکو گے۔ آؤ میری اس دعوت سے فائدہ اٹھاؤ۔ اب
 ہمیں لوٹ لینا چاہتی ہوں۔ سمجھ رہے ہوں نا۔ تم بچاؤ اپنے آپ کو، آ جاؤ۔“ میں نے دونوں ہاتھ پیچھے
 لئے اور وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ کلائی کی چوٹ کی تکلیف شاید اب کچھ کم ہو گئی تھی۔ چنانچہ اب وہ شیر نظر آ
 تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے اور میری جانب جھپٹا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ سیدھے کیے اور
 لڑی ہتھیالیں اس کی کپٹی پر ماریں۔ اس بار اس کے حلق سے آواز نکل گئی تھی لیکن اس نے مجھے سنو کی
 کہا تھا اور اس کا بدلہ لینا ضروری تھا۔ میری اس ضرب سے اسے چکر آ گیا تھا۔ اس نے اپنے ڈولتے
 بدن کو سنبھالا اور سر جھٹکنے لگا تب میں اس کے سامنے پہنچ گئی۔

”ہاں“ میں سنو کی بچی ہوں ناں۔ ایک بار پھر کہو۔“

اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھا تو میں ہنس پڑی۔

”اُہا۔ کوئی اور بھی ہے تمہارے ساتھ، جاؤ دروازہ کھولو اور اسے بھی اندر بلا لو۔“ وہ مضطرب سا
 دنگا۔ شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کے سامنے بے شک ایک عورت ہے لیکن یہ عورت کم اور
 محبت زیادہ ہے۔ اس کے چہرے کا اضمحلال بتا رہا تھا کہ وہ اندر سے ٹوٹ رہا ہے۔ اس نے ادھر ادھر
 دیکھا کرتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

”گڈ۔ گویا عقل آتی جا رہی ہے تمہیں۔“

”دیکھو مجھے جانے دو۔ میں جانا چاہتا ہوں۔“

”ارے ایک لڑکی کے کمرے میں ہو۔ مرد ہو، جوان ہو اور اس سے جانے کی اجازت مانگ رہے ہو۔“

اٹھے ہوئے ہاتھ پر میری ایک ٹھوکر پڑی اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر سامنے والے ہاتھ
 دروازے سے نکل گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کی پسلیوں پر ایک ٹھوکر رسید کر دی اور اس
 سے ایک چیخ نکل گئی۔ مجھے یقین تھا کہ یہ ٹھوکر چند لمحات اسے سنبھلنے نہیں دے گی چنانچہ میں نے
 کی طرف چھلانگ لگائی اور دروازہ اس قدر تیزی سے بند کیا کہ میں خود اپنی پھرتی پر حیران رہ گئی۔
 مجھے توقع تھی کہ وہ اٹھ کر پستول کی جانب جھپٹے گا اور میرا یہ اندازہ سو فیصدی درست نکلا۔
 پسلیوں کی چوٹ کی پروا کیے بغیر اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور دونوں ہاتھ ٹیک کر
 ساتھ ہی اس نے پستول کی جانب چھلانگ لگائی لیکن بھلا ہوا لباس بیگم کا۔ انہوں نے آج کے دن
 ہی مجھے تیار کیا تھا چنانچہ میں اس کے نزدیک پہنچی اور دوسرے ہی لمحے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ
 ٹھوکر پڑی۔ میں نے بڑی ذہانت کے ساتھ یہ ٹھوکر اس کے ہاتھ پر رسید کی تھی یہ ٹھوکر پہلی ٹھوکر
 سخت اور خوفناک تھی۔ اس کے ہاتھ کی ہڈی تو نہیں ٹوٹی لیکن چوٹ اتنی زبردست تھی کہ وہ ایک
 کراہ کے ساتھ دوسری جانب پلٹ گیا۔

وہ اپنی کلائی پکڑے ہوئے تھا۔ میں نے پستول اٹھالیا اور پھر میرے حلق سے جو آواز نکل
 میرے لئے اجنبی تھی۔

”اگر اب تمہارے حلق سے آواز نکلی تو پستول کی گولی تمہارے حلق میں داخل ہو کر پیٹ
 جائے گی۔ تمہیں اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اس کے کرنے سے در
 کروں گی۔“

اس کا منہ کھلے کا کھلا ہی رہ گیا۔ آواز شاید نکلتا چاہتی تھی لیکن میرے ان جملوں کو سن کر بند
 میرے ہونٹوں پر ایک سفاک مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور اس وقت میں وہی تھی جو مجھے ہونا چاہیے
 نے خونخوار نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور آہستہ آہستہ اس کے نزدیک پہنچ گئی۔ وہ
 نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اچھا خاصا جوان اور خوبصورت آدمی تھا اور سو فیصدی وہی تھا جو کا
 کے اشارے پر اٹھا تھا۔

”ہاں۔ کیسے مزاج ہیں تمہارے؟“ میں نے سوال کیا اور وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے
 نے چیخنے کی کوشش نہیں کی۔ ”میں نے پھر کہا اس کے ہونٹ ہلے لیکن آواز نہیں نکلی تب میں
 بولی۔

”کمال کے انسان ہو دفع کرو ان باتوں کو یہ بتاؤ کس لئے آئے تھے؟“ میرے اس سوال پر
 پھر کھلا اور پھر بند ہو گیا۔

”بنو مت جو بات پوچھ رہی ہوں اس کا جواب دو۔“

میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور وہ جھرجھری لے کر سیدھا ہو گیا۔

”مم..... میں..... میں..... میں.....“

”بکری کی اولاد ہو؟“ میں نے سوال کیا۔

تجب کی بات ہے۔“
”میں جا رہا ہوں۔“

”تشریف لے جائیے۔“ میں نے کہا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے جھک کر دونوں دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دروازے کی جانب بڑھا لیکن پلٹ پلٹ کر وہ کئی بار مجھے دیکھ جب وہ دروازے کے بالکل نزدیک پہنچا تو میں نے اس پر پھر چھلانگ لگا دی۔ اس بار میں نے پکڑ کر اسے دروازے سے دے مارا۔ یہ ٹکراتی زور دار تھی کہ اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ نھتوں سے خون کی دھاریں بننے لگیں۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن میں اسے چیخنے کی اجازت دے سکتی تھی چنانچہ میں نے آگے بڑھ کر ایک زور دار تھپڑ اس کے کھلے منہ پر رسید کیا۔ آواز پھر نکلنے نکلنے بند ہو گئی۔

”برا ہو اس کاؤنٹر کلرک کا جس سے تم نے میرے بارے میں رابطہ کیا تھا اور اس نے جانب اشارہ کر کے بتایا تھا کہ اس کمرے کی مکین میں ہوں۔ برا ہوتا، بہت برا وقت تھا تمہارے میں اسی طرح تمہیں آہستہ آہستہ جان سے مار دوں گی۔ ہاں اگر جینا چاہتے ہو تو بہتر ہوگا کہ جو سے پوچھوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دو۔“ اب وہ مجھے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ سارے کس بل نکل چکے تھے۔ خون کی دھاریں اس کے پورے جسم کو تر کر رہی تھیں اور وہ اکر رہا تھا لیکن مجھے اس کے بہتے ہوئے خون کی ذمہ برابر پروا نہیں تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں اور سوال کیا۔

”ہاں تو تم کس کے آدمی ہو؟ شاباش بتا دو۔“

”اگر میں نے تمہیں اس کے بارے میں بتا دیا تو میری زندگی مشکل ہو جائے گی۔“

”تمہاری زندگی تو اب بھی مشکل میں ہے مائی ڈیئر..... بہتر یہ ہے کہ وقت ضائع نہ کر خون تھوڑا سا بیچ جائے گا۔ تمہیں شاید زندگی مل ہی جائے۔ زندگی یہاں ہے وہاں نہیں، لیکن یہ مطلب ہے اس وقت تو تمہیں موت کا سامنا ہے ممکن ہے اس کے بعد یعنی یہاں سے جانے کے بعد بچاؤ کا کوئی انتظام کر لو۔ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم خود بھی جانتی ہو میری تمہاری کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے لیکن تم میرے دشمنوں کے آدمی ہو، بس یہ بات بہت میرے لئے۔“ میرا لہجہ نرم تھا اور وہ شاید اس لہجے کے اندر چھپی ہوئی سفاکی کو بہتر طور پر سمجھ گیا۔

”بگ شو کو جانتی ہو؟“

”تھو ہے اس بگ شو پر۔ میں بالکل نہیں جانتی کہ وہ کتنا بگ ہے اور کیا شو کرتا ہے لیکن بہتر پتا چلنا چاہیے کہ یہ کیا چیز؟“

”اگر تم اسے نہیں جانتی تو یہ تمہاری بد قسمتی ہے کہ وہ تمہارے پیچھے لگ گیا ہے۔ وہ جو کچھ اسے معمولی انسان نہ سمجھو۔ تم یہ سمجھ لو کہ اس کی دشمنی تمہارے لئے سخت مشکل کی بات ہوگی۔“

”ہاں، ہاں میں جانتی ہوں شروع ہی سے وہ میرے پیچھے ہے لیکن تم یہ بتاؤ کہ اور کون کون؟“

”کمال ہے۔ تم جو باتیں کر رہی ہو وہ بڑی عجیب ہیں۔“
”اچھا خیر چھوڑو تم یہ بتاؤ رمضان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“
”رمضان..... وہ..... وہ تو کرائے کا آدمی تھا۔ ہم کبھی کبھی معاوضے پر اس سے کام لے لیا کرتے ہیں۔“

”ظفر شاہ کو جانتے ہو؟“

”کون ظفر شاہ؟“

”ظفر شاہ کو نہیں جانتے؟“

”نہیں میں کسی ظفر شاہ کو نہیں جانتا۔“

”چلو ٹھیک ہے۔ اچھا تم یہ بتاؤ کہ رمضان تمہارے لئے اور کیا کیا کام کرتا تھا؟“

”تم یقین کرو، بگ شو نے اپنے اپنے الگ شعبے بنا رکھے ہیں۔ ہر شخص اس کے لئے کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے۔ میرا کام بالکل مختلف تھا۔ مجھے جو ہدایت ملتی ہے میں وہ کام کرتا ہوں اور اس وقت مجھے یہ ہدایت ملتی تھی کہ..... کہ.....“

”ہاں ہاں، بولو بولو۔“

”یہی کہ تمہیں کسی طرح ان کے قبضے میں پہنچا دوں۔“

”اور یہ کس کے قبضے میں پہنچانا تھا تمہیں؟“

”میرا مطلب ہے بگ شو کے قبضے میں۔“

”کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ رمضان کو کس نے قتل کیا؟“

”نہیں، مجھے نہیں معلوم۔“

”اور تمہارے پاس کو؟“

”مجھے اس کے بارے میں کیا پتا۔“

”کیا تم مجھے صرف اس تک پہنچانے آئے تھے؟“ میں نے سوال کیا اور وہ مجھے دیکھنے لگا۔ ایک بار پھر اس کے چہرے پر خوف کے آثار ابھر آئے تھے۔

”جھوٹ بولنے کی کوشش نقصان دہ ہوگی۔ جو پوچھ رہی ہوں اس کا جواب دیتے رہو۔“

”ہاں مجھ سے یہی کہا گیا تھا اگر کسی ترکیب سے تمہیں زندہ لاسکوں تو بہت اچھی بات ہے اور اگر نہ لاسکوں تو پھر تمہیں ختم کر دوں۔“

”گڈ! تمنا ہو یا باہر کوئی اور بھی موجود ہے؟“

”نہیں، کوئی نہیں ہے۔“

”کیا خیال ہے تمہارا؟ اب تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو یا اغوا کرو گے؟“

”کتنا بننا ہے؟“ میں نے سوال کیا۔ وہ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ سنو کتے کے پلے! اس کے بعد تم میرے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے سمجھے؟“ میں نے آہستہ سے کہا اور دروازے کی سمت بڑھ گئی۔

کاؤنٹر ٹرک امتحان کی طرح منہ کھولے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ اسے میرا بل بھی یاد نہیں رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں پیدل چلتی رہی پھر آگے نکل جانے کے احساس نے مجھے جگایا تو میں نے ایک نیکی روکی۔ نیکی میرے قریب آکر رک گئی۔ کم از کم اتنا ہی ضرور کر لیا کرتی تھی کہ اب نیکی ڈرائیوروں کا بازو لے لیتی تھی۔ وہ ایک سیدھا سادا آدمی تھا۔ چنانچہ میں مطمئن ہو کر بیٹھ گئی۔

”کہاں چلوں بیگم صاحبہ؟“ ڈرائیور نے پوچھا اور میں نے اسے بتا دیا لیکن گھر سے کافی فاصلے کا۔ نیکی تیزی سے آگے بڑھنے لگی اور اپنا سفر طے کرنے لگی۔ پھر میں ایک ایسے علاقے میں اتر گئی جہاں سے مجھے تھوڑا سا فاصلہ پیدل طے کرنا پڑتا اور اس کے بعد میں اپنے مکان تک پہنچتی۔ مکان کے قرب و جوار میں خاصی رونق تھی۔ سامنے والوں کے گھر کے دروازے پر چند لڑکیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے مسکرا کر میری جانب دیکھا۔ ان کی مسکراہٹ کا مفہوم تو میری سمجھ میں نہیں آیا تھا لیکن بہر صورت میں ان پر زیادہ زچہ دینے بغیر اندر داخل ہو گئی۔ اندر آنے کے بعد میں نے گھر میں پہننے کا لباس نکالا اور ہاتھ روم میں داخل ہو گئی۔

لباس پہن کر باہر آئی تھی کہ کال بیل بجی۔ میں نے سوچا کون آسکتا ہے۔ ممکن ہے سلطان شاہ کا بھی لڑکی آئی ہو پھر میں باہر نکل آئی لیکن دروازے پر دو لڑکیاں کھڑی تھیں اور ان کے ساتھ ایک نوجوان بھی نا جو خاصا خوبصورت تھا لیکن اس کے چہرے کی معصومیت اور ایک عجیب سا ملالت بھرا بانک پن میرے لئے باعث حیرت تھا۔ بے پناہ خوبصورت نقوش تھے اس کے۔ لباس بے حد اچھا پہنا ہوا تھا لیکن لڑکیوں سے زیادہ اس کے چہرے پر ہی شرم تھی۔ لڑکیوں میں سے ایک نے کہا۔

”ہم اندر آجائیں؟“

”آئیے۔“ میں نے نرم لہجے میں کہا اور وہ اندر داخل ہو گئیں۔ ان میں سے ایک لڑکی نے کہا۔

”خدا کا شکر ہے کہ اس مکان کی تقدیر بھی کھلی۔“

”میں سمجھی نہیں۔“ میں نے کہا اور انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

”یہ مکان بھی آباد نہیں ہوتا۔ بس عجیب و غریب لوگ اس مکان میں آتے جاتے رہتے ہیں لیکن ہم نے کبھی کسی خاتون کو نہیں دیکھا۔ پہلی بار اس مکان میں کوئی خاتون نظر آئی ہے۔ ہم اس مکان کو بند دیکھ کر کی طرح بور ہو گئے تھے۔“

”ہاں۔ آپ شاید سامنے والے مکان میں رہتی ہیں؟“

”جی ہاں۔“

”کس قسم کے لوگ آتے رہتے تھے یہاں؟“

”بس کچھ سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ عجیب و غریب لوگ ہوا کرتے تھے وہ۔ کیا آپ اس مکان میں

”میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ ہمیں اس بات کی امید نہیں تھی کہ اب تم یہاں آؤ گی۔ میں احتیاطاً ہی یہاں بھیج دیا گیا تھا۔“

”لیکن وہ کاؤنٹر کلرک کیا وہ تمہارا ساتھی نہیں؟ میں نے اسے اشارہ کرتے دیکھا تھا۔“

”وہ میں نے اسے کچھ اور کہہ دیا تھا۔“

”دہ کیا؟“

”بس میں نہیں بتا سکتا۔ آہ۔ دیکھو میرا خون بند نہیں ہو رہا۔ اگر زیادہ خون بہہ گیا تو پھر میری کیا بچے گی؟“

”بتانا تو پڑے گا تمہیں میری جان اور یہ دوسری بات ہے کہ تم اپنی خوراک وصول کر کے پتا میں اس کے نزدیک پہنچ گئی۔“ ”مرنے سے پہلے مجھے یہ تو بتا دو۔“

”بس میں نے اس سے کہا تھا کہ تم ایک آوارہ فطرت لڑکی ہو اور میں تمہاری تاک میں ہوں روپے کا ایک نوٹ دے کر میں نے اسے اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ اگر کسی وقت میں یہاں موجود نہ تو تم پر نظر رکھے۔ اس وقت بھی میں نے تمہیں نہیں دیکھا تو اسی نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا وہ اس نے جواب دیا۔

”ٹھیک چلو اسے بھی تھوڑا سبق مل ہی جائے گا۔“ میں نے کہا۔

”مجھے جانے دو خدا کے لئے مجھے جانے دو۔“

”تم لوگ خدا کو بھی جانتے ہو، خدا کو جانتے ہوئے بھی ایک لڑکی کی زندگی اس طرح ختم کرنا آمادہ ہو گئے تھے۔“

میں چند قدم آگے بڑھی۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا اور وہ ابھی تک خاصی تکلیف میں تب میں نے سوچا کہ اسے اس تکلیف سے نجات دلا دینی چاہیے۔ اس کے قریب پہنچ کر میں نے جو کچھ وہ اس کے تصور میں بھی نہیں تھا۔ میں نے ایک ٹھوکرا اس کی گپٹی پر رسید کی اور اس کے حلق سے آواز چھ نکلے۔ پھر اس کی آنکھیں پھٹ گئیں وہ ایک طرف لڑھک گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب کئی گھنٹے تک وہ میں نہیں آئے گا۔ کیا کرتی انسانوں نے مجھے انسان سے درندہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ اب اس درندے کو بھگتا انہی کی ذمہ داری تھی۔ اسے ہوش و حواس سے بے گانہ کر کے میں نے اطمینان سے اپنا سامان اٹھا کر اسے چیک کیا کہ کہیں ان لوگوں نے میرے سامان میں تو کوئی گڑبڑ نہیں کی لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ ذہن ابھی اس طرف نہیں گیا تھا۔ میں نے بیگ کھولا۔ اس میں سے میک اپ کا سامان نکال کر اپنے چہرے مناسب تبدیلیاں کیں۔ نیا لباس پہنا تھا کہ مجھے پہچاننے میں آسانی نہ ہو اور پھر میں نے اپنا بیگ اٹھایا اور اتر آئی۔ کاؤنٹر کلرک کے پاس پہنچ کر میں نے کاؤنٹر پر گھونسا مارا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

”ہوں۔ تو تم یہ کاروبار بھی کرتے ہو۔“

”کک..... کیا؟“ وہ بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا اور میں اس کی آنکھوں میں گھورنے لگی۔ آنکھوں کی سرفی دیکھ کر اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا اس نے جلدی سے رخ بدل لیا۔

مستقل طور پر آگئی ہیں؟“

”یقیناً۔“

”لیکن آپ تمہیں کیا؟“

”ہاں۔ میرے اہل خانہ چند روز میں یہاں آجائیں گے۔“

”آپ شادی شدہ ہیں؟“

”نہیں۔“ میں نے ہنس کر کہا اور دوسری لڑکی بھی ہنس کر بولی۔

”میں نے نمد سے شرط لگائی تھی۔“

”گڈ۔ چلے نمد کا نام تو معلوم ہو گیا اور آپ باقی۔“

”یہ ہمارے کزن صنوبر ہیں۔“

”صنوبر..... یہ تو زنانہ نام ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور غور سے صنوبر کو دیکھا۔

میں صنوبر نے میری جانب نگاہیں اٹھائیں اور پھر مدہم آواز میں بولا۔

”جی نہیں۔ آپ کو غلط فہمی ہے۔ اگر آپ کو قدیم کتاب گلشنیاد آری ہے تو میں آپ سے

کے بارے میں عرض کر دوں کہ اس میں گلشنیاد ہی اور صنوبر شہزادہ۔ وہیں سے اس نام نے

پائی۔ جہاں تک صنوبر کا تعلق ہے تو صنوبر ایک درخت کا نام ہے جو تھوڑی سی روایتی حیثیت رکھتا ہے

مذکر میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ معاف کیجئے گا میں اتنی وضاحت نہ کرتا لیکن عموماً لوگوں کو اس غلط فہمی

پاتا ہوں۔ اب اس کے بعد آپ کا جو دل چاہے کہہ لیجئے گا۔“ آواز اتنی خوبصورت تھی کہ سنتے رہتے

چاہے۔ چہرہ بھی اتنا ہی حسین تھا لیکن ایک عجیب سی نفاست جسے موجودہ زمانے میں نسوانیت کہا جاسکتا

لباس بھی بہت ہی خوبصورت استعمال کیا گیا تھا۔ چہرے کی دلکشی، طبیعت کی نرم و نازک کیفیت، دل و

پر ایک عجیب سا اثر کرتی تھی۔ ایسا سکون ایسی نرمی بس لاکھ دو لاکھ چروں میں سے کسی دو ایک میں

جاتی ہے۔ اگر طبیعت کی اس نفاست کو دوسرا نام نہیں دیا جائے اور مذاق اڑانے کو دل نہ چاہے تو اسے

نفیس نوجوان کہا جاسکتا تھا۔ میں نے فوراً ہی معذرت کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”بے حد شکریہ صنوبر صاحب! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے ایک بڑی غلط فہمی دور کر

ورنہ واقعی میں نے بہت سی جگہ پر لڑکیوں کا نام صنوبر پڑھا ہے۔“

”میں نے عرض کیا ناکہ یہ غلط فہمیاں ہیں حالانکہ میرے والدین نے سوچ سمجھ کر نام رکھا ہو

اس میں کوئی تازد ہو سکتا ہے۔ خیر اس شریر لڑکی نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔ یہ زیبا ہے۔ نمد! وہ

دونوں ہمیش ہیں۔ میرے والدین حیات نہیں ہیں انہی کے ساتھ رہتا ہوں۔ ایم ایس سی کا طالب

ہوں۔ تایا جان بڑے اچھے ہیں ہمارے، اور ہم لوگ اللہ کے فضل سے ایک با فراغت زندگی گزار

ہیں۔ چلو زیبا اس سے آگے کو جو کہنا چاہتی ہو۔“

”میرے خیال میں بات یہ ہو رہی تھی کہ آپ شادی شدہ ہیں یا نہیں؟“

”نہیں۔ میں شادی شدہ نہیں ہوں۔“

”گڈ۔ ہمیں خوشی ہے کہ اب یہ مکان آباد ہو گیا لیکن ایک وعدہ آپ کو بھی کرنا ہوگا۔“

”جی فرمائیے۔“

”آپ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کریں گی۔“

”ہاں۔ یقیناً ایسی ہی کوشش کروں گی۔“ میں نے جواب دیا۔

”چپے اور بتائیے اپنے بارے میں۔“

”بس کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اب آپ یہ بتائیے کہ آپ لوگوں کو کیا پلاؤں؟“

”اصل میں کچھ باتیں اصولی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب کہیں کوئی تازہ تازہ مسمان آتا ہے تو اس کی خاطر

مدارت خود کی جاتی ہے اور یہ فرض ہمیں پورا کرنا چاہیے۔“

”میں آپ کے گھر آؤں گی تو آپ یہ فرض پورا کر لیجئے گا۔ ابھی میں.....“

”نہیں۔ آپ یقین کیجئے اگر آپ تھوڑی دیر باتیں کر لیں گی تو بڑی مہربانی ہوگی۔“ ہم لوگ مختلف

موضوعات پر باتیں کرتے رہے۔ لڑکیاں مجھے اپنے بارے میں بتانے لگیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ غیر شادی

شدہ ہیں اور ابھی ان کی شادی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

”کیوں؟“

”اس لئے کیونکہ ابھی ہم سے بڑی دو اور بیٹھی ہوئی ہیں اور سالہا سال ان کا چانس نہیں ہے۔ پہلے

ان کی شادی ہوگی بعد میں ہمارا نمبر آئے گا۔ اس ملک میں لڑکے بہت مہنگے ہیں۔“

”خدا آپ کی مشکل آسان کرے۔“ اور انہوں نے بلند آواز میں آمین کہا اور خوب نہیں۔ میں بھی

ان کی ہنسی میں شریک ہو گئی تھی۔ بعد میں، میں نے انہیں چائے پلائی اور اس کے بعد وہ چلی گئیں۔ اس

دوران صنوبر بھی بہت سی باتیں کرتا رہا۔ ابتدا میں تو یہ نوجوان کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا لیکن جوں جوں وہ

گفتگو کرتا رہا تو یہ احساس ہوتا رہا کہ اس کی طبیعت میں بے پناہ نفاست ہے اور وہ بڑی خوبصورت گفتگو کرتا

ہے۔ پھر دوپہر کو سلطان شاہ کو فون موصول ہوا اور سلطان شاہ نے کہا۔

”ہاں سناؤ سسر! کیسی گزر رہی ہے؟“

”بالکل ٹھیک ہوں۔“

”اپنا سامان نکال لائی ناں ہو ٹل سے؟“ سلطان شاہ نے پوچھا۔

”ہاں۔ تمہیں کیسے معلوم؟“

”اکیلا تو نہیں چھوڑا ہے ہم نے سسر تمہیں۔ ہمارے آدمی تمہاری حفاظت کے لئے پہلے ہوئے

ا۔ انہوں نے بتا دیا تھا ہمیں اور ہاں رحیم جان ذرا تھوڑا سالیٹ ہو گیا ہے اس لئے رات کو پہنچ جائے

ا۔“

”ٹھیک ہے۔ ویسے کچھ پڑوسیوں سے میری شناسائی ہو گئی ہے۔“

”ادھر بڑے آرام سے زندگی گزارو اور ہمارے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤ۔ ہم خود وہاں کبھی نہیں

میں گے اور تمہاری بات کبھی خراب نہیں کریں گے۔“

”نہیں، شاہ جی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”اور کوئی بات نہیں ہے تو فون بند کرو۔ کوئی ایسی بات مت کہنا کہ ہمیں شرم آجائے۔“ سلطان شاہ نے فون بند کر دیا اور میں دیر تک ریسیور ہاتھ میں لئے اس کے بارے میں سوچتی رہی۔ انسان کی عقل کیا ہوتی ہے اور وہ اندر سے کیا ہوتا ہے۔ یہ چیز اگر دیکھنی تھی تو سلطان شاہ کو دیکھا جاسکتا تھا۔

☆=====☆

دوسری صبح رحیم جان نے خود مجھے آکر سلام کیا اور بولا۔

”بی بی صاحب! آپ کا خادم ہوں، آپ آرام سے سوتے؟“

”تم رحیم خان ہو ناں؟“

”ہاں! رات کو ڈیوٹی پر پہنچ گیا تھا۔ خوب آرام سے سویا آپ؟“

”ہاں میں آرام سے سوئی۔“

”ہم آپ کے لئے ناشتا بھی بنا سکتا ہے بی بی صاحب! زیادہ اچھا کھانا تو ہم پکا نہیں سکتا لیکن پکا لیتا ہے۔“

”نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے رحیم جان۔ ناشتہ میں خود بناؤں گی تم فکر مت کرو۔ بس اب تم جاؤ، آرام کرو، تھوڑی دیر کے بعد میں تمہیں بھی ناشتا پہنچا دوں گی۔“

”آپ کا بہت بہت شکریہ بی بی صاحب۔“ رحیم جان نے کہا اور گروں جھکا کر چلا گیا۔ کافی شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے ناشتہ تیار کر کے اسے پہنچا دیا اور دوپہر کے کھانے کے لئے اس سے سامان بھی منگوا لیا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ منیہ اور زینا آگئیں۔ ان کے ساتھ ان کی دونوں بڑی بہنیں بھی تھیں۔ آج وہ کل سے زیادہ بے تکلف ہو گئی تھیں۔ اس وقت صنوبر ان کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ پھر رحیم جان کھانے پکانے کا سامان لے آیا تو چاروں لڑکیاں میرے ساتھ کچن میں گھس گئیں۔ یہ زندگی کا ایک اور دوسرا رخ تھا۔ جو میں دیکھ رہی تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ الماس بیگم کی قربت میں بڑی آزاد زندگی گزار رہی تھی۔ گھر کے کام کاج سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ عورت بن تو میری فطرت میں تھا ہی نہیں۔ مجھے وہ لوگ یاد تھے جنہوں نے مجھے تربیت دی تھی اور مختلف قسم کی مشقیں کرائی تھیں۔ میرا جاپانی استاد مسٹر ٹیوٹی تھا جو اپنی بیوی کے ساتھ مجھے تربیت دینے کے لئے آتا تھا۔ دونوں میاں بیوی مارشل آرٹ کے ماہر تھے۔ دونوں میں بڑی محبت تھی لیکن مسٹر ٹیوٹی کی بیوی نے مجھے بتایا کہ مارشل آرٹ کی اس تربیت میں وہ اپنے عورت پن کی سب سے بڑی قدر کھو بیٹھی ہے یعنی کچھ ایسے پیچیدہ عوامل کا شکار ہو گئی ہے کہ اب کبھی ماں نہیں بن سکتی۔ یہ بات میرے ذہن پر بھی عجیب انداز میں اثر انداز ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ مارشل آرٹ کی مشق زیادہ سے زیادہ کی جائے تو عورت ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ مجھے ایسا ہی کرنا چاہیے اور آپ یقین کیجئے کہ کافی دن تک میں نے سخت مشقت کی تھی صرف اس لئے کہ ایسی کوئی مصیبت مجھ پر طاری نہ ہو۔ یہ سب میری فطرت کا مردانہ پن تھا لیکن ایک بات بڑی شرمساری کے بعد کہنے پر مجبور ہو رہی ہوں کہ میری فطرت کا یہ سارا مردانہ پن صنوبر کو دیکھ کر ختم ہو گیا تھا اور نجانے

کیوں میرے دل میں یہ آرزو ابھری تھی کہ اس وقت ان لڑکیوں کے ساتھ صنوبر بھی ہوتا۔ دوران گفتگو میں نے صنوبر کے بارے میں پوچھ ہی ڈالا۔

”ارے وہ تمہارے کزن کہاں گئے؟“

”کینیڈین لائبریری۔ صنوبر صاحب کتابوں کے کیڑے ہیں بس یہی شوق ہے ان کا۔ اپنے آپ کو سزا دیتے رہیں اور کتابوں میں غرق رہیں۔“

”دیری گڈ، دونوں ہی شوق اچھے ہیں۔“

”آپ یقین کریں شاہ نور بی بی کہ صنوبر بھائی اپنے آپ پر بڑا وقت صرف کرتے ہیں۔ اصل میں ابھی ان کے خیال کے مطابق ان کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ چنانچہ اس وقت تک وہ عیش کر رہے ہیں۔ اصل میں ہمارے چچا بہت بڑے کاروباری تھے۔ اس وقت بھی کینیڈا میں ان کا بہت بڑا چائے کا کاروبار پھیلا ہے اور اس کی آمدنی صنوبر بھائی کے لئے آتی ہے۔ بے پناہ پیسہ ہے ان کے پاس۔ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ رہتے ہمارے ساتھ ہیں اور سچ بتائیں ہم میں سے کسی کی نگاہوں میں ان کے لئے ایسا جذبہ نہیں ہے جو بہنوں سے ہٹ کر ہو۔ نہ ہی وہ ہمارے بارے میں ایسے انداز میں سوچتے ہیں۔ وہ ایک طرح سے ہماری پانچویں بہن ہیں۔“

میں اس بات پر ہنس پڑی تھی لیکن میرے ذہن کے گوشے میں ایک عجیب سا خیال جاگ رہا تھا۔ عجیب حسن تھا اس کی زندگی میں ایک انوکھا پن۔ میں نے ان لوگوں کو دوپہر کا کھانا اپنے ساتھ ہی کھلایا۔ پھر ان میں سے تین بہنیں چلی گئیں۔ ایک کو میں نے روک لیا تھا اور شام تک وہ میرے ساتھ رہی۔ تقریباً پانچ بجے میں نے اسے رخصت کیا۔ گزرے ہوئے یہ لمحات میرے لئے انتہائی دلکش تھے اور ان لوگوں کی قربت میں میں سب کچھ بھول گئی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے درحقیقت میں نے اتنی طویل زندگی بے مقصد ہی گزار دی ہو اور یہ ماحول میرے لئے انتہائی دلکش ہو لیکن جب پانچ بجے منیہ چلی گئی تو میں دوبارہ اپنے ماحول میں واپس لوٹ آئی۔ مجھے احساس ہوا کہ زندگی کے یہ لمحات میرے لئے خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ مجھ سے یہ زندگی چھین لی گئی ہے۔ ابتدا ہی میں میری تربیت غلط ہو گئی ہے اور اب جو ماحول میرے لئے پیدا کر دیا گیا ہے وہ جنگ و جدل سے بھرپور ہے۔ تائی اماں میرے مد مقابل ہیں اور میں خطرناک دشمنوں میں گھری ہوئی ہوں۔ اگر ان دشمنوں سے چھٹکارا مل جائے، میری دونوں بہنیں میرے سامنے آجائیں، میری ماں مجھے مل جائے اور میری حسرت میری بہت بڑی آرزو میرا باپ اگر وہ مجھے مل جائے تو پھر میں بھی اس احوال کو اپنالوں۔ پھر مجھے یہ نیا آدمی یاد آیا جس کا نام بگ شولیا جاتا تھا۔ یہ آخر کیا بلا ہے۔ کیا میرے چیلنج کو نفل کرنے کے بعد الماس بیگم نے بگ شولیا کی خدمت حاصل کی ہیں۔

بہر حال اس شخص کی جو کمائیاں منظر عام پر آ رہی تھیں وہ تو ذرا سنسنی خیز تھیں۔ چنانچہ دیکھنا یہ تھا کہ کس اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔ سلطان شاہ میرا محافظ بن گیا تھا۔ اور اب تک اس نے جو کچھ کیا تھا وہ بہت ہی اہمیت کا حامل تھا لیکن پھر بھی لاکھ سب کچھ سہی لیکن سلطان شاہ پر ہی تکیہ کیے رکھنا نقصان دہ عمل تھا۔ مجھے اپنے طور پر بھی بہت کچھ کرنا تھا۔ دیر تک میں ان خیالات میں کھوئی رہی۔ میں یہ سوچ رہی تھی

کوئی توجہ دی تھی۔ البتہ اس دروازے سے اندر داخل ہو کر میری آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔
بارے سے بد نما نظر آنے والی عمارت اندر سے اس قدر شاندار ہوگی، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک بڑا سا
ہال تھا جس میں مدہم روشیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہال میں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور منشیات یہاں
بڑی آزادی سے فروخت ہو رہی تھی۔ بیٹھے ہوئے لوگوں میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی تھے۔ مجھے
اندازہ ہو گیا کہ یہاں میری آمد کو اجنبی نگاہوں سے نہیں دیکھا جائے گا۔ میں تھوڑی دیر تک کھڑی ہوئی ادھر
ادھر دیکھتی رہی اور ایک ویٹر میرے پاس پہنچ گیا۔

”اس طرف آ جاؤ۔“ اس نے بھاری لہجے میں کہا۔ یہ بڑی بڑی مونچھوں اور بھاری چہرے والا
فدناک آدمی تھا۔ میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ اس نے ایک میز تک میری رہنمائی کی پھر میز پر خواہ
خواہ کپڑا پھیر کر میری جانب دیکھنے لگا۔ میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔
”جی، کیا چاہیے؟“ اس کے لہجے میں ایک اکھڑپن سا تھا۔
”کیا کھانے کا؟“ میں نے کہا۔

”کیا چاہیے آپ کو؟“ اس نے منشیات کی ایک فہرست گنوا دی۔

”تم میرے لئے انجکشن لے آؤ۔“ میں نے اسے آرڈر دیا اور وہ گردن جھکا کر چلا گیا۔ ابھی ویٹر
میرے آرڈر کی تکمیل بھی نہیں کر پایا تھا کہ ایک بد معاش قسم کا آدمی اپنی میز سے اٹھ کر میرے پاس آگیا۔
اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اس نے کرسی گھسیٹنی اور میرے ہاتھ آکر بیٹھ گیا اور پھر اس کی آواز
اُبھری۔

”جنت کی حور، تمہیں اس جنت میں پہلی بار دیکھا ہے۔ پہلے کہاں تھیں؟“

”کھڑے ہو جاؤ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“ میں غرائی آواز میں بولی۔

”مجھ سے کہہ رہی ہو؟“

”میں نے کہا تھا۔ یہاں سے اٹھ جاؤ۔ کیوں جوتے کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔“

”اوہو..... ہو..... ہو شریف زادی ہو۔ شرافت کی کیا قیمت ہوتی ہے یہ بتاؤ؟“ اس نے جبب

سے پرس نکال کر کہا اور دوسرے لمحے میرا تھپڑ اس کے گال پر پڑا اور وہ منہ پھاڑ کر رہ گیا۔ پھر اس کی
آنکھوں میں دیوانگی نظر آئی۔ وہ کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا اور دوسرے لمحے اس نے چاقو کھول لیا۔

”مگر ہے کی بچی، مجھے نہیں جانتی میں افلاطون ہوں سمجھی۔ افلاطون سے بد تمیزی کی ہے تو نے۔“ اس
نے چاقو میری طرف لہرایا لیکن اس وقت دو افراد اس کے پیچھے پہنچ گئے اور انہوں نے پیچھے سے پکڑ کر اسے
کھینچ لیا۔

”چھوڑ دو مجھے۔ میں اسے قتل کر دوں گا۔ اسے معلوم نہیں ہے کہ میں کون ہوں۔“ لیکن اسی وقت
پکڑنے والوں میں سے ایک نے ایک زور دار گھونسا اس کے منہ پر رسید کر دیا اور وہ میز پر الٹ گیا۔ چاقو
اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔
”دیکھو مذاق مت کرو۔ مجھے سچ غصہ آ جائے گا۔ ہاں انوکھی بچی اب بول۔“ وہ پھر اٹھ گیا لیکن

کہ اب مجھے ایک طریقہ کار متعین کرنا چاہیے۔ سلطان شاہ اپنا کاروبار کرتا ہے۔ ظاہر ہے وہ مجھے ضرورت
سے زیادہ وقت تو نہیں دے سکتا۔ میں نے جو کچھ اس سے چاہا اس نے کر دیا۔ اب اس کے بعد یہی سوچتی
رہوں کہ باقی کام بھی وہی کرے گا تو یہ حماقت کی بات ہے اور مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔ چنانچہ اب کوئی
ایسی ترکیب ہونی چاہیے جس سے کام بنے۔ الماس بیگم نے تو کچھ لوگوں کو میرے پیچھے لگا کر اپنے آپ کو
محفوظ کر لیا ہے۔ بس میں ہی ہوں جو مصیبتوں کا شکار ہوں۔

الماس بیگم کے کچھ مرے میری نگاہوں کے سامنے تھے۔ جیسے ظفر شاہ یا پھر یہ بگ شو۔ بگ شو کے
بارے میں مجھے تھوڑی بہت معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ سلطان شاہ نے
ایک بھائی کی حیثیت سے میری بھرپور مدد کی تھی لیکن اگر سلطان شاہ ہی پر بھروسہ کیا جائے تو یہ انتہائی غیر
مناسب بات تھی۔ ذرا پہلے اس دنیا کا تجربہ بھی کر لیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ جب بھی شمالی
نصیب ہوتی تھی ماں اور بہنوں کے بارے میں بڑے مختلف انداز میں سوچتی تھی لیکن بہت سے معاملات
صرف خدا کی مرضی پر چھوڑ دینے ہوتے ہیں پہلے تو ذرا اس جدوجہد سے نمٹ لوں۔ آخر کار میں نے ایک
فیصلہ کیا اور میں اس فیصلے کے تحت عمل کرنے پر تیار ہو گئی۔ میں نے اپنے چہرے پر نمایاں تبدیلی پیدا کی۔
حالاں کہ مجھے یہ فن بالکل نہیں آتا تھا لیکن اپنے اسٹائل کو ذرا سادہ لیا جائے تو کوئی مشکل کام نہیں ہوتا
اور میں نے ایسا ہی کیا تھا۔ آنکھوں کے گرد ہلکے سے دائرے اور ہونٹوں کے ہلکے سے ابھار نے میری
شخصیت بدل دی تھی۔ مجھے آئینہ دیکھنے کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے میں نئے کی عادی کوئی لڑکی ہوں۔ اس
کے ساتھ ہی میں نے لباس بھی ذرا ایسا ہی استعمال کیا تھا۔ البتہ یہاں سے باہر نکلتے ہوئے جب رحیم جان نے
مجھے دیکھا تو وہ ہونٹ سکڑ کر رہ گیا۔ میں نے رحیم جان سے کہا۔

”رحیم جان سنو۔ میرے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے باہر بہت سے کام ہیں۔ اگر میں
رات کو واپس نہ آؤں تو پریشان نہیں ہوتا۔“ رحیم جان نے منہ سے آواز نکالے بغیر گردن ہلا دی۔ بہر حال
کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر چل پڑی۔ بگ شو کے بارے میں
مجھے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں ان کے تحت وہ ایک چھوٹے سے ادیرا ہاؤس کا مالک تھا اور وہاں کچھ غیر
قانونی کام بھی ہوا کرتے تھے لیکن بہر حال تھوڑی سی تفصیل یہ بھی تھی کہ وہ اپنے اڈے کو صاف ستھرا رکھتا
ہے اور وہاں گڑ بڑ نہیں ہونے دیتا۔ چنانچہ میں وہاں پہنچ گئی اور لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن گئی۔ اپنے اس
میک اپ میں جو میں نے اپنے چہرے پر کیا تھا میرے لئے یہ سب کچھ غیر متوقع نہیں تھا۔ بہر حال وہاں پہنچنے
کے بعد میں نے ایک شخص سے کہا۔

”یہ بگ شو کا اڈا ہے؟“

”نہیں جی! وہ سامنے جو عمارت نظر آرہی ہے وہ ہے بگ شو کا اڈا۔“ میں نے اس عمارت کی جانب
دیکھا۔ ایک بڑا سا بوسیدہ طرز کا دروازہ تھا جہاں دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے وہاں لوگوں کو اندر آنے
اور جاتے ہوئے دیکھا۔ ان میں لڑکیاں بھی تھیں، مرد بھی۔ بہر حال میں خود بھی اس بڑے دروازے سے
اندر داخل ہو گئی۔ دروازے پر کھڑے آدمیوں نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ ہی میری جانب

ان لوگوں نے اس کی باقاعدہ پٹائی شروع کر دی اور چند ہی لمحوں میں اس کا حلیہ بگڑ گیا۔ پھر وہ اسے لٹکا ہوئے باہر لے گئے اور شاید باہر پھینک آئے۔ صرف چند لمحات کے لئے فضا میں تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ اس کے بعد پھر وہی ماحول۔ ویٹرنے میرے آرڈر کی چیزیں میرے سامنے رکھ دیں اور میں انہیں سامنے رکھ کر بڑھ کر دیکھتی رہی۔ تب میری نگاہ ان میں سے ایک شخص پر پڑی جس نے اس آدمی کو مارا تھا میں مسکرا دی اور وہ میری جانب بڑھ آیا۔

”اجازت ہو تو بٹھ جاؤں؟“ اس نے پوچھا اور میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

”بٹھئے۔ آپ انہی میں سے ایک ہیں جس نے اسے مارا تھا؟“

”ہاں جی۔ ڈر لگتا ہے کہ کہیں میری بھی پٹائی نہ ہو جائے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں نے تو اس کے ساتھ کوئی برائی نہیں دیکھی تھی۔ بہر حال اس طرح نشتے میں بہک کر کسی کی

عزت نہیں کرنی چاہیے۔“

”آپ فکر نہ کریں بی بی جی! آپ پہلی بار آئی ہیں یہاں۔ یہاں ایسے لوگوں کو ٹھیک کرنے کے

مکمل بندوبست ہے۔ آپ دیکھئے ہم گاؤں کا احترام کرتے ہیں۔“

”میں تمہاری شکر گزار ہوں۔“

”جی نہیں یہ تو ہمارا فرض تھا۔“

”بہت بہت شکریہ۔“

”ویسے آپ کو پہلی بار یہاں دیکھ رہا ہوں۔“

”ہاں پہلی بار آئی ہوں۔“

”اس سے پہلے کہاں جاتی تھیں آپ، میرا مطلب ہے.....“

”نہیں اس سے پہلے میں اس شہر میں نہیں تھی۔“

”اوہو۔ کہیں باہر سے آئی ہیں؟“

”ہاں۔“

”کہاں سے؟“

”ہانگ کانگ سے۔“

”واہ۔ بڑی خوبصورت جگہ سے آئی ہیں۔ میں بھی ایک بار ہانگ کانگ گیا تھا تقریباً دو ماہ تک وہاں

لیکن یہ بہت پرانی بات ہے۔ اب تو وہاں کی یادیں بھی میرے ذہن سے نکل گئی ہیں۔“

”ٹھیک۔“

”میرا نام مائیکل ہے۔“

”اور میں نور ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا کرتی ہیں؟“

”میں آوارہ گروی کرتی ہوں۔ یوں سمجھ لو باپ کی دولت لٹا رہی ہوں۔ ویسے میرا باپ ہے تو مٹا

س ملک میں نہیں رہتا۔“

”اوہو۔ اچھا چلو ٹھیک ہے۔ اچھی شخصیت ہے آپ کی۔ یہاں کہاں ٹھہری ہوئی ہیں؟“

”کہیں نہیں۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”اوہو اچھا۔ اچھا اس کا مقصد ہے کہ حال ہی میں یہاں پہنچی ہیں؟“

”یہی سمجھ لو۔“

”ویسے ایک بات کنوں۔“

”ہاں۔“

”یہاں قیام کا بندوبست بھی ہے اور پیسے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ پیسہ یہاں بھی آسانی سے آ جاتا

”اچھی جگہ ہے۔ خاصا اچھا لگ رہا ہے۔“

”یہاں کے بارے میں کس نے بتایا تھا؟“

”ہاں۔ مطلب کے لوگوں سے پتا چل ہی جاتا ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤ۔ یہ جگہ کون سی ہے؟“

”یہ بگ شو ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس جگہ کا نام ہی بگ شو ہے۔ ویسے ہمارے چیف کا نام بھی بگ

ہے۔ اس شہر کا سب سے خطرناک آدمی ہے اور یہ سمجھ لو اوہو وہ آگیا..... دیکھو دیکھو۔“ اس نے

میں نے دیکھا دروازے سے ایک شخص جھک کر اندر داخل ہوا تھا۔ یہ آدمی نہیں بلکہ دیو تھا۔ قد

پا ساڑھے چھ یا پونے سات فٹ، بدن کا پھیلاؤ بھی اسی مناسبت سے تھا۔ احتمالی موٹا آدمی تھا لیکن کم

نچست معلوم ہوتا تھا۔ وہ دروازے سے داخل ہو کر ایک دوسرے دروازے سے اندر داخل ہو گیا اور

کے بعد میں مائیکل کی طرف دیکھنے لگی۔

”ہاں مسٹر۔“

”کچھ اور چاہیے۔“

”نہیں۔ میں زیادہ منشیات نہیں لے سکتی۔ انجکشن لے لیا ہے میں نے، بس اتنا ہی کافی ہے۔ اس

کا زیادہ لوں گی تو مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں گی۔“

”ویسے تمہارے اندر اتنی صلاحیتیں ہیں کہ تم کسی کو بھی مصیبت میں گرفتار کر سکتی ہو، میرا مطلب

اپنی مصیبت میں۔“

”سمجھی نہیں۔“ میں نے کہا اور وہ ہنسنے لگا اور پھر بولا۔ ”ہم دوست ہیں۔ میری کسی بات کا برا نہیں

نہ ہو گا وہی جو تم چاہو گی، کسی کی مجال ہے جو تمہیں کسی غلط کام کے لئے مجبور کر سکے۔ اوہو۔ میں ابھی

بل۔“ اس نے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کچھ لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ بہر حال یہ منشیات کا اڈہ تھا۔

سے لوگ ہی یہاں آتے تھے اور برائی کسی بھی لمحے اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاتی ہے۔ میں اس شخص کے

نظر سے ایک عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو گئی تھی۔ یہاں تک آ تو گئی تھی۔ بگ شو کا یہ اڈا دیکھنے کی دل

روہاں سے چلا گیا۔ میں نے وہ پرچی اپنے لباس میں رکھ لی تھی لیکن میری دیوانگی اس وقت کچھ اور کمالات چاہتی تھی۔ چنانچہ میں ان لوگوں سے باہر نکلنے سے پہلے باہر نکل آئی اور پھر سامنے ٹیکسی اسٹینڈ لے لی۔ میری نگاہیں اس لمبی کار پر جمی ہوئی تھیں جس کے بارے میں مجھے اندازہ تھا کہ بگ شو ہی کی ہے۔ یہ کالے اور پیلے رنگ کی ایک لیمنوزین تھی۔ بس ایک ٹکا تھا جو لگانا چاہتی تھی اور جس کے لئے ایک ٹیکسی کا انتخاب کیا اور ٹیکسی میں بیٹھ کر بولی۔

”سنو۔ کتنا کمنا چاہتے ہو؟“ ڈرائیور نے آنکھیں اور منہ پھاڑ کر مجھے دیکھا پھر بولا۔

”میں سمجھا نہیں۔“

”یہ پانچ سو روپے رکھو۔ اصل میں میری ایک مشکل ہے۔ کسی کا بیچنا کرنا ہے مجھے۔ بس مجھے وہ جگہ بوجائے تو سمجھو میرا کام بن جائے گا۔ تمہیں احتیاط کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔“

”اور تو کوئی لفزا نہیں ہو گا میم صاحب؟“

”ہاں باتیں مت کرو۔ جب میں نے تم سے یہ بات کہہ دی تو ساری باتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ تم کو تو پتا اتر جاؤں۔“

”نہیں نہیں، آپ بیٹھو اصل میں آج کل آپ کو معلوم ہے۔“

”ہاں ہاں سب کچھ معلوم ہے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش مت کرو۔“

”ٹھیک ہے بابا ٹھیک ہے۔“ ڈرائیور نے جواب دیا پھر آہستہ سے وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا بھی مانے لے کر لیا تھا کہ اس وقت یہ خطرہ مول لئے بغیر نہیں رہوں گی۔ کبھی کبھی نتیجے سے بے نیاز ہو رہے چنانچہ میں اپنے اندازے کی تصدیق کے لئے سامنے دیکھتی رہی۔ کوئی پانچ یا چھ منٹ کے بعد ہی نے مائیکل کو بگ شو کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ مائیکل نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی جس کا مقصد اس کا کمنا بالکل درست تھا۔ وہ بگ شو کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ جب لیمنوزین اشارت ہوئی تو نے بھی ڈرائیور کو اشارہ کر دیا اور وہ احتیاط کے ساتھ لیمنوزین کا تعاقب کرنے لگا۔ سڑکوں پر زندگی نے والے لوگ جانتے ہیں کون سا کام کس طرح کرنا چاہیے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اس مہارت سے جاری رکھا کہ آگے جانے والوں کو کوئی شبہ نہیں ہو سکا۔ بگ شو تھوڑی دیر کے لئے ایک جگہ رکا۔ سے باتیں کیں اور اس کے بعد چل پڑا۔ پھر وہ ایک دور دراز علاقے کی ایک خوبصورت کوٹھی میں ہو گیا تھا اور مجھے یوں لگا تھا جیسے یہی اس کی رہائش گاہ ہو۔ ٹیکسی ڈرائیور نے میری ہدایت پر ٹیکسی اور میں نے اسے سو کا ایک نوٹ دیتے ہوئے کہا۔

”وہ تو تھا تمہاری اس کوشش کا انعام اور یہ تمہاری ٹیکسی کا بل۔“

”آپ کہیں تو رک جاؤں میم صاحب۔ واپس جانا ہے آپ کو؟“

”اصل میں تم سمجھ نہیں ہو۔ خیر تم جاؤ میں اب یہاں رہوں گی۔“ ٹیکسی ڈرائیور واپس مڑ گیا اور ٹیکسی کی سرخ روشنیوں نگاہوں سے ادھل ہو گئیں تو میں آگے بڑھ گئی۔ اس کوٹھی کے گرد چکر لگا کر اندر جانے کا ایک راستہ دریافت کیا اور اس کے بعد اس راستے سے اندر داخل ہوتے مجھے کوئی

میں خواہش تھی۔ اس کے علاوہ بگ شو سے یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کیا وہ الماس بیگم کی وجہ سے پیچھے پڑا ہے یا پھر کوئی اور بھی مسئلہ ہے لیکن بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ سلطان شاہ نے مجھے بہن میری ہر طرح سے مدد کی تھی اگر اسے معلوم ہو جائے کہ میں کس حیثیت سے یہاں آئی ہوں اور لوگوں طرح میرے ساتھ پیش آرہے ہیں تو اسے برا ذہنی صدمہ ہو گا لیکن بات ذرا الجھانے والی تھی۔ مجھے کرنا تھا اس کی کیفیت بالکل مختلف تھی۔ میں جانتی تھی کہ الماس بیگم جیسی عورت سے نمٹنا آسان ہو گا اور اس کے لئے میں کسی قسم کے تکلف میں نہیں پڑ سکتی۔ مجھے وہی کرنا ہے جو وقت کی ضرورت بہت دیر تک اس دہری کیفیت کی شکار رہی۔ اور شاید مسئلہ کچھ گھمبیر ہی تھا۔ مائیکل کچھ لوگوں

ساتھ اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا تھا جہاں بگ شو گیا تھا۔ بہر حال یہ اچھی بات تھی کہ میں شو کی صورت دیکھ لی تھی اور یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ وہ آدمی نما پھاڑ ہے۔ کیا میں اس جیسی شخصیت سے مل سکتی ہوں؟ میں نے دل میں سوچا۔ یہ زندگی کے تجربات ہی تھے۔ لمحہ لمحہ نئی سوچ میرے احساسات کو نکراتی تھی۔ بس یہ کہنا چاہیے کہ ایک چھوٹا سا بچہ درندوں کے جنگل میں نکل آیا تھا۔ اس کے بازو ہمت تھی لیکن اس نے انسان اور درندوں کو صرف فلموں میں ہی دیکھا تھا اور اپنے آپ کو ہیرو تھا۔ یہ سوچ کر کہ جیسے یہ لوگ ان درندوں سے لڑ رہے ہیں۔ ایسے ہی وہ بھی لڑنے کا لیکن بہر حال خوف اس کے ذہن میں تھا۔ ان درندوں سے لڑنا آسان ہو گیا نہیں۔ یہی کچھ کیفیت اس وقت میرا سلطان شاہ کو بتائے بغیر یہاں نکل آئی۔ جانتی تھی کہ اگر کوئی گزربوگئی اور بعد میں اس کے بارے چلا تو ہو سکتا ہے وہ بددل ہو جائے۔ ہو سکتا ہے وہ ناراضگی کا اظہار کرے۔ اس جیسے اچھے اور انسان کو ناراض کرنا مناسب نہیں تھا لیکن یہ بھی دیکھنا تھا کہ کام کو آگے کیسے بڑھایا جاسکتا ہے۔ ظاہر میری حفاظت تو کر سکتا ہے۔ اس وقت جب میں نے اس کی مدد قبول کی تھی واقعی مجھے اس کی حفاظت ضرورت بھی تھی لیکن اب تھوڑا سا سکون پذیر ہو جانے کے بعد مجھے آگے قدم تو بڑھانا ہی تھا۔ ہر اس کی مدد تو نہیں لی جاسکتی تھی۔ اقدار بھی کوئی چیز ہوتی ہیں۔ بہر حال اب جو کچھ ہو گا دیکھا جائے یہاں آگئی تھی تو اب اس معاملے سے نمٹنا ضروری تھا۔ ویسے جلد بازی بالکل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ بگ شو کا دست راست ہے۔ مائیکل جیسے کسی آدمی کو اگر اپنے ٹارنٹس میں جائے تو صورت حال خاصی بہتر ہو سکتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مائیکل میرے پاس آیا اور بولا۔

”اس وقت مجھے بگ شو کے ساتھ ذرا اس کے گھر جانا ہے۔ کیا تم کل بھی یہاں آؤ گی۔ تم بچہ تم مجھے پہلی ہی نگاہ میں بہت پسند آئی اور یہ بات ذہن میں رکھنا میں جس طرح تمہارے کام آسکتا ہوا دوسرا نہیں آئے گا۔ یا پھر سنو میں تمہیں ایک پتہ لکھ کر دیئے دیتا ہوں۔ اگر رات کو بارہ بجے کے بجائے جگہ آسکو تو میں تمہیں وہیں ملوں گا۔ یہ میرا فلیٹ ہے، ٹھیک ہے۔“ میرے ذہن میں ایک دم بجلی سی آ گئی۔ اگر بگ شو اپنے گھر جا رہا ہے تو یہ میری معلومات میں ایک اضافہ ہو گا۔ مجھے بگ شو کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ اس کی کوئی محبوبہ موتی کے نام سے ہے۔ میں نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ اس نئی بگ شو میرے لئے کوئی کام کی بات ہو جائے۔ بہر حال میں نے بڑی اپنائیت سے اس کا پتہ لیا اور مائیکل کا ہاتھ

ایک چیخ نکلی۔ میں سمجھ گئی تھی کہ اس وقت صورت حال بالکل مختلف ہے۔ بگ شو کے مسئلے میں ی کرنا پڑے گا۔ چلو اور کچھ نہیں تو کم از کم میرا تعارف تو ہو گیا اس سے۔ چنانچہ میں نے ہاتھ میں لی بوتل پوری قوت سے بگ شو پر پھینکی اور یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ سیدھی اس کے ماتھے پر جا گئی۔ برائت کر کھڑا ہو گیا تھا۔ خون میں نہا گیا۔ بوتل بھی ٹوٹ گئی، کھوپڑی بھی۔ خون کی ایک چادر سی ہرے پر آکر پھیل گئی اور اس کے بعد اس کی دھڑائیں سنائی دینے لگیں۔ ادھ کھلے دروازے سے وہ اندر آ رہا تھا آنکھوں پر ہاتھ رکھے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ میں نے بگ شو سے کہا۔

چل اس وقت میرا اور تیرا یہ تعارف ہی کافی ہے۔ اس کے بعد بگ شو تیار رہنا اس بات کے لئے تیرا حلیہ بگاڑ دوں۔" جواب میں بگ شو عجیب سے انداز میں چیخا تھا اور مجھے اپنے عقب میں بھاگ وائیں سنائی دی تھیں۔ میں جانتی تھی کہ صورت حال اب میرے قابو سے نکل گئی ہے لیکن میں لی کام سرانجام دینا چاہتی تھی کہ بگ شو کو بھی لطف آجائے۔ میں نے اس کا سر پھاڑ دیا تھا اور اب وہ غصے کی شدت سے دبوانہ ہو گیا۔ ادھر پیچھے سے دوڑنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ چنانچہ ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ ابھی میں ایک دروازے کے قریب پہنچی تھی کہ مجھ سے کوئی چار فٹ کے دو تین افراد نمودار ہوئے اور میں نے بمشکل تمام اپنے جسم کو روکا پھر کمرے کے دروازے پر زور با تو دروازہ کھل گیا اور میں غراب سے اندر داخل ہو گئی۔ دروازہ بند کرنے میں، میں نے دیر نہیں لی۔ ادھر چیخ پکار ہو رہی تھی۔ غالباً وہ آدمی جو زخمی ہوا تھا چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو میرے بارے ہاتھ۔ میں نے اس جگہ کا جائزہ لیا جہاں میں موجود تھی۔ میں واقعی پھنس گئی تھی۔ بگ شو کے نے مجھے دیکھ لیا تھا اور اس صورت میں کوئی اضافی خطرہ مول لینے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ لیکن صورت حال میرے حق میں نہیں تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر میری نظر دیوار کے اوپری حصے صورت روشن دان پر پڑی۔ روشن دان میں شیشہ لگا ہوا تھا اور درمیان میں پٹ کو روکنے کے لئے ایک سلاخ تھی اگر یہ سلاخ نکل جائے تو میرے بدن کو روشن دان سے نکلنے میں دقت نہیں ہوگی۔ شبن دان تک پہنچنے کا مسئلہ تھا یہ سب کچھ چند لمحات میں کرنا تھا اور میرے تیز رفتار ذہن نے آخر کار کر لیا، باہر سے آوازیں آ رہی تھیں۔

"میں کہتا ہوں دروازہ کھولو ورنہ میں فائر کر دوں گا۔" میں دروازے کے سامنے سے ہٹ کر دیوار کے رینگتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچ گئی۔

"م..... میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔" میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو ہے کون؟ دروازہ کھول ورنہ میں اسے توڑ دوں گا۔" باہر سے جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"بگ شو نے مجھے اپنے آدمی کے ذریعے بلایا تھا اور اب..... اب وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔"

کہا۔

"تو دروازہ کھول، ہم تیری مدد کریں گے۔" باہر والے کا لہجہ کچھ نرم ہو گیا لیکن میں اس سے باتیں کے ساتھ ساتھ اپنے کام میں مصروف تھی۔ میں نے وہ میز اٹھائی جو میرے سامنے رکھی ہوئی تھی اور

وقت نہیں ہوئی۔ اندر کا ماحول بے حد سسنان اور خاموش تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ اس دیوار کی ٹکٹا ہے۔ کہیں یوں نہ ہو کہ یہ کلاش میری زندگی کی کوئی بڑی مشکل بن جائے لیکن کچھ نہ ضروری ہی تھا۔ کیا کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال میں خاموشی سے عمارت کا جائزہ لینے لگی اور پھر اس کمرے سے گزرتی ہوئی آخر کار ایک ایسے کمرے کے دروازے کے سامنے رکی جس کا آدھا پتہ جیسے ہی میں وہاں رکی اندر سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"کون ہے، اندر آ جاؤ۔" یہ غرغرائی آواز اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو بگ شو ہی کی تھی۔ میں فیصلہ کر کے میں اندر داخل ہو گئی۔ بگ شو کے سامنے شراب کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ ایک میں آدھے سے زیادہ شراب بھری ہوئی تھی اور یہ گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے مجھے دیکھا ذہن پر زور دینے لگا۔ جب میں اسے یاد نہیں آئی تو اس نے کہا۔

"کون ہو تم۔ میں نے پہلے تو تمہیں یہاں نہیں دیکھا۔ کس کی اجازت سے اندر آئی ہو؟ یہاں تمہارا شناسا؟"

"تم۔ مائی ڈیئر بگ شو!" میں نے مدہم لہجے میں کہا۔

"دماغ میں کوئی خرابی ہے یا کسی پاگل خانے سے بھاگی ہو؟"

"دونوں میں سے کوئی بھی بات سمجھ لو۔ ویسے لگتا ہے تمہاری یادداشت تمہارا بالکل ساتھ نہیں جیتی طور پر جب تمہیں میرے پیچھے لگایا گیا ہے تو تمہیں میرے بارے میں معلومات بھی حاصل چاہئیں۔"

"پاگل کی بچی! تمیز سے بات کرے گی یا پھر میں اٹھوں اور تجھے جتاؤں۔"

"کتے کے بچے! میں وہی ہوں جس کے پیچھے تونے اپنے آدمی لگا رکھے ہیں۔ میرا نام شاہزادہ

اب اگر تجھے یاد آیا ہو تو عقل کی بات کر ورنہ میں تیرا جو حشر کروں گی وہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔" بگ شو شاید زندگی میں پہلی بار ایسے الفاظ سنے ہوں گے۔ اس کا منہ پہلے تو حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا پھر آنکھوں سے جنون جھلکنے لگا۔ وہ خونخوار لگا ہوں سے مجھے گھورتے لگا۔ پھر اچانک ہی اس نے سنا ہوئی بوتل اٹھائی اور پوری قوت سے میری طرف اچھال دی۔ میں نے بوتل اپنے ہاتھوں میں آسانی سے اس کا یہ وار خالی دے دیا۔ پھر میں نے کہا۔

"تجھے ہڈی ڈال کر کتے کی طرح دم ہلانے والے میرے دشمن ہیں اور میں تجھ سے انہی کے میں معلوم کرنے آئی ہوں۔ ایک بات میری غور سے سن لے بگ شو۔ تونے اسپتال میں مجھ پر حملہ کیا میں نے تجھی اس کے بعد تیرے آدمیوں نے جو تے کھائے میرے ہاتھوں اور اب بھی میں تجھے بتاؤں ہوں کہ اگر تو ہوش میں نہ آیا اور تونے عقل سے کام نہیں لیا تو میں تیرا وہ حشر کروں گی کہ دیکھ تماشا دیکھیں گے۔ زندگی میں تجھے....."

ابھی میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ بگ شو نے ایک بار پھر سامنے رکھا ہوا آکس بکس مجھ پر پڑا وقت کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ آکس بکس کافی وزنی تھا جو اس شخص کے منہ پر لگا اور

پھر میں نے اسے روشندان کے نیچے رکھ دیا۔ اس کے بعد میں نے میز پر کرسی رکھی اور آہستہ چڑھ گئی۔ دروازے کے اس طرف سے اس کی آواز برابر آ رہی تھی۔ نجانے وہ کیا اول فوٹ بک میں نے اس کی بکواس پر کوئی توجہ نہیں دی اور اپنے کام میں مصروف رہی۔ روشن دان کی در بھی کمزور نہیں تھی کہ آسانی سے نکل آتی۔ پہلے میں نے اسے روشن دان کی چوکھٹ میں سے نکلنے کی کوشش کی اور جب اس میں ناکام رہی تو انگلیاں ٹیڑھی کرنے کے علاوہ کوئی چارہ رہا۔ میں نے بڑی مشکل سے سلاخ کو درمیان سے ٹیڑھا کیا اس کے بعد سلاخ کو باہر نکالنے کا وقت نہیں ہوئی۔ میں نے دونوں ہاتھ چوکھٹ پر ٹکائے اور اپنے بدن کو روشن دان میں سے گزرنے تک پہنچ گئی لیکن چھت کے اس سرے پر رکنا خطرناک بات تھی چنانچہ میں نے سوچا کہ دیکھو کھڑے ہوئے لوگ کیا کر رہے ہیں چنانچہ اس چھت پر میں بے آواز رہتی ہوئی دروازے کی طرف یہ بہتری ہوا کیونکہ بڑے صبح وقت پر میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوئی تھی۔ دروازے کے سامنے لوگ جمع ہو گئے تھے اور آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے پیچھے ہٹ دروازے پر دھانے شانے کی ٹکڑی لے لی لیکن یہ آدمی اتنا طاقتور نہیں تھا کہ ایک ہی ٹکڑی دروازے کو پھینک دیتا لہذا اس کے بعد دوسرے آدمی نے کوشش کی اور پھر وہ مسلسل دروازے پر ٹکڑیاں مارا۔ مجھے یقین تھا کہ ابھی چند لمحوں میں دروازہ کھڑ جائے گا اور انہیں یہ اندازہ لگانے میں کوئی وقت کہ میں روشن دان سے فرار ہوئی ہوں اور اس کے بعد میری تلاش شروع ہو جائے گی لیکن میری رہی تھی کہ اب چاروں طرف بھگدڑ مچی ہوئی ہے۔ پہلے تو عمارت سنسان تھی اب نجانے اب سے آگے تھے۔ وہ پوری طرح بھاگ دوڑ کر کے مجھے تلاش کر رہے تھے۔ اگر یہاں سے نکل کر با کوشش کرتی ہوں تو پھنس جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ باہر انہوں نے نکلنے والے راستوں کو کور کر دیا ہے۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں اسی عمارت میں انہیں چکر دیتی رہوں۔ چنانچہ کی داہنی سمت چل پڑی۔ یہاں سے اترنے کے لئے راستہ تلاش کیا۔ راستہ اتنا خطرناک تھا کہ کوئی تو آواز پیدا ہوئی اور یہ آواز سن لی گئی۔ دوسرے لمحے چند افراد دروازے سے باہر نکلے۔

داخل ہوئے تھے۔ یقینی طور پر صورت حال ان کی سمجھ میں آ رہی تھی۔
”وہ رہی۔“ کسی نے زور سے آواز لگائی اور میں برق رفتاری سے ایک راہداری میں بھاگے ہوئے قدموں کی آوازیں مجھے اپنے پیچھے سنائی دے رہی تھیں۔ راہداری کے آخری سرے میں پھر رکی۔ وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے تھے۔ یہاں ایک پائپ لگا ہوا تھا جو اوپری منزل تک نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا اور دوسرے لمحے میری انگلیاں پائپ پر جم گئیں۔ میں اتنی تیزی سے تھی کہ مجھے خود بھی حیرت ہوئی۔ پائپ شاید عمارت کے دوسرے حصے پر گندے پانی کی نکاسی کے کھڑکی میں گھسنے میں مجھے کوئی وقت نہیں ہوئی۔ یہ کچن تھا۔ بہترین عمدہ قسم کی چیزوں سے بھرا ہوا ان ساری چیزوں سے کیا دلچسپی ہوتی۔ میں دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اور پھر مجھے دوبارہ ایک راہداری میں ان لوگوں کو اتنا پریشان کرنا چاہتی تھی کہ وہ ساری زندگی یاد رکھیں۔ چنانچہ اوپر

پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے اندر دو دروازے تھے۔ میں نے فیصلہ کیا اور ایک دروازے سے اندر ہو گئی۔ دروازے کے دوسری طرف بھی راہداری تھی۔ راہداری کے اس طرف ایک صحن تھا اور ری جانب کمروں کی قطار۔ اس قطار میں پانچ کمرے تھے جن میں سے میں نے ایک کا انتخاب کیا اور اندر ہو گئی۔ پھر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اور باقاعدہ استعمال میں معلوم ہوتا تھا لیکن جو سب سے اعلیٰ چیز مجھے آئی وہ ایک پستول تھا جو ایک ایسی میز پر رکھا ہوا تھا جس پر چھوٹا سا کپڑا بچھا ہوا تھا۔ میں حیرانی سے اس کے قریب پہنچی اور میں نے اسے چیک کیا۔ اس کے جیمبر بھرے ہوئے تھے۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ تو جیسے میرے لئے میاں رکھا گیا تھا۔ نجانے کیوں اس کے پائپ کے بعد اب میرے دل کو ایک ڈھارس سی ہو گئی تھی۔ میں وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ تھی جو سے پہلے میں نے کبھی نہیں کیا تھا۔ یہی تو میرا مقصد تھا اور آنے والے وقت کے لئے یہی تو میں نے سے بہترین فیصلہ کیا تھا کہ اب میں اپنے خوف کا انداز بدل دوں اور ان لوگوں کو ناکوں پر چبوا دوں۔

مال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں نے بہت بڑے آدمی کو چھیڑ دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں انتظار کرتی رہی۔ اس جگہ کو ابھی میں پرسکون کہہ سکتی تھی اور یہ اندازہ تھا میرا کہ ابھی وہ فوراً اس کمرے کا رخ کریں گے بلکہ ابھی تو وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ میں گئی کس طرف ہوں۔ ابھی میں اتنا سوچ پائی تھی کہ میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ شیڈ کے اوپر بھاگنے دوڑنے کی آوازیں سنائی دینے لگی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ دوستو یہ تو اپنے آپ کو آزمائے کوشش ہے اور اگر میں اس میں کامیاب ہو گئی تو مستقبل کے بہت سے فیصلے کروں گی۔ مجھے یہ لگ رہا ہے مجھے ایک لمبی محنت کرنی پڑے گی اور اپنے ماں باپ اور بہنوں کے حصول کے لئے ایک طویل جدوجہد کرنا ہوگی۔ اس لئے تمہارے ہاتھ آنا آسان نہیں ہوگا اور اگر آئے تو میں یقینی طور پر ایک بار پھر دلی سے کھینا شروع کر دوں گی کیونکہ بات میری اپنی زندگی کی ہی نہیں۔ میرے اس پورے خاندان کی دلی ہے جسے تم لوگوں نے قید کر رکھا ہے۔

بہر حال میں انتظار کرتی رہی۔ جب تک وہ لوگ اس طرف متوجہ نہیں ہوتے آرام کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پستول میری گود میں رکھا ہوا تھا اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ آنے والے وقت کے لئے فیصلے کر رہی تھی۔ دفعتاً میں چونک پڑی۔ اب تک حماقت کرتی رہی ہوں۔ میرے پاس ایک بہترین موقع ہے۔ میں اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس سے عمدہ ترکیب ذہن میں نہیں آ سکتی تھی چنانچہ بال ہاتھ میں لئے میں آہستہ آہستہ دروازے کے نزدیک آئی اور دروازے سے کان لگا کر میں نے باہر کا آواز لیا۔ اس طرف کوئی آواز نہیں تھی۔ چنانچہ میں دروازہ کھول کر راہداری میں نکل گئی اور پھر برق رفتاری سے دوڑتی ہوئی راہداری کے آخری سرے تک پہنچ گئی لیکن ابھی میں سرے پر ہی تھی کہ مجھے اس رخ سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں اس کمرے میں گھس جاؤں چنانچہ سرے کے نزدیک جو آخری کمرہ تھا۔ میں نے آہستگی سے اس کا دروازہ

کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ اندر داخل ہو کر میں نے بے آواز انداز میں دروازہ بند کر لیا۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں کمرے کے سامنے سے گزر گئیں۔ وہ لوگ اب اس طرف متوجہ ہوئے تھے اور یہاں حفاظت کسی جاسکتی تھی یا بدحواسی کی انہوں نے سب سے پہلے اسی کمرے کا دروازہ کھولا جس میں 'میں' ساعت پہلے موجود تھی۔ دروازہ کھول کر وہ سب اندر گھس گئے۔ میں نے دروازے سے جھانکا۔ بے درجہ کے بچے سب کے سب دروازے سے اندر داخل ہو گئے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی باہر رہتا تو شاید مجھے کمرے سے نکلنے دیکھ لیتا مگر اس قسم کے لوگ ایسی حماقتیں نہ کریں تو ہم جیسے لوگوں کو کتنی مشکلات آئیں۔ چنانچہ دروازہ کھول کر میں با آسانی راہداری کے دوسرے سرے پر پہنچ گئی۔ یہاں سے میں کمرے تک پہنچ سکتی تھی جس میں بگ شو موجود تھا۔ میرا یہ اندازہ بھی درست تھا۔ بگ شو اپنے کمرے دروازے پر کھڑا ہوا بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کی آوازیں بھی ابھر رہی تھیں۔

”سور کے بچو! تم سے ایک لڑکی نہیں پکڑی گئی۔ میرے پاس آؤ۔“ لیکن سور کے بچے اس کے موجود نہیں تھے جبکہ میں اس سے چند گز کے فاصلے پر موجود تھی اور بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اس وقت یہ خطرہ تھا کہ ممکن ہے کوئی بگ شو کی طرف آ ہی جائے پھر بگ شو چند قدم آگے بڑھ آیا۔ نے غرائی آواز میں کہا۔

”میں کہتا ہوں کہاں مر گئے تم سارے، مجھے صورت حال بتاؤ۔“ اس نے خونخوار لہجے میں کہا۔ اس کا دروازے سے ہٹ آنا میرے حق میں بہت مفید ثابت ہوا۔ میں بلی کی طرح دبے قدموں چلتی۔ اس کے عقب میں دروازے کے قریب پہنچی اور پھر اس کے کمرے میں گھس گئی۔ میرا خیال تھا کہ اب سب سے محفوظ مقام پر ہوں۔ کمرے میں ایک شاندار مسہری بچھی ہوئی تھی۔ خاصا وسیع و عریض کمرہ جسے بگ شو خواب گاہ کے طور پر استعمال کرتا ہو گا۔ بڑی اور عظیم الشان مسہری تھی۔ بگ شو کے ساز حساب سے ہی تھی۔ چنانچہ مجھے اس کے نیچے داخل ہونے میں کوئی وقت پیش نہیں آئی۔ بس ایسا ہی لگتا تھا جیسے کسی کمرے کے چھت کے نیچے آگئی ہوں۔ نیچے زمین پر بھی آرام دہ قالین بچھا ہوا تھا۔ چنانچہ قالین پر چٹ لیٹ گئی۔ پستول میں نے اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اگر رات پوری یہاں گزارنی پڑ جائے تو پروا نہیں ہے۔ میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے آدمی کتنے ذہین ہیں اور کہاں کہاں تلاش کرتے ہیں۔ پھر میں باہر لیٹی آہٹوں پر کان لگائے انتظار کرتی رہی۔ زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ بگ شو کے بھاری قدموں کی آواز پھر دروازے تک پہنچ گئی۔ وہ دروازے کی چوکھٹ پکڑے کھڑا تھا اور چند افراد اس کے پاس پہنچ گئے تھے۔

”اے سامنے آ کون ہے تو کتے، ذلیل، بے غیرت میں کتنی دیر سے آوازیں دے رہا ہوں۔“ خرگوشوں کی طرح دوڑتے پھر رہے ہو۔ کیا مصیبت نازل ہوئی تم پر، کیا یہ بتانا ضروری نہیں ہے؟“

”جیف..... وہ..... وہ۔“

”ادھر آ۔ قریب آ۔“ بگ شو کی خونخوار آواز ابھری۔

”مم..... معافی چاہتا ہوں جیف۔ دراصل، دراصل وہ پتا نہیں کدھر گئی۔“

میں نے تجھے اپنے پاس بلایا تھا۔“ بگ شو غرائی ہوئی آواز میں بولا اور وہ بد نصیب اس کے قریب گیا۔ میں نے مسری سے ذرا سا جھانک کر دیکھا۔ صبح صورت حال تو میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی کہ بگ شو کا بدن لمبا چوڑا تھا جسے اس نے اپنے پاس بلایا تھا وہ اس کے بدن کی آڑ میں تھا اور اس کے حلق گھٹی گھٹی آوازیں نکل رہی تھیں پھر ایک زور دار آواز کے ساتھ وہ زمین پر گرا اور اس کے ساتھ ہی شو کی آواز ابھری۔

”ہاں اب بول کیا بول کر رہا تھا؟“

”اوہ..... سر..... سر وہ بھاگی بھاگی پھر رہی تھی جس کمرے میں وہ داخل ہوئی تو ہم نے جا دیکھا تو دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر دروازہ توڑا تو وہ روشن دان سے باہر نکل گئی۔“

”اور تم ابھی اسے پکڑ نہیں پائے۔“

”چیف وہ روشن دان کی صلاح توڑ کر باہر نکل گئی تھی اور اس کے بعد وہ ہمیں ساری عمارت میں دیتی پھر رہی ہے۔“

”کیا وہ باہر نکل گئی؟“

”نہیں چیف۔ ہم نے اسے باہر نہیں نکلنے دیا۔ باہر نکلنے کے سارے راستے ہم نے بند کر دیے ہیں مگر کم بخت بلی کی طرح چھپتی پھر رہی ہے۔ چیف! ہم اسے تلاش کر لیں گے۔ آپ بے فکر رہیں۔“

”بے فکر کے بچے۔ اس نے میرا سر پیچا دیا ہے۔ بڑی مشکل سے خون بند ہوا ہے۔ تم میں سے کو اتنا نہیں ہے جو میرے سر کی بینڈج کر دے۔ میں اپنا منہ تک نہیں دھوسکا ہوں ابھی۔“

”چیف اگر آپ حکم دیں تو.....“

”دفع ہو جا۔ کتے دفع ہو جاؤ اور جاکر فرسٹ ایڈ بکس لے آ۔“ بگ شو نے کہا اور وہ شخص تیزی سے باہر نکل گیا۔ پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ آیا اور واش روم میں بگ شو کا چہرہ دھلا کر غالباً اس کے ماتھے

شپ چپکا دیئے۔ چند ساعت کے بعد مسری کی کرکراہٹ سنائی دی۔ بگ شو بیٹھ گیا تھا۔ مجھے تلاش کر والے غالباً ابھی تک کوٹھی میں بھاگتے پھر رہے ہوں گے۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ خطرہ مول لے

چاہیے یا نہیں۔ اگر بگ شو میری رہائی پر آمادہ نہ ہوا تو واقعی معیت میں پھنس جاؤں گی لیکن میرے اند بھی ایک جنون چل رہا تھا اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ مجھے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ ایک بار پھر میں مصروف عمل ہونا چاہتی تھی اور بہر حال اس وقت تک خاموشی اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا جب تک

کہ یہ بھاگ دوڑ ختم نہ ہو جائے اور پھر کچھ وقت کے بعد یہ بھاگ دوڑ ختم ہو گئی۔ بگ شو انتظار کرتا رہا کہ اس کے آدی اسے میری گرفتاری کی اطلاع دیں لیکن ایسا نہیں ہو سکا تھا۔ چنانچہ وہ ایک بار پھر دروازے پر

پہنچا۔ پتا نہیں کیوں وہ دروازہ کھول کر باہر نہیں نکلا تھا اور اندر ہی اندر رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس کا ایک آدی اس کے قریب پہنچا اور بگ شو کی آواز سنائی دی۔

”کیا ہوا زخمو! اب تمہاری حیثیت اس سے زیادہ نہیں رہی ہے۔ وہ کبجہاں اس لڑکی سے پٹ کر آئے اور تم لوگ اس لڑکی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔ خیر ٹھیک ہے مجھے بھی اندازہ ہو چکا ہے کہ جو کتے میں نے

”بگ شو! کم از کم منہ سے یہ تو پھوٹ دو کہ وہ نکل گئی۔ دفع ہو جاؤ، جاؤ۔ میرے اوپر جو ضرب لگی ہے میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ وہ مجھے زخمی کر کے نکل گئی۔ مجھے بگ شو کو، اور کل یہ خبر اخبار میں چھپی گی۔ کان کھول کر سن لو۔ خود کشی کرنے سے پہلے میں تم میں سے ایک ایک کو موت کی نیند سلا دوں گا۔“

”چیف! سب کچھ انجانے میں ہوا۔ ہم کسی ایسی بات کے لئے تیار نہیں تھے۔ اگر ہمیں ذرا برابر بھی بات کا شبہ ہوتا کہ کوئی ہماری ناک میں گھس کر ہمیں کاٹ سکتا ہے تو چیف یہ اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ہم

ڈرے سے بے قصور بھی ہیں۔ بس ہمیں اس کا پتا نشان بتا دو، ہم اسے پکڑ کر تمہارے سامنے پیش کر دیں گے۔“

”جیب میں رکھی ہوئی ہے وہ میری۔ سمجھے! میری جیب میں رکھی ہوئی ہے۔ جاؤ اگر ہو سکے تو اپنا کام

بانداری سے سرانجام دو۔ حلال کر کے کھاؤ۔ یہ ضروری ہے۔“ پھر وہ سب چلے گئے۔ بگ شو کے دروازہ

رہ سے بند کرنے کے عمل سے نجانے کیوں مجھے خوشی ہوئی تھی۔ پھر تقریباً ایک گھنٹے تک میں نے بڑے

برے انتظار کیا۔ اس ایک گھنٹے کے دوران جس طرح میں نے اپنی سانسوں پر بھی قابو پائے رکھا تھا وہ

برے لئے ایک مشکل کام تھا لیکن بہر حال میں یہ مشکل کام سرانجام دے رہی تھی اور پوری کوشش کر رہی

ہی کہ مجھے اپنے کام میں کوئی وقت پیش نہ آئے۔ پھر ایک گھنٹے کے بعد مجھے یہ مکمل یقین ہو گیا کہ باہر

موشی چھا چکی ہے اور وہ لوگ میرے نکل جانے کا یقین کر چکے ہیں تو میں آہستہ آہستہ ریگتی ہوئی مسری

سے نکل گئی۔ بگ شو کرودٹ لئے لیٹا تھا۔ بڑے زبردست تن و دوش کا آدمی تھا۔ پہلی کوشش کے طور پر میں

نے اس کے تنیے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور میرا اندازہ بالکل درست نکلا۔ تنیے کے نیچے ایک شاندار آئوٹینک

یوایور رکھا ہوا تھا۔ بگ شو کو فوراً ہی یہ احساس ہو گیا کہ کچھ ہوا ہے۔ اس نے بڑی پھرتی سے کرودٹ بدلی

رہیں اس کی نگاہوں کے سامنے آگئی۔ میں نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر دونوں ریوایور اس کی طرف اٹھا

پئے۔ اس کا ریوایور تو انتہائی شاندار تھا اور اس پر سائینسز لگا ہوا تھا۔ میری غرائی ہوئی آواز ابھری۔

”بگ شو۔ میں ہی ہوں اور اس وقت صورت حال بالکل مختلف ہے۔ اگر تم نے اب ہلکی سی آواز

تق سے نکالی تو یہ گولی تمہارے دانتوں کی حد توڑتی ہوئی تمہارے حلق میں گھس جائے گی اور ایک بات

ماتم سے صاف صاف کہہ دوں کہ اب میں تمہارے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گی۔“

بڑی عجیب بات ہے، ہمارے ہمارے آدمی موت کو اپنے قریب دیکھتا ہے تو بزدل بن جاتا ہے۔ بگ

شو کے چہرے پر خوف کے آثار میں نے صاف دیکھے تھے جبکہ میرے چہرے پر درندگی تھی۔ میں نے اس

سے کہا۔

”نہ میں چور ہوں، بگ شو نہ ڈاکہ ڈالنے آئی ہوں تمہارے گھر۔ میرا ایک جذباتی مسئلہ ہے اور میں

ملنی سے اس سے معزف نہیں ہو سکتی۔ سمجھ رہے ہوں نا۔ تمہیں ہلاک کرنے کے بعد اگر میری زندگی

”جی جی ہے۔“
”جو کچھ بھی ہے بگ شو، بتانا پسند کرو گے؟“ بگ شو کچھ لمحے سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔
”اگر میں تجھے نہیں بتاؤں گا تو تو مجھے گولی مار دے گی؟“

”ہو سکتا ہے میں ایسا نہ کروں کیونکہ بہر حال میں درندہ نہیں ہوں۔“

”دیکھ ایک بات کہوں، اکیلی ہے یا کوئی گرد پ ہے تیرا؟ سلطان شاہ سے تیرا کیا رشتہ ہے؟“

”کچھ بھی نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ عارضی طور پر سلطان شاہ کے پاس چلی گئی تھی اور اس نے
میں ہنگامے کے بعد مجھے نکال دیا۔ عارضی طور پر اس کے پاس رہی تھی۔ پھر اس نے مجھ سے معذرت کر لی

اور کہا کہ وہ میرے لئے بلاوجہ کے جھگڑے مول نہیں لے سکتا۔ بحالت مجبوری میں اسپتال میں داخل ہو گئی
تھی اور جب مجھ پر حملہ کیا گیا تو میں سلطان شاہ کے پاس اسی لئے گئی تھی کہ وہ مجھے پناہ دے لیکن اس دور
میں کون کسی کو پناہ دیتا ہے۔ تمہارے آدمی سے میرا جھگڑا ہوا اور آخر کار سلطان شاہ نے مجھے نکال دیا لیکن

مہارانا نام میرے علم میں آچکا تھا۔“ بگ شو اب بالکل ہی نرم نظر آنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

”اس کے باوجود میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا اور سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میں

ببور ہوں۔ ہاں اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے ایک پناہ گاہ کا بندوبست کر سکتا ہوں۔“

”میں سمجھی نہیں بگ شو۔“

”میں تجھے ایک ایسی جگہ بھجوا سکتا ہوں جہاں تجھے پناہ مل جائے اور ہو سکتا ہے تیری کچھ مدد بھی ہو

جائے۔“

”بگ شو۔ تم مجھے وہ نام نہیں بتاؤ گے؟“

”اری بے وقوف! اگر میں تجھے وہ نام بتا بھی دوں تو اب وہ اتنا ہلکا نام بھی نہیں ہے کہ تو اس کا کچھ

گاڑے۔“

”اسے تم میرے اوپر چھوڑو بگ شو۔“

”نہیں۔ میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں یہ میرے اصول کے خلاف بھی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ
وقت تجھے اس سلسلے میں سب کچھ بتا دے۔ ہاں یہ بات بھی سن لے تیری ساری کہانی سننے کے بعد میں نے
فیصلہ کیا ہے کہ میں ان لوگوں کے لئے کام نہیں کروں گا۔ بگ شو کی زبان ایک ہے جو کہہ دیتا ہے وہ در کے
دکھا دیتا ہے۔ اب تو مجھے یہ بتا کہ تیرے لئے کوئی ٹھکانا ہے۔ کسی ہوٹل وغیرہ میں اگر ٹور کے گی تو وہ تجھے
تلاش کر لیں گے۔ تو نہیں جانتی کتنے لوگ پیچھے لگا دیے ہیں اس نے تیرے پیچھے۔“

میں حیران رہ گئی۔ بہر حال مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ بگ شو مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتائے گا۔ پھر
میں نے بھگتے بھگتے بھوت کی لگنوں حاصل کرنے کے لئے اس سے کہا۔

”ابھی تم نے کہا ہے بگ شو تم میری مدد کر سکتے ہو؟“

”عارضی طور پر تو ٹھکانہ دے سکتا ہوں، کھوپڑی کو قابو کر کے بیٹھ، اپنے ماں باپ کے بارے میں
سوچ، تین چار دن کے بعد مجھے فون کرنا، میرا فون نمبر لکھ کر رکھ۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی صورت حال بن

چلی بھی گئی تو یقین کرو مجھے افسوس نہیں ہو گا۔ انسان اپنے ایک مشن کے لئے ہی تو زندہ ہوتا ہے۔“
خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے بدن کو سکڑنا شروع کیا تھا لیکن میں نے اس سے
”نہیں بگ شو۔ یہ دیکھو یہ تمہارا ہی ریوالور ہے اور تمہارے پاس کوئی دوسرا ریوالور نہیں ہے
اگر ہے بھی تو اسے اٹھانے کی مہلت نہیں ملے گی تمہیں۔ آؤ عقل سے کام لو۔ سمجھداری کا دامن ہاتھ
نہ چھوڑو۔ میں تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔“ بگ شو مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے سنبھل کر
”تو آخر ہے کون؟ قصہ ہے کیا؟ ایک لڑکی ہو کر تو ایک پھرتیل اور چالاک بلی کی طرح سے ہے۔
پوچھتا ہوں کہ قصہ کیا ہے یہ؟ کیوں وہ لوگ تجھے مروانا چاہتے ہیں؟“

”یہ تو میں تم سے معلوم کرنا چاہتی ہوں بگ شو۔ وہ کون ہیں اور مجھے کیوں مروانا چاہتے ہیں
بات مجھے پتہ چل جائے تو مجھے صبر آ جائے۔“ بگ شو مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔

”پتہ چل جائے۔ میں تجھے ساری باتیں بتاتا ہوں۔“

”نہیں بگ شو۔ زمانے نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے وہ ایسا ہے کہ میں اب کسی پر اعتبار
کر سکتی۔“

”اچھا یہ بتاؤ نے ہی میرے آدمی کو مارا تھا؟“

”ہاں۔ وہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔“ بگ شو تھوڑی دیر خاموش رہا تھا پھر بولا۔

”مجھ سے کیا چاہتی ہے؟“

”بگ شو۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ وہ کون ہیں جنہوں نے تمہیں میرے خلاف کام کرنے

آمادہ کیا ہے؟“

”بہت بڑے لوگ ہیں وہ۔ تجھ سے پتا نہیں کیا جھگڑا چل گیا ان کا۔ ٹھیک ہے تیز ہے، چالاک۔
کوئی سیاسی چکر ہے کیا؟ کس نے تجھے تربیت دی ہے؟“

”بگ شو۔۔۔۔۔۔ بہت اچھی باتیں کرنے پر آگئے ہو تم۔ میں تمہیں مختصر الفاظ میں یہ بتا دوں کہ
لوگوں نے میرے ماں باپ کو اور میری دو بہنوں کو غائب کر دیا ہے۔ وہ مجھ سے کچھ چاہتے ہیں جو
سراجم نہیں دے سکتی۔ میری ماں کوئی بی بی ہے۔ میں اسے اسپتال میں داخل کرنا چاہتی تھی لیکن ایسا نہ
ہو سکا۔ سمجھ رہے ہو ناں تم۔ وہ مجھے قابو میں کرنا چاہتے ہیں کیونکہ میں اپنے ماں باپ کے جھوٹ کے لئے
باندھ کر تیار ہو گئی ہوں۔“

”اور؟“ بگ نے سوال کیا۔

”بس یہ کم ہے کیا کہ کسی سے اس کی بیمار ماں، مظلوم باپ، نوجوان بہنیں چھین لی جائیں تو وہ اڑ
گولہ نہ بن جائے۔“ بگ شو تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

”اب تو مجھ سے کیا چاہتی ہے؟“

”کچھ نہیں بگ شو۔ مجھے بس ان لوگوں کا نام بتا دو۔“

”نام تو تجھے معلوم ہو گا۔ دیے مجھے تو معاوضہ دے کر اس کام کے لئے آمادہ کیا گیا ہے مگر تیری بان

جائے کہ میں تیری کچھ مدد کر سکوں۔“ میں نے اس وقت یہ مناسب سمجھا کہ بگ شو سے تعاون کر لوں۔
نے اس سے کہا۔

”لیکن تم کوئی ایسی جگہ مجھے بتا سکتے ہو جہاں مجھے پناہ مل جائے؟“

”ہاں۔ بھروسہ کرے گی مجھ پر؟“

”ہاں کر لوں گی۔ اور کیا کر سکتی ہوں؟“

”وعدہ کر رہی ہے؟“

”ہاں بگ شو۔“ وہ مجھے دیکھتا رہا اور پھر اس نے کہا۔

”اگر وعدہ کر رہی ہے تو لایہ دونوں پتوں مجھے دے۔“

بڑے سنسنی خیز لمحات آگئے تھے۔ کیا کروں کیا نہ کروں لیکن کبھی کبھی کچھ لوگ ایسی سادہ بنا دیتے ہیں کہ انسان کی فطرت ہی بدل جاتی ہے۔ سلطان شاہ نے میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس نے مجھے اس بات احساس دلایا تھا کہ برے لوگوں میں بہت اچھے اچھے لوگ چھپے ہوتے ہیں اور کچھ ہو یا نہ ہو اگر صرف انا ہو جائے کہ بگ شو میرے راستے سے ہٹ جائے اور کسی نہ کسی طرح مجھے ان لوگوں کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جائیں جو میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اتنا تو خیر میں بھی جانتی تھی کہ الماس بیگم کے بارے میں میرے دشمن اور کوئی نہیں ہے لیکن جس طرح یہ دائرہ کار بڑھتا جا رہا تھا اس کے بارے میں میں چاہتی تھی۔ چنانچہ تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد میں نے دونوں ریوالور بے پروائی سے بگ شو کے سامنے ڈال دیئے اور اس نے انہیں اس طرح جھٹا مار کر اٹھایا جیسے اس کا کام بن گیا ہو لیکن یہ خطرہ تو مول لینا ہی تھا میں جانتی تھی کہ اگر وہ بد عمدی پر آمادہ ہوا بھی تو زیادہ سے زیادہ کیا کرے گا سوائے اس کے کہ اپنے آدمیوں کو بلا کر مجھے گرفتار کرا دے گا۔ میں خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی۔ بگ شو دونوں ریوالور لئے ہوا مجھے دیکھتا رہا اس وقت اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ پھر دفعتاً ہی وہ خوفناک انداز میں ہنسنے لگا اور اس نے کہا۔

”بعض سودے بڑی آسانی سے ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو اس میں اتنا منافع ہو جاتا ہے کہ وہ سوز بھی نہیں سکتے۔ لڑکی تم نے میرا سر پھاڑ دیا ہے، مجھے تم پر نگاہ رکھنے کا اتنا بڑا معاوضہ ملا ہے کہ تو سوچ ہی نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ آنے والے وقت میں میرے لئے کچھ ایسے نفع کا اظہار کیا گیا ہے کہ مجھے ہر قیمت پر وہ کام کرنا چاہیے تھا جو تیرے دشمن چاہتے ہیں لیکن تو نے مجھ پر اپنے اعتماد کا بوجھ ڈال دیا ہے۔ اس پر کوئی زخم کا نشان نہیں لگا تھا لیکن اب تو نے یہ نشان لگا دیا ہے۔ جا تو بھی کیا یاد کرے گی کہ کس برے آدمی سے واسطہ پڑا تھا۔ یہ ایک ٹیلی فون نمبر رکھ لے۔ میں وہاں فون کر دوں گا تو یہاں سے جا کر اس نمبر پر رینگ کرنا۔ جو بھی تجھ سے بات کرے اسے بتا دے کہ تو کہاں ہے وہ تجھے پوری حفاظت کے ساتھ اپنے پاس رکھے گا۔ پورے اعتماد کے ساتھ اس کے پاس رہنا۔ اب تو بگ شو کی پناہ میں ہے۔ تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ جب ریوالور مجھے دے کر تو نے یہ اعتماد کیا ہے تو آگے بھی اس اعتماد کو قائم رکھنا۔ سمجھ رہی ہیں؟“ میں نے گردن ہلا دی تو بگ شو نے کہا۔

”نہیں۔ جا۔ باہر میرے آدمی تیری تاک میں ہوں گے۔ تو آسانی سے باہر نہیں نکل سکے گی۔“ پھر اس نے دونوں ریوالور اسی بے پروائی سے ایک طرف ڈال دیئے جس بے پروائی سے میں نے انہیں اس کے حوالے کیا تھا اور پھر قریب رکھے ہوئے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھالیا۔ یہ غالباً گیٹ پر نصب ٹیلی فون کا کوئی ایکٹیشن تھا۔ اس نے ایک نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا کر بولا۔

”گولڈ کو بھیج دو۔ اپنے کمرے میں انتظار کر رہا ہوں۔“ میں خاموش کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ بگ شو نے جس قدر مجھ سے تعاون کیا تھا اگر تھوڑا سا تعاون اور کر لیتا اور مجھے یہ بتا دیتا کہ یہ سارا کھیل الماس بیگم کا ہی ہے تو بہت اچھا ہوتا لیکن بہر حال جو ہو رہا تھا وہ بھی برا نہیں ہو رہا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی پھر باہر قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک شخص اندر آگیا۔ مجھے دیکھ کر وہ بری طرح چونکا تھا۔

”یہ..... ادا یہ.....“

”او..... او..... گدھے کے پلے۔ جا اسے عزت کے ساتھ باہر لے جا اور جہاں یہ جائے اسے جانے کے لئے اسے ٹیکسی دلا کر آنا۔ خیردار اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔“

آنے والے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن بعد میں اس نے فوراً ہی کہا۔

”یہ جیف۔“ اور پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔

”آئیے۔“ اس کے بعد میں اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ باہر بھی کچھ افراد مستعد کھڑے تھے لیکن انہیں کسی خاص ذریعے سے گولڈن نے ہوشیار کر دیا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے ان کی مصیبت آجائے۔ وہ مجھے لئے ہوئے گیٹ سے باہر نکل آیا اور پھر تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی روٹی اور ٹیکسی ڈرائیور سے کہا کہ میں جہاں جانا چاہوں مجھے پہنچا دیا جائے۔ ساتھ ہی اس نے سو روپے کا ایک نوٹ ٹیکسی ڈرائیور کو تھما دیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔

”کہاں چھوڑوں میم صاحب؟“ میں نے اسے ایک ایسی جگہ کا پتا بتا دیا جو ایک بھرا ہوا بارونق بازار تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ اس وقت بھی کھلا ہی ہوگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی اس بازار میں رک گئی تو میں نے اس سے کہا۔

”تمہیں اور کچھ دوں؟“

”نہیں میم صاحب! جس جگہ سے آپ آئی ہیں ناں۔ وہاں سے جو کچھ بھی مل گیا اتنا ہی کافی ہے۔ اس سے زیادہ آپ سے مانگ کر ہم اپنے لئے مصیبت نہیں خریدنا چاہتے۔“ میں نے ایک گرمی سانس لی اور وہاں سے پیدل آگے بڑھ گئی پھر کافی فاصلہ میں نے پیدل طے کیا تھا پھر اس کے بعد ایک چھوٹے سے ریسٹوران کے سامنے جا کر میں رک گئی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ اب یہاں سے سیدھی اپنے گھر جاؤں لیکن نمائندگیوں دل پر ایک عجیب سا بوجھ تھا۔ کاش بگ شو مجھے بتا دیتا۔ کیا کرنا چاہیے؟ ایک جگہ سلطان شاہ کا اڈہ بھی تھا لیکن اتنا میں جانتی تھی کہ سلطان شاہ بار بار مجھے اپنے اڈے پر آنے سے روکنا چاہتا ہے۔ بات بھی ٹھیک تھی۔ وہ جگہ ہی ایسی تھی کہ کسی شریف زادی کا وہاں دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ اب یہ فیصلہ کرنا

تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ دفعتاً مجھے وہ کانفید آیا جس پر ٹیلی فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ تھوڑے ہی فٹ ایک ٹیلی فون بوتھ لگا ہوا تھا۔ میں ٹیلی فون بوتھ کی جانب بڑھ گئی اور پھر میں نے ریسورسٹار کر ٹیلی وہ نمبر ڈائل کیے۔ ریسورسٹار سے لگایا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک آواز سنا دی۔

”کون ہے؟“ آواز نسوانی تھی میرے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔ ”میڈم! کیا آپ مسٹر بگ شو کو جانتی ہیں؟“

”ہاں کیوں نہیں اور تمہیں بھی جانتی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے مسٹر بگ شو کا فون آیا تھا۔ پاس۔ میں تمہیں ایک پتا بتائے دیتی ہوں۔ وہاں پہنچ جاؤ۔ تمہیں ہر طرح کی سہولت اور آسانی ملے گی۔ بگ شو نے ساری صورت حال مجھے سمجھا دی ہے۔“

”آپ مجھے پتا بتائیے۔“ میں نے کہا اور دوسری طرف نسوانی آواز نے پتہ دہرا دیا۔ لیم پتا..... یہ پتا۔ میں اسے جان کر حیرت سے اچھل پڑی تھی۔ اس پتے کو میں اچھی طرح جانتی تھی اور آواز نے مجھ سے ٹیلی فون پر گفتگو کی تھی وہ بھی جانی پہچانی سی لگ رہی تھی لیکن یہ پتا جاننے کے بعد میں اس آواز کو بھی پہچان گئی تھی اور میری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ ٹیلی فون پر میرے سے دوسری آواز نہیں نکلی تھی۔

دوسری طرف سے مسلسل ’ہیلو‘ ہیلو کی آوازیں آرہی تھیں اور پھر میں نے خود کو سنبھالا اور آ سے ہیلو کہا۔

”کیا ہو گیا تھا تمہیں؟ اچانک خاموش کیوں ہو گئی تھیں؟“

”میں آپ کے پاس آنا چاہتی ہوں۔“

”تو میں نے یہی تو کہا ہے تم سے۔ اگر کوئی دقت محسوس کر رہی ہو تو مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں تم وقت موجود ہو۔ میں تمہیں خود پک کر لیتی ہوں۔“

”نہیں، میں آپ کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ جاؤں گی۔“

”اوکے، میں انتظار کر رہی ہوں۔“ دوسری طرف سے جواب ملا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں چکرائے ہوئے ذہن کے ساتھ سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کیا عجیب اور دلچسپ اتفاقات ہو ہیں، وسیع و عریض شہر، لاتعداد لوگوں کی آبادی، لیکن پھر بھی کبھی کبھار انسان کو لو کا ٹیل بن جاتا ہے۔ ا ہی محور پر گھومتا رہتا ہے الماس بیگم نے جس کھیل کا آغاز کیا تھا میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اتنا آگے جائے کہ اس کے بعد ایک مجرم جنم لے لے۔ ہاں یہ الگ بات تھی کہ مختلف اور بے شمار مشکلات اٹھا کے باوجود ابھی تک میں صحیح معنوں میں مجرم نہیں بنی تھی۔ کچھ آسانیاں مجھے حاصل ہو گئی تھیں۔ میرے دشمن میرے اپنے بنتے جا رہے تھے۔ بگ شو کی جو شخصیت تھی وہ میرے علم میں آچکی تھی۔ کے الفاظ مجھے یاد تھے۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ وہ بہت بڑے لوگ ہیں جو میرے خلاف کام کر رہے ہیں۔ بہت بڑے لوگوں میں سے الماس بیگم کو تو میں جانتی ہی تھی۔ موجودہ دور کے سیاست دان جو طاقت کا کھیل کھیلتے ہیں، وہ سبھی کے علم میں ہے۔ بہرحال میں یہ سوچ رہی تھی کہ بابا صاحب یعنی محترمہ ناویہ سے؟

میں ملاقات ہوئی تھی وہ بے مثال تھا۔ یہ عورت طرح طرح سے میرے سامنے رہتی تھی۔ اب اس نے بھی بگ شو نے اس کا نمبر مجھے دیا تھا اور اس سے میری بات ہوئی تھی۔ غرضیکہ یہ سارا سلسلہ ایک غریب نوعیت کا حال تھا اور اب مجھے اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ ریسٹوران سے باہر نکلنے کے میں کافی دور تک پیدل چلتی رہی۔ اصل میں بات یہ تھی کہ اپنے اطراف کا گہرا جائزہ لینا چاہیے تھا۔ ابھی کوئی میری نگرانی کرتا ہوا میری حقیقت تک پہنچ سکتا تھا جبکہ میرے لئے پوشیدہ رہنا ہی زندگی کی تھی۔ ناویہ میرے لئے واقعی ایک کارآمد شخصیت ہوگی کیونکہ اس سے شناسائی بھی تھی اور کچھ اور بات بھی۔

بہرحال ٹیکسی نے مجھے ناویہ کی کوٹھی پر پہنچا دیا اور میں ٹیکسی والے کو بل ادا کر کے اندر داخل ہوا۔ ناویہ میرے ہی انتظار میں بیٹھ رہی تھی۔ جب میں ٹیکسی سے اتر رہی تھی تو وہ سامنے اونچے بے میں کھڑی ہوئی تھی لیکن جب چند قدم آگے بڑھ کر میں اتنے فاصلے پر پہنچی کہ وہ مجھے دیکھ کر پہچان تو اس کا منہ حیرت سے کھل گیا کیونکہ فون پر اس نے میری آواز نہیں پہچانی تھیں جبکہ میں نے اس کی پہچان لی تھی۔ وہ حیران لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگی اور میں اس کے قریب پہنچ گئی۔

”ہیلو بابا صاحب۔“ میں نے اس سے اس کے مخصوص نام سے پکارا، لیکن اس کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلا تھا۔ میں تھوڑی سی آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گئی۔

”اس، ہاں، ہیلو۔ تم..... تم یہاں دوبارہ کیوں آگئیں؟“

”جانتی تھی کہ تم مجھ سے یہی سوال کرو گے، ابھی میری اور تمہاری فون پر گفتگو ہوئی تھی۔“

”تت۔ تم؟“

”ہاں۔ مجھے بگ شو نے یہاں بھیجا ہے۔“ ناویہ کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ چکرا کر رہے ہیں۔ وہ مجھے پاگلوں کی طرح گھورتی رہی پھر اس نے چونک کر کہا۔

”کس نے بھیجا ہے تمہیں؟“

”بگ شو نے۔“

”کون بگ شو؟“

”تم اسے نہیں جانتی؟“

”تم نے کہاں سے یہ نام سن لیا ہے؟“

”بابا صاحب بگ شو نے آپ کو ٹیلی فون کر کے میرے بارے میں بتایا ہے کہ مجھے عارضی طور پر پناہ ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ آپ اندر چلے اپنے آپ کو ہوش میں لائیے۔ بگ شو کو کال کیجئے۔ میری اس بات کرا دیجئے۔ آپ کے بہت سے وسوسے ختم ہو جائیں گے۔“ میرے ان الفاظ پر وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑتے ہوئے دیکھتی رہی پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”آؤ۔“ اس کے بعد وہ مجھ کے کمرڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔ اس نے دروازہ خود بند کیا اور اسے پاس آکر بیٹھ گئی پھر بولی۔

ن، مہلی دنیا سے میرا تعلق ہے اور بگ شو جیسے لوگوں کی آلہ کار بن کر میں مالی فائدے حاصل کرتی ہوں۔
راہنا ایک چھوٹا سا گروہ بھی ہے۔ سمجھ رہی ہوتا ہے؟ تم اگر کسی مشکل کا شکار ہو تو میں ایک دوست کی
نیت سے تمہاری مدد بھی کر سکتی ہوں۔ اب ان ساری باتوں کے جواب میں اگر تم اپنے بارے میں مجھے نہ
بتاؤ تو تمہاری مرضی ہے۔ میں بگ شو کی ہدایت پر عمل کروں گی اور تمہیں یہاں بہترین آسائشیں فراہم
دلاں گی۔“

”تو سب سے پہلے تم میرے لئے کسی ایسے کمرے کا بندوبست کرو جہاں میں آرام کر سکوں۔“
”اس کو بھی میں سات بیڈ روم ہیں۔ سب کے سب آرامدہ، ان میں سے ایک میں، میں رہتی ہوں
اچھے خالی پڑے ہیں۔ تم جہاں چاہو رہ سکتی ہو، لیکن میں چاہوں گی کہ تم میرے ساتھ بیڈ روم میں
دوبلو کیا کرتی ہو؟“

”آئیڈیا بہت اچھا ہے۔“ ایک آنکھ دبا کر میں نے کہا۔ جو بیڈ روم اس نے مجھے دکھایا تھا وہ اس
مدار کو بھی کی طرح شاندار تھا لیکن میں بھی ایک شاندار زندگی گزار چکی تھی۔ اس لئے یہ سب کچھ میرے
مناہجی نہیں تھا۔ بہر حال بگ شو نے بڑے اعتماد سے مجھے یہاں بھیجا تھا اور ویسے بھی نادیدہ جس قسم کی
بت تھی مجھے اس کے بارے میں ابھی طرح اندازہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں نے تھمائی ملتے ہی نما دھو کر اپنے
پ کو تازہ دم کیا۔ اتنے میں نادیدہ پھر آدھمکی۔ اس نے مجھے اپنے کمرے میں چلنے کو کہا جہاں چائے اور دیگر
بات ٹرائی پر بچے ہوئے تھے۔

”شاہ نور!“ وہ خشک میوے کی پلیٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ”ایک بات سمجھ میں نہیں
ہے بگ شو بے حد مغرور آدمی ہے۔ کبھی کسی کو منہ نہیں لگاتا لیکن تمہارے بارے میں جو الفاظ اس نے
سے کہے ہیں۔ وہ بڑے عجیب ہیں۔“

میں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ بولی۔
”بگ شو نے کہا تھا ایک لڑکی کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ وہ تم سے رابطہ قائم کرے گی اور تم
صحیح طور پر گائیڈ کرنا، دیکھنے میں وہ لڑکی ہے لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا۔ کوئی شدید اختلاف اس سے
ن کرنا ورنہ دوسری صورت میں تمہارے لئے وہ ایک شیرینی ہی ثابت ہو سکتی ہے۔ اپنے نقصان کی ذمہ
خود ہوگی لیکن اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے۔ یہ میری ہدایت ہے اور یہ ایسے عجیب الفاظ تھے بگ
شو نے اس سے پہلے کبھی ادا نہیں کئے۔“

”یہ بتاؤ بگ شو سے تمہارا کیا رابطہ ہے؟“
”بتاؤں گی، بے شک بتاؤں گی، لیکن اب میری ایک ضد بھی پوری کر دو۔ یعنی مجھے اپنے بارے میں
و۔“

”مختصر تو میں تمہیں اپنے بارے میں بتا چکی ہوں۔“
”نہیں یقین کرو۔ میں نے کبھی غور سے سنا ہی نہیں۔ میں تمہیں بالکل مختلف نگاہ سے دیکھتی رہی
ما اور یہ سوچتی رہی ہوں کہ جو کچھ تم کہہ رہی ہو، وہ سنا نہیں کیا ہے لیکن اس وقت میں تمہیں ایک

”تم آخر ہو کیا چیز، بار بار کیوں میرے سامنے آ جاتی ہو، کبھی کسی طرح، کبھی کسی طرح۔
سے کیا چاہتی ہو، مجھ تک پہنچنے کے لئے یہ راستے کیوں اختیار کرتی ہو تم؟“
”بابا صاحب، Baby بننے کی کوشش مت کرو، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بگ شو کو فو
اپنا اطمینان کرلو اور فضول باتوں سے گریز کرو۔“

”لڑکی تم نے اب تک جو کچھ کیا ہے میں نے یہ سوچ کر برداشت کر لیا ہے کہ اس سے مجھے
بڑا نقصان نہیں پہنچا، زیادہ سے زیادہ یہ کہ تھوڑا سا مالی نقصان پہنچا ہے۔ یعنی وہ جو تم مجھ سے لور
گئی ہو لیکن یہ مت سمجھنا کہ اس کے بعد تم کوئی بہت ہی اونچی شے بن گئی ہو۔ یہ بات تو میں تمہیں
ہوں کہ میرا تھوڑا سا تعلق جرائم کی دنیا سے رہا ہے اور میری مجبوریوں نے مجھے اس زندگی میں داخلہ
پر مجبور کیا ہے۔ اگر تمہیں اس بات کا علم ہو گیا کہ میرا تعلق بگ شو جیسی کسی شخصیت سے ہے تو
یہ بھی اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں آسانی سے ٹرپ ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔“

کتنی رہو، کتنی رہو۔ جب تھک جاؤ تو مجھے بتا دینا تاکہ میں تمہیں ایک بار پھر بتاؤں کہ بگ
کہہ کر مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ مجھے تمہارے پاس ہر طرح کی آسائشیں حاصل رہیں گی۔
آنکھیں بھیج کر گروں جھٹکی اور بولی۔
”تو واقعی وہ تم ہو۔“

”میرا خیال ہے کہ مٹ تم نے اس فضول بات میں برباد کر دیئے ہیں یا خرچ کر دیئے ہیں
کون ہوں؟ اور کیا ہوں؟“
”پلیز پھر ایک کام کرو۔“

”کیا.....؟“
”مجھے اپنے بارے میں ساری تفصیل بتا دو۔“
”مختصر تفصیل میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔“

”یقین کرو میں نے تمہیں صرف ایک فولوکو سمجھا ہے، جدید دور ہے، عورتیں مردوں کے شانہ
آکھڑی ہوئی ہیں اور اس سلسلے میں اپنے آپ کو منوانے کے لئے وہ ہر کوشش کرتی رہی ہیں۔ ڈاکر
جعل سازی وغیرہ بھی اب ان کے لئے معمولی سی بات ہے۔ میں تم جیسی لڑکی کو کوئی ذکیت بھی سب
تھی لیکن اب صورت حال مختلف ہے مگر ایک بات میں تم سے کہوں، تمہارے اندر مجھے ہمیشہ ایک کشش
محسوس ہوتی ہے۔ تم کچھ بھی کہہ لو، کچھ بھی سمجھ لو، لیکن یقین کرو لڑکی کہ میں تم میں دلچسپی لے
ہوں۔ اگر واقعی بگ شو نے تمہیں یہاں اس خیال کے تحت بھیجا ہے تو مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔
تمہیں مکمل تعاون ملے گا۔ اب اصل میں یہ ہے کہ میں بھی تمہا ہوں۔ تم میری ایک بہت اچھی دوست
حیثیت سے جب تک چاہو میرے پاس رہ سکتی ہو، بگ شو نے تمہیں پناہ کے لئے میرے پاس بھیجا ہے
نہیں جانتی کہ آئندہ کے معاملات میں اس کا اور تمہارا کیا ساتھ رہے گا لیکن اس کے علاوہ ایک اور
تمہارا مجھ سے قائم ہو سکتا ہے۔ بہر حال اب مجھے تمہیں یہ بتانے میں عار نہیں ہے کہ میں بھی کالے کام

ساتھی اور بہت اچھی دوست کی نظر سے دیکھ رہی ہوں۔ مجھے بتاؤ اپنے بارے میں، تم نے مجھ سے ظہر پتا بھی پوچھا تھا۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کوئی اعتراض نہیں کیا تھا میں نے۔ کچھ مختصر سی باتیں تم۔ بارے میں مجھے بتانی تو تمہیں، یقین کرو میں نے صحیح معنوں میں یاد بھی نہیں رکھیں۔

”گڈ، چلو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں، ہاں اب یہ بتاؤ کہ میاں ظفر شاہ آتا جاتا رہتا ہے؟“

”جب میں طلب کرتی ہوں، تب وہ آتا ہے۔“

”تو ڈیر نادہ، میں تمہیں اس وقت بابا صاحب کہہ کر نہیں پکاروں گی۔ میں اپنی داستانِ حیات سنارہی ہوں لیکن مختصر الفاظ میں۔“ میں نے اسے مختصراً اپنے بارے میں بتا دیا۔

نادہ یہ سکتے کے عالم میں مجھے دیکھ رہی تھی۔ میرے خاموش ہونے کے بعد بھی وہ بہت دیر تک سے میری صورت دیکھتی رہی پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔

”لعنت ہے اس دنیا پر۔ ہر ایک کسی نہ کسی غم کا شکار ہے۔ تمہیں اپنے ماں باپ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا؟“

”ابھی تو نہیں لیکن انہیں ضرور کھوج نکالوں گی۔“

”کبھی کبھی کچھ عجیب و غریب واقعات ہوتے ہیں۔ تم مجھ سے جتنی بار بھی ملی ہو، اسے اتفاق ہی سکتا ہے لیکن اب وقت یہ کہتا ہے کہ یہ اتفاق نہیں تھا تقدیر بار بار تمہیں اور مجھے سامنے لارہی تھی۔ اس کی وجہ زندگی کی کہانی کی تھوڑی سی یکسانیت بھی ہے۔ خیر میں تمہاری طرح سونے کا چچے لے کر نہیں ہوئی، میں ایک کسان کی بیٹی ہوں، پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں، میں نے زندگی کا آغاز میرا باپ چوہدری کی زمینوں پر محنت کیا کرتا تھا لیکن اتفاق سے اس نے بچپن میں اٹھ بھائیوں پر تعلیم اس کی نگاہ میں بڑی حیثیت تھی۔ یقیناً آرزو تو اس کی یہ ہوگی کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہو، اپنے بیٹے کو پائلٹ، ڈاکٹر یا انجینئر بنائے لیکن تقدیر نے اس کی سوچوں میں اس کا ساتھ نہیں دیا۔ میں اس کا پیدا ہو گئی۔ البتہ اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ پتا نہیں کیوں تعلیم کے لئے اس کے دل میں بڑی تھی۔ چنانچہ اس نے مجھے دوسرے شہر بھیج دیا۔ چھوٹے سے اس شہر میں، میں نے تعلیم کا آغاز کیا اور سے میٹرک کر لیا۔ میٹرک کرنے کے بعد مجھے ایک اور شہر بھیج دیا گیا جہاں ایک اکلوتا کالج تھا۔ ہمارے دور کے رشتہ دار یہاں رہتے تھے۔ کالج کی پڑھائی بہت اچھی تھی۔ ہم کالج کی طرف سے اکثر نوڈر کرتے تھے۔ شہروں میں، اسی طرح میں نے فیصل آباد اور لاہور دیکھا کیونکہ کالج کے لڑکے دوسرے لڑکیوں کے ساتھ تھے اس لئے ان شہروں کو ہم نے بہت مختصر طور پر دیکھا۔ لیکن پھر بھی میرے ذہن بڑی وسعتیں تھیں۔ آخر کار میں نے بی اے کا امتحان دیا اور اس کے بعد آخری پرچہ دے کر میں گاؤں روانہ ہو گئی۔ آگے پڑھنے کا کوئی خیال دل میں نہیں تھا۔ بلکہ میری سوچیں دورانِ تعلیم مختلف میں سفر کرتی تھیں۔ میں اپنے کسان باپ کی محنت سے اچھی طرح واقف تھی اور دیکھ رہی تھی کہ وہ زندگی کس طرح واؤ پر لگا کر مجھے تعلیم دلا رہا ہے۔ میں نے بار بار یہ سوچا تھا کہ زندگی میں اپنے باپ کا اسے واپس کر دوں گی۔ میرا ایک چھوٹا بھائی بھی تھا جو مجھ سے تقریباً آٹھ سال چھوٹا تھا۔ باپ نے چونکہ

”کیا کرو گی؟ تم جانتی ہو کہ تم لڑکی ذات ہو۔“

”ہاں میں جانتی ہوں، لیکن یہ جانتی ہوں کہ میں لڑکا کبھی نہیں بن سکوں گی اور یہ بھی جانتی ہوں کہ میرے بھائی کو اور تمہیں زندگی چاہئے اور اس زندگی کے حصول کے لئے مجھے بہر حال کہیں نہ کہیں بڑے گی۔ بھول جاؤ اس بات کو ماں کہ میں لڑکی ہوں۔ میں جا رہی ہوں بندوبست کرو، جس طرح گزار رہی ہو گزارتی رہو۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ تمہارے لئے نئی زندگی لے کر آؤں۔ نہ ا یوں سمجھ لینا، میں بھی اپنے باپ کے پاس چلی گئی۔“

ماں نے بڑی منت سماجت کی مگر میں نے خاموشی سے گاؤں چھوڑ دیا۔ لاہور جانے والی بس بڑے کر چل پڑی۔ بہت تھوڑے سے پیسے تھے میرے پاس، لیکن اب یہاں آنے کے بعد مجھے بہت احساسات پیدا ہوئے۔ اس شہر میں تو صرف اپنے کالج کی طرف سے آئی تھی۔ یہ بھی ایک یا دوبار میرا کوئی شاسا بھی نہیں تھا، کیا کروں گی میں، سب سے پہلی چیز شب بھری ہوتی ہے اور سب سے بڑا یہ ہوتی ہے کہ میں ایک عورت ہوں۔ دنیا کی نگاہیں سمجھ میں آتی ہیں اور انسان یہ دیکھ لیتا۔ آنے والا وقت کیا صورت حال پیش کرے گا۔ میں لاہور کے اسٹیشن سے باہر نکل باہر کا ماحول دیکھنے دماغ ہوا میں اڑ گیا تھا۔ یہ قدم جو میں اٹھا بیٹھی ہوں یہ تو بڑا سستی خیز ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جذبات تھوڑے قتل ہو جاؤں۔ بہت دیر تک گھومتی رہی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پھر میری نگاہیں ایسی عورت پر پڑی جو بھکارن تھی۔ اس نے اپنا حلیہ سخت گندا کر رکھا تھا، میلے کپیلے کپڑے، مٹی میں ہوئے بال، ننگے پاؤں، میں آہستہ آہستہ اس کے پاس پہنچ گئی۔ میرے بدن پر صاف ستھرا لباس تھا۔ ہاتھ بھی صاف ستھرے اس نے ایک دم اپنا ہاتھ میرے سامنے پھیلا دیا۔

”دے دے بی بی، اللہ کے نام پر۔ اللہ سلامت رکھے، مرادیں پوری کرے۔“ نہ تو وہ مجھے جو سلامت رکھنے کی دعا دے سکتی تھی، نہ حج کروا سکتی تھی بس یہی اس کی سمجھ میں آیا جو اس نے کہہ دیا۔ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر اس سے کہا۔

”میں تجھے کچھ نہ کچھ ضرور دوں گی۔ نام بتائے گی اپنا۔“

”کیا کرے گی بی بی نام پوچھ کر۔ دے دے اللہ کے نام پر۔“

”دیکھ، مجھے تجھ سے بہت ضروری کام ہے۔ تو یہ مت سمجھنا کہ میں تجھ سے مذاق کر رہی ہوں، وقت برباد کر رہی ہوں۔ مجھے اپنا نام بتا۔“

”پتا نہیں تجھے میرے نام سے کیا ملے گا؟ اللہ وسائی ہے میرا نام۔“

”اللہ وسائی، کہاں رہتی ہے تو؟“

”وہ جو سامنے ڈیرے نظر آ رہے ہیں، وہیں میرا مرد ہے اور وہیں میں رہتی ہوں۔“

”اللہ وسائی، میں گاؤں سے یہاں آئی ہوں، میرے پاس سر چھپانے کا ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔ میں بے سارا ہوں۔ تو یہ نہ سمجھنا کہ میں تیرے اوپر بوجھ بنوں گی، بس تھوڑا سادقت تیرے ساتھ گزارنا ہوں۔ تیری طرح بالکل تیری طرح۔ تو یوں کر یہ میرے کپڑے تو لے لے اور اپنا یہ لباس مجھے دے د۔ تیرا حلیہ اختیار کرنے کے بعد میں کہیں بھی پڑی رہوں گی۔“ انسان ہر دل میں چھپا ہوتا ہے اور پھر

امام علی کی بات کہ قدرت ہر شخص کا کوئی نہ کوئی بندوبست کرتی ہے۔ خدا نے اللہ وسائی کے لئے دل میں ہمدردی ڈال دی۔ وہ بولی۔

”مگر توجہ کہہ رہی ہے تو آج میرے ساتھ۔ میں بھی ڈیرے جانے والی تھی۔“ اللہ وسائی مجھے اپنے خیموں کی اس چھوٹی سی آبادی میں لے گئی جو ایک بڑی سی مارکیٹ کے داہنی سمت لگے ہوئے تھے۔ اسی اس آبادی میں زندگی بالکل مختلف تھی۔ اللہ وسائی نے میرے ساتھ کافی اچھا سلوک کیا تھا اس لئے اس کی قوم یا اس کے طبقے کی کوئی برائی نہیں کروں گی لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ایک عجب دنیا تھی اور اکابر بتاتے تھے۔ فلم انڈسٹری یا ٹیلی ویژن کی دنیا میں گئے بچے چند نام ہیں جو اپنے آپ کو فنکار کہتے ہیں بیوٹی چھوٹی احتفانہ حرکتیں کر کے پتا نہیں کون سی شہرت حاصل کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن یہ تو یہ ہے کہ اصل فنکار تو اس خیموں کے شہر میں آباد تھے۔ جسم کو طرح طرح کے انداز سے توڑ کر چربے پر دکھ کر پر چھائیاں پیدا کر کے طرح طرح کی چیزوں سے جسموں کو داغ دار بنا کر لوگوں کی خالی کرانے والے یہ لوگ شاید سب سے زیادہ خوش حال لوگ تھے۔ بڑے بڑے صنعت کار، وکاندار، بزرگ زندگی بھر کی کادشوں سے دولت مند بنتے ہیں لیکن دولت مندوں کی یہ اصل آبادی صرف اپنے فن سے نکلتی ہے۔ اللہ وسائی واپس آئی، نما دھو کر اس نے بڑے اچھے کپڑے پہنے، اس کا شوہر اس وقت گھر میں تھا۔ مجھ سے ہنس کر بولی۔

”کون ہو؟ کیا ہو؟ یہ تو بعد میں ہی بتانا ہے۔ چاہو تو اپنے یہ کپڑے اتار کر میرے کپڑے پہن سکتی ہے سارا ہو تو ہمارے ساتھ رہو، میرا میاں لٹے کا عادی ہے، بس ذرا اس سے بچ کر رہنا۔ بہت بزدل خت رویہ رکھو گی تو کوئی حرکت نہیں کرے گا۔ ورنہ تم جانو تمہارا کام۔“

میں ڈری ہوئی تھی زندگی کو اب میں جس رنگ میں دیکھ رہی تھی اس سے بڑی خوف زدہ تھی۔ میں نے اس کی بات مان لی۔ میلے کپیلے کپڑے پہن کر جن سے شدید بو اٹھ رہی تھی، میری جو کیفیت وہ میرا دل ہی جانتا ہے لیکن بہر حال اس طرح اپنی شکل بگاڑ کر ورنہ صفتوں کی زندگی سے بچ گئی تھی۔ ہمائی کا شوہر تین تین دن تک واپس ہی نہیں آتا تھا۔ مجھے یہاں چار دن گزر چکے تھے۔ صورت حال کو کی کوشش کر رہی تھی۔ پانچویں دن میں نے اللہ وسائی کے شوہر کو دیکھا تو وہ مجھے اس قابل نظر نہیں لہوہ مجھے کوئی نقصان پہنچا سکے۔ نشہ کر کے وہ ایک کونے میں لڑھک گیا۔ بہر حال یہاں تھوڑی سی آسانی ملے گی تھی۔ اللہ وسائی مجھ سے بہت سی باتیں کرتی رہتی تھی۔ اس نے دوران گفتگو کراچی کا تذکرہ کیا لئے گئی۔

”ہائے ہائے کراچی کو ایک بار دیکھ لو، سمجھ لو دنیا دیکھ لی۔ یہ وہیں سے نشے کا عادی ہو کر آیا۔ اپنے مرد ات کر رہی ہوں۔ ہم عید پر گئے تھے۔ بڑی بھیک ملی تھی وہاں، خوب ہاتھ اٹھا اٹھا کر دیتے ہیں لوگ۔ پر میں میرے مرد کو کیا سوچتی، واپس آ گیا حرام کا جنا اور پھر دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کیا۔ مجھے کراچی بہت یاد ہے۔ وہاں تو یہ سمجھ لو کہ ہر بندے کے لئے دولت موجود ہے۔“ یہ پانچ چھ دن میں نے یہاں گزارے۔ ایک طریقہ کار میری سمجھ میں آ گیا تھا۔

نہی تھی جس پر بڑے چھوٹے ہوٹل، دکانیں لمبی اور اونچی بلڈنگیں لیکن بہر حال لگ رہا تھا کہ اس شہر میں کچھ پناہ مل جائے گی۔ جوں جوں آگے بڑھ رہی تھی میری آنکھیں کھلتی جا رہی تھیں۔ اس قدر چوڑی کشتارہ سڑکیں تو کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھیں تھیں، شاندار کاریں، بسیں، رکشے، ٹیکسیاں۔ میری سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جاؤں۔ نہ جانے میں کہاں کہاں گھومتی رہی، بری طرح تھک گئی تھی۔ سورج مل گیا شام ہو گئی اور میں ایک ایسے چھوٹے سے پارک میں پہنچ گئی جو میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسا بک ہے۔

بہر حال میں شدید حشکن کا شکار ہو کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ ابھی میں بیٹھی ہی تھی کہ ایک نوجوان میرے پاس سے گزرا۔

”ہیلو! بڑے اطمینان سے بیٹھی ہوئی ہیں آپ اور ہم بتائیں آپ کو کہاں کہاں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔“ میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ عجیب اوباش شکل کا آدمی تھا۔ عقل نے ذہن کو ٹھوکا اور میں نے کہا۔

”وہ انسپکٹر صاحب ابھی آرہے ہیں، مجھے یہاں بٹھا کر گئے ہیں، کسی مجرم کو پکڑنے۔ بیٹھ جاؤ۔ وہ بتا رہا ہے تمہیں کہ میں یہاں کیا کر رہی ہوں۔“

”انسپکٹر صاحب، کمال ہے ہمارا کوئی دماغ خراب ہو گیا جو ہم انسپکٹر صاحب سے ملاقات کریں گے۔“ سیدھا تیز رفتاری سے وہاں سے آگے بڑھ گیا لیکن میں نے بھی وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ بہر حال ایک طویل سفر طے کر چکی تھی اس شہر کے بارے میں تو کچھ نہیں جانتی تھی آگے بڑھتی رہی اور پھر اتنی دور چلی آئی کہ میری ٹانگیں جواب دینے لگیں۔ میں نے اس جگہ کے بارے میں کسی سے پوچھا تو وہ آہستہ سے بولا۔

”یہ نیٹی جینی کا پل ہے اور یہ سمندر۔“

سمندر کے بارے میں صرف سنا ہی تھا۔ ناواقفیت نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا تھا اور فاصلہ بے پناہ تھا تو میں طے کر چکی تھی۔ میں نے نیچے جھانک کر دیکھا کابھی ذرا پانی موجزن تھا۔ رات ہو گئی۔ میں پل کی ریلنگ سے ٹیک لگائے کتے کے عالم میں بیٹھی ہوئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اب مجھے فیصلہ کرنا ہے، زندگی یا موت، حالانکہ لاہور سے چلی تھی تو دل پر اس قدر اداسی نہیں تھی لیکن نہ جانے کیوں اب اس بے بسی کا احساس ہو رہا تھا۔ سب سے زیادہ ٹھنڈی مجھے اس بات پر تھی کہ میں عورت ہوں۔ مجھے فٹ پاتھ پر سونے میں دقت ہوگی۔ ابھی میں بیٹھی ہوئی تھی کہ تھوڑے فاصلے پر ایک کار آکر رکی۔ اس سے ایک آدمی نیچے اتر آیا اور میری جانب بڑھنے لگا۔ میں ایک دم سنبھل گئی تھی۔ تب وہ میرے قریب پہنچا اور اس نے کہا۔

”ناوید! تم نادیدہ ہونا؟“ میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ رات کی تاریکی نے اس کے اور میرے چہرے کے نقوش چھپائے ہوئے تھے۔ وہ جلدی سے بولا۔

”مجھے کچھ دیر ہوگی، تمہیں انتظار کرنا پڑا لیکن بس آج کچھ تقدیر گردش میں تھی کچھ لوگ پیچھا کر رہے تھے۔ بڑی مشکل سے انہیں چکر دے کر آیا ہوں۔ لو یہ سنبھالو، وہ سامنے ابھی تمہارا ٹرک آنے والا

میں نے نہ جانے کیوں کراچی کے بارے میں سوچنے لگی۔ میرا دل چاہا کہ میں بھی کراچی جاؤں دولت کی اس کان سے کچھ حاصل کروں۔ یہاں تو مجھے حالات عجیب سے نظر آرہے تھے۔ حالانکہ میری کوئی عمل نہیں کیا تھا ایسا جس سے میں حالات کا اندازہ لگا سکوں۔ اب میں بہت تنہائی سے اس بارے میں غور کرنے لگی تھی۔ اس دن میں اللہ وسائی کے کپڑے پہنے اس خیمے کے باہر بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک خیمے کے پاس آکر رکی۔ اس میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے قریب بلا لیا۔ حیران سی وہاں پہنچ گئی۔ گاڑی میں اور لوگ بھی موجود تھے۔ اس آدمی نے مجھے بہت ہی اچھے تم دو جوڑی سٹے ہوئے کپڑے دیئے۔ ایک رومال میں بندھی ہوئی کچھ رقم دی۔ یہ رقم دینے سے پہلے ام گاڑی میں بیٹھی ہوئی ایک نوجوان لڑکی کا صدقہ اتارا تھا۔ یہ چیزیں مجھے دے کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ میں ہکا بکا رہ گئی تھی۔ اس پاس کوئی اور موجود نہیں تھا۔ اللہ وسائی کے بارے میں، میں جانتا کہ وہ رات کو ہی واپس آئے گی۔ میں خیمے میں واپس آگئی۔ پچھنے پرانے کپڑوں کے کالے کپڑے پہنے ہوئے اس خیمے پر میں نے ان کپڑوں کو دیکھا، اچھے سٹے ہوئے کپڑے تھے پھر میں نے رومال میں بندھ اس رقم کو دیکھا، ساڑھے چار ہزار روپے کے قریب تھے۔ بہر حال یہ رقم بہت بڑی تھی، میری کچھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ انسان کے دل میں بے ایمانی ہوتی ہے اور یہ بے ایمانی میرے دل میں آگئی۔ چنانچہ میں خاموشی سے ان چیزوں کو دبا گئی۔ کپڑے میرے بدن پر بالکل فٹ تھے۔ صاف ستھرا لباس تھا۔ چنانچہ میرے ذہن میں منصوبے بننے رہے۔ اللہ وسائی رات کے بارے میں گھر واپس آئی اور نیند سو گئی۔ دوسرے دن پھر وہ اپنے کام پر چلی گئی تھی۔ بے چاری مانگ مانگ کر لاتی تھی اور مجھے کھانا بہر حال جو کچھ بھی تھا اس نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ وہ میرے ساتھ اچھے سلوک کا آغاز نہیں کیا تھا۔ میں نے دوسرے دن صاف ستھرا لباس پہنا، اپنا جا درست کیا، رقم سنبھال کر باہر نکل آئی۔ تین ہزار روپے میں نے بذریعہ منی آرڈر اپنی ماں کو بھیجے اور سو روپے اپنی جیب میں رکھے پھر جوتوں کی ایک دن سے جا کر میں نے ڈھائی سو روپے کا ایک سیلف خرید لیا۔ ایک چھوٹا سا سوٹ کیس بلکہ اسے بریف کیس کہنا زیادہ مناسب ہوگا، اپنے لئے حاصل کیا، میں اپنے کپڑے رکھ کر وہاں سے چل پڑی۔ ریلوے اسٹیشن پہنچی، وہاں سے میں نے کراچی جانے کا وقت معلوم کیا، ایک ٹرین اب سے ڈھائی گھنٹے بعد جانے والی تھی۔ میں نے اس کا ٹکٹ خرید لیا اور مقررہ پر ٹرین میں بیٹھ گئی۔ میری آنکھوں کے درمیان گنجان دائرے گردش کر رہے تھے۔ مجھے اپنا گھر یاد آ رہا تھا جہاں کے در و دیوار کی خوشبو آج بھی میرے بدن میں موجود تھی۔

لاہور کے خوبصورت اسٹیشن سے نکلنے کے بعد باہر کی دنیا بڑی خاموش نظر آرہی تھی۔ پناہ زندگی آگے چل کر کیا رنگ اختیار کرے۔ بہر حال ٹرین کی رفتار تیز سے تیز تر ہوئی چلی گئی۔ غالباً یہ تھی جس نے مجھے آخر کار کراچی پہنچا دیا۔ کراچی کینٹ پر اتری۔ بے حد خوف زدہ اور پریشان تھی۔ بہر حال میں سڑک پر آگے بڑھتی رہی۔ سامنے ایک بڑا سا چوک نظر آ رہا تھا جہاں ٹیکسیاں، آٹا اور شاندار کاریں نظر آرہی تھیں۔ اس سے آگے چلی تو انسانوں کا ایک سمندر نظر آیا۔ تاحہ نگاہ سڑک

یہ عجیب و غریب مسافر خانہ آبادی میں ہی تھا لیکن یہاں سے کچھ فاصلے پر ٹرک اڑھ نظر آ رہا تھا جہاں مختلف قسم کے کام ہو رہے تھے۔ میں اس مسافر خانے میں داخل ہو گئی۔ ایک بوڑھی سی عورت وہاں بستر بچھا رہی تھی، مجھے دیکھ کر بولی۔

”اودھر آجاؤ۔“ میں اندر چلی گئی۔ عورت نے مجھے غور سے دیکھا پھر بولی۔ ”کچھ نئے لوگ نظر آ رہے ہیں۔ ان کے چہرے جانے پہچانے نہیں ہیں۔ بظاہر وہ ٹرک والے بنے ہوئے ہیں لیکن شبہ ہے کہ خفیہ کے آدمی ہیں۔ تم اودھر آرام کرو، سائیں یا تو اودھر آجائے گا یا پھر تم کو بلا لے گا۔“

”یہ نیا نام میرے علم میں آیا تھا۔ جس جگہ مجھے آرام کرنے کے لئے پہنچایا گیا وہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ البتہ بریف کیس کو میں نے بڑی احتیاط سے اپنے پاس رکھ لیا تھا اور پھر اسے کھولنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن اس کوشش میں، میں کامیاب نہیں ہوئی۔ نمبروں سے کھلنے والا تالا لگا ہوا تھا۔ یہ رات میں نے وہیں گزاری اور دوسری صبح جاگی تو بوڑھی عورت ناشتا لے ہوئے کھڑی تھی۔

”میرا خیال درست تھا۔ رات کو سائیں کا آدمی آیا تھا۔ اس نے تمہارے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا دیا کہ تم سو رہی ہو۔ کہیں بخش نے کہا کہ صبح کو گاڑی لے کر آئے گا تمہیں اس میں جانا ہے۔“ بڑی برا سرا صورت حال تھی۔ صبح ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک پرانے ٹائپ کی ٹیکسی آکر رک ٹھکی۔ بہت ہی بھدا رنگ تھا اس کا، نمبر پلٹ تک ٹیڑھی لگی ہوئی تھی۔ چھت پیلی اور باقی پاؤں کالی تھی۔ اس میں سے اترنے والا دبیلے پتلے بدن کا ایک سیاہ فام تھا جس کا رنگ خود بھی گہرا کالا تھا، بال گھنگریالے، دہانہ کافی پھیلا ہوا ہوا۔ اس نے عورت سے بات کی اور پھر عورت نے مجھ سے کہا۔

”جاؤ تیرا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“ میں ٹیکسی میں آکر بیٹھ گئی اور سیاہ فام نے ٹیکسی اشارت کر کے آگے بڑھا دی۔ خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد ٹیکسی ایک خوب صورت مکان کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ سیاہ فام نیچے اتر آ۔ اس نے مخصوص انداز میں دستک دی اور دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والا ایک لمبے قد کا آدمی تھا۔ سیاہ فام نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ یہ مکان اندر سے بھی کافی خوب صورت تھا۔ ایک لمبے کوڑیڑور سے گزر کر میں اس کالے آدمی کے ساتھ ایک دروازے میں داخل ہو گئی۔ دروازے سے اندر قدم رکھا تو مجھے تین چار آدمی نظر آئے جو ایک اوّل ڈرائیون کی ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک سرخ و سفید آدمی شلوار قیض میں ملبوس بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ بہت بڑا تھا اور نوکیلی مونچھیں بے حد گھنی اور بڑی بڑی، آنکھیں خون کی طرح سرخ تھیں۔ مجھے یہاں تک پہنچانے والا واپس چلا گیا۔ میری کیفیت بہت عجیب سی تھی۔ نوکیلی مونچھوں والے آدمی نے مجھ سے کہا۔

”دروازہ بند کر دو۔“ میں نے پلٹ کر دروازہ بند کیا تو وہ بولا۔

”آؤ۔“ میں قریب پہنچی تو اس نے کہا۔

”بیٹھ جاؤ اور بریف کیس میز پر رکھ دو۔“ میں نے اس کے اس حکم کی بھی تعمیل کی تھی۔ اس نے

میری طرف رخ کر کے کہا۔

”مجھے جانتی ہو میں کون ہوں؟“

ہے۔ ٹرک میں بیٹھ کر چلی جانا۔ شاہ جی تمہیں صبح جگہ پہنچا دے گا۔ ہوشیاری سے، ان دنوں کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔ لگ رہا ہے آبکاری والے ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔“ اس نے جلدی سے ایک بریف کیس میرے ہاتھ میں تھما دیا، بریف کیس کافی وزن تھا۔ پھر اس نے جلدی سے ایک ہینڈ بیگ مجھے دیتے ہوئے کہا۔

”اس میں کافی بڑی رقم ہے اور ساتھ ہی پتا موجود ہے۔ شاہ جی تجھے جہاں پہنچائے گا وہاں پہنچ کر ٹھیک ہو جائے گا، اپنی رقم لے لینا۔“ اس نے پرس بھی میرے ہاتھ میں دے دیا اور اس سے قبل کہ کچھ کہوں وہ تیزی سے واپس پلٹ کر کار میں جا بیٹھا اور آگے بڑھ گیا۔

میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے کار کی سرخ روشنیوں کو دیکھنے لگی جو تھوڑی دور جا کر گم ہو گئی تھیں اور پھر میں نے اس بریف کیس کو اٹھا کر دیکھا۔ کافی وزن تھا۔ بہت دیر تک میں احمقوں کی طرح سوچتی رہی پھر آخر کار مجھے یقین ہو گیا کہ کوئی بڑی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میں نے پرس کھول کر دیکھا۔ وہ کے کچھ نوٹ، پانچ پانچ سو کے نوٹوں کی ایک پوری گڈی اور ساتھ ہی سفید پرچہ بھی رکھا ہوا تھا۔ رات تاریکی میں اس پرچے کو تو نہیں پڑھ سکی لیکن میرے ذہن میں بہت سے خیالات گردش کر رہے تھے۔ آؤ کار میں اپنی جگہ سے اٹھی اور بریف کیس لے کر وہاں سے تھوڑی سی آگے بڑھ گئی۔ کافی فاصلے پر پہنچنے میں نے وہ پرچہ نکالا۔ اس پر ایک پتا لکھا ہوا تھا۔ میں اس پتے کو پڑھنے لگی۔ اسی وقت میں نے عین اوجہ جگہ جہاں تھوڑی دیر پہلے میں موجود تھی، دبیلے پتلے بدن کی ایک لڑکی کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ اسی جگہ پر گئی تھی جہاں تھوڑی دیر پہلے میں بیٹھی ہوئی تھی۔

بات میری سمجھ میں آگئی۔ وہ اصل لڑکی ہے جس کا دھوکا کھایا تھا ان لوگوں نے میرے دل میں بہت سے خیالات گردش کرتے رہے۔ میں نے سوچا کہ وہ چیزیں اس لڑکی کے حوالے کر کے ساری تفصیل دوں لیکن پھر میں نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ زندگی نے مجھے ایک راستہ دکھایا ہے، بذات خود میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ اگر زندگی مجھے یہی رخ دینا چاہتی ہے تو پھر یہی سہی۔ کیوں نہ زندگی کے اس رخ سے تعاون کروں وقت اگر میرا یہی روپ بنانا چاہتا ہے تو یہی سہی۔ بہر حال وہ لڑکی بہت دیر تک وہاں بیٹھی رہی پھر وہاں اٹھ کر چلی گئی لیکن ابھی اسے گئے ہوئی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دفعتاً ہی ایک ٹرک آکر اسی جگہ پر رکا۔ مجھے اس شخص کے الفاظ یاد آ گئے کہ شاہ جی مجھے آکر لے جائے گا۔ میں بریف کیس اٹھا کر اسی طرف بھاگی۔ ٹرک سے ایک خطرناک سی شکل کا آدمی نیچے اتر آ اور بولا۔

”بہن جی آپ ٹرک پر اوپر چڑھ جاؤ، اصل میں آپ کو دوسرے راستے سے بھی لے جایا جاسکتا تھا؛ اس وقت شہر کا حالات خاصا گڑبڑ ہے چنانچہ ٹرک سے سفر کرو۔“

ٹرک کے پچھلے حصے میں چڑھنا میرے لئے مشکل ثابت نہ ہوا اور میں یہ سفر کرتی رہی۔ پھر ٹرک نے کوئی پون گھنٹے سفر کرنے کے بعد ایک جگہ قیام کیا اور ٹرک ڈرائیور نے مجھ سے نیچے اترنے کے لئے کہا۔

بولا۔

”آپ اودھر آرام کرو۔ یہ مسافر خانہ ہے۔ اودھر آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“

”نہیں جناب۔“ میں نے سادگی سے جواب دیا۔

”شیر خان ہے میرا نام۔“

”اچھا۔“

”باہر کتنے آدمی ہیں؟“

”کمال؟“

”بکواس کی تو آنکھیں نکال دوں گا۔“ اس نے نیچے میں ہاتھ ڈال کر ایک لمبا چاقو نکال لیا۔ بن چاقو پلک جھپکتے میں کھل گیا اور اس کی چمک میری آنکھوں کے سامنے لہرائے گی۔

”میں نہیں سمجھ سکی ہوں۔“

”تم سی آئی ڈی سے تعلق رکھتی ہو؟“

”نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”کتنے کی بچی؟ تم کون ہو پھر۔ تم نہیں جانتی کہ مجھے تمہارے بارے میں پتا چل گیا ہے۔ تم وہ نیر ہو جسے یہاں آنا تھا۔ سمجھ رہی ہونا میری بات۔“ میں نے اسے غور سے دیکھا۔ اچانک ہی میرے بدن میں اس کی گردش تیز ہو گئی۔ اس نے مجھے کتے کی بچی کہا تھا۔ دوسرے لمبے میں اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور میں نے اس کرسی کو اٹھا کر پوری قوت سے دیوار پر دے مارا جس پر میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہاں بیٹھے ہو۔ سارے لوگ بری طرح چونک پڑے تھے۔ میں نے کہا۔

”تم نے مجھے گالی دی ہے شیر خان، تم نے میری شرافت کا یہ بدلہ دیا ہے مجھے، عورت سمجھ کر۔ مگر جب تک تمہارے منہ سے خون نہیں گرا دوں گی مجھے سکون نہیں ملے گا۔ اٹھو آج ایک عورت سے پتہ ک تمہیں زندگی کا نیا تجربہ حاصل ہوگا۔“

اس وقت میں نہیں بول رہی تھی بلکہ میرے اندر کوئی جنون بول رہا تھا۔ وہاں موجود تمام آدمیوں کے چہرے عجیب سے ہو گئے تھے۔ شیر خان نے کچھ دیر تک تم مجھے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے گھورا پھر بولا۔

”میں معافی مانگتا ہوں تجھ سے مائی سسٹر میرے کو معاف کر دے، میں نے غلط کیا میں تجھ سے کچھ نہیں بولوں گا تو مجھے کتے کا بچہ بول دے۔ حالانکہ میں نے زندگی میں ٹیڑھی زبان استعمال کرنے والے کی زبان اس کے منہ میں نہیں چھوڑی۔ سوری مائی سسٹر سوری۔“ وہ مجھ سے معذرتیں کرنے لگا پھر بولا۔

”ایک بات کا خیال رکھنا میرا نام شیر خان ہے، شیر کی طرح پیدا ہوا اور شیر کی طرح جیتا رہا ہوں مگر آج میں نے جو غلطی کی اس کا مجھے احساس ہے۔ میں نے اس کے لئے تجھ سے معافی مانگا۔“ میرے ذہن سے وہ جنون کم ہونے لگا تھا۔ میں نے کہا۔

”میں تجھے کتے کا بچہ نہیں کہوں گی اس لئے کہ یہ گالی تجھے نہیں تیرے باپ تک پہنچے گی۔ تو مجھے گالی دیتا تو شاید میں برداشت کر جاتی۔ میرا باپ ایک مظلوم آدمی تھا اور جہاں تک میرا غلط شخصیت ہونے کا سوال ہے، میں تجھے بتاؤں کہ زندگی سے ہیزار ہو کر میں اس جگہ بیٹھ گئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اب مجھے کیا کرنا

چاہئے کہ گاڑی میں سے تمہارا آدمی نیچے اترے۔ مجھے یہ پرس دیا اور تمہارا پتا۔ میں نے پتا پڑھا اور فیصلہ کیا کہ تم سے مل لوں کیونکہ میں بے کاری کی زندگی گزار رہی ہوں اور وقت میرے لئے بڑا مشکل ہو گیا ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ غلط فہمی ہی میرے کام کچھ آجائے تو میرے لئے بہتر ہوگا لیکن شیر خان! گالیاں کھا کر میں کچھ نہیں کروں گی۔ یہ تمہارا سامان ہے اور یہ وہ پرس جس میں تمہاری دی ہوئی رقم موجود ہے۔ مجھے باہر جانے دو زندگی اور قسمت کو کہیں اور آزماؤں گی۔“

ان لوگوں پر سکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اپنی اپنی کرسیاں گھسیٹ کر پھر میز کے گرد بیٹھ گئے۔ شیر خان اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس دیوار کے قریب پہنچا جس سے میں نے اپنی کرسی دے ماری تھی۔ کرسی مضبوط تھی اس لئے ٹوٹی نہیں تھی۔ وہ کرسی لے کر آیا۔ اسے اس کی جگہ رکھا اور مجھ سے بولا۔

”میں تمہارے کو سسٹر بولا، بڑا بھائی ہوں تمہارا بیٹھ جاؤ، معافی مانگ چکا ہوں، جو بات منہ سے نکل گیا وہ واپس نہیں آسکتا مگر میں اس کے لئے شرمندہ ہوں تم سے۔ تم بہت دلیر لڑکی ہو۔ ایسی لڑکی کو بہن بول کر انسان کو عزت کا احساس ہوتا ہے۔ مجھے تم ایک بات بتاؤ۔ یہ ساری چیزیں لے کر تم کہیں اور کیوں نہیں چلی گئیں؟“

”میں تم سے اپنی پریشانیوں کا رونا نہیں روؤں گی شیر خان۔ ایک چھوٹے سے گاؤں سے آئی ہوں۔ زندگی کی تلاش میں ماں اور بھائی کو گاؤں میں چھوڑ آئی ہوں۔ یہاں زندگی کی تلاش کر رہی ہوں۔ مل گئی تو ٹھیک ہے ورنہ موت کو گلے لگا لوں گی۔ ناکام لوگ زندہ رہ کر غلطی کرتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے اور کچھ۔“ شیر خان بولا پھر اس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا۔ ”نمبر ملاؤ۔“ سامنے بیٹھے ہوئے آدمی نے بریف کیس سیدھا کیا اور اس پر نمبر سیٹ کرنے لگا۔ جس سے بریف کیس کھل گیا۔ بریف کیس میں پتے سجے ہوئے تھے اور ان پتوں کے نیچے سفید تھیلیاں نظر آ رہی تھیں۔ یہ تھیلیاں ایک دوسرے کے اوپر جتی ہوئی تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے اس میں باریک قسم کی سوچی بھری ہوئی ہو۔ شیر خان نے ان ساری تھیلیوں کو گنا پھر گردن ہلا کر بولا۔

”ٹھیک ہے۔“ بریف کیس بند کر دیا گیا تو شیر خان نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”مال آگیا ہے، وہ پریشانی جو ہم لوگوں کو ہو گئی تھی، دور ہو گئی ہے۔ اب تم لوگ جاؤ اور خیال رکھنا اس لڑکی کو میں نے سسٹر بولا، بہن کا احترام کیسے کیا جاتا ہے یہ تم لوگ جانتے ہو۔“

”جی خان۔“ ان سب نے بیک وقت کہا اور یہ لوگ ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔ تب شیر خان میری طرف دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

”ابھی تو میرے منہ پر دو تھپڑ لگا دے میرے کو خوشی ہوگا۔ میں نے غلطی کیا مگر اس وقت تو یقین کر ہم لوگ زندگی سے ہیزار بیٹھا تھا۔ دو آدمیوں پر زندگی تنگ ہو گیا ہے۔ وہ مال کروڑوں روپے کا ہے جو تیرا ہاتھ میں چلا گیا تھا ان لوگ کی غلطی سے۔ ابھی میں فون کر کے ان کی جان بھی بخشواتا ہوں۔ پر تو نے بڑا احسان کیا ہے۔ اس احسان کا تجھے پورا پورا بدلہ ملے گا۔“

”مجھے کسی بدلے کی ضرورت نہیں ہے، شیر خان۔“

”بے شک تجھے کسی بدلے کی ضرورت نہیں ہے مگر بھائی کا بھی کچھ فرض ہے ابھی آرام کر پہلے ناپڑ تو نہیں کیا ہو گا تم نے۔“
وہ اس کمرے سے نکل آیا۔ طویل راہداری سنسان پڑی ہوئی تھی۔ اس نے ایک اور کمرے اور دروازہ کھولا اور مجھ سے بولا۔

”جاؤ اندر چلی جاؤ۔ بہت غلطی ہوئی ہے مجھ سے اب دوبارہ نہیں ہو گا۔ یہاں تم عزت سے محظوظ ہو۔“ میں کمرے میں چلی گئی اور وہ دروازہ بند کر کے باہر چلا گیا۔

میں نے حیرانی سے چاروں طرف کے ماحول کو دیکھا اور سوچنے لگی کہ کیا واقعی تقدیر مجھ پر مہربان ہے۔ کیا یہ سب کچھ جو ہوا ہے یہ تقدیر کی مہربانی کا ایک حصہ ہے۔ اس کے سوا بھلا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ شیر خان نے بڑی عزت دی تھی مجھے۔ دوسرے معاملات طے کرنے کے بعد اس نے ایک اچھی خاصی رقم جو میرے تصور سے باہر تھی میرے حوالے کی۔ یہ گویا اس مال کا کیش تھا جو ان کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا اور میں نے اپنی ایمانداری سے انہیں وہ واپس کر دیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے پیش کش کی کہ اگر میں ان کے ساتھ کام کرنا چاہوں تو وہ مجھے اپنے گروہ میں خوش آمدید کہیں گے۔ میں نے آمادگی اظہار کر دیا۔ پہلے اپنے وطن میں اور اس کے بعد ملک سے باہر منشیات کا لانا لے جانا میری ذمہ داری بن گئی۔ مجھے تربیت دی گئی اور میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنا یہ کام انجام دیتی رہی جس کے نتیجے میں آج تم مجھے اس حیثیت میں دیکھ رہی ہو۔ میں نے وہی گروپ اپنایا رکھا ہے۔ لوگ بدل گئے ہیں۔ بگ شو بھی اسی گروپ سے تعلق رکھتا ہے اور بھی بہت سے افراد ہیں۔ زندگی گزر رہی ہے اور اب میں یہ سوچتی ہوں کہ اگر میں اپنے آپ سے اپنے ماحول سے ان واقعات سے فرار حاصل کرنا بھی چاہوں تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ بھول کر بھی اب یہ نہیں سوچ سکتی۔“

”ماں اور بھائی کہاں ہیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”ماں مر چکی ہے۔ بھائی جوان ہو کر یورپ چلا گیا ہے۔ آوارہ گردوں کے ایک گروہ سے تعلق ہو گا تھا اس کا، بس ان کے ساتھ ملک سے باہر نکل گیا۔ اب کہاں ہے، کیا ہے، کچھ نہیں معلوم۔“

”نادیہ! شادی کیوں نہیں کی؟“ میں نے سوال کیا تو نادیہ ہنس پڑی پھر بولی۔

”تم کب شادی کرنے جا رہی ہو؟“

”کیا میرے حالات اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ میں شادی وغیرہ کے بارے میں سوچ سکوں؟“

”سوئیٹ! کیا میرے حالات ایسے تھے کہ میں شادی کے بارے میں سوچ سکتی؟“

جواباً میں خاموش ہی رہی تھی لیکن اس گفتگو کے بعد نادیہ اور میں خاصے قریب اور مخلص ہو گئے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو اپنی اپنی داستان سنا چکے تھے۔ دونوں ہی داستانوں میں ایک دکھ تھا، لیکن نادیہ کی داستان ختم ہو چکی تھی جب کہ میری کہانی کا تو ابھی آغاز ہوا تھا۔ اس کے بہت سے صفحات باقی تھے۔ تین دن تک مکمل خاموشی رہی۔ اس دوران سلطان شاہ بھی یاد آتا رہا تھا لیکن بہت اچھا انسان تھا وہ۔ اس کے اندر بھی ایک بہتر انسان چھپا ہوا تھا۔ بے لوث مدد کی تھی اس نے میری۔ اپنی عزت اور آن بان کا بھی اسے

نال تھا۔ اب جب کہ میں یہاں پوشیدہ تھی تو فضول حرکتیں کر کے پھر متحرک نہیں ہونا چاہتی تھی۔ تھوڑا سا آرام کر لوں۔ صبح معنوں میں دشمن کے کچھار میں جگہ ملی تھی۔ بگ شو کو میرے پیچھے لگایا گیا تھا۔ بگ شو نہیں جانا چاہتا تھا کہ وہ لوگ کون ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اتنے بڑے لوگ ہیں کہ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس لئے ان کا نام بتانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ میں جانتی تھی کہ وہ کون ہیں۔

☆=====☆=====☆

بہر حال تین چار دن اسی طرح گزر گئے۔ اس دوران گزرنے والا ہر دن نادیہ کو اور مجھے قریب لاتا جا رہا تھا۔ نادیہ کے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بالکل بڑی ہمنوں کی طرح وہ میرا خیال رکھتی تھی۔ اس شام مجھے اپنے ماں باپ یاد آ رہے تھے۔ باہر کے برآمدے کے ایک گوشے میں، میں کچھ غم زدہ سی لٹی ہوئی گزر رہی تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ میرا باپ کیسا ہو گا جسے میں نے بھاتا تھا۔ وہ اس دنیا میں ہے بھی یا نہیں۔ یہ بات مجھے الماس بیگم ہی بتا سکتی تھی۔ ابھی میں انہی سوچوں میں گم تھی کہ عقب سے ایک ہاتھ میرے شانے پر آٹکا، نرم و نازک محبت کے حساس سے بھرپور ہاتھ نادیہ کے سوا کسی اور کا نہیں تھا۔ وہ کرسی گھسیٹ کر میرے پاس بیٹھ گئی۔ اس کے رے پر ایک عجیب سی ممتا تھلک رہی تھی۔

”کیا سوچ رہی ہو؟“ میں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر کہا۔

”بس ماں باپ کا خیال آ رہا تھا۔ باپ کو میں نے دیکھا تک نہیں ہے اور ماں کو جب دیکھا تو وقت نے مجھے اس کی قدرت سے محروم کر دیا۔ میری دونوں چھوٹی بہنیں ہمیشہ ہمیشہ سے کسی محبت بھرے لہجے کو ترس دیتی ہیں۔ پتا نہیں ماں کی کیا کیفیت ہوگی۔ اگر ہمنوں سے اس کا سارا بھی چھن گیا تو بے چارے بخت بابا ان کا کیا حفاظت کر سکیں گے۔ بس یہ ساری سوچیں دل میں چھپی ہوئی ہیں۔ کبھی کبھی دماغ ان پر غور شروع کر دیتا ہے۔“ نادیہ نے اپنا رخسار میرے بازو سے ٹکا دیا اور بولی۔

”شاہ نور! کیا اس دنیا میں ایسا کوئی شخص بھی ہو گا جو یہ کہے کہ مجھے کوئی غم نہیں ہے۔ میں نے زندگی بھر کبھی دکھ نہیں دیکھا۔ مجھے کسی سے محبت نہیں ہے۔ ہو گا کوئی ایسا جس سے اس کے اپنے نہ چھن گئے۔“

”شاید نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”شاہ نور! کیا تم اس بات پر یقین کرو گی کہ میرے دل میں تمہارے لئے بڑی بہن کا ساجزہ پیدا ہو گا ہے۔“

”میں اس بات پر یقین کروں گی نہیں بلکہ کر چکی ہوں۔ تمہیں خوش کرنا مقصود نہیں ہے۔ تم جانتی ہو بڑی فطرت کیسی ہے نادیہ، لیکن میں یہ بات کہتی ہوں کہ کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو لاش کرنے سے نہیں ملتا، جیسے تمہاری محبت۔“

”اب میرا بھی تو کوئی بھی نہیں ہے اس دنیا میں۔“ نادیہ نے آنسو بھری آواز میں کہا۔

”کاش“ میں اتنی مطمئن ہوئی کہ تم سے یہ کہہ سکتی کہ نادیہ میں چھوٹی بہن ہوں تمہاری۔ میں تمہیں

”لیکن نادیہ! اگر ہم ظفر شاہ کو یہاں بلا کر اس سے معلومات حاصل کرنے کے بارے میں سوچتے ہیں مشکل بات ہو جائے گی۔ ظفر شاہ ہمارے لئے بھی کام کرتا رہتا ہے اور تم بہر حال اپنی اس حیثیت سے ہمارے کش نہیں ہو سکتیں۔“

نادیہ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی تھی۔ بہت دیر تک وہ خاموش رہی اور اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

”ایک منصوبہ بنا رہی تھی۔ چاہتی ہوں کہ تم سے اس کے پیچ و خم پر گفتگو کرلوں۔ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ ظفر شاہ کو کیسے یہاں بلا کر اپنے کام پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔“

میں سوالیہ نگاہوں سے نادیہ کو دیکھنے لگی۔ نادیہ کی پیشانی پر گہری ٹخنیں اس بات کا اظہار کرتی تھیں وہ یقینی طور پر کوئی دلچسپ اور اہم منصوبہ بنا رہی ہے۔ اس نے کہنا شروع کیا۔

”بات اصل میں یہ ہے کہ ظفر شاہ بھی میری ہی لائن کا آدمی ہے۔ ہم لوگ مختلف طریقوں سے ایک سرے کے کام آتے رہتے ہیں چنانچہ اگر میں ظفر شاہ کو براہ راست کوئی نقصان پہنچاؤں یا اس پر یہ ظاہر ہوئے کہ اس کے ساتھ جو واقعات پیش آئے ہیں ان میں میرا کوئی ہاتھ ہے تو مجھے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن ایک دوسری صورت ہے جس سے ہم اپنا کام کر سکتے ہیں۔“ اور پھر نادیہ نے مجھے وہ تمام صورت بتانا شروع کر دی۔ پہلے تو میں نے اس سے انکار کیا لیکن نادیہ مجھے بتاتی رہی کہ صورت حال کیا ہوگی۔ فرمیں میں نے کہا۔

”ایک بات اور نادیہ۔ کیا ظفر شاہ کا بگ شو سے تعلق نہیں ہے؟ بگ شو تو یہ بات جانتا ہے کہ میں ل ہوں اگر یہ بات کھل کر سامنے آئی تو بگ شو.....“

”نہیں..... ظفر شاہ بگ شو کا آدمی نہیں ہے، اور ویسے بھی بگ شو ذرا مختلف طبیعت کا انسان ہے۔ وہ زیادہ لوگوں کو اپنے سر نہیں چڑھاتا بلکہ ان سے گریز کرتا ہے۔ تم بے فکر رہو ظفر شاہ والا معاملہ ناشو تک نہیں پہنچ پائے گا۔“ میں نادیہ کے بتائے ہوئے منصوبے سے لطف لیتی رہی پھر میں نے کہا۔

”اور مجھے اجازت ہے کہ میں ظفر شاہ کی زبان کھلوانے کے لئے ہر کام کر سکوں؟“

”اجازت مانگ رہی ہو مجھ سے اب بھی۔ ان حالات کے بعد بھی۔ اب تمہیں نہیں بلکہ ہمیں ماں کا سراغ لگانا ہے۔ تم اس بات کو تسلیم کر چکی ہو کہ اب وہ ہمارے ہی نہیں، میرے بھی ماں باپ..... اور وہ دونوں میری ہی بہنیں ہیں۔“

پہلی بار میں نے اپنی آنکھوں میں ان الفاظ پر نمی سی محسوس کی۔ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”وہ ہمارے.....“

”بس تو پھر یوں سمجھ لو کہ ہم حالات کا ہر طرح سے مقابلہ کریں گے۔“

منصوبہ بہت اچھا تھا۔ اس کے لئے وقت کا تعین بھی کر لیا گیا تھا۔ بظاہر اور کوئی کام نہیں تھا، آخر کار منصوبے کے تحت نادیہ نے میرے سامنے ہی ظفر شاہ کو ٹیلی فون کیا۔ دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا نادیہ نے کہا۔

وہ تمام جذبے دوں گی جو چھوٹی بہن کے دل میں ہوتے ہیں۔ کیسے کموں نادیہ یہ بات، لیکن ایسا ہے۔ میرا یہی چاہتا ہے۔“ نادیہ سسک سسک کر رونے لگی تھی۔

بہر حال میری آنکھوں سے آنسو بھی نہیں نکلے کیونکہ یہ آنسو الماس بیگم نے خشک کر دیئے تھے۔ دل سے نکلنے والے آنسوؤں کو بھلا کون روک سکتا ہے۔ آخر کار ہم عورتیں تھیں۔ بہت دیر تک یہ غم ماحول جاری رہا۔ پھر نادیہ نے کہا۔

”یہاں سے کبھی مت جانا، کہیں مت جانا شاہ نور، بے شک اپنے مسئلے میں کام کرو لیکن اب یہ لینا کہ بڑی بہن بالکل تنہا ہے اور اسے تمہاری ضرورت ہے۔“ میں نے نادیہ کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”دیکھو، میرے سارے وجود میں ماں باپ کی تلاش اور ان کے حصول کا جذبہ رچا ہوا ہے۔ مجھ جھوٹ مت بلوانا۔ میں اس جذبے سے دور نہیں ہو سکتی لیکن میں جہاں بھی کہیں رہوں گی یہ سوچوں گی اپنے گھر سے اتنے فاصلے پر ہوں اور جب بھی واپس لوٹوں گی تو تمہارے ہی پاس آؤں گی۔“ نادیہ آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی پھر اس نے کہا۔

”اس سلسلے میں ایک کردار تمہارے ذہن میں آیا تھا دوبارہ اس پر کبھی غور نہیں کیا؟“

”ظفر شاہ۔“ نادیہ بولی اور میں پر خیال نگاہوں سے نادیہ کی صورت دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔

”اس دوران میں نے کئی بار ظفر شاہ کے بارے میں سوچا ہے لیکن میرا اندازہ ہے کہ یہ بچی ر آدمی ہے۔ اس کے علاوہ اب تک میں یہ غور بھی کرتی رہی ہوں کہ اگر میں ظفر شاہ سے کچھ معلوم حاصل کر لوں تو اس کے لئے مجھے اس پر تشدد کرنا پڑے گا اور یہ سب کرنے کے لئے میرے پاس پہلے آ جگہ نہیں تھی۔“

”اب ہے، ظفر شاہ سے اگر تم یہ معلوم کر سکتی ہو کہ تمہارے ماں باپ کہاں ہیں یا کم از کم اپنی والد اور بہنوں کے بارے ہی میں تمہیں کچھ معلوم ہو جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ غنیمت ہو گا۔ ایک بات کا تم سے وعدہ کرتی ہوں اگر ماں بہنیں تمہیں مل جائیں تو ان کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دو۔ میں ان کا علاج بھی کرواؤں گی۔ یہ سب کچھ جو میرے پاس جمع ہو چکا ہے، میرے لئے بے مقصد ہے لیکن اب لگتا ہے کہ وقت مجھے اسے خرچ کرنے کا موقع دے رہا ہے۔ ماں اور بہنوں کے لئے ایک حسین مستحق ہمارے پاس موجود ہے۔ بس ان کا ہاتھ آنا شرط ہے۔“

میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ مجھے اس حد تک لے جانے والی الماس بیگم ہے۔ بے شک ماں میں، میں اسے اپنی ماں کا درجہ دیتی رہی ہوں لیکن اب جو صورت حال درپیش تھی وہ بالکل ہی مختلف ہو گئی تھی۔ میں ظفر شاہ کے بارے میں سوچنے لگی۔ واقعی ممکن ہے ظفر شاہ تشدد کرنے پر کچھ اگل دے اور اب میرے پاس کم از کم ایک ایسی جگہ موجود تھی جہاں میں یہ کام کر سکتی تھی لیکن ایک اور خیال میرے دل میں تھا جس کے بارے میں، میں نے نادیہ سے کہا۔

”کیا کر رہے ہو ظفر شاہ؟“

”بس بابا صاحب! آپ کی دعاؤں کے سہارے زندگی گزر رہی ہے، کوئی خاص کام نہیں کر رہا۔“

”میں بھی بڑی کوفت محسوس کر رہی ہوں، کوئی پروگرام بناؤ۔“

”جیسا آپ کہیں بابا صاحب۔“

”آجائو میرے پاس۔ کھانا میرے ساتھ ہی کھانا۔“

”نہیں بابا صاحب، کچھ دوستوں کے ساتھ ڈنر ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ آج تو نہیں آسکو گے۔“

”نہیں بابا صاحب ایسی بات نہیں ہے۔ دس بجے تک بالکل فارغ ہو جاؤں گا۔“

”میں انتظار کروں گی۔“ نادیا نے کہہ کر فون رکھ دیا۔

میں ساری جوشن بنا چکی تھی۔ ظفر شاہ کس طرح اندر داخل ہوگا اور کیسے اسے قابو میں کرنا ہے۔
مال یہ میرے امتحان کا وقت تھا اور میں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر تیار کر لیا تھا حالانکہ ریوالور بھی
میں پاس موجود تھا لیکن وہ اس مقصد کے لئے تھا کہ اگر صورت حال میرے قابو سے باہر ہو جائے اور
شاہ ایک اچھا لڑاکا نکلے تو میں کم از کم اس کے پیروں کو زخمی کر دوں لیکن ریوالور میں نے اپنے لباس میں
ماٹا اور مارشل آرٹس کے مخصوص داؤ کے لئے تیار تھی۔ ظفر شاہ گیٹ تک پہنچ چکا تھا اور یہاں سے
میں لے رہا تھا۔ میں نے اپنا سانس تک روک لیا تھا۔ پھر وہ ایک مستعد اور ماہر لڑاکے کی طرح اندر
آ گیا۔ ریوالور والا ہاتھ آگے تھا۔ میں نے بجلی کی طرح تڑپ کر کھڑا ہاتھ اس کی کلائی پر مارا اور ریوالور
جاگرا، میری دوسری کوشش نے ریوالور کو ٹھوکر ماری اور وہ اپنی جگہ سے اچھل کر ڈرائینگ روم کے
دروازے کے پیچھے جاگرا۔ ظفر شاہ کے حلق سے ایک آواز سی نکلی تھی۔ دوسرے لمحے اس نے مجھ سے پلٹ
نے کی کوشش کی لیکن میری لات اس کے سینے پر پڑی اور گھوم کر میں نے ایک لات اس کی کمر پر رسید
دی۔

ظفر شاہ بری طرح لڑکھڑا کر ایک صوفے پر جاگرا اور صوفہ الٹ گیا۔ اس کی دونوں ٹانگیں اوپر اٹھ گئی
۔ میں نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں اور ایک مخصوص انداز میں انہیں موڑ کر ٹیڑھا کر دیا۔ مجھے
تھا ظفر شاہ کا چہرہ شدید کرب سے خوفناک ہو گیا ہوگا۔ اس کے حلق سے نکلنے والی چیخیں اذیت ناک
۔ وہ بے بسی سے سردائیں بانٹیں مار رہا تھا۔ اسے خواب و خیال میں بھی اندازہ نہیں ہوگا کہ کوئی اسے
اس طرح بے بس کر دے گا۔

”بچاؤ، بچاؤ، کون ہے، ارے ارے..... آہ چھوڑ دو۔“ ظفر شاہ بالکل رو دینے والے انداز میں
تھا۔ میں نے اسے الٹ دیا اور وہ بری طرح اوندھا ہو گیا تب میں نے اپنا ریوالور نکالا اور اس کا رخ ظفر
کی جانب کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں سوچ بچوڑ کے پاس پہنچ گئی اور تیز روشنی جلا دی۔

مجھے اتنا تو اندازہ تھا کہ ظفر شاہ فوراً ہی نہیں اٹھ پائے گا۔ کم از کم اسے اپنے حواس سنبھالنے میں بھی
لگائی دیر ضرور لگے گی چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں آگے بڑھی اور صوفے کے پیچھے پڑا ہوا ظفر
کا ریوالور بھی اٹھا لیا۔ مجھے یقین تھا کہ ظفر شاہ کے پاس دوسرا ریوالور نہیں ہوگا۔ ایک دوستانہ ماحول میں
ایسے ملاقات کرنے کے لئے آ رہا تھا۔ ایسے موقع پر انسان بہت زیادہ محتاط نہیں ہوتا۔

ظفر شاہ صوفے کا سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں دونوں ریوالور لے کر اپنی جگہ سے
لے بڑھی تو ظفر شاہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا لیکن میرا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ میں نے ریوالور کو
مادے کر کہا۔

”چلو کھڑے ہو جاؤ۔“

ہم نے سارا منصوبہ بڑی عمدگی کے ساتھ بنایا تھا۔ چنانچہ رات کو ساڑھے دس بجے کے قریب
خاموشی سے اپنی رہائش گاہ سے باہر نکلی۔ گیٹ پر چوکیدار ہوتا تھا۔ میرے ہاتھ میں ایک وزنی ہتھیار تھا
میں پوری طرح مستعد تھی جو کتنا اس کو خفی میں پلاتا تھا اسے میں نے ہی مار ڈالا تھا چنانچہ اب کتنے کا کوئی
نہیں تھا۔ میں نے چہرے پر کپڑا باندھا ہوا تھا اور لباس بھی خاص قسم کا پہنا ہوا تھا جو ایک مردانہ لباس
سارے کام بڑے منصوبے کے تحت ہو رہے تھے۔ چوکیدار آرام سے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ گیٹ کے با
سے ہوشیار رہتا تھا۔ گیٹ کے اندر کی دنیا اس کی اپنی تھی۔ اسی دنیا میں اس کو پڑی میں پھول کھل گئے
میرے ہاتھ میں دبے ہوئے وزنی ہتھیار کی ضرب اس کی کھوپڑی کے پیچھے حصے پر پڑی اور دوسری سر
تھوڑا سا نیچے گردن پر۔ اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی اور وہ اوندھے منہ کرسی سے نیچے جاگرا۔ میں
افسوس بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس دوران میری اس سے سلام دعا ہو گئی تھی۔ بڑا اچھا آدمی تھا۔
خاصی چوٹ لگ گئی تھی بے چارے کے سر پر لیکن یہ مسئلہ بھی بہت اہم تھا چنانچہ میں نے اسے وہیں چھوڑ
اور گیٹ کی ذیلی کھڑکی کھول دی۔ پھر اس کے بعد واپس اندر آ گئی۔

باقی دروازے کو بھی تھوڑا سا کھلا چھوڑ دیا گیا تھا اور یہیں مجھے اپنا کام سرانجام دینا تھا۔ میں
نگاہوں میں ظفر شاہ کے تن و توش کا بھی اندازہ لگا لیا تھا۔ بہر حال ایک مضبوط جنگ لڑنی تھی اس سے
اس کے لئے اپنے آپ پر بھروسہ کرنا بھی ضروری تھا۔ میں انتظار کرتی رہی۔ پھر مجھے محسوس ہوا کہ ایک
گاڑی نیچے کے گیٹ پر آ کر رکی ہے۔ ظفر شاہ کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ وہ چوکیدار سے گیٹ کھولنے کا
لئے کہہ رہا ہوگا۔ میں انتظار کرتی رہی صورت حال کا میں جائزہ لے رہی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد ظفر
ذیلی کھڑکی سے اندر داخل ہوا تو اسے چوکیدار کے بے ہوش پڑے ہوئے بدن سے ٹھوکر لگی۔

وہ اپنے آپ کو سنبھال کر کئی قدم آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر اس نے پلٹ کر بے ہوش پڑے ہوئے
چوکیدار کو دیکھا۔ چوکیدار کے پاس ٹارچ بھی پڑی ہوئی تھی۔ ظفر شاہ نے وہ ٹارچ اٹھائی اور چوکیدار
روشنی ڈالنے لگا۔ پھر اس نے اس کے زخمی سر کو بھی دیکھ لیا۔ دوسرے لمحے میں نے اسے اپنے لباس
ریوالور نکالتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے ٹارچ بجھا کر وہیں ڈال دی اور پھر مجسم نگاہوں سے چاروں طرف

”کک..... کون..... کون..... کون ہو تم؟“

”جناؤں“ میں نے ریوالور کے ٹرائیگر پر انگلی کا دباؤ بڑھایا جسے ظفر شاہ نے محسوس کر لیا اور ایک چیخنی ہوئی آواز میں بولا۔

”نہیں پلیز نہیں..... مم..... میں دیکھو، مم..... میں.....“ وہ جملہ پورا نہ کر سکا۔

”کھڑے ہو جاؤ۔“

”میری ٹانگوں میں تکلیف ہے، ذرا سی دقت ہو گی مجھے۔“

”لیکن تمہارے سینے میں جو تکلیف ہو گی وہ ٹانگوں کی تکلیف سے زیادہ خوفناک ہو گی۔ چنا تکلیف کو نظر انداز کر کے کھڑے ہو جاؤ۔“

شاید میری آواز میں بہت زیادہ سفاکی تھی۔ ظفر شاہ کو شش کر کے کھڑا ہو گیا۔

”چلو آگے چلو۔“ میں نے ایک طرف اشارہ کیا اور ظفر شاہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے آگے لگا۔ اچھا خاصا لباس پہنا ہوا تھا۔ ڈنر سے واپس آ رہا تھا۔ یقیناً خوش بھی ہو گا اور پیٹ بھرا بھی لیکن اس کا سارا پیٹ خالی کر دیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔ ڈرائنگ روم کے دروازے سے اندر داخل ہو کر میں اسے کوریڈور میں لائی اور منصوبے کے مطابق اس کمرے میں جسے میں نے اور نادبہ نے ٹارچر روم کے طور پر چنا تھا۔ میں اس کمرے کے دروازے کے پاس پہنچا اور ظفر شاہ کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

”مجھے یہ تو بتا دو کہ تم کون ہو اور نادبہ.....“ میں ظفر شاہ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ میں۔

”جو میں کہہ رہی ہوں صرف وہ کرو۔“ پہلی بار اس نے محسوس کیا کہ میں نے اپنے لئے لفظ ”ہوں“ استعمال کیا ہے، ویسے اس کا اندازہ تو اسے پہلے ہی آواز سے ہو چکا ہو گا البتہ شاید وہ میری پہچان نہیں تھا۔ بہر حال وہ اندر داخل ہو گیا۔ میں نے دروازہ بند کر دیا اور روشنی جلا دی۔ تیز روشنی میں شاہ کی آنکھیں ایک لمحے کے لئے بند ہو گئیں۔ اسی وقت نادبہ نے کراہنا شروع کر دیا۔ ظفر شاہ نے چوہ آنکھیں کھول دیں۔ وسیع و عریض کمرے کے ایک گوشے میں ایک دیوان پر نادبہ بندھی ہوئی پڑی اس کے دونوں پاؤں اور دونوں ہاتھ باندھ دیئے گئے تھے اور منہ پر ٹیپ چپکا ہوا تھا لیکن اسے ایک پہچانا جاسکتا تھا۔ ظفر شاہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا پھر اس نے بے اختیار دو قدم آگے بڑھا۔

”بابا صاحب.....“

”کتے کے بچے! رک جاؤ۔ میں چاہتی ہوں کہ وقت سے پہلے تمہاری موت تم تک نہ پہنچے لیکن تم.....“

ایک بار پھر ظفر شاہ کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔ وہ پلٹ کر مجھے دیکھنے لگا۔ میری آنکھوں میں وقت واقعی ایک خونخوار چمک پیدا ہو گئی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں پتول تھے۔ ظفر شاہ کے چہرے پر خوف آثار نمودار ہو گئے۔ اس نے کہا۔

”یہ بابا صاحب.....“

”تمہاری اور تمہارے بابا صاحب کی ایسی کی تھی۔ اپنے ہاتھ اوپر کرلو۔“ میں نے کہا پھر میں نے اپنا ریوالور اپنے لباس میں اڑس لیا، دوسرے کو سیدھا کر کے ظفر شاہ کے قریب پہنچی اور اس کے لباس کی لپٹا شروع کر دی۔

”کوٹ اتارو۔“ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور ظفر شاہ نے کوٹ اتار کر ایک طرف پھینک دیا۔

”قیض۔“

”کک..... کیا مطلب.....؟“

جواب میں نے خالی ہاتھ سے اس کے منہ پر ایک زور دار تھپڑ رسید کیا۔ میرا تھپڑ بھی اتنا معمولی نہیں ظفر شاہ کی آنکھوں میں تارے نہ ناچ گئے ہوتے۔ وہ چکرا گیا تھا۔ میں نے دوسرا تھپڑ اس کی کپٹی پر لیا اور وہ لڑکھڑا گیا۔ اس کا ایک گھٹنا زمین سے ٹک گیا تھا۔

”اٹھو۔“ میں نے اپنا پاؤں سیدھا کر کے پھر اسے ٹھوکر مارنے کی کوشش کی تو وہ جلدی سے اٹھ کھڑا

”پلیز، پلیز.....“

”قیض اور پتلون دونوں اتار دو۔“ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے نادبہ کی طرف دیکھا۔ نادبہ بھی انداز اداکاری کر رہی تھی۔ بہر حال اس نے قیض اتاری اور اس کے بعد پتلون بھی اتار کر ایک طرف دی۔ اب اس کے جسم پر بنیان اور انڈر ویزر رہ گیا تھا۔

”ہوں، ادھر بیٹھ جاؤ۔“ میں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”دیکھو تم، بات کرو، مجھ سے کیا چاہتی ہو یہ بتاؤ اور تم کون ہو؟“ ظفر شاہ خوف زدہ لمبے میں بولا۔

”میرا خیال تھا کہ تم مجھے پہچان چکے ہو گے ظفر شاہ۔“ میں نے کہا۔

”نہیں، میں نے تمہیں نہیں پہچانا لیکن تم، تم.....“ میں نے اپنے چہرے پر سے کپڑا ہٹا دیا اور ظفر شاہ دیکھنے لگا پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر تاریکی سی پھیل گئی۔

”تم۔“ اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

”گلد..... اس کا مطلب ہے کہ تمہاری آنکھوں کی بینائی واپس آ چکی ہے۔“

ظفر شاہ نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہو گیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

”ظفر شاہ، اب جب کہ تم مجھے پہچان چکے ہو تو تمہیں اس بات کا بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں تم سے قی ہوں۔“ ظفر شاہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔

”مجھے لباس پہننے دو، تم نہیں جانتیں کہ میں بابا صاحب کی کتنی عزت کرتا ہوں اور یہ تم نے ان کے لباس کو کیا ہے؟“ میں نے رخ بدلا اور کمرے کے ایک گوشے میں جا کر وہ من چکو نکال لیا جو میں نے یہاں محفوظ کیا ہوا تھا۔ یہ مارشل آرٹس میں ایک خوف ناک ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اپنے ہاتھوں میں لے کر میں ظفر شاہ کے سامنے پہنچ گئی۔ وہ ایک بار پھر بوکھلا گیا تھا۔ اس نے جلدی

سے کہا۔

”مہم..... میرا مطلب یہ تھا کہ.....“ وہ ہکلا کر رہ گیا۔ میں نے نن چکو کو مخصوص انداز گھمایا اور شائیں شائیں کی آواز سے کمرہ گونجنے لگا۔ نادبہ کی آنکھیں میرے ہاتھوں کی جنبش پر جڑ تھیں۔ نن چکو کو اس برق رفتاری سے میں نے گھمایا کہ وہ نگاہوں سے بھی اوجھل ہو گیا۔ میرے ہاتھ سے اسے گھما رہے تھے۔ پھر میں نے ایک غراہٹ کے ساتھ اسے اپنی بغل میں دبایا۔ ظفر شاہ بری سہم گیا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ان لکڑیوں سے اس کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ اس نے پھر گھبراہٹ آواز میں کہا۔

”میرا مطلب یہ تھا، میرا مطلب یہ تھا۔“

”میں تجھے کوئی گالی نہیں دینا چاہتی ظفر شاہ کیونکہ گالی بزدل لوگ دیتے ہیں لیکن یہ بات اپنے میں رکھ لے کہ میں یہاں سے تیری ہڈیوں کو چور چور کر کے تجھے واپس بھیجوں گی۔ تجھے قتل نہیں کرنا کیونکہ مجھے انسانوں کی زندگی لینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یقیناً تجھے اس بات کا پتا چل گیا ہو گا کہ میرے ہوں، اگر تجھے اور بھی بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہوں تو تجھے اس بات کا بھی علم ہو گیا ہو گا کہ میں اپنے باپ اور بہنوں کی تلاش میں ہوں اور اس وقت میں دنیا میں ہر اس شخص کو قتل کر سکتی ہوں جو میرے باپ کا کسی بھی شکل میں دشمن ہو۔ ظفر شاہ تو میرے سوالات کا جواب دے، ورنہ.....“

میں نے گھوم کر ایک لکڑی اس کے بازو پر رسید کی اور ظفر شاہ اسی سائڈ سے زمین پر گر پڑا۔ اپنے بازو کو دبائے ہوئے زمین پر لوٹ رہا تھا۔ میں نے نن چکو گھما کر اس کے دوسرے بازو پر چوٹ لگا اس نے کروت بدل لی۔ میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

”یہ ضرب نہ ہونے کے برابر ہے۔ جب میں ان مخصوص لکڑیوں سے تیرے جسم کے مختلف پر ضربیں لگاؤں گی تو تو یقین کر جہاں بھی چوٹ پڑے گی وہاں کی ہڈی ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور دنیا کا ڈاکٹر اس ہڈی کو دوبارہ نہیں جوڑ سکے گا۔ اگر تو اپنی زندگی بھر کی معذوری سے چپتا چاہتا ہے تو پھر اس لئے پہلے سے سوچ لے۔“

”خدا کے لئے، خدا کے لئے۔“ ظفر شاہ زمین پر کھسکا ہوا بولا۔

”اٹھ۔ ان چوٹوں کو بھول کر اٹھ، ورنہ دوسری چوٹوں کی اذیت تجھے ان چوٹوں کو بھولنے پر مجبور دے گی۔“ ظفر شاہ حیرت انگیز پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”بیٹھ جا۔“ میں نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے انتہائی سفاک لہجے میں کہا۔ نادبہ بھی عجیب سے ہوئے انداز میں مجھے دیکھ رہی تھی اس وقت میری جو کیفیت ہو رہی تھی، یقیناً طور پر وہ ایک خونخوار سے کم نہیں تھی۔ ظفر شاہ کے حوصلے اب پست ہو گئے تھے۔ میں نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

”ہاں ظفر شاہ، پہلا سوال یہ ہے کہ میرے بارے میں تو کیا جانتا ہے؟“

”کچھ نہیں، اس کے سوا کہ تمہارا نام شاہ نور ہے۔“

”میرے لئے جو کچھ بھی تو نے کیا ہے اب تک کس کے اشارے پر کیا ہے؟“

”الماس آراء بیگم کے اشارے پر۔“

”الماس آراء بیگم سے تیرا کیا تعلق ہے؟“

”وہ برابر بھی نہیں، میں تو انہیں جانتا بھی نہیں تھا۔“

”تو پھر انہوں نے تجھے کیسے طلب کر لیا؟“ ظفر شاہ نے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر بولا۔

”عزت جلال کو جانتی ہو؟“

میرے ذہن میں ایک دھماکا سا ہوا۔ عزت جلال، الماس آراء بیگم کا بھائی تھا۔ ان تینوں بھائیوں میں ایک جو سیاست دان تھے اور بہت بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ میں نے صرف معلومات کرنے کے لئے ”عزت جلال، خاور جلال اور عظمت جلال کا بھائی؟“

”ہاں۔“

”تیری الماس آراء بیگم سے براہ راست گفتگو ہوئی تھی؟“

”ہاں، عزت جلال نے مجھے وہاں بھیجا تھا اور کہا تھا کہ الماس آراء بیگم کچھ کام میرے سپرد کرنا چاہتی ہیں۔ میرا مستقل اور بہترین معاوضہ ہو گا۔ ویسے بھی میں ان تینوں بھائیوں کے لئے مختلف قسم کے کام کرتا ہوں۔“

”مجھے یہ بتاؤ بابا بخت مراد، میری ماں اور بہنوں کو کس نے اغوا کیا تھا؟“

”تم یقین کرو کہ مجھے صرف ان کا پتا لگا کر اس کے بارے میں الماس آراء بیگم کو اطلاع دینی تھی۔ کے بعد میرا کوئی کام نہیں رہ جاتا۔ اصل میں، میں اس طرح کے کام نہیں کرتا۔“

”اس میں کوئی شک نہیں تم بہت شریف آدمی ہو لیکن حرام زادے یہ بات شرافت سے مجھے بتا دو کہ لوگوں کو کہاں رکھا گیا ہے۔ اگر تم نے نہیں بتایا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ میں نے دانت ہونے کہا اور دوبارہ نن چکو سیدھا کر لیا۔

ظفر شاہ کے اندر ہمت نہیں تھی کہ وہ میرے ہاتھ سے مار کھا سکے چنانچہ اس نے دونوں ہاتھ جوڑے۔

”جس طرح چاہو یقین کر لو اگر تمہیں اس بات کا علم ہو جائے کہ مجھے اس بارے میں معلوم ہے تو میں بھی مجھے تلاش کر کے ختم کر دینا۔ میرا جتنا کام تھا میں نے اتنا ہی کیا۔“

”ہوں تو تم عزت جلال کے لئے کام کرتے ہو؟“

”تم نہیں جانتیں ہم تو ہر اس شخص کے لئے کام کرتے ہیں جو ہمیں معاوضہ دیتا ہے اور پھر عزت مانجیے لوگ ہماری رکھوالی کرتے ہیں، پولیس ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ ایسے حالات کم ہی پیدا ہوتے جیسے اس وقت ہوئے۔“

”ٹھیک ہے عزت جلال کے بارے میں مجھے مزید تفصیلات بتاؤ۔“

”شہر میں جس سے بھی اس کے بارے میں معلومات حاصل کرو گی وہ تمہیں اس کے بارے میں بات بتا دے گا۔ تم یقین کرو اگر تم مجھے مارو گی تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ اس سے زیادہ مجھے

انہ ہو جائے۔ جسمانی طور پر تندرست ہونا الگ بات ہے مگر تم تو میرا خیال ہے مارشل آرٹ میں بلیک ہو۔“ میں ہنس دی۔ ہم دونوں اندر پہنچ گئے۔ نادبہ نے کہا۔ ”یار اب ایک ایک کپ کافی ہو جائے۔ ورزش ہو چکی ہے۔“

تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں کافی کی پیالیاں سامنے رکھے بیٹھے تھے۔ میں پُر خیال نگاہوں سے نادبہ کو دیکھ رہی تھی پھر میں نے کہا۔ ”باقی تو ساری کہانی میرے علم میں ہے۔ میرے جانے کے بعد کیا ہوا؟“

”اس نے بڑے مضطربانہ انداز میں میرے ہاتھ پاؤں کھولے، منہ سے ٹیپ ہٹایا۔ مجھے تھوڑی دیر تک کاری کرنی پڑی پھر میں نے اسے تھوڑی سی تفصیل اور بتا دی کہ تم نے بہت دیر سے مجھے یہ غمال بنا تھا اور پستول کے زور پر تم نے مجھے مجبور کیا کہ میں اسے یہاں بلاؤں۔ باقی سارا کھیل اس کے بعد کئے لگا کہ الماس بیگم نے خود ہی طاقت کو ختم دیا ہے اور یہ طاقت انہیں ضرور منگنی پڑے گی۔“

”خیر۔“ میں نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ”اب مجھے بتائیے کہ تمام صورت حال آپ کے علم کی آچلی ہے، الماس آراء بیگم نے چونکہ مجھے ایک ماں کی طرح پروان چڑھایا ہے بے شک میرے اور لے درمیان نفرت کی وہ مضبوط دیواریں ہیں لیکن میں نہیں جانتی کہ مجھے ان پر تشدد کرنے کا کوئی موقع تو میں ایسا کر پاؤں گی کہ نہیں جب کہ اس کے برعکس میں عزت جلال کو با آسانی زبان کھولنے پر مجبور تی ہوں۔ ویسے بھی مجھے اس شخص سے بے پناہ نفرت ہے۔ ابھی تو میں بہت سے ایسے کام کرنا چاہتی تھی۔“

”میرا مشورہ مانگ رہی ہو یا پھر صرف مجھ سے ان حالات کا تذکرہ کر رہی ہو؟“ نادبہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”نہیں، تم اسے مشورہ ہی سمجھو، بلکہ میں تم سے ایک درخواست ہی کروں گی کہ مجھے گائیڈ کرو۔“

”شاہ نور! اب تک تمہارے ابو کے ساتھ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تھا۔ وہ تو بات ہی ختم سمجھو۔ خدوند میں زندگی سے نوازے اور وہ ان کی حفاظت کرے۔ تم نے جس جدوجہد کا آغاز کیا ہے اس میں یقیناً رضا بھی شامل ہوگی۔ جہاں تک ماں اور بہنوں کا تعلق ہے تو رکھوالا تو ایک ہی ہے، جو کچھ تقدیر میں ضرور ہو گا اسے نہ تم روک سکتی ہو اور نہ کوئی اور۔ میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ خود کشی کرنے کی بات نہ کرنا۔ میرا مطلب ہے اگر تم براہ راست عزت جلال پر چڑھ دوڑتی ہو تو یہ بات تم بھی جانتی ہو خاندان کتنا بااثر اور خطرناک ہے۔ اس تک پہنچنا اتنا آسان نہیں ہے۔ جلد بازی میں کوئی بھی ایسا قدم نہ لے جو تمہاری تمام تر جدوجہد کو ختم کر کے تمہیں ان کے چنگل میں پھنسا دے۔ وہ تمہارے ساتھ ثابت نہیں کرے گا۔ ایسی شکل میں کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں، ٹھنڈا کر کے کھاؤ، فائدے لگائی۔ جو کام کرو ٹھوس پیمانے پر کرو، جلد بازی میں نقصان اٹھا جاؤ گی۔“

نادبہ کا ایک ایک لفظ درست تھا۔ میں نے کہا۔ ”ہاں میں جانتی ہوں کہ سب کچھ درست ہے۔ عزت کا پہنچنا ایک مشکل کام ہے لیکن بہر حال اب ایک بات ذرا سی اور سوچنی ہے، ظفر شاہ کا رد عمل کیا

کچھ بھی نہیں معلوم ہے اس بارے میں۔“

میں سوچتی رہی۔ بہر حال عزت جلال کا نام میرے لئے اہمیت کا حامل تھا اور اب بگ شو کی بارہا ذہن میں آ رہی تھی۔ اس نے یہی کہا تھا کہ جن لوگوں نے اسے اس کام پر آمادہ کیا ہے ان کا نام اگر دیا جائے تو میں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکوں گی۔ ٹھیک ہی کہا تھا بگ شو نے۔ الماس آراء کے بڑا بڑی حیثیتوں کے حامل تھے۔ گویا یہ سارا محور وہی تھا اور مجھے جو کچھ کرنا تھا، انہی لوگوں کے خلاف کر رہا تھا اب اس سلسلے میں کچھ اور سوچنا تھا۔ ظفر شاہ کو مکمل طور پر دھوکہ دینے کے لئے میں نے ہلاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے ظفر شاہ میں چلتی ہوں، لیکن اگر تم نے اس وقت کی بات یا اس وقت کی کہانی کسی تو اس بار میں تمہیں تلاش کر کے تم سے معلومات نہیں حاصل کروں گی بلکہ تمہیں موقع پر ہی ہلاک کر دوں گی۔“

”میرا دماغ خراب ہوا ہے کہ میں یہ ساری باتیں کسی کو بتاتا پھروں؟“

”اب تم ان خاتون کو کھول دینا، اور آپس میں تمہارا جو دل چاہے طے کر لیا لیکن خبردار میرے ڈوڑنے کی کوشش مت کرنا۔“ میں نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ میں نے کمرہ باہر سے بند نہ کیا تھا البتہ کوریڈور میں دوڑتی ہوئی میں ایک ایسی جگہ پہنچ گئی جو میں نے چھپنے کے لئے منتخب کی تھی۔ پہنچنے کے بعد میں پُر سکون انداز میں بیٹھ کر سوچ میں ڈوب گئی۔ الماس آراء، عزت جلال، ویسے یہ ہے کہ ابھی تک میرا ذہن پوری طرح ان لوگوں کی جانب نہیں گیا تھا۔ اب مجھے صحیح معنوں میں منصوبہ کرنی تھی۔ کھلی کھڑکی سے میں نے کافی دیر کے بعد ظفر شاہ کو جاتے ہوئے دیکھا۔ نادبہ اسے چھوڑ رہی تھی۔ چوکیدار بابا ہوش میں آگیا تھا پانچپہ انہوں نے اسے سنبھال کر اٹھایا اور پھر نادبہ نے چوکیدار سے کہیں۔ ظفر شاہ چلا گیا تو میں بھی باہر نکل آئی۔ نادبہ نے کہا۔

”بابا جی، گیسٹ کو تالا لگا دو اور اندر آکر آرام سے لیٹ جاؤ۔“

”نہیں بابا صاحب۔ ابھی ہم ٹھیک ہے۔ خدا کی قسم وہ چور کا پتہ پیچھے سے آکر حملہ کیا۔ ابھی سے ہمارے سامنے آتا تو ہم اس کو بتاتا کہ ہم کیا ہے۔ ابھی میرے کو یہ بتاؤ اندر کوئی چوری دوری تو ہوا؟ کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟“

”نہیں بابا صاحب، سب ٹھیک ہے۔“ نادبہ نے کہا۔

”خدا کا شکر ہے اور ہم سے بہت غلطی ہوا بابا صاحب، ہم اس کے لئے تم سے معافی مانگتا ہے۔“

”نہیں بابا، سب ٹھیک ہے۔ میں تو کہہ رہی تھی آپ آرام کرلو۔“

”نہیں، ہم ڈیوٹی دے گا اور آپ سے وعدہ کرتا ہے کہ اس کے بعد ایسا نہیں ہوگا۔ ہم شرم ہے۔“ نادبہ چوکیدار کو سمجھا بھرا کر میرے ساتھ وہاں سے واپس چل پڑی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”خدا کی قسم دل مچل رہا ہے تمہیں مبارک باد دینے کے لئے، غضب ڈھادیا تھا تم نے تو۔ میں تو بات پر خوف زدہ تھی کہ ظفر شاہ بہر حال ایک پیشہ ور ہے اور پھر اس کے پاس ریوالور بھی تھا۔ وہ کہیں

بد جب گھر سے باہر نکل آئی تو اس کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ ہاں کبھی کبھی نگاہوں میں وہ معصوم سا بھرتا تھا جو ایک بزدل نوجوان کا چہرہ تھا۔ اچھا لگا تھا وہ مجھے اور کئی بار میں نے اس کے بارے میں سوچا اپنے آپ پر ہنسی بھی تھی لیکن اب صورت حال ذرا دوسری تھی چنانچہ باقاعدہ منصوبہ بندی کی اور سلسلے میں کوئی ہتھکنڈا کرنے لگی۔ بہت ساری باتیں دل و دماغ میں تھیں اور میں بڑی دلچسپی سے ان پر کر رہی تھی۔ آخر کار تھوڑا سا حلیہ تبدیل کیا۔ کچھ اخبارات نگاہوں کے سامنے تھے۔ برقعہ بہترین رہا چنانچہ ایک انتہائی فیشن ایبل برقعہ حاصل کر کے میں ایک اخبار کے دفتر چل پڑی۔ یہاں پہنچنے کے میں نے کسی ذمہ دار شخصیت سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ ایک چپراسی نما شخص نے مجھے ایڈیٹر صاحب پاس پہنچا دیا۔ رواجی قسم کے ایڈیٹر تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں اپنی آپ بیتی شائع کرانا چاہتی ہوں۔ مظلومیت مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں ان لوگوں کی نقاب کشائی کروں جو میری بربادی کا باعث بنے۔ ایڈیٹر صاحب خاصے اچھے ہوئے آدمی تھے لیکن انہی کے ہاں ایک شخص مجھے نظر آگیا۔ بڑی اچھی بات کا مالک تھا۔ اس نے غالباً میری یہ باتیں سن لی تھیں۔ ایڈیٹر صاحب نے مجھ سے معذرت کرتے نہ کہا۔

”بی بی، ہم لوگ سچی آپ بیتی نہیں چھاپتے۔ آپ ہمارے اخبار کو دیکھ لو اگر اس میں کبھی ایک بھی آپ بیتی شائع ہوئی ہو تو ہم سے بات کرو، ہم منع نہیں کریں گے تمہیں۔“

”لیکن جناب.....“

”نہیں بی بی۔ اس سلسلے میں‘ میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔“ ایڈیٹر صاحب نے کہا۔ میں تھوڑی تک سوچتی رہی۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ میں نے اس سلسلے میں غلط طریقہ کار اختیار کیا۔ شاید اتنی آسانی سے میں اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکوں، کچھ اور سوچنا پڑے گا۔

بہر حال میں واپس پٹی تو میں نے بھرے بھرے بدن والے خوب صورت سے نوجوان کو دیکھا جو ایک اسی شخصیت کا مالک نظر آ رہا تھا۔ اچھا لباس پہنا ہوا تھا لیکن قیض کے بن کٹے ہوئے تھے۔ کار بھی رہا ہوا تھا، شیوہ بڑھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بے حد خوب صورت تھیں۔ وہ عقب میں کھڑا ہوا تھا، مجھے کردہ ایک لمحے کو پیچھے ہٹ گیا اور میں کمرے سے باہر نکل آئی۔ پھر دفتر سے باہر نکلی تھی کہ وہ اچانک سے میرے پاس پہنچ گیا۔

”محترمہ میرا نام حاکم شیرازی ہے۔“ وہ بولا۔

”جی فرمائیے کون ہیں آپ؟“ میں نے اپنی آواز کو قدرے غمگین بناتے ہوئے کہا۔

”میں نے اپنا نام آپ کو حاکم شیرازی بتایا تھا لیکن فطری طور پر میں ذرا محکوم قسم کا آدمی ہوں۔ وہ نے جو آپ ہوٹل دیکھ رہی ہیں نا، بڑا اچھا اور پرسکون ہوٹل ہے۔ فائو لوگ وہاں نہیں آتے لیکن آپ اس میں چائے پی لیں تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ کتنی ہی دور ہوں گی آپ چائے پینے کے لئے بیس آئیں۔“ میں نے سنجیدگی سے اسے دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

”میں سمجھی نہیں۔“

”نہیں، ظفر شاہ کا رد عمل کچھ نہیں ہوگا۔ میرے اور اس کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اس صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شرمندہ ہے کہ اس کی وجہ سے مجھے پریشانیوں کا شکار ہونا پڑا یعنی وہ یہ بات ہے کہ تم نے صرف اسے قابو میں کرنے کے لئے مجھے چارہ بنایا۔“

”میرا خیال ہے احتیاطاً مجھے کچھ وقت کے لئے یہاں سے چلے جانا چاہئے۔“

”ارے نہیں۔ اب ایسا بھی کیا! اتنی بڑی کوٹھی میں تمہارے لئے کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی کہ تم چھپ سکو۔“ میں تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبی رہی اور پھر میں نے پُر خیال انداز میں گردن ہلاتے کہا۔

”اصل میں ناویہ، یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ الماس بیگم کی پشت پناہی اس کا بھائی عزت بولا رہا ہے، میرے دل میں یہ شدید خواہش پیدا ہو گئی ہے کہ میں عزت جلال کے گرد جال تیار کروں اور کی مصروفیات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ یہ جانتا میرے لئے بے حد مفید ہے کہ وہ کس طرح سے میرے قابو میں آسکتا ہے۔ اور اس کے لئے میں اپنی اس پناہ گاہ کو نقصان پہنچانا چاہتی۔“

”مطلب؟“

”ویسے تو میں سلطان شاہ کے پاس بھی جاسکتی ہوں وہ شریف انسان میری بھرپور مدد کرے گا۔ کو میں خیر کسی بھی طور نہیں چھوڑ سکتی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دوسرے قسم کا انسان ہے لیکن میرا ایک ایسی جگہ موجود ہے جہاں سے میں اپنی یہ کارروائی کر سکتی ہوں۔ تھوڑا سا حلیہ بھی بدلنا پڑے گا۔ یہ میرے لئے بے حد ضروری ہے۔“

☆=====☆=====☆

دوسرے دن صبح ہونے سے پہلے اپنی جگہ سے باہر نکل آئی۔ وہ ہوٹل صبح معنوں میں میرا نعمت کدہ تھا جسے میں نے اب بھی اپنا ٹھکانا بنا رکھا تھا اور ابھی تک کوئی صورت حال ایسی پیش نہیں آئی جس کی وجہ سے مجھے شبہ ہو کہ ہوٹل اب میرے لئے بے کار ہو چکا ہے۔ اصل میں وہ ہوٹل اس رات کے پچھلے واقعات میں تھوڑی سی گڑبڑ ہونے کے باوجود میں اب بھی اسے اپنے لئے محفوظ سمجھتی بہر حال صبح ہی صبح ہوٹل پہنچ گئی تھی۔ صبح کا ناشتا میں نے وہیں کیا تھا۔ میری رقم بھی محفوظ تھی لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس رقم کو واپس ناویہ کے پاس پہنچا دوں۔ رقم کا اب کوئی مسئلہ نہیں رہا تھا کے بارہ بجے تک میں اپنے ہوٹل میں پڑی یہ سوچتی رہی کہ عزت جلال تک پہنچنے کے لئے مجھے اچھا ہے۔ بہت ذہن دوڑایا تھا اور اس کے بعد یہ خیال آیا تھا کہ کسی صحافی سے دوستی کی جائے، مثلاً ضرور ہو جائے گا لیکن مستحکم ہوگا۔ صحافی بڑی پیچ رکھتے ہیں اور سیاست دانوں تک پہنچنا ان کے لئے مشکل کام نہیں ہوگا۔ جس طرح بھی بن پڑے ایسی کوئی کوشش کرنی چاہئے۔

زندگی میں، میں نے حسن و عشق کا کوئی کھیل نہیں کھیلا تھا، کبھی کبھی دل پر کچھ سائے پڑے لیکن زندگی کا پہلا دور جو تھا وہ مختلف قسم کا تھا۔ غرور میں ڈوبا ہوا کسی کو خاطر میں نہ لانے والا دور اور

”سیدھی سی بات ہے۔ آئیے وہاں بیٹھ کر ایک ایک پیالی چائے پی لیں۔“

”لیکن میری آپ کی کوئی شاسانی نہیں ہے۔ آپ مجھے چائے کیوں پلانا چاہتے ہیں؟“

”دیکھئے، سچی بات یہ ہے کہ انسان بڑا خود غرض واقع ہوا ہے۔ آپ کے اندر ایک ایسی شخصیت جو فوری طور پر متاثر کرتی ہے۔ ویسے میرا نام شاید آپ نے اخبارات میں پڑھا ہو۔ کالم بھی لکھتا ہوں۔“

میرا ذہن ایک دم سے روشن ہو گیا۔ اگر یہ صحافی ہے تو میرے مقصد میں کام بھی آسکتا ہے۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

”چلئے حاکم صاحب، حاکم کی بات ماننا تو ویسے بھی محکوم کا فرض ہے۔“

”اللہ نہ کرے کہ آپ کسی کی محکوم ہوں۔ میری بات ادھوری رہ گئی تھی۔“ اس نے سڑک کا ہر

طے کرتے ہوئے کہا۔

”کیا؟“

”میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ کچھ چہرے اور شخصیتیں خود اپنی آواز ہوتی ہیں۔ انسان کو کچھ

ہیں چنانچہ یہ سمجھ لیجئے ایڈیٹر صاحب کے کمرے سے میں کھنچا ہوا چلا آیا اور شکر ہے کہ آپ کسی گاڑی

بیٹھ کر چلی نہیں گئیں ورنہ مجھے بڑا افسوس ہوتا کیونکہ پھر آپ سے ملاقات ذرا ناممکن ہی ہو جاتی۔“

پہنچنے کے بعد ایک میز کے گرد بیٹھتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔

”آپ مجھ سے کیوں ملاقات کرنا چاہتے تھے، حاکم صاحب؟“

”ارے..... ارے..... رے..... رے..... رے۔ یہ اصل میں لفظ حاکم جو ہے

ٹھیک ہے یہ نام میرے والدین نے رکھا تھا اور اس میں بھی ان کی ایک خواہش پوشیدہ تھی۔ لوگ سو

چیں کہ صرف نام رکھنے سے باقی سب کام ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی دانست میں مجھے حاکم بنا دیا تھا

بھائی محکوم آسانی سے بنا جا سکتا ہے لیکن حاکم نہیں۔ بہر حال آپ اگر مجھے شیرازی کہیں تو زیادہ اچھا

گا۔“ اس نے ویٹر کو چائے لانے کے لئے کہا پھر میری طرف رخ کر کے کہا۔

”آپ کی وہ سچی آپ بیتی شائع ہوگی۔ اس اخبار میں نہیں، کسی اور اخبار میں۔ میں ایسے بہت

اخبارات میں رابطے رکھتا ہوں جو آپ بیتیاں بھی شائع کرتے ہیں۔“

”شیرازی صاحب آپ سے مکمل تعارف چاہتی ہوں۔“

”واہ، واہ گویا میری لائری نکل آئی۔ بی بی صحافی ہوں، ماں ہے، دو چھوٹی بہنیں ہیں اور میں ہوا

زندگی بری نہیں ہے، بہنیں سکول میں پڑھ رہی ہیں، ماں اللہ کے فضل سے تندرست ہے، کوئی غم ناک

نہیں ہے میری زندگی میں، ماں اکثر کہتی ہے کہ بیٹا شادی کر لے، کرنا تو شادی میں بھی چاہتا ہوں لیکن

نازک، لچکتی، مل کھاتی، مقلتی لڑکیاں مجھے پسند نہیں۔ آپ اچھی لگی ہیں معافی چاہتا ہوں برا مت مانے

میری بات کا۔ تھوڑا سا حسن پرست ہوں اور میرا ایک مزاج ہے۔ آپ یقین کیجئے آپ سے باتیں کرنے

علاوہ آپ کی انگلی کے ناخن کو چھونے کی بھی ہمت بھی نہیں کروں گا۔ کوئی ایسی بات بھی نہیں کروں

سے آپ کی دل آزاری ہو۔ اگر شادی شدہ ہیں تو آپ کے شوہر کو بہنوئی بالکل نہیں کھوں گا۔ البتہ ان

دست ضرور بنا سکتا ہوں۔ آپ کو اس کے بعد بھی پسند کرتا رہوں گا۔ اب دیکھئے نا انسان طلب سے بے

ہو تو کسی کو پسند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر آپ غیر شادی شدہ ہیں تو پھر آپ سے کھوں گا کہ

میرے بارے میں سوچئے اگر آپ کسی اور کو نہیں چاہتیں تو۔“

کچھ عجیب سا لہجہ تھا، عجیب سا انداز اور عجیب سا الفاظ، اپنی الجھنوں کا شکار ہونے کے باوجود مجھے بڑی

ری ہنسی آگئی تھی۔ مجھے ہنسنے دیکھ کر وہ جلدی سے بولا۔

”خدا کا شکر ہے بات کسی شکل میں بگڑی نہیں۔“

”شیرازی صاحب!“

”خالی شیرازی بھی کہہ سکتی ہیں، صاحب کہہ کر عزت دی ہے، بہت شکریہ۔“

”ذرا مجھے بتائیے تو سہی میں کیسی ہوں؟“ میں نے سوال کیا تو وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

”س..... سمجھا نہیں۔“

”کیا میں خوب صورت ہوں؟“

”بخدا ہیں، شاعری نہیں آتی ورنہ شاعری شروع کر دیتا۔ نثر میں تعریف کر سکتا ہوں۔“

”دیکھئے۔“

”آپ کے بال گہرے سیاہ محض، لمبے اور دلکش ہیں۔ یقینی طور پر آپ کسی شیمپو بنانے والی کمپنی کے

لے بہترین ماڈل بن سکتی ہیں۔ آپ کی پیشانی کشادہ، چہرہ بیضی، آنکھیں انتہائی روشن اور اگر میرا تجربہ غلط

میں ہے تو دو کیفیات کی حامل، نمبر ایک یہ کہ آپ مستقل مزاج ہیں، آپ کی آنکھوں میں جھیل جیسی گہرائی

ہے حالانکہ میں آج تک کسی جھیل میں نہیں اترا ہوں۔ پانی سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ دوسری بات یہ شاید

آپ سے میں یہ کہہ چکا ہوں کہ آپ مستقل مزاج اور تھوڑی سی سخت گیر طبیعت کی مالک ہیں لیکن آپ کی

آنکھوں کی دلکشی اپنی مثال آپ ہے۔ ناک ستواں اور خوب صورتی کی حامل، ہونٹوں کو گلاب کیوں کہا جاتا

ہے شاید رنگ کی بنا پر، تراش تو ذرا مختلف ہوتی ہے لیکن بہر حال یہی جملہ استعمال میں ہے۔ اسی لئے یہی

کہہ دیتے ہیں اور یہ تھوڑی جو ہے نا آپ کی یہ بڑی خوب صورت ہے۔ باقی ماشاء اللہ اچھی جسامت کی

مالک ایک تندرست و توانا لڑکی نظر آتی ہیں۔ آپ کی آواز نرم اور دلکش ہے اور آپ کو دیکھ کر آسانی سے

حواس کھوئے جاسکتے ہیں۔“

”آپ مجھ سے متاثر ہوئے ہیں شیرازی صاحب؟“

”جج جی ہاں۔“ شیرازی نے کہا۔

”اچھا تو اب آپ ایک بات بتائیے۔ اگر میں آپ کی جانب رغبت کا اظہار کروں تو آپ میرے کسی

کلام آسکتے ہیں؟“

”جی آپ بیتی شائع کر سکتا ہوں آپ کی۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”نہیں شیرازی صاحب، درحقیقت اخبار میں یعنی دفتر جانے کا مقصد میرا اپنی سچی آپ بیتی شائع کرنا

بالکل نہیں تھا بلکہ میں کسی ایسے چکر میں نکل چکی تھی جس سے مجھے اخبار کا ایک کارڈ مل جائے۔ میں سمجھتی تھی کہ ”جی!“ وہ تعجب سے بولا۔

”جی شیرازی صاحب۔ بڑی آرزو ہے میری ایک اخباری رپورٹر کی حیثیت سے کام کروں، بڑے لوگوں سے انٹرویو کروں۔ مجھے ان کے قریب جانے کا موقع مل جائے، بہت ہی خواہش مند ہوں ام بات کی۔“

”لیکن آپ تو ایڈیٹر صاحب سے کہہ رہی تھیں.....“

”اصل میں کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا مجھے۔ آپ بیتی کے چکر میں ایڈیٹر صاحب سے راہ و رسم پڑھا چاہتی تھی۔“

”لیکن آپ اس قدر جذباتی کیوں ہیں اس سلسلے میں؟“

”بس میرا شوق۔“

”آپ کے والدین کی طرف سے آپ کو اجازت ہے؟“

”بالکل۔“

”کہاں رہتی ہیں؟“ اس نے سوال کیا۔

”یہ ابھی آپ کو نہیں بتاؤں گی۔ میرے کچھ ایسے ہی معاملات ہیں۔“

”ٹیسٹھی کھیر ہے۔ اچھا ایک بات بتائیے آپ میرے گھر چلیں گی؟“

”کیوں؟“

”جہاں کوئی تو ایسی جگہ ہوگی جہاں ہم ملاقات کریں گے۔ میرا مطلب ہے کک، کہ.....“

”ہاں، ہاں، بالکل۔ آپ مجھے اپنا گھر دکھا دیجئے۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ میرے لئے کوئی ایسا کام کریں؟“

”وہ تو سمجھ لیجئے کہ ہو گیا۔“

”وہ کیسے؟“

”چھوٹے چھوٹے اخبارات نکلتے رہتے ہیں۔ میرے دوست اور شناسا بہت ہیں، آپ کے لئے کار حاصل کر لوں گا۔“

”اور مجھے رپورٹنگ کرنے کے لئے بھی لے جاسکتے ہیں آپ؟“

”ہاں، بشرطیکہ آپ کے اندر اتنی صلاحیت ہو۔“

”یہ صلاحیت زیادہ تو نہیں ہے میرے اندر لیکن اخبارات میں کچھ حد تک لکھ بھی سکتی ہوں، دیے آپ اگر چاہیں تو میرے استاد بھی بن سکتے ہیں۔“

”نہیں، اس کے بعد آپ میرا احترام بھی کرنا شروع کر دیں گی استاد جی کہیں گی تو میرا بیوا غرہ ہو جائے گا۔“ وہ بولا اور میں پھر ہنس پڑی۔

شیرازی مجھے بہت اچھا لگا تھا۔ چھوٹے چھوٹے سارے کام اس نے کرا دیے۔ مجھے اخبار کا کارڈ حاصل دیا۔ میں نے اس کا گھر دیکھ لیا۔ اس کی ماں اور بہنوں سے بھی مل لی۔ بہت اچھے اور مزے کے لوگ لیکن میں نے ابھی تک اپنی رام کہانی اسے نہیں سنائی تھی۔ پھر دو تین بار اس کے ساتھ مختلف جلسوں رپورٹنگ کے لئے بھی گئی۔ یہ رپورٹ اخبار میں شائع بھی ہوئی میرے نام سے اور مجھے بڑی خوشی بھی ملی۔ ادھر میں خفیہ طور پر نادیا کے ہاں بھی آ جا رہی تھی۔ معاملات تو ایک طرح سے بالکل مدھم ہو گئے تھے۔ نادیا کو میں نے بتا دیا تھا کہ میں کیا کوشش کر رہی ہوں۔ بہر حال اس کے بعد میں نے اپنی منزل کی پہلا قدم بڑھایا۔

مجھے اخبارات ہی سے پتا چلا تھا کہ خاور جلال نے آئندہ ایکشن میں حصہ لینے کے لئے تیاریاں شروع کر دی ہیں اور اس سلسلے میں وہ اپنے خیالوں کا اظہار پریس کانفرنس میں کرنا چاہتا ہے۔ یہ پریس کانفرنس اس نے ایک مقامی ہوٹل میں بلائی تھی۔ حالانکہ میرا ٹارگٹ عزت جلال تھا لیکن اب میرا ذہن بھی خاصی برق فوری سے کام کر رہا تھا۔ سارے معاملات چھوڑ کر میں ان لوگوں کے چکر میں پڑ گئی تھی۔ حالانکہ بگ شو، طاق شاہ، اور خود نادیا ہر طرح سے میری مدد کرنے کی لئے تیار تھے لیکن اب زندگی کا سنہری اصول میرے اُم میں آچکا تھا کہ اگر کچھ کرنا ہے تو خود کرو دوسروں پر بھروسہ کرنے والے کبھی منزل تک نہیں پہنچ پاتے۔

میں نے اپنی منزل خود ہی تلاش کرنی ہے۔ خود ہی اس کی جانب قدم بڑھانے ہیں۔ یہی کامیابی کا راستہ ہے ورنہ نئی پٹھنیں رہوں گی۔ شیرازی درحقیقت ایک اچھا سا بھائی بن چکا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ مجھ میں ایسی دلچسپی لے رہا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق تھا تو یہ سچی بات ہے کہ ایسے احساسات میرے اندر تھے ہی ہیں۔ اگر ہوتے بھی تو ان حالات میں ان پر توجہ نہ دیتی۔ چنانچہ میں نے شیرازی کو کبھی پذیرائی نہیں کی تھی لیکن ہاں اس سے دوستی ضرور رکھی تھی۔ اس کی والدہ اور بہنوں کے لئے لاتعداد تحفے خریدتے تھے میں نے۔ وہ لوگ بھی پریشان ہو گئے تھے میری ان عنایتوں سے۔ شیرازی البتہ مختلف قسم کا انسان تھا۔ ایسے ہی ایک بار میں اس کے گھر کھانا کھا رہی تھی کہ اس کی ماں نے اسے بتایا کہ میں ان پر بڑا خرچ کر رہی ہوں۔ شیرازی کہنے لگا۔

”کمال کرتی ہیں اماں، وہ جو کہتے ہیں نا خدا جب دیتا ہے چھپڑ بھاڑ کر دیتا ہے۔ یہ اپنے آپ کو ہم سے چھپائے ہوئے ہیں۔ کسی اچھے خاصے بڑے گھرانے سے ان کا تعلق ہے۔ ایڈووکیٹ کر رہی ہیں۔ تھوڑے دن کے بعد پتا چلے گا کہ کسی کروڑ پتی باپ کی بیٹی ہیں جب تک یہ دے رہی ہیں آپ لیتی رہئے۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔ دنیا کا یہی طریقہ کار ہے۔ کیوں خواہ مخواہ اقدار کے چکر میں پڑ کر نقصان کر رہی ہیں؟“

ماں تو شیرازی کو برا بھلا کہتی رہی لیکن میں ہنس کر خاموش ہو گئی تھی۔ بہر حال کچھ بھی تھا شیرازی اچھا آدمی تھا اور اس وقت بھی میں نے شیرازی کے گھر کا رخ کیا تھا۔ شیرازی مجھے گھر پر مل گیا اور اگر وہ گھر پر نہ بھی ہوتا تھا تو کم از کم مجھے وہاں سے پتا چل جاتا تھا کہ وہ کہاں ہے اور اس سے ملاقات اتنی مشکل نہیں ہوا کرتی تھی۔ میں نے شیرازی سے کہا۔

”کہیں جا رہے ہیں مسٹر شیرازی؟“

”ہاں۔ کئے۔“

”وہ اخبار میں ایک میٹنگ کا تذکرہ ہے، خاور جلال۔“

”ہاں ہاں، بالکل۔“

”گورننگ کریں گے آپ اس کی؟“

”بالکل کرنی ہے، کیوں؟“

”میں بھی چلوں گی۔“

”بالکل چلئے، بھلا یہ بھی کوئی کسے کی بات ہے۔“

”تو پھر شام کو پانچ بجے کے بعد؟“

”آرام سے یہاں وقت گزارئیے، کہاں ماری ماری پھریں گی۔ اماں سے کہیں لگائیے۔ تیار تو آپ

ہی۔ پونے پانچ بجے میں آجاؤں گا، دونوں چلیں گے۔“ میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ شیرازی اپنی موٹر

پر چلا گیا اور میں دن بھر ماں سے باتیں کرتی رہی۔ پونے پانچ بجے شیرازی وعدے کے مطابق پہنچ گیا۔

نے منہ ہاتھ دھو کر تیاری کی۔ وہ خود بھی تیار ہوا اور ہم لوگ اس ہوٹل چل پڑے۔ مہمان آج رہے۔

شاندار انتظام کیا گیا تھا۔ شیرازی نے خصوصی طور پر میرے لئے آگے کی سیٹ حاصل کی تھی۔ بہر حال

کے بعد خاور جلال اسٹیج پر نمودار ہوا۔ وہ ساری ڈرامہ بازی ہوئی جو کہ ہوا کرتی ہے۔ وعدے کئے، مقرر

نے ان کی شان میں قصیدے پڑھے اور انہوں نے اس الیکشن میں کھڑے ہونے کا اعلان کیا۔ پھر صحافی

سے سوالات کرنے لگے اور پہلی بار انہوں نے گیری کی طرف نگاہ کی۔ میری دو تین ملاقاتیں ہو چکی

ان سے۔ وہ مصروف آدمی تھے۔ الماس بیگم ماں باپ کے گھر جاتی تھیں، بس ان لوگوں کا اپنا مزاج

لیکن پھر بھی اب یہ نہیں تھا کہ وہ لوگ مجھ سے بالکل نادانف ہوں چنانچہ خاور جلال نے مجھے پہچان

ایک لمحے کے لئے چوکنے اور پھر ان صحافیوں کے سوالات کے جواب دینے لگے۔ میرے پاس بیٹھے ہو

شیرازی نے مجھ سے کہا۔

”تم بھی کوئی سوال کرو۔“

”نہیں نہیں، میں ابھی تربیت حاصل کر رہی ہوں۔“

”اوکے۔“ شیرازی بولا لیکن خاور جلال نے مجھے نظر انداز نہیں کیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ

بیگم نے اپنے بھائیوں کو اس بارے میں بتایا تھا کہ نہیں لیکن بہر حال کچھ ہی لمحوں کے بعد خاور جلال

اپنے پاس بیٹھے ہوئے اپنے سیکرٹری سے کچھ کہا اور سیکرٹری نے گردن جھکا دی اور پیچھے اسٹیج کی میز

سے اتر گیا۔ خاور جلال جوابات دیتے رہے پھر تھوڑی دیر کے بعد میٹنگ ختم ہو گئی۔ سب لوگوں

درخواست کی گئی کہ وہ ہوٹل کے ریفرنٹ ہال میں آجائیں اور چائے پیئیں۔ میں بھی شیرازی کے ساتھ

رک گئی تھی۔ اس وقت سیکرٹری میرے پاس پہنچ گیا۔

”ایکسوئی میڈم۔“ اس نے کہا اور میں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”آپ سے تھوڑا سا کام ہے۔“

”جی فرمائیے۔“

”آپ اس طرف آئیے ذرا پلیز۔ اور مسٹر آپ اس طرف جائیے۔“ وہ شیرازی کو میرے ساتھ آنے

کا روتے ہوئے بولا۔

”وہ دراصل.....“

”پلیز میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔“ سیکرٹری کرخت لہجے میں بولا۔ شیرازی نے میری طرف دیکھا تو

ہانے اس سے کہا۔

”ٹھیک ہے شیرازی میں آرہی ہوں۔“ شیرازی چلا گیا، سیکرٹری مجھ سے بولا۔

”خاور جلال صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”کہاں ہیں؟“

”آئیے۔“ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ میں تو چاہتی ہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک

رے میں پہنچ گئی جہاں بہت سے لوگ موجود تھے۔ وہ خاور جلال کے گرد بکھرے ہوئے تھے۔ خاور جلال

نے مجھے دیکھا اور مسکراتے ہوئے گردن ہلائی پھر اپنے ساتھیوں سے بات کرنے لگے۔ اس کے بعد انہوں

نے کلائی پر برہنہ ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور شاید ان لوگوں سے معذرت کر کے میری جانب بڑھ گئے۔

”ہلو شاہ نور۔ تم پریس گیلری میں کیسے نظر آرہی ہو بھئی؟“ انہوں نے انتہائی بے تکلفی سے کہا۔

”آپ مجھے پہچان گئے؟“

”اب اتنا بھی دور نہ سمجھو مجھے اپنے آپ سے بیٹے۔ بہت کم ملاقاتیں ہوئی ہیں میری تم سے لیکن

رہال ساری باتیں اپنی جگہ ہم قریبی عزیز ہیں۔ آؤ ذرا تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں مجھے۔“

”اس وقت میں.....“

”نہیں بالکل نہیں۔ جو میں نے کہا ہے وہی کرو، پلیز آجاؤ۔“

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ یہ خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی لیکن اتنے دنوں دنیا سے

ٹ کر رہنے سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ دل میں اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ خاور جلال زیادہ سے زیادہ

باکریں گے۔ کم از کم مجھے اپنے آپ کو آزمانے کا موقع ملے گا، میں نے کہا۔

”سرا! میرے کچھ ساتھی.....“

”رہنے دو..... رہنے دو ان سے بعد میں بھی مل سکتی ہو۔“

”نہیں اصل میں انہیں بتانا چاہتی ہوں۔“

”نہیں بالکل نہیں۔ چلو فرزند انہیں لے کر میری گاڑی تک۔ آؤ۔“ میں نے ایک عجیب سا احساس

سوس کیا تھا کہ خاور جلال کے لہجے میں ہر جگہ حکم ہی حکم تھا۔ ویسے تو میں یہ بات جانتی تھی کہ یہ سیاست

نا خاندان ہر طرح سے حاکم ہی حاکم ہے، حکم دیتا ہے اور حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ اگر میں

ما سے انحراف کرنے کی کوشش کروں گی تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سختی پر اتر آئیں۔ چنانچہ میں خاموشی

ع عقی دروازے سے باہر نکل آئی۔ باہر ایک لمبی شاندار کار کھڑی ہوئی تھی۔ خاور جلال نے مجھے اپنے

”ویسے تو آپ میرے ماموں ہوتے ہیں۔“

”گڈ“ میں یہ الفاظ تمہارے منہ سے سننا چاہتا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم اب بھی مجھے ماموں کہہ کر لب کرتی ہو یا جس دشمنی کا تم نے آغاز کر دیا ہے کہ اس کے تحت میرے لئے کوئی نام بھی تراش لیا ہے۔

”میرے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

”ماموں صاحب کبوں آپ کو‘ آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟“

”نہیں مجھے خوشی ہوگی۔“

”ماموں صاحب‘ آپ نے ابھی ایک لفظ کہا ہے کہ جس دشمنی کا میں نے آپ سے آغاز کر دیا ہے۔ اب صاحب آپ سے تو میں نے ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے۔ آپ کے احترام میں‘ میں نے ابھی کوئی فرق نہیں ڈالا ہے لیکن آپ مجھے اپنا دشمن کہہ رہے ہیں۔ غالباً اس حوالے سے کہ تائی صاحبہ نے پاپے میری شکایتیں کی ہوں گی۔“ خاور جلال سنبھل گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔

”بڑا اچھا پوائنٹ اٹھایا ہے تم نے۔ بھی کن چکروں میں پڑ گئی ہو‘ ہمارے ساتھ سیاست میں حصہ لو‘ گی بناؤ‘ کہاں الجھ گئی ہو تم۔“

”مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا ماموں صاحب آپ لوگوں نے‘ آپ نے جن رشتوں کا اظہار کیا ہے ان کی قدر کرتی ہوں‘ حالانکہ میں نے آپ سے دشمنی نہیں کی‘ میرا جھگڑا تو الماس بیگم سے چل گیا ہے وہ بھی انہوں نے خود چلایا ہے۔ آپ خود سوچئے میرے ابو تھے جنہیں آپ لوگوں نے نہ جانے کہاں گم دیا ہے آپ کو ساری تفصیل معلوم ہے ماموں صاحب۔“

”ہاں کسی حد تک۔ بھی‘ ہم لوگ تو بے پناہ مصروف رہتے ہیں بس وہ الماس ہی پچھلے دنوں کچھ ان نظر آرہی تھی ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے تھوڑی سی تفصیل بتائی ذرا تم بتاؤ کہ پورا قصہ کیا ہے۔“

”آپ کو میرے ابو کے بارے میں علم ہے؟“

”بات اصل میں یہ ہے کہ ہم لوگ ملکی معاملات میں اس قدر الجھے رہتے ہیں کہ ذاتی باتوں کے لئے ی نہیں چلتا۔ تمہارے ابو سے شاید کوئی قتل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے انہیں سزا ہوئی کیونکہ انہوں نے اب کر لیا تھا اس لئے ہم انہیں نہیں بچا سکے‘ لیکن ہم نے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم انہیں جیل سے نکالیں۔ انہیں جیل سے نکال دیا گیا‘ لیکن جیل سے نکلنے کے بعد وہ خود روپوش ہو گئے۔ انہوں نے اپنے گھر تمہاری والدہ سے تمام رابطے توڑ لئے اور اس کے بعد شاید اب تک ان کا پتہ نہیں چل سکا۔ بھی یہ تو لی مرضی پر منحصر تھا ہمارا براہ راست ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ کمال کا مسئلہ کچھ اور تھا کمال کے بھائی نشیت سے‘ ہم ان کی عزت کرتے تھے۔ جیل سے نکلنے کے بعد ہم کوئی ایسا سلسلہ بنا دیتے کہ وہ زندگی ماسے بسر کرتے مگر وہ خود فرار ہو گئے تم سب کو چھوڑ کر۔ اس سلسلے میں ہم کیا کر سکتے تھے؟“

”نہر دو۔“ میں نے اس مکار شخص کی باتوں کی نظر انداز کر کے کہا۔ ”میری والدہ اور میری دو چھوٹی ماں کو گھر سے نکال دیا گیا۔ ایک ملازم بخت بابا نے انہیں اپنے ساتھ کوارٹر میں رکھ لیا مجھے جوان ہونے کی نہیں بتایا گیا کہ وہ میری ماں اور ہمیں ہیں پھر جب مجھے ان باتوں کا علم ہوا کہ بخت بابا گھر چھوڑ کر

ساتھ ہی بھاگ گیا تھا۔ دو باڑی گاڑ موجود تھے۔ ایک ڈرائیور تھا‘ باڑی گاڑ موٹر سائیکلوں پر سوار ہو‘ تھوڑی دیر کے بعد میں خاور جلال کی عظیم الشان کونکھی میں داخل ہو گئی۔ خاور جلال نے مجھ سے کہا۔

”آؤ اندر آؤ۔“ میں خاور جلال کے ساتھ اندر داخل ہو گئی تھی۔ خاور جلال چلتا رہا۔ کئی کور طے کئے۔ میں ان تمام راستوں کو ذہن نشین کرتی جا رہی تھی۔ میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اگر اس میں نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو کونکھی میں اس کے آدی کافی تعداد میں ہیں اور مستعد ہیں۔ چھٹی حس مجھے احساس دلا رہی تھی کہ میں ذرا خطرے میں پڑ گئی ہوں۔ اس وقت اگر کہیں بھی ذرا سی لا ہوئی تو اسے سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ گو میرے دل میں خوف کا کوئی احساس نہیں تھا لیکن بات وہی ہے۔ ابھی تو میرے سامنے ایک وسیع میدان پھیلا ہوا تھا جسے عبور کر کے میں ماں اور بہنوں تک پہنچتا تھی۔ کوئی ایسی نفرت جو میرے راستے روک دے۔ میرے لئے بہتر نہیں ہوگی۔ خاور جلال مجھے ساتھ ہوئے ایک بالکل اندرونی کمرے میں پہنچ گئے اور پھر انہوں نے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی اور خود بھی صوفے پر بیٹھ گئے۔ فوراً ہی نوجوان سی لڑکی آئی جو ملازمہ تھی۔ وہ ان کے جوتے وغیرہ اتارنے لگی۔ ہر سے رعونت بیتی تھی اور یہ احساس ہوتا تھا کہ یہاں کے کلین اپنے آپ کو آسمان کا بادشاہ سمجھتے ہیں۔ نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی تو میں خاموشی سے بیٹھ گئی۔ خاور جلال نے لڑکی سے کہا۔

”ہمارے لئے مشروب بھجوا دو اور جمالی سے کھولائیں پر رہے مجھے اس سے بات کرنی ہے۔“

لڑکی نے گردن خم کی اور باہر نکل گئی۔ خاور جلال نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ایک میز کی طرف بڑھایا اور وہاں سے ایک چوکور سا آلہ اٹھالیا۔ میں یہ نہیں سمجھی تھی کہ یہ کیا چیز ہے لیکن اس نے اس آلے کو اٹھا کر ایک ٹن دیا اور ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ دو کھڑکیوں اور ایک دروازے پر جو اس کمرے میں داخل ہونے کا واحد دروازہ تھا‘ اسٹیل کی پلٹیں آگئیں۔ کمرہ ساؤنڈ پروف ہو گیا تھا۔ ایک لمحے کے پھر میرے دل میں ایک خوف سا جگا لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا اور یہ ظاہر کیا کہ خاور جلال کی کوششوں کو میں سمجھ نہیں سکتی ہوں۔ خاور جلال پرسکون تھا۔ وہ خاموش بیٹھا رہا‘ تھوڑی دیر کے بعد بالکی سی نیلی روشنی ہوئی اور خاور جلال نے جلدی سے ریموٹ کنٹرول اٹھا کر اس کا ٹن دیا۔ اس بار نے چالاکی سے کام لے کر ریموٹ رکھنے کی جگہ دیکھ لی اور یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ دروازہ کھولنے اور بند کرنے کے لئے کون سا ٹن استعمال کرتا ہے۔ اسٹیل کی پلٹ ہٹی اور وہی ملازمہ ایک ٹرائی ٹھسیتی ہوئی اندر آ جس میں خوب صورت رنگ کے مشروب کا گلاس آکس باکس وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ ٹرائی چھوڑ کر وہ گئی اور تھوڑی دیر کے بعد خاور جلال نے مجھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اٹھو ایک گلاس مجھے بنا کر دو‘ دوسرا اپنا بناؤ۔“ میں خاموشی سے اٹھی اور میں نے خاور جلال گلاس بنا کر پیش کر دیا۔

”اپنے لئے بھی بناؤ۔“

”جی‘ آپ کو کیا کھوں؟“

”کیا مطلب؟“

”بس ماموں صاحب آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ انہوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ساری باتیں اچھے لیکن آپ مجھے بتائیے کہ اگر وہ مجھے حالات سے واقف رکھتیں تو کیا آپ کے خیال میں ان سے کسی رازخوار کرتی۔ جیسا وہ کہتیں ویسا ہی تو کرتی میں، جیسا کہ کرتی چلی آئی ہوں۔“

”اوہ تم نہیں سمجھتیں شاہ نور کہ وہ بھی بچپن سے ضدی ہے، بڑی سخت گیر طبیعت کی مالک، ہم سب اسے جس طرح پالا ہے تمہیں اس کا اندازہ نہیں، اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات یوں سمجھ لو بس حکم جاتی تھی، میں سمجھتا ہوں کہ اس نے تمہیں بھی اپنی شخصیت کا عکس ہی دیا ہے لیکن بیٹے بہرحال دے، چھوٹے ہوتے ہیں اور بڑے، بڑے اور پھر یہ خیال بھی رکھا جاتا ہے کہ کس کا کیا مرتبہ ہے، تم خود اگر وہ تمہاری پرورش اس انداز میں نہ کرتی تو تم بھی اپنی دونوں بہنوں کی طرح ملازم کے کوارٹر میں لی ہو تیں اور تمہیں کبھی اس بات کا علم نہ ہوتا کہ تمہاری اصلیت کیا ہے۔“

میرے سارے وجود میں آتش فشاں کھول رہا تھا، لیکن بات وہی تھی میں جس مکار شخص کے سامنے مڑی ہوئی تھی اس کے سامنے مجھے اپنے آپ کو سنبھال کر ہی رکھنا تھا ورنہ پھر کوئی فائدہ ہی نہیں تھا میں ردن بھگائے بیٹھی رہی۔ اپنے اندر کھولتے آتش فشاں کے لاوے کو اپنے وجود میں سنبھالتی رہی۔ وہ میری ورت دیکھ رہا تھا، بہت ہی گھاگ آوی تھا، کچھ دیر کے بعد میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”آپ میرے بزرگ ہیں۔ مجھے بتائیے میں کیا کروں؟“

”ہاں کیوں نہیں، بزرگ اپنا فرض ضرور نبھاتے ہیں۔ میں بھی اپنا فرض نبھاؤں گا، مگر ایک شرط ہے اسے اب تک تمہارے اور اس کے درمیان بڑی آنکھ بھولی ہوئی رہی ہے۔ اب ایسی کوئی بات نہیں لگی۔ وہ تو بس اتفاق ہے کہ تم میرے پاس پہنچ گئیں، بلکہ اس طرح پہنچیں اچھا تم ایک بات بتاؤ، یہ صحافی نے کا شوق تمہیں کیوں پیدا ہوا؟“ میں نے گردن خم کی اور پھر آہستہ سے بولی۔

”اگر آپ کو علم ہے تو ضرور یہ بات آپ کو معلوم ہوتی کہ میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں تھا، بھوک رہی تھی، بڑی مشکل سے یہ چھوٹی سی ملازمت حاصل کی ہے، اور وہ بھی بس یہ رپورٹنگ کر لوں تو پیسے لے لوں، ایک اخبار کے احقر ایڈیٹر سے بات چیت ہوئی ہے میری۔“

”یہ توقف لڑکی! ہمارے خاندان میں دولت جوتوں میں پڑی ہوئی ہے۔ ہم نوٹوں سے اپنے جوتے بکاتے ہیں، اور تم چند پیسوں کے لئے ماری ماری پھر رہی ہو، جب کہ تمہیں اس خاندان میں ایک باعزت لہو دی گئی ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتی، اب آپ میرے اس مسئلے کو سنبھالئے، جب آپ مجھے یہاں لے ہی آئے۔“ میں نے لاڈ سے کہا۔

”یہ توقف، احقر گدھی، وہ آرہی ہے، میں نے اسے بلایا ہے۔“

خاور جلال کے ان الفاظ نے میرے اندر سنجیدگی پیدا کر دی، اندازہ تو مجھے پہلے ہی ہو گیا تھا کہ خاور جلال کوئی کام دکھا چکا ہے۔ فون پر ہونے والی گفتگو سے یہی اندازہ لگایا تھا، بہرحال تھوڑی دیر گزری تو باہر سے ایک ملازمہ اندر آئی۔

ردپوش ہو گئے۔ ابھی آپ نے لفظ ہم سے دشمنی کے آغاز کا اظہار کیا ہے ماموں صاحب، آپ مجھے بتاؤ میرا میری ماں سے کوئی رشتہ نہیں تھا، میری بہنوں سے کوئی رشتہ نہیں تھا میں ان کی تلاش میں وہاں انہیں تلاش کر لیا۔ آپ کو علم ہے کہ الماس بیگم نے اس کے بعد کیا کیا؟“

”ہاں، اصل میں دیکھو ذرا تم بھی غور کرو۔ الماس نے بے اولاد ہونے کی وجہ سے تمہیں اولاد طور پر پروان چڑھایا تم نے اپنی دونوں بہنوں کو بھی دیکھا ہوگا۔ ان میں اور اپنے آپ میں فرق محسوس ہوگا۔ الماس نے اس لئے تو یہ سب کچھ نہیں کیا ہوگا کہ کل تم اپنی ماں کی بیٹی کہلاؤ، الماس تو تمہیں اپنی حیثیت سے دنیا میں روشناس کرا چکی تھی اور اپنی بیٹی ہی کی حیثیت سے تمہاری بقیہ زندگی بھی چاہتی تھی لیکن تم نے اس سے اختلاف کر ڈالا۔ بھئی اگر تم نے ایسا ہی کرنا تھا تو الماس سے بات کرتے اور بہنوں کی گفتات کر لیتیں، کیا نہیں ہے ہمارے پاس، اعلیٰ درجے کی زندگی مل جاتی انہیں مگر تم نے جنگ کھڑی کر دی۔ اب بتاؤ غلطی کس کی ہے؟“

میں نفرت بھری نگاہوں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی لیکن دل میں یہ فیصلہ کر رہی تھی کہ یہ وال ہے۔ اس کی گفتگو سے یہ انداز ہو رہا تھا کہ یہ شخص بہت ہی مکار اور شیطان فطرت کا مالک ہے اور کیا الماس آراء کا پورا خاندان ہی یکساں تھا۔ بہرحال میں نے ایک قدم اٹھایا تھا یہاں تک آگئی تھی، اس سلسلے میں اپنے پیچھے کسی کو بھی کچھ بتا کر نہیں آئی تھی۔ خاور جلال ساری حقیقتوں سے واقف تو معلوم تھا کہ میں الماس بیگم کے خلاف کیا کیا کرتی پھر رہی ہوں یا الماس آراء اب میرے بارے میں انداز میں سوچتی ہے اس نے اپنی دانست میں مجھے چپا کی طرح پیچھے میں بند کر لیا تھا سوال یہ پیدا ہوا کہ انہی لمحات میں اپنے آپ کو آزماتا تھا۔ مکاری کے جواب میں مکاری، شیطانت کے جواب میں شیطانت اگر صحیح انداز میں جواب نہ دے سکی تو پھر مجھے ان لوگوں سے مقابلہ ہی نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میںیں تو باتوں کی حقیقت کشائی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے اندر میں نے کچھ فیصلے کئے اور ان فیصلوں کے تحت یہ گردن جھکا لی۔ ایسی جنگ کر رہی تھی ان لوگوں سے۔ اپنے آپ کو ایک پوری فوج بنا کر ان کے سامنے تھا اور اس کے لئے عقل کی طاقت ہی استعمال کرنی تھی۔ خاور جلال نے میری جھکی ہوئی گردن دیکھ مسکرانے لگا۔ میں بڑی چالاکی سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اور بہت سی باتیں سوچ رہی تھی ”میری تلاش میں سرگرواں تھے اور شاید ان میں سے ہر ایک کو میرے فرار کی داستان معلوم تھی۔ خاور نے اس ہوٹل میں مجھے جس طرح اپنے ملازموں کے ذریعے گھیر لیا تھا اس سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ قیمت پر مجھ پر گرفت قائم کرنا چاہتے تھے۔ میں نے دیر تک سوچتے رہنے کے بعد ایک سسکی لیتے ہوئے ”تو مجھے بتائیے ماموں صاحب میں کیا کروں؟“

”ہاں بیٹے اصل طریقہ یہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے تمہیں بھگا دیا وہ غلط تھے۔ تمہارے دوست تھے۔ اگر ایسی بات تھی تو تم میرے پاس آتیں۔ کسی کے پاس بھی جاتیں۔ ہم سب تمہارے اپنے الماس ہماری اکلوتی بہن ہے۔ یہ بات تو تمہیں معلوم ہے نا وہ تمہیں اپنی اولاد سمجھتی ہے۔ کتنا دکھ ہے اس بات کا۔“

”اگل! تمہارا نام الماس آراء کے بجائے ہمیں بے وقوف آراء رکھنا چاہیے تھا۔“

”نہیں بھائی جان بس.....“

”اچھا بس بس، بولنے سے پہلے کم از کم ماحول کا جائزہ تو لے لیا کرو۔“ خاور جلال نے کہا اور وہ بے اختیار چاروں طرف دیکھنے لگی، تبھی اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔

حالانکہ اس عورت نے میری ماں کو کتنا کہا تھا لیکن نہ جانے میں کس طرح اپنے آپ پر قابو پائے گئے تھے، پچھلے دنوں میرے اور اس کے درمیان جو کھیل ہو رہا تھا اس نے ماضی کے وہ سارے نقش تو مٹا دیے تھے جو اس کی محبت کے نقش تھے۔ ذرا سی لغزش اس وقت چوہے دان میں پھنسا سکتی تھی، اس چوہے دان سے عقل و ہوش کے ساتھ نکلنا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھتی رہی یوں لگ رہا تھا جیسے اسے سکتے ہو گیا ہو اور پھر دفعتاً ہی وہ اپنی جگہ سے ہلی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب پہنچی اور قریب سے مجھے دیکھنے لگی، پھر اس نے پلٹ کر حیران نگاہوں سے خاور جلال کی طرف دیکھا اور بولی۔

”بھائی جان! یہ گو گئی ہے یا آپ نے کوئی کھیل کھلایا ہے میرے ساتھ؟“

”ہوش سے کام لو تو تمہیں صحیح کیفیت کا اندازہ ہو جائے گا، لڑکی معافی مانگو اپنی ماں سے۔“ خاور جلال نے کہا اور میں گردن اٹھا کر اسے دیکھنے لگی، شکر تھا کہ وہ خود کسی قدم پیچھے ہٹ گئی تھی اور اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”نہیں بھائی جان، اگر آپ نے اسے پکڑ لیا ہے تو پھر جو کچھ ہے میری مرضی سے ہونے دیں، آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی، مجھے میرا پسندیدہ کھانا دے دیں، آپ نے زندگی بھر مجھے بہت کچھ دیا ہے لیکن آپ کے اس تحفے کا کوئی جواب نہیں ہے، یہ کتنا کہاں سے پکڑی آپ نے؟“

”الماس ایک بار پھر میں تمہیں ہوش و حواس قائم رکھنے کی ہدایت کروں گا۔“

”دیکھئے بھائی جان! بچپن سے جانتے ہیں آپ مجھے، میری کوئی پسندیدہ چیز اگر اس طرح مجھ سے منحرف ہو جائے تو پھر وہ میرے دل میں نہیں رہتی، ہاں وہ میرے انتقام کا شکار ہوتی ہے۔ میں اس سے محبتوں کے بارے رشتے توڑ چکی ہوں اور اب یہ میرا انتقام ہے۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈلوادیتے اس کے پیر بندھوا دیجئے اور بس اسے میرے حوالے کر دیجئے۔“

”دیکھو الماس تم جذباتی ہو رہی ہو، جب یہ مرجائے گی اور تمہارا ذہن تبدیل ہو جائے گا تو پھر تم اس کے لئے روؤ گی۔“

”ایک بات بتائیے۔ آپ نے کبھی میری آنکھوں میں آنسو دیکھے ہیں؟ صرف اس بات کا جواب دے دیجئے مجھے۔“

”بھئی اس میں تو تم نے ہم سب کو شکست دے دی ہے، واقعی تم کبھی نہیں روئیں۔“

”وجہ ہے اس کی۔ روتا وہ ہے جو اپنے کئے پر پچھتا رہا ہو۔ میں کرنے سے پہلے بہت کچھ سوچتی ہوں اور جب کر ڈالتی ہوں تو پچھتاتی نہیں ہوں کہ ہائے ایسا کیوں ہو گیا دیا کیوں ہو گیا۔ چنانچہ یہ گنجائش ختم ہو گئی ہے۔“

”خاتون آگئی ہیں۔“

”ہوں..... کہاں ہیں؟“

”کار سے اتر رہی ہیں۔“

”ٹھیک ہے ادھر ہی بلاؤ۔“ میں سنبھل گئی تھی، اب اس وقت صورت حال جو کچھ بھی تھی، سنسنی خیز کیفیت کی حامل تھی، میں اتنا تو اندازہ لگا چکی تھی کہ یہ سب کچھ جو کیا جا چکا ہے بے حد خطر ہے کوئی معمولی بات نہیں ہے، اور اب اس کے بعد بھی جو کچھ ہوگا اس پر غور کرنا ہے۔ بہر حال یہ چیزیں اپنی جگہ تھیں، مجھے اب اس عورت سے بے پناہ نفرت تھی، بھلا ایسی کسی عورت سے میں کیسے بات گفت کر سکتی تھی، جس نے میری ماں کو دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا، میرے باپ کو گم کر دیا تھا۔ یہ ساری چیزیں سوچنے والی تھیں، تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا اور الماس آراء بیگم اندر داخل ہوئیں، ان کی سب سے پہلے سامنے بیٹھے ہوئے خاور جلال پر پڑی، میری طرف انہوں نے نہیں دیکھا تھا چونکہ میں بائیں سمت کے ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا۔

”کیا بات ہے بھائی جان۔ آپ نے جس انداز میں مجھے آج بلایا ہے، اس سے پہلے کبھی آپ نے اس طرح سے نہیں بلایا۔“

”تبدیلی تمہارے اندر آگئی ہے الماس، پہلے جب کچھ مانگنا چاہتی تھیں تو ناز بھرے انداز میں فرما کر دیا کرتی تھیں اور ہم وہ سب کچھ تمہارے لئے میا کر دیتے تھے، اب تم اپنے آپ کو غیر سمجھنے لگی ہو۔“

”ایسی کیا بات ہے بھائی جان؟“ وہ آگے بڑھ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی، میرے بارے میں اس فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ میں یہاں موجود ہوں، بس وہ اپنے بھائی میں مگن تھی، میں سانس بھی آتے لے رہی تھی تاکہ اس ڈرامائی پیشکش کو قائم رہنے دوں، خاور جلال نے کہا۔

”اچھا خیر چھوڑو، یہ بتاؤ وہ ملی یا نہیں؟“

”کتیا کی بچی ہے وہ لومڑی کی اولاد۔ ارے آپ کیا سمجھتے ہیں ان چھوٹے ذلیل لوگوں کو۔ اگر ان موقع مل جائے تو آسمان میں سوراخ کر دیں، اس طرح جھپٹی پھر رہی ہے کہ ہوا نہیں لگنے دے رہی ہے بھائی جان بہت بڑی غلطی کی تھی میں نے بہت بڑی غلطی کی تھی، اسے کہتے ہیں آستین میں سانپ پالنا، ایک بار مل جائے مجھے صرف ایک بار.....“

”سنبھالو اپنے آپ کو کیا بات کر رہی ہو؟“ خاور جلال نے گہرائے لعجے میں کہا۔ اسے تو علم کہ میں بھی یہاں موجود ہوں۔

”صرف ایک بار بھائی جان صرف ایک بار، جانتے ہیں آپ میں کیا کروں گی۔ بڑے خوبصورت ہوں ہیں اس کے، لمبے لمبے۔ رے میں باندھ کر اسے بالوں کے ذریعے تین دن تک لٹکائے رکھوں گی، تین دن تک اور اس کے بعد اسے کتے کی طرح کھانا دوں گی، تین دن کی بھوک تین دن کی پیاس، اتنا تو میں جانتی ہوں کہ وہ جس قدر جاندار ہے یہ تین دن آرام سے برداشت کر جائے گی، بس بھائی جان اسی قسم کی عورت ہوں میں۔ محبت کرتی ہوں تو بے پناہ اور نفرت کرتی ہوں تو بے پناہ۔“

منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور پھر دوسرے ہاتھ سے بال چھوڑ کر میں نے اس کی کنپٹیاں دبا ڈالیں۔ تھوڑی سی کوشش سے ہی اس کے ہوش و حواس جواب دے گئے۔ میں نے اسے بے ہوش کر کے زمین پر پھینک دیا اور پھر خاورِ جلال کی طرف دیکھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے زندگی سے منہ موڑ لیا تھا۔ میں وحشیانہ انداز میں پلٹی۔ ایک لمحے تک ادھر ادھر دیکھا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اب یہاں سے نکل جانے کا مرحلہ درپیش تھا اور اس کے لئے میں ہر طرح سے تیار تھی۔

میری احتیاط میرے کام آئی تھی۔ یہاں تک آتے ہوئے میں نے تمام راستوں پر نگاہ رکھی تھی۔ بہت سے ایسے ملازم راستے میں لے جو یقینی طور پر نگرانی کرنے والے تھے لیکن کسی نے مجھ سے تعرض نہ کیا کیونکہ انہیں اندر ہونے والے محرکے کا علم ہی نہیں تھا۔ دوسرے میں خود کو بالکل بے پرواہ اور مطمئن لاپرواہ کر رہی تھی۔ بہر حال میری کوششیں کارگر ہوئیں اور میں باہر نکل آئی۔ پھر میں نے جو راستہ اختیار کیا میں ہی جانتی ہوں کہ کس طرح وہاں سے فرار ہوئی تھی۔ بہت دور نکلنے کے بعد ایک ٹیکسی روکی اور اس کی بچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اب چھوٹے موٹے خطرات میری نگاہ میں بے حقیقت ہو گئے تھے۔ میں نے یہ ہی نہیں دیکھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کی شکل و صورت کیا ہے البتہ وہی طریقہ کار اختیار کیا یعنی ایک پکچر ہاؤس کا اٹایا۔ دو جگہ سے ٹیکسیاں تبدیل کر کے کسی مناسب جگہ پہنچنا زیادہ بہتر تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں کچھ ہاؤس کے سامنے رکی۔ میں ڈرائیور کے ہاتھ میں ایک نوٹ تھما کر ٹیکسی سے باہر آگئی اور کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد پھر ایک ٹیکسی تاکی۔ ایک بوڑھا سا آدمی ڈرائیور کی سیٹ پر نشست کاٹے بیٹھا ہوا تھا۔ چہرے ہی سے مدقوق نظر آتا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچ گئی اور میں نے دروازہ کھولا تو وہ جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گیا۔

”کہاں جائیں گی بی بی صاحب؟“ میں نے اس علاقے کا نام بتایا تو وہ بولا۔

”میٹر سے دس روپے زیادہ ہوں گے۔“ میں نے اسے گھور کر دیکھا تو وہ میٹر ڈاؤن کر کے ٹیکسی ٹارٹ کرنے لگا۔ میں اندر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ اس کے ساتھ ہی بڑے میاں کی بان چلنے لگی۔ وہ میٹر سے دس روپے زیادہ کا جواز پیش کرنے لگا کہ جھوٹے چھوٹے بچے ہیں، پینرول منگا رہے، دھندہ نہیں ہے، وغیرہ وغیرہ، لیکن میں نے اپنے کان بند رکھے تھے۔

ٹیکسی اس علاقے میں پہنچ گئی۔ حالانکہ بوڑھا ایک بے ضرر آدمی تھا لیکن احتیاط سے بڑی چیز اور کوئی نہ ہوتی۔ میں نے ایک چوراہے پر ٹیکسی روکوائی اور اس کے بعد بل ادا کر کے پیدل آگے بڑھ گئی۔ جب سی ٹگھوں سے اوجھل ہو گئی تو میں نے صحیح سمت اختیار کی اور اس کے باوجود میں نے پورا جائزہ لے لیا۔ دائرے پر کھڑے ہوئے چونکدار نے مجھے سلام کیا تو میں نے نادیہ کے بارے میں پوچھا۔

”ہاں بابا صاب اندر ہی ہیں۔“

”کوئی آیا ہوا ہے؟“

”نہیں جی، کوئی نہیں آیا۔“ نادیہ اپنے بیڈ روم میں تھی مجھے دیکھ کر اچھل پڑی پھر جلدی سے کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ کچھ لمحات وہ مجھے دیکھتی رہی پھر کچھ کچھ منڈھال سی ہو گئی۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر بلاوجہ ہی میں نے اس حرام زادی کو اتنی عزت دی ہے کہ اپنے ساتھ بڑا شرمٹ پلایا ہے۔ ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو تم اسے میری طرف سے تحفہ سمجھو لیکن ایک بار پھر کہہ ہوں سوچ لو، غور کرو۔“

”سوچ لیا بھائی جان، غور کر لیا۔“ میں اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور میں نے آنسو بھری آواز میں کہ ”آپ..... آپ مجھ سے اس قدر بد دل ہو گئی ہیں۔“ یہ الفاظ کہتے ہوئے میں آہستہ آہستہ آہ بڑھی اور پھر اس کی طرف جانے کے بجائے خاور جلال کے پاس پہنچ گئی۔ ”ماموں جان! آپ مجھے.....“ ”نہیں، اب میں تجھے اپنے لئے یہ فضول الفاظ کہنے کی اجازت نہیں دوں گا کیونکہ جب میری بے تجھے ٹھکرا چکی ہے تو پھر بھلا تو میرے لئے کیا حیثیت رکھتی ہے۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ میں نے کہا اور پھر اچانک ہی میں نے خاورِ جلال پر چھلانگ لگا دی۔ خاورِ جلال ایک درمیانی قسم کا آدمی تھا۔ میں نے اسے شیرنی کی طرح دبوچ لیا اور اس کے زخروے کو میں نے ہتھکڑیوں کی گرفت میں لے لیا۔ اسے شدت کی تکلیف کا احساس ہوا اسی وقت میں غرائی۔

”الماس نیگم! جو الفاظ تم نے میری ماں کے لئے استعمال کئے ہیں دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں بھی کتنا بچی کہہ کر مخاطب کروں، تم نے اپنے ذہن سے میرے لئے محبت کا ہر نقش مٹا دیا ہے، تو یقین کرو میرے ذہن میں بھی تمہارے لئے ایسی عزت کا کوئی تصور نہیں ہے لیکن پھر بھی شاید ہمارا خاندان تم ذلیل لوگوں کے خاندان سے زیادہ بہتر ہے اور یہ خاندانی شرافت ہی ہے جو مجھے تم سے وہ الفاظ کہنے کی اجازت نہیں دے رہی البتہ میرے ذہن میں تم اس سے بھی بدتر ایک شخصیت ہو۔ سنو..... میں جانتی ہوں کہ یہاں

معاذ اللہ! میرے چاروں طرف دشمن بکھرے ہوئے ہیں چنانچہ سب سے پہلے میں تمہیں راز نکالتی ہوں کہ منہ سے آواز نکلی تو ذرا خاور جلال کی کیفیت دیکھو، اس کا زرخیز میری چٹکیوں میں ہوا ہے۔ ایک تھوڑی سی کوشش ابے زندگی سے محروم کر سکتی ہے۔ چنانچہ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اسی فور سے سنو۔ تمہارے حلق سے ایک آواز بھی نہ نکلے اس بات کا خیال رکھنا اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ

اس وقت تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گی کہ میری ماں بہنیں اور میرا باپ کہاں ہے لیکن میں تم سے یہ معلوم کر کے ہوں گی۔ نہ صرف معلوم کر کے رہوں گی بلکہ تمہیں گڑگڑا کر میرے قدموں میں گرنا پڑے گا۔ تم اپنی پاک زبان سے میرے تلوے چاٹو گی اور مجھ سے درخواست کرو گی۔ سمجھ رہی ہو نا تم؟ تمہیں بتانا ہو گا کہ ہر سب کہاں ہیں۔ یہ بات اس وقت ممکن نہیں ہے الماس بیگم میں تمہیں بھی ختم کر سکتے ہوں ابھی! ادا

وقت۔ بعد میں کیا ہوگا یہ بزدل سوچتے ہیں لیکن تمہیں زندہ رکھنا میری بہت بڑی ضرورت ہے۔ البتہ میں نہیں پسلا تحفہ دے رہی ہوں۔ بحالت مجبوری۔ غمزہ تحفہ تمہیں زندگی کے بہت سی رموز سے آگاہ کرے گا۔

یہ کہہ کر میں نے خاور جلال کی گردن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور اس کی گردن ایک جھٹکے سے موڑ دی۔ اور جلال کی گردن کی بڑی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے زمین پر نیچا اور پھر ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ یہ چھلانگ بھے الماس بیگم تک لے گئی۔ میں نے الماس بیگم کے بال پکڑے۔ اس سے پہلے کہ وہ چیخو مبرا نے اس کے

”آؤ.....“ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہوئی اس کے قریب پہنچی اور پھر میں نے اس کی گردن میں ہاتھیں ڈال دیں۔ نادیا مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ بہت دیر تک وہ جذباتی کیفیت کا شکار رہی پھر اس کے ہونٹوں پر ہنس بولی۔

”ٹھیک تو ہوتا؟“

”بالکل ٹھیک ہوں بابا صاحب‘ آپ کے سامنے ہوں۔“ میں نے اسے بابا صاحب کہہ کر مخاطب کیا وہ پچھلے انداز میں ہنس پڑی۔

”زہر لگتا ہے یہ نام مجھے‘ تم مجھے اس نام سے مت پکارا کرو۔“

”اوہو سوری‘ سوری..... میڈم‘ سسٹر وغیرہ وغیرہ۔“ میرے اچھے موڈ کی وجہ سے نادیا کا موڈ

بہت اچھا ہو گیا۔ اس نے کہا۔

”آؤ بیٹھو کہاں غائب رہیں اتنی دیر؟“

”گڈ‘ اس کا مطلب ہے کہ بات آپ تک نہیں پہنچی؟“

”کیسی بات؟“

”نہیں‘ بس ایسے ہی میں نے سوچا کہ شاید ظفر شاہ کے ذریعے یہ بات آپ تک پہنچ چکی ہوگی۔“

”کون سی بات کی بات کر رہی ہو۔ یہ بتاؤ کچھ لاؤں؟“

”بالکل نہیں۔ اتنا کھایا پیا ہے میں نے کہ طبیعت سیر ہو گئی ہے۔“

”ویری گڈ‘ کہاں سے کھایا؟ کیا کھایا؟ ہمارے لئے نہیں لائیں؟“

”کیوں نہیں۔ ساتھ ہی لائی ہوں۔“ میں نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔

”مجھے تو کچھ نظر نہیں آ رہا۔“

”ابھی کیسے نظر آئے گا جب تک دکھاؤں گی نہیں۔“

”ٹھیک ہے صاحب کوئی نادیدہ چیز ہے؟“

”لیکن بڑی فرحت بخش‘ بڑی ہی لذیذ۔“

”اب تم ہاتھ سے نوالے بنا بنا کر میرے منہ میں رکھو اور مجھ سے کہو کہ کھاتی جاؤ۔ پھر مجھ سے پوچھ کہ کیسی ہے یہ چیز۔“ اچانک ہی نادیا اپنے الفاظ ادا کر کے خود چونک پڑی۔ پھر بغور مجھے دیکھتی ہوئی بولی۔

”کوئی نیوز ہے کیا؟“

”میں ہنس پڑی۔ میں نے کہا۔“ بڑی دیر میں آپ اس لذت آمیز شے تک پہنچیں۔“

”ارے باپ رے کون سی ایسی خبر ہے جس نے تمہیں اس قدر مسرور کر دیا ہے؟“

”عزت جلال کے دو بیٹائی اور ہیں‘ جانتی ہیں نا آپ؟“

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اصل میں یہ خاندان ایسا ہے ہی نہیں کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ عزت

جلال‘ عظمت جلال‘ خاور جلال۔“

”اب آپ اس میں سے ایک نام نکال دیجئے‘ یعنی خاور جلال۔“

”نن..... نکال دیجئے۔“ نادیا حیرانی سے مجھے گھورتی ہوئی بولی۔

”جی ہاں۔ کیونکہ خاور جلال صاحب اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ میں نے انہیں محترمہ الماس بیگم کے آنکھوں کے سامنے اوپر بھیج دیا ہے۔ آہ کیا دلچسپ منظر ہو گا وہ۔ ذرا غور کریں مس نادیا۔“ نادیا کا چہرہ فق ہو گیا تھا‘ اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

”قی..... قی..... قی..... قتل کر دیا ہے؟“

”جی!“ میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”آپ سے جھوٹ بالکل نہیں بولوں گی‘ پہلے بھی وعدہ کر چکی ہوں اور اب دہرا رہی ہوں۔“

”مگر کیسے؟“

”ہاں یہ ہوئی نابات۔ تو ذرا تفصیل سن لیجئے۔ اس دوران ظاہر ہے آپ سے بلاوجہ تو جدا نہیں رہی۔ اس جدائی کا ایک مقصد تھا‘ ایک مفہوم تھا۔“ میں نے کہا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ ساری تفصیل نادیا کو سنادی۔ نادیا کا چہرہ بدستور زرد تھا۔ اس نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

”اٹھو۔“

”کیا مطلب؟“

”آؤ پلیز۔“ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر کمرے سے باہر نکل آئی پھر وہ ایک اور بڑے کمرے میں پہنچ گئی۔ یہاں پہنچنے کے بعد اس نے کتابوں کے ایک شیٹ کو تھوڑا سا گھمایا اور اس شیٹ کے پیچھے دروازہ نمودار ہو گیا۔ وہ مجھے شیٹ کے دوسری طرف لے گئی۔ یہ ایک خاصا بڑا کمرہ تھا۔ تین بیڈ لگے ہوئے تھے یہاں‘ ایر کنڈیشنر چل رہا تھا۔ مدھم مدھم خواب آلود ماحول پھیلا ہوا تھا۔

”نادیا بیگم کی مکمل شخصیت سے ابھی تک واقعی مجھے واقفیت نہیں ہے۔“

”یہ عمارت ہے جناب‘ شخصیت سے آپ مکمل واقفیت حاصل کر چکی ہیں لیکن اس عمارت کے کچھ گوشے ایسے ہیں جو ابھی تک آپ نہیں دیکھ سکیں۔ ان میں یہ تہ خانہ بھی ہے جس کی تعمیر بڑے دلچسپ انداز میں کی گئی ہے۔ پھر کبھی اس کے بارے میں بتاؤں گی تمہیں۔ آؤ بیٹھو۔“ اس نے کہا اور اس کے بعد ایک طرف بڑھ کر ایک ٹیبلن ویا دیا۔ دیوار میں لگا ہوا ایک اسکرین روشن ہو گیا تھا۔ اسکرین کوئی ساٹھ انچ کا تھا اور اس پر گیٹ سے لے کر لان سے لے کر دروازے تک کے مناظر نظر آ رہے تھے۔ ایک بڑی سی ٹیبلن گھما کر نادیا نے مناظر تبدیل کئے۔ کوٹھی کے اندرونی حصے اور دوسری بہت سی جگہیں نظر آئیں اور پھر نادیا نے گیٹ کا منظر فوکس کر دیا‘ پھر بولی۔

”اس تہ خانے میں رہ کر یہ ضروری ہے تم بھی دیکھ لو سیکھ لو۔“

”ہاں واقعی یہ تو بڑی انٹرٹیننگ جگہ ہے۔“ میں نے کہا اور نادیا نے مجھے اس اسکرین کے آپریٹ کرنے کا طریقہ بتا دیا۔

”یہ سب کچھ بہت ضروری ہے لیکن اب مجھے ذرا تفصیل سے اور بتاؤ۔ کیا واقعی خاور جلال اب اس دنیا میں نہیں ہے؟“

”کیسے رہ سکتا ہے جب میں نے یہ بات کہہ دی اور یقین کریں نادیہ جی کہ اس وقت میرے دل میں جو ٹھنڈک اتر رہی ہے اس کی کوئی قیمت ادا نہیں کی جاسکتی۔ الماس بیگم اپنے آپ کو آسمان کی مخلوق سمجھتی تھیں۔ آج ان کے سینے پر پہلا داغ لگا ہے۔ ان کے بھائی نے ایک شخص کو قتل کیا تھا اور قربانی کا بکرا میرے باپ کو بنایا گیا لیکن آج میں نے اپنے باپ کے صدمے میں ایک قربانی دے دی ہے۔ خاور جلال کی قربانی۔ الماس بیگم اب اس خون کی سرفی کو محسوس کریں گی اور انہیں پتا چلے گا کہ خون کیا چیز ہوتی ہے۔“ نادیہ کا رنگ بدستور اڑا ہوا تھا اس نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

”میں اسے بہت بڑا آدمی نہیں کہوں گی۔ بہت چھوٹے لوگ ہوتے ہیں یہ، بہت ہی چھوٹے لوگ۔ اپنی مطلب براری کے لئے کسی کو انسان نہیں سمجھتے لیکن بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ یہ سب بہت ہی خوشنور درندے ہوتے ہیں۔ تم نے ایک درندے کو مارا ہے، لیکن میں یہ سمجھتی ہوں کہ اتنے لوگ تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے کہ تمہیں خود کو چھپانا مشکل ہو جائے گا۔“

”نادیہ جی! یہ بات تو میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ سارا شہر میرے پیچھے لگ جائے صرف یہ ایک گھر اگر میری پناہ گاہ کے طور پر مجھے حاصل ہو جائے تو کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ نادیہ ہر قیمت پر مجھے اپنے ساتھ رکھنا پسند کریں گی لیکن اب جب اس راہ میں قدم اٹھا دیا ہے تو مجھے اپنے ہر ٹھکانے کو بھی محفوظ رکھنا ہوگا۔ بے شک میں جانتی ہوں کہ میری تلاش بڑے پیمانے پر شروع ہو جائے گی لیکن بہر حال میں اپنی اس پناہ گاہ میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھ رہی ہوں۔ آگے جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔“

”شکریہ اس اعتماد کا، یہاں تو خیر کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ میں اسی لئے تمہیں اس تہ خانے میں لے آئی ہوں لیکن تمہیں میری بات ماننا ہوگی۔ ایک مناسب وقت تک خاموشی اختیار کئے رکھو۔ میں تیل اور تیل کی دھار دیکھتی ہوں۔ اس کے بعد فیصلہ کروں گی کہ آگے کیا کرنا ہے۔“

”اور میں یہ احسان بالکل آپ پر نہیں لا دوں گی کہ آپ کے کہنے کی وجہ سے میں یہاں رک رہی ہوں۔ میرا ارادہ یہی تھا کہ یہاں آجاؤں۔ یہ میری سب سے عمدہ پناہ گاہ ہے، آرام کرنا چاہتی ہوں آپ یقین کریں جتنا سکون محسوس کر رہی ہوں میں، میرا دل ہی جانتا ہے۔ دل چاہتا ہے ہلکی سی نیند سو جاؤں، کسی پھول کی طرح ہواؤں کی نرم آغوش میں، پس یہ تصور ہی دل کو خوشی دے رہا ہے کہ جب الماس بیگم ہوش میں آئیں گی اور اپنے بھائی کی لاش دیکھیں گی تو کیا بیٹے گی ان پر۔ دل خوش ہو گیا ہے میرا۔ خاور جلال جتنا شاطر آدمی تھا نادیہ میں آپ کو کیا بتاؤں، کیسی باتیں کر رہا تھا اور وہ کم بخت مجھے کانفرنس ہال سے بڑی سختی کے ساتھ لے کر آیا تھا۔ اپنی بہن کو میرا تحفہ پیش کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے تحفہ بنا کر اس کی بہن کے سامنے پیش کر دیا۔“

میں نادیہ سے باتیں کرتی رہی۔ ذہن بڑا ہلکا ہو گیا تھا۔ نادیہ نے مجھے ہدایت کی کہ میں سو جاؤں اس کے ساتھ ساتھ اس نے مجھے کچھ اور بھی ہدایتیں دی تھیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھے اسلحہ بھی پہنچا دیا تھا۔ وہ بہت محتاط تھی لیکن میں بالکل ہلکی پھلکی تھی اور ایک بستر پر لیٹ کر میں ایسی سوئی کہ پھر نہ

جانے کس وقت جاگی تھی۔ رات کا کھانا میں نے اور نادیہ نے ساتھ ساتھ ہی کھایا۔ ڈائنگ ٹیبل پر بھی ایک چھوٹا سا میز رکھا ہوا تھا اس میز پر میز پر متحرک چوکیدار کی تصویر نمایاں تھی۔ ظاہر ہے نادیہ جس شعبے سے متعلق ہو چکی تھی اس میں اسے پوری طرح محتاط رہنا پڑتا تھا۔ اس نے ایک ٹیلی فون بھی ساتھ رکھا ہوا تھا اور ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ٹیلی فون کی کھنٹی بج اٹھی۔ نادیہ نے ٹیلی فون کا ایک ہٹن دیا اور ٹیلی فون سے ایک بھاری آواز ابھری۔

”نادیہ! میں بگ شو بول رہا ہوں۔“ نادیہ نے جان بوجھ کر وہ ہٹن آن رکھا جس سے آواز فضا میں نشر ہو رہی تھی۔ اس نے کہا۔

”سر! بہت دن کے بعد یاد فرمایا۔“

”تو جانتی ہے کہ میں مصروف آدمی ہوں۔ میرے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اہمیت رکھتا ہے اور میں ان قیمتی الفاظ کو بے مقصد صرف نہیں کرتا۔“

”جانتی ہوں سر۔“

”وہ لڑکی کہاں ہے جسے میں نے تیرے پاس بھیجا تھا؟“

”سر..... آپ کے آدمیوں نے آپ کو بتایا نہیں۔ میں نے انہیں اطلاع دے دی تھی۔ وہ بڑی خود سر لڑکی تھی۔ میرے پاس کبھی میری مرضی سے نہیں رکی۔ وہ تین دفعہ آجا چکی ہے۔ کیا کرتی پھر رہی ہے، میں نے لاکھ پوچھا مگر کچھ نہیں بتایا۔ میں نے یہ بھی کہا اس سے کہ سر نے اسے میرے پاس بھیجا ہے اور اس کی حفاظت مجھ پر فرض ہے تو اس نے کہا کہ میں اپنی حفاظت وہ خود کرے گی۔ اگر میں اسے پناہ گاہ کے طور پر وہ جگہ دے دوں تو ٹھیک ہے ورنہ کہیں اور پناہ حاصل کر لے گی وہ۔“

”کب سے نہیں آئی؟“

”جو تھا دن ہے آج۔“

”ہوں..... نادیہ اس نے خاور جلال کو قتل کر دیا ہے۔ خاور جلال بہت بڑا آدمی ہے۔ جانتی ہونا اسے؟“

”کیوں نہیں سر! یہ گھرانہ تو.....“

”ہاں بس، تو سن، اس کی تلاش بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ اگر وہ تیرے پاس آجائے تو اسے میرا پیغام دے دیتا۔ اس سے کہہ دینا کہ میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔ بگ شو اگر کسی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیتا ہے تو مجھے نہیں بھاتا لیکن جن لوگوں کو اس نے اپنا دشمن بنالیا ہے اور مزید بتاتی جارہی ہے۔ وہ اتنے خطرناک ہیں کہ کسی بھی لمحے بگ شو کے ہاتھ سے بھی نکل سکتے ہیں۔ ان کی پہنچ بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ وہ تھوڑا وقت آرام کرے۔ اگر وہ ہاتھ لگ جائے تو اس سے کہنا کہ مجھ سے بات کرے۔“

”ییس سر! میں آپ کی ہدایت پر پورا پورا عمل کروں گی لیکن.....“

”بس۔“ بگ شو نے فون بند کر دیا اور نادیہ ریسور ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی پھر اس نے بھی ایک گہری سانس لے کر فون بند کر دیا تھا۔

”میں جانتی تھی اور بگ شو کے بارے میں بھی تمہیں یہ بتا دوں کہ واقعی ایسا ہی آدمی ہے۔ اگر اس نے تمہارے لئے یہ الفاظ کہے ہیں تو میں سمجھتی ہوں کہ ٹھیک کہے ہوں گے۔ برے لوگ جب اچھے بننے ہیں تو وہ واقعی بہت اچھے ہوتے ہیں جیسے میں۔“

”نہیں..... اگر آپ نے میری بہن کو برا کہا محترمہ نادبہ، تو میرا آپ سے جھگڑا ہو جائے گا۔“ نادبہ ہنسنے لگی پھر بولی۔

”ویسے کیا میں اس بات کا یقین کر لوں کہ تم یہاں قیام کرو گی؟“

”ہاں۔ میں بھی اب بری آدمی بن چکی ہوں اس لئے جو وعدہ کروں گی سچا ہو گا۔“ میں نے کہا اور نادبہ ہنس پڑی پھر بولی۔

”پتا نہیں تقدیر تمہیں ان حالات میں کیوں لے آئی، اچھی خاصی حسین لڑکی ہو۔ پتا نہیں کس کس کو پریشان کر دیتیں۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں حاکم شیرازی آگیا تھا اور میں اس کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ اس دوران نادبہ نے اخبارات میرے لئے منگوا کر رکھے تھے۔ خود میرا اپنا اخبار بھی تھا لیکن خاور جلال کی موت کی اطلاع کسی اخبار میں نہیں چھپی تھی۔ میں اور نادبہ بہت دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے تھے۔ میں نے کہا۔

”کیا یہ حیرانی کی بات نہیں ہے؟“

”ارے بڑے سیانے لوگ ہیں وہ۔ یقینی طور پر اس خبر کو شائع نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے پورے شہر میں تمہارے لئے جال بچھادیا ہے۔“

”کاش! مجھے الماس بیگم کی خبر معلوم ہو سکتی۔“ نادبہ چند لمحوں سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

”اگر تم چاہو تو میں تمہیں الماس آرا بیگم کو ٹیلی فون کرا سکتی ہوں۔ میرے پاس ایک ایسا ٹیلی فون موجود ہے جس میں ایک آلہ لگا کر فون کیا جائے تو اس کا نمبر کہیں بھی نہیں آتا۔“ میں سوچتی رہی پھر میں نے کہا۔

”صرف تھوڑی سی تفریح کے لئے میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ یہ جگہ میرے لئے بڑی قیمتی ہے۔“ نادبہ نے خیال انداز میں گردن ہلاتی رہی تھی۔ پانچویں دن میں نے نادبہ سے کہا۔

”اب میں باہر نکلنا چاہتی ہوں۔“

”کیوں؟“

”نادبہ! میرے ماں باپ ابھی تک ان کے چنگل میں ہیں۔ میں تو اس دوران یہ تک سوچتی رہی ہوں کہ کہیں بدلے میں انہوں نے میری ماں بہن میں سے کسی کو قتل نہ کر دیا ہو۔“ نادبہ تشویش سے میری صورت دیکھنے لگی تو میں نے کہا۔

”لیکن ایک غیر مذہبی شخصیت ہونے کے باوجود میں اللہ پر مکمل بھروسہ رکھتی ہوں اور جانتی ہوں کہ میری بہنیں اور میری ماں مظلوم ہیں، میرا باپ مظلوم ہے، اللہ ان کی ضرورت جفاکٹ کرے گا۔ میں نے تو ایک برے انسان کو زندگی سے محروم کیا ہے اور اس کی موت کی ساری ذمہ داری میرے اپنے سر پر ہے اس

لئے اگر سزا بھی ملی تو مجھے ہی ملے گی۔ خیر بہر حال ہم جذباتی باتیں کرنے لگے ہیں۔ میں تھوڑی دیر کے لئے باہر نکلنا چاہتا ہوں۔“

”کہاں جاؤں گی؟“

”بس ایسے ہی گھر میں بڑی گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔“

”خیر یہ تو ہے لیکن میں سولی پر لٹکی رہوں گی۔“

”نہیں نادبہ بتا چکی ہوں آپ کو، میری زندگی اپنے تحفظ کے لئے نہیں ہے لیکن دوسروں کی زندگی کے لئے میں اپنا تحفظ بھی کروں گی، اطمینان رکھیں۔“ نادبہ خاموش ہو گئی۔

میں نے ریوالور اپنے ساتھ رکھا اور تھوڑا سا حلیہ تبدیل کر کے باہر نکل آئی تھی۔ نہ جانے کیوں باہر نکلنے کے بعد دل میں حاکم شیرازی کا خیال آیا۔ حاکم شیرازی سے ملاقات کروں لیکن اخبار کے دفتر جانا تو بے حد خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے اس کے گھر کا رخ ہی کیا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میں ایک آٹو رکشہ میں حاکم شیرازی کے گھر پہنچ گئی۔ آٹو رکشے کا کرایہ دے کر میں نیچے اترتی۔ چاروں طرف دیکھا پھر اس کے بھوٹے سے گھر کے دروازے کی بلبل بجائی۔

ایک بار، دوبار، تین بار۔ ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کیا قصہ ہے۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہی تھی کہ دروازہ آہستہ سے بجا اور پھر اندر ہی سے آواز آئی۔

”کون ہے؟“ یہ آواز حاکم شیرازی کی والدہ کی تھی۔

”اماں جی میں ہوں شاہ نور۔“ میں نے کہا اور بزرگ خاتون نے دروازہ کھول دیا۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب سا خوف چھایا ہوا تھا۔

”کیا ہوا خیر تو ہے؟“

”اندر آ جا جلدی سے“ میں دروازہ بند کروں۔“ انہوں نے کہا۔

”اماں کوئی خاص بات ہے؟“ میں نے سوال کیا۔ عمر رسیدہ خاتون نے فوراً دروازہ بند کر دیا تھا پھر وہ دیلیں۔

”آؤ اندر آ جاؤ۔“ دونوں لڑکیاں بھی اندر ہی موجود تھیں لیکن دونوں کی دونوں سہمی ہوئی۔

”کیا ہوا ہے، حاکم خیریت سے ہیں؟“

”ہاں وہ، وہ باہر..... باہر گئے ہوئے ہیں۔“

”کہاں باہر؟ ضرور کوئی ایسی بات ہے آپ لوگ کافی پریشان نظر آ رہے ہیں۔“ اماں جی نے کوئی جواب نہیں دیا ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے وہ بیٹھ گئیں اور پھر مجھ سے بولیں۔

”بیٹا کچھ پیو گی؟“

”کچھ نہیں، پہلے یہ بتائیے قصہ کیا ہے؟“

”وہ میں بتاتا ہوں۔“ ایک آواز سنائی دی اور میں پتک کر ادھر دیکھنے لگی۔

خوف انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ وہ خوف سے بے نیاز ہے تو پورے وثوق سے کہا

طرح سم گئیں اس کے بعد پولیس نے میری امی اور دونوں بہنوں سے تمہارے بارے میں پوچھا اور سخت رویہ اختیار کیا۔ پولیس یہ جاننے کی کوشش کر رہی تھی کہ تمہارے ہم لوگوں سے کیسے تعلقات رہے ہمارے گھر آئی ہے کہ نہیں۔ یا اگر وہ آئی تھی تو کہاں گئی تھی؟ کہاں رہتی ہے وہ؟ اس کے بعد بارے میں پوچھا گیا۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ جب پولیس یہاں سے چلی گئی تو میں واپس آگیا۔ گھر میں اس کی جو کیفیت تھی اس کا اندازہ لگا سکتی ہو۔ میں سب سے پہلے واپس اپنے دفتر پہنچا اور میں نے اپنے ایڈیٹر کو ساری صورت حال بتائی پھر اس کے بعد میں چیف ایڈیٹر کے ساتھ تھانے پہنچا۔ یہی افراد میری بات میں آئے تھے، میرا مطلب ہے میرے گھر اور دفتر۔ یہ ایس ایچ او میرے بہت اچھے دوست بھی ہیں۔ میں نے مجھے جو صورت حال بتائی وہ یہ تھی کہ پولیس نے آپ کے بارے میں اس اخبار کے دفتر سے معلومات حاصل کیں جس کی نمائندگی کرتے ہوئے آپ اس میٹنگ میں شریک ہوئی تھیں۔ وہاں سے انہیں پتا چلا کہ وہاں تک آپ کی رسائی میرے ذریعے ہوئی تھی۔ چنانچہ پولیس میری تلاش میں لگ گئی۔ میں نے انہیں ایک کمائی سنا دی ہے کہ دفتر میں ایڈیٹر صاحب کی خوشامد کر رہی تھی۔ چنانچہ ایڈیٹر صاحب نے سے رو کیا تو میں نے اس کی مدد کی۔ ایس ایچ او بھی جانتے تھے کہ میں حسن پرست آدمی ہوں۔ بہر حال ان کے کلمے الفاظ کی معافی چاہتا ہوں۔ اس وقت میری یہ سچائی میرے کام آگئی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ پولیس کسی کی دوست نہیں ہوتی۔ وہ لوگ تحقیقات کر رہے ہیں مزید آگے جو کچھ بھی ہوتا ہے میں اس کے بارے میں نہیں جانتا لیکن بہر حال اخبارات سے تھوڑی بہت معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ کچھ لوگ الماس آراء بیگم تک جانچ رہے ہیں۔ الماس آراء بیگم نے اپنے بھائی کے قتل کے سلسلے میں جو بیان جاری کیا ہے اس میں آپ کی خاندانی ہی ہے اور یقیناً یہ بات آپ کے علم میں ہوئی کہ اس وقت چپے چپے پر آپ کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ ان الفاظ کے بعد ایک معذرت اور کروں گا میں آپ سے، وہ یہ کہ میں نے آپ سے بڑی بے تکلفی کا اظہار کیا ہے۔ آپ کا تعلق تو بہت بڑے خاندان سے ہے۔ میرے الفاظ کی گستاخی کو معاف کر دیجئے۔" یہ کہہ کر حاکم شیرازی خاموش ہو گیا۔

میں اس کا موڈ نہیں سمجھ سکی تھی۔ نہ جانے طنز کر رہا تھا یا برہمی کا اظہار کر رہا تھا یا بے رخی کا البتہ ہراسہ جھکا گیا تھا اور میں کچھ دیر تک گم صم بیٹھی رہ گئی تھی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ حاکم شیرازی اور اس کے گھروالوں کو میری وجہ سے اس قدر پریشانی ہوگی اور بات تو ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ابھی تو پولیس نہ بلے حاکم شیرازی کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ میں کچھ لمحے خاموش رہی۔ یہ سوچتی رہی کہ اب حاکم شیرازی سے مجھے کیا گفتگو کرنی چاہئے۔ پھر میں نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے شیرازی کہ میں اس دن جو اخبار کے دفتر گئی تھی تو یونہی منصوبہ میرے ذہن میں تھا۔ میں اس طرح ایک اخباری رپورٹر کی حیثیت حاصل کر کے اپنے مقصد تک پہنچنا چاہتی تھی۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ تم اس کا ذریعہ بن گئے۔ مجھے تو بس ایک دھاگا چاہئے تھا پکڑنے کے لئے مجھے معذرت تو کرنی ہی چاہئے کہ تمہیں میری وجہ سے اتنی پریشانی ہوئی۔ ہر شریف آدمی مشکلات سے بچتا ہے۔ اب ایک بات کی ذرا سی تکلیف ہوئی ہے۔ تم نے مجھے بہت بڑے خاندان کا طعنہ دیا ہے۔ ہوں تو میں اسی

جا سکتا ہے کہ وہ بہت سی انسانی صفات سے بے نیاز ہے۔ انہیں مکمل انسان نہیں کہا جاسکتا۔ اس وقت آواز سن کر ایک لمحے کے لئے خوف سے میرا دل دھڑکا تھا اور میں نے گردن گھما کر دیکھا تھا لیکن کچھ لمحوں کے بعد حیات نے یہ بتا دیا تھا کہ آواز اجنبی نہیں ہے اور اس کے ساتھ حاکم شیرازی کا چہرہ نظر آیا لیکن چہرے پر اس وقت وہ مخصوص شوخی نہیں تھی جو عموماً نظر آتی تھی۔ میں اندازے قائم کرنے لگی اور ایک لمحے کے اندر مجھے یہ احساس ہو گیا کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حاکم شیرازی کی والدہ نے یہ بتایا تھا کہ وہ باہر گئے ہوئے ہیں جب کہ حاکم شیرازی اندر ہی سے نمودار ہوا تھا۔ والدہ کے چہرے پر کسی قدر شرمندگی کے آثار نظر آنے لگے تھے لیکن میں خاموشی سے حاکم شیرازی کو دیکھتی رہی۔

"آؤ میرے کمرے میں آجاؤ۔" حاکم شیرازی میرے آگے آگے چل رہا تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے کہا۔

"اماں! آپ لوگ آنا چاہیں تو آجائیں، میں ذرا شاہ نور سے باتیں کر لوں۔"

"میں باہر ہی ہوں۔ تم کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لو۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے اماں۔" بہر حال میں حاکم شیرازی کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گئی۔

"یہ کیا قصہ ہے؟ ایک عجیب سی سنسنی خیز فضا پیدا ہو گئی ہے۔"

"ہاں شاہ نور، پولیس ہمارے گھر آئی تھی، تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے۔"

خیر میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہیں ان حالات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ مجھے ان حالات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ حالانکہ ایک رپورٹر ہونے کی حیثیت سے میں ہر ممکن کوشش کر لی لیکن بات جن لوگوں سے متعلق ہے ان کے بارے میں کچھ معلومات کر لینا بڑا مشکل کام ہے۔ اگر تم چاہو تو مجھ سے یہ سوال کر سکتی ہو کہ قصہ کیا ہے؟"

"میں جس طرح تم سے بے تکلف ہوں شیرازی، اس کے بعد میں سوال کر لوں تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

"میں تو یہ سمجھتا تھا شاہ نور کہ اگر تم کسی مشکل کا شکار ہو گئی تو سب سے پہلے جس اچھے دوست تصور تمہارے ذہن میں آئے گا وہ میں ہوں گا لیکن یقین کرو میں تم سے شکایت نہیں کرنا بلاشبہ تمہارے ذہن تک یہ بات پہنچانے میں شاید ابھی تک ناکام رہا ہوں کہ میں تمہارا ایک بہت اچھا دوست ہوں۔"

"دیکھو شیرازی! مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش مت کرو۔ اگر میں تمہیں اچھے دوستوں میں شمار کرتی تو اس وقت یہاں کا رخ کرنے کی کبھی ہمت نہ کرتی۔"

"شکریہ۔ پہلے میں تمہیں بتا دوں کہ ہوا کیا ہے۔ پولیس پہلے میرے آفس پہنچی۔ اتفاق سے آؤٹ ڈور نکلا ہوا تھا چنانچہ وہ میرے گھر پر آئی۔ باقاعدہ ہمارے گھر کی ناکہ بندی کی گئی اور اس کے بعد گئی تلاشی لی گئی۔ امی اور بہنوں نے زندگی میں بھی پولیس کے قدم اپنے دروازے پر نہیں دیکھے تھے۔

ہوں۔ اب اجازت دیجئے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کیجئے ابھی اس وقت اپنے آپ کو آپ کی نہیں دے سکتی کہ مجھے پولیس کے حوالے کر کے اپنی پوزیشن صاف کر لیجئے لیکن ایک بات کا یقین میں نے اگر محسوس کیا کہ پولیس آپ کو زیادہ تنگ کر رہی ہے تو پھر یوں کروں گی کہ پولیس کو آپ کے گھر آجاؤں گی یا خود پولیس کے سامنے پیش ہو جاؤں گی اور کہہ دوں گی کہ میرے ت کا حاکم شیرازی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

اس کا کچھ اور؟“ حاکم شیرازی نے کہا اور اسی وقت حاکم شیرازی کی والدہ دروازہ کھول کر اندر آئیں۔ ”عورت کی فطرت ہے کہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر بہت سے راز معلوم کرنے کی رتی ہے لیکن اس وقت معاملہ ذرا الجھا ہوا تھا۔ پولیس آئی تھی اور میں بھی بڑی پریشان تھی اس دن کی گفتگو سننے کھڑی ہو گئی اور اب جو کچھ میں نے سنا ہے اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔“

میں سے کھڑی ہو گئی تھی۔ شیرازی صاحب کی والدہ نے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے بٹھاتے ہوئے

”اب اگر میں یہ کہوں کہ مس شاہ نور بیٹھ جائیے اور شرافت کے ساتھ بیٹھ جائیے تو میرے لئے نہیں ہو گا لیکن البتہ اگر آپ نہیں بیٹھیں گی تو دونوں ہاتھ جوڑ کر میں آپ سے معافی مانگ لوں گا۔“

”آپ بیٹھے، بھائی اصل میں بات وہیں آجاتی ہے۔ انسان اس قدر مجبور ہوتا ہے کہ کہیں بھی کسی بھی جگہ اپنا سینہ کھول کر نہیں دکھا سکتا۔ یہ سب کچھ جو ہوا اس میں ایک محبت بھری شکایت ہے۔ ملاقاتیں ہو چکی تھیں اور ذرا سا اعتماد کا اظہار بھی کر دیا ہوتا تو ڈی سی جرات سے کام لے کر۔ اگر اس معاملے میں شریک کر لیتے تو اور کچھ تو نہ کہتے یہ تو نہ کہتے کہ آپ خاور جلال کو قتل کر دیجئے البتہ ایسا اور میانہ راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی جس سے کام بن جاتا۔ پھر پتا ہے کیا ہوا، ایک احساس کہ ذہن پر سوار ہوا اور ہم نے سوچا کہ بڑے خاندان کی بڑی لڑکی نے ہمیں بس اتنا ہی سمجھا کہ ہمارا سہارا لیا۔ ہمارے کندھے پر ہاتھ رکھ کے دو قدم آگے بڑھائے۔ کہنا تو یہ چاہتے تھے کہ کچھ اور زیادہ بوجھ ہمارے کندھے پر ڈال دیا جاتا تو کوئی حرج نہیں تھا۔“

”شیرازی صاحب: یہ کانٹوں بھرا راستہ ہے اور میں آپ کو بتا دوں کہ زندگی کا ایک عجیب حصہ وقت میرے ہمراہ ہے۔ مختلف کیفیتوں کا شکار رہی ہوں اور میں نہیں کہہ سکتی کہ آنے والے وقت کیسی کیسی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑے چنانچہ مجھ سے کنارہ کشی زیادہ بہتر رہے گی آپ کے لئے۔ آپ نے نہیں زندگی میں اس سے پہلے کتنے لوگوں کو اچھا دوست بنایا ہے۔ میں آپ کے کردار پر داغ نہیں لگا رہا لفظ دوست استعمال کیا ہے میں نے، محبوب نہیں لیکن آپ سمجھ لیجئے کہ آپ ایک سچے اور صاف ستھرے انسان ہیں اگر کسی صاف ستھرے انسان سے آپ دوستی کریں اور اپنا دوست بنا لیں تو وہ اچھے لوگ مل جائیں گے۔ میرے بارے میں چلنے آپ کو اتنا تو علم ہو گیا کہ میں کیا چیز ہوں۔ مشکلات کا ہوں میں۔ سچ بتاؤں اس چکر میں آئی تھی کہ اب آپ کو ساری صورت حال بتا کر آپ سے مشورہ کروں لیکن مجھے انوس ہے اہی کے چہرے پر خوف کے آثار اور ہنوں کے چروں پر دہشت دیکھ کر دل ہی دل

”اب اگر میں یہ کہوں کہ مس شاہ نور بیٹھ جائیے اور شرافت کے ساتھ بیٹھ جائیے تو میرے لئے نہیں ہو گا لیکن البتہ اگر آپ نہیں بیٹھیں گی تو دونوں ہاتھ جوڑ کر میں آپ سے معافی مانگ لوں گا۔“

”آپ بیٹھے، بھائی اصل میں بات وہیں آجاتی ہے۔ انسان اس قدر مجبور ہوتا ہے کہ کہیں بھی کسی بھی جگہ اپنا سینہ کھول کر نہیں دکھا سکتا۔ یہ سب کچھ جو ہوا اس میں ایک محبت بھری شکایت ہے۔ ملاقاتیں ہو چکی تھیں اور ذرا سا اعتماد کا اظہار بھی کر دیا ہوتا تو ڈی سی جرات سے کام لے کر۔ اگر اس معاملے میں شریک کر لیتے تو اور کچھ تو نہ کہتے یہ تو نہ کہتے کہ آپ خاور جلال کو قتل کر دیجئے البتہ ایسا اور میانہ راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی جس سے کام بن جاتا۔ پھر پتا ہے کیا ہوا، ایک احساس کہ ذہن پر سوار ہوا اور ہم نے سوچا کہ بڑے خاندان کی بڑی لڑکی نے ہمیں بس اتنا ہی سمجھا کہ ہمارا سہارا لیا۔ ہمارے کندھے پر ہاتھ رکھ کے دو قدم آگے بڑھائے۔ کہنا تو یہ چاہتے تھے کہ کچھ اور زیادہ بوجھ ہمارے کندھے پر ڈال دیا جاتا تو کوئی حرج نہیں تھا۔“

دینے جس طرح بھی ممکن ہو سکے مجھے خیر پور بھجوانے کا انتظام کرو۔ وہاں بھی خفیہ طور پر ہی جانا

دیکھ نور ہنسی تو آری ہوگی آپ کو اس زبردستی کے مہمان پر جو آپ کے دل میں آنا چاہتا ہے لیکن
پھر مجھے لوگ بھی ہوا کرتے ہیں۔ اب یہ بتائیے آپ یہاں رکنا پسند کریں گی یا کوئی ٹھکانا بنا رکھا ہے

میں حیران نگاہوں سے حاکم شیرازی کو دیکھتی رہ گئی۔ ایک عجیب سا احساس اس وقت دل میں پیدا
لیکن اس کے بارے میں سوچنے کا وقت نہیں تھا البتہ ایک لذت آمیزی کیفیت میں نے اپنے دل
کی تھی لیکن دوسرے لمحے میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

اس سوال سے آپ کا کیا مقصد ہے شیرازی؟ میں نے اس کے چہرے پر بھی چونکنے کے آثار
اس وقت میں نے شیرازی کو جس طرح مخاطب کیا تھا مجھے خود بھی اس میں بڑی اپنائیت محسوس ہوئی۔
اس کے الفاظ کا نتیجہ تھا جو اس نے ابھی ادا کئے تھے۔ وہ بولا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ جگہ آپ کے لئے بہت مخدوش ہے۔ اصل میں پولیس کو اس بات کا علم
کہ آپ کو اخبار کے دفتر پہنچانے والا میں تھا اور یہ بات بھی وہ سب جان چکے ہیں کہ خاور جلال کی
میرے ساتھ آپ شرکت کے لئے گئی تھیں۔ وہ لوگ چونکہ صحیح معنوں میں کام کر رہے ہیں، میرا
ہے ایک صحافی ہونے کی حیثیت سے پولیس کو مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے، بہر طور ان کی
م کر رہی ہے۔ ہمارا گھر ضرور ان کی نگاہوں میں آجائے گا اور جب انہیں مزید شواہد نہیں ملیں گے
سے گھر کی نگرانی شروع کر دیں گے۔ ایسی حالت میں، میں تمہیں یہاں رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے
جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ اہی اور دونوں بہنوں کو میں خیر پور پہنچا دوں گا۔ بڑے خفیہ طریقے سے
ہی جاتا ہوں کہ اس کے بعد پولیس مجھے بہت پریشان کرے گی اور میں خود غائب ہو جاؤں گا۔ میرا
ہے تم تک پہنچ جاؤں گا۔ اس دوران میں تمہاری کسی محفوظ جگہ کا تعین چاہتا ہوں۔

یہ محفوظ جگہ میرے پاس موجود ہے۔ میں نے جواب دیا۔

کمال؟ مجھے بتانا پسند کرو گی؟

نہا دوں گی۔

میں بتا دوں گی نہیں، ابھی بتانا ہے بلکہ ایسا کرو میں تمہیں اس محفوظ جگہ تک چھوڑ آتا ہوں اور
بعد پھر تم سے دوسری ملاقات کروں گا۔ میں نے حاکم شیرازی کی والدہ اور بہنوں کو دیکھا۔ دونوں
ہنسی تھیں۔ پھر میں نے آستہ سے کہا۔

نیک ہے۔ اور اس کے بعد چند منٹ وہاں رک کر میں وہاں سے باہر نکل آئی۔ حاکم شیرازی نے
ناجائزہ لے لیا تھا اور اس کا کہنا تھا کہ اس کی نگاہیں بڑی تیز ہیں اور دوست دشمن کو دور سے پہچان
پھر حاکم شیرازی کو لے کر پہلی بار اپنے اس ہوٹل پہنچی جو شروع سے اب تک میری پناہ گاہ ثابت

”چلو ضد چھوڑو وہ جو کہتے ہیں کہ ہر کام اپنے وقت پر ہی ہوتا ہے بیٹا“ اس صورت
واقفیت ہے کہ پولیس حاکم کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے لیکن جو ہوتا تھا وہ تو ہو ہی گیا ہے
سے تم سے تمہارے بارے میں اس لئے بھی معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اس کے بعد اگر خدا
ہمارے پاس پہنچے تو ہم ان معلومات کی روشنی میں ان سے گفتگو کریں۔

”انشاء اللہ تعالیٰ اب ایسا ہو گا نہیں لیکن خیر ہر چیز کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔ ابھی شیراز
دے چکے ہیں بڑا آدمی ہونے کا یا بڑا خاندان ہونے کا، میں آپ کو بتاؤں، خاندان تو واقعی ہی ہمارا
نہیں ہے۔“ پھر میں نے مختصراً انہیں تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔

حاکم شیرازی کی والدہ خاموش تھیں اور وہ پتھریا ہوا بیٹھا تھا اس طرح کہ الفاظ میں بیان
سکتا۔ بہت دیر تک خاموشی طاری رہی پھر حاکم شیرازی کی والدہ نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔
”بیٹی دعاؤں کے سوا میں تمہیں اور کیا دے سکتی ہوں۔ اس بات کو دل سے نکال دو کہ
وجہ سے کسی مشکل کا شکار ہوئے ہیں۔ میں ہر نماز کے بعد دعا مانگوں گی۔ اس کے علاوہ مجھ غم
میں کچھ اور نہیں ہے۔“

”لیکن امی، ایک بات میں آپ کو بتا دوں۔ پولیس ہمیں اپنی لسٹ پر رکھ چکی ہے اور
لوگوں کو خوش کرنے کا ہے۔ پولیس انہیں خوش کرنے کے لئے جو کچھ بھی نہ کر ڈالے گی وہ کہ
آپ سے ایک بات عرض کر دوں، شاہ نور میرے ذریعے اس اخبار کے دفتر تک پہنچی تھی۔ مجھے
میں زیادہ سے زیادہ ملوث سمجھا جائے گا۔ بجائے اس کے الماس بیگم اور عزت جلال وغیرہ آپ پر
میری زبان کھولنے کے لئے، میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے تحفظ کا بندوبست کر لیں۔ میں آپ کو
چاہتا ہوں بچا الیاس علی کے پاس، مبینہ دو مہینے وہاں رہ لیں۔ وہ اتنی غیر معروف شخصیت ہیں کہ
کے بارے میں ہتھک بھی نہیں مل سکے گی۔ آپ لوگ فوراً تیار ہو جائیں۔ اب تک چونکہ مجھے
معلوم نہ تھی اس لئے میں اس قدر محتاط نہیں ہوا تھا لیکن اب میں جانتا ہوں کہ کیا ہو گا۔ اگر آپ
گی تو ہم سب کی زندگی تباہ ہو جائے گی اور محترمہ آپ بھی سن لیجئے، ہر انسان کو اپنی زندگی پر حق
ہے کوئی بھی اپنی پسند سے چور، ڈاکو، قاتل، یا کسی بھی برائی میں ملوث ہو سکتا ہے۔ مجھ میں یہ برائی
لیکن مجھے اپنی زندگی پر اختیار تو حاصل ہے۔ امی میں آپ کو ایک بات بتاؤں میں شاہ نور کو بہت
کرنا ہوں۔ آپ یقین کیجئے پوری سنجیدگی سے بتا رہا ہوں کہ تقدیر مجھے کہیں سے موقع دیتی اگر
ممکن ہو سکتا تو میں اسے زندگی کا ساتھی بنانے کی کوشش کرتا۔ میری محبت مجھ سے تقاضا کر رہی
اس کے شانہ بشانہ اس کی مشکلات کا حل تلاش کروں۔ امی مجھے اس کی اجازت دیں۔ آپ یہ
اپنے ہاتھ پاؤں بچائے رکھوں گا۔“

میں رنگ رہ گئی تھی۔ یہ ایک سنسنی خیز کردار میرے سامنے آیا تھا۔ زندگی میں ایسے لوگ
دیکھے تھے۔ میرے سامنے اور اپنی ماں کے سامنے یہ انوکھا اظہار کر رہا تھا۔ ہر شخص خاموش
خاموشی کو شیرازی کی ماں نے ہی توڑا۔ وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولیں۔

”یہ جگہ.....!“
 ”ہاں حاکم شیرازی“ یہ جگہ اس وقت سے میرا ممکن ہے جب سے میں نے الماس بیگم کا
 ہے۔“

”زبردست، بہت بڑی بات یعنی اس کے بعد کے سارے واقعات الماس آراء کا گھر چھوڑ
 جو پیش آئے تھے ان میں تم ہمیں تھیں۔“
 ”ہاں۔“
 ”اس کا مطلب ہے یہ محفوظ جگہ ہے، مگر تم مجھے یہاں کیوں لائیں؟“
 ”دیکھو شیرازی ہمیں بے کار باتوں سے گریز کرنا ہوگا۔“
 ”کیا مطلب؟“
 ”میں کوئی مطلب نہیں بتانا چاہتی بس میں لے آئی۔ یہ تم پر انتہائی اعتماد کا ثبوت ہے۔ عارہ
 یہ جگہ بڑی محفوظ ہے۔“

”یقیناً محفوظ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے تمہاری ذہانت بھی جھلکتی ہے۔ تم چاہتے
 اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں اپنے لئے جگہ حاصل کر سکتی تھیں مگر نہیں، رقم وغیرہ کا مسئلہ بھی سامنے
 ”اس وقت میرے پاس اتنی رقم موجود ہے کہ میں ایک چھوٹا موٹا مکان خرید سکتی ہوں۔“
 ”خیر، میں وہ رقم دیکھنے کی فرمائش نہیں کروں گا۔ فی الحال اس جگہ کو اپنا ممکن بناتے ہیں۔
 جب اس اعتماد کی بات چل پڑی ہے تو ایک بات کہوں میں آپ سے محترم۔“

”جی..... جی..... جی فرمائیے جناب۔“ میں نے بھی کسی قدر مزاحیہ انداز میں کہا۔
 ”ایسا کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں کوئی مؤثر جواب دیا جائے۔“ حاکم شیرازی کسی سوچ میں
 اٹے سیدھے الفاظ ادا کرنے لگا۔ یوں لگ رہا تھا اس کا ذہن زبان کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو۔ میں
 کہ وہ اپنے حواس پہلے مجتمع کر لے اس کے بعد بات کرے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ پھر اس نے کہا۔
 ”میرے ذہن میں ایک تجویز ہے..... ایک نام سے واقفیت ہے سرفراز احمد خان عزا
 لچھو۔“

”کسی قلم کا نام ہے؟“ میں نے پوچھا اور وہ مسکرا دیا پھر بولا۔
 ”نہیں“ اس کا مطلب ہے کہ نہیں جانتیں، یہ بھی ایک بہت بڑا آدمی ہے۔ بلکہ یہ کہا جا
 نہیں ہوگا کہ اسی خاندان کے برابر کا آدمی ہے۔ یعنی عزت جلال وغیرہ کے خاندان کے برابر کا آدمی
 بات یہ ہے کہ خاور جلال کا مد مقابل وہی شخص ہے یعنی نواب لچھو۔“

”اچھا.....؟“
 ”کیوں نہ ہم اس کی مدد حاصل کریں۔ تم پر جو الزام لگا ہے نا وہ الزام ختم کرایا جاسکتا ہے؟
 چالاکی سے کام لیتا ہوگا۔“
 ”بتاؤ وہ کیسے؟“

”یوں کرتے ہیں کہ کسی طرح نواب لچھو تک یہ بات پہنچاتے ہیں کہ اس نے تمہیں خاور جلال کے
 پر آدھ کیا تھا اور اس نے خاور جلال یعنی اپنے مد مقابل کو الیکشن کے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی
 ”کیا؟“ میں حیرت سے حاکم شیرازی کی صورت دیکھنے لگی۔
 ”محترمہ شاہ نور بیگم“ یہ سیاست دانوں کی سیاست ہوتی ہے جس کو جس داؤ پر ہاتھ لگے اٹھا کر پلٹ
 ہیں یہ لوگ۔ اگر ان کا داؤا انہی پر الٹ دیا جائے تو.....“
 ”ذرا تفصیل سے بتاؤ۔“

”میرا مطلب ہے کہ نواب لچھو سے بات کر لی جائے۔ خاور جلال قتل ہو گیا ہے۔ نواب لچھو اس
 ہمارے جال میں پھنس جائے گا اگر ہم پولیس کو یہ بیان دے دیتے ہیں یا تم یہ بیان دے دیتی ہو تو
 لچھو کی ایسی تیشی ہو جائے گی۔ ہم یہ بات بتا کر اس سے پناہ طلب کرتے ہیں تو وہ ہمیں پناہ دینے پر
 رہ جائے گا۔“
 ”زبردست بات ہے لیکن میں اس سلسلے میں تم سے اتفاق نہیں کروں گی۔“
 ”چھا، چلو ٹھیک ہے۔ کچھ اور سوچتے ہیں۔“ پھر بہت دیر تک حاکم شیرازی میرے پاس بیٹھا رہا اور
 نے بہت سے مشورے دیے لیکن ہم لوگ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہو سکے تھے۔ اس نے کہا۔
 ”فون تو نہیں ہے یہاں۔“
 ”کمال کرتے ہو۔ یہاں اس ہوٹل میں فون ہوگا، ہمارے کمرے میں۔“
 ”خیر اس وقت میں تمہیں فون پر مخاطب بھی نہیں کروں گا۔ اس وقت صورت حال سنگین ہے۔
 میں اگر میں نگاہوں سے بچا ہوا ہوتا تو بہت کچھ کر سکتا تھا لیکن ذرا برابر فکر مت کرنا۔ اب تو بقول
 زندگی لٹا ہی دی ہے کسی پر تو پھر گردن کی فکر کسے ہو سکتی ہے۔ اچھا میں چلا ہوں، اب یہیں قیام کرو،
 تو میں تمہیں کسی بات کے لئے منع نہیں کر سکتا لیکن پتا نہیں کیوں دل چاہتا ہے کہ کچھ کہوں۔“
 ”جی فرمائیے۔“
 ”خیال رکھنا اپنا اور ممکن ہو سکے تو اپنے آپ کو یہاں محدود رکھنا۔“
 ”یہ ممکن نہیں ہے جناب، اگر کوئی پیغام ہو تو آپ کانڈ کی ایک چٹ لکھ کر دروازے سے نیچے ڈال
 میں یہاں آؤں گی تو دیکھ لوں گی۔ ویسے یہاں کے علاوہ میں فی الحال کہیں نہیں جاؤں گی۔“
 ”چلے ٹھیک ہے، ایسا کر لیتے ہیں۔“
 ”اوکے۔“ اس کے بعد حاکم شیرازی چلا گیا لیکن میں ذرا سنجیدہ ہو گئی تھی۔ میرا دل نادیہ سے ملنے کو
 جمن ہونے لگا۔ مجھے وہ چور راستہ تو معلوم تھا جس سے نادیہ کی کوٹھی میں پہنچا جاسکتا تھا پھر تارکیاں اتر
 ا تو اپنا حلیہ تھوڑا سا تبدیل کر کے باہر نکلی اور ایک مخصوص راستہ طے کرنے کے بعد ٹیکسی لے کر نادیہ
 کوٹھی کی جانب چل پڑی۔ چور راستے سے کوٹھی میں داخل ہوئی لیکن اندر پہنچتے ہی پتا چل گیا تھا کہ نادیہ
 وقت موجود نہیں ہے۔ یہ گھر میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ یہاں کا چپہ چپہ میرا شناس تھا۔ جو کمرہ نادیہ نے

میرے لئے مخصوص کیا تھا اس میں پہنچ گئی۔ رات کو کوئی ساڑھے دس بجے ناویہ کی کار کو بھٹی کے گرد اندر داخل ہوئی۔ مجھے یقین تھا کہ میرے کمرے میں روشنی دیکھ کر وہ بے اختیار اس طرف دوڑے گی۔ ہوا۔ دروازے سے اندر داخل ہو کر وہ حیران لگا ہوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر ایک دم اس کے چہرہ شجیدگی طاری ہو گئی۔

”کہاں تھیں؟“ اس نے سوال کیا اور میں مسکرا دی۔

”بس میڈم زندگی سے جھگڑتی پھر رہی تھی۔“

”تمہیں اندازہ ہے کہ میں کتنی پریشان تھی تمہارے لئے۔ کہیں سے سراغ ہی نہیں مل رہا تھا۔“

”فون نہیں کر سکتی تھی ورنہ آپ کو مطمئن ضرور کرتی محترمہ۔“ میں نے کہا۔

”Shut up“ ناویہ نے پیار بھرے انداز میں مجھے ڈانٹا اور اس کے بعد بولی۔

”اچھا ذرا خان بابا کو اطلاع کر دوں کہ کسی کو میرے اطلاع دیئے بغیر نہ اندر آنے دے۔ ہو سکا کوئی ٹپک ہی پڑے۔“ یہ کہہ کر اس نے چوکیدار کو انٹرکام پر کچھ ہدایات دیں اور میرے لئے کھانا بندوبست کرنے لگی۔ کھانے کے دوران ہی ہم باتیں کرنے لگے۔ ناویہ نے اپنے لئے کافی بنوالی تھی۔

”تمہیں اس سنگین صورت حال کا اندازہ ہے جو پیدا ہو گئی ہے۔ کیا تم نے آج کے اخبار دیکھے؟“

”آج کے تو نہیں دیکھے لیکن کل تک کے اخبار دیکھ چکی ہوں۔ کافی لے دے ہو رہی ہے۔“

”آج کے اخبار میں تمہارا حلیہ شائع کر دیا گیا ہے اور ایک قاتلہ کی حیثیت سے تمہیں تلاش کیا جا رہا ہے۔“

”گویا وہ کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔“

”اب جو ہوا سو ہوا۔ یہ بتاؤ کیا کر رہی ہو آگے؟“

”اصل میں وہ جو کہتے ہیں کسی کو خون منہ لگ جاتا ہے۔ خاور جلال کو قتل کرنے کے بعد میرے

کو بھی خون لگ گیا ہے۔ یقین کرو ناویہ میں اب یہ بھول گئی ہوں کہ میرا اس خاندان سے کیا تعلق ہے۔“

”کرنا کیا چاہتی ہو؟“

”عزت جلال‘ عظمت جلال اور یہی لوگ میرے باپ کی گمشدگی کا باعث ہیں۔ عزت جلال

بارے میں اب تک جو رپورٹیں ملی ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ تینوں بھائیوں میں سب سے زیادہ شاطر

اور بھی شخص وہ قاتل تھا جس کا الزام میرے باپ پر لگایا گیا۔ اسے سب سے آخر میں رکھتی ہوں۔ اب

عظمت جلال کا ناشتا کرنا ہے۔“

”شاہ نور..... شاہ نور‘ کیا تم عظمت جلال کو بھی قتل کر دو گی؟“

”ہاں۔“ میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ ”اب یہی کرنا ہے مجھے‘ عظمت جلال اور اس کے

تائی صاحبہ۔ ہاں سودا کر سکتی ہوں ان سے اور سودا کروں گی۔ ان سے کون سی میرے ماں باپ‘ میرا

دونوں بہنیں جائیداد کے اس حصے کے ساتھ مجھے دے دی جائیں تو میں انہیں معاف کر سکتی ہوں۔ دوسرا

مورت میں انہیں میرا مقابلہ کرنا ہوگا۔ میری اس بات پر آپ نہیں نہیں ناویہ۔ میں ان لوگوں سے مقابلہ کرنے کی بات کر رہی ہوں جن کی سازشوں کے جال پرے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ بڑے بڑوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔“ ناویہ سنسنی خیز لگا ہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

”میں کیا کہوں تم سے‘ تمہارا مؤقف غلط نہیں ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ وہ جس مانداز میں

تمہارے خلاف کارروائی کر رہے ہیں اس میں اس بات کی ذرا برابر بھی گنجائش نہیں کہ وہ تم سے کوئی

غماخت کریں گے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ وہ جس پائے کے لوگ ہیں اپنے مد مقابل کو اگر اس پائے کا

پائے گے تو اس کی فکر کریں گے۔ تم پر تو انہیں حیرت ہوگی کہ ان کے ہاتھوں پرورش پانے والی اتنی

ظفر ناک لڑکی ثابت ہو گئی ہے اور خاور جلال کا قتل ان کے لئے ایک بھائی کی موت کے علاوہ بہت بڑی گالی

بھی ثابت ہوگا۔ وہ کھل کر کہہ بھی نہیں پا رہے کہ تم کون ہو ان کی؟ بس گول مول سا انداز اختیار کیا ہے

انہوں نے۔“

”یہی تو مزے کی بات ہے بابا صاحب اور اسی میں مجھے بھی مزہ آرہا ہے۔ زندگی میں‘ میں نے کبھی

زندگی اور موت کی پرواہ نہیں کی ہے۔ بس ایسا ہی مزاج بن چکا ہے میرا اور اس مزاج کی تشکیل الماس بیگم

نے ہی کی ہے۔ اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں میں نے آپ کو حاکم

شیرازی کے بارے میں بتایا ہوگا۔ حاکم شیرازی میری وجہ سے خاصا پریشان ہو رہا ہے۔ وہ بالکل غیر متوقع طور

پر اس جال میں آ پھنسا ہے۔ میں آپ سے یہ کہتے ہوئی کوئی عار نہیں محسوس کرتی کہ وہ مجھ سے انظارِ محبت

مجھ کر چکا ہے اور اس طرح کہ شاید عام لوگوں نے اس طرح نہ کیا ہو۔ یعنی اس نے اپنی ماں اور بہنوں کے

سامنے کھل کر یہ بات کی ہے کہ وہ میرے لئے زندگی اور موت کی بازی لگانے کو تیار ہے۔ اب کیا کیا کہا جا

سکتا ہے اس بارے میں کہ بے چارہ کیوں اس مشکل کا شکار ہو گیا ہے جب کہ میں اس پوزیشن میں نہیں

ہوں۔ بہر حال دیکھئے تقدیر کیا فیصلہ کرتی ہے۔ ارے ہاں! اس نے ایک اور بھی تجویز پیش کی ہے۔ پتا نہیں

کیوں اس وقت میرا ذہن کیوں منتشر ہے۔ میں نے آپ سے تذکرہ کیا ہے سرفراز احمد خان عرف نواب لچھو

۴۴

”اس!“ ناویہ چونک پڑی۔ ”نواب لچھو‘ یہ تو بڑی خطرناک شخصیت ہیں بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں

ہوگا کہ ایک سیاسی غنڈہ ہے۔ خود بھی سیاست میں حصہ لیتا ہے اور سیاست دانوں کے کام بھی آتا ہے۔

بڑے جوڑ توڑ کا ماہر ہے۔“

”بس‘ حاکم شیرازی نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اگر مناسب سمجھوں تو سرفراز احمد کا سہارا لوں۔“ پھر

میں نے اسے شیرازی کی تجویز سے آگاہ کر دیا۔

”تو پھر تم نے اس سلسلے میں کیا فیصلہ کیا؟“

”ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں نے ایک طرح سے انکار ہی کر دیا تھا اور کہا

تھا کہ اس طرح کے ہتھکنڈے استعمال نہیں کروں گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ اب بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

۵۰۰۔ اصل میں صورت حال گرتی ہی جا رہی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کس طرح اپنے آپ کو

یہی اس سلسلے میں سوچ لیں گے۔

”بس میں یہی کہنا چاہتی ہوں۔ رابطے مت توڑ لینا۔“

”نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

پھر تقریباً آدھی رات تک میں اور نادیہ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

”اگر چاہو تو سکون کی ایک گولی لے لو اور گہری نیند سو جاؤ۔ صبح کو اٹھو تو طبیعت پر کوئی بوجھ نہیں ہوتا چاہئے۔ صرف ایک بوجھ کافی ہے کہ امی ابو تمہاری زندگی سے غائب ہیں، مل جائیں گے یا اللہ تعالیٰ ملانے والا ہے۔“

”اوکے، گولی کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اتنی منتشر بھی نہیں ہوں۔“ پھر میں اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔

دوسری صبح جاگی تو طبیعت خاصی ہشاش بشاش تھی۔ کوٹھی کا ماحول بالکل ویسا ہی تھا۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو اضطراب کا باعث ہوتی۔ نادیہ نے ناشتہ تیار کر لیا تھا اور صرف میرا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے کمرے میں جھانکا تھا تو میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

”آجائے کیوں مجھ پر شرمندگی کے انبار لاوے ہوئے ہیں؟“

”اچھا اب شرافت سے اٹھئے۔ نہانے کی اجازت نہیں ہے۔ منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کے کمرے میں آجائیے۔ مجھے بڑی زور سے بھوک لگ رہی ہے۔“

”بھی آئی۔“ میں نے لمبی چھلانگ لگائی اور غسل خانے میں داخل ہو گئی۔ پھر منہ ہاتھ دھونے کے بعد ناشتے کے کمرے میں پہنچی تو نادیہ میز پر بیٹھی میرا انتظار کر رہی تھی۔ میز پر بہترین قسم کا ناشتا لگا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

”دیکھو ایک بات کموں۔ ویسے تو تمہارا کہیں جانا مجھے بالکل برا نہیں لگتا لیکن بس خوف محسوس ہوتا ہے۔“

”نکلنا پڑے گا نادیہ۔ گھر بیٹھنے سے دنیا کا ہر کام نہیں ہو جاتا۔ مجھے تو باہر کی دنیا میں نکل کر ہی کچھ کرنا ہے ورنہ یہ سب کچھ کیسے ہوگا۔“

”میں جانتی ہوں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اوکے چلو ٹھیک ہے۔ اللہ مالک ہے۔“ کافی دیر کے بعد میں تیار ہو کر باہر نکل آئی۔ میں نے اپنا حلیہ جس حد تک ممکن ہو سکتا تھا بدل لیا تھا۔ اس وقت میں بھی ایک خاص کا قسم کا پشہ لگائے ہوئے تھی جو بوڑھے لوگ استعمال کیا کرتے ہیں۔ بال بھی کچھ اس طرح پھیلا کر باندھے تھے اور اوپر دوپٹہ لپیٹ لیا تھا۔ باقی بدن پر بھی ایسا لباس استعمال کیا تھا جس سے میں موٹی معلوم ہوں۔ اس طے سے مطمئن تھی اور چال بھی تھوڑا سا فرق پیدا کر لیا تھا۔ کافی دور تک پیدل چلنا پڑا تھا۔ سوچا یہ تھا کہ اس کے بعد عکسی کر کے کہیں جاؤں گی، دیکھوں گی کیا صورت حال ہوتی ہے لیکن جب سامنے ہی چوڑی سڑک پر آئی تو سامنے ٹیلی فون بوٹھ نظر آیا۔ قرب و جوار میں دور دور تک کوئی اور نہیں تھا۔

آگے بڑھاؤں۔ بس یوں سمجھ لیجئے میں نے خاور جلال کو ختم کر دیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو آگے چل کر میں اور زیادہ خطرناک صورت حال اختیار کر جاؤں۔“

”خدا تمہاری مدد کرے۔ اس کے علاوہ میں اور کیا کہہ سکتی ہوں۔ بہر حال تم مجھ سے کہیں زیادہ بچو دار ہو ان معاملات میں۔ جس طرح تمہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے انہوں نے تمہیں اور پشہ کار بنا دیا ہے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اور تم خود فیصلہ کر سکتی ہو کہ تمہیں مجھ سے کیا کام لینا ہے۔“

”ایک بات اور۔ اصل میں تمہاری پچھلی ساری باتوں کے جواب میں میں بے دھڑک چور دروازے سے اندر داخل ہو جاتی ہوں لیکن میں یہ بات جانتی ہوں کہ اس وقت وفادار پولیس اپنے آقاؤں کے لئے چپے چپے پر مجھے ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔ حاکم شیرازی بے چارہ میری وجہ سے اپنی ماں اور بہنوں کو کسی پوشیدہ جگہ بھیج رہا ہے کیونکہ وہ بھی میرے ساتھ میدانِ عمل میں پوری طرح سے اترنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ ایسی صورت میں جناب میں اپنے کچھ ٹھکانے محفوظ رکھنا چاہتی ہوں جیسے آپ۔“

”مطلب سمجھ رہی ہوں تمہارا لیکن ذرا کھل کر کہو۔“

”ہو سکتا ہے میں دوبارہ ادھر کا رخ نہ کروں۔“

”ہاں میں جانتی ہوں اگر حاکم شیرازی تمہارے عشق میں گرفتار ہو گیا ہے اور تمہارے لئے جان کی بازی لگانے کو تیار ہے تو ظاہر ہے شاہ نور، میں کوئی ایسا عمل نہیں کر سکتی، بہن کا رشتہ تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔“

”دیکھو مجھ پر طنز مت کرو۔ میں جس ذہنی حالت سے گزر رہی ہوں اسے مددگار نہ کہو۔“

”ہاں مجھے اندازہ ہے اس کا۔ اس لئے میں کوئی ایسی بات نہیں کہوں گی لیکن ایک بات ضرور کہوں گی۔ ٹھیک ہے تم دن کی روشنی میں یا براہ راست کسی بھی شکل میں مجھ سے قربت کا اظہار مت کرو لیکن یہ بھی شکر ہے کہ ہم نے ابھی تک ایسا نہیں کیا ہے لیکن آگے چل کر کوئی صورت حال ایسی پیش آئے گی تو تم یہ مت سمجھنا کہ صرف حاکم شیرازی ہی تمہارا عاشق ہے۔ ہم بھی ہیں جناب، ہمیں بھی کسی قابل سمجھ لیجئے گا۔ صلے میں کچھ نہیں مانگیں گے سوائے آپ کی محبت کے۔“

”اگر میں کسی مشکل کا شکار ہوئی اور میرے پاس کوئی چارہ کار نہ رہا تو میں یقیناً ادھر کا رخ کروں گی لیکن انہیں بھی تو بچانا میری ذمہ داری ہے جو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔“ نادیہ مسکرا دی پھر بولی۔

”یار پرواہ مت کرو زندگی میں یہ الٹ پھیر آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہر انسان کو زندگی کے بعد موت کا ذائقہ چکھنا پڑتا ہے۔ چنانچہ کیا پروا، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اپنا مشن جاری رکھو۔ میں تمہیں اس لئے کہتی ہوں کہ میری عقل اس سلسلے میں کام نہیں کرتی۔ ویسے تم یقین کرو میں بھرپور طریقے سے تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔ اگر تمہیں افرادی قوت کی ضرورت ہوئی تو وہ میں تمہیں مہیا کر سکتی ہوں۔ کرائے کے ٹوہت سے مل جاتے ہیں اور میں جانتی ہوں کہ کرائے کے ٹوہت سے مل جاتے ہیں اور میں جانتی ہوں کہ کرائے کے ٹوہت سے مل جاتے ہیں اور میں جانتی ہوں کہ کرائے کے ٹوہت سے مل جاتے ہیں۔ انہیں بھاری معاوضہ دے کر ہم اپنے کام کے لئے آمادہ کر لیں گے۔“

”ابھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی ہے۔ فی الحال مجھے یہ کام کر لینے دیجئے۔ ضرورت پیش آئی

سامنے قالینوں کا ایک بڑا شوروم تھا اس کے برابر ہی فرنیچر کی بہت اعلیٰ درجے کی دکان تھی۔ دونوں بندہ بس ایک چوکیدار نظر آ رہا تھا۔ ہوتھ میں داخل ہو گئی، سکے ڈالے اس کے بعد رات کے فیصلے کے مطابق الماس بیگم کا نمبر ڈائل کیا۔ کافی دیر تک گھنٹی بجتی رہی تھی اس کے بعد دوسری طرف سے فون اٹھا گیا۔ ملازمہ ہی نے اٹھایا تھا۔ ”جی کیا بات ہے۔ کس سے بات کرنی ہے آپ کو؟“

”دیکھئے میڈم الماس آراء سے بات کرا دیجئے۔ ان کے لئے ایک سرکاری پیغام ہے۔ میں پولیس کوارٹر سے بول رہی ہوں، کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں جو الماس آراء بیگم کو دینی ہیں۔“

”آپ پلیز تھوڑا سا انتظار کیجئے۔“ اور تھوڑی دیر بعد الماس بیگم کی آواز سنائی دی۔

”ہاں کیا بات ہے؟“

”الماس بول رہی ہیں؟“

”میری آواز نہیں پہچانتی ہو؟“

”پہچانتی ہوں پھر بھی ذرا یقین کر لینا چاہتی ہوں۔“

”کون ہو، کیا بات ہے؟“

”افسوس آپ میری آواز بھول گئیں اس کی وجہ جانتی ہیں کیا ہے؟“ میں نے کہا اور دوسری طرف سے خاموشی طاری ہو گئی۔ غالباً الماس بیگم نے اب میری آواز پہچان لی تھی۔

”شاہ نور۔“

”میں یہ کہہ رہی تھی کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے اندر ماں ہے ہی نہیں۔ آپ تو صرف ایک ایسی خاتون ہیں جس نے اپنی انا کی تسکین کے لئے اپنی دیورانی کی بیٹی اس سے چھین لی تھی۔ آپ صرف بانجھ ہیں ہر لحاظ سے بانجھ۔“

میری بات پر الماس بیگم خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔ فون پر اس کے سانسوں کا توجہ مجھے بخوبی محسوس ہو رہا تھا۔

”ہیلو سن رہی ہیں نا آپ؟“ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہاں سن رہی ہوں حرام زادی۔ ایک بار پھر حرام زادی، تو نے غلط فیصلہ کیا..... غلط فیصلہ کیا ہے تو نے۔ میرے جوتوں کے چھڑوں میں ہی تیرے لئے عزت اور زندگی تھی۔ اب ذلت کے علاوہ تجھے اس دنیا میں کچھ اور نہیں ملے گا۔“

”خوب، خوشی ہوئی۔ انسان گالیاں تب دیتا ہے جب اسے اپنی کمزوری اور بے بسی کا احساس ہوتا ہے۔ آپ میرے ہاتھوں بے بس ہو گئی ہیں الماس آراء بیگم، سمجھیں..... آپ میرے ہاتھوں بے بس ہو چکی ہیں، آپ کیا سمجھتی ہیں؟ یہ آپ کی تربیت ہے جو میں آپ کو نچائے نچائے پھر رہی ہوں۔ ہرگز نہیں جناب یہ میری ذہانت ہے۔ یہ میرا خاندانی عمل ہے سمجھ رہی ہیں نا آپ، خیر چھوڑیئے ان باتوں کو میں جانتی ہوں کہ آپ صرف اور صرف میرے ہر سوال کے جواب میں گالیاں دیں گی۔ الماس بیگم گالیاں دینے سے کچھ ہوتا نہیں۔ آپ یا آپ کے بے غیرت بھائی میرے جوتے کی گرد کو بھی نہیں پاسکتے۔ سمجھیں آپ!“

آپ کے لئے بچت کا صرف ایک راستہ ہے..... صرف ایک راستہ۔ وہ یہ کہ میری ماں اور بہنوں کا پتا مجھے بتا دیجئے گا۔ میرے باپ کے بارے میں تفصیل سے بتا دیجئے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ آسانی سے ایسا نہیں کریں گی لیکن غور کر لیجئے ایک ایک کر کے آپ کے خاندان کو میں ختم کر دوں گی۔ اب اس کے بعد آپ جانتی ہیں کہ کس کا نمبر ہے، عظمت جلال کا۔ بہت تھوڑے عرصے میں آپ کو عظمت جلال کی لاش کہیں نہ کہیں سے دستیاب ہو جائے گی، تاہی صاحبہ یا الماس بیگم! بھائیوں سے اگر کوئی دلچسپی ہے اور انہیں بھی اپنا انا کی بھینٹ چڑھانا نہیں چاہتیں تو انہیں سمجھائیے میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ آپ کیا سمجھتی ہیں، آپ کے یہاں کوئی بہادر پیدا ہوا ہے آج تک، ارے آپ سے زیادہ بزدل کوئی اور ہو بھی نہیں سکتا اور یہ دولت کے انبار جس کے پاس ہوتے ہیں نا وہ اپنے اندر کچھ نہیں رکھ سکتا۔ وہ صرف دوسروں پر انحصار کرتا ہے، اپنی دولت دوسروں میں تقسیم کر کے انہیں خریدتا ہے خود اس کے اندر اتنی ہمت بھی نہیں ہوتی کہ وہ کسی کو ایک تھپڑ بھی مار سکے۔ الماس بیگم، اب عزت جلال کو ختم کر دوں گی میں، آج اس وقت جو وقت ہے اسے نوٹ کر لیجئے۔ آج سے تیسرے دن اس وقت..... اسی وقت میں آپ کو پھر فون کروں گی۔ مجھے ان لوگوں کا پتا بتا دیجئے۔ اگر آپ نے یہ کام نہ کیا تو آپ یہ سمجھ لیجئے اس کے بعد آپ صرف اور صرف ایک کام کریں۔ وہ یہ کہ اپنے بھائی کی زندگی بچانے کی کوشش کریں۔“

”کتیا، کہاں سے بول رہی ہے..... کہاں سے بول رہی ہے مجھے بتا، میں تجھ سے ملنا چاہتی ہوں۔ فوراً تجھے پتا بتاؤں گی تیری ماں اور بہنوں کا اور تیرے باپ کا۔ کتے کی بیٹی ایک بار مجھے مل جا صرف ایک بار۔“

”الماس بیگم! اب مجھے کہنے میں یہ عار نہیں ہے کہ کتے کی بیٹی میں نہیں بلکہ آپ ہیں، سمجھیں۔ اگر آپ باعزت اور شریف خاتون ہوتیں تو وقار سے بات کرتیں اب میرے اور آپ کے درمیان وہ رشتہ قائم نہیں رہا ہے۔ آج سے ٹھیک تین دن کے بعد سمجھ گئیں۔ خدا حافظ۔“ میں نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا پھر میں برق رفتاری سے ہوتھ سے باہر نکل آئی۔ الماس بیگم کی پہنچ کو سمجھتی تھی اور بہر حال یہ جدید دور تھا۔ پولیس یہ معلوم کر سکتی تھی کہ میں نے کس علاقے اور کون سے ہوتھ سے ٹیلی فون کیا ہے۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ درست ہے یا نہیں۔ چنانچہ ٹیلی فون ہوتھ سے کافی دور بیٹھنے کے بعد یہاں ایک محفوظ جگہ تھی۔ میں نے ایک لمبا چکر لگایا اور کافی دیر تک چکر لگانے کے بعد واپس پلٹی تو مجھے یہ دیکھ کر لطف آیا کہ وہاں ٹیلی فون ہوتھ کے پاس پولیس کی ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ پولیس والے اس انداز میں ہوتھ کا جائزہ لے رہے تھے جیسے میں ٹیلی فون کے ریسپورڈر میں چھپ گئی ہوں۔ مجھے ہنسی آنے لگی۔ میں دور سے ادھر دیکھتی رہی اور اس کے بعد مجھے لطف آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس موبائل واپس چلی گئی تھی۔

جب پولیس کی گاڑی آنکھوں سے بالکل اوجھل ہو گئی تو میں پڑاٹمینان انداز میں ٹیکسی کی تلاش میں چلنے لگی۔ کافی دور تک پیدل چلنا پڑا تھا۔ اس کے بعد ٹیکسی نظر آئی تو میں نے اشارہ کر کے روک لیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور ایک بوڑھا سا معصوم سی شکل کا آدمی تھا چنانچہ میں اٹمینان سے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور پھر میں نے اسے اس علاقے کا پتا دیا جہاں حاکم شیرازی رہتا تھا۔ بس اس کے علاوہ اور کچھ بھی کیا سکتی

بعد ٹیکسی کر کے سیدھی اپنے ہوٹل میں پہنچی اور ہوٹل میں داخل ہو کر بستر پر گر پڑی۔ پورے بدن میں ایک شدید سنسنائٹ ہو رہی تھی۔ دل کہہ رہا تھا کہ کچھ کر ڈالو لیکن کیا کیا جائے۔ بہت غور کرنے کے بعد ایک دم ذہن میں ایک دھماکہ ہوا اور ایک خانہ روشن ہو گیا۔ نواب پھو کا نام یاد آیا تھا۔ سرفراز احمد خان عرف پھو۔ حاکم شیرازی نے ایک تجویز پیش کی تھی جسے میں نے مشورہ کیا تھا لیکن فوراً ہی ایک ایسا مرحلہ آگیا تھا کہ اب مجھے اس پر غور کرنا پڑ رہا تھا۔ واقعی برائی کو برائی ہی ختم کر سکتی ہے۔ اب یہی اندازہ ہو رہا تھا۔ سرفراز احمد خان عرف پھو کے بارے میں بہت زیادہ معلومات تو حاصل نہیں تھیں البتہ نادیدہ سے اس بارے میں معلومات ضرور مل سکتی تھی۔ یہ سوچنے کے بعد منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور پھر باہر نکل آئی۔ بڑا مشکل مرحلہ ہوتا ہے یہ لیکن باہر سفر کرتے ہوئے مجھے اچانک ہی کچھ خواتین نظر آئیں۔ یہ برقعے میں ملبوس تھیں اور ایک دم میرے ذہن میں ایک عجیب سا تصور پیدا ہوا۔ اگر میں برقعہ استعمال کروں تو کیا حرج ہے۔ یہ تو بہت ہی شاندار چیز ہے۔ کم از کم انسان کو مشکلات سے بچا لیتا ہے۔ یہاں سے نکلنے کے بعد برقعہ پہن لیا جایا کرے یا جہاں بھی جاؤں وہاں سے جب باہر نکلوں یا پھر ایسی جگہ اندر ہی برقعہ استعمال کیا جاسکتا ہو، مجھے ایک برقعہ خریدنا پڑے گا۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا۔ بہر حال وہاں سے نکلنے کے بعد کافی فاصلے پر ایک ٹیلی فون بوتھ پر پہنچی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بھی ٹیلی فون بوتھ مشکوک ہو۔ نتیجہ تو دیکھ چکی تھی۔ پولیس اگر چاہے تو ٹیلی فون بوتھ کو با آسانی ٹریس کر سکتی ہے۔ بہر حال میں نے یہاں سے نادیدہ کے گھر کا نمبر ڈائل کیا اور کچھ لمحوں کے بعد نادیدہ ہی کی آواز سنائی دی۔

”ہیلو کون ہے؟“ نادیدہ ایسے لوگوں کے لئے ذرا سخت لہجہ اور سخت انداز اختیار کرتی تھی جو اسے فون کریں کیونکہ بہر حال اس کا ایک الگ مقام تھا۔ ویسے حیرت کی بات یہ تھی کہ میں نے نادیدہ کو کبھی بھی مصروف عمل نہیں دیکھا تھا۔ یعنی وہ جو کہتی تھی کہ وہ اسمگلنگ وغیرہ کرتی ہے یا کچھ لوگوں کی آلہ کار بنی ہوئی ہے تو ابھی تک اس دوران میں نے کسی بھی اجنبی شخص کو اس کے ساتھ نہیں دیکھا تھا جس پر مجھے یہ شبہ ہو کہ وہ اسمگلنگ کی دنیا کا آدمی ہے۔ بہر حال نادیدہ کے ہیلو پر میں نے کہا۔

”میں بول رہی ہوں۔“

”ہیلو خیریت! کیا بات ہے؟“

”وہ بابا صاحب پولیس نے حاکم شیرازی کو گرفتار کر لیا ہے۔“

”اوہ۔“ دوسری طرف سے نادیدہ کی آواز میں ایک سنسنی سی محسوس ہوئی تھی۔ ”اور اس کی ماں اور

بہنیں؟“ نادیدہ نے سوال کیا۔

”کچھ نہیں پتا۔ کچھ نہیں اس بارے میں معلومات۔ خدا کرے وہ نکل گئی ہوں، ویسے نادیدہ.....“

”نہیں تم بے فکر رہو، یہ کام میں کر لوں گی۔“

”لیکن میں نہیں چاہتی کہ آپ بھی کسی کی نگاہوں میں مشکوک ہوں۔“

”تم فکر مت کرو، میں خود نہیں جاؤں گی۔ میں کسی نہ کسی صورت میں اس بارے میں معلومات

حاصل کر لوں گی لیکن حاکم شیرازی.....“

تھی۔ حاکم شیرازی کے علاقے میں پہنچی لیکن ذہن میں یہ بات ہمیشہ طے کر رکھی تھی کہ جہاں جانا ہو وہاں سے کافی فاصلہ اختیار کر کے ٹیکسی سے اترنا جائے تاکہ اگر کوئی آگے پیچھے ہو بھی تو کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ لیکن گڑبڑ تو یہاں شدید تھی۔ دور ہی سے میں نے حاکم شیرازی کے گھر کو دیکھا۔ گھر کے آگے دو پولیس موبائل کھڑی ہوئی تھیں۔ دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ قرب وجوار کے لوگ بھی آہ پاس موجود تھے اور پولیس والے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ اب حاکم شیرازی کے گھر جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ پتا نہیں کیا چکر ہوا ہے یہاں۔ بہر حال اس کے بعد میں وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور کے پاس میں نے اب اس علاقے کا پتا دیا جہاں حاکم شیرازی کے اخبار کا دفتر تھا۔ بڑے پُر اضطراب انداز میں یہ سننے لگا۔ ذہن میں ہزاروں وسوسے، ہزاروں خیال آ رہے تھے اور میں بڑی مشکل کا شکار تھی۔ حاکم شیرازی کے لئے بہت ہی زیادہ پریشانی دل و دماغ پر سوار ہو گئی تھی۔ خدا اسے برے وقت سے محفوظ رکھے۔ بہر حال تھوڑا سا فاصلہ طے کیا اور اس کے بعد اخبار کے دفتر کے سامنے پہنچ گئی۔ یہاں میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو رخصت کر دیا۔ مجھے اس علاقے کے بارے میں خاصی معلومات حاصل تھیں۔ بڑا کاروباری علاقہ تھا۔ یہاں بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین چار ٹیلی فون بوتھ لگے ہوئے تھے۔ میں پبلک کال بوتھ کی جانب بڑھ گئی اور وہاں سے میں نے حاکم شیرازی کے دفتر فون کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دفتر میں کسی خاتون نے فون ریلیف کیا۔

”جی فرمائیے۔“

”حاکم شیرازی صاحب سے بات کرنی ہے۔“ میں نے کہا اور دوسری طرف چند لمحات کے لئے خاموش طاری ہو گئی پھر ذرا ہچکچاہٹ کی آواز سنائی دی۔

”نہیں وہ تو تعریف نہیں رکھتے۔ آپ کون خاتون ہیں اور آپ کو ان سے کیا کام ہے؟“

”آپ چیف ایڈیٹر صاحب سے بات کرا دیجئے، مجھے انتہائی ضروری کام ہے۔“

”جی ہمت۔“ خاتون نے کہا اور کچھ لمحوں کے بعد ایک اور بھاری آواز سنائی دی۔

”جی کہنے بی بی کیا بات ہے؟“

”جناب میں حاکم شیرازی صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ انتہائی ضروری کام ہے مجھے ان سے۔“

”میں معذرت خواہ ہوں، حاکم شیرازی صاحب کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ کوئی ذاتی مسئلہ ہے ان

کا۔ سوئی، براہ کرم دفتر سے ان کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہ کیجئے۔“

ایڈیٹر صاحب نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ میرے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔ حاکم شیرازی کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔ ظاہر سی بات ہے کہ وہ کس سلسلے میں گرفتار ہوا ہے، یہ میرے علم میں تھا۔ آہ یہ تو برا ہوا..... برا ہوا..... پولیس اس پر تشدد کرے گی، یہ معلومات حاصل کرے گی کہ میں کہاں ہوں اور کس طرح اس تک پہنچی تھی حالانکہ حاکم شیرازی بھی ایک صحافی ہے اور پولیس بہر حال کسی صحافی پر تشدد کرتے ہوئے ہزار بار ضرور سوچے گی۔ ٹیلی فون بوتھ سے نکلنے کے بعد لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ کیا افسوس ناک بات تھی۔ حاکم شیرازی بے چارہ اپنے نیک جذلوں کا شکار ہو گیا تھا۔ اس کے

”ہاں۔ میں اس کے لئے بہت پریشان ہوں۔“ نادیہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔
 ”اسے اس کے گھر سے اٹھایا گیا آفس سے؟“
 ”یہ مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔“
 ”خیر یہ بھی میں معلوم کر لوں گی۔ تم بالکل بے فکر رہو اور سنو کیا خیال ہے اس کی ضمانت کی کو شش کروں؟“

”نادیہ میں نہیں چاہتی کہ میں آپ کو بھی اپنے ہاتھ سے کھو دوں۔“ میں نے کہا اور نادیہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ کافی دیر تک سوچ میں ڈوبی رہی پھر بولی۔
 ”چھادیکھو صرف ایک بات کہہ رہی ہوں تم سے۔ صرف اور صرف اپنا خیال رکھو، اپنا تحفظ کرو باقی حاکم شیرازی کے مسئلے کو تھوڑی دیر کے لئے بھول جاؤ۔ میں اس سلسلے میں بھرپور کوشش کروں گی۔“
 ”میں نے ایک مشورہ کرنے کے لئے یہ فون کیا ہے۔“
 ”بولو۔“

”حاکم شیرازی نے اس وقت کہا تھا کہ نواب لچھو سے رابطہ کر لوں اور یہ طریقہ کار اختیار کروں، کیا خیال ہے۔ کیا میں ایسا کر لوں؟“ نادیہ سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔
 ”کرلو۔“

”سوچ سمجھ کر کہہ رہی ہو؟“

”ہاں، دیکھو میں یہی کہنا چاہتی تھی تم سے کہ جب ہم برے لوگوں کے مقابلے پر آتے ہیں تو ان لوگوں کا مقابلہ برائی ہی سے کریں اور تم جانتی ہو کہ یہ سیاسی لوگ کس قسم کے ہوتے ہیں۔ سرفراز احمد خان انکیشن میں کھڑے ہونے والا ہے۔ خاور جلال کا مقابلہ تھا وہ اور اب یقینی طور پر کچھ مشکوک نگاہیں اس کی جانب اٹھ رہی ہوں گی۔ چنانچہ تم خود سمجھ دار ہو۔ اگر وہ ٹریپ ہو جائے تو ہمارے لئے کام کر سکتا ہے۔“

”ہوں، طریقہ کار کیا رکھوں، کیا اس سے ملاقات کر لوں؟“

”ہرگز نہیں، بالکل نہیں، ذرا دیکھ لو کیا صورت حال رہتی ہے۔“

”اس کا مطلب ہے ٹیلی فون؟“

”ہاں۔ ابھی ایسا ہی کرو۔“ بہر حال یہ سارا مسئلہ اپنی جگہ، نادیہ کے مشورے نے دل کو کافی تقویت دی تھی۔ میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں یہ کام شروع کرنے جا رہی ہوں کیونکہ بہر حال حاکم شیرازی کو اس عذاب سے نکالنا ضروری ہے۔ آپ کو وہ تکلیف مسلسل کرنا پڑے گی۔“

”کون سی تکلیف؟“

”معلوم کر لیجئے کہ حاکم شیرازی کی ماں اور ہمیں بھی گرفتار ہوئی ہیں، اپنے گھر میں ہیں یا پھر اپنے گھر سے نکل چکی ہیں۔“

”میرا وعدہ ہے کہ چار گھنٹے کے اندر میں یہ معلومات حاصل کر لوں گی اور یہ بھی معلوم کر لوں گی کہ ام شیرازی کو کون سے لاک اپ میں رکھا گیا ہے۔ کس طرح اور کہاں سے گرفتار کیا گیا ہے۔“
 ”اوکے۔ میں ٹیلی فون کر کے یہ بات آپ سے معلوم کر لوں گی۔“ یہ کہہ کر میں نے نادیہ سے رزا احمد خان عرف نواب لچھو کے تین چار نمبر لے لئے اور فون بند کر دیا۔

اتنا تو مجھے معلوم تھا کہ نادیہ خود بھی انہی راستوں کی راہی ہے۔ یہ نمبر اس کے پاس ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ بہت دیر تک میں ان نمبروں کو اپنے ذہن میں دوڑاتی رہی اور سڑک پر پیدل چلتی رہی۔
 ہاتھ اتنا فاصلہ طے کر لیا کہ اس ٹیلی فون نمبر سے بہت دور نکل جاؤں یعنی اس بوتھ سے، کافی فاصلے پر کے بعد مجھے ایک اور ٹیلی فون بوتھ نظر آیا اور میں اس کی جانب بڑھ گئی۔ یہ ٹیلی فون بوتھ میری رہدہ جگہ پر تھا یعنی دور دور تک علاقہ سنسان تھا۔ میں ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہونے کے بعد نمبر ڈائل کرنے لگی۔ پہلا ہی نمبر میں نے ڈائل کیا تھا کہ ایک لمحے کے اندر فون ریسیو کر لیا گیا۔ دوسری طرف سے ہماری اور پُر وقار آواز سنائی دی۔

”ہاں کون ہے؟ کیا بات ہے؟“

”میں سرفراز احمد خان صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”کئے بی بی۔ میں سرفراز احمد خان ہی بول رہا ہوں۔“ ادھر سے آواز آئی اور میں حیرت سے چونک گیا۔ کیونکہ آواز میں بڑی نرمی تھی اور لہجہ بھی پُر اخلاق تھا۔ پھر ایک دم مجھے یہ احساس ہوا کہ آج کل رزا احمد خان انکیشن میں کھڑا ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے اس موقع پر اس طرح کے لوگ بہت زیادہ خوش ہو جاتے ہیں۔ تمام انسانی صفات سے آراستہ نظر آتے ہیں جب کہ عام حالات میں صورت حال ذرا ہموار کرتی ہے۔ چنانچہ میں نے کہا۔

”کیا واقعی نواب لچھو ہی بول رہے ہیں؟“

”آپ کو حیرت کیوں ہے بیٹے؟“ سرفراز احمد خان کے لہجے میں بڑی اپنائیت تھی۔

”آپ اتنے بڑے آدمی ہو کر مجھے بیٹا کہہ کر بات کر رہے ہیں تو حیرت تو ہوگی۔“

”آہ! آدمی صرف اپنی نیکیوں اور اچھائیوں سے بڑا بنتا ہے۔ اگر تم مجھے دولت کے لحاظ سے بڑا کہہ دو تو تم میری توہین مت کرو بیٹی۔ حالانکہ میں نہیں جانتا کہ تمہاری عمر کتنی ہے لیکن کسی بھی عورت یا بیٹی کہہ دینا کوئی بری بات نہیں ہے۔“

”آپ بہت اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے انتہائی دکھ ہے کہ ایک بہت اچھے انسان کو میں ایک اچھا نہیں ہوں۔“

”دکھ؟“ دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

”جی ہاں۔“

”چلو ٹھیک ہے، دے ہی رہی ہو کچھ، دکھ دو بیٹے مجھے کیا دکھ دینا چاہتی ہو؟“

”سر جب انسان دلدل میں پھنس رہا ہو، جب وہ آدھے جسم سے ڈوب چکا ہو تو اسے کیا کرنا چاہئے؟“

میں ایک لمحے کے لئے سوچ میں ڈوب گئی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ مجھے نہیں معلوم تھا نواب پھو مجھے اس طرح طلب کرے گا لیکن ایک لمحے کے لئے دل نے کہا کہ شاہ نور خطرات تو واقعی زندگی سے چپے ہوئے ہیں۔ اگر اس آدمی کا سہارا عارضی طور پر مجھے حاصل ہو جائے، کم از کم عزت اور الماس آراء یتیم کے خاندان سے مقابلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔ چنانچہ میں نے بھاری سے کہا۔

”ٹھیک ہے سر میں آ رہی ہوں۔ براہ کرم آپ مجھے بتا دیجئے کہ کون سی جگہ اور کہاں آؤں؟“ جواب نواب پھو نے ایک پتا دہرایا اور کہا۔

”یہ ایک فلیٹ ہے۔ میں اس وقت دوسری جگہ سے بول رہا ہوں، لیکن یہ میرا نجی فلیٹ ہے۔ تم اللہ بروسہ کر کے میرے پاس آ جاؤ۔ تمہاری اپنی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس فلیٹ میں، میں تمہیں ہی ملوں گا۔ ابھی یہاں سے نکل رہا ہوں اور تمہارے پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ جاتا ہوں۔ اس فلیٹ پر آ کر بٹانا۔ میں خوش آمدید کہوں گا۔“

”اوکے سر“ میں نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔ کچھ دیر تک میں نے غور کیا تھا۔ شیر کی کچھار میں فالین میں خوف زدہ نہیں تھی۔

بہت بڑا فیصلہ کیا تھا۔ بہت بڑا رسک لیا تھا لیکن نواب پھو نے بھی درست کہا تھا کہ زندگی میں رسک ہوتا ہے۔ زندگی صرف ایک خطرے کا نام ہے اور واقعی مجھے جیسی لڑکی کے لئے یہی سب کچھ تھا۔ بہر حال سے نکلنے کے بعد پیدل چلتی رہی پھر ایک جگہ سے ٹیکسی میں سوار ہو گئی۔

راستے میں بہت سے سوچیں دامن گیر رہیں۔ اس وقت ذہن کو حاضر رکھنا ہی زندگی کی ضمانت تھی۔ پھو نے جس طرح ایک دم میری پذیرائی کی تھی، پوری بات سننے بغیر اس نے مجھے طلب کر لیا تھا اس یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خود بھی میرے سلسلے میں خاصا محتاط ہے اور شاید مجھے اپنے لئے کارآمد سمجھتا ہے۔ لہٰذا یہ بڑے لوگ تھے اور ان کے بارے میں محتاط انداز میں سوچنا ہی بہتر تھا۔ کسی کو بھی بہت زیادہ اپنا اور مخلص سمجھ لینا بس حماقت ہی تھی۔

آخر کار اس جگہ پہنچ گئی جس کی نشاندہی کی گئی تھی۔ ٹیکسی کو فارغ کر کے فلیٹ نمبر میں تین سو پندرہ دروازے پر رکی۔ یہ سوچ رہی تھی کہ نواب پھو مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گیا ہوگا یا نہیں۔ بہر حال اسے کی ٹیل بجائی تو دروازہ کھل گیا۔ میرے سامنے جو شخص کھڑا ہوا تھا وہ ایک درمیانی جسامت کا آدمی شلوار کرتا پہنے ہوئے تھا۔ چہرے مہرے سے صاف اندازہ ہو جاتا تھا کہ شاندار زندگی گزارنے کا عادی پان کھائے ہوئے تھا اور جگالی کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ ابھر آئی اور اس نے ناخم کر کے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

”اندر آ جاؤ بیٹا، ہم نے تو تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم نے بھی شاید ہمیں پہچان لیا ہو۔ سرفراز خان نام ادا۔ لوگ پیار سے نواب پھو کہتے ہیں۔ اندر آ جاؤ۔ کیا غیروں کی طرح دروازے پر کھڑی ہو۔“

میں اندر داخل ہو گئی۔ میں نے اسی لمحے میں اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر نواب صاحب کی شخصیت غلط نظر کی پٹائی کرنے میں مجھے کتنی دقت پیش آ سکتی ہے۔ میں اندر داخل ہوئی تو نواب پھو نے کہا۔

”دلہل سے نکلنے کی ہر وہ ممکن کوشش جس سے وہ باہر نکل سکے۔“

”اور اگر اس کی کوشش سے کسی کو تکلیف پہنچ جائے تو؟“

”بات تو دکھ کی ہے لیکن بہر حال انسانی فطرت میں زندگی بچانے کا عنصر موجود ہے۔ تم جو کچھ کرنا چاہتی ہو کھل کر کہو۔“

”سر میں وہ لڑکی ہوں جس نے خاور جلال کو قتل کیا ہے۔“ میں نے کہا اور دوسری طرف ایک کے لئے سناٹا چھا گیا۔ جب دیر تک کوئی آواز نہیں ابھری تو میں نے کہا۔

”ہیلو۔“

”ہاں میں لائن ہوں پر ہوں۔ کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟“

جی سر۔ بالکل سچ۔“

”اچھا دیکھو میں نہیں جانتا کہ اس سے آگے تم کیا کرنا چاہتی ہو۔ خاور جلال جیسے شخص کو قتل والی لڑکی معمولی دل گردے کی مالک نہیں ہو سکتی اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے تم اس خاندان کی لڑکی ہو۔ میں نے تھوڑی بہت معلومات حاصل کی ہیں اس سلسلے میں کیونکہ تم جانتی ہو کہ جلال میرا مد مقابل تھا۔ ہم دونوں ایکشن میں ایک دوسرے کے آنے سامنے تھے اور اس وقت میری پوزیشن انتہائی مخدوش ہے کیونکہ بہت سی نگاہیں میری جانب سے اٹھ رہی ہیں۔ وہ تو شکر ہے کہ ابھی تک جلال کے دونوں بھائیوں نے اس کی موت سے کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ اگر وہ کہیں نام لے دیں تو سچی بات ہے کہ مجھے اپنی پوزیشن صاف کرنے میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

”کہنا چاہتا تھا کہ تم نے اسے قتل کیا ہے جیسا کہ تم کہہ رہی ہو۔ تم کوئی معمولی لڑکی نہیں ہو سکتی۔“

”سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”سر آپ مجھ سے مل کر کیا کریں گے؟“

”اب ان باتوں کو بھول جاؤ۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے فون کیوں کیا ہے؟“

”سر لمبی بات ہے۔“

”بالکل، بالکل۔ اسی لئے کہہ رہا ہوں بیٹے فون پر یہ باتیں مت کرو۔ دیکھو انسان کو زندگی میں طرح کے خطرے مول لینا پڑتے ہیں۔ رسک لئے بغیر یہ زندگی نہیں گزر سکتی۔ یہ دور ایسا ہی ہے۔ تم تم رسک لے لو۔“

”کیسا رسک؟“

”میرے پاس آ جاؤ۔ ابھی اور اسی وقت۔ میرے ٹیلی فون پر سی ایل آئی لگی ہوئی ہے اور اس نمبر آ رہا ہے وہ کسی کا نجی نمبر نہیں ہے بلکہ ٹیلی فون بوتھ ہے۔ بڑی اچھی اور عقل مندی کی بات ہے لیکن اس کے باوجود ٹیلی فون پر بہت زیادہ باتیں نہیں کی جا سکتیں۔ تم خود بھی سمجھ دار لڑکی ہو۔ ہمارے کام لے کر میرے پاس آ جاؤ فوراً، میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ زیادہ بڑی بات نہیں کہہ سکتا۔“

”کچھ لو کہ تمہیں یہاں ہر طرح کا تحفظ حاصل ہوگا۔“

”خود ہی دروازہ بند کر دو“ اچھے بچے کام کیا کرتے ہیں۔“ میں نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ فلید سے بے حد شائد ار تھا۔ کسی نواب ہی کا فلیٹ معلوم ہوتا تھا انتہائی اعلیٰ درجے کا فرنیچر، وال ٹو وال کار آسانس کی ہر چیز یہاں موجود تھی۔ ڈرائنگ روم بھی کافی بڑا تھا۔ نواب لچھو نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”اصل میں یہاں ہم نے کسی ملازم کو بھی نہیں رکھا۔ خفیہ جگہ ہے تو پھر خفیہ ہی ہونی چاہیے۔ سمجھ لو بیٹا کہ ہمارے علاوہ کسی کو اس بارے میں نہیں معلوم۔ جس پر کرنے یہ فلیٹ ہمیں خرید کر دیا بھی ہمیں نہیں جانتا۔ اصل میں ہم جیسے لوگوں کو ایک خفیہ جگہ ضرور رکھنی ہوتی ہے۔ ارے ہاں کبھی تو کبھی جیل۔ بیٹھو بیٹھو اب دیکھو ہم یہاں تمہاری کوئی خاطر مدارت تو کر نہیں سکتے۔ ہمارا تو یہاں آنا ہی کم ہوتا ہے۔ کبھی آتے ہیں تو اپنے ساتھ ایسی چیزیں لے کر آتے ہیں جو کھانے پینے میں کام آجائیں۔ البتہ ٹھنڈا موجود ہے، پلائیں؟“

”نہیں، شکریہ جناب۔“

”پیاری بچی! دیکھو ہم ڈرا ڈرامائی قسم کے آدمی ہیں اور وجہ تو تم جانتی ہو۔ بھی آج کل اگر یہاں کو چکانا ہے تو ایک بڑھیا ادا کار ہونا بڑا ضروری ہے۔ اگر تم ادا کار نہیں ہو تو سمجھ لو سیاست دان نہیں کیا سمجھیں، ہماری باتوں کو سونے کے پانی سے لکھنا، اچھا خیر چلو چھوڑو تم بھی کیا سوچو گی کہ اپنی کمائی سے بیٹھ گئے نواب لچھو، چلو بیٹا تم اپنی کمائی سناؤ۔ اصل میں ہم نے تمہیں یہاں بلائے کی تکلیف اس لئے ہے کہ ٹیلی فون پر راز کی باتیں کرنا ٹھیک نہیں ہوتا اور پھر ہم جیسے لوگوں کے ٹیلی فون تو ضرور ٹیپ جاتے ہیں۔ اچھا خیر بات زیادہ ہو گئی لیکن تم بھی سوچو گی، مگر نہیں یہ تو ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔“

میں نے ایک گہری سانس لی اور کہا۔

”نواب لچھو! میرا نام.....“

”شاہ نور ہے اور تم جمال احمد کی بیٹی ہو۔ یہی نا، اس سے بھی آگے بتائیں۔ اچھا چلو سنو۔ جمال بے چارے کو تو اس کے بھائی کمال احمد نے اپنی بیوی کے بھائی کی جان بچانے کے لئے پھنسا دیا تھا اور اس کے بعد وہ بے چارہ کبھی واپس نہیں آسکا۔ تمہیں عزت جلال کی بہن الماس آراء نے پال پوس کر دیا اور جب تمہیں اس بات کا علم ہوا کہ تمہارے باپ جمال احمد کو اس طرح پھنسا دیا گیا ہے تو تم نے اسے بغاوت کر ڈالی اور تمہارا جھگڑا زیادہ بڑھ گیا۔ اتنا بڑھا کہ آخر کار تم نے خاور جلال کو قتل کر دیا اب پولیس تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ چلو اب اس سے آگے کی بات بتاؤ۔“

ایک لمحے کے لئے تو واقعی میرا ذہن چکرا کر رہ گیا تھا۔ لیکن بہر حال میں جانتی تھی کہ وہ لوگ جو کہ کی باگ ڈور سنبھال لیتے ہیں اپنی سازشوں اور چالاکیوں سے لاکھوں کے کروڑوں اور کروڑوں کے اربوں لیتے ہیں۔ اگر اتنی بھی معلومات نہ رکھیں تو وہ سب کچھ ان کے لئے کرنا بڑا مشکل ہو جائے۔ چنانچہ میں چند لمحات کی خاموشی اختیار کی۔ گفتگو کے لئے مناسب الفاظ تلاش کئے اور پھر کہا۔

”کیا آپ جادوگر ہیں نواب لچھو؟“ جواب میں نواب لچھو کا قہقہہ بڑا زور دار تھا۔ وہ دیر تک نہ

پھر بولا۔

”بیٹے! تم نے ابھی اس دنیا میں اپنی زندگی کا آغاز کیا ہے۔ یہاں زندہ رہنے کے لئے جس قدر پاپڑ بیٹنا ہیں، تم نہیں جانتیں۔ میں جادوگر نہیں ہوں لیکن طریقہ کار جادوگروں کا ہی اختیار کرنا پڑا ہے۔ ورنہ مجھے کھانا جائیں۔ معمولی بات نہیں ہے ان کے درمیان چلنا۔“

”کس کی بات کر رہے ہیں آپ نواب لچھو؟“

”بھینڑیوں کی، بھینڑیوں کی..... کسی ایک کا نام نہیں لوں گا۔ بھینڑیئے مختلف ہوتے ہیں اور میں بتاؤں بہت سوں کی نگاہوں میں، میں خود بھینڑیا ہوں گا۔ بھی جس سے جس کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی دیکھی کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں کامیاب ہو سکتا ہے وہ اس کے لئے خوف کا باعث ہوتا ہے میں بے کار فلسفے میں الجھ گیا ہوں۔ تو بیٹا تمہارے بارے میں جو کچھ میں نے کہا وہ سچ ہے، اب یہ بتاؤ تمہارا باپ ہے؟“

”آپ کو یہ بات بھی پتا ہے نواب صاحب کہ خاور جلال میرے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے۔“

”ہاں یہ بھی معلوم ہے مجھے اور اس بات پر مجھے حیرت ہوئی ہے کہ تم نے مجھ سے رابطہ قائم کیا ہے یہ بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ میرا مطلب ہے میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

”یہ بات تو چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے نواب صاحب کہ خاور جلال کے قتل کے بعد پولیس پیچھے پڑ گئی ہے۔ اصل میں بات وہی ہے، الماس بیگم اور ان کے دونوں بھائیوں نے ظاہر ہے اپنے سے کام لے کر پولیس کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اور بے چارہ شخص بھی مصیبت رہا ہے۔“

”ہاں شاید حاکم شیرازی ہے اس کا نام۔ کسی اخبار میں نوکری کرتا ہے۔“

”اب مجھے واقعی حیرت ہو رہی تھی۔ نواب لچھو تو سارے معاملات سے واقف تھا جیسے ہماری ٹوہ میں ہی۔ تاہم میں نے اس پر حیرت کا اظہار نہیں کیا کیونکہ اس شخص کا اندازہ ہوتا جا رہا تھا۔ ڈرا ڈرامائی لگتا تھا۔ لوگوں کو حیران کرنے کا شوقین۔ بہر حال اس کی اس فطرت سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ میں

آپ واقعی اس قابل ہیں نواب صاحب کہ آپ کی بڑائی کو تسلیم کیا جائے۔“ جواب میں نواب لچھو بولا۔

”لاڑکا کس چکر میں مارا گیا۔ اگر میرے پاس آئی ہو تو مجھے بتانا پسند کرو گی؟“

”کی بھی چکر میں نہیں۔ بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں اس کے ذریعے سے ان لوگوں کے پاس پہنچنا اور اس کے لئے میں نے اس شخص کو تکلیف دی۔ اب یہ نہیں معلوم کہ اس کا کیا بنا بہر حال میں نے دیکھی ہوں اس لئے کہ میں کسی بھی شریف آدمی کو اپنے چکر کی وجہ سے نہیں پھنسانا چاہتی۔“

”ٹھیک ہے۔ بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ ہم سے بتاؤ ہم کیا خدمت کریں تمہاری؟“

اب صاحب! میں نے بہت غور کرنے کے بعد آپ کے بارے میں فیصلہ کیا تھا کہ میں آپ سے

ا۔

سے کہہ دیں ہم تمہاری دھمکی سے خوف زدہ ہو کر نہیں بلکہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر تمہارے کام آنا ہے۔

”آپ جیسا مناسب سمجھیں نواب صاحب، بہر حال آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ الفاظ کتنے ہوئے مجھے بھی کی خوشی نہیں ہوئی ہے کیونکہ میں کوئی جرائم پیشہ نہیں ہوں مگر وہی گھر جانے والی بات ہے۔ میں گھر گئی۔“

”ہاں ہاں سمجھتے ہیں، سمجھتے ہیں۔ اب یہ باتیں مت کرو۔ ہو سکتا ہے تمہارے کسی لفظ پر ہمیں غصہ پائے۔ ہم تمہیں ایک مشورہ دیں۔ یہاں نہ رہو۔ ہماری کوٹھی زیادہ محفوظ ہے۔ بہت اچھی جگہ ہے وہ آرام سے رہ سکتی ہو وہاں سے باہر بھی آجاسکتی ہو۔ ہم تمہاری حفاظت کی ذمہ داری قبول کریں گے۔“

”سب سے بڑی بات تو یہ ہے نواب صاحب کہ پولیس سے مجھے بچانا ہے آپ کو۔“

”بچالیں گے، بچالیں گے۔ پولیس ہماری دوست ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا کہیں۔“ نواب لچھو نے توجہ منکراتے ہوئے کہا۔

”تو میں آپ کے ساتھ چلوں؟“

”ہاں..... اس صفائی کے لئے کیا کرنا ہے۔ یہ بھی بتا دو؟“

”نواب صاحب! بات اصل میں یہی ہے کہ میری وجہ سے ایک بے گناہ مشکل کا شکار ہوا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ مشکلوں میں پڑا رہے۔“

”نکال لاتے ہیں۔ ملوگی اس سے؟“

”ہاں..... میں اس سے معذرت کرنا چاہتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے، چلو، چلو ہمارے ساتھ بیٹا۔“

”ایک بات پھر عرض کروں نواب صاحب۔ آپ بہت صاحب اختیار ہیں۔ بڑے لمبے ہاتھ ہیں آپ، لیکن میرے پاس ایک ہی ذریعہ ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ جو کچھ بھی کریں سوچ سمجھ کر کریں۔“

”نواب صاحب! یہ باتیں مت کرو۔ انسان ہیں ہم بھی، غصہ اٹھلاؤ۔ ہمارا کام خراب کر دو گی۔ چلو اب اٹھو یہاں سے چلتے ہیں۔“

”آپ کیا اس طرح مجھے یہاں سے لے جانا پسند کریں گے۔“

”ارے اٹھو بیٹا! پولیس والے اگر تمہیں ہمارے ساتھ دیکھ بھی لیں گے نا تو قریب نہیں پھینکیں گے۔“

”دیتے ہیں۔“ نواب صاحب نے کہا۔

”ہاں میں جانتی ہوں، اختیار واقعی آپ ہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔“

نواب لچھو نے اس پر بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ اب یہ تو میں نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ میری بات سے زندہ ہوا تھا یا نہیں لیکن دیسے بہت زیادہ دلیری کا اظہار کر رہا تھا اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ اس طرح

”اے بی بی، ہم سے مدد مانگو گی۔ ارے ہم تو ویسے ہی مشکل کا شکار ہیں۔ اصل میں تمہیں نہیں ہے خاور جلال ہمارے مقابل انکیشن میں کھڑے ہو رہے تھے۔ ہماری پوزیشن تو ویسے ہی ہے۔“

”میں جانتی ہوں نواب صاحب۔ اب آپ یہ فرمائیے کہ آپ اس سلسلے میں میری کیا مدد ہیں؟“ میرا بدلا ہوا لہجہ اس نے ایک لمحے میں محسوس کر لیا تھا۔ چونک کر مجھے دیکھنے لگا اور پھر بولا۔

”پہلی بات تو یہ ہے بی بی کہ ہم آپ کی مدد کیوں کریں گے؟“

”ہاں“ آپ نے بڑا ہی مناسب سوال کیا۔ میں اسی سوال تک آنا چاہتی تھی۔ دیکھئے نواب صاحب! انسان جب ڈوبنے لگتا ہے تو اپنے آس پاس کی ہر چیز کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ ڈوب رہی ہوں۔ اپنے آس پاس کی ہر چیز کو پکڑنا چاہتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے..... آگے بڑھو.....“ نواب لچھو نے پرسکون لہجے میں کہا۔

”آپ میری مدد کیجئے۔ مجھے پناہ دیجئے، میرے ماں باپ کو تلاش کرنے میں میری مدد کیجئے اگر آپ ایسا نہ کیا اور میں گرفتار ہو گئی تو جانتے ہیں کہ میں کیا بیان دوں گی؟“ نواب لچھو کی آنکھوں کا رنگ لمحے کے لئے بدلا لیکن پھر ویسے کا ویسا ہی ہو گیا وہ ایک دم سے ہنس پڑا پھر بولا۔

”یہ کہ نواب لچھو نے خاور جلال کے قتل کے لئے تمہیں تیار کیا تھا اور مجبور کیا تھا۔“

”کم بخت بلا کا ذہین آدمی تھا۔ میں دل دہی دل میں اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکی۔ میں نے گردن گویا یہ اس بات کا اقرار تھا جو کچھ وہ کہہ رہا ہے بالکل ٹھیک ہے۔ پھر اس نے کہا۔“

”مگر بی بی تم ایسا کیوں کرو گی؟“

”میں نے عرض کیا نا میں بے بس اور بے سارا ہو چکی ہوں۔“

”ہوں..... خیر دیکھو نقصان تو ہمیں پہنچے گا اس بات سے۔ اگر تم نے پولیس کو یہ بیان دے دیا تو اس وقت یہ سارا معاملہ گرم گرم ہے لیکن بہر حال ہم نہیں چاہیں گے کہ ایسا ہو۔ ورنہ بی بی تمہیں ایک بات بتائیں یہ فلیٹ کسی کے علم میں نہیں ہے۔ ہم تمہیں یہاں قتل کر دیں گے اور موت کیس پھینکا دیں گے۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ تمہاری نانی نے آخر کار تمہیں پالیا اور اپنے بھائی کے لئے لیا۔ مگر ہم ایسا نہیں کریں گے۔ تمہاری بات ہمارے نزدیک بچوں جیسی بات ہے اور بچے نہیں لگتے ہیں۔ تم بھی اچھی لگی ہو، بچی ہو، چنانچہ یہ بات مت کرو۔ اگر یہ کرنا چاہتی ہو تو کر کے دیکھ لو، چلا ہے ہم دیکھیں گے کہ پولیس ہمارا کیا بگاڑتی ہے۔ اصل میں ایسے چیلنج تو ہمیں قبول کرنا پڑتے ہیں نا، کتنی ہو؟“

”آپ جو کچھ بھی کہیں نواب صاحب! میرے پاس تو جو ذرائع ہیں وہ ضرور استعمال کروں گی۔“

”پاگل ہو، پاگل ہو، پاگل ہو۔ یہ لویہ چالی رکھو۔ یہ اس فلیٹ کی چابی ہے۔ اگر تم اپنے بندوبست چاہتی ہو تو یہاں رہو۔ کسی کو تمہارے بارے میں کچھ علم نہیں ہو گا لیکن یہ حل نہیں ہے۔ یہاں کب تک رہو گی، کوئی ایسی صورت حال ہونی چاہئے جو کار آمد ہو۔ اچھا بولو چاہتی کیا ہو؟ مگر ایک

”تجھ نہیں، میں نے بالکل ایک سادہ مؤقف اختیار کیا ہے اور ان سے کہا ہے کہ وہ صرف اتفاق تھا۔ ایسی لڑکی کی مدد کی تھی میں نے جو صفائی بننا چاہتی تھی اور اتفاق کی بات یہ کہ اس کے شواہد بھی موجود۔ جس اخبار سے تمہیں کارڈ لے کر دیا تھا ان سے بھی میں نے یہی کہا تھا کہ ایک اچھی تحریر والی لڑکی رہا پر آنا چاہتی ہے۔ اس کی مدد کی جائے۔ تعلقات کی بنیاد پر ایسا ہو گیا تھا۔“

”اچھا..... تمہیں کیسے رہا کرایا گیا؟“

”نواب لچھو نے مجھے ہیڈ کوارٹر سے حاصل کیا۔ اب اس نے کیا کہا ہے یہ میں نہیں جانتا لیکن جہاں میرا خیال ہے اس نے ضرور وہاں کوئی ایسی بات کہی ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھ اس حد تک کیا گیا۔ ویسے تو اس کی اپنی شخصیت بھی بہت سے لحاظ سے پاور فل ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تھوڑا بالالچ بھی دیا ہے اس نے ان لوگوں کو جنہوں نے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔“

”مگر نواب لچھو تو ان کا دشمن ہے۔“

”نواب لچھو بہت چالاک آدمی ہے۔ تم نے بہتر فیصلہ بے شک کیا۔ کیا تم نے اسی بنیاد پر یہ بات کی؟“

”ہاں مگر اس نے اس بنیاد کو کبھی اہمیت نہیں دی۔“

”ایک بات کہوں شاہ نور؟“

”ہاں بالکل کہو۔“

”البتہ ہے صورت حال کافی سنگین ہے۔ نواب لچھو نے جس طرح کھل کر اور سامنے آکر مجھے بھی سے نکلوا لیا ہے، اس کے پس پردہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔“

”کیا گڑبڑ ہو سکتی ہے؟“ میں نے سوال کیا اور حاکم شیرازی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”اللہ بہتر سمجھتا ہے۔ کیا صورت حال ہے؟“

جیسا کہ میں بتا چکی ہوں کہ یہ جگہ نواب لچھو کی سیاسی کاوشوں کے لئے تھی۔ ہم جس جگہ موجود تھے اسے بالکل ملا ہوا ایک بڑا سا کمرہ بھی وہیں تھا۔ میں اس کمرے میں جھانک کر دیکھ چکی تھی وہاں بہت قسم کی میزیں، کرسیاں وغیرہ لگی ہوئی تھیں، کئی الماریاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ بہر حال یہاں نواب کی خاص نشست ہوا کرتی تھی اور اس کمرے میں جھانکنے کے لئے خفیہ جگہ اتفاقہ طور پر مجھے دریافت تھی لیکن اس وقت تک کوئی ایسی صورت حال نہیں پیش آئی تھی کہ مجھے نواب لچھو کی ٹوہ میں رہنا، لیکن یہ بندہ بڑا پراسرار تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا۔ حاکم شیرازی کی مرہم پٹی کے لئے باقاعدہ ڈاکٹر اس نے حاکم شیرازی کے زخموں پر مرہم لگایا اور کچھ دوائیں دے کر چلا گیا۔ پھر نواب لچھو بھی آیا اور نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

”شاہ نور! ابھی ہم اس سے زیادہ اور کیا خدمت کر سکتے ہیں تمہاری۔ یہ صفائی لڑکا سنا ہے بڑی مار پڑی ہے، لیکن بیٹا کوئی بات نہیں ہے۔ زندگی میں انسان ایسے الٹ پھیر سے گزرتا ہی ہے۔ وہ جو کہتے ہیں

میرے کام کے لئے تیار ہو جانے کا کوئی نہ کوئی تو پس منظر ہوگا۔ وہ واقعی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اور چالاک آدمی تھا۔ میں نے فوری طور پر فیصلہ کیا تھا کہ نواب لچھو کا سہارا حاصل کرنے میں کوئی نہیں ہے۔ میں اس کے ساتھ فلیٹ سے نیچے اتر آئی۔ باہر اس کی شاندار کار کھڑی ہوئی تھی جسے وہ دروازہ کر کے یہاں تک لایا تھا۔ مجھے اس نے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ بہر حال میں راستے بھر رہی۔ نواب لچھو کے بارے میں ہی سوچتی رہی۔ زیادہ خوشی مجھے اس بات کی ہوئی تھی کہ نواب لچھو حاکم شیرازی کو تھانے سے نکال لانے کی بات کی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ اس میں کامیاب ہوتا ہے نہیں۔

کوٹھی بہت عظیم الشان تھی۔ کوٹھی کے دو پورشن تھے۔ ایک پورشن میں اس کے خاندان والے کرتے تھے۔ دوسرے پورشن کے بارے میں اس نے بتایا کہ یہ اس کی سیاسی کاوشوں کا مرکز ہے۔ کوٹھی کے اس حصے کا جائزہ لیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہاں کافی بڑے کام ہوتے ہیں۔ ایک زبردست قسم کا مختصر خانہ بھی یہاں موجود تھا۔ بہر حال بہت سے الفاظ بہت سے احساسات ذہن میں پرورش پاتے رہے۔ میرے یہاں تمام سہولتیں مہیا کر دی گئیں۔ ملازم وغیرہ موجود تھے۔ انہوں نے اسے ہدایات کر دی تھیں۔

پھر ایک دن گزر گیا۔ دوسرے دن صبح گیارہ بجے کے قریب اچانک ہی حاکم شیرازی میرے پاس گیا۔ حاکم شیرازی کے جسم پر بہت سے نشانات تھے۔ یہ نشانات تشدد کے تھے۔ ایک دو جگہ میلے کپڑوں پٹیاں بھی بندھی ہوئی تھیں۔ مجھے یہاں دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ کافی دیر تک اس کے منہ سے آواز نہیں آئی لیکن اسے اس کیفیت میں دیکھ کر مجھے شدید شرمندگی کا احساس ہو رہا تھا۔ نواب لچھو اس وقت یہ نہیں آیا تھا پھر میں نے زبان سے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ حاکم شیرازی نے انگلی اٹھا کر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں شاہ نور۔“ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ دوبارہ بولا۔

”ایک لفظ ایسا مت کہنا جو میری اس موجودہ کیفیت سے متعلق ہو، معذرت کا انداز اختیار مت کر بلکہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے اسے اپنا حق سمجھتا ہوں۔ اگر تم نے اپنے منہ سے معذرت کا ایک لفظ کہا تو میں سمجھوں گا کہ میری اب تک کی محنت بالکل بے کار تھی اور اس کی بنیادی وجہ تم سمجھتی ہو۔ اب بھی اپنے مقصد سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں تمہیں مشکلات پہنچاؤں۔ مشکلات سے نکالوں اور اس کے لئے میں انتہائی مخلص ہوں کیونکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“ میں اسے دیکھتی رہی۔ بڑے سنسنی خیز الفاظ تھے یہ۔ میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔ ”تو کیا میں تمہارے ان زخموں پر بھی تم سے بات نہ کروں؟“

اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک دلاویز مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”یہ زخم تمہاری مسکراہٹ سے ہی ٹھیک ہو گئے، شاہ نور۔“

”یہ تشدد تمہارے اوپر کیوں کیا گیا ہے حاکم شیرازی؟“

”یہ معلوم کرنے کے لئے کہ مجھے تمہاری مدد کرنے پر کس نے اکسایا تھا، نیز یہ کہ تم کہاں ہو؟“

”تم نے کیا جواب دیا؟“

ناکہ جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر اس لڑکی کے معاملات سے تم نے دلچسپی لینے کا ارادہ ہے تو یہ ساری چیزیں تو کرنا ہی پڑیں گی۔ دیئے ہم اس کے لئے بڑے افسردہ ہیں اور کوشش کر رہے ہیں جس طرح بھی بن پڑے اس کے ماں باپ کا پتا چل جائے۔ بڑی خوشی ہوگی ہمیں۔ دیئے تم لوگ بالکل مت کرنا، یہاں تم مکمل طور پر محفوظ ہو۔“

نواب لچھو کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ دوسرے دن نواب لچھو نے سارے اخبارات ہمارے پاس دیئے۔ تقریباً تمام ہی اخبارات میں میرے سلسلے میں کمائیاں درج تھیں۔ وہ لوگ بھی کھل کر سانسے آ رہے تھے۔ نواب لچھو کا کردار بہر حال بڑا سنسنی خیز تھا۔ اس دوران میں نادیدہ سے بھی رابطہ قائم نہیں کر سکی تھی میں نہیں چاہتی تھی کہ اس بے چاری کا نام منظر عام پر آئے۔ ہم لوگ بڑی سنسنی خیز کیفیت کا شکار نہ ہو سکیں۔ حاکم شیرازی بڑا مست آدمی تھا اور مستانہ وار ہی وہ ان سارے معاملات کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس نے بے ہوش ہوئے کہا۔

”بھی بڑا مزا آرہا ہے۔ بس یہ کھیل اس وقت مکمل ہوگا جب اسی اور ابو اور دونوں ہمیں مل جائیں گی۔ تمہیں افسردہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے تو ابھی اپنے مقصد کا آغاز کیا ہے۔ اس کے سلسلے میں رضا کار کی طرح ہتے بولتے کام کریں گے۔ اسی میں لطف آئے گا۔ اگر ذرا بھی ذہن پر کوئی بوجھ سوار کر لیا تو معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کوئی بوجھ سوار نہیں کروں گی میں اپنے ذہن پر۔“ میں نے جواب دیا۔

”وہ دن گزر گیا“ دوسرا دن گزر گیا۔ تیسرے دن تقدیر نے ایک عجیب طرح سے میری رہنمائی کی۔ والے کمرے میں کچھ آئینیں محسوس ہوئی تھیں۔ کوئی چیز بڑے زور سے گری تھی۔ چنانچہ ہم دونوں ہی طرف متوجہ ہو گئے دوسرے کمرے میں صرف نواب لچھو تھا جو ایک گری ہوئی بیپر باسکٹ اٹھا رہا تھا۔ باسکٹ کو ایک میز پر رکھنے کے بعد اس نے ٹیلی فون اٹھایا اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کافی دیر کے بعد قائم ہو رہا تھا۔ پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔

”عزت جلال سے بات کرنی ہے۔ ہاں عزت جلال سے۔ بھی ان سے کہو کہ نواب لچھو ان سے چاہتے ہیں۔ آپ کون صاحب ہیں؟“ جواب میں ادھر سے کچھ بھی سنائی دیا ہو لیکن نواب لچھو نے ایک سے نیاز مند بننے ہوئے کہا۔

”ارے بڑے بھیا، بڑے بھیا، عظمت جلال بول رہے ہیں نا، بھئی آپ کا نواب لچھو بول رہا ہے اے جی..... حیرت ہوئی آپ کو؟“

”بڑے بھیا کیا ہے یہ دنیا آپ بھی جانتے ہیں اور ہم بھی جانتے ہیں۔ ارے یہ سیاست کا کھیل جو نا، یہ کبھی کبھی انسان کو انسان سے برا دور کر دیتا ہے۔ آپ..... کیا کہا آپ نے، کیا سوچ رہے ہیں؟“ بھیا نہیں۔ ایسا تو بالکل نہیں ہو سکتا..... نہیں بڑے بھیا نہیں، آپ عزت جلال سے بات کر رہے ہیں بڑے بھیا، آپ کو سمجھائیں گے تفصیل سے۔ دیکھئے، بات اصل میں یہ ہے کہ لمحات ایسے نا دیکھئے

ہیں کہ اگر ہم نے آپ کے ناخن کو بھی نقصان پہنچایا یا آپ نے ہمارے ناخن کو بھی نقصان پہنچایا تو کسی اور پر نہیں جائے گا۔ اگر ہمارا ناخن زمین پر گرنے سے بھی ٹوٹ جائے تو بڑی خوشی خوشی ہے ہم کا نام لے سکتے ہیں کہ جی آپ نے ہمارا ناخن توڑ دیا ہے بڑے بھیا، اتنا بے وقوف نہ میں ہوں نہ آپ، عزت جلال سے بات تو کر کے دیکھئے۔ کیا ان کا بھی یہی خیال ہے کہ میں نے خاور جلال کو کوئی نقصان پہنچایا ہے؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس موقع پر نقصان پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار دے لیکن ہم آپ کی مدد کرنے پر آمادہ ہیں۔ الماس بیگم سے کب ملاقات ہو سکتی ہے؟“

”کیا کہا، بیگم ہیں آپ کے پاس۔ بلا دیجئے ذرا۔ عزت جلال کو بھی بلا دیجئے۔ آپ بھی آئیے بھیا۔ ہم بڑی اہم بات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کیوں ہمیں اپنا دشمن سمجھ رہے ہیں۔ ارے یہ سیاست کا کھیل آج اقتدار کسی کے پاس ہے، کل کسی کے پاس ہے۔ اخباری بیانات میں ہم آپ ایک دوسرے کے فکے کچھ بھی کہہ لیں لیکن بھیا بعد میں تو انسان ہی ہیں نا اور پھر ہمارے اور آپ کے تعلقات بھی ہیں۔

ہاں ہاں ذرا الماس بیگم کو بھی بلا لیجئے، بہن ہیں وہ بھی ہماری۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اچھا اچھا ہے۔ ہاں عزت جلال بھائی! بڑے بھیا سے بات کر رہے تھے۔ بھائی کیا اقتدار میں آنے کے بعد بھی دوسرے سے دشمنی رکھیں گے ہم لوگ۔ کسی جگہ ہم، کسی جگہ تم۔ ہاں بڑے بھیا! ہاں ہاں، نہیں ہے ایسا کر لیتے ہیں۔ دیکھیں ایک دوسرے کی سن تو لیں کم از کم، الماس بیگم! ارے بی بی سمجھائیے ان لوگوں کو ہم نے تو خلوص سے یہ ٹیلی فون کیا ہے اور آپ لوگ مسلسل ہم پر الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ اب سوچ لیں ایک بات کہہ رہے ہیں اس کے بعد آپ فیصلہ کر لیں اور پھر اس کے بعد ہم سے بات

ہیں۔ وہ بات یہ ہے کہ آپ کی بوجہ سے ہم نے اس بچی کو پکڑ لیا ہے اور اس کے سلسلے میں جو کچھ کہا ہے اس کی وجہ بھی آپ کو بتا دیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے ذہن میں یہ بات تھی کہ کہیں آپ کے دل میں اور بس کے دماغ میں یہ بات نہ آئے کہ خاور جلال کے قتل کی ذمہ داری کچھ ہم پر ہے۔ بس آپ یہ سمجھ جائیں اس کے بعد ہم نے اپنے آدمی چاروں طرف دوڑا دیئے ہم نے کہا کہ بابا اپنی جان بچانے کے لئے بھی یہ روٹی ہے کہ وہ لڑکی ہاتھ آجائے تو لڑکی ہی ہاتھ نہیں آئی، وہ صفائی لوٹنا بھی ہاتھ آگیا ہے جس کا نام حاکم شیرازی ہے۔ نکال لائے ہیں ہم اسے تھانے سے۔ اپنے پاس رکھا ہے۔ اصل میں تھانے والے تو جو کچھ بھی لڑکی سے وہ بات بہت زیادہ منظر عام پر آجائے گی۔ ہم لوگ آپس میں جو بات چیت کریں گے وہ بڑی کارآمد ہو سکتا ہے۔ بالکل ہو سکتا ہے دیکھو حاکم شیرازی اور شاہ نور ہمارے پاس ہیں بلکہ ہمارے برابر والے کمرے میں ہی موجود ہیں۔ ہم نے انہیں بند کر رکھا ہے۔ تم لوگ آجائے انہیں اپنی تحویل میں لے لو اور ان کی طرف سے دل صاف کرلو۔ اس کے بعد تمہاری مرضی جو تمہارا دل چاہے، یہ تمہارا اپنا گھریلو معاملہ ہے۔ ٹھیک ہے کب؟ پانچ بجے شام کو، اچھا وقت ہے۔ چائے بھی ساتھ ہی پی لیتا۔ اچھا خدا حافظ۔“ یہ کہہ کر نواب لچھو نے فون بند کر دیا۔

ہم دونوں بالکل بے جان ہو گئے تھے۔ یہ ایک شدید ذہنی جھٹکا تھا جو ہمیں پڑا تھا۔ ایسا بھی ہوتا ہے

اس دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ واقعی لوگوں کے سوچنے کا انداز بالکل بدل گیا ہے۔ کافی دیر تک یہ کیفیت طاری رہی پھر حاکم شیرازی نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔
”شاہ نور! آئیے بیٹھ جائیے۔“

”نہیں حاکم شیرازی۔ یہ بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ دنیا ہمیں کچھ سمجھا رہی ہے، ہمیں سمجھنا چاہیے جگہ اب ہمارے لئے مخدوش ہو چکی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو الماس بیگم کو اس بات کا علم ہو جائے کہ میرا موجود ہوں اور وہ انتظار کرنے کا فیصلہ کرے۔ ناممکن اب سے کچھ دیر کے بعد وہ سب یہاں موجود گئے۔ یقینی طور پر یہ سوچا جارہا ہوگا کہ نواب لچھو نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے یا غلط۔ یہ بھی سوچا جارہا کہ اس میں اس کی کوئی چال ہے یا نہیں۔ یہ چال باز لوگ ایک دوسرے سے ہوشیار رہتے ہیں۔“

”آؤ میرے ساتھ۔“ میں نے کہا اور دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ حاکم شیرازی کچھ نہیں سمجھ پایا بہر حال وہ میرے ساتھ باہر نکل آیا۔ برابر کا کمرہ بھی نواب لچھو کا کمرہ تھا اور یہ بات میں دیکھ چکی تھی کہ وقت آس پاس کوئی موجود نہیں ہے۔ میں نے نواب لچھو کے کمرے کے دروازے پر ہلکا سا دیاؤ ڈالا تو در اندر کی جانب کھل گیا۔ نواب لچھو کو غالباً آہٹ محسوس ہو گئی تھی۔ میں اندر داخل ہو گئی اور میرے پیچھے پیچھے شیرازی بھی اندر داخل ہو گیا۔ نواب لچھو ایک لمحے کے لئے سبک سا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک یقینی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔
”ارے ارے خیریت تم دونوں کیسے آ گئے؟“

”آپ کے پاس آنے کو دل چاہا تھا نواب صاحب۔“ میں نے مسکراتی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ کر فرمایا۔

”اپنے کمرے میں رہا کرو۔ بے شک یہ جگہ محفوظ ہے لیکن پھر بھی یہ چاہتا ہوں کہ ایک مناسب ہونے تک کسی کو تمہاری یہاں موجودگی کا پتا نہیں چلنا چاہئے۔“

”اور مناسب عمل کے لئے آپ نے پانچ بجے کا وقت رکھا ہے نواب لچھو۔“ میں نے کسی قدر دلچسپی سے کہا اور نواب لچھو بری طرح چونک پڑا۔
”میں سمجھا نہیں۔“

”میں سمجھا رہی ہوں۔“ میں نے کہا اور حاکم شیرازی کو اشارہ کیا کہ وہ دروازے پر ٹک جائے۔ شیرازی ویسے بھی دروازے سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ میں آہستہ آہستہ نواب لچھو کی طرف بڑھی تو وہ ہنسنے لگا۔

”پانچ بجے بلایا ہے تا آپ نے ان لوگوں کو؟“

”نک..... کن لوگوں کو؟“

”الماس آراء بیگم اور عظمت جلال وغیرہ کو۔“

”نک..... کیا کہہ رہی ہو؟“

”ابھی آپ نے فون پر ان سے یہی کچھ کہا ہے۔“

”نک..... کیا کو اس ہے۔ ت..... تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔“

”نہیں نواب صاحب۔ یقیناً آپ نے جو کچھ کیا ہے، آپ کے مفاد میں وہی کچھ ہوگا۔ بس اتنا سا لوم کرنا چاہتی ہوں میں کہ ایک طرف تو آپ نے مجھے پناہ دی اور ان تمام باتوں کو جائز تسلیم کیا، نہ صرف بلکہ حاکم شیرازی کو بھی آپ نے لاک اپ سے نکال لیا۔ یہ مہربانی کرنے کے پس منظر میں کیا تھا۔ فرض ہے آپ مجھے ان لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں اس سے آپ کو کیا حاصل ہوگا؟“

”تم بہت زیادہ فضول کر رہی ہو، اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک سمجھتی ہو۔“

”نہیں۔ اصل میں دنیا سے واقفیت حاصل کر رہی ہوں اور یہ غور کر رہی ہوں کہ اس بڑی دنیا کے چہ مجھے کیا سلوک کرنا چاہئے۔ آپ کو یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ میں نے اب تک کی زندگی کیسے گزاری ہے۔ آپ کے پاس پناہ کی تلاش میں آئی تھی۔ انسان انسان کا سہارا لیتا ہی ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ دک کیا جاتا ہے، آپ نے تو مجھے بیٹی بھی کہا تھا اور بڑی اپنائیت کی تھی۔“

”تو اب میں نے کون سی تمہارے بیٹے میں چھری بھونک دی ہے۔“ نواب لچھو نے کہا۔

”چھری تو آپ بھونک چکے ہیں نواب صاحب، آپ کا کیا خیال ہے الماس آراء بیگم انتظار کریں گی، ہرگز نہیں۔ آپ نے ان سے پانچ بجے کا وقت متعین کیا ہے، دیکھتے جائیے اب سے چند لمحات کے بعد وہ لوگ یہاں پہنچنے والے ہیں لیکن میں چاہتی ہوں کہ یہاں پہنچنے پر انہیں اس بات کا احساس ہو جائے کہ انور اس قدر کچی نہیں ہے بلکہ وہ کچھ کر ہی دکھائے گی۔“

”مطلب؟“ نواب لچھو نے کہا اور دوسرے لمحے میرے داہنے پاؤں کا پنجہ لچھو کے پیٹ پر پڑا۔ وہ بٹ پر ہاتھ رکھ کر جھکا تو میں نے فوراً ہی پلٹ کر اس کی گردن میں ہاتھ ڈالے اور اس کا منہ اپنے کندھے سے لگا کر زمین پر بیٹھ گئی۔ یہ ریلنگ کا داؤ تھا اور اسٹینڈ آشن نامی ایک پہلوان یہی داؤ لگاتا تھا۔ میں نے ان وقت یہی داؤ لچھو پر لگایا تھا اور مجھے پہلی بار یہ اندازہ ہوا تھا کہ اسٹینڈ آشن ایسے اچھوں کی ایسی تھیں جیسے کر دیتا ہے۔ نواب لچھو کی ایسی تھیں اور ویسی سب کچھ ہو گئی تھی۔ وہ زمین پر چاروں شانے چت گرا۔ اس کے اندر ہوش کے آثار باقی نہیں رہے تھے۔ ویسے وہ ایک چالاک آدمی تھا۔

حاکم شیرازی بھی میری اس حرکت کو بغور دیکھ رہا تھا اور جب میں نے یہ داؤ لگایا تھا تو حاکم شیرازی بی طرح اچھل پڑا تھا۔ پھر وہ جلدی سے میرے پاس آیا اور جھک کر نواب لچھو کو دیکھنے لگا۔ نواب لچھو اوروں شانے چت پڑا ہوا تھا اور گہری گہری سانس لے رہا تھا۔

”اس جیسے عمار آدمی سے کوئی بات بعید نہیں ہے، حاکم شیرازی۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دو اور اس کے ہاتھ پاؤں کس کر باندھ دو۔“ حاکم شیرازی نے فوراً ہی ادھر ادھر دیکھا پھر نواب لچھو ہی کے لباس کے ٹکڑے پھاڑ کر اس کے منہ میں ٹھونسے گئے اور وہیں سے رسی تلاش کر کے اس کے دونوں ہاتھ پاؤں کس کر باندھ دیئے گئے۔ اس تمام کوشش کے دوران اس نے چونکہ کوئی مزاحمت نہیں کی تھی اس لئے یہ ات تسلیم کر لی گئی تھی کہ میرے لگائے ہوئے داؤ نے اس کے ہوش و حواس چھین لئے ہیں۔

ہم نے ہتے ہتے اس پورے فلیٹ کا جائزہ لے ڈالا۔ یہ بات تو میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ یہ فلیٹ بی طرفان کا ہے مثال تھا اور ایک نواب زادے نے اپنے عیش و عشرت کے لئے زندگی کی ہر آسائش یہاں میاں کر لی تھی اس لئے دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا یہ۔ سب چیزیں موجود تھیں۔ تھوڑے فاصلے پر ایک مارکیٹ بھی تھی بلکہ سپر مارکیٹ تھی۔ یہاں سے ہر چیز خریدی جاسکتی تھی۔ ہمیں بڑی ہنسی اس بات پر آ رہی تھی کہ نواب پھو کے مہمان بنے ہوئے تھے ہم اس کی پٹائی کرنے کے بعد۔ میں نے حاکم شیرازی کو بتایا کیا کیا چیزیں ملنی ہوں گی اور حاکم شیرازی بڑے اعتماد کے ساتھ باہر نکل گیا۔ بہر حال بات تو تھی اس کے جانے کے بعد میں نے دروازہ تو اندر سے بند کر لیا لیکن یہ جائزہ لیا کہ اگر کوئی ایمر بنی آجائے، باہر کوئی آجائے تو ہم دونوں فلیٹ کو چھوڑ کر کس طرح جاسکتے ہیں۔ یہ اندازہ بھی باآسانی ہو گیا۔ عقبی حصے میں ایک پتلی راہداری فلیٹ کے گرد چکراتی ہوئی گزر جاتی تھی اور آگے چکر دار ہنگامی زینہ لگا ہوا تھا۔ گویا یہاں سے فرار کا بھی بہترین راستہ موجود تھا۔ میں کچن میں جا کر گیس وغیرہ چیک کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد حاکم شیرازی بھی سالانہ سے لدا پھندا واپس آیا۔

دوسرے دن صبح آٹھ کر میں نے ناشتا بنایا۔ حاکم شیرازی شاید رات کو دیر تک جاگتا رہا تھا اس لئے دیر تک سوتا رہا تھا۔ میں نے ناشتا تیار کرنے کے بعد اسے جگایا تو وہ حیران نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”ارے ارے.....“

”نہیں، نہیں سب ٹھیک ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ جالیے اور غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ وغیرہ دھویئے اور نہا لیجئے۔ ناشتا تیار ہے۔“

”ارے ارے“ اسی بات پر تو کر رہا تھا بھی۔ ساری باتیں اپنی جگہ آپ کی حیثیت اور شان کو تو بد نگاہ رکھنا ہی پڑتا ہے۔ یہ ذمہ داریاں میرے لئے رہنے دیا کریں۔ آپ بس مجھے بتا دیتیں میں ناشتا تیار کر دوں۔“

”جناب جالیے زیادہ باتیں نہیں بناتے میں نے آپ کی وجہ سے ابھی تک چائے بھی نہیں پی ہے۔“

حاکم شیرازی نے ہاتھ روم کی جانب چھلانگ لگا دی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ناشتہ کر رہے تھے اور وہ ہنسیاں انداز میں گردن ہلا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

”نواب پھو نے تو جو رقم تجوری میں چھوڑی ہے میرا خیال ہے اسے اس کا عطیہ سمجھ کر استعمال کر لینا چاہئے۔ اگر کوئی ڈھنگ کا مکان مل جاتا ہے تو ایڈوانس وغیرہ دینا ہو گا۔“

”بالکل، بالکل، ویسے رقم کا مسئلہ ہے نہیں۔ میرے پاس ایک بڑی رقم ہو مل میں پوشیدہ ہے۔ میں نکال لاؤں گی۔“

”ابھی نہیں، ابھی نہیں۔ ذرا باہر کی صورت حال کا جائزہ لے لوں۔ ویسے اب جب ہم اس رنگ میں رنگ ہی گئے ہیں تو کچھ اور رنگین ہو جانا ضروری ہے۔“

”مثلاً.....“

”مثلاً یہ کہ میں تھوڑا سا میک اپ کا سامان لے آؤں گا۔ ایسی چیزیں جن سے ہم اپنے حلیوں میں

پھر اس کے بعد ہم دونوں باہر نکل آئے۔ ظاہر ہے کسی معمولی آدمی کی رہائش گاہ نہیں تھی نواب پھو نے ہمیں یہاں بلا وجہ ہی نہیں رکھا تھا چنانچہ بڑی احتیاط کے ساتھ باہر نکلتا پڑا۔ خوش قسمتی ساتھ دیا تھا۔ کچھ لوگ نظر آئے لیکن ہم نے اپنے آپ کو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ کر لیا اور اس طرح کار ہم وہاں سے باہر نکل آئے۔ باہر کی دنیا اتنی ہی محدود تھی جتنا کہ اندر کا ماحول۔ تھوڑا سا فاصلہ کیا۔ بے چارہ حاکم شیرازی بھی میری وجہ سے مشکلات کا شکار ہو گیا تھا اور شہر بھر میں دندناتے پھرتے اس وقت اپنے آپ کو دنیا کی نگاہوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ باہر نکلنے کی بعد میں حاکم شیرازی سے کہا۔

”اب ہمارے لئے ایک ٹھکانے کا مسئلہ ہے۔ ویسے ایک دلچسپ بات بتاؤں شیرازی؟“

”کیا؟“ شیرازی نے میرے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ہم دونوں ذہنی طور پر جس عالم میں مبتلا تھے ان کی کیفیت سے اس بات کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔ بات وہی آجاتی ہے کہ زندگی میں خطرات تو مول لینا ہی پڑتے ہیں۔ بازار میں اس طرح چل رہے تھے جیسے بڑے معزز اور شریف شہری ہوں۔ جب کہ پولیس بے چہرے پر ہمیں تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ حاکم شیرازی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بتایا نہیں تم نے؟“

”نواب پھو نے مجھے ایک فلیٹ پر بلایا تھا اور اس کی چابی مجھے دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر میں چاہوں اس فلیٹ میں رہ سکتی ہوں لیکن دوسری جگہ میرے لئے محفوظ ہے یعنی اس کا گھر۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ چابی اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے۔“

”کیا واقعی؟“

”ہاں اور نواب پھو نے یہ بھی کہا تھا کہ اس فلیٹ کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہے۔“ شیرازی ہنس پڑا پھر بولا۔

”سمجھ رہا ہوں تمہارا مطلب گویا شیر کے منہ میں پناہ لینا چاہتی ہو۔“

”نفسیاتی طور پر کیسا ہے شیرازی؟“

”واقعی بہت اچھا ہے۔ آؤ چلتے ہیں۔“ شیرازی موڑ میں آکر بولا۔ ”بہت اچھی جگہ ثابت ہو گی ہمارے لئے۔“

میں بھی اس بات سے متفق ہو گئی تھی۔ واقعی اس وقت ایک محفوظ پناہ گاہ ثابت ہو سکتی تھی وہ۔ چونکہ نواب پھو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم ایسی حرکت کریں گے۔ ابھی تو پہلی بات یہ ہے کہ اسے ہوش میں آنے میں ہی وقت لگ جائے گا اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ فلیٹ پر تنہا ہی آتا ہے۔ ملازم تک نہیں رکھا تھا اس نے فلیٹ پر۔ یہ میں دیکھ چکی تھی چنانچہ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر چل پڑے۔ ٹیکسی نے آخر کار ہمیں اس علاقے میں اتار دیا جہاں میں پہلے بھی آئی تھی اور نواب پھو سے ملی تھی۔ تھوڑے دیر کے بعد میں نے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ حاکم شیرازی بھی بہت خوشگوار موڑ میں نظر آ رہا تھا۔

نمایاں تبدیلی پیدا کر لیں۔“

”ارے ہاں حاکم! ایک برقعہ ضرور لے کر آنا۔ میں نے پہلے بھی اس بارے میں سوچا تھا۔“ جواب میں حاکم ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

دن کو گیارہ بجے حاکم شیرازی باہر چلا گیا میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ محتاط رہے۔ بہر حال اس کے جانے کے بعد میں نے گھوم پھر کر فلیٹ کا جائزہ لیا۔ دروازہ تو اندر سے بند کر ہی دیا تھا ویسے فلیٹ کے دروازے کے باہر تیل بجانے والے کو آسانی دیکھا جاسکتا تھا۔ یہ بھی بڑا ضروری تھا۔ فرار کے سارے انتظامات کر لئے تھے میں نے۔ پچھلی گیلری کا ایک چکر بھی لگا لیا اور بڑی خوشی کے ساتھ یہ دیکھا تھا کہ گیلری جاکر بلنگی کو ریڈور میں گھوم جاتی تھی۔ گویا آسانی سے فرار ہوا جاسکتا تھا۔ اگر ادھر کی بھی ناکہ بندی نہ کرنا جائے لیکن یہ ناکہ بندی اس شکل میں ہو سکتی تھی جب کسی کو کسی کے اندر موجود ہونے کا یقین ہو۔

غرضیکہ کافی وقت اسی طرح گزر گیا۔ مختلف سوچیں دامن گیر تھیں۔ دوپہر کا کھانا تیار کر لیا تھا۔ حاکم شیرازی کا انتظار کرتی رہی۔ دوپہر گزر گئی۔ پھر شام کے چار بج گئے اور نہ جانے والے کیوں دل کی دھڑکنوں میں کچھ نامواری پیدا ہو گئی۔ صرف ایک مکان کی تلاش تھی یا تھوڑی سی خریداری اور اس کے بعد حاکم شیرازی کو واپس آ جانا چاہئے تھا۔ غلطی ہو گئی تھی کہ اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ کب تک واپس آئے گا۔ اس کی ماں اور بہنوں کا معاملہ بھی بالکل نہیں تھا۔ چونکہ وہ میرے علم کے مطابق خیر پوز پہنچ گئی تھیں۔ پھر اسے اتنی دیر کیوں ہو گئی۔ کہیں کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو گیا ہو۔

اندر ہی اندر ابھرتی رہی اور ذہن میں بے شمار دوسو سے آتے رہے۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور اب میری کیفیت کافی خراب ہو گئی تھی۔ یقینی طور پر وہ کسی مشکل میں پھنس گیا تھا۔ بہر طور ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اب جو صورت حال پیش آئی تھی وہ کافی سنسنی خیز تھی۔ جب رات کے بارہ بج گئے تو مجھے شدید جھنجھلاہٹ کا احساس ہونے لگا پوری رات گزر گئی جس قدر شدید بے چینی کا شکار رہی تھی۔ بس ناقابل بیان ہے۔ میں سوچتی رہی پھر دوسری صبح غسل وغیرہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ باہر نکلوں، دیکھوں کہیں سے اگر کچھ معلومات حاصل ہو سکتی ہیں تو..... ویسے اتنا میں جانتی تھی کہ اگر وہ کسی مشکل میں گرفتار نہ ہوتا تو یقینی طور پر مجھے فون کر کے بتاتا تو سہی کہ وہ کہاں ہے۔ یہاں فون موجود تھا اور اس کا نمبر بھی یقینی طور پر حاکم شیرازی کے پاس تھا۔ آخر کار میں نے حاکم شیرازی پر لنت بھیج دی۔ یہ فلیٹ اب اس قدر صبح بھی نہیں تھا کہ اسے استعمال ہی کیا جاتا رہے۔ کبھی اور کسی بھی وقت کوئی گزربز ہو سکتی تھی۔ حاکم شیرازی کے ساتھ تو ہر قسم کی صورت حال سے نمٹا جاسکتا تھا لیکن ویسے ذرا مشکل تھا۔ تیار ہوئی اور باہر نکل آئی۔ زندگی میں بہت اہم تبدیلیاں کر لی تھیں۔ تقدیر بڑے سنسنی خیز کھیل کھیل رہی تھی لیکن اس میں یہ ضروری تھا کہ اپنے ذہن کو آزاد رکھا جائے۔ ایک ہی موقف اختیار کیا جائے یعنی یہ کہ ماں باپ کی تلاش، حاکم شیرازی کے مسئلے کو چھوڑی دیا جائے۔ بس اس کے لئے دعا کی جاسکتی ہے کہ وہ محفوظ رہے کیونکہ بلاوجہ میرے مسئلے میں اس نے ٹانگ اڑا دی ہے۔ میرے لئے سب سے بہتر جگہ میرا وہ ہوٹل تھا جو

شروع سے اب تک دشمنوں کی نگاہوں سے محفوظ تھا چنانچہ میں نے ادھر ہی کا رخ کیا تھا۔ غرضیکہ ان خیالات میں ڈوبی ہوئی اس ہوٹل میں پہنچ گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور کا بل ادا کر کے میں خاموشی سے ہوٹل کے اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ ابھی تک یہ جگہ میرے لئے بالکل محفوظ ثابت ہوئی تھی۔ یہاں پہنچنے کے بعد بہت دیر تک سوچ میں ڈوبی رہی۔ پھر یہ فیصلہ کیا کہ یہاں سے کہیں آگے بڑھا جائے۔ اب ان راتے ٹھکانوں کو استعمال کرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ ذہن ساری رات کے جاگنے اور الجھنوں کا شکار رہنے سے بہت زیادہ بو جھل ہو گیا تھا۔ میں نے وہ رقم نکالی اور اسے گنتے لگی۔ پتہ نہیں رات کی نیند کے اثرات نے یا پھر ویسے ہی طبیعت پر ایک بوجھ سوار تھا۔

اچانک ہی میرے سر کی پشت پر ایک زور دار ضرب لگی اور میرے دونوں ہاتھ فضا میں پھیل گئے۔ دوسری ضرب نے مجھے ہوش و حواس سے بے گانہ کر دیا۔ یہ پہلی دو ضربیں تھیں جو میرے سر پر پڑی تھیں۔ بہر حال ہوش و حواس سے بے گانہ ہو جانے کے بعد بھلا انسان اس وقت کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہے جو اس پر گزرا ہو۔ اب یہ وقت کتنا طویل تھا اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن ہوش آیا تو ایک سوئے پر لیٹی ہوئی تھی اور میرے سامنے کچھ اجنبی شکلیں موجود تھیں۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھنے لگی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک آواز سنائی دی۔

”بی بی آپ کیسی ہیں؟“ بڑی نرم اور مشفق آواز تھی۔ میں نے آواز کی جانب نگاہیں گھمائیں اور بے پتے بدن کے ایک عمر رسیدہ شخص کو جو اچھے لباس میں ملبوس تھا ہمدرد چہرے کے ساتھ سامنے پایا۔ لڑے ہوئے لمحات ایک دم یاد آ گئے۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو سر میں ٹیس سی اٹھی۔ وہ شخص گتے

”آپ لیٹی رہیں۔ تھوڑی دیر آرام کر لیں آپ کسی غلط جگہ نہیں ہیں۔ آپ ہوٹل کے آفس میں ہیں۔ میرا نام ریاض خان ہے، میں اس ہوٹل کا منیجر ہوں، میں بیگم صاحبہ، ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی مانگتا ہوں، بہت شرمندہ ہوں میں، آپ ذرا اپنے آپ کو سنبھال لیں۔“ میں اپنے آپ کو سنبھال کر اسے دیکھنے لگی۔

”یہ ہوٹل کون سا ہے؟“

”بی بی صاحبہ! آپ اوپر کے کمرہ نمبر چھتیس میں تھیں۔ بس کبھی کبھی کچھ برے لوگ آ جاتے ہیں لیکن آپ کی رقم بھی محفوظ ہے اور آپ بھی محفوظ ہیں۔ اصل میں کسی ویٹر نے آپ کو نوٹ گنتے ہوئے لکھ لیا تھا وہ خاموشی سے اندر داخل ہوا اور اس نے آپ کے سر پر چوٹ لگا کر آپ کی رقم ہڑپ کرنے کے رے میں سوچا لیکن خوش بختی یہ تھی کہ اس وقت کئی اور ویٹر کسی کام سے آپ کے کمرے کی طرف چلے آئے۔ انہوں نے ساری کاروائی دیکھ لی اور اس ویٹر کو رقم سمیت پکڑ لیا۔ ابھی پولیس آنے والی ہے۔ آپ کی رقم ہم نے محفوظ کر کے رکھی ہے۔ وہ دیکھ لیجئے۔ ایک ایک پائی ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں ہم۔ بس ویٹر کو پولیس کے حوالے کر رہے ہیں۔ اسے باندھ کر بٹھا لیا ہے۔ آپ براہ کرم ہمیں معاف کر دیجئے۔ آپ کو جو تکلیف ہوئی ہے اس کے لئے ہم بہت شرمندہ ہیں۔ آپ تو ہماری بڑی پرانی مہمان ہیں۔“ میں

چکرائے ہوئے ذہن سے یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کوئی بات سمجھ کر آ رہی تھی، کوئی نہیں آ رہی تھی لیکن بہر حال فیجر کی بات سمجھ میں آ گئی۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ باہر دستک ہوئی اور فیجر اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ پھر ایک لمحے کے بعد ہی وہ ایک انسپٹر کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ پولیس کی وردی دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ اس وقت میں نے کیفیت کا شکار تھی اس میں پولیس کے لئے بڑی زبردست حیثیت رکھتی تھی۔ آہ پولیس میرے سامنے آ رہی تھی۔ فیجر نے پولیس انسپٹر کو ساری تفصیل بتائی اور وہ پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

”رقم کتنی ہے؟“

”انسپٹر صاحب! ہم نے گن کر رکھی ہے۔ تقریباً اسی ہزار روپے ہیں۔ یہ ان کی امانت ہیں، غور کر کے رکھی ہوئی ہے۔“

”بندہ کدھر ہے؟“

”اسے باہر بٹھا رکھا ہے۔“

”ہوں..... بی بی صاحب، یہ اتنی رقم آپ کے پاس کہاں سے آئی؟“ میں نے تکیھی نگاہوں سے انسپٹر کو دیکھا اور نفرت بھرے انداز میں کہا۔

”ڈاکا ڈالا تھا میں نے۔“

”نہیں، نہیں میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کدھر.....“

”جی فرمائیے۔“

”بی بی صاحب، ہم سے تعاون کریں۔“

”میری اپنی رقم ہے، کیوں ہے، کیسے ہے یہ آپ کو بتانا ضروری نہیں ہے۔“

”ہوں۔ آپ اس چھوٹے سے ہوٹل میں رہ رہی ہیں۔ کتنے عرصے سے یہ کمرہ آپ کے پاس ہے؟“

”فیجر صاحب کیا آپ نے میرے خلاف ایف آئی آر لکھوا دی ہے؟“

”نہیں جی نہیں۔ یہ تو بس ہم اس ویٹر کو..... انسپٹر صاحب یہ تو بڑی شریف بی بی ہیں۔ آپ لگا لگا لیں۔“

الٹی سیدھی بات نہ سمجھیں ان کے ساتھ تو زیادتی ہوئی ہے۔“

”دیکھئے فیجر صاحب، ہم اسی کے خلاف کارروائی کریں گے جس نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ آپ ایسا کریں بی بی، میرے ساتھ چلیں، رپورٹ لکھوا دیں۔ دو چار باتیں آپ سے پوچھنی ہیں۔ آپ کے

میں زخم کہاں ہے؟“

”زخم نہیں ہے، بس ضرب لگائی گئی تھی گومڑا ابھر آیا ہے۔“ فیجر نے ہمدردی سے جواب دیا۔

”انسپٹر صاحب، میں کسی کے خلاف کوئی رپورٹ درج نہیں کرانا چاہتی۔ آپ اس بندے کو

معاف کر دیجئے۔ میں نے اسے معاف کر دیا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے جی مگر یہ ہوٹل ہے اور یہ وردی دیکھ رہی ہیں نا آپ، ہمارا تعلق پولیس سے

ہم جب تک بال کی کھال نہیں نکال لیتے معاملہ ختم نہیں کرتے۔ آج تو آپ کی بات ہے کل کسی دوسرے

کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کوئی بندہ قتل بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے بندے کو جو ایسی حرکت کرے سزا تو ملنی چاہئے نا۔ ہم اس کے بغیر اسے نہیں چھوڑیں گے۔ آپ براہ کرم پولیس سے تعاون کیجئے۔“

”مگر میں کہیں نہیں جانا چاہتی، آپ کو پتہ نہیں میں بیمار ہوں۔“

”آپ بالکل بے فکر رہیں جی، ہم آپ کی جو بھی مدد کر سکتے ہیں، ہم ڈاکٹر کو بھی بلوا لیں گے۔ آپ پریشان کیوں ہیں؟“ انسپٹر بھی خاصا لچڑھا ہوا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن وہ نہیں مانا۔ ویٹر کو بھی اسی کمرے میں لے آیا گیا۔ اس کے ہاتھوں میں رسیاں باندھ دی گئی تھیں۔ شاید مار پیٹ بھی کی گئی تھی کیونکہ اس کا چہرہ دو تین جگہ سے سوجا ہوا تھا۔ بہر حال ایک عجیب عذاب مجھ پر مسلط ہو گیا تھا۔ انسپٹر کے ہاتھ چپ میں بیٹھ کر جانا پڑا اور اس نے راستے میں بہت سی باتیں کیں۔

”آپ تو صرف دس منٹ دے دیجئے بی بی صاحب، مہربانی ہوگی آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔“

”میں کوئی کارروائی نہیں چاہتی اور میں اپنا کوئی بیان بھی نہیں دوں گی، میں آپ کو بتائیے دیتی ہوں۔“

”ہم ویٹر کا بیان لکھ لیں گے جی، آپ کو سائن تو کرنا ہی ہوں گے۔“

”یہ زبردستی ہے آپ کی۔“

”نہیں جی۔ یہ پولیس کی کارروائی ہے۔“ پیچھے دو کانسیبل بیٹھے ہوئے تھے۔ انسپٹر صاحب خود ڈرائیو کر رہے تھے۔ میں ان کے برابر تھی اور ویٹر کانسیبلوں کے درمیان۔ میرا دل ہول رہا تھا کہیں کوئی بڑی گزربڑ ہو جائے۔ اندر سے یہی آواز ابھر رہی تھی۔ آخر کار پولیس اسٹیشن پہنچ گئی اور انسپٹر مجھے اپنے ساتھ لے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک میں اپنے آپ کو سنبھالتی رہی اور پھر انسپٹر نے ایک نوٹ کو بلا لیا۔ ویٹر کو دوسرے کمرے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ ایف آئی آر لکھی جانے لگی اور وہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے۔

”میں نے بتا دیا ہے کہ میں کوئی کارروائی نہیں چاہتی۔“ میں نے کہا۔ اتنی دیر میں ایک ایس آئی اندر داخل ہوا اور اس نے ایک فائل انسپٹر کے سامنے رکھی۔

”ہاں بھی جمال دین، کیا بات ہے؟“

”صاحب جی یہ۔“ جمال دین نے کہا اور اس کی نگاہیں میری جانب اٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر تک وہ مجھے دیکھ رہا تھا اور پھر اس کی آنکھوں میں خشک کے آثار نظر آئے تھے۔ وہ کھوسا گیا تھا اور میری آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ آہ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ یقیناً ایس آئی جمال دین نے مجھے پہچان لیا تھا۔ وہ انسپٹر سے کچھ کہے بغیر نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں اخبار تھا۔ اس نے اخبار انسپٹر کے سامنے کر دیا اور انسپٹر کسی روناؤ شکاری سے اسے دیکھنے لگا۔

”او، کیا ہے بھی؟“..... مجھے اخبار پڑھنے کا وقت ہے کیا؟“ پھر اس کی نگاہیں اخبار پر پڑیں اور اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اخبار کو دیکھا پھر مجھے، پھر اخبار کو دیکھا پھر مجھے اور اس کے بعد اس نے جلدی سے نکل نکال لیا اور اس کا رخ میری جانب کر دیا۔ دوسری طرف ایس آئی بھی مستعد ہو گیا تھا۔ میرے ہوش و

”اوجا بھی جمال دین اسے لیڈر لاک اپ میں بند کر دو اور ادھر کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ ہیڈ کوارٹر والوں کو فوری طور پر پتا چل جائے گا تو سب اپنی اپنی ٹانگ اڑائیں گے۔ اسے براہ راست آئی جی صاحب کے سامنے پیش کرنا ہے۔ کوئی پتھر بھی چلائیں گے۔ او بھائی کالیا! یار مٹھائی کھائی ہے تو بیٹھ ورنہ جمال دین تو ایسا کر ان کے بندے کو ان کے حوالے کر دے۔ بڑی مہربانی، شاہ جی کو میرا سلام کہہ دے۔“ انسپٹر کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کالیا سے جان چھڑانا چاہتا ہو۔ کالیا خاموشی سے باہر نکل گیا پھر انہوں نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی اور اس کے بعد مجھ سے کہا۔

”بی بی بات اصل میں یہ ہے‘ یہ دیکھو یہ تمہاری ہی تصویر ہے نا۔“ اس نے تصویر میرے سامنے کر دی۔ میں فضول باتوں سے گریز کرنا چاہتی تھی ان لوگوں کا مقصد سمجھ میں آگیا تھا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے کہا۔

”پچاس لاکھ روپے ہیں تمہارے اوپر انعام۔ دیکھو ہم سے تعاون کرنا۔ ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ہم نہیں ہیڈ کوارٹر کے حوالے کر دیں باقی کیا ہو گا ہم کچھ نہیں جانتے۔ بس کوئی گڑبڑ مت کرنا جس سے تمہیں قصاص پہنچانا پڑے۔“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ویسے ہی بری طرح مضطرب ہو رہی تھی چنانچہ خاموشی سے ان لوگوں کے ساتھ اٹھ گئی۔ ساری صورت حال ذہن میں آگئی تھی اور مزید کچھ کرنے سے گریز کر رہی تھی۔ کوئی بچنے بچھنے والی بات نہیں رہ گئی تھی۔ انہوں نے مجھے لاک اپ میں دھکیل دیا اور میں ایک گوشے میں جا بیٹھی۔

☆=====☆

حواس جواب دینے لگے۔ اندازہ ہو گیا تھا مجھے کہ کیا ہو گیا ہے۔ یقیناً اس اخبار میں میری تصویر چھپی ہوئی تھی۔ میں نے حیرانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انسپٹر کو دیکھا اور کہا۔

”کیا بات ہے انسپٹر صاحب؟“ لیکن انسپٹر بدحواس ہو رہا تھا اس کی بائیں کھلی پڑ رہی تھیں اس نے جلدی سے کہا۔

”جمال دین‘ اللہ کا کرم ہے بھئی‘ اللہ جب بھی دیتا ہے چھپڑ پھاڑ کے دیتا ہے۔ او جمال دین‘ زبردست بدل گئی اپنی تو۔“ اتنی دیر میں ایک آدمی اندر داخل ہوا اور میری نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ ایک بار پھر میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ میں اس آدمی کو پہچانتی تھی۔ یہ کالیا تھا‘ سلطان شاہ کا آدمی جو میرا ہمدرد رہ چکا تھا۔ کالیا نے ابھی تک میری شکل نہیں دیکھی تھی۔ وہ اندر موجود انسپٹر‘ ایس آئی‘ اور محرز وغیرہ کی خوشیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سامنے یہ اخبار پڑا ہوا تھا‘ انسپٹر جلدی سے بولا۔

”او بھائی کالے خاں او یار بیٹھ جا‘ ابھی مٹھائی آرہی ہے۔ جمال دین مٹھا بھی چار پانچ گلو۔ پورے تھانے میں بانٹ دے‘ مگر بات سن‘ بات ابھی باہر نکلی نہیں چاہئے۔“

کالیا نے میری طرف دیکھا‘ جمال دین انسپٹر صاحب اور باقی افراد ایک دوسرے میں مصروف تھے لیکن میں نہ اس سے کچھ کہانہ اس نے مجھ سے کچھ کہا البتہ اس نے ایک لمحے میں اپنے آپ کو سنبھال لیا اور کہا۔

”کیا بات ہے انسپٹر صاحب‘ بڑی خوشیاں منائی جا رہی ہیں؟“

”اور دیکھ بھی دیکھ‘ پچاس لاکھ پورے پچاس لاکھ کا انعام ہے۔ یہ اپنا ہوا‘ یار بڑے دن سے بزرگوں کے مزار پر جا کر دعائیں مانگ رہے تھے کہ ہماری بھی سن لو۔ دیکھ اسے کہتے ہیں چھپڑ پھاڑ کر دینا۔ پچاس لاکھ کا انعام ہے ان صاحب زادوں پر اور یہ اتفاقیہ طور پر ہمارے قبضے میں آگئیں۔ مگر بھائی کالیا بات سن مٹھائی کا یار۔ وہ تیرا بندہ جو ہے وہ کیا غلط آدمی ہے۔ الٹے سیدھے بیانات دے رہا ہے۔ ہمارے لوگوں پر تیزی مار رہا ہے۔“

”تھوڑا سا کھسکا ہوا ہے انسپٹر صاحب‘ اس کی بات کو جانے دیں‘ شاہ جی نے بھیجا ہے مجھے آپ کا پاس۔“

”او یار لے جانا‘ شاہ جی سے کون جھگڑا کر سکتا ہے۔ لے جانا بیٹھ جاؤ مٹھائی کھا کر جانا۔“

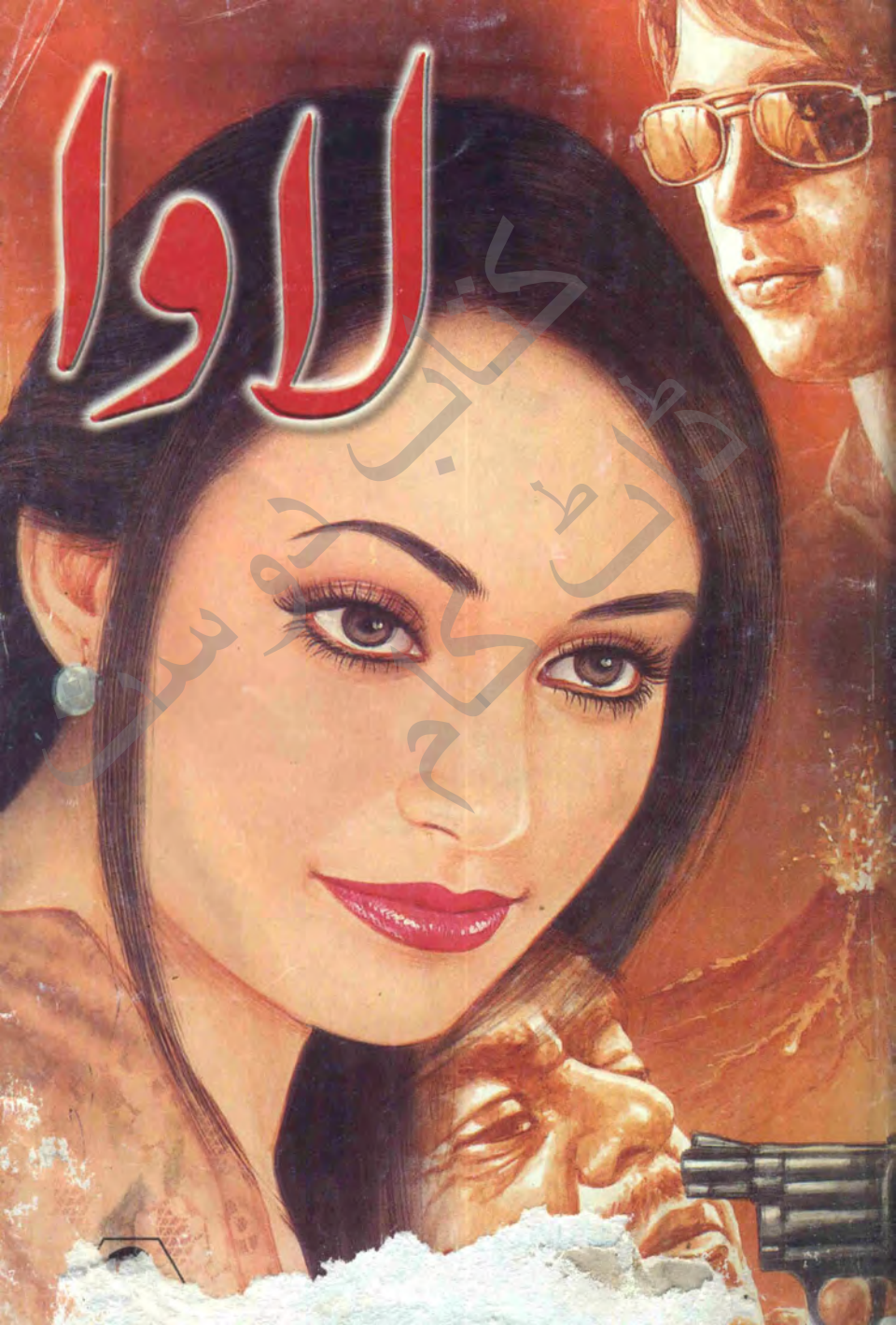
”نہیں مجھے جلدی ہے تم لوگ آرام سے مٹھائی کھاؤ۔“

کالیا نے کہا اور ایک بار پھر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا انداز تھا۔ چند لمحات مجھے بخور دیکھتا رہا تھا جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن کیا کہہ رہا تھا میں نہیں سمجھ سکتی البتہ میرے چہرے کا رنگ اتر گیا تھا۔ اخبار میں یقیناً میری تصویر چھپی ہوئی تھی لیکن پچاس لاکھ کے انعام کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ تقدیر کا ستارہ گردش میں آگیا ہے۔ میں خود ایک چھوٹے سے واقعے میں لوٹ ہو کر تھانے پہنچ گئی تھی۔ آہ یہ اچھا نہیں ہوا‘ کالیا نے پھر کہا۔

”انسپٹر صاحب میرا بندہ مجھے دے دیں۔“

اس دلچسپ ترین کہانی کے بقیہ واقعات دوسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں

لاوا



میرا ذہن سنانوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا وہ تقدیر کا فیصلہ تھا ورنہ درجنوں بار ہوٹل گئی تھی کچھ نہیں ہوا تھا اور اس بار بھی میرے دشمنوں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ بس جو کچھ ہوا تھا وقت کا فیصلہ تھا۔ ٹھیک ہے، وقت آئندہ فیصلے بھی کرے گا۔ بے فکر ہو جانا چاہئے کیونکہ بات اب میرے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔

وقت گزرتا رہا۔ میں نے سپاہیوں کو مٹھائی کھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ انسپکٹر اس کے بعد نظر نہیں آیا تھا شاید وہ جنگی سے کام کرنا چاہتا تھا لیکن میرے اوپر پچاس لاکھ کا انعام خوب رکھا گیا۔ نواب پھجو اور الماس آراء دونوں نے مل کر یہ انعام رکھا ہوگا۔ دونوں میرے گھائل تھے۔

پھر رات ہو گئی۔ میرے لئے نہایت گھٹیا قسم کا کھانا آیا لیکن میں نے خدا کا شکر ادا کر کے اسے کھایا تھا۔

بوسیدہ اور میلے کمبلوں کے دو ٹکڑے دیئے گئے، ایک بچھانے کے لئے اور ایک اوڑھنے کے لئے۔ میں نے آرام سے ایک ٹکڑا زمین پر بچھایا دوسرا اپنے جسم پر ڈال کر لیٹ گئی۔ پیلا سا دم بلب اس غلیظ ماحول کو روشن کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور میرے ذہن میں سوچوں کے دائرے بن رہے تھے، سکر رہے تھے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے اس وقت میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ دھیرے دھیرے میری پلکیں بوجھل ہوتے ہوتے بند ہو گئیں اور میں گہری نیند ڈوب گئی۔

نہ جانے کتنی دیر سوئی تھی کہ اچانک ہی خوف ناک دھماکوں کی آواز نے جگا دیا۔ دو تین دھماکے ہوئے تھے اور تھانے کی عمارت لرز گئی تھی۔ باہر شور شرابے کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ میرے لاک اپ کے سامنے بھی دو کانسیل پیرہ دے رہے تھے۔ وہ ایسی برق رفتاری سے بھاگے کہ مجھے ہنسی آنے لگی۔ میں بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی پھر کوئی دو تین منٹ مزید گزرے تھے کہ اچانک ہی دھماکے اور ہوئے۔ ان دھماکوں نے تو تھانے کے اندر تباہی مچا دی۔ خیر اس کمرے میں تو کچھ تھا ہی نہیں لیکن باہر خوب نوٹ پھوٹ مچی۔ چیزیں گرنے کی آوازیں، میں دہشت زدہ ہو کر لاک اپ کے دروازے پر آگئی۔ تبھی میں نے دو نقاب پوشوں کو دیکھا۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں کلاشکوف تھی۔ دوسرے کے ہاتھ میں پستول، دونوں نقاب پوش لاک اپ کے دروازے پر آئے۔ ان میں سے ایک نے لاک اپ کے دروازے پر پستول کا فائر کیا اور دروازہ کھل گیا۔ اس نے تالا نکال کر ایک طرف پھینک دیا اور جلدی سے بولا۔

”باہر آجاؤ، بہن جی، جلدی باہر آجاؤ۔“ میری سماعت اگر مجھے دھوکہ نہ دے رہی تھی تو یہ کاپچھو کی آواز تھی۔ چنانچہ میں برق رفتاری سے باہر آگئی۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ کلاشکوف والا آگے آگیا اور

تھے۔ چارپائی پر سلطان شاہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس ٹیلی فون رکھا ہوا تھا اور وہ بے چینی سے باہر کی سمت دیکھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس لی۔ میں اندر پہنچ گئی وہ خاموشی سے چارپائی سے اتر گیا اور بولا۔

”آؤ بسن بیٹھو اور یہاں وہ لوگ نہیں ہیں جن کی موجودگی میں تمہیں چھپانا پڑتا تھا۔ جاؤ بچو، چائے شائے کا انتظام کرو۔ چائے کے ساتھ بھی کچھ ہونا چاہئے۔ پتا نہیں میری بسن نے کیا کھایا ہے کیا پیا ہے۔ ان حرامی پولیس والوں نے اسے کیا دیا ہوگا۔“

وہ دونوں باہر چلے گئے۔ نہ جانے مجھے کچھ شرم سی محسوس ہو رہی تھی۔ سلطان شاہ نے ایک سرکنڈے کا بنا ہوا موٹھا اٹھایا اور اس پر بیٹھ گیا۔ میں چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔

”جگہ محفوظ ہے۔ تمہارے قابل بھی ہے۔ عالیشان کونہیں میں زندگی بہت مختلف ہوتی ہے لیکن میں جانتا ہوں اپنی بسن کو، اس کے لئے یہ زندگی پسندیدہ ہے۔“ اس نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بولا۔

”کیا بات ہے، کچھ پریشانی ہوگئی۔ ویسے شکایات کرنے کا حق نہ مجھے ہے، نہ میں کوئی شکایت کروں گا۔“ میں نے چونک کر سلطان شاہ کو دیکھا تو وہ بولا۔

”ہاں..... اصل میں بات اسٹیشن کی ہوتی ہے۔ ہم خاصے نچلے درجے کے لوگ ہیں۔ خیر ہمارے خلوص میں تو کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ ہم اسٹینڈرڈ کے لوگوں سے زیادہ مخلص ہوتے ہیں لیکن یہ بات صحیح ہے کہ انسان صرف اپنی سطح کے لوگوں کو پسند کرتا ہے اور انہی کے ساتھ خوش محسوس کرتا ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں، ہر دل میں، ہر دماغ میں ایک سودا ہوتا ہے۔ ہمارے دل و دماغ میں ایک سودا ہے۔“ میں نے ایک بار پھر سلطان شاہ کا چہرہ دیکھا اور کہا۔

”تو پھر میری بات بھی سن لے بھائی۔ اتنا کچھ کیا آپ نے میرے لئے۔ میں بھی انسان ہوں۔ انسانی فطرت میں کمزوریاں ہوتی رہی ہیں۔ آپ مجھ پر اسٹیشن کے بارے میں کتنا ہی طنز کر لیں، جواب دوں گی تو منہ جل جائے گا میرا۔ اس لئے کہ بڑے بھائیوں کو، اپنے محسنوں کو، ان کی کسی تلخ بات پر جواب نہیں دیا جاتا۔ البتہ دل میں یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ کوئی کتنا ہی قریب ہو اس پر اتنا بار ہو کہ اس کی اپنی شخصیت مسخ نہ ہو جائے۔ وہ اس قدر انوس میں گرفتار نہ ہو جائے کہ اس کی آنکھوں میں ایک بار بھی کوئی تبدیلی نظر آئے۔ اصل میں بھائی جو کچھ حاصل ہو جاتا ہے اسے کھونا بڑا برا لگتا ہے۔ آپ نے مجھے اتنی محبت دی، اتنی اپنائیت دی۔ اپنا پیار دیا کہ میں نے دل میں یہ سوچا کہ اگر میں بہت زیادہ آپ پر بار بنوں تو کہیں آنکھوں میں ذرہ برابر فرق نہ آجائے۔ یہ فرق میرے لئے ایک خنجر کے وار جیسا ہوتا تھا، مان لیں یا پھر اسے لافانی سمجھیں میرے اپنے اندر بھی تو کوئی حس ہے اور اگر سلطان شاہ نے مجھے بسن کہا ہے وہ اتنی ہی بے حس ہوتی تو درحقیقت سلطان شاہ سے بسن کہلانے کے قاتل نہ ہوتی میرے بھائی، میں مشکوں میں گھیری ہوئی ہوں، شاید آپ کو اس کے بارے میں اندازہ ہو، آپ نے بروقت ہر موقع پر میری مدد کی ہے اور بہت کچھ احسانات ہیں آپ کے مجھ پر لیکن میں اتنی بے حس ہو جاؤں کہ آپ کے بارے میں کچھ نہ سوچوں۔“

دوسرا آدمی میرے ساتھ۔ انہوں نے مجھے درمیان میں لے لیا اور تیزی سے دوڑتے ہوئے تھانے کی عمارت کے مشرقی حصے میں جا رہے تھے۔ یہاں ایک دیوار ٹوٹی ہوئی نظر آئی اور اس شخص نے میرا ہاتھ پکڑ لیا جس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

”اینٹیں ہیں، ذرا سنبھل کر آنا۔“ اور کچھ لمحوں کے بعد ہم باہر نکل آئے۔ فوراً ہی سیاہ رنگ کی ایک ویگن اشارت ہو کر قریب پہنچی۔ اس کا پچھلا دروازہ کھلا اور انہوں نے مجھے اٹھا کر اندر ڈال دیا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ میں زورس ہوں حالانکہ ایسی بات نہیں تھی۔ پھر وہ دونوں بھی اوپر چڑھ آئے اور ان میں سے ایک نے کہا۔

”ٹھیک ہے استاؤ۔“ وین انتہائی برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی تھی۔

یہ جو کچھ ہو رہا تھا بڑا سنسنی خیز تھا لیکن میں اس کے تار آپس میں ملا سکتی تھی اور جو کچھ ہوا تھا اس کے بارے میں سوچ کر میرے دل میں ایک عجیب سی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ تو کالیا نے مجھے دیکھا تھا اور کالیا سلطان شاہ کا آدمی تھا۔ ظاہر ہے اس نے یہ بات جا کر بتائی ہوگی۔ تقدیر نے میرا ساتھ اس طرح دیا کہ انکسٹر نے مجھے فوراً ہی ہیڈ کوارٹر میں نہیں پیش کر دیا تھا بلکہ انعام کی رقم کے حصول کے لئے اس نے مجھے اپنے پاس رکھا تھا اور یقینی طور پر کوئی ایسی پلاننگ کر رہا تھا جس میں وہ یہ دکھائے کہ اس نے باقاعدہ مقابلہ کر کے مجھے پکڑا ہے، مارا گیا پیچھا۔ دیر کر دی اس نے۔ اگر یہ کام برق رفتاری سے کر لیتا تو شاید آسانی ہوتی لیکن میرا دل تھوڑی سی خوش محسوس کر رہا تھا۔ وہ یہ کہ میرے لئے بھی بے لوث جان کی بازی لگا دینے والے موجود تھے اور ان کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ سلطان شاہ تو خیر پہلا آدمی تھا جس نے مجھ پر محبت اور عنایت کی نظر کی تھی اس کے بعد بگ شو اور پھر یہ حاکم شیرازی۔ کیا دلچسپ بات تھی۔ یہ سب کے سب میرے ہمدرد تھے اور اس سلسلے میں جو سب سے بڑا کردار نادیہ کا تھا۔ نادیہ نے گویا یہ تصور ہی ذہن سے نکال دیا تھا کہ میں کوئی اجنبی شخصیت ہوں۔ جس محبت اور یگانگت سے وہ میرے ساتھ پیش آتی تھی بلکہ اگر میں اس کے ہاں مستقل قیام کرنا چاہتی تو وہ میرے لئے ہر طرح کا خطرہ مول لے سکتی تھی۔ بہر حال میں بہت ہی مسرور تھی۔ کچھ دیر کے سفر کے بعد آخر کار گاڑی ایک کچی سی آبادی میں داخل ہوگئی۔ ٹوٹی پھوٹی سڑکوں سے گزرتی ہوئی وہ ایک ایسے ورکشاپ کے سامنے جا کر کی جہاں ٹوٹی ہوئی گاڑیوں کے ڈھانچے بڑے ہوئے تھے۔ بغیر دروازے کا ایک بڑا سارا راستہ تھا۔ گاڑی اس سے اتر کر اندر داخل ہوگئی اور پھر ان لوگوں نے جو نقاب پہنے ہوئے تھے، اپنے نقاب اتار دیئے۔

”آجائیے بسن جی۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔ یہ آواز میرے لئے اجنبی تھی لیکن دوسرا میرے اندازے کے مطابق کاچھو ہی تھا۔

”کاچھو!“

”خدا کی قسم آپ نے ہمیں ہمارے نام سے پکار کر دل خوش کر دیا۔ اللہ آپ کو خوش رکھے، آجائیے۔“

کاچھو نے کہا۔ اندر بڑے سے صحن میں چارپائی بھی ہوئی تھی۔ پیلے رنگ کے مہم بلب جل رہے

”مراد دیا..... مراد دیا نا..... اسے کہتے ہیں تعلیم۔ بھی بڑی چیز ہے چاروں شانے چت کر دیا تم نے ہمیں شاہ نور جی، چاروں شانے چت کر دیا۔ چلو بابا معافی مانگ لیتے ہیں، شکایت تو کرنی تھی، کڑوا لی لیکن دماغ نے جو کچھ سنا ہے نا، اس نے بھی چودہ طبق روشن کر دیے ہیں۔ ابھی کمال ہے، ابھی کمال ہے، اچھا بہن جی صاحبہ، آنکھوں میں فرق تو نہیں دیکھا تھا آپ نے ابھی تک یاد کیا ہے؟ چچ جانا کسی موقع پر دیکھ لیا ہو آپ نے.....“

”نہیں بھائی میں چچ کہہ رہی ہوں۔ میں یہ فرق دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔“

”بابا ایک بات بتاؤ، کوئی بھائی نہیں ہے نا تمہارا۔ کیا ہرج ہے ایک لپے لفکے کو بھائی سمجھ لو، کام تو آئے گا نا تمہارے۔“

”بھائی سمجھ لیا ہے اسی لئے بھائی کو بہت زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتی۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہو شاہ نور، نہیں بیٹے، نہیں میری بہن، میں بھی تمہیں اپنے بارے میں بتا چکا ہوں۔ دنیا میں میرا کوئی بھی نہیں ہے۔ میں نے کہا نا کبھی اپنی کمائی تمہیں تفصیل سے سناؤں گا۔ سونگو تو مان لوگی میری بات کو اور یقین کر لوگی کہ مجھے بیس اس جگہ ہونا چاہئے تھا۔ خیر چلو چھوڑو۔ ابھی اپنی کمائیاں شانے کا وقت نہیں آیا کبھی موقع ہوا تو سنا دیں گے۔ ان دنوں اخبارات میں تمہاری تصویر اور تمہاری گرفتاری پر زندہ یا مردہ پچاس لاکھ روپے کے انعام کی باتیں پڑھیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ ان دنوں ایک ہی کام کر رہے ہیں۔ ہمارا پورا عملہ تمہیں تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ میرا مطلب ہے جتنے ساتھی، جتنے دوست ہیں انہیں تمہارے بارے میں بتا دیا گیا ہے۔ ہر شخص کی دیوٹی لگائی گئی تھی کہ کہیں بھی نظر آجاؤ فوراً مجھے اطلاع دیں۔ آج کالیا نے بتایا کہ ہماری آرزو پوری ہو گئی ہے۔“ سلطان شاہ نے کہا پھر بس کر بولا۔

”یہ مت سمجھنا کہ پچاس لاکھ روپے کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔ پچاس لاکھ تو ہم تمہارے ناخن کٹنے پر ہی قربان کر سکتے ہیں۔ تمہاری دعا سے تمہارا بھائی اب اتنا مفلس بھی نہیں ہے۔“

ایک لمحے کے لئے آنکھوں میں ایک نمی آئی تھی۔ ایک اجنبی سی نمی، میں نے سلطان شاہ کی طرف دیکھا۔ بے اختیار ہو گئی۔ اپنی جگہ سے اٹھی اور سلطان شاہ سے لپٹ گئی۔ وہ بھی جذباتی ہو رہا تھا۔ بہت ہی پیار سے مجھے اپنے سینے میں جذب کر لیا۔ میں بہت دیر تک اس کے سینے سے لپٹی رہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی میں بالکل نیا اور اجنبی لکس ملا تھا۔ ایسا لکس جو ایک لمحے کے لئے دنیا کا سب سے قیمتی اور انمول موتی بن گیا تھا۔ اس کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ آہ یہ لکس شاید مجھے اپنے باپ کے سینے سے ملتا۔ جمال احمد آکر مجھے کبھی سینے سے لپٹاتے تو شاید مجھے یہی لکس حاصل ہوتا۔ اس لکس کو طویل کرنے کے لئے میں بہت دیر تک سلطان شاہ کے سینے سے لپٹی رہی تھی اور آنکھوں میں جو نمی آئی تھی وہ کم بخت رخساروں تک پہنچ گئی اور اس کے بعد رخساروں سے نیچے۔ سلطان شاہ نے میرا چہرہ اپنے چہرے کے سامنے کیا۔ کچھ لمحے میرا چہرہ دیکھتا رہا اور ایک بار پھر میرا سر موڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اتنی دیر میں کچھ اور بشیر اپنے اپنے ہاتھوں میں چائے کا سامان لئے ہوئے آگئے۔ انہوں نے چائے کے برتن ایک ٹوٹی پھوٹی میز پر رکھے اور گردن جھکا کر واپس چلے گئے۔ سلطان شاہ میرا سراپی طرح سینے سے لگائے ہوئے کھڑا تھا۔ پھر اس نے

بھاری لمبے میں کہا۔

”چلو بیٹا چائے بناؤ۔“ میں خاموشی سے بیٹھ گئی اور پھر میں نے اپنے اور سلطان شاہ کے لئے چائے

بنائی۔ سلطان شاہ نے ساتھ لائی ہوئی چیزوں کی پلیٹ میری جانب سرکاتے ہوئے کہا۔

”لو تکلف مت کرو، تمہارے لئے ہی منگوائی ہے میں نے حالانکہ وقت غلط ہے لیکن میں جانتا ہوں

صبح سے لاک اپ میں ہو بھلا پولیس نے تمہیں کیا کھلایا پایا ہو گا۔“ میں نے خاموشی سے پلیٹ میں سے کچھ اٹھالیا۔ سلطان شاہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

”حالانکہ تم نے مجھے تفصیل نہیں بتائی تھی اس بارے میں اخبارات سے بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے۔

دیکھو تمہارے مقابلے پر اب نواب کچھو اور عزت جلال ہے۔ ہم نے ساری زندگی انہی حرکتوں میں گزاری

ہے۔ بندے بندے کی بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔ کون کیا ہے اور کیا کر رہا ہے یہ پتا چل جاتا ہے۔ فی الحال

تمہیں اتنا بتا دیں بے شک تم بذات خود بھی وہی دو دھاری تلوار ہو، لوہے کو لوہا کاتا ہے لیکن بیٹا تمہارا تجربہ

کچھ بھی نہیں ہے ان لوگوں کے مقابلے میں۔ وہ سانپ ہیں، سانپ پھرتی سے جھپٹ کر پلٹ کر چلے کر سکتے

ہیں جب کہ تم نے ابھی اس دنیا کی منہ دکھائی کی ہے۔ ابھی ان کے مقابلے پر نہیں آسکتی ہو تم۔ پھر ان کے

پاس اگر صرف ان کی اپنی طاقت ہوتی تو یہ بات نہیں تھی۔ ان میں طاقت ہی کتنی تھی لیکن ان کے پاس ہر

طرح کی طاقتیں موجود ہیں۔ سیاسی طاقت، سماجی طاقت، پولیس کی طاقت اور اس کے بعد انڈر ورلڈ کی

طاقت، جہاں چاہیں مال خرچ کر کے اپنے کام کرا سکتے ہیں۔ ایسے معاملے میں بیٹا ذرا بھی جذباتی نہیں ہوا جا

سکتا۔ میں تمہیں ایک بار پھر یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اپنے طور پر میں بھی تمہارے لئے کام کر رہا ہوں کیونکہ مجھے

ساری حقیقت معلوم ہو چکی ہے۔ تم سے تو میری کبھی کوئی طویل نشست ہوئی نہیں لیکن ظفر شاہ سے میں

نے بہت کچھ معلومات حاصل کر لی ہیں۔ سراسر میرے پاس تمہاری سپاری لے کر آیا تھا۔ میں نے اس سے

ساری تفصیل پوچھ لی ہے۔ سمجھ رہی ہونا تم، اور اب میں تمہیں بتاؤں اس وقت شہر کے تمام گروپ پچاس

لاکھ روپے کے چکر میں پھر رہے ہیں اور بات یہی نہیں ہے، الماس بیگم نے انفرادی طور پر بھی کچھ لوگوں کو

اس کام کے لئے مقرر کیا ہے۔ ابھی بڑی جونی عورت ہے، اس کے بھائی تو اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت

نہیں رکھتے۔ تم نے ایک کی چھٹی کر دی۔ بتائیں سکتا تمہیں کہ میرے دل کو کتنی خوشی ہوئی تھی۔ میں نے

مٹھائی بانٹی تھی، یقین کرو اپنے ذمے۔ لوگ پوچھتے ہی رہے تھے کہ شاہ جی کیسی مٹھائی ہے مگر میں نے

بتایا نہیں۔ بس میرے دل کو خوشی ہوئی تھی کہ تم نے کچھ کر دکھایا۔

”گویا خاور جلال کی موت سے پہلے ہی آپ کو اس بات کا علم ہو گیا تھا؟“

”ہاں ہاں، میں نے کمانا ظفر شاہ مجھے سپاری دینے آیا تھا۔ اس وقت میں نے اپنے بندوں کو ہدایت کر

دی تھی کہ جہاں کہیں بھی شاہ نور کی جھلک نظر آئے، چاہے دو چار کو جان دیں پڑے، اس کے بارے میں

مجھے فوراً اطلاع دی جائے۔ یا اسے حاصل کر کے یہاں تک لایا جائے۔“

”شاہ جی، آپ کیا چیز ہیں۔ بے غرض اور بے لوث مجھ جیسی بے کار شخصیت کو.....“

”نہ بہن نہ..... اتنی ساری باتیں کر چکا ہوں تجھ سے اب بھی دل کو دکھاتی ہے۔ بے پکار اور بے

مقصد تو، جب ہوتی جب میں تجھے بہن نہ کہتا۔ بھائی کے سپرد تو بہت سی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ اب جذباتی باتیں چھوڑ، کام کی باتیں کرتے ہیں اور ابھی کرتے ہیں۔ یہ جگہ جو ہے نایہ تھوڑے دن پہلے میرے قبضے میں آئی ہے۔ بہت اچھی جگہ ہے۔ فی الحال کسی کو اس کی طرف سے شبہ نہیں ہو سکتا لیکن میں کسی بھی شے کو باقی نہیں رہنے دینا چاہتا۔ اب تو یہ بتا کہ تیرے اپنے دل میں کیا ہے؟“ میں نے اپنی چالے کی پیالی کا آخری گھونٹ لے کر سلطان شاہ کو دیکھا اور کہا۔

”شاہ جی، ایک بندے کی تلاش ہے مجھے۔ اس کا ملنا بڑا ضروری ہے۔ وہ میری وجہ سے اس عذاب میں گرفتار ہوا ہے۔ ذرا سی جذباتی بات بھی آجاتی ہے شاہ جی۔ میں مختصراً آپ کو حاکم شیرازی کے بارے میں بتاتی ہوں۔“

”وہ صحافی جس نے تیری مدد کی تھی؟“

”ہاں شاہ جی، نہ صرف مدد کی تھی بلکہ اس نے اپنی ماں اور بہنوں کو بھی داؤ پر لگا دیا۔ میرا بھی یہی کیس ہے اور اس کا بھی یہی کیس ہے۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور اس نے اپنی ماں اور بہنوں کو کہیں فرار کر دیا۔ بس میری وجہ سے وہ اس عذاب میں گرفتار ہوا ہے۔ دو دن پہلے گھر سے نکلا تھا یہ کہہ کر کہ تھوڑی دیر میں واپس آتا ہے، پتا نہیں چلا۔“

”بندہ کس طرح کا ہے؟ مخلص ہے، کیس ایسا تو نہیں کہ جان بچا کر نکل گیا ہو؟“

”ایک فیصد امکان نہیں ہے شاہ جی۔“

”ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ اب اس بندے کی تلاش کرنی چاہئے۔ مگر..... دیکھ ایک بات سن۔ میں خود بھی تجھے یہاں زیادہ عرصے نہیں رکھنا چاہتا پر کسی پر اعتبار بھی کر لیا جاتا ہے، پہلے بھی تو مجھے چھوڑ بھاگی تھی۔ پلٹ کر رخ نہیں کیا اس طرف.....“

”اس کی وجہ تھی شاہ جی، پہلے میری بات سن لو۔ ایک تو یہ کہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم وہ جگہ میرے لئے پسند نہیں کرتے۔“

”مگر مکان پر کیوں نہیں پہنچی؟“

”وہاں کچھ ایسے کردار مل گئے تھے جو مجھ سے بے تکلف ہو گئے تھے اگر وہ مجھ تک آتے رہتے تو آپ یقین کریں کوئی نقصان کی بات ہو سکتی تھی۔“

”تو مجھے اطلاع تو دیتی نا.....“

”شاہ جی بس اتنی الجھنوں میں گھری ہوئی تھی کہ دل چاہتا تھا کہ کسی کو ان میں شریک نہ کروں۔ معافی چاہتی ہوں ان الفاظ کی، آپ خود دیکھئے نا اب تو آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔“

”ہاں، سب کچھ معلوم ہے اور ایک ایسی بات بھی معلوم ہے جو تجھے نہیں معلوم۔“ سلطان شاہ نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ سلطان شاہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ نہ جانے کیوں میرا دل سس گیا۔

”کیا.....؟“ میں نے سرسراتی آواز میں پوچھا۔

میں خاموشی سے سلطان شاہ کو گھورتی رہی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر ایک مدہم سی مسکراہٹ آگئی ہے۔ میں نے کہا۔ ”شاہ جی مجھے بتائیے وہ کون سی بات ہے جو آپ جانتے ہیں اور میں نہیں جانتی۔ خدا کے لئے جلدی بتائیے میرا دل نبھانے کیوں سس سا گیا ہے۔“

”نہیں بیٹا گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ میں ویسے ہی یہ بتانا چاہتا تھا کہ انسان کا دل کیا ہوتا ہے، ابھی اس بارے میں تیرا کوئی تجربہ نہیں ہے نا۔ اس لئے یہ بات کہہ رہا ہوں میں بے شک تیری ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوا لیکن یقین کر لے شاہ نور کہ میرے دل میں تیرے لئے ایک سنگے بھائی جیسا پیارا پیدا ہو چکا ہے۔ بس یہی بات تھی جس کے بارے میں میں کہہ رہا تھا کہ تو نہیں جانتی میں جانتا ہوں۔“ میں نے ایک گہری سانس لی اور میرے ہونٹوں پر بھی مدہم مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

”تو پھر میں آپ سے ایک بات کہوں شاہ جی۔ بہت عرصہ میں نے اپنی تائی کی تربیت میں گزارا ہے اور تائی کے بارے میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کیا چیز ہے۔ انسانوں سے دور، انسانیت سے دور ایک شخصیت۔ شاہ جی! مجھے کبھی کبھی تو حیرت ہوتی ہے انسان کیسے کیسے حالات کا شکار ہو جاتے ہیں، کس کس طرح انسانیت سے دور ہو جاتے ہیں شاہ جی، حالانکہ وہی کمزور انسان ہیں۔ اب آپ کو ساری باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ میں نے خاورِ جلال کو مار دیا ہے، شاہ جی ایک بہن اپنا بھائی کھو بیٹھی ہے۔ اصولی طور پر اس کے دل میں گمراہی پیدا ہو جانا چاہئے تھا۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ انتقام کا جذبہ ہر انسان کے دل میں ہوتا ہے۔ میرے دل میں بھی یہ جذبہ ہے لیکن اس وقت یہ جذبہ پیدا ہوا ہے جب مجھ پر انتہائی حد تک زمین تنگ کر دی گئی ہے، مگر یہ کیسی بہن ہے شاہ جی جو اپنے بھائی کی موت کے بعد بھی نہیں سنبھلی۔ آپ میرے سنگے بھائی نہیں ہیں، مگر آپ نے جس طرح ایک بھائی بن کر مجھے پیار اور تحفظ دیا ہے اس نے مجھے متاثر کیا اور میرے دل میں آپ کے لئے محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ شاہ جی! پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ جو کچھ کموں گی سچ کموں گی۔ شاہ جی وہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ بگ شو جیسا بہت بڑا غنڈہ ان کی پشت پناہی کر رہا ہے مجھے اس بارے میں کافی معلومات حاصل ہو چکی ہیں میں آپ کی منہ بولی بہن ہوتے ہوئے نہیں چاہتی کہ آپ کو کوئی نقصان پہنچے مگر وہ کیسی بہن ہے جو ایک بھائی کے مرجانے کے باوجود دوسرے بھائیوں کی زندگی داؤ پر لگائے ہوئے ہے۔“ سلطان شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

”انسان کی غلط سوچ ہی تو اسے موت اور تباہی کے راستے پر لے جاتی ہے۔ شاہ نور، وہ نہیں سوچ رہی کہ آگے کیا ہوگا۔ بار بار ٹھوکریں کھانے، بار بار ناکام ہونے کے باوجود اس کی آتش انتقام بھڑکتی جا رہی ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کی پشت پر بہت ہی طاقتور اور خطرناک لوگ ہیں۔ وہ سوچتی ہے کہ آج نہیں تو کل تجھے شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گی۔ وہ ایک خون کا شکار ہے۔ وہ سوچ رہی ہے کہ جس پودے کو اس نے خود پروان چڑھایا اب وہ اسی کے خلاف عمل کر رہا ہے۔ وہ اس پودے کو خاکسپر کر دینا چاہتی ہے۔ بہر حال، ہم لوگ بڑی جذباتی باتیں کر رہے ہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ شاہ نور تو بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ تیرا اپنا ایک ماحول، ایک معیار ہے، اور ہم لوگ.....“

”ایک منٹ شاہ جی، ایک منٹ، پہلی بات تو یہ کہ آپ اس بات کی تصحیح کر لیں۔ جس خاندان کو بڑا کہہ رہے ہیں وہ بہت بڑا نہیں ہے اور پھر وہ خاندان تو میرا اپنا ہے بھی نہیں۔ بے شک میں اس خاندان کے ایک مظلوم فرد کی اولاد ہوں۔ میری ماں کی تو بالکل الگ ہی شخصیت تھی، میں اب صبر کر چکی ہوں ماں اور بہنوں پر۔ میں جانتی ہوں کہ اب یہ کام میرا نہیں اللہ کا ہے کہ وہ ان کی کس طرح حفاظت کرتا لیکن بہر حال آپ یہ نہ کہیں۔“

”ٹھیک ہے اب یہ بتا تیرا آگے ارادہ کیا ہے۔ اتنے سارے مسائل میں گھر چکی ہے، اپنی معلو کے تحت تجھے یہ بتا دوں کہ جو لوگ تیرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ خاصے وسائل رکھتے ہیں۔ حکومت کی ایجنسی کو وہ تیری تلاش کے لئے مجبور کر سکتے ہیں، حکومت ان کی بھرپور مدد کرے گی۔ قانونی طور پر نہ در پردہ سہی۔ ان کی بہتری کے لئے وہ سب کچھ کیا جائے گا۔ ایک طرف یہ ساری مشینری ہے اور دوسری طرف تو ایک کمزور لڑکی۔ بول تیرا کیا ارادہ ہے۔ میں تیرے لئے اپنی جان دینے کو تیار ہوں۔ اپنا پورا کٹوا دوں گا تیری بہتری کے لئے، لیکن تیرے تجربے سے ذرا سا خوف زدہ ہوں۔ کیا فیصلہ کیا ہے تو نے؟“

”میں آپ سے جو کچھ کہوں گی سچ کہوں گی۔ بار بار یہ الفاظ کہہ کر مجھے شرم لگتی ہو رہی ہے آخری بار کہہ رہی ہوں شاہ جی کہ اب میں آپ سے صرف سچ بولوں گی۔“

”ہاں بول۔“

”شاہ جی حاکم شیرازی کا تحفظ چاہتی ہوں میں، یہ بات اپنی جگہ ہے۔ اس کے علاوہ میرے ذہن ابھی کچھ اور نہیں ہے۔ ہاں تائی سے جو میں نے کہا ہے وہ میں کر کے رہوں گی۔ تائی کو اپنی زبان میرے ماں، باپ اور میری بہنوں کا پتا بتانا ہوگا ورنہ میں اس کے خاندان کے ایک ایک فرد کو ختم کر دوں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور یہی میرا عزم ہے اور میرے مستقبل کا پروگرام ہے۔“ میں نے جواب دے سلطان شاہ گمری سوچ میں ڈوب گیا، تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

”ہماری بات مان لے گی تو ہم جانتے ہیں کہ ہم بہت پیچھے کے لوگ ہیں۔ پر پھر بھی تیری محبت کچھ نہ کچھ بولنا ہی پڑ رہا ہے۔“

”آپ بار بار یہ کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔ آپ تک نہ آنے کی وجہ میں آپ کو پتا چکی ہوں۔“

”تو پھر سن، اس سلسلے میں ہمارا چھوٹا سا ذہن جو کہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت یہ لوگ ہر طرح تیری تلاش میں ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ انہوں نے پورا ملک تیری تلاش میں لگا دیا ہے۔ پچاس لاکھ کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔ ہر شخص تیرے لئے کوشش کرے گا لیکن میں تجھ سے ایک بات کہوں اگر میری ماں لے۔“

”ہاں ہاں بتائیے آپ۔“

”بالکل خاموش ہو کر بیٹھ جا۔ دو تین منٹ کے لئے اپنے آپ کو بٹا دو۔ اپنے انتقام کے ان جذبہ کو سلانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے بہتر بلا تک کر۔ ایک ایسے گوشے میں بیٹھ کر جہاں تیرے لئے تحفظ ہو۔“ میں خاموشی سے سلطان شاہ کی صورت دیکھتی رہی۔ جب میں کچھ نہ بولی تو اس نے کہا۔

”دیے تو ہم بڑے لوگوں میں بہت اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ پیسے کی پروا نہیں کرتے ہم۔ میرا ایک دوست ہے جس کے بارے میں میں بتا چکا ہوں۔ کیا سمجھی۔ اگر تو غلام بخش کے پاس چلی جائے تو وہ تیرا مرہور تحفظ کرے گا۔ وہ ایک گوشہ میں رہتا ہے، ہر آسائش ملے گی تجھے۔ چھوٹا موٹا ڈیرا ہے اور عیش کی گزاریں ہیں۔ باقی اندر سے وہ کیا ہے اگر تجھے خود معلوم ہو جائے تو تیرا نصیب۔ معلوم ہو تو بس یوں سمجھ لے کہ ہمارا دوست ہے، سچا اور پکا دوست۔“

میں سوچنے لگی، یہ بات تو خود میرے اپنے ذہن میں تھی کہ اس وقت جو سرگرمیاں چل رہی ہیں وہ بہت خوفناک ہیں اور ہو سکتا ہے میرے لئے مشکل لمحات آجائیں۔ ایسی صورت میں اگر میں ایسی کوئی پناہ گاہ حاصل کر لوں تو یہ ایک بہتر بات ہوگی۔ میں نے پر خیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے لیکن ایک بات بتائیے شاہ جی؟“

”ہاں بولو۔“

”پچاس لاکھ رقم معمولی نہیں ہوتی اور جس طرح یہ پولیسی کی جاری ہے کیا سائیں غلام بخش.....؟“

”نہیں..... میں تجھے اس بات کا اطمینان دلاتا ہوں۔ غلام بخش سے جو کچھ میں کہوں گا وہ ایسا ہوگا کہ وہ پچاس لاکھ کیا پچاس کروڑ پر بھی لعنت بھیج دے گا۔ یہی تو ہم لوگوں کی بات ہوتی ہے۔ بس یوں سمجھ لے کہ غلام بخش کے ساتھ میں نے ایک ایسا کام کیا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ میرے حوالے کرنے کو تیار ہو جائے گا۔ وہ رقم کا کبھی لالچ نہیں کرے گا۔“

”دوسری بات، کیا آپ سائیں غلام بخش کو یہ بتا دو گے کہ مجھ پر پچاس لاکھ روپے کا انعام ہے۔“

”ہاں یہ بتانا ضروری ہے کیونکہ بات اکیلے غلام بخش کی نہیں ہوگی۔ اس کے اطراف میں بھی بہت سے لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔“

”ٹھیک۔ تیری بات یہ شاہ جی.....“

”کہ میں حاکم شیرازی کو تلاش کروں، اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں پر نگاہ رکھوں اس کے ساتھ ہی نیری والدہ اور بہنوں کا بھی کھوج جاری رکھوں، یہی کہنا چاہتی ہے نا تو؟“

”صرف اس وقت تک جب تک میں آپ کی ہدایت کے مطابق اپنی حفاظت کے لئے محصور ہوں گی۔“

”ٹھیک ہے اگر ایک بھائی پر اعتبار کر سکتی ہے تو کر لے۔ ہم تیرے لئے کسی کام سے غافل نہیں ہوں گے۔“

”تو ٹھیک ہے میں سائیں غلام بخش کے پاس جانے کے لئے تیار ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ سلطان شاہ مجھے سائیں غلام بخش کے بارے میں مختصر بتاتا رہا۔

☆=====☆

دو دن تک خاموشی طاری رہی۔ میں صرف اخبارات سے کام چلا رہی تھی اور یہ بھی ایک دلچسپ

میں ایک جیب میں جا بیٹھی۔ تمام لوگ اس جیب سے اتر گئے تھے صرف ڈرائیور آگے بیٹھا ہوا تھا۔ بخش کے اشارے پر ڈرائیور نے جیب اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

ہم لوگ سفر کرتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد جیب ایک کچے قلعے میں داخل ہو گئی۔ میں اسے کچا کہہ سکتی ہوں۔ انوکھی طرز تعمیر کا شاہکار۔ چکنی مٹی کی دیواروں کا ایک وسیع و عریض احاطہ تھا لیکن طرح کی آسائشوں سے مرصع، جب میں جیب سے اتر کر اندر داخل ہوئی تو حیرتوں نے میرا استقبال کیا۔ راکا ماحول تھا کہ قیامت۔ برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ صاف ستھرے دالان، کمرے، زاپہ اریاں۔ سب بات یہ کہ سب کی سب کچنی مٹی سے بنی ہوئی۔ ان پر بہت ہی عمدہ قسم کی سرکیوں کی ڈیکوریشن کی گئی تھی۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایسا طرز تعمیر بھی ہوتا ہوگا لیکن یہ سائیں غلام بخش کا گھر تھا۔ ایک اندرونی کمرے میں پہنچا دیا گیا اور چند لمحات کے اندر دو عورتیں میرے پاس پہنچ گئیں۔

”بی بی سائیں۔ بڑے سائیں کا حکم ہے کہ ہم آپ کی خدمت کریں۔ ابھی آپ آرام سے برقعہ اتار بیٹھو، بڑے سائیں اپنی بیگم صاحب کو بھیجتے ہیں۔“ دونوں عورتیں مجھ سے اردو بولنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن ان کی زبان میں کچا پن نمایاں تھا۔ وہ میرے سامنے ہی زمین پر بیٹھ گئیں تو میں نے کہا۔

”ارے“ ارے..... تم لوگ نیچے کیوں بیٹھ گئیں؟“

”نہیں بی بی سائیں ہماری یہی جگہ ہے۔“ میں نے برقعہ اتار کر ایک طرف ڈال دیا۔ وحشت ہو رہی تھی مجھے اس برقعے سے لیکن کپڑے بہر حال مجھے پسند تھے کیونکہ یہ ذرا مختلف قسم کے تھے۔ پھر تھوڑی کے ایک عورت میرے پاس آئی اور بولی۔

”بیگم صاحب نے آپ کو بلایا ہے“ بی بی سائیں۔“ بیگم صاحب غلام بخش کی بیگم ہی ہو سکتی تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد میں اندر پہنچ گئی۔ جس بڑے اور وسیع و عریض کمرے میں مجھے اب لایا گیا تھا اس کی ڈیکوریشن بھی قابل دید تھی لیکن سب کی سب مقامی منت کی آئینہ دار۔ جو عورت ایک خاص قسم کے پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی وہ بلاشبہ ایک حسین عورت تھی۔ ان اس کے چہرے کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ انتہائی مغرور ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے اس کی شکل میں اس بیگم کی بھلک نظر آئی تھی لیکن بہر حال اس ڈرامہ بازی کی میاں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے اسے ام کیا تو اس نے صرف سر کی جنبش سے اس سلام کا جواب دیا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں ہی پر بیٹھ گئی تو وہ بولی۔

”ہوں تمہارا نام شاہ نور ہے۔“

”جی۔“

”میں سائیں غلام بخش کی بیوی ہوں، کیسے آتا ہوا تمہارا اس جگہ؟“

”سائیں غلام بخش نے مجھے اپنا مہمان بنایا ہے۔“

”میں مہمان بنانے کی وجہ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔“

”وجہ بھی آپ کو سائیں غلام بخش ہی بتا سکتے ہیں۔“ عورت کی مغرورانہ گفتگو پر مجھے ناگواری کا

بات تھی کہ اخبارات میرے بارے میں خاصی لے دے کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھے ایک خطرناک قرار دے دیا تھا اور ہر طرف سے میری مذمت کی جا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ میری شخصیت کے بارے میں باب نمایاں کر دیئے گئے تھے لیکن غلط انداز میں، بہر حال دشمن اپنی چالیں چل رہا تھا۔ اس کے پاس۔ وسائل تھے۔ وہ سب کچھ کر سکتے تھے اور مجھے اللہ نے چند ایسے محبت کرنے والے عطا کر دیئے تھے جو لئے ہر طرح کے خطرات مول لے رہے تھے۔ بہر حال تیسرے دن سلطان شاہ نے تمام انتظامات کر دیئے۔ میرے لئے ایک خاص طرح کا برقعہ سلوا دیا گیا اور خاص ذرائع سے میرے ملنے میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کی گئی۔ اب میں ایک مخصوص طرح کی شخصیت معلوم ہو رہی تھی اپنے لباس وغیرہ سے، سندھی اسٹائل کے لباس بالکل درمیانے درجے کا تھا اس کے ساتھ ہی کاجھو کو میرا مسافر بنایا گیا تھا۔ کاجھو نے بھی اپنے میں خوب تبدیلی پیدا کی تھی۔ سلطان شاہ نے اس سلسلے میں بڑی زبردست ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ ہم ایک عام بس میں بیٹھ کر پیرگڑھی روانہ ہوئے تھے۔ خاص قسم کی کھٹارا سی لاری جس میں ہم دونوں ہوئے تھے لیکن ہمارے پیچھے ایک مجیکر و چل رہی تھی جو ایک چلتا پھرتا اسلحہ خانہ تھا۔ اس میں سلطا کے آٹھ آدمی کلاشنکوفوں اور دستی بموں کے ساتھ موجود تھے۔ یہ مجیکر و اس لاری کا پیچھا کر رہی تھی اس طرح کے انتظامات تھے کہیں بھی کسی جگہ اگر مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی جاتی تو سلطان شاہ میرے سامنے اپنے آدمیوں کو حکم دیا تھا کہ مجبوری سے جتنے مارے جا سکتے ہیں مار دیئے جائیں لیکن ہر کوئی ضرب نہیں آئی چاہئے۔

ادھر غلام بخش کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی۔ چنانچہ جب ہم پیرگڑھی پہنچے اور میں کاجھو کے نیچے اتری تو وہاں دو جھپیں موجود تھیں۔ ایک جیب بند تھی دوسری میں مسلح افراد موجود تھے۔ ہم لوگ قدم پیدل چلے تو دونوں جھپیں ہمارے قریب پہنچ گئیں۔ پھر اس میں سے ایک لمبا چوڑا آدمی نیچے اترا۔ والی شخصیت تھی، شاندار جسامت کا مالک، چہرہ انتہائی خوفناک، مسلح تھا۔ کاجھو کے قریب پہنچا اور بولا۔

”سلطان شاہ نے بھیجا ہے تمہیں؟“

”جی سائیں“ میں آپ کو پہچانتا ہوں۔ یہ شاہ جی کا رقعہ ہے۔“ کاجھو نے ایک کانڈ اس کے ہ کرتے ہوئے کہا۔ اسی دوران مجیکر و بھی قریب پہنچ گئی تھی اور اس سے تمام آدمی نیچے اتر آئے تھے۔ ”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، چلو آگے نکل جاؤ، سیدھے جانا دور جا کر پلٹنا، جاؤ تمہاری ضرورت ہے۔“ غلام بخش نے پر رعب لہجے میں کہا۔ بڑی زبردست آواز تھی اس کی۔ مسلح افراد دوبارہ مجیکر و بیٹھ گئے۔ غلام بخش نے انگلی سے اشارہ کیا تو مجیکر و ایک لمحے کے لئے رک گئی۔

”اے بھی لیتے جاؤ۔ جا بھی جا۔ اپنا کام کر، کانڈ رکھ لیا ہے، ہم نے پنی کو ہمارے پاس چھوڑ دیا۔ غلام بخش نے کاجھو سے کہا۔ کاجھو نے شانے ہلائے مجھے سلام کیا اور مجیکر و میں جا بیٹھا۔ مجیکر و سڑ سیدھی نکلی چلی گئی تھی۔

”آؤ بہن جی۔“ غلام بخش نے بڑے ادب سے مجھ سے کہا۔ اس کے طرز مخاطب نے مجھے بخشا تھا ورنہ اس کی شخصیت اور ماحول کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میرے دل میں وحشتیں بیدار

احساس ہوا تھا۔

”مہمانوں سے اگر ان کے بارے میں کچھ پوچھا جائے تو میرا خیال ہے جواب تو دینا چاہئے۔“
”یہ آپ کا خیال ہے نا، میرا خیال ہے میزان کو ہی جواب دینا مناسب ہوتا ہے۔ آپ میری میز نہیں ہیں۔“

”کچھ عجیب سی گفتگو نہیں کر رہی تم؟“

”ہاں یہ میرا طریقہ کار ہے۔ عجیب سی گفتگو کے جواب میں عجیب سی گفتگو ہی کرتی ہوں میں۔
نے میرا انٹرویو لینے کے لئے مجھے بلایا ہے یا تعارف حاصل کرنے کے لئے۔“ عورت ایک دم سنبھل گئی۔

”تیز مزاجی بیش انسان کو نقصان پہنچاتی ہے۔“

”شاید ایسا ہو۔“ میں نے جواب دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کہاں؟“

”بس آپ کی گفتگو مجھے کچھ پسند نہیں آئی اس لئے.....“

”بیٹھو..... بیٹھو..... بیٹھ جاؤ، تم سب جاؤ۔“ اس نے ملازمہاں سے کہا وہ سب چل گئیں

اپنی جگہ سے اٹھی پھر بولی۔

”میرا نام گل زادی ہے۔ دیکھو میں نہیں جانتی کہ تمہارا تعلق کون سے علاقے سے ہے اور،
نہیں جانتی میں کہ تمہاری یہاں آمد کس سلسلے میں ہے۔ تمہارے لئے اہتمام ہو رہا تھا، اصل میں ہم
جس قدر غیر محفوظ ہوتے ہیں تم نہیں جانتیں اور غیر محفوظ ہم اپنے شوہروں کے ہاتھوں ہی ہوتے ہیں
سے ہمارا سماگ چھن جاتا ہے اور پھر ہماری وہ درگت ہوتی ہے کہ رہے نام سائیں کا۔ اس لئے ہ
دلوں میں کسی کے لئے شک و شبہات پیدا ہو جاتا قدرتی بات ہے۔“

”بی بی گل زادی، غلط فہمیاں بعض اوقات انسان کو، معاف کرنا، انسانیت سے بھی گرا دیتی
سائیں غلام بخش سے میرا ابھی تک کوئی واسطہ نہیں پڑا۔ وہ میرے ایک بھائی کے دوست ہیں اور،
بھائی نے مجھے ان کے پاس بھیجا اسے کچھ دن یہاں رہنے کے لئے۔ میں اس سے زیادہ ان کے بارے
کچھ اور نہیں جانتی۔ وہ مجھے خوش آمدید کہنے آئے تھے اور وہی مجھے یہاں تک لائے تھے۔ انہیں دیکھ کر
حوالے سے کہ وہ میرے بھائی کے دوست ہیں، بھائی کا مقام تو دے سکتی ہوں اس سے آگے وہ آپ
مبارک ہوں۔ وہ میرے معیار کے انسان نہیں ہیں۔ ایک بھائی کی حیثیت سے تو میں انہیں قبول کر سکتی
لیکن مجھے معاف کرنا اگر ایسا مرد کسی عورت کی زندگی میں داخل ہو جائے تو اسے خودکشی کر لینی چاہئے،
الفاظ ادا کر کے میں تیز رفتاری سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

گل زادی ہکا بکا کھڑی رہ گئی تھی۔ میں اس کی ذات پر جو غلاط پھینک آئی تھی، اس سے وہ
گئی تھی مگر بات اسی معیار کی تھی جس معیار کی اس نے کی تھی۔ اسے یہ تمام باتیں اپنے شوہر سے
چاہئے تھیں۔ گھٹیا قسم کا عورت پن، میرا اس کی زندگی سے کیا تعلق ہے۔ بہر حال اپنے کمرے تک پہنچنے

مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں عورتیں میرے پیچھے پیچھے آ رہی تھیں۔ میں کمرے میں داخل ہوئی
انہوں نے کہا۔

”ہم کچھ کھانے پینے کے لئے لے کر آتے ہیں، ادی۔“

”ہاں جاؤ لے آؤ۔“ میں نے بے خوفی سے کہا اور پھر پنگ پر دراز ہو کر ان عورتوں کی آمد کا انتظار
کرنے لگی۔ انہوں نے واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ اچھی خاصی کھانے پینے کی چیزیں لے کر آئی
تھیں۔ اس دوران میں گل زادی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ سندھ کے اندرونی ماحول سے مجھے کوئی
خاص واقفیت نہیں تھی لیکن کبھی کسی کی زبان کچھ اڑتی اڑتی باتیں سنی تھیں۔ بہت سے معاملات سامنے
آئے تھے لیکن جب تک کسی چیز سے براہ راست واسطہ نہ پڑے کچھ پتا نہیں چلتا۔ گل زادی نے جس
غڈ سے کا اظہار کیا تھا اس کے جواب میں، میں نے اسے بڑی بھرپور بات کہہ دی تھی۔ بہر حال ساری باتیں
پتی جگہ، اپنی اس فطرت سے میں کبھی تعاون نہیں کر سکتی تھی۔ میری فطرت میں صاف گوئی اور سچائی تھی۔
ملاط سلاط باتیں تو میں برداشت نہیں کر سکتی تھی، چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو۔ اس عورت نے آخر مجھے کیا سمجھا تھا
تو یہ فضول باتیں کیں اور جہاں تک غلام بخش کا معاملہ تھا تو وہ سلطان شاہ کا دوست تھا۔ میں تو اس بات
کے لئے بھی تیار تھی کہ اگر غلام بخش کسی طرح میرے خلاف ہو جائے تو میں اس سے بھی مقابلہ کروں۔
میری زندگی تو اب ایک مقابلہ ہی بن کر رہ گئی تھی۔

بہر حال کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں نے ان دونوں عورتوں سے گفتگو شروع
کر دی۔ ان میں سے ایک نے اپنا نام شہزادی اور دوسری نے ملکہ بتایا تھا۔ ان کے انداز میں بڑی سادگی تھی
لیکن مجھے ان دونوں کے نام سن کر بے اختیار ہنسی آئی تھی۔

”اچھا یہ بتاؤ شہزادی، تمہیں میری خدمت کی ہدایت کس نے کی ہے؟“

”بی بی سائیں، بڑے سائیں کے علاوہ اور کون کر سکتا ہے؟“

”بڑے سائیں سے تمہاری مراد غلام بخش ہے؟“

”ہمارے بڑے سائیں تو وہی ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ وہی اس چھوٹے سے گوشہ کے زمیندار ہیں۔
سب سے بڑے سائیں تو نور باغ ہیں۔ سائیں نور باغ بہت بڑے وڈیرے ہیں جن کے والد علی شاہ ہیں۔
اصل میں سائیں غلام بخش نور باغ کے بہنوئی ہیں۔ سب ان کی عزت کرتے ہیں۔“

”ٹھیک..... چلو خیر ویسے یہ گل زادی؟“

”بہت اچھی ہیں جی۔ بہت اچھی ہیں۔“ شہزادی اور ملکہ نے مشفق انداز میں کہا۔

”مگر مجھے تو وہ خاصی مغرور نظر آتی ہیں۔“

”بی بی سائیں، ہم تو نوکر ہیں جی، آپ مالک ہو۔ آپ جو کچھ بھی کہو ہمارے سامنے کو، آپ کے ہاتھ
جوڑتے ہیں۔ ہم سے اگر بیگم صاحب نے پوچھ لیا تو ہم کیا جواب دیں گے۔ ادھر آپ کی برائی نہیں کر سکتے۔
سائیں غلام بخش ہمیں جان سے مار دیں گے۔ ادھر اگر ہم نے ان کو صحیح بات نہیں بتائی تو وہ ہمیں سزا دیں
گی۔ آپ ادی ہم سے اپنا خدمت لو، ہم آپ کے لئے دن رات حاضر ہیں۔ ابھی اور ہم سے کچھ مت

پوچھو۔ آپ کی مہربانی ہوگی بی بی جی۔“

وہ اس طرح گڑگڑائیں کہ میں خاموش ہو گئی لیکن بہر حال یہ میرا مسئلہ نہیں تھا البتہ دوسرے دوپہر کے وقت غلام بخش میرے پاس آیا۔ شخصیت اس کی واقعی بڑی زبردست تھی۔ میرے ساتھ بڑا رہتا تھا۔ آکر بولا۔

”آپ کو ادھر کوئی تکلیف تو نہیں بہن جی؟“

”نہیں سائیں کوئی تکلیف نہیں۔“

”اصل میں ہم یہ سوچ رہے تھے کہ شہر کی رہنے والی ہو۔ یہ جگہ آپ کی شان کے مطابق ہے۔ ادھر آپ آرام سے گھوم پھر بھی نہیں سکتیں۔ ابھی ہمارا ایک بڑا اچھا باغ ہے ادھر تھوڑے فاصلے اس جگہ سے کوئی آدھا کلومیٹر ہے۔ درمیان میں ایک کانچ بھی بنا ہوا ہے۔ جب باہر سے ہمارے مہمان ہیں تو ہم کانچ ہی میں ٹھہراتے ہیں۔ یہاں ہم نے سوچا تھا کہ آپ اندر کے حصے میں ٹھہر جاؤ گی، پر فیصلہ بدل دیا ہے۔ آپ ادھر آسانی سے گھوم پھر بھی سکتی ہو، ادھر ہمارا سخت پہرہ لگا ہوتا ہے، فکر کی بات نہیں ہے۔ آپ دیکھو یہ جگہ آپ کو بہت پسند آئے گی۔“ غلام بخش کے انداز میں بڑی عجیب سی آہستگی میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

”سائیں“ آپ کی مہمان ہوں۔ شاہ جی نے آپ کے پاس بڑے اعتماد سے بھیجا ہے مجھے۔ اب یہ تو آپ کو کرنا ہے کہ آپ مجھے کہاں رکھیں گے اور ایک بات میں آپ اسے اور بھی کہہ دوں سائیں! کو ذرہ برابر اگر میری وجہ سے کوئی پریشانی ہو.....“

”بس بس ایسا مت کہو۔ ہم لوگ کے لئے یہ گلی ہوتا ہے۔ آپ تیاری کرو ہم آپ کو باغ میں دیتے ہیں۔“

”میں تیار ہوں مجھے تیاریاں کیا کرنی ہیں۔“

”اگر آپ کو یہ دونوں عورتیں پسند ہیں تو میں انہیں آپ کے پاس بھیجے دیتا ہوں۔“

”بڑی مہربانی ہوگی۔ میرا ان سے تعارف ہو چکا ہے اچھی عورتیں ہیں۔“

”آپ کی خدمت کریں گی۔ آپ بالکل فکر مت کرو۔“

پھر مجھے بیل گاڑی سے سنبے ہوئے ایک رتھ میں بٹھا کر اس جگہ سے باغ میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کوئی شک نہیں کہ سندھ کے گوشوں کے خشک اور مٹیالے ماحول کے برعکس یہ جگہ واقعی جنت نظیر کھجور کے اونچے اونچے درخت چاروں طرف سے اس کا احاطہ کئے ہوئے تھے بلکہ ایک طرح سے کہا جے تو غلط نہیں ہوگا کہ یہ کھجور کی دیواریں تھیں۔ ان کے اندر پھلوں کے درخت جھول رہے تھے جو یقینی پر اس زمین کو کار آمد بنا کر بڑی محنت سے لگائے گئے ہوں گے۔ اب تو وہ پورے ہو چکے تھے اور ان میں لٹک رہے تھے جن کی میٹھی میٹھی خوشبو فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔ پھر ان کے درمیان وہ مٹیالے رنگ خوب صورت عمارت جو مٹی اور پتروں سے بنائی گئی تھی، لیکن کچھ ایسے طرز تعمیر کی حامل تھی کہ اندر غیر متوقع طور پر بڑی ٹھنڈی۔ اس کی دیواروں کو میں نے دیکھا۔ کوئی دو دو فٹ موٹی دیواریں تھیں۔

اور تپش ان سے کسی طرح پار ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے تین اطراف میں کوئی تین تین فٹ لمبی خندق کھودی گئی تھی جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ یقیناً اسے ایک عہدہ جگہ کہا جاسکتا تھا۔

”اس جگہ کا نگران منٹل وارا ہے وہ آپ کا خیال رکھے گا۔“ مجھے بتایا گیا۔

شہزادی اور ملکہ کافی دیر کے بعد میرے پاس پہنچی تھیں۔ وہ میرے قریب آئیں اور ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے بیٹھتی ہوئی بولیں۔

”آپ نے بڑا اچھا کیا بی بی سائیں، ہمیں اپنے پاس بلا لیا۔ اللہ آپ کو خوشی دے۔ ادھر حویلی کے ماحول میں ہمارا بڑا دم گھٹتا تھا۔ ہم برا نہیں کہہ رہے اس جگہ کو، پر ادھر بہت دن سے ہم اسی انداز میں رہتے ہیں۔“

”مگر مجھے تم پر اعتبار نہیں رہا ہے۔“ میں نے کہا اور دونوں چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔

”کوئی غلطی ہوگئی بی بی سائیں تو اللہ کے واسطے معافی دے دو۔ ہم دونوں چلاک نہیں ہیں۔ ہمیں زیادہ بات کرنا نہیں آتی۔ ہم آپ کی وجہ سے بہت زیادہ خوش ہو گئے ہیں بی بی سائیں۔ آپ ہمیں بتا دیا کہ کہ آپ ہم سے کیوں ناراض ہو گئے؟“

”دیکھو وفاداری اچھی چیز ہے انسان کو وفادار بنے شک ہونا چاہئے لیکن ایک چیز دوستی بھی ہوتی ہے۔ دوستی میں بہت سی باتیں کی جاتی ہیں۔ تم میری غلام نہیں دوست ہو اور میں تمہیں دوستوں ہی کا درجہ دینا چاہتی ہوں مگر مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے تم صرف اپنا کام کرنا چاہتی ہو۔ یعنی وہ جس کی تمہیں ہدایت دی گئی ہے۔“ وہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھتی رہیں۔ ان دونوں کے چہرے پر واقعی معصومیت تھی۔ ان میں سے ایک یعنی ملکہ نے کہا۔

”بی بی سائیں بات اصل میں یہ ہے کہ ہم تو بی بی اسی گونڈھ میں پیدا ہوئے اور ہمارے ماں باپ بھی ان گونڈھ میں پیدا ہوئے اور مر گئے۔ ہمیں شہر کی باتیں نہیں آتیں۔ ہم نے شہر تو ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں ہے۔ جی۔ ایک مرتبہ بیگم صاحبہ شہر گئی تھیں تو ہمیں ساتھ لے گئی تھیں۔ بس اس وقت ہم نے شہر کی بھولیاں دیکھی تھیں اور اس کے بعد آج تک شہر کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ وہ جگہ تو بی بی سائیں بس ہم کہہ نہیں سکتے کہ کیا لگتی تھی۔ وہاں کی باتیں بھی بڑی بڑی ہوں گی۔ بی بی سائیں اگر ہم سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو فرق ہے جی شہر اور گونڈھ کا۔ آپ ہمیں معاف کر دیا کرو۔“

”تم نے اصل میں مجھ پر اعتبار نہیں کیا۔“

”نہیں بی بی سائیں ہم لیا اور ہماری اوقات کیا جی۔ ہم آپ پر اعتبار کیوں نہیں کریں گے۔ آپ ہمارے مالک کی مہمان ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ بڑا سائیں آپ کو بہت عزیز رکھتا ہے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے کیا سائیں غلام بخش میرے ساتھ شادی کریں گے؟“ میں نے براہ راست سوال کیا ان کے چہروں پر شدید حیرت کے نقوش پیدا ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی پھر ان سے شہزادی نے کہا۔

”ہم..... ہم ایسی بات کہہ سکتے ہیں جی؟“

”تمہاری بیگم صاحبہ کا تو یہی خیال تھا۔“

”خیال جھوٹ نہیں ہے جی۔ یہ سائیں وڈیرے اس کے علاوہ اور کبھی کیا سکتے ہیں۔ بس ان کے ہاں کے تو کھیل ہی نرالے ہوتے ہیں بی بی سائیں۔ بیگم صاحب نے ابھی اس بات پر اعتراض کیا ہے۔ اب آپ کو کیا بتاؤں جی، بیگم صاحب کسی بھی وقت مصیبت میں گرفتار ہو سکتی ہیں۔ سائیں غلام بخش جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ سائیں کا بہنوئی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس سے بھی بڑا سائیں خیر الہی جو اب بھی شیر بے غلام بخش کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔ پر غلام بخش اگر چاہے تو بیگم صاحب کو کاری کرا سکتا ہے؟“

”تو اور کیا جی۔“

”یہ کاری کیا ہوتا ہے؟“

”لو آپ کو اس کے بارے میں بھی نہیں معلوم؟“

”میں نے کمانا نہیں معلوم۔“

”بس بیگم صاحب جی، اللہ سے تو یہ کرو، اللہ سائیں سب کو اس سے محفوظ رکھے۔“

”مگر ہوتا کیا ہے کاری، بتا تو سہی کچھ۔“

”بیگم صاحب جی! بس جس پر اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے اسے کاری کروایا جاتا ہے۔ بیگم صاحب جی، کوئی عورت آپ عورت ہو اس لئے ہم آپ سے یہ بات کہہ رہی ہیں۔ کوئی عورت چاہے وہ گناہ گار ہو یا نہ ہو اگر سائیں وڈیرا یا کوئی اور چاہے تو اس کو کاری کر سکتا ہے۔ اس پر الزام لگا سکتا ہے اور پھر اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔ بی بی سائیں بس اللہ سے رحم مانگا کرو۔ صرف رحم۔“ دونوں عورتیں لرز رہی تھیں۔ میرے دل میں ایک شوق پیدا ہو گیا تھا۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ، جس ماحول میں آئی تھی اس ماحول کے بارے میں تھوڑا بہت جاننے کی خواہش دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ شروع ہی سے اس فطرت کی مالک تھی کسی چیز کے بارے میں اگر دل میں جنس پیدا ہو جاتا تھا تو اس وقت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی بس تب تک اس کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم نہ ہو جائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اگر شر میں رہتی تو شاید کسی نہ کسی لمحے مصیبت میں پھنس ہی جاتی، پچاس لاکھ روپے کے انعام کے متوالے سب کچھ کر سکتے تھے۔ میرے لئے جو لوگ میرے بارے میں جاننے کے باوجود یہ سب کچھ نہیں کر رہے تھے وہ بہت بڑا نام کر رہے تھے۔ بہر حال اس طرح تھوڑا سا وقت ان لوگوں کی موجودگی میں گزر گیا اور اس کے بعد یہ سوچنے لگی کہ کتنے عرصے مجھے یہاں رہ کر یہ کام کرنا چاہئے۔ ایک وقت متعین کر لیا جائے تو اچھا ہوگا۔ پانچپہ میں انتظام کرنے لگی۔

ہو رہی ہیں۔ ویسے کبھی کبھی اپنے آپ پر ہنسی بھی آجاتی تھی۔ اب اتنی بڑی شخصیت بھی نہیں ہے میری کہ اخبارات کی زینت ہی بنی رہوں۔

دس بارہ دن گزر گئے۔ اس دوران صرف ایک بار غلام بخش میرے پاس آیا تھا اور مجھے تسلیاں دے کر چلا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اس کا رابطہ سلطان شاہ سے ہے، سلطان شاہ کی چاہتا ہے کہ ابھی اس وقت تک میں آرام سے یہاں رہوں جب تک کہ حالات کسی حد تک میرے حق میں نہیں ہو جاتے۔ بے چاری نادیدہ سے بھی رابطہ منقطع تھا اور رابطہ منقطع رہنا ہی زیادہ اچھی بات تھی۔ اصولی طور پر کسی کو میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہونا چاہئے تھا۔

پھر کوئی پندرہ دن گزر گئے تھے کہ ایک شام میرے لئے پھر سے سسنی خیزی کا آغاز ہو گیا۔ ملکہ اور شہزادی جو میرے ہمراہ رہ رہی تھیں اچانک بغیر بتائے ہوئے کہیں چلی گئیں۔ میں خاموشی سے اپنے کمرے میں مقیم تھی کہ اچانک ہی میں نے ایک شخص کو دیکھا جو مجھ سے کچھ کہے کے بغیر دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ لمبے چوڑے قد و قامت کا مالک یہ شخص مقامی باشندہ ہی تھا۔ بڑھی ہوئی داڑھی، چڑھی ہوئی مونچھیں، رنگ گورا، آنکھیں بڑی بڑی۔ غور سے دیکھنے پر بہت عمدہ نفوش نظر آتے تھے۔ آنکھوں میں بھی کسی حد تک معصومیت تھی لیکن اس طرح کوئی مرد کسی عورت کے کمرے میں گھس آئے۔ اس نے دونوں ہاتھ بوزے اور بھرائی آواز میں بولا۔

”معافی چاہتا ہوں بی بی سائیں! آپ کو خدا کا واسطہ ایک منٹ کے اندر اندر کچھ پوچھے بغیر باہر آچاؤ۔ میں ایک بھائی کی حیثیت سے آپ کا ہاتھ پکڑ رہا ہوں۔ آپ سمجھ لینا بی بی صاحب کہ یہ ہاتھ مقدس ہے۔“ اس کے انداز میں شدید گھبراہٹ تھی۔ میں کچھ نہیں سمجھ پائی تھی لیکن بہر حال میں فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر میری کلائی پکڑی اور پھرتی سے باہر نکل آیا۔

پھر وہ کمرے کے سامنے والے کوریڈور میں داہنی سمت دوڑنے لگا۔ بائیں سمت سے باہر کا راستہ آتا تھا۔ داہنی سمت پہنچ کر وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کمرے کا دروازہ عقبی سمت میں کھلتا تھا۔ اس نے فوراً ہی وہ دروازہ کھولا اور تین چار سیڑھیاں نیچے اترنے کے بعد عمارت کے عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی کوئی اٹھارہ فٹ اونچی فسیل نما دیوار تھی۔ اس دیوار پر چڑھنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اوپر نوکیلے شیشے لگے ہوئے تھے لیکن دیوار کے ساتھ ساتھ درخت بھی پھیلے ہوئے تھے اور یہ درخت کسی بھی طور اس دیوار تک نہیں پہنچا سکتے تھے جس پر شیشے لگے ہوئے تھے اس نے کہا۔

”آپ اس درخت پر چڑھ جاؤ۔“

”کیا بالکل پختہ؟ کیوں چڑھ جاؤں میں اس درخت پر؟“

”بی بی صاحب! وہ دیکھو وہ کیٹ ہے، دیکھو اوھر دیکھو جلدی دیکھو.....“ اس نے کہا اور میں نے دیکھا کہ گیٹ کے سامنے پولیس کی بہت سی گاڑیاں آکر رکی تھیں اور پولیس والے اس طرح بھرا مار کر بڑے کیٹ سے اندر گھس آئے تھے جیسے باقاعدہ کسی گروہ پر حملہ کرنے والے ہوں۔ میں سمجھ گئی، اتنا میں جانتی تھی کہ میرے اوپر پچاس لاکھ روپے کا انعام مقرر کر دیا گیا ہے۔ پولیس کی آمد اور اس شخص کی منت و

یہاں گزرنے والا وقت برا نہیں تھا۔ ہر طرح کی آسائشیں مجھے حاصل تھیں البتہ اخبار وقت پر نہیں ملتا تھا۔ میں نے اپنی ضرورتوں کے بارے میں غلام بخش کو بتا بھی دیا تھا جن میں اخبار بھی شامل تھا لیکن شاید اخبار یہاں منگوائی ہی نہیں جاتا تھا۔ بس ایک دو بار کئی کئی روز پرانے اخبار ہاتھ لگ جاتے تھے۔ میں اپنے بارے میں خبریں سننے رہنا چاہتی تھی۔ یہ معلوم ہوتے رہتا چاہئے تھا کہ میرے سلسلے میں کیا کیا کارروائیاں

سازت کسی خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔ درخت پر چڑھنا میرے لئے بہت ہی آسان سی بات تھی۔ میں نے پاؤں میاں تک آئی تھی۔ درخت کے تنے کو میں نے سنبھالا تو وہ بولا۔

”اپنے بھائی کے کندھے پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ جاؤ بہن“ اور سنو۔ اس وقت تک میاں سے مت اترا جب تک کہ میں آپ کے پاس نہ آجاؤں“ جلدی کرو۔ ”وہ جھکا جیسے مجھے اپنی بیٹھ پر چڑھنے دعوت دے رہا ہو“ لیکن میں کسی پھر تیل ملی کی طرح درخت کے تنے کو چکڑ کر اوپر چڑھ گئی اور پہلی شاخ پہنچی تو اس نے کہا۔ ”خدا تمہیں خوش رکھے“ جتنی اوپر جا سکتی ہو چلی جاؤ اور ہو سکتا ہے آپ کو سارا رات اور کل کا دن بھی ادھر ہی گزارنا پڑے۔ میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکوں گا لیکن آپ کو ایڈ بات بتا دوں آپ کو اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہوگا ہر قیمت پر۔ ورنہ بڑے خطرے کا سامنا ہے آپ کو“ اچ میں چلا ہوں۔“

وہ تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ باہر کا منظر دیکھتی رہی۔ پولیس والے چاروں طرف پھیل گئے تھے، پھر کچھ پولیس والوں کو میں نے ادھر بھی آتے ہوئے دیکھا۔ وہ سب کے سب مسلح تھے اور اس طرح عمارت کا محاصرہ کر رہے تھے جیسے کوئی بہت ہی بڑا آپریشن کر رہے ہوں۔ اب اگر بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ یہ آپریشن میرے لئے تھا مگر کیوں؟ کیسے؟ کیا الماس بیگم کے ہاتھ میاں تک پہنچ گئے؟ یہ شخص کون تھا جو بڑی عاجزی سے مجھے میاں تک لے آیا تھا؟ یقینی طور پر غلام بخش کا لوبہ خاص آدمی ہوگا، لیکن کیا غلام بخش میری حفاظت کرنے میں ناکام رہا؟

میرے بدن میں سرولہریں دوڑنے لگیں۔ اس کا مطلب ہے کہ عیش کے جو دن تھے بیت گئے۔ پندرہ سولہ دن درحقیقت بڑے آرام سے گزرے تھے حالانکہ ذہن میں لاتعداد وسوسے تھے۔ وہ ۲۰ سے انچ جگہ لیکن میاں سکون رہا تھا۔ میں دیکھتی رہی۔ ایسی شدید بھاگ دوڑ ہو رہی تھی کہ بس کیا کہا جائے۔ سپاہی چاروں طرف دوڑیں لگا رہے تھے۔ ان میں افسران بھی تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سب کیا ہے۔ بہر حال نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ ہر طرف گھبراہٹ اور تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ پولیس والے کو شٹر کر رہے تھے، پھر اس کے بعد مختلف مناظر دیکھنے میں آتے رہے۔ ملک اور شہزادی بھی نظر آئیں اس جگہ کے تمام ملازموں کو نکال کر باہر کھڑا کر دیا گیا تھا اور ان سے پوچھ گچھ کی جا رہی تھی۔ کوئی چار گھنٹے تک پولیس میاں رہی اور اس کے بعد پولیس کی گاڑیاں واپس جاتی ہوئی نظر آئیں۔ جگہ ایسی عمدہ تھی کہ میاں سے دوا دور کے مناظر صاف دیکھے جاسکتے تھے۔

میرا ذہن مختلف تجربے کر رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میرے اندر عزم کی نئی لہریں بیدار ہو رہی تھیں۔ مقابلہ تو مقابلہ ہی ہوتا ہے۔ ایک طرف الماس بیگم بلکہ صحیح معنوں میں اس کا بھائی عزت جلال مصروف عمل تھا تو دوسری طرف میں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابھی تک میں اپنے مددگاروں کے کندھوں پر بیٹھی جیت کی منازل طے کر رہی تھی اور وہ لوگ مجھ پر ہاتھ ڈالنے میں ناکام رہے تھے لیکن اگر غور کیا جائے تو خود میری جدوجہد بھی اس میں شامل تھی۔ میں پرعزم تھی اور اب بھی ان سب سے بھرپور مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھی۔ بے شک اگر یہ شخص اس وقت میری مدد نہ کرتا تو میں پولیس کی

تحویل میں چلی جاتی لیکن اس کے بعد پولیس شاید مجھے اتنی آسانی سے اپنے قبضے میں نہیں کر سکتی تھی۔ بس یہ ہوتا کہ دوچار افراد اور میرے ہاتھوں سے مارے جاتے اور میرا جرم شدید سے شدید تر ہو جاتا۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ لوگ لاکھ کوشش کرتے رہیں اتنی آسانی سے مجھ پر قابو نہیں پاسکیں گے۔

مجھے اس بات کا تو اندازہ تھا کہ بے شک میں انہیں نہیں ملی ہوں لیکن ابھی پولیس میاں موجود ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ دوچار افراد میاں چھوڑ دیئے گئے ہوں۔ رات ہوتی چلی گئی اور اس کے بعد میرے اپنے اندازے کے مطابق اس وقت رات کے کوئی دو بجے ہوں گے جب ایک سایہ مجھے اپنی طرف رینگتا ہوا محسوس ہوا۔ کوئی چھپتا چھپاتا ادھر آ رہا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ تاریکی میں دیکھنے والی آنکھیں یہ اندازہ لگانے میں پیچھے نہ رہیں کہ آنے والا میرا وہی ہمدرد تھا جس نے مجھے میاں تک پہنچایا تھا۔ درخت کے نیچے پہنچ کر اس نے مدھم سبجے میں آواز دی۔

”بی بی سائیں! آپ اوپر ہو؟“

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔

”آجاؤ نیچے اتر آؤ۔“ وہ بولا اور کچھ لمحوں کے بعد میں نیچے آگئی۔

”آپ خیر سے تو ہو؟“

”بالکل خیر سے ہوں۔ کیا نام ہے تمہارا؟“

”مٹھل واڑا۔“ اس نے جواب دیا۔

”ادھو تو تم ہو مٹھل! اس عمارت کے نگراں۔“ میں نے کہا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا پھر بولا۔

”آپ اس دیوار کے ساتھ ساتھ آجاؤ۔ وہ دیکھو وہ گاڑی ہے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ آرام سے اس میں بیٹھ جاؤ۔ میں آپ کو خود لے کر ادھر سے باہر جاؤں گا۔ گیٹ پر پولیس والے موجود ہیں مگر وہ مجھ سے کچھ نہیں کہیں گے۔ پر آپ کو ذرا احتیاط رکھنی ہوگی۔“

میں نے دور تاریکی میں کھڑے ہوئے اس سیاہ دھبے کو دیکھا جو یقینی طور پر ایک ٹوٹی پھوٹی دیکن تھی۔ بہر حال مٹھل واڑا جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سچ ہی ہوگا۔ وہ راست کٹ کر وہاں سے آگے چل پڑا اور گاڑی تک پہنچ گیا۔ پھر اس نے گاڑی ریورس کی اور میں تھوڑا سا رک گئی۔ گاڑی میرے پاس پہنچی تو میں انتہائی بھرتی سے اس کے عقبی حصے میں سوار ہو گئی۔ بالکل کھٹارہ گاڑی تھی۔ اندر کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ میں دروازے کے پاس چھپ گئی البتہ اس میں اس طرح کی جالیاں لگی ہوئی تھیں جیسے جیل میں لے جانے والے قیدیوں کی گاڑی میں لگی ہوتی ہیں۔ گاڑی گیٹ پر پہنچی تو میرے اس اندازے کی تصدیق بھی ہو گئی۔ وہ پولیس والے تھے جنہوں نے تاریکی کی روشنی ڈرا ہوئی سیٹ پر ڈالی تھی۔

”کون ہے اس میں؟ کیا چیز؟“

”دماغ میں چھوڑا نکل آیا ہے کیا؟ آنکھوں کی روشنی چلی گئی ہے؟ دانت نہ آروں۔“ مٹھل واڑا کی آواز بڑی گونج دار تھی۔ غالباً یہ اس آواز کے اثرات تھے روشنی نیچے جھک گئی پھر اسی نے کہا۔

”ادھو! مٹھل سائیں آپ ہو؟“

”دروازہ کھولو۔“ گیت فوراً ہی کھل گیا اور دیگن باہر نکل آئی۔ منھل واڑا کا خوف شاید کافی تھا۔ بہر حال وہ آگے چلا گیا۔ میں نے مدھم سی روشنی میں پولیس کی وردی میں بلبوس چار افراد کو دیکھا تھا جو یقینی طور پر گاڑی کو گھور رہے تھے لیکن کسی کی بھی ہمت نہیں ہو سکی تھی کہ آگے بڑھ کر گاڑی کا جائزہ لے سکتے۔ منھل واڑا نے خود ہی گردن موڑ کر کہا۔

”پولیس والے ہونا تمہارا فرض ہے کہ اپنی ڈیوٹی کرو۔ گاڑی کی چیکنگ کرو۔ کھول کر دیکھ لو کچھ لے کر نہیں جا رہا ہوں۔“

”نہیں منھل سائیں، کیوں ذلیل کرتے ہو۔ ہم نے ڈرائیونگ سیٹ پر آپ کو نہیں دیکھا تھا۔“

”اب دیکھو لو۔“

”سائیں آپ کی بڑی مہربانی، آپ جاؤ۔“ پولیس والے نے کہا اور منھل نے گاڑی اشارت کر کے آگے بڑھا دی۔ پھر وہ خاموشی سے یہ کھٹارا گاڑی چلاتا رہا جس کا پچھلا حصہ اس طرح بول رہا تھا کہ کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ تقریباً پچیس منٹ تک وہ یہ سفر کرتا رہا۔ گاڑی کی باڈی جیسی بھی تھی لیکن انجن بہت شاندار تھا۔ رفتار بھی تیز تھی۔ پچیس منٹ کی اس تیز رفتاری سے معلوم ہوتا تھا کہ منھل کافی دور نکل آیا ہے۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے گاڑی کسی آبادی میں داخل ہوئی ہو۔ یہاں سندھ کے علاقے میں چھوٹے چھوٹے گوتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر موجود تھے۔ اس تیز رفتاری سے سفر کے بعد یہ اندازہ تو خیر آسانی سے لگایا جاسکتا تھا کہ منھل مجھے لے کر کسی اور گوتھ میں پہنچا ہے۔ میں تھوڑی دیر کے بعد گاڑی سے نیچے آئی۔ اندر درست تھا۔ یہاں بھی ایک بستی کے احاطے میں مکمل تاریکی تھی اور اندر مدھم مدھم روشنیاں ابھر رہی تھیں۔ منھل مجھے لے کر اندر داخل ہوا اور ایک بڑے کمرے میں پہنچ گیا۔ یہ کمرہ بھی بیدروم کے طور پر آراستہ تھا اور وہی ٹھنڈی جگہ تھی۔ منھل نے کہا۔

”بی بی سائیں! ابھی آپ کے لئے یہ محفوظ جگہ ہے۔ کسی کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم کہ یہ سائیں غلام بخش کا خفیہ ڈیرہ ہے اور ایک نئے نام سے یہاں پر ہے۔ آپ بالکل بے فکری سے اسے ادھر رہو۔ ہم ہزار آنکھوں سے آپ کی نگرانی کر رہے ہیں۔ میں یہیں رکوں گا بس تھوڑا سا انتظام کرنے کے بعد آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ سائیں غلام بخش میرا خیال ہے لمبے دورے پر گئے ہیں۔ کچھ ٹائم لگ جائے گا انہیں۔“

وہ چلا گیا تو میں نے تھکی تھکی نگاہوں سے اپنی اس نئی آرام گاہ کو دیکھا اور مسہری پر جا کر بیٹھ گئی۔ نہ جانے کیوں اس وقت طبیعت پر کچھ اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔ بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے ہوئے میں نے سوچا کہ ایک کے بعد دوسرا ہمدرد، دوسرے کے بعد تیسرا اور تیسرے کے بعد چوتھا۔ ایسے ہمدردوں کے سارے زندگی کیسے گزاری جاسکتی ہے؟ ٹھیک ہے سارے انسانی زندگی کا ایک ضروری حصہ ہوتے ہیں لیکن سہاروں کے بعد اپنے پیروں کے اوپر کھڑے نہ ہونے والے دو چار قدم چل کر گر جاتے ہیں۔ میں گرنا نہیں چاہتی تھی۔ پھر اس کے بعد میں نے دل میں سوچا کہ اپنے آپ کو بشار رکھو کسی کی مدد آخری بات نہ سمجھو۔ سلطان شاہ نے مجھے بے شک غلام بخش کے پاس بھیجا تھا وہ بہت اچھا انسان تھا لیکن اب یہ جو کچھ ہوا اس

کے بارے میں جاننا ضروری تھا اور اگر یہ علم میں آجائے کہ یہ سب کچھ غیر مناسب بات تھی تو پھر اس کے بعد اپنے طور پر عمل کرنا ضروری ہے چاہے اس کے نتائج کچھ بھی نکلیں اور اس کے بعد نیند آتی تو ایسی آرام کی نیند آتی کہ دن کو کوئی ساڑھے دس بجے قریب اٹھی۔ ایک چھوٹی عمر کا لڑکا جو صاف ستھرا لباس پہنے ہوئے تھا ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے آکھڑا ہوا اور نونے ہوئے لفظوں میں بولا۔

”آؤ، آپ کے لئے ناشتہ تیار ہے۔ ابھی ادھر لے آئیں؟“ میں نے اس تیرہ چودہ سال کے لڑکے کو دیکھا۔ اچھی شکل و صورت کا مالک تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اس سے کہا۔

”پانی مل جائے گا؟“

”جی بیگم سائیں۔“ وہ تیزی سے واپسی کے لئے پلٹا تو میں نے اس سے کہا۔

”کیا نام ہے تمہارا؟“

”چل۔“

”اچھا چل، یہ بتاؤ کہ غسل خانہ کدھر ہے؟“

”بیگم صاحب۔“ وہ بالکل آپ کے کمرے کے دروازے کے سامنے۔ ابھی آپ ادھر جاؤ۔ ہم آپ کے لئے ناشتہ لے کر آتا ہے۔“

میں منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہو کر ادھر آکر بیٹھ گئی۔ چل نے تھوڑی دیر کے بعد سادہ سا ناشتہ میرے سامنے لگا دیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

”تم نے ناشتہ کر لیا چل!“

”صبح چھ بجے بیگم سائیں۔“

”کہاں رہتے ہو؟“

”ادھر ہی رہتے ہیں۔“

ابھی میں ناشتہ کر رہی تھی کہ تھوڑی دیر کے بعد منھل واڑا آگیا۔ اس نے مجھے سلام کیا۔ میں نے اس سے کہا۔

”آؤ منھل واڑا، ناشتہ کرو۔“

”بیگم سائیں! ہم دیرانی لوگ تو صبح چھ بجے ناشتہ کر لیتے ہیں۔ ابھی تو تھوڑی دیر کے بعد ہم دوپہر کا کھانا کھائیں گے۔“ اس نے کہا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔

”ارے ارے یہ کیا ہو رہا ہے۔ اوپر کرسی پر بیٹھو۔“

”نہیں بیگم سائیں، کچھ اصول ہوتے ہیں۔ کچھ بھی ہے ہم آپ کے نوکر ہیں۔ جب تک غلام سائیں آپ کو عزت کا درجہ دیتے ہیں۔“ میں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا۔

”منھل واڑا! اگر غلام سائیں کسی کو عزت کا درجہ دیتا ہے تو تم بھی اسے عزت دیتے ہو اگر وہ کسی کو عزت کا درجہ نہیں دیتا تو.....“

”دیکھو بی بی سائیں! وفاداری نوکری کا بڑا حصہ ہوتی ہے۔ سب سمجھ میں آتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ

ہم ہاتھ جوڑ کر آپ سے معافی مانگتے ہیں۔ انسانیت تو جگہ جگہ جوتوں سے پکلی جا رہی ہے۔ ایک ایسی چیز اس قدر بے وقعت ہو گئی ہو اس کا سارا لینا کمائیں کی عقل مندی ہے۔" میں چونک پڑی۔ میں نے سٹو واٹر کو دیکھا اور کہا۔

"تمہارے ان الفاظ میں بڑی بے کسی نظر آتی ہے مٹھل واڑا۔ وجہ بتاؤ گے" وہ پھیلکی سی ہنسی ہنر خاموش ہو گیا۔ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اسے چائے بنا کر دی۔

اس نے عجیب سی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ دیر تک دیکھتا رہا۔ ان آنکھوں میں نہ جانے کیسی کیفیتیں تھیں لیکن ایک عورت ہونے کے ناتے اب میں دنیا ہے اچھی طرح واقف ہو گئی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ کن آنکھوں میں کیا کیفیت ہے۔ اس کی آنکھوں میں کوئی برائی نہیں تھی بلکہ اچھکی ہٹ تھی۔ ایک ایسا انداز تھا جیسے وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اس پیالی کے قابل ہے یا نہیں۔ میں اپنی سے انھی آگے بڑھی اور میں نے وہ پیالی مٹھل کو دی تو وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"نہیں" بی بی سائیں خدا کے واسطے خدا کے واسطے ہمیں خواب مت دکھاؤ۔ ہم تو بہت پست، بڑے معمولی سے آدمی ہیں۔ بی بی سائیں! بہت معمولی سے آدمی ہیں ہم۔ ہم آپ کی اس عنایت کے قابل نہیں بی بی سائیں۔"

یوں لگا جیسے وہ آگے بڑھ کر میرے سر ہاتھ رکھنا چاہتا ہو یا مجھے محبت سے کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن ایک دم رک گیا ہو۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے چائی کی پیالی لے لی۔ پھر اس نے کہا۔
"مولا سائیں تمہیں بھی عزت دے۔ تم نے ایک معمولی سے آدمی کو جس کے بارے میں تم کا نہیں جانتیں اتنی عزت دی ہے۔ یہ تمہاری محبت ہے۔ تمہاری بڑائی ہے بی بی سائیں۔"

"تمہیں اندازہ ہے مٹھل واڑا کہ اس وقت میں بڑی بے سارا ہوں۔ میں کسی سے کوئی سارا نہیں مانگتی۔ اپنی تقدیر پر مجھے بہت زیادہ بھروسہ ہے اور پورا یقین رکھتی ہوں میں کہ تقدیر ابھی میرا ساتھ دے رہی ہے اور دیتی رہے گی۔ تم یقین کرو مٹھل واڑا! اگر تم بروقت میری مدد نہ کرتے اور میں پولیس کا تحویل میں پہنچ بھی جاتی تو آخر کار میں پولیس کے جال سے نکل جاتی۔ میں تمہیں پورے اعتماد کے ساتھ بات کہہ رہی ہوں۔"

"بی بی سائیں! ہم نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ آپ جیسے معصوم چہرے والے یقینی طور پر جو کچھ کہتے ہیں ان کا کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ خیر بی بی سائیں۔ آپ کے دل میں یہ خیال ضرور ہو گا کہ جب سائیں غلام بخش نے آپ کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی کہ اس کے بعد یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ بی بی سائیں! ہم نے یہی معلوم کرنے میں وقت گزارا ہے۔ ابھی آپ دیکھو سائیں غلام بخش آپ کو ہمارے حوالے کر کے گیا تو ہم پر یہ فرض بنتا تھا بی بی سائیں کہ ہم آپ کی ہر طرح سے حفاظت کریں۔ اللہ نے آپ کو بچا دیا۔ مگر پولیس آپ تک پہنچ جاتی تو کیا ہوتا بی بی سائیں! بڑا خراب ہوتا۔ خود ہم بھی مصیبت میں پھنس جاتے۔ یہ تو موقع مل گیا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں تھی کہ آپ کو وہیں رکھ کر حفاظت کی جائے۔"

"ہاں۔ بڑا اچھا طریقہ تھا تمہارا۔ پر تم مجھے بتانا پسند کرو گے کہ یہ سب ہو کیسے گیا؟ غلام بخش کے

نے میں تو مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ وہ....."

"نہ بی بی سائیں" ناٹا۔ سائیں غلام بخش کے بارے میں آپ سوچ نہیں سکتیں اور برے آدمی میں بی بی سائیں! اچھا ہوتی ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور مہمانوں کا پکا اور سچا ساتھی ہوتا ہے۔ وہ اپنے اصولوں میں رہتا ہے بلکہ پھر بھی اس کے سامنے کچھ نہیں ہوتا۔ اصل مسئلہ مجھے بتا چل گیا اور جو کچھ بتا چلا ہے وہ جانتا ہے۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ویسے بی بی سائیں کیا آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ سائیں غلام بخش کا کاروبار کیا ہے؟"

"میں کیا جانوں؟" میں نے جواب دیا۔

"بی بی سائیں! سائیں غلام بخش ڈاکو ہے، بہت بڑا ڈاکو ہے۔ کچے کا سارا علاقہ اس کے نام سے کانپتا ہے اور بی بی سائیں کچے کے علاقے میں لوگ اس کے خوف سے اپنے گھروں میں دیکے رہتے ہیں۔"

"کیا.....!" میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "مجھے تو پتا چلا ہے کہ وہ زمیندار ہے۔"

"زمیندار تو ہے سائیں۔ اب آپ کو یہ بات نہیں معلوم کہ سائیں نور الہی ان کے سالے ہیں اور خیر الہی ان کے سرور یہ دونوں اتنے بڑے وڈیرے ہیں کہ آپ سوچ نہیں سکتے۔ اگر سائیں غلام بخش سائیں نور الہی کا بہنوئی نہ ہوتا تو پولیس اس کے پورے بدن کو چھلنی کر دیتی لیکن سائیں نور الہی کا رعب بہت ہے۔ سائیں نور الہی تو کوئی ایسا کام نہیں کرتا۔ وہ نہیں چاہتا کہ غلام بخش زندہ رہے لیکن میں آپ کو بتاؤں بی بی سائیں کہ جب تک سائیں خیر الہی زندہ ہے غلام بخش کا کچھ نہیں بگڑتا۔ سائیں خیر الہی شیروں کا شیر ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اس کے دم سے سائیں نور الہی کی عزت بھی ہے۔ اس نے یہ سارا کھیل بنایا ہے ورنہ یہ لوگ پشٹوں سے وڈیرے نہیں تھے۔"

"واہ۔ یہ تو دلچسپ بات ہے کہ سائیں خیر الہی کو بھی معلوم ہے کہ ان کا داماد ڈاکو ہے۔"

"معلوم ہے بی بی صاحب! ایسی بات چھپتی کدھر ہے۔"

"کیا دلچسپ داستانیں ہیں اس علاقے کی بھی! لیکن تم کچھ اور بتا رہے تھے مٹھل واڑا۔"

"ہاں بی بی سائیں! اب تو ہم آپ کو اور بھی بہت سی باتیں بتائیں گے۔ آپ کا دل جو لگانا ہے ادھر۔ غلام بخش سائیں لگتا ہے کافی دن کے لئے باہر گیا ہوا ہے۔ ابھی اس کے آنے میں مینہ پندرہ دن لگ جائے گا۔ ہمیں آپ کی حفاظت بھی کرنی ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ کیا یہ جگہ غیر محفوظ ہے؟"

"بالکل نہیں بی بی سائیں! بالکل نہیں۔ آپ ادھر سے بالکل اطمینان رکھو۔ اگر پولیس ادھر آجی جاتا ہے تو کم از کم ایک ہفتہ مقابلہ ہو گا اس سے تب وہ اس کے دروازے تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ آپ کو مٹھل واڑا کہہ رہا ہے۔ ایک معمولی سا آدمی۔"

"مٹھل واڑا! تم مجھے یہ بتا رہے تھے کہ یہ سب کچھ ہوا کیسے؟"

"بی بی سائیں جذباتی نہ ہونا۔ اصل میں یہ سائیں وڈیرے جو ہوتے ہیں ٹال ہیں جی تو ایسا ہی عمل کرتے ہیں کہ ان کی طرف سے شکوک و شبہات قائم رہتے ہیں۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ سائیں

نی اگیا تھا۔ بہر حال انسانیت کے رشتے سے بہت سی باتیں دل و دماغ پر سوار ہو جاتی ہیں۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر اس کے آنسو پونچھے، اسے احترام سے اٹھا کر مونٹھے پر بٹھایا اور بولی۔

”ویسے تو انسان کے اندر بہت سی خواہشیں ہوتی ہیں لیکن ایک خواہش کسی کے بارے میں جاننے کی بھی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی صرف حالات کا اندازہ کر کے ایسی چیزوں سے بچا جاسکتا ہے۔ مٹھل سائیں اگر مناسب سمجھو تو مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ میں نے تمہاری بیٹگی ہوئی آنکھیں بھی دیکھی ہیں۔“ مٹھل نے جلدی سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور پھینکی سی مکرابٹ کے ساتھ بولا۔

”نہیں پانی پڑ گیا ہوگا۔ بارش کی کوئی چیخٹ اگئی ہوگی۔“ جواب میں ’میں بس پڑی۔ میں نے کہا۔“ اس میں کوئی شک نہیں ہے مٹھل سائیں کہ تھوڑے عرصے پہلے میں آنسوؤں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی لیکن اب میں ان آنسوؤں کی شناسا ہو گئی ہوں۔ بارش کے چھینٹوں اور آنکھوں میں آجانے والے پانی میں نمایاں فرق محسوس ہونے لگا ہے مجھے۔ مٹھل ہنسنے لگا پھر بولا۔

”ہاں ٹھیک ہے۔ عمر تجربہ دیتی ہے اور حالات تربیت کرتے ہیں۔“

”ایک بات میں نے کئی بار محسوس کی ہے مٹھل سائیں۔ وہ یہ کہ تم بڑھے لکھے آدمی ہو۔“ مٹھل نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر بولا۔

”سنگی ہماری کمائی۔“

”اسی لئے تو میں نے آپ کو یہ تکلیف دی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ سندھ کے ان اندرونی علاقوں کی کمائیاں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ یہاں وڈیرے موت کے دیوتا بنے ہوئے ہوتے ہیں اور موت کے یہ دیوتا طرح طرح سے انسانوں کو اپنی گرفت میں رکھتے ہیں۔ اب تو حالات میں کافی تبدیلیاں رونما ہو گئی ہیں لیکن آپ نے ضرور سنا ہوگا بی بی سائیں کہ ان وڈیروں کی اپنی جہیلیں ہوتی ہیں۔ اپنی حکومت ہوتی ہے ان کی۔ ان جہیلوں میں انہوں نے پھانسی گھر بنائے ہوتے ہیں۔ ان کی اذیت گاہیں مشہور ہیں۔ زمین کے نیچے نہ جانے کتنے انسانوں کو قید کر رکھا ہے انہوں نے۔ کبھی کبھی یہ انسان اللہ کی مدد سے باہر آجاتے ہیں تو ان کے ظلم کی کمائیاں سنا دیا کرتے ہیں۔ بی بی سائیں! انسانوں کو انہوں نے جانوروں سے زیادہ تکلیفیں دے رکھی ہیں۔ جو دل چاہتا ہے کرتے ہیں۔ ان کی بنائی ہوئی روایتیں بڑی حیثیت رکھتی ہیں اگر یہ کسی کے دشمن ہو جائیں تو پھر آپ یہ سمجھ لو کہ زندگی ان کے لئے ایک بے معنی چیز ہو کر رہ جاتی ہے۔ کسی عورت کو گناہ کا الزام لگا کر موت کے گھاٹ اتار دینا ان کے لئے آسان سا کام ہے۔ انہوں نے بہت سی رسمیں ایجاد کر رکھی ہیں۔ کاری کی رسم بھی ایک ایسی ہی رسم ہے۔ اپنے مخالفوں پر فحاشی اور برائی کا الزام لگا کر یہ با آسانی انہیں سنگسار کرا دیتے ہیں۔ ایک دفعہ تو آپ کو بتاؤں بی بی صاحب! ایسے ایسے واقعات ہیں بس تقدیر کا ایک چھوٹا سا جھٹکا چاہئے۔

میں شہری آبادی میں پڑھتا تھا۔ میرا باپ چھوٹا موٹا زمیندار تھا اور وہرے وڈیرے سے ان کی اچھی خاصی دوستی تھی۔ ایک دن کسی بات پر وڈیرا ناراض ہو گیا اور بس وہیں سے ہماری مصیبتوں کا آغاز ہوا۔ وڈیرے نے میرے باپ کی زمینوں کا پانی بند کر دیا۔ میرے بھائیوں کو زہر دے کر مروا دیا۔ نہ جانے کیا کیا

غلام بخش نے مجھے یہ کہہ کر آپ کی حفاظت کرنے کی لئے کہا تھا کہ آپ ان کے لئے ایک بہن بھی غلام بخش اگر منہ سے کسی کو بہن کہہ دیتا ہے تو پھر وہ بہن ہی کہتا ہے اسے۔ مگر عورت تو عورت ہوتی بیگم سائیں! میری مراد گل زادی سے ہے۔ وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ سائیں غلام بخش کی منظور نظر ہیں اور آنے والے وقت میں آپ سے ان کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس بات انہیں الجھا دیا اور پھر اتفاق سے وہ اخبار ان کے ہاتھ لگ گیا جس میں آپ کا تصویر چھپا ہوا تھا اور آپ پچاس لاکھ روپے کا انعام رکھا ہوا تھا۔ گل زادی نے اپنی کارروائی کر ڈالی اور خفیہ طور پر پولیس کو اسے دے دی۔ چونکہ پولیس کو یہ اطلاع خود غلام بخش سائیں کے گھر سے ملی تھی اور اس جگہ کی نشاندہی کر دی گئی تھی اس لئے پولیس کی بہت ہو گئی ورنہ اتنی آسانی سے یہ چھاپہ نہیں پڑ سکتا تھا۔“

”اوہ۔ اچھا واقعی گل زادی نے مکمل عورت ہونے کا ثبوت دیا ورنہ بہن بھائی کا رشتہ تو بڑا مٹہ ہوتا ہے۔“

میں نے کہا اور مٹھل واڑا خاموش ہو گیا۔

نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر اضطحال کی لکیریں کھینچ گئی تھیں۔ بہر حال میں نے اپنے طور طے کر لیا تھا کہ جب تک یہاں حالات میرا ساتھ دیتے ہیں یہاں رہوں گی کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر سنگین صورت حال پیش آجاتی ہے تو پھر الگ بات ہے۔ چنانچہ وقت گزرتا رہا۔ وہ چھوٹا سا بچہ تو بہن پیارا تھا۔ کمائیاں اکثر یکساں ہی ہوا کرتی ہیں۔ وڈیرے اپنے طور پر انسانی زندگی کو اپنی مٹھی میں لئے ہاں اور جینے والے بڑی مشکل سے گزارا کرتے ہیں لیکن مجھے اس بات کی قطعی امید نہیں تھی کہ وڈیرا جیسا شخص بھی ایک دکھ بھری کمائی ہوگا۔ اس دکھ بھری کمائی کا آغاز اس وقت ہوا جب اچانک ہی گھر آئے۔ ماحول پر ایک سوگوار سی کیفیت طاری ہو گئی۔ پتا نہیں کیوں دلوں پر ایک اضطحال سا پیدا تھا۔ چھم چھم کر کے بارش برسنے لگی۔ میں جس جگہ بیٹھی ہوئی تھی وہاں سے آگے ایک وسیع و عریض پھیلا ہوا تھا۔ کچے احاطے میں جگہ جگہ پانی نے گڑھے بنائے ہوئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان میں پانی بھرا اور پھر ان پر بوندیں پڑنے لگیں تو ماحول پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی دوران مٹھل و میرے پاس آگیا اور سلام کر کے نیچے زمین پر بیٹھ گیا۔ میں جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور سے کہا۔

”دیکھو مٹھل سائیں! میرے پاس آکر بیٹھتے ہو تو کچھ اپنا سمجھ کر ہی بیٹھتے ہو گے۔ جب اپنا سمجھتے ہ میرے سامنے کم از کم زمین پر نہ بیٹھا کرو۔“

”بی بی سائیں! انسان کو اپنے مقام پر ہی رہنا چاہئے۔ اونچا اڑنے کی کوشش کبھی کبھی نقصان بھی د جاتی ہے۔“

”نہیں میرے بھائی! بھائیوں کی طرح سے ہو۔ انسانیت کی تذلیل میں اپنی آنکھوں سے نہیں دکتی۔ ایسا کرنے والے لاکھوں ہیں۔ ہم اگر اس سے بچ سکتے ہیں تو ہم ایسا کیوں کریں۔ تم میرے بڑے بھ کی طرح ہو۔“ میرے ان الفاظ پر نہ جانے کیوں مٹھل کی آنکھیں بھگی گئیں۔ ایک دم سے اس کی آنکھوں

پہلے ایک انوکھا کھیل تھا اور میں یہ سب کچھ دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ اب میرا آگے کیا ہوگا۔ بہر حال پھر میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ میں نے سوچا کہ ماں باپ کی تدفین کا مسئلہ زینو کے چچا اور چاچی کے ساتھ مل کر طے کروں گا۔ وہی لوگ میرے ساتھی اور میرا سہارا تھے اور یقیناً وہی میری مدد بھی کرتے تھے۔ بہر حال میں آگے بڑھا اور اپنے گھر سے باہر نکل آیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد میں زینو کے گھر میں داخل ہوا لیکن نہ جانے کیوں اس گھر کی عجیب و غریب خاموشی کو محسوس کر کے میرا دل زور سے دھڑک اٹھا۔ مجھے یوں لگا جیسے یہاں بھی کچھ ہو گیا ہو اور یہ بالکل درست تھا۔

یہاں بھی جو کچھ ہوا تھا وہ دیکھنے کے قابل تھا۔ میں نے دیکھا کہ صحن میں ہی زینو کے چاچا اور چاچی کی لاشیں خون میں لت پت پڑی تھیں۔ میں نے پاگوں کی طرح سارا گھر چھان مارا مگر زینو کا کوئی پتا نہیں تھا۔ کچھ کی تمام چیزیں جوں کی توں موجود تھیں۔ کوئی ایسی علامت بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں جدوجہد کی گئی ہے۔ ان لوگوں کو یقینی طور پر سوتے ہوئے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اور ان کی لاشیں صحن میں ڈال دی گئی تھیں۔

میرے خدا، میرے خدا! مجھ پر یہ اچانک مصیبتوں کے پہاڑ کیوں ٹوٹ پڑے ہیں۔ میری بہن عائب ہے اور میری عزت، میری زینو! وہ بھی یہاں موجود نہیں ہے۔ کیا ہوا ہے۔ کیا نہیں ہوا ہے۔

میری آنکھیں آنسو برسانے لگیں اور دل کا یہ عالم ہو گیا جیسے کسی بھاری بوجھ تلے چلا جا رہا ہو۔ اس دوسرے صدمے نے مجھے بالکل بے جان کر دیا تھا اور میرے سینے میں ایک گولا سا اندر بار بار بار حلق میں اچھٹتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ دشمن میرے پورے خاندان کو ختم کرنے پر قائل ہو گیا ہے۔

پھر اچانک ہی میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ صورت حال کی سنسنی خیز کیفیت کا مجھے ایک لمحے اندازہ ہو گیا۔ مجھے یہ تو یقین ہوتا جا رہا تھا کہ یہ سب کچھ ڈیرے کے نور باغ نے ہی کیا ہے۔ وہ جب شہر پر آمادہ ہوتے ہیں تو ان کی دشمنی ایسی ہی ہوتی ہے۔ یقیناً زینو بھی انہی کے قبضے میں ہوگی۔ اپنے پورے خاندان میں صرف میں ہی باقی بچا تھا جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ یقیناً وہ میری طرف سے اٹل نہیں ہوں گے اور انہیں توقع ہوگی کہ میں جہاں کہیں بھی جاؤں گا پلٹ کر اسی گھر میں آؤں گا کیونکہ زینو کو ہمیں چھوڑ کر گیا تھا۔

تو میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کیا اور میں چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت میں اپنے ساتھ پے در پے پیش آنے والے حالات پر رونے کے بجائے اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا۔ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ ہرے دشمن ہمیں آس پاس نہیں موجود ہیں۔ وہ میرے خاندان کے نام و نشان کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ میرے بالکل وقت نہیں تھا۔ دشمن کسی بھی وقت میرے سر پر پہنچ سکتا تھا۔ اس خیال نے میرے اندر بڑا ہرجان مچا دیا تھا۔

میں آہستہ قدموں سے چلا ہوا احاطے کی دیوار کے سارے جاگ اور چوکنے انداز میں آگے بڑھنے لگا۔ پھر میں صحن کی ان دیواروں کو جو کہ زیادہ بلند نہیں تھیں چھوٹا ہوا آگے بڑھا اور اس کے بعد میں نے ان کے بل کھڑے ہو کر دیوار کے اوپر سے جھانکنے کی کوشش کی۔ دور دور تک تاریکی اور سانے کا راج

کچھ کرتا رہا میرے خلاف، میرا مطلب ہے میرے باپ کے خلاف۔ میرا باپ خاموشی سے اپنے دوسرے مظالم سہتا رہا پھر اس نے مجھے شہر میں خط لکھا کہ میں واپس آجاؤں حالات بہت خراب ہو چکے ہیں۔ باپ کو پتا تھا کہ میں ٹھنڈے دماغ کا آدمی ہوں۔ ویسے بھی میرے باپ کے دوست ڈیرے کے یہ میری تھوڑی بہت دوستی تھی۔ میرے باپ کا خیال تھا کہ اختلاف کی دیواریں میرے آنے سے گر جائیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جب میں گھر پہنچا تو ایک خونی منظر میرا انتظار کر رہا تھا۔ میری ماں، میرے باپ اور میرے رشتے کی ایک چچا زاد بہن جو ہمارے ساتھ ہی رہتی تھی اور بیوہ تھی، سب کو قتل کر دیا گیا تھا۔ میرا چھوٹی بہن غائب تھی۔ اس کی لاش میرے گھر میں نہیں ملی تھی۔ اصل میں مجھے ساری تفصیلات پتا اس طرح تھیں اس بات کا اندیشہ ہو گیا تھا کہ میرے ماں باپ اور کزن کے قابل وہی لوگ ہیں جن نے زمانے میں ہمارے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ پر ڈیرے کا دماغ ڈیرے جیسا ہی ہوتا ہے۔ اس سے بھی نقصان دہ ہوتی ہے اور دشمنی بھی۔ میں ماں باپ کے پچھڑ جانے سے اس قدر افسردہ ہو گیا تھا کہ خود کشی کرنے کے بارے میں سوچنے لگا لیکن پھر میں نے سوچا کہ خود کشی کرنے سے بہتر یہ ہے کہ کسی کو مر جائے۔ کم از کم میں اپنے ماں باپ کے قاتلوں کو تو کیفر کردار تک پہنچا کر موت کا مزا چکھوں۔ اگر بعد پوری سنجیدگی سے میں نے ایک اور بات سوچی۔ وہ یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے باپ مجھے اپنے دوست ڈیرے کا حوالہ دیا تھا اور تھوڑی بہت معلومات مجھے حاصل تھیں۔ وہ پھر دل آدمی تھا کی بہت ساری داستانیں میں نے سن رکھی تھیں لیکن ایک گنجائش اب بھی چھوڑنا چاہتا تھا اور وہ گنجائش تھی کہ ہو سکتا ہے کہ میرے ماں باپ اور کزن کے قتل اور میری چھوٹی بہن کی کشدگی کے سلسلے میں باغ شاہ کا ہاتھ نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کسی اور نے یہ حرکت کی ہو اور اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن اب بھی ممکن نہیں تھا کہ میں فریاد لے کر ڈیرے کو نور باغ شاہ کے پاس جاتا یا اس کے باپ علی شاہ سے کرتا۔ اس طرح وہ لوگ میرے خلاف بھی کوئی عمل کر سکتے تھے۔ جہاں تک میری اپنی زندگی اور مور تعلق تھا تو سچی بات یہ ہے کہ مجھے اب اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میرا باغ بھی بک گیا تھا۔ م کرتا۔ بہت غور کرتا رہا۔ بہت سوچتا رہا پھر میں نے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ درپردہ جس طرح بھی ممکن ہو گا اپنے ماں باپ کے قاتلوں کا پتا چلاؤں گا اور پھر باغ شاہ اور اس کا باپ علی شاہ اگر اس قتل میں ملوث تو پھر ان لوگوں کی خیر نہیں۔

تھوڑے عرصے پہلے میری معنی ہو چکی تھی اور یہ معنی میری پسند کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ زینو چچا کے گھر خوش نہیں ہے۔ اس کا چچا اور چچی بڑے لالچی قسم کے لوگ تھے۔ وہ بے اولاد تھے۔ زینو کو انہوں نے کسی محبت کے ساتھ اپنے ساتھ نہیں رکھا ہوا تھا بلکہ ان کے دل میں لالچ کے درخت آگے ہوئے اور وہ چاہتے تھے کہ زینو کے سارے وہ اپنے مستقبل کا کوئی بندوبست کر لیں۔ مجھ سے معنی کرتے ہو بھی انہوں نے اپنا رونا روایا تھا اور مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ زینو وہاں ایک تکلیف دہ زندگی گزر رہی۔ میں حالات کا اندازہ لگا رہا تھا اور میرا خیال تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے ماں باپ سے کہہ کر زینو کو اپنی زندگی میں شامل کر لوں مگر تقدیر نے میرے ساتھ جو کھیل کھیلا تھا وہ

تھا اور کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ چاروں طرف نو کا عالم تھا اور ٹھنڈی رات میں سناٹے کے پیر ہوئے تھے۔ رات اپنے تیسرے پیر میں داخل ہو رہی تھی۔

میں تیزی سے حالات کا جائزہ لیتا رہا اور میرے دل و دماغ میں مستقبل کے بہت سے گنجائش رکھنے لگے۔ میرے ذہن میں زینو کا خیال بھی تھا۔ ماں باپ تو مصیبت کا شکار ہو ہی گئے تھے لیکن اور میری چھوٹی بہن نہ جانے کس عذاب میں گرفتار ہو گئی تھیں۔ اگر نور باغ شاہ کی میرے باپ سے تھی تو میری بہن اور میری عزت پر ہاتھ ڈال کر مجھے کون سا سبق دیا تھا۔ کیا کرنا چاہتا تھا وہ میرے سا کہنا چاہتا تھا۔ کیا کہنا چاہتا تھا۔ کیا وہ مجھے چیلنج کرنا چاہتا تھا اور کیا مجھے یہ چیلنج قبول کر لینا چاہئے تھا؟

رشتے ناتے تو ہمارے بھی بہت سے تھے خاص طور پر مجھے اپنے ایک ماما پر بڑا مان تھا جس کا بخش تھا اور وہ میاں سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹے سے گونڈے میں رہتا تھا۔ ماما نے بخش سے بھی نور اور اس کے باپ علی شاہ کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ پتا نہیں ماما نور بخش نے نور باغ شاہ کو اس کا کیوں نہیں روکا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے فرشتوں کو بھی اس کا پتا نہ ہو۔ بہر حال یہ ساری باتیں جگہ تھیں۔ اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے اپنی ان شناسائیوں سے کام لینا چاہئے۔ ان دونوں لڑکیوں کو کرنے کے لئے مجھے اپنے جسم میں طاقت اور اپنے دماغ میں ہوش کو قائم رکھنا ضروری ہے۔

اور اب یہ ضروری تھا کہ میں جس قدر جلد ممکن ہو یہ جگہ چھوڑ دوں اور صبح ہونے سے پہلے اپنے لئے کسی پناہ گاہ کا انتخاب کروں کیونکہ میں جانتا تھا کہ نور باغ کے ہاتھ بہت لمبے تھے اور اس کا میرے سامنے موجود تھا۔ اس کے کارندوں نے میرا پورا خاندان تباہ و برباد کر دیا تھا اور یہ وفادار کے چاروں طرف میری بو سوگھتے پھر رہے ہوں گے۔ یہ بات انہیں معلوم ہو چکی ہوگی کہ میں شہر سے گواہ چکا ہوں۔ بہر حال میں دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے باہر گہرا تاریک اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ صبح دونوں لاشیں بے کفن پڑی ہوئی تھیں اب اس وقت میں اس ہمدردی کا ثبوت نہیں دے سکتا تھا کہ اپنے ماں باپ اور اس کے بعد ان بزرگوں کی لاشوں کو دفن کروں۔ ہستی والوں کو بہت جلد معلومات دے دوں گی کہ دُوبے نور باغ نے کیا دردنگی دکھائی ہے۔

میں نے باہر قدم رکھا اور ابھی دوسرا قدم اٹھایا ہی تھا کہ کسی نے پیچھے سے میری گردن دوچھو ایک فوادنی بازو میری گردن سے لپٹ گیا تھا۔

میں بری طرح چونک پڑا۔ میری خدشات بالکل درست تھے۔ دشمن میری ناک میں تھا لیکن اچانک سنے سے پریشان ہونے کے بجائے میرے سارے حواس ایک دم سے بیدار ہو گئے۔ میرے بدن بجلی کی دوڑ گئی اور میں نے اپنے اس نئے عزم کے تحت برق رفتاری سے لپٹ کر دایسی کمری پوری قوت ساتھ دوپٹے والے کی پہلیوں پر ماری اور تاریکی میں ایک بجلی کی گراہ نکل گئی۔

میری گردن پر گرفت کمزور پڑ گئی تھی۔ ایک لمبے کی تاخیر کے بغیر میں نے اس کی گردن میں دو ہاتھ ڈالے اور ایک دم سے اس کا منہ کندھے پر رکھ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے میں زبردست ڈر تھا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ کتنے افراد اس وقت میرے ارد گرد موجود ہیں لیکن اس چوٹ نے

پڑنے والے کو کافی بے بس کر دیا تھا۔ وہ سیدھا گر پڑا لیکن میں فلمی ہیرو کی طرح اس سے الجھنے کے بجائے اس سے دوڑ پڑا تھا۔

میں اتنی تیز رفتاری سے بھاگ رہا تھا کہ پتا نہیں سکتا۔ اگر اس وقت خود بھی اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا تو اس میں ناکام رہتا۔ کچھ لمحوں کے بعد حواس بھی بحال ہو گئے۔ چوٹ تو نہیں لگی نہیں تھی کہیں تکلیف ہوتی اور میں دوڑ رہا تھا اور جب تک میری سانس بحال رہی اور پیروں میں توانائی باقی رہی میں دوڑتا رہا۔

میں نے اپنے پیچھے کسی قسم کا شور یا آہٹ نہیں سنی تھی۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میرے دشمن اس وقت میرے پیچھے نہیں ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان کی تعداد زیادہ نہ ہو۔ دوڑتے دوڑتے جب میں حک کیا تو ایک جگہ جا بیٹھا۔ ایک چھوٹا سا چمندر درخت تھا میرا سینہ دھوکنی بنا ہوا تھا اور میں یہ اندازہ تک نہیں لگا سکتا تھا کہ جن راستوں پر میں دوڑتا رہا ہوں وہ کہاں جاتے ہیں اور یہ انجانے راستے مجھے کہاں لے آئے ہیں۔ میاں اس وقت تک میں لپٹا رہا جب تک کہ میرے حواس بحال نہ ہو گئے۔ شاید کچھ دیر کے لئے آنکھ بھی لگ گئی تھی۔ بہر حال جب میرے حواس بیدار ہو گئے تو صبح کا اجالا پھیل رہا تھا۔ قرب و جوار میں اور بھی بہت سے درخت نظر آرہے تھے۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور اپنا اور اپنے گرد و نواح کا جائزہ لینے لگا۔ کیا حالت بنی ہوئی ہے میری؟ برے کپڑے اور بال مٹی میں اٹنے ہوئے تھے اور میں اچھا خاصا بھوت معلوم ہو رہا تھا۔ ویسے یہ صبح کافی رات تھی۔ بجلی بجلی ٹھنڈ لگ رہی تھی اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مجھے بخار ہو گیا ہو لیکن بہر حال میں نے اپنے آپ کو سنبھالا ہوا تھا۔ پھر میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ ابھی کوئی بہتر بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ پھر درپے حادثات نے مجھے اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ سب سے پہلی چیز اپنے لئے کسی محفوظ جگہ کی تلاش تھی جہاں دن کے وقت چھپنا ضروری تھا۔ یہ بات میں ابھی طرح جانتا تھا کہ میرے دشمن میری ناک میں لگے ہوں گے۔

دشمن وہ جنہیں میرے بارے میں اتنا کچھ معلوم تھا جتنا خود مجھے اپنے بارے میں معلوم تھا۔ میرے دست کہاں کہاں ہوتے ہیں۔ میں کہاں کہاں جاسکتا ہوں۔ کون سی جگہ مجھے پناہ مل سکتی ہے۔ یہ تمام باتیں لوگ جانتے تھے۔ بہر حال مجھے اپنی جان بچانے کے لئے فی الحال نور باغ شاہ کے آدمیوں سے چپنا تھا۔ میں تارباہر سمت کا کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ آگے گھنے درخت تھے اور ان گھنے درختوں میں سے گزرتا ہوا ایک ایک جگہ پہنچ گیا جہاں بلندی پر درختوں کے نیچے آگے بوئی جنگلی جھاڑیاں اس طرح آپس میں پھنسی ہوئی تھیں کہ اگر انسان اس میں پناہ لینا چاہے تو اس کا کوئی پتہ نہ چلے۔

میں تھوڑی دیر تک رک کر اس جگہ کو اپنی جائے پناہ بنانے کے بارے میں غور کرتا رہا۔ اس وقت یہ بات بھی سوچنی تھی کہ پہلے مجھے جنگل کی سمت کا صحیح طرح پتہ لگانا چاہئے کہ یہ آخر ہے کس جگہ؟ ان علاقوں میں تمام تر واقفیت ہونے کی باوجود اس جنگل کا جائے وقوع میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ رجال میں وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ میری آنکھیں دور دور تک آنے والے واقعات کا جائزہ لے رہی

تھیں۔

میں جانتا تھا کہ ایک سندھ کا دیہاتی کس انداز میں سوچ سکتا ہے۔ یہ بات نور باغ کو بھی معا کہ میں کہاں چھپ سکتا ہوں اور اس نے یقیناً یہ کوشش کی ہوگی کہ وہ اردگرد کی قریبی آباد جنگل کی طرف جانے والے راستوں کی چھپ کر گمرانی کرے۔ بہر حال اس بات کا ثبوت اس بات تھا کہ زینو کا کھر غیر محفوظ ہو چکا تھا اور یہاں میری موجودگی کا اندازہ لگایا گیا تھا۔

ایک بار پھر دل میں زینو کا غم بھر آیا۔ جب بھی میرا دماغ ادھر جاتا، دل بے چین ہو جاتا تھا۔ میرے سارے وجود میں گردش کرنے لگتی تھی۔ ان دونوں کی لاشیں میری آنکھوں میں گھونسنے لگتی ہیں آگے بڑھتا رہا اور اس کے بعد ایک جگہ بیٹھ گیا۔ میں نے بہت غور کیا بہت زیادہ سوچا لیکن کوئی مناسب فیصلہ نہ کر سکا۔ بہر حال ان ساری باتوں جگہ رہنے دیا جائے۔ زندگی اسی میں تھی کہ چلتا رہوں۔

جنگل میں جانوروں کا بھی خطرہ تھا خاص طور سے ان علاقوں میں جنگلی سنور بڑے خطرناک ہوا تھے۔ وڈیرے کتوں کے ذریعے ان کا شکار کیا کرتے تھے اور یہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ سنور اگر کسی انسان کو دیکھ لیتے تو موت کے وقت تک اس کا پیچھا کرتے اور اسے ہلاک کر کے دم پی لیتے۔ دن گزر گیا رات ہو گئی اور میں مسلسل چلتا رہا۔ اپنی سستوں کا تعین کر کے میں کوئی صحیح راستہ کرنا چاہتا تھا۔ آہ۔ میں اس وقت کی بات بتا نہیں سکتا آپ کو بی بی سائیں کہ میرے دل پر کیا ہوا تھی۔

وہ ایک لمبے کے لئے رکا تو میں ہمدردی سے اسے دیکھنے لگی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اہی کہانی سنا رہا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مشکلات کا شکار تمام لوگ سب ایک دوسرے سے رشتہ ہیں اور یہ رشتے بعض اوقات بڑے مستحکم نظر آتے ہیں۔ یہ شخص جس سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے ہمدرد بن گیا تھا۔ یہ جاننے پر مجھے بغیر کہ غلام بخش کا اس سلسلے میں کیا کردار ہو سکتا ہے۔ یہ مجھے اپنے میں بتا رہا تھا، بہر حال وہ آگے کھینے لگا۔

”مجھے تھوڑی دیر کے بعد اندازہ ہو گیا کہ میں کس طرف جا رہا ہوں۔ میرے اندازے کے مطابق میں اپنے پیچھے بڑھ دو کوس کا فاصلہ طے کر لیتا تو جنگل سے باہر نکل گھلب گوٹھ پہنچ سکتا تھا جہاں میرا بہت ہی بکری دوست خیر بخش رہتا تھا۔ خیر بخش چاچا ایک وفادار انسان تھا اور بلا شک وہ شب اس پر بھروسہ کیا جاسکتا تھا۔ اگر میں چاچے کے گھر پہنچ جاؤں گا تو یقینی طور پر مجھے پناہ مل جائے گی حالانکہ میں یہ جانتا تھا کہ نور باغ کو بھی چاچے کے بارے میں معلومات حاصل تھیں لیکن اب تک اس نے چاچے کے جانے کا جواز نہ لیا ہوگا اور اس کے آدمی وہاں کی تلاشی لے کر اطمینان کر گئے ہوں گے کہ میں وہاں تک نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ اس کے بعد ادھر کا رخ نہ کریں۔ یہ سوچ کر میں پلٹا اور اس سمت چل پڑا جہاں کو جنوبی سرحد پر گھلب گوٹھ واقع تھا۔ میری بھوک شدت سے جاگ رہی تھی۔ میں نے کل شام کھانا کھا اور کئی کوس بھاگنے سے توانائی بھی ختم ہو گئی تھی۔ اب مجھے بھوک کا سخت احساس ہو رہا تھا۔ میں نے

یہ گردن گھمائی۔ پیٹ کی آگ بھرنے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ فضا کی خنکی حرارت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ سمت کے بارے میں اندازہ مشکل ہو رہا تھا لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا تو محتاط انداز سے اپنے آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ یہاں پر راستے تبدیل ورج ختم ہو رہے تھے اور کچھ فاصلے پر نیلے نظر آرہے تھے۔

میں ایک نیلے پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تقریباً نصف فرلانگ کے فاصلے پر کچھ کچے مکان نظر آرہے تھے۔ میں نے غور سے ان مکانوں کو دیکھا مگر کچے مکانوں میں کوئی آدم زاد متحرک دکھائی نہ دیا لیکن میں اس وقت میری سماعت سے جھنکار سی گمرانی۔ میں اس جھنکار سے آشنا تھا۔ یہ کسی گائے، بیل کے گلے میں بندھی گھنٹی کی آواز تھی۔ میں نے گردن گھمائی تو گائیوں کا ایک رپوڑ تھا جو وہاں سے گزر رہا تھا۔ میں نے ادھر ادھر چڑھا ہے کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ گائیوں کے ساتھ کچھ بکریاں بھی نظر آ رہی تھیں میں نے سوچا کہ اس جھاڑی کی اوٹ لے کر کوئی تلاشی لوں لیکن پھر یہ سوچ کر ارادہ ملتوی کر دیا کہ اپنی جان خطرے میں ڈالنے کے بجائے بھوک برداشت کر لینا زیادہ بہتر ہے۔ ہو سکتا ہے نور باغ نے چاروں طرف میرے بارے میں منادی کرادی ہو۔

میں ایک بار پھر جنگلی درختوں کے درمیان چھپ کر چلنے لگا اور جب تھک گیا تو نیچے بیٹھ گیا۔ اب مجھے رات کا انتظار تھا۔ ان مکانوں میں آبادی کا اندازہ مجھے اس چرواہے کی موجودگی سے ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ رات کی تاریکی میں یہاں سے نکلتا ہوں۔ ہو سکتا ہے یہ چھوٹا سا گوٹھ ہو اور یہ بات بھی میں جانتا تھا کہ ہر گوٹھ میں ممالوں کے لئے اوطاق تو ہوتا ہی ہے۔ لہذا رات گزار لیتا ہوں۔ میرا شب ببری کا بھی کوئی پروگرام نہیں تھا۔ میں وہاں جا کر کھانے کی کوشش کرتا اور اگر پیٹ بھر جاتا تو خاموشی سے اپنے سفر پر چل پڑتا۔ بہر حال اب مجھے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ زندگی آگے بڑھ سکتی ہے۔ حالات میرے لئے تھوڑے تھوڑے راستے ہموار کر رہے تھے۔

سورج نے اپنا چہرہ چھپایا تو میں اپنی جگہ سے نکل آیا۔ سرمئی افق کے پیش منظر میں کچے مکانوں میں سے کونے کے مکان میں زندگی کی حرکت دکھائی دے رہی تھی اور سفید دھواں فضاؤں میں بلند ہو رہا تھا۔ میں گوٹھ کی طرف چل پڑا۔ میرا رخ اس مکان کی طرف تھا جس کے صحن سے دھواں اٹھ رہا تھا اور اس مکان کے سامنے ایک احاطے میں، میں نے بکریوں کا ایک رپوڑ دیکھا۔ یہ رپوڑ یقینی طور پر اسی چرواہے کا تھا جو وہاں بکریاں چرا رہا تھا۔ وہ اکیلا اس دیرانے کی روٹی برقرار رکھے ہوئے تھا۔ باقی کے چھ سات کچے مکان کھنڈر بن گئے تھے۔ میں نے آخر کار چرواہے کے سامنے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں اس کے سامنے پہنچا تو وہ مجھے دیکھ کر اچھل پڑا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

”کدھر سے آرہے ہو سائیں؟ ادھر جنگل سے کیسے نکل آئے؟“

”ہاں یہ کچھ لو وقت کا مارا ہوا ہوں۔ راستہ بھک کر ادھر آ گیا ہوں۔ میں راستہ بھول گیا تھا۔“

”اوہو سائیں! بڑا افسوس ہوا۔ آپ آرام سے بیٹھو میں آپ کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔“

نکل جانا۔ فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔ جلدی پہنچ جاؤ گے۔“ اس نے اپنے سامنے کے برتن سمیٹتے ہوئے کہا اور پھر اٹھ کر باڑے کی طرف چل پڑا جہاں اس کے مویشی بندھے ہوئے تھے۔

سانولے رنگ کا مضبوط بدن والا یہ شخص نہ جانے کیوں ایک لمحے کے لئے میرے دل میں کچھ مشکوک سا ہو گیا تھا۔ اس کی عمر بھی اچھی خاصی تھی۔ سر کے بال آدھے سفید ہو چکے تھے اور چہرے پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ ماتھے پر ایک زخم کا نشان نظر آتا تھا۔ ہاتھوں کی جلد سخت اور کھردری تھی۔ پیروں کی حالت کسی چرواہے جیسی تھی جو ننگے پاؤں جنگلوں میں پھرتا ہو، اڑیاں پھٹی ہوئی۔ پتا نہیں وہ اکیلا یہاں کیوں رہتا تھا؟ اب ذرا غور سے سوچا تو بات کچھ گڑبڑ محسوس ہونے لگی۔ دنیا سے دور اس دیرانے میں صرف جانوروں کے ساتھ رہنا، بات تو بڑی عجیب سی ہے۔ بہر حال ہو گا کوئی۔ مجھے اپنے ذہن کو انجنوں میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔ ایک بار پھر مجھے ذہنی طور پر اذیت کا احساس ہونے لگا۔ دو عزیز ہستیاں مجھ سے بچھڑ گئی تھیں اور مجھ سے ان کا بچھڑنا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ پتا نہیں زینو اور میری چھوٹی بہن کو قہقہے میں کرنے والے ایک ہی لوگ تھے یا کوئی اور بھی تھا۔ میرا بدن اٹھنے لگا۔ کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے کس طرح میں ان دونوں کو حاصل کروں۔ محمد بخش چاچا بہت ہی اچھا دوست تھا۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی مدد کر سکے۔ کچھ دیر بعد چرواہا واپس آگیا۔ اس نے میرے لئے چارپائی لگا دی۔ میں سونا نہیں چاہتا تھا کیونکہ مجھے راتوں رات دور نکل جانا تھا۔ بہر حال سونا ضروری تھا کیونکہ میرے بعد ہی میرا میزبان سوئے گا۔ جب وہ سو جائے گا تو میں اپنی منزل کی جانب چل پڑوں گا۔ میں اس کی لگائی ہوئی چارپائی پر جا لیٹا اس نے میرے لئے حقہ بنایا اور بولا۔

”حقہ پیو گے سائیں؟“

”نہیں، بہت مہربانی۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔“ میں نے کہا اور چپ چاپ لیٹا رہا۔ میرے ذہن میں مختلف سوچیں گردش کر رہی تھیں۔ آہ۔ کیا واقعی ایسا ہو گا۔ کیا زندگی مجھ سے اسی طرح روٹھی رہے گی۔ بہت دیر تک میں سوچتا رہا اور نہ جانے کب مجھے نیند آئی۔ نیند بھی ایسی آئی کہ ہوش و حواس قائم نہ رہے۔ ”تھکن“ ذہنی دباؤ، پھر نہ جانے کب میری آنکھ کھلی تو اچانک ہی میرے پورے بدن میں شدید سنسنی دوڑ گئی۔ آپ میری باتوں سے پریشان تو نہیں ہو رہی ہو لی بی سائیں!“

اس نے رک کر کہا اور میں چونک پڑی۔ نہ جانے کیوں مجھے مٹھل کی مصیبت اپنی مصیبت محسوس ہو رہی تھی۔ جس طرح میں ان دنوں اپنے دشمنوں میں گھری ہوئی تھی۔ مٹھل واڑا بھی ایسی ہی مشکلوں کا شکار رہ چکا تھا۔ مجھے اس کی کمائی اپنی کمائی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

”تم مجھے سناٹے جاؤ۔ بیچ میں کیوں رک جاتے ہو۔ تمہاری کمائی اتنی ہی انوکھی ہے کہ مجھے بالکل اپنے جیسی لگتی ہے۔“ اس نے میرے الفاظ پر غور نہیں کیا تھا اپنے ہی ذہن میں ڈوبا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

”جب میں جاگا تو مجھے ایک نئی مصیبت کا احساس ہوا۔ میرے ہاتھ پاؤں چارپائی سے بندھے ہوئے تھے اور چرواہے کا کہیں پتا نہیں تھا۔ باڑے کی طرف سے البتہ اس کے مویشیوں کی چیخ و پکار کرنے کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ میرا پورا بدن وحشت کا شکار ہو گیا۔ اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا کہ مجھے باندھنے والا وہ چرواہا ہی تھا۔ لیکن کیوں؟ یقیناً اس کو مجھ پر شک ہو گیا تھا۔ میں نے اس پہلو پر پہلے غور ہی

مجھے یہ الفاظ سن کر جیسے نئی زندگی مل گئی تھی۔ بہر حال ایک غریب آدمی تھا اور ایک غریب آدمی دل ہی بڑا ہو سکتا ہے۔ اس نے مجھے ایک روایتی مسمان کی حیثیت دی اور بڑے پرتپاک سے میری خامداریات میں مصروف ہو گیا۔ میری ظاہری حالت کافی خراب ہو رہی تھی اور اس وقت بھوک سے دم جا رہا تھا۔ چرواہا میرے لئے تیاریاں کرنے لگا اور میں اس کی تیاریوں کا جائزہ لیتا رہا۔ باجرے کی روٹیاں گائے کا دودھ اس نے میرے لئے تیار کیا تھا اور میں پورے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ خدائی نعمتوں یہ سب سے بڑی نعمت تھی۔ باجرے کی روٹی اور دودھ سے شکم سیر ہو گیا تو میں نے تشکر آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔ میرا میزبان مجھے کھاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ میری روٹی ختم ہو گئی تو اس نے اپنے حصے کی روٹی میری چنگیر میں رکھ دی۔ مگر میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے روٹی واپس کر دی اور کہا۔

”پیٹ بھر گیا ہے سائیں، اللہ تمہیں خوش رکھے۔“

”اور کھاؤ سائیں! مجھے تو نہ جانے کتنے دن کے بھوکے پیاسے لگ رہے ہو۔“ اس نے اصرار کیا۔ ”بس ادا! بڑی مہربانی، اتنی ہی بھوک تھی۔“ میں نے دودھ کا آخری گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ اس نے چنگیر اپنے آگے کر لی اور اپنے لئے دودھ کا کٹورہ بھرنے لگا۔ پھر باجرے کی روٹی کے ٹکڑے تو بھرتے ہوئے اس نے میری طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

”ادا! کیا کسی مصیبت میں گھر گئے؟ کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟“

”نہیں ادا! میں گلاب گوٹھ جانا چاہتا ہوں۔ اپنے گوٹھ سے نکلا تو دیر ہو گئی تھی۔ راستہ بھول گیا اس کے بعد ادھر ادھر بھٹکتا پھرا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ میں کیسے گلاب گوٹھ کا راستہ تاکروں؟“

”ادھو۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔ گلاب گوٹھ یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ گھبرانے کی بات نہیں، میں تمہیں گلاب گوٹھ راستہ بتا دوں گا۔“

”آپ کی بہت سی مہربانی سائیں!“ میں نے نرم لہجے میں کہا۔ وہ تھوڑی دیر تک روٹی کھاتا رہا بولا۔

”گلاب گوٹھ میں کس کے ہاں جاؤ گے ادھر کے سب ہی لوگ میرے جاننے والے ہیں۔“ ”بس سائیں! اصل میں میری ایک رشتہ دار ادھر رہتی ہے۔ بس اس کے پاس جانا ہے۔ مگر میں اس کے بارے میں بتاؤں گا نہیں تمہیں۔“

”نہ بتانے کی کوئی خاص وجہ ہے۔“

”ہاں۔ تم نے مجھے روٹی کھائی ہے۔ دودھ پلایا ہے اب اس کی قیمت تو نہ وصول کرو۔ ادا سائیں اس طرح میرا انڈرویو لے رہے ہو جیسے مجھے کہیں نوکری دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔“ میں نے کسی قدر جھلٹا کہا۔ ضرورت سے زیادہ ہی بکواس کر رہا تھا یہ شخص۔ وہ جلدی سے بولا۔

”ارے نہیں سائیں نہیں۔ ایسی کیا بات ہے۔ میں نے تو ایسے ہی پوچھا تھا۔ آپ میرے مسمان ہو مسمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔ میں آپ کے لئے چارپائی لگا دیتا ہوں۔ آرام سے سو جائیں۔ صبح جلدی

ہو گئی۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ جتنی دیر میں اوندھی چارپائی کے نیچے دبا ہوا تھا۔ میرا خون آنکھوں پر چڑھ گیا تھا۔ ناک پر دباؤ پڑنے سے سانسیں رک رک کر آرہی تھیں اور پیچھے پھڑوں میں دھول جاری تھی۔ چند ساعت کے بعد میں نے اپنا چہرہ دائیں بائیں کر لیا تھا جس سے دونوں طرف جڑے کے بالائی بھاروں اور بھنوں پر خراشیں آگئی تھیں۔ چارپائی اوندھی ہونے سے میں سخت تکلیف میں مبتلا ہو گیا تھا۔

”ہاں وہی ہے چار افراد کا قاتل۔ سو فیصدی چار افراد کا قاتل۔ کم بخت نے اپنے ماں باپ اور رشتے کی بہن کو بھی قتل کر دیا۔“ دوسری آواز نے کہا اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔

سامنے ایک پولیس آفیسر، دو سپاہی اور چرواہا کھڑے ہوئے تھے۔ پولیس آفیسر لمبے ترنگے قد کا مالک، ایک جوان آدمی تھا۔ لگتا تھا نیا نیا بھرتی ہوا ہے۔ اس کا خوبصورت چہرہ اس سختی سے پاک تھا جو پولیس والوں کے چہرے پر پھیل جاتی ہے۔

چرواہا مجھ سے لگا نہیں چرا رہا تھا۔ پولیس آفیسر کے اشارے پر سپاہی چارپائی کے دونوں جانب آکر مستعد انداز میں کھڑے ہو گئے اور آفیسر نے چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔ تب چرواہا آگے بڑھا اور میرے ہاتھ بیروں کو چارپائی کی بندشوں سے آزاد کرانے لگا۔ ہاتھ پاؤں آزاد ہوتے ہی میں نے بائیں ہاتھ سے اپنا چہرہ صاف کیا اور جڑے کے بالائی حصوں اور بھنوں کو ملنے لگا۔ پولیس انسپٹر آگے بڑھ کر میری دائیں کلائی میں ہتھکڑی ڈال دی۔ یہاں تک تو سب ٹھیک تھا لیکن جب اس نے بڑی بے رحمی سے مجھے پکڑ کر کھڑا کیا تو میرے اندر ایک جنون بیدار ہو گیا۔

”انسپٹر! آخر تم مجھے کس جرم میں گرفتار کر رہے ہو؟“ میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”قتل کے جرم میں۔“ اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

”کس کے قتل کے جرم میں؟“

”تم نے پچیسوں رات دو افراد کا قتل کیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔“

”سائیں۔ میں نے یہ قتل نہیں کئے۔ سمجھ رہے ہوں ناں۔ آپ حقیقت کو جاننے کی کوشش کرو۔ وہ لوگ تو میرے ہونے والے ساس سر تھے۔ سائیں اگر آپ سچائیوں پر غور کرو تو ایک بات میں آپ کو بتاؤں کہ وہاں میری ہونے والی بیوی موجود تھی۔ آپ کو پتا نہیں ہے۔ آپ مجھ پر میرے ماں باپ کے قتل کا الزام لگا رہے ہو لیکن سچ یہ نہیں ہے۔ سائیں آپ کو بالکل غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں تو خود ستم رسیدہ آدمی ہوں۔ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔“

”حرام زادے! ماں باپ کو قتل کر کے چھوٹی بہن کو غائب کر دیا۔ یہ وہ بہن کو قتل کر دیا پھر دو اور مظلوم آدمیوں کو زندگی سے محروم کر دیا۔ میں جانتا ہوں اس کے پیچھے کیا ہے۔ وہ لوگ تیرے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تو نے یہ کام دکھایا۔“ اس نے ایک زوردار تھپڑ میرے رخسار پر رسید کیا تو میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ لی۔

”زیادتی کر رہے ہو تم آفیسر! اس کے جواب میں‘ میں جو کچھ کروں گا وہ تم برداشت نہیں کر سکو گے؟“ اس نے اچانک ہی پیچھے ہٹ کر میری کلائی کو اپنے ہاتھ سے جھٹکا دیا اور فوراً ہی پستول نکال کر مجھ

نہیں کیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ میرے چاچا چاچی اور ماں باپ کی موت کی خبر سارے علاقے میں پھیل گئی ہوگی اور عین ممکن ہے کہ دڑیرے کے آدمیوں نے یہ خبر اڑا دی ہو کہ میں نے اپنے ہونے والے ساس سر کا قتل کیا ہے اور خود مغرور ہو چکا ہوں۔ اگر ایسی بات ہے تو ممکن ہے چرواہے کو مجھ پر شک ہو گیا ہو۔ میری حالت نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا ہو۔ بہر حال وہ بے وقوف نہیں تھا۔ بے وقوف میں تھا اور مجھے اپنی بے وقوفی پر شدید غصہ آرہا تھا۔ آخر میں کس طرح بے فکر ہو کر سو گیا تھا۔ مجھے یہ چرواہا ویسے بھی مشکوک معلوم ہوا تھا۔ کچھ دیر میں نے اس کے بازے میں سوچا تھا لیکن نیند کم بخت نے سب کچھ ذہن سے مٹا دیا تھا۔ آہ! یہ تو بڑا برا ہوا! کیا کروں؟ میں نے پھرتی سے اپنے ہاتھ بیروں پر زور لگانا شروع کر دیا۔ بہت مضبوطی سے میرے ہاتھ باندھے گئے تھے۔ بیروں کا بھی یہی عالم تھا۔ بار بار کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ میں اپنے پورے وجود کو حرکت دینے لگا اور نچلے بدن کے زور سے اپنے آپ کو آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگا۔ بہر حال اس کوشش میں مجھے پسینہ آگیا لیکن اس زور آزمائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اچانک ہی چارپائی الٹ گئی اور میں نیچے گر پڑا۔ میری پیشانی اور ناک پر بڑی زوردار چوٹ لگی اور ایک لمحے کے لئے میرا سر پکڑا کر رہ گیا تھا۔ دیر تک میں اسی طرح اوندھی چارپائی کے نیچے رہا پھر قدموں کی آہٹ اور انسانی آوازیں سنائی دیں۔ مجھے ایک دم احساس ہو گیا کہ اس وقت میں سب سے خراب کیفیت میں ہوں۔ میرے دشمن آخر کار میرے پاس پہنچ گئے ہیں۔ مجھے ایک انسانی آواز سنائی دی۔

”سائیں! میں نے تو ایک نظر میں ہی پہچان لیا تھا کہ یہی وہ قاتل ہے جس کی تلاش میں آپ پھر رہے تھے۔“ میں نے صاف طور پر پہچان لیا تھا۔ یہ اسی چرواہے کی آواز تھی۔

”میں..... میں نے تمہیں کل اسی لئے خبردار کر دیا تھا کہ کوئی مشکوک آدمی دکھائی دے تو اسے دھیان میں رکھنا۔ یقیناً یہ جنگل میں چھپا رہا ہوگا اور وہیں سے نکل کر آیا ہوگا۔“ ایک اور آواز ابھری جس میں کڑھکی تھی۔ ”ویسے تمہیں یقین ہے کہ تم نے مٹھل واڑا کو ہی پکڑا ہے؟“

”ہاں سرکار! پکا یقین ہے۔“ چرواہے نے خوشامد انداز میں کہا، پھر بولا۔

”جب میں نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے آرہا ہے ہو اور کہاں جاتا ہے تو اس نے بولا کہ یہ دور کی ایک بہتی سے آیا ہے اور گلاب گوٹھ جا رہا ہے تب مجھے یقین آگیا کہ یہ آدمی مشکوک ہے کیونکہ گلاب گوٹھ تو پیچھے ہی رہ گیا ہے اور یہ راستہ گلاب گوٹھ کا ہے بھی نہیں۔“

”ہوں۔“ دوسری آواز نے کہا۔ قدموں کی چاپ قریب آگئی تھی۔

”سائیں! لگتا ہے اس نے چارپائی کے ساتھ خاصی زور آزمائی کی ہے۔ حالانکہ میں نے دودھ میں بوٹی مگھول دی تھی۔ اگر دودھ میں بوٹی نہ مگھولتا تو یہ نکل گیا تھا۔ رات ہی کو بھاگ گیا ہوتا۔“ چرواہے نے اپنی ذہانت کا اظہار کرتے ہوئے کہا اور میرے ذہن میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ میں نے دل میں سوچا تو یہ بات تھی۔ اس نے دودھ میں کوئی نشہ آور چیز ملا دی تھی تبھی تو میں اس طرح بے خبر ہو کر سو گیا تھا کہ اس نے میرے ہاتھ پاؤں بھی باندھ دیئے مگر میری آنکھ نہیں کھلی۔

”چلو اسے سیدھا کرو۔“ دوسری آواز نے بھاری لہجے میں کہا۔ کچھ لمحوں کے بعد چارپائی سیدھی

پر تان دیا۔

”ایک بار پھر کہہ رہا ہوں حرام زادے! اپنے جاے میں رہو۔ جانتے ہو تم نے میری کلائی پکڑ کر ا لئے موت خریدی ہے“ سمجھے۔ اگر مجھے تمہیں زندہ گرفتار کرنے کی ہدایت نہ کی گئی ہوتی تو ابھی اس کھو کے چپھڑے اڑا دیتا۔“

”زندہ گرفتار کرنے کی ہدایت کس نے دی ہے تمہیں؟“

”علی شاہ۔ سائیں علی شاہ اور ان کے بیٹے نور باغ شاہ نے۔“

”تو اصل بات بولناں کہ تم نور باغ کے کتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ یہ سارے قتل میں نے نہیں ہیں بلکہ تم نور باغ کے کتے پر مجھ پر یہ الزام لگا رہے ہو۔ لخت ہے تمہاری اس جھوٹی سرکار پر جو گناہوں کا خون پیتی ہے اور ان کی عزتوں سے کھیلتی ہے۔ میں اسے.....“ میں جملہ پورا بھی نہیں کر تھا کہ ایک زوردار چپھڑ میرے منہ پر پڑا، الفاظ میرے منہ میں ہی رہ گئے۔

”اگر تم نے سائیں علی شاہ کے خلاف ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گا سمجھے۔“

”ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تمہاری رگوں میں بھی علی شاہ کا ہی خون دوڑ رہا ہے۔ سکتا ہے تم اس کی تاباں اولاد ہی ہو۔ بہر حال تم اس کی اولاد ہو سکتے ہو، میں نہیں۔“

”یہ میں تمہیں لاک اپ میں جا کر بتاؤں گا کہ میں کس کی اولاد ہوں۔“

”ارے جاؤ، جاؤ کیا کرو گے تم میری کھال اتار دو گے۔ جسم کے ٹکڑے کر دو گے لیکن ایک بات لو۔ تم ایسا نہیں کر سکو گے لیکن میں، میں علی شاہ کی حویلی جلا دوں گا اور نور باغ کے بدن کی کھال کھینچ پھینک دوں گا۔“

”جیل سے بچو گے تب نہ بچو! اب تو باقی زندگی سلاخوں کے پیچھے ہی کئے گی۔ میں تم سے کہہ ہوں تمہارا حساب کتاب تو میں بیس کر دیتا لیکن تمہیں پیش کر کے کچھ حاصل ہو گا۔ تم جیسے بہت سوں کو یہ ٹھکانے لگا چکا ہوں۔“

”ارے جاؤ جاؤ، کتے کی طرح چوسی ہوئی ہڈیاں کھانے والے کسی کو کیا ٹھکانے لگائیں گے۔ سو ہوئے شیر کو پنجرے میں بند کرنے والا شکاری نہیں بزدل اور مکار ہوتا ہے۔ کھلے میدان سے مجھے گرفتار کر کے دکھاؤ تو میں سمجھوں کہ تمہارے باپ نے صحیح معنوں میں تمہیں حلال کی روٹی کھلائی ہے۔ ۱۶ کھانے والے اگر وردی پن کر سائے آجائیں تو ٹھیک ہے، پستول کے زور پر سب کچھ کر سکتے ہو، ویسے نہیں۔ ایک بار پھر کہتا ہوں کہ کھلے میدان سے مجھے گرفتار کر کے دکھاؤ تو ساری زندگی تمہاری غلامی کرو گا، سمجھے۔“ اچانک ہی میں نے انسپکٹر کے چہرے پر تبدیلی کے آثار دیکھے۔ میرے اس چپچہ پر اس کی آنکھوں میں ایک چمک ہی لہرا گئی تھی۔ اس کی رگوں میں تازہ خون نے جوش مارا تھا اور اس کا چہرہ تانبے جیسا ہو تھا۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں میری لٹکا کا جواب دیتے ہوئے پتلون کی دائیں جیب سے چابی نکا اور میری ہتھکڑی کھولنے لگا تو ایک سپاہی نے کہا۔

”آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ ہاتھ آئے ہوئے مجرم کو چھوڑنے کی غلطی ہرگز نہ کریں۔“ دوسرے دو سپاہیوں نے بھی یہی الفاظ کہے لیکن انسپکٹر نے ان کی سنی ان سنی کر دی۔ پھر اس نے کہا۔

”جتنا تیز بھاگ سکتے ہو بھاگ لو۔ جنگل میں مت گھٹا، ایک فرلانگ بھاگ کر باہر نکل جاؤ گے تو میں تمہارے پیچھے آؤں گا۔ تمہاری یہ حسرت بھی میں پوری کئے دیتا ہوں۔“ میری ہتھکڑی کھل گئی تھی اور دونوں سپاہیوں کے منہ بھی حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔

میں نے ایک جھربھری لی، انسپکٹر کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر دوڑ لگا دی۔ بہت بعد میں مجھے پتا چلا کہ یہ انسپکٹر طریموں کے اس طرح کے چپچہ قبول کرنے کا عادی تھا اور اس سے قبل بھی وہ ایک مغرور سپاہی کا سر نیچا کر چکا تھا مگر اس وقت وہ دھوکا کھا گیا۔ جوان نہ ہوتا تو ایسی بے وقوفی کی بات بھی نہ کرتا، اُسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے سامنے کون ہے۔ کچھ ہی لمحوں کے اندر اندر میں اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے پیچھے مڑ کر یہ نہیں دیکھا کہ وہ میرے تعاقب میں دوڑایا نہیں، اور دوڑا تو کس قدر دوڑا۔ اس نے جو بھی کیا ہو، میں ایک بات پر یقین رکھتا تھا کہ وہ میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے گا اور بے ٹکان بھاگتا چلا گیا۔ میرے سامنے ایک کھلا میدان تھا جو ختم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ اسی رفتار سے بھاگنے کے بعد مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ میں کچے کے علاقے کی طرف جا رہا ہوں۔ اور گوٹھ بھڑی کڑھ جانے کے لئے مجھے پلٹ کر مشرق کی سمت سفر کرنا ہو گا۔

میرے اندازے کے مطابق جتنا میں دوڑتا تھا شاید ایک گھوڑا بھی اتنی دیر میں نہیں دوڑ سکتا تھا۔ میں بہت دور جانے کے بعد ایک لمحے کے لئے رکا اور اب مجھے بڑی صبر آزما منزل طے کرنا تھی۔ راستے کا انتخاب بھی بڑا سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ پولیس میرے پیچھے تھی اور میں جانتا تھا کہ ہاتھ آئے ہوئے مجرم کو چھوڑنے والے آسان لوگ نہیں ہوتے اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انسپکٹر نور باغ شاہ کا آدمی تھا اور نور باغ نے یقینی طور پر اسی خاص طور سے پڑھا کر بھیجا ہو گا۔

میں دوڑتا رہا اور اس کے بعد لمبا سفر طے کر کے کئی گونٹوں کو طے کیا اور ایک ندی پر جا پہنچا۔ اس ندی کا نام پاڑی تھا۔ یہاں میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ایک خاص علاقے کے لئے بس پکڑی اور ایک لویل سفر کے بعد رات کے تقریباً نو بجے، میں ہاڑی پہنچ گیا۔ ہاڑی میں، میں نے قیام کے لئے کوشش نہیں کی تھی بلکہ یہاں سے میں جھوٹی ریل گاڑی میں بیٹھ گیا جو رات کو دس بجے روانہ ہوتی تھی اور علی الصبح کہیں جا کر اپنی منزل پر پہنچتی تھی۔ اس وقت میری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی لیکن اب صورت حال بالکل مختلف تھی۔ راستے ہی میں، میں نے طے کر لیا تھا کہ مجھے کیا کرنا تھا۔ ذرا سی غفلت میرے حق میں مضمر ثابت ہو سکتی تھی۔ میں چھتا چھتا، ٹی ٹی اور ٹکٹ چیکروں سے بچتا ہوا ابھی تو آرام سے سفر کر رہا تھا آگے کے بارے میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ کیا ہو گا۔ بہر حال رات ہونے کی وجہ سے ٹکٹ چیکر بھی آرام سے بیٹھے ہوئے تھے اور صبح تک ان کے آنے کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر کوئی اتفاق سے نکل بھی آیا تو سوتے ہوئے مسافروں کو کوئی بھی نہیں جگاتا۔ چنانچہ میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

نے اسے روکا لیکن پھر مجھے یاد آگیا کہ میری جیب تو خالی ہے چنانچہ میں نے معذرت کرتے ہوئے اسے جانے کا اشارہ کر دیا۔ وہ میرے لئے رکھا تھا اور جب میں نے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اسے واپس جانے کا اشارہ کیا تو شاید وہ میری صورت حال کو سمجھ گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ میں بھوکا ہوں اور تلاش ہوں۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

”سائیں لو، شکر قندی کھاؤ۔“

”بھائی معاف کرنا۔ کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ اصل میں میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔“

”تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بھوکے تو ہو۔“

”مگ.....“

”نہیں سائیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ اللہ سائیں مجھے بہت کچھ دے گا۔ اگر تم بھوکے ہو تو لو۔“ میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے یہ نعمت قبول کر لی۔ بہر حال اس سے بھوک تو کیا مٹی البتہ زندگی میں تھوڑی دکلی ضرور پیدا ہو گئی تھی اور جان میں جان آگئی تھی۔ اب میں کسی قدر سکون سے آگے کا سفر کر سکتا تھا۔ بہر حال میں آگے بڑھنے لگا۔ اس روز جب شام کا سورج غروب ہوا تو میں اپنی منزل پر پہنچ گیا تھا۔ میں نے گوٹھ بھکرانی میں داخل ہونے کے لئے ذرا انتظار کیا تھا اور یہ فیصلہ کیا تھا کہ جیسے ہی شام کی سیاہی میں اضافہ ہوگا میں گوٹھ میں داخل ہو جاؤں گا اور پھر میں نے ایسا ہی کیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب میں سائیں اللہ بخش کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو اچھا خاصا وقت ہو چکا تھا۔ میں دروازے پر دستک دے کر انتظار کرنے لگا اور کچھ ہی لمحوں کے بعد بابا اللہ بچاؤ نے دروازہ کھولا تو مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرانی کا کوئی تاثر نہیں ابھرا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی خاص ہی بات ہے۔ بہر حال وہ مجھے اندر آنے کا اشارہ کر کے پیچھے ہٹ گیا اور اس نے دروازے کی کنڈی چڑھا کر میرے آگے آگے چلتے ہوئے کہا۔

”خیر بخش چاچا بھی آگیا ہے۔ وہ تمہارے سسلے میں بھاگ دوڑ کر رہا ہے۔“

”یہاں آگیا ہے؟“

”ہاں۔“

”کہاں ہے؟“ میرا سینہ خوشی سے پھولنے لگا۔

”کسی کام سے گیا ہے۔ آؤ بیٹھو۔“ اس نے کمرے میں بھی چارپائی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ پھر بولا۔

”میں تمہارے لئے روٹی کا انتظام کرتا ہوں۔“ اس کی بات کے جواب میں میں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ اللہ بچاؤ کے گھر والے یہاں موجود نہیں تھے۔ بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ کیا واقعی چاچا نے میرے لئے اتنا ہی انتظام کیا ہے۔ اور وہ گلاب گوٹھ سے یہاں تک آگیا ہے؟ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک اور احساس اتر آیا۔ یہ لوگ تو خیر پور کے طور پر قابلِ بھروسہ تھے لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی اس بھاگ دوڑ سے پولیس یا نور باغ کے آدمی میری جانب یا ان لوگوں کی جانب متوجہ ہو گئے

نہیں دیوی شاید اسی موقع کی تاک میں تھی۔ پورا بدن تھکن سے پھوڑا ہو رہا تھا۔ مجھے فوراً نیند اور نہ جانے کب تک میں سوتا رہا پھر آنکھ س وقت کھلی جب ریل گاڑی کی چمک چمک بند ہو چکی تھی وہ رکی کھڑی تھی۔ میں نے کھڑی سے باہر دیکھا لیکن اندھیرے کی گہری چادر کے سوا کچھ دکھائی نہیں رہا تھا۔

کافی دیر تک گاڑی کسی نامعلوم جگہ پر رکی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ جوں کی رفتار سے ریٹینے آدھے گھنٹے تک اس طرح ریٹینے کے بعد وہ دوبارہ رک گئی۔ اب باہر برقی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں نے باہر جھانکا، نہر کا پل تھا۔ یقیناً یہ میری جانی پہچانی نہر تھی۔ یہی میری منزل تھی۔ میں فوراً نیچے اترنے والی تھی جب اسی وقت دور سے کہیں مؤذن نے اذان دی اور مجھے یہ احساس ہوا کہ زندگی بھر کے ساتھ ساتھ سفر کر رہی ہے لیکن یہ سفر جاری رہنا چاہئے، زندگی کے لئے چنانچہ میں نے اپنا جاری رکھا اور صبح کے ظاہر ہونے میں ابھی کافی وقت باقی تھا اور اس دوران میں کافی راستہ طے کر سکتا مجھے اس علاقے کے بارے میں معلومات حاصل تھیں۔

تھوڑے فاصلے پر بڑی نہریں ہاڑی کری کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ آگے کی جانب بڑھ رہی تھی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لمبا سفر جو میں نے کیا ہے یہ میرے لئے بڑا کارآمد ہے۔ میں نہر کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک لمبا پتھر کاٹنے ہوئے واپس اپنے علاقے میں پہنچ گیا۔ گوٹھ بھکرانی اب یہاں زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور اگر میں گوٹھ بھکرانی ہی پہنچ جاتا تو یہ بات طے تھی کہ میرے لئے بڑے فضا پیدا ہو سکتی تھی کیونکہ وہاں میرے دوست خیر بخش چاچا کے بہت سارے رشتے دار رہا کرتے تھے اور بخش چاچا ایسا آدمی تھا جس پر میں آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتا تھا، بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ میں میرا بہترین ساتھی تھا۔

مجھے اطمینان اور بھی تھا۔ چرواہے سے میں نے گلاب گوٹھ جانے کے لئے کہا تھا۔ ہو سکتا ہے پھر مجھے گلاب گوٹھ میں تلاش کرے۔ ویسے میں گلاب گوٹھ ہی جاتا لیکن اب جب کہ یہ واقعہ ہو گیا تھا تو گلاب گوٹھ میرے لئے ایک خطرناک جگہ تھی۔ بہر حال جب صبح کی حرارت بخش کرنوں نے میرے ٹھنڈے ہوئے وجود کو گرمنا شروع کیا تو میں ہاڑی کری کے اس مقام تک پہنچ چکا تھا جہاں سے ایک اور چھوٹی نہر تھی اور کوئی چار کوس کا فاصلہ مزید طے کرنے کے بعد میں رک گیا۔

تھوڑے دیر تک سستانے کا فیصلہ کر لیا۔ کافی فاصلے پر ایک گوٹھ کے آثار نظر آ رہے تھے۔ مگر نے آبادی میں قدم رکھنے سے پرہیز کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک ٹیلے پر جھاڑی کی اوٹ میں لیٹ گیا۔ ابھی آٹھ کوس کا فاصلہ اور طے کرنا تھا۔ دوپہر تک میں اسی طرح لیٹا رہا۔ مجھے نیند آگئی تھی لیکن پھر اونٹوں ایک قطار گزری تو ان کے گلے میں بندھی گھنٹیوں سے ابھرنے والی آوازوں نے مجھے جگا دیا۔ میں فو اٹھ کھڑا ہوا۔

بھوک اور پیاس سے جو میرا حال ہو رہا تھا میں ہی جانتا ہوں مگر میں نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر تھوڑا فاصلہ طے کیا تھا کہ راستے میں ایک پھیری والا مل گیا۔ وہ سائیکل پر شکر قندی بیٹھا ہوا جا رہا تھا۔

ہوں۔ برحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔

یہاں بیٹھ کر ایک بار پھر بہت سے خیالات آنے لگے۔ میرا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ میرے افسانہ نگار ہونے کے لیے یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ میں چارپائی پر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ کمرے میں کوئی خاص ساز و سامان نہیں تھا۔ بس خد کی چند ایک چیزیں، ایک صندوق، دو تین چارپائیاں، ایک پرانی سی سائیکل، کونے میں رسی پر لٹکتے ہوئے کپڑوں کے جوڑے۔ یہی اس کمرے کی کل کائنات تھی۔

مجھے حیرت ہوئی کیونکہ اس سے پہلے بھی میں یہاں چاچا کے ساتھ آچکا تھا اس وقت یہ گھراچہ بڑا تھا۔ برحال ہر گھر کے ہر طرح کے معاملات ہوتے ہیں۔ پتا نہیں اللہ بچاپو پر کیا ہوتی تھی۔ اس کے والدے کہاں گئے تھے۔ یہ بالکل ذاتی معاملہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک چنگیز میں روٹیاں لے کر پالک کا ساگ بھی ساتھ تھا۔ میں نے ہاتھ دھونے کے لئے پانی مانگا اور ہاتھ دھو کر کھانے میں مصروف رہا۔ مجھے یہ بھی خیال نہ رہا کہ اخلاقیات میں سے بھی اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دوں۔ نہ جانے کب سے مر دکھیل تک اڑ کر نہیں گئی تھی۔ ایک بھوکے آدمی کو ایسی باتوں کا خیال کہاں رہتا ہے۔ جب خوب اچھی شکم سیری ہو گئی تو مجھے خیال آیا کہ اللہ بچاپو کو اس بارے میں کیا معلومات ہیں کچھ پتا تو چلے۔ سب سے بات یہ تھی کہ اس نے چاچا کے یہاں موجود ہونے کی اطلاع دی تھی۔ برحال میں نے اس سے پوچھ بولا۔

”ہاں مجھے ساری تفصیل معلوم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ زینو اغوا ہو گئی ہے۔ اس کے ماں باپ کو، گیا ہے۔ تمہارے ماں باپ اور بہن کو بھی مار دیا گیا ہے۔ برحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں لیکن بات جو میں تمہیں بتاؤں، اسے سن کر تمہیں دکھ ہو گا۔“

”کون سی بات سائیں؟“ میں نے بڑے خوف بھرے انداز میں پوچھا۔

”تمہیں اپنا ماما بنی بخش یاد ہے؟“

”ماما بنی بخش، اچھی طرح یاد ہے۔“

”بس یہ سمجھ لو کہ ماما بنی بخش اس سلسلے میں نور باغ کا خاص آدمی ہے اور سب سے زیادہ بھاگ وہ اس سلسلے میں کرتا پھر رہا ہے تاکہ تمہیں پکڑ کر علی شاہ کے حضور پیش کرے اور انعام حاصل کر سکے۔ میرے رگ و پے سے جیسے جان نکل گئی۔ ماما تو میرا اچھا خاصا دوست تھا لیکن یہ بات میں اچھی جانتا تھا کہ وہ نور باغ اور علی شاہ کا آدمی ہے مگر اپنے ہی بھانجے کو اس طرح مصیبت میں گرفتار کر کے سب کچھ کرنا چاہتا ہے۔ یہ بڑی حیرانی کی بات تھی۔ اسے کیا ہو گیا تھا؟

☆=====☆

اس کے ان الفاظ میں ایک بار پھر چونک پڑی تھی اور میں نے چینی چینی آنکھوں سے اسے دیکھا اس کے سوال کا جواب دینا میرے لئے ضروری تھا۔ میں دیر تک سوچتی رہی پھر میں نے کہا۔

”مٹھل واڑا! بس یوں سمجھ لو کہ یہ دنیا کی تاریخ ہے اور بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اس د شکار نہیں ہوئے۔ ہم میں سے کچھ ظالم ہیں اور کچھ مظلوم، بس اسی پر دنیا چل رہی ہے۔“

”آپ ٹھیک کہتی ہیں بی بی سائیں! میری کمائی بہت لمبی ہو گئی ہے۔ دیکھیں بات یہ ہوتی ہے کہ جب انسان اپنے وجود کے بند دروازے سے کھولتا ہے تو ٹھٹھن اس تیزی سے نکلتی ہے کہ اس کے سامنے بند نہ دھنا ممکن نہیں ہوتا۔ وہ کوشش کرتا ہے، شرمندہ ہوتا ہے کہ کسی کو بلاوجہ اپنی داستان سے پریشان کر رہا ہے۔ بی بی سائیں! ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں آپ سے۔ میرے دل میں ٹھٹھن تھی جو ہمہ نکلی ہے۔ آپ تم کرو تو خاموش ہو جاؤں۔“

”تم کئی بار یہ بات کہہ چکے ہو۔ ایسی بات کیوں کر رہے ہو مٹھل واڑا! تم نے یہ نہیں سوچا کہ برے بچے پولیس کیوں لگی ہوئی ہے جب کہ میں ایک عورت ذات ہوں۔ تم نے یہ نہیں دیکھا کہ کس رخ میں سائیں غلام بخش کی پناہ حاصل کرنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔ وہ کون ہیں جو گرفتار کرنا چاہتے ہیں ہ کو؟“

”بی بی سائیں! قسم کھا کر کہتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارا دل آپ کے لئے کچھ کرنے کو پریشان ہے۔ بی بی سائیں! سائیں غلام بخش نے مجھے کہا تھا کہ آپ کی حفاظت کروں۔ سائیں غلام بخش ہم پر بہت نثار کرتے ہیں۔ ہم بالکل اپنے طور پر آپ کو یہاں لے کر آئے ہیں اور بی بی سائیں! بات سائیں غلام ٹ کی بھی ہے اور نہیں بھی ہے۔ ہم آپ کی مدد کے لئے اپنے سینے پر ہزاروں گولیاں کھانے کے لئے تیار ہیں۔ سائیں غلام بخش کی وفاداری میں نہیں۔ بس دل کہتا ہے کہ آپ کی مدد کریں۔“

”دب جاتے ہو مٹھل واڑا؟“

”ہاں شاید واقعات کے کچھ تاریک دوسرے سے ششک ہیں۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں بھی اپنوں ہی کی گھائل کی ہوئی ہوں لیکن اب میں دوسرے ارادے رکھتی

ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ میری اور تمہاری کمائی میں صرف اتنا فرق ہے کہ تم مرد ہو اور میں عورت۔“

”ہاں۔ ایسی ہی بات ہے۔ ایسی ہی بات ہے۔ خیر۔ تو یہ صورت حال چل رہی تھی۔“

☆☆☆

اللہ بچاپو کو یہ ساری صورت حال معلوم تھی اور یہ ساری تفصیل اسے یقیناً میرے دوست چاچا نے مانی تھی۔ وہ مجھے آرام کرنے کا مشورہ دے کر خود بھی آرام کرنے چلا گیا لیکن میرا دوست خیر بخش چاچا آیا اور میرے گلے لگ گیا۔ ”نہ جانے کیوں میرے دل کو یقین تھا کہ تو ادھر آئے گا۔ اصل میں تجھے معلوم میں ہے گلاب گوٹھ میں تیری تلاش شروع ہو گئی ہے۔“

”کیا.....؟“ میں نے حیرت اور خوف سے منہ پھاڑ کر پوچھا۔

”ہاں۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے۔ میں میگزول کو بتا کر آیا تھا کہ اگر تو اس کے ہاتھ لگ جائے تو سیدھا مکرانی گوٹھ پہنچ جائے۔ میں وہاں اس کا انتظار کروں گا۔“

”نہیں۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں گلاب گوٹھ نہیں پہنچا۔“

”اوہو۔ ایسی بات ہے۔ واقعی حالات بڑے سنگین ہو گئے ہیں۔“

”سائیں علی شاہ آگے بڑھ کر کمانڈ کر رہا ہے تیرے سلسلے میں۔ بہت ہی گریز ہو گئی ہے۔“

اوپنی ہیں۔ انہیں گرانے یا انہیں نقب لگانے کے لئے بڑے تدر اور ٹھنڈے دماغ کی ضرورت ہے۔
 ”میری غیرت کا جنازہ نکال دیا ہے ان کتوں نے۔ مجھے اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔ یہ
 ہی کوئی جینا ہے۔ چاچا! اب میں مجبور ہو گیا ہوں کہ اپنے جس دشمن کو بھی اپنے سامنے پاؤں اس کی
 ان اس کے کندھے سے اتار دوں۔ سب سے پہلے میں اپنے ماما کا سر کاٹوں گا جس نے میری عزت کا بھی
 نہیں کیا جب کہ میں نے ہمیشہ اس کی بڑی عزت کی ہے۔“

”حوصلہ رکھو سائیں! حوصلہ۔ جوش کے بجائے ہوش سے کام لو۔ شکر ہے کہ تم زندہ بچ کر یہاں تک
 ہو ورنہ ہم سوچ رہے تھے راستہ بہت کٹھن ہے اور تمہارے دشمن بہت خوف ناک۔ کہیں تم بھی علی
 کے کارندوں کے ہتھے نہ چڑھ جاؤ۔“ اس نے کہا اور آہستہ آہستہ میرا شانہ تھپکنے لگا۔ بہر حال یہ ساری
 اپنی جگہ تھیں اور میں اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے اس سے کہا۔
 ”ایک بات بتاؤ گے چاچا؟“

”سو باتیں بتاؤں گا“ میری جان! پوچھو تو سہی۔ جانی یار ہوں تمہارا، جانی یار کا مطلب سمجھتے ہو۔ ایک
 دو قالب۔ جان دے دوں گا تمہارے لئے۔ اپنے آپ کو اکیلا مت سمجھنا۔“

”میں جانتا ہوں“ اسی لئے تمہاری تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا، لیکن ایک بات بتاؤ۔ تمہیں غلام بخش
 رے میں ساری باتیں کہاں سے معلوم ہیں؟“ وہ ہنس پڑا اور پھر بولا۔

”میرا ان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بھی کسی زمانے میں غلام بخش کے ساتھ رہا ہوں۔ ہمیں سب
 نا ہے کہ پیر سائیں کے مریدوں میں کون کون شامل ہے۔ کون کیا کر رہا ہے اور کون وڈیرے کا کتنا بڑا
 ہے۔ میں تمہارے ماما کے بارے میں بھی جانتا تھا مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارا ماما ایک دن خود
 بے غلاف بھی کھڑا ہو جائے گا۔“

”لعلت ہے، لعلت ہے ایسے رشتے ناتے پر۔“ میں نے نفرت سے کہا۔ کمرے میں موجود لائینن کی لو
 بے چرے کے نقوش بدل گئے تھے۔ چاچا میرا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

”ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ مان لو گے میری بات؟ اور یہ بات خاص طور سے کہہ رہا ہوں تم سے
 میری کسی بات پر کوئی غلط نہ سوچنا۔ تم مہمان ہو، خفا مت ہونا۔“ مجھے حیرت سے اسے دیکھنا پڑا۔ نہ
 کیا کہنا چاہتا ہے وہ اس کے محتاط انداز اور آنکھوں کی پھیلتی سکڑتی پتلیوں نے مجھے بے چین کر دیا۔ میں
 بے تاب ہو کر پوچھا۔

”کیا بات ہے ادا! جو کہتا ہے کہہ دو۔ تمہاری بات کا بھلا میں کیوں برا ماناؤں گا۔“

”مجھے لگتا ہے کہ گھر کے معاملات میں تم کم ہی دلچسپی لیتے تھے۔ کیوں غلط کہہ رہا ہوں کیا؟“

”کیا کہنا چاہتے ہو ادا! کیا ہوا! بتاؤ کیا ہوا؟“

”دیکھو تو سب ٹھیک ٹھاک ہے لیکن..... لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جنہیں بتاتے ہوئے مجھے عجیب
 ہے۔“

”سائیں بولو گے نہیں کیا بات ایسی تھی؟“

”اللہ بچاؤ! مجھے بتا رہا تھا کہ تجھے ساری تفصیلات معلوم ہیں۔“
 ”ہاں مجھے ساری تفصیل معلوم ہے اور تجھے یہ معلوم ہوا کہ تیرا ماما اپنی بخش بھی اس سلسلے
 طریقے سے تیری مخالفت کر رہا ہے؟“

”چاچا“ مجھے اپنی پردا نہیں ہے۔ مگر دیکھ میری بہن اور تیری بھابی ان لوگوں کے قبضے میں
 ہیں۔ نہ جانے وہ دونوں کس حال میں ہوں گی۔ میں بڑی حویلی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دوں گا
 مٹھیاں پہنچ گئیں۔

”ایک بات بتاؤ۔ سائیں غلام بخش کو جانتے ہو؟ غلام بخش جو نور باغ کا بہنوئی اور علی ش
 ہے۔“

”ہاں اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”غلام بخش بہت ہی اچھا آدمی ہے۔ جانتے ہو وہ ڈاکو ہے، گروہ بنا رکھا ہے اس نے اور
 ہے۔“

”نہیں“ میں نہیں جانتا۔ مگر یہ تم کیا کہہ رہے ہو، کیا تم بچ بول رہے ہو؟“

”ہاں۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جو کسی سے چھپائی جائے۔ یہ بات نور باغ بھی جانتا ہے اور علی
 اور میں بتاؤں علی شاہ کا تو ہاتھ ہے غلام بخش کے کندھے پر۔ اگر نور باغ بھی چاہے تو غلام بخش کا
 بگاڑ سکتا۔“

”ہاں ٹھیک ہے۔ یہ بڑی بات ہے۔“

”میں نے تمہاری ساری کہانی اسے سنادی ہے اور دلچسپی کی بات یہ ہے کہ سائیں غلام بخش
 بارے میں اپنے دل میں درد رکھتا ہے۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ تم یہاں آگئے۔ اگر تم یہاں نہ آتے
 غلام بخش نے کہا تھا کہ میں تمہیں تلاش کروں اور اس کے پاس لے آؤں۔“
 ”کیا..... تو کیا تم مجھے سائیں غلام بخش کے پاس لے چلو گے؟“

”ہاں۔“ چاچا نے جواب دیا۔

”چاچا یہ سب ایک ہی تھیلی کے پٹے بٹے ہیں اور تم جانتے ہو کہ علی شاہ کو اور نور باغ
 ضرورت ہے۔ اس کے لئے کس انہوں نے غلام بخش کا انتخاب نہ کیا ہو۔ میں اس طرح غلام بخش
 پہنچ جاؤں اور غلام بخش آسانی سے مجھے ان کے حوالے کر دے۔“

”ایک منٹ، مٹھل واڑا ایک منٹ۔“ میں نے اس گفتگو میں دخل دیا۔

”جی کیا بی بی سائیں؟“

”کیا وہ غلام بخش ہی سائیں غلام بخش تھے؟“

”ہاں۔ یہی سو فیصدی یہی۔“ مٹھل واڑا نے جواب دیا۔

”ہوں۔ آگے کو۔“

”بس چاچا سمجھانے لگا۔ اس نے کہا۔“ اس طرح ڈرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ بڑی حویلی کا

”ایک تو تمہاری بیوہ بن تھی دوسری بہن بھی جوان تھی۔ کیا تم نے اس پر کبھی توجہ نہیں دیا؟“
 ”ادا کھل کر کہو۔ یہ بات کیوں کہہ رہے ہو تم؟“
 ”بس تمہیں اس بات کا پتا نہیں ہے کہ تمہاری چھوٹی بہن کا چکر چل رہا تھا۔ برا مت ماننا۔
 کا۔ میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ کیا نام ہے تمہاری بہن کا؟“ ویسے تمہیں.....“
 ”کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کیوں میرے دل کو دکھا رہے ہو؟“ میں نے کہا۔
 ”بتاؤ اس کا نام کیا ہے؟“
 ”فریدہ ہے اس کا نام۔“

”ہاں۔ فریدہ ہی کی بات کر رہا ہوں۔ میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ بڑا مسئلہ ہے۔ بہت ہی ہے۔ ایک بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے تمہارے گھر میں۔ تمہارا ماما چاہتا ہے کہ تمہیں پکڑ کر پیر سائیں کے کر دے اور اس کے بعد وہ خوشی کی گھڑی منائے۔“
 ”مسئلہ کیا ہے؟“

”بس نور باغ نے تمہارے ماما سے یہ بات کی تھی کہ تمہاری بہن کو اس کے حوالے کر دو اس وقت حویلی کی ساری خدائیں تمہاری بہن کو بنانے سنوارنے میں لگی ہوئی ہیں۔“
 ”کیا..... کیا تم جانتے ہو اس کے بارے میں۔ کیا تم جانتے.....؟“

”ہاں۔ خاص طور سے جانتا ہوں۔ نور باغ آج کل اس کے لئے بہت سے کام کر رہا ہے۔ اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ تم جانتے ہو ناں کہ ان لوگوں کے طریقے کیا ہیں۔ نور باغ اسے ساتھ رکھنے کے لئے ساری تیاریاں کر رہا ہے۔ وہ اسے اپنی رتھی بنانا چاہتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ سائیں کی رتھی بن جاتی ہیں وہ ان کی کنیز ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنی ساری زندگی اسے گزاریں گی۔“

ایک بار پھر میرے سارے وجود میں آگ لگ گئی تھی۔ بہت ہی خوف ناک صورت حال آہ! یہ لوگ کس طرح میری غیرت کی دھجیاں بکھیر رہے تھے۔ اس رسم کے بارے میں میں ابھی تھا۔ اس رسم کے مطابق کنیز یا لونڈی ساری زندگی ڈیرے کے پاس گزارتی تھی اور جب وڈیرے اچاٹ ہو جاتا تو وہ اس لڑکی کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے ایک سادہ لیکن بہت مملک طریقہ استعمال کرتا تھا۔ لڑکی پر الزام لگایا جاتا کہ اس نے وڈیرے کی آبرو کی حفاظت نہیں کی اور اس پیش ہمارا عزائم ہے۔ اس الزام کی تائید میں اتنا کہہ دینا ہی ثبوت کا درجہ رکھتا ہے کہ فلاں شخص سے ملے اور با اسے دیکھا گیا ہے اور پھر اس کے بعد..... اس کے بعد..... آہ یہ کیا ہو رہا ہے مجھ کو! ساتھ۔ یہ کیا ہو رہا ہے میری نگاہوں میں اپنی بہن کا چہرہ گھوم گیا اور اچانک جیسے میں حقیقت کی تہ گیا۔ مجھے فریدہ کی باتیں یاد آنے لگیں۔ اس نے..... اس نے زینو کو حویلی بھیجنے کے مسئلے پر تھی وہ..... وہ مجھے اس کے بہت سے مسئلے یاد آ گئے۔ آہ! اس کا مطلب ہے کہ سب کچھ میری ہی خراب ہوا ہے لیکن یہ بات میں جانتا تھا کہ ان دنوں ماموں نے بھی بخش میرے گھر میں ضرورت ہے۔

لاوا اور فریدہ اس سے بہت محبت کرنے لگی تھی۔ یقینی طور پر وہ نور باغ کے پیغام لے کر آتا تھا۔ آہ! ایسا ہی رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ فریدہ کی رضامندی اس سارے کام میں شامل تھی۔ کیا ماں باپ اور بہن نے قتل میں بھی فریدہ ان کی شریک کار تھی؟ میرے خدا! یہ کیا ہو رہا ہے۔ ماموں نے بھی بخش تو پھر بھی ماموں نے لیکن میری بہن فریدہ میری سگی بہن، کیا وہ بھی..... وہ بھی اپنے ماں باپ کے قتل میں شامل تھی۔ لیکن عکرائی کرنے کے خواب دیکھنے میں اس نے اپنے ماں باپ کو نظر انداز کر دیا تھا۔ کیا ایسا ہوا تھا۔ ہاں اتنی ایسا ہوا تھا۔ جب میں غور کر رہا تھا تو مجھے اندازہ ہو رہا تھا۔ فریدہ عام لڑکی نہیں تھی اور عام لڑکیوں کی طرح اس کے خواب بھی معمولی نہیں تھے۔ وہ اپنے آپ کو حویلی تک پہنچانے کے لئے راستے ہموار کر رہی تھی لیکن بے وقوف لڑکی اس بات سے ناواقف تھی کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔ آہ! یہ تو بڑی خوفناک بات تھی۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ بہت خوفناک تھیں۔ میرے سینے میں آگ زیادہ سے زیادہ بھڑکتی جا رہی تھی اور اب میرے اندر ایک لاوا سا بھرنے لگا تھا۔ بہر حال ان ساری چیزوں سے میرا دل جل کر کوئلہ بنا رہا تھا۔ چلو فریدہ کا تو مسئلہ میرے ذہن میں آ رہا تھا لیکن زینو! کیا زینو نے بھی میری خلاف بغاوت کر لی تھی۔ کیا اسے بھی ایسا ہی کوئی لالچ ملا تھا کسی نے اسے بھی مجھ سے بھڑکا دیا تھا۔ میرا وجود شدت غم سے حال ہوا جا رہا تھا۔ چاچا میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
 ”دیکھو میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا، ہوشیار رہو، ہوشیار رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے آپ کو ہی کر خاکستر کر دو۔“

”مجھے فوراً کچھ کرنا ہوگا۔ میری آبرو اور فریدہ کی زندگی کا سوال ہے۔“
 ”میں جانتا ہوں اور اگر تم میرا مشورہ مانو تو تم سائیں غلام بخش سے ضرور مل لو۔ یقیناً تم دیکھنا وہ مارے کام آئیں گے۔“

”میں ان سے ملنا چاہتا ہوں، کب اور کیسے مل سکتا ہوں میں ان سے؟“
 ”اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن بہر حال جلد ہی تم ان سے ملاقات کر لو گے۔“
 ”کیا مطلب!“

”دیکھو بھائی بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں پہلے سے بتانا ذرا مشکل ہی ہو جاتا ہے۔ تم اطمینان رکھو سائیں غلام بخش سے تمہاری ملاقات بہت جلد ہو جائے گی۔ بس انہیں تمہاری آمد کا فارغ تھا۔“

میں خاموش ہو گیا۔ میں نے دوبارہ کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن اس بات کا مجھے ابھی طرح اندازہ ہوا تھا کہ چاچا میرا بہترین دوست ہے۔ وہ اس بارے میں کچھ معلوم ہوتا تو وہ مجھے ضرور بتا دیتا۔ ناں ساری باتیں اپنی جگہ میں جانتا تھا کہ غلام بخش اب کیا چیز ہے۔ جو کچھ وہ تھا چاچا نے مجھے اس کے سے میں بتا دیا تھا لیکن پھر بھی اجنبیوں پر اس طرح اعتماد تو نہیں کیا جاتا۔ کچھ نہ کچھ انتظار تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ میں نہ جانے کیسے کیسے احساسات کے ساتھ خاموش ہو گیا تھا لیکن میرے دل میں غم کے طوفان جاگ رہے تھے اور میں بہت ہی دکھی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ باہر اندھیرے نے اپنے پہرے مسلط کر دیئے تھے۔

”سنو..... سنو منضل واڑا اٹھو۔ اٹھ تو جاؤ۔“ نیند سے میری آنکھیں بار بار بند ہوئی جا رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ کمرے میں لائین بدستور جل رہی ہے۔ اس کی لو بھی ویسی ہی مدھم تھی۔ آنکھیں جھپکاتے ہوئے میں نے چاچا کی طرف دیکھا جو میرے بستر پر جھکا ہوا مجھے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”مجھے افسوس ہے کہ تمہیں جگانا پڑا۔ ہمیں فوراً روانہ ہونا ہے۔ جلدی کرو۔“ اس نے میری سوالیہ نگاہ کے جواب میں کہا اور اب میرے ہوش و حواس جاگ گئے۔ ایک دم میرے دماغ کو جھکا سا لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے پولیس نے اللہ بچایو کے گھر کو گھیر لیا۔ میں نے اس سے یہی سوال کیا تو اس نے کہا۔

”نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ بس تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔“

”اس وقت؟“

”ہاں۔“

”مگر جانا کہاں ہے؟ مجھے تو نیند آ رہی ہے۔“

”دیکھو۔ وہیں جانا ہے جہاں تمہیں جانا تھا۔ تم جس سے ملنا چاہتے تھے تمہیں اس نے بلایا ہے۔“

”ہاں۔“

”یار۔ اب اس وقت نہ ملوں اس سے تو؟“

”تم نیند میں ہو اس لئے یہ باتیں کہہ رہے ہو۔ ورنہ تم یہ سمجھ لو کہ غلام بخش سے ملنا کتنا مشکل کام تھا اور تمہارے لئے کتنا ضروری ہے۔ چلو جلدی اٹھو منہ ہاتھ دھو لو ذرا سا۔“ میں خاموشی سے اٹھ گیا۔ آہستہ آہستہ میرے حواس جاگ گئے تھے۔ چاچا میرے ہم در میرے دوست نے میرے لئے اپنی نیند بھی تو برباد کی تھی۔ پتہ نہیں کس طرح اس نے غلام بخش سے ملنے کے لئے یہ وقت نکالا تھا۔ بہر حال میں نے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور اس کے بعد اس کے ساتھ چل پڑا۔ میں نے اپنی اجرک شانوں سے لپیٹ لی تھی۔ چاچا نے لائین بند کی۔ دروازہ بند کر کے تالا لگایا اور بھر باہر کا دروازہ بھی مقفل کیا۔ اللہ بچایو اندر ہی موجود تھا لیکن دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔ آخر کار ہم گلی میں آگئے۔ کئی گلیاں گھومنے کے بعد ہم ایک احاطے میں داخل ہوئے جس میں کوئی کمرہ وغیرہ موجود نہیں تھا۔ وہاں ایک ساربان اپنے اونٹ سمیت موجود تھا۔ چاچا نے اشاروں ہی اشاروں میں اس سے کچھ باتیں کیں۔ ساربان کا چہرہ ڈھانٹے سے چھپا ہوا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق اچھی خاصی عمر ہوگی اس کی۔ انہوں نے آپس میں کوئی بات کرنے کے بعد خاموشی اختیار کی۔ چاچا نے مجھ سے کہا۔

”مجھے معاف کرنا“ احتیاط بڑی ضروری چیز ہے۔ ہم تمہیں کھلی آنکھوں نہیں لے جا سکتے وہاں۔ تمہاری آنکھوں پر پانی باندھنا پڑے گی۔“ میں نے چاچا کو دیکھا اور کہا۔

”چاچا! کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟“

”کیسی باتیں کرتے ہو؟ کیا یہ میرا معاملہ ہے؟“ چاچا نے شکایتی لہجے میں کہا اور مجھے یاد آگیا کہ چاچا مجھے بتا چکا ہے کہ غلام بخش ایک ڈاکو ہے۔ کسی ڈاکو کو ٹھکانے پر کھلی آنکھوں کے ساتھ تو نہیں پہنچا جا سکتا۔

بھکاری گونٹھ خاصی بڑی گونٹھ تھی مگر دوسرے دیسوتوں سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ سر شام ہی لوگ گم میں دیک جاتے تھے۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ باہر کا ماحول بالکل خاموش تھا۔ جس کمرے میں ہم ہوئے تھے یہاں لائین کی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ چاچا نے کہا۔

”تم بالکل فکر مت کرو۔ میرا چاچا اللہ بچایو بالکل قابلِ اعتماد ہے۔ تمہارے بارے میں اسے ہر تفصیلات میں نے بتا دی تھیں۔ تمہاری خاصی مدد کرے گا۔ میں تمہارے لئے اچھا سا بستر لگوا دیتا ہوں کھانے وغیرہ کا انتظام کرواتا ہوں۔“

یہ سارے کام ہو گئے۔ مجھے آرام کرنے کے لئے کہہ دیا گیا۔ خود چاچا نے اپنی چارپائی دروازے کی جانب بچھالی تھی۔ عشاء کی اذان ہوئی تو وہ تھوڑی دیر کے لئے باہر گیا اور پھر واپس آکر بستر پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کمرے میں اس کے ہلکے ہلکے خراٹے گونجنے لگے مگر اب صورتِ حال ایسی نہیں تھی نیند آسانی سے میری آنکھوں میں آجاتی۔ میں خیالات کے بھور میں غوطے لگا رہا تھا۔ آنے والے لمحات بارے میں تانے بانے بنا ہوا میں نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا تھا۔ پرانے زمانے کے چور ڈا امیروں سے دولت چھین کر غریبوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ پتا نہیں کیسے ہوا کرتے تھے۔ بہر حال تصور سے میں نہ جانے کیا کیا کر رہا تھا۔ نہ جانے میرے دل میں کون کون سی انگلیں ابھر رہی تھیں۔ کاش میں کسی ایسی قوت کا مالک ہوتا جو آسانی سے علی شاہ کی حویلی کی دیواروں کو عبور کر جاتا اور خوفناک تباہی مچا دیتا۔ ایک ایک کو ختم کر دیا۔ سب مار دیئے کم بختوں نے۔ میرا تو کوئی بھی نہیں چھ جب کہ میں نے تو ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑا تھا۔

لیکن بات سمجھ میں آ رہی تھی۔ اب ذرا غور کرتا تو دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ مار قتل کر دیئے گئے، آخر میری ماں، میرے ماموں نبی بخش کی سگی بہن مری۔ دولت نے ماموں کو کتنا ہٹا ہم سے اور میری بہن فریدہ وہ معصوم سی بلی جسے میں بڑے پیار سے اپنے سینے پر بٹھایا کرتا تھا۔ اگر صرف اپنی اچھی زندگی کے لئے اپنے ماں باپ مروا دیئے۔ ماموں نبی بخش تو دور کی چیز تھے اگر واقعی نے ایسا کیا ہے؟

لائین کی نو مدھم ہونے لگی۔ شاید تیل ختم ہو رہا تھا۔ رات اپنا سفر طے کر رہی تھی اور دو کھیتوں میں گیدڑوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں جن کے جواب میں گاؤں کے کتے بھونک کر مستعدی کا اعلان کرتے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ بیٹا ادھر کا رخ نہ کرنا یہاں ہم موجود ہیں۔ نو سرد ہوا، باہر خزاں شدہ پتے کی طرح اڑ رہی تھی۔ میں نے دروازے پر نگاہ ڈالی۔ چاچا بے خبر سو رہا تھا جانے کتنی دیر تک میں انہی خیالات میں ڈوبا رہا لیکن نیند بڑی مہربان ماں کی مانند ہوتی ہے نہ جانے وقت مجھے نیند نے لپیٹ لیا لیکن وہ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ کسی نے مجھے شانوں سے ہکا جھنجھوڑا۔ میں سخت نیند کے عالم میں تھا۔ لحاف کی مری نے مجھے ماں کی آغوش کا سکون فراہم کیا تھا اور کئی روز کا تھکا مارا اب آرام کی نیند سو رہا تھا۔ میں نے کروٹ لے کر سونے کی کوشش کی لیکن اسی لمحے چاچا کی آواز سنائی دی۔

بدن بھاری بھر کم تھے لیکن وہ انتہائی تیز اور جست و چلاک نظر آتے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔
”سائیں آنکھیں نہیک ہو گئیں؟“
”ہاں۔“

”چلو پھر آگے چلو۔“ میں نے قدم آگے بڑھا دیے جنگل جاگ چکا تھا۔ سرد ہوا کی خشکی میں خوشگوار
احساس ملا ہوا تھا۔ درختوں پر پرندے چھپا رہے تھے اور چڑیوں کے شور سے جنگل میں زندگی کا تاثر مل
رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم جنگل کے بیچوں بیچ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جو قدیم وضع کے بڑے بڑے
پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کے بیرونی راستے پر بڑے ہوئے گھاس پھوس سے بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا
جیسے آگے چل کر کوئی غار وغیرہ ہے لیکن اندر جانے پر خاصا وسیع راستہ ملا۔ یہ جگہ نشیب میں بنائی گئی تھی یا
پھر زیر زمین تھی۔ پہلے تو پتھر چنے گئے تھے اور غار جیسی جگہ بنائی گئی تھی لیکن آگے چل کر بہت سی جگہ
ہمواری کی گئی تھی۔ بہر حال میں دیکھ کر ششدر ہو رہا تھا۔ میں نے زندگی میں پہلے کبھی ڈاکو کی رہائش گاہ
نہیں دیکھی تھی لیکن اب دیکھا کہ واقعی کوئی جگہ ہے۔ دیواروں پر شیروں کی اصلی کھال اور بھس بھرے
ہوئے سر لٹکے ہوئے تھے۔ مختلف جگہوں پر ہتھیار بھی لٹکے ہوئے تھے تلواریں، کھڑیاں اور اس کے ساتھ
ساتھ ہی آتشیں اسلحہ بھی۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس کی آخری دیوار کے ساتھ درمیان میں ایک بڑی سی
چوکی رکھی ہوئی تھی۔ شاید یہ ان لوگوں کے سردار کے بیٹھے کی جگہ تھی۔ چوکی پر درمیانی چھٹی ہوئی تھی اور
گاڑ تکیہ رکھا ہوا تھا۔ چوکی کے علاوہ اس ہال کمرے میں کسی کے بیٹھے کے لئے کوئی اور جگہ نہیں تھی۔
کمری نہ چارپائی وغیرہ۔ مجھے حیرت ہوئی لیکن پھر میں نے سوچا کہ سردار کے سامنے بیٹھنا ڈاکوؤں کی روایت
کے خلاف ہو گا۔ صرف سردار بیٹھا ہو گا باقی سب کھڑے رہتے ہوں۔ جنگل میں جنگل ہی کا قانون رائج ہوتا
چاہئے ورنہ اس کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ جنگل کا ایک ہی شیر ہوتا ہے۔ ایک ہی بادشاہ۔ باقی سب رعایا۔
مجھے یہاں لانے والے دونوں آدمی چوکی کے سامنے کھڑا کر کے ایک کونے میں غائب ہو گئے۔ شاید
اندر ہی اندر بہت سے کمرے یا ٹھکانے بنے ہوئے تھے۔ مجھے ارد گرد چند موڑ اور راہداریاں ہی نظر آ رہی
تھیں۔ باہر کی روشنی بھی اندر آنے سے قاصر تھی۔ اس لئے ہال میں چند بڑی بڑی مشعلیں روشن کر دی گئی
تھیں۔ بالکل وہی ماحول تھا جو غارت گروں کی کمائیوں اور فلموں میں دکھایا جاتا ہے۔ میں وہیں کھڑا رہا جہاں
مجھے وہ دونوں آدمی کھڑا کر کے گئے تھے۔ درحقیقت اس وقت مجھ پر کچھ عجیب سے تاثرات چھائے ہوئے
تھے۔ ماحول بے حد اجنبی تھا لیکن نہ جانے کیوں دل میں ایک سکون کا سا احساس ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا
جیسے جس جگہ مجھے پہنچایا گیا ہے وہاں میری مشکلات کا حل موجود ہے۔ اعصاب پر سکون تھے اس طرح بالکل
جیسے میری مشکلات ختم ہو گئی ہوں اور میں نے زندگی میں ایک نئے اور خوشگوار دور میں قدم رکھ دیا ہو۔
شاید یہ سب کچھ اس نئی جگہ کا سحر تھا جس نے مجھے جذبہ لیا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے جسم میں کئی
گنا قوت آگئی ہے۔ قد بڑھ گیا ہے اور ہاتھ اتنے لمبے ہو گئے ہیں کہ میں سب کچھ کر سکوں اور اب نور باغ
شاہ اور علی شاہ میرے آگے کچھ نہ رہ گئے ہوں۔ نہ جانے کیا کیا دیکھا میں نے چشم تصور سے۔ ذرا سی دیر
میں بہت کچھ مل گیا تھا۔ مجھے اس طرح کھڑے کھڑے کافی دیر ہو گئی تھی اور میں اپنے جسم کے وزن کو ایک

اس کی بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ پھر اس نے اس ساربان کو اشارہ کیا اور ساربان نے جیب سے ا
سیاہ رنگ کی پٹی نکال کر میری آنکھوں پر کس کر باندھ دی۔ اب دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو گئی تھی
چاچے نے میرا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ کر مجھے اونٹ کے قریب پہنچایا۔ مجھے سارا دے کر اونٹ پر بٹھا د
تھوڑی دیر کے بعد میں بلندی میں ہچکولے کھا رہا تھا اور اونٹ سفر کر رہا تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ میری تھ
مجھے کہاں لے جا رہی ہے۔ کہاں پہنچوں گا؟ کیا ہو گا؟ اس وقت کدھر جا رہا ہوں؟ میرے ساتھ کوئی ہے مجھ
نہیں؟ خاموشی، بے انتہا سناٹا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد یہ سفر ختم ہوا اور مجھے سارا دے کر اس اونٹ سے اتار
گیا۔ مگر پٹی بدستور آنکھوں پر بندھی رہی۔ مجھے اپنے قریب آہٹ محسوس ہوئی اور پھر چاچے نے سرگوشی
لےجے میں کہا۔

”ادھر..... ادھر آ جاؤ۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر اس طرف کیا اور چنا
کے فاصلے پر لے گیا پھر بولا۔

”گاڑی ہے، بیٹھو۔“ میں نے ہاتھوں سے نڈول کر گاڑی کا گیٹ اور نشست کا اندازہ کیا اور بیٹھ
یہ ایک جیب تھی ساتھ بھی کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ چاچے نے کہا۔

”نہیک ہے۔ یہاں سے میں رخصت ہو رہا ہوں۔ جو کوئی بھی تمہیں لے جا رہا ہے تمہیں اسی
ساتھ جانا ہے۔“ چاچے کے ان الفاظ کے ساتھ ہی انجن کی گڑ گڑاہٹ ابھری اور گاڑی جھٹکے سے آگے
گئی۔ اب یہ سفر کافی سنسنی خیز ہو گیا تھا میرے لئے۔ چاچے کو مجھے ساری تفصیلات بتا دینی چاہئے تھیں۔ اگر
چل جاتا کہ اس سفر یا اس ملاقات کے لئے اتنے پاپڑ بیٹنے پڑتے ہیں تو شاید میں بھی تیار نہ ہوتا بہر حال اب
کچھ شروع ہو گیا تھا وہ تو تھا ہی اور مجھے اسی میں گزارہ بھی کرنا تھا چنانچہ سفر بھی کافی دیر تک جاری رہا۔ تھ
آدھے گھنٹے تک گاڑی سیدھی اور ہموار سڑک سے کسی کچے راستے پر اتار گئی اور ہچکولے کھا کر آگے بڑھ
گئی۔ گاڑی کی اچھل کود سے پوری اور ہانگ ہو گئی تھی۔ جوڑ جوڑ ملے لگا تھا۔ خدا خدا کر کے سفر کا
مرحلہ بھی طے ہوا اور ایک بار پھر کسی نے مجھے شانے سے پکڑ کر تھام لیا۔ سفر ابھی شاید باقی تھا اس بار
ذریعہ سفر اختیار کیا گیا تھا اس کے ایک ہچکولے سے میں سمجھ گیا کہ یہ کشتی ہے۔ دریا ہے یا ندی؟ میں سوچ
لگا اور میرے ذہن سے جواب ابھرا۔

”یہ دریا ہے۔ ندی نہیں ہو سکتی۔“ چوڑوں کی شب شب میں ہم ایک بار پھر ایک نامعلوم منزل کا
طرف بڑھنے لگے۔ البتہ کشتی کا سفر زیادہ نہیں تھا۔ پندرہ بیس منٹ تک ہم دوسرے کنارے سے جا لگے
پٹی بدستور میری آنکھوں پر تھی۔ کشتی سے اترتے ہوئے میرا ایک پاؤں کچھڑ میں دھنس گیا لیکن مجھے فوراً
سارا دیا گیا تھا نہ صرف سارا دیا بلکہ اسی وقت میری آنکھوں سے پٹی بھی کھول دی گئی۔ میں نے زور زو
سے آنکھیں ملیں اور بار بار چلیکس چپکائیں تب کہیں جا کر کچھ دیکھنے کے قابل ہوا۔ صبح کی سفیدی نمودار
ہو رہی تھی۔ میں نے ارد گرد دیکھا۔ ہم گئے جنگل میں کھڑے تھے۔ ہمارے پیچھے پانی کی ایک تنگ سی پٹی تھی
جو جنگل کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ میرے دائیں بائیں دو آدمی چل رہے تھے۔ دونوں نے بڑی بڑی
واڑھی اور مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ عرس کوئی تیس اور چالیس کے درمیان ہوں گی۔ رنگت سانولی اور

ٹانگ سے دوسری ٹانگ پر منتقل کرتا رہا تھا۔ وہ دونوں آدمی تو ایسے غائب ہو گئے تھے جیسے اب ان کا کوئی دجو ہی نہ ہو۔ میں بڑی دیر تک اس طرح کھڑا خاموشی سے سوچتا رہا۔ کب سے کوئی آہٹ نہیں آرہی تھی۔ کھڑے کھڑے میں تھک گیا تو ایک بار پھر بال کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ میری بے تاب نگاہیں کسی کی آمد کو منتظر تھیں۔ یوں کافی دیر ہو گئی اب جبرانی شروع ہو گئی تھی۔

میری پنڈلیاں جواب دینے لگیں اور پیروں میں درد ہونے لگا۔ پتہ نہیں یہ لوگ کہاں مر گئے۔ میر باہر نکل کر دیکھوں، میرے ذہن میں خیال ابھرا جسے میں نے فوراً ہی رد کر دیا۔ باہر جانے کا کیا سوال تھا۔ مجھے لے کر آنے والے دونوں آدمی یہیں اندر کسی کونے میں دفن ہو گئے تھے شاید۔ وہ سردار کو بلانے گئے ہوں اور وہ سو رہا ہو۔ چنانچہ وہ اس کے بیدار ہونے کا انتظار کر رہے ہوں۔ بہت سے خیالات میرے ذہن میں آنے لگے۔ یہ ڈاکوؤں کی دنیا ہے، ہماری دنیا سے بالکل الگ۔ ممکن ہے میرا امتحان لیا جا رہا ہو۔ میرے حوصلے کی آزمائش کی جا رہی ہو۔ بہر حال یہاں تک آگیا تھا تو باقی ساری باتوں سے نمٹنا ہی تھا کیونکہ یہ میرا گھر نہیں تھا۔ پھر یہ مشکل مرحلہ ختم ہوا اور قدموں کی آہٹ ابھری۔ میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد ایک کونے سے تین آدمی سامنے آئے۔ دو تو وہی تھے جو مجھے جپ میں اور پھر وہاں سے کشتی میں یہاں تک لائے تھے لیکن تیسرا آدمی کوئی اور تھا اور دوسرے آدمی اس کے سامنے بہت مؤدب تھے۔ لہذا مجھے یہ رائے قائم کرنے میں دیر نہیں لگی کہ یہی ان کا سردار ہے لیکن میں حیران ہوا۔ اس کی عمر زیادہ سنیر تھی یہی کوئی پچیس تیس سال کا ہو گا لیکن قد لمبا، رنگت گوری، پیشانی بہت کشادہ، ہتھکھڑیلے بال اور جسم میں چست جیسی لپک تھی۔ میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ کیا یہی غلام بخش ہے۔ بہر حال اگر یہ غلام بخش ہے تو شخصیت بڑی شاندار ہے۔ وہ بہت وجہ جو ان تھا، مجھے اس کے قد و قامت اور رنگت پر رشک آیا لیکن تعجب کی بات ہے ڈاکوؤں کے چہرے تو بے حد خوف ناک ہوتے ہیں۔ بہت ہی خوفناک۔ وہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جسے دیکھ کر ہی وحشت ہو۔ سنگدل اور سخت مزاجی ان کی زندگی کا حصہ ہوتی ہے لیکن اس شخص کے چہرے پر تو ایسا کوئی رنگ نہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں تم ٹھیک سوچ رہے ہو۔ ڈاکو مجھ سے مختلف ہوتے ہیں۔“ میں حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا۔ کیا وہ دماغ کو پڑھ لیا کرتا ہے۔ کیا وہ نلی پیچہ ہے؟ اس نے میرے ذہن کی گہرائیوں میں کیسے جھانک لیا۔ یہ تو واقعی ناقابل یقین سی بات تھی۔ ایسا کیسے ہو گیا؟ تب اس نے کہا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل سبھی نئے آنے والے مجھے دیکھ کر چونکتے ضرور ہیں اور ان کے ذہن میں پہلا سوال یہی ابھرتا ہے کہ یہ شخص کم از کم صورت سے تو ڈاکو دکھائی نہیں دیتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے بھی یہی سوچا ہو گا، کیا سمجھا غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں میں؟“ میں کچھ نہ کہہ سکا۔ ابھی تک میں اس کی شخصیت کے سحر میں گرفتار تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بالکل میرے سامنے پہنچ گیا۔ اس کا قد بھی مجھ سے ٹکٹا ہوا تھا حالانکہ مجھے ایک دراز قامت آدمی کہا جاتا تھا۔ اس نے نہایت دوستانہ انداز میں میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”بہرحال جو کچھ بھی ہے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں تمہاری پوری کمائی بھی سن چکا ہوں

تمہیں کسی قسم کا کوئی غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے کا غم بانٹنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں لیکن میری ایک بات سمجھ لو۔ اگر مل کر بیٹھا جائے تو غم کتنا ہی بڑا ہو، اس کی تقسیم ہو جاتی ہے۔ کیا سمجھے؟“ نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی۔ اس نے کہا۔

”سب کچھ سن چکا ہوں تمہارے بارے میں۔ تمہارے سانس سر، تمہارے ماں باپ مارے گئے تھیں۔ ہوتا ہے، ایسا بھی ہوتا ہے۔ دوسروں کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دینا ہی تو اصل زندگی ہے۔ صرف اپنی زندگی کے لئے تو چوہے دوڑتے ہیں۔ انہیں یہ فکر نہیں ہوتی کہ ڈوبتے جہاز میں کسی اور کی جان بھی بچانی ہے۔ دوست میں باآسانی تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ تم میرے پاس آئے ہو یہ میرا فرض ہے کہ میں تمہارا دکھ بانٹوں۔ بہر حال میرا نام تمہیں معلوم ہو گا۔ میرا نام غلام بخش ہے۔ ہو سکتا ہے چاچے نے اور کچھ بھی تمہیں میرے بارے میں بتایا ہو لیکن تمہیں میرے نام سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔ ہم ڈاکو ہیں، غلط کام کرتے ہیں لیکن یہ غلط کام ہم کیوں کرتے ہیں، اس کی ایک لمبی کمائی ہے۔ میں اس وقت تمہیں کمائیاں سنانے کے لئے نہیں آیا۔ تم سے ملاقات ہو گئی، یہاں آرام کرو، جو کام کرنا چاہتے ہو اکیلے کرتے مگر اب میں تمہارے شانہ بشانہ ہوں۔ تمام کام تمہیں ہی کرنا ہے جو میں نے کہا۔ چلا ہوں شام کو ملاقات ہوگی۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو تکلف نہ کرنا۔ میرے آدمی تمہاری خدمت کریں گے۔“ اس نے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھایا تو میں نے عقیدت سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

”اور فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ چاروں طرف میرے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک بات تمہیں اور بتا دوں، تمہاری منگیت زینو زندہ ہے اور محفوظ بھی ہے۔“ اس بار ایک آدمی اس کے ساتھ گیا تھا۔ میں اس کے آخری الفاظ سن کر سکتے کے عالم میں رہ گیا تھا۔ اپنی بہن کے بارے میں تو مجھے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ وہ ماسوں نبی بخش کے ساتھ اس کھیل میں برابر کی شریک ہے لیکن زینو کے بارے میں یہ خبر سن کر میرے دل میں ٹھنڈک کا احساس ہوا تھا۔ اسی وقت قریب کھڑے ہوئے آدمی نے مجھے مخاطب کیا اور بولا۔

”آؤ میں تمہیں تمہارا ٹھکانہ بتا دوں۔“ وہ بائیں طرف چل پڑا تو میں بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ پھر کی دیواریں کھڑی کر کے چھوٹے چھوٹے حجرے بنائے گئے تھے۔ زیر زمین ہونے کے باوجود تازہ ہوا کی موجودگی کا احساس ہوتا تھا۔ میں یہاں ہر لمحہ حیرت سے دوچار ہو رہا تھا۔ کسی ڈاکو کی گہری میں نے پہلی بار دیکھی تھی۔ واقعی ہر انسان اپنے جینے کے لئے صحیح راستے منتخب کر لیتا ہے۔ دو تین موڑ مڑنے کے بعد اس نے ایک کونے کی طرف بنی گھری کی طرف اشارہ کیا اور بولا۔

”یہ آپ کا ٹھکانہ ہے سائیں۔ آپ آرام کرو۔ ضرورت پڑے تو یہ کونے میں لٹکی زنجیر کھینچ دینا۔ آدمی آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔“ وہ مجھے اندر چھوڑ کر واپس جانے کے لئے مڑا پھر جیسے اچانک اسے کچھ یاد آگیا۔ اس نے رک کر کہا۔

”اور ہاں اکیلے باہر نہ آنا سائیں! خطرہ ہے۔ ابھی سب کو آپ کا پتا نہیں ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا۔“ اس کے ان الفاظ سے میرے سارے وجود میں سرد لہریں دوڑ گئی تھیں۔ بہر حال ڈاکوؤں کا ڈیرہ تھا۔ کسی اجنبی کو گولی مار دینا بڑی معمولی بات ہوتی۔ پھر اس کے قدموں کی چاپ دور جا کر خاموش ہو گئی تو میں

مرہم تو رکھ سکتے ہیں۔ ہم اپنی کمائی تو سنا سکتے ہیں۔ اتنا تو کر سکتے ہیں ہم۔ بہر حال ہماری کمائی جاری ہے اور کمائی جہاں سے ٹوٹی تھی وہاں سے پھر سے شروع کر رہے ہیں۔ بہر حال سائیں غلام بخش کے اس ڈیرے پر پہلے دن سونے کے بعد جب میں جاگا تو شام ہونے کو تھی۔ سارا دن بے خبر بڑا سوتا رہا تھا۔ میں نے ہال میں جانے کا سوچا پھر سائیں کے اس ساتھی کی بات یاد آگئی جو مجھے اس کو ٹھہری تک چھوڑنے آیا تھا۔ اس نے بہادر کیا تھا کہ اس کی بیٹی گئی زنجیر بھیجے بغیر اکیلے اس کو ٹھہری سے قدم باہر نہ رکھوں ورنہ مجھے خطرہ پیش آسکتا ہے۔ میں فوراً منہسل گیا اور میں نے زنجیر ملا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی اندر آگیا اور اس نے کہا۔

”جی سائیں حکم کرو۔“

”بس تم اتنا کرو کہ اگر سائیں غلام بخش یہاں موجود ہیں تو انہیں میرے جاگ جانے کی اطلاع کرو۔“

”ٹھیک ہے سائیں۔ وہ موجود ہیں۔“ اس نے کہا اور سر ہلا کر پلٹ گیا۔ ایک ڈاکو کی زندگی کے بارے میں مجھے کچھ معلومات حاصل نہیں تھیں لیکن سائیں غلام بخش کے بارے میں تو یہ بھی سن چکا تھا اور چاچے نے مجھے بتا دیا تھا کہ سائیں غلام بخش صرف ڈاکو ہی نہیں بلکہ ڈیرے بھی ہیں۔ میرے دشمنوں کے داماد۔ یہ بڑی عجیب بات تھی اور میری سمجھ میں یہ نہیں آیا تھا کہ نور باغ کا بہنوئی اور علی شاہ کا داماد ہونے کے باوجود اور یہ معلومات حاصل ہونے کے باوجود کہ میں ان کا دشمن ہوں سائیں علی بخش نے چاچے کے کہنے پر میری مدد کرنے کا فیصلہ کیوں کیا۔ یہ ایک پراسرار بات تھی وہ تو آپس کے رشتے دار تھے اور ان میں تو ایک دوسرے کے لئے بڑا نرم گوشہ ہونا چاہئے۔ پھر میں نے یہ بھی سنا تھا کہ نور باغ غلام بخش کا مخالف ہے مگر بڑے سائیں علی شاہ اسے اپنی اولاد کی طرح چاہتے ہیں اور انہی کے بل پر سائیں غلام بخش اپنا کام چلائے ہوئے ہے۔ بہر حال یہ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں تھیں۔ میں بھلا ان میں کیسے داخل ہو سکتا تھا۔ کوئی دس پندرہ منٹ کے بعد وہ شخص پھر واپس آیا اور اشارے سے مجھے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ شاید اسے بات کرنے سے منع کیا گیا تھا یا پھر وہ خود بھی کم گو تھا۔ میں نے بھی خاموشی اختیار کئے رکھی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ ہم اسی بڑے ہال میں آگئے جہاں میں آتے ہوئے داخل ہوا تھا لیکن میرا رہبر وہاں رکا نہیں بلکہ بیرونی راستے کی طرف چل پڑا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم مسکن سے باہر آگئے۔ باہر اندھیرا پھیل رہا تھا لیکن درختوں کے چھ کھلی جگہ موجود تھی جہاں روشن ہونے والا لاؤ در ہی سے نظر آ رہا تھا۔ کچھ افراد اس لاؤ کے گرد موجود تھے اور انہی میں سائیں غلام بخش بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کے گروہ کے افراد تھے۔

میں اس کے قریب پہنچا۔ میں نے انہیں سلام کیا تو سب نے مجھے سلام کا جواب دیا اور سائیں غلام بخش اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے قریب کھینٹ لیا۔ پھر اس نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور میں بیٹھ گیا۔ اس کے گرد موجود لوگ نوجوان سڈول جسم کے مالک تھے۔ اچھے کسرتی جسم، یہ گروہ کافی چست و چالاک لوگوں پر مشتمل تھا۔ مجھے بیٹھے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس

نے کو ٹھہری کا جائزہ لیا چارپائی کے ساتھ ایک جائے نماز اور پانی کا برتن رکھا ہوا تھا۔ دیوار میں کھونٹی پر ایک تسبیح لٹک رہی تھی۔ نیم تاریکی میں تسبیح کے دانے چمک رہے تھے۔ چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا، ایک موٹا اور گداز کبیل۔ میں نے خود کو سوچوں سے آزاد کر دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ”آہ کیسے کیسے عجیب محاسنات سے پڑ رہا تھا۔“ اس نے کہا اور تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ جیسے وہ اپنے آپ کو اس ماحول مسلط کر رہا ہو۔

میری اپنی کیفیت عجیب تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے اپنے مسائل پریشان کن اور خوفناک تھے کہ دوسری بات کی گنجائش نہیں ہے لیکن انسان فطری طور پر کمائیاں سننا پسند کرتے ہیں۔ یہ بات بچپن سے ان کی فطرت میں شامل ہوتی ہے۔ کمائی اگر دلچسپ ہو تو اس کو سننے میں بھی لطف آتا ہے اگر اس کا سلسلہ درمیان سے ٹوٹ جائے تو لگتا ہے جیسے بے کلی اور بے بسی پیدا ہو گئی ہو۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اس کا مطلب ہے منہل داڑا کہ اب تم سو رہے ہو، گری نیند۔“

”جی۔ میں سمجھا نہیں بی بی سائیں!“ اس نے حیرانی سے کہا۔

”تمہاری کمائی اتنی حیران کن اور دلچسپ ہے کہ جب تم رک جاتے ہو تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میر زین میں سفر کرتے کرتے رک گئی ہوں۔ یا ٹرین خراب ہو گئی ہو۔“ وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دیا اور پھر مدھم سے لہجے میں بولا۔

”بی بی سائیں! انسان کی زندگی کبھی بڑی عجیب ہو جاتی ہے۔ آپ دیکھو ناں جی ہزاروں لاکھوں اربوں لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی پسند سے جیتے ہیں، اپنی پسند سے مرتے ہیں۔ زندگی ان کے لئے اتنی آسان ہوتی ہے کہ وہ زندگی کی کسی مشکل کا نام بھی نہیں جانتے لیکن انہی میں سے کچھ ہم جیسے بھی ہوتے ہیں جنہیں زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اتنے کچلے جاتے ہیں وہ کہ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے وجود کے ان ریزوں کو سمیٹ کر پھر بھی زندہ رہتے ہیں۔ موت انسان کے لئے ایک ناپسندیدہ چیز ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کی انتہائی ہے لیکن بی بی سائیں! بس جو ہے سو ہے، کوئی کیا کر سکتا ہے؟“

”ٹھیک کہہ رہے ہو، بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو، واقعی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم منہل سائیں۔ میں نے اس کی پُر زور تائید کرتے ہوئے کہا۔ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا اس کا ایک ایک لفظ سچ تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کمائی مجھے اپنی ہی زندگی کی کمائی لگی جو کوئی اور سنا رہا تھا۔ وہ ایک مرد تھا۔ ایک طاقتور اور توانا مرد، میں ایک بے بس اور بے کس لڑکی۔ حالانکہ زندگی کا ابتدائی دور بالکل اس طرح گزرا تھا کہ بے بسی اور بے کس کا لفظ بھی نہ سمجھ پائی۔ بس اپنی پسند کی زندگی لیکن اب یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ زندگی ادھار کی زندگی تھی۔ میری اپنی زندگی تو اسی مشقت میں گزرے گی۔ دیکھیں کب تک یہ امتحان جاری رہتا ہے۔ منہل داڑا بھی شاید تھوڑا سا چہرہ شاس تھا۔ مجھے دیکھ کر بولا۔

”بی بی صاحب! آپ کا مقام بہت بڑا ہے۔ آپ کی شکل و صورت، آپ کی شخصیت، جسے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے خاندان کی بی بی ہیں۔ ہم معمولی سے لوگ ہیں۔ مشکلات ہماری زندگی کا ایک حصہ ہیں۔ ہم کبھی اپنے سے بڑے سے یہ سوال نہیں کرتے کہ اس کا کیا قصہ ہے لیکن ہم کسی کے زخموں پر

برہنہ کلرک کی نوکری تھی۔ تنخواہ زیادہ نہیں تھی مگر جو کچھ بھی ملتا تھا عزت سے مل جاتا تھا۔ میں نے گوٹھ
 خط لکھا اور اپنے والدین کو اطلاع کر دی کہ میرا روزگار لگ گیا ہے اور میں بہت جلد ان سب کو اپنے
 بلاؤں کا لیکن میرے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ میں نے اپنا مستقبل بنانے کے لئے تعلیم بھی
 لی رکھی اور آہستہ آہستہ ایم اے کر لیا لیکن ان بڑے شہروں میں انسانوں کی زندگی کتوں کی زندگی سے
 بہتر نہیں ہوتی۔ نہ جانے کتنے ہی ایم اے پاس ہاتھوں میں ڈگریاں اٹھائے دفاتروں کے چکر لگاتے رہتے
 ہیں۔ میں بھی کئی ڈھنگ کی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ گوٹھ میں وڈیرے نے بھی میرے باپ کی زندگی
 برباد کی تھی۔ اصل میں اسے خبر مل گئی تھی کہ میرے باپ کا بیٹا یعنی میں شہر میں تعلیم بھی حاصل کر رہا
 ہوں۔ وڈیرے نے میرے باپ کو دھمکی دی کہ یا تو وہ اپنے بیٹے کو پڑھانے سے باز رہے یا پھر اس سے
 بل ختم کرے۔ وڈیرے نے خبردار کیا تھا کہ اگر دلیر خان گوٹھ میں آیا تو اپنے نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا۔
 یہ بے کے خیال کے مطابق شہر سے دو چار جماعتوں والے گوٹھوں میں لوٹ آنے والے سر پھرے نوجوان
 بے کی عزت نہیں کرتے۔ بہر حال میری اس تعلیم کا خمیازہ میرے والدین کو بھگتنا پڑا۔ باپ کو زمین سے
 دخل کیا گیا۔ بہن وڈیرے کی حویلی میں اس کے بیٹے کی ہوس کا شکار ہو گئی۔ ماں صدے سے مرگئی اور
 باجھائی گھر سے غائب ہو گیا۔ تب میں انتقام سے اندھا ہو گیا اور ایک رات میں نے وڈیرے کی حویلی میں
 اعلیٰ ہو کر اس کے عیاش بیٹے کو موت کی نیند سلا دیا۔ میرے سینے میں انتقام کی دہکتی آگ تو سرد ہو گئی لیکن
 اب میں ایک آزاد انسان کی حیثیت سے اس معاشرے میں زندہ نہیں رہ سکتا تھا چنانچہ میں نے غلام بخش
 کے گردہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ میرا باپ اب ایک مزار پر زندگی کے دن کاٹ رہا ہے۔

بہر حال بی بی سائیں۔ ہم لوگ اپنے آپ کو بہت مظلوم سمجھتے ہیں۔ ہمارے دل میں یہ خیال آتا ہے
 کہ اس دنیا میں ہم سے زیادہ پریشان اور تباہ حال کوئی نہیں ہے لیکن ہم دنیا میں نکلتے ہیں۔ دنیا کو دیکھتے ہیں تو
 ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غم و الم تو لمحے لمحے جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔ میں آپ کو بتا رہا تھا کہ دلیر خان
 قریب ایک بہادر اور دیوانہ تھا۔ حالات کی کروٹوں اور زندگی کی تلخیوں نے اسے بے انتہا سگند بنا دیا تھا۔ وہ
 تم نام کی کسی چیز سے واقف نہیں تھا۔ اپنی دھن کا پکا اور یاروں کا یار تھا۔ مجھ سے اس کی بڑی گہری دوستی
 تھی۔ میں وہاں رہ رہا تھا اور کچھ ہی دن کے اندر اندر میں ان سب میں ایسے گھل مل گیا جیسے انہی کے
 وہ کا آدمی ہوں اور برسوں سے ان کے درمیان رہ رہا ہوں۔ غلام بخش سے اس کے تمام ساتھی بہت
 جت کرتے تھے اور ایک سردار کے طور پر اس کا ہر حکم آنکھیں بند کر کے مانا کرتے تھے۔ مجھے وہاں رہتے
 رہتے ایک ہفتہ گزر گیا تو ایک روز غلام بخش نے مجھے بلا لیا۔ وہ گزشتہ دنوں سے کہیں گیا ہوا تھا اور اب آیا
 غلام بخش گیا تو وہ چوکی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ارد گرد اور بھی بہت سے لوگ تھے لیکن دلیر خان اس کے
 انہیں مست کھڑا ہوا تھا۔

”آؤ۔ مصل واد! آجاء میرے پاس۔“ اس نے خوش دلی سے میرا استقبال کیا اور میں اس کے قریب

”ہاں کیسے ہو؟“

کے دو ساتھی لوہے کی لمبی سلاخ میں ایک سالم ہرن پروئے وہاں پہنچ گئے۔ الاؤ کے دونوں جانب دو
 شاخ لکڑیاں پہلے سے گڑی ہوئی تھیں۔ سلاخوں کے دونوں سرے دو شاخ لکڑیوں پر رکھ دیئے۔ اس
 بھڑکتی آگ پر ہرن بھونکا جانے لگا اور فضا میں بجھے گوشت کی مہک پھیل گئی۔ میں اس مہک سے لطف
 ہو رہا تھا اور میری بھوک چمکتی جا رہی تھی۔ بہر حال ہرن کے گوشت کا ذائقہ اپنی جگہ ہوتا ہے۔ میں
 سمجھ رہا تھا کہ ایک وڈیرہ جسے زندگی کی بہت سی آسانیاں حاصل ہیں، ڈاکوؤں کی زندگی کیوں گزار رہا ہے
 اپنے بے شمار ساتھیوں کے ساتھ اس جنگل میں کیوں رہ رہا ہے۔ وہ تو علی شاہ کا داماد ہے۔ اسے تو زندگی
 ہر آسائش مل سکتی ہے لیکن نہ جانے کیوں ڈاکے ڈالنا لوگوں کو تادان کے لئے اغوا کرنا اور غارت گری
 اس کا مشغلہ بن چکا تھا۔ بہر حال یہ بات تو مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ غلام بخش کی ماضی کی کہانی کیا
 اس کا کہنا تھا کہ اس دنیا میں آپ کا حق آپ کو پلٹ میں رکھ کر نہیں پیش کیا جاتا۔ جہاں آپ سمجھیں
 آپ کا حق موجود ہے اور آپ کو اس سے محروم رکھا جا رہا ہے وہاں اپنی قوت بازو استعمال کریں اور اپنا
 چھین لیں۔

اس کے گردہ کے لوگوں سے بھی میرا بعد میں تعارف ہوا تھا۔ یہ سب کے سب سر پھرے اور
 کے ستائے ہوئے لوگ تھے۔ معاشرے کے ظلم و ستم اور اس کی اجتماعی بے ضمیری کے خلاف احتجاج
 طور پر وہ اس بدو دار ماحول سے باہر نکل آئے تھے اور اب اس طرح اپنا حصہ وصول کر رہے تھے جس کا
 شیر جنگل سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔ غلام بخش کا گردہ بھی اپنی خوراک ہی حاصل کرتا تھا۔ بہر
 میرا ان سے تعارف ہوا۔ بہت سے افراد خوب پڑھے لکھے آدمی تھے اور حالات کے جبر کے تحت اب ڈاکو
 گئے تھے۔ انہی میں دلیر خان بھی تھا جس نے ہتھتے ہوئے اپنے بارے میں بتایا۔

”اصل میں میرا نام دلیر خان نہیں تھا۔ میں تو بزدل خان تھا۔ بزدل خان۔ مگر چھوڑو تفصیل
 جانے سے کیا فائدہ؟ یوں سمجھ لو میرا باپ مقامی وڈیرے کا مزارع تھا۔ زمین کی کاشت سے گزر بہر
 تھی۔ ہماری ایک بہن تھی اور ایک چھوٹا بھائی۔ میں اپنے ماموں کے پاس رہتا تھا۔ میرے دل میں تو
 شوق تھا۔ ماموں نے میرا یہ شوق دیکھ کر مجھے اسکول میں داخل کرا دیا تھا میں نے جیسے تیسے میٹرک کیا۔
 گوٹھ میں بھی آتا جاتا تھا۔ تعلیم نے میرا شعور بلند کیا اور مجھے سوچنے سمجھنے کی قوت عطا کی۔ میرا بچہ
 خاندان غمت کی چکی میں پس رہا تھا۔ اپنے اس خاندان کی محنت اور اس کے بعد اس کا صلہ نہ ملنے سے
 دل کڑھنے لگا۔ وڈیرے کی سختی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اپنے مزارعوں کے گھروں میں پلنے والی مرغیوں
 انڈوں اور چوزوں میں سے بھی وہ اپنا حصہ وصول کر لیتا تھا۔ غلامی اور ذلت کی اس زندگی میں سر اٹھا کر
 کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں نے اپنے گھرانے کو اس دلدل سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا اور دو برس کے بعد
 میں ایف اے کے امتحان سے فارغ ہوا تو میں نے روزگار تلاش کرنے کی کوشش کی۔ میں گوٹھ میں
 وہاں گونگا بہرہ غلام نہیں بننا چاہتا تھا۔ میری اپنی گوٹھ میں کئی مزارعوں کے لڑکوں سے دوستی تھی۔ میں
 دیکھا تھا کہ وہ چھوٹی موٹی نوکری کر کے اپنا پیٹ پال رہے تھے چنانچہ میں بھی وہاں سے چل پڑا اور شہر
 مختلف دفاتروں کے چکر لگانے لگا۔ کئی جگہ دھکے کھانے کے بعد آخر کار مجھے ایک دفتر میں نوکری مل گئی۔ یہ

سب سچائی نہ ہو۔ بھلا ایک بھائی اپنی ماں جانی کو کیسے قتل کر سکتا ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ نے ماں باپ سے اس کی کوئی دشمنی نہیں تھی۔ کیا یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے؟ پہلے تو میں نے نبی بخش کے بارے میں نفرت سے سوچا تھا لیکن اب جب کہ غلام بخش نے اس سے انتقام لینے کی اری مجھے دے دی تھی اور یہ انتقام ماموں نبی بخش کی موت پر ختم ہوتا تھا تو میرا وجود کانپ کر رہ گیا۔ ہر شے اس تھا۔

سائیں غلام بخش کے بارے میں ایک بات بی بی میں آپ کو بتا دیتا ہوں وہ چروں کو پڑھنے کے ماہر ہیں اسان کے چرے سے اس کے اندر کی شخصیت کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ مجھے اس طرح خاموش دیکھ کر نے فوراً ہی کہا۔

”اور اگر تم یہ کام پسند نہ کرو تو کوئی اور بھی اس کام کو کر سکتا ہے۔ مگر یہ بات میری مرضی کے ہو جائے گی اور اس کے بعد میں تمہارا کوئی ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ ہر انسان کے اپنے اپنے اصول ہیں۔ میرا اصول یہ ہے کہ جو شخص اپنا کام خود نہ کر سکے وہ دنیا کا سب سے نقصان دہ فرد ہوتا ہے۔ نہ ہر کوئی اعتبار کیا جاسکتا ہے نہ اسے کوئی ذمہ داری سونپی جاسکتی ہے۔ وہ صرف ایک ناکارہ چھری کا مانند ہے جس کا وجود یا عدم وجود برابر ہے۔“

”سائیں میں.....“

”نہیں۔ جس کے ارادے فولادی نہ ہوں وہ ہمارے ساتھی نہیں ہو سکتے۔ کچے فیصلے والے لوگوں کو یہ پتا نہیں دیتا اور اگر کوئی یہاں رہنے کی کوشش کرتا ہے تو اس جنگل کے کیڑے کوڑے اسے چاٹ کر دیتے ہیں۔ ایسے بہت سے لوگوں کے ڈھانچے تمہیں اطراف میں بکھرے ہوئے مل جائیں گے۔“

”نہیں سائیں! نہ میرا عزم کچا ہے نہ ارادہ کمزور ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا میرے ماں باپ اور زینو کے پ کو میرے ماموں نے قتل کیا ہے؟“

”دلیر خان! اتفاق کی بات ہے تم اس کی گواہی دے سکتے ہو۔“ دلیر خان نے ایک دم کھڑے ہو کر کہا۔ ”ہاں نبی بخش اس گردہ کا سربراہ تھا جسے تمہاری موت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ کیا سمجھے۔ ایک ہندو کو تم جانتے جو گے اس کا نام رجب شاہ ہے۔ رجب شاہ کے بیٹے اللہ نور نے بخبری کی تھی۔ رات کی تاریکی میں آٹھ دس افراد پر مشتمل ایک گروپ پہلے تمہارے گھر پہنچا۔ تمہیں حیرت ہوگی کہ نے خود اپنی کلاڑی کے وار سے تمہارے باپ، تمہاری ماں اور تمہاری بہن کو موت کے گھاٹ نہ لائے اس بات کا گواہ ایک اور شخص بھی ہے جس کا نام حاجی بخش ہے۔ حاجی بخش شام ہی سے پریشان نہ اس کی ماں کی طبیعت خراب تھی۔ اسے طیرا ہو گیا تھا۔ حاجی بخش حکیم صاحب کے ہاں گیا مغرب کا دہا تھا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ مغرب کے بعد وہ حاجی بخش کی ماں کو دیکھنے جائیں گے لیکن وہ بھول نماز عشاء کے بعد انہیں یاد آیا کہ انہیں حاجی بخش کے ہاں جانا تھا مگر پھر انہوں نے سوچا کہ شاید وہ ہوں پھر وہ باہر نکل کر ٹھنڈے میں مصروف ہو گئے۔ ویسے بھی تہہ گزار تھے۔ رات گہری ہو گئی لیکن پھر اصرار کی آہٹوں سے چونک کر انہوں نے اپنے صحن سے باہر نکل کر دیکھا کہ کچھ لوگ زینو کے گھر میں

”ٹھیک ہوں سائیں۔“ میں نے آہستگی سے کہا۔

”ٹھیک۔ اب یہ بتاؤ تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے؟“

”سائیں کے حکم کا انتظار کر رہا ہوں۔“

”ہوں۔“ غلام بخش نے دلیر خان کی طرف دیکھا اور دلیر خان اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے لٹکے ہوئے اسلحے سے ایک پستول بعد چینی اور ایک خنجر غلام بخش کے قدموں میں رکھ دیا۔ ”آجاؤ۔ ادھر آجاؤ۔“ غلام بخش نے مجھے آگے بڑھنے کے لئے کہا اور جب میں قریب گیا تو کارٹوس کی چٹی میری کمرے باندھی پستول میرے ہاتھ میں دیا اور خنجر لے کر مجھے سوالیہ نگاہوں سے لگا۔ میری نگاہوں کے جواب میں اس نے کہا۔

”تم اپنے ماں باپ، اپنے ساس سر، اپنی بیوہ بہن کے قتل کا بدلہ اور اپنی نوجوان بہن کی برباد سے بھکا کر ڈیرے تک پہنچانے والوں سے بدلہ لینا چاہتے ہو ناں؟“

”سائیں! یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ خدا کی قسم مجھے میرے ساس سر اور والدین کے قتل چل جائے میں اسے اگلے جہان میں پہنچائے بغیر چین سے نہیں بیٹھوں گا۔“

”ہم نے پتا چلا لیا ہے۔ سمجھے، ہم نے پتا چلا لیا ہے۔ تم قاتل کو مارنا چاہتے ہو یا اسے جس۔ کو قتل کرنے پر مجبور کیا؟“

”قاتل کو سائیں، قاتل کو۔“

”تو پھر ٹھیک ہے۔ جاؤ تم اس کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ جاؤ اپنا فرض پورا کرو۔“

”مگر سائیں وہ کون ہے؟“

”تمہارا ماموں نبی بخش۔“ اس نے جواب دیا۔ وجود کی کرجیاں کیسے بکھر کر گرتی ہیں۔ انا طرح ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ کیا ریزہ ریزہ ہونے کے بعد وہ اپنے آپ کو دیکھ سکتا ہے؟ اپنے آپ کو کر سکتا ہے۔ یہ تمام کیفیات اس وقت مجھ پر گزر رہی تھیں۔ میں انہی تمام کیفیات سے گزر رہا تھا۔ آخر کیسے؟ ایک ماضی تھا ایک تاریخ تھی۔ ماموں نبی بخش کو میری ماں بہت چاہتی تھی۔ ماموں نبی عید بقر عید کو آتا تھا تو لدا پھندا آتا تھا اپنی بہن کے لئے، میرے لئے بہت کچھ لے کر آتا تھا۔ اس گھر کے لوگ بھی تھے جن سے میں محبت کرتا تھا۔ یہی ماموں نبی بخش اس طرح اپنی بہن اور بہنوئی بن جائے گا۔ اس طرح اپنی بیوہ بھانجی کو قتل کرا دے گا۔ اس طرح اپنے اس بھانجے کے لئے موت پھندے بناتا پھرے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میرے دل میں ماموں کے لئے نفرت طوفان اٹھانے لگا۔ یہ شخص جس کا نام غلام بخش ہے اور لوگ اسے ڈاکو کہہ کر پکارتے ہیں۔ میں تو ہوں کہ ان سب سے زیادہ قابل اعتماد، محبت کا پہاڑ ہے۔ یہ دوسروں کے لئے اپنے دل کے دروازے دیتا ہے۔ دوسروں کے لئے اس نے اپنی زندگی کو دہری شخصیت میں ڈھال رکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ کہ میں یہ سب کچھ کیسے کروں۔ ماموں نبی بخش کا نام پہلے بھی کئی بار آچکا تھا میں نے اس کے بارے سوچا بھی تھا لیکن ایک خیال دل میں اور بھی تھا کہ ہو سکتا ہے سب کچھ غلط فہمیوں میں چل رہا ہو۔

داخل ہو رہے ہیں۔ انہی میں نبی بخش بھی تھا۔ نبی بخش اور اس کے ساتھی گھر میں داخل ہو سے حکیم صاحب حاجی بخش کے پاس پہنچے۔ حاجی بخش بھی جاگ رہا تھا چونکہ اس کی ماں کو تیز ہوئی تھی۔ حکیم صاحب کو دیکھ کر وہ بھی باہر نکل آیا تو حکیم صاحب نے بتایا کہ شاید ڈاکو آگئے بخش کی ماں کو الٹی ہوئی تو حاجی بخش اندر چلا گیا لیکن حکیم صاحب باہر ہی کھڑے رہے۔ انہیں سے مدھم مدھم آوازیں سنائی دی تھیں پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد قاتل اندر سے باہر نکلے۔ ان سے آگے تھا اور اس کی کلباڑی سے خون نچک رہا تھا۔ اس نے حکیم صاحب کو پکڑ لیا اور کل گردن پر لگاتا ہوا بولا کہ اگر حکیم صاحب نے زبان کھولی تو ان کی یہ گردن اتار کر پیمینک دی جا۔ طرح طرح کے ہتھیاروں کا مسئلہ بھی تھا۔ یہ ساری باتیں بڑی صاف اور آسان ہیں۔ میرے گئے۔ مجھے یقین آگیا کہ میرے ماموں نے یہ سب کچھ کیا ہو گا کیونکہ اس سلسلے میں چاچا نے بھی بیج بتائی تھیں۔ اس نے بتایا تھا کہ میرے ماموں کے گھر میں جشن کا سا سماں رہتا ہے۔ ماموں دونوں کمانی کر رہا تھا۔ وڈیرے کو خوش کرنے کے لئے اس نے میری بہن سے سازبازی کی تھی۔ اس خیال بار پھر میرے دل و دماغ میں طوفان اٹھادیا۔ سائیں غلام بخش کا دیا ہوا اسلحہ میرے پاس موجود تھا خنجر داہنی آستین میں اڑس لیا۔ پستول کمر بند میں لگایا اور اب میں اپنا کام کرنے کے لئے تیار تھا۔ کے ماتھے کی شکنیں دور ہو گئیں۔ اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

”جو لوگ خود اپنا کام کرنے کا بیڑا اٹھاتے ہیں وقت اور تقدیر ان کا ساتھ دیتی ہے، جاؤ۔ او خان! تم اس کے ساتھ جاؤ گے۔“

”جو حکم سائیں۔“ دلیر خان نے گرم خم کر کے کہا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد میں اس مشن پر اس وقت رات بھگی ہی تھی جب ہم روانہ ہوئے اور پھر صبح کو ہم ہاڑی کری کے ساتھ ساتھ گھسبھڑی پہنچ گئے۔ گھسبھڑی گوٹھ کے اس پار کی جگہ تھی اور ہمیں سے سائیں علی شاہ کا علاقہ ڈ تھا اور گھسبھڑی میں ہی ان کی اونچی حویلی تھی۔ ہم ضروری سامان سے لیس تھے۔ خنجر، پستول، آ مضبوط لمبا سارہ اور کھانے کے لئے خشک چیزیں۔ ہمیں یہ دن جنگل ہی میں گزارنا تھا اور رات اپنے کام کا آغاز کرنا تھا۔ بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ لیکن دل کم بخت اپنی فطرت کا مالک ہوتا ہے خوف بھی رہتا ہے۔ دوسرے بھی رہتے ہیں، جذبے بھی رہتے ہیں۔ غصہ بھی رہتا ہے۔ پتا نہیں کتنی ہے اس دل کی۔ میرا دل بھی خوف اور وسوسوں سے دھڑک رہا تھا۔ مجھے وہ لمحات یاد رہے تھے سوچ رہا تھا کہ جس ماموں کی آغوش میں بیٹھ کر میں نے دنیا دیکھی۔ جس کے کندھوں پر چڑھ کر اسے موت کے گھاٹ اتار سکوں گا۔ کیا میں یہ کام کر سکوں گا۔ بہت سے احساسات دل و دماغ کا کر رہے تھے۔ بہن کا خیال آتا جسے ماموں ذلیل نور باغ شاہ کے حوالے کرنے والا تھا۔ حوالے کیا کہ تھا بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ میری بہن کو برکانے میں اس شخص کا ہاتھ تھا۔ نہ جانے اس کیا کیا سبز باغ دکھائے تھے، وڈیرے کی حویلی تک پہنچانے کے لئے۔ معصوم لڑکی بیک گئی اور اس اس شخص نے راستہ صاف کرنے کے لئے میرے ماں باپ یعنی اپنی بہن اور بہنوئی، اپنی بھانجی اور

کے ماں باپ کو قتل کر دیا کیونکہ وہ میرا ہر طرح سے سامرا بننے تھے لیکن میرے ماموں نے اپنی اپنی انا خود داری کی سب بڑی حویلی کے سپرد کر دی تھی۔ وہ اپنے ہی خاندان کو برباد کر رہا تھا۔ وہ بہت غیرت انسان تھا۔ اس کا قتل ثواب ہے۔ بہر حال میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے اس کے کا بھی پتا تھا۔ بہر حال میں سارے کام اپنے ذہن میں رکھتا تھا دلیر خان میرے ساتھ ہر طرح سے تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ایک بات بتاؤں سائیں۔ میں تمہارا دوست ہوں دشمن نہیں۔ جو کہوں گا جو کروں گا، وہ تمہاری کے لئے کروں گا۔ اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ سائیں غلام بخش ایک مخلص آدمی ہے۔ بغرض اور ایک بے لوث، ہر کسی کی مشکل میں کام آتا ہے لیکن تم خود سوچو کہ جب ایک آدمی کسی بڑا اٹھالیتا ہے اور دوسرے کے لئے اپنے آپ کو جوہم میں ڈالتا ہے تو وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ دوسرا کے احکامات کا پورا پورا خیال رکھے۔“

”ہاں بالکل۔“

”تم اپنے ماموں کو قتل کر سکو گے؟“

”ہاں۔ اب اسے قتل کرنا میرا فرض ہی نہیں، میرا ایمان بھی ہے۔“

”تو پھر میرے ذہن میں ایک خیال آتا ہے۔“

”کیا.....؟“

”ہم کیوں نہ حویلی میں داخل ہو کر اپنے شکار کو ٹھکانے لگائیں۔ یہ کام پہلے سے زیادہ دشوار ہے اور ل اپنی جان ہتھیلی پر رکھنا پڑے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حویلی میں ہمارا یہ آخری قدم ہو۔ ایسا ہو گا تو حویلی میں داخل ہو کر پورے اعتماد کے ساتھ نبی بخش کو ٹھکانے لگائیں گے۔“

”مجھے اندازہ ہے لیکن اگر تم چاہو تو میں پہلے اپنے گھر جا کر، میرا مطلب ہے نبی بخش کے گھر جا کر خفیہ حالت کا جائزہ لوں، اس کے بعد ہم دونوں حویلی کا رخ کریں۔“

”میں تمہاری اس بات سے اتفاق کرتا ہوں۔“ دلیر خان نے جواب دیا۔ ہم انتظار کرتے رہے۔ نماز کے کوئی ایک گھنٹے کے بعد میں باہر نکلا، باہر گہری تاریکی بکھری ہوئی تھی۔ فضا میں ایک بولناک سناٹا تھا۔ ماموں نبی بخش کا گھر گوٹھ کے مکانوں سے ذرا ہٹ کر تھا۔ لگتا تھا یہ گوٹھ کے بجائے جنگل کے بنایا گیا ہے۔ ہمیشہ کی طرح وہ اندھیرے میں چمک رہا تھا۔ اس گھر سے میری بہت سی یادیں وابستہ تھیں کیونکہ میں اس گھر میں جب میری ماں اور میں آیا کرتے تھے تو ہمارے دل روشنی سے منور ہوا کرتے کیونکہ ماموں نبی بخش کے گھر میں میری نانی بھی ہوا کرتی تھیں جو محبت کا دینار تھیں۔ اتنا پیار کرتی لوگوں سے جب بھی ہم لوگوں کے آنے کا وقت ہوتا تھا تو وہ دروازے کے باہر چارپائی ڈالے بیٹھی ہوتی لیکن آج وہ اس دنیا میں نہیں تھیں اور ان کے بیٹے نے اپنی ماں جانی ہی کو موت کے گھاٹ اتار سب کچھ برباد کر کے رکھ دیا تھا۔

پانی یادیں اور انتقام کے طے جلے جذبات نے اس وقت میرے سینے کو تندور بنا رکھا تھا لیکن بہر حال

میں محتاط بھی تھا اور خونی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا، پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ میں سائیں نور باغ شاہ اور اس کا باپ علی شاہ معمولی لوگ نہیں ہیں۔ انہوں نے ہر جگہ چوکس رہے ہوگا۔ انہیں میری طرف سے یقیناً جوانی کا ردوائی کی توقع ہوگی کیونکہ انہوں نے شیر زخمی کر کے تھا۔ میری بہن اور میری منگیتراں کے قبضے میں تھی۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ میرے قہقہے چہرے پر مار رہے تھے۔ اس وقت میں نے شکاریوں جیسے لوگ بوٹ پہن رکھے تھے۔ خزاں کے احتجاج کے باوجود میں آگے بڑھتا رہا اس علاقے سے میری ملی جلی یادیں پروان چڑھتی رہیں خاموشی کے پیرے تھے۔ ہر طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ میں ماموں نبی بخش کے گھر کے نزدیک تھا۔ اس گھر کی ایک ایک چیز سے مجھے واقفیت حاصل تھی۔ آگن میں ایستادہ شیشم کا بلند دیالہ جیسے پورے گھر کی حفاظت کا فرض سرانجام دے رہا تھا اور آنے جانے والوں پر نگاہ رکھے ہوئے کے قریب ہوا تو اچانک مجھے احساس ہوا جیسے گھر میں تیز روشنی ہو رہی ہے اور گھر کے کئیں جاگ شیشم کی شاخیں روشنی سے منور تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میری چھ ساتھ دے رہی تھی۔ میں آگے بڑھنے سے پہلے خاصی دیر تک سوچتا رہا اور پھر چار دیواری کے ایک پہنچ گیا جہاں شیشم کے درخت کا موٹا سایہ دیوار پر پڑ رہا تھا۔

گرد و نواح میں کوئی انسان نظر نہیں آرہا تھا۔ میں پھرتی سے آگے بڑھا اور دیوار کے ساتھ اب میں بھی اس سائے کے حصار میں تھا۔ چار دیواری قد آدم تھی اور میں اپنی طویل قامتی ایزدوں کے بل صحن میں جھانک سکتا تھا لیکن اندر کا منظر میری تمام تر توقعات کے برعکس تھا۔ تھا اور کئی نوجوان لڑکیاں یہاں موجود تھیں۔ ان میں مسرت بھری آوازیں اور قہقہے ابل رہے تھے اندرونی کمرے میں جس کا کچھ حصہ اس وقت میری نگاہوں کے سامنے تھا دو تین گیس کی لائٹیں تھیں جن کی تیز روشنی میں پورا گھر جگمگا رہا تھا۔ میں دم ساڑھے جائزہ لیتا رہا۔ دو ایک بار میری آنی اور کوئی چیز اٹھا کر اندر واپس چلی گئی۔ وہ سب کے سب خوش نظر آرہے تھے۔ میرا کلیجہ کہ اس گھر سے کبھی میرا گھر رشتہ تھا لیکن اس وقت کیا کوئی اس گھر سے رشتہ ہے میرا؟ اس سوال کی طرح میرے ذہن پر ڈنک مارا۔ یہ کیسا جشن منایا جا رہا ہے؟ آخر یہ کیسا جشن ہے؟ یہاں وہ ہیں جنہوں نے میرے ماں باپ کو زندگی سے دور کر دیا۔ وہ لوگ رہتے ہیں جنہوں نے مجھے درہ بدر کر دیا۔ وہ لوگ رہتے ہیں جنہوں نے میری زندگی کو اغوا کر لیا اور خود اپنی جان بچانے کے لئے گئے جو انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ میں اس وقت جس کیفیت میں مبتلا تھا اسے بیان نہیں کر سکتا، بی بی سائیں! خاصی دیر تک میں ساکت کھڑا اس گھر کا جائزہ لیتا رہا جس سے رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں کچھ کے لگا رہی تھی کہ یہ جشن بے مقصد نہیں۔ ہو بہن یہیں موجود ہو۔ یہ لوگ میری بہن کو سائیں نور باغ کے حوالے کرنے کے لئے تیار رہے لیکن اندر مجھے ماموں نبی بخش کی کوئی جھلک نظر نہیں آئی۔ شاید وہ بڑی حویلی میں گیا ہوا کھولنے لگا۔ میں نے اپنی آستین ٹوٹی، خنجر میرے پاس موجود تھا۔ مجھے اپنے قدموں پر سابقہ

نہ کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔ میں نے بمشکل تمام اپنے آپ کو اس عمل سے باز رکھا کہ دیوار پھلانگ کر اندر باؤں۔ بہن کو تلاش کروں اور اس کی شر رگ کاٹ دوں۔ میری بہن جو بڑی حویلی کے خواب دیکھ رہی تھی اور سائیں نور باغ کے خواب سے پاگل ہوئی جارہی تھی۔ آن کی آن میں میرے تصور میں اس کے منی کا رویہ گھوم گیا۔ سچ سچ وہ اس کام کے لئے خود تیار تھی۔ بلکہ اس میں بھی کچھ شبہ نہیں رہا تھا کہ سکتا ہے کہ وہ ہی زینو کی بربادی کا سبب بنی ہو۔ ان خیالات نے میرے دل و دماغ کی دنیا برباد کر دی تھی نہیں کہا جاسکتا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہوگا۔

دلیر خان نے مجھے سختی سے ہدایت کی تھی کہ میں اس کی مرضی کے خلاف ایک قدم نہ اٹھاؤں لیکن میرے ذہن میں ایک ہی آواز بلند ہو رہی تھی کہ مجھے اندر چلے جانا چاہئے۔ اپنی حفاظت کے لئے میرے ہاتھ شک ضروری ہتھیار موجود تھے اور میں کسی بھی مشکل کا مقابلہ آسانی سے کر سکتا تھا۔ میرے جنون انداز بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر کار میں نے اپنی آستین سے خنجر نکال کر دانتوں میں دبایا اور دونوں ہاتھ دیوار پر کھ دیئے۔ قہقہے اس کے کہ میں اچانک کر دیوار پھلانگتا، مجھے اپنے عقب سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دے۔ میں نے پھرتی سے اپنے ہاتھ نیچے کئے۔ خنجر دائیں ہاتھ میں پکڑا اور دیوار کے ساتھ چپک گیا۔ وہ تین گھوڑے سوار تھے۔ مجھے اندھیرے میں ان کے نقوش نظر آرہے تھے۔ وہ کچھ لمبے وہاں رکے اس کے بعد انہوں نے اپنے گھوڑوں کے رخ بدل دیئے۔ شاید وہ کسی اور کی آمد کے منتظر تھے۔

نہ جانے کیوں مجھے احساس ہوا کہ چند ہی لمحوں کے بعد یہ سوار میرے قریب آجائیں گے اور میرے لئے بچنا مشکل ہو جائے گا۔ اس سے پہلے کہ میں یہاں پھنس جاؤں، مجھے کوئی قدم اٹھالینا تھا۔ چنانچہ میں رتی سے درخت پر چڑھنے لگا۔ پہلے دیوار پر پہنچا اور پھر درخت پر جا بیٹھا۔ زیادہ اوپر جانا مناسب نہیں تھا ورنہ مجھے اس بات کا علم تھا کہ یہاں جگہ جگہ چڑیوں کے گھونسلے تھے اور یقینی طور پر اگر میں کسی گھونسلے، قریب پہنچ جاتا تو وہ شور مچا چکا میری موجودگی کا راز فاش کر دیتیں۔ بہرحال میں تھوڑا سا اوپر جانے کے رک گیا۔

وہ گھوڑے سوار پر ایک بار پھر اس طرف آرہے تھے۔ ان کے عقب میں ایک کبھی بھی آ رہی تھی اس کے دونوں طرف بتیاں روشن تھیں اور مجھے ایک لمبے کے اندر اندازہ ہو گیا تھا کہ کبھی جس انداز میں ہوئی ہے اس کا اندر کی ہنگامہ آرائی سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے ہو سکتا ہے وہ لوگ فریدہ کو حویلی جانے کے لئے آرہے ہوں۔

گھوڑے سوار گھر کے بیرونی دروازے کے پاس آکر رک گئے۔ کبھی بھی قریب آگئی تھی اور پھر اس دشمن عورتیں نیچے اتریں۔ ان میں سے ایک کو میں پہچان گیا تھا۔ یہ بڑی حویلی کی ملازمہ تھی۔ گھوڑے ”باہر ہی کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ عورتیں اندر چلی گئیں۔

میرے پاس دقت بہت کم تھا جو کچھ کرنا تھا، فوری طور پر کرنا تھا۔ دلیر خان کو واپس جا کر اس صورت ل سے آگاہ کرنا تو دیر ہو جاتی۔ ہمارے واپس آنے تک فریدہ حویلی میں پہنچ جاتی اور میں اسے کسی طرح مار تھیں بننے سے نہ روک پاتا۔ چپ چاپ تماشا دیکھتا بھی میرے بس کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے

اس کے ناپاک خون کے فوارے فضا میں بلند ہو گئے۔
مجھے ایسا لگا جیسے میں کسی گنا زیادہ طاقت ور ہو گیا ہوں۔ میں نے خود کو کسی دیو کی طرح خیال کیا اور
نختر کے پے در پے واروں سے اس ذلیل انسان کو جہنم رسید کر دیا اور پھر کسی کتے کی طرح اس کے بے جان
دہود کو زمیں پر پھینک دیا۔

اس وقت میری آنکھوں اور ذہن پر نفرت نے اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھے۔ میری عقل اور سوچنے
بجھنے کی صلاحیت سلب ہو چکی تھی۔ میں اندھی طاقت اور وحشت سے مغلوب تھا۔ میرے ہاتھ اور کپڑے
غون میں تر تھے۔ میں صحن سے گزر کر گھر کے بڑے کمرے میں داخل ہو گیا۔ میرے اندر قدم رکھتے ہی پہلے
ذناٹا چھا گیا پھر گھر نسوانی چیخوں سے گونج اٹھا۔ ایک ہی نگاہ میں، میں نے دیکھ لیا کہ فریدہ پانچ چھ لڑکیوں
بہ گھری بیٹھی ہے۔ اس کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی لیکن مجھے دیکھ کر اس کا رنگ اڑ گیا۔
میری ممانی بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا اور دوسرے لمحے اس نے پیچھے رخ کر کے آواز
دی۔

”دیکھو، دیکھو۔ دیکھو ذرا اوھر دیکھو جلدی آؤ۔ جلدی آؤ۔“ اندرونی کمرے سے ماموں نبی بخش باہر
نکل آیا۔ اس نے مجھے دیکھا، میرے طے پر غور کیا لیکن خوفزدہ ہونے کے بجائے اس کی تیوریاں چڑھ گئیں
اور اس خونخوار لمبے میں کہا۔

”تو..... تو یہاں کیوں آیا ہے اور یہ خون..... یہ خون کس کا ہے؟“ میں نے اس کی بات کا
کوئی جواب نہیں دیا تو وہ گویا ہوا۔ ”جو کچھ تو کرتا پھر رہا ہے ناں، اگر تو اسے اچھا سمجھتا ہے تو یہ تیری بے
دقوتی ہے۔ تو نہیں جانتا کہ تیرے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ سائیں نور باغ صرف اس لئے خاموش
ہیں کہ میں نے ان سے ہاتھ جوڑ کر کہا تھا کہ اس پاگل کی اولاد کو رہنے دو۔“

”نبی بخش، تو نے میرے ماں باپ کو قتل کیا ہے۔ زیو..... میری زیو کو تو نے اغوا کر لیا ہے۔ کیا
سمجھتا ہے تو اس کے بعد تو زندہ رہے گا؟“

”اے جا..... تو میرا کیا بگاڑے گا تو۔ تو تصور بھی نہیں کر سکتا کہ تیرے ساتھ کیا ہو گا۔“
”اما ہے تو میرا۔ فریدہ کا بھی اما ہے تو لیکن کیا تجھے اس بات کا احساس ہے کہ تو نے بھانجی کی عزت کا
سوا کیا ہے۔ تو نے غیرت اور آبرو گردی رکھ دی ہے۔ سارے رشتے تیرے سامنے ختم ہو گئے ہیں۔ خدا
تجھے عارت کرے۔“ یہ کہہ کر میں پھرتی سے آگے بڑھا اور میں نے خنجر کے ماموں پر پے در پے وار کئے۔
وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس میں اس کے ساتھ یہ سلوک کر ڈالوں گا۔

سارا گھر چیخوں سے گونج رہا تھا۔ میں نے سر جھٹک کر فریدہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر مردنی
چٹائی تھی۔ میں اس کی طرف بڑھا تو وہ تیزی سے پیچھے ہٹتی اور کمرے میں چلی گئی لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا
کہ دروازہ بند کر لے گی یا کچھ اور کر ڈالے گی۔

کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ ہاتھ میں تیر لے ہوئے باہر نکلی اور کسی شیرنی کی طرح مجھ پر چبھتی۔ اس کا
تیر میرے بدن کی جانب لپکا۔ میں نے خود کو اس کے وار سے بچایا اور پھر تیزی سے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال

ایک بار پھر خنجر اپنے دانتوں میں دبایا اور نہایت احتیاط کے ساتھ درخت سے نیچے اترنے لگا
دروازے پر گھوڑے سواروں میں سے ایک نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو مجھے رکنا پڑا۔ مجھے ان کے
دھندلے نقش نظر آرہے تھے۔ چنانچہ میں کسی چھپکلی کی طرح درخت سے اتر کر دیوار سے چپکنا ہوا۔
اور آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے لگا۔

میں آگے بڑھا تو ان کے ہولے گھوڑوں کی اوٹ میں ہو گئے۔ یہ میرے لئے اور بھی اچھا
نے ذرا سائیں جانب جھک کر دیکھا۔ ان میں سے دو آدمی بے پروائی سے کھڑے ہوئے تھے اور ایک
ریخ میں تھا۔ وہ پوری طرح مسلح تھے۔ اگر ذرا بھی گزبڑ ہو جاتی تو گھر کے اندر بھی الجھل مچ جاتی۔
میں دیوار کے ساتھ چپک کر اپنے اگلے قدم کے بارے میں سوچنے لگا۔ ابھی میں کوئی فیصلہ نہ
تھا کہ وہ آدمی میری جانب بڑھا جس نے گھوڑے کے ساتھ نیک لگا رکھی تھی۔ میرا سانس رک گیا
اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

جیسے ہی وہ میرے قریب پہنچا اور مجھے یہ احساس ہوا کہ اب اس نے مجھے دیکھ لیا ہے تو میر
کسی عقاب کی طرح جھپٹ پڑا۔ میں نے اپنا بھاری پنجہ اس کے منہ پر جما کر سیدھے ہاتھ سے خنجر
سینے میں اتار دیا۔ وہ تڑپا، مچلا اور اس کے حلق کی غرغراہٹ نے باہر نکلتا چاہا لیکن اس وقت یہی میری
کا ذریعہ تھا کہ اس کے حلق سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکلنے پائے۔ میری گرفت آہنی شکنجے کی مانند
نے خنجر اس کے جسم سے کھینچ کر دوسرا وار کیا۔ یہ وار پہلے سے بھی زیادہ کاری تھا اور اس کا نشانہ
مقام تھا۔ چنانچہ وہ ساکت ہو گیا۔ اب میں دوسرے آدمی کی طرف بڑھا جسے ابھی تک اپنے ساتھی کی
علم نہیں ہوا تھا۔ اس نے اجرک اپنے گلے میں لپیٹ رکھی تھی۔ میرے ہاتھ خون میں لت پت تھے
پر بھی چھیننے پڑ گئے تھے۔ جب میں گھوڑے کے قریب گیا تو کسی اجنبی کی موجودگی کے احساس نے
بدکنے لگا اور اس کے بدکنے پر وہ آدمی چونکا اور بولا۔

”کیا ہوا کیا بات ہے؟“ اپنے گھوڑے کی باگ ابھی تک اس نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی تھم
نے گردن گھما کر گھوڑے کو دیکھا اور اپنی لمحہ میرے لئے کار آمد تھا۔ میں نے اس پر چھلانگ لگائی
اپنے ساتھ لیتا ہوا نیچے گر گیا۔ وہ منہ کے بل گرا تھا اور چادر اس کی آنکھوں کے اوپر آگئی تھی۔ میں
کی گردن پر گھٹنا جمایا، اس کی کنپٹی پر پتیلی کی زوردار ترچھی ضرب لگائی۔ میری دو ضربوں نے اسے
سے بے گانہ کر دیا تھا۔ اگرچہ یہ دھینکا مشتی لمحوں کا کھیل ثابت ہوئی تھی تاہم گھوڑے خطرے کی
تھے۔ میں دوڑ کر دروازے کے ساتھ جا لگا کیونکہ مجھے یہ خطرہ تھا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔
میں نے تیرے آدمی کو بھی سنبھالا اور اس کے بعد میں دروازے سے چپک گیا۔

گھوڑوں کے ہنسنے کی آوازیں مسلسل آرہی تھیں، تب ایک آدمی دروازہ کھول کر باہر
نے اسے پہچان لیا۔ اس میں اور شیطان میں کوئی فرق نہیں تھا۔ یہ سائیں نور باغ کے لئے دلالی کا
تھا اور نہ جانے کتنی معصوم جوانیوں کو اس نے نور باغ کی ہوس کی بیھٹ چڑھا دیا تھا۔ میں بھولا نہیں
ایک بار اس نے فریدہ کو ایسے دیکھا تھا جیسے تھائی بکری کو دیکھتا ہے۔ میرا پناہ خنجر اس کی جانب

دیا۔ میں نے تبر چھین کر پھینکا اور اسے گھینٹا ہوا باہر لے آیا۔ عقب سے مسلسل چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ باہر گھوڑے موجود تھے۔ میں نے ایک گھوڑے کی لگام کھینچی اور اچھل کر اس پر سوار ہو گیا۔ فریدہ کلائی میں نے مضبوطی سے پکڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے اسے بھی اٹھا کر گھوڑے پر بٹھایا اور اس کے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ فریدہ چیخ رہی تھی اور میری چھاتی پیٹ رہی تھی۔ میں تیزی سے گھوڑے کو دوڑا لگا۔ لوگ گھروں کے دروازے کھول کھول کر باہر آرہے تھے۔ مگر اس سے قبل کہ کوئی میرے غلام کارروائی کرتا، میں فریدہ کو لے کر وہاں سے دور نکل آیا اور اس کے بعد میں سیدھا دلیر خان تک پہنچا۔ دلیر خان میرے ساتھ فریدہ کو دیکھ کر پہلے تو یہ سمجھا کہ میں زینو کو بازیاب کر لایا ہوں لیکن میں نے اس بارے میں اسے تفصیل بتائی۔ فریدہ اب پتھر اگنی تھی۔ دلیر خان نے کہا۔

”ہمیں راتوں رات اپنے علاقے میں پہنچ جانا چاہئے کیونکہ بہت جلد سائیں نور باغ کو اس بات اطلاع ہو جائے گی اور اس کے شکاری کتے ہمارے پیچھے لگ جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے چلو۔“ میں نے کہا۔ فریدہ کو بدستور میں نے اپنے گھوڑے پر بٹھائے رکھا۔ دلیر خان نے بھی اپنا گھوڑا ساتھ لے لیا تھا۔ بہر حال یہ رات بڑی وحشت کی رات تھی۔ میں کئی انسانوں کا خون کر کے تھا لیکن اب مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ بہر حال غیرت کا تقاضا تھا کہ میں اپنی بہن کو نور باغ کی رکھیل سے بچاؤں۔ کسی نہ کسی طرح یہ سارا سفر طے ہو گیا اور آخر کار ہم حفاظت کے ساتھ اپنی علاقے میں پہنچ گئے۔ یہاں سائیں غلام بخش نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ میرے ساتھ فریدہ کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ ادھر دلیر خان نے اسے سارے حالات سے آگاہ کیا تو سائیں غلام بخش نے کہا۔

”شاباش! تو نے ثابت کر دیا ہے کہ تو مرد ہے، دلیر ہے، ایک پُل صراط عبور کیا ہے تو نے لیکن ضروری تھا۔ مردوں والا کام کیا ہے۔ اب عورتوں کی طرح سر پکڑ کر نہ بیٹھ جانا۔“

”تم لوگ..... لعنت ہے تمہاری مردانگی پر۔ تم لوگ تو عورتوں سے بھی بدتر ہو۔ جنگل میں چھپے ہوئے ہو اور رات کے ٹائم باہر نکلتے ہو۔ عورتیں تو پھر بھی دن کی روشنی میں آتی ہیں۔ اور تو کہنے کو تو میری بھائی ہے لیکن میں ایسے بھائی پر ایک ہزار بار لعنت بھیجتی ہوں۔ اگر تو مرد ہے تو پہلے زینو کو بڑے سائیں کے پلنگ سے اتار کر لا پھر میں جانوں کہ تو.....“ ابھی اس نے اتنے ہی الفاظ کہے تھے کہ میں نے آگے بڑھ کر ایک زور دار تھپڑ فریدہ کے منہ پر دے مارا۔ دلیر خان نے مجھے عقب سے پکڑ کر اس سے دور کیا اور اسی وقت غلام بخش نے کہا۔

”دلیر خان فریدہ کو اندر زنان خانے میں پہنچاؤ۔ کواری کو بلاؤ۔“ کواری ایک بھاری بھر کم عورت تھی اور بہت ہی خطرناک نظر آتی تھی۔ غلام بخش نے اس سے کہا۔

”کواری۔ یہ لڑکی ویسے تو بہت عزیز ہے ہمیں۔ اس لئے کہ ہمارے دوست کی بہن ہے لیکن ذرا سرکش ہے اسے سنبھال کر رکھو۔“

”ٹھیک ہے۔ آپ فکر نہ کریں سائیں!“ پھر وہ فریدہ کو لے کر اندر چلی گئی تو غلام بخش نے میرا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

باہر برآمدے میں روشنی پھیلی ہوئی تھی اس لئے دروازے کے سامنے کھڑا ہوا شخص فوراً نظر آگیا۔ یہ شخص واڑا تھا لیکن اسے دیکھ کر میں ایک دم کانپ گئی۔ وہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک بازو بری طرح لٹکا ہوا تھا۔ میں نے بمشکل تمام اپنے حلق سے نکلنے والی آواز روکی اور اسے اندر آنے کے لئے راستہ دے دیا۔ وہ اموشی سے اندر داخل ہو گیا اور جلدی سے بولا۔

”بی بی سائیں! ایسے نہیں! آپ کو جو ضروری چیزیں اٹھانی ہیں اٹھاؤ۔ دیر نہ کرو۔“ میں نے پھٹی پھٹی نگہوں سے اسے دیکھا۔ کیونکہ جاگ رہی تھی اس لئے ذہن بھی قابو میں تھا۔

”مٹھل واڑا! کیا سامان اٹھاؤں یہاں سے؟“

”بی بی سائیں! بس اپنے چند جوڑے کپڑے، باقی اللہ وارث ہے۔“ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”ہاں! ایک بیگ میں اپنے چند جوڑے کپڑے اور ضرورت کی ایک دو چیزیں ٹھونس کر باہر نکل آئی۔ مٹھل واڑا لنگڑا کر چل رہا تھا۔ وہ جس راستے سے آیا تھا وہاں خون کے قطرے زمیں پر پڑے ہوئے تھے۔ باہر اس نے انتظام کر رکھا تھا۔ اس کا گھوڑا کھڑا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ایک اور بھی گھوڑا تھا۔

”بی بی سائیں! ہم آپ کو سہارا نہیں دے سکتے۔ ہمارا ایک بازو کندھے کے پاس سے نوٹ گیا ہے۔ آپ گھوڑے پر سوار ہونے کی کوشش کرو۔“

”فکر مت کرو مٹھل واڑا۔“ میں نے کہا اور اچھل کر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ سلمان کا بیگ میں نے سامنے رکھ لیا تھا۔ مٹھل واڑا نے کہا۔

”ہمارے ساتھ ساتھ آجاؤ۔ گھوڑے کی سواری میں آپ کو دقت تو نہیں ہوگی؟“

”نہیں۔“ میں نے سر دھجے میں کہا۔ نہ جانے کیوں میرا دل ڈوب رہا تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن مٹھل واڑا جس کیفیت میں تھا اس میں اس سے کچھ سوالات بھی نہیں کئے جاسکتے تھے پھر میں نے اس سے کہا۔

”صرف اتنا بتا دو مٹھل واڑا! کہاں جا رہے ہو؟“

”بی بی سائیں! یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک مزار بنا ہوا ہے جو ویران پڑا ہے۔ ہمارے لئے اس وقت وہ پناہ گاہ ثابت ہو سکتا ہے۔ میں وہاں کچھ چیزیں پہنچا کر ادھر آیا ہوں۔ فی الحال ہم ادھر ہی قیام کریں گے۔“

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ طبیعت پر ایک عجیب سا بوجھ سوار ہو گیا تھا۔ کیا ہے یہ سب کچھ۔ کیا زندگی ہے۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ کیا ایسے ہی زندگی جیانی پڑے گی۔ کیا اتنی ہی بزدل ہوں میں کچھ نہیں کر سکتی اپنے دشمنوں کے خلاف ایسا ہونا تو نہیں چاہئے۔ بہر حال ساری سوچیں اپنی جگہ لیکن اس وقت مٹھل واڑا کے لئے پریشان تھی جو نہ جانے کن حالات کا شکار ہوا تھا۔ مگر میں اس وقت تمام سوچیں بالائے طاقت رکھتے ہوئے مٹھل واڑا کے ساتھ گھوڑا دوڑاتی رہی۔ بہت ہی مخدوش اور ناہموار راستوں سے گزرنے کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں مدھم مدھم روشنی ٹٹم رہی تھی۔ یہی وہ مزار تھا۔ پتھروں کو چن کر ایک دیوانہ سی عمارت جیسی چیز بنا دی گئی تھی۔ یہ کمرہ نما جگہ تھی جس کا ایک طرف کا حصہ خالی تھا اور اس سے

فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا مگر اب یہ طے کرو کہ آگے کیا کرنا ہے۔“

”میں کیا فیصلہ کر سکتا ہوں سائیں!“

”نہیں۔ اگر تم اپنے ماموں کے قتل میں الجھے ہوئے ہو تو اس قدر الجھنے کی ضرورت نہیں۔ اسے نہ مارتے تو وہ تمہیں مار دیتا۔ بہر حال اس کے بعد اس لڑکی نے جو چیلنج تمہیں دیا ہے تم اسے کرو۔ یعنی زخموں کو بڑے سائیں کے چنگل سے نکالنے کا کام کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ بہر حال آرام کرو۔ تمہاری بہن راستہ ضرور بھٹک گئی ہے لیکن میرے لئے بھی وہ بہن کی مانند ہے۔ اس کی سے تم بالکل فکر مت کرنا۔ اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی یہاں پر۔“ دلیر خان مجھے ساتھ لے کر ایک کمرہ تک لے آیا۔ حالانکہ صبح ہونے والی تھی لیکن میرا سارا وجود اس قدر تھکا ہوا تھا کہ میں پلنگ پر لیٹ گیا اس سے پہلے کہ میری سوچیں میری نیند اڑا دیں۔ نیند کو فتح حاصل ہو گئی اور میں گہری نیند سو گیا اور دوسرے روز دوپہر تک میں سوچتا رہا تھا۔ جب دوپہر کو آنکھ کھلی تو سورج ڈھل رہا تھا اور اندر کی جانب کا سلوانا پن اتر رہا تھا۔ میں دیر تک چارپائی پر لیٹا پھٹ کو تکتا رہا۔ کیا زندگی ہو گئی تھی میری۔ بی بی سائیں! آپ شاید یقین نہ کریں کہ میں نے اس دوران کئی بار مرنے کے بارے میں سوچا تھا۔ ایسے جھینے سے ہزار درجے بہتر ہے۔ یہ کہہ کر مٹھل واڑا ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں خلاؤں میں جانے کیا تلاش کر رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ایک سرد آہ بھر کر بولا۔

”بہت ٹائم ہو گیا ادی! آپ آرام کرو۔“

”یہ تمہاری مرضی ہے مٹھل واڑا! ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہاری اس داستان نے اپنے بحر میں گرفتار کر لیا ہے اور میں چاہتی تھی کہ پوری کمائی ہی سن لوں۔ لیکن بہر حال اگر تم یہ کرتے ہو تو پھر کمائی کی دوسری قسط بعد میں۔“

مٹھل واڑا مجھے سلام کر کے چلا گیا۔ بڑی پراسرار شخصیت تھی اس کی اور بڑا عجیب انسان تھا۔ سوچا پیدا ہوا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کب تک یہاں ایک قیدی کی حیثیت سے چھپی رہوں۔ کارکر بالکل صفر ہو کر رہ گئی تھی لیکن سلطان شاہ نے بڑے اعتماد کے ساتھ مجھے یہاں بھیجا تھا۔ چلو جتنا وقت جاتا ہے گزار لو اس کے بعد جیسے ہی سائیں غلام بخش کو فرصت ملی اس سے بات کروں گی اور اسے بتا دیں گی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ پولیس کی جو دھاڑ یہاں پڑ چکی تھی اس نے تھوڑا سا الجھایا ضرور تھا کیونکہ یہ میں نہیں آ رہا تھا کہ پولیس یہاں تک کیسے پہنچ گئی۔ بہر حال نہ جانے کس وقت میں نیند کی آغوش میں گئی۔

اگلے دور روز تک مٹھل واڑا مجھے نظر نہیں آیا۔ میں انتظار کرتی رہی۔ تیسرا دن گزر گیا۔ رات گئی اور میں ذرا سی بے چینی محسوس کرنے لگی۔ بات تو کوئی خاص نہیں تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ مٹھل واڑا کہاں چلا گیا ہے لیکن پھر رات کے تقریباً ڈیڑھ بجے کا وقت ہو گا۔ اتفاق تھا کہ آنکھ کھلی ہوئی تھی میرے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں ایک دم اچھل کر بیٹھ گئی۔ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ بہر حال اپنی جگہ سے اٹھی دروازے پر پہنچی اور دروازہ کھول دیا۔

اندر داخل ہوا جا سکتا تھا اور ایک پتھر پرانا جھنڈا لگا ہوا تھا۔ سامنے کے حصے میں جھاڑیوں کی ایک ہوئی تھی جس کے پیچھے ایک چھوٹا سا احاطہ تھا۔ غالباً یہ چراغ مٹھل واڑا نے جلایا تھا۔
 یہاں پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر گیا۔ میں بھی نیچے اتر آئی۔ مٹھل واڑا نے گھوڑے ایک جھاڑی باندھے اور پھر میرے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ اندر خاصی وسیع جگہ تھی اور ایک عجیب سی ٹھنڈک ہوئی تھی۔ یہاں زمیں پر کوئی چیز چھپی ہوئی تھی۔ بس درمیان میں ایک قبر نظر آئی تھی جو کبھی کسی کی لاش تھی۔ اس پر مٹی کی ٹانکوں سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے جو اب ٹوٹ بھوٹ کر برباد ہو چکے۔ اس کے اطراف میں کافی جگہ کشادہ تھی۔ چھوٹے چھوٹے سوراخ دیوار میں بنے ہوئے تھے جو دیوار جانے کی وجہ سے نہیں ہوئے تھے بلکہ ایسا لگتا تھا کہ یہ سوراخ خاص طور سے چھوڑے گئے ہیں۔ میں مٹھل واڑا سے کہا۔

”یہ چراغ یہاں اس ویرانے میں کس نے روشن کیا؟“

”میں آپ کو بتا چکا ہوں بی بی سائیں! یہاں میں کچھ انتظام کر کے گیا تھا۔ کھانے پینے کی کچھ چیزیں ساتھ ہی پانی بھی ہے۔ تین چار دن تک چل جائے گا۔ اگر تقدیر نے ہمیں موقع دیا تو ہم یہاں تھوڑا سا گزار سکیں گے۔“

”مٹھل واڑا! یقیناً تم نے کچھ کیا ہوگا، میرا مطلب ہے میرے لئے۔“ اسی وقت مٹھل واڑا جلدی سے ہاتھ بڑھا کر چراغ گل کر دیا۔ میں ششدر رہ گئی۔ نہ جانے مٹھل واڑا نے یہ عمل کیوں کیا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد میرے حساس کانوں نے بھی گاڑیوں کے انجنوں کی آواز سنی۔ مٹھل واڑا سرگوشی کے انداز میں کہا۔

”ذرا باہر جھانک بی بی سائیں۔“ میں نے وہیں کھڑے ہو کر ایک سوراخ سے باہر جھانک۔ فاصلہ کا اور نشیب میں تھا لیکن میں نے صاف دیکھ لیا تھا پولیس کی دو گاڑیاں جو ایک کچی پگڈنڈی پر اسی سمت رہی تھیں جدھر سے ہمیں دونوں یہاں تک آئے تھے۔ مٹھل واڑا بھی دیوار کا سارا لے کر باہر دیکھ تھا۔ پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

”ان لوگوں کو شاید کچھ دیر ہوگئی۔ راستہ تلاش کر رہے ہوں گے۔“

”میری تلاش میں؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں بی بی سائیں! آپ ہی کے لئے جارہے ہیں۔ سائیں غلام بخش کو اتنی دیر باہر نہیں رہنا تھا، جب کہ وہ جانتے تھے حالات بہت مخدوش ہو گئے ہیں۔“

”مجھے کچھ تو بتاؤ مٹھل! تم اچانک ہی کہاں غائب ہو گئے تھے؟“

مٹھل واڑا نے تھوڑی دیر تک باہر نگاہیں جمائے رکھیں پھر اس کے بعد وہ نیچے زمیں پر بیٹھ گیا

بول۔

”بی بی سائیں! سائیں غلام بخش کا پیغام ملا تھا۔ ہمیں انہوں نے فوراً حویلی بلایا تھا اور سائیں کا؛ پانے کے بعد بھلا ہم دیر کیسے لگا سکتے تھے چنانچہ آپ کو اطلاع دیے بغیر چل پڑے۔ مگر حویلی پہنچنے کے

”اصل میں بیگم سائیں کی تشویش بھی اپنی جگہ درست ہے۔ آپ کو معلوم نہیں! یہ وڈیرے قسم کے بی بی سائیں! کبھی ایک عورت پر گزارہ نہیں کرتے۔ یہ نہ جانے کیا کرتے رہتے ہیں۔ بہر حال بات کچھ بھی نہیں تھی۔ یہ بات ہم جانتے ہیں کہ سائیں غلام بخش کس طرح کے انسان ہیں لیکن بیگم سائیں کو اس بات پر یقین نہیں تھا۔ خاص طور سے جب آپ کو وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ پہنچایا گیا تو بیگم سائیں کو پورا پورا یقین ہو گیا کہ سائیں غلام بخش آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، ضرور کوئی اس بات ہے۔ بس یہ بات ان کے ذہن میں جڑ پکڑ گئی۔ پہلے جو پولیس ہمارے پاس پہنچی تھی، وہ بھی بیگم سائیں ہی کی سازش تھی۔ اصل میں بیگم سائیں کو کسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ آپ کی گرفتاری پر پچاس لاکھ روپے کا انعام رکھا گیا ہے۔ بیگم سائیں نے کچھ اس طرح کا جال بٹا کہ وہ لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ پولیس ہی سے ساز باز کی انہوں نے لیکن اس وقت آپ ان کے ہاتھ نہیں آئیں۔ میں بھی وہاں سے ہٹ گیا تو بیگم سائیں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ سائیں غلام بخش نے مجھے آپ کے ساتھ ڈیوٹی پر لگایا ہوا ہے۔ انہوں نے سائیں غلام بخش کے نام پر مجھے وہاں بلایا اور پھر بیگم سائیں کے چار آدمیوں نے مجھ پر شدید تشدد کیا۔ جب میں نے کسی بھی قیمت پر زبان نہیں کھولی تو بیگم سائیں نے حکم دیا کہ مجھے قتل کر دیا جائے اور میری لاش کسی ویرانے میں پھینک دی جائے۔ وہ لوگ مجھے باندھ کر لے چلے مگر غلطی ہوگئی ان سے۔ انہوں نے یہ غور نہیں کیا تھا کہ میں زندہ ہوں۔ زخمی ہونے کے باوجود ان پر قابو پا سکتا ہوں۔ چنانچہ بی بی سائیں! میں نے ان میں سے تین کو ہلاک کر دیا۔ ایک جان بچا کر بھاگ گیا لیکن میں بہت زخمی ہوں۔ جیسے تیسے یہاں تک تو میں آپ کو لے آیا ہوں۔ اب آپ کو اللہ کی حفاظت میں دے رہا ہوں مگر میری حالت اچھی نہیں ہے۔“

”نہیں یہ تو غلط ہے بالکل غلط بات ہے۔ تمہیں زندہ رہنا ہوگا۔ سمجھ رہے نا، تمہیں زندہ رہنا ہوگا“ مٹھل مجھے تہساری شدید ضرورت ہے۔“

”بی بی سائیں! اللہ کی مرضی۔ میری تو کمائی بھی پوری نہیں ہو سکی۔ اب آپ کو کیا بتاؤں، کیا بیت رہی ہے میرے دل پر“ بی بی سائیں! اصل میں گل زادی کو اس کی باپ کی مدد حاصل ہے۔ سائیں غلام تو کچھ بھی نہیں اگر سائیں خیر الہی ان کے خلاف کھڑے ہو جائیں تو غلام بخش کو نقصان اٹھانا پڑے گا یا پھر وہ پانوں میں روپوش ہو جائیں گے۔ باہر کی دنیا میں نہیں رہ سکتے، آپ سمجھ رہی ہوں نا؟“

”ہاں۔“

”بس وہاں سے بھاگتے ہوئے بی بی سائیں، میں آپ کے لئے یہ تھوڑی سی چیزیں لے آیا۔ اس کھنڈر کو میں نے پہلے ہی منتخب کر لیا تھا۔ ابھی ادھر تھوڑا آرام کر لیں۔ میں آپ کو راستہ بتاتا ہوں اور کچھ نام بتاتا ہوں۔ آپ ادھر چلی جانا۔ وہ بھروسے کے لوگ ہیں۔ ادھر رہ کر آپ سائیں غلام بخش کا انتظار کر سکتی ہیں۔ ویسے میں آپ کو بتا دوں کہ سائیں غلام بخش بات کا پکا اور قول کا سچا مرد ہے۔ پچاس لاکھ کیا اگر پچاس کروڑ

کی رقم بھی ہو تو دوستی کے لئے وہ ٹھوکر مار دے گا۔ بہت پیسہ دیکھا ہے اس نے۔ پیسے کی اسے پروا نہ ہے، دوست سے کبھی غداری نہیں کرے گا۔ یہ میں اس کے پیچھے کہہ رہا ہوں۔“

”مٹھل تمہیں زندہ رہنا ہے۔“

”دعا تو میری بھی یہی ہے لیکن جو اندر سے میری حالت ہے، آپ یہ سمجھ لو بی بی سائیں کہ بس آپ کو حفاظت سے نکال لینے کے لئے زندہ تھا۔ یہ ایک راکٹل بھی ہے میرے پاس اور یہ کار توں بھی ہیں آپ اسے سنبھال کر رکھو۔“ اس نے ایک گوشے سے ایک راکٹل نکال کر میرے سامنے رکھ دی کار توں کی بچی بھی۔

میں تشویش آمیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا، جیسے وہ اپنی تمام تر ذہنی قوت جمع کر کے مجھ سے بات چیت کر رہا ہے اور اس کی حالت بہتر نہیں ہے۔ بہر حال میں اس کی تیمارداری مصروف ہو گئی۔ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی میں یہاں اس کے لئے۔ خاصی دیر گزر گئی تو میں نے محسوس کیا وہ سو گیا ہے۔ میں اسے تشویش بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ میں نے چراغ دوبارہ روشن نہیں کیا، چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ خوف ناک اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور میں بری طرح خروس ہو رہی تھی۔ کرنا چاہئے۔ یہ تو بڑی گزربو گئی۔ وہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں بھی نہیں بتا سکا تھا جن کے بارے میں مجھے بتانا چاہتا تھا لیکن اس وقت اسے جگانا بھی مناسب نہیں تھا۔ اس کا تنفس بھی ہلکا ہو رہا تھا۔ پھر نہ چلا کتنی دیر گزر گئی تھی کہ اچانک ہی مجھے ایک بار پھر گاڑیوں کی آواز سنائی دی اور میں چونکی ہو گئی۔ ایک میں نے مٹھل پر ڈالی اور اس کے بعد راکٹل اٹھا کر اس کے چیمبر پیک کئے۔ میں خاموشی سے اس کا کھنڈر سے باہر نکل آئی اور ایک دیوار کی اوٹ سے اطراف کا جائزہ لینے لگی۔ وہی دونوں چیمپیں تھیں جو وہاں ڈھلاؤں پر رک گئی تھیں۔ ایک لمحے کے اندر اندر مجھے احساس ہو گیا کہ وہ اسی طرف آرہے ہیں۔ خطرہ کا احساس ہوتے ہی میری آنکھ میں خون اتر آیا اور پھر اگلے ہی لمحے میری راکٹل نے شعلے اگلا کر مار کر دیئے۔ میرے نشانے کا کمال چیمپیں بلند کرنے لگا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ کھلے نشیب میں جاں ان کے چھپنے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ چار افراد پہلی ہی کوشش میں ہلاک ہو گئے۔ باقیوں کو بھاگ نہیں پڑ رہی تھی۔ وہ وہیں لیٹ گئے۔ میں نے ان کے سروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا اور ان کے سر پر زخمی جسم ڈھلاؤں پر لڑھکنے لگے۔ میرے اپنے اندازے کے مطابق وہ سب ہی ہلاک ہو گئے تھے۔

میری خونخوار نگاہیں چاروں طرف کسی متحرک جسم کو تلاش کرتی رہیں لیکن ہولناک سناٹا، ویرانہ اور خاموشی ایک عجیب سا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ سات آنکھ لاشیں نشیب میں پڑی ہوئی تھیں، ایک دو لڑھک کر نیچے چلی گئی تھیں اگر وہ زندہ ہوتے تو یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرتے لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ سب ہی ہلاک ہو گئے تھے۔ چنانچہ میں واپس آگئی۔ مجھے یقین تھا کہ مٹھل گولیوں کی آواز سن کر جاگ گیا ہوگا اور میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں نے اسے آہستگی سے پکارا مگر جواب نہ سنا۔ خاموشی رہی۔ میں نے سامان میں ٹٹول کر مچس نکال کر چراغ روشن کر دیا۔ راکٹل کا استعمال کرنے کے بعد میرا حوصلہ بے پناہ بڑھ گیا تھا۔ میں مٹھل کے پاس پہنچی اور اچانک ہی میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا۔ مٹھل

رف کی طرح سرد تھا۔ میں اس کو جھنجھوٹنے لگی۔ چراغ بجھا کر میں نے بالکل قریب رکھ دیا لیکن موت ہاضم کے چہرے پر منجمد تھا۔ اب اس میں زندگی باقی نہیں تھی۔ دھت تیرے کی، یہ بھی نہیں پتا چل رہا کہ کیا ہوا۔ ایک ادھوری کمائیاں ذہن میں ہمیشہ تڑپتی رہتی ہیں۔

مٹھل واڑا دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ کچھ لوگ اس طرح بھی کسی کے لئے خاموشی سے جان دے دیتے ہیں۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اب مسئلہ مٹھل کی تدفین کا تھا۔ اس بارے میں مجھے معلوم تھا کہ مرنے کے بعد کیا رسومات ہوتی ہیں؟ کس طرح کفن دیا جاتا ہے؟ کیسے قبر میں اتارا جاتا ہے۔ میں نہیں جانتی تھی۔ ویسے بھی میرے پاس کفن کے نام پر آدھا گز کپڑا بھی نہ تھا۔ چنانچہ میں نے مٹھل کے کوٹھیت کر اس قبر کے برابر سیدھا سیدھا لٹا دیا اور فاتحہ پڑھنے لگی۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد میں نے غل لوز کی اور وہاں سے باہر نکل آئی۔ میرے قدم آہستہ آہستہ نشیب کی طرف جارہے تھے، جہاں وہ ان چیمپیں کھڑی ہوئی تھیں۔ آسمان پر چاند موجود نہیں تھا لیکن تاروں نے تھوڑی بہت کسربوری کر دی تھی۔ ڈھلان پر پولیس والوں کی لاشیں موجود تھیں۔ میں نے پورے اعتماد کے ساتھ ان کی تلاش لی۔ اچھی سی کرنسی مل گئی تھی مجھے۔ اسلحہ بھی بہت زیادہ موجود تھا۔ میں نے تھوڑے سے کار توں اور پولیس والوں کی ایک ایل ایم جی اپنے قبضے میں لی۔ اسلحہ خاند بنا کر میں کیا کرتی۔ میرے سامنے اس وقت کوئی راکٹل نہیں تھی۔ مجھے راتوں رات اتنا فاصلہ طے کر کے یہاں سے نکل جانا تھا کہ کوئی آبادی قریب آجائے، نیچے میں جیب میں جا بیٹھی۔ جیب کے تاروں کے پاس بھی تین لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ وہ تھے جنہیں ہاتھ بعد میں ہلاک کیا تھا اور وہ لڑھکتے ہوئے جیب کے پاس آگئے تھے۔ میں نے کسی کو افسوس بھری باتوں سے نہیں دیکھا۔ میں انہیں نہ مارتی تو یہ مجھے مار دیتے۔ جیب کے اگیشن میں چابی لگی ہوئی تھی نیچے میں نے جیب اشارت کر کے آگے بڑھا دی۔

نہ میرے سامنے کوئی منزل تھی نہ نشان، بس اللہ کا نام لے کر چل پڑی تھی اور یہ بالکل اندازہ نہیں کہ کہاں جا رہی ہوں اور کہاں پہنچوں گی۔ یہ پولیس کی جیب تھی۔ ظاہری بات ہے، تھوڑی بہت دیر کے بعد علم ہو جائے گا کہ کیا واردات ہوئی ہے۔ اب کس کو اپنے انتقام کا نشانہ بنانی۔ گل زادی ایک دیوانگی شمار ہو کر میری دشمن بن گئی تھی۔ مجھے عمل طور پر اس کا اندازہ تھا کہ گل زادی نے پچاس لاکھ روپے لئے، یہ پتھر نہیں چلایا ہوگا بلکہ وہ عورتوں کی فطری رقابت کا شکار تھی اور اس کا یہ سوچنا بھی غلط نہیں تھا۔ کچھ مجھے بتایا گیا تھا، اس کے مطابق ہر عورت اپنے سماگ کی حفاظت کرنے کے لئے مجبور ہوتی ہے۔ گل میں سارا کھیل مردوں ہی کا تھا۔ اب یہ پتا نہیں کہ غلام بخش، کس طرح کا انسان تھا لیکن بہر حال وہ ڈاکو تھا۔ گل زادی کو کم از کم یہ تحفظ تو حاصل تھا کہ اس کے والدین خطرناک لوگ تھے اور غلام بخش ان کا دغا، تاہم یہ میرا مسئلہ نہیں تھا۔ سلطان شاہ نے مجھے غلام بخش کے سپرد کیا تھا۔ سلطان شاہ کے لئے رسول میں بڑے محبت بھرے جذبے تھے میری سوچوں کا پیچھی بھی جیب کے ساتھ دوڑتا رہا۔ یہاں تک کہ دور سے روشنیان نظر آنے لگیں۔ یہ کوئی آبادی تھی۔ میرے لئے اس جیب سے چھٹکارا حاصل کرنا دشمن تھا اور میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اندازہ ہو سکے کسی کو کہ میں کس طرح سے آئی ہوں۔

وقع پاکران کے چنگل سے نکل بھاگی ہوں اور اب مجھے نہیں معلوم کہ میں کون ہوں، کہاں ہوں اور جاؤں گی؟ میری مدد کرو بھائی، میں دو دن سے بھوکے ہوں۔ مجھے اپنے گھر بار کا پتا یاد نہیں ہے۔ بھائی! میری اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ کوئی نہیں ہے میرا اس دنیا میں۔ سب کچھ بھول چکی ہوں میں۔“ نے کچھ اس طرح کی اداکاری کی کہ وہ بے چارہ جلدی سے نیچے اتر آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے سر پر لٹکا اور بولا۔

”نہیں ادی! جس کا کوئی نہیں ہوتا، اس کا اللہ ہوتا ہے۔ تو فکر مت کر۔ بالکل فکر مت کر۔ میں تجھے چلتا ہوں۔ آج بیٹھ جاڑائی میں، تو بالکل فکر مت کر، اتفاق سے میرے پاس اس وقت کھانے کے لئے کچھ ہے۔ پر کوئی بات نہیں، حویلی میں چل کر تو پیٹ بھر لینا۔ میری بہن! نام کیا ہے تیرا؟“

”بھائی مجھے تو اپنا نام بھی یاد نہیں ہے۔ بہت مارا ہے۔“

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اس نے کہا اور مجھے ٹرائی میں بٹھالیا۔ پھر اس ٹریکٹر آگے بڑھا دیا۔

”بہن تیرا نام کیا ہے؟“ کچھ دیر بعد اس نے اچانک پھر سوال کیا۔ ایک لمحے کے لئے میری زبان سے ام نکلنے نکلنے رہ گیا لیکن میں نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔

”میرا نام! یاد نہیں آتا بھائی، بالکل یاد نہیں آتا۔“ میں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا تھا۔

”ارے ہاں۔ تو نے میرے کو بتایا تھا کہ تو سب کچھ بھول چکی ہے۔ مگر کوئی بات نہیں۔ یاد آجائے گا، یاد آجائے گا۔“

”جی چل بھائی۔“ میں نے کہا اور خوش ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔

”میں دیر کرم شاہ کا کارندہ ہوں، اسی کی حویلی میں رہتا ہوں۔ میرے ساتھ میری ماں ہے، بس اور نہیں ہے۔ میری ماں بہت اچھی ہے تو اس کو ملے گی تو بہت خوش ہوگی اور تو فکر مت کرنا۔ ہم تیری ماں سے خاطر مدارات کریں گے جو اللہ نے ہمارے کو دیا ہے۔ اوی اس کے بعد جب تجھے اپنا گھر یاد آئے تو تو میرے کو بول دیتا، میں تیرے کو تیرے گھر پہنچا کر آؤں گا۔“ میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔

”بے چارہ چل میرے لئے اس وقت فرشتہ رحمت ہی تھا لیکن یہاں بھی ایک دیر کا معاملہ تھا۔ احتیاط کرنی ہوگی۔ اب تو میں ایک مستند قاتل بن گئی ہوں۔ کہیں نہ کہیں ٹھکانہ فوری طور پر بنانا ہے۔ اس کے بعد سوچوں گی کہ کیا کرنا ہے۔“

ٹرائلر بستی میں پہنچا اور ایک محل نما حویلی کے دروازے پر رک گیا جہاں دو چوکیدار کھڑے ہوئے۔ انہوں نے گیت کھول دیا اور ٹرائلر اندر داخل ہو گیا۔ ذرا مختلف قسم کا طرز تعمیر تھا، اس محل نما حویلی کے اندرونی حصے میں جا کر دو راستے بن جاتے تھے۔ ایک دائیں طرف جاتا تھا، ایک بائیں طرف۔ دائیں طرف والے راستے سے اندر داخل ہوا تھا، ادھر ملازموں کا ایک پورا شہر آباد تھا۔ چھوٹے سے مکانوں کی قطاریں بالکل اسی طرح بنی ہوئی تھیں جیسے گورنمنٹ اپنے ملازموں کے لئے مکانات بناتی۔ ادھر سے محل یا حویلی کے دوسرے حصے کی جھلک بھی نظر نہیں آتی تھی۔ ایک اونچی دیوار نے غریب

بستی کی آبادی ابھی کافی دور تھی۔ میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں اور پھر مجھے ایک جوہڑ وسیع و عریض جوہڑ تھا۔ میں نے پرنیال انداز میں گردن ہلائی اور جیب کا رخ جوہڑ کی طرف انجن اشارت رہنے دیا اور اس کے بعد ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور اسے ایسی لیس پر رکھ دیا۔ جیہ گیسٹر سے نکال دیا تھا، چنانچہ اب پھرتی سے ایک کام کرنا تھا۔ میں نے کلچ دیا اور جھک کر جیب میں ڈالا اور اس کے بعد اتنا ہی پھرتی سے ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ ایسی لیس پر پتھر رکھا ہوا تھا۔ ہی طاقت ور جیب نے ایک جھٹکے کے ساتھ چھٹا لگائی اور جوہڑ میں جاگری۔ جوہڑ کافی گہرا کے پانی کی تہ میں بیٹنے کا منظر دیکھتی رہی۔ جوہڑ کی سطح پر بیٹھے ہوئے پھروں کا غول فضا میں چاروں طرف منتشر ہو گیا۔ جیب کافی گہرائیوں میں چلی گئی اور اب اس کا نام دشان بھی نہیں مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔ اب اگر کھوجی جیب کا سراغ لگانے کی کوشش بھی کرتے تو گہرائیوں میں جا کر دیکھنا پڑتا تو یہ انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ میں مطمئن انداز میں واپس پلٹ پڑی۔ وہ پگڈنڈی ناراستہ یا کچا راستہ آبادی کی جانب جارہا تھا۔ آبادی کے نشان بہت د آئے تھے، آبادی کے پاس جا کر جیب کو چھوڑنا ایک بے مقصد عمل تھا۔ چنانچہ میں نے ایک اٹھایا تھا۔ پھر میں آہستہ قدموں سے پگڈنڈی کے کنارے کنارے بستی کی جانب چل پڑی اور رہا۔ نہ چلنے نہ کتنا وقت مجھے یہ فیصلہ ملے کرتے ہوئے گزر گیا کہ عقب سے کسی گاڑی کے اڑنے سنائی دی اور میں پھرتی سے ایک پتھر کی اوٹ میں ہو گئی۔ پتھر کی اوٹ سے میں نے پیچھے دیکھا، وہ ٹرائلر تھا جو اسی جانب چلا آ رہا تھا۔ اس پر ایک ہی آدمی بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ شہر جانے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے فوراً ہی ایک کمانی گھڑی اور ٹرائلر کے قریب آنے کا انتظار جیسے ہی تھوڑے فاصلے پر پہنچا، میں پتھر کی اوٹ سے نکل آئی اور میں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر ٹرائلر اشارہ کیا۔ ٹرائلر پر بیٹھا ہوا شخص صورت ہی سے معصوم معلوم ہوتا تھا۔ عمر ستائیس اٹھائیس سال میں اس کے آگے آکر کھڑی ہوئی تو اس نے جلدی سے ٹرائلر روک دیا اور پھنی پھنی آنکھوں سے لگا۔ تب میں آہستہ قدموں سے اس کے پاس پہنچی اور میں نے اس سے کہا۔

”درا! میں ایک مظلوم لڑکی ہوں۔ کیا انسانیت کے رشتے سے میری مدد کرو گے تم؟“ میرے پر وہ چونکا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر بولا۔

”کک..... کیا کیا بات ہے؟“

”بھائی! میں کسی آبادی تک جانا چاہتی ہوں۔ بھائی میں اپنا سب کچھ بھول گئی ہوں۔ بر مجھے کہ کچھ ڈاکوؤں نے مجھے اغوا کیا تھا۔ اغوا کرنے کے بعد وہ مجھے یہاں لے آئے تھے اور پھر ایک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ انہوں نے مجھے کافی مارا پیٹا بھی۔ بس وہ یہ کہہ رہے تھے کہ میں اسے تادان کی رقم دینے کے لئے کہوں۔ میں نے ان کی ہدایت پر اپنے ماں باپ کو خط بھی لکھا میرے ماں باپ غریب لوگ تھے۔ وہ تادان کی رقم دینے کے قابل نہیں تھے، تب انہوں نے انجمن لگائے اور ایک کوٹھی میں بند کر دیا۔ بھائی، میں سب کچھ بھول چکی ہوں۔ بس اتنی کمانی بھی

جیسے ہی تجھے تیرا گھریا دے گا، میں تجھے تیرے گھر پہنچا دوں گی۔ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ لئے موجود ہے۔“

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ درحقیقت انسان کا انسان پر یہی اعتماد تو انسان کو زندہ رکھتا ہے۔ زندہ رہنا کتنا مشکل ہو جائے۔ کوئی مجھ سے پوچھے۔ چھوٹا سا گھر، دو افراد تیری میں۔ میں نے ایک اندر فیصلہ کیا کہ زندگی کو تھوڑا سا میاں ٹھہرا لوں گی۔ اس سے پہلے میں غلام بخش کی مہمان تھی۔ ش بے شک ایک اچھا انسان تھا لیکن میرے لئے وہاں وہ سکون نہیں تھا جو یہاں اس کو ارٹز میں مجھے تھا۔ کیونکہ میں ساوہ لوگوں کی سادگی کے درمیان زندہ تھی۔ پھر پبل کی ماں نے بھی میرے ساتھ رہاں اور مشفق ماں کا یہی برتاؤ کیا تھا۔ میں یہاں بڑی مسرور زندگی گزار رہی تھی۔ کوارٹز کا آخری حصہ سے کھلا ہوا تھا اور وہاں سے حویلی کی ہمار دیکھی جا سکتی تھی۔ بڑے آرام سے میں پبل کی ماں کے ملتی ہوئی وہاں تک نکل جاتی تھی۔ خاص طور سے شام کو تو ہم لوگ اچھی خاصی چہل قدمی کرتے۔ پیچھے سے بھی راستہ تھا۔ میں نے یہاں ایک گھریلو زندگی دیکھی۔ صحیح معنوں میں زندگی تو یہی ہوتی۔ دولت کے کھیل بظاہر اچھے ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ روشنی تو ان کے پیچھے ہی ہوتی ہے۔ لی کی زندگی جہاں فریب نہیں ہوتے۔ میں ماں کے ساتھ مل کر گھر کا کھانا پکاتی تھی۔ گھر کی صفائی کرتی تھی۔ حالانکہ پبل کی ماں مجھے منع کرتی رہتی تھی۔

سات دن ہو گئے تھے مجھے یہاں اور میں اب یہ سوچ رہی تھی کہ مجھے تلاش کرنے والے اب میرے سے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ کس طرح مجھے تلاش کر رہے ہوں۔ کئی پولیس والے بھی میرے ہاتھوں ہو گئے تھے۔ ساری کہانی کھل گئی تھی۔ بے چارہ مٹھل بھی اس خافتہ میں رہ گیا تھا لیکن جب پولیس کی تلاش کی گئی ہوگی تو خافتہ تک تلاش کرنے والوں کی توجہ ضروری گئی ہوگی، اس طرح مٹھل کی بھی بے گور و کفن نہیں رہی ہوگی۔ یقیناً اس کی تدفین کر دی گئی ہوگی۔ جہاں تک غلام بخش کا معاملہ اس کے بارے میں بھی میرے ذہن میں کچھ خیالات تھے۔ پتا نہیں کیا صورت حال رہی ہوگی۔ بہر حال رہی باتیں اپنی جگہ تھیں۔ میں یہاں وقت گزار رہی تھی اور اب میں یہ سوچ رہی تھی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ کوئی نہ کوئی فیصلہ تو کرنا ہوگا۔ پبل کم از کم مجھے شر پہنچانے کے کام تو آ سکتا تھا۔ یہاں رہ کر میں نے بے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لی تھیں۔ دوبارہ غلام بخش کے پاس جانا بے مقصد اور بے کار تھا۔ دڑا سا وقت اس انداز میں گزر گیا، کافی ہے۔ اب اس کے بعد کیا کرنا چاہئے۔ ویسے تو شر جا کر سلطان ٹاڈیہ ان دونوں میں سے کسی کے گھر بھی پہنچا جا سکتا ہے لیکن بات وہیں آ جاتی تھی۔ میرے سبز قدم ابھی پہنچتے تھے، وہاں تباہی میرے ساتھ ساتھ سفر کرتی تھی، چنانچہ اب مجھے یہ دیکھنا تھا کہ میں آگے کیا کر ہوں لیکن ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔

پھر ایک شام کی بات ہے۔ میں پبل کی ماں کے ساتھ ٹہلنے کے لئے آگے بڑھی اور کوارٹروں کے کمرے تک پہنچ گئی۔ یہاں سے حویلی کا سرسبز و شاداب لان نظر آ رہا تھا۔ موسم بہت خوش گوار تھا اور شاہ اس وقت اس لان میں چہل قدمی کر رہا تھا لیکن اس کے ساتھ جو ایک شخصیت مجھے نظر آئی اسے

اور امیر کے درمیان مکمل فرق قائم کر دیا تھا۔ بہر حال ٹرار ایک ٹریکٹر کے سامنے جا کر رک گیا اور انجن بند کرنے کے بعد مجھے اتارا اور بٹتا ہوا بولا۔

”تجھے ایک بات بتاؤں۔ راستے میں تو بھول ہی گیا۔ میں اپنی بہن کو لینے کے لئے گیا تھا، ساس نے بولا کہ ابھی میری بہن کے بال بچہ ہونے والا ہے۔ تین چار مہینے تک اس کا باہر جانا ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے ماں! اگر ایسی بات ہے تو تم اسے رکھو مگر دیکھو، قدرت نے مجھے ایک دے دی۔ اماں تو بہت خوش ہوگی۔“

یہ کہتا ہوا وہ مجھے اندر اپنے کوارٹرز میں لے آیا۔ دروازے کے بعد بڑا صحن، تین کمرے، دو دالان، صحن میں باورچی خانہ، غسل خانہ وغیرہ بنا ہوا تھا۔ برآمدے ہی میں ایک بہت بڑے تختہ عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جلدی سے نیچے اتر آئی۔ چہرے ہی سے ہمدرد معلوم ہوتی تھی۔ مجھے ایک دم ٹھنک گئی۔ پہلے تو شاید یہی سمجھی تھی کہ اس کی بیٹی آئی ہے لیکن میرا اجنبی چہرہ دیکھ کر چہرے پر عجب سے نقش پھیل گئے۔ پبل نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اماں! کیا بات ہے، نوری سے ملے گی نہیں کیا؟“

”نوری۔ یہ نوری تو نہیں ہے۔“ ماں نے اٹکتی ہوئی آواز میں کہا۔

”ارے تیرے کو کیا ہو گیا۔ ماں اپنی بیٹی کو پہچاننے سے انکار کر رہی ہے۔“ عورت نے دو سے میرا چہرہ ٹٹولا۔ اس کے چہرے پر بڑی پریشانی کی آثار نظر آرہے تھے۔ پھر اس نے گردن ہاٹا کر کہا۔

”نوری! تیری شکل کیسے بدل گئی اور تُو تُو..... میں نے اس کی پریشانی دور کرتے ہوئے کہا۔“ اماں! پبل بھائی مذاق کر رہا ہے تم سے۔ میں نوری نہیں ہوں۔ میں تو، میں تو بس کون اللہ ہی جانتا ہے۔“

”مگر پبل تو نوری کو لینے گیا تھا، ابھی کیا ہو گیا۔ کیا بات ہے؟ اللہ خیر کرے۔“

”اماں نوری کو اس کی ساس نے آنے کو منع کر دیا۔ ابھی اس کے ہاں تھوڑے دن بعد بچہ ہے۔“ ماں کے چہرے پر خوشی کے آثار پھیل گئے۔ اس نے کہا۔

”لو میرے کو تو پتا بھی نہیں چلا۔ ابھی نوری ٹھیک ہے نا؟“

”ہاں۔“

”پر اب اس کے بارے میں بتاؤ پبل۔ یہ کون ہے؟“

”اماں! ایک مظلوم ہے بے چاری۔ پریشانیوں کا شکار، مجھے راستے میں مل گئی تھی۔“ پبل۔ ماں کو سنا دی جو میں نے پبل کو سنائی تھی۔ ساوہ دل والے ساوہ لوگوں کو یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ سے جھوٹ بول رہا ہے، فریب کر رہا ہے۔ خدا، فریب نہیں ہوتے اس لئے آرام سے ہر بات ہیں۔ ماں نے آگے بڑھ کر مجھے سینے سے لگایا اور بڑے پیار بھرے انداز میں بولی۔

”کوئی بات نہیں بچی۔ اللہ بھلی کرے گا۔ تُو فکر مت کر، میں ہوں نا تیری ماں۔ پریشانی کی“

دیکھ کر میرے جسم پر جیسے بجلی سی گر پڑی۔ میں ایک لمحے کے لئے پتھرا سی گئی تھی۔ سو فیصدی ہزار فیصدی وہ الماس بیگم ہی تھی جو مکرم شاہ کے ساتھ چل قدمی کر رہی تھی۔ میں سحر زدہ سی رہی اور پھر اچانک ہی میرے بدن میں بجلی سی دوڑ گئی۔ میں نے فوراً ایک جگہ آڑ لے لی۔ پل میری کیفیت کا پتا نہیں تھا، اس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن میں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

”اماں! وہ سامنے کون ٹھل رہا ہے؟“

”بڑا سائیں ہے، سائیں مکرم شاہ۔“

”اور اس کے ساتھ جو عورت ہے؟“

”وہ۔ میں اس کو نہیں جانتی۔ میرے کو نہیں معلوم کہ وہ کون ہے۔ ویسے ادھر سائیں کے مہمان آتے رہتے ہیں۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ عورتیں بھی آتی ہیں، مرد بھی آتے ہیں۔ خاص بات ہے کیا؟“

”اماں نہ جانے کیوں مجھے اس عورت کی شکل جانی پہچانی لگ رہی ہے۔ اصل میں تم جانتی میرا ماضی یاد نہیں آ رہا۔ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ یہ مجھے بالکل یاد نہیں آ رہا۔ اماں اگر کوئی ایسی مل جائے جس سے میں یہ معلوم کر سکوں کہ میں کون ہوں تو میرا کام بن سکتا ہے۔“

”ابھی پھر میں اس کو بولوں کہ وہ تمہیں دیکھے اور بتائے۔“

”اماں! کیا سائیں مکرم شاہ کے پاس جا سکتی ہو تم؟“

”سائیں مکرم شاہ برا آدمی نہیں ہے۔ کوئی ضرورت ہوتی ہے تو جا سکتے ہیں۔ اکثر ہم لوگ اسے کرنے چلے جاتے ہیں۔“

”اماں پل کیا کرتا ہے سائیں مکرم شاہ کے پاس؟“

”بس چھوٹے موٹے کام کرتا ہے۔ سائیں اچھا آدمی ہے۔ اپنے نوکروں کو دوسرے ڈیروں تک نہیں کرتا وہ۔“

”اچھا۔ نہیں خیر ابھی تم نہیں جانتا۔ میں پل بھائی سے بات کروں گی۔“ میں نے کہا۔ اسی راہ پل کام دھندوں سے فارغ ہو کر گھر واپس آیا تو کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں۔

”بھائی پل، میرا ایک کام کر دو گے؟“

”ارے بہن! پتا کر تو دیکھو پل تمہارا کام نہیں کرے گا تو اور کس کا کرے گا؟“

”مگر پل بھائی، جیسے میں کہہ رہی ہوں ویسے ہی کرو ورنہ مجھے نقصان پہنچ سکتا ہے۔“

”اوی تم فکر نہیں کرو۔ بولو کیا بات ہے؟“

”آج میں نے سائیں مکرم شاہ کو ایک عورت کے ساتھ باغ میں شطرنج کھاتے دیکھا تھا۔“

”لبے قد کی عورت ہے۔ خوب صورت سی اور بہت مغرور جو کسی کے سلام کا جواب نہیں دے اب یہ تو میں نہیں جانتی۔ مگر پل وہ عورت مجھے پہچانی پہچانی سی لگی۔ میں بالکل نہیں

بارے میں کچھ معلوم ہو۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے؟“

”ابھی میں اس کو نہیں جانتا ہوں۔ میں نے تمہارے کو بولا ناں، وہ سائیں مکرم شاہ کی مہمان ہے۔“

”اگلی ہے۔“

”نئے دن ہو گئے اسے یہاں آئے ہوئے؟“

”آج پونہ دن ہے۔“

”کیچو اور بتا سکتے ہو اس کے بارے میں؟“

”ابھی اتنا ہی معلوم کر سکا ہوں دوسرے لوگوں سے جو ابھی ادھر کام کرتے ہیں۔ نوکروں کا واسطہ لے سے تو پتا ہی رہتا ہے ناں۔“

”پل ایک بات اور بتاؤ، کیا میں چھپ کر ادھر جا سکتی ہوں؟“

”کدھر؟“

”میرا مطلب ہے، سائیں کی حویلی میں۔“ پل کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے کہا۔

”ویسے تو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ کوئی تم چوری کرنے تو جاؤ گی نہیں۔ بس ہم ملازم لوگ خود ہی رکھتے ہیں۔ مگر تم لڑکی ہو۔ پچھلے راستے سے چلی جانا اگر حویلی دیکھنی ہے تو۔ کوئی پوچھے تو کہہ دینا حویلی رہی ہو، پل کی بہن ہو۔ پل کے گھر آئی ہو۔ میں تمہارے کو بولا نہیں مکرم شاہ اتنا برا آدمی نہیں۔“

”پل نے جواب دیا اور میرے ذہن میں منصوبے بننے اور گزرنے لگے۔“

☆=====☆

الماس بیگم کو دیکھ کر میرے دل میں ایک بار پھر طوفان سا جاگ اٹھا تھا۔ حالانکہ یہ بات میرے لئے نیاں کن تھی کہ الماس بیگم آخر یہاں کس طرح پہنچ گئی۔ مکرم شاہ سے اس کا کیا رابطہ ہے۔ کیا مکرم شاہ کی بھی شکل میں میرے ماں باپ کی حیثیت سے واقف ہے۔ کیا اسے معلوم ہے کہ میری ماں، میری کمان ہیں اور میرے باپ کا کیا ہوا؟ الماس بیگم کے تو خیر اس سے رابطہ ہو سکتے تھے۔ یہ تمام بڑے آپس میں تعلقات رکھتے ہیں اور اس کا مجھے ایک بار تجربہ بھی ہو چکا تھا لیکن جس کینے شخص نے مجھے پناہ دی بات کی تھی، اس نے مجھے الماس بیگم کے حوالے کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ ان لوگوں پر اعتبار تو نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ میں نے دل فیصلہ کر لیا تھا کہ آج رات ہی ان بیگم سے ملاقات کروں گی اور اب میں یہ سوچ رہی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ حویلی میں کام کرنے اور توں کو بھی میں نے کئی بار دیکھا تھا۔ یہاں خود سرونٹ کوارٹر میں ایسی چند عورتیں رہتی تھیں جو علی بابا حویلی میں جلی جایا کرتی تھیں۔ میرے ذہن میں ایک تصور جاگ اٹھا۔ میں نے حویلی میں داخل ہونے کے پل کی ماں کا ایک پرانا جوڑا ٹھیک ٹھاک کر لیا۔ پل کی ماں بے چاری میرا مقصد ہی نہیں سمجھی تھی نا میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ خطرہ مجھے مول لینا ہی ہے۔

الماس بیگم سے یہاں ملاقات کرنا بے حد ضروری تھا، چنانچہ میں اسے کھانا نہیں چاہتی تھی۔ تقریباً آٹھ بجے کے بعد بیرونی طور پر تمام کام بند ہو جاتے تھے۔ حویلی کے اندر کیا ہوتا ہے، یہ بات حویلی

”بڑی کون ہے تو اور تیرا دماغ خراب ہے کہ مجھے جواب دیئے بغیر اپنی مرضی سے حرکتیں کرتی پھر ی ہے۔“ میں آہستہ قدموں سے الماس آراء کے قریب پہنچی۔ اس دوران میں اس کا جائزہ لے چکی تھی یہ اندازہ لگا چکی تھی کہ اس کے گاؤں کی جیسیں خالی ہیں۔ البتہ اس کے پاس ریو الوار یا پستول وغیرہ ہے تو ہاتھ کے نیچے ہوگا۔ بڑے لوگ عموماً ایسا ہی کرتے ہیں۔ میں نے یہ اندازہ لگایا کہ الماس آراء کا مسہری کتنا فاصلہ ہے۔ بہر حال میں جب اس کے قریب پہنچی تو وہ بہت زیادہ مشتعل ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی، میں نے اپنا گھونٹ الٹ دیا اور الماس آراء بیگم کرخت نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ جب نے مجھے پہچانا تو اچانک اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ بھرتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے آہستہ لمبے میں کہا۔

”تم اگر چاہو تو میں تمہیں ماما کہہ کر پکار سکتی ہوں۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے کبھی میں تمہیں ماما کہتی تھی۔“ الماس بیگم جیسے خواب سے چونک پڑی پھر اس کے چہرے پر بے پناہ نفرت ابھر آئی۔ اس نے غرائی دی آواز میں کہا۔

”خوب۔ تو تو میری تاک میں لگی رہتی ہے۔“

”نہیں الماس بیگم! میں آپ کی تاک میں بالکل نہیں ہوں بلکہ آپ خود میری تاک میں ہیں، کیا سمجھیں۔“

”کیا کیا چیز ہے تو، کتنے انسانوں کا خون کر چکی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں ایک خون پی پال رہی ہوں۔ تو تو انتہائی بھیاکت جانور نکلی۔ میں نے تو تجھے انسان کی بچی سمجھ کر پالا تھا۔“

”الماس بیگم، میں جانتی ہوں کہ آپ کو میرا یہ مخاطب بہت برا لگ رہا ہوگا لیکن میں نے تو آپ کو پیش کی ہے۔ آپ مجھ سے کہیں کہ میں آپ کو ماما کہوں۔ میرا عمدہ گھانا چاہتی ہیں اور مجھ سے اپنے آپ کو مان نہیں کھلوانا چاہتیں تو مجھے حکم دیجئے کہ میں آپ کو تائی صاحبہ کہوں، لیکن یہ احکامات دینے سے پہلے سوچ لیجئے کہ آپ کو اپنے یہ الفاظ بھالنے ہوں گے۔ الماس بیگم آپ نے کہا ہے کہ آپ نے مجھے انسان کا بچہ سمجھ کر پرورش کیا ہے۔ میں انسان کی بچی ہوں۔ میں آپ کے قدموں میں رہنے کے لئے تیار ہوں لیکن آپ کے لئے آپ کو میری ماں اور میری بہنوں کا پتا بتانا ہوگا۔ میرے باپ کے بارے میں تفصیل بتانا ہوگی آپ کو۔ میں آپ سے دشمنی کے تمام رشتے ختم کرنا چاہتی ہوں۔ جو کچھ آپ نے کیا اور جو کچھ اس کے والد میں نے کیا، ان تمام باتوں کو راستے سے ہٹا دیں، انہیں بھلا دیں۔ میں آپ سے درخواست کرتی ہوں اسی بچی کی حیثیت سے جسے آپ نے کبھی اپنی آغوش میں لے کر چوما ہوگا، دی ہوں میں۔ بہت سے احساسات، بہت سے غلط کاموں نے مجھے آپ سے دور کر دیا۔ میری آرزو ہے کہ آپ مجھے پھر اپنے قریب لے آئیں۔ میں آپ کی آغوش میں لیٹ کر رونا چاہتی ہوں لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے، جب آپ مجھے میرے ماں باپ کا پتا بتا دیں۔“

میں نے الماس بیگم کے چہرے پر تغیر کے نقوش دیکھے۔ ایک لمحے کے اندر مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے

کے اندر رہنے والے لوگ ہی جانتے ہوں گے۔ وہاں کون کون تھا، کیا کیا صورت حال تھی، اس علم نہیں تھا۔ ویسے اس دوران میں نے محسوس کیا تھا کہ یہاں کوئی خاص پہرہ نہیں ہوتا، بس دو دریاں کھڑے ہوتے ہیں اور کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوتی۔ جو راستہ مجھے چلنے پھرنے میں بتاتا تھا۔ وہ بڑا کارآمد تھا۔ میں نے لباس پہنا، اپنی شکل جس طرح بھی ممکن ہو سکا ایسی بنائی کہ کوئی ایک نگاہ شبہ نہ کر سکے اور اس کے بعد میں خاموشی سے کوارٹروں کے آخری سرے تک پہنچ گئی اور ایک لم کر حویلی کے عقبی حصے میں داخل ہو گئی۔ یہاں بھی خوبصورت باغ لگا ہوا تھا اور اس باغ میں جھو ہوئے تھے۔ گویا حویلی میں رہنے والی خواتین اس باغ میں تفریح کرتی تھیں۔ اس وقت تو بالکل خالی لیکن میری خوش قسمتی کہ حویلی کا عقبی دروازہ کھلا تھا اور وہاں کوئی موجود بھی نہیں تھا۔ البتہ دیواریں اس قدر بلند تھیں اور ان پر بڑے بڑے شیشے لگے ہوئے تھے کہ ان سے گزرنے کا تصور کیا جاسکتا تھا۔ یعنی یہ کہ کسی کے باہر سے آنے کا خطرہ نہیں رہتا تھا۔ اس کے بعد دروازہ کھلا رہا ایسا نہیں تھا جو باعث پریشانی ہو۔ میں ادھر ادھر دیکھتی ہوئی آخر کار اس دروازے سے اندر داخل دروازے کے دونوں سمت چوڑی راہداریاں تھیں۔ کوئی اور آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ بہت مدہم تھی۔

بس اب میری تلاش تھی کہ میں الماس آراء بیگم کو پا لوں۔ میں نے ایک کمرے میں جا دیکھا۔ شیشوں سے اندر کا ماحول نظر آ رہا تھا۔ یہاں ایک عورت دو چھوٹے بچوں کے ساتھ سو رہی اس کے برابر والے کمرے میں، میں نے مکرم شاہ کو دیکھا۔ وہ ایک کتاب ہاتھ میں لئے آرام کر رہی تھا۔ وہاں سے آگے بڑھی اور پھر بہت سی راہداریاں دیکھتی ہوئی بیرونی حصے میں نکل آئی۔ یہاں ایک کمرے سے مدہم مدہم روشنی چھن رہی تھی۔ یہاں بھی آس پاس کوئی نہیں تھا، سامنے ایک بڑا ہال تھا شیشے کے بڑے بڑے دروازے لگے ہوئے تھے اور یہ سامنے کھلتا تھا لیکن جس کمرے سے روشنی اس میں، میں نے جھانک کر دیکھا تو مجھے الماس بیگم نظر آئی۔ وہ بھی جاگ رہی تھی اور ایک آرا نیم دراز کیفیت میں جھول رہی تھی۔ اس نے سفید گاؤں پہنا ہوا تھا۔ میں سوچتی رہی کہ کیا کروا میں نے چہرے پر کپڑا گھونٹ کر طرح ڈالا اور دروازے پر دستک دی تو الماس بیگم کی آواز سنائی دے ”کون ہے؟ اندر آ جاؤ۔“ اس کا مطلب ہے کہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں دروازہ کھول کر اندر ہو گئی اور پھر میں نے پلٹ کر دروازہ اندر سے بند کر دیا اور سارے پردے کھینچ دیئے۔ اس کے الماس بیگم کی طرف مڑی، وہ تعجب سے مجھے دیکھ رہی تھی اور سنہل کر پیٹھ گئی تھی پھر بولی۔

”کون ہو، کیا بات ہے؟ دروازہ کیوں بند کیا ہے تم نے؟ اور پردے کیوں ڈال دیئے ہیں؟“ میں آہستہ آگے بڑھی۔ میں اس دوران پروردے کمرے کا جائزہ لے چکی تھی۔ کمرے میں کوئی اور دروازہ تھا۔ البتہ دو کھڑکیاں تھیں جو نہ جانے کہاں کھلتی تھیں۔ میں الماس بیگم کی بات کا جواب دیتے کھڑکیوں کی طرف بڑھی۔ ایک کھڑکی کا دروازہ کھول کر میں نے باہر جھانکا اور پتہ بند کر کے پردے دیئے۔ الماس آراء اب بے چین ہو گئی تھی اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر اس نے کرخت۔

اور بہنیں زندہ ہیں؟

”میں انہیں بھی مار دوں گی۔ انہیں بھی مار دوں گی میں۔ تیرا باپ مردود کہاں مرکب گیا ہے، مجھے نہیں معلوم لیکن تیری ماں اور دونوں بہنیں، وہ زندہ ہیں اور میں اس وقت تک کے لئے انہیں زندہ رکھوں گی، جب تک کہ تو زندہ ہے۔ مارنا تو میں تجھے چاہتی ہوں لیکن میں بھی اپنے ہی باپ کی اولاد ہوں۔ ایسے لوگوں کی موت کی تجھے۔ ایسے بالکل نہیں ماروں گی۔ میں تجھے گرفتار کر کے لے جاؤں گی۔ تو میری قید میں رہے گی اور پھر میں ان لوگوں کو دکھاؤں گی، انہیں بتاؤں گی جو مجھے طعنہ دیتے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سانپ کو دودھ پلایا ہے۔ میں انہیں دکھاؤں گی کہ سانپ کا بچن کس طرح کھلا جاسکتا ہے۔ میں الماس آراء بیگم ہوں کبھی، بس دونوں ہاتھ نیچے کر، میں ابھی ملازموں کو بلاتی ہوں۔“

”آپ کا جو جی چاہے کریں، مجھے اب کسی بات پر اعتراض نہیں ہے۔ میں ایک ہاری ہوئی جواری ہوں۔“ میں نے مغموں آواز میں کہا اور الماس آراء ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ مسمری کی دوسری سمت سے نکل آئی۔ غالباً ملازم کو بلانے کے لئے دیوار پر کوئی سوچ لگا ہوا تھا۔ اب یہ تو میں جانتی تھی کہ مكرم شاہ سے اس کے کس طرح کے تعلقات تھے لیکن میں بھی اس وقت الماس بیگم کو اس کی مکاری کا داب اسی طرح مکاری سے دینا چاہ رہی تھی۔ میں نے ان طرح اپنے آپ کو ڈھیلا ڈھالا جھوڑ دیا تھا، جیسے اس بالکل پست ہو گئی ہوں۔ الماس آراء بیگم نے پھر بھی ریوالور ہاتھ میں سنبھالے رکھا تھا البتہ مسمری پر سے اس جگہ سے گزرتا پڑا جہاں سے میں اپنی کارروائی کر سکتی تھی۔ اور جیسے ہی وہ میرے قریب پہنچی، میں نے پوری قوت سے اپنی لات اس کے پیٹ پر ماری۔ اتنی زور کی لات پڑی تھی کہ وہ اچھل کر چار پانچ فٹ دور جاگری۔ میں نے فوراً ہی الٹی چھلانگ لگائی اور اس بار میں نے اس کے ہاتھ کو نشانہ بنایا۔ یہ جو جسٹو کا اوتھا۔ میں نے اس کی کلائی پر اپنا پنجا مارا تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی اور ریوالور اس کے ہاتھ سے ہٹ کر دور جاگرا۔ میں نے ٹھوکر مار کر اسے پرے پھینکا اور پھر جھک کر الماس بیگم کے بال پکڑ لئے۔ بال پکڑ کر میں نے پوری قوت سے اسے کھڑا کیا اور ایک زور دار ہاتھ اس کے منہ پر دے مارا۔ وہ پھر دور جا کر گر گئی۔ میں نے جلدی سے جھپٹ کر ریوالور اٹھایا اور اس کے سر پر پہنچ گئی۔ وہ بری طرح پیچھے سرک رہی تھی اور ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر دہشت کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

”اگر چیخنے کے لئے منہ کھولا تو اس ریوالور کی تمام گولیاں تمہارے حلق میں اتار دوں گی، الماس بیگم۔“ میرا لہجہ غالباً اتنا سفاک تھا کہ الماس بیگم کے حوصلے پست ہو گئے۔ میں آگے بڑھی اور میں نے اس کے سر کے بالوں پر پاؤں رکھ دیئے۔ بہت لمبے بال تھے الماس بیگم کے۔ اس کے حلق سے پھر آواز نکلی تو میں نے ریوالور کے ٹرائیگر پر انگلی رکھ دی اور اس نے جلدی سے منہ بند کر لیا۔

”ہاں! یہ بتاؤ مجھے۔ جتاؤ کہاں ہیں میری ماں اور بہنیں؟ جواب دے الماس بیگم ورنہ.....“ میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک اس نے پیچھے سے پاؤں اٹھا کر میری کمر پر مارا۔ وہ بھی ایک طاقتور اور لمبی ترنگی عورت تھی۔ میں بری طرح لٹکھڑا کر دیوار سے جا ٹکرائی۔ تبھی الماس بیگم نے ایک زور دار چیخ ماری اور پھر مسلسل چیخنے لگی۔ میں اب ایک ہی کام کر سکتی تھی کہ پلٹ کر اس پر فائرنگ شروع کر دوں، لیکن یہ نہیں

انہوں نے کسی قدر نرمی سے سوچا ہو۔ کچھ لمحے خاموش رہیں پھر انہوں نے چہرہ چھپا لیا اور آہستہ کر مسمری کی طرف چل پڑیں۔ وہ مسمری پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئیں۔ ان کی گردن سینے پر جھکی ہوئی لمحے خاموش رہنے کے بعد انہوں نے آنکھیں اٹھائیں، میری طرف دیکھا اور پھر مدھم سبجے میں بولیں ”بیٹھو، کرسی لے کر بیٹھ جاؤ۔“ انہوں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ میرے دل میں ایک کیفیت پیدا ہو گئی۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور مسمری پر ان کے قریب پہنچ گئی۔

”میں آپ کے قدموں میں بیٹھنا چاہتی ہوں اللہ مجھے میرا گھر دے دیجئے۔ میرے ماں، دیجئے۔ وہ سب کچھ دے دیجئے جو کھو گیا ہے۔“ میری آواز بھرا گئی۔ میں ان کے پاس جا کر مسمری پر انہوں نے مدھم سبجے میں کہا۔

”کہاں ماری ماری پھرتی رہی ہو اتنے دنوں؟“ نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں آنسوؤں کی تھی۔ وہ تھوڑی سی سرکیں اور بولیں۔

”تمہیں اندازہ ہے کہ تم اس دوران کیا کیا کر چکی ہو؟“ انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور پاؤں اوپر کر لئے پھر وہ آہستہ آہستہ لیٹ گئیں لیکن الماس بیگم واقعی کمال کی شخصیت تھی۔ لیٹتے ہی ہاتھ اٹھائے اور پھر اس کا ہاتھ نکلنے کے نیچے رینگ گیا۔ دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں ریوالور نظر آ رہی اس نے میری جانب کر دیا۔ میں جو کچھ لکھوں کے لئے جذبات کا شکار ہو گئی تھی، بری طرح چونک کر الماس بیگم نے بڑی پھرتی سے رخ بدلا اور مسمری کی دوسری جانب اتر گئی۔ اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ناگن..... ناگن..... کیا..... کیا..... تو نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ کیا سمجھا ہے تو نے مجھے کہیں۔ جو کچھ ہوا ہے میری حماقتوں کے نتیجے میں ہوا ہے۔ جاہل کی بچی! میں محبت کر بیٹھی تھی تجھ بخت اور اس محبت نے مجھ سے میرا بھائی چھین لیا۔ آہ۔ مجھ سے میرا بھائی چھین لیا۔ صرف میری وجہ موت کا شکار ہوا۔ مجھے چاہئے تھا کہ سانپ کی اولاد کو سانپ سمجھتی اور تجھے ختم کر دیتی، مار دیتی، موت، میری وجہ سے تجھے موقع مل گیا۔ میں تیرے جسم کے اتنے ٹکڑے کروں گی کہ تو سوچ بھی نہ گی۔ بول کیا سلوک کروں تیرے ساتھ؟“

میرے تو ہوش گم ہو گئے تھے حالانکہ میں نے اس بات پر غور کیا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ نکلے۔ ریوالور ہو۔ میں نے سوچا تھا کہ اس ریوالور کو پہلے اپنے قبضے میں کر لوں گی لیکن مار کھا گئی تھی۔ ار مار کھا گئی تھی۔ الماس بیگم نے اداکاری کی تھی۔ بہر حال میں نے مدھم سبجے میں کہا۔

”الماس بیگم میں خود بھی تمہارے ہاتھوں ہی مرنا چاہتی تھی۔ بہت جدوجہد کر چکی ہوں اس دہر کو شش کر چکی ہوں کہ تمہارے خلاف کچھ کر سکوں۔ میری ماں، میری بہنیں اور میرا باپ، میں تلاش کر سکوں لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ اب میں تھک چکی ہوں جو کچھ میں نے کیا وہ کی سزا تو مجھے ملنی چاہئے لیکن یہ آرزو ہے میرے دل میں اس ریوالور کی ساری گولیاں تم میرے دہر اتار دو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر ایک بار صرف ایک بار یہ بتا دو کہ کیا میرا باپ زندہ ہے؟ کیا میرا

کرتا چاہتی تھی۔ میرا اس کا ٹکراؤ تو بہت دور تک تھا۔ وہی مجھے میرے ماں باپ کا پتا بتا سکتی تھی۔ وہی رہنمائی کر سکتی تھی۔ اسے مارنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے ریوالور کا رخ اس کی جانب کیا اور پھر غرائی آواز میں بولی۔

”الماس آراء میں چاہوں تو وہی سب کچھ کر سکتی ہوں جو تم میرے ساتھ کر رہی تھیں لیکن غم سن لو، اچھی طرح سنو۔ پہلے میں تمہیں تمہارے پورے خاندان سے محروم کروں گی۔ تم اپنے کسی رشتہ یا عزیز کے چہرے کو دیکھنے کے لئے ترسو گی۔ سمجھ رہی ہو نا تم سب کو ختم کر دوں گی میں ایک ایک پورا خاندان تباہ کر دوں گی تمہارا اور اس کے بعد تم سے پوچھوں گی کہ بتاؤ میری ماں اور بہنیں کہاں میرا باپ کہاں ہے۔ ایسے نہیں ماروں گی تمہیں الماس بیگم۔ میری تمہاری جنگ مدت طویل ہوگی۔ ایک سن لو، میں سائے کی طرح تمہارا پیچھا کرتی رہوں گی۔ اس دوران میں جو کچھ ہوگا، وہ صرف تمہاری وجہ ہوگا۔ آج سے ٹھیک اٹھویں دن میں تمہیں تمہاری کوشخی پر فون کروں گی۔ یاد رکھنا۔ اگر کوئی چال چہ جیسی کہ تم نے آج چلی ہے تو نتیجہ اس وقت بھی تم نے دیکھ لیا اور اس وقت بھی دیکھو گی۔ ٹھیک جاری ہوں میں اس وقت۔ پوچھنا تو بہت کچھ تھا تم سے لیکن مجھے یقین ہے کہ باہر تمہاری آواز سن لی“

یہ کہہ کر میں دروازے کی طرف بڑھی تو ایک لمحے کے لئے رک کر میں نے سن گئی۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ چنانچہ برق رفتاری سے میں دروازہ کھول کر باہر اور ایک ستون کی آڑ میں ہو گئی۔ دوڑنے والے ابھی کچھ فاصلے پر تھے پھر کچھ دیر بعد چار افراد دروازہ پہنچے۔ وہ اس ستون کی جانب متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ میں نے بلی کی طرح دبے قدموں چھلانگ لگائی اور وقت ایک اور دروازہ کھلا، باہر نکلنے والا کرم شاہ تھا۔ میں ایک بار پھر ستون کی آڑ میں ہو گئی۔ یہ میرے جسم کو چھپانے کے لئے ناکافی تھے لیکن اس وقت تک کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا، تک اسے صورت حال کا علم نہ ہو۔ میں جانتی تھی کہ میرے سلسلے میں بھاگ دوڑ شروع ہو چکی ہے۔ راہداری کے عقبی حصے میں بھی آواز سن رہی تھی۔

کرم شاہ جس کمرے سے نکلا تھا، اس کمرے کا دروازہ کھلا رہ گیا تھا اور وہ ان چاروں افراد کو دہا آگے بڑھ رہا تھا جو الماس آراء بیگم کے کمرے کے دروازے پر رک کر اس کا احوال پوچھ رہے تھے۔ کرم شاہ آگے بڑھا تو مجھے ایک گزرا ہوا واقعہ یاد آیا جس سے میری بڑی مدد ہوئی تھی۔ میں کسی سائے طرح کرم شاہ کے کمرے کے دروازے سے اندر رینگ گئی۔ ایک لمحے کے لئے میں نے ادھر ادھر دیکھا پھر پھرتی سے مسہری کے نیچے چلی گئی۔ یہ جگہ سب سے شاندار تھی۔ اس سے پہلے ایک بار میں بگ شو رہائش گاہ میں بھی پھنس چکی تھی اور بگ شو کا کمرہ ہی میرے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوا تھا۔ ریوالور میر پاس موجود تھا اگر صورت حال سنگین ہو جاتی تو بہر حال ریوالور میرا ساتھ دے سکتا تھا۔ وہ پوری طرح ا تھا۔ میرا سینہ پھول، چپک رہا تھا۔ میں اپنی سانسوں کو بحال کرنے لگی۔ جانتی تھی کہ باہر کیا ہو رہا ہوگا، کچھ دیر کے بعد خوب بھاگ دوڑ کی آواز سنائی دینے لگیں۔ روشیاں جل رہی تھیں اور حویلی کا ہر حصہ

روشن ہوتا جا رہا تھا۔ بہت سی سوچیں میرے ذہن میں آ رہی تھیں۔ بے چارہ بچل کہیں وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ خدا کرے ایسا نہ ہو، میری وجہ سے بہت سے لوگ پریشان ہوئے تھے۔ خاص طور سے بے چارہ مظلوم حاکم شیرازی جسے میری وجہ سے دربار ہونا پڑا تھا۔ نہ جانے وہ کہاں ہے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے ذہن کو ساکت چھوڑ دیا۔ مجھے اس وقت سکون کی ضرورت تھی۔

باہر کی بھاگ دوڑ جاری تھی۔ قدموں کی آوازیں، پیچھے چلانے اور دوڑنے کی آوازیں گونج رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ میری تلاش زور و شور سے جاری تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ بہر حال اس وقت تھکن نے میری آنکھوں کو نیند سے بھر دیا تھا۔ ایسے بھی شاید کبھی کوئی سویا ہوگا، جب کہ صورت حال انتہائی مخدوش ہو اور موت اس کے پیچھے دوڑ لگا رہی ہو لیکن میں سو گئی تھی۔ اور پھر جانے کب تک سوتی رہی، اس وقت جاگی جب کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ کچھ دیر تک تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ پھر میں نے قدموں کی چاپ محسوس کی اور میرے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات گردش کرنے لگے۔ دوفٹ اوپر مسہری موجود تھی اور مجھے پیروں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر میں نے دو پیروں کو دروازے کی جانب جاتے ہوئے دیکھا اور کچھ ہی لمحوں کے بعد رات کی پوری کمانی میرے ذہن میں آگئی۔ میرے حلق سے ایک سسکی جیسی آواز نکلی اور میں نے فوراً ہی ریوالور کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن سوتے وقت ریوالور میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ میں اسے تلاش کرنے لگی۔ میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے قرب و جوار کی تلاشی لے ڈالی لیکن ریوالور موجود نہیں تھا۔ میرے بدن میں سنائے رینگ گئے۔ ریوالور کہاں گیا۔ میں نے دل میں سوچا۔ اسی وقت میں نے آواز سنی۔

”میں کچھ کام کر رہا ہوں۔ خبردار جب تک میں کسی کو آواز نہ دوں، کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔ سب کو بتا دینا۔ چائے رکھ دو، لاؤ مجھے دے دو۔“ یہ ایک بھاری اور گونج دار آواز تھی کیونکہ اب میں ذہنی طور پر پوری طرح گزرتے ہوئے واقعات سے واقف ہو چکی تھی اور نیند کا تسلط مجھ سے ختم ہو گیا تھا، چنانچہ اس آواز کے بارے میں میں نے یہی اندازہ لگایا کہ یہ کرم شاہ کی ہو سکتی ہے جس کے کمرے کی مسہری کے نیچے میں موجود تھی۔ کرم شاہ نے دروازہ بند کیا، پردے کھینچ دیئے۔ مجھے پردوں کی آواز صاف سنائی دی تھی۔ اس کے بعد وہ مسہری کی طرف آنے کے بجائے ایک کرسی کی جانب بڑھ گیا۔ چائے کے برتن اس نے سائینڈ ٹیبل پر رکھ دیئے تھے۔ مجھے یہ سائینڈ ٹیبل ٹیبل نظر آ رہی تھی اور پھر بتی ہوئی کرسی۔ کچھ لمحات خاموشی رہی اور اس کے بعد ایک آواز نے میرے اعصاب کشیدہ کر دیئے۔ ریوالور کی تلاش تھوڑی دیر کے لئے ترک کر دی تھی۔ پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا۔ آواز ابھری۔

”اگر تم جاگ گئی ہو تو باہر آ جاؤ۔ چائے پی لو۔ گرم چائے اس وقت تمہیں ذہنی سکون دے گی۔“ اس آواز نے صبح معنوں میں تھوڑی دیر کے لئے مجھے مفلوج کر دیا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید وہ کسی اور سے مخاطب ہو۔ حالانکہ کمرے میں کسی اور کی موجودگی کا نشان نہیں ملتا تھا لیکن پھر آواز نے یہ وہم بھی دور کر دیا۔ وہ بولا۔

”میں تم سے کہہ رہا ہوں جو مسہری کے نیچے سو رہی ہو۔ بے وقوف لڑکی! باہر نکل آؤ۔“ مجھے ہی

”سمجھوں گی کہ مجھے دنیا کا ابھی کوئی تجربہ نہیں ہے۔ یہ میرے تجربے کی کسوٹی ہے۔ شاہ جی! لائیے مجھے دے دیجئے، پلیز آپ کی مسمان نوازی کو داغ نہ لگ جائے اس لئے چائے پہلے میں پیوں گی۔“ اس مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور بولا۔

”بہادر لڑکی ہو، کاش تو میری بیٹی ہوتی۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور سامنے رکھی ہوئی کرسی پر گئی۔ پھر میں نے مزید کچھ بولے بغیر گرم گرم چائے حلق میں اندلی۔ غسل خانے میں گئی، چائے کی پیالی لی اور واپس آکر خود اسے اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر دی تو اس نے چائے کی پیالی لیتے ہوئے کہا۔

”بھئی۔ اور سنو! اپنے آپ کو غیر محفوظ نہ سمجھو۔ میں تمہیں صاف الفاظ میں کہتا چاہتا ہوں کہ میں ری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تمہیں اپنے گھر میں پناہ بھی نہیں دے سکتا لیکن اس وقت تم بالکل محفوظ ہو، تک یہاں سے کسی ایسی محفوظ جگہ نہ چلی جاؤ جس کا انتخاب تم خود کرو۔ میرے ان الفاظ پر تم بھرپور اذیت کیا سمجھیں۔“ میں نے ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا تو اس نے جھک کر چائے کے تین چار کھونٹے اور پھر بولا۔

”ہوں۔ ناشتا کتنی دیر میں کرو گی؟“

”نہیں! میں.....“

”نہیں بھئی۔ ناشتا کرنا ہے تمہیں۔ بس میں یہ چاہ رہا ہوں کہ کسی کو تمہاری یہاں موجودگی کی خبر نہ ہو تو اچھا ہے۔ دیکھو میں تم سے کچھ سوالات کروں گا۔ تم ایک سوال کے بدلے میں چار سوال مجھ سے کر سکتی ہو اور میں ان کے جواب تمہیں دوں گا، کیا سمجھیں۔ پہلے تم سوالات کرلو۔“ میں نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر آہستہ سے کہا۔

”ٹھیک ہے شاہ جی! میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گی۔“

”میرا پہلا سوال یہ ہے کہ کیا تم مجھے جانتی ہو؟“

”جی۔ آپ مکرم شاہ صاحب ہیں۔“

”کیسے جانتی ہو؟ یہ میرا دوسرا سوال ہے۔“

”میرے پاس اس کے کچھ ذرائع ہیں۔ آپ کی اس حویلی میں داخل ہوتے ہوئے ظاہر ہے، مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ کس کی حویلی ہے؟“

”میرا تیسرا سوال تم اس حویلی میں داخل کیسے ہوئیں؟“

”چوری چھپے، ایک گاڑی میں چھپ کر یہاں پہنچی تھی۔“

”یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے اس گاڑی کا پتا بھی پوچھوں گا۔ میں تو صرف تم سے تمہارے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“ مکرم شاہ نے کہا اور میں دل میں یہ سوچنے لگی کہ میں نے یہ بہت اچھا کام کیا کہ سب چارے پھل کا نام نہیں لیا۔ ہو سکتا تھا کہ پھل معصیت میں پھنس جاتا۔ اب بھی میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ کس عالم میں ہوگا اور کیا سوچ رہا ہوگا میرے بارے میں۔ غرض یہ کہ مکرم یہ تین سوال کر کے خاموش ہو گیا۔ پھر میں نے کہا۔

مخاطب کیا گیا تھا۔ میرے خدا، کیا میرا ربو اور بھی اس کے قبضے میں چلا گیا ہے، مگر کیسے؟ وہ انتظار! اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں مسمری کے نیچے سے نکل آؤں، چنانچہ میں آہستہ سے ہوئے مسمری کے نیچے سے نکل کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ میری نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا۔ وہ مکرم تھا۔ میں اسے الماس آراء کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھ چکی تھی لیکن وہ میرا صورت آؤ تھا۔ اس نے سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا، اچھی شخصیت کا مالک تھا۔ خوب صورت نقش و نگار، بڑ سفید آنکھیں، خاص قسم کی سندھی داڑھی اور مونچھیں۔ اس نے مجھے دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے کہا۔

”جاؤ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھو لو، بال سنوارو۔ بھوتنی لگ رہی ہو پوری کی پور، دیکھو یہ تمہارا ربو اور میرے پاس ہے مگر میں تمہیں دوں گا نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے ہی دو گی لیکن میں تمہیں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ تمہیں مجھے گولی مارنے کی ضرورت نہیں پیش کیونکہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ جاؤ، اچھی بیٹی، غسل خانے میں جاؤ اور منہ ہاتھ دھو کر اپنے سنوار کر آؤ۔ چاہو تو نہا بھی سکتی ہو مگر تمہیں دوسرا لباس مہیا نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے نہانے کا ارادہ کرو۔“ میں نے ایک نگاہ اسے غور سے دیکھا اور ایک دم میرے اندر وہی کیفیت ابھر آئی۔ میں جانتا کہ دنیا میں سب میرے دشمن نہیں ہیں۔ دوست بھی ہیں۔ مکرم شاہ بھی اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے چنانچہ خاموشی سے غسل خانے کی جانب بڑھ گئی۔ اس کی آواز سنائی دی۔

”غسل خانے میں جو ایک کھڑکی ہے، اس سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔ دوسری طرف نہیں ہے۔ تمہیں واپس غسل خانے میں ہی آنا پڑے گا۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور غسل خا۔ داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ اب اللہ کا بھروسہ تھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے اس کھڑکی کے باہر تک نہیں۔ منہ ہاتھ اچھی طرح دھویا سر پر خوب پانی ڈالا اور تھوڑی دیر کے لئے ذہنی طور پر پرسکون ہ اس کے بعد بال سنوارے اور باہر نکل آئی مکرم شاہ بیٹھا ہوا چائے بنا رہا تھا، اس نے چائے کے کپے چائے ڈالی اور پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔

”پہلے چائے پی لو! اس کے بعد پیالی دھو کر مجھے دے دو۔ یہ مت سمجھنا کہ میرے ہاں چائے کے برتن نہیں ہیں۔ چائے کی دوسری پیالی میں طلب نہیں کرتا چاہتا۔ سمجھ رہی ہو تا میری بات۔“ اس ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ بدستور پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے مدہم لہجے میں کہا۔

”نہیں! آپ چائے پی لیجئے۔ جب آپ چائے پی لیں گے تو میں بعد میں پی لوں گی۔“

”یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ اوہو تم یہ بھی سوچ سکتی ہو کہ کہیں چائے میں، میں نے کوئی خواب آور نہ ملا دی ہو۔ دیکھو! یہ تھوڑی سی چائے میں اس پلیٹ میں ڈال کر پی لیتا ہوں۔ پھر تم یہ پیالی پی لیتا۔“ میں کوئی بھی غیرت مند اپنے مسمان کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ تم میری مسمان ہو۔“ اس نے چائے میں تھوڑی چائے پیرچ میں اندلیا چاہی تو میں نے آگے بڑھ کر چائے کی پیالی اس کے ہاتھ سے لے لی۔

”نہیں شاہ جی! آپ جیسے لوگ دھوکے باز نہیں ہوتے اور اگر اس کے باوجود مجھے دھوکا ہوتا ہے

اب تین سوال تم کر ڈالو مجھ سے۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، میں نے کہا۔
 "آپ کا بے حد شکریہ۔ آپ درحقیقت بڑے انسان ہیں جو مجھ سے اس طرح پیش آئے و
 گھر میں اس طرح گھس آنے والے کے ساتھ لوگ اتنا اچھا سلوک نہیں کر سکتے۔ پہلی بات میں آپ
 پوچھ رہی ہوں کہ آپ کو یہاں میری موجودگی کا علم کیسے ہوا؟" جواب میں مکرم شاہ آہستہ سے سنا
 "میری مسمری کے نیچے داخل ہو کر تم تو آرام کی نیند سو گئی تھیں مگر تمہارا ریوالور والا ہاتھ
 سے باہر نکل آیا تھا اور میں نے اسے دیکھ لیا تھا پھر چونکہ ریوالور تم اپنے ہاتھ سے چھوڑ چکی تھی ا
 میں نے ریوالور اپنے قبضے میں کر لیا اور اس کے بعد ساری رات جاگتا رہا، صرف اس تصور کے
 کہیں کوئی اور میرے کمرے میں داخل نہ ہو جائے یا تمہیں کسی طرح سے دیکھ نہ لے۔ میری بات
 اطمینان ہو؟"

"دوبارہ یہ سوال نہ کیجئے گا شاہ جی! میں نے آپ پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کیا ہے کیونکہ میری
 آپ کے رحم و کرم پر تھی۔ آپ تو میرے ساتھ جو سلوک چاہتے کر سکتے تھے۔" مکرم شاہ نے کوئی
 نہیں دیا۔ چند لمحات خاموشی رہی اور پھر وہ بولا۔
 "گویا پہلا سوال ختم، دوسرا سوال کرو۔"

"دوسرا سوال یہ ہے شاہ جی کہ الماس آراء بیگم کہاں ہیں؟"
 "وہ شہر چلی گئیں۔ ان کی کلائی کی ہڈی چکنا چور ہو گئی تھی۔ بڑی بری کیفیت میں یہاں سے گئی
 ہسپتال پہنچایا گیا ہے انہیں۔ ہاتھ کی یہ ہڈی تم نے توڑی ہے؟ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"
 "مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میری پہلی کاوش بہت کار آمد رہی۔" میں نے سفاک لہجے میں کہا
 ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"ابھی نہیں، ابھی نہیں۔ اپنے کسی جذبے کا اظہار نہ کرو۔ تیسرا سوال۔"
 "تیسرا سوال یہ شاہ جی کہ آپ کا الماس آراء سے کیا تعلق ہے؟" میں نے کہا اور وہ چونک کر
 دیکھنے لگا۔ کچھ لمحے حیرت سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"واہ! تم نے اس آخری سوال میں سارے سوالات ایک ساتھ کر ڈالے۔ خیر اب یہ ڈرامہ ختم
 ہیں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میرا الماس آراء بیگم سے کیا تعلق ہے؟" مکرم شاہ نے کہا، کچھ لمحے سوچتا رہا
 بولا۔

"تھوڑی سی معلومات مجھے ہو گئی ہیں لیکن زیادہ تفصیل سے نہیں۔ الماس آراء بذات خود ایک اچھا
 چالاک عورت ہے۔ میرے پاس وہ عزت جلال کے حوالے سے آئی تھی۔ عزت جلال جیسا کہ تمہیں
 طور پر معلوم ہو گا کہ وہ ایک سیاست دان ہے اور اس دور میں سیاست دان جو کچھ ہوتا ہے یہ بات
 تمہیں معلوم ہوگی۔ اگر کوئی شخص ایک کامیاب سیاست دان ہے تو ہم اس کے بارے میں یہ کہہ سکتے
 کہ اس کے ہاتھ انتہائی لمبے ہیں۔ میرا جہاں تک سلسلہ ہے، یہ چھوٹا سا علاقہ میرا ہے۔ تھوڑی سی زمین
 ہیں، ایک دو گاؤں ہیں، کھیت وغیرہ ہیں۔ ایک بار میری ان زمینوں کا معاملہ بڑا گڑبڑ ہو گیا تھا۔ بس یہ سمجھ

یہ میرے ہاتھ سے نکلی جا رہی تھیں۔ اس موقع پر عزت جلال نے میری بہت مدد کی تھی اور اپنی پہنچ اور
 نیارات سے میری گلو خلاصی کرا دی تھی۔ اس وقت سے میں اس کا احسان مند ہوں۔ میری اس سے بہت
 ملاقاتیں ہوئیں لیکن کچھ ہی ملاقاتوں کے بعد مجھے اس بات کا علم ہو گیا کہ وہ اچھا انسان نہیں ہے۔ اس
 مجھ سے دوستی کی، مجھ پر احسان کیا لیکن اس کے بعد اس نے مجھ سے ایسے ایسے کام کرائے جو میری
 رت کے خلاف تھے اور اگر کبھی بھی میں نے ان سے گریز کیا تو اس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں دھمکی دی کہ
 کے نتیجے میں مجھے نقصان اٹھانا پڑے گا۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، اسے کر
 لی سکتا ہے۔ خیر شروع میں، میں نے اس کی کچھ باتوں کو نظر انداز کیا تو اسے مجھ سے یہ الفاظ کہنا پڑے
 بن بعد میں، میں نے یہ اندازہ کر لیا کہ بہرحال مجھے دینی کرنا ہے جو وہ کہے گا البتہ میں نے اسے کبھی دل
 سے پسند نہیں کیا اور بذات خود اسے دوست نہیں بنایا۔ الماس آراء بیگم ایک بار شکار کے موسم میں ادھر
 لی تھی۔ اس نے یہاں کافی دن گزارے۔ میں نے عزت بیگم کے حوالے سے اس کی کافی خاطر مدارات
 یا اور اسے یہ ماحول پسند آیا۔ پھر اس کے بعد وہ چار پانچ مرتبہ ادھر آئی۔ اس بار وہ جب میرے پاس آئی
 مجھ عجیب سے انداز میں آئی۔ اس نے آکر مجھے بتایا کہ ایک لڑکی ان علاقوں تک پہنچی ہے اور اس سے اس
 ن دشمنی ہے۔ ساری تفصیل نہیں بتائی اس نے۔ بس یہ کہا کہ اس لڑکی کو تلاش کرنا ہے۔ میں نے اس
 لسلے میں بھی اپنا کام شروع کر دیا اور کچھ عرصے کے بعد مجھے پتا چلا کہ ایک ایسی لڑکی ادھر آئی ہے۔ یہ
 طلوات میرے ایک آدمی کو جس نے فراہم کیں اس کا تعلق غلام بخش سے ہے۔ غلام بخش کے بارے میں
 ن تم کو بتاؤں گی لی کہ وہ درحقیقت ڈاکو ہے۔ خیر الٹی کا داماد ہے اور خیر الٹی بہت بڑا ڈیرہ ہے۔ خیر الٹی کی
 ج سے غلام بخش کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ مجھے یہ پتا چلا کہ غلام بخش کی بیوی گل زادی بھی
 ن لڑکی کی طرف سے دل میں برائی رکھتی ہے۔ اس لڑکی پر پچاس لاکھ روپے کا انعام ہے اور وہ لڑکی یہاں
 نے کے بعد لاپتہ ہو گئی ہے۔ گل زادی نے شاید اس سلسلے میں پولیس کو بھی اطلاع دی ہوئی ہے۔ یہ
 اری باتیں مجھے معلوم ہوئیں لیکن وہ لڑکی گل زادی کے ہاتھ نہیں آسکی اور نہ ہی پولیس اس کا پتا چلا
 ل۔ ہاں ایک ویران علاقے میں اس لڑکی نے سات پولیس والے ہلاک کر دیے۔ غلام بخش کا ایک خاص
 دی جس کا نام مٹھل واڑا تھا، ہلاک ہو گیا اور لڑکی وہاں سے غائب ہو گئی۔ بس عزت جلال کی بہن اس
 لسلے میں میرے پاس آئی ہوئی تھی۔ میرے آدمی چاروں طرف اس لڑکی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ الماس بیگم کا
 مٹا ہے کہ میں اس لڑکی کو تلاش کر کے اس کے حوالے کروں کیونکہ ان علاقوں میں میرا اثر و رسوخ ہے۔
 ن حیران تھا کہ آخر وہ لڑکی کون ہے؟ اور اس نے کیا چکر چلایا ہے مگر رات کو سارا کھیل ظاہر ہو گیا۔ مجھے پتا چل
 لیا کہ تم یہاں تک آگئی ہو اور تم نے عزت بیگم کی بہن کے ساتھ بالکل درست سلوک کیا ہے۔ یعنی وہی جو
 یسے لوگوں کے ساتھ کرنا چاہئے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ بلاوجہ نہیں ہوا ہوگا۔ اس کا کوئی نہ کوئی پس منظر
 راز ہوگا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ پس منظر کیا ہے لیکن بس یہ سمجھ لو کہ مجھے خوشی ہوئی کہ وہ زخمی ہو گئی ہے۔ وہ
 اتنے جلدی ہدایت کر گئی ہے کہ میں جان کی بازی لگا کر اس لڑکی کو تلاش کروں اور اسے زندہ یا مردہ اس کے
 ا لے کروں کیونکہ وہ میری حویلی تک آ پہنچی ہے۔ پھر جب اسے روانہ کرنے کے بعد میں واپس اپنے

کمرے میں آیا اور جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ تم گہری نیند سو گئی تھیں چنانچہ میں نے سب تمہارا ریلو اور اپنے قبضے میں کیا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ تمہاری شکل دیکھوں لیکن اتنی ہمت نہیں کر رہا تھا کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔" وہ خاموش ہو گیا۔

میں ایک بار پھر دل ہی دل میں ہنسنے لگی۔ ایک اور ہمدرد۔ قدرت نے میرے دشمنوں میرے دوستوں کی بھی بڑی تعداد پیدا کی ہے۔ وہ میری صورت دیکھتا رہا اور اس نے کہا۔

"اب کیا تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گی؟"

"ہاں۔ بابا سائیں! آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ ظاہر ہے، میرا فرض ہے کہ میں آپ بارے میں ساری تفصیل بتاؤں کیونکہ الماس بیگم نے آپ کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" پھر مختصر ایسے تایا کمال احمد اور اپنے بارے میں بتا دیا اور جو کچھ الماس بیگم میرے ساتھ کر چکی تھی وہاں بھی سنا دی۔

میری داستان اور جدوجہد کا احوال سن کر مکرم شاہ کے چہرے کے نقوش بدل رہے تھے۔ پھر کہا۔

"ایک بات کون تم سے۔ میرا مشورہ ہے، ایک بزرگ اور تمہارے چچا کا مشورہ، کچھ بھی نہ گامیں تمہارے خلاف فکر مت کرو میں سب ٹھیک کر لوں گا، ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس ایک چاہتا ہوں، میں تمہیں اگر تم مان لو تو۔"

"ہاں ہاں بابا سائیں! آپ مجھے مشورہ دو۔ آپ جانتے ہو بلکہ جان چکے ہو کہ میرا کوئی سرور کوئی ہمدرد نہیں۔ دماغ جہاں تک جاتا ہے وہاں تک کام کر رہی ہوں۔ میں اپنی سی کوشش میں لگی۔ سائیں! مجھے بتا دو میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"ایک آدمی کو ابھی تم نے چھوڑا ہوا ہے جو تمہاری رہنمائی کر سکتا ہے۔ تم نے اسے کیوں کیا ہے؟ تم اس کی وجہ بتاؤ۔"

"کون آدمی بابا سائیں؟"

"تمہارا تایا کمال احمد۔ تمہاری اس کے بارے میں یہ رائے بالکل درست ہے کہ وہ ڈی کام کا آدمی نہیں ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کو اپنے سالے پر قربان کرے، وہ یقینی طور پر انسان اس کے بارے میں جتنے بڑے الفاظ استعمال کئے جائیں وہ کم ہیں لیکن اس کے باوجود وہ الماس آرا ہے۔ نام کا ہی سہی۔ اگر تم اس کی غیرت کو جگا دو اور اس کی مدد حاصل کر لو تو کیا یہ زیادہ مناسب نہ لگا۔ اس کے دل میں اس کے بھائی کا پیار جگاؤ۔ انسانیت جگاؤ۔ وہ شخص تمہارے لئے بہت کارآمد ہو سکتا ہے۔ یہ ایک مشورہ ہے۔ میرا باقی تم یہ خود جانتی ہو گی کہ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔"

میں مکرم شاہ کی طرف دیکھنے لگی۔ بات تو واقعی سمجھ میں آ رہی تھی۔ تایا کمال احمد بے شک ا کے غلام تھے اور اس کے اشاروں پر ناچتے تھے لیکن اب یہ رقص کرتے ہوئے زندگی کے بہت اچھے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں کبھی اس بات کا احساس ہو جائے کہ جو کچھ وہ اپنی بیوی کے لئے کر رہے

ت بہت سوں کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے، کبھی ان کے دل میں بھائی اور بھانج کا پیار جاگ اور کچھ نہیں تو کم از کم خفیہ طور پر یہی پتا لگ سکتا ہے کہ ان کی بھانج اور بھائی کہاں ہے؟ میں بہت دیر تک سوچتی رہی اور مکرم شاہ میری صورت دیکھتا رہا، پھر اس نے کہا۔

"میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ تمہیں بحفاظت شہر پہنچا دوں۔ شہر میں تم اگر چاہو تو میں تمہارے لئے ایک بندوبست بھی کر سکتا ہوں۔ میرے اتنے اختیارات ہیں وہاں، حالانکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی تمہیں لے کرے یا اس انداز میں دیکھ سکے کہ میرا تم سے کوئی تعلق ظاہر ہو جائے لیکن بہر حال جتنی مدد کر سکتا ہوں کروں گا۔ روپے پیسے کی بھی کوئی فکر نہ کرنا۔ تمہاری ضرورت کے مطابق رقم بھی مل جائے گی۔ صرف انسانی ہمدردی کی بنا پر ہو گا۔ اگر اس بات کو تسلیم نہ کرو تو جس وقت بھی تم کو گی، تمہیں خاموشی میں سے باہر نکال دوں گا۔ باقی سب کچھ تمہاری مرضی پر ہے۔"

میں نے ممنون نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا اور خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"بولو، کیا چاہتی ہو۔ ایک بیٹی کی حیثیت سے مجھ سے کچھ مانگو، تمہارا بابا سائیں تمہیں کیا دے سکتا؟"

"ناشتا۔" میں نے کہا اور مسکرا دی، وہ مجھے دیکھتا رہا اور پھر وہ بھی ہنس پڑا۔

"ہاں۔ تم ایسا کرو، مسہری کے نیچے چلی جاؤ۔ میں ابھی ناشتا منگواتا ہوں۔ اس دوران تم فیصلہ کر لیتا۔ مجھے معاف کرنا، اتنی بڑی حویلی ہے، تم جہاں چاہو گی وہاں میں تمہیں جگہ دے سکتا ہوں لیکن تمہارے محفوظ ترین جگہ مسہری کے نیچے ہی ہے۔ جاؤ اب میں ملازمہ کو بلاتا ہوں۔ اس دوران سوچنا، فیصلہ کرنا، لٹا ہے، الماس آراء بیگم کچھ اور لوگوں کو یہاں بھیج دے۔ ابھی تو وہ اپنی ہی مصیبت میں گرفتار ہو گئی اس سے پہلے تم یہاں سے نکل جاؤ تو اچھا ہے۔"

میں مسکراتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور مسہری کے نیچے رینگ گئی۔ مکرم شاہ نے میرا ریلو اور جھک کر اٹھ میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کو، بیٹیوں کی کوئی چیز بزرگ نہیں لیتے۔ بس کو یا اپنے آپ کو بیٹی کہو۔ ایک ہی بات ہے۔ محبت کا شہ مقدس اور عظیم ہوتا ہے۔ وہ الفاظ کی قید میں اچھا نہیں لگتا۔ میں اب ملازمہ کو بلا رہا ہوں۔ ار۔" پھر تھوڑی دیر بعد ناشتا آگیا۔ مکرم شاہ نے میرے ساتھ ہی ناشتا کیا اور میں نے اسے ممنون سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے مجھے عزت دی ہے بابا سائیں! اسے میں زندگی بھر یاد رکھوں گی۔"

"نہیں۔ عزت اور ذلت دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ میں تمہیں بھلا کیا عزت دے سکتا ہوں پھر تم بذات خود بھی کوئی معمولی حیثیت کی مالک نہیں ہو۔ چلو چھوڑو ان باتوں کو مجھے یہ بتاؤ کیا فیصلہ کیا ہے اس بارے میں؟"

"میں اس علاقے سے نکلنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کا بندوبست ہو جائے گا۔ شہر جا کر کیا کرو گی؟"

”کچھ نہ کچھ کر لوں گی بابا سائیں! آپ اس سلسلے میں بالکل فکر مند نہ ہوں۔“

”ہوں۔ گویا تم چاہتی ہو کہ میں تمہیں صرف شہر تک پہنچا دوں؟“

”ہاں۔ بابا سائیں! آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔“

مکرم شاہ گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔

”خیر دنیا سے اتنا بے گانہ کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ اس نے مجھ سے مدد مانگی تھی میں نے ا

یہی بات سوچی تھی کہ یہ لوگ جس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ بے تصور ہی ہوگا۔ یہ بات

لوگوں کی فطرت کے مطابق ہی سوچی تھی اور سچ بھی نکلا۔ لیکن خیر ٹھیک ہے۔ تم اگر اپنے طور

ہو تو میں مان لیتا ہوں۔ ہاں لیکن تم سے ایک بات کہوں گا۔ کبھی اگر میری ضرورت پیش آئے

مشکل کا شکار ہو تو دوسرا آجانا اور دوسرے آسکو تو میں تمہیں کچھ ٹیلی فون نمبر دوں گا ان پر رابطہ

مجھے اپنی تکلیف بتا دینا۔“

”بہت مہربانی سائیں۔“

”ابھی تھوڑی دیر کے بعد میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔ طریقہ کار میرا اپنا

اس سلسلے میں مجھ پر اعتبار کرنا ہوگا۔“

”سائیں مجھے آپ پر اعتبار ہے۔“ میں نے جواب دیا پھر اس کے بعد مکرم شاہ سے باہر گا

نے دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔

مکرم شاہ قابل اعتماد لگ رہا تھا۔ قابل اعتماد تو غلام بخش بھی تھا لیکن وہ یہ سب کچھ نہیں

کی مجھے توقع تھی۔ ہوتا ہے ایسا بھی ہوتا ہے۔ اب ہر شخص کو اس قدر مکمل تو نہیں سمجھ لیتا جا

ایچے بعض اوقات اپنی کوشش میں ناکام ہو جاتے ہیں ویسے گل زادی بھی قابل معافی ہے۔ اس

کیا تھا رقابت میں کیا تھا جب کہ میں اس کی رقیب نہیں تھی۔ دو تین گھنٹے کے بعد مکرم شاہ

دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا پھر اس نے سرگوشی میں آواز دی۔

”باہر آؤ شاہ نور“ مجھے یقین ہے کہ تم خیریت سے ہوگی۔ میں مسمری کے نیچے سے باہر گا

میں نے اسے بغور دیکھا۔ وہ ایک لباس لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا۔

”دوپہر کے کھانے کے بعد ہم یہاں سے نکلیں گے۔ اس وقت تم غسل کر کے یہ لباس پہن

برقع اوڑھ لیتا۔ میں تمہیں بعد میں بتا دوں گا کہ کیا کرنا ہے۔ کمرے کو باہر سے بند کرنے کی

ہوں۔ اصل میں کمرے کی صفائی کرنے والی آجاتی ہے اس سے تمہیں چھپانا مقصود تھا کیونکہ ص

ہوئے وہ مسمری کے نیچے کی بھی صفائی کرتی ہے۔“

”سمجھتی ہوں سائیں! لیکن یہ کپڑے۔“

”آجائیں گے تمہارے جسم پر۔ میں نے اپنے ایک کارندے سے منگوائے ہیں۔ اس کی

تمہاری طرح لمبی ترنگی ہے۔ وقت کی ضرورت ہے ورنہ تمہارے سامنے کپڑوں کے انبار بھی لگا

تھے اور ہاں.....“ وہ ایک لمحے رک کر بولا۔ ”دوپہر کا کھانا میں تمہارے ساتھ نہیں کھاؤں گا

نے گا۔ جو کوئی بھی کھانے بے کر آئے اس کے بارے میں فکر مند نہ ہونا۔ یہاں میرے ایسے آدمی بھی

اندھے، گونگے اور بہرے ہیں۔ بس انہیں جو ہدایت دی جاتی ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ ایسا ہی

دہی کھانا لے کر تمہارے پاس آئے گا میں چلتا ہوں۔“ مکرم شاہ نے کہا اور باہر نکل گیا۔

کوئی دو بجے کے قریب کوئی کھانے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ میں بدستور مسمری کے

پیر اور یہی میری پناہ گاہ تھی۔ وہ کھانا میز پر رکھ کر باہر نکل گیا۔ میں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی

اطمینان سے باہر نکل آئی۔ بھئی ہوئی بیڑ، خمیری روئیاں بہت ہی اعلیٰ قسم کے چاول اور دال تھی۔

ن خوب پیٹ بھر کر کھایا اور سیر ہو گئی۔ ٹرے میں نے اسی جگہ ڈھک کر رکھ دی تھی۔ کوئی پونے تین

میں نے کپڑے وغیرہ پہنے اور تیار ہو گئی۔ لباس واقعی میرے جسم پر بالکل فٹ آیا تھا۔ تین بجے مکرم شاہ

زہ کھل کر اندر آ گیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور پھر بولا۔

”برقع پہن لو اور میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔“ میں نے برقع پہنا اور بے دھڑک باہر نکل آئی۔ مکرم

شاہ نے کوئی پانچ گز کے فاصلے پر جا رہا تھا۔ راہداری عبور کرنے کے بعد بیرونی حصے میں پہنچے تو ایک بہت

تی لینڈ کروزر کے پیچھے حصے میں بیٹھ گئی۔ مکرم شاہ ڈرائیور کے ساتھ اگلے حصے میں تھا۔ لینڈ کروزر

ت ہو کر آگے بڑھ گئی۔ بڑی حویلی کا گیٹ کھلا اور لینڈ کروزر باہر نکل آئی۔ مجھے منحل واڑا یاد آ گیا تھا۔

ایسی طرح دنگ انداز میں باہر نکلا تھا۔ لینڈ کروزر کا سفر جاری رہا اور میں خاموشی سے باہر کا نظارہ کرتی

۔ سلطان شاہ نے مجھے بڑے جتن سے باہر بھیجا تھا اور غلط نہیں سمجھا تھا۔ بہر حال غلام بخش نے میری

ی عزت اور پذیرائی کی تھی جتنی ایک عزت دار شخص کی کی جاتی ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ حادثے

شللوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات حادثے ہی تھے۔ سفر جاری تھا۔

چونکہ بہت زیادہ کھایا تھا اس لئے آنکھوں میں غنودگی سی طاری ہو گئی تھی۔ پھر یہ لباس ایک جگہ ختم

میں نے چونک کر دیکھا، اپنے شہر کے ایک ایک چپے کو پہنچاتی تھی۔ میں ایک بار پھر اپنے حسین دنیا میں

آگئی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ میرے لئے اب اس دنیا کا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ بلکہ یہ اندیشوں اور

دل کی دنیا بن گئی تھی لیکن یہاں کچھ ایسی خوشبوئیں تھیں جو بہر حال زندگی کی ساتھی تھیں۔ میں ابھی

سائیں ہی گم تھی کہ میری سماعت سے مکرم شاہ کی آواز کرائی۔ وہ اپنے ڈرائیور سے مخاطب تھا۔

”ٹھیک ہے بابا۔ تم ایسا کرو، ہوٹل پہنچو اور دوسرے کمرے میں جا کر روکو۔ میں تھوڑی دیر میں

آتا ہوں۔“ ڈرائیور اپنی سیٹ چھوڑ کر نیچے اتر گیا تو مکرم شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اس نے

سے کچھ نہیں کہا اور لینڈ کروزر اشارت کر کے آگے بڑھا دی۔ تھوڑی دیر بعد مکرم شاہ نے لینڈ کروزر

پہنچائیں علاقے میں روک دی۔ یہاں عالی شان بیگلے بنے ہوئے تھے۔ مکرم شاہ لینڈ کروزر سے نیچے اتر اور

نے کہا۔

”آجاؤ“ نیچے آجاؤ۔“ میں خاموشی سے نیچے اتر آئی تو مکرم شاہ آگے بڑھا۔ گیٹ کے پاس ایک عجیب

لمبی ہوئی تھی۔ بظاہر کوئی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ یہاں کوئی خاص بات ہوگی لیکن مکرم

شاہ گیٹ کے پاس سائیں میں بنے ہوئے ایک ٹائل کو پانچ دفعہ دبایا اور ٹائل کسی کھڑکی کی طرح کھل گیا۔

اس میں ہاتھ ڈال کر کرم شاہ نے چابی نکالی اور گیٹ پر پڑے ہوئے بڑے سے تالے کو کھولا۔ تمام کارروائی برقع کی جالیوں سے دیکھ رہی تھی۔ کرم شاہ نے گیٹ کھولا اور مجھ سے بولا۔
”آجاؤ۔“ میں خاموشی سے اندر داخل ہو گئی تو کرم شاہ بولا۔

”یہ میرا بنگلہ ہے۔ خالی پڑا رہتا ہے۔ میں نے یہاں چوکیدار بھی نہیں رکھا۔ یہ چابی پیچھے رہتی ہے۔ ٹائل کو پانچ بار زور سے دباتا پڑتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے کہ اگر آدمی اتفاقاً کو دبائے تو ایک دفعہ دبائے گا۔ دو دفعہ دبائے گا۔ اس کے بعد کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اصل کام پا کے بعد ہوتا ہے۔ اس عمارت میں چار بیڈ روم ہیں، ایک ڈرائنگ ہال ہے، اور ضرورت کی موجود ہیں۔ کچن میں فریج بھی رکھا ہوا ہے لیکن بند کیا ہوا ہے۔ یہ گھر میں تمہیں اس لئے دکھ اگر تمہیں کچھ دقتیں ہوں اور تم فوری طور پر کوئی مناسب جگہ نہ پاؤ تو آرام سے ادھر آجاؤ۔ تم تو میں یہاں ایک کار بھی بھجوا دوں گا۔ میرا ایک دوست ہے، وہ کرائے پر کاریں دیتا ہے۔ تم دوست کیسا ہو سکتا ہے۔ وہ کار رینٹ کار ہی ہوگی اور اس کی رجسٹریشن سے کوئی بھی کچھ پتا نہ لگا۔ مگر وہ تمہارے استعمال میں آسکتی ہے۔ بہر حال کاریں پہنچ جائے گی۔ میری بات سمجھ رہو یہاں تک آجاتا تمہارا کام ہوگا۔ کھانے پینے کی چیزیں میں یہاں اس لئے نہیں بھجوا سکتا کہ ہو سکا ادھر نہ آؤ۔ ٹھیک ہے۔ میں اسی لئے تمہیں یہاں لایا ہوں یہ علاقہ تمہارے ذہن میں ہے؟“

”جی سائیں۔“ میں نے ممنونیت سے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔
”دیکھو بیٹے۔ اس سے زیادہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں کھل کر تمہارا ساتھ دے کے بارے میں مجھ سے زیادہ تم جانتی ہو۔ اس لئے معافی چاہتا ہوں۔ مردوں کی طرح سینہ تان ساتھ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اب یہ بولو ادھر روکی یا کہیں اور جانا ہے؟“
”سائیں! آپ مجھے ایسی جگہ چھوڑ دیں جہاں مجھے ٹیکسی مل جائے۔“

”ٹھیک ہے آجاؤ۔“ تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک بھرے پڑے بازار میں رک گئی۔ میں تھی۔ برقع میں نے بدستور پہنا ہوا تھا۔ کرم شاہ نے مجھے تھوڑی سی رقم بھی دی تھی۔ میرے اترنے کے بعد حافظہ کتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک ٹیکسی اسٹینڈ نظر آ رہا تھا۔ میں لنگڑائی طرف چل پڑی۔ تھوڑی دیر بعد ٹیکسی اسٹینڈ پر پہنچی اور لرزتی ہوئی بوڑھی آواز میں ایک پتا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ ڈرائیور کو میں نے اس علاقے کا نام بتایا تھا جہاں ناویہ رہتی تھی۔ یہ رہائش گاہ سے کافی فاصلے پر میں ٹیکسی سے اتر گئی۔ ڈرائیور کو بل ادا کیا اور اس کے بعد لنگڑائی بڑھتی چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد ناویہ کی کوٹھی کے سامنے سے گزری۔ میری تیز نگاہوں نے بڑے اندر جھانکا۔ پورچ میں ناویہ کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ میں اس بات سے مطمئن ہو گئی کہ ناویہ گھر ہے۔ گیٹ پر میرا شناسا چوکیدار موجود تھا لیکن میں جس طے میں تھی اس میں چوکیدار کے سامنے چاہتی تھی۔ کسی بھی ایسے خطرے کو خود بخود مول لینا مناسب نہیں تھا۔ ناویہ نے مجھے وہ خفیہ راہ

سے میں بہ آسانی اس کے گھر میں آ جا سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے وہی راستہ اختیار کیا۔ اندر داخل ہونے پہلے میں نے برقع اتار کر لپیٹ لیا تھا۔ ناویہ کی کوٹھی میں داخل ہو کر میں آخر کار اندرونی حصے میں پہنچ پھر کچھ لمحوں کے بعد میں نے جھانک کر دیکھ لیا تھا۔ ناویہ اندر موجود تھی۔ ناویہ کی آواز ابھری۔

”کون ہے اندر آجاؤ۔“ میں اندر داخل ہوئی تو ناویہ نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور اس پر وہی رد ہوا ہونا چاہئے تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ بہت دیر تک وہ مجھے اپنے آپ ہائے رہی تھی۔ ناویہ تھوڑی دیر بعد سنبھلی۔ اس نے کہا۔ ”تم خیریت سے تو ہو بالکل؟“
”ہاں بابا صاحب بالکل خیریت سے ہوں۔“

”ٹھیکو۔ یہ کیا ہے؟“ اس نے میری بغل میں دبے ہوئے برقع کو دیکھ کر کہا اور میں نے اسے ایک رف اچھال دیا۔

”بس۔ خود کو چھپائے چھپائے پھر رہی ہوں۔“
”خدا تمہاری مشکل آسان کرے۔ میں اگر کچھ کموں گی تو تم سوچو گی کہ سامنے آگئی ہوں اس لئے یہ ب کچھ کہہ رہی ہوں۔ تم میری بے بسی محسوس کرو، کتنا ہی چاہوں، کتنا ہی سوچوں، کہاں تلاش کروں بس کہاں سے پاؤں۔ کیا کروں۔ میں تو کھل کر تمہارے ہر محاذ پر شانہ بشانہ آنے پر تیار ہوں۔ سچی بات ہے کہ اب مجھے کسی چیز کی پروا نہیں رہی ہے۔ ہماری تنظیم بھی اب کچھ پیچھے ہٹ رہی ہے۔ غالباً ان لوگوں نے بیرون ملک اپنا کوئی سلسلہ شروع کر دیا ہے اور اب وہ منشیات کی سنگٹنگ کا چکر نہیں چلا رہے ہیں ان پھر بھی تھوڑا بہت رابطہ ہے ان سے۔ میں نے ان سے اپنی بیماری کا بہانہ کر کے یہ اجازت لے لی ہے۔ کچھ عرصے ان ہنگامہ آرائیوں سے دور رہوں۔ جانتی ہو ایسا کیوں کیا ہے میں نے۔ بس تمہاری وجہ سے رادل کسی کام میں نہیں لگتا۔ یقین تو نہیں کرو گی میری بات پر مگر میرے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے اپنی باتوں کا۔“

”بابا صاحب، کیا میں چلی جاؤں؟“ میں نے غصیلے انداز میں کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔
”کیوں؟“

”ایسی باتیں کر رہی ہو جو میرے دل پر زخم لگا رہی ہیں۔ میں غیر جذباتی تو نہیں ہوں مگر جذبات کے نور میں پھنس کر اپنی صلاحیتوں کو نہیں کھونا چاہتی۔ تمہارے بارے میں میرا یہ اندازہ ہے ناویہ کہ قدرت نے ہم دونوں کو ایک دوسرے کے قریب کیا ہے۔ اس میں اس کی کیا مصلحت ہے۔ یہ انسان نہ کبھی جان سکا نہ جان سکے گا لیکن میں بھی تمہیں بہنوں کا درجہ دیتی ہوں۔ شاید تمہیں پھر بھی اس پر یقین نہ آئے۔“
”نہیں، کیوں نہیں۔ انسان اسی طرح تو مجبور یوں میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اس کے قصے بن جاتے ہیں۔ چلو چھوڑو، جذباتی باتیں بہت ہو گئیں۔ کمزور نظر آ رہی ہو مجھے۔ یہ تو کتنا ہی بے کار ہے کہ پریشان نہ ہوئی۔ مجھے چونکہ اس بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم لہذا مجھے یہ بتاؤ کہیں سے کامیابی کی کوئی جھلک نظر آئی؟“

”نہیں۔ ابھی تو اپنا دفاع کرتی پھر رہی ہوں۔ جنگ مطلوبہ لڑ رہی ہوں۔“

”ہوں۔ کہاں رہیں اس دوران۔“

”لمبی کہانی ہے۔ بس یوں سمجھ لو‘ سندھ کے اندرونی علاقوں میں گھوم پھر رہی تھی۔ بہت نگاہوں میں آئے۔ بہت سے معاملے علم میں آئے۔ اصل میں بھائی سلطان شاہ کا مشورہ تھا کہ چونکہ بڑی سرگرمی کا مظاہرہ ہو رہا ہے‘ میری تلاش کے سلسلے میں۔ پچاس لاکھ کا معاملہ بھی ہے چنانچہ چھوڑ دوں۔ انہوں نے مجھے اندرون سندھ کے ایک علاقے میں پہنچا دیا تھا لیکن بابا صاحب‘ یہ صرف ایک کہانی نہیں ہے۔ بلکہ کہانی در کہانی ہے‘ واقعات مجھے سکون سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ کہو جگہ بھی پہنچ جاؤں تو وہاں بھی دس بیس ہنگامے مجھے تلاش کرتے ہوئے پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں بھی انوکھے واقعات سے دوچار ہوئی کہ آخر کار شر واپس آنا پڑا۔ البتہ ایک کام کیا ہے میں نے۔“

”کیا؟“

”اچھا یہ بتاؤ اخبارات کی کیا رپورٹ ہے؟“

”نہیں آج کل تمہارے بارے میں کچھ نہیں لکھ رہے۔ سچی بات ہے کہ ان دنوں اخبار تمہارے لئے ہوں کہ کہیں تمہارے بارے میں تو خبر نہیں ہے۔ پتا نہیں‘ اخبارات نے تمہارے کیوں خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ کوئی بھی خبر نہیں دیکھی بہت دن سے۔“

”گڈ۔ الماس بیگم کے بارے میں بھی کچھ نہیں دیکھا؟“

”بالکل نہیں۔ کیا کوئی خاص بات ہے؟“

”ہاں‘ مختصراً میں تمہیں سناتی ہوں۔“

”یہ بتاؤ کچھ کھانے کے لئے منگواؤ؟“

”ابھی نہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ویسے خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک میرے سلسلے میں کسی بھی طرف سے شک اظہار نہیں کیا گیا۔ یعنی کسی کو یہ اندازہ نہیں ہے کہ میرا اور تمہارا کوئی گٹھ جوڑ ہے۔ حالانکہ ظفر آدمی ہے اور اس نے یقیناً تھوڑی بہت تفصیلات بتائی ہوں گی لیکن ابھی تک میری طرف کہیں اشارہ نہیں ملا ہے اور اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کو میرے اور تمہارے بارے میں معلومات نہیں ہیں۔“

”خوش قسمتی ہے ہماری۔“

”کچھ کھا لو۔“

”نہیں ناویہ ابھی نہیں۔“

”چلو ٹھیک ہے۔ تم الماس بیگم کے بارے میں کچھ بتا رہی تھیں۔“

”ہاں۔ مختصراً یہ بتا رہی ہوں کہ الماس بیگم مسلسل میرا تعاقب کر رہی ہے اور وہ کیا اس کا بھاء جلال سب سے آگے بڑھ کر کوشش کر رہا ہے اور وہ صاحب اختیار آدمی ہے۔ اب دیکھتی ہوں کہ با۔ تک پہنچتی ہے۔ ویسے الماس بیگم میرے ہاتھ لگ گئی تھی۔ میں نے اسے شدید زخمی کر دیا تھا اور با

ت وہ اسپتال میں ہوگی۔“

”الماس آراء!“ ناویہ کا چہرہ ایک دم عجیب سا ہو گیا۔

”ہاں۔“ میں نے کہا اور مختصراً ناویہ کو ساری تفصیل بتا دی۔ مگر شاہ تک کا تذکرہ ہوا لیکن اس مکان کے بارے میں‘ میں نے ناویہ کو نہیں بتایا۔ ناویہ میرے ہاتھوں الماس بیگم کے زخمی ہو جانے کی خبر سے بہت راز تھی۔ آخر میں اس نے کہا۔

”کیا شدید زخم لگے ہیں اسے؟“

”نہیں۔ میں نے بس اس کی کلائی توڑ دی ہے۔“

”اوہ۔ ٹھیک تو ہو جائے گی لیکن اس کے بعد وہ ایک زخمی ناگن بن جائے گی۔ بہر حال تمہارے لئے لمبات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔“

”ہاں۔ اور اب تو میں یہ سوچتی ہوں ناویہ کہ یہ خطرات میری زندگی کا ایک حصہ بن گئے ہیں اور اگر میں نے ان سے بچنے کی کوشش جاری رکھی تو شاید زندگی کھو بیٹھوں۔“

”مطلب؟“

”لڑائی۔ لڑائی۔ لڑائی۔ ان سے لڑتی رہوں گی تو زندہ رہوں گی اور جہاں میں نے اس لڑائی سے بھاگنے کی کوشش کی وہیں موت مجھے آروپے گی۔ مجھے ہر کام کرنا پڑے گا ناویہ‘ جو ان لوگوں کے خلاف ہو۔ مجھے ان پر برابر حملہ کرتے رہنا پڑے گا‘ تاکہ یہ مجھ پر حملہ کرنے کی لئے فرصت نہ پاسیں۔“

”واہ کیا زبردست نظریہ ہے۔ لیکن تم یہ کر سکو گی؟“

”کر رہی ہوں اور جس طرح بھی بن پڑے گا‘ کرتی رہوں گی۔ میں نے بتایا نا‘ یہی میرا نظریہ حیات ہے۔ ہاں ایک وقت ایسا آئے گا‘ جب میں رک جاؤں گی اور یہ وقت وہ ہوگا‘ جب مجھے میری بہنیں‘ میری ماں اور باپ مل جائیں گے۔ اس وقت میں ایک ایسا پرسکون گوشہ تلاش کروں گی جہاں میں ایک پناہ گزین کی حیثیت سے رہ سکوں۔ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

”خدا نہ کرے جو تم پناہ گزین کی حیثیت سے کہیں رہو۔ ایک عزت دار زندگی تمہیں ضرور ملے گی۔ یہ میرا ایمان ہے شاہ نور‘ اس بات کو تم یاد رکھنا۔ میں اعتماد سے بہت کم باتیں کہتی ہوں کیونکہ میرا زندگی بھر کا تجربہ مجھے اعتماد سے بہت دور کر چکا ہے لیکن اگر کوئی بات میرے دل میں پڑا اعتماد شکل اختیار کرتی ہے تو یقین کرو کہ وہ بالکل جامع اور مضبوط ہوتی ہے اور تمہارے بارے میں‘ میں یہ بات بالکل پڑا اعتماد لے رہی ہوں۔“ میرے ہونٹوں پر مدہم مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

”اور یقین کرو ناویہ‘ تمہارے ان الفاظ نے میرا حوصلہ بہت بڑھایا ہے۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔“

”ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ آگے کیا ارادہ ہے؟“

”کچھ نہیں۔ شاید میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میں نے اسے آٹھ دن کا وقت دیا ہے۔ یہ معلومات کرنے میں مجھے کوئی وقت نہیں ہوگی کہ وہ گھر منتقل ہو چکی ہے یا اسپتال میں ہی ہے۔ اس کی فطرت سے

مجھے یہ یقین ہے کہ اگر وہ پانچ پرسنٹ بھی بہتر حالت میں ہوئی تو گھر منتقل ہو جائے گی۔ میں اس سے بات کروں گی۔“

”خیر یہ بات تو میں تمہیں بتائے دیتی ہوں کہ وہ اس قسم کی عورتوں میں سے نہیں ہے جو اپنا ترک کر دیں۔ اسی طرح کی عورتیں زندگی میں شدید ترین نقصانات اٹھایا کرتی ہیں کیونکہ بہر حال انسان کے تابع ہیں۔ وقت انسان کے تابع نہیں ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔ الماس بیگم پر ہاتھ رکھتے ہوئے کیا لگا؟“

”یقین کرو! اس قدر بدکار نہیں ہوں میں۔ اتنی بے ضمیر نہیں ہوں لیکن اب وہ مجھے ایک ناگن کی شکل میں نظر آتی ہے۔ اب اس سے میرے ذہنی رابطے ٹوٹ چکے ہیں۔ میں بے شک اس کا کرتی لیکن میں نے اپنی ماں کو شدید اذیتیں پہنچائی ہیں، اس کی وجہ سے، صرف اس کی وجہ سے۔ اگر باوجود اگر وہ اپنے کئے پر نادم ہو جاتی اور میری ماں کی تلاش میں میرے ساتھ تعاون کرتی اور مجھے اس کا دیتی تو شاید میں ایک بار پھر اس کو مقام دینے کی کوشش کرتی۔ اس نے خود سارے راستے بند کر دیے۔“

”نادیہ سے بہت دیر تک میری گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد اس نے کہا۔“ اچھا۔ آرام کرو۔ چہرے ہی سے تھکی ہوئی لگتی ہو۔ تمہ خانے میں ہی رہنا ہوگا تمہیں۔“

”ہاں ابھی تو ہوا سا وقت آرام کروں گی۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔ حاکم شیرازی کے بارے میں کیا چلا؟“

”نہیں۔ اس کا گھر اسی طرح بند پڑا ہوا ہے۔ کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اس میں۔“

”دلچسپی میں ذہن میں ایک خیال آیا۔ حاکم شیرازی کا گھر بند پڑا ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے، وہ پولیس اور الماس بیگم لگا ہوں میں ہے۔ ہو سکتا ہے، اپنے اس بند مکان میں اس نے میرے لئے کوئی پیغام چھوڑا ہو یا وہاں مجھے کوئی ایسی چیز دستیاب ہو جائے جس سے مجھے اس کے بارے میں پتا چل سکے۔ اس کے مکان کی لینا ضروری ہے۔ بہر حال نادیہ کا گھر بھی میرے لئے ایک ریست ہاؤس تھا۔ چنانچہ میں اس تمہ خانے منتقل ہو گئی اور نادیہ میری خاطر مدارات میں مصروف ہو گئی۔ دو دن میں نے اس طرح گزارے جیسے میرا کوئی تعلق ہی نہیں ہو۔ خاموشی، سکوت، سناٹا، آرام، تیسری رات نادیہ میرے پاس آئی اور بولا ”کل صبح کو ایک کام کرنا ہے تمہیں۔ ایک چار دن کا کورس کرنا ہوگا۔“ میں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو وہ مسکرا دی اور بولی۔

”ہاں۔ یہ تمہارے لئے ضروری ہے۔ میں نے ایک چکر چلایا ہے۔“

”کیا؟“ میں نے سوال کیا۔

”تمہیں اس بات کا تو علم ہے کہ جس گروہ سے میں تعلق رکھتی ہوں، وہ دنیا کے کئی ملکوں اسٹانگ کا کام کرتا ہے۔ منشیات کا لانا اور لے جانا اس سلسلے میں ہم اپنے ساتھ کچھ نئے ممبر بھی شامل لیتے ہیں۔ توڑی سی تربیت دیتے ہیں ہم انہیں اور ہمارے گروہ نے ایسی تربیت کے لئے ماہرین کو ترجیح ہے۔ زونبہ کا تعلق اٹلی سے ہے اور وہ آج کل یہاں آئی ہوئی ہے۔ یہاں سے کوکین خریدی جا رہی ہے۔

اور پھر اسے یہاں سے کہیں اور منتقل کیا جائے گا۔ وہاں سے آگے پھر وہاں سے اور آگے۔ ایک بڑا ذخیرہ درکار ہے۔ اس گروپ میں زونبہ بھی شامل ہے۔ خوش قسمتی سے میری کوئی ذمہ داری نہیں لگائی گئی ہے۔ زونبہ سے ملاقات ہو گئی تو میں نے اس سے درخواست کی کہ ہماری ایک نئی کارکن کو چہرہ بدلنے کی تھوڑی سی تربیت دے دے، وہ اس کی ماہر ہے۔“

”تو پھر؟“

”میں نے یہ بتایا ہے کہ اس لڑکی کو ہم اپنے گروپ میں شامل کر رہے ہیں۔ مختلف طرح سے اس کی تربیت ہو چکی ہے، اب ذرا سائیک اپ کی تربیت اور دینی ہے۔ زونبہ کل یہاں پہنچے گی اور چار دن تک یہاں رہ کر تمہیں تربیت دے گی۔“

”ہوں، کوئی حرج نہیں ہے نا دیہ! بلکہ یہ تو بہت اچھی بات ہوگی میرے لئے۔“

میں نے خود اس بات میں کافی دلچسپی لی تھی۔ چہرے بدلنے کے بارے میں، میں نے کئی بار سنا تو تھا لیکن کبھی اس بارے میں سوچا نہیں تھا۔ دو تین مرتبہ میں نے اپنا حلیہ تو ہوا بہت تبدیل کیا تھا لیکن وہ اس قدر نامکمل تھا کہ اگر کوئی بھی گہری نگاہ سے دیکھتا تو پہچان سکتا تھا لیکن اگر مجھے واقعی چہرہ بدلنے کا فن آجائے تو پھر میں اپنے بہت سے کام آسانی سے کر سکتی ہوں اور ان لوگوں کو چکر دے سکتی ہوں۔ اس سلسلے میں کچھ دلچسپ واقعات پیش آئے۔ مثلاً جب پہلے دن زونبہ، نادیہ کی کوشش میں آئی تو اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی آیا تھا۔ اس کا تعلق روڈیشیا سے تھا اور اپنی آنکھوں سے ایک چست و چالاک اور شاندار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس کا نام ہیرس تھا۔ ہیرس نے مجھے دیکھا اور مسکرا کر بولا۔

”خوبصورت لڑکی! اتنے اچھے لمبے ترنگے جسم لڑکیوں میں کم ہی نظر آتے ہیں۔ میں اس کا چہرہ دیکھ کر یہ بتا سکتا ہوں کہ مستقبل میں یہ اپنے گروپ کے لئے ایک زبردست اور کارآمد شخصیت ثابت ہوگی لیکن بابا صاحب آپ نے اس کے بارے میں صرف یہ فیصلہ کر کے اسے میک اپ کی تربیت دے دی جائے، میرے خیال میں اس کے اندر ایک کمی چھوڑ دی ہے۔“

”مطلب؟“

”اسے مارشل آرٹس کا ماہر ہونا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد یہ گروپ میں بہت بڑا مقام حاصل کر سکتی ہے۔“ نادیہ نے میری جانب کا رخ کر کے کہا۔

”شاہ نور! مسٹر ہیرس مارشل آرٹس کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ یہ روڈیشیا میں اپنا ایک مارشل آرٹس سینٹر چلاتے ہیں۔ بلیک بیلٹ تھرو ڈان ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ تمہیں مارشل آرٹس کا ماہر ہونا چاہئے۔“

”اگر مسٹر ہیرس مجھے تو ہوا سا کچھ کر کے دکھائیں اور سمجھائیں تو مجھے خوشی ہوگی۔“ میں نے کہا اور نادیہ نے مسکرا کر ہیرس کو دیکھا۔ ہیرس نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

”میری خود دلی آرزو ہے ڈیئر، تمہیں دو چار اسٹیک دکھانا ہوں۔ تمہیں ان کا ڈینس بھی بتانا ہوں۔ ٹھیک ہے، میں بہت زیادہ تمہیں تربیت تو نہیں دے سکوں گا لیکن اگر تمہیں کبھی دقت ملے تو صرف ایک مینڈ میرے ساتھ گزار لیتا۔ آتش نہ بنا دوں تو نام نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے مسز بیرس۔“ میں نے کہا۔ بس تفریح کا موڈ بن گیا تھا۔ مارشل آرٹس کا کوئی ماہر آسانی شکست نہیں دے سکتا تھا لیکن نہ جانے کیوں ان دنوں کچھ شدت پسندی سوار ہو گئی تھی اور آپ کو آزمانے کے جذبے بہت زیادہ بڑھ گئے تھے۔ چنانچہ کمر کس کر بڑے سے ہال میں مسز بیرس مقابلے میں آگئی۔ بیرس کے بارے میں تھوڑا بہت اندازہ لگا لیا تھا۔ ظاہر ہے، اسے میری اصل شخصیت بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ وہ مجھ پر اپنی مہارت کا رعب ڈالنا چاہتا تھا۔ چنانچہ کہنے لگا۔

”دیکھو مارشل آرٹس میں جب دو مقابلے سامنے آتے ہیں تو ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ دوسرے نچا دکھا دیں۔ مارشل آرٹس کا پہلا اصول ہے کہ مقابلے کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے۔ میں اس فن میں بہت آگے ہوں لیکن تم سے ایک درخواست کرنی ہے، بلکہ ہدایت دینی ہے۔ جس طرف تمہارا دل چاہے اور جس انداز میں دل چاہے مجھ پر وار کرو۔ اگر تم نے کسی بھی قسم کی رعایت سے کام نقصان اٹھا سکتی ہو۔ میں تم پر حملہ نہیں کروں گا۔ بلکہ اپنا ڈیفنس کروں گا۔ اس کے لئے تمہیں یہ سب ضرورت نہیں ہے کہ کوئی احتیاطی حملہ کرو۔ بس یوں سمجھ لو کہ تمہیں مجھے نقصان پہنچانا ہے۔ یہ ہدایت ہے۔“ اس نے کہا اور پھر سر جھکا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

میں خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایک عجیب سا جنون مجھ پر سوار ہو رہا تھا چنانچہ میں آگے اور وہ میرا حملہ روکنے کے لئے تیار ہو گیا لیکن اس وقت میں نے زمین پر بیٹھ کر سوپ لگائی اور آٹا ہانگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ لنگڑے تیل کی طرح اچھلا لیکن اچھل کر اسے زمین پر تو آتا ہی تھا۔ ہاتھوں کے بل زور سے گھومی اور دوسری سوپ لگائی تو وہ دھڑام سے کندھوں کے بل نیچے گرا۔ میں قہر کھا کر سیدھی ہو گئی تھی۔ اس نے بھی اٹھنے کی کوشش کی تو میں نے حلق سے ایک دھاڑ نکالنے کے بعد پر حملہ کر دیا۔ میں پھر کئی کی طرح گھوم رہی تھی اور میری لاتیں مختلف سمتوں سے اس پر پڑ رہی تھیں۔ ا وہ ہاتھ بھی پڑے ہوں گے اور اس کا حلیہ بگڑ گیا تھا وہ رک کر کہنے لگا۔

”رکو۔ رکو۔ میری بات تو سنو۔ رکو۔“ لیکن میں نے اس پر بے شمار حملے ایک ساتھ کر ڈالے اور خود میری بھی ہنسی نکل گئی کیونکہ وہ جان بچانے کے لئے بھاگ کر ایک کمرے میں گھس گیا تھا۔ میں نے اسے ایک تیز چیخ نکالی اور اس کمرے کی جانب لپکی تو اس نے جلدی سے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ دروازے کے برابر ہی ایک کھڑکی تھی جس کا شیشہ کھول کر اس نے باہر جھانکا اور غصیلی آواز میں چیخا۔

”ارے روکو! اسے روکو۔ پاگل ہو گئی ہے۔ روکو اسے۔“ ناویہ بیٹ پکڑ کر ہنس رہی تھی اور اس ساتھ ساتھ ناویہ پر بھی ہنسی کا دورہ پڑا تھا۔ ناویہ کچھ بولنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس سے ہنسی مارے بولا نہیں جا رہا تھا۔ میں نے دو تین فلاں بازیاں کھائیں اور پیچھے جا کر ایک دیوار سے ٹک گئی۔ وہ مسلسل غصیلے انداز میں چیخ رہا تھا۔

”دھوکا کیا ہے تم لوگوں نے میرے ساتھ۔ کیا یہ اچھی بات ہے؟ بابا صاحب! کیا ایسا ہونا چاہیے تھا اگر یہ مارشل آرٹس جانتی تھی تو مجھے بتانا چاہیے تھا ناں۔“ ناویہ دونوں ہاتھ اٹھا کر کچھ کہتا چاہ رہی تھی لیکن ہنسی کے مارے اس سے کچھ کہا نہیں جا رہا تھا۔

”سرا! آپ باہر تو آئیے۔ آپ ہی نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں کسی قسم کی رعایت نہ کروں۔ اب آپ مجھے دوسرا حکم دیجئے۔“

بیرس کچھ اس طرح ناراض ہوا کہ دروازے سے باہر ہی نکل گیا۔ دونوں خواتین ہنس رہی تھیں۔ ادیب نے اردو میں کہا۔

”خدا کی قسم تمہاری اس قدر مہارت کے بارے میں مجھے علم نہیں تھا۔ واقعی انسان اپنے لئے کیسے لڑا کھڑا ہے، یہ اب کوئی الماس آراء سے پوچھے۔ ارے تم نے تو مار مار کر اس کا حلیہ خراب کر دیا۔“

”نہیں۔ یہ ایک تفریح تھی۔ آپ یقین کریں ناویہ، میں اس سے دس گنا زیادہ بہتر مظاہرے کر سکتی ہوں۔“ ناویہ زنبویر کو میرا جواب بتانے لگی تھی۔ زنبویر نے کہا۔

”بابا! اس کو میک اپ کرنا تو نہیں آتا؟ کیس ایسا نہ ہو، یہ مجھے بھی میک اپ سکھانا شروع کر دے۔“ ادیب نے کہا۔

”نہیں میڈم زنبویر! کم از کم اس سلسلے میں یہ کچھ نہیں جانتی۔“

”ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم نے گروہ کے لئے ایک ڈائمنڈ چنا ہے۔ یہ تو کمال کی شخصیت ثابت ہوگی۔“ پھر اس کے بعد زنبویر نے اپنا کام شروع کر دیا اور مجھے میک اپ کے ایسے ایسے گر نائے کہ میں دنگ رہ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی مجھے ان تمام چیزوں سے بھی روشناس کرایا جو مجھے حاصل کرنا تھیں۔ اس سلسلے میں ناویہ نے عمل کیا۔ زنبویر بیس رہ رہی تھی۔ ناویہ میرے لئے تمام سامان لے آئی۔ چار دن تک زنبویر نے مجھے تربیت دی اور چار دن بیرس یہاں نہیں آیا تھا۔ چوتھے دن زنبویر نے میرا امتحان لیا اور میں نے مختلف طریقوں سے ایک میک اپ کر کے دکھایا تو اس نے اوکے کی رپورٹ دے دی۔ پھر زنبویر چلی گئی اور میں اپنے اس سنے فن کا پورا پورا قائدہ اٹھانے لگی۔ میں نے اپنے چہرے کو مختلف روپ دیئے اور ناویہ حیران ہوئی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

”یقین کرو۔ کمال کی شخصیت ہو تم، چار دن میں کوئی اتنا کچھ سیکھ لے، یہ بات شدید حیرت کی ہے۔ خبر مجھے خوشی ہے کہ تم نے اتنی ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے یہ سب کچھ حاصل کر لیا۔“ پھر پانچویں دن میں نے ناویہ سے کہا۔

”آج میں تھوڑا سا باہر جانا چاہتی ہوں۔“

”جیسی تمہاری مرضی۔ چہرہ بدلو گی؟“

”ہاں۔ کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔“ میں نے اپنے چہرے کو ہلکے ہلکے بچڑ دیئے۔ بالوں میں تھوڑا سا وائٹر لگایا۔ چہرے پر کچھ جھریاں سی بنا کیں۔ لباس میری خواہش کے مطابق ناویہ نے مہیا کیا اور اس کے بعد باہر نکلنے کے لئے وہی چور دروازہ استعمال کیا۔ خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں سڑک پر پہنچ گئی۔ یہاں میں نے ایک آئو رکش روکا اور بیٹھ گئی۔ میری منزل حاکم شیرازی کا گھر تھا۔ حاکم شیرازی کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر رک کر میں نے رکش والے کو بل ادا کیا اور اس کے بعد لنگڑائی ہوئی چل پڑی۔ میری تیز نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ظاہر ہے، دنیا اب اتنی فارغ بھی نہیں ہے کہ بس ایک میرے

”تھوڑی سی رقم لوٹی تھی میں نے، میرا مطلب ہے جو رقم حاصل کی تھی میں نے آپ سے مس“ اس کی واپسی تو میرے لئے ممکن نہیں ہے۔“

”فضول باتوں سے گریز کیا کرو، میں ناراض ہو جاؤں گی۔“ نادیا نے کہا۔

”ایک بار پھر سوری، سوری، سوری۔ ویسے میں حاکم شیرازی کے گھر گئی تھی۔ وہ بے چارے تو واقعی بہت دلچسپ شخصیت ہیں۔ کھلے طور پر تباہ برباد ہو گئے۔ کسی نے ان کے گھر کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔ تلاشی لی ہے۔ ایک ایک چیز اوجھڑ کر پھینک دی ہے۔ سب کچھ تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔“ نادیا نے گردن ہلائی اور بولی۔

”تمہارے دشمنوں کو بہر حال یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ حاکم شیرازی سے تمہارا گہرا رابطہ رہ چکا ہے۔ وہ لوگ کسی بھی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دے رہے۔ پولیس تو خیر ایسی تلاشی کیا ہی لے گی۔ وہ بھی ایک ایسے معمولی سے گھر کی۔ ویسے شاہ نور، ذرا سی غلطی ہوئی ہے تم سے۔ اگر تم کسی طرح حاکم شیرازی سے یہ معلوم کر لیتیں کہ وہ ماں اور بہنوں کو کہاں بھیج رہا ہے تو ساری تفصیل معلوم ہو جاتی۔“

”اس نے خیر پور کا نام لیا تھا۔“

”کوئی اتا پتا؟“

”نہیں، اس سے زیادہ میں نے کچھ نہیں پوچھا۔“

”خیر اب خیر پور اتا چھوٹا بھی نہیں ہے۔“

”مگر میں سمجھتی ہوں یہ اچھا ہی ہے ورنہ میں ان لوگوں کو تلاش کرتی ہوئی خیر پور پہنچ جاتی اور اگر اتفاق سے کوئی میرا پیچھا کر لیتا تو وہ لوگ بھی مصیبت میں پھنس جاتے۔ اب کسی کو بھی ان کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ہیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے، لیکن ہو سکتا ہے، حاکم شیرازی بھی.....“

”ہاں۔ خدا کرے، ایسا ہی ہو، اسے پناہ مل جائے۔ میں تو بے مان ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ کافی دقت نادیا کے ساتھ گزارا اب میں اپنے منصوبے کے دوسرے حصے پر کام کرنا چاہتی تھی جس کا مشورہ مجھے کرم شاہ نے دیا تھا لیکن اس بارے میں نادیا سے بھی گفتگو کر لینا چاہتی تھی۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔

”اور اب نادیا، میں اپنے تائید کمال احمد سے ملنا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ کرم شاہ نے مجھ سے یہ بات کسی تھی اور میرے ذہن میں اس کے لئے جگہ بن رہی تھی۔“

”ہاں، واقعی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ایک اچھا عمل ہے۔ اگر تم کمال احمد کو اپنے ٹرانس میں لے لو تو میرا خیال ہے، ان سے بڑا گھر کا بھیدی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر خلوص دل سے تمہاری مدد کرنے کو آمادہ ہو جائیں تو مجھے یقین ہے کہ الماس بیگم کو منہ کی کھائی پڑے گی۔“

”خیر میرے تائید دہ نہیں ہیں، یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ بیشہ بیوی کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔ ہاں، یہ الگ بات ہے کہ اگر تھوڑا سا خون جوش مار جائے تو ممکن ہے، میرے ابو کے بارے میں کچھ بتا دیں وہ۔ کم از کم اتنا بتا دیں کہ ابو زندہ ہیں یا نہیں۔“

یہ چکر میں پڑ جائے۔ الماس آراء بیگم کی بات الگ تھی لیکن باقی سارا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ حاکم کے گھر کے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ دور ہی سے دروازے میں لگا ہوا کالا نظر آرہا تھا۔ میں نے ادا دیکھا۔ تالے کو کھول کر اندر داخل ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن ایک بھلی دیوار میری بن گئی اور پوری طرح یہ دیکھنے کے بعد کہ قرب و جوار میں کوئی بھی نہیں ہے، میں بلی کی طرح اچھل بھلی دیوار پر چڑھی اور پھر دوسری جانب دیکھنے لگی۔ پھر اس سے پہلے کہ میں جذباتی کیفیت محسوس میری نگاہیں برآمدے میں پڑی ہوئی چند چیزوں پر پڑیں۔ کچھ کپڑے وغیرہ تھے۔ اچھے کپڑے اس اندہ باہر پڑے ہوئے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ بارہنچی خانے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا اور کچھ برت پڑے ہوئے تھے۔ میں حیران حیران سی اندر داخل ہو گئی اور ایک لمبے کے اندر مجھے احساس ہوا کہ اس کی بری طرح تلاشی لی گئی ہے۔ ایک ایک چیز اوجھڑ کر پھینک دی گئی ہے۔ نکلے ادھر سے پڑے تصویروں کے فریم نیچے پڑے تھے۔ مسری کا گدا بالکل پھٹا ہوا پڑا تھا۔ تلاشی لینے والوں نے حاکم شیرازی کے گھر کی ہر چیز برباد کر دی تھی۔ میں افسوس بھری نگاہوں سے اس تباہ شدہ گھر کو دیکھتی رہی جس کی ہر باعث صرف اور صرف میں تھی۔ گویا مجھ سے پہلے بھی کوئی حاکم شیرازی کے گھر کی تلاشی لے چکا ہے۔ ہے، وہ الماس آراء بیگم کے آدمی ہوں گے جو حاکم شیرازی کے گھر سے کوئی ایسی چیز حاصل کرنا چاہتے گے جس سے میرے یا حاکم شیرازی کے بارے میں کچھ پتا چل سکے۔ بہر حال یہاں رکنا خطرناک تھا۔ دیوار کے راستے باہر نکل آئی اور اس کے بعد یونہی ادھر ادھر گھومتی پھری۔ میک اپ میں گھومنے کا لطف آرہا تھا۔ بہت دیر تک میں ادھر ادھر گھومتی رہی۔ پھر بازار سے تھوڑی سی شاپنگ کی۔ ایک عجیب احساس ہو رہا تھا مجھے۔ اس سے پہلے باہر نکلتے ہوئے ہر لمحے خوف دامن گیر رہتا تھا اور اب ایک اچھے میں پیدا ہو گیا تھا۔ یہ بڑے فائدے والی بات ہوئی تھی۔ خاصی شاپنگ کرنے کے بعد میں واپس پلٹی اور ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نادیا کے گھر پہنچ گئی۔ میں نے وہی عقبی راستہ استعمال کیا تھا حالانکہ میک اپ میں چاہتی تو سامنے والے گیٹ سے بھی اندر آسکتی تھی لیکن کیا فائدہ اپنے آپ کو سامنے لانے کا۔ نادیا ملاقات نہیں ہوئی۔ میں اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ بہر حال میک اپ چہرے پر ایک بوجھ کا سا تو احساس تھا، چنانچہ میں نے پہلے اپنا چہرہ میک اپ سے صاف کیا اور اصلی شکل میں آنے کے بعد باہر نکل تو میرے کمرے میں موجود تھی۔

”تمہارے آنے کا مجھے بالکل پتا نہیں چل سکا لیکن پھر تھوڑی سی آہٹیں سننے کے بعد احساس ہو گیا تم آگئی ہو۔ ویسے اس راستے سے آنے جانے میں کوئی بات تو نہیں ہوئی؟“

”بالکل نہیں بابا صاحب۔“

”یار تم تو مجھے بابا صاحب نہ کہنا کرو۔ اچھا خاصا نادیا کہتی ہو، مجھے اچھا لگتا ہے۔“

”سوری، سوری، سوری۔ چلے آپ کے لئے تھوڑی سی خریداری کی ہے میں نے۔ ذرا اس کا لے لیجئے۔“ میں نے جو چیزیں نادیا کے لئے لی تھیں، اس کے حوالے کیں تو اس نے نہایت محبت مسرت سے انہیں قبول کیا اور میں ہنس کر بولی۔

”پہلے انہیں فون کر کے ان سے ٹائم مت لینا، بس اس بات کا انتظار کرنا کہ وہ تمہیں اتفاقہ حاصل ہو جائیں۔“

”بالکل یہی میرے اپنے ذہن میں ہے۔“

”میک اپ مت کرنا اصل شکل میں ہی ان سے ملنا کیونکہ ان لوگوں کو اس بات کا علم نہیں چاہئے کہ تمہیں چہرے بدلنا آگیا ہے۔“ نادیا نے کہا۔

”بالکل ٹھیک۔ بالکل صحیح ہے۔“

”پوری طرح آنکھیں بند کر۔ اعتبار مت کرنا۔ اپنے تحفظ کا پورا پورا خیال رکھنا۔“

”بالکل مجھے یقین ہے کہ میں ایسا ہی کروں گی۔“

”تعاقب کرنے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کرو گی؟“

”ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا لیکن نادیا مجھے کچھ دن کے لئے یہاں سے جانا ہو گا۔“ میں نے

نادیا چونک پڑی، پھر بولی۔

”بہر حال میں کسی بھی سلسلے میں ضد نہیں کروں گی کہ میں خود تمہارے لئے کچھ نہیں کر پارے۔“

صورت میں مجھے کہیں بھی آگے بڑھ کر بولنے کا حق نہیں ہے۔“

”ایسی باتیں مت کرو۔ پلیز! ایسی باتیں مت کرو۔“

”اوکے“ اوکے میں ہرگز بھی وہ قدم نہیں اٹھا سکتی جس سے تمہیں ذہنی اذیت ہو۔“ اس رات

دیر تک سوچتی رہی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ تھوڑے دن تک میں مکرم شاہ کے اس مکان میں

کروں گی جو ایک ویران مکان ہے اور وہاں سے اپنا یہ کام جاری رکھوں گی۔ چالی کے بارے میں مجھے

کہ وہ کہاں ہے۔ بہر حال یہ ایک مناسب فیصلہ تھا۔ جگہیں تبدیل ہوتی رہتی چاہئیں تاکہ کبھی کوئی وقت

ہو۔

میں دوسرے دن ناشتے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہی برقع اوڑھ کر باہر نکل۔ میک اپ تو

نہیں تھا اس لئے یہ فاصلہ برقعے میں رہ کر طے کیا جاسکتا تھا۔ حالانکہ چاہتی تو نادیا بھی مجھے وہاں چھوڑ

تھی لیکن پھر بات ہی کیا رہ جاتی۔ ایک آنر کشر نے مجھے اس علاقے میں پہنچا دیا اور آخر کار میں اس مکان

تک پہنچ گئی۔ پُر تعیش علاقوں میں سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ کوئی ایک دوسرے کی نوہ میں نہ

رہتا۔ ان علاقوں کا زیادہ تر نظام گھر میں کام کرنے والی نوکرائیوں، ماسیوں اور دروازے پر کھڑے چوکیداروں

کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہی کسی بات کی نشاندہی کر دیں تو کر دیں ورنہ باقی کچھ پتا لگا کر تو دکھا دیجئے آپ

میں نے قرب و جوار کا جائزہ لینے کے بعد اطمینان سے چالی نکالی۔ دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ اندر

پہنچنے کے بعد میں نے اس مکان کا جائزہ لے کر کچھ ایسی جگہیں متعین کر لیں جہاں قیام کیا جاسکتا تھا اور جہاں

سے سارے ماحول پر نظر رکھی جاسکتی تھی اور ضرورت پڑنے پر فرار بھی ہوا جاسکتا تھا لیکن سب سے بڑی

اور دلچسپ بات جو مجھے وہ یہ تھی کہ مکان کے گیراج میں ایک کار بھی موجود تھی۔ چالی آکٹیشن میں لگی ہوئی

تھی۔ پیٹرول کی ٹنگی پوری بھری ہوئی تھی۔ کار بالکل پرفیکٹ حالت میں تھی۔ بہر حال مکرم شاہ نے مجھ پر

کیا تھا۔ اس سے میری ایک اور مشکل حل ہو گئی تھی، وہ یہ کہ میں کمال احمد صاحب کا تعاقب آسانی

رکھتی تھی۔ بہر حال اس کے بعد کچھ اور مسائل تھے۔ اس مکان میں تھوڑا سا وقت گزارا جاسکتا تھا

میں نے کھانے پینے کی کچھ اشیاء حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ مشکل کام نہیں تھا۔ برقع پوش خواتین

بچلاتی ہیں اور اچھی خاصی ڈرائیونگ کر لیا کرتی ہیں، چنانچہ ایک اور برقع پوش لڑکی ڈرائیونگ کرتی

نے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور میں نے ایسا ہی کیا تھا۔ البتہ گیٹ کھولنے اور بند کرنے کا معاملہ

بڑھا تھا لیکن اب اتنے ہاتھ پاؤں تو ہلانے ہی چاہئیں۔ بہر حال میں نے اپنا کھانا خود تیار کیا، کھانے پینے

فراغت حاصل کرنے کے بعد منصوبہ بندی کرتی رہی۔ ماضی کو ذہن میں دہرایا، کمال احمد صاحب اپنی

نرم میں جایا کرتے تھے۔ پانچ بجے ان کو چھٹی ہوتی تھی اور وہ ڈرائیور کے ساتھ نکل آیا کرتے تھے۔

کچھ ایسے ہی انتظامات کرنے تھے۔

اسی شام سے میں نے کمال احمد صاحب کا تعاقب شروع کر دیا۔ پانچ بجے وہ اپنے دفتر سے باہر نکلے اور

میں بیٹھ کر چل پڑے۔ کبھی کبھی خود بھی ڈرائیونگ کر لیا کرتے تھے لیکن ڈرائیور اکثر ساتھ ہوا کرتا تھا۔

پہ پیٹھ جاتا تھا۔ پہلا دن، دوسرا دن اور تیسرا دن انہی کلاشوں میں گزر گیا۔ تیسرے دن میں معمولات

مطابق کمال احمد صاحب کے آفس پہنچی تھی۔ وہ نیچے اترے تو آج ان کی کار کے پاس ڈرائیور نظر نہیں

تھا۔ میرا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ کمال احمد صاحب نے کار اشارت کی اور خود ہی اسے ڈرائیو کرتے

بچل پڑے۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ منصوبے کے مطابق ایک ایسی جگہ میں نے منتخب کر لی

جہاں انہیں روکا جاسکتا تھا۔ یہ ایک سنسان علاقہ تھا۔ ایک ذیلی سڑک جو تھی تو صاف شفاف اور چوڑی

میں ٹرنک نہ ہونے کے برابر ہوا کرتا تھا۔ ایک چھوٹا راستہ اختیار کرنے کے لئے اس سڑک کو استعمال

کے لگتا تھا اور عام طور سے کمال احمد صاحب کا ڈرائیور اسی راستے سے گزرتا تھا۔ چنانچہ میں نے رفتار تیز

کر تھوڑے فاصلے پر جا کر کمال احمد صاحب کی کار کے آگے اپنی کار لگا دی۔ کمال احمد نے بریک لگائے

بے چین نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ میں گاڑی سے نیچے اتری تو کمال احمد صاحب کے چہرے پر ہلکے

خوف کے آثار پھیل گئے۔ میں ان کے قریب پہنچی اور پھر میں نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا تو کمال

صاحب مجھے دیکھ کر شدید دہشت زدہ ہو گئے۔ میں نے نہایت نرم اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”کمال صاحب! میں آپ کے بھائی جمال احمد کی بیٹی ہوں۔ ذرا گہری گہری سانسیں لے کر دیکھئے۔ کیا

میں مجھے اپنے ذہن و دل سے کھینچ کر پھینک دیا ہے؟“

”شاہ نور! تم یہاں؟ جانتی ہو؟ تم نے کتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے؟“

”خطرے اب میرے لئے کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ تاجا جان۔ آپ کا تعاقب میں تین دن سے کر رہی

ہوں۔“

”میرا تعاقب کیوں؟“

”آپ کا تھوڑا سا وقت لینا چاہتی ہوں۔“

”مگر یہاں؟“

”ساحل سمندر پر چلی آؤ۔ میرے پیچھے پیچھے‘ ہوشیاری سے ڈرا یونگ کرنا۔“

”جی بہت بہتر۔“ میں نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا لیکن بہر حال اس تصور ذہن سے نہیں نکالا تھا کہ ہو سکتا ہے، تایا جان بچ میں سے رفو چکر ہونے کی کوشش کریں۔ نقد تھی، چنانچہ تایا جان شرافت کی جون میں ہی رہے۔ ان کی گاڑی سفر کرتی رہی اور کچھ دیر کے بعد سمندر پہنچ گئے۔ میں جانتی تھی کہ میاں ہمارے کئی ہٹ ہیں۔ ایک ہٹ کے پاس پہنچ کر تایا، روکی تو میں نے بھی اپنی کار ان کے برابر ہی روک دی۔ تایا جان کار سے نیچے اترے اور بولے۔ ”پورا چرو ڈھانڈا“ آکھیں تک کھلی رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہٹ پر چوکیدار موجود اطلاع دے سکتا ہے۔“

”جی۔“ میں نے جواب دیا اور تایا جان کار سے اتر کر ہٹ کی جانب چل پڑے۔ چونکہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے چونک کر تایا جان کو دیکھا اور پھر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

”س۔ سلام صاحب! آپ..... آپ.....“

”جاؤ‘ دفع ہو جاؤ۔ پانی والی سب ہے نا؟“

”جی سر“ جی سر۔“ اس نے حیران نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ بڑے لوگوں کے بڑے کھیل ہوتے ہیں۔ تایا جان کے بارے میں مجھے یہ تو تھا کہ یہ وہ کس مزاج کے آدمی ہیں۔ کبھی اس حد تک جاننے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن چونکہ سی مسکراہٹ سے مجھے یہ احساس ہو گیا کہ وہ میرے بارے میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہے۔ بہر حال مجھے ان تمام باتوں کی پرواہ نہیں کرنی تھی۔ میں ہٹ میں داخل ہوئی۔ ہٹ بے حد شاندار تھا۔ ۲۱ میں یہاں کبھی نہیں آئی تھی۔ کچھ اور ہٹ بھی تھے جن کو میں نے اس وقت استعمال کیا تھا، جب میں کی ایک فرد اور اہم رکن سمجھی جاتی تھی۔ تایا جان مجھے لے کر اندر آگئے پھر انہوں نے کہا۔

”بیٹھو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ یہ سب کچھ کیا کر ڈالا ہے تم نے۔ زندگی کے کچھ دن سکون۔ چاہتا تھا میں لیکن جس قدر اذیت کا میں شکار ہوں، نہ تم سوچ سکتی ہو نہ کوئی اور۔ آرام سے چوکیدار کو میں اندر نہیں بلا سکتا ورنہ تمہارے لئے چائے وغیرہ تیار کرانا۔“

”نہیں تایا جان! بہت بہت شکریہ۔ آپ جس اذیت سے گزر رہے ہیں، اس کی وجہ ہو سکتی ہوں لیکن تایا جان! زندگی اور دنیا مجھ پر جس قدر تلخ گردی گئی ہے، اس کا بھی آپ کو اندازہ ”کیا کر سکتا ہوں میں، کیا کر سکتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے مجھ سے ایک ہی غلطی ہوئی ہے الماس آراء بیگم سے میرا رشتہ کیا جا رہا تھا، کاش میں اس وقت بھرپور احتجاج کر کے اس رشتے کو میں کامیاب ہو جاتا۔ میں ایسا نہیں کر سکتا تھا اور اسی دن سے غلامی کا طوق میری گردن میں ڈال دیا۔ میں تو صرف ایک غلام ہوں، ایک ربوٹ ہوں۔ پتھر کا بنا ہوا ایک مجسمہ ہوں۔ کوئی حیثیت نہیں

میں نے الماس آراء سے بھی پوچھا تو اس نے بھی یہی کہا کہ جمال احمد خود اس واقعے کے بعد ہو گئے ہیں اور ان کا کوئی پتا نہیں ہے۔

”گویا یہ بات کسی کے علم میں نہیں ہے کہ میرے والد زندہ ہیں یا نہیں؟“

”ہاں۔ بس یہ علم ہے مجھے کہ جیل سے نکلنے کے بعد وہ خود ہی غائب ہو گیا تھا۔“

”اور میری ماں اور دونوں بہنیں وہ کہاں ہیں؟“

”الماس نے انہیں اپنے قبضے میں کیا ہوا ہے لیکن وہ مجھے نہیں بتاتی کہ وہ کہاں ہیں؟“

”تایا جان! کیا آپ میری ماں اور بہنوں کا پتا لگا سکتے ہیں؟“

”اگر لگا بھی سکتا ہوں تو تم نے اس کی گنجائش کہاں پھوڑی ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں

دیوانے لوگ ہیں۔ تم نہیں جانتیں کہ ان کا پورا خاندان سازشیوں کا خاندان ہے۔ یہ صرف مقام

محدود نہیں ہیں۔ دنیا بھر میں ان کی جڑیں پھیلی ہوئی ہیں۔ نہ جانے کون کون ان کے ساتھ ہے۔

کیسے کیسے لوگوں سے ان کے رابطے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں مفاہمت کے تمام راستے بند ہو گئے ہیں

سمجھ لو کہ تم نے انتہائی قدم اٹھا لیا ہے۔ عزت جلال بہن کے زخمی ہو جانے سے شدید برگشتہ

میں تمہیں بتاؤں کہ ان لوگوں نے انتہائی خطرناک گروپ سے رابطہ کیا ہے۔ یہ گروپ جیک اینڈ

ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کب یہاں پہنچیں گے۔ اصل میں حکومت بھی تمہاری گرفتاری کے لئے

طریقے سے کام کر رہی ہے۔ پچاس لاکھ روپے تمہاری گرفتاری کی قیمت مقرر کر دی گئی ہے اور

لاکھ روپے خود الماس آراء اور عزت جلال ادا کریں گے۔ سمجھ لو کہ حد تک دیوانگی سوار ہو گئی ہے

خاص طور سے الماس آراء کے زخمی ہو جانے کے بعد تو وہ تمہارے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔

گروپ یہاں پہنچنے والا ہے کیونکہ وہ لوگ پولیس کی کارکردگی سے مایوس ہو چکے ہیں اور کہتے ہیں

تک پولیس تمہیں گرفتار نہ کر سکی تو آگے کیا کرے گی۔ اب اس گروپ کے ارکان تمہارے خلاف

گے اور ایک ایک جگہ تمہیں تلاش کیا جائے گا۔ یہ اطلاع میں تمہیں ذاتی طور پر دے رہا ہوں۔ سمجھ

نا تم اور جہاں تک تمہاری والدہ اور بہنوں کی تلاش کا تعلق ہے تو فرض کرو اگر میں ایسا کر بھی لیتا

تم انہیں تلاش کر لو گی؟“

”ہاں تایا جان! میں نہ اس گروپ سے خوف زدہ ہوں اور نہ حکومت سے۔ جس طرح میں

پتہ چلی آئی ہوں آئندہ بھی پتہ چکی رہوں گی اور لوگ میرے ہاتھوں قتل ہوتے رہیں گے۔“

”سنا ہے، تم نے سات پولیس والے بھی ہلاک کر دیئے ہیں؟“

”یہ تو صرف آپ نے سنا ہے۔ اس سے آگے بھی میں بہت سی ہلاکتیں کر چکی ہوں۔“

”تم نے الماس آراء کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔“

”مجبور کر دیا تھا انہوں نے مجھے۔ بالکل مجبور کر دیا تھا۔“ میں نے کہا اور تایا جان سوچ

مئے پھر بولے۔

”مجھے بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟“

”تایا جان! میری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے، باپ! ماں اور بہنیں..... میں آپ کو بتانا چاہتی

کہ جہاں تائی مجھے ملی تھیں وہاں میں نے ان کے پاؤں پکڑ لئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ جو کچھ ہو چکا

اگر ہو سکے تو اسے ذہن سے نکال دیں۔ میرے ساتھ بھی بہت برا سلوک ہوا ہے جس کے نتیجے میں میں

تک پہنچی ہوں۔ انہوں نے میرے ساتھ دھوکے بازی کی اور بہتوں کو نکال کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ جو کچھ

بجائے مجبوری ہوا تھا تایا جان۔ آج بھی میں یہی چاہتی ہوں کہ مجھے میرے باپ کا پتہ مل جائے، میری

دور بہنیں میرے حوالے کر دی جائیں۔ اگر وہ اپنی انا کو برقرار رکھنا چاہتی ہیں تو میرے بارے میں یہ

رکھ دیں کہ انہوں نے مجھے، میرے ماں باپ اور بہنوں کو قتل کر دیا ہے۔ میں کبھی منظر عام پر نہیں

آئی لیکن تایا جان اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو آپ یقین کریں زندگی کی آخری سانس تک تباہی مچاتی

ماگی، انہیں سکون نہیں لینے دوں گی۔“

”ایک منٹ، میری بات سنو، میں مانتا ہوں کہ حالات نے مجھے بے حس اور بے غیرت انسان بنا دیا

لیکن اب مجھے الماس کی زندگی یا موت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے اس کا کوئی دکھ کبھی نہیں ہوگا۔ کیا

رہی ہو، جو کچھ کہہ رہا ہوں نہ تو تم سے ڈر کر کہہ رہا ہوں، نہ تمہیں خوش کرنے کا کوئی خیال میرے

میں ہے۔ البتہ تم سے ایک وعدہ کرتا ہوں میں۔ اگر ممکن ہو سکا تو جمال اور تمہاری ماں اور بہنوں کا پتا

ر لگاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ ہاں..... ہو سکے تو اپنا تحفظ کرنا، کیونکہ جن لوگوں سے اس نے رابطہ

کیا ہے، وہ بہت خطرناک ہیں۔ ظفر شاہ کو تو تم جانتی ہو، مجھے پتا چلا ہے کہ تم نے اسے بھی مارا پینا

جانتی ہوں۔“

”بہت منہ چڑھا ہے وہ عزت جلال کا..... الماس آراء کے پاس بھی مسلسل آتا جاتا رہتا ہے۔

اسے سلسلے میں کافی کام کر رہا ہے۔ بلکہ الماس آراء بیگم نے ابھی اسے ملک سے باہر بھیجا تھا۔ اگر وہ ہاتھ

جائے تو اس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ الماس کے بہت سے رازوں

دلف ہے اور اس کے لئے کافی کام کرتا ہے۔ باقی جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میں تمہیں ایک ٹیلی فون

ایسے دیتا ہوں۔ میں اگر وہاں نہیں ملا تو زاہدہ نامی ایک لڑکی ہے جو تمہیں میرا نمبر بتا سکتی ہے۔ یعنی

وقت جہاں میں موجود ہوں گا۔ موبائل نمبر بھی تمہیں نہیں دے سکتا کیونکہ بہر حال اس سے بہت سی

ل کا انکشاف ہو جاتا ہے لیکن زاہدہ کو پیغام دے دینا کہ کب اور کہاں تم مجھ سے رابطہ قائم کرو گی۔ وہ

ن بالکل صحیح گائیڈ کرے گی میرے سلسلے میں۔ میرا مطلب ہے مجھے اگر ان سب لوگوں کے بارے میں

مات حاصل ہو سکیں تو میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔“ میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلائی اور

”نہیک ہے تایا جان میں آپ کا یہ احسان.....“

”نہیں پلیز اور کچھ نہ کہو.....“

پھر اس کے بعد وہ جانے کے لئے تیار ہو گئے تو میں نے ان سے سوال کیا۔ ”الماس بیگم کون سے

ہسپتال میں ہیں؟“ انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا۔ دیکھتے رہے پھر آہستہ سے بولے۔

”ڈائمنڈ کیریروم نمبر سولہ..... کیا ارادہ رکھتی ہو؟“

”نہیں! تیا جان اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں تائی جان کو اپنے ہاتھوں سے کوئی نقصان فی الحال ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”یہاں سے جانے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کرو گی؟“

”اس کی آپ بالکل فکر نہ کریں۔“

وہ واپسی کے لئے مڑے تو میں بھی ان کے ساتھ ہی باہر نکل آئی تھی۔ پھر اس کے بعد راستے الگ ہو گئے۔ واپسی کا سفر کرتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ جو کچھ ہوا غلط نہیں ہوا! اچھا ہوا ہے۔ اس دوران مجھے کئی باتیں معلوم ہو گئیں مثلاً جیک اینڈ جیل جس سے بہر حال ہونا ضرورت تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی اس ہسپتال کا پتا اور پھر ظفر شاہ کے بارے میں ایک نیا دیا دیا تو اس بے غیرت سے میں کئی بار نمٹ چکی تھی لیکن اگر وہ چالاکی سے سارے کام کر رہا۔ کے لئے ذرا دوسرے ہی انداز میں سوچنا ہو گا۔ واپسی نادیا کے مکان تک نہیں ہوئی تھی بلکہ کا ہوا مکان میرے لئے اب کافی کارآمد ہو رہا تھا۔ ہوٹل کا سلسلہ تو ختم ہی ہو گیا تھا۔ سلطان شہر ملکوک تھا لیکن یہ دو سارے ابھی تک محفوظ تھے۔

کافی دیر اس مکان میں رہی۔ بڑا اچھا طریقہ تھا اس مکان میں داخل ہونے کا اور باہر! یہاں بہت سے کام بھی کر سکتی تھی اور میں نے تھوڑا بہت سامان بھی یہاں پہنچا دیا تھا۔ بہر حال اچھا نادیا کے گھر کا رخ ہی کیا تھا۔ میں نے لباس وغیرہ تبدیل کیا پھر نادیا میرے سامنے آئی تھی اور بولے ”یقین کرو حالانکہ کہنا بری بات ہے لیکن نہ کہا جائے تو دل کی بات دوسرے کے کالوں تک نہ کہتی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں خود تمہارے وجود کا ایک حصہ بن چکی ہوں۔ میری آرزو بھی بن سکے تمہارا مسئلہ حل ہو جائے۔ ہر وقت تمہارے لئے فکر مند رہتی ہوں۔ کوئی کام کر نہیں چاہتا۔ یہ بھی شکر ہے کہ میرے گروہ کی طرف سے مجھ پر کوئی خاص پابندی نہیں ہے۔ جوتے ہیں“ اس کے لئے میں نے ایک ایسا سیٹ اپ بنا لیا ہے جو بڑا کارآمد ہے۔ زونبہ اور ہیر تم سے بہت متاثر ہو چکے ہیں۔ وہ تمہیں گروہ کا ایک فرد ہی سمجھتے ہیں اور تم یقین کرو! یہ بڑی ہو گئی ہے۔ اس سے تمہیں مکمل تحفظ حاصل ہو جائے گا اور پھر تمہاری کارکردگی کی رپورٹ زونبہ کے ذریعے گروہ کے بڑے ارکان تک پہنچ جائے گی۔ اس طرح وہ لوگ ایک بڑے گروہ آجائیں گے۔“

”جب کہ وہ ایک اور گروہ میرے مقابل لائے ہیں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کون لوگ؟“

”الماس بیگم اور عزت جلال کی بات کر رہی ہوں۔“

”گویا تم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئیں! گڈ! کوئی کام کی بات بنی؟ مجھے تفصیل تو بتاؤ۔“

”ہاں میں تفصیل بتانے جا رہی ہوں۔“ میں نے کہا اور اس کے بعد نادیا کو مڑنے لے لے کر ساری خانے لگی۔

”جیک اینڈ جیل.....“ نادیا ایک دم چونک پڑی اس کے چہرے پر شدید تشویش کے آثار پھیل رہے۔ ”اس گروہ کے بارے میں تم کچھ نہیں جانتیں..... لیکن میں جانتی ہوں..... بہت ہی کمزور ہے۔ بین الاقوامی شہرت کا حامل، بڑے بڑے ملکوں میں انقلاب لا چکا ہے مگر یہ لوگ پاگل ہیں کیا، تمہارے معاملے میں اتنے بڑے بڑے کام کئے جا رہے ہیں لیکن میرا خیال ہے، ٹھیک ہی ہیں وہ لوگ بھی۔ تم نے انہیں ایسے ہی ناگوں چنے چبوا رکھے ہیں۔ تو کون گروہ کے ارکان کے خلاف کام کرنے کے لئے یہاں پہنچ چکے ہیں؟“

”نہیں“ آنے والے ہیں۔“

”یہ انکشاف کمال احمد نے کیا ہے؟“

”سو فیصدی۔“

”بالکل سچ ہو گا مگر بات تشویش کی ہے۔ تمہیں اور محتاط رہنا پڑے گا کیونکہ یہ گروہ بڑے سائنٹیفک اپر کام کرتا ہے۔ بڑے بڑے ماہرین ہیں اس میں، جب انہیں تمہارا کردار بتایا جائے گا اور تمہارے میں ساری تفصیل بتائی جائے گی تو وہ لوگ تمہاری ذہنی کیفیت کا تجزیہ کریں گے اور اس کے بعد یہ لیں گے کہ تم کیا کیا اقدامات کر سکتی ہو اور کہاں کہاں کر سکتی ہو، اس لئے یہ بات واقعی تشویش کی میرے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

”بات اصل میں یہ ہے بابا صاحب کہ وہ بہت بڑے لوگ ہیں، بہت بڑے انداز میں سوچیں گے لیکن اپنی شخصیت کا یقین کر لیا ہے۔ میں تو اب ایک مشکل کا شکار لڑکی ہوں۔ ایک مظلوم اور بے کس میں اپنی ذہنی پہنچ کو کسی ایک انداز پر نہیں چھوڑوں گی اور میں صرف ایک بات کہہ سکتی ہوں۔ وہ مقابلے پر خواہ کتنے ہی بڑے گروہ کو لے آئیں، ایسے ناگوں چنے چبواؤں گی انہیں کہ زندگی بھر یاد آئے۔“ نادیا نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ رکھا۔

”نہیں تمہارے ساتھ ہوں، کہیں بھی اپنے آپ کو مجھ سے الگ مت سمجھنا۔“

”اس کے علاوہ مجھے اس ہسپتال کے بارے میں بھی معلوم ہو چکا ہے جہاں محترمہ الماس آراء بیگم کو رہا ہے۔ وہ لوگ مجھ سے اس قدر خوف زدہ ہیں کہ کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے ہسپتال استعمال کر رہے ہیں جب کہ الماس بیگم کسی بڑے سے بڑے ہسپتال میں چاسکتی تھیں۔“

”خیر اس بات کا تو مجھے اندازہ ہے۔ کون سا ہسپتال ہے وہ؟“

”ڈائمنڈ کیریرو۔“

”ارے واہ کیا واقعی؟“ نادیا نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگی پھر میں نے سوال کیا۔

”کیوں؟“

”مارے گئے کجنت..... ڈائمنڈ کیریرو میں جو چیف وارڈن ہے، وہ ہمارے گروہ کی ممبر ہے۔ ڈیش

لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ واقعی ڈینس کا کتنا بالکل درست ہی تھا۔ یہ لباس میرے بدن تھا۔ سر پر اسکل لگانے کے بعد میں نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ میں ایک مکمل نرس نظر آنے لگی لباس پر ایک بیج بھی لگا ہوا تھا جو یقیناً فری ڈیوٹی بیج تھا۔ ڈینس نے کہا۔

”میں تمہیں ساتھ لے کر چل رہی ہوں۔ اپنے آپ کو ایک بد دماغ اور مغرور قسم کی لڑکی تاکہ دوسری نرسیں تمہارے گرد نہ پھیل جائیں۔ ان کے پاس فضول باتیں کرنے کے لئے بہت ہے۔ تمہارا انٹرویو لینے کی کوشش کریں گی۔ ویسے ایک بات اگر تم بتانا پسند کرو تو بتا دو۔ یہاں تمہیں ہے؟“

”کوئی ایسا بڑا کام نہیں، بس ذرا سی باؤنرس کرنا ہے۔“

”ہوں..... تب پھر میں تمہارے ساتھ نہیں جاتی۔ تم خود اپنی ڈیوٹی سنبھال لو لیکن اس فکر مت کرنا میں تمہارے بالکل قریب موجود ہوں گی۔ اگر کوئی خطرہ پیش آیا تو میں تمہیں ایک جگہ ہوں جہاں سے تمہیں باہر نکل جانا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“

”کوئی ہتھیار وغیرہ؟“

”میرے پاس موجود ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ بہر حال ڈینس نے میری رہنمائی کی۔ اصل با نے بھی پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ صرف احتیاط کا تقاضا تھا یا پھر شاید گروہ کے اصول لیکن مدد مل گئی تھی مجھے۔ ناویہ نے ایک ایسا محفوظ راستہ اختیار کیا تھا کہ اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ میں کے اندرونی حصے میں داخل ہو گئی۔ یہاں کافی اشاف تھا۔ افراد بھی اچھے خاصے نظر آرہے تھے۔ میں اعتماد کے ساتھ اسپتال کی راپڈاریوں کا جائزہ لینے لگی۔ بہت سے کمرے دیکھے۔ پھر ایک کمرے کے مجھے دو گارڈ نظر آئے جو اسٹین گنوں سے لیس تھے لیکن یہ پولیس کے آدمی نہیں تھے۔ میں نے ایک اندر اندر صورت حال کا اندازہ لگا لیا کہ وہی آئی پی شخصیت الماس بیگم کی ہی ہو سکتی ہے۔ میں کمرے سامنے سے گزر کر آگے بڑھ گئی اور پھر میں نے ایک ایسی ٹرائی حاصل کی جس پر دوائیں وغیرہ لے جا ہیں۔ ڈیوٹی روم میں جا کر میں کچھ ایسی چیزیں ٹرائی پر سجائیں جن سے یہ احساس ہو کہ میں کسی اہم کام جا رہی ہوں۔ اس دوران میں نے ان گارڈز کا جائزہ بھی لے لیا تھا اور یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ صرف ڈیوٹی دے رہے ہیں، باقی اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔ چنانچہ میں ٹرائی دھکیلتی ہوئی آگے بڑھی اور کمرے میں گارڈز کی ڈیوٹی تھی، اس کے سامنے والے کمرے میں داخل ہو گئی۔ یہاں بھی ایک خاتون نیند سو رہی تھی۔ کوئی اور موجود نہیں تھا۔ کچھ لمبے وہاں گزارنے کے بعد میں ٹرائی دھکیلتی ہوئی کمرے باہر نکل آئی اور پھر اس کے عین سامنے والے کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہاں بھی ایک مریضہ تھی جسے جبر پاس ایک خوبصورت سی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔

”ہیلو بی بی۔ کیا ڈاکٹر صاحب وزٹ پر آئے تھے؟“

”نہیں ابھی تو نہیں۔“

”اچھا اور کوئی بات تو نہیں ہے؟“

”نہیں پلیز۔“ لڑکی نے شانگسی سے جواب دیا اور میں ٹرائی دھکیلتی ہوئی پھر باہر آ گئی۔ تیسرا کمرہ میں نے وہی منتخب کیا تھا۔ گارڈ دونوں کمروں میں مجھے جاتے ہوئے دیکھ چکے تھے چنانچہ انہوں نے کوئی تعرض نہیں کیا اور میں اندر داخل ہو گئی۔ دروازہ بند کر دیا، بیڈ پر الماس بیگم دراز تھی۔ اسے ڈرپ لگی ہوئی تھی اور اس کا ایک ہاتھ پلاسٹریں چھپا ہوا تھا۔ وہ خاموش لیٹی ہوئی تھی۔ میں دروازہ بند کر کے اس کی طرف پلٹی اور ٹرائی دھکیلتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔

”اب کیسی ہیں میڈم؟“ میں نے قریب پہنچ کر پوچھا۔ الماس بیگم نے ناخوشگوار نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولیں۔

”تمہیں کیسی نظر آ رہی ہوں؟“

”بالکل ٹھیک ہٹی کٹی.....“ میں نے جواب دیا اور پھر ایک بڑا سا اسفنج اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے بعد میں نے قہرہ میٹر نکالا اور پھر جھٹک کر بولی۔

”پلیز۔“

”کیا کیو اس ہے؟“ الماس بیگم نے کہا اور منہ کھول دیا۔ دوسرے لمبے میں نے قہرہ میٹر کے بجائے اسفنج کا وہ ٹکڑا اس کے منہ میں ٹھونس دیا اور پوری قوت سے اسے اندر دبا دیا۔ الماس بیگم کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ اسفنج کے ٹکڑے کو منہ میں دبانے کے بعد میں نے ٹرائی میں سے سفید رنگ کا ٹیپ نکالا اور اسے اس کے منہ پر چپکا دیا۔ الماس آراء بری طرح جدوجہد کر رہی تھی اور ڈرپ کی شیلڈ اس کی کھال کو بھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ میں نے اپنے دستاں پھٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن پر جمایا اور غرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”ایک لمبے کے اندر زندگی سے محروم ہو سکتی ہو الماس بیگم، اگر مجھے نہیں پہچانتیں تو پہچانو۔“

میں نے پہلے رومال سے اپنا چہرہ صاف کیا، اس کے بعد ناک کے اسپرنگ نکالے اور ہونٹوں کی اسکل کھینچی۔ اب مجھے پہچاننے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”تمہاری زندگی اور تمہاری موت میرے لئے اب ایک بالکل بے مقصد چیز ہے۔ رشتے تو کبھی کے ختم ہو چکے ہیں الماس بیگم، اب تو ایک ایسا دشمن تمہارے سامنے ہے جو تمہاری زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ میں نے تم سے کہا تھا تاکہ میں ایک ہفتے کے اندر اندر تم سے ملاقات کروں گی۔ صرف اپنی بات کا وزن ظاہر کرنے کے لئے آگئی ہوں۔ یہ سب کچھ دیکھ رہی ہو جو ٹرائی میں میرے پاس موجود ہے۔ تمہارا منہ بند ہے۔ میں تمہارے دونوں ہاتھ باندھ کر تمہاری ناک میں روٹی لگا سکتی ہوں۔ تمہارا سانس بند ہو جائے گا اور تھوڑی دیر کے بعد تم زندگی سے محروم ہو جاؤ گی۔ باہر تمہارے گارڈ موجود ہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ دروازے کی طرف دیکھ سکتے ہیں۔ میں ان سے یہ کہوں گی کہ میں میڈم کے کپڑے تبدیل کر رہی ہوں اس لئے وہ یہاں سے پانچ پانچ فٹ دور ہٹ جائیں۔ کوئی مشکل نہیں ہے میرے لئے۔ ہاں اب شرافت کے ساتھ میرے ماں باپ کا پتا دو گی؟ ظاہر ہے یہ ایسی جگہ نہیں ہے جہاں میں تمہارے اوپر کچھ تشدد کروں۔ یہاں تو صرف میں تمہیں قتل کر سکتی ہوں اور الماس بیگم کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں تم میرے ہاتھوں

سے محفوظ ہو سکتی ہو۔ میں جب بھی تمہیں چاہوں گی، قتل کروں گی لیکن میں نے تم سے کہا ہے تمہیں زندہ رکھوں گی، اس وقت تک جب تک تمہیں یہ احساس نہ ہو جائے کہ تم نے غلطی کی ہے اس غلطی کا ازالہ کرنے پر مجبور ہو جاؤ۔ میں تمہیں تمہارے سارے قریبی عزیزوں سے محروم کر دوں جس شخص کا تم سے ذرا برابر بھی تعلق ہوگا، وہ ایک ایک کر کے اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا یہاں کہ میں اپنے تایا کو بھی ہلاک کر دوں گی۔ وہ شخص میرا اب کوئی نہیں ہے۔ جس نے اپنے بھائی کو تمہا کہنے پر قریان کر دیا۔ الماس بیگم یہاں سے چلی جاؤ گی تم۔ میں تم سے رابطہ کروں گی اور پوچھوں گی کہ میرا باپ، میری ماں اور میری بہنیں کہاں ہیں؟ بتا دو گی تو ٹھیک ہے ورنہ ایک کے بعد ایک کر کے اپنوں کی لاشیں ملتی رہیں گی۔ میں جانتی ہوں، تم اتنی اچھی عورت نہیں ہو کہ شرافت کے ساتھ کچھ بتا سمجھ رہی ہو نا میری بات.....؟؟؟ میں نے کہا۔ الماس آراء کی آنکھوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ زیادہ غصے میں ہے۔ اچانک ہی اس نے اپنے جسم کو جنبش دی تو میں نے پھر اس کی گردن پر انگوٹھا رکھا اور اتنی زور سے اسے دبایا کہ وہ شدید تکلیف کا شکار ہو گئی۔ کچھ لمحے میں اسے دبا لے رہی پھر میں نے کہا ”یہاں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد تم سے رابطہ قائم کروں گی۔ تین دفعہ اور تمہیں موقع دیں گی کہ تم عقل کو استعمال کرتے ہوئے مجھے میرے ماں باپ کے بارے میں بتا دو۔ چوتھی دفعہ یہ سمجھ لو تمہیں ایک لاش کا تحفہ دوں گی۔ اپنا وعدہ میں نے یہاں نبھایا ہے، ہر جگہ نبھاؤں گی۔ یہ تو تم اندازہ لگا ہو، یہاں موت تم سے صرف دو فٹ کے فاصلے پر ہے، اؤکے..... اب چلتی ہوں۔“ ایک نگاہ میں الماس بیگم پر ڈالی اور اس کے بعد واپسی کے لئے مڑ گئی۔

میں نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ دفعتاً دروازے کا شیشہ ایک زوردار آواز کے ساتھ کڑی کڑی ہو گیا میں نے چونک کر دیکھا۔ ٹرائی آدھی باہر نکل چکی تھی۔ الماس آراء نے اپنے دوسرے ہاتھ سے ایک واہ برتن جس پر میں نے توجہ نہیں دی تھی، اٹھا کر دروازے پر مارا تھا اور اس کا نشانہ بالکل درست پڑا تھا۔ گارڈز کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتی تھی اور اس میں کامیاب ہو گئی تھی۔ دروازے پر کھڑے دونوں گارڈز نے اسٹین گنیں سنبھال لیں اور کمرے کی جانب دیکھنے لگے۔

صورت حال اچانک ہی بدل گئی تھی۔ میں نے گارڈز کو متوجہ کرنے کے لئے بڑی حاضر دماغی اور تیز رفتاری سے چال چلی تھی اور اس میں کامیاب بھی رہی تھی۔ شیشہ ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ ہی دروازے پر موجوں دونوں گارڈز تیزی سے اندر کی جانب لپکے تو میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اگر کھڑکی میں، جلدی دیکھو اور کھڑکی میں۔“

دونوں گارڈز تیزی سے کھڑکی کی جانب دوڑ پڑے تھے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ٹرائی دروازے پر ہمارا دی اور برق رفتاری سے دوڑ پڑی۔ اسپتال کے کوریڈور میں موجود مریضوں، نرسوں اور ڈاکٹروں وغیرہ نے مجھے یقیناً حیرت سے دیکھا ہو گا لیکن اس وقت میرے لئے کوئی اور چارہ کار نہ نہیں تھا۔ میں تیز رفتاری سے کوریڈور عبور کر کے نیچے میڑھیوں پر پہنچ گئی۔ ادھر عقب سے دونوں گارڈز اصل صورت حال جاننے کے بعد میری جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ دروازے کے درمیان کھڑی ٹرائی نے مجھے ان سے دور کرنے کے لئے

چد لے فراہم کر دیے تھے۔ جب تک وہ کوریڈور کے آخری سرے پر پہنچتے، میں آخری میڑھی پر پہنچ چکی تھی۔

اچانک اسپتال کی فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ اب یہ گولیاں کیسے چلیں، اس کا تو مجھے اندازہ نہیں تھا لیکن فائرنگ کے ساتھ ہی وارڈوں میں شور مچا اور افرا تفری مچ گئی تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھنا بہت نہیں سمجھا۔ میرا رخ کار پارکنگ کی طرف تھا۔

جونہی میں نے اپنی کار کا اسٹیرنگ سنبھالا، عقب سے گولیوں کی ایک باڑ میری کار کی ڈگی پر پڑی۔ کار انبارت کر کے میں طوفانی رفتار سے مرکزی گیٹ سے باہر نکل گئی لیکن ایک جہاز نے مجھے ضرور ہونے کے گارڈز اتنی تیزی سے باہر تک کیسے آگئے تھے۔ پھر اگلے لمحے بیک ویو مرر پر نظر پڑتے ہی مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

ایک ہلکے نیلے رنگ کی کار میرا تعاقب کر رہی تھی۔ اس کی کھڑکیوں سے دو انسانی جسم باہر نکلے ہوئے تھے اور وہ اپنے ہاتھوں میں دبے ہوئے ری پیٹر سے میری گاڑی کا نشانہ لے رہے تھے۔ یہ دیکھتے ہی میں نے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا لیکن میری یہ کوشش عارضی ثابت ہوئی کیونکہ میرے رفتار بڑھاتے ہی انہوں نے بھی اپنی کار کی رفتار میں اضافہ کر لیا تھا۔ اب وہ کار لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی لیکن اب بھی فاصلہ اتنا تھا کہ وہ آسانی مجھے نشانہ نہیں بنا سکتے تھے۔

دو مسلح افراد کو کار سے لٹکتا دیکھ کر سڑک پر افرا تفری پھیل گئی تھی۔ گاڑیوں کے بریک چرچا رہے تھے۔ کئی گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرا گئی تھیں۔ فاصلہ کم ہوتے ہی انہوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ گولیاں میری کار کے دائیں بائیں سے گزریں۔ میں نے کار کی رفتار میں مزید اضافہ کر دیا۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ انہیں ہر لحاظ سے مجھ پر برتری حاصل تھی۔ وہ عقب سے یہ آسانی مجھے نشانہ بنا سکتے تھے۔ اب مجھے ہر حال میں کوئی نہ کوئی حل نکالنا تھا، چنانچہ میں نے اپنا بھاری ریوالتور نکال لیا۔

اب صورت حال یوں تھی کہ میرا ایک ہاتھ اسٹیرنگ پر تھا اور دوسرے میں ریوالتور دبا ہوا تھا، جب کہ دشمن بہترین پوزیشن میں میرے عقب میں تھا۔ میں نے ایک جوا کھیلنے کا فیصلہ کیا اور کار کی رفتار میں بھٹک اضافہ کر دیا۔ جونہی اسپید و میٹر کی سوئی سو کے ہند سے پر تھر تھرائی، میں نے بریک لگاتے ہوئے پوری قوت سے اسٹیرنگ گھما دیا۔ کار کسی پھرکی کی طرح سڑک پر گھوم گئی تھی ٹائروں کی سڑک پر رگڑ سے ایک زوردار آواز پیدا ہوئی تھی۔ میرے عقب میں آنے والی کار کا ڈرائیور ایک لمحے کے لئے چکرا سا گیا۔

اب میں اور وہ بالکل آمنے سامنے تھے۔ میں نے ان کی اس لمحاتی گھبراہٹ کا بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے ریوالتور نے دو شعلے اگلے۔ میرا نشانہ مسلح افراد نہیں تھے بلکہ ڈرائیور تھا۔ دونوں گولیوں نے ونڈ اسکرین کو چکنا چور کر دیا تھا۔

مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا کہ گولیاں ڈرائیور کو لگیں یا نہیں لیکن میرے فائرنگ کرنے سے ان کی کار بے قابو ہو گئی تھی اور سڑک کے کنارے لگے ایک درخت سے ٹکرا کر اٹنے کے بعد دور تک گھسنتی چلی گئی تھی۔

میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اپنی گاڑی سیدھی کی اور آگے بڑھا دی۔ اچانک عقب نما میں نے ایک اور کار کو الٹی ہوئی کار کے قریب رکھے ہوئے دیکھا۔ کار کا انگا دردازہ کھول کر ایک شخص نکلا۔ اس نے کار کے اندر کا جائزہ لیا اور پھر دوڑتا ہوا دوبارہ کار میں بیٹھ گیا۔ کار میں بیٹھے ہوئے اس میری کار کی طرف اشارہ کیا تھا۔ غالباً وہ انہی کے ساتھ تھے۔

اب میں پورے طور پر خود پر قابو پا چکی تھی، چنانچہ میں نے ان سے بھی دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ لیا اور کار کی رفتار دھیمی کر لی۔

یہ صرف ایک اتفاق ہی تھا کہ کار اس وقت ایک ایسی سڑک پر آنکلی تھی جو ایئر پورٹ جاتی تھی کا تقریباً چھ کلو میٹر کا حصہ بالکل ہی سنسان رہتا تھا۔ آگے چل کر ایک اسکوائر آتا تھا اور وہاں سے شروع ہو جاتی تھی۔ دوسری کار تیزی سے بڑھی چلی آ رہی تھی۔ اب دونوں کاروں کے درمیان فاصلہ کم رہ گیا تھا۔ اچانک میری مشکلات کا حل مجھے مل گیا۔ یہ ایک ذیلی سڑک تھی جو اس طرف سے دائیں سمت فیکٹری ایریا تک جاتی تھی۔ اس پر رش تو نہیں ہوتا لیکن روڈ بڑا مخدوش تھا۔ دونوں گڑھے تھے، سڑک بھی زیادہ چوڑی نہیں تھی لیکن اس وقت ان تمام باتوں پر سوچنا بالکل حماقت تھی۔ نے اچانک ہی کار ذیلی سڑک پر اتار دی میرے تعاقب میں اسی رفتار سے آنے والی کار کے ڈرائیور۔ میری ہی طرح مہارت سے کام لینا چاہا لیکن چونکہ وہ پہلے سے اپنے ذہن کو اس کے لئے تیار نہیں کر۔ اور اس بے وقوف نے بریک لگائے بغیر اندھا دھند اس کار کو ذیلی سڑک کی جانب موڑا تھا اور جو نتیجہ کے سلسلے میں ہوتا تھا، وہی ہوا۔ وہ کار ایک گڑھے میں جا پھنسی تھی۔ اس اثنا میں کار سے تین افراد سے اترے اور انہوں نے زمین پر لوٹنے ہوئے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ فائرنگ کے درمیان نے مزید دو گاڑیوں کے بریک لگنے کی آواز بھی سن لی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ انہوں نے مزید ملک حا کر لی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایسے موڑ پر جو فیکٹری کے کنارے سے مڑتا تھا، میری گاڑی کے پچھلے دو ٹائر کام آگئے۔ گاڑی اچھلنے لگی، میں نے پورے بریک لگائے اور برق رفتاری سے نیچے کود گئی۔ یہ کام قدر پھرتی سے کیا تھا میں نے کہ شاید کوئی اور ہوتا تو اتنی آسانی سے کامیاب نہ ہو پاتا۔ میں نے کئی قلاباز کھائیں اور اس کے بعد اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ کیونکہ پیچھے گاڑی آ رہی تھی، ایک نہیں بلکہ دو دو۔ نے اپنے آپ کو سنبھال کر نشیب کی طرف چھلانگ لگائی لیکن پھر چند قدم ہی دوڑی تھی کہ دماغ میں آ اور خیال آیا۔ میں پھرتی سے واپس پلٹی اور پھر بدن کو سکڑ کر بمشکل تمام اپنی گاڑی کے نیچے رینگ میری جسامت کے لحاظ سے یہ ایک مشکل کام تھا لیکن پھر بھی میں نے اسے سرانجام دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں گاڑیاں میرے قریب آ کر رک گئیں۔ دروازے کھلے اور کئی آدمی نیچے اترتے ہوئے دکھائی دیے۔ سب افراد تفری کا شکار تھے۔

”ادھر نشیب میں“ ہری اپ۔ ”کوئی چیخا اور نہ جانے کیوں یہ آواز مجھے ششما محسوس ہوئی۔ ایک۔ میں تو ذہن میں نہیں آیا کہ یہ کس کی آواز ہے لیکن پھر دوسرے لمحے میں نے اس آواز کو پہچان لیا۔ میرے دانت شدت کے ساتھ بچھنے لگے۔ یہ فطری آواز تھی۔ ”یہ دیکھو“ بیروں کے نشانات۔ وہ نشیب

گئی ہے۔“ کوئی چلایا۔

”یار ادھر پوری گاڑی تباہ ہو گئی۔ وہ لوگ مر گئے۔“

”جنم میں جھوٹو کہیں، تمہیں ان کی موت کی پروا کرنی ہے یا اسے گھیرنا ہے؟ پتا نہیں ہے اس نے بھر صاحب کو کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ یا! کہتے کی موت مارے جائیں گے ہم لوگ اگر بیگم صاحبہ کو کچھ ہو گیا۔ رت جلال ہمارے بدن کے ٹکڑے کرا دے گا۔“

وہ لوگ ادھر ادھر بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ ابھی تک کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ میں غیب میں نہیں گئی۔ میں نے اچانک ہی کچھ سوچا، خطرات مول لئے بغیر تو زندگی کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ میں بیٹتی ہوئی تھوڑی سی آگے بڑھی۔ یہ گاڑی جو میرے بالکل قریب کھڑی ہوئی تھی میری ششما تھی۔ ایک بار باصاحب کی کوٹھی میں ظفر شاہ اس گاڑی میں آیا تھا۔ میں نے بھانک کر دیکھا تو گاڑی کے دروازے کھلے دئے تھے۔ میں نے تھوڑی سی گردن اٹھا کر دیکھا، ظفر شاہ دونوں ہاتھوں میں ریوالور لئے سڑک کے نشیب کے کنارے کھڑا ہوا تھا۔ ان میں سے کوئی سوچ بھی نہیں پارہا تھا کہ میں ان کے اس قدر نزدیک ہوں۔ میں نے جلدی سے ظفر شاہ کی گاڑی کے نیچے ہو کر دوسری جانب سے سرابھارا۔ میری گاڑی بائیں جانب کھڑی ہوئی تھی۔ ظفر شاہ نے اپنی گاڑی میری کار کے بالکل برابر میں کھڑی کی تھی۔ میں نے دوسری طرف نکلنے کے بعد کھڑکی سے جھانکا اور دوسرے لمحے میری آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ جو کچھ کرنا تھا، بڑی مہارت کے ساتھ کرنا تھا۔ انکیشن میں چلی گئی تھی۔ میں نے تیزی سے چالی نکال لی اور پیچھے بچھ کر ڈکی کالا کھول لیا پھر برق رفتاری سے واپس پلٹی اور چالی انکیشن میں لگا دی اور پھرتی سے ڈکی میں رینگ گئی۔ میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اندر سے ڈکی کالا کیسے کھولا جاسکتا ہے چنانچہ اب میں اس ڈکی میں محفوظ ہو گئی تھی۔ کم از کم اتنے ذہین نہیں تھے وہ لوگ کہ وہ مجھے ڈکی میں تلاش کریں۔ میں تھوڑا سا خلا پیدا کر کے باہر کی آوازیں سننے لگی۔ کافی دیر لگی تھی انہیں، کوئی پندرہ منٹ کے بعد یہ جنگجو قافلہ واپس لوٹا تھا اور کسی نے مایوس سے کہا تھا۔

”شیطان کی بیچی۔ ذرا سی دیر میں کتنی دور نکل گئی۔ میرا خیال تو ہے کہ آگے جا کر جو ٹالہ ہے، وہ اس میں کود کر آگے نکل گئی ہے۔ یار کمال ہے، یہ لڑکی ہے یا چملا۔ ہم نے بڑی پھرتیلی لڑکیاں دیکھی ہیں مگر ایسی کبھی نہیں۔ اس نے تو ہوش اڑا دیئے ہیں۔“ اس کے بعد انہوں نے میرے ساتھ کئی رشتے جوڑے اور منقلاط کی تحیں۔ وہ لوگ میری تلاش سے مایوس ہو گئے تو ان میں سے کسی نے پوچھا۔

”اس گاڑی کا کیا کرنا ہے؟“

”دفع کرو“ ہمیں کیا کرنا ہے۔ چلو اب ادھر دیکھیں۔“ پھر دروازہ کھلے اور گاڑی اشارت ہونے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد گاڑی آگے بڑھ گئی تھی لیکن وہ لوگ کہیں رکے نہیں تھے۔ وہ رینگ جس سے ایک گاڑی نیچے گر کر تباہ ہو گئی تھی، ایک لمحے کے فاصلے پر تھی لیکن میرے اندازے کے خلاف وہ یہاں نہیں رکے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی یا تو وہاں پولیس کی گاڑیاں پہنچ گئی تھیں یا پرائیویٹ گاڑیاں رک گئی تھیں اور انہوں نے وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ وہ لوگ باتیں کرتے رہے اور مدھم مدھم

”دونوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ اگر ذرا بھی جنبش کی تو پورے بدن کو داغ دار کر دوں گی۔“ ظفر شاہ مجھے ہر کھڑا کیا تھا۔ دوسرے آدمی کا منہ بھی حیرت سے کھل گیا تھا لیکن دونوں نے مشینی انداز میں ہاتھ اٹھا دیے تھے۔

”ہوں۔ چائے پی جا رہی ہے۔ ایک بدترین ناکامی کے بعد اگر تم میں سے کسی کو اس بات کا گمان ہے وہ مرد ہے تو یہ گمان دل سے نکال دے۔ میں جو کچھ ہوں تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔“ اچانک ہی میرے آدمی نے بل کھلیا اور پھرتی کے ساتھ چائے کا کپ اٹھا کر مجھ پر دے مارا۔ میں نہ صرف پیچھے ہٹی۔ میں نے اس کے ہاتھ کو نشانہ بنایا اور وہ دوسرے ہاتھ سے بازو دباتے ہوئے چچ مار کر ایک طرف الٹ۔ گولی اس کی کنٹی میں لگی تھی۔

”تم میرے ہاتھوں سے زندہ بچے ہوئے ہو، تم بھی موت چاہتے ہو؟“ میں نے ظفر شاہ کی طرف بالور کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں نہیں۔ اس گدھے کو تمہارے بارے میں کچھ نہیں معلوم شاہ نور! سوری، آئی ایم سوری۔ کچھ نہیں کروں گا، وعدہ کرتا ہوں۔“ وہ شخص تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ میں نے پہلے اس کی جانب ہی بڑھائے۔ اس کے پاس ریو اور موجود تھا جسے میں نے ہاتھ میں لیا اور اس کا میگزین نکال کر دروازے کی جانب اچھال دیا۔ ظفر شاہ کے پاس دو ریو اور تھے، وہ دونوں بھی میں نے اپنے قبضے میں کر لئے۔

ظفر شاہ تو بالکل ہی مٹی کا پتلا بن گیا تھا۔ اس نے کسی بھی طرح مزاحمت نہیں کی تھی اور اس کی وجہ قی کی کہ وہ مجھے جانتا تھا۔ میں نے دونوں کو نستا کر دیا۔ اس شخص کے ہاتھ سے خون بہہ کر زمین پر گر رہا تھا وہ مسلسل کراہے جا رہا تھا۔

”میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے۔ تم نے مجھے شیطان کی بیٹی کہا تھا نا اور میں نے اسی وقت یہ کیا تھا کہ تمہیں بتاؤں گی کہ شیطان کی بیٹی کون ہے۔ ظفر شاہ! میرا خیال ہے، بات میرے اور تمہارے بیان ہے۔ اس شخص کی مداخلت بالکل بے کار ہے۔ چنانچہ اسے جانے دو۔“ ظفر شاہ میرا مطلب نہیں دیکھتا اور نہ ہی وہ شخص۔ میں نے اس کی پیشانی پر فائر کیا اور گولی اس کے ماتھے کی ہڈی کو توڑتی ہوئی انیس داخل ہو گئی۔ ظفر شاہ کا رنگ پیلا پڑا ہوا تھا اور وہ وحشت سے جھپٹنے لگا۔ میں نے دیکھ رہا تھا اس نے کھل کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ میں نے چکر کھینچ لیا۔ اس وقت مجھ پر خون سوار تھا لیکن اب میری ہمت میں جو ٹھہراؤ پیدا ہو گیا تھا اس نے اس وقت بھی میرے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ بالکل بے پروا ہو گئی تھی۔ ظفر شاہ سامنے موجود تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر آگے بڑھا۔ اس کے بعد میں نے چائے کی پیالی اٹھالی۔ لات مار کر اس شخص کی لاش کو دور دھکا دیا اور اسی کرسی پر بیٹھ گئی جس پر تھوڑی دیر پہلے وہ شخص زندہ بیٹھا ہوا تھا۔ پھر میں نے ہاتھ بڑھا کر ظفر شاہ کے سامنے رکھی۔ اُن کے ہاتھ کی پیالی اٹھالی اور بولی۔

”مجھے معلوم ہے کہ ابھی تم نے اسے نہیں چھوایا ہے۔ چائے کی طلب مجھے بھی محسوس ہو رہی ہے۔ اب ظفر شاہ! یہ جانے میں پی رہی ہوں۔“

آوازیں مجھے آتی رہیں۔ پھر خاصا فاصلہ طے ہو گیا اور اس کے بعد گاڑی ایک لمحے کے لئے رکی اور کچھ کھلنے کی آواز آئی۔ گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس کے پیچھے دوسری گاڑی تھی۔

میں نے ڈگی کی جھری سے جھانکا۔ ایک بڑا سا اونچا احاطہ نظر آرہا تھا جس میں جھاڑ جھنکار پھیلے تھے۔ غالباً یہ کوئی غیر آباد عمارت تھی۔ دروازہ کھول کر کوئی نیچے اترا اور میں نے ڈگی احاطہ سے کھلی فضا میں گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ ڈگی بند کرنے کے باوجود بعض جگہوں سے تھوڑی سی آہری تھی۔ اس لئے کام چل گیا تھا ورنہ شاید دم ہی گھٹ جاتا۔

میں ایک بار پھر گاڑی سے اتر کر نیچے رینگ گئی۔ آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ عمارت کا دروازہ آ رہا تھا، کچھ عجیب سی جگہ تھی، غالباً نواحی علاقے کی کوئی عمارت تھی۔

کچھ لمحے کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھی۔ کپڑے جھاڑے اور پھر ایک لمبی چھلانگ مجھے دروازے تک لے گئی۔ یہاں سے میں ہوا کے جھونکے کی مانند اندر داخل ہوئی اور پھر ایک کوریڈور میں کر ایک ستون کی آڑ میں ہو گئی۔ کچھ عجیب سا طرز تعمیر تھا۔ دیوے عمارت آباد معلوم ہوتی تھی یعنی یہ بات ہے کہ رہنے والے محدود تعداد میں ہوں۔ ہو سکتا ہے، صرف ظفر شاہ وہاں رہتا ہو اور یہ بھی ہے کہ ظفر شاہ نے یہ جگہ مجھ سے پوشیدہ رہنے کے لئے منتخب کی ہو۔ بہر حال گاڑی سے جس طرح آوازیں آتی رہی تھیں، ان سے یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ آنے والے یا گاڑی میں سفر کرنے والے سے زیادہ افراد ہیں۔

میں بہت ہی محتاط ہو کر وہ جگہ تلاش کرنے لگی جہاں ظفر شاہ موجود ہو سکتا تھا اور میری یہ کوشش ہی لمحوں میں کامیاب ہو گئی۔ ایک کمرے سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ بھی خوش قسمتی تھی کہ جیسے ہی مجھے انداز ہوا کہ اس کمرے میں کوئی موجود ہے، میں نے فوراً ہی ایک ستون کی آڑ لے لی۔ دروازہ کھلا تھا اور ایک آدمی نکل کر باہر آ گیا تھا۔ پھر وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف بڑا اور میں ستون کی اوٹ میں صورت حال کا جائزہ لیتی رہی۔ اس شخص کے بارے میں، میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں چلا گیا لیکن مجھے اس کی واپسی کا انتظار کرنا تھا تاکہ بعد میں مجھے کسی دوسری پریشانی سامنا نہ کرنا پڑے۔

وقت گزرنے کے بعد جب میں اس کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ کر رہی تھی تو مجھے قدموں پر چپ سنائی دی۔ میرے انتظار کے لمحے بے کار نہیں گئے۔ وہی شخص آتا دکھائی دیا جو کچھ دیر پہلے اسی کمرے سے نکل کر گیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں چائے کی دو پیالیاں سنبھالی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے سوچا کہ یہ صاحب چائے بنانے کے لئے اندر گئے تھے۔ اس مطلب ہے کہ ظفر شاہ بھی اندر موجود ہے۔ میں کچھ دیر سوچنے کے بعد دروازے کی جانب بڑھی۔ میں اپنا ریو اور نکال لیا تھا۔ میں دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ ان لوگوں نے ابھی چائے کا ایک گھونٹ نہیں لیا تھا۔ میں نے ریو اور سیدھا کیا اور غرائے ہوئے لمبے میں بولی۔

ظفر شاہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ میں نے چائے کے چند گھونٹ لئے اور اچانک احساس ہوا کہ میں نے ایک غلطی کی ہے۔ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کبھی کبھی عذابِ جان ہے۔ اب کون جانے اس شخص کے اور ظفر شاہ کے درمیان کیا معاملات تھے۔ ہو سکتا ہے اس کی چائے میں کوئی ایسی چیز ملا دی ہو جو ظفر شاہ کے لئے نقصان دہ ہو لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا ہر قسم کے اندیشے کو بالائے طاق رکھ کر چائے کے بڑے بڑے گھونٹ لئے اور پھر پیالی ایک طرف ہوتے ہوئی۔

”ہاں‘ ظفر شاہ‘ تو بڑی ہنگامہ آرائی کر کے آئے ہو تم۔ چلو پرانی باتیں بعد میں‘ ابھی فی الحال وقت کی باتیں ہو جائیں اور جس جگہ سے میں آغاز کروں گی وہاں سے تمہیں جواب دینا ہو گا۔ اب زندہ ہونے کی ادکاری ترک کر دو۔ اور ہاں جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرنا۔ تمہیں پہلے بھی اندازہ کہ میں تمہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن سوچ لو اگر تم نے فراڈ کرنے کی کوشش کی تو پھر اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکو گی۔ میرا پہلا سوال۔ کیا تم اسی عمارت میں رہتے ہو؟ جوا۔“

”ہاں۔ تقریباً پندرہ دن سے‘ عزت جلال کے حکم سے۔“ اس نے ایک ساتھ تین سوالوں کے دے دیے۔

”گنڈ۔ اچھا اب یہ بتاؤ‘ یہاں اب اور کون آنے والا ہے؟“

”کوئی نہیں۔“

”کیا یہ شخص تمہارے ساتھ رہتا تھا؟“

”نہیں۔“

”تو پھر یہاں کیوں آیا تھا؟“

”ابھی تھوڑی دیر کے بعد اسے میری گاڑی لے کر واپس جانا تھا۔“

”کون ہے یہ؟“

”ایک ادارے کا کارکن ہے۔“

”جیک اینڈ جیل۔“ میں نے کہا اور ظفر شاہ کی آنکھیں خوف سے حلقوں میں حرکت کرنے لگیں۔ اس کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ میں جیک اینڈ جیل کے بارے میں ہوں لیکن اس کی ہمت نہیں پڑی تھی۔

”جواب۔“ میں غرائی۔

”ہاں۔ ہاں۔ یہ جیک اینڈ جیل کا کارکن تھا۔“

”گویا اس جماعت کے کارکن مقامی لوگ بھی ہیں؟“

”ہاں۔ تقریباً چودہ افراد جیک اینڈ جیل کے لئے کام کرتے ہیں۔“

”اور وہ گاڑی جو تیار ہوئی ہے‘ اس کے بارے میں کسی کو اطلاع دی گئی ہے؟“

”ہاں۔ جیک اینڈ جیل کے کارکنوں نے۔ وہ الگ ہی چلے گئے تھے اور میں ادھر آگیا تھا۔ وہ ذمہ انہوں نے سنبھال لی تھی۔“

”ٹھیک۔ اب کچھ دیر کے بعد یہاں کوئی آنے والا ہے؟“

”میں یقین دلاتا ہوں تمہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں‘ سچ کہہ رہا ہوں۔ ابھی یہاں کسی کے آنے کی بات نہیں ہیں۔ بس اسے جانا تھا۔“

”اس کے نہ جانے سے کیا ہو گا؟“

”کچھ نہیں۔ یہ چونکہ میرے ساتھ ہے‘ اگر زیادہ سے زیادہ ان لوگوں نے اس کے بارے میں بات کی تو مجھے موبائل کریں گے۔“

میں نے موبائل کی طرف دیکھا جسے میں نے نکال کر ایک طرف ڈال دیا تھا‘ چنانچہ ہاتھ بڑھا کر میں موبائل اٹھایا اور اسے بند کر دیا۔

”ہاں۔ ظفر شاہ۔ آج تم میرے قتل کی کوششوں میں ملوث تھے۔ اس لئے مجھے بھی تم سے ذرا تفصیلی پوچھنے کا موقع مل گیا۔“

ظفر شاہ کی آنکھوں سے جھلکتا خوف اس بات کا اظہار کر رہا تھا کہ وہ آج کی شکست سے اندر سے پھوٹ گیا ہے۔ اس وقت اس کی حالت بہت خراب ہے۔ بظاہر آس پاس کوئی ایسی چیز نظر نہیں آ رہی جس سے مجھے یہ خطرہ ہو کہ ظفر شاہ مجھ پر چالاک سے حملہ کر سکتا ہے۔ میں کچھ لمحے اسے گھورتی رہی کے بعد میں نے کہا۔

”اب تک میرے اور تمہارے درمیان بہت سی ملاقاتیں‘ بہت سی باتیں ہو چکی ہیں لیکن آج میری سے ملاقات کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ تم اگر اسے تسلیم کرنا چاہو تو کرو اگر نہ کرنا چاہو‘ تب بھی مجھے لی اعتراض نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس وقت میں مجرم نہیں بننا چاہتی تھی‘ وقت مجھے تھیر کر اس فٹ لارہا تھا لیکن میں چاہتی تھی کہ مجھے ایک ایسا موقع مل جائے جس سے میں جرم کی دنیا کی طرف نہ جاؤں۔ آج صورت حال بالکل مختلف ہے۔ تم جیک اینڈ جیل کے بارے میں جانتے ہو۔ بھلا دیکھو اور سوچو بائیں نہیں کر رہے وہ لوگ میرے خلاف۔ کیا کیا کارروائیاں نہیں کر ڈالیں انہوں نے لیکن خدا کا شکر ہے میں نہ صرف محفوظ ہوں بلکہ اپنا قول نبھاتی رہی ہوں۔ اب میں یہاں سے آغاز کروں گی کہ بخت بابا‘ میری ماور میری دونوں بہنوں کے اغوا میں تمہارا ہاتھ تھا؟“

”صرف ایک کارکن کی حیثیت سے۔ الماس آراء بیگم نے مجھے ہدایت کی تھی اور میں ان لوگوں میں سے ایک تھا جو وہاں تک پہنچے تھے۔“

”اغوا کر کے ان لوگوں کو کہاں لے جایا گیا؟“

”جیل ہاؤس میں۔ وہ ان لوگوں کی خفیہ سرگرمیوں کا مرکز ہے۔“

”جیل ہاؤس کا پتا بتاؤ۔“ میں نے ظفر شاہ سے کہا اور اس نے مجھے تفصیلی پتا بتا دیا۔

”ٹھیک ہے ظفر شاہ ایک بات اور بتاؤ۔ اب وہ لوگ کہاں ہیں؟“

”اور تم؟“

”مجھے بھی اطلاع دے کر بلایا گیا تھا۔ میں بعد میں ان کے پیچھے پہنچا تھا۔“

”ظفر شاہ! میرا خیال ہے کہ اس سے زیادہ معلومات دینا تمہارے لئے ممکن نہیں ہے۔ ویسے میں ایک بات بتاؤں۔ اب اس کھیل کے بارے میں میرا نظریہ بالکل بدل گیا ہے۔ ناویہ کی کوٹھی میں مارے ساتھ تھوڑی سی رعایت برقی تھی لیکن اب ذرا مجبوری ہے کیونکہ میں تمہا ہوں اور یہ سمجھوں کہ اس وقت ہر شخص میرے لئے ایک خطرہ ہے۔ تم بگ شو یا جیک اینڈ جیل کے ارکان جتنے کم جائیں گے، اتنی ہی مجھے آسانی ہو جائے گی۔ اس لئے سوری ظفر شاہ تمہاری زندگی بس یہیں تک

”ارے۔ ارے۔ مم۔۔۔۔۔ میری بات تو سنو۔ مم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔“

”نہیں ظفر شاہ! میں جانتی ہوں، کوئی ذریعہ تمہیں میرے لئے کام کرنے پر آمادہ نہیں کر سکے گا، جب ت جلال ہمیشہ تم سے کام لیتا رہے گا۔ سوری۔ سوری۔“ میں نے ریوالور سیدھا کیا تو وہ دہشت زدہ ہو کر بھاگا۔

”ارے میری بات تو سنو۔ مم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔“ لیکن میں بات سننے کی پوزیشن میں نہیں تھی اس پر تین فائر کئے۔ وہ آنکھوں میں حیرت اور خوف سجائے میرے قدموں میں گرنا چلا گیا۔

☆☆☆

میں یہ سوچ کر باہر نکلی تھی کہ ظفر شاہ کی گاڑی لے اڑوں گی لیکن ابھی میں گاڑی اشارت ہی کر رہی تھی کہ دو گاڑیاں اندر داخل ہوئیں اور ایک لمحے کے لئے میں بھوکھلا کر رہ گئی۔ دونوں آگے آکر رکیں تو اچانک ہی میں نے اپنی گاڑی ریوس گیٹر میں ڈال کر گیٹ کی جانب چھوڑ دی۔ بڑی قوت سے گیٹ سے ٹکرائی اور باہر نکل گئی۔ تب ان لوگوں کو احساس ہوا کہ اس گاڑی میں باہر ظفر شاہ نہیں بلکہ یقیناً کوئی غلط شخصیت ہے چنانچہ ان دونوں گاڑیوں نے پوڑن لیا اور پھر اسی رفتار پر نکل آئیں۔ میں نے بھی ظفر شاہ والی گاڑی ریورس میں لے جا کر سیدھی کی اور اس کے بعد لپڑا دیا۔ آن کی آن میں میں نے انہیں کافی پیچھے چھوڑ دیا۔ گو انہوں نے فائرنگ نہیں کی تھی لیکن کے باوجود میں اندھا دھند کار دوڑا رہی تھی اور کسی بھی لمحے کسی حادثے کی توقع کی جاسکتی تھی۔ میں آنکھیں بند کر کے گاڑی دوڑا رہی تھی اور کوئی تعین نہیں کیا تھا کہ مجھے کس طرف جانا ہے چنانچہ بھروسے سے راستے سے ہم نواحی علاقے میں نکل آئے۔ اس علاقے میں زیادہ تر تعمیرات ہو رہی تھیں۔ بلکہ راستے بند تھے لیکن ان بند راستوں کی پروا کئے بغیر میں گاڑی دوڑا رہی تھی۔ مجھے ایک ایسی جگہ کی یاد تھی جہاں میں ان لوگوں سے پیچھا چھڑا سکوں۔ خاصا فاصلہ طے کر کے میں جنگل کے راستے پر نکل آئی۔ مسلسل میرا پیچھا کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ اچانک ہی ایک جگہ سڑک یا پھر یہ کتنا چاہئے کہ راستہ ٹھیک سے گم ہو گیا۔ ڈھلان شروع ہو جاتی تھی۔ راستہ چونکہ اچانک ہی ختم ہوا تھا اس لئے مجھے نہیں ہو سکا۔ مجھے تو اس وقت پتا چلا، جب گاڑی اچھل کر کافی دور جا کر ڈھلان پر گری تھی۔

”بات اصل میں یہ ہے کہ عزت جلال اور الماس آراء بیگم کو اس بات کی ایک فیصد ہم تھی کہ تم ان کے لئے اس قدر خطرناک ثابت ہوگی۔ الماس آراء بیگم بار بار کہتی ہیں کہ انوسر کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکی تھیں جس کی وجہ سے ان کا ایک بھائی موت کا شکار ہو گیا۔ ویسے بی! اگر آپ یہ بات سمجھتی ہیں کہ الماس آراء بیگم کسی بھی جذباتی حادثے کا شکار ہو کر آپ کو مہم ہیں تو یہ بات دل سے نکال دیجئے۔ اب وہ آپ کی جانی دشمن ہیں۔ خون چینا چاہتی ہیں وہ آپ کے لئے قسم کھاتی ہے کہ اگر آپ زندہ ان کے ہاتھ لگ گئیں تو وہ آپ کے زخموں پر دانت جما کر پھینک دیں گی۔ یہ ان کی قسم ہے۔“

”ٹھیک۔ اب یہ بتاؤ اس وقت، مگر نہیں بات درمیان میں رہ گئی۔ میں یہ پوچھ رہی تھی کہ میرے ماں باپ کہاں ہیں؟“

”میں نے آپ کو بتایا کہ الماس آراء بیگم کو اس بات کی توقع نہیں تھی کہ آپ ان قدر خطرناک ثابت ہوں گی۔ بعد میں جب انہیں اس بات کا اندازہ ہوا تو ان کا خیال یہ تھا بلکہ بھائی کے درمیان یہ میننگ ہوئی تھی کہ اگر آپ کی والدہ اور بہنیں ان کے قبضے میں رہیں تو گنجائش رکھیں گی ورنہ ایک بے لگام گھوڑے کی مانند ہو جائیں گی۔ وہ آپ سے اندرونی طور پر بھی ہیں۔ خاص طور سے عزت جلال۔ عزت جلال ایک سیاست دان ہے اور سیاست دان دشمن کمزور نہیں سمجھتے۔ ان کا یہی کہنا ہے کہ آپ ایک خطرناک خاتون ہیں۔ ماں باپ کو قبضے میں رکھ کر آپ کنٹرول میں رہیں گی ورنہ مشکل ہو جائے گا اس لئے انہوں نے انہیں کسی ایسی جگہ محفوظ جہاں آپ کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں۔“

”تمہیں وہ جگہ نہیں معلوم؟“

”نہیں۔ میں تیسرے درجے کے لوگوں میں شامل ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ بات تو بگ نہیں معلوم ہوگی جو عزت کے لئے سارے کام کرتا ہے۔“

”بگ شواب بھی ان کے لئے ہی کام کر رہا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ ہے ہی عزت جلال کا آدمی۔“ ظفر شاہ نے جواب دیا اور میں یہ سوچنے لگی کہ کیا وہ عزت جلال سے مخلص ہے مگر اس میں ایک کمزور پہلو بھی نظر آ رہا تھا۔ بگ شواب نے میرے ساتھ رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن بہر حال یہ بات ظفر شاہ جیسے آدمیوں کے لئے نہیں پڑ سکتی تھی۔ ”ٹھیک ہے ظفر شاہ! اچھا اب یہ بتاؤ کہ میں اسپتال میں الماس آراء بیگم سے ملاقات کرے باہر نکلی تھی تو میرا تعاقب شروع ہو گیا تھا۔ اتنی جلدی یہ کیسے ہوا؟“

”وہاں ڈیوٹی پر جو گاڑ تھے، ان کا تعلق جیک اینڈ جیل سے تھا۔ انہوں نے فوری طور پر وہ لوگوں کو اطلاع دی کہ آپ کچھ کر کے نکل آئی ہیں۔ یہ انہیں بھی نہیں پتا تھا کہ آپ کیا کر آئی بہر حال انہوں نے آپ کی صحیح نشاندہی کر دی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی آپ کار لے کر وہاں سے روانہ انہوں نے تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ ان کا پورا ہیٹ ورک آپ کے لئے کام کر رہا ہے۔“

نہ سہارا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”بھادر لڑکی! کوئی زخم تو نہیں ہے؟“

”نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ میں نے جواب دیا اور اس کے کپڑے بھرے ہوئے ہاتھ تھام لئے

میں نے حیرانی سے کہا۔

”لیکن اس وقت تمہاری یہاں آمد بڑی ڈرامائی ہے۔ میرے تو فرشتے بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ تم

طرح سے یہاں آ جاؤ گی۔ تم یہاں کیسے پہنچ گئیں؟“

”نہ یہ پوچھنے کا وقت ہے اور نہ بتانے کا۔ ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکلنا ہے۔“ ناویہ نے میرا ہاتھ

اور میرے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ ہمارے ساتھ تقریباً نو دس افراد تھے جو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد

پس روشن کر لیتے تھے تاکہ راستہ نظر آتا رہے۔ آگے بڑھتے ہوئے میں نے کئی انسانی جسوں کو مڑا مڑا

ہوئے دیکھا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو میرے دشمن تھے اور مجھے نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ سو فیصدی جیک

زبیل کے کارکن تھے ان کی لاشیں کچڑ میں جا بجا بکھری ہوئی تھیں۔ میں نے ناویہ سے کہا۔

”یہ لوگ؟“

”اس وقت ہمیں کسی کے بارے میں نہیں سوچنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بہت جلد مزید افراد یہاں پہنچ

یں گے۔ وہ لوگ خامسے مستعد ہیں اور تعداد میں بھی کافی ہیں۔“

”مگر ہم چل کہاں رہے ہیں؟ کیا ہمارے پاس کوئی گاڑی وغیرہ نہیں ہے؟“

”اصل میں شاہ نور، ان لوگوں کا نیٹ ورک نہایت مضبوط ہے اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں، نہایت

رہا ہے۔ ہمیں اس طرح سے کام کرنا ہے کہ ان لوگوں کو صحیح صورت حال کا اندازہ نہ ہو۔ یقینی طور پر

اس وقت زندگی اور موت میں کچھ ہی لمحوں کا فاصلہ رہ گیا تھا چنانچہ اس کے سوا اور کوئی

زہ گیا تھا کہ میں ایک بار پھر جتنا شک کا مظاہرہ کر کے گاڑی سے چھلانگ لگا دوں۔ میں نے موقع

وقت بھی میرے ہوش و حواس میرا ساتھ دے رہے تھے۔ پھر میں نے ایک مخصوص انداز میں

چھلانگ لگا دی۔ میرے ساتھ اس وقت بہت بری بیت رہی تھی۔ پہلے کی چوٹوں کا ہی کوئی صحیح

ہوسکا تھا۔ اب بھی قلابازیاں کھاتی ہوئی کافی دور جا کر گری۔ غالباً کوئی گڑھا تھا جس میں، میں چلی گئی

اچانک ہی اوپر سے شدید فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں لیکن حیرت ناک بات تھی

نے میری جانب رخ نہیں کیا تھا بلکہ ایسا لگ رہا تھا جیسے دو فریق آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ یہ کوا

نے دل ہی دل میں سوچا اور اس جنگ کے نتیجے کا انتظار کرنے لگی۔

طوفانی ہوا جنگل میں جھینجی پھر رہی تھی۔ آسمان پر بادلوں کی گڑگڑاہٹ ہو رہی تھی۔ پھر دیکھ

بارش شروع ہو گئی جو اچھی خاصی تیز بارش تھی۔ اس شور میں بھی مجھے اپنے دل کی دھڑکنیں

دے رہی تھیں۔ فائرنگ رک گئی تھی۔ پھر کسی گاڑی کے اشارت ہونے کی آواز گونجی اور

بارش کے شور کے علاوہ اور کوئی آواز باقی نہیں رہی تھی۔

میں خاموشی سے اپنی جگہ پڑی رہی۔ اس وقت کیفیت زیادہ بہتر نہیں تھی اور میں سوچ

اب پتا نہیں اس سے آگے کے معاملات کیا ہوں لیکن پھر اچانک میرے کانوں نے ایک مانوس آوا

مجھے آواز دے رہا تھا۔

ایک لمحے کے اندر اندر میں نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ ناویہ کی آواز تھی۔ میرا دل

سے دھڑکا۔ سو فیصدی یہ وہم نہیں ہے بلکہ ناویہ ہی کی آواز ہے۔ میں نے ایک دم اپنی جگہ

اپنے جسم سے مٹی کو بھاڑنے لگی جو نیچے نیچے خشک تھی اور اوپر سے بارش کی وجہ سے گیلی

تھی۔ پھر میں نے پیچ کر آواز دی۔

”میں یہاں ہوں۔“ میری اس آواز کے ساتھ ہی ٹارچوں کی کئی روشنیاں مجھ پر پڑیں اور

ناویہ کی آواز ابھری۔

”وہ ہے۔ وہ ہے۔ نکالو اسے۔“ میں اپنے طور پر بھی جدوجہد کر رہی تھی لیکن اس کے

افراد گڑھے میں اتر آئے۔ ٹارچوں کی روشنی اب بھی میرا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ جو نوگ میری

نیچے آئے تھے وہ میرے لئے اجنبی تھے۔ بہر حال اس کے بعد انہوں نے مجھے باہر نکال دیا۔

کھڑے ہوئے اجنبی شخص نے مجھے سہارا دیا اور اوپر سے کئی ہاتھوں نے میرے بازوؤں کو مضبو

لایا۔ میں نے ان لوگوں کو غور سے دیکھا جو میرے ارد گرد گھیر ڈالے کھڑے تھے۔ ناویہ کے

میرے لئے اجنبی اور نامانوس تھے۔ ناویہ اس وقت بے حد خوبصورت نظر آرہی تھی۔ اس

رنگ کی چڑے کی جینٹل پن رکھی تھی اور چست سیاہ پتلون اس کے جسم پر خوب جگ رہی تھی

لبے سیاہ بال اس کے چہرے اور گردن پر بھیک کر چپک گئے تھے اور لباس اس کے چہرے پر جا بجا

نظر آ رہے تھے لیکن اس حالت میں بھی وہ بے انتہا حسین لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہ

دوسری سوزکی جیپ تھی۔ ہم ان گاڑیوں کے پاس پہنچے تو ٹرک کے اگلے حصے سے ایک آدمی کود آیا۔

”ہیلو میڈم! کیا پوزیشن ہے؟“

”بالکل ٹھیک سام!“ نادبہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور سام کی نگاہیں میری جانب آئیں۔ یہ ایک لمبے چوڑے بدن کا مالک غالباً نیگرو تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میڈم شاہ نور۔“

”ہاں یہی ہیں۔ انہی کی تلاش میں ہم یہاں آئے تھے۔“ وہ مجھے دیکھتا رہا پھر اس کے ہنسناک ہنسنے لگا۔

میں نے پانی سے اپنا چہرہ اور مٹی میں سے ہوئے ہاتھ پاؤں صاف کئے۔ لباس پر سے بھی مٹی صاف ہو سکتی تھی، پانی سے صاف کر لی اور اس کے بعد ہم لوگ وہاں سے روانہ ہونے کے ہو گئے۔ میرا ذہن کچھ کم سمجھتا تھا۔ گزرے ہوئے واقعات میں جو ہنگامہ آرائی ہوئی تھی۔ اس نے یاد سا کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود ذہن میں یہ خیال آ رہا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور میرے لئے یہ کیوں کر رہے۔ میں نے اس سلسلے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم گاڑی میں بیٹھ کر نادبہ کے اشارے پر سام نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ ایک مستند آدمی معلوم ہوتا تھا اور نادبہ کے بڑی خوش دلی سے قبول کر رہا تھا۔ چند افراد ایک بند وگن میں بیٹھ گئے اور باقی جیپ میں سوار ہو گئے۔ خاص طور سے نادبہ کے ساتھ وگن کے پچھلے حصے میں بیٹھی تھی۔ وگن چل پڑی۔ پچھلا حصہ چاروں طرف سے بند تھا۔ ہوا کی آمد و رفت کے لئے دائیں اور بائیں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں اس کے چھت میں ایک بڑا سا گول سوراخ تھا جسے ایک ڈھکنے کی مدد سے بند کیا جاسکتا تھا اور آرام وہ سٹیشن تھیں۔ پھر اچانک ہی نادبہ نے اگلے حصے میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو آواز دی تو سام کی آواز سنائی دی۔

”یہ میڈم۔“

”میرا بیگ سیٹ کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ ذرا اٹھا کر دو۔“ دوسرے لمبے اندرونی حصے سے بیگ اُٹایا۔ نادبہ نے بیگ کھول کر کچھ شکن آلود کپڑے نکالے اور میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

”یہ پن لو۔“ لباس واقعی مجھے بھی سخت ناگوار گزر رہا تھا، چنانچہ میں نے نادبہ کا دیا ہوا لباس لیا۔ لباس میرے جسم پر اس طرح چسٹا تھا کہ مجھے خود اسے دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی۔ میرے ذہن میں سے دوسرے اور خیالات تھے۔ وگن اب نہایت تیز رفتاری سے کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں تھی۔ میں نے دائیں طرف کی کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھا۔ بارش ختم چکی تھی اور اس کے ساتھ ہی فضا میں روشنی نمودار ہوتی جا رہی تھی۔ سڑک کے دائیں طرف دور دور تک سبز کھیت نظر آ رہی۔ میں نے پلٹ کر نادبہ کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

نادبہ! ایک بار پھر تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ اگر تم وقت پر نہ پہنچتیں تو میری ہمت تو بے چکی تھی۔“ نادبہ دھیرے سے مسکرائی اور پھر میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

”بس یا کچھ اور بھی؟“

”نہیں۔ واقعی مجھے اس بات پر خاص طور سے حیرت ہے کہ تم نے میرا سراغ کیسے پایا؟“

”میں جانتی ہوں کہ اگر میں اس وقت وہاں نہ پہنچتی تو تم اپنے بچاؤ کے لئے کوئی نہ کوئی معقول کر لیتیں۔ تم اب تک صرف میری وجہ سے نہیں بچتی رہی ہو۔ یہ تو اتفاق ہے کہ مجھے تمہارے لئے میں معلوم ہو گیا اور اس کا محرک بھی سام ہی ہے۔ ہم لوگوں نے تم پر نگاہ رکھی ہے اور تم پر نگاہ کرنے کے لئے اس وقت جبکہ اینڈ ہیل کے کارکنوں پر نظر رکھنا ایک کارآمد کام ثابت ہوا۔ سام کے کچھ خفیہ اس بات سے واقف ہو چکے ہیں کہ جبکہ اینڈ ہیل کے ارکان کو خصوصی طور پر یہاں طلب کیا گیا ہے۔ اصل میں یہ گروپ بھی وہی سب کچھ کرتا ہے جو ہم کرتے ہیں۔ میرا مطلب ہے، میرے گروپ کے ذمہ اور پچھلے دنوں میں نے جس طرح تمہیں ان لوگوں سے متعارف کرایا ہے، تم خود بھی اچھی طرح جانتی ہو۔ وہ سب بھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ میں تمہیں گروپ کے لئے تیار کر رہی ہوں۔ اس وقت ان لوگوں کو یہ باور کرانا ہمارے حق میں نہایت کارآمد ہے کیونکہ مجرموں کے گروپ کے مد مقابل دوسرے گروہ دلائل سے فائدے ہی فائدے ہیں۔ بھی ہو سکتا ہے، میں تمہارے تحفظ کے لئے تمہیں کچھ دن کے لئے متاعل کروں۔ پلیز یہ مت سمجھنا کہ میں تم پر اپنی اجارہ داری قائم کر رہی ہوں۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو اور میں بھی کہ تمہارا تعلق ہے ایک دولت مند خاندان سے ہے۔ بے شک عارضی طور پر ان سے رابطے ٹوٹنے والے ہیں لیکن اس کے باوجود تم اگر چاہو تو اپنے حصے کی دولت ان سے حاصل کر سکتی ہو۔ چنانچہ تمہارا یہ ملو تو محفوظ ہے، اس کے بعد تمہارے اور ان کے درمیان دوسرے معاملات رہ جاتے ہیں۔ مجھے معاف کرنا، شاہ نور میں حقیقت پسند ہوں۔ تم نے جن لوگوں سے ٹکری ہے، ان کے بارے میں تم اچھی طرح جانتی ہو کہ وہ کتنی بڑی حیثیت کے لوگ ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی اگر چاہیں تو تمہارے پیچھے اتنے افراد لگا سکتے ہیں کہ بعد میں تمہیں مشکلات پیش آجائیں۔ میں نے اپنے گروہ میں جس طرح تمہیں متعارف کرایا ہے، اس میں کچھ حقیقتیں ان لوگوں کے علم میں لے آئی ہوں لیکن پھر بھی ہمیں تھوڑی سی چالاکی سے کام کرنا پڑ رہا ہے۔ ہم تمہیں اپنے گروہ کے رکن کی حیثیت سے ہر طرح کا تحفظ دے رہے ہیں۔ اس طرح سے ہمیں بڑی آسانیاں حاصل ہو جائیں گی۔ ہو سکتا ہے تمہیں کہیں باہر بھی جانا پڑے۔ تم یہ کام کر لینا پلیز۔ تمہارے لئے بہتر ہو گا۔“

میں نادبہ کی صورت دیکھ رہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس کا موقف سمجھ لیا تھا اور وہ بالکل حق کہ رہی تھی جیسے کہ ظفر شاہ نے بتایا تھا کہ میری والدہ اور بہنوں کو الماس آراء بیگم نے ایک طرح سے اب ریٹال بنا لیا تھا اور مجھ پر ہاتھ ڈالنے کے لئے وہ یہ سمجھتی تھیں کہ انہیں قابو میں رکھ کر وہ مجھے کسی بڑے اقدام سے روک سکتی ہیں۔ چنانچہ اب ان سے ایک کامیاب جنگ کے لئے حکمت عملی سے کام لینا نہایت ضروری تھا اور بہر حال میری ہمدرد نادبہ اس سلسلے میں میرا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔ میں نے اس بات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے نادبہ! میں تمہاری ہر ہدایت پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن یہ

ضروری ہے کہ محبت کرنے والے ہر شخص کو دوسرے سے چھپایا جائے۔ شاہ کرم شاہ کا وہ مکان میں نے ظفر شاہ کے بارے میں نادیہ کو بتاتے ہوئے کہا۔

”جانتی تھیں یہ بات معلوم ہے یا نہیں کہ ظفر شاہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔“

”کیا؟“ نادیہ اچھل پڑی۔

”ہاں۔ یہ بے حد ضروری تھا۔ اگر میں اسے نہ مارتی تو وہ مجھے ختم کر دیتا، جب بھی اسے مجھ سے ملنے میں نے یہی بہتر جانا کہ اس کا زندہ رہنا میرے لئے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔“

نادیہ کچھ لمحے تک سوچتی رہی پھر ایک دم مسکرا پڑی اور بولی۔

”تم بے حد خطرناک ہوتی جا رہی ہو، اچھا ایک بات بتاؤ۔ اگر تمہیں کبھی گروہ کے لئے ملک یا جانا پڑے تو چلی جاؤ گی؟“

”صرف اس لئے کہ مجھے یہ علم ہے کہ تم میرے لئے جو کچھ بھی سوچ رہی ہو بہتر سوچ رہی ہو اس بات پر تمہارا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔“ اس نے کہا۔

ہم لوگ مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔ پھر اچانک ہی سڑک پر ٹائزوں کی تیز چڑا ہٹ سنائی دینے لگی۔ میں نے دائیں طرف کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو مجھے ایک چھوٹا سا بچہ آیا۔ بچانک کے سامنے پولیس کے چند افراد کھڑے ہوئے تھے۔ سڑک کے دائیں اور بائیں دونوں کناروں پر بھاری بھر کم موٹر سائیکلیں کھڑی تھیں اور بچانک کے پار پولیس کے موٹر گرام والی ایک کار سڑک درمیان کھڑی ہوئی تھی۔ خوف کی ایک تیز لہر میرے جسم میں سنسنائی۔

مجھے صرف عزت جلال ہی کے فراہم کردہ لوگوں سے خطرہ نہیں تھا بلکہ پورے ملک کی پولیس نے ان لوگوں سے مختلف نہیں تھی اور یہ بات انتہائی خطرناک تھی کیونکہ اخبارات میں میری تصویر چھپ چکی تھیں۔ میری گرفتاری پر انعام بھی مقرر تھا۔ مزید یہ کہ پولیس عزت جلال کی وفادار تھی۔ کے کنارے جو موٹر سائیکلیں کھڑی تھیں۔ ان پر بھی وائزلیس کے اینٹینے نظر آ رہے تھے۔

نادیہ نے باہر جھانکنا۔ ہماری دینکن اب بچانک کے بالکل قریب پہنچ گئی تھی۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھیں اور مجھے ہر لمحے یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اب پولیس کے آدمی دینکن کا دروازہ کھول کر آجائیں گے۔ اچانک ہی دینکن کو اتنا زور دار جھٹکا لگا کہ میرا سر سامنے والی سیٹ سے جا ٹکرایا۔ ایک لمحے میں کچھ نہ سمجھ سکی کیا ہوا ہے لیکن جب میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو مجھے علم ہوا کہ ہماری دینکن بچانک توڑ کر نکل گئی ہے۔ بچانک سے نکلنے ہی اس کار سے ٹکرائی جو بچانک کے سامنے کھڑی ہوئی تھی کافی دور تک وہ کار دینکن کے ساتھ کھینچی چلی گئی۔ پھر اس کے اگلے پہلے سڑک سے اتر گئے اور وہ ٹیچ میں گر کر الٹ گئی۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو مجھے اپنی اس جیب کی جھلک نظر آئی جس ہمارے گروپ کے آدمی سوار تھے۔ دونوں گاڑیاں انتہائی تیز رفتاری سے جا رہی تھیں البتہ تھوڑی دیر جانے کے بعد ہمیں اچانک ہی موٹر سائیکلوں کی آواز سنائی دی۔ ظاہر ہے پولیس والے اپنا فرض پورا کر رہے تھے اور وہ ہمیں اتنی آسانی سے فرار ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ میں نے ایک بار پھر کھڑکی

باہر دیکھا تو ان دونوں موٹر سائیکلوں کو طوفانی رفتار سے اپنی طرف آتے ہوئے پایا۔ ایک موٹر سائیکل سوار کے ہاتھ میں ریوالور بھی نظر آ رہا تھا۔

ہماری دینکن کی رفتار کسی قدر دھیمی ہوئی اور سامنے دینکن کو ایک طرف کر کے جیب کو آگے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جب جیب دینکن کے سامنے پہنچ گئی تو سامنے ایک بار پھر دینکن کو سڑک کے بچوں سے لے آیا۔ میں دائیں طرف کی کھڑکی سے جھانک رہی تھی اور نادیہ بائیں طرف کی سیٹ سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا بیٹھی۔ اس دوران نہ جانے کس وقت جیب کی جیب سے اپنا ریوالور نکال چکی تھی۔

میرے دل میں اچانک ہی اضطراب اور خوف کی ایک تیز لہر ابھری۔ نادیہ اس وقت جس انداز میں کھڑکی کے بالکل سامنے بیٹھی تھی، وہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ تعاقب کرنے والے دونوں موٹر سائیکل سوار مسلح تھے اور یقینی طور پر صحیح نشانہ لے رہے تھے بس اب کچھ ہی لمحے جانے والے تھے کہ وہ فائرنگ شروع کر دیں گے میں نے تیزی سے اپنی سیٹ چھوڑی اور نادیہ کے قریب پہنچ گئی۔

”لاؤ۔ یہ پیستول مجھے دے دو۔ اور تم اطمینان سے سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔“ میں نے ریوالور نادیہ کے ہاتھ سے لینے کی کوشش کی مگر اس نے فوراً ہاتھ چھڑا لیا اور نیچی آواز میں بولی۔

”پلیز تم اپنی جگہ بیٹھو۔“ نہ جانے کیوں، نادیہ مجھے ریوالور دینے سے گریز کر رہی تھی۔ ہم لوگ اسی کھینچ میں تھے کہ اچانک ایک موٹر سائیکل سوار کھڑکی کے سامنے آیا۔ وہ بھی ہم دونوں کو دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس کا دایاں ہاتھ بلند ہوتے ہوئے دیکھا تو فوراً نادیہ کو شانوں سے پکڑ کر پیچھے گھسیٹ لیا۔ دوسرے لمحے فائر کا دھماکا ہوا اور گولی کھڑکی سے نکل کر چھت میں پڑے ہوئے سوراخ سے باہر نکل گئی۔ نادیہ نے ایک جھٹکے سے خود کو میری گرفت سے چھڑایا۔ دایاں ہاتھ کھڑکی سے باہر نکالا اور موٹر سائیکل سوار کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔

میں نادیہ کے بالکل پیچھے تھی اور باہر کا نظارہ کر رہی تھی۔ ایک ٹائیپے کو مجھے پولیس والے کے دونوں ہاتھ فضا میں لہراتے نظر آئے پھر اگلے ہی لمحے وہ موٹر سائیکل سمیت نشیب میں لڑھکتا چلا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے دائیں طرف کسی کی کرب ناک چیخ سنائی دی اور صورت حال کا کچھ ہی لمحوں میں اندازہ ہو گیا۔ سامنے نے دوسرے موٹر سائیکل سوار کو نشانہ بنایا تھا۔ میں نے دائیں طرف کی کھڑکی سے دیکھا، دوسری طرف پولیس آفیسر سڑک پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان پولیس والوں کو موت کے گھاٹ اتارتے دیکھ کر میرے دل کو شدید افسوس ہوا تھا۔ میں نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

”کاش، یہ بے گناہ انسان ہمارے ہاتھوں موت کا شکار نہ ہوتے۔“ نادیہ کہنے لگی۔

”دوسرے پولیس آفیسر کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن میں نے جس شخص پر گولی چلائی ہے، وہ یقیناً مرا نہیں ہو گا کیونکہ میں نے اس کے دائیں ہاتھ کا نشانہ لیا تھا اور میرا نشانہ یقیناً خطا نہیں ہوا تھا۔“ میں نے مسکراتی نگاہوں سے نادیہ کو دیکھا اور کہنے لگی۔

”لیکن اس وقت تم نے جو میرے کام میں مداخلت کی ہے، مجھے اس پر حیرت ہے۔“ نادیہ نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے دوبارہ اپنا ریوالور جیب میں ڈال لیا اور میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھ

گئی۔ اس وقت سامنے کی چھوٹی کھڑکی کھلی اور سام نے چیخ کر کہا۔
 ”آپ دونوں بالکل ٹھیک ہیں ناں؟“
 ”ہاں۔ ہم بالکل ٹھیک ہیں۔“

”آپ یہ سب مشین گمن لے لیجئے۔ ہو سکتا ہے آگے ہمیں اس کی ضرورت پیش آئے۔“ یہ کہ سام نے کھڑکی کا شٹر کچھ اور آگے سرکایا اور پھر ایک ہلکی مشین گمن پیچھے بڑھا دی۔ نادیا نے یہ گمن بھی ہی سنبھال لی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔

”خدا کرے“ اب کسی کی زندگی لینے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اپنے دشمنوں کو ختم کرنے میں تکلیف نہیں ہوتی لیکن یہ لوگ صرف اپنے فرض کے لئے مارے جا رہے ہیں۔“ میں نے گردن ہلا ہوئے کہا۔

”ان کی موت کا مجھے بھی شدید افسوس ہے۔“ اس دوران میں نے نادیا سے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ ہم لوگ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ مجھے اس پر مکمل اعتماد تھا جو چکر اس نے چلایا تھا وہ واقعی میرے لئے اس وقت بہت فائدہ مند ثابت ہوا تھا۔ مجھے ایک مضبوط گروہ کا سہارا مل گیا تھا اور یہی ایک وجہ تھی اب تک کی تمام کارروائیاں بڑی بھرپور ہو رہی تھیں۔ اچانک سامنے والی کھڑکی پر دستک ہوئی اور میں چوکا کر اسے دیکھنے لگی۔ نادیا بھی سنبھل گئی تھی۔ کھلی کھڑکی سے سام کا چہرہ نظر آیا اور وہ کہنے لگا۔
 ”ہوشیار ہو جائیں میڈم! ہمیں یہیں جنگل میں اترنا ہے۔ پولیس کچھ زیادہ سرگرم ہو گئی ہے۔ غلط چوکی سے ساری تفصیلات موبائل اسکاؤٹ کو دے دی گئی ہیں۔ پولیس کی کچھ گاڑیاں سامنے سے آ رہی ہیں۔“ سام کے ان الفاظ پر میں نے فوراً کھڑکی سے سر نکال کر باہر دیکھا۔

کھیتوں کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ سڑک کے دائیں طرف بہت دور تک ایک ناہموار جنگل نظر آ رہا تھا۔ ہماری ویگن جس سمت جا رہی تھی وہ سڑک تقریباً چار سو گز آگے جا کر بائیں سمت مڑ جاتی تھی اور اسی موڑ پر چار بڑی بڑی ویگن نظر آ رہی تھیں۔ ان سب پر پولیس کے مونو گرام دور سے ہی دیکھے جاسکتے تھے۔ ان کا رخ ہماری ہی جانب تھا اور رفتار بہت تیز تھی۔ میں ان گاڑیوں کا جائزہ لے رہی تھی کہ اچانک ہماری ویگن کے آگے والی جب سڑک چھوڑ کر ٹیب میں اتر گئی۔ اگلے لمحے ہماری ویگن بھی دائیں طرف کے گھنے جنگل میں داخل ہو گئی تھی۔

یہ جنگل چھوٹی چھوٹی خود رو جھاڑیوں سے پنا ہوا تھا۔ ان جھاڑیوں میں جا بجا بھاری تنے کے اونچے درخت سر اٹھائے کھڑے تھے۔ اس ناہموار جنگل میں گاڑی چلانا ایک نہایت مشکل کام تھا لیکن سام انتہائی مہارت اور تیز رفتاری سے ان درختوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔

ہماری گاڑیاں تقریباً دو میل تک اس جنگل سے گزرتی رہیں لیکن پھر اچانک ہی ایک پولیس کی گاڑی درختوں کے جھنڈ سے نمودار ہوئی اور ہمارے سامنے آ گئی۔ آگے جانے والی جیب نہایت تیزی سے مڑی اور دائیں طرف کے درختوں میں گم ہو گئی۔ پولیس کی گاڑی کا رخ اب ہماری ویگن کی طرف تھا۔
 میں نے مشین گمن سنبھال لی اور پچھلی کھڑکی کے قریب جا بیٹھی۔ نادیا نے ایک بار پھر اپنا ریوالور

نکال لیا تھا۔ کھڑکی کے قریب آ کر پولیس کی گاڑی کا جائزہ لیا جانے لگا۔ پولیس کی گاڑی بھی ہماری ویگن کی طرح چاروں طرف سے بند تھی۔ اس کے پچھلے حصے میں کئی سوراخ بنے ہوئے تھے جن سے رائفلوں کی باتیں جھانک رہی تھیں۔ بس ایک لمحہ اور اس کے بعد میں نے پھرتی سے نادیا کو دبا کر نیچے کر دیا۔ اگلے ہی لمحے فضا فائر کے دھماکوں سے گونجنے لگی۔

پولیس والوں کی گولیاں ویگن کے بیرونی حصے سے نکلاں۔ میں نے فوراً سر اٹھایا اور پولیس ویگن کے ٹائروں کا نشانہ لے کر ایک برسٹ مارا ادھر نادیا نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ ہماری پہلی ہی کوشش بڑی کارگر ثابت ہوئی تھی۔

میں نے مشین گمن کی نال اس کھڑکی سے نکال لی تھی اور لگاتار کئی رائیڈ فائر کئے تھے۔ پولیس ویگن کی وینڈر شیلڈ چٹنا چور ہو گئی تھی اور زور دار دھماکوں کے ساتھ اس کے ٹائر برسٹ ہو گئے تھے۔

اس دوران سام ویگن کو دائیں جانب لے گیا تھا۔ ادھر پولیس کی طرف سے مسلسل کارروائی ہو رہی تھی۔ ایک بار پھر ادھر سے شدید فائرنگ کی جانے لگی۔ کئی گولیاں کھڑکی سے اندر داخل ہو کر ویگن کی دیوار میں پڑ گئیں۔ چند سیکنڈ کے انتظار کے بعد میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو پولیس کی وین نگاہوں سے اونچا اوجھل ہو چکی تھی اور ہماری وین ناہموار سطح پر لڑکھاتی ہوئی تیزی سے اس طرف جا رہی تھی جدھر جب گئی تھی۔ میں نے پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑی اور بائیں جانب کی کھڑکی کی جانب دیکھا لیکن پولیس کی وین نظر نہیں آ سکی تھی۔ دونوں گاڑیوں کے درمیان کئی گھنے درخت اور جھاڑیاں آ بیٹھی تھیں۔ یہ بات کافی حد تک قابلِ اطمینان تھی اس لئے میں نے اپنی سیٹ سنبھالی ادھر نادیا اپنا ریوالور سنبھالے ہوئے کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔ پھر اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ کر کہا۔

”واقعی کبھی کبھی تمہیں دیکھ کر ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے۔“

”وہ کیا؟“ میں نے پوچھا۔

”انسان کبھی کبھی اپنے لئے کھودے ہوئے گڑھے میں کس طرح گرتا ہے۔ میں الماس بیگم کی بات

کر رہی ہوں۔ آخر انہوں نے تمہیں کیا بنانا چاہا تھا۔“

”اس نے سوچا ہو گا کہ میرے ذریعے وہ اپنے سارے دشمنوں کو موت کی نیند سلا دے گی۔“ میں

مدم سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہو گئی تو نادیا کہنے لگی۔

”تمہیں ہر طرح کے ہتھیار چلانے کی مہارت ہے۔ بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ پتا نہیں اس وقت

کتنے نقصانات ہوئے۔ ویسے مجھے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے۔“ میں نے ایک بار پھر نادیا کو سوالیہ

نگاہوں سے دیکھا تو وہ بولی۔

”پولیس اس طرح ہمیں آسانی سے نہیں چھوڑے گی۔ اس بار مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے جیک اینڈ

جیل گروپ اور پولیس کے ارکان مل کر کام کر رہے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے۔“ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ نادیا میری طرف دیکھ رہی تھی۔

”مجھے ساری تفصیلات کا علم ہے۔ میں جانتی ہوں کہ اس وقت تم کن کن الجھنوں میں گہری ہوئی

ہو۔ بار بار یہ الفاظ کہتے ہوئے اب شرم آتی ہے مجھے کہ میں ایک لمحے کے لئے بھی تم سے الگ نہیں ہر لمحہ تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنا گروہ، اپنا گھر یا کیوں نہ چھوڑنا۔ کبھی کبھی محبت ایسے رنگ بھی اختیار کر جاتی ہے۔ تمہیں ہنسی آئے گی کہ میں نے زندگی میں کبھی سے اس قدر محبت نہیں کی کہ وہ میری زندگی کا ساتھی بن جاتا۔ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔ جس مخالف کی بنیادی حیثیت رکھتی ہے لیکن بعض معاملات میں یہ سب کچھ بھی ہو جاتا ہے جو میرے ساتھ ہوا ہے سمجھتی ہوں کہ اس وقت مجھے تم سے زیادہ کوئی ہستی عزیز نہیں ہے۔ البتہ ایک احساس دل کو بہت خورہ کر دیتا ہے۔“

میں نے سوالیہ نگاہوں سے نادیا کو دیکھا تو وہ بولی۔

”کیسں میں تمہارے معاملات میں ضرورت سے زیادہ تو مداخلت نہیں کر رہی؟“ میں خاموشی سے کو دیکھتی رہی پھر میں نے کہا۔

”نادیا! اس کے امکانات ہو سکتے تھے لیکن میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ہے میرے سارے مسائل تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ میں کس مشکل کا شکار ہوں یہ تم جانتی ہو۔ ہاں اس مشکل کا کوئی حل ابھی میرے پاس نہیں ہے لیکن نہ جانے کیوں میرے دل کو اس بات کا یقین ہے اس جدوجہد میں، کیسں نہ کیسں میری مشکل کا حل نکل آئے گا۔ یہ اعتماد ہے مجھے اللہ کی ذات پر اور میں جدوجہد میں وقت گزارنا چاہتی ہوں۔ میں اس بات پر پورا پورا یقین رکھتی ہوں کہ تم لوگ میرے غیبی کار ہو ورنہ کبھی بات یہ ہے کہ ہمیشہ سے دنیا طاقت کا ساتھ دیتی آئی ہے۔ ہر طاقتور شخص کے ساتھ بے آوازیں شامل ہو جاتی ہیں۔ چاہے ان آوازیں لگانے والوں کو کسی طرح کا کوئی فائدہ نہ ہو۔“

”میں یہ باتیں اس لئے کر رہی ہوں کہ ضرورت سے زیادہ آگے بڑھ کر تمہارے معاملات میں مداخلت کر رہی ہوں۔“

”میں نے کہا تھا، تم میرے مسئلے سے واقف ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی مسئلہ میرے ساتھ نہیں ہے دل کی ہر بات تم سے کہہ ڈالی ہے نادیا۔ حاکم شیرازی نے میرے دل کے تاروں کو چھوا تھا اور میں سمجھ ہوں اگر زندگی کے کسی ایسے پر مجھے اپنے بارے میں سوچنے کا موقع ملتا اور اپنے بیروں پر زندگی گزارنے کوئی لمحہ میرا ہوتا تو حاکم شیرازی ہی کو تلاش کروں گی بشرطیکہ وہ زندہ ہو اور مجھے مل جائے۔ باقی جہاں تک دوسرے معاملات کا تعلق ہے تو نادیا، میں بھی محبتوں سے خالی ہوں۔ زندگی کا ہر پہلو تو تمہارے سامنے ہے اب میرے لئے کیا رہ گیا جو تمہاری محبت پر کسی طرح کا شک کروں گی۔“

”شکریہ۔ کچھ فیصلے میں نے خود کئے، جیسے اس گروپ میں شامل ہونے والی بات۔“ میں نے نادیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”الماس بیگم سے رشتے تو اب ختم ہو چکے۔ میرے اور اس کے درمیان مفاہمت کا تو اب تصور ہی مٹ گیا ہے۔ بس میں یہ چاہتی ہوں کہ اسے چرکوں پر چرکے لگائے جاؤں۔ اس کے علاوہ میری زندگی کا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔“

”یہ کام تو تمہیں کرنا ہی ہے لیکن بات وہی مصلحت کی آ جاتی ہے۔ ہر کام مصلحت کے ساتھ کرنا ہے۔ اتنی تنید میں نے اس لئے باندھی ہے کہ میں نے تمہارے لئے ایک پورا پروگرام ترتیب دیا ہوا ہے۔ تمہیں ویسے تو میں نہیں پاسکی تھی لیکن میں نے اپنے گروپ کے آدمیوں کو بیک اینڈ نیل گروپ کے ہنگامہ دیا تھا تاکہ وہ لوگ تمہارے خلاف جو کارروائی بھی کریں وہ میرے علم میں رہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ میں کتنی کامیابی حاصل ہوئی ہے، میں ان کی قدموں پر قدم رکھتی تم تک بروقت پہنچ گئی۔ دراصل لوگ جو کچھ کرتے ہیں ان میں منشیات کا کام بھی ہوتا ہے اور اب میں تمہیں یہ بتانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی کہ ہم نے اپنے طور پر بہت سے اڈے بنا رکھے ہیں۔ خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں سڑک کر رہے ہیں اور جہاں تمہیں لے جانا چاہتی ہوں۔ وہاں ہماری خاصی طاقت ہے اور ہمارے پوائنٹس بے مضبوط ہیں۔ انہی پوائنٹس سے ہم منشیات کی اسمگلنگ اور دوسرے ضروری امور پر معاملات طے کرتے ہیں۔ میں تو ذیل ٹیم کھیل رہی ہوں۔ اب اس وقت ہم جن لوگوں کے درمیان جائیں گے، وہ ہماری ن تنظیم کے انتہائی سرکردہ آدمی ہیں جو باہر کے ممالک میں ہمارے پروگرام کو ذیل کرتے ہیں۔ میں نے ان کی ظاہر کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں بہتر طریقے سے ٹریڈ کر رہی ہوں اور سارے معاملات سے تمہیں فائدہ حاصل ہے۔ بات یہ ہے کہ جس بیانے پر عزت جلال اور الماس بیگم تمہارے خلاف کام کر رہے ہیں میں نے انہیں ہر لمحے خطرات لاحق ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ تم کسی بڑی مشکل کا شکار ہو جاؤ۔ چنانچہ میں نے گروہ کے افراد کو تمہاری اہمیت بتائی اور وہ لوگ تمہارے سلسلے میں بہت مخلص ہو گئے ہیں۔ تمہیں کچھ نا انہنگیوں سے دور رہنا پڑے گا۔ یہ تو تم ضرور سوچو گی کہ میں نے اپنے طور پر یہ سارے فیصلے کیوں کر لئے ہیں لیکن تمہیں انبار کرنا پڑے گا۔ اس سے فائدہ یہ ہو گا کہ کچھ عرصے کے لئے تم ان ہنگامہ آرائیوں سے دور ہو جاؤ گی اور وہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور جب تم ان کو ملو گی نہیں تو وہ دھپے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اسی دوران غیر محسوس انداز میں تمہاری ایک نئی شخصیت کو سامنے لائیں گے اور وہ تمہارے لئے نئے منصوبے بنائیں گے۔ ہمیں ایک محفوظ گوشہ درکار ہے۔“ میں نے نادیا کا ہاتھ اٹھا کر ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

”تم سے اب ایک آخری بات میں بھی کہہ رہی ہوں۔ مجھے میرے کام کے بارے میں ہدایات دیتی رہنا کیسں ایسا نہ ہو کہ میری عدم واقفیت تمہیں نقصان پہنچا دے۔“

”میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، بس تم دہی کرتی جاؤ۔“

”میں تیار ہوں۔“

”صرف میری وجہ سے؟“ نادیا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

”بالکل نہیں، بلکہ میں یہ بات جانتی ہوں کہ اس وقت مجھے ان لوگوں سے کچھ عرصے تک دور رہ کر نئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔“

”بالکل ٹھیک۔“ نادیا نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرے ہاتھ دبا تے ہوئے کہا۔ ”میں بھی یہی چاہتی ہوں۔“

وہ ہماری ویگن کے بالکل اوپر پہنچ چکا تھا اور اب دھیرے دھیرے نیچے آ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ نیچے آ گیا کہ میں اس کے پائلٹ اور دوسری سیٹوں پر بیٹھے ہوئے پولیس والوں کو بہ آسانی دیکھ سکتی تھی۔ ان سب کے ہاتھوں میں طاقت اور رائفلیں اور مشین گنیں نظر آ رہی تھیں۔ ہماری ویگن اور آگے چلے والی جیب کی رفتار بہت کم ہو گئی تھی۔ میں نے جیب کے پیچھے حصے سے بھی کئی مشین گنوں کی ٹائلس جھانک کر دیکھیں، ان سب کا رخ ہیلی کاپٹر کی طرف تھا۔ آخر کار سب سے پہلا فائر سامنے کیا۔ اس نے کئی رائونڈ چلائے اور ہیلی کاپٹر کے نچلے حصے میں کئی سوراخ ہو گئے۔ ہیلی کاپٹر ایک جھٹکے سے فضا میں بلند ہوا اور دائیں طرف مڑ گیا اس کے ساتھ ہی سامنے نے اچانک ہی جھج کر ڈراپور سے ویگن کی رفتار بڑھانے

لہ ایک اچھا دوست، اچھا ساتھی اور بہادر اڑان تھا۔" اس نے سام کو چپک کرتے ہوئے بھرائی
زمیں کھنکھایا لیکن اس کی آواز منہ سے نہیں نکل سکی۔ سام کا بے حس و حرکت جسم سامنے پڑا ہوا

میں نے ایک بار نادیہ کو دیکھا پھر دین چھپلے دروازے سے نکل کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ کچھ
بے بعد دین حرکت میں آئی اور تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگی۔ نادیہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر دھیرے
دھیرے قریب آگئی اور دکھ بھرے انداز میں بولی۔

"افسوس ہمارے پاس کوئی ایسا کپڑا بھی نہیں ہے جو ہم اس پر ڈال دیں۔ تم یوں کرو یہ رومال اس
پر ڈال دو اور آؤ سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔"

میں چپ چاپ دین کے فرش سے اٹھی اور ایک سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس وقت ویگن پانی سے بھرے
میں چھینٹیں اڑاتی، انتہائی برق رفتاری سے شمال کی جانب بڑھ رہی تھی۔ کچھ دور جانے کے بعد
تم ہو گئے اور ہم ایک پہاڑی سلسلے کے قریب پہنچ گئے۔ ایک پہاڑی کے دائیں طرف سے گزر کر
ری ویگن دوسری طرف پہنچی تو مجھے دور ہی سے وہ ہیلی کاپٹر نظر آ گیا جو پہاڑی کے دامن میں ایک
بل پر کھڑا ہوا تھا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر لکڑی کا ایک کیبن نظر آ رہا تھا جس کے آس پاس
بے پھرتے نظر آ رہے تھے۔

میرا دل برق رفتاری سے نادیہ کے الفاظ کی گردان کرنے لگا جس میں اس نے بتایا تھا کہ ہم منشیات
بنت کرتے ہیں اور ہم نے مختلف جگہوں پر اپنے پوائنٹس بنا رکھے ہیں۔ پولیس کے افراد ہیلی کاپٹر میں
ہماری تلاش میں نکلے تھے تو کیا وہ لوگ اس ہیلی کاپٹر اور کیبن سے واقف نہیں تھے جو منشیات کے
ل کے قبضے میں تھا۔

ہیلی کاپٹر کے قریب جو لوگ موجود تھے، انہوں نے ہماری گاڑیوں کو آتا ہوا دیکھ لیا اور تیزی سے یکجا
ن ہوا۔ جگہ پر آگئے جہاں ہیلی کاپٹر کھڑا ہوا تھا۔ ہماری گاڑیاں ان کے قریب جا کر رک گئیں۔ تب
نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر زور سے گردن جھٹکی اور بولی۔

"آؤ، ہم لوگ ویگن سے باہر آگئے۔ نادیہ کو دیکھتے ہی وہ لوگ تیزی سے ہماری طرف بڑھے تھے
ان سب نے نہایت متوجہانہ انداز میں اس کا استقبال کیا اور سب اجنبی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے پھر
مے ایک نے کہا۔

"بابا صاحب! کیا یہی شاہ نور ہیں؟"

"ہاں۔ چرن سنگھ، یہی ہیں۔" جس شخص کو چرن سنگھ کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا وہ ایک لمبے چوڑے قد
ت کا آدمی تھا۔ اس کے نام سے مجھے اس کی قومیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اچانک ان میں سے ایک شخص
نے مجھ کو مجھ سے مصافحہ کیا اور بولا۔

"ہم آپ کے بارے میں بہت دنوں سے خبریں سن رہے ہیں، اور شاید آپ کو اس بات کا علم بھی ہو
پ کے سلسلے میں بڑی زبردست کارروائی کی جا رہی ہے اس لئے کئی روز سے ہم آپ کو تلاش کر رہے

کرنے لگا۔ پھر اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس نے سام کو ایک صاف جگہ پر لٹایا اور اس کے زخموں پر
کنے لگا۔ سام بالکل بے حس اور بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے جلدی سے فرسٹ ایڈ بکس سے اسٹریپ
نکالا اور سام کے سینے سے لگا کر دیکھنے لگی۔ اس کی دھڑکنیں بہت مدہم اور بے ترتیب ہو رہی تھیں۔
نے ایک شخص کی جانب منہ کر کے کہا۔

"کیا ہمارا کسی اسپتال تک جانا ممکن ہو گا؟"

"یہاں سے کچھ دور ایک چھوٹا سا قصبہ ہے لیکن میڈم، سام کی حالت بہت تشویش ناک ہے۔ گو
اس کے دل، سر اور شہ رگ میں پیوست ہو چکی ہیں۔ انہیں قصبے تک لے جانا بھی مشکل ہی ہو گا۔"

"پھر بھی کوشش تو کریں۔" میں نے کہا۔ اس شخص نے فرسٹ ایڈ بکس بند کیا اور ویگن کے
جسے سے نکل کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ چند لمحوں کے اندر ویگن اشارت ہو کر تیزی سے آگے بڑھ

نادیہ حالانکہ ایک بہادر عورت تھی اور بہت سے لمحات میں وہ بڑی دلیری کا ثبوت دیتی رہی تھی لیکن
وقت نہ جانے کیوں وہ کافی نروس نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں جانتی تھی کہ
اسے اس کا کوئی جذباتی تعلق نہیں تھا۔ وہ گردہ کا آدمی تھا اور بس، ایک ہی رابطہ ہے ان لوگوں میں کہ
سب ایک تنظیم میں کام کرتے ہیں لیکن اس وقت سام کی کیفیت سے نادیہ کی کوئی خاص حس متاثر ہوئی
جس کی وجہ سے وہ اس کیفیت کا شکار ہو گئی تھی۔

میں ہر ایک منٹ کے بعد اس کی دھڑکنیں چیک کر رہی تھی جو رفتہ رفتہ ذوقی جاری تھیں۔ یہ
نظریں سام کے بے حرکت اور بری طرح تباہ چہرے پر بھی ہوئی تھیں اور مجھے ایسا لگ رہا تھا، جیسے کہ

میرے دل کو مضمی میں لئے مسل رہا ہے۔ پھر چند لمحوں کے بعد سام کے دل کی حرکت بالکل بند ہو گئی۔
نے اپنا ہاتھ اس کے منہ اور ناک کے سامنے کیا لیکن اس کے سانس کی آمد و رفت بند ہو چکی تھی۔ میں۔
اسٹیتسکوپ کانوں سے اتار کر ایک طرف پھینکا اور دونوں ہاتھوں اس اس کے سینے پر دباؤ ڈال کر اس
دل کی حرکت بحال کرنے کی کوشش کرنے لگی لیکن یہ کوشش سنی لا حاصل رہی۔ آخر میں مایوس ہو
نادیہ کی طرف دیکھنے لگی جو میری طرف دیکھ رہی تھی۔

میرے چہرے کے تاثرات سے اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ سام اب اس دنیا سے رخصت ہو
ہے۔ اس نے ہتھیلی سے آنسو صاف کئے اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈرائیونگ سیٹ والی درمیانی کھڑکی
پہنچ گئی۔ اس نے زور سے آواز دی۔

"مسٹر جین۔" دوسرے لمحے درمیانی کھڑکی کھل گئی اور وہ ڈرائیور جو خاصا پھر پرتلا تھا ادھر منہ کر کے
پوچھنے لگا۔

"کیا بات ہے میڈم؟"

"گاڑی روک دیجئے۔" نادیہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں کسی اسپتال
جانے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔" جین نے فوراً بریک لگائے اور ویگن روک کر جلدی سے سیٹ سے
اتر آیا۔ پھر دوسرے لمحے وہ ویگن کا دوسرا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور سام کو دیکھنے لگا۔

تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ ہمیں مل گئیں۔
 ”مورائیں۔“ نادیا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔
 ”لیس میڈم۔“

”ہمارے پاس وقت کم ہے اور ہمیں بہت سے ضروری کام کرنے ہیں۔“
 ”یقیناً میڈم۔“

”کرامت شاہ کہاں ہے؟“ نادیا نے سوال کیا۔

”میں یہاں ہوں میڈم۔“ عقب سے آواز سنائی دی اس دوران جین اور اس کے ساتھی
 سے اتر آئے تھے۔ پھر مورائیں نے کہا۔

”میڈم آپ اپنا پروگرام بتائیے۔“

”مجھے اور شاہ نور کو ابھی یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ ہمارے ساتھ پائلٹ اور صرف دو
 جانیں گے۔ باقی سب لوگ ابھی یہیں رہیں گے۔“

”بہت بہتر میڈم لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کے ساتھ جانے والے وہ دو افراد
 کسے؟“

”جین اور کرامت شاہ۔“ نادیا نے جواب دیا پھر بولی۔ ”باقی لوگ ابھی یہیں رہیں گے
 صرف چرن سنگھ آخر میں رہ جائے گا۔ بقیہ افراد کو رات سے پہلے پہلے پوائنٹ تھری پر پہنچنا ہوگا
 اندازہ لگا رہی تھی کہ نادیا ان لوگوں کے لئے ایک کمانڈر کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ سب اس
 مؤدب ہیں۔ بہر حال نادیا کے بارے میں مجھے یہ بات پہلے سے ہی معلوم تھی کہ وہ تنظیم میں ا
 مقام رکھتی ہے اور معمولی شخصیت کی مالک نہیں ہے۔

”ہم لوگ شام تک یہاں کیا کریں گے؟“ مورائیں نے سوال کیا۔

”وہی میں تمہیں بتا رہی ہوں۔“ نادیا کسی قدر افسردہ لہجے میں بولی۔ ”ویگن کے پچھلے
 ہمارے دوست سام کی لاش موجود ہے۔ تم پہلے اس کی تدفین کا انتظام کرو اس کے بعد تمہیں ا
 پوری طرح جائزہ لینا ہوگا کہ پولیس کی مصروفیات کیا ہیں اور اس کام کے لئے تمہیں لائن ہو پ
 سکتی ہے کیونکہ اس کا مختلف شہروں سے رابطہ قائم ہے۔ رات کو جب تم میرے پاس پوائنٹ تھری
 گے تو اس کی مکمل رپورٹ تمہارے پاس ہونی چاہئے۔“

”ٹھیک ہے میڈم۔“ مورائیں نے کہا اور تیزی سے ویگن کے پچھلے حصے کی جانب دوڑا
 افسردہ کھڑا تھا۔ مورائیں نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور اس کے منہ سے ایک تیز آواز نکل
 لوگ بھی دین کی جانب بڑھ گئے تھے۔ نادیا نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

”آؤ۔“ وہ میرا ہاتھ تھام کر گلوزی کے کیمین نما مکان کی جانب بڑھ گئی۔ برآمدے سے گزر کر
 اندر پہنچیں تو میں نے دیکھا کہ وہ کیمین کئی حصوں میں تقسیم ہے۔ دروازے کے دائیں جانب ابا
 شکل نوجوان ایک میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس میز پر جدید طرز کے کئی ریڈیو آلات نصب تھے۔ اس کے

پ میں چند رجسٹر رکھے ہوئے تھے۔ دروازے کے بائیں جانب ایک نمائندگی ہی مختصر سا کمرہ تھا جس پر
 لکھا ہوا تھا۔ نادیا نے اندر داخل ہونے کے بعد اس دروازے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
 ”تم جلدی سے نکالو۔ میں تمہارے لئے کسی معقول لباس کا بندوبست کرتی ہوں۔ میں نے ایک نگاہ
 طرف دیکھا اور بولی۔

”ہلو! میرا خیال ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”یہ جگہ بالکل محفوظ ہے۔“ میں یہ نہیں سمجھ پائی تھی کہ اس دور دراز جنگل میں ایک ایسا لباس
 حاصل ہوگا جو میرے بدن پر فٹ آجائے گا لیکن بہر حال میں چپ چاپ ٹوائلٹ کی جانب بڑھ

میں بہت دیر تک نماتی رہی اور پھر میں نے باہر جھانک کر دیکھا تو نادیا کو اس نوجوان سے باتیں
 ہوئے پایا جو کیمین کے دائیں حصے میں میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ ٹوائلٹ کے دروازے پر آہٹ
 کرتے ہی نادیا اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لباس لٹکا ہوا تھا۔ میرے قریب پہنچ کر اس

”اس سے معقول لباس میسر نہیں آسکا۔ تم اسے پہن کر باہر آجاؤ۔ میں ہیلی کاپٹر کے پاس تمہارا
 رہی ہوں۔“

میں نے وہ کپڑے نادیا کے ہاتھ سے لے لئے۔ جینز کی پتلون، شوخ رنگوں کی ماری دار قمیض اور
 ل کی ایک جیکٹ۔ پتلون لمبائی میں کچھ کم تھی مگر کھینچ کھانچ کر میرے جسم پر فٹ آئی گئی۔ پھر جب
 رہنے کے بعد باہر نکلی تو ہیلی کاپٹر اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ میں تیز قدموں سے چلتی ہوئی کیمین سے باہر

نادیا، جین اور ایک سانولے سے رنگ کا نوجوان جو میرے لئے بالکل اجنبی تھا۔ ہیلی کاپٹر کے بالکل
 لمڑے تھے۔ ان سب کی نگاہیں میری جانب اٹھ گئیں۔ میں نے نادیا کے ہونٹوں پر ایک پیار بھری
 ٹ دیکھی۔ جب میں ان کے قریب پہنچی تو نادیا نے مجھے ہیلی کاپٹر میں سوار ہونے کی ہدایت کی۔ میں
 بیٹ پر بیٹھ گئی اور اس کے ساتھ ساتھ نادیا بھی ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئی۔ پھر جین اور اس کا ساتھی
 کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پائلٹ نے پلٹ کر نادیا کی طرف دیکھا تو نادیا نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا
 ٹ نے انگوٹھا دکھا کر گردن ہلائی۔

کچھ لمحوں کے بعد ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو گیا۔ یہ پرواز تقریباً پون گھنٹے تک جاری رہی تھی اور اس
 رٹھری آبادی نظر آنے لگی تھی۔ میرا خیال تھا کہ ہیلی کاپٹر شہر سے باہری کسی جگہ پر اتر جائے گا مگر
 کی اونچی نیچی عمارتوں کے اوپر سے گزر کر ایک مخصوص علاقے میں پہنچ گیا اور پھر ایک پرانی طرز کی
 کے وسیع احاطے میں اتر گیا۔ ہیلی کاپٹر کے اترتے ہی کچھ لوگ عمارت سے نکلے اور دوڑتے ہوئے
 ہر کے قریب آگئے۔ نادیا نے مجھے نیچے اترنے کا اشارہ کیا اور پھر باقی لوگ بھی ہیلی کاپٹر سے باہر
 نکلتے ہوئی رنگت کا ادھیڑ عمر شخص تیزی سے میرے پاس آیا اور مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

یہاں کی آب و ہوا نے مجھ پر بہت اچھا اثر کیا تھا۔ طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی تھی۔ لائن بہت اچھا قی ثابت ہوا تھا۔ میری اس سے دوستی ہو گئی تھی اور نادیدہ اپنا کام کر رہی تھی اور شاید اپنے مقصد میں

کامیاب بھی ہو گئی تھی کیونکہ اس نے مجھے گردہ کے کاروباری پوائنٹس بتانا شروع کر دیئے تھے۔ میں بھی غور کر رہی تھی اور انہیں ذہن میں بٹھاتی جا رہی تھی تاکہ آگے کام کر سکوں۔ اس دن موسم تھا۔ میں لائن اور ٹائیڈ پیٹھے ہوئے تھے۔ ٹائیڈ نے کہا۔

”لائن! تم اپنے اس پراسرار سفر کی داستان سناؤ جو ہمیشہ ادھوری رہ جاتی ہے۔“

”آج بھی یہ ادھوری رہ جائے گی بابا صاحب! خیر ایسا بھی ہوتا ہے۔ شاہ نور جی! زندگی کا یہ دور ہے ایک انوکھا مقام رکھتا ہے۔ ماضی کیا تھا! یہ بعد میں بتاؤں گا بس آپ یوں سمجھ لیں کہ ایک رات کے عالم میں، کسی طرح ایک جہاز پہنچ گیا۔ بادبانی جہاز تھا اور میرے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ میں جہاز پر کیسے پہنچا۔ تختوں کے فرش پر بادبانوں کو دیکھتے ہوئے میں یہی سوچ رہا تھا کہ اچانک قدموں کی سنائی دی۔ میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کر لیں جیسے سو رہا ہوں لیکن اس کا فائدہ نہ ہوا۔ اگلے ہی لمحے کسی نے پسلیوں میں ایک زور دار ٹھوکر رسید کی اور پھر نہایت سخت لمبے میں دیا۔

”اٹھو کہیں بوائے! ہمیں بہت سے کام کرنا ہیں۔“ اپنی بات پوری کر کے اس نے ایک اور لم ماری۔ میں درد سے بلبلایا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ابھی لڑکھڑاتے ہوئے سیدھا کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا دوبارہ حکم ملا۔ ”باورچی کے پاس جا کر کھانا پکانے میں اس کی مدد کرو۔“

مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ باورچی خانہ کدھر ہے۔ خاموش کھڑا ایک ننگ اسے دیکھتا رہا۔ مخاطب جوٹا میٹ تھا! اس کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔ غصے میں چہرے کے سیاہ اور بھدے نقوش اور بھیاک ہو گئے۔ پتختے ہوئے گلا پھاڑ کر پچھا۔ ”اچھا تم میرا حکم ماننے سے انکار کرتے ہو۔“ پھر قریب کھڑے ہوئے دوسرے ملاحوں کی طرح دیکھ کر بولا۔ ”ذرا رسا تو لانا! دیکھو یہ چھوکر میرا حکم کیسے نہیں مانتا۔“

میں ہونٹوں کی طرح اس کی حرکتیں دیکھتا رہا۔ دو ملاح رسالے آئے جس کے سرے پر کچھ ڈنڈا بندھا تھا۔ اسے میری کمر کے گرد لپیٹ دیا گیا۔ پھر کچھ لوگوں نے پکڑ کر مجھے اوپر اٹھایا اور جہاز کی ریٹنگ مجھے نیچے لٹکا دیا۔ ملاحظہ سمندر مجھے بھیاک ترقی کی مانند نظر آ رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر فرط خوف سے بے ہوش میری چیخیں نکل گئیں لیکن سبک دل ملاحوں کا دل ذرا نہ ہلچکا۔ مجھے خوف زدہ اور بے بسی سے ہاتھ مارتے دیکھ کر وہ زور زور سے قہقہے لگانے لگے۔ میں نے جہاز کے چونی ڈھانچے کو گرفت میں لینے کی کوشش کی۔ انگلیاں بری طرح زخمی ہو گئیں لیکن اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ سالنورد نم آلودہ ڈھانچہ بار بار ہاتھوں سے پھسل جاتا۔ باپوں ہو کر میں نے خود کو قسمت کے سپرد کر دیا۔

رسی آہستہ آہستہ نیچے ٹھک رہی تھی۔ میرا اور پانی کا درمیانی فاصلہ تیزی سے سمٹنے لگا۔ معا میرا پاؤں پانی سے ٹکرایا۔ میں نے ڈر کے مارے آنکھیں میچ لیں۔ پانی جب ٹھوڑی تک پہنچا تو میں نے سانس لیا اور پیچھے پھڑوں میں اچھی طرح ہوا بھری۔ خیال تھا پانی میں ڈوبنے کے بعد دیر تک سانس نہ رکھوں گا۔ مگر بے سود۔ ناکار ملاحوں نے رسی کھینچ کر دو تین جھٹکے دیئے۔ میری قوت برداشت ساتھ چم گئی اور دم گھٹنے لگا۔ سانس لینے کے لئے مجبوراً منہ کھولا۔ نمکین سمندری پانی ناک اور منہ میں بھر گیا۔

کھانے چھینے لگے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں۔ اب جو منظر دیکھا اس سے روٹنے کھڑے ہو گئے۔ سر کے اوپر جہاز کا پینڈا نظر آ رہا تھا۔ جس پر کائی کی موٹی تہ جبی ہوئی تھی۔ زیر آب ملگجی روشنی میں اچانک محسوس ہوا جیسے جہاز کے ڈھانچے نے ہولناک عفریت کا روپ دھار لیا ہو اور مجھے ہڑپ کرنے کے لئے کھول رہا ہو۔ چند ثانیے کے بعد آنکھوں کے سامنے دھند سی چھانے لگی اور ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔

دوبارہ ہوش آیا تو خود کو جھولے نما بستر پر پڑا پایا۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی دیکھ کر اندازہ ہوا رات ہی ہے۔ چند فٹ کے فاصلے پر ایک مستول کے ساتھ لائینیں بندھی جھول رہی تھی۔ اس کی مدھم ٹنی میں، میں نے ایک جھریوں بھرا چہرہ اپنے اوپر جھکے دیکھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں اگرچہ رحم اور شفقت تھی لیکن ان میں عیاری اور خباثت کی جھلک بھی نہ تھی۔ مجھے آنکھیں جھپکتے دیکھ کر اس نے

”آخر تمہیں ہوش آ ہی گیا لڑکے! اٹھو کھانا کھاؤ۔ زیادہ دیر تک خالی پیٹ رہنا ٹھیک نہیں۔ تین دن ہوش آیا ہے۔ قسمت اچھی تھی شور سن کر کپتان موقع پر پہنچ گیا اور تمہیں باہر نکل لیا گیا ورنہ ملاحوں تمہاری جان لینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ اب جلدی سے اٹھ بیٹھو۔ مجھے باورچی خانے میں ایک ان کی ضرورت ہے۔ تم میرے ساتھ رہو گے۔“

”میں جہاز میں کیسے پہنچاؤں؟“ میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

”ارے تمہیں یاد نہیں رہا۔ تم نے سال بھر کا معاہدہ کیا ہے۔ تمہارے ساتھ ایک دوست تھا لیکن وہ ان کپتان کے حوالے کر کے واپس چلا گیا۔“

دوست کا ذکر سنا تو مجھے اچانک سا لگرہ کی شام یاد آئی۔ فوراً سمجھ گیا۔ رقم کے لالچ میں حرام خور ت مجھے جہاز پر چھوڑ گیا اور ان لوگوں نے نشے کی حالت میں مجھ سے معاہدے پر دستخط کرائے۔ اب کیا ملتا تھا۔ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ بوڑھا ملاح میری کیفیت سے بے خبر بدستور اپنی کسے جا رہا تھا۔

ہم سونے کی تلاش میں پیرو جا رہے ہیں۔ سمندری سرحدی محافظوں سے مدد بھیڑ نہ ہوئی تو شاید منزل سو پہنچ جائیں۔“ پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور باورچی خانے میں لے آیا جہاں ہر طرف گند کی پھیلی ہوئی تھی اور مونے مونے کیڑے بکھڑے موجود تھے۔ بوڑھے باورچی کا نام جونی تھا۔ اس نے خوش ذائقہ شوربے اور ڈبل روٹی سے مہربی تواضع کی اور پھر وہیں ایک جھولے نما بستر پر ملا دیا۔

میں جونی کے ساتھ جلد ہی گھل مل گیا۔ وہ باتونی! اکھڑا اور بددماغ ضرور تھا لیکن دوسروں کی طرح ننگ دل اور سفاک نہ تھا۔ میرا اچھی طرح خیال رکھتا۔ ایک مرتبہ چند ملاحوں نے مجھے دوبارہ ننگ کرنے کی کوشش کی تو اس نے چاقو نکال لیا اور ان کے مقابلے پر آ گیا۔ ملاحوں نے یہ صورت حال دیکھی تو محتاط ہو گئے۔ اس کے بعد پھر کسی نے مجھے ننگ کرنے کی کوشش نہ کی۔ میں بڑے مزے سے باورچی خانے میں جونی کے ساتھ دن گزارنے لگا۔

ایک صبح بیدار ہو تو خلاف معمول چاروں طرف گہرا سکوت تھا۔ جونی ابھی تک سو رہا تھا۔ اچانک ہڑپا کر اٹھ بیٹھا اور بستر سے کود کر پچھا۔

”رک گئی۔ کم بخت رک گئی۔“ پھر مجھے جانتا دیکھ کر بولا۔ ”تمہیں کچھ سنائی دے رہا ہے؟“ حیرت سے اس کا منہ کھلنے لگا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا وہ کس چیز کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔ میں نے سر ہلایا اور کہا۔

”نہیں، مجھے تو کچھ سنائی نہیں دیتا، کیا بات ہے؟“

”آہ کم بخت برے پھنسے ہو رک گئی۔ ہم اس وقت سمندر کے ایسے حصے میں ہیں جہاں پہلے ساکن رہتا ہے اور یہ کیفیت، دنوں، ہفتوں بلکہ مہینوں باقی رہتی ہے۔“

جونہی کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ جہاز ایک ہی مقام پر یوں ساکن کھڑا تھا، جیسے لنگر ڈال رکھا ہو۔ آٹھ دن تک ہوا کے چلنے کا انتظار کرتے رہے لیکن مراد بر نہ آئی۔ گرمی روز بروز ناقابل برداشت ہو گئی اور ملاحوں میں بے چینی کے آثار پھیلنے لگی۔ نہ جانے یہ گرمی کا اثر تھا یا خوراک اور پانی کی کمی کہ سب کے ہونٹ اور موڑھے زخمی ہو کر سوج گئے، کپتان نے اس مصیبت کا مداوا کرنے کے لیے تقسیم کرنے کا حکم دیا جس کا ان کے پاس خاصا ذخیرہ موجود تھا۔ اس قیمتی شراب کے بدلے میں، پیرو کے قبائل سے سونا حاصل کیا جاتا تھا۔ رم کا ذخیرہ گھٹنا شروع ہوا تو اس کی تقسیم روک دی گئی۔

چالیسویں دن نمازوں میں سزا نہ پیدا ہو گئی۔ یہ واحد غذا تھی جو اب تک گلے سڑنے سے محفوظ تھی۔ تعفن ناقابل برداشت ہو گیا تو کپتان نے فیصلہ کیا کہ سارے نماز سمندر میں پھینک کر ضائع کر جائیں۔

لیکن چند ملاح آڑے آگئے۔ انہوں نے شور مچایا کہ کسی قسم کی غذا دستیاب نہ ہونے سے سڑے نماز اچھے ہیں۔ کچھ دن تو پیٹ کا جنم بھرا جاسکتا ہے۔ آخر اسے اپنا حکم واپس لینا پڑا۔ جو ملاح بچے کے ہاتھوں زیادہ پریشان تھے، وہ فوراً اگلے سڑے بدبودار نمازوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں دھوئے پاپائے کھانے لگے۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ان کے پیٹ میں شدید درد اٹھا اور انہوں نے ایڑیاں مرکز مرکز جان دے دی۔ اس منظر سے باقی ملاح دہشت زدہ ہو گئے۔ کپتان نے سب کے سامنے سارے کریت سمندر میں پھینکوا دیے۔ کسی نے کوئی احتجاج یا مذمت نہ کی۔

جونہی نے آنے کی ایک بوری چھپا کر رکھ چھوڑی تھی۔ ہم دونوں روزانہ چپکے سے اپنا پیٹ بھر لے ایک آدھ مرتبہ میں نے کوشش کی کہ دوسروں کو بھی کھانے میں شریک کر لیا جائے جوئی نے سختی سے ڈانٹا۔ ”خبردار! اس کا ذکر کسی سے مت کرنا۔ ایک بوری سے ہم سب کا پیٹ بھر نہیں سکتا۔ وہ منظر بھرا گئے، جب ان سؤر کے بچوں نے تمہیں رسی سے باندھ کر سمندر میں لٹکا دیا تھا۔“ میں نے چپ ساہ لیا۔ جہاز کو رکے پینتالیس دن ہو رہے تھے۔ پچھلے تین روز سے عرشے پر کسی کو پانی نصیب ہوا تھا۔ خوراک۔ بھوک اور پیاس کے مارے سب پاگل ہو رہے تھے۔ کپتان کو رم کے ذخیرہ کی بہت فکر تھی۔ اس نے اس کی حفاظت کے لیے کڑے انتظامات کر رکھے تھے لیکن ایک رات ملاح کھاڑیوں، لانیوں سے لبر ہو کر چیخے چلاتے ذخیرہ پر ٹوٹ پڑے اور شراب کے پیچھے عرشے پر اٹھالائے۔ جونہی اور میں باورچی خانے روشن دان سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ لانیوں کی مدد ہم روشنی میں ان کے چہرے دھندلے نظر آتے تھے۔

وہاں سے آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں اور صرف دو خالی سوراخ دکھائی دیتے تھے۔ شراب پی کر انہوں نے اودھم مچانا شروع کر دیا۔ چند نے خنجر نکال لئے اور دوسرے ساتھیوں کو نے دھکائے لگے۔ جونہی نے باورچی خانے کا دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا اور بولا۔

”آج رات ضرور کوئی نہ کوئی حادثہ ہو کر رہے گا۔ ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔“

ملاح کپتان کی آواز سنائی دی۔ ہم دوبارہ روشن دان کے قریب پہنچے اور باہر جھانکنے لگے۔ شراب میں ملاح چاقو لہراتے باقاعدہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے۔ نئے کی زیادتی اور نقاہت کی وجہ سے انہیں اپنے آپ کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ شور سن کر کپتان اپنے کیمین سے باہر نکل آیا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ اس نے انہیں ڈانٹا اور خاموش بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ ملاح دبک گئے لیکن یہ دشمن زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ ایک نے اچانک بڑی چابک دستی سے چاقو پھینکا جو کپتان کے گلے میں زور ہو گیا اور خون کا فوارہ ابل پڑا۔ کپتان لڑکھڑایا تاہم اس نے گرتے گرتے بھی دونوں پستولوں کے ٹریگر دبے تھے۔ ایک گولی ایک ملاح کے پیٹ میں لگی اور وہ عرشے پر ڈھیر ہو گیا۔

خون دیکھ کر ملاحوں پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ انہوں نے کپتان کو پکڑ کر اوپر اٹھایا۔ قریب تھا کہ اسے اندر میں پھینک دیتے کہ ایک آواز ابھری۔

”پھینکومت اسے، رک جاؤ، بڑے مزے کا گوشت ہو گا۔“

ایک لمحے تک خاموش ہو گئے پھر ہانگوں کی طرح کپتان کی لاش پر ٹوٹ پڑے اور ہلک جھپٹتے اس کے لئے کھڑے کر ڈالے۔ کپتان کا گوشت کھانے کے بعد ان وحشیوں کی بھوک اور تیز ہو گئی۔ وہ اپنے زخمی باقی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کی بھوک نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ بے چارہ چیخے چلانے اور رحم، تم پکارنے لگا مگر کسی نے اس کی نہ سنی۔ کئی طاقت ور ہاتھوں نے اسے پکڑ لیا اور جیتے جاگتے آدی کے حصے کر دیئے۔ یہ ہولناک منظر دیکھ کر میں لرز اٹھا۔ کراہیت سے جی مٹلانے لگا۔ چنانچہ روش دان بند کر کے پیچھے ہٹ گیا۔

اگلے دن میں دوپہر تک سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو گزشتہ رات کا دہشت ناک منظر آنکھوں کے سامنے پھر آیا اور میرا دل بیٹھنے لگا۔ اس جنم سے باہر نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ سوچا، اب جلد یا بدیر میری باری آئے گی اور یہ وحشی مجھے چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے۔ بے اختیار جھرجھری سی آگئی اور منہ سے ایک آہ نکلی۔

جونہی روشن دان سے چپکا کھڑا رہا۔ میں بھی اٹھ کر دوسرے روشن دان سے جا لگا۔ ملاح پھر شغل سے نوشی میں مصروف تھے۔ انسان کے گوشت اور شراب نے ان کے معدے میں آگ بھڑکائی تھی۔ وہ اس کی تلخی کم کرنے کے لئے شور شرابے کا سہارا لینے کی کوشش کر رہے تھے مگر پیاس کی شدت اور معدے کی اینٹھن کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی جاتی تھی۔ پھر وہ درد سے بے تاب ہو کر ابل کھانے اور جانوروں کی طرح چیخنے لگے۔ کئی ملاحوں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

جونہی دیر سے خاموش تھا۔ اچانک میرا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

”دیکھا لڑکے! انسان پاگل ہو جائے تو اس کی حالت باؤلے کتے سے بھی زیادہ بدتر ہو جاتی ہے۔ منہ کو خون لگ چکا ہے۔ اس وقت پیٹ بھرا ہوا ہے اس لئے صرف پیٹم دھان میں مصروف توڑی دیر بعد بھوک ستائے گی تو یہ بچے کچھے وحشی دوبارہ ایک دوسرے کو چیرنے پھاڑنے پر اتر آئے۔ خدا جانے یہ کم بخت ہوا کب چلے گی۔“

وحشی ملاح کسی وقت بھی ہم پر اچانک حملہ کر سکتے تھے اس خطرے کے پیش نظر ہم نے باور پڑ کا دروازہ کھڑکیاں اور روشن دان سب بند کر رکھے تھے۔ دوپہر کے وقت گرمی کی شدت اور صحن برداشت ہو گئی۔ جونی نے اٹھ کر ایک کھڑکی کھول دی۔ عرشہ ویران پڑا تھا۔ آفتاب کی تمازت سے ملاحوں نے سائے میں پناہ لے رکھی تھی۔ کپتان کی ہڈیاں ادھر ادھر عرشے پر پڑی تھیں۔ دھوپ سے رنگ سیاہ پڑ چکا تھا اور بدبو کے بجبکے اٹھ رہے تھے۔ کھڑکی کھلی تو سانس لینا دشوار ہو گیا۔ آخر کار جونا برداشت نہ ہو سکا۔ بائیں لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

ایک آدھ گھنٹے تک یہی حالت رہی تو اس نقصان سے میرا دماغ پھٹ جائے گا اور ہم بھی پاگل ہو گے۔ میں باہر جا کر عرشہ صاف کرتا ہوں۔“ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے ایک پستول اور خنجر باندھ لیا۔ میں نے بھی ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔ جونی بڑی مشکل سے مانا اور ایک بھرا ہوا پستول میرے دے کر دیا۔

باہر شدید گرمی تھی۔ عرشہ بری طرح تپ رہا تھا۔ ہمارے پاؤں جھلس گئے لیکن ہم نے کوئی پروا کی۔ بالٹیوں سے پانی کھینچنے اور عرشے پر انڈیلنے لگے۔ جونی نے خون کے سرخ دھبے صاف کر دیے پھر اٹھا کر سمندر میں پھینکے۔ کو تھا کہ گودام کے دروازے پر بیٹھا ہوا ایک ملاح دھاڑا۔

”خبردار! اسے ہاتھ مت لگانا۔ یہ میرا کھانا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی وہ ایک آہنی سلاح لہراتا ہوا کومارنے کے لئے نکلا۔

جونی اس اچانک حملے سے گھبرا گیا۔ اسے پستول نکالنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ میں نے فوراً اپنا ہتھکڑا نکالا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ زنگیر دبا دیا۔ گولی پاگل حملہ آور کی پیشانی میں سوراخ کرتی ہوئی دوسری طرف ٹکا گئی اور وہ کسی قسم کی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ جونی نے پکارا۔

شاباش ہمارے لڑکے۔ تم نہ ہوتے تو یقیناً یہ خبیث میری کھوپڑی پاش پاش کر دیتا اور پھر میری لاش ضیافت اڑاتا۔ چلو اسے اٹھا کر پانی میں پھینک دیں۔ دوسروں کو خبر ہو گئی تو اسے بھی کھانے بیٹھ جائیں گے۔ ہم دونوں نے مل کر لاش پانی میں پھینک دی اور خاموشی سے باورچی خانے میں واپس آ گئے جہاں ہماری کی نسبت کافی حد تک ٹھنڈک اور سکون تھا۔ پھر ہم نے دروازہ اور روشن دان بند کیا اور سونے کے لئے لیٹ گئے۔

اجھل کود اور بے ہنگم شور سے آنکھ کھلی تو رات ہو چکی تھی۔ جونی نے احتیاطاً لائٹیں نہ جلائی، نظر تھا کہ روشنی دیکھ کر وحشی نوا لائیں ہماری طرف متوجہ نہ ہو جائے۔ روشن دان سے باہر بھانکا تو ملاح ایک پیچے کے گرد بیٹھے جام پر جام لٹکھاتے نظر آئے۔ میں نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے انہیں

رات سے دیکھا۔ ہمارا پانی اور آنے کا ذخیرہ چند دن ہوئے ختم ہو چکا تھا اور اب بھوک پیاس سے میرا اٹھا۔ زیادہ دیر کھڑا نہ رہ سکا۔ جلد ہی واپس اپنے بستر پر جا کر لیٹ رہا۔ جونی سے کچھ کہنا حاصل تھا۔ حالت بھی مجھ سے مختلف نہ تھی۔ وہ میری مدد کرتا بھی نہ کیا۔

رات بھیاں خواب دیکھتے کئی۔ صبح سویرے چھت پر اچانک ٹپ ٹپ کی آواز سنائی دیں جیسے سینکڑوں پتلی تختے پر ٹکیے پٹنے مار رہی ہوں۔ جونی لمحہ بھر کی لئے کان لگائے بغور سنتا رہا پھر بستر سے کودا اور سے ناپتا ہوا بولا۔

”بارش لڑکے۔ بارش۔“ اس نے بڑی پھرتی سے دروازہ کھولا۔ ہم دونوں باہر نکل کر عرشے پر چٹ پٹنے اور پاگلوں کی طرح منہ کھول کر بارش کے قطرے سے اپنی پیاس بجھانے لگے۔ اس وقت خونخوار اسے ہمیں ذرا خوف نہ آیا۔

ہماری طرح ملاح بھی بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ پیاس بجھانے کے لئے انہوں نے بادبان نے شروع کر دیے۔ افراد کی کمی اور نقاہت کی وجہ سے انہیں بڑی دقت پیش آرہی تھی۔ جونی نے لادیر تک خاموشی سے تماشا دیکھا پھر آخر رہ نہ سکا اور اٹھ کر ان کے ساتھ گھل مل گیا۔ مجھے بائیں نہ اس کی تقلید کرنا پڑی۔

آدھ گھنٹے بعد بارش رک گئی اور ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی۔ دلوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور سب نے دروازہ نچٹا شروع کر دیا۔ اچانک جونی نے میرا کندھا پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

”اتنی خوشی کس بات کی۔ ابھی مصیبت ختم نہیں ہوئی۔ ابھی ہمیں جہاز ٹھیک راستے پر ڈالنا ہے۔ آؤ انجن روم میں چل کر دیکھیں وہاں کیا ہو رہا ہے؟“

انجن روم میں میٹ پہلے سے موجود تھا۔ اس نے اپنے سامنے میز پر نقشہ پھیلا رکھے تھے۔ ہم اندر آئے تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور حیرت بھری نظروں سے ہمیں تنکے لگا اور جونی بولا۔

”خدا پاکستان کی حالت زار پر رحم کرے۔“ اس کا لہجہ بڑا ٹیکھا تھا۔ میٹ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

”اور تمہاری حالت زار پر بھی۔“ اس کے بعد دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر میٹ نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

”تم پاکستان کے ساتھ طویل عرصے تک ان سمندروں میں سفر کر چکے ہو۔ جانتے ہو، وہ جہاز رانی کے ت اور نقشے کہاں رکھتا تھا؟“ اس مرتبہ خلاف توقع اس کا لہجہ نرم اور شریفانہ تھا۔

”نقشے پر اس مقام کی نشاندہی تو کرو جہاں ہم اس وقت موجود ہیں۔“

”کیسے نشاندہی کروں؟“ میٹ نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”آلات کے بغیر جہاز کا محل وقوع کیسے معلوم کیا ہے؟“

”ستاروں کی مدد سے۔“

”واہ بہت اچھے۔“ میٹ جونی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑے تسخیر سے بولا۔ ”اس ملعون جہاز ستاروں کا علم کسے آتا ہے؟“

”میں تمہاری رہنمائی کر سکتا ہوں۔“ جونی کا جواب سن کر میٹ کی آنکھیں حیرت سے پھیل اے شاید اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ دوبارہ بلند آواز میں استفسار کیا۔ جونی دونوں ہاتھ جیب میں ڈال کر آرام سے تمباکو چبا رہا تھا۔ بے نیازی سے بولا۔

”میں ستاروں کی مدد سے سمت کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ میرے بغیر تم کبھی اپنی منزل نہ پاس تمہاری مدد کرنے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ایک شرط ہے۔ میں اس جہاز کا کپتان ہوں گا۔“

”کپتان..... تم؟“ یہ انوکھی شرط سن کر میٹ حیرت سے اچھل پڑا۔ مٹھیاں بھینچ گئیں اور پڑھ مل پڑ گئے۔ میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ کہیں مار بیٹ تک نوبت نہ پہنچ جائے لیکن جونی اس کی فکر سے آگاہ ہو چکا تھا۔ پہلے کی طرح پڑ سکون اور بے نیاز کھڑا رہا۔ اسے میٹ کے غصے کی ذرا پروا نہ تھی۔ چند سیکنڈ تو اسے خاموشی سے گھورتا رہا پھر غصہ ضبط کرتا ہوا بڑی تلخی سے بولا۔

”جونی! تمہارا دماغ ٹھیک ہے یا نہیں؟“

”میرا دماغ ٹھیک ہو یا خراب اس سے تمہیں کیا غرض۔ جاؤ دوسرے ساتھیوں سے مشورہ کر لو۔“

وقت جہاز ایک گول دائرے کی صورت میں چکر کاٹ رہا تھا۔ ”میری مدد کے بغیر تم یہاں سے نہیں نکل گے۔ تم میرے نائب بننا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“

میٹ نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن جونی کو بے تعلق دیکھ کر خاموشی اختیار کر لی اور باہر گیا۔ اس کے جاتے ہی جونی کہنے لگا۔

”پہلا مرحلہ بخیر و خوبی حل ہو گیا۔ ستاروں کا علم کس کم بخت کو آتا ہے۔ خاموشی سے دیکھتے جاتا ہوتا ہے۔ خدا نے چاہا تو ہم جلد ہی کسی نہ کسی بہانے ان سے ہتھیار بھی اکٹھے کر لیں گے۔“ تھوڑی دیر میٹ واپس آ گیا اور دور ہی سے چلایا۔

”ٹھیک ہے چیف! ہمارے ساتھیوں نے تمہیں کپتان چن لیا لیکن انہیں صرف ایک نائب مقرر کر پر اعتراض ہے۔“

”اعتراض۔“ جونی نے قطع کلامی کرتا ہوئے کہا۔ ”انہیں بتا دو“ مجھے کپتان چن لیا ہے تو میرا حکم چلے گا۔ میں دوسروں سے مشورہ لینے کا عادی نہیں۔“ یہ غیر متوقع بات سن کر میٹ کے منہ سے کوئی آواز نکل سکی۔ چپ چاپ سر جھکائے چلا گیا۔

اس اثناء میں ہوا کے جھونکوں میں بدترج تیزی پیدا ہو گئی تھی اور جہاز خطرناک حد تک ایک طرف جھٹکا جا رہا تھا لیکن کسی کو موقع کی نزاکت اور سنگینی کا احساس تک نہ تھا۔ جونی چند لمحے چپ چاپ کھڑا رہا سوچتا رہا پھر میگافون کے ساتھ منہ لگا کر چلاتے ہوئے حکم دیا۔

”مرکزی بادبان لپیٹ دو۔“

عرشے پر موجود ملاح پہلے تو ہچکچائے لیکن آخر حکم مان لیا اور اس طرح جونی خود بخود کپتان بن گیا حالانکہ اسے جہاز رانی کی کوئی شہدہ نہ تھی۔

دن بخیریت سے گزر گیا۔ رات آئی۔ جونی نے اندازے سے ایک روشن ستارہ منتخب کیا اور چرخے کی سیدھ میں سفر کرنے لگا۔ ہم دونوں نے وہ رات کپتان کے خوب صورت منشاہ اور آرام دہ کیمپ کی۔

صبح آنکھ کھلی تو کیمپ میں 'میں تھا تھا۔ جونی کا بستر خالی تھا۔ جہاز بری طرح ہچکولے کھا رہا تھا۔ دان سے جھانکا تو چاروں طرف غضب ناک لہریں جھاگ اڑاتی نظر آئیں۔ ہم طوفان میں گھر چکے تھے انجن روم کی طرف لپکا۔ خیال تھا، جونی وہیں ہوگا۔

عرشے کا دروازہ بڑی مضبوطی سے بند تھا۔ اسے کھولنے کے لئے کافی زور آزمائی کرنی پڑی۔ باہر اچانک ایک زبردست لہر جہاز سے ٹکرائی۔ جہاز نے ہچکولا کھایا۔ میں اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا۔ لڑکھڑا اور دور تک پانی کے ساتھ بہتا چلا گیا۔ بڑی مشکل سے کھڑا ہوا اور بھاگ کر انجن روم میں پہنچا۔ جونی نہ تھا۔ ادھر ادھر تلاش کیا۔ آخر وہ عرشے پر جہاز کا وہیل سنبھالے نظر آیا۔

ہوا کے تیز و تند تھپیڑوں کے آگے جہاز بے بس ننگے کی مانند ڈول رہا تھا۔ منہ زور لہریں بار بار دم پر یلغار کر رہی تھیں۔ جونی تک پہنچنا آسان نہ تھا۔ میں نے دس بارہ مرتبہ کوشش کی لیکن ہر بار راستے پانی کی دیوار کھڑی ہو جاتی اور میں ڈر کر پیچھے ہٹ آتا۔ جونی چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا لیکن ہوا اور لہروں شور میں اس کی آواز مجھ تک نہ پہنچ پاتی۔ میں نے ہمت نہ ہاری اور جونی تک پہنچنے کی کوشش جاری رکھی۔ آخر ایک مہیب لہر نے میرے پاؤں اکھاڑ دیئے اور مجھے وہاں اس کے قریب لاپھونکا۔ جونی نے لپک کر ہاتھ پکڑ لیا اور میں سمندر میں گرنے سے بال بال بچا۔ تھوڑی دیر بعد میرے حواس بحال ہوئے تو جونی بولا "لڑکے! تم خوب وقت پر آئے۔ اس طوفانی موسم میں وہیل کو تھامے رکھنا ایک آدمی کا کام نہیں میرا ہاتھ بٹاؤ۔"

ہوا چنگھاڑ رہی تھی اور پھرے ہوئے سمندر کے غصے میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ مرکز مستول زیادہ دیر تک ہوا کا زبردست دباؤ برداشت نہ کر سکا۔ اچانک ٹوٹ کر گرا۔ ہم دونوں وہیل سے چمکھڑے تھے لیکن وہ بار بار ہمارے ہاتھ سے نکل جاتا اور جہاز کا توازن برقرار نہ رہتا۔ ایک گھنٹے بعد میٹ صورت نظر آئی۔ جونی نے اسے اپنی جگہ کھڑا کیا اور ہم سستانے کے لئے کیمپ کی طرف بھٹکے۔ وہاں ہم نے بتایا صبح سویرے ایک ملاح نے اس کی پشت پر خنجر گھونپنے کی کوشش کی تو اس نے اسے پکڑ کر اچھی طرح خبر لی۔ اب سب لوگ بے چوں چرا احکام بجالا رہے ہیں۔

بھینکے ہوئے کپڑے تبدیل کر کے اچھی طرح بیٹھے بھی نہ تھے کہ اچانک زور دار دھماکہ سنائی دیا۔ فوراً بعد مختصر وقفوں سے دو تین دھماکے اور ہوئے۔

"خدا کی پناہ۔" جونی یکدم کھڑا ہو گیا۔ "لگتا ہے، پانی کی لہریں عرشے کا مستول بہا کر لے گئیں۔" ان نے آگے بڑھ کر اپنے بستر کے نیچے سے ایک ری نکالی۔ اس کا ایک سرا اپنی کمر سے باندھا اور دوسرا مہیب ہاتھ میں دے کر بولا۔

"پہلے میں باہر جاؤں گا، تم بیڑھیوں پر کھڑے ہو کر ری مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ محفوظ مقام؛

کے بعد تھیں اور پکھنچ لوں گا۔" عرشے کا دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو جونی کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ ایک مستول کا نام و نشان نہ تھا۔ مستول ہوا کے دباؤ سے دوہرا ہو چکا تھا۔ جونی نے فٹش گالی دی اور پھر مجھے حکم دیا، نیچے سے کھانڈا لے خیال تھا۔ مستول کاٹنے سے شاید جہاز طوفان کا دباؤ گھٹ جائے۔ میں نے کھانڈا لا کر اسے دے دیا۔ وہ کی لہروں سے زور آزمائی کرتا ہوا آہستہ آہستہ مستول کی طرف بڑھا۔

عرشے پر کھڑا ہونے میں سخت مشکل پیش آرہی تھی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اپنے کام میں مبتلا رہا۔ اہل کانٹے کے بعد مستول پر ایک دو ضریب ہی ماری تھیں کہ اچانک دو ملاح نمودار ہوئے اور چیخے تے ہاتھ لہراتے اس کی طرف لپکے۔ غالباً وہ اسے مستول کاٹنے سے باز رکھنا چاہتے تھے۔ اسی لمحے میٹ پہنچ گیا۔ اس نے پل بھر میں صورت حال کا اندازہ لگایا اور ملاحوں کو روکنے کی کوشش کی۔ وہ اس سے پردے۔ معاً خوفناک مرکز ٹراہٹ سنائی دی۔ پھر ایک پہاڑ ایسی لہر اٹھی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے سمندر مارا پانی چیتا چنگھاڑتا جہاز پر اٹھ آیا ہو۔ میں نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں اور ری کو مضبوطی سے پکڑ بیڑھیوں کی اوٹ میں ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں تو دیکھا، جونی مستول کے ساتھ چٹا کھڑا ہے۔ پانی کی منہ زور لہر میٹ ملاحوں کو اپنے ساتھ بہا کر عرشے کے دوسرے کنارے پر لے گئی تھی اور وہ بے بسی سے ہاتھ پاؤں نے غوطے کھا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک اور لہر عرشے پر چڑھ دوڑی۔ میٹ اور اس کے ساتھی لمحہ کے لئے پانی کی سطح پر ابھرے اور پھر ہمیشہ کے لئے سمندر کی پناہیوں میں ڈوب گئے۔

لہروں کا زور ٹوٹا تو جونی دوبارہ اپنے کام میں لگ گیا۔ اچانک مستول چرچایا اور دھماکے کے ساتھ نیچے ہل۔ میں سمندر کا نظارہ کرنے میں محو تھا، اب جو اس طرف رخ کیا تو کبچہ دھک سے رہ گیا۔ میرا بوڑھا ان وہاں موجود نہیں تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ ری کو بار بار جھٹکے دیئے گردوسری طرف سے کوئی جواب ملا۔ مجھے خوف محسوس ہونے لگا کہیں جونی بھاری بھر کم مستول کے نیچے دب کر ہلاک نہ ہو گیا ہو۔

عرشے پر لہروں کی یلغار مسلسل جاری تھی۔ بیڑھیوں سے نکل کر اسے تلاش کرنے کی جرأت بھی نہ لی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اچانک ری کو جھٹکا لگا۔ میں فوراً چوکتا ہو گیا اور آہستہ آہستہ ری کھینچنے لگا۔ پھر دوسرے سرے پر جونی نمودار ہوا۔ اسے بے حس و حرکت دیکھ کر گمان گزرا کہ وہ مر چکا ہے لیکن پھر ہا کاسینہ پھولتے اور چپکتے دیکھ کر جان میں جان آئی۔ وہ زندہ تھا لیکن بے ہوش تھا۔ اس کے سرے خون رہا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے کھینچ کر اسے کیمپ تک پہنچایا اور اس کی کمر سے ری کھول کر بستر پر لٹا۔

سر کا زخم زیادہ گہرا نہ تھا۔ خون صاف کر کے پنی باندھی۔ پھر شراب کے دو تین قطرے منہ میں لئے۔ چند گھنٹے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں لیکن ان میں زندگی کی چمک مفقود تھی۔ اس کے حواس ابھی ری طرح بحال نہیں ہوئے تھے۔ میں نے زبردستی تھوڑی سی شراب اور پانی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ بدستور بے حس و حرکت پڑا خالی نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیتا اور مجھے گھورتا رہا۔

ہاٹے دھند سی چھانے لگی اور میں نے نیم غنودگی کے عالم میں جہاز پر آخری نظر ڈالی۔ صرف پینے کی بوتلی کی شکل کی نوک پانی سے باہر نظر آرہی تھی۔ مجھے گرد و پیش کی کچھ خبر نہ رہی۔

ہوش آیا تو چاروں طرف اندھیرا تھا۔ کچھ اندازہ نہ ہو سکا میں کہاں ہوں۔ پھر سمندر کے شور اور ہوا میں سانس لینے میں حقیقت کا احساس دلایا اور گزرے ہوئے ہیکل واقعات کی یاد ذہن میں تازہ آئی۔ میں مستول کے ساتھ رسی سے بندھا ہوا تھا۔ کسی قسم کی حرکت ممکن نہیں تھی۔ جونی کہیں دکھائی دیتا تھا۔

میں نے اس کا نام لے کر پکارا لیکن پانی کے شور اور گڑگڑاہٹ میں میری آواز دب کر رہ گئی۔ تنہائی کے زہریلے احساس نے رگ و پے میں خوف کی سرد لہر دوڑا دی اور میں زور زور سے رونے لگا۔

رونے سے دل کا غبار کسی حد تک دھل گیا لیکن اب بھوک اور سردی نے کچھ کے لگانے شروع کر دیے۔ تھوڑی دیر بعد مینہ برسنے لگا۔ میں نے منہ کھول دیا اور پیاس بجھائی۔ بارش رکی تو آسمان پر ستارے ملانے لگے۔ ہوا کے تھم جانے سے سردی کی شدت کم ہو گئی لیکن میرا جسم اور دماغ بالکل سن تھا۔ نیم غنودگی کے عالم میں یوں محسوس ہوتا جیسے میرا جسم فضاؤں میں پرواز کر رہا ہو اور میں جنت میں داخل ہو رہا ہوں۔

تصورات کی دنیا سے ابھرا تو اجالا پھیل رہا تھا۔ سمندر میں طغیانی کی کیفیت ختم ہو چکی تھی۔ گردن اٹھائی تو جونی بھی نظر آگیا۔ وہ مستول کے سرے سے چٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بے دوش معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اسے پکار کر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ پھر دل میں دھڑکنے لگی۔ ابھری کھسک کر اس کے پاس پہنچنا چاہئے۔ مگر کیسے؟ سمندر کے پانی سے رسی کی گرہ پھول گئی تھی اور اسے کھولنا ممکن نہ تھا۔ اپنے آپ کو زندہ پا کر تھوڑی دیر پہلے جو ناقابل بیان مسرت ہوئی تھی، سب خاک و праں ہو گئی۔ سمندر کے غیظ و غضب کے بعد ایک نیا پھندا گلے میں پڑ گیا تھا جس سے رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ مستول کی سخت لکڑی سے چپے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ چھاتی اور پسلیاں دکھنے لگی تھیں۔ ہاتھ لینے میں دشواری پیش آرہی تھی لیکن ممبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

تاحہ نگاہ پانی کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔ دن کا اجالا پھیلنے کے ساتھ ساتھ افق پر عجیب و غریب اور ہلکا قسم کی سرخ روشنی نمودار ہوئی۔ زندگی میں شفق کا اتنا گہرا رنگ کبھی نہ دیکھا تھا۔ سخت حیرت ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد جب سورج نکلا تو اس کا رنگ کچھ اسی طرح گہرا سرخ تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے خون نیا بہا ہوا ہو۔ اچانک جونی کی حیرت اور استعجاب میں ڈوبی ہوئی آواز نے چونکا دیا۔ وہ ہوش میں آچکا تھا مجھے اپنی جانب متوجہ پایا تو ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیر کر بولا۔

”لڑکے! میرا دماغ تو نہیں چل گیا۔ جو کچھ دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں نظر آرہا ہے؟“

”ہاں۔ بالکل! سورج کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے گویا اس سے خون نچک رہا ہو۔“

”نکواس۔“ جونی نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ میں جج جج پریشان اور متشکر تھا۔

دن ڈھلتا رہا۔ اپنی بے بسی پر بار بار آنکھیں بھر آئیں۔ کئی دن سے ایک رکھیل بھی اڑ کر منہ میں گئی تھی۔ کسی نہ کسی طرح باورچی خانے میں پہنچا۔ وہاں ابھری پھیلی ہوئی تھی۔ برتن ٹوٹے اور سامان پڑا تھا۔ ملاحوں نے کوئی شے سلامت نہ رہنے دی تھی۔ تلاش بسیار کے باوجود کھانے کے لئے کچھ نہ اچانک طوفان کے شور اور چٹخاڑ میں پستول چلنے کی آواز سنائی دی۔ روشن دان میں سے جھانک کر عرشے پر دس بارہ ملاح ایک لائف بوٹ پر قبضہ جمانے کے لئے آپس میں جھڑپا کرتے۔ زندگی اور موت کا یہ جنگ ابھی جاری تھی کہ ایک لہرائی اور ملاحوں کو کشتی سمیت بہا کر لے گئی۔ ٹھیک اسی لمحے مستول ایک دھماکے سے ٹوٹ کر عرشے پر گرا اور جہاز ٹوٹی طرح گھونٹنے لگا۔ مجھے زندگی میں اس قسم کی حادثات سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا لیکن فوراً ہی سمجھ گیا کہ جہاز بھنور میں پھنس گیا ہے۔

کیبن میں پہنچا تو جونی بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ خدا کا شکر ادا کیا، اب وہ پوری طرح ہوش میں تھا۔ نے مختصر الفاظ میں تمام واقعات سے آگاہ کیا۔ بھنور میں پھنسنے کی خبر سن کر وہ بری طرح چونکا اور آنکھیں ہوئے بولا۔

”ہم طوفان میں گھر گئے ہیں۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ ہمارے جہاز پر کوئی شخص موجود نہیں۔“

نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

”آؤ۔ یہاں سے جلد از جلد نکل جانے کی تدبیر کریں۔“

اسے لڑکھڑاتے دیکھ کر خیال آیا کہ میرا بوڑھا اور خستہ حال ساتھی کبھی عرشے تک نہ پہنچ سکے گا۔

میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ بوڑھے اور تنہا جسم میں نہ جانے کہاں سے اتنی قوت آگئی تھی وہ نہ صرف خود چل کر انجن روم میں پہنچا بلکہ مجھے بھی سارا دیئے رکھا۔ وہیل تیزی سے گھوم رہا تھا۔ نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر پھر فوراً پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔

”دیر ہوگئی۔ اب سو آؤ لیٹ کر بھی اسے نہیں روک سکتے۔“

جہاز آہستہ آہستہ منجھدار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چکر اتنے زور دار تھے کہ ہم عملاً عرشے سے چپک رہ گئے تھے۔ معاف خفاں دھماکا ہوا۔ شاید کوئی مستول ٹوٹ کر سمندر میں گر پڑا تھا۔ خوش قسمتی سے اس ساتھ ہی ہوا کا دباؤ یکھٹ کم ہو گیا اور جہاز جو پہلے ٹوٹی طرح تیزی سے گھوم رہا تھا، اب آہستہ آہستہ کھانے لگا۔ ہم نے اطمینان کا سانس لیا لیکن جہاز بری طرح لرزاں تھا اور جس طرف ہم موجود تھے اس سے ترچھا ہو کر پانی میں ڈوبنے لگا تھا۔ جونی چلایا۔

”جہاز الٹ رہا ہے۔ رسیاں پکڑ کر مخالف سمت کے کنارے تک پہنچنے کی کوشش کرو ورنہ بچنے کا امکان نہ رہے گا۔“

رسیوں کی مدد سے ہم جلد ہی دوسرے سرے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ مجھے تیرنا بالکل نہیں آتا لیکن اس وقت ذہن میں اس کا خیال تک نہ آیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ سب کچھ مجھ پر نہیں کیا بلکہ شخص پر بیت رہی ہو۔ جونی ساتھ نہ ہوتا تو میں کب کا ڈوب جاتا۔ اس نے مجھے پکڑ لیا اور میرا سر پانی سے باہر نکالے رکھا۔ پھر تیرتے ہوئے ایک مستول کی طرف بڑھا جو خاصے فاصلے پر تھا۔ جلد ہی میری آنکھیں

اس وقت تک سورج خاصا بلند ہو چکا تھا۔ تمام کائنات اس کی سرخ روشنی میں ڈوب گئی اور گرم شدت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ خاصی جدوجہد کے بعد میں نے رسی کھول کر اپنے آپ کو آزاد کر لیا۔ کھسک کر جونی کے قریب آ گیا۔

ہم دونوں خاموش تھے۔ جلد ہی گرمی ناقابل برداشت ہو گئی۔ ہم بار بار سمندر میں غوطے لگا رہے تھے۔ جلد ہی لہریں لہریں آتی تھیں اور درخشش نے بالکل ادھ مو کر ڈالا۔ دوپہر کے وقت پانی میں عجیب اقلقت اور ہولناک جانور تیرتے نظر آئے۔ یہ دیو قامت جانور دروازے پر گھسے ہوئے تھے۔ ہم نے خوف سے اپنی ٹانگیں مستول کر رکھ لیں اور بے حرکت بیٹھ گئے۔ لمحہ بہ لمحہ ان کی تعداد میں حیرت انگیز سرعت سے اضافہ ہو رہا تھا اور ہم دم سا دھڑکتے دل کے ساتھ یہ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ نہ جانے رات کے وقت اس ہولناک مقام پر کن آفات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

شام کا اندھیرا پھیلا تو عجیب اقلقت جانوروں کے وجود سے رنگ برنگی روشنی خارج ہونے لگی۔ میں پراسرار اور گہرا سرخ رنگ نمایاں تھا۔ خوف کے مارے زبان پر تالے پڑ گئے تھے۔ ہم دیر تک اس کے عالم میں اس عجوبہ روزگار بحری مخلوق کو دیکھتے رہے۔ پھر رفتہ رفتہ مجھ پر غنودگی چھانے لگی۔ اسی حال میں جونی کی آواز میلوں دور سے آتی سنائی دی۔

”انھو لڑکے! دیکھو سورج پھر نکل آیا ہے۔ سرخ سرخ خون آلودہ سورج۔“

میں نے بمشکل نیند سے بند ہوتی آنکھیں کھولیں۔ مجھے جونی کی مداخلت بے حد ناگوار گزری۔ اگر مجھے ایسی نیند سے بیدار کر دیا تھا جہاں میں بھوک اور پیاس کے اذیت ناک کچھکوں سے محفوظ تھا۔ میں آنے کے بعد بھوک اور پیاس کی تلخی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور پچھلے سارے مصائب بھول گئے۔ لئے میں نے خون آلود سورج کے دوبارہ طلوع ہونے میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ کمزوری کی وجہ سے آنکھوں سامنے تارے سے ناچنے دکھائی دیے۔ تاحہ نظر پھیلے ہوئے پانی کے بظاہر سے پیاس بڑھ گئی اور ہاتھ پاؤں جواب دینے لگے۔ جونی میری ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر بولا۔

سنو لڑکے! سمندری پانی سے اپنے ہونٹ ترکرو۔ پیاس کی تکلیف کم ہو جائے گی لیکن خبردار پانی سے نیچے نہ اترنے پائے۔“

میں نے فوراً اس نصیحت پر عمل کیا لیکن ہونٹ ترکرنے کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا اور بڑا سا گھونٹ پی لیا۔ مجھے توقع تھی اب حلق میں شدید جلن ہوگی اور کانٹے سے جھپٹے لگیں گے لیکن ایسا رد عمل ظاہر نہ ہوا۔ پانی خلاف توقع نمک سے پاک اور حد درجے میٹھا تھا۔ جیسے کسی صاف شفاف بننے اہل رہا ہو۔ میں نے اپنا منہ پانی سے لگایا اور غٹ غٹ پانی پینے لگا۔ کل والی عجیب اقلقت اور ہولناک

کاکھیں نام و نشان نہ تھا۔ جونی کے چہرے پر رنج اور افسوس کے سائے لہرانے لگے۔ اس نے سوچا میرا دماغ چل گیا ہے۔ مجھے اوک سے بار بار پانی پیتے دیکھ کر مہر کا دامن چھوٹ گیا اور وہ بھی میری تقلید پر اتر آیا۔ اس کی

”خدا جانے ان پہاڑوں میں کھانے کو بھی کوئی چیز دستیاب ہوگی یا نہیں۔ فضا میں چڑیا تک اڑتی نظر نہ آتی۔“ میں فوراً بولا۔

”چڑیا نہ سہی“ پچھلیوں پر گزارہ کر لیں گے۔“ میری نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں جو ہر لمحہ قریب قریب تر آتی جا رہی تھی۔

اگلے دن ہم ایک کھاڑی میں داخل ہوئے اور صبح سویرے ریتے ساحل پر جا اترے۔ خشکی پر پہنچنے کا ناک بڑا مسرور کن اور راحت انگیز تھا۔ اسے الفاظ میں بیان کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔ میں خوشی سے

اس وقت تک سورج خاصا بلند ہو چکا تھا۔ تمام کائنات اس کی سرخ روشنی میں ڈوب گئی اور گرم شدت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ خاصی جدوجہد کے بعد میں نے رسی کھول کر اپنے آپ کو آزاد کر لیا۔ کھسک کر جونی کے قریب آ گیا۔

ہم دونوں خاموش تھے۔ جلد ہی گرمی ناقابل برداشت ہو گئی۔ ہم بار بار سمندر میں غوطے لگا رہے تھے۔ جلد ہی لہریں لہریں آتی تھیں اور درخشش نے بالکل ادھ مو کر ڈالا۔ دوپہر کے وقت پانی میں عجیب اقلقت اور ہولناک جانور تیرتے نظر آئے۔ یہ دیو قامت جانور دروازے پر گھسے ہوئے تھے۔ ہم نے خوف سے اپنی ٹانگیں مستول کر رکھ لیں اور بے حرکت بیٹھ گئے۔ لمحہ بہ لمحہ ان کی تعداد میں حیرت انگیز سرعت سے اضافہ ہو رہا تھا اور ہم دم سا دھڑکتے دل کے ساتھ یہ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ نہ جانے رات کے وقت اس ہولناک مقام پر کن آفات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

شام کا اندھیرا پھیلا تو عجیب اقلقت جانوروں کے وجود سے رنگ برنگی روشنی خارج ہونے لگی۔ میں پراسرار اور گہرا سرخ رنگ نمایاں تھا۔ خوف کے مارے زبان پر تالے پڑ گئے تھے۔ ہم دیر تک اس کے عالم میں اس عجوبہ روزگار بحری مخلوق کو دیکھتے رہے۔ پھر رفتہ رفتہ مجھ پر غنودگی چھانے لگی۔ اسی حال میں جونی کی آواز میلوں دور سے آتی سنائی دی۔

”انھو لڑکے! دیکھو سورج پھر نکل آیا ہے۔ سرخ سرخ خون آلودہ سورج۔“

میں نے بمشکل نیند سے بند ہوتی آنکھیں کھولیں۔ مجھے جونی کی مداخلت بے حد ناگوار گزری۔ اگر مجھے ایسی نیند سے بیدار کر دیا تھا جہاں میں بھوک اور پیاس کے اذیت ناک کچھکوں سے محفوظ تھا۔ میں آنے کے بعد بھوک اور پیاس کی تلخی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور پچھلے سارے مصائب بھول گئے۔ لئے میں نے خون آلود سورج کے دوبارہ طلوع ہونے میں کوئی دلچسپی نہ لی۔ کمزوری کی وجہ سے آنکھوں سامنے تارے سے ناچنے دکھائی دیے۔ تاحہ نظر پھیلے ہوئے پانی کے بظاہر سے پیاس بڑھ گئی اور ہاتھ پاؤں جواب دینے لگے۔ جونی میری ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر بولا۔

سنو لڑکے! سمندری پانی سے اپنے ہونٹ ترکرو۔ پیاس کی تکلیف کم ہو جائے گی لیکن خبردار پانی سے نیچے نہ اترنے پائے۔“

میں نے فوراً اس نصیحت پر عمل کیا لیکن ہونٹ ترکرنے کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا اور بڑا سا گھونٹ پی لیا۔ مجھے توقع تھی اب حلق میں شدید جلن ہوگی اور کانٹے سے جھپٹے لگیں گے لیکن ایسا رد عمل ظاہر نہ ہوا۔ پانی خلاف توقع نمک سے پاک اور حد درجے میٹھا تھا۔ جیسے کسی صاف شفاف بننے اہل رہا ہو۔ میں نے اپنا منہ پانی سے لگایا اور غٹ غٹ پانی پینے لگا۔ کل والی عجیب اقلقت اور ہولناک

کاکھیں نام و نشان نہ تھا۔ جونی کے چہرے پر رنج اور افسوس کے سائے لہرانے لگے۔ اس نے سوچا میرا دماغ چل گیا ہے۔ مجھے اوک سے بار بار پانی پیتے دیکھ کر مہر کا دامن چھوٹ گیا اور وہ بھی میری تقلید پر اتر آیا۔ اس کی

”خدا جانے ان پہاڑوں میں کھانے کو بھی کوئی چیز دستیاب ہوگی یا نہیں۔ فضا میں چڑیا تک اڑتی نظر نہ آتی۔“ میں فوراً بولا۔

”چڑیا نہ سہی“ پچھلیوں پر گزارہ کر لیں گے۔“ میری نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں جو ہر لمحہ قریب قریب تر آتی جا رہی تھی۔

اگلے دن ہم ایک کھاڑی میں داخل ہوئے اور صبح سویرے ریتے ساحل پر جا اترے۔ خشکی پر پہنچنے کا ناک بڑا مسرور کن اور راحت انگیز تھا۔ اسے الفاظ میں بیان کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔ میں خوشی سے

دیوانہ وار تاپنے کودنے اور قہقہے لگانے لگا۔ جونی غلاب توقع سنجیدہ تھا۔ اس کے چہرے پر سوچ اور اوجھڑائیاں رقصاں تھیں۔ میں پوچھتے بغیر نہ رہ سکا۔

”ارے جونی! کیا تمہیں زندہ بچ جانے کی خوشی نہیں؟ میرے خیال میں اب ہم سچ محفوظ ہو گئے ہیں۔“

”ایسی بات نہیں ہے لڑکے! میں بہت خوش ہوں۔“ اس نے نیم دلی سے جواب دیا۔ وہ مجھ سے حقیقی احساسات چھپانے کی کوشش کر رہا تھا، تاہم میں نے اصرار نہ کیا۔ میں اس وقت کسی قیمت پر اپنی غارت کرنا نہ چاہتا تھا۔

ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی تمام چٹانوں کا رنگ گہرا سرخ تھا۔ ریت ٹاکلم پاؤڈر کی طرح باریک نفیس تھی۔ میں نے مٹی میں بھری۔ پھر مٹی کھول کر جونی کو دکھانا چاہی تو وہ ساری کی ساری پھیل پڑی۔ جو تھوڑی بہت پھیلی پر رہ گئی، اسے میں نے پانی میں پھینک دیا۔ جونی ریت پانی میں گری، ایک سا دھبا نمودار ہو گیا۔ بڑی حیرت ہوئی۔ جونی بھی یہ منظر دیکھ چکا تھا اور فرط حیرت سے گنگ تھا۔ اس چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات سے میرے رگ و پے میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ ہم دونوں بت بے تک اس جگہ نظریں جمائے کھڑے رہے جہاں پانی میں سرخ دھبا نمودار ہوا تھا اور اب بتدریج معدوم جا رہا تھا۔ آخر جونی کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

”بہتر ہوگا ہم رات پڑنے سے پہلے کوئی مناسب ٹھکانہ تلاش کر لیں۔“ میں نے اعتراض کیا۔

”نہیں پہلے کھانے کا بندوبست ہونا چاہئے۔“ اور ہم کھانے کی تلاش میں چٹانوں کی طرف کھڑے ہوئے۔ انہیں عبور کرنے میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔ چٹانیں اگرچہ زیادہ اونچی نہ تھیں لیکن بڑی زیادہ تھیں۔ ہمارے قدم دھنس جاتے اور چلنے میں دشواری پیش آتی۔ پھر چاروں طرف پھیلی ہوئی روشنی اتنی تیز تھی کہ ہم پوری طرح آنکھیں بھی نہ کھول سکتے تھے۔

چوٹی پر پہنچے تو دور آتش فشاں پہاڑی سلسلہ نظر آیا۔ یہ وہی پہاڑ تھے جو ہمیں سمندر میں سفر نظر آئے تھے۔ تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ہوں گے۔ ان کے دامن میں جگہ جگہ سیاہ دھبے سے دکھ دے رہے تھے۔ ہم نے ان اندازہ لگایا، یہ ضرور جنگلات ہیں اور ان میں کھانے کی کوئی شے یقیناً دستیاب جائے گی۔ ان تک پہنچنے سے پہلے ہمیں ایک وسیع اور بے آب و گیاہ ریتیلہ سمندر عبور کرنا تھا۔

بیس میل کا فاصلہ کچھ کم نہ تھا۔ جونی بولا۔ ”ہمیں اپنے ساتھ پانی ضرور رکھنا چاہئے۔ ورنہ گری ہلاک ہو جائیں گے۔“ سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیسے۔ ہمارے پاس ہاتھوں اور پچھنے پرانے کپڑوں کے سوا ایسی چیز نہ تھی جس میں پانی بھر کر ساتھ لے جاتے۔ ہم نے برتن کی تلاش میں ارد گرد کا سارا ساحل بھرا مارا مگر شکی اور بھرپوری چٹانوں کے سوا کچھ نہ ملا۔ ہر طرف ریت ہی ریت تھی سبزے کا کہیں نام و نشان تھا۔ ماحول پر چھائی ہوئی دہشت اور ویرانی آہستہ آہستہ ہمارے رگ و پے میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔ آہ۔ اعصاب جواب دے چلے تھے لیکن ہم نے ہمت نہ ہاری۔ چپ چاپ آگے بڑھتے رہے۔ ایک ایک مقام پر کھاڑی عبور کی۔

بھائی اور ساحل کی یکسانیت سے حوصلے ٹوٹنے لگے۔ جونی بار بار مضامیں سمجھ کر ہوا میں لہراتا اور غصے سے کہتا۔ ”قربیب تھا کہ ہم تھک ہار کر ریت پر ڈھیر ہو جاتے کہ اچانک سامنے ایک سرخ چٹان کے دامن ایک بڑا سا دھبا نظر آیا۔ جونی ایک لمحے تک بغور دیکھتا رہا پھر بولا۔

”وہاں غار لگتے ہیں۔ آؤ چلیں شاید کوئی شے ہاتھ لگ جائے۔ میں تو صبح سے اب تک ایک جیسا منظر دیکھ کر اکتا گیا ہوں۔“

غار کا دہانہ حیرت انگیز طور پر چوڑا تھا۔ قریب سے دیکھنے پر یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اژدہا نہ کھولے رہا ہے اور ہمیں ابھی ہڑپ کر جائے گا۔ محراب نما گنبد کی چوٹی سے آگے سرخ لٹک دھواں نظر آرہی تھی۔ غار کی گہرائی کا اندازہ لگانا دشوار تھا۔ دہانے سے چند فٹ آگے بے پناہ تاریکی کا تسلا تھا۔ ہم کوشش بلیوڈ اندر دیکھنے میں ناکام رہے۔

جب ہم نے غار میں قدم رکھا تو میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ جونی میرے ساتھ تھا، اس کے دو اندر جانے سے وحشت ہو رہی تھی، بعید نہ تھا میں ڈر کر واپس بھاگ جاتا لیکن جونی نے میرا بازو پکڑ لیا۔ اسے شاید میرے اندر دینی خوف کا احساس ہو گیا تھا۔ مجھے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

”چلو، چلو۔ ہمت نہ ہارو۔“ اس کی آواز تاریک گہما میں دور تک گونجتی چلی گئی اور ہمیں دیر تک کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔ کھلی فضا اور تیز سرخ روشنی نے ہماری آنکھیں چند ہیاد دی تھیں۔ اب مٹی سے اچانک غار کی تاریکی میں داخل ہوئے تو نظروں کے سامنے مکمل تاریکی کا پردہ تن گیا اور ہم حیرت کی طرح ٹٹول ٹٹول کر قدم قدم آگے بڑھنے لگے۔ قدموں کی چاپ سے انداز ہوا ہم ریت کے بے سخت اور ٹھوس زمین پر چل رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں فرش کی ٹھنڈک اور نمی کا احساس ہوا۔

قدموں کی چاپ اور سانس لینے کی آواز، صدائے بازگشت اور اندھیرے غار کے تاپنے لہراتے سایوں، ساتھ مل کر عجیب و غریب دہشت ناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ جونی پر جھنڈا ہٹ سوار ہو گئی، وہ زور سے چلانے اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگا۔ دوسری طرف سے اس کی بازگشت سنائی دیتی تو معلوم ہوتا، غار میں کوئی نپال آ گیا ہے۔ پھر اچانک غار میں تھر تھراہٹ پیدا ہوئی۔ پھر دور کہیں فاصلے پر پتھروں کے گرنے کا زور دھماکا ہوا اور پھر لہکتی خاموشی چھا گئی۔ اس کے باوجود کچھ دیر تک پراسرار سیٹیوں کی سی آواز سنائی دیتی تھی اور ٹک ٹک گونجتی رہی۔ یوں محسوس ہوتا، جیسے کوئی تکلیف سے گہرے سانس لے رہا ہو۔

فرط خوف سے ہمارے پاؤں جیسے زمین سے چپک کر رہ گئے۔ آخر خدا خدا کر کے شور تھا اور ہماری دھماکا جانی آئی۔ پھر دھند چھٹنے لگی اور ہماری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو گئیں۔ کاش ایسا نہ ہوتا، ہم نے زمین دوز راہداری میں جو ہولناک منظر دیکھا اس نے ہمارے رہے سے ہوش بھی گم کر دیئے۔

ناگہمی اس کی یاد کسی وحشت ناک خواب کی طرح لرزا دیتی ہے۔ تاریکی کے بطن سے ان گنت مجسمے نمودار ہونے لگے۔ ہر ایک کا پوز اور انداز دوسرے سے مختلف لیکن ایک چیز سب میں مشترک تھی اور وہ تھا خوف اور کرب۔ ہر مجسمہ خوف اور کرب کی ایک نئی

صورت کا منظر تھا۔ مجسمہ ساز کے ہنرمند ہاتھوں نے اذیت اور کرب کی ایک غیر محسوس کیفیت کو جان پتروں میں سمو کر جو نقش اُبھارے تھے ان پر حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ مجسموں کی رنگت میں کو نہ تھا۔ گویا کسی ایک ہی پتھر سے تراشے گئے تھے۔ مرد، عورت سب صاف پہچانے جاتے تھے۔ ماؤں میں بچے اٹھا رکھے تھے۔ ان کے چروں پر متا کی شفقت بھری مسکراہٹ منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔ گردن کی طرف خم کھائے ہوئے تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے جگر گوشوں کو چومتے چومتے ٹھک کر رہ گئی انسانوں کے علاوہ غار میں پرندوں اور جانوروں کے جیسے بھی تھے۔ ان میں زیادہ تعداد دیوقامت پر سیرخ کے مجسموں کی تھی۔ اس کے بڑے بڑے بازو پھیلے دیکھ کر محسوس ہوتا، ابھی اڑ کر فضا میں جائے گا۔ ایک طرف قدیم طرز کے گھریلو برتن بکھرے پڑے تھے۔ یہ بھی میں اچھی طرح پکائی ہوئی مٹی سے تیار کئے ہوئے تھے۔ ہم نے جلدی سے دو ٹکے اٹھائے اور اس عجیب و غریب انسانی عجائب الوداعی نظر ڈالے بغیر تقریباً دوڑتے ہوئے باہر آگئے۔

سرد اور بے جان مجسموں کی آنکھوں سے ٹپکتا ہوا خوف اور چہرے پر طاری کرب و اذیت کا لٹکا ہولناک تھا۔ باہر پہنچ کر ہم نے اطمینان کا سانس لیا اور دیر تک خاموش رہے۔ آخر جونی نے سرد آواز ہوئے یہ تکلیف دہ خاموشی توڑی اور بولا۔

”اف! کتنی پراسرار اور دہشت ناک جگہ تھی۔“ پھر بغل میں دبائے ہوئے ٹکے کی طرف اشارہ کر کے لڑکے! دیکھا یہ لوگ جو اس قدر مکمل اور عمدہ مجسمے بنانے پر قادر تھے مٹی کے اس برتن کو ٹھیک مکمل بھی نہ کر سکے۔ کتنی عجیب بات ہے۔ خیر چھوڑو، ہمیں پانی ذخیرہ کرنے کے لئے برتن مل گئے قیمت ہے۔ اب پیاس کی اذیت برداشت نہیں کرنی پڑے گی۔ زرخیز علاقے میں پہنچنے کے بعد کچھ نہ ڈھونڈ لیں گے۔“ جونی خوش امید کی کا شکار تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ غذا کے بغیر اتنے عرصے تک کیونکر ہوگا۔

ہم واپس ساحل پر آئے۔ وہاں مٹکوں میں پانی بھرا اور دوبارہ ایک پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا۔ پہاڑیوں کی نسبت زیادہ عمودی تھی۔ جونی تک پہنچتے پہنچتے بری طرح ہانپنے لگے چنانچہ سستانے بیٹھے۔ اچانک وہی پراسرار اور سیٹیوں کی سی آوازیں سنائی دیں جو ہم نے تاریک غار میں سنی تھیں۔ پہلے کی آواز اب بھی یہ آواز بہت دور سے آ رہی تھی۔

پہاڑی سے اتر کر ہم ریت کے سمندر میں داخل ہوئے۔ جسمانی کمزوری اور نفاست کے مار قدم اٹھانا دوبارہ تھا۔ جلد ہی جگر آنے لگے۔ جونی نے میرا بازو تھام لیا اور میں اس کے سہارے تقریباً ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس کا اپنا حال بھی غیر تھا، تاہم ابھی اس کے حواس قائم تھے۔ شام کو دھندلا پھیلنے لگا ہم اسی طرح قدم بہ قدم چلتے رہے۔ سرخ پہاڑ اور ان کے دامن میں نظر آنے والے سیاہ دھبے آخر کی تاریکی میں روپوش ہو گئے۔ ہم نے ایک ریٹلا ٹانگیا اور رات بسر کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ جلد گہری نیند نے آلیا۔ رات کے پچھلے پہر جونی نے جھنجھوڑا۔

”لڑکے! سیٹیوں کی تیز اور پراسرار آواز پھر سنائی دی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے زمین کے

اٹھ رہی ہو۔ ذرا کان لگا کر سنو۔“ مجھ پر نیند کا غلبہ تھا۔ بڑبڑاتے ہوئے کروت بدلی اور ایک مرتبہ پھر اور باہر سے بے خبر ہو گیا۔

صبح سویرے اچانک آنکھ کھل گئی۔ پیٹ میں شدید اینٹھن ہو رہی تھی۔ سورج ان سرخ اور پراسرار لہروں کے پیچھے سے نمودار نہیں ہوا تھا۔ جونی بھی اٹھ بیٹھا۔ میں نے بھوک کی شکایت کی اور دونوں دس سے پیٹ دبا دیا۔ جونی بے چارہ کیا کرتا۔ بے بسی سے ہاتھ مل کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر وہ بانہ انداز میں بولا۔

”تم اس کا خیال ہی نہ کرو۔ بھوک کا احساس خود بخود ختم ہو جائے گا۔ چند گھنٹ پانی پی کر دیکھو۔ کچھ سارا ہو جائے۔“

”میں نے مٹکا اٹھا کر منہ سے لگا لیا اور غٹا غٹ کئی گھنٹ پی گیا۔ پانی پیٹ میں پہنچتے ہی حیرت انگیز پانی رونما ہوئی۔ معدے کی اینٹھن سچ سچ ختم ہو گئی اور بھوک کا احساس کم ہو گیا۔ جونی دور پہاڑیوں کی ف دیکھنے لگا پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”لڑکے! میں ساری رات غور کرتا رہا۔ یہ زمین، سورج، ستارے اور سرخ روشنی، سب اجنبی لگتے ہیں۔ ان کا ہمارے کہ ارض سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ میں نے زندگی میں اس طرح کی چیزوں کے بارے کچھ نہیں سنا۔ ہم یقیناً کسی اور نامعلوم سیارے میں پہنچ گئے ہیں۔ بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟“ اس کی دلی چھوٹی سیاہ آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے کندھے سیڑھتے ہوئے اپنی کم علمی کا خرافہ کیا۔ فوراً بولا۔

”ہاں! دنیا کے بارے میں تم کیا جانو۔ پہلی مرتبہ گھر سے نکلے ہونا، چلو اٹھو، اپنا سفر شروع کریں۔“ ہم جوں جوں بڑھتے گئے پہاڑیوں کے دامن میں موجود سیاہ دھبہ بتدریج صاف دکھائی دینے لگا۔ ہمارا اڑھ ٹھیک لگا۔ وہ جنگل ہی تھا۔ سورج آگ برسا رہا تھا۔ گرمی سے برا حال ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود رتے پڑتے کسی نہ کسی طرح برابر بڑھتے رہے۔ پیاس ناقابل برداشت ہو گئی تو ایک جگہ رک کر پانی پینا ہا۔ ٹکے سے منہ لگایا تو ناگوار حیرت نے آلیا۔ زندگی بخش سیال پہلے کی طرح شفاف اور بے رنگ نہ رہا۔ اس کی رنگت گہری سرخ ہو چکی تھی۔ دل تو نہ چاہتا تھا لیکن پیاس بھانے کے لئے مجبوراً پینا پڑا۔ یہ نیم دم تھا، چنانچہ اس تلخ احساس میں اور بھی شدت پیدا ہو گئی کہ ہم پانی نہیں گرم گرم خون پی رہے ہیں۔

شام کے قریب نباتاتی زندگی کے آثار پہلی مرتبہ نظر آئے۔ ریت کی جگہ سخت زمین نے لے لی تھی۔ اس میں کہیں کہیں چھدری گھاس اُگی ہوئی تھی۔ ہم بڑی مشکل سے اپنی بھوک پر قابو پائے ہوئے تھے۔ بری گھاس دیکھ کر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ فوراً جانور کی طرح اس پر منہ مارنے لگے اور پل بڑھیں صفایا کر ڈالا۔ معلوم نہیں یہ ہمارا وہم تھا یا سچ گھاس ہی میں غذائیت تھی کہ ہمارا پیٹ بھر گیا اور مکمل کوئی میں جان سی آگئی۔ اس رات ہم خوب گہری نیند سوئے۔

اگلے دن چند گھنٹوں میں جنگل کے کنارے پہنچ گئے۔ بلند و بالا درخت سر اٹھائے کھڑے تھے۔ ان کے تنے بے حد موٹے تھے جن کے گرد عجیب و غریب شکل کی گول بلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ کم از کم انسانی بازو کے

برابر مونی ضرور ہوں گی۔ جونی نے ایک تیل نوچ کر الگ کرنے کی کوشش کی لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر ہم دونوں نے مل کر زور لگایا اور تیل کی باریک سی چھال اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب گاڑھی سرخ رطوبت بہہ نکلی اور چھال کا ٹکڑا پھسل کر ہمارے ہاتھ سے گر پڑا۔

”خدا کی پناہ۔ اس میں جان ہے۔“ اس کی زبان لڑکھڑاہی تھی۔

لمحے بھر کے لئے یوں محسوس ہوا جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ آنکھیں مل کر غور سے دیکھا۔ مساموں سے گاڑھا سرخ لیس دار مادہ خارج ہو رہا تھا۔ زخمی تیل نے ہلکی سی جھرجھری لی۔ پہلے وہ کسی مارے سانپ سے مشابہ تھی، اب کو برا سانپ کی طرح آہستہ آہستہ تیل کھانے لگی۔ اس کی حرکت جانداروں جیسی تھی۔ ساتھ ہی اس کے اندر سے ایک عجیب سی آواز آئی جیسے کوئی دم توڑتے سکیاں لے رہا ہو۔ جونی نے بدحواس ہو کر میری طرف دیکھا اور بولا۔

”یہ کیا طلسم ہے؟ میں پاگل تو نہیں ہو رہا؟“ میں خود حیرت سے دوچار تھا۔ کیا جواب دیتا۔ ہر چہ کے تاثرات دیکھ کر جونی نے چپ سا دھ لی اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میرا بازو پکڑ لیا اور طرف کھینچے ہوئے بولا۔

”آؤ لڑکے۔ اس جنگل سے دور نکل جائیں۔ یہ جگہ منحوس ہے۔ پہاڑ کے دوسری طرف شاید جا بہتر ہوں لیکن پہلے ہمیں کھانے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور تلاش کرنا چاہئے۔“

گھنٹوں چلنے کے بعد ہم جنگل کے دوسرے کنارے پہنچے۔ آگے ایک وسیع میدان تھا جس میں پھوٹی جھونپڑیوں کے آثار نظر آرہے تھے۔ شام کا اندھیرا پھیلنے سے کچھ پہلے ہم ان کے قریب پہنچے۔ چاروں طرف گہرا سکوت تھا اور کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ یہاں کی فضاؤں کبھی انسان سانس لیتے ہوں گے۔

ہم پہلی جھونپڑی میں داخل ہوئے۔ اندر اسی قسم کے چند عجیب اور ڈراؤنے مجسمے موجود تھے جن کا نظارہ ہم نے غار میں کیا تھا۔ زمین پر کسی ناقابل شناخت وھات کا بڑا سا نیم خستہ برتن پڑا تھا اور اس کے سبز کونپلیں جھانک رہی تھیں۔ جونی کی نظر پڑی تو وہ خوشی سے اچھلا اور چلایا۔

”نمائندہ“ اس کی بات ٹھیک تھی۔ ننھے ننھے نمائندہ اچھے تھے۔ ہم نے سب تو ذکر کھائے۔ پیٹ بھی نہ بھرا اور مزید کھانے کی تلاش میں ایک جھونپڑی سے دوسری جھونپڑی میں بھٹکتے رہے۔ کچھ ہاتھ آیا۔ جھونپڑیوں میں بے جان سنگی مجسموں کے سوا کوئی شے موجود نہ تھی۔ انسانوں اور جانوروں کے جن کے چہرے کے نقوش کسی اندرونی مددے اور کرب کی وجہ سے بگڑ کر بے حد ڈراؤنے اور بھیانک ہو گئے تھے۔ چھوٹے بچوں کے چروں سے البتہ فطری معصومیت اور بھولپن نیک رہا تھا۔

جھونپڑیوں میں چاروں طرف مٹی، پتھر، لکڑی اور ہڈیوں کے بنے ہوئے ہتھیار اور برتن بے ترتیب سے بکھرے پڑے تھے۔ کئی چیزیں تو ہمارے لئے بالکل اجنبی اور نئی تھیں۔ نہ جانے بستی کے کمینوں پر افتاد پڑی تھی کہ وہ جہاں اور جس حال میں بیٹھے تھے مجھد ہو کر رہ گئے کہیں جدوجہد یا مزاحمت کے آثار نہ آتے تھے۔

جونی بار بار بڑبڑاتا۔ ”ناممکن..... حیرت انگیز۔ ناممکن.....“ میرے دریافت کرنے پر بولا۔ ”میں نے جس پتھر سے تیل کانٹے کی کوشش کی تھی، وہ کسی آتش فشانی لاوے کا ٹکڑا تھا لیکن یہاں لاوا کا وجود حیرت انگیز ہے۔ آتشی لاوا جس زمین پر ایک مرتبہ گر جائے وہاں ہمیشہ کے لئے نباتات اور بڑے کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ سوچتا ہوں اگر پتھری واقع آتش فشاں لاوے کا حصہ تھا اور اس بستی پر آتش فشاں ہی نے آفت ڈھائی ہے تو گھنا جنگل اس کا نشانہ بننے سے کیونکر محفوظ رہا؟ ممکن ہے ہوا اپنے ہاتھ نباتاتی زردانہ اڑا کر آتش فشانی لاوے سے دور لے آئی ہو اور اس جگہ جنگل پیدا ہو گیا ہو۔“

جونی دیر تک اسی طرح کے مختلف مفروضے پیش کرتا رہا اور پھر انہیں رد کرتا رہا۔ میرے پہلے کچھ نہ آتا۔ آخر وہ خاموش ہو گیا اور عجیب و غریب شکل کے دو پتھر اٹھا کر انہیں زور زور سے رگڑنے لگا۔ ان سے بھگیاں سی بھرنے لگیں۔

پھر اس نے ایک جھونپڑی سے کچھ بوسیدہ چھیتڑے اکٹھے کئے اور پتھر رگڑ رگڑ کر انہیں آگ دکھا دی۔ ہم نے جلدی جلدی دوسری جھونپڑیوں سے مختلف چیزیں جمع کیں اور انہیں آگ میں جھونک دیا۔ الاؤ! رات بھر روشن رہا اور ہم اس کے قریب پاؤں پبار کر سوتے رہے۔

صبح دن چڑھ آتھ کھلی۔ جونی کہیں نظر نہ آیا۔ میں جھونپڑی سے نکل کر جنگل کی طرف ہولیا کہ ناپید وہیں چلا گیا ہو پھر بھوک بھی ستا رہی تھی اور مجھے قوی امید تھی کہ کھانے کے لئے وہاں سے ضرور کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ کئی درختوں کی چوٹیوں پر پھلوں کے گچھے لٹکتے نظر آئے لیکن افسوس، وہ بہت بلندی پر تھے اور وہاں میرا ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا۔ آخر نرم و نازک کونپلوں پر نظر انتخاب پڑی جو تنے کی بیلوں سے بھٹ رہی تھیں۔

میں نے زمین پر گری ہوئی ایک کونپل اٹھائی۔ ابھی اسے چبانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس میں حرکت پیدا ہوئی۔ میں ششدر رہ گیا۔ اس نے سانپ کی طرح اپنے جسم کو بل دیا۔ میں حیرت زدہ کھڑا دیکھتا رہا، جب اس نے میری کلائی کے گرد حلقہ کس لیا اور مجھے جپہن ہوئی تب ہوش آیا اور ہاتھ جھٹک کر اسے دور بھینکنے کی کوشش کی لیکن وہ تو جیسے میری کھال میں پوست ہو چکی تھی۔ بڑی مشکل سے پوری طاقت صرف کر کے اسے نوچ پھینکنے میں کامیاب ہوا۔ کلائی کے گرد خون کی ننھی ننھی سرخ بوندیں نمودار ہو گئی تھیں۔ غور سے دیکھا تو باریک سے سوراخ بھی نظر آگئے۔ میری حالت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا تھا۔ جنگل کی ہر شے آدم خور تھی۔ اس انکشاف نے حواس باختہ کر دیا اور میں سرپٹ بھاگتا کہیں سے کہیں نکل گیا آخر دریا کے کنارے جا کر دم لیا۔ اس کا پانی صاف، شفاف اور میٹھا تھا۔ خوب سیر ہو کر بیا۔

دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا تو سمت کا کچھ اندازہ نہ رہا۔ میں کس طرف سے آیا تھا اور کس طرف جانا تھا۔ سوچ میں پڑا گیا۔ کیا کروں؟ آخر دریا کے کنارے کنارے ہولیا۔ جلد ہی کسی آبشار کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ اس بھیانک سنائے میں آبشار کی آواز کسی ساز سے کم نہ تھی۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ اس تک پہنچ کر دم لوں گا۔

آبشار خلاف توقع بہت دور نکلا لیکن بڑی حسین اور پُر فضا جگہ پر تھا۔ ارد گرد کا منظر دیکھ کر ساری

تھکن اور جھنجھلاہٹ جاتی رہی اور میں اس کی خوب صورتی میں ڈوب گیا۔ چاروں طرف رنگ برنگے پتھر نما پھول کھلے ہوئے تھے۔ ان کے پودے غیر معمولی طور پر نمونے اور قد آور تھے۔ سب سے چھوٹے پودے کی اونچائی میرے قد سے کم از کم گنتی ہوگی۔ گھاس بھی بکھرت تھی۔

آہستہ آہستہ چل کر ایک پودے کے قریب پہنچا۔ اس کا پھول سفید رنگ کا تھا لیکن کنارے کسی قدر خنیدہ اور سنہری تھے۔ اتنا خوب صورت اور پیارا پھول میں نے پہلے کہیں نہ دیکھا تھا۔ ذرا اور آگے بڑھا تو پھول نے اپنی پنکھڑیاں سمیٹ لیں اور پھریوں محسوس ہوا، وہ میری طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ پہلے تو سوچا کہ میرے وہم کا کرشمہ ہے لیکن اندر ہی اندر کوئی غیبی قوت پکار رہی تھی۔ خطرہ ہے..... خطرہ۔ میں بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ٹھیک اسی لمحے کاسہ گل کا منہ دوبارہ تیزی سے کھلا۔ پودا لہرایا اور ٹھیک اس مقام پر جھپٹا جہاں ایک سیکنڈ پہلے میں کھڑا تھا۔ فضا میں پھنکار سی آواز گونجی۔ کاسہ گل کا منہ بند ہو گیا۔ پودا آہستہ آہستہ سیدھا ہوا اور اپنی اصل حالت پر واپس آ گیا۔ زمین پر جس جگہ اس کی پنکھڑیاں ٹکرائی تھیں وہاں اب گھاس پھوس کے بجائے مٹی نظر آرہی تھی۔ خدا کی پناہ کاسہ گل نے سب کچھ نگل لیا تھا۔ میں اُڑ رہا تھا۔ وہیں کھڑا رہتا..... اپنے انجام کے تصور سے روٹنے کھڑے ہو گئے۔ چند منٹ یوں ہی گزر گئے۔ میں حیرت کھڑا آدم خور پودے کو دیکھتا رہا اور پھر بھاگ نکلا۔

مجھے کچھ خبر نہیں، میں پتھر پہلے مجھتوں کی بستی میں کیونکر واپس پہنچا۔ صرف اتنی بات ذہن میں محفوظ ہے کہ بستی کی حدود میں داخل ہوتے ہی میں نے سنا کوئی مجھے میرے نام سے پکار رہا ہے۔ حواس منتشر تھے اس لئے جواب نہ دے سکا۔ پھر کسی نے پشت پر ایک زور دار دھول جمانی اور مجھے ہوش آ گیا۔ وہ جونی تھا۔ اس کی جھولی عجیب قسم کے پھلوں سے بھری ہوئی تھی۔ میں تو ان پر گویا ٹوٹ ہی پڑا۔ بھوک اتنی شدید تھی کہ پھلوں کی بد مزگی اور کیلے پن کا احساس تک نہ ہو سکا۔

پیٹ بھر چکا تو میں نے جونی کو اپنی مہم کا حال سنایا۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا اور سر ہلاتا رہا۔ آخر میں بولا۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا، یہ کیا قصہ ہے؟ صبح سویرے میں خود ایک عجیب و غریب واقعے سے دوچار ہو چکا ہوں۔ جانتے ہو، میں نے درختوں کی چوٹیوں سے یہ پھل کیسے اتارے؟“ اس نے پوچھا پھر جواب کا انتظار کئے بغیر خود ہی کہنے لگا۔

”صبح کاذب کے وقت اچانک آنکھ کھل گئی۔ تم گہری نیند سو رہے تھے۔ جگانا مناسب نہ سمجھا۔ بھوک سے برا حال تھا چنانچہ اکیلا جنگل کی طرف چل کھڑا ہوا۔ وہاں ایک حیرت انگیز منظر تھا۔ سارے دیو قامت درخت زمین پر گرے پڑے تھے۔ گویا راتوں رات کسی لکڑہارے نے کاٹ کر پھینک دیئے ہیں۔ سب سے پہلے ان پھلوں پر نظر پڑی جو میری دسترس میں تھے۔ کسی قسم کا خوف محسوس کئے بغیر میں نے ان سے پہلا اپنا پیٹ بھرا پھر جھولی بھری اور واپس ہو لیا۔ جنگل کے آخری سرے پر پہنچا تھا کہ خوف ناک آوازیں سنائی دیں۔ پلٹ کر دیکھا۔ اف خدا! سب درخت لڑکھڑا کر سیدھے کھڑے ہوئے اور آسمان کی طرف اٹھتے نظر آئے۔ میں مبسوت ہو کر رہ گیا۔“ ہم باتیں کرتے ہوئے جھوپڑیوں تک پہنچ گئے۔ جونی نے شاید میرے

ہے سے میری دلی کیفیت کا اندازہ لگا لیا۔ بڑے گنیمت لہجے میں بولا۔

”تم سوچتے ہو گے بوڑھے کا داغ چل گیا ہے جو اس طرح کی ناقابل یقین باتیں کر رہا ہے۔ یقین جانو ہر ایک ایک لفظ صحیح ہے۔ میں نے ان گناہ گار آنکھوں سے خوابیدہ جنگل کو انگڑائیاں لے کر بیدار ہوتے دیکھا۔ یہ جادو کی ٹکری نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم یہاں کب تک اس طرح زندہ رہ سکیں گے؟“

پانی ذخیرہ کرنے کے لئے ایک جھوپڑی سے مٹی کی بڑی بوتل مل گئی تھی۔ اس میں ٹھکے کی نسبت زیادہ پانی سا سکتا تھا۔ جونی بوتل اٹھا کر دریا کی طرف بڑھا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ ایک جگہ وہ چانگ رکا۔ بوتل زمین پر رکھی اور کسی چیز کو دیکھتے ہوئے چلا یا۔

”لو! جلدی آؤ۔ یہ کوئیل دیکھو۔ اس کا ناشہ یقیناً لذیذ ہوگا۔“

میں چار پانچ فٹ پیچھے تھا۔ مجھے چند گھنٹے پہلے والی کوئیل یاد آئی اور میں چیختے ہوئے اس کی جانب لپکا۔ ”خبردار جونی! اسے ہاتھ نہ لگانا۔“ لیکن افسوس وہ میرے انتہاء سے پہلے ہی کوئیل میں الجھ چکا تھا۔ میری تو صرف کلائی پھنسی تھی۔ جونی کا گلا اور کلائی دونوں ہی خون چوسنے والی کوئیل کی گرفت میں آ گئے۔ اس کا رنگ سفید پڑ گیا زبان باہر نکل آئی اور آنکھیں حلقوں سے اٹل پڑیں۔ میں بے بسی سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اور تو کچھ نہ سوچا اپنے دانت اس نباتاتی عفریت کے جسم میں گاڑ دیئے۔ غلاب توقع نتیجہ حوصلہ افزا نکلا۔ نباتاتی عفریت کی گرفت اچانک ڈھیلی پڑ گئی اور وہ نیم جان ہو کر زمین پر گر پڑی۔

وحشت زدہ جونی کے حواس کھٹے ڈیڑھ گھنٹے میں بحال ہوئے۔ کلائی اور گردن پر گہرے نیلگوں نشان ابھر آئے تھے۔ وہ ان پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ ”لو! تم نے ایک مرتبہ پھر مجھے زندگی بخشی۔ میں تمہارا احسان مند ہوں۔“ لیکن غلطی جونی کی نہیں میری تھی۔ آدم خور پھول کا تذکرہ تو میں نے اس سے کیا تھا لیکن کوئیل کا واقعہ سنانا یاد نہ رہا۔

جونی نے اب تک بڑے حوصلے اور پامردی سے ناموافق حالات کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کی زبان سے سبھی ایسی کال لفظ نہ نکلا تھا لیکن اس حادثے کے بعد اس کی ہمت جواب دینے لگی۔ اس نے اپنے آپ کو قسمت کے سپرد کرنے کی تلقین شروع کر دی کہ آخر وہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔ ایک دن بوتل میں تازہ پانی لانے کے لئے دریا پر پہنچے تو جونی بولا۔

”لو! آج ذرا غسل کر لیں، تازہ دم ہو جائیں گے۔“ اس نے کپڑے اتارے اور پانی میں چھلانگ لگا دی۔ ایک غوطہ لگانے کے بعد پانی کی سطح پر ابھرا اور پکارا۔ ”تم بھی آجاؤ۔ یہاں پانی زیادہ گہرا نہیں ہے۔ میرے پاؤں تم کو چھو رہے ہیں۔“ اس نے اچانک ڈبکی لگائی اور غائب ہو گیا لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ سر پانی سے باہر نکلا اور کنارے کی طرف تیرنے لگا۔

کنارے پر پہنچتے ہی پپ چاپ گھاس پر ڈھیر ہو گیا۔ مجھے بے حد تشویش ہوئی۔ دوڑ کر اس کے پاس پہنچا۔ اس کا دایا لیکن کسرتی جسم نیلا پڑ چکا تھا اور دانت بچ رہے تھے۔ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”ارے تمہاری یہ حالت کیسی ہو گئی؟“ چند منٹ تک وہ حیرت اور خوف بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر دمھی آواز میں بولا۔

”لڑکے! میں نے جو کچھ ابھی دیکھا ہے مجھے خود اس پر یقین نہیں۔ کیا بتاؤں جب تمہیں پانی پانی کوونے کے لئے آواز دے رہا تھا۔ میرے پاؤں کے نیچے سے اچانک ریت کھسک گئی۔ ساتھ ہی محسوس ہوئی کہ مجھے کوئی شے نیچے کی جانب کھینچ رہی ہے۔ حقیقت حال جاننے کے لئے غوطہ لگایا تو ایک خوفناک اکثرشہ ہوا۔ میرا پاؤں ایک سوراخ میں دھنس گیا تھا جس کی شکل منہ جیسی تھی۔ بخدا لڑکے! دل دہل گیا۔ وہ حرکت کر رہا تھا۔ میں نے جی جی کے دو جیتے جاتے ریتلے ہونٹوں کو بزور انگ کر کے اپنا پاؤں چھڑایا اور دل سے نکل بھاگا۔“ اپنی بات ختم کر کے وہ اداسی سے مسکرایا۔

”تم یقیناً مجھے پاگل سمجھتے ہو گے؟“

”نہیں۔“ میں نے پوری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”ظلم اور اسرار کی اس سرزمین پر ہر بات ممکن ہے۔ پھر شک کیا؟“

پانی بھر کر ہم چل کھڑے ہوئے۔ ابتدا میں جنگل زیادہ گھٹا نہیں تھا۔ ہم بہ سرعت آگے بڑھتے رہے۔ پھر جلد ہی کھنے درخت اور بھاڑیاں شروع ہو گئیں۔ ہماری رفتار سست پڑ گئی۔ خاردار بھاڑیوں، آدم خور بیلوں اور کونپلوں کا خوف کھائے جاتا تھا۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتے تھے۔ شام کے سائے پھیل گئے لیکن خوفناک جنگل سے نکلنے کی کوئی راہ نظر نہ آئی۔ ہمارے سروں پر دیو قامت درختوں نے چوں کی سبز چھتری تان رکھی تھی۔ ہماری کوشش تھی کہ اندھیرا ہونے سے پہلے اس ہرے شامیانے کے نیچے سے نکل کر کھلی فضا میں پہنچ جائیں لیکن ناکام رہے۔ پھر اندھیرے میں سفر جاری رکھنا ممکن نہ رہا۔ یہ اندازہ بھی مشکل ہو گیا کہ ہم صحیح سمت میں آگے بڑھ رہے ہیں یا وہیں ایک گول دائرے میں چکر کاٹ رہے ہیں۔ ایک جگہ نسبتاً صاف مقام دیکھ کر وہیں رات گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

بھائیں بھائیں کرتے جنگل میں نیند کے آتی۔ ہمیں ایک دوسرے کے احساس اور خیالات کا بخوبی اندازہ تھا۔ دونوں ایک ہی بات سوچ رہے تھے لیکن خوف کو زبان عطا کرنے کی قوت نہ تھی۔ خاموش اپنے ایک دوسرے کی دھڑکنیں سنتے رہے۔ معاً درختوں کے چرچرانے کی خوفناک آواز آئی۔ ہمارے دل دہل گئے۔ سارے جنگل میں ایک لرزا سا طاری تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے درخت نیچے کی جانب جھکے لگے، جیسے سجدہ کر رہے ہوں۔ یہ بڑا ہی ناک منظر تھا۔ ہم جنگل کے وسط میں تھے کہیں نکل بھاگنے کا راستہ نہ تھا۔ دیو قامت درختوں کے بوجھ تلے دب کر یقیناً ہلاک ہو جاتے۔ خوف سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ پھر جونی کو جیسے اچانک ہوش آگیا۔ میرا بازو جھنجھوڑتے ہوئے چپٹا۔ ”کسی درخت کے تنے کی پناہ لو۔ اس طرح وزنی درختوں تلے دب کر ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔“

میں نے اس کی نصیحت پر عمل کیا لیکن زندہ بچ جانے کی امید نہ تھی۔ سوچا موت کو سامنے پا کر جونی موہوم امیدوں کا سارا لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ کھسکا ہوا ایک تنے تک پہنچ گیا لیکن جونی میرے ساتھ نہ تھا۔ اندھیرے اور بدحواسی میں ہم ایک دوسرے سے پھجھگئے تھے۔ میں نے اسے آوازیں دیں لیکن درختوں کے شور میں دب کر رہ گئیں۔ آخر کار اس کا خیال ذہن سے جھٹکا اور درخت کے ساتھ چٹ گیا۔

”لڑکے! مفر کی کوئی صورت نہیں۔ ہمیں ان پھولوں کے درمیان ہی سے گزرنا ہوگا۔“ وہ آہستہ آہستہ قدم قدم اٹھاتا پھولوں کے پہلے قلعے کے قریب پہنچ گیا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ چند فٹ پیچھے کھڑا رہا پھر ایک حیرت ناک منظر دیکھنے میں آیا۔ جوں جوں جونی آگے بڑھتا پھول دائیں بائیں پیچھے ہٹتے جاتے۔ میری طرح جونی بھی ششدر تھا۔ چلتے چلتے اس کے قدم رک گئے۔ اس کے رکے ہی پھول بھی بے حس و حرکت ساکت ہو گئے۔ پہلے تو خواب کا گمان ہوا لیکن جونی کی آواز حقیقت کا احساس دلا رہی تھی۔ پھول جی جی ہم سے ڈر کر پیچھے بھاگ رہے تھے۔

ہم پھولوں کے درمیان سے گزر کر دوسری طرف پہنچے اور کھلے آسمان کے نیچے ایک چٹان کی اوٹ میں لیٹ گئے تھے۔ تھک کر چور ہو چکے تھے۔ جلدی نیند نے آلیا۔ نیند کیا تھی، غشی سی طاری ہو گئی تھی۔ آٹھ اس وقت کھلی، جب جونی نے جھنجھوڑ کر جگایا۔ جنگل کے آرام کا وقت آپہنچا تھا۔ دور فاسفورس کی روشنی میں دیو قامت درخت زمین بوس ہوتے ہوئے نظر آئے۔ اس سے بھی عجیب اور دلکش منظر یہ تھا کہ

پھول والمانہ رقص کر رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا سفید پوشاک میں ملبوس سیکڑوں اہلرائیں کسی ساز کے زیرِ دم پر عالم بے خودی میں تانج رہی ہیں۔ ہماری نگاہیں اس منظر پر جم کر رہ گئیں لیکن جو روشنی مدھم پڑنے لگی اور پراسرار رقص فضا میں تحلیل ہو گیا۔

باقی رات آنکھوں میں کئی۔ صبح میدان پر نظر ڈالی تو وہ بالکل ویران اور اجڑا ہوا تھا۔ بس انہیں اکا دکا مرجھائے ہوئے پھول پڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر یقین ہو گیا کہ رات جو کچھ دیکھا وہ خواب نہ حقیقت تھا۔ ہم نے ایک مرتبہ پھر سرسبز گھاس سے پیٹ کی آگ بجھائی اور اپنے راستے پر ہولے۔ جونی ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”وہ رہی ہماری منزل۔“

میری نگاہیں اس کے پھیلے ہوئے کالے سیاہ بازو پر مرکوز ہو گئیں۔ عجیب و غریب مادے کی تری جونی نے ریت اور مٹی کا نام دیا تھا۔ اب پہلے سے زیادہ دبیز ہو چکی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی ٹانگوں گردن پر بھی اسی طرح کی ایک موٹی تہہ جی ہوئی ہے۔ گھبرا کر اپنے آپ پر نظر ڈالی تو میرا بھی یہی حال تو میں نے دیوانہ وار کھچ کر اسے اتارنا چاہا مگر بے سود۔ عجیب و غریب مادہ سینٹ کی طرح میرے جسم پر ہوا تھا۔ میں نے چیخ کر جونی کا بازو تھام لیا اور اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

”جونی! بتاؤ کیا یہ واقعی ریت اور مٹی ہے؟“

جونی لمحہ بھر کے لئے خاموشی سے کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”گھبراؤ نہیں لڑکے! میں نے اصل حقیقت سے آگاہ نہیں۔ تاہم میرا خیال ہے سورج کی تیش سے ہمارے جسم کو نکلہ بنتے جا رہے ہیں کچھ عرصہ اور یہی حالت رہی تو شاید ہمارا وجود کو نکلہ بن کر بے جان مجسموں کا روپ دھار لے۔ لڑکے! چلو ہم اس ملعون سرزمین پر زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتے۔“

آخر کار ہم پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر سستانے کے بعد ہم نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ یہ خاصا دشوار اور صبر آزما مرحلہ تھا۔ چند قدم اٹھانے کے بعد ہانپنے لگے۔ لاشم پشتم اوپر پہنچے تو پھر اپنی کوئی نہ رہی۔ بے سدھ ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو اچانک جونی کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

”لڑکے! او لڑکے! جلدی اٹھو۔“ میں جلدی سے اٹھ بیٹھا۔

جونی چار پانچ گز دور ایک مگر سے ٹیک لگائے کھڑا پہاڑ کی دوسری طرف اشارہ کر کے چیخ رہا تھا۔ ”دیکھو! دور سامنے کسی آبادی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ فضا میں بل کھاتا ہوا دھواں ہمیں نئی زندگی کی خوشخبری سنارہا ہے۔ مبارک ہو لڑکے! اب ہم زندہ رہیں گے۔“

اندھیرے میں پہاڑ سے نیچے اترنا خطرناک تھا۔ رات مجبوراً وہیں بسر کرنا پڑی۔ صبح سویرے چلنے لے لئے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن ابھی چند سوٹ کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ اچانک گڑگڑاہٹ اور دھماکوں سے پہاڑ لرز اٹھا اور چاروں طرف بھونچال سا آگیا۔ جونی جس پتھر سے چٹا کھڑا تھا وہ یکایک فضا میں بلند ہوا جیسے کہ نادیہ قوت نے فضا میں اچھال دیا ہو۔ اس کے منہ سے دلدوز چیخ نکلی اور وہ پتھر کے ساتھ فضا میں اڑتا ہوا شیطانی سرزمین کی طرف جا کر۔ جونی کے اس حسرت ناک انجام پر دل خون ہو گیا لیکن آنسو ہمانے کے

پر کھڑا۔ بے چارہ جونی میرا محسن، میرا دوست، شیطانی سرزمین نے آخر اس کے خون کی بھینٹ لے لی جہی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا اور گڑگڑاہٹ اور شور کی آوازیں دور ہوتی چلی گئیں۔

☆=====☆=====☆

بعد کے واقعات میرے ذہن میں بہت دھندلے ہیں۔ مجھے کچھ خبر نہیں، کب طوفان تھا اور میں پہاڑ اتر کر کس طرح گرتا پڑتا قریبی آبادی تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ البتہ بستی والے کہتے ہیں کہ میں بستی قریب بے ہوش پڑا تھا۔ وہ مجھے اٹھا کر اپنے ہاں لے آئے جہاں پندرہ دن بعد میں نے آنکھ کھولی۔ بستی بڑے بوڑھوں کا کتا ہے کہ میں خوش قسمت ہوں کہ شیطانی سرزمین سے زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ پہاڑ کے اس طرف سے آج تک کوئی شخص زندہ واپس نہیں آیا لیکن میں بہت ڈھیٹ ہوں۔ موت نے نزدیک آتی اور ہنسی ہے ہوئی گزر جاتی ہے۔ میں بھی اس کی زیادہ پروا نہیں کرتا۔ ویسے آپ کو ایک ایسی بات بتاؤں؟“

”ضرور۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”اس گروہ میں جب کوئی مرنے مارنے کا مسئلہ ہوتا ہے تو مجھے ہی آگے کیا جاتا ہے۔ گروہ والے کہتے ہیں کہ مجھے صرف مارنا آتا ہے۔“ لائن کے ان الفاظ پر میں مسکرا دی تھی۔

لائن ویسے بھی ایک دلچسپ آدمی تھا۔ اس کی باتیں درحقیقت لطیف ہی ہوا کرتی تھیں۔ ایسی ایسی بے چھوڑتا تھا کہ مجھے ہنسی آجاتی تھی۔ اس کے علاوہ نادیہ خاص طور سے ان دنوں میری زبردست تربیت رہی تھی اور میں چیخ چیخ یہ محسوس کر رہی تھی کہ میں ڈرگ مافیہ کی ایک سرگرم رکن ہوں۔ مجھے وہ تمام لوازمات فراہم کی جا رہی تھیں جو ڈرگ مافیہ کے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے گروپوں سے متعلق تھیں۔ کہاں کیا رہا ہے؟ کس طرح کی کارروائیاں کی جاتی ہیں؟ یہ ساری چیزیں میرے علم میں آ رہی تھیں اور ایک طرح سے میں سمجھ رہی تھی کہ میرا برین واش کیا جا رہا ہے۔ البتہ جب کسی بارے میں سنجیدگی سے کچھ سوچنے کے لئے بیٹھتی تو میرا ذہن خود اس بات کی نفی کرتا کہ میری اس تربیت میں نادیہ کا کوئی خاص مقصد پوشیدہ ہے۔ ایسا بالکل نہیں تھا۔ نادیہ جو کچھ کر رہی تھی میرے تحفظ کے لئے کر رہی تھی اور حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تو مجھے خود بھی یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ جس قسم کے اثر دھواں سے میرا واسطہ ہے، انہیں ختم کر دینا تو جیسے تباہی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ بے چارے سلطان شاہ یا کسی اور شخص سے اس طرح کی مدد ملنا تک لی جا سکتی ہے۔ حاکم شیرازی سینے پر ایک زخم کی مانند تھا۔ کاش، وہ احق شخص میرے لئے اس درد جذباتی نہ ہوتا۔ کہاں گیا؟ کن لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا؟ کیا ہوا اس کے ساتھ؟ کچھ معلوم نہیں تھا۔ میں نے تو اسے منع بھی کیا تھا کہ اس طرح میرے لئے اپنے آپ کو سرگرداں نہ کرے لیکن وہ بھی شاید اسی جذبہ کا شکار ہو گیا تھا جو در بدر کر دیتا ہے۔ اس کی ماں اور بہنیں بھی میری ہی بھینٹ چڑھ گئی تھیں۔ ہر حال ان باتوں کو سوچنے سے دل میں ایک دکھ کا احساس پیدا ہوتا تھا۔ اس سے دور ہونے کے لئے کوشش کرتی رہتی تھی۔ نادیہ نے اس شام خاص طور سے مجھ سے ملاقات کی اور کہنے لگی۔

”ہاں ڈیئر! اب یہ بتاؤ کہ تم اپنی ٹریننگ کے سلسلے میں کتنی پیچھے رہ گئی ہو، کون سی ایسی بات ہے جو

تمہارے علم سے باہر ہے؟“

میں نے ہنس کر کہا۔ ”بس صرف ایک بات رہ گئی ہے۔“

”وہ کیا؟“

”یہ کہ میں اپنا ایک گروہ بنا کر منشیات کی تجارت شروع کروں۔“ میں نے کہا اور ناویہ نے

پھر بولی۔

”میں سمجھ رہی ہوں۔ واقعی تمہاری معلومات اس حد تک بڑھ چکی ہیں اور میں پورے دعوے کتنی ہوں کہ یہ تمہاری ذہانت ہے۔ اب اس سلسلے میں اخلاقی گفتگو ہم ابھی نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ارد گرد جو لوگ ہیں وہ اخلاق سے نہیں بلکہ ہتھیار سے مارے جاسکتے ہیں۔ وہ کی زبان نہیں سمجھتے۔ ویسے تھوڑی بہت وہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی ہوں ہیں۔ ہمارے پاس وہ اعلیٰ درجے کے وسائل نہیں ہیں جو اخبارات وغیرہ یہاں تک پہنچا دیں میں نے خام سے پچھلے بہت سے اخبارات منگائے ہیں، تمہیں دکھاؤں گی۔ ان اخبارات میں تمہارے بارے میں تفصیلات بتائی گئی ہیں، بس یہ سمجھ لو کہ اس کے بعد تم اپنے وطن کی سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخصیت پائی ہو اور تمہارے بارے میں سرکاری حکم ہے کہ جہاں دیکھی جاؤ، زندہ یا مردہ گرفتار کر لی جاؤ۔ ایک کے لئے تمہیں آزاد نہ چھوڑا جائے۔ پچاس لاکھ والی رقم بڑھا کر ایک کروڑ کر دی گئی ہے۔ کوئی یہ پوچھ نہیں کہ درحقیقت تم مجرم ہو یا نہیں۔ تمہاری والدہ، والد یا بہنوں کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ چھپائے اس طرح اپنا گناہ چھپا گئے ہیں اور تمہارے گناہ کو انہوں نے ہزاروں گنا بڑھا دیا ہے۔ اب تم یہ بتاؤ اس کمروہ دنیا میں تم نیکوں کا پرچار کرتی پھرو گی؟ ان لوگوں کے خلاف شرافت سے انصاف لے سکو میں خاموشی سے ناویہ کی بات سن رہی تھی۔ میں نے کہا۔

”ناویہ اگر کسی خاص خیال کے تحت مجھے تم یہ تمام تفصیلات بتا رہی ہو تو اسے ذہن سے نکال میں کچھ عرصے کے لئے ان کے بارے میں کچھ نہیں سوچنا چاہتی۔ وجہ یہ ہے کہ اب تک کی کاوشوں مجھے میری ماں، بہنوں یا والد کا کوئی پتا نہیں دیا۔ میں جانتی ہوں کہ یہ سب کچھ آسان نہیں ہو گا۔ ان لوگوں کے خلاف عمل کرنے کے لئے مجھے ایک لمبا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ تھوڑا سا تجزیہ تو خیر ابھی ہو چکا اس دنیا کے بارے میں۔“

”یہی کہنا چاہتی تھی۔ اس کے علاوہ ایک بات تمہیں نہیں بتاؤں گی کیونکہ مجھے خود کچھ عجیب سا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں تمہیں اس گروہ کی طرف راغب کرنے کے لئے بہت زیادہ کلاؤں کر رہی ہوں۔ پہلی اور آخری بار یہ بات کہہ رہی ہوں کہ تمہارے لئے اس گروہ کو ہی نہیں اس دنیا کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ بس دل میں یہ خیال بیٹھ گیا ہے جیسے یہ عشق و محبت کا معاملہ ہو۔ اگر کوئی سے پوچھے تو میں یہ مثال قائم کر رہی ہوں کہ ناویہ شاہ نور سے محبت کرتی ہے، اتنی کہ اس کے لئے ہزار

ہا کر اس پر قربان کر دے۔“ میں ہنسنے لگی اور میں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”اور میں صرف ایک جملہ کوں گی اس کے جواب میں۔ وہ یہ کہ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے۔“

”شکریہ۔ اچھا خیر چھوڑو۔ ہم ہانگ کانگ چل رہے ہیں۔ میں تمہیں اس کے بارے میں بریفنگ

دلاؤں گی۔ ہو سکتا ہے بہت جلد ہمیں یہاں سے روانہ ہونا پڑے۔“

”ٹھیک ہے، میں تیار ہوں۔“

”خوش ہو؟“

”ہاں کیوں نہیں۔ اصل میں مجھے زندگی کی تمام آسائشیں حاصل رہی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں

ان اس کے ساتھ ساتھ ہی میں ایک محدود جگہ رہی ہوں۔ کونکس کے مینڈک کی مانند کونکس کے گرد

رہی ہوں۔ باہر کی دنیا کھلی فضا نہیں یہ سب کچھ خاصا دلکش اور دلچسپ ہو گا میرے لئے۔“

”میں بھی یہی چاہتی ہوں ڈارلنگ کچھ عرصے کے لئے تم اپنے اس مشن کو بھول جاؤ۔ یہ بات تو طے

وہ لوگ تمہاری والدہ اور بہنوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے اور اگر نقصان پہنچانا ہوا تو پہنچائیں گے ہوں

اب کچھ عرصے کے لئے تم اپنے دل کے یہ تمام دروازے بند کر دو اور اپنے کام میں مصروف ہو

”میں تیار ہوں۔“ میں نے خلوص دل سے جواب دیا اور کوئی مذاق کی بات نہیں تھی کیونکہ دوسری

میں ایک لمبا سفر طے کرنا تھا اور آخر کار ہم ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ یہاں ہمیں اس جہاز کا انتظار کرنا تھا

کے ذریعے ہم ہانگ کانگ روانہ ہونا تھا۔ گروہ کے بہت سے افراد ہمیں الوداع کہنے کے لئے موجود

اس کے علاوہ کئی آدمی جو پوری طرح مسلح اور مستعد تھے، ایئر پورٹ لاؤنج کے مختلف حصوں میں ٹھل

تھے۔ پولیس کے افراد بھی آس پاس نظر آرہے تھے لیکن کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ میں

انہی کہ میری تصاویر شائع ہو چکی ہیں لیکن شاید ان لوگوں کو اس بارے میں علم نہیں تھا۔ البتہ جب

لے اس بارے میں ناویہ سے پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”ان سب کی جیسیں گرم کی جا چکی ہیں۔ یہ اپنی بھی زندگی بچانا چاہتے ہیں۔“ بات کچھ دیر تک میری

میں نہیں آئی تھی لیکن پھر میں سمجھ کر مسکرا دی۔ ٹھیک گیارہ بجے ہم لوگ لاؤنج سے نکلے اور

ہارٹ کی طرف بڑھ گئے۔ مزے کی بات یہ تھی کہ میرے ساتھ لائن بھی تھا اور ناویہ بھی تھی اور ہماری

ناٹھیں پاس پاس تھیں۔ ایک انتہائی خوشگوار اور پرسکون سفر طے ہوا اور ہمارا جہاز آخر کار ہانگ کانگ

ایئر پورٹ پر اتر گیا۔ یہاں بھی ہمارے گروہ کے آدمی امیگریشن پر ہمارے منتظر تھے۔ ان میں کوئی مجھے یا

کو نہیں پہچانتا تھا لیکن لائن کو خاص طور سے اسی لئے ساتھ رکھا گیا تھا کہ وہ باقی معاملات کو کنٹرول

سے لائن یہاں کوئی خاص مقام رکھتا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ تیزی سے ہمارے قریب آگئے۔ ان میں سے

ایک دستاویز باشندے تھے اور ایک مقامی تھا۔ بہر حال ان سب نے بڑے اچھے انداز میں ہمارا استقبال کیا۔

اور کے بعد ہم امیگریشن اور کسٹم کے مرحلوں سے گزر کر ایئر پورٹ سے باہر آگئے۔

ہمارے استقبال میں سب سے زیادہ سرگرم شخص نے اپنا تعارف جاگنی داس کے نام سے کرایا تھا۔

جاگی داس نے پارکنگ کی طرح دیکھتے ہوئے کسی کو اشارہ کیا اور اگلے ہی لمحے سیاہ رنگ کی دو لمبی ہمارے پاس آکر رک گئیں۔ کچھ ہی دیر میں ہم مختلف علاقوں سے گزرتے ہوئے ہانگ کانگ کے علاقے وکٹوریہ پہنچ گئے۔ وکٹوریہ میں ایک فائو سٹار ہوٹل میں ہمارے لئے تین کمرے بک کر رہے تھے۔ ہمیں ہوٹل میں پہنچا کر جاگی داس اور اس کے ساتھی واپس چلے گئے۔ جاتے وقت جاگی داس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”میڈم! آپ کچھ دیر آرام کر لیں۔ ایک کار میاں ہوٹل کے پارکنگ لائنج میں موجود رہے لائن اس کار کے ڈرائیور کو پہچانتے ہیں۔ میں نے تمام متعلقہ مجبوروں کو آٹھ بجے طلب کیا ہے۔ وقت تک وہاں پہنچ جائیے گا۔ ہم آپ کے استقبال کے لئے تیار ہوں گے۔“

”شکریہ مسٹر جاگی داس۔“ میں نے کہا اور وہ لوگ چلے گئے تو نادیر مسکراتی نگاہوں سے ہوتے ہوئے بولی۔

”پتا نہیں کیوں مجھے یہ سب کچھ اچھا لگ رہا ہے۔ تم جتنے اعتماد کے ساتھ ان لوگوں سے ٹوڑے ہو، وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ لگ ہی نہیں رہا کہ تم اس فیلڈ میں نووارد ہو۔“ میں نے عجیب سے نادیر کو دیکھا تو وہ آگے بڑھ کر میرے رخسار کو چومتے ہوئے بولی۔

”نہیں جان! بالکل نہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ جو کام کیا جائے اعتماد کے ساتھ کیا جاتا جانتی ہو کہ یہ سب مجبوری ہے۔ میں تمہیں اپنے بارے میں تھوڑی بہت تفصیل بتا چکی ہوں مجبوریوں سے گزر کر میں میاں تک پہنچی ہوں، وہ بھی ذہن میں رکھو۔ میں سمجھتی ہوں کہ صرف ان جاتے ہیں ورنہ واقعات ایک سے ہی ہوتے ہیں، تاہم ہمیں اپنی زندگی پر پورا اختیار ہے۔ ہم اپنا انتظام لے سکتے ہیں۔“

”میں ٹھیک ہوں، تم فکر مت کرو۔“ میں نے جواب دیا۔ مقررہ وقت پر ہم دفتر پہنچ گئے۔ جاگی داس کے علاوہ تنظیم کے کچھ اور ممبر بھی پہلے سے موجود تھے۔ جب ہم دفتر میں داخل ہوئے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جاگی داس نے باری باری ان ممبروں سے ہمارا تعارف کرایا اور پھر ہم بھی قریب ہی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ نادیر ایک طرح سے میرے لئے کوچ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس نے مجھے پیش پیش رکھا تھا۔ بہر حال تقریباً کورم پورا ہو گیا تب جاگی داس اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور اس شستہ انگلش میں کہنا شروع کیا۔

”عزیز ساتھیو! جیسا کہ آپ سب لوگوں کو علم ہے کہ آج میاں ہم اس لئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ ڈیپارٹمنٹ کے ذریعے ہونے والی ایکسپورٹ کا جائزہ لے سکیں۔ میں اپنے معزز مہمانوں کے معاملے کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ جاگی داس تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوا پھر بولا۔

”اب سے چند ماہ پہلے تک ہم ایک مخصوص طریقے کے ذریعے اپنی مصنوعات ہانگ کانگ کی بازار فرم کو سامنے لا کر جاپان، کوریا اور آسٹریلیا میں بھیجا کرتے تھے۔ ہمارا یہ کاروبار سولین ڈالر تک سالانہ تھا لیکن پھر اچانک اس ادارے کے چیئرمین کا انتقال ہو گیا اور اس کی موت کے بعد یہ کاروبار کچھ عرصے

ل ختم ہو گیا۔ بعد میں یہ فرم فروخت ہو گئی اور پرانے لوگ ہمیشہ کے لئے ہانگ کانگ سے چلے گئے۔ فرم کے نئے مالکان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تاکہ نئے سرے سے کاروباری معاہدہ کیا جاسکے مگر میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس دوران مال باقاعدگی سے میاں پہنچتا رہا اور ہمارے اسٹورز میں جمع ہوتا زجب مزید جگہ نہ رہی تو ہم نے ہیڈ کوارٹر سے درخواست کی کہ فی الحال مال نہ بھیجا جائے۔ ادھر آدی فرم کے منیجر سے گفتگو کرتے رہے جس نے بڑی مشکل سے ہمارا کچھ مال جاپان بھجوانے پر ی کا اظہار کیا مگر وہ مقدار ہمارے ٹارگٹ سے بہت کم تھی۔“

”مسٹر جاگی داس! آپ نے ان فرموں سے رابطہ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی جو جاپان اور کوریا مال وصول کرتی ہیں؟“ میں نے پوچھا اور نادیر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جاگی داس جلدی

کوشش کی تھی لیکن آپ جانتی ہیں میڈم کہ کوئی بھی فرم کسی اجنبی کے سامنے یہ اعتراف نہیں کہ وہ ڈرگز کے کاروبار میں ملوث ہے۔ ہماری یہ کوششیں ناکام رہیں۔ جاپان، کوریا اور آسٹریلیا کی وہ جو انٹرنی کی وساطت سے ہمارا مال خریدتی تھیں ان کے بارے میں صرف اس فرم کے چیئرمین کو پایا اس کے منیجر کو۔“

”لیکن اب آپ یہ بتائیے کہ وہ منیجر ہماری مصنوعات کو پہلے کی طرح برآمد کرنے پر کیوں آمادہ نہیں ”لاچ اور صرف لاچ۔ منیجر جانتا ہے کہ ہم فرم کے نئے مالک سے رابطہ قائم نہیں کر سکتے لہذا وہ ہم نال کر ہماری مصنوعات کم داموں پر خریدنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس سلسلے میں اس نے فیصلہ کیا اگر کچھ عرصے تک مال برآمد نہ کرنے میں کوئی نقصان اٹھانا پڑے تو کوئی ہرج نہیں۔“

”اور منیجر فرم کے نئے مالک کے بارے میں کیا کہتا ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”اس کا کہنا ہے کہ فرم کے نئے مالک ہے ابھی اس کی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ صرف ٹیلی فون پر بات بات ہوئی ہے۔“

”کیا آپ نے منیجر سے فرم کے مالک کا نام اور فون نمبر معلوم کرنے کی کوشش کی ہے؟“

”جی“ وہ کہتا ہے کہ فرم کے نئے مالک نے خود اس کو یہ ہدایت کر دی ہے کہ اس کا نام وغیرہ کسی کو جانے۔ ہم نے فرم کے کچھ ملازموں سے بھی یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس کے دور انہوں سے بھی رابطہ قائم کیا لیکن کوئی کامیابی نہیں ہو سکی۔“

”تذ۔ آپ کی آخری ملاقات اس منیجر سے کب ہوئی تھی؟“ اس نے سوال کیا۔

”تقریباً تین ہفتے پہلے۔ اس ملاقات میں منیجر نے ہمیں اپنی ڈرگز کی قیمت گھٹانے کے لئے کہا تھا اور باتھا کہ وہ بہت جلد ہمیں خوش خبری سنائے گا۔ ہم ایک ہفتے کے بعد اس سے ملاقات کرنے والے تھے مگر وہ ہمارے ہاتھ نہیں لگ سکا۔“

”ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں اس سے فوری ملاقات کرنی چاہئے۔ ہم نئے سرے سے اس سے

”گفتگو کریں گے۔“

”لیکن میڈم۔“

”پلیز مسٹر جاگی داس! آپ مال کے کچھ نمونے تیار رکھیں۔ ویسے فرم کے منیجر کا نام کیا ہے؟“

”کن کاک۔“ اس نے جواب دیا، پھر جلدی سے بولا۔ ”کیا آپ تھاملاقات کریں گی؟“

”نہیں۔ آپ ہمارے ساتھ ہوں گے اور اس میں ہمارا وفد جائے گا۔ جس میں مسٹر لالہ“

ناویہ بھی شامل ہوں گی۔“ میں نے کہا اور ناویہ بدستور مسکراتی رہی۔ جاگی داس نے گردن خم کر

کہا۔

”یہ بہت اچھی بات ہے کہ ان ذمے داریوں کو بہت عہدگی کے ساتھ کسی اور کے شانے

دیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں، کچھ ذہن مل کر بہتر فیصلہ کر سکیں گے۔“ بہر حال اس کے بعد مختلف امور

ہوتی رہیں اور رات گئے تک یہ اجلاس جاری رہا۔ میں نے پوری دلچسپی کے ساتھ جاگی داس اور

لوگوں سے سوالات کئے تھے اور آخر کار یہ اجلاس ختم ہو گیا تھا، تب ہم وہاں سے باہر نکل آئے اور

دیر بعد واپس ہوئے۔ لائن کو چند ضروری امور سونپے گئے تھے۔ چنانچہ وہ کسی کام سے نکل

کنے لگی۔

”تم نے ہانگ کانگ تو نہیں دیکھا ہوگا؟“ میں ہنس پڑی۔

”یہ سوال میرے لئے بیکار ہے۔“

”نہیں بلکہ یہ سوال تمہید ہے۔ آؤ اب آزاد ہو کر ہانگ کانگ کی سیر کرتے ہیں۔“ دو خانہ

کانگ جیسے شہر میں گھومنا پھرنا بس اپنی ہی دلچسپی کی بات تھی ورنہ ہانگ کانگ کی دوسری دلچسپیوں۔

میں تو بہت سی باتیں سنی جاتی ہیں۔ پھر بھی ہم شہر کی سیر میں مصروف رہے اور آدھی رات کے

آگے بے شک تھکن ہو گئی تھی لیکن نیند نہیں آرہی تھی۔ ناویہ میرے ہی کمرے میں آگئی اور اس

”اگر ہم دونوں ساتھ ہی کمرے میں رہیں تو کوئی حرج ہے؟“

”حرج نہیں بلکہ ضروری ہے۔“

”حالانکہ میرا کمرہ تو الگ ہی ہے۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”ویسے ایک بات کہوں۔ یقین کرو“ میں یہ سوچ رہی تھی کہ تمہیں نظر نہ لگ جائے۔ جو

ہو اور جس انداز سے کر رہی ہو اس سے یہ احساس ہوتا ہے جیسے عرصے سے اس گروہ کی رکن ہو

میں کام کر رہی ہو۔ کتنے اعتماد سے تم نے ساری گفتگو کی ہے اور ان لوگوں کو پوری طرح متاثر

اصل میں بات صرف اتنی سی نہیں رہ جاتی، میں نے تمہیں اس گروہ کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ بہ

اعزاز کی بات ہے کہ گروہ کا سربراہ کے کہ ناویہ! تم نے ایک بہت ہی شاندار ممبر کا انتخاب کیا ہے اور

نے جاگی داس سے اور باقی لوگوں سے جس طرح گفتگو کی ہے میں سمجھتی ہوں کہ وہ ایک بھرپور

اور میرے لئے بے حد خوشی کا باعث۔“ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی تو ناویہ نے میری گردن پر

کہا۔

”ایک وقت میں صرف ایک کام۔ جو کچھ کر رہی ہو وہ حالات کی تحقیق ہے اور حالات جو کچھ تخلیق

ہیں، بعد میں انہی کا سامنا کرنا ہوتا ہے اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گی اور یہ بھی چاہوں گی کہ

باؤسری اور پرسکون نیند کہ کل ہم اپنے جس نئے عمل کا آغاز کریں اس میں پوری طرح ہمیں، طاقت

مل ہو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی پھر واقعی نیند کے آنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

☆=====☆=====☆

شعر و شاعری یا جذباتی باتوں سے میرا کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ زندگی محترمہ ثانی صاحبہ نے اس

میں اور دشوار بنا دی تھی کہ لطافت کا کوئی گزر ہی نہیں تھا اور شاید تقدیر بھی مجھے لطیف جذبات میں

نہیں چاہتی تھی۔ اگر منفی انداز میں سوچا جائے تو یہ میری ہی بد نصیبی تھی کہ ایک خوبصورت سی لڑکی

وانیت سے اتنی دور ہٹ جانا پڑا تھا کہ نسوانیت کا تصور ہی ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ اور اگر اس کو مثبت

میں دیکھا جائے تو پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ قدرت جو ذمے داری میرے شانوں پر رکھنا چاہتی تھی، اس

لے اس نے مجھے مضبوط جسم اور سفاک دل بخش دیا تھا۔

بہر حال شعر و شاعری کی بات ہو رہی تھی یا پھر خوب صورت الفاظ کی، اصل میں یہ کہنا چاہتی ہوں میں

انسان ہر صبح پیدا ہوتا ہے۔ زندگی اور اپنے اطراف سے پوری طرح آشنا ہونے کے باوجود جب ایک

اور پرسکون نیند لے کر اس کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ بہت سی چیزوں سے بے خبر ہوتا ہے اور آنکھ کھولنے

پہلے سرے سے اس دنیا کو دیکھتا ہے۔ تب کہیں گزرا ہوا ماضی یا گزرنے والا حال اس کے ذہن میں

ہے اور پھر وہ وقت کے مطابق سوچتا ہے۔ پوری رات کی پرسکون نیند لینے کے بعد صبح کو جب میری آنکھ

تو کچھ لمحوں تک میں نے قرب و جوار کے ماحول سے صورت حال کا اندازہ لگایا اور جب میں نے اپنی

ت کی تو دل چاہا کہ فوراً اٹھ کر بیٹھ جاؤں۔ بچپن، معصومیت، گھر، کبھی ذہن و دل سے دور نہیں ہوتے۔

کچھ مشاغل تھے جو بہر حال اب میرے لئے قصہ پارینہ بن چکے تھے۔ اب تو میں ایک گروہ کی رکن

بن چکی ہے کہ بڑا تعجب ہوتا تھا۔ بڑی حیرت ہوئی تھی، بڑی پریشانی ہوئی تھی۔ کہاں میں اور کہاں

ت کی تجارت۔ لیکن حقیقت تو یہی تھی کہ اب میں ایک زبردست اسمگلر کی حیثیت اختیار کر چکی

اور مجھے بہر حال منشیات اس گروہ میں شامل ہو کر نمایاں کارنامے سرانجام دینے تھے۔ البتہ ناویہ کی اس

سے میں پوری طرح اتفاق رکھتی تھی کہ اچانک مضبوط قوت حاصل کرنے کے بعد میں اپنے ماں باپ کی

ماں آسانیاں حاصل کر سکتی ہوں۔ آج کے پروگرام میں اس کمپنی کے منیجر کن کوک سے ملاقات کرنا

تھا۔ اس گروہ کی منشیات خرید کر باہر کی دنیا کو سپلائی کرتا تھا مگر پچھلے دنوں کچھ مسائل سامنے آگئے

۔ کیا ہی دلچسپ بات تھی کہ ایک نئی ممبر ہونے کے باوجود مجھے اس گروہ کے مسائل میں شامل ہونا تھا۔

میں بہتر پڑی اپنے آپ پر ہنستی رہی اور پھر اس وقت چوکی، جب ناویہ کی آواز سنائی دی۔

”محترمہ نوج رہے ہیں۔ چوہوں سے اب پیٹ میں دوڑا بھی نہیں جا رہا۔ اٹھئے، ناشتا کر لیں، چوبے

اور ہو چکے ہیں۔“ میں مسکرا دی اور اس کے بعد اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد میں ناویہ

کے ساتھ ناشتے کی میز پر تھی۔ اس وقت ناشتے کی میز پر میرے اور نادیا کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے نادیا سے کہا۔

”ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے نادیا کہ میں اپنے بارے میں سوچ کر خود اپنے اوپر ہنس رہی ہوں۔“

”دیکھو ڈیر! میں تمہیں ایک بات بتا دوں، کبھی کبھی مجھے شرمندگی ہونے لگتی ہے یہ سوچ کر کہ میرے کنبے سے تم وہ سب کچھ کرتی رہی ہو جو تمہارے مزاج کے بالکل خلاف ہے لیکن ایک بار میں آخری بار یہ قسم کھاتی ہوں کہ یہ سب کچھ میں نے صرف اور صرف تمہارے لئے کیا ہے۔ میں دیکھ لیا تھا کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ تمہیں تحفظ دلانے کے لئے کوئی ایسا ٹھوس اثاثہ۔ کچھ ایسے لوگوں کا انتخاب کروں جو صحیح معنوں میں تمہاری مدد کر سکیں اور مجھے اس سے باز اور کوئی نظر نہیں آیا۔ پلیز! میں نے خود اپنے سارے جواز جلا دیئے ہیں اور یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ تم مفاد کے لئے زندہ رہو گی۔ بس مجھے یہ احساس نہ دلاؤ کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی۔ سمجھیں؟“

”خدا کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہے نادیا! بلاشبہ تم اس وقت اس کائنات میں میری سب سے دوست، سب سے اچھی ساتھی ہو۔ میں تو بس ایسے ہی یہ بات کہہ رہی تھی، بلکہ خود ہنس رہی تھی کہ بھلا مجھے کیا ضرورت تھی ایسے کسی گروہ میں شامل ہونے کی۔“

”میں بھی یہ بات جانتی ہوں اور اس پر غور کر چکی ہوں۔“ ہم دونوں یہی باتیں کر رہے تھے کہ واپس آگیا اور اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”بھئی! وہ بڑے اچھے موقع پر پہنچا ہوں میں۔ چائے کی ایک پیالی میں تمہارے ساتھ بیوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ آئیے بیٹھے مسٹر جاگی داس۔“ نادیا نے کہا اور پھر ہم نے موضوع بدل دیا اور اس کے بعد آج کے پروگرام کے بارے میں غور کرتے رہے۔ جاگی داس کو میرے ساتھ جانا تھا چنانچہ مقررہ ہم تیار ہو کر دفتر روانہ ہو گئے اور پھر وہاں سے ہم اس فرم کے دفتر کی جانب چل پڑے جس سے ہمیں قائم کرنا تھا۔ ایک گیارہ منزلہ عمارت کے سامنے کار رکی۔ اس کے زیر زمین بڑے بڑے گودام بنے تھے، جب کہ بالائی منزلوں پر مختلف شعبوں کے دفاتر بنے ہوئے تھے۔ آنے سے پہلے فرم کے ملاقات کا وقت لے لیا تھا اس لئے جب ہم اٹھویں منزل پر اس کے دفتر میں پہنچے تو فیجر ہمارا منتظر تھا نے فوراً ہی ہمیں اپنے آفس میں طلب کر لیا۔ وہ ایک ساتویں رنگت کا ادیب عمر آدمی تھا جس کا قد چھ جسم بھاری تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ایک عجیب سی عیاری جھلکتی تھی۔ ہم کمرے میں ہوئے تو اس نے کھڑے ہو کر ہمیں خوش آمدید کہا اور سامنے والی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ”بڑی شدت سے میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہا تھا مسٹر جاگی داس، بہت دنوں بعد آئے آپ۔“

”سوری مسٹر کن کوک! ہمیں تھوڑی دیر ہو گئی لیکن آپ کو یاد ہو گا کہ اس دیر کی کچھ وجوہات تھیں۔“

”ہاں، یقینی طور پر ہر بات کی کچھ نہ کچھ وجوہات ہوتی ہیں لیکن آپ کن وجوہات کا تذکرہ کر رہے ہیں؟“

”آپ نے قیمتوں پر نظر ثانی کے لئے کہا تھا۔ یہ بات میرے اختیار میں نہیں تھی لہذا میں نے اپنے رے رابطہ قائم کیا اور ہیڈ کوارٹر سے مجھے یہ حکم ملا کہ آپ فی الحال اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہ کریں۔ اسے ایک نمائندہ کو بھیج رہے ہیں اور یہ نمائندہ ہیڈ کوارٹر سے ہدایت لے کر آئے گا۔ آپ ان سے ملنے۔ یہ آپ سے اس موضوع پر بات کریں گی۔ یہ کل ہی ہیڈ کوارٹر سے یہاں پہنچی ہیں اور اب ان کا ردیاری گفتگو انہی کی ذمہ داری ہے۔“ ان الفاظ پر پست قامت فیجر نے اپنی ریو الویک چیز کو ہاتھ لیا اور میرے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں۔ اس کی آنکھوں سے شک اور بے یقینی جھلک رہی تھی۔

”آپ سے مل کر خوشی ہوئی مس یا مسز یا میڈم۔“ اس نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تو میں نے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”نور۔“

”خوب۔ آپ کا چھوٹا سا نام بہت خوبصورت ہے لیکن کیا ایک سوال کر سکتا ہوں۔“

”آپ اس آرگنائزیشن میں کس عہدے پر فائز ہیں؟“ میں نے محسوس کیا کہ اس کے انداز میں کچھ ہے لیکن میں نے اسے فوراً نظر انداز کر کے کہا۔

”میں سینئر ایکسپورٹ آفیسر ہوں۔“ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”سینئر تو آپ کہیں سے نہیں ہیں۔“ کن کوک نے گہری حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا پھر خود ہی کہہ دیا۔ ”خیر! اتنی غیر معمولی بات بھی نہیں ہے۔ بہر حال میڈم آپ سے مل کر بے حد خوش ہوئی۔“

”لوہر آپ کو مکمل طور پر بریف کر کے یہاں بھیجا گیا ہو گا تو آپ نے یقیناً کوئی فیصلہ بھی کر لیا ہو گا۔“

”بلاشبہ میں اسی مقصد کے تحت آئی ہوں۔ فرم کے نزدیک آپ کا ایک مقام ہے مسٹر کوک۔ آپ در ہمارے کاروباری روابط سے نہیں ہیں۔ اسی لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ آپ کو ہم فرم کے فیصلے سے آگاہ کیا جائے۔ ہم نے آپ کی تجویز پر بہت غور کیا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ فی الحال قیمت میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ اس بات کا امکان ہے کہ کچھ عرصے کے بعد ہمیں اپنی قیمتوں میں کچھ اضافے کرنے پڑیں۔“

”کن کوک کا منہ حیرت سے کھل گیا پھر اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات نظر آئے۔ اس کے نقوش بے ہو گئے اور اس نے کسی قدر چیختی ہوئی آواز میں کہا۔

”اضافہ۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کو اس سودے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ کو شاید معلوم ہے کہ کچھ اور فرمیں ہمیں یہی مال آپ سے آدمی قیمت پر دینے کو تیار ہیں اور ان کی کوالٹی بھی آپ سے کم نہیں ہے۔“

”بات اصل میں یہ ہے مسٹر کوک کہ ہم یہ کاروبار صرف آپ کی فرم سے نہیں کر رہے ہیں بلکہ دنیا بھر کا کاروبار اعلیٰ پیمانے پر جاری ہے اور ہم جانتے ہیں کہ کون کون سی فرم کس کوالٹی کا مال فراہم

کر رہی ہیں اور کس قیمت پر؟

”گویا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ میں آپ کا خدشات دکھائے دیتا ہوں اور اس کے علاوہ نمونے بھی جو ان فرموں نے مجھے بھیجے ہیں۔ بہر حال اُچھے، سوچ لیجئے۔“

”آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں بالکل درست کہہ رہے ہوں گے۔ اس دوران ہمیں بھی کچھ بڑے آرڈر ملے ہیں لیکن ہم فی الحال ان کی ضرورت پوری نہیں کر پا رہے ہیں۔ ہم نے انہیں دیا ہے کہ ہم اپنی ایک سینئر پارٹی کو مال سلائی کر رہے ہیں۔ اگر آپ ہمیں اس سے زیادہ اچھی آفر دے تو ہم سینئر پارٹی سے بات کئے لیتے ہیں اور اس کے بعد فیصلہ کیا جائے گا۔“

”جیسا آپ پسند کریں۔ یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں ہے۔“ کن کوک نے بے پروائی سے کہا؟ اندازہ لگا چکی تھی کہ میری بات سننے ہی اس کے چہرے پر تاریکیاں پھیل گئی تھیں۔ اس کا اظہار ہاتھوں کی جنبش سے بھی ہو رہا تھا۔ پھر میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”آپ کا بے حد شکریہ۔ میں سمجھتی ہوں کہ ہم نے اپنے فرائض پورے کر لئے ہیں اب آپ اجازت دیجئے۔ ہم نے آپ کا بہت وقت لیا۔“ یہ کہہ کر میں کرسی سے اٹھی اور جاگی داس بھی اٹھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت کن کوک نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”اوہو۔ آپ تشریف تو رکھیں۔ آپ بہت جلد بازی سے کام لے رہی ہیں، میڈم نور! لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ آپ کی عمر کا تقاضا ہے۔ آپ بیٹھے پلیز۔“

”میں بیٹھ جاتی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارے درمیان گفتگو ختم ہو چکی ہے۔“ وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی تو وہ چند لمحے سر جھکائے کچھ سوچتا رہا لمبے میں بولا۔

”دیکھئے براہِ مانے میری بات کا۔ میں جانتا ہوں کہ کہنی نے آپ کو بے مقصد اس کام کے لئے نہیں کیا ہوگا لیکن نوجوانی اور نا تجربہ کاری لبض اوقات بڑے نقصان پہنچاتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑا سوال اور ایسے سوئے اتنی جلد بازی میں منظور یا مسترد نہیں کئے جاتے۔ میں نے جو پیشکش کی تھی ان پچیس ہزار ڈالر کے اضافے کی اور تجویز پیش کرتا ہوں۔“

”سوری! یہ بہت کم ہے مشرکوک۔ میں زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار ڈالر کی رعایت کرا سکتی ہوں۔ اس حساب سے سودا کر لیں۔“

”نہیں! یہ ناممکن ہے۔“

”آپ دیکھ لیجئے۔ میں سمجھتی ہوں کہ آپ کو اپنے چیزمین سے رابطہ قائم کر لینا چاہئے۔“

”یقیناً مجھے کیا کرنا ہے؟ میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے چیزمین اس اضافے پر بھی نہیں ہوں گے۔“

”ایک سوال کر سکتی ہوں آپ سے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ماضی میں ہمارے سوئے براہِ راست فرم

سے مل کر ملے کئے جاتے تھے لیکن اب آپ نے ہمارے اور ان کے درمیان فاصلے پیدا کر دیئے ہیں۔ ہمیں فرم کے نئے مالک سے ملوادیں تو ہم ان سے گفتگو کر لیتے ہیں۔ اس کے عوض ہم آپ کو علیحدہ دفعہ کمیشن دینے کو تیار ہیں۔“

”میں یہ بات پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔“ کوک فیصلہ کن لمبے بولا۔

”تو پھر ٹھیک ہے اگر ہم کسی اور ذریعے سے ان سے رابطہ کر لیں اور براہِ راست انہی سے معاملات کر لیں تو آپ کو اس بات پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔“

”پلیز۔ آپ ایسی کوششیں نہ کیجئے گا۔ اس سے..... اس سے الٹا آپ کو نقصان ہوگا۔ ہمارے نئے

رہن ایسا کوئی کاروباری معاملہ کرنے کو تیار نہیں ہوں گے جو قانون کی زد میں آتا ہو۔“ کن کوک کی آواز مڑانے لگی۔

”لیکن ابھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ آپ اپنے چیزمین سے بات کر لیں گے۔“ میں نے چہچہتے لمبے میں

”وہ تو میں نے دوسری فرم کے ڈائریکٹر کے بارے میں کہا تھا۔“ کن کوک بری طرح گڑبڑا گیا تھا۔

”دوسری فرم“ معاف کیجئے گا ہم تو اسی فرم سے رابطہ قائم کرنے کی بات کر رہے تھے۔ کسی دوسری

فرم کا آپ سے یا ہم سے کیا تعلق ہے؟“ میں نے کہا جاگی داس بشکل تمام اپنی مسکراہٹ روکے ہوئے

”آپ دراصل میری بات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ وہ دوسری فرم بھی ہماری ایک ذیلی تنظیم ہے۔“

”تو آپ ہمیں اس ذیلی تنظیم کا نام اور اس کے ڈائریکٹر کا پتا بتادیں۔ ہم آپ کا کمیشن تین فیصد

کر سکتے ہیں۔“

”سوری۔ سوری۔ سوری۔ اس ڈائریکٹر کا نام اور پتا آپ کے لئے بالکل بے مقصد ثابت ہوگا“ اسے

اس کاروبار کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔ اسے صرف پیسے سے دلچسپی ہے۔ باقی سارے کام میں ہی

کرتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے“ پھر یہ آپ کے اندرونی معاملات ہیں۔ آپ جس طرح بھی پسند کریں اپنے ڈائریکٹر سے

بات کر لیجئے۔ ہماری قیمت وہی ہوگی جو ہم نے آپ کو بتادی ہے۔“

”میں ایک بار پھر چاہوں گا کہ آپ اس پر نظر ثانی کر لیجئے۔ میری آخری پیشکش تیس ہزار ڈالر

ہے۔“

”بہت بہتر۔ ہم مشورہ کر کے آپ کو اطلاع دے دیں گے۔“

”میں اس کا انتظار کروں گا لیکن آپ براہِ کرم مجھے وقت دے دیجئے۔ کب تک آپ یہ کام کر سکتی

ہوں؟“

”یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔“

ادری تفصیل اسے بتادی۔ نادبہ ہنستے ہوئے بولی۔

”ایک بات بہر طور میں اچھی طرح جانتی ہوں تم کچھ بھی کہو جس راستے پر تمہیں ڈال دیا گیا ہے“
”میں وہی باتیں ہو سکتی تھیں۔ اگر تم صرف ان لوگوں کے خلاف اپنے آپ کو محدود کر دیتیں تو بلاشبہ
انتہائی خوفناک قاتل کی حیثیت سے منظر عام پر آتیں۔ تمہاری ذہنی رو دوسری جانب مڑ گئی ہے۔ میں
ہوں اس کے نتیجے میں تم اس گروپ کے لئے ایک بہترین کارکن بن جاؤ گی۔ تمہارے خیال میں منیجر
تمہاری گفتگو کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں؟“

”ایک بات بالکل آخری اور یقینی ہے۔ وہ یہ کہ منیجر ہی میں گھپلا کر رہا ہے۔ فرم کے سابق مالک یا
وہ مالک کو ذیل کر اس کر کے وہ اپنی جیب بھرنا چاہتا ہے۔ ہم جس طرح بھی ممکن ہو سکے فرم کے اصل
سے رابطہ قائم کریں تو ہمارے لئے کارآمد ہو سکتا ہے اس کے علاوہ فرم کے اصل مالک سے معلومات
ما کرنے کے لئے منیجر کی گفتگو کہیں نہ کہیں سے ریکارڈ کر سکیں۔“

”اوہو کیا واقعی؟“ نادبہ نے پرجوش لہجے میں کہا۔

”اب ڈارلنگ اگر تم نے مجھے اس لائن پر لگائی دیا ہے اور تمہارا خیال ہے کہ میں منشیات کی
دست اسٹور بن سکتی ہوں تو پھر میری چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور بھی کر لیا کرو۔“
”بالکل بالکل۔ تم بالکل فکر مت کرو میں یہاں ایسے لوگوں سے رابطہ رکھتی ہوں جو اس طرح کے
آسانی سے کر سکیں۔“

”تو پھر تم میرے لئے بندوبست کرو۔“ نادبہ نے اس بات کے نئے ہانی بھری تھی اور پھر اس نے
بے انتظامات کئے۔ شام کے وقت تمام کام مکمل ہو چکا تھا اور وہ آدمی بھی موجود تھا جسے وہ آلات کن
ل کے دفتر میں فٹ کرنا تھے۔ اس کا انتظام جاگی داس نے کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ہماری معاوضے پر
کام کے لئے آمادہ ہوا ہے۔ بہر حال یہ سارا انتظام ہو گیا تھا اور اس کے بعد ایک آدمی کو اس کام پر مامور
دیا گیا کہ وہ اس پر ہونے والی تمام گفتگو بڑی احتیاط کے ساتھ ریکارڈ کرتا رہے اور مجھے اس کی رپورٹ
ما کرے۔ بہر حال یہ ہماری آج کی کارروائی تھی۔ پھر میں اور نادبہ شہر گردی کرنے نکل گئے۔

ہماری واپسی رات گئے تک ہوئی تھی۔ واپس آتے ہی میں نے اس شخص سے رابطہ کیا جو کن کوک
دفتر کی ریکارڈنگ کر رہا تھا۔ بہت سی فون کالیں اور کن کوک کی کاروباری گفتگو کا ریکارڈ ہمیں سنایا گیا
رپورٹات کو پونے ایک بجے کے قریب ایک شخص ہمیں وہ کیسٹ اور شیپ ریکارڈر دے گیا جو ڈائٹو فون
سے ریکارڈ کئے گئے تھے۔ یہ خاص قسم کے کیسٹ اور خاص قسم کا شیپ ریکارڈر تھا۔ یہ کیسٹ چلا کر سننے
سے بہت سی ایسی باتیں تھیں جو اس فرم سے متعلق تھیں اور ہمیں ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ چنانچہ
گفتگو سن کر مسترد کر دی گئی البتہ ایک گفتگو ذرا دلچسپ تھی۔ اس میں جاپان اور کوریا کے دو آدمیوں سے
گفتگو کی گئی تھی اور کن کوک نے ان دونوں کو یہ بتایا تھا کہ وہ اعلیٰ درجے کی منشیات بھاری مقدار میں
پلائی کر سکتا ہے اگر وہ چاہیں تو اس سے رابطہ قائم کریں۔ یہ گفتگو بے شک کاروباری تھی لیکن کوئی اور
مسلحہ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ البتہ دوسرے دن دہپہ کو ایک اور کال ہمیں سنائی گئی جس نے ہمیں ایک دم

”وہ سب ٹھیک ہے لیکن آپ اس سلسلے میں معلومات حاصل کر کے مجھ سے رابطہ قائم کئے بغیر
اور پارٹی سے سودا نہ کریں۔“

”ٹھیک ہے یہی کوشش ہم نے اب بھی کی ہے کہ سودا آپ کی فرم سے ہو جائے۔ اچھا۔“ ہم
بار اپنی کرسی سے اٹھ اٹھے اور پھر ہم کمرے سے باہر آگئے۔ کچھ دیر کے بعد ہم واپس دفتر جا رہے
جاگی داس گہری سوچ میں تھا۔ اس نے کہا۔

”کیا کہتی ہیں آپ میڈم نور! کیا ہمیں اس ریٹ پر سودا ملے کر لینا ہو گا؟“

”آپ فکر نہ کریں۔ ہم ایک ڈالر کا بھی نقصان نہیں ہونے دیں گے۔“

”میڈم اصل میں معافی چاہتا ہوں۔ میں صرف اس بات پر ذرا سا الجھا تھا کہ آپ نے انہیں پانچ
ڈالر کی کی پیشکش کر دی تھی۔“

”ہاں۔ بے شک لیکن آپ اس سلسلے میں فکر نہ کریں۔ یہ میں نے ایک منصوبے کے تحت کی ہے۔
”منصوبہ!“

”ہاں۔ میرا خیال ہے اس سے بھی مسئلہ حل کیا جاسکتا ہے۔“

”اس منصوبے پر ہمیں کچھ خرچ کرنا پڑے گا۔“

”میرا خیال ہے بہت معمولی سی رقم۔“

”کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گی کہ آپ کا منصوبہ کیا ہے؟“

”پلیز۔ بہت ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں فوراً بتانا ضروری نہیں ہوتا۔“

”ٹھیک ہے۔ جیسا آپ پسند کریں۔“ جاگی داس نے پرخیاں انداز میں کہا اور پھر کسی گہری سوچ میں
ڈوب گیا۔ میں نے اس کو دیکھا اور کچھ دیر تک سوچنے کے بعد بولی۔

”آپ خاصے الجھ گئے ہیں؟“

”نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اس منصوبے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔“

”اصل میں میں تھوڑا سا کام کرنا چاہتی ہوں، ہم اپنے کچھ ایسے آدمیوں کو تلاش کریں گے جو اس
منیجر کے کمرے میں کچھ آلات فٹ کر سکیں۔ جس سے ہمیں اس کی سرگرمیوں کا علم ہو سکے کہ وہ کیا کرتا ہے
کس کس سے بات کرتا ہے اور ان کا کیا چیز میں کون ہے؟“

”ٹھیک ہے“ آپ جیسا پسند کریں۔“ جاگی داس میری تجویز پر کچھ الجھا الجھا سا نظر آرہا تھا لیکن میں
اپنے طور پر مطمئن تھی۔ واپس پہنچی تو نادبہ نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔ جاگی داس پاس موجود
تھا۔ نادبہ نے پہلے چند سوالات جاگی داس سے کئے تو وہ مسکرا کر بولا۔

”میں سمجھتا ہوں میڈم کہ آپ نے گروپ کے لئے ایک بہت ہی عمدہ شخصیت منتخب کی ہے۔ میں
اپنی رپورٹ میں میڈم نور اور فرم کے منیجر سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل درج کروں گا اور میں سمجھتا ہوں
کہ ان کے فائل میں گولڈن بیج لگ جائے گا۔“ نادبہ نے محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور ہنستے ہوئے
گردن ہلا دی۔ پھر جب جاگی داس چلا گیا تو وہ مجھ سے آج کی اس میٹنگ کی کارروائی معلوم کرنے لگی۔ میں

مستعمل کر دیا۔ یہ ایک بھاری آواز والی کال تھی اور اسے غالباً کسی خاص طریقے سے ریکارڈ کیا گیا تھا۔ پہلی آواز جو سنائی دی وہ یوں تھی۔

”ہاں! کیا ہو رہا ہے آج کل۔ سیکنڈ پوزیشن بالکل خالی ہے۔“

”سرا! وہ جلد ہی دوبارہ جاری ہونے والی ہے۔ بس ادائیگی کا مسئلہ درمیان میں ہے۔“

”مجھے فوری طور پر مال چاہئے۔ تمہیں پوری دلچسپی کے ساتھ اسے مہیا کرنا ہے۔ مجھے چتا چلا ہے۔ ایک اچھے منیجر ہو اور اس سلسلے میں بہترین کارروائی کرتے رہے ہو۔ تم جانتے ہو ہمارا وائٹ سیکٹر وقت بالکل خالی جا رہا ہے۔ بین الاقوامی ایکسپورٹ اور امپورٹ بالکل منقطع پڑا ہوا ہے۔ یہی ایک سیکٹر جو ہمیں اپنی سادہ بحال رکھنے میں مدد دیتا ہے۔“

”سرا! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ وہ لوگ ذرا قیمت زیادہ مانگ رہے ہیں۔“

”ادہو۔ تھوڑا بہت اونچا نیچا کر کے آپ فوری طور پر کام کریں۔ میں آپ کو رقم بھجوا رہا ہوں۔“

”ٹھیک ہے سر۔ آپ اطمینان رکھیں گے۔“ اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا تھا لیکن میرا جھنجھٹا رہا تھا۔ میرے حواس پر جیسے بجلی سی گر پڑی تھی۔ میں اس آواز پر غور کر رہی تھی اور اپنے ذہن بہت سے ماضی کے خیالات تازہ کر رہی تھی۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ کیا یہ صرف میرا وہم ہے۔ کیا یہ ممکن اور میرے ذہن نے جواب دیا کہ یہ بالکل ممکن ہے۔ میرے پاس آواز کا ٹیپ موجود تھا۔ یہ تمام گفتگو نے بھی سنی تھی اور وہ اپنے طور پر سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر اس نے اچانک میری طرف دیکھ کر کہا۔

”میں سمجھتی ہوں شاہ نور کہ.....“ یہ جملے ادا کر کے وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ اس نے بے چہرے کے تاثرات سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ میں کسی بہت بڑی مشکل کا شکار ہوں۔ تب وہ بولی۔

”نور! کیا بات ہے؟ یہ گفتگو کیا تمہارے لئے غیر متوقع ہے یا کسی خاص تاثر کی حامل؟“ میں آنکھیں کھول کر نادیدہ کو دیکھا تو وہ بولی۔

”غالباً میرا خیال ہے کہ تم اس بارے میں بہت غور کر رہی ہو۔ میرا بھی یہی اندازہ ہے کہ یہ جس کا نام کن کوک ہے بہت ہی اونچی قسم کا فراڈ ہے۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو بات ہمارے ہی بار میں ہو رہی تھی اور یہ یقینی طور پر اس فرم کے نئے مالک کی آواز تھی۔“

”نیا مالک!“ میں نے سحر زدہ لہجے میں کہا اور نادیدہ مجھے دیکھنے لگی۔

”کیوں! کیا تمہارے خیال میں یہ نہیں ہو سکتا۔“

”ہو سکتا ہے۔ بالکل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ لوگ.....“ میں نے کہا اور جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ بے چینی سے بولی۔

”کیا بات ہے بھی، کچھ بتاؤ تو سہی۔“

”نادیدہ! یہ آواز سو فیصدی۔ سو فیصدی عظمت جلال کی تھی۔ خادر جلال ختم ہو چکا ہے۔ عزت جلا اور عظمت جلال کی دو افراہ باتیں ہیں اور میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ آواز عظمت جلال کی ہے۔“

”عظمت جلال۔“ نادیدہ سرسراہتی آواز میں بولی اور پھر بری طرح اچھل پڑی۔

”ادہو میرے خدا۔ میرے خدا! تمہارا مطلب ہے کہ..... کہ..... کہ ارے باپ رے۔“

یہ ہو سکتا ہے یہ۔ میں تمہیں ان لوگوں کے بارے میں یہ بات تو بتا چکی ہوں بلکہ تمہیں شاید خود بھی بے میں تفصیلات معلوم ہوں کہ وہ لوگ سو فیصدی جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ بڑے بڑے گروہوں سے لائن ہیں۔ وہ دولت حاصل کرنے کے لئے چاروں طرف اپنے ہاتھ پاؤں پھیلائے ہوئے ہیں۔ ممکن رقم کے سبب مالک کے ختم ہونے کے بعد یہ شخص اس فرم کا نیا مالک ہو۔“

”سو فیصدی ہو سکتا ہے۔ بالکل ہو سکتا ہے۔ آہ! میرے خدا۔ اس کا مطلب ہے کہ تقدیر میرے لئے استوں کا انتخاب کر رہی ہے۔ ایسا ہی ہے، ایسا ہی ہے۔ لیکن نادیدہ ایک بات بڑی غلط ہو گئی۔“

”کیا؟“

”اس وقت ہماری مکمل کوشش یہی تھی کہ ہم فرم کے نئے مالک کو تلاش کر کے اسے اپنے مقصد کے متعلق کریں اور اس سے براہ راست ذیل کریں، اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو کم از کم میں تو اس کے سامنے جاسکتی البتہ اسے ہمارے جال میں پھنسا چاہئے۔“ نادیدہ ابھی بھی اس انکشاف پر حیران تھی لیکن آہستہ آہستہ وہ حیرانی کے اس حملے سے نکلتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

”اگر ایسی بات ہے تو مائی ڈیر تم ہی اس سے ملو گی۔ تم اس سے ذیل کرو گی۔ ارے واہ! ہمیں تو ایک ہی اچھا موقع ملا ہے اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ کم از کم اس طرح تم اپنی ڈگر سے ہٹی نہیں ہو ایک ایسے راستے پر چل رہی ہو جو تمہارے لئے آسانیاں پیدا کر دے گا۔ ہو سکتا ہے آگے چل کر عظمت ہماری ٹمبی میں ہو۔“

”تم یقین کرو نادیدہ! میں اسے ٹمبی میں لے سکتی ہوں لیکن وہ مجھے پہچان لے گا۔ میں نے اس کی صرف اس لئے پہچان لی ہے کہ بچپن میں، میں اسے ماموں کہتی رہی ہوں اور سمجھتی بھی رہی ہوں۔“

”یہ الگ بات ہے کہ وہ دوسری طرح کا انسان ہے۔“

”بالکل فکر مت کرو اس کی۔ زمانہ اب وہ نہیں رہا ہے۔ تم میک اپ کے کمالات دیکھ چکی ہو اور تم بھی اپنے چہرے پر اچھی خاصی تبدیلی کر لیتی ہو لیکن میں تمہیں آئینے سے ملواؤں گی۔ آئینہ جو کچھ کرے وہ تم دیکھ کر حیران رہ جاؤ گی۔“

”یہ آئینہ کون ہے؟“

”تفصیل یہ ہے اس کی کہ وہ اٹلی کے ایک اوپیرا میں ملازمت کرتی تھی، میک اپ گرل کی حیثیت سے اور اپنے فن میں ہر طرح کا کمال حاصل کر چکی تھی۔ پھر مختلف تنظیموں نے اسے اپنے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ بڑے بڑے پلاسٹک سرجری کے ماہر اس سے مشورے لیتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک تنظیم نے اسے انتہائی مہنگے داموں حاصل کر لیا۔ پھر وہاں سے ہم نے اسے اپنے لئے اور اس طرح وہ ہمارے پاس لگی۔ بس یہ سمجھ لو کہ چہرے تبدیل کرنے میں کمال رکھتی ہے۔ اپنے لوشن وغیرہ خود ہی بناتی ہے۔ تمہیں اب آپ کا کمال دیکھ کر حیرت ہو گی۔ البتہ مجھے اسے ذرا دور سے بلانا پڑے گا۔“

”کہاں سے؟“

”ان دنوں وہ سان فرانسکو میں ہے لیکن تم جانتی ہو کہ آج کل کے سفر اور قاصطے کتنے غم ہیں۔“

”صحیح بات یہ ہے کہ میں نے ایک معیاری دوست کا انتخاب کیا ہے۔ صرف اپنے ہی مفادات کے نہیں جیا جاتا ڈیر بلکہ قرب و جوار کے ماحول پر بھی نگاہ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔“

”میں جانتی ہوں۔“ بہر حال ہم لوگ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نادیا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”میں تمہارے کہنے کے مطابق عمل کرتی ہوں۔“ کچھ دیر کے بعد اس گفتگو کا ٹیپ میرے پاس پہنچا۔

اپنے ڈکٹو فون لگا کر بڑا ذہر دست کارنامہ سرانجام دیا گیا تھا اور ایک بار پھر میں نے کن کوک کے دفتر میں نے والی گفتگو سنی تھی۔ پہلے دو حصوں میں وہ ٹیلی فون کالیں تھیں جن میں بڑی پراسرار گفتگو کی گئی تھی

اس کے بعد وہ آواز بھی جس کے لئے میں نے ٹیپ منگوایا تھا۔ الماس آراء بیگم کے ساتھ میں اکثر اس کو دیکھ چکا تھا اور وہاں سب ہی سے ملاقات ہوتی تھی۔ الماس آراء بیگم چونکہ تین بھائیوں کی اکلوتی

بہن تھی اس لئے خصوصی طور پر جب وہ وہاں جاتی تھی تو تینوں بھائی جمع ہو جاتے تھے اور میں نے اکثر بیشتر جلال کی آواز اور اس کے بولنے کا انداز سنا تھا اور اب اس ٹیپ کو سننے کے بعد میں مزید یقین سے

کہہ سکتی تھی کہ یہ عظمت جلال ہی کی آواز ہے۔ بہر حال اس سے ایک اندازہ اور بھی ہو رہا تھا کہ ان لوگوں کا بیچ کس قدر ہے۔ ملک میں تو خیر جو کچھ ہے، وہ تو ہے ہی لیکن ملک سے باہر بھی وہ بہت بڑے گینگسٹر ہیں

ایک پورا گینگ چلاتے ہیں۔ عظمت ہی کیا ہو سکتا ہے، خاور جلال بھی منشیات کا تاجر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود الماس بیگم بھی اپنے بھائیوں کے کاروبار میں شریک ہوں۔ بہر حال فکر تو انہی لوگوں سے

نی اور مجھے یہ دیکھنا تھا کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔ پھر آسٹر آگئی۔ تقریباً تیس بیس سال کی ایک سہیلی ہوئی

بڑے والی عورت تھی جس کی آنکھوں سے احساس ہوتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر بیمار ہے۔ بالکل خاموش نہ

سکرانے والے ہونٹ جیسے سنجیدگی اس کے چہرے سے چپک گئی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا چہرہ غصہ کا

ظاہر تھا لیکن اپنے فن میں ماہر تھی۔ اس کے سبک اور نازک ہاتھ میرے چہرے کو ٹٹولنے لگے اور پھر اس نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کو ایسے لوٹن بنا کر دیتی ہوں میڈم جن سے آپ میک اپ کی ایک عجیب و غریب قسم سے روشناس ہوں گی۔“ اس نے اپنے ساتھ لائے ہوئے بیگ میں سے کچھ شیشیاں نکالیں اور پھر چپنی کے ایک

پالے میں ان کا مکسچر بنانے لگی۔ جو مکسچر اس نے بنایا وہ بالکل ہلکا پانی جیسا مکسچر تھا۔ اس کا رنگ بھی خوشگوار

نارنگ اور خوشبو بھی اچھی تھی۔ اس نے کہا۔

”اس کا تجربہ میں آپ کو کر کے دکھاتی ہوں لیکن اس سے پہلے مجھے ایک دوسرا مکسچر بھی تیار کرنا

”پلیز۔ اگر ایسی بات ہے اور تم اسے بلا سکتی ہو تو اسے ضرور بلاؤ۔ میرا خیال ہے اب یہ دلچسپی سے ان کاموں میں مصروف ہو جاؤں گی کیونکہ مجھے ان میں اپنی منزل چھپی ہوئی نظر آ رہی ہے۔“

”ہو جائے گا یہ کام، تم مجھ پر چھوڑ دو۔ لیکن واقعی تمہارا انکشاف سنسنی خیز ہے۔“

”اور تم یہ دیکھو کہ ہمیں کن کوک کے دفتر میں ڈکٹو فون لگانے سے کتنا فائدہ ہوا ہے۔ ایک کام کرو۔ اس شخص کو جو ہمارے لئے گفتگو ریکارڈ کر رہا ہے، فوری طور پر ہدایت کرو کہ وہ اس

ریکارڈ مجھے بھجوا دے۔ میں اسے دوبارہ سنا چاہتی ہوں اور اس کے علاوہ میرے لئے اس خاتون کا بانیہ کرو جو میک اپ کی ماہر ہے۔“ نادیا نے پُر غلوں سے لہجے میں کہا۔

”تم بالکل فکر مت کرو۔ سب کچھ تمہاری خواہش کے مطابق ہو جائے گا۔ ویسے کیا ہی انوکھ ہے تم ایک بار پھر اپنے دشمنوں کے قریب ہو گئیں۔“ میں پُر خیال لگا ہوں سے نادیا کا چہرہ دیکھنے لگی

کے چہرے پر ایک عجیب سا احساس نظر آرہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی سوچ میں گم ہو گئی ہو۔ میں نے اسے ہی محسوس کر لیا کہ نادیا تھوڑی سی الجھی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں نے جلدی سے پوچھا۔

”کیوں نادیا! کیا بات ہے۔ تم کسی پریشانی کا شکار ہو گئیں؟“

”نہیں، یہ بات نہیں ہے۔“ نادیا نے پچھلے سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر؟“

”میں یہ سوچ رہی ہوں کہ عظمت جلال کے سامنے آنے پر تم جنوں کا شکار ہو جاؤ گی اور فو اسے ہلاک کرنے کی کوشش کرو گی۔ یہ چیز تھوڑی مشکل کا باعث بن سکتی ہے کیونکہ ہمارا گروہ یہ نہیں

کہ تم کس مقصد کے تحت اس تنظیم میں شامل ہوئی ہو۔ اگر ایسا کوئی عمل کیا تو تنظیم کے لئے شدید کا باعث ہو گا کیونکہ بہر حال یہ ایک بڑی پارٹی ہے اور ہم بھی اسے ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتے۔“

ہوٹوں پر مسکراہٹ کی لکیر کھینچ گئی۔ میں نے کہا۔

”بات اصل میں یہ ہے کہ میری لڑائی الماس بیگم، عزت جلال اور اس کے خاندان کے خلاف۔ میں بے شک یہی چاہتی تھی اور اب بھی یہی چاہتی ہوں کہ وہ مجھے میرے ماں باپ کا پتا بتا دیں۔ میری

کو میرے حوالے کر دیں۔ میں ان سے اپنی لڑائی ختم کر دوں گی۔ میں بے شک اپنے مفادات کے لئے میں شامل ہوئی ہوں بلکہ تم ہی نے میرے لئے یہ راستہ منتخب کیا ہے لیکن میں کسی ایسے شک کو جنم

دوں گی جو تمہیں یا مجھے نقصان پہنچا سکے۔ عظمت جلال سے بے شک میری ملاقات ہو گی اور اگر کبھی

تو میں اس سے اپنی اصل حیثیت میں ہی ملاقات کروں گی اور یہ نہیں ظاہر کروں گی کہ اس تنظیم سے تعلق ہے اور اس کے بعد دیکھوں گی کہ عظمت جلال میرے کس کام آ سکتا ہے لیکن ویسے بھی یہ

ابھی تو کسی طور ممکن نہیں ہے نادیا، کیونکہ ابھی تو الماس آراء بیگم سے میرے مذاکرات چلے ہیں۔ وقت دوبارہ مجھے اس کے سامنے پہنچاتا ہے، یہ تو وقت ہی جانتا ہے۔“ نادیا نے محبت سے میری پیشانی چومی

انڈیل دیا۔ اس کے بعد اس نے ان شیشیوں پر کارک لگائے اور ان پر سائیفن پوائنٹ فٹ کر دیئے۔ اس کی یہ مہارت عجیب سے انداز میں دیکھ رہی تھی۔ اس نے دونوں شیشیوں پر اسٹیکر لگائے، ایک بڑا ایک گرین اسٹیکر تھا۔ اس نے سائیفن تیار کرنے کے بعد ایک مخصوص قسم کی گیس ٹیوب نکالی اور ان دونوں سائیفنوں کے باریک سوراخوں سے وہ گیس اندر اتارنے لگی۔ اس تمام کام سے فراغت میں اسے کوئی بچہ منٹ صرف ہوئے تھے اور میں خاموشی سے اس کا یہ عمل دیکھتی رہی تھی۔ پھر اس نے ریڈ لیکوئڈ کی ٹیوب اتاری اور اپنے چہرے کے سامنے آئینہ رکھتے ہوئے مجھ سے بولی۔

”اب تم یہ دیکھو ڈئیر‘ اس سے زیادہ آسان میک اپ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے چہرے کے نقوش تبدیل کر رہی ہوں مگر اس میں ذرا مہارت سے کام لیتا ہوگا۔ مثلاً تم اپنے نچلے ہونٹ کو تھوڑا سا دائرہ کرلو تمہارے چہرے کی کیفیت ہی بدل جائے گی۔ اس طرح۔“ اس نے کہا اور نچلے ہونٹ پر ہلکا سا اسپر کر دیا۔ بظاہر کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنے رخسار پر بھی اسپرے کیا پھر آنکھوں کے پونوں پر اور کہنے لگی ”سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ دونوں لیکوئڈ بے ضرر ہیں۔ نہ تمہاری جلد کو نقصان پہنچائیں۔ نہ تمہارے سانس کے ذریعے اندر جاکر تمہیں کوئی تکلیف دیں گے۔ یہ ان کی خاص خوبی ہے۔ یہ اکا شیشی میں سمجھتی ہوں کہ دس سال تک کام دے سکتی ہے کیونکہ بہت سی معمولی سا اسپرے کرنا ہوتا ہے۔ اب تم اس کے نتائج دیکھو۔ ابھی نہیں صرف بیس سیکنڈ ہوئے ہیں۔“ میں نے واقعی آسٹر کا چہرہ بدلتے ہوئے دیکھا۔ اس کا نچلا ہونٹ موٹا سا ہو گیا تھا۔ گالوں کے وہ حصے بھی ابھر آئے تھے جن پر اسپرے کیا گیا تھا۔ آنکھوں کے پونے بھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسٹر ایک بالکل نئی شکل میں میرے سامنے آموہو ہوئی۔ میں پوچھی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”صرف بیس سیکنڈ میں۔ جس طرح بیس سیکنڈ کے اندر اندر چہرے کی یہ سوجن ظاہر ہوئی ہے، بالکل اسی طرح دوسرا یعنی گرین اسپرے کرنے سے یہ سوجن اتر سکتی ہے اور تم بالکل نارمل حالت میں آسکتی ہو کیا سمجھیں؟“

”اور اگر گرین اسپرے استعمال نہ کیا جائے تو یہ سوجن کتنے عرصے قائم رہ سکتی ہے؟“

”کم از کم ایک ماہ۔ ایک مہینے کے بعد یہ خود بخود اتر جائے گی کیونکہ لیکوئڈ کے اثرات ختم ہو جائے گے۔ مطلب یہ کہ اگر اتفاق سے تمہارے پاس گرین اسپرے مس ہو جائے یا ختم ہو جائے تو یہ نہ سمجھو کہ تمہارا چہرہ جوں کا توں رہ جائے گا بلکہ یہ سب کچھ تو بہ آسانی ہو سکتا ہے۔“

”بڑی بات ہے۔“

”اب میں تمہیں گرین اسپرے کرنے دکھاتی ہوں۔“ پھر کچھ دیر کے بعد آسٹر کا چہرہ نارمل ہو گیا تھا۔

”بس جب چاہو اپنے چہرے کے نقوش تبدیل کرو۔ اور کچھ؟“

”نہیں آسٹر شکریہ۔“ میں نے جواب دیا۔ نادیہ کے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ تھی۔ وہ کہنے لگی۔

”اس میں کوئی شک نہیں ہے شاہ نور کہ دنیا بہت آگے جا چکی ہے۔ اگر الماس بیگم تمہارے ساتھ:

انہ کرتیں تو زیادہ سے زیادہ تم ایک بہادر قسم کی بیوی بن کر رہ جاتیں اور کچھ نہیں لیکن اب دنیا بھر میں تلوے ہے۔“ آسٹر چلی گئی تو ہم لوگ بہت دیر تک آسٹر کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ پھر دوسرے دن صبح سویرے ہم ایک بار پھر تنظیم کے دفتر پہنچ گئے۔ جاگنی داس وہاں موجود تھا، میں نے اس کو ہدایت کی کہ دونوں ریسپونگ سیٹ رکھے جائیں اور تمام گفتگو باقاعدگی کے ساتھ ریکارڈ کی جائے۔ پھر تقریباً دس بجے میں اور نادیہ لائن کے ساتھ کن کوک کے دفتر پہنچ گئے۔ اس نے نہایت انداز سے ہمارا استقبال کیا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ فرم کے ڈائریکٹر سے بات کر چکا ہے ریکٹر اسی ہزار سے زیادہ قیمت پر رضامند نہیں ہے۔

”ہم نے بھی اپنے ہیڈ کوارٹر سے رجوع کیا ہے مگر وہاں سے یہ جواب ملا ہے کہ اس سلسلے میں تنظیم ریکٹر کی میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا جائے گا۔“

”اوہو۔ تو یہ بڑی گزربز ہوگئی۔ میٹنگ کب ہوگی؟“ وہ بے تابی سے بولا۔

”شاید دو یا تین روز میں، مگر میرا خیال ہے کہ ہمارے ہیڈ کوارٹر والے بھی نوے ہزار ڈالر سے کم پر نہیں ہوں گے۔“

”آپ انہیں سمجھائیں تو سسی میڈم نور! اسی ہزار ڈالر نہایت معقول قیمت ہے۔ ہانگ کانگ کی ن میں آج کل ڈرگز کے کئی سپلائرز آچکے ہیں اور صورت حال پہلے سے بالکل مختلف ہو چکی ہے۔ آپ کریں میں نے اس قیمت پر بھی اپنے ڈائریکٹر کو بڑی مشکل سے رضامند کیا ہے ورنہ وہ تو پچھتر ہزار سے ڈالر زیادہ دینے کو تیار نہیں تھا۔“

”ٹھیک ہے مسٹر کوک! ہم پوری کوشش کریں گے۔“ میں نے لا تعلقی سے کہا اور پھر بولی۔ ”بس سے ملاقات ضروری تھی۔ اب ہمیں اجازت دیجئے۔“

”بہت شکریہ۔“ وہ بھی اپنی نشست سے اٹھا اور دروازے تک ہمارے ساتھ آیا۔ اس نے کہا۔ ”اصول کے مطابق میں یہاں آپ کی خاطر مدارت نہیں کر سکا حالانکہ آپ جیسی خواتین کے ساتھ گزاری خوش گوار ثابت ہوتی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں۔“

”شکریہ۔ لیکن یہ دعوت ہم سودا ہو جانے کے بعد قبول کریں گے۔“

”اوہ‘ دیری گڈ۔ اچھی بات ہے۔ ٹھیک ہے‘ جیسا آپ پسند کریں۔ اب آپ یہ بتائیے کہ آپ سے ملاقات ہوگی؟“

”دو یا تین دن کے بعد۔“

”میں آپ کا بے چینی سے انتظار کروں گا۔“ کوک نے کہا اور پھر ہم لوگ کے دفتر سے باہر آگئے۔ نادیہ کے بعد ہم اپنے دفتر پہنچے تو جاگنی داس اپنے کمرے کے سامنے کھڑا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ جو نئی ہم دفتر میں داخل ہوئے، وہ ہمارے قریب پہنچ گیا اور ہرجوش میں بولا۔

”آپ کا خیال بالکل درست تھا میڈم۔ بالکل درست۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ جو شخص فرم کا نیا

ڈائریکٹر بتا ہے، اس کا نام عظمت جلال ہے اور اس کا تعلق بھی آپ ہی کے ملک سے ہے۔ ابھی کی گفتگو سننے کو ملی تھی۔" میرے چہرے پر سارے جسم کا خون جمع ہو گیا۔ میں نے اس سے کہا۔ "آپ کو یقین ہے مسٹر جاگی داس؟"

"شیپ موجود ہے۔ آئیے۔" اس نے کہا اور ہم چند لمحوں کے بعد اس کمرے میں پہنچے۔ ریسیورنگ سیٹ رکھے ہوئے تھے۔ جاگی داس نے شیپ ریوایسڈ کیا اور نشان زدہ حصے پر لاکر آن کر ہی کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی گونجنے لگی تھی۔ میں اور ناویہ پوری دلچسپی اور توجہ کے ساتھ شیپ سے ابھرنے والی آواز کو سن رہے تھے۔ یہ آواز کوک کی تھی۔ "جی سر۔ میں کن کوک بول رہا ہوں۔"

"ہاں۔ مسٹر کوک! کیا خبر ہے؟"

"سر! ابھی کچھ دیر پہلے پارٹی کے آدمی آئے تھے۔"

"کیا خبر ہے؟ انہوں نے ہماری آفر کے بارے میں کیا جواب دیا؟"

"انہوں نے کہا ہے کہ ہم دو تین روز کے بعد جواب دیں گے۔ ان کے ہیڈ کوارٹر میں اس آڈ کیا جائے گا۔"

"مسٹر کوک، آپ کو اندازہ ہے کہ آپ میرا کتنا نقصان کرا رہے ہیں۔ میں نے تو ابھی یہاں از آغاز کیا ہے اور آپ نے بلاوجہ قیمت میں کمی کا مطالبہ کر دیا، جب کو ریا اور چلیان کی پارٹی نے ہمیں لاکھ آفر کی ہے تو آپ کو دو لاکھ پر یہ مال خرید لینا چاہئے تھا۔"

"آپ کو اندازہ نہیں ہے سر۔ دو لاکھ کافی زیادہ قیمت ہے۔ وہ لوگ ماضی میں ڈیڑھ لاکھ پر مال رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ ہماری ایک لاکھ اتنی ہزار والی آفر پر رضامند ہو جائیں گے۔ روز مزید انتظار کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔"

"اور اگر انہوں نے یہ سودا کینسل کر کے کسی اور سے رابطہ کر لیا تو؟"

"نہیں سر! ایسا نہیں ہوگا۔"

"میں اس کی ذمہ داری تمہیں سونپتا ہوں۔ اگر اس میں کوئی گڑبڑ ہوئی مسٹر کوک تو آپ سمجھ کہ بات صرف آپ کی ملازمت جانے پر ہی نہیں ختم ہوگی بلکہ اس سے آگے بڑھ جائے گی۔ اور سلسلہ منقطع ہو گیا اور جاگی داس نے شیپ کا سوچ آف کر دیا۔ ہم سب کے چہرے بڑی سنسنی کا شکار جاگی داس نے کہا۔"

"مائی گاڈ! دیکھا آپ نے، اس کینے آدمی کو۔ یہ آدمی سے زیادہ رقم اپنی جیب میں ڈالتا رہا۔ ہمیں اتنی ہزار کی آفر دے رہا ہے اور اپنے پاس کو ایک لاکھ اتنی ہزار کا ریٹ بتا رہا ہے۔"

"بہر حال! اب جو کچھ ہوا ہے، ہمیں اس سلسلے میں زیادہ صحیح انداز میں کام کرنا ہے۔"

"ایک بات آپ نے اور نوٹ کی میڈم! چلیان اور کو ریا والے اب ڈھائی لاکھ پر مال خریدنے کو ہیں، جب کہ پہلے وہ ان لوگوں سے ڈیڑھ لاکھ پر مال خریدتے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہاں ڈرگز کی

پہنچی ہے۔ ہمیں بھی اپنے ریٹ بڑھا دینے چاہئیں۔"

"مصل مسئلہ اس فرم کے مالک سے رابطہ قائم کرنے کا ہے۔ ہم اس کے بعد دیکھیں گے کہ ہم کیا

ہیں۔"

"سوال تو یہی پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم اس شخص تک کیسے پہنچیں گے؟"

جاگی داس عظمت جلال کو جلد تلاش کرنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی ہم دونوں رنے کے لئے اپنے کمروں میں پہنچ گئے۔ جاگی داس نے عظمت جلال کی تلاش میں واقعی غفلت اور نا کا مظاہرہ کیا تھا۔ جب میں نے فون پر اس کی پرجوش ہیلسنی تو اس کے بتانے سے قبل ہی مجھے یقین ہوا کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے۔ اس نے ہمیں اطلاع دی کہ عظمت جلال اس وقت ہانگ ی میں ہے اور یہ اس کا ٹیلی فون نمبر ہے۔ ناویہ نے گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیا پھر بولی۔

"ہاں۔ اب بولو۔ کیا کرتا ہے۔ کیا اس میدان میں بھی تم خود ہی قدم رکھ رہی ہو؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا اور پھر فون پر میں نے جاگی داس کا دیا ہوا نمبر ڈائل کیا اور کچھ لمحوں کے سری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"ہیلو۔"

"مسٹر عظمت جلال سے بات کرنی ہے۔ میں بنکاک سے آئی ہوں اور ایک انتہائی اہم کاروباری ، میں عظمت جلال صاحب سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔" دوسری طرف سے چند سیکنڈ خاموش طاری

ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"ہاں، کون ہے؟ میں عظمت جلال بول رہا ہوں۔" جونہی یہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی، میرے میں ایک عجیب سی لرزور گئی۔ بلاشبہ یہ عظمت جلال ہی کی آواز تھی۔ میں اس آواز کو بہ آسانی پہچان لی۔ میں نے ناویہ کی طرف دیکھا اور پھر بڑے مستعد لہجے میں کہا۔

"سوری مسٹر عظمت۔ میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا لیکن معاملہ اتنا اہم ہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی تھا۔ میں بنکاک سے آئی ہوں، آپ کو بہت ہی مختصر الفاظ میں اپنے اس مال کی بارے میں بتانا چاہتی جو ہم آپ کی فرم کو فروخت کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں تھوڑی دیر پہلے ہم نے آپ کے منیجر مسٹر لوک سے بھی گفتگو کی تھی لیکن۔"

"کون ہیں آپ؟ کیا آپ نے غلط نمبر پر رینگ نہیں کیا؟ میرا کسی فرم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ

کی کن کوک کو جانتا ہوں۔"

"سنئے جناب۔ اگر آپ نے ٹیلی فون بند کر دیا تو آپ کو کروڑوں ڈالروں کا نقصان ہو سکتا ہے۔ آپ طرف سے بالکل مطمئن رہیں۔ یہ بات ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں جان سکتا کہ آپ کون ہیں۔ ہم آپ سے یوں براہ راست گفتگو نہ کرتے لیکن ابھی ہانگ کانگ سے ایک اور پارٹی ہمارے پاس آئی ہے اس نے ہمیں بہت اچھی آفر دی ہے۔ ہم نے سوچا کہ آپ سے اس کی اجازت لے لی جائے کیونکہ

مے اور آپ کے درمیان..... میرا مطلب ہے، اس فرم کے درمیان جس کے آپ نئے مالک ہیں

بست پر اتار رابطہ ہے۔“

”آپ اس سلسلے میں کن کوک سے ہی بات کیوں نہیں کرتیں؟“

”آپ کا غیر ایک چالاک اور عیار شخص ہے۔ اگر ہم نے اس سے بات کی تو یہ سودا ختم ہو جائے۔ یہ میری طرف سے آپ کو ایک اشارہ ہے۔ آپ خود سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آپ کو اس کا علم نہیں۔ کوک آپ کو دھوکا دے کر لاکھوں کا فراڈ کرتا رہا ہے۔“

”کیا کہہ رہی ہیں وہ تو ایک با اعتماد اور پرانا آدمی ہے۔“

”ہمارے پاس ثبوت موجود ہیں۔ اگر آپ موقع دیں تو وہ ثبوت ہم آپ کو براہ راست دکھائے اور ویسے بھی آپ کو ہم سے ملاقات کرنی چاہئے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ آپ کتنے بڑے نقصان دوچار ہو رہے ہیں۔“

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر آواز سنائی دی۔

”ٹھیک ہے‘ آپ آج رات دس بجے آجائیں۔ آپ میرا پتا نوٹ کر لیجئے۔“

”نہیں۔ سر آپ کا پتا ہمارے پاس موجود ہے۔“

”کیا!.....! آپ کو میرا پتا کس طرح معلوم ہو گیا؟“ عظمت جلال کے لمبے میں شدید حیرانی تھی جس طرح آپ کا ٹیلی فون نمبر معلوم ہو گیا۔ آپ اپنے ملازموں کو میرا نام بتا دیجئے۔ میرا پتا ہے۔“

”اوہو۔ کیا آپ مسلمان ہیں؟“

”جی اور اتفاق سے میرا تعلق بھی آپ ہی کے ملک سے ہے۔“

”بڑی بات ہے۔ اصل میں اس گروہ میں‘ میرا مطلب ہے‘ اس آرگنائزیشن میں بالکل نوواردہ خیرہ تمام باتیں ٹیلی فون پر کرنے کی نہیں ہیں‘ میں آپ کا انتظار کروں گا۔“ یہ کہہ کر اس نے سلا منقطع کر دیا۔

نادیہ اور جاگی داس کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ان تمام کارروائیوں سے بے حد خوش پھر اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ میری تعریف و توصیف کا سلسلہ شروع کر دیتے‘ میں نے سنجیدگی کے ساتھ داس کو مخاطب کیا۔

”داس! رات کے سفر کے لئے ہمیں انتظام کرنا ہے۔“

”جی میڈم‘ میں جانتا ہوں‘ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ سب کچھ آپ کی پسند کے مطابق ہی ہو گا۔ جاگی داس کے چلے جانے کے بعد میں نے ایک چھکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نادیہ کی طرف دیکھ آکھیں موند لیں۔ دراصل میں اس سے اپنے آنسو چھپانا چاہ رہی تھی۔ کچھ بھی ہو‘ بہر حال عظمت جلال نام سن کر اس سے گفتگو کر کے میرے زخمِ تکلیف دینے لگے تھے۔ نادیہ میرے جذبات سے واقف تھی لئے وہ زبان سے کچھ نہ بولی‘ بس اس نے آگے بڑھ کر مجھے گلے سے لگا لیا تھا۔ وقت تیزی سے گزرتا تھا ہم دونوں ہی کو ایک نوع کی چپ سی لگی ہوئی تھی‘ ہمیں اس وقت ہوش آیا‘ جب جاگی داس نے ا

کے لئے تیاری مکمل ہونے کی اطلاع دی۔

ہم لوگ مطمئن تھے کہ ہمارا کام بہ آسانی ہو گیا اور ہم اس شخص تک پہنچ گئے جو ہمارے سیکشن کے بڑا ضروری تھا۔ یعنی اس فرم کا مالک جو اتفاق سے عظمت جلال تھا۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ بڑی عجیب سی بات تھی کہ ہم نے اپنی اس ساری کارروائی کے منفی پہلو نہیں سوچے تھے اور یہی غلطی تھی کیونکہ کن کوک بھی ہماری جانب سے غافل نہیں تھا۔ اس نے ہماری نگرانی کے لئے اپنے کی مقرر کر دیئے تھے۔ شام کے وقت جب میں اور نادیہ تیار ہو کر ہوٹل سے نکلے تو ہوٹل کے پارکنگ سے ایک دوسری کار بھی نکلی اور ہمارے تعاقب میں روانہ ہو گئی۔ شرع میں تو ہمیں اس بات کا احساس نہیں ہوا لیکن کئی سڑکوں اور متعدد چوراہوں سے گزرنے کے بعد کار نادیہ کی نگاہوں میں آگئی اور اس سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

”شاہ نور‘ ایک کار ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔ میں اسے بہت دیر سے اپنے تعاقب میں دیکھ رہی ہوں۔“

”ارے کیا واقعی؟ میں نے غور نہیں کیا۔“ یہ کہہ کر میں نے بیک مرر میں دیکھا تو واقعی ایک گرے کی کار ہمارے تعاقب میں تھی۔

”تنظیم کے دفتر چلو۔ ہمارے پاس تو ابھی کافی وقت ہے۔“ میں نے کہا اور نادیہ نے میری بات سے براہ اتفاق کیا۔ کچھ دیر کے بعد ہم تنظیم کے دفتر میں داخل ہو گئے۔ جاگی داس وہاں موجود تھا۔ ہم نے اسے صورت حال سے آگاہ کیا تو اس نے فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے پردے ہٹائے اور باہر دیکھنے لگے۔ کھڑکی کے باہر موجود تھی۔ جاگی داس واپس پلٹا‘ اس نے ٹیلی فون اٹھا کر کسی سے بات کی۔ تقریباً دس منٹ کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک بار پھر اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ پھر ادنیٰ طرف مڑ کر کہا۔

”سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب آپ جہاں چاہیں جاسکتی ہیں۔“ میں نے اور نادیہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور دفتر سے باہر نکل آئے۔ ایک بار پھر اپنی کار میں آ بیٹھے اور نادیہ نے کار کو آگے بڑھا دیا۔ کچھ دیر کے بعد میں نے پلٹ کر دیکھا تو اس کار کو بدستور تعاقب میں پایا لیکن ہم نے اس کے پیچھے دو سیڈان کاروں کو بھی آگے آتے دیکھا۔ کچھ لمحوں کے بعد ہماری کار ایک پل کے اوپر سے گزری۔ جب تعاقب کرنے والی کار پل کے نیچے میں پہنچی تو ایک سیڈان اور دو ٹیک کر کے اس کے بالکل سامنے آگئی اور دوسری اس کے بائیں ہلو سے آگے پھر اس سے پہلے کہ ہم کچھ سمجھتے سکتے‘ بائیں جانب والی کار نے ذرا سا پیچھے ہٹ کر گرے کھڑکی کی کار کو ٹکرائی اور گھسیٹتی ہوئی پل کے جنگلے کی طرف لے گئی۔ اگلے لمحے وہ کار پل کے جنگلے کو توڑتی ہوئی کئی فٹ نیچے جا گری۔ دونوں سیڈان کاریں تیز رفتاری سے ہمارے قریب سے گزر کر آگے نکل گئیں۔ پل پر اچھا خاصا ٹھٹک تھا۔ آن کی آن میں پل کے درمیان کئی کاریں جمع ہو گئیں اور لوگ دوڑتے ہوئے جنگلے کی طرف جانے لگے لیکن ہمارا میاں رکنا مناسب نہیں تھا چنانچہ پل کے ختم ہوتے ہی موڑ سے گزر کر تیزی سے ساحل کی جانب نکل گئے۔ وہ جگہ جہاں ہمیں پہنچنا تھا‘ ساحل کے ساتھ ہی ایک بڑی سڑک پر

”اوہ..... بہتر ہے۔“ وہ قدرے جھپٹتے ہوئے بولا۔ ”ہاں۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میرا فیجر بے ان ہے۔“

”صرف بے ایمان ہی نہیں بلکہ سخت بے ایمان۔ اب میں نہیں جانتی کہ اس نے آپ کو کتنا نقصان پہنچا ہے لیکن براہ کرم ٹیپ ریکارڈر منگوائے، یہ کچھ کیسٹ آپ سنیں گے تو آپ کو اس کی اصلیت کا پتا چل جائے گا۔“ ٹیپ ریکارڈر پر ہونے والی گفتگو اس نے بغور سنی لیکن اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں پیدا ہوا۔ جب وہ کیسٹ بند کر کے خاموش ہوا تو میں نے کہا۔

”آپ نے دیکھ لیا۔ وہ یہ مال اتنی ہزار ڈالر کے حساب سے خریدنا چاہتا تھا اور آپ سے ہر ایک کلو پر ایک لاکھ زیادہ حاصل کرنے کی فکر میں تھا۔“

”ٹھیک ہے۔ وہ بڑا بے وقوف ہے۔ ایک چھوٹے منافع کے لئے اس نے بہت اچھی ملازمت کھودی ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ کے پاس اس وقت کتنا مال موجود ہے؟“ میں نے تفصیل بتائی تو وہ بولا۔

”اور ریٹ کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں؟“

”ہم تو آپ کو پرانے ہی ریٹ پر مال دینے کے لئے تیار تھے حالانکہ ہم کچھ ریٹ بڑھانا بھی چاہتے ہیں۔“

”آپ کے پاس اس وقت کتنا مال موجود ہے۔ آپ اپنے اسٹور کا پتا مجھے دے دیجئے۔ کل شام تک میرے آدمی سارا مال اٹھالیں گے۔“

”اور ادائیگی کس طرح سے ہوگی؟“

”آپ کی پسند کے مطابق۔“ تھوڑی دیر تک ہم مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے پھر اس نے مجھ سے کہا۔ ”یہ میرا کارڈ رکھ لیجئے۔ اگر کبھی وطن آنا ہو اور مجھ سے ملنا چاہیں تو بغیر کسی کاروباری مقصد کے آپ میرے پاس اس پتے پر آ سکتی ہیں۔“ اس نے کہا اور اس کے بعد جب باہر نکلنے لگی تو وہ بولا۔

”لیکن ایک شرط ہے ڈیڑا وہ یہ کہ جب تم وطن میں ہو تو اس بات کو بھول جانا کہ ہانگ کانگ میں ہماری ملاقات ڈرگز کے خریدار اور فروخت کرنے والوں کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ کیا سمجھیں؟“

”میں خیال رکھوں گی۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے بعد میں باہر نکل آئی۔ میرے اندازے کے مطابق ناویہ وہیں موجود تھی جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد ناویہ نے مجھ سے کہا۔

”ہاں۔ کیا صورت حال ہے؟“

”سب کچھ اوکے ہو گیا، بغیر بھی اور بخوبی بھی۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور کار کی رفتار بڑھا دی۔ تھوڑی دیر جانے کے بعد ان دونوں سیدان کاروں میں سے ایک کار ہمیں اپنے تعاقب میں آتی ہوئی نظر آئی۔ ہم نے دفتر کی جانب رخ کیا تھا جہاں جاگنی داس اور لائن وغیرہ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ بہر حال ان لوگوں کو ساری تفصیلات بتائیں تو جاگنی داس خوشی سے اچھلنے لگ پھر بولا۔

”کتنا بڑا مسئلہ کتنی آسانی سے حل کر دیا ہے۔ پھر کب ہو گا یہ کام؟“

”جی۔ تقریباً سو گز لمبی، سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی سڑک اس بنگلے تک پہنچ گئی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف اونچے اونچے درخت تھے اور ان کی عتب میں گھاس کے ہلاک تھے۔ ہماری کار اس سڑک پر آگئی تو ناویہ نے رفتار و جی کر دی اور دونوں طرف کے شیشے گرا دیئے۔ ہم تیزی سے آگے بڑھ گئے تھے اور ایک لمبا پلاٹ کٹ کر بہت دور نکل گئے تھے۔“

اس دوران ہم نے اندازہ لگا لیا تھا کہ بنگلے کے چار اطراف سخت سیکورٹی کا انتظام ہے۔ ناویہ میرے اشارے پر کار روکی تو میں نے ڈرائیونگ سیٹ سے نکھال لی اور عظمت جلال کی رہائش گاہ کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد میں بلند و بالا سفید گیٹ پر پہنچ گئی۔ میں نے کار روکی تو ایک لمبے ترنگے قد کا آدمی باہر نکل آیا اور اس نے خوش اخلاقی سے نام پوچھنے کے بعد گیٹ کھول دیا۔

ایک طویل ڈرائیو دے سے گزر کر بنگلے کی طویل عمارت تک پہنچنے کا راستہ ملا تھا۔ جیسے ہی میں کار سے نیچے اتری تو عمارت کا دروازہ کھلا اور ایک نو عمر لڑکی نے میرا خیر مقدم کیا اور بڑے نرپتاک انداز میں مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ میں اس لڑکی کے ساتھ کئی راہداریوں اور کمروں سے گزر ایک لان نما کمرہ میں پہنچ گئی تب مجھے بہت نرم ادنی لبادے میں ملبوس عظمت جلال نظر آیا۔ میں نے ایک نگاہ میں اسے پہچان لیا تھا۔ وہ بلند و بالا قد و قامت کا مالک تھا۔ گھنی کھلی مونچھیں، بڑی بڑی روشن آنکھیں، یہ خاصی اچھی شخصیت کا مالک تھا، جب کہ خاور جلال اور عزت جلال اس کے مقابلے میں کمزور شخصیت رکھتے تھے۔ اس نے گردن خم کر کے میرا استقبال کیا اور گہری نگاہوں سے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور الجھن تھی۔

”آؤ بیٹھو۔“ اس نے ایک طرف اشارہ کیا اور میں صحت سے چلتی ہوئی وہاں پہنچی اور سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ”اس نو عمری میں ایسے کاروبار میں.....؟“

”میرا خیال ہے، ہم یہاں ذاتی گفتگو کے لئے اکٹھے نہیں ہوئے۔“ میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی۔ ”مجھے صرف کام کی بات کرنی ہے آپ سے۔“

”اچھا اچھا، نیچے مزاج کی لڑکی معلوم ہوتی ہو۔“ روایتی قسم کی ڈرگز اسٹگر۔ ”عظمت جلال نے کہا۔“ اور آپ اعلیٰ پائے کے ڈرگز سپلائر۔“ میں نے کہا۔ عظمت جلال کے چہرے پر ایک لمعے کے لئے تبدیلی پیدا ہوئی لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بولا۔

”میرے وطن ہی کی ہو۔“

”ہم لوگ وطن کا نام لیتے ہوئے اچھے نہیں لگتے، اور آپ بھی پولیس اگوائزی کے بجائے کام کی باتیں کیجئے۔“

”صرف اس لئے میں تم سے یہ بات کر رہا ہوں کہ تمہارا تعلق میرے وطن سے ہے اور وطن سے دور اہل وطن کچھ زیادہ ہی اچھی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔“

”اور میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ وطن کا حوالہ بالکل بے مقصد ہے اور وطن، وطن کر کے ہم لوگ دراصل وطن کا مذاق اڑا رہے ہیں۔“

”کل دس بجے۔“ دوسرے دن بجے ہم نے اپنی نگرانی میں سارا مال اٹھوایا۔ ہمیں فوری طور پر کیا مل گیا تھا۔ ان دونوں چیزوں کا تبادلہ بڑے شاندار طریقے سے ہوا اور اس کے بعد یہاں ہم اس کام فارغ ہو گئے۔ میں نے نادیر سے کہا۔

”اب کیا پروگرام ہے؟“

”واپسی۔“

”کیا مطلب؟“

”بہت بڑا کام سرانجام دیا ہے ہم نے۔ ایک بڑی مشکل حل ہو گئی ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ اس بد معاش کو ہم نے شکست دے دی ہے۔ اسے اس بات کا بھی انداز ہو گیا ہے کہ تنظیم کے آدمی تو اندھے ہیں اور نہ اس سے کمزور۔“ دوسرے دن مجھے ایک چیک دیا گیا جو کئی لاکھ ڈالر کا تھا۔ میں نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ تو میرے نام ہے۔“

”تمہارے نام کیا تمہارا کمیشن ہے یہ۔“

”میرا کمیشن؟“

”ہاں ڈیر! اب جب اس زندگی میں داخل ہو ہی گئی ہو تو پھر ان تمام چیزوں سے بھی گریز نہ کرو۔“ میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ میری لائن بیکر تبدیل ہو گئی ہے۔ منشیات کے اسمگلر کے طور پر میں اب رجسٹرڈ ہو چکی ہوں اور میرے اصل راستے گم ہو گئے ہیں۔

جہاز میں سیٹ اوکے ہوتے ہی ہم وطن روانہ ہو گئے۔ ایئرپورٹ سے نکلے ہی میرے ذہن میں اچانک ایک خیال آیا اور میں نے نادیر کو مخاطب کیا۔

”نادیر ہم ملک سے باہر تو محفوظ رہے ہیں لیکن ملک کے اندر ہماری کیفیت مشکوک ہو گئی ہے۔ مجھے فوری طور پر تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہئے۔“

”تو پھر؟“

”اب تو بہت سے ٹھکانے بن چکے ہیں میرے اور پھر میں لاکھوں ڈالر کی مالک ہوں۔ میرے لئے کیا مشکل پیش آ سکتی ہے؟“

”چیک مجھے دے دو۔ میں تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرا دوں گی۔ خود تمہیں ان سارے معاملات میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں کو میں اتار دوں اور اس کے بعد جب بھی ہم دونوں ایک دوسرے سے رابطہ قائم کریں۔“ نادیر سے اپنے آپ کو چھپانا ایک غیر مناسب عمل تھا چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ ”مجھے سائیں مكرم شاہ کی کوٹھی پر اتار دے۔ یہ عمارت نادیر کے لئے اجنبی تھی لیکن اس نے کسی حیرت کا مظاہرہ نہیں کیا اور مجھ سے اس عمارت کے بارے میں پوچھا تو میں نے نہایت مختصر الفاظ میں اسے سائیں مكرم کی اس عنایت کے بارے میں بتا دیا۔ نادیر نے برا مانے بغیر کہا۔

”بہت اچھے اچھے لوگ ہوتے ہیں اس دنیا میں۔ کیا کہا جاسکتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ کبھی کبھی دنیا شدید نفرت کا احساس ہوتا ہے لیکن پھر ایسے لوگ یاد آ جاتے ہیں تو یہ نفرت ختم ہو جاتی ہے۔ مگر کیا تم شمارہ کر پڑ سکون رہو گی؟“

”ہاں جان! بلکہ میری جان! کبھی کبھی تھوڑی سی تنہائی مناسب ہوتی ہے۔ انسان تنہائی میں آسانی سے بتا ہے، جب کہ دوسروں کے سامنے روتے ہوئے شرم آتی ہے۔“ نادیر نے ہمدردی کی نگاہوں سے مجھے انگریز سے کچھ نہیں کہا تھا۔

☆=====☆

کوٹھی سنان پڑی ہوئی تھی۔ عمارت چاہے کتنی ہی خوب صورت ہو، اگر انسانوں سے خالی ہو تو اس کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ یہی کیفیت اس عمارت کی تھی۔ سبے بجائے بیڈ روم، ہر چیز بہترین لیکن انسانوں نہ ہونے سے یوں لگ رہا تھا جیسے در و دیوار روحوں کی شکل اختیار کر گئے ہوں۔ میں ان تمام باتوں سے نیاز اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ جوتے اتارے، بستر جھاڑا اور اس پر لیٹ گئی اور اس کے ساتھی ہی لات اور یادیں دھڑ دھڑ کرتی میرے ذہن پر دوڑنے لگیں لیکن پھر یکایک یہ ٹرین الماس بیگم کے نام پر ل سی گئی۔

”الماس بیگم.....“ میرے حلق سے پھنکارے مشابہ آواز برآمد ہوئی۔ میں اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ یقیناً وہ اسپتال سے واپس آ گئی ہوگی۔ اس سے ملاقات کے لئے کیا کیا جائے، دماغ میں جو آگ بھڑک رہی تھی، اس نے سوچنے سمجھنے کی قوتوں کو مفلوج کر دیا تھا۔

رات ہو چکی تھی۔ میرے اندر کے جنون نے مجھے پال پال کر دیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو تیار کیا اور اس کے بعد خاموشی سے عمارت سے باہر نکل آئی۔ دل و دماغ میں بھڑکنے والی آگ اس وقت ہوش و حواس میں چلی گئی تھی۔ میں کوئی بیس منٹ تک پیدل چلتی رہی اور اس کے بعد ایک ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھ لی۔ ٹیکسی نے مجھے اس جانے پہچانے علاقے میں اتار دیا جس کے اطراف سے میں پوری طرح واقف تھی کیونکہ بیس میں نے بچپن سے جوانی تک کا ایک طویل دور گزارا تھا۔ ایک آزاد پنچھی کی حیثیت سے اس کوٹھی کے ایک ایک گوشے سے مجھے واقفیت تھی۔ وہ درخت مجھے یاد آیا جس پر چڑھ کر میں کئی بار کوٹھی کے باہر آرام سے اتر گئی تھی۔ اس وقت بھی وہی درخت میرا رہنما بنا۔ دیوار کے سارے لگی ہوئی شاخوں کے ذریعے میں اوپر پہنچی اور درخت کی شاخوں سے ہوتی ہوئی دوسرے اور تیسرے درخت کے بعد عمارت کے ایک حصے کی چھت پر پہنچ گئی۔

یہ انیکسی کا پورشن تھا اور یہاں سے ایک پائپ کے ذریعے تھوڑا سا اوپر چڑھ کر میں اصل عمارت تک پہنچ سکتی تھی اور وہاں سے ایک ایسی گیلری میں اتر سکتی تھی جو عمارت کے بالکل اندرونی حصے میں لے جاتی۔ بہت ہی مشکل راستہ تھا۔ اگر کوئی شہساز نہ ہوتا تو اس راستے سے اندر داخل ہونا ممکن نہ تھا۔ میں تمام چیزیں عبور کرتی چلی گئی۔

اس دوران حالانکہ میں نے کوئی مشق نہیں کی تھی لیکن طبیعت میں جو دلیری اور پھرتی پوشیدہ تھی،

وہی اس وقت میری معاون تھی۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد میں اس گیلری میں تھی جس میں عام طور پر کرکٹ ڈالا جاتا تھا۔ البتہ ایک راستہ پھوٹی سی ایک دیوار طے کرنے کے بعد اس کوریڈور تک پہنچا جس سے گزر کر میں کمروں کی اس قطار تک پہنچ سکتی تھی جہاں الماس آراء کا بیڈ روم تھا اور یہ جگہ لحاظ سے بھی مناسب نہیں تھی کہ یہاں سے کوریڈور میں ہونے والی ہنگامہ آرائی دیکھی جاسکتی تھی۔ کس وقت تک رونق رہتی ہے اور کب ماحول خاموش ہو جاتا ہے۔

میں نے اپنے ذہن میں وہ لمحات تازہ کئے جب میں خود یہاں رہتی تھی اور یہاں کے اصول و لوگوں کی اصول پرستی کس طرح یہاں قائم رہتی تھی۔ اندازے کے مطابق بس پندرہ بیس منٹ باقی رہتے تھے جب الماس بیگم اپنے بیڈ روم میں پہنچ جائیں۔ تایا صاحب کو بھی کوئی خاص مصروفیت نہیں ہوتی تھی وہ بھی ساتھ ساتھ ہی بیڈ روم میں چلے جاتے تھے اور اگر کہیں کوئی مسئلہ ہوتا تھا تو بات الگ ہے۔

ایک لمحے تک سوچتے رہنے کے بعد میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ مجھے فوراً کوریڈور میں اتر جانا چاہیے اور تائی صاحبہ کے بیڈ روم تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اپنے ذہن میں ایک منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ نے اور اسی کے تحت کام کر رہی تھی۔ اگر اتفاق سے میری موجودگی کا ان لوگوں کو علم ہو جائے اور صورہ حال کسی طرح سنگین ہو جائے تو میں تائی صاحبہ کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ جاؤں گی اور ان سے کہوں گی میں شرمندہ ہو کر آئی ہوں اور ان کے ہاتھوں مرنا چاہتی ہوں۔ مکاری سے کام لے بغیر چارہ کار بھی نہیں چلائے کہ اگر خدا نخواستہ ایسا کوئی موقع آجاتا تو شاید میرا جنون مجھے اپنی اس پالیسی پر عمل بھی نہ کرنے دیتا۔

کوریڈور میں البتہ میں ایک محتاط لمبی کی طرح پہنچی تھی اور دیوار سے چپکی چپکی آگے بڑھی تھی خوش بختی نے مجھے الماس بیگم کے کمرے میں پہنچا دیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر کامیں نے جائزہ لیا تھا۔ ابھی واپس نہیں آئی تھیں۔ بہر حال یہاں پہنچ جانا ہی ایک اہم مسئلہ تھا۔ ایک بار پھر میں ویسی ہی پیشکش شکار تھی جس سے پہلے دوچار ہو چکی تھی۔ اسپتال میں میں نے تائی صاحبہ کا ٹھیک ٹھاک ریکارڈ لگایا تھا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو وہ اب تک اسپتال سے فراغت حاصل کر کے گھر پہنچ چکی ہوں گی۔ بہر حال ساری باتیں ہی ایک مفروضہ عمل کے تحت تھیں اور میں انتظار کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی تھی اور یہ انتظار تقریباً چالیس منٹ تک کرنا پڑا۔

جس الماری کے عقب میں میں چھپی ہوئی تھی وہاں سے بڑی آسانی سے تائی صاحبہ کے بیڈ روم کا جائزہ بھی لیا جاسکتا تھا اور اس میں ہونے والی گفتگو بھی سنی جاسکتی تھی۔ پتا نہیں کیوں عقل نے میرا اہم ساتھ دیا تھا کہ میں وہ وائریس ڈکٹو فون اپنے ساتھ لے آئی تھی جس نے ہانگ کانگ میں مجھے زبردست کامیابی سے ہم کنار کیا تھا۔ یہ ڈکٹو فون میں نے فوری طور پر تائی صاحبہ کے بیڈ روم کے ایک گوشے میں ڈال دیا۔ اس کارسیور وہیں میرے پاس موجود تھا۔ اس قدر نفیس اور اس قدر شاندار ڈکٹو فون تھا یہ کہ اس پر بڑے شاندار طریقے سے بات چیت سنی جاسکتی تھی۔ ادھر ریکارڈنگ سسٹم بھی آن تھا۔ چنانچہ میں نے ڈکٹو فون کا مٹن دبایا اور ڈکٹو فون اپنا کام کرنے لگا۔ یہ صرف احتیاطاً ہی کیا گیا تھا لیکن اپنے اس کارنامے پر میں اتنی خوش تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ پھر چالیس منٹ کے بعد جب مختلف سوچیں میرے ذہن کو تھکا چکی

اور دروازے پر آئیں محسوس ہوئیں اور تھوڑی دیر کے بعد تایا صاحب کی آواز سنائی دی۔
”ہاں۔ میں نے تو سوچ لیا ہے لیکن میری سوچوں نے کبھی میرا ساتھ نہیں دیا۔ تم نے ہمیشہ مجھے پاؤں دئیے ہی تو سمجھا ہے۔“

”میرے سر تاج‘ دروازہ تو بند کر دیجئے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ آپ ان دنوں کسی کٹ نے والے کتے کی طرح ہو گئے ہیں۔ ہوش آئے گا یا نہیں‘ آپ کو؟“

”ہوش اور اب۔“ تایا صاحب پھیکے سے لہجے میں بولے پھر شاید دروازے کی جانب بڑھ گئے اور زہ بند کر دیا۔ میں اس دلچسپ صورت حال سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ تائی نے بڑے خوب صورت استعمال کئے تھے تایا صاحب کے بارے میں۔ تائی نے کہا۔

”ہاں۔ تو میں نے آپ کو ہمیشہ پاؤں کی جوتی سمجھا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے‘ کیا آپ کو سر کا تاج ناچائے تھا؟ جناب عالی! ایک محتاط دلیل پیش کرنا چاہتی ہوں اگر آپ کی اجازت ہو تو۔“

”ظاہر ہے‘ مجھے طعنے دینے کے علاوہ تمہارے پاس اور ہے ہی کیا۔“

”اللہ..... اللہ..... اللہ۔ مردکی یہ بے چارگی کبھی کبھی بڑی دلچسپ لگتی ہے۔ کیا سمجھے آپ؟“

”ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ایک بے بس انسان ہوں۔“

”کمال احمد صاحب! انسان کے اندر مردانگی نہ ہو تو کبھی بات یہ ہے کہ وہ کیا ہوتا ہے؟ الفاظ میں کیا اکروں آپ سے۔“

”کنا تو کہہ چکی ہیں آپ‘ اور کیا کہیں گی۔“

”خیر شوہر ہیں آپ میرے۔ میں یہ سب کچھ نہیں کہنا چاہتی آپ سے۔ میں صرف آپ سے یہ سوال رہی ہوں کہ دولت کیا چاہنے کے لئے ہوتی ہے اور پھر آپ مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں کیا؟“

”الماس ذرا غور کرو۔ ہم نے ساری زندگی کی کمائی جمع کی ہے۔ ہمارے سامنے ہمارا بڑھاپا پڑا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ اگر میں ناجائز کام میں لگا دوں اور اگر ہمیں نقصان ہو جائے تو آپ غور کر لیجئے کہ کیا ہو گا۔“

”سڑکوں پر آجائیں گے۔ بھیک مانگیں گے۔ یہ کوئی بک جائے گی۔ یہ بھی زندگی کا ایک رخ ہے۔

رلوگ بھیک مانگتے ہی ہیں۔ آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں اور پھر کمال صاحب! برا نہ مانے تو میں آپ سے یہ بات ضرور کہوں گی کہ یہ دولت جو ہم نے جمع کی ہے اور جس کا کل تخمینہ ایک ارب اتنی کروڑ ہے‘ کوٹھنی کے علاوہ۔ کیا یہ آپ کی محنت کا نتیجہ ہے؟ ارے بابا! جن لوگوں کے شانوں پر سوار ہو کر آپ نے دولت کمائی ہے اگر وہ اس وقت کسی ابھرنے والے کا شکار ہیں! ابھرنے والے آپ سوچ لیجئے‘ وہ باقاعدہ آپ کو کا معاوضہ دیں گے۔ تھوڑے عرصے کے لئے یہ رقم آپ سے مانگی جا رہی ہے۔ اس کے بعد یہ رقم سود ساتھ واپس کر دی جائے گی۔ آپ آخر کیوں شور مچا رہے ہیں اتنا؟“

”میں سود نہیں کھانا چاہتا۔“

”اللہ اللہ۔ جب آپ بڑے بڑے ٹھیکے لے رہے تھے اور میرے بھائی آپ کو ٹھیکے دلوا رہے تھے اور

آپ بڑے خوش خوش چار پیسے کی جگہ چالیس ہزار اکٹھے کر رہے تھے، اس وقت آپ کو اس کا خیال آیا کہ جائز کیا ہے، ناجائز کیا۔ دیکھو کمال احمد! عقل سے سوچو، یہ سب کچھ تم سے ویسے بھی لیا جائے گا، لیکن میری وجہ سے تمہیں اس پر منافع ملے گا۔ میری وجہ سے تم آدمی کے بچے کھلانے لگے ہو۔ پھر گدھے بن رہے ہو۔ تمہیں پتا ہے، عظمت ایک بہت بڑا کاروبار کر رہے ہیں۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے، کھرب پتی بن جائیں گے۔ سمجھے۔ تم ایک ارب اسٹی کروڑ کی یہ رقم بہت بڑی سمجھ رہے ہو، نہیں ہے کہ بھائی جان نے کس کس طرح سے ہر شخص سے رقم اکٹھی کی ہے۔ بھائی جان سے ہمیں ارب واپس ملیں گے۔ ہے کوئی اور ایسا ذریعہ جس میں تم ایک دم تھوڑی سی کوشش سے ستر کروڑ روپے لو؟

”میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں اتنی زیادہ رقم کارنامی کیا ہے۔ ہمارے آگے پیچھے کون۔ نہ کوئی اولاد نہ کوئی اور۔“

”لغت بھیجو، ہم جو ہیں، اپنے آگے اور پیچھے۔ بس کل تمہیں پورا دن مصروف رہ کر یہ ساری ٹرانسفر کر دینی ہے۔ بھائی جان نے ایک بہت بڑی کھپ خریدی ہے جو تیس تاریخ کو بندرگاہ پر پہنچ رہی۔ انہوں نے مجھے ہانگ کانگ سے اس کی اطلاع دی ہے۔“

”خیر میں تو سمجھ رہا ہوں اور ظاہر ہے، میں جانتا بھی ہوں کہ تم وہی کروگی جو تمہیں کرنا ہے۔“

”ہاں میں وہی کروں گی جو مجھے کرنا ہے۔“ الماس بیگم نے جواب دیا۔ حالانکہ میں اس کم بخت اور کاہلیہ بگاڑ کر آئی تھی لیکن اب وہ مجھے تندرست اور چاق و چوبند نظر آ رہی تھی البتہ یہ گفتگو میرے بڑی دلکشی کا باعث تھی۔ بات یقینی طور پر بیروئن کی ہو رہی تھی اور اسے بہت بڑی ادائیگی کرنی تھی۔ چنانچہ یہ سارے کام اس انداز میں ہو رہے تھے بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ، میں یہ سوچ رہی تھی کہ کیا چاہئے۔ یہ ایک نیا کھیل شروع ہو گیا تھا اور اگر اس پر سنجیدگی سے غور کیا جاتا تو کافی دلچسپ کھیل تھا میرے علم میں ایک بہت بڑا کام آگیا اور اگر میں اس کے خلاف سوچ کر عمل کرنا شروع کر دوں تو بڑی بڑی کاری ضرب ہوگی ان لوگوں پر لیکن دوسری صورت یہ تھی کہ میں یہاں تک آنے کے بعد الماس سے ملے بغیر نہیں جانا چاہتی تھی لیکن اتنا سوچ رہی کہ وہ اس شے کا شکار نہ ہوں کہ میں ان کی باتیں چکی ہوں، اس کا ایک ہی حل تھا کہ میں خاموشی سے وقت گزرنے کا انتظار کروں اور میں نے یہی فیصلہ کیا کہ مجھے وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔

تقریباً ڈھائی گھنٹے مجھے انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران الماری کے پیچھے چھپے میرا بدن اڑ گیا لیکن اب زندگی اسی انداز کی ہو گئی تھی۔ بہر حال جب مجھے یقین ہو گیا کہ الماس آراء اور کمال احمد کبھی نیند سوئے ہیں تو میں اپنے کام کے لئے تیار ہو گئی۔ الماری کے پیچھے سے نکل کر میں نے سب سے پہلے وہ دروازہ کھولا جو اندر سے بند تھا۔ دروازے سے باہر جھانک کر میں نے دور دور تک کا جائزہ لیا۔ مکمل خاموشی اور گہرا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ کسی متغص کا وجود نہیں تھا۔ مطمئن ہونے کے بعد میں واپس چلتی اور میں نے دروازہ سے بند کر لیا پھر میں نے کمرے کے ماحول پر ایک نگاہ ڈالی اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ مجھے کمال

”تم۔“ میں اس دوران بالکل ساکت کھڑی تھی۔ وہ دونوں اپنے ریو اور میرے ہاتھوں میں دیکھ سکتے تھے۔ کمبلیوں کے بل اوپر بٹکے اور غرائی ہوئی آواز میں بولے۔

”آپ مجھے وہ سکول ماسٹر معلوم ہو رہے ہیں جناب کمال احمد صاحب! جس نے کسی ناپسندیدہ بچے کو کلاس روم سے باہر نکال دیا ہو اور بچہ ان کی اجازت کے بغیر دوبارہ کلاس روم میں آگیا ہو۔ ایسا ہی ہے نا؟“

”بہت زیادہ چرب زبان ہو گئی ہو تم۔“

”نہیں۔ چرب زبان نہیں تیا صاحب! بلکہ چرب ہاتھ، کیا سمجھے آپ؟“

”انتہائی بدتمیز اور گستاخ لڑکی ہے تو۔ اچھا ہوا تو خود ہی میرے سامنے آگئی۔ کئی بار میں نے یہ بات سوچی کہ کسی طرح تجھ سے رابطہ قائم کیا جائے۔“

”جی۔ جی۔ جی۔ بچوں کا فرض ہوتا ہے کہ بزرگوں کی خواہش کا احترام کریں۔“

”یہ دونوں ریو اور تو نے ہمارے کمبلیوں کے پیچھے سے نکالے ہیں؟“

”جی۔ چونکہ آپ جیسے جرائم پیشہ لوگ انہیں بہ آسانی استعمال کر لیتے ہیں۔ قانون کا تحفظ حاصل ہے آپ کو۔ آپ ان کی ساری گولیاں میرے جسم میں اتارنے کے باوجود آرام سے بیٹھ سکتے تھے اس لئے اپنی زندگی بچانا تو ضروری ہے۔“ میں نے بدستور خوشگوار موڈ میں کہا۔ تیا صاحب نے بند دروازے کی طرف دیکھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئے۔ وہ اپنے حواس مجتمع کر رہے تھے۔ تائی صاحبہ نے کہا۔

”کتیا کی بچی! میں تجھے ایسی موت ماروں گی کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگے گا۔“

”واہ۔ اچھا ڈائیلاگ ہے الماس بیگم! لیکن آپ کو خود اپنی آواز کے پچس پچھے ہونے کا احساس تو ہو گا۔“

”تم خاموش رہو الماس آراء مجھے اس سے بات کرنے دو۔“ تایا صاحب نے کہا۔

”ارے“ ارے لہجے کو نرم کریں تایا صاحب! کہیں ایسا نہ ہو کہ محترمہ جو تار تار کر آپ کے دے ماریں۔“

”تو حد سے زیادہ گستاخ ہو گئی ہے۔“

”کیا لفظ آپ استعمال کر رہے ہیں۔ گستاخ، گستاخ، گستاخ۔ مجھے ظالم کہیں، درندہ کہیں، گستاخ نہیں کہا جاتا ہے جس سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔ ویسے کسی حد تک تعلق تو ہمارا ہے۔ آخر آپ نے پچھ لاکھ کی رقم کا اعلان کیا ہے۔ بڑا گمراہ تعلق ہے آپ سے میرا۔“

”تو خود اس دیوانگی کا شکار ہوئی ہے۔“ تایا صاحب کا لہجہ اب قدرے ٹوٹا ہوا تھا لیکن الماس بیگم چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ آخر اس سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ یکایک پھٹ پڑی۔

”ٹو..... ٹو بھی سن لے۔ میرا نام الماس آراء ہے۔ میں اگر تجھے ایذا یا رگڑ رگڑ کر مرنے پر مجبور نہ کروں تو میں بھی اپنے باپ کی اصل اولاد نہ ہوں۔“

”گڈ۔ مجھے تیرا یہ چیلنج منظور ہے سبھی۔“ میں نے الماس بیگم کے جواب میں کہا۔

”تم لوگ آپس میں لڑ پڑتی ہو۔ عورتوں میں یہی ایک خرابی ہوتی ہے کہ اپنی ناقص عقل کو.....

”شٹ اپ۔“ الماس بیگم نے کمال احمد کی طرف رخ کر کے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور میں صاف محسوس کیا کہ کمال احمد سہم گئے ہیں۔ میں نے ایک قہقہہ لگا دیا تھا۔

”تایا صاحب! یہ ہیں آپ، چنانچہ آپ ایک بے غیرت انسان کی طرح خاموش ہی رہیں تو بہتر ہے۔ اپنی بے عزتی کو منظر عام پر نہ لائیں۔ آپ جیسے لوگ صرف دم ہلانے کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ مجھے اس بات سے بات کرنے دیجئے۔ ہاں الماس آراء! میں نے اپنے سارے قول نبھائے ہیں۔ اب تک میں نے جو کہا ہے اور جیسا کہا ہے وہی کیا ہے۔ کیا سمجھی۔ آئندہ کے لئے بھی میں تجھے بتا رہی ہوں، میرا باپ، میری ماں، دونوں بہنیں مجھے مل جانی چاہئیں۔ اگر تم اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کرنا چاہو تو میں تم سے رابطہ رکھوں گی اور اگر.....“

”میں نے کمانا تھا۔ تو مسلسل بکواس مجھ سے کرتی رہتی ہے۔ ابھی اس وقت بھی کہا ہے کہ میں اگر چاہتی تو جھوٹ بول کر تجھے غلط طریقے سے اپنے جال میں پھانس سکتی تھی لیکن ایسا کمزور لوگ کرتے ہیں۔ تو نے جو چھوٹی موٹی کامیابیاں حاصل کر لی ہیں، ظفر شاہ کو مار کر یا اور جو کچھ بھی تو نے کیا ہے وہ کر کے تو اگر یہ سمجھتی ہے کہ اس طرح اپنا کام کر سکتی ہے تو ٹھیک ہے مزید کوششیں کر۔ میں بھی دیکھتی ہوں تو کس طرح کامیاب ہو جاتی ہے۔“

”ٹھیک ہے اوکے۔“ میں نے دونوں پستول تھوڑے دیر پر ایک جھوٹی سی میز پر رکھے اور اپنے لباس سے ایک چاقو نکال لیا۔ میں نے چاقو کھولا تو کمال احمد سے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر انہوں نے دہشت زدہ آواز میں کہا۔

”کیا، باب..... بد تمیزی کرنا چاہتی ہے تو؟“

”شٹ اپ۔ تم اب صرف شٹ اپ سننے کے لئے ہو کمال احمد۔ خاموش رہو۔ تمہارا خون نہیں بہتا۔ یونکہ تم بد قسمتی سے میرے باپ کے بھائی ہو۔ سنو اب میں تمہیں ایک پیشکش کر رہی ہوں۔ اگر تم دیکھ میں تمہیں بالکل ہی سڑکوں پر نہ لے آؤں اور کسی فٹ پاتھ پر بھیک مانگنے پر مجبور نہ کروں تو رات سے میرے ماں باپ کا پتہ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے تو میں یہ دیکھوں کہ اس کے جسم پر سوزش رہے۔ یہ تکلیف کا شکار رہے اور یہ سوچتی رہے کہ اسے مجھ سے لڑنا چاہئے۔ اس لئے اس کے چہرے اور جسم پر کچھ زخم ہونا ضروری ہیں۔“

”دیکھو، دیکھو۔ میری بات سنو۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہارے لئے کچھ کر سکوں۔“

”نہیں، میں بے وقوف نہیں ہوں۔ یہاں تک جس طرح میں آئی ہوں، میں ہی جانتی ہوں۔ آپ آرام سے میرے احکامات پر عمل کیجئے۔“ میں نے چادر تھمائی اور چاقو سے اس کے ٹکڑے کئے۔ چاقو استعمال دیکھ کر تایا صاحب کو کسی قدر اعتماد ہوا تھا۔ البتہ وہ دونوں مسہری پر ساکت رہے تھے۔ ریوا اور کے قبضے سے نکل جانا ان کے لئے بے بسی کی موت کا مترادف تھا پھر میں چادر کے مضبوط ٹکڑے کر

”اپنے دونوں ہاتھ پشت پر کر لیجئے محترمہ! ورنہ.....“

”بیچئے ہٹ۔“ الماس آراء نے غرا کر ہاتھ گھمایا تو میں سچ سچ بیچئے ہٹ گئی لیکن اس کے بعد میرا الٹا اس کے جبرے پر پڑا تو اس کی گردن گھوم گئی۔ اس کا سر چکرا گیا تھا۔ میں نے اس کا سراپہ ہاتھوں سے اور اس کے دونوں ہاتھ طاقت کے بل پر پشت پر کر دیئے۔ میرے عمل نے الماس بیگم کو سکے میں مبتلا کر فورا پھر میرا ہاتھ بھی ایسا پڑا تھا کہ تھوڑی دیر کے لئے وہ مفلوج ہو گئی تھی۔ میں نے اس کے دونوں کس کر پشت باندھے اور اس کے بعد چادر کا دوسرا ٹکڑا لے کر اس کے پاؤں کس کر باندھنے لگی لیکن بے زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ تایا صاحب خاموشی سے یہ سب دیکھتے رہے تھے۔ جی یہ ہے کہ مجھے تو ایک لمحے کے لئے یہ لگا تھا، جیسے میری یہ کاوش ان کے لئے سکون کا باعث ہو۔ میں مایہ ناز سے فارغ ہو کر چادر کا دوسرا ٹکڑا لے کر تایا کی جانب متوجہ ہوئی تو انہوں نے دونوں ہاتھ پشت پر لئے۔ البتہ میں نے ان کے ہاتھوں کو مضبوطی سے کسنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ پھر میں نے ان پاؤں بھی باندھ دئے۔

”نہیں، کیسا لگ رہا ہے آپ کو۔ آہ کاش، مجھے یہ سب کچھ نہ کرنا پڑتا لیکن ٹھیک ہے محترمہ الماس آراء! آپ نے جو کچھ کہا تھا، مجھے یا میری ماں کو، میرا خیال ہے۔ اس کی بہت مرتبہ ادائیگی کر چکی ہوں کہ سکون ہو گیا ہے۔ میں آپ سے ایک بار پھر سوال کرتی ہوں کہ مجھے میری ماں اور بہنوں کا پتہ بتا دیجئے۔ اسے والد کے بارے میں بتا دیجئے۔“

جواباً الماس آراء نے دانت کچکا کر مجھ پر تھوک دیا اور میر ہنسنے لگی۔

نی شروع ہو گئی اس لئے اس وقت بے پناہ پھرتی میرے لئے مناسب تھی۔ میں احاطے میں آگئی اور اسی شاید کسی چوکیدار نے مجھے دیکھ لیا اور زور سے چنچا۔

”ہون ہے، رک جاؤ، ورنہ گولی مار دوں گا۔“ جواب میں نے اندھا دھند کئی فائر جھونک دیئے۔ اس کے بعد چوکیدار کی چیخ سنائی دی تھی۔ میں اسے نظر انداز کرتی ہوئی پھرتی سے درخت پر چڑھ کر باہر کودا۔ اندر سے سیٹیوں کی تیز آوازیں ابھرنے لگی تھیں لیکن اس کے بعد مجھ پر قابو پانا ایک مشکل کام تھا۔ وہاں سے صاف نکل آئی اور کمرم شاہ کی کوٹھی میں پہنچ گئی۔ اس کے بعد میری رات بڑی پرسکون گزری۔ جو کچھ کر کے آئی تھی، اس نے دل و دماغ کو بڑا سکون بخشا تھا۔

دن کے گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب سب سے پہلے میں نے اس ریسپور سیٹ پر وہاں کی گفتگو کی کوشش کی تھی۔ مکمل خاموشی تھی اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ رے میں کوئی موجود ہی نہیں ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ اس کام سے غ ہوئی البتہ میں نے یہاں ایک اور کام کیا تھا۔ وہاں ہانگ کانگ میں، میں نے اس ڈکٹوفن کے بارے میں معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اس کی رینج کا بھی مجھے اندازہ تھا، چنانچہ میں نے جھوٹا سائپ ریکارڈ کچھ دن کے ساتھ ڈکٹوفن ریسپور سے منسلک کر دیا جو میری غیر موجودگی میں آنے والی آوازیں ریکارڈ کر سکتا ہے۔ یہ سارا سسٹم آؤٹینک تھا۔ میں مطمئن ہو کر دوسرے کمرے میں پہنچی اور یہاں میں نے سب سے پہلے اپنے چہرے کا میک اپ کیا۔ اس لوٹن کے ہلکے ہلکے پچر نے میرے ہونٹ موٹے کر دیئے، آنکھوں کے نیچے بھاری اور رخسار ابھار دیئے۔ البتہ میں نے یہ خیال رکھا تھا کہ میری دلکشی میں کوئی فرق نہ آئے۔ کام سے فارغ ہو کر میں باہر نکل آئی اور پھر ایک ٹیکسی کر کے نادے کی کوٹھی کی جانب چل پڑی۔ راستے میں نے قرب و جوار پر نگاہ رکھی تھی لیکن اب دنیا اتنی مستعد بھی نہیں ہوئی کہ میری ہر جنبش کو سمجھ لے۔ چنانچہ کوئی ایسا مشکل مرحلہ پیش نہیں آیا اور میں پرامینان انداز میں اپنا یہ سفر طے کرتی رہی۔ یہاں کہ نادے کی کوٹھی پہنچ گئی۔ جب میں ٹیکسی کا بل ادا کر کے کوٹھی کے گیٹ پر پہنچی تو چوکیدار نے مجھے الیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی! کس سے ملنا ہے لی بی!“

”بابا صاحب نے ابھی ٹیلی فون پر مجھے بلایا ہے۔ آپ اگر چاہیں تو میرے ساتھ اندر آ جائیں۔“

”بابا صاحب! میں بہت دن کے بعد آپ سے ملی ہوں لیکن آپ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔“

”یہ کہتے ہوئے میں نے مسکراتے ہوئے ایک آنکھ دبا دی تھی جس سے نادے فوراً مجھے پہچان گئی وہ ایک مسکرا دی۔ پھر اس نے چوکیدار کو واپسی کی اجازت دے دی اور میری طرف مسکراتے ہوئے بولی۔

”خدا کی قسم بالکل اندازہ نہیں ہو رہا کہ یہ تم ہو۔ ہاں اگر تمہارے قد و قامت کا کوئی بہت ہی گہری نظروں سے جائزہ لے تو شاید اسے شبہ ہو جائے کہ یہ تم ہو۔ خیر یہ ساری باتیں اپنی جگہ، سناؤ رات کی

”ہاں۔ بے بسوں کا یہی حربہ رہ جاتا ہے،“ تیا صاحب۔ جو کچھ میں نے کہا ہے آپ یقین کر سکتے ہیں زیادہ بڑھ کر کروں گی کیونکہ میری زندگی کا تو اب مقصد ہی یہ رہ گیا ہے۔ میں آپ کو وہ ہوں کہ اپنی اس بے غیرت زندگی کو کسی طرح کارآمد بنا لیجئے۔ میرے دل میں آپ لوگوں کے عزت، کوئی جذبہ، کوئی احترام نہیں ہے۔ اور ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ آپ خود سوچیں، ٹھنڈے دل کریں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ تائی صاحبہ یا محترمہ الماس آراء بیگم جو میری بدترین دشمن ہے کی بچی میں اب تم سے مخاطب ہوں۔ بتاؤ گی میرے ماں باپ کے بارے میں یا تھوکتی ہی رہو گی یا؟“

الماس آراء نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میں آگے بڑھی اور پھر میں نے وہ کر ڈالا جس کا الماس کو گمان تک نہیں تھا۔ میں نے اس کے دائیں رخسار پر چاقو کی نوک سے کوئی آدھا چمکرا زخم لگا دیا۔ چاقو کی نوک اس کے جڑے کا گوشت چرتی ہوئی اس کے سوڑے تک اتر گئی تھی۔ الماس آراء سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور میں ہنستی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

”اصل میں زخم ایسے ہونے چاہئیں جن کے بارے میں لوگ پوچھیں، معلوم کریں کہ یہ زخم پر کمال آیا۔ پوشیدہ زخم تو چھپائے بھی جاسکتے ہیں اور ان کے بارے میں کوئی بھی کمانی گھڑی جاسکتی ہے یہ زخم آپ کو ہمیشہ یاد رہے گا اور اس جیسے دوسرے زخموں سے بچنے کے لئے آپ کو کوشش کرنا الماس بیگم، بات اصل میں یہ ہے، میرا مسئلہ بھی ذرا مشکل ہی ہے۔ کرنا پڑے گا آپ کو وہ سب کچھ چاہتی ہوں اور ایک بات کا اندازہ آپ کو بھی ہو چکا ہو گا کہ جو چیلنج میں آپ کو کر کے گئی ہوں، میں اسے پورا کیا ہے۔ اب اس کے بعد میری اور آپ کی ملاقات ہو گی تو میں آپ کی ناک کا ٹھوڑا سا ساہ چاقو کاٹ لوں گی۔ ناک بھی یہی ہو گی اور چاقو بھی یہی۔“ الماس آراء کا پورا بدن تشنج کا شکار تھا۔ آنکھیں گہری سرخ ہو گئی تھیں۔ رخسار سے خون ابل رہا تھا اور وہ بستر پر تڑپ رہی تھی۔ میں نے کمال کی طرف دیکھا اور کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میری باتوں کا آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا، کمال احمد صاحب! اس کے بعد کی ملاقات بہت جلد ہو گی، اب چلتی ہوں۔ اور ہاں اس وقت آپ کے منہ میں کپڑا نہ ٹھونسا ایک زبردست غلطی کی، چنانچہ ایسا کرنا بھی ضروری ہے۔“

”ایسا تم کرو“ میں نہیں چیتوں گا اور جیتنے سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہو گا۔ ہمارے سارے فائدہ رہے ہیں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو میرے پاؤں کھول دو تاکہ میں باہر جا کر لوگوں کو بلا کر لا سکوں۔“ احمد صاحب کا لہجہ بڑا عاجزانہ تھا۔ میں نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا اور دوسرے لمحے ان کے پیروں بندش کاٹ دی اور بولی۔ ”ایک بہتر تعاون کے لئے یہ ایک چھوٹا سا اشارہ دے رہی ہوں۔ آپ کو کہہ کر میں پھرتی سے باہر نکلی اور پھر میز پر رکھے ہوئے دو ریوالتوں میں سے ایک ریوالت اٹھا کر میں اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ راہداری میں دوڑتی ہوئی اس جگہ تک پہنچ گئی جہاں سے میں اس کوڑے والی میں جا سکتی تھی۔ باہر جانے کے لئے یہی راستہ سب سے زیادہ موزوں تھا۔ کچھ ہی لمحوں کے اندر بنا

”بڑی دلچسپ، لیکن مجھے پہلے ناشتہ کرایئے۔“

”ٹھیک ہے۔ بس چند منٹ دے دو، آؤ بیٹھو ادھر آرام کرو۔“

میں صوفے پر تقریباً پھیل سی گئی۔ تھوڑی دیر میں ہی ناشتا میرے سامنے تھا۔

”آپ تو ناشتا کر چکی ہوں گی۔“

”نہیں۔ تمہارے ساتھ ہی کروں گی۔“ نادیا ہر طرح سے میری دلجوئی کرتی تھی۔ ہم دونوں

کرتے رہے۔ نادیا بار بار میرا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

”ہاں۔ اب بتاؤ۔ رات کیسی گزری؟“

”میں نے کہا بہت دلچسپ۔“

”یہ کوئی کس کی ہے اور کب سے تمہارے ہاتھ آئی؟“

”مکرم شاہ کی کمائی میں نے مختصراً تمہیں سنا دی تھی، نادیا! ویسے رات کے واقعات میرے

دلکش تجربے ثابت ہوئے ہیں۔“

”اچھا کیا رات کو کچھ واقعات بھی پیش آئے؟“

”ہاں۔ میرا جنون مجھے الماس آراء بیگم کے گھر لے گیا تھا۔“

”کیا؟“ نادیا کا ہاتھ ناشتے کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا۔

”ناشتا کرو۔ میں زندہ سلامت سامنے موجود ہوں۔“

”تت..... تم الماس بیگم سے کہاں ملیں؟“

”کوئی نہیں۔“

”میرے خدا اس لئے وہاں جا کر ٹھہری تھیں۔ یہاں ہوتیں تو میں تمہیں ایسی حماقت کرنے

روکتی۔“

”غلط کرتیں نادیا! اگر میرا جنون تحلیل نہیں ہوتا رہے گا تو یقیناً کرو، میں شر میں قتل عام

پھروں گی، اس وقت تک جب تک کسی کی گولی مجھے ہلاک نہ کر دے۔“ میں نے کہا اور نادیا عجیب

نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی، پھر بولی۔

”پھر بتاؤ ہوا کیا؟“ اور جو کچھ ہوا تھا، میں نے مزے لے لے کر اسے سنا دیا۔ نادیا نے دونوں ہاتھ

سے سر پکڑ لیا تھا۔ وہ سر پکڑے بیٹھی رہی اور میں ناشتا کرتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے دیکھ کر مجھے

آگئی۔ میں نے کہا۔

”اب اپنا سر پھوڑو گی یا نہیں۔ ابھی تو مجھے کچھ اور بھی سنانا ہے۔“ نادیا نے آنکھیں پھاڑ کر

دیکھا اور بولی۔

”اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟“

”ہاں۔“

”سنا دو بابا، وہ بھی سنا دو۔“

”بڑا ہی دلچسپ، بڑا مزیدار، عظمت جلال نے اس فرم کو خریدا ہے اور اعلیٰ پیمانے پر منشیات کی

کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں اسے نقصان پہنچانا چاہتی ہوں۔“ نادیا نے سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے

روٹی۔

”ایک درخواست ضرور کروں گی تم سے۔ وہ یہ کہ تنظیم کے مفادات کے خلاف کچھ کرنے کی

اجازت کرنا۔“

”تم سے مشورہ کرنا چاہتی ہوں نادیا! مجھے بتاؤ کیا یہ مناسب رہے گا۔ ہم تنظیم کے مفاد کے لئے کام

ہیں۔ تنظیم نے اپنا منشیات کا وہ ذخیرہ جو وہاں ہانگ کانگ میں تھا، عظمت جلال کے ہاتھوں فروخت

ہے۔ ہمیں اس کی ادائیگی بھی ہو گئی ہے۔ کیا اب اس ذخیرے سے ہماری کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے؟“

”نہیں! لیکن ہمارا اس سے رابطہ تو رہے گا۔ وہ ہمارا آئندہ کا بھی خریدار ہے۔“

”اس خریداری پر کوئی حرف نہیں آئے گا بلکہ اگر اس کا منشیات کا کوئی بہت بڑا ذخیرہ تباہ ہو جاتا ہے

ہمایت اربوں ڈالر ہو تو وہ تو بیٹھ جائے گا۔ تنظیم اپنے لئے نئے گاہک تلاش کرے گی۔“

”مگر ڈیئر! اگر اسے یہ پتا چل گیا کہ ذخیرہ تباہ کرنے میں ہمارا ہاتھ ہے تو کیا یہ بات تنظیم کے مفادات

اف نہیں ہو گی؟“

”اسے یہ پتا کبھی بھی نہیں چل سکے گا کہ ذخیرہ تباہ کرنے میں تنظیم کا ہاتھ ہے۔ البتہ اسے یہ علم

ہو جائے گا کہ یہ کام شاہ نور نے کیا ہے اور نادیا تم جانتی ہو، میرا مشن تنظیم کے مفادات کی نگرانی کرنا

بلکہ اپنے ماں باپ کے دشمنوں کو نقصان پہنچانا ہے۔ ویسے بھی نہ عظمت جلال یہ بات جانتا ہے نہ فی

لوی اور کہ اصل میں میں کون ہوں، میں اس سے اپنی اصلی صورت میں ملی بھی نہیں تھی۔“

”ٹھیک ہے، مجھے ذرا غور کرنے دو۔“ نادیا نے بغیر کسی پریشانی کے کہا۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی

بابا۔

”یہ بات تم بھی جانتی ہو نور کہ مجھے بھی تنظیم سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا

میں نے مفادات کے لئے استعمال کر سکتے تھے۔ خاص طور سے اس وقت یہ تمہارے لئے بہت بہتر ثابت

ہو گا۔ تنظیم میں شامل ہو گئیں اور خوش قسمتی کہ بات یہ ہے کہ تمہیں ایک نمایاں حیثیت بھی حاصل ہو

اے گی۔ ابھی تو تنظیم کے کسی بھی فرد کو یہ بات معلوم نہیں کہ تمہارا اصل معاملہ کیا ہے۔ چنانچہ یہ سب کچھ

ہو سکتا ہے۔ بڑی دلچسپ بات ہے یہ۔ یہ بتاؤ مجھے کہ کیا قصہ ہے؟“

”بابا میں نے وہ ساری گفتگو نادیا کو سنا دی جو میں نے وہاں بیڈ روم میں سنی تھی۔ نادیا نے

لہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”اس کا مطلب ہے، اربوں ڈالر کا کیس ہے۔“

”ہاں، سو فیصدی۔“

”یار! بات تو بڑی مزے دار ہے۔ انہیں خوفناک مالی دھچکا پہنچے گا۔ صورت حال بڑے مزے کی ہو

جائے گی۔ تنظیم کو اس بات کا پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ یہ کام ہم نے کیا ہے۔

”نہیں پتہ چلے گا۔“

”مگر یہ سب کچھ کرو گی کیسے؟“

”اس سلسلے میں کچھ کرنا ہو گا۔“ میں نے جواب دیا اور نادیدہ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

”تنظیم کے کسی آدمی سے ہم اس سلسلے میں کوئی کام نہیں لے سکتے لیکن یہ معلوم کرنا ہوا عظمیٰ جلال نے منشیات کا وہ ذخیرہ کہاں چھپایا ہوا ہے؟“

”ہاں بالکل۔ یہ پتا لگانا پڑے گا۔“

”میرا خیال ہے اس کے لئے ہمیں سلطان شاہ کا سہارا لینا چاہئے۔ کیونکہ بگ شو بہر حال ان کے آدمیوں میں سے ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور کہا۔

”بڑا اچھا نشان بتایا ہے تم نے، بہت ہی اچھا اور ویسے بھی میں سلطان شاہ سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”مگر اس شکل میں نہیں۔ ہمیں ہر شخص کے معیار کا خیال رکھنا چاہئے۔“

”نہیں، میں اس سے اصلی شکل میں ہی ملوں گی۔“

”میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟“

”صرف ایک۔“ میں نے انگلی اٹھا کر کہا اور نادیدہ مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

”بولو، بتاؤ۔“

”مجھ سے دور رہو۔ اتنی دور کہ کسی کو تمہارے بارے میں شبہ نہ ہو سکے۔“ نادیدہ ہنس پڑی پھر بولی۔

”یہی تو دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔“

”مگر تمہیں یہ کرنا ہے۔“

”میں تم سے یہ کہنے والی تھی کہ اس بدلی ہوئی شکل میں تم میرے پاس آ جاؤ۔“

”کسی بھی طور مشکوک نہیں ہونا ہے۔ کیا سمجھیں!“ نادیدہ پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔

رات کو ساڑھے نو بجے میں نے اپنے اصل نقوش بحال کئے۔ ایک برقع اوڑھا اور اس کے بعد ڈرائیور کو میں نے اس علاقے کا پتا بتا دیا تھا جہاں مجھے تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں پہنچ گئی اور

کے بعد بقیہ فاصلہ میں نے پیدل ہی طے کیا تھا۔ سلطان شاہ ذہن میں تھا اور اس کے بارے میں بات باتیں سوچ رہی تھی۔ سلطان شاہ کے اڈے پر سب سے پہلے میری ملاقات کاچھو سے ہوئی۔ کاچھو نے

دیکھا تو میرے قریب پہنچا۔

”جی کس سے ملنا ہے؟“

”شاہ جی سے۔“ میں نے جواب دیا۔

”کون ہو؟“

لیا تم چہرہ دیکھنا چاہتے ہو؟“

نہیں۔ میں بھی ماں بہن والا ہوں۔ مگر بی بی! شاہ جی سے ملنے کا مطلب تو بتاؤ؟“

کاچھو میں شاہ نور ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔ کاچھو اچھل پڑا پھر بولا۔

ارے بہن جی! آپ آئیے آئیے۔ جلدی آئیے۔ ادھر سے آ جائیے۔“ کاچھو مجھے سلطان شاہ کی

دکے پچھلے حصے کی طرف لے چلا تو میں نے اس سے کہا۔

”شاہ جی خیریت سے تو ہیں نا؟“

اللہ کا فضل ہے۔ آپ بتاؤ آپ خیریت سے تو ہو۔ آپ کے لئے شاہ جی اتنے پریشان تھے کہ آپ کوئی بڑا بھائی اپنی بہن کے لئے اتنا پریشان نہیں ہو سکتا۔“

یقین نہ کرنے کی کیا بات ہے کاچھو۔ شاہ جی میرے بڑے بھائی ہیں۔“

”آپ ادھر سے آ جاؤ۔ میں شاہ جی کو کمرے میں بلاتا ہوں باہر محفل جی ہوئی ہے۔“ کاچھو نے مجھے

بے میں بٹھایا۔ میں نے برقع اتار کر ایک طرف رکھ دیا اور انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد

شاہ ہانپتا کانپتا ہوا کمرے میں آ گیا۔ اس نے مجھے دیکھا اور بڑے محبت بھرے انداز میں بولا۔

”تم خیریت سے تو ہو بہن! مرادو دیا تھا تم نے مجھے۔“

”ایسی باتیں کیوں کہہ رہے ہو سلطان شاہ! کوئی غلطی ہو گئی مجھ سے؟“

”کہاں چلی گئی تھیں تم؟ بس یہ بتاؤ۔ ہم نے تو ان سب سے تعلق توڑ لیا جن کے سپرد ہم نے تمہیں

اچھی خاصی دشمنی ہو گئی ہے، جب کہ بڑی پرانی دوستی تھی۔“

”یہ کچھ غلط ہو گیا۔ شاہ جی! وقت نے مجھے الجھا دیا تھا۔ میں صحیح طور سے آپ سے وضاحت نہیں

جو چکر ڈال دیا تھا، بس اسی میں الجھی رہی ہوں۔“

”پہلے تو یہ بتاؤ وہاں جو ہم نے تمہیں بھیجا تھا؟“

”بالکل ٹھیک تھا۔ سب نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ میں خود ہی حالات سے گھبرا کر وہاں

ل نکلی تھی۔“

”اور ہمیں اطلاع تک نہیں دی۔“ سلطان شاہ نے شکایتی لہجے میں کہا۔

”جیسے ہی فرصت ملی شاہ جی! آپ کے پاس آ گئی۔ میں نے تو آپ ہی کے شانوں کا سہارا لے کر ایک

بے اثر دے کے منہ میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔“

”اخبارات میں ساری باتیں پڑھ رہا تھا مگر بے بسی کا شکار تھا۔ تمہارا پتا ہی نہیں لگا، کیا کرتے تمہارے

مذاہک کم کہیں سے نکلی فون ہی کر دیتیں۔“

”میں تھی ہی نہیں۔“

”کیا مطلب ہے؟“

”ہانگ کانگ چلی گئی تھی۔“

”کیا!“ سلطان شاہ حیرت سے بولا۔

”ہاں شاہ جی! بس ایک لمبا چکر چل گیا ہے۔ بات جب دشمنی ہی کی آگئی ہے تو یہ سمجھ لیجئے کہ دشمنی ہی ہوتی ہے۔ الماس آراء بیگم پر اتنے گھاؤ لگائے ہیں میں نے کہ اب کسی کتیا کی طرح بیٹھی چاٹ رہی ہے اور چانتی رہے گی اس وقت تک جب تک کہ اس کا غور خاک میں نہ مل جائے۔“

”لے گا۔ لے گا۔ انشاء اللہ ضرور ملے گا۔“ سلطان شاہ نے بڑے خلوص سے کہا۔

”شاہ جی! آپ کے پاس ایک کام سے آئی ہوں۔“

”بولو بہن! بھائیوں کا اور مصرف کیا ہوتا ہے! جو کام دل میں ہے بتا دو ہمیں۔ ہو جائے گا اور

تعالیٰ۔“ سلطان شاہ نے کہا۔

”جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا شاہ جی کہ میں ہانگ کانگ چلی گئی تھی۔ بس یوں سمجھئے کہ میری رہنما ہے۔ مار پر مار لگا رہی ہوں ان لوگوں کو اور وہ مار کھا رہے ہیں مجھ سے۔ شاہ جی! عظمت کے بارے میں ایک بہت بڑا انکشاف ہوا ہے۔ وہ یہ کہ اس نے منشیات کی تجارت شروع کر دی ہے سلسلے میں اس نے بڑی بڑی کمپنیوں سے ڈرگز کی خریداری کی ہے۔ اب اس کے بعد اس نے یہاں بھی بنایا ہے اور منشیات کی ایک بہت بڑی کھپ اس کے پاس پہنچ گئی ہے یا آنے والی ہے۔ یہ سلطان شاہ کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک مذہم مسکراہٹ پائی۔ یہ مسکراہٹ میرا میں نہیں آتی تھی۔ میں نے ایک دم خاموش ہو کر کہا۔

”شاہ جی! کیا بات ہے؟“

”جو کچھ تم بتا رہی ہو، وہ میرے علم میں ہے۔“ سلطان شاہ نے جواب دیا۔

”کیا واقعی؟“

”ہاں۔ اس نے یہاں کاروبار شروع کیا ہے اور منشیات کی سپلائی کے لئے ان چھوٹے بڑے گروپوں سے رابطے قائم کئے ہیں جو یہاں اگلے سیدھے کام کرتے ہیں۔ ان میں ہم بھی شامل ہیں۔“

”کیا؟“ میں حیرت سے اچھل پڑی۔

”ہاں۔ بگ شو کی معرفت ہمیں بھی پیغام ملا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو کمیشن پر کام کر سکتے ہیں۔ بظاہر شو نے اس سلسلے سے اپنا تعلق ظاہر کیا تھا لیکن یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ اس کے پس منظر میں کون معلومات کر لی ہیں ہم نے۔“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے شاہ جی! اس طرح تو ہم بڑی آسانی سے منشیات کے اس ذخیرے تک سکتے ہیں۔“

”ہاں! کیوں نہیں۔“

”شاہ جی! منشیات کا وہ ذخیرہ میں تباہ کرنا چاہتی ہوں۔“ میں نے کہا اور سلطان شاہ کی آنکھیں

سے پھیل گئیں۔

”گویا تمہارا مطلب ہے کہ تم عظمت جلال کو.....“

”ہاں۔ میں عظمت جلال کو ایسا نقصان پہنچانا چاہتی ہوں کہ وہ مبینوں بیٹیا اپنے زخم چاٹتا رہے۔“

لما اور پھر میں نے مختصراً سلطان شاہ کو الماس آراء کے بارے میں تفصیل بتادی۔ جس میں بتایا کہ ایک اشتی کروڑ روپے جو الماس آراء کا کل سرمایہ تھا اس کاروبار میں شامل ہے اور بہت جلد اس کی ادائیگی ائے گی جس سے منشیات کا یہ ذخیرہ خریدا جائے گا۔ اربوں ڈالر کا معاملہ ہے۔ عظمت جلال بھی کتے کی بیٹھ کر ہانپنے لگے گا۔ یہ میرا ایک چھوٹا سا حملہ ہو گا ان لوگوں پر۔“

”ہوں۔ تو تم یہ چاہتی ہو کہ منشیات کا وہ ذخیرہ تباہ کر دیا جائے؟“

”میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ ان کے سینوں پر کاری ضربیں لگتی رہیں۔ آپ کو معلوم ہے شاہ جی کہ ناماٹی بی بی کی مریض ہیں۔ ایک لاکھ روپے صرف ایک لاکھ روپے چاہئیں تھے مجھے۔ جن کا کہیں سے ہندوبست نہیں ہو سکا تھا حالانکہ خود میرے باپ کا اس جائیداد میں کتنا بڑا حصہ ہو گا! یہ آپ خود بھی اکتے ہیں۔ ایسے غاصبوں کو ہر طرح کا نقصان پہنچانا چاہئے۔ یہی میرا مشن ہے اور یہی میری زندگی کا مقصد۔“

”میں جانتا ہوں اچھی طرح جانتا ہوں۔“ سلطان شاہ نے جواب دیا۔ بہت دیر تک سلطان شاہ گہری سچ میں ڈوبا رہا پھر اس نے کہا۔

”ہماری جو ڈیوٹی لگائی ہے وہ یہی ہے کہ سمندری راستے سے منشیات کی کھپ آئے گی اسے دامنوں تک پہنچا دیا جائے۔ بس یہ ہے سارا سلسلہ اور اس کے بعد سپلائی کے بارے میں سوچا جائے۔“

”شاہ جی! اس کا مطلب ہے کہ ہمارے آدمی ہی اس کھپ کو گوداموں تک پہنچائیں گے۔ کیا کچھ مال ابھی ہے؟“

”کل رات کھپ پہنچے گی۔“ سلطان شاہ نے جواب دیا اور میرے پورے رگ و پے میں سنسنی دوڑ

”شاہ جی! کیا میں امید رکھوں کہ آپ مجھے ان گوداموں کا پتا دے دیں گے؟“

”بہن! جب بہن بھائی کا معاملہ ہے تو پھر پوچھنے کی کیا بات ہے۔ کہاں ٹھہری ہوئی ہو تم؟“

”شاہ جی! بس میں نے اپنا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں بنایا۔ جگہ جگہ گردش کرتی رہی ہوں۔“ سلطان شاہ

بڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ آہستہ سے بولا۔

”سچ بات ہے۔ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ تم نے زندگی تنگ کر رکھی ہے ان سسروں پر۔ ویری گڈ

بی گڈ۔ مجھے ایک بات کی بڑی خوشی ہے۔ وہ یہ کہ میں نے کسی معمولی ہستی کو اپنی بہن نہیں بنایا۔ دیکھو

و نور! ہر انسان ایک دوسرے کی مدد کا طالب ہوتا ہے لیکن مدد اسی وقت کارگر ہوتی ہے جب خود اپنے

ذہیروں کو بھی بلایا جائے۔ تم تو خیر بہت زبردست طریقے سے مصروف عمل ہو۔ چلو ٹھیک ہے ہو جائے گا

مسک۔ اور کچھ میری بہن؟“

”نہیں شاہ جی! ویسے ایک بات کا مجھے گہرا تجربہ ہو رہا ہے۔ میرا اپنا تو کوئی بھائی نہیں ہے لیکن بہنوں

کا بھائی ہوں تو سچی بات یہ ہے کہ بہنوں کا سارا بوجھ ان کے شانوں پر جا پڑتا ہے۔“

”چھوڑو مذاق مت کرو۔ ہم کہاں اور ہماری اوقات کہاں ہے۔ تم جو کچھ کر رہی ہو، وہ کوئی معمولی

بات نہیں ہے۔ ایک طرف پولیس دوسری طرف ایک انٹرنیشنل گروپ دونوں تمہارے پیچھے لگے ہوں اور تم ابھی تک کامیابی سے انہیں چکر پے چکر دے رہی ہو۔

یہ باتیں ہمارے درمیان بہت دیر تک ہوتی رہیں۔ سلطان شاہ نے مجھ سے وعدہ کر لیا کہ وہ فوری طور پر اطلاع دے گا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں پبلک بوتھ سے اس سے رابطہ کروں گی اور ہمارے درمیان یہ ساری باتیں طے ہو گئیں۔ اس کے بعد ظاہر ہے مکرم شاہ کی کوٹھی کے علاوہ اور کون سی ہو سکتی تھی۔ مکرم شاہ کی کوٹھی میں بھی اب میرے لئے ایک دلچسپی کا سامان موجود تھا۔ یعنی ڈکٹو فون راز جو میرے لئے بڑا کارآمد تھا۔ بہر طور میں وہاں پہنچ گئی اور پھر میں نے وہ ریکارڈنگ دیکھی جو ڈکٹو فون راز کے ذریعے ہوئی تھی۔ ریکارڈنگ موجود تھی۔ میں نے کیسٹ ریوایز کر کے اسے آن کر دیا۔ کچھ آئینیں سرسراہٹیں سنائی دیتی رہیں۔ پھر ایک آواز ابھری۔

”جی۔ کیا بات ہے۔ کون ہے، اوہو اچھا بھائی! آپ بول رہے ہیں۔“ یہ آواز کمال احمد کی تھی۔ ہاں۔ ہانگ کانگ سے کب واپسی ہوئی۔ اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ ہاں نہیں۔ ہم ایک چھوٹی سی مشکل کا ہو گئے ہیں۔ بس وہی چکر چلا ہوا ہے۔ شاہ نور ہمارے لئے وبال جان بنی ہوئی ہے۔ اس نے یہاں رہا ہو کر الماس کو زخمی کر دیا ہے۔ مطالبہ کر رہی ہے کہ اس کی ماں اور بہنوں کا پتا بتا دیا جائے۔ جمال احمد کہیں پتا نہیں۔ ہاں۔ الماس بھی ضدی ہے، آپ کو تو پتا ہی ہے۔ بس جان دیں پر آمادہ ہے۔ میں نے کوشش کی اور کہا کہ اس جنجال سے نکل آئے مگر نہیں مانتی۔ ہاں، بالکل نہیں مانتی۔ میں کیا کر سکتا ہوں آپ بھائی ہیں اس کے، سمجھائیے۔ میری کیا حیثیت ہے، یہ آپ کے علم میں ہے۔ جی جی۔ ہاں، نہیں، خاص زخم نہیں ہے۔ وہ اسپتال جانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ سو رہی ہے اس وقت۔ جی جی۔ ہاں بالکل ظاہر ہے، الماس نے فیصلہ کر لیا ہے تو میں اسے کیسے ٹال سکتا ہوں۔ کل ادا لگی ہو جائے گی۔ جی جی۔ ہاں۔ جس طرح آپ مناسب سمجھیں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ منافع کا معاملہ میرا اور آپ کا نہیں بلکہ آپ کا الماس کا ہے۔ میں تو خود پریشان ہوں، آپ کو پتا ہی ہے۔ وہ گھٹاؤ پر گھٹاؤ لگاتے جا رہی ہے اور ہم کچھ نہیں کر پارہے۔ قتل و غارت گری پر آمادہ ہو گئی ہے۔ وہ۔ ہاں۔ اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے۔ خوار نہ آپ بھول سکتے ہیں نہ میں۔ ہاں۔ نہیں ابھی تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جیک ایڈز جیل والے، بس پیچھا کر رہے ہیں اس کا۔ میرا خیال ہے، ان کے پاس اس کا کوئی نشان نہیں ہے۔ جی جی۔ نہیں لگا ہے، آپ کل صبح الماس سے بات کر لیں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ ڈرینک کرا دی ہے۔ رقم تو خیر کل ادا ہو جائے گی۔ جی جی۔ بالکل بالکل ٹھیک ہے۔ اوکے سر۔ اوکے۔ ہاں بالکل آپ مطمئن رہیں۔“

یہاں گفتگو ختم ہو گئی تھی لیکن اس گفتگو سے جو کمائی افاد کی جاسکتی تھی، وہ بڑی ہی سادہ اور آسان سی تھی۔ ساری باتیں بخوبی سمجھ میں آ جاتی تھیں اور مجھے بڑا اطمینان حاصل ہوا تھا، اس کے بعد میں گھر نیند سو گئی تھی۔ نادیدہ سلطان شاہ سے بے مقصد رابطے غیر مناسب تھے، چنانچہ یہ پورا دن میں نے کوٹھی ہی گزارا۔ پھر رات کو میک اپ کر کے باہر نکلی اور ایک پبلک کال بوتھ پر جاکر سلطان شاہ کو فون کیا۔ سلطان شاہ نے خود فون ریسیو کیا۔

”بس ابھی چند منٹ کے بعد جینی جا رہا ہوں۔ مال آنے والا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ اور کچھ؟“

”دوبارہ رابطہ قائم کرنا پھر تفصیل بتا دوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔ لیکن میں نے کچھ اور ہی فیصلہ کر لیا، چنانچہ پھر مجھے جینی جانے سے کون روک سکتا تھا۔ ساری رات ایک ایسی جگہ گزاری جہاں سے میں اندری لانچوں کی آمد و رفت پر نگاہ رکھ سکتی تھی۔ بڑی ہی مشکوک کیفیت تھی۔ بندرگاہ کے نگہبان پہرے سے رہے تھے اور میں جینی پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور کوئی نتیجہ ظاہر نہ ہوا۔ صبح نو میں واپس آگئی تھی اور سوچتی رہی تھی کہ یہ کیا ہوا۔ بہر حال پھر بقیہ دن سو کر ہی گزارا۔ شام کو جاگی اور سب سے پہلے ڈکٹو فون ریسیور آن کر کے صورت حال کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ ڈکٹو فون ریسیور سے کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی۔ شپ خالی تھا، اس کا مقصد ہے وہ لوگ کمرے میں موجود نہیں تھے۔ اسے آف کرنے کے بعد اپنا حلیہ تبدیل کیا اور پھر باہر نکل آئی۔ اس پبلک کال بوتھ سے میں نے پھر سلطان شاہ کو فون کیا اور سلطان شاہ نے فون ریسیو کر لیا۔

”ہاں کیسی ہو؟“

”ٹھیک ہوں بھائی۔ آپ سنا ئیے۔ کل کام ہوا۔“

”ہاں۔ بہت بڑی کھپ آئی ہے۔ اربوں ڈالر کا مال ہو سکتا ہے۔ معمولی بات نہیں ہے اور شاید ابھی اور بھی آنے والا ہے۔“

”مگر یہ آیا کس طرح؟“

”سمندر کے راتے سے۔“

”ایک بات بتاؤں شاہ جی! میں خود بھی جینی پر رات بھر ڈیوٹی دیتی رہی ہوں۔“

”ارے میری لپٹی بن! یہ کیا بے وقوفی کی تم نے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ وہ کیا جینی کے راتے آسکتے تھے؟ ایسے کاموں کے لئے ان کے اپنے پوائنٹس ہوتے ہیں۔ وہ بڑی لانچ ایگل بیج کے ذریعے آئی تھی اور ایگل بیج کے بارے میں شاید تم نہیں جانتیں۔ ایک بالکل ہی سنان ساحل ہے جو صرف اسٹیکروں ہی کے کام آسکتا ہے۔ ان کے اپنے اثر و رسوخ سے وہاں پہرہ نہیں ہوتا۔“

”اوہ۔ تب تو واقعی مجھ سے حماقت ہوئی۔“

”اب بہت سے کام ایسے بھی تو ہیں جو تم نہیں جانتیں۔ معمولی سی بات میں کہہ رہا ہوں کہ اگر ہم مارکونکس کو اس بارے میں اطلاع دے دیں اور جب وہ سنیں کہ بات ایگل بیج کی ہے تو خود تمہارے چکر میں پڑ جائیں گے کہ تم کہاں سے بول رہی ہو۔ یا پھر اگر فرض کرو کوئی نیکو کار گروہ اس مال پر چھاپہ مار بھی دے تو دوسرے دن یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ تو کامیونکس کا سامان تھا۔ بہر حال اس کا نام کوئی نہیں لے گا۔ بات کو سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔“ سلطان شاہ نے کہا اور میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”شاہ جی! اب ایک بات تو بتاؤ۔ گوداموں کا پتا تو چل گیا؟“

”مال پہنچانے والے ہی ہم تھے۔“ سلطان شاہ نے کہا اور ہنس پڑا۔
”ویری گڈ۔ تو پھر کیا کروں؟“

”آجاؤ۔ مگر ذرا احتیاط کے ساتھ۔“ سلطان شاہ بولا اور میں نے خوشی سے گردن ہلا دی۔

پھر اس کے بعد سلطان شاہ کی رہائش گاہ پر پہنچ گئی۔ اب مجھے عقبی دروازے کا راستہ معلوم ہو تھا۔ سلطان شاہ میرا انتظار کر رہا تھا۔ کہنے لگا۔

”جو کچھ کرنا ہے‘ آج ہی رات کرنا ہے۔ کیونکہ صبح کو بڑے بڑے سپلاؤ آرہے ہیں۔ میرا خیال۔ آدھی رات کے بعد سپلائی شروع ہو جائے گی۔ وہ کروڑوں روپے وصول کر چکا ہے اور کوئی رسک نہیں چاہتا۔ اس کے کام کرنے کا انداز یہی ہے۔“
”تو پھر؟“

”بس میری بہن کا حکم تھا۔ کام شروع کر رکھا ہے۔ اس وقت کالیا، کاجھو اور میرے دو اور آدمی گوداموں کے آس پاس موجود ہیں اور میں نے اپنی بہن کے لئے یہ ایک چھوٹا سا تحفہ تیار کیا ہے۔“ سلطان شاہ نے کہا اور ایک بریف کیس اٹھا کر لایا۔ پھر اسے میرے سامنے کھول دیا۔ میں نے حیرت سے دستی ہوا کو دیکھا۔ چھ ہم تھے اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”یہ گودام کاٹھ بیری کے علاقے میں ہے اور وہ علاقہ بالکل سنسان ہوتا ہے۔ گودام کافی بڑا ہے اور اس میں سب روشن دان بنے ہوئے ہیں۔ ان دستی بموں کو چھ افراد مہارت کے ساتھ ان روشن دانوں سے اندر پھینکیں گے اور ہمارا کام ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔“ میں نے شدید سنسز محسوس کی تھی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس کام میں مجھے اتنی مدد مل جائے گی۔ میرے دل میں ایک حسرت تھی کاش! میں ان لوگوں پر یہ کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے سلطان شاہ سے اس بارے میں اتفاق کر لیا۔ میں نے کہا۔

”یہ دستی بم ہمیں صبح نشانہ لے کر پھینکنے ہوں گے۔“

”بس اسی مہارت کی ضرورت ہے۔ ورنہ ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔“

”ہم ضرور کامیاب ہوں گے‘ شاہ جی۔“

”میں نے تین گاڑیوں کا بندوبست کیا ہے اور دو دو کی ٹولیں ہیں ہم ان گاڑیوں میں وہاں سے واپس آئیں گے دو گاڑیاں وہاں موجود ہیں اور چھپا دی گئی ہیں۔ میرا ان لوگوں سے رابطہ ہے۔ تیسری گاڑی میں مجھے اور تمہیں چلنا ہے بہن۔“

”تو پھر ہم کس وقت روانہ ہوں گے؟“

”بس اللہ کا نام لے کر تھوڑی دیر کے بعد۔“ سلطان شاہ نے جواب دیا۔

جائے پی کر ہم لوگ باہر نکل آئے۔ سلطان شاہ نے ایک ٹوٹی پھوٹی سی دین ساتھ لی تھی۔ اس نے دین کو اشارت کر کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”دیکھنے والے اسے کبھی چوری کرنے کی کوشش کرنا چاہیں تو تھوک کر چلے جائیں گے کہ یہ بھی کوئی

انے کی چیز ہے لیکن اس کا انجن اس قدر شاندار اور بے آواز ہے کہ بس جواب ہی نہیں۔“
”کیا واقعی۔“

”ہم تین کاموں کے سلسلے میں‘ بس اسے استعمال کرتا ہوں۔“ پھر ہم ایک طویل فاصلہ طے کر کے درگاہ کے نزدیک ان گوداموں تک پہنچ گئے۔ جہاں بڑی بڑی کپینوں کے گودام بنے ہوئے تھے۔ علاقہ بالکل بے رونق تھا۔ تاحید نظر ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ صرف گوداموں کے نزدیک چوکیدار نظر آجاتے تھے لیکن جو دوام ہمارا ٹارگٹ تھا اس پر چوکیدار بھی نہیں رکھا گیا تھا۔ غالباً احتیاطاً ایسا کیا گیا تھا یا پھر یہ بات بھی کسی اسکتی ہے کہ عظمت جلال اس فیلڈ میں نیا آیا تھا اور وہ سارے انتظامات نہیں کر سکا تھا جو اسے کرنے چاہئے تھے۔ سلطان شاہ کو وہ ٹھکانے معلوم تھے جہاں اس کے آدمی چھپے ہوئے تھے۔ چنانچہ دین ان دونوں جگہوں پر اکر کر دی اور ان لوگوں کو دستی بم دے دیئے گئے۔ غالباً پروگرام انہیں پہلے سے ہی معلوم تھا۔ کاجھو سے بات وئی تو سلطان شاہ نے کہا۔

”دیکھو کاجھو! ساری زندگی تم لوگوں نے باسکٹ بال کھیلی ہے۔ کیا سمجھے۔ یہ امتحان ہے۔ ہم اگر دیوار سے ٹکرا کر واپس پلٹ گیا تو سمجھ لو کہ تم گئے۔“

”نہیں استاد ایسا نہیں ہوگا۔“ کاجھو نے جواب دیا۔ امتحان میرا بھی تھا۔ میں نے تو واقعی کبھی باسکٹ بال نہیں کھیلی تھی لیکن ان روشن دانوں کو میں نے دیکھا تھا۔ ہمارا سارا منصوبہ زیر عمل آگیا اور ایک مخصوص وقت طے کر لیا گیا۔ ہم لوگ اپنی اپنی جگہوں پر چھپ گئے۔ میں نے اپنے روشن دان کو تاک لیا تھا اور سچی بات یہ ہے کہ اس وقت میں نے خود کو پٹاناز کیا تھا اور اس بات پر مکمل طور پر آمادہ کر لیا تھا کہ میرا نشانہ غلط نہیں جائے گا۔ کوئی بیس فٹ کی بلندی پر وہ روشن دان موجود تھا۔ دستی بم کا وزن سیٹھی پن کاٹھانا‘ یہ سارے کام بڑی مہارت سے کرنے تھے۔ پھر وقت آگیا اور ہم لوگوں نے اپنا کام کر ڈالا۔ میں نے سیٹھی پن کھینچ کر دستی بم کو روشن دان پر مارا اور دستی بم بڑے آرام سے اندر جاگرا۔ پھر جو کان پھاڑنے والے دھماکے ہوئے وہ ساعت ٹھکن تھے۔ دستی بم پھینک کر ہمیں فوراً وہاں سے بھاگنا تھا۔ سلطان شاہ میرے پاس پہنچ گیا۔ بیٹ ناک دھماکے ہو رہے تھے اور ہم بار بار لڑکھڑا جاتے تھے۔ بمشکل تمام ہم دین تک پہنچے۔ سلطان شاہ نے کھلے دروازے سے دین کے اندر چھلانگ لگائی اور ایک سیکنڈ میں سیلف لگا کر دین اشارت کر لی۔ دور دور تک پھیلے ہوئے گوداموں سے ٹارچوں کی روشنیاں لہرائے لگی تھیں لیکن ہم بڑی برق رفتاری سے ان کی زد سے نکل آئے۔ دوسری طرف دو اور گاڑیاں اشارت ہو کر نکل پڑی تھیں۔ ادھر گودام کے چھتیزے اڑ گئے تھے اور چند ہی لمحوں کے بعد پورا گودام شعلوں کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔ ہم بہت دور نکل آئے اور اب دوسری گاڑیاں بھی قریب آتی جا رہی تھیں۔ بڑی برق رفتاری سے ہم نے وہ علاقہ عبور کیا اور اس کے بعد مختلف راستوں سے ہوتے آخر کار سلطان شاہ کے اڑے پر پہنچ گئے۔ سلطان شاہ کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔ میری بھی آنکھوں سے روشنی ہی روشنی جھلک رہی تھی۔ میں اس خیال سے لطف لے رہی تھی کہ اب آئے گا مزا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ میں نے ایک اور فیصلہ بھی کیا تھا۔ میں اب اپنے اس کارنامے کو ان پر جتنا چاہتی تھی۔ سلطان شاہ نے کہا۔

”بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے ہمیں اور دیکھ لو! ایک بھی نشانہ خطا نہیں گیا۔ چیتھرے اڑ رہے۔“

”میں شکریہ نہیں ادا کروں گی شاہ جی!“

”ادا کرو گی تو مجھے ذلیل کرو گی۔“

”اب چلتی ہوں۔“ میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں چھوڑنے چتا ہوں۔“

”نہیں۔ ٹیکسی سے جاؤں گی۔“ میں نے جواب دیا اور سلطان شاہ نے اس پر بھی ضد نہیں کی تھی۔ کامیابی کی خوشی نے میرے سارے وجود میں مسرت کی لہر دوڑا رکھی تھی۔ اس بار میں نے ٹیلی فون کرنے کے لئے ایک اور علاقے کے کال بوٹھ انتخاب کیا۔ ایک ہی جگہ سے بار بار فون کرنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اس علاقے میں خاص طور سے نظر آتی ہوں۔ یہ بات ٹیکسی کے سفر کے دوران میرے ذہن میں آئی تھی۔ بہر حال کال بوٹھ میں بیٹھنے کے بعد میں نے الماس بیگم کی کوٹھی کا نمبر ڈائل کیا اور کچھ دیر کے بعد تیا صاحب سے میرا رابطہ قائم ہو گیا۔

”ہیلو۔“

”ہیلو۔ جناب کمال احمد صاحب! آپ کا خون بول رہا ہے۔“ دوسری طرف ایک دم خاموشی طاری ہو گئی۔ میں نے کہا۔

”محترمہ کہاں ہیں؟“

”تم جو کچھ کر رہی ہو، اس کا تمہیں بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا، شاہ نور۔“

”نقصان تو میں اٹھا چکی ہوں، تیا صاحب! اب آپ لوگوں کے نقصانات اٹھانے کی باری ہے۔ آپ کی بدولت میں اپنے ماں باپ سے جدا ہوئی۔ آپ کو کس کس چیز کی جدائی برداشت کرنا پڑے گی۔ آنے والا وقت بتائے گا۔“

”شاہ نور! دیکھ الماس آراء سے معافی مانگ لے۔ میں یہی کر سکتا ہوں کہ اس کے جذبات کو ابھار کر تجھے معافی دلوا دوں۔ مجھے اس کی فطرت کا تجربہ ہے۔“

”چھوڑیے تیا صاحب، معافی آپ جیسے بزدل لوگ مانگتے ہیں۔ میں اس وقت آپ سے کوئی لمبی گفتگو نہیں کروں گی۔ صرف ایک خوب صورت اطلاع آپ لوگوں کو دینا چاہتی ہوں۔ اگر الماس بیگم ہوتیں تو مجھے زیادہ لطف آتا۔ آپ کے ایک ارب اسی کروڑ روپے راکھ ہو گئے ہیں۔ جائے اپنے ان گوداموں کی تباہی کی اطلاع دے دیجئے جہاں منشیات پھنپائی گئی تھی اور جہاں سے صبح کو سپلائی شروع ہوتا تھی اور اب وہ تیزے مکوڑے عظمت جلال کو کھائیں گے جن سے وہ رقیب وصول کر چکا ہے۔ مبارک ہو تیا صاحب مبارک۔ بتا دیجئے الماس آراء کو کہ میں ہر طرف سے اس پر وار کروں گی اور اسے زخموں سے پھور کر دوں گی۔ اوکے۔“ یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ کوئی جذباتی بات کرنا اور دیر تک ٹیلی فون بوٹھ کے قریب رہنا میرے لئے خطرناک ہو سکتا تھا۔ وہ لوگ بھی بے حد چالاک تھے۔

اس کے بعد میں نے مکرم شاہ کی کوٹھی کا ہی رخ کیا تھا۔ کیا عمدہ اور پرسکون نیند آئی تھی اس رات۔ دوسرے دن بستر پر پڑی انگڑائیاں لیتی رہی۔ پھر میں نے اپنے چہرے پر میک اپ کیا اور اس کے بعد نکل آئی۔ اپنی تمام تر کارکردگی کی رپورٹ نادیا کو دینا ضروری تھی لیکن اپنے چہرے کی تبدیلی کے باوجود اس کی کوٹھی کا مین گیٹ استعمال کرنا مجھے پسند نہیں تھا۔ میں اسی راستے سے اندر داخل ہوئی تھی جو اب کے لئے مخصوص ہو گیا تھا۔ البتہ جب میں اس راہداری کو عبور کر رہی تھی تو اچانک ہی نادیا مجھے نظر آئی۔ وہ ڈرائنگ روم سے باہر آ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ حیرت سے اچھل پڑی اور پھر اس نے ایک دم ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پیچھے چلنے کو کہتی ہوئی تیزی سے میرے جانب بڑھی۔ راہداری کے دوسرے حصے تک پہنچ گئی۔

”کیوں، خیریت؟“

”اٹلی سے کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔ ایک بہت بڑی خبر ہے۔ یوں سمجھ لو تقدیر نے ہم پر مہمانوں کا اہار لگائے ہوئے ہیں۔ آؤ۔ جلدی سے اندر آ جاؤ۔“ میں اس کمرے میں داخل ہو گئی جس کی جانب یہ نے اشارہ کیا تھا۔

”خیریت، کیا بات ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”بیٹھو۔ بیٹھو۔ بیٹھو۔ میں بڑی مضطرب تھی، تمہارے لئے اور واقعی تم مجھ سے ابھی تک رابطہ نہ رہیں اور یہاں تک نہ پہنچتیں تو میرے لئے بڑی خوفناک صورت حال پیدا ہو جاتی۔ اس رابطے کے لئے میں کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا پڑا ضروری تھا اور جیسا کہ میں تمہیں بتا رہی تھی کہ اٹلی سے کچھ مہمان آئے ہیں۔ یوں سمجھ لو، یہ تنظیم کے بڑے بڑے لوگ ہیں اور وہ بالکل اہم مرضی میں آئے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ تمہاری ایک کاوش تمہارے لئے سونے کا ہار بن گئی۔“

”کیا ہوا ہے، ایسا کیا کام کیا ہے میں نے؟“

”تم نے وہ گودام تباہ کر دیا تھا جس میں منشیات رکھی گئی تھیں؟“ میں نے دلچسپ نگاہوں سے نادیا کو دیکھا اور کہا۔

”تمہیں معلوم ہو گیا؟“

”مجھے نہیں معلوم ہو گیا، اس کی خبر اٹلی تک پہنچ گئی۔“

”اس!“ میں نے تعجب سے کہا۔

”ہاں۔ اور اسی چکر میں یہ مہمان یہاں آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے تم سے ملاقات کا مطالبہ کیا ہے۔ اصل میں جو کچھ ہوا ہے، میں تمہیں اس کی مختصر سی تفصیل بتا دوں۔ قدرت ہمیں بہتر سے بہتر موقع فراہم کر رہی ہے۔ یہ عظمت جلال ہانگ کانگ میں اپنی فرم بنانے کے بعد ایک دم لمبے چوڑے ہاتھ مارنے کے چکر میں تھا۔ اس نے اپنا سارا سرمایہ لگا دیا تھا۔ ہمارا ذخیرہ خریدنے کے بعد اس نے ایک اور ملک سے رابطہ قائم کیا تھا۔ وہاں سے سودا طے کر کے اس نے فوری طور پر ادائیگی کر دی اور سمندری راستے سے مال منگو لیا لیکن ہماری تنظیم کو یہ بالکل پسند نہیں تھا اور اس کے سلسلے میں پوری تنظیم میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔“

تھی۔ چونکہ جتنا بڑا ذخیرہ عظمت جلال نے حاصل کیا ہے، اس کی سلائی اگر وہ اعلیٰ پیمانے پر شروع کرنا چاہے، کچھ عرصے کے لئے ہمارا کاروبار معطل ہو کر رہ جاتا۔ گویا اس نے ہماری ہی گود میں بیٹھ کر ہمارے سینے پر خنجر گھونپا ہے۔ تنظیم کی طرف سے اس سلسلے میں نہایت بے چینی کا اظہار کیا جا رہا تھا اور ابھی شاید ہم اس سلسلے میں نئی ہدایات موصول ہونی تھیں کہ اچانک ہی انہیں ذخیرے کی چابی کا علم ہوا اور وہ حیران ہو رہے تھے۔ پھر ظاہر ہے، وہ بتانا تھا انہیں جو میرے علم میں تھا۔ یہ خوش بختی تھی میری کہ حقیقت پہلے سے معلوم تھی۔ میں نے انہیں یہی بتایا شاہ نورؒ کہ یہ کارروائی تنظیم کی اجازت لئے بغیر میڈم نورؒ کی ہے کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ اس طرح تنظیم کے کاروباری مفادات کو شدید نقصان پہنچے گا اور وہ بھرانہ شکار ہو جائے گی کیونکہ یہ سلائی راتوں رات ہو جاتی تھی اس لئے تنظیم کی اجازت لئے بغیر یہ کام کر ڈالا گیا۔ تم تو سوچ بھی نہیں سکتیں نورؒ کہ وہ لوگ تم پر کس طرح غار ہو رہے ہیں۔

”لیجئے اسے کہتے ہیں، ایک نہ شدہ و شدہ۔“

”نہیں اسے کہتے ہیں، ایک پختہ دو کالج۔“ نادیا نے جواب دیا۔

”تو اب پھر؟“

”بس اس کمرے میں بیٹھ کر پہلے تم اپنا میک اپ صاف کرو اور اس کے بعد جو کچھ میں نے کہا ہے، اس کی روشنی میں بقیہ بات کرو ان سے۔ میں ذرا انہیں سنبھالتی ہوں۔“ یہ کہہ کر نادیا چلی گئی۔

میں نے جلدی سے پرس سے وہ دوسری شیشی نکالی اور بیس منٹ کے بعد پھر تیار ہو گئی۔ مزید باقی دس منٹ صرف کئے اور پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر عمارت کے مین دروازے سے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔ اندر تین افراد موجود تھے جن میں ایک پست قامت اور بھاری بدن کا شخص، دو متناسب قد و قامت کے مالک تھے جن کے چہرے کے نقوش اجنبی اجنبی سے تھے، چوتھی نادیا تھی۔ نادیا جلدی سے مسکرا کر بولی۔

”لیجئے میڈم نور آگئیں۔“ پست قدم آدمی نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ بقیہ دونوں افراد کھڑے ہوئے تھے لیکن پست قامت آدمی بیٹھا رہا تھا۔ البتہ اس کے ہونٹوں پر استقبالیہ مسکراہٹ تھی۔ ان تینوں نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا تو نادیا نے کہا۔

”نور! یہ ہمارے آرگنائزر مسٹر ایمپرس ہیں جو اٹلی سے آئے ہیں اور یہ دونوں ان کے معاون۔ مسٹر ایمپرس چھ ملکوں کو کنٹرول کرتے ہیں اور تنظیم کے چودہ بڑوں میں سے ایک ہیں۔“

”ہیلو۔“

”ہیلو بے بی! لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ عمر رسیدہ شخص تجربے کا ہوتے ہیں اور بڑے بڑے کام وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ میرا نظریہ اس سلسلے میں ہمیشہ سے مختلف ہے۔ میں تازہ ذہنوں کی کارکردگی کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ اگر تربیت اچھی ہو جائے تو نوجوان ذہن پرانے ذہنوں سے کہیں زیادہ شاندار اور اعلیٰ کارکردگی کے مالک ثابت ہو سکتے ہیں جس کی مثال تم ہو، بے بی نور!“

”تھینک یو سر۔“

”میں تمہارے سینے پر ایک میڈل سجانا چاہتا ہوں اور تمہیں یہ ن کر خوشی ہوگی کہ یہ میڈل تنظیم کی

سے نہیں دیا گیا بلکہ یہ میرا ذاتی میڈل ہے جو مجھے انتہائی اعلیٰ کارکردگی پر ملا تھا اور جو کارنامہ تم نے ہم دیا ہے، وہ میری اس کارکردگی سے کہیں زیادہ شاندار ہے۔ چنانچہ اس میڈل کا حق دار تمہیں سمجھتا ہوں۔ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک بہت ہی خوب صورت جھگڑا ہوا میڈل نکالا اور اٹھانے کے پاس آویزاں کر دیا۔ پھر اس نے ایک مخصوص انداز میں مجھے نیچے جھکا کر میری پیشانی چومی۔

”بہت خوش نظر آرہے تھے۔ مسٹر ایمپرس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اصل کام یہ ہوتا ہے کہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر دشمن کی ٹانگ پر گھونسا رسید کر دیا جائے تاکہ اس ہوش و حواس اس کا ساتھ نہ دے سکیں اور آپ نے ایسا ہی کیا ہے بی بی نور! ہم آپ کو اس شاندار کردگی پر مبارک باد دیتے ہیں۔ صحیح معنوں میں آپ نے اس وقت تنظیم کو اربوں ڈالر کا فائدہ پہنچایا۔“

”شکریہ جناب! میں تو اس بات سے خوف زدہ تھی کہ کہیں یہ تنظیم کے مفاد کے خلاف نہ ہو لیکن بے ذہن نے یہی فیصلہ کیا کہ فوری طور پر اس خطرے سے نمٹا جائے۔ میں اس سلسلے میں تنظیم کا غصہ اٹھانے کے لئے بھی تیار تھی۔“

”تنظیم اس بات کی مبارک باد دیتی ہے تمہیں، ہم لوگ یہی تصدیق کرنے کے لئے آئے تھے کہ تم نے اس اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کس بنیاد پر کیا ہے۔ بابا صاحب! ہو سکتا ہے یہ لڑکی جسے آپ نے اس تنظیم کے لئے مخصوص کیا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد تنظیم کی چند رہنمائی کارکن ہو۔ میرا مطلب ہے بڑی کارکن۔“

”کافی دیر تک ہمارے درمیان گفتگو ہوتی رہی۔ میں واقعی ایک عجیب سی خوش محسوس کر رہی تھی۔ جب وہ اٹھنے کے لئے چلے گئے تو نادیا نے مجھ سے کہا۔

”میں نہیں جانتی کہ اب آگے کیا ہو گا لیکن ایک بات اب میں تمہیں بتائے دے رہی ہوں کہ جو کچھ وہاں ہے اس کے بعد جیک اینڈ جیل یا تو معطل کر دی جائے گی یا پھر وہ لوگ ہر قیمت پر تمہیں ختم کرنے کے ارادے ہو جائیں گے۔ کیا سمجھیں؟“

”تو پھر؟“

”فی الحال تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ یہیں قیام کرو۔ میں مسٹر ایمپرس کے ساتھ جا رہی ہوں۔ میرا مطلب ہے میں نے ان سے کہا ہے کہ میں تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ رہی ہوں جہاں میں نے ان سے ملاقات کرنی ہے۔“

”ٹھیک ہے میں یہاں موجود ہوں۔“

”پھر بھی اپنا خیال رکھنا دو کہ۔ اور سنو، باہر مت نکلتا۔“ نادیا چلی گئی اور میں یہاں آرام کرنے لگی۔

مجھے خوب تماشا ہوا تھا۔ میں نے اپنی آگ میں جلتے ہوئے کچھ کیا تھا لیکن میری یہی کارکردگی میرے لئے عام کا باعث بن گئی تھی۔ البتہ ایک بات پر مجھے ضرور غمی آ رہی تھی۔ نہ مجھے کسی تنظیم میں شامل ہونے کی ضرورت تھی اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل ہوا تھا۔ ماں باپ مل جاتے تو چلو یہ بھی تھا کہ اس دولت سے فائدہ اٹھا لیتی جو کمیشن کی شکل میں میرے نام جمع ہوتی جا رہی تھی لیکن تنہا میری ذات

☆ = = = = = ☆ = = = = = ☆

”میڈم! بلوایا گیا ہوں۔ ہمارا آنا جانا تو لگی رہتا ہے لیکن آپ نے تو قیامت ڈھادی ہے۔ یہ سچ ہیں، ہونہار اور خوش نصیب لوگ۔“

”وہی ساحل جہاں سے وہ لالچ آئی ہے۔ ہماری کارکردگی کا مرکز ہے، ایک اور لالچ آ رہی ہے۔ لوگ اسے روانہ کر چکے ہیں اور لازمی طور پر وہ جیٹی پہنچے گی۔ اس میں بھی مال موجود ہے۔ اصل میں لوگ اسے روک نہیں سکتے لیکن انہوں نے جیٹی پر مقول بندوبست کر رکھا ہے اور لالچ کی حفاظت کے لیے مسلح افراد وہاں موجود ہیں۔ ہمیں اس لالچ کو وہیں تباہ کرنا ہے۔ لائن تمہارے ساتھ ہوگا۔ یہ ڈیوٹی بھی تمہاری سرانجام دینا ہوگی۔ یہ مسٹر ایمپرس کا فیصلہ ہے۔ وہ تم پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرنے لگے ہیں۔“

ہماری دور بین نے ہمیں ان لوگوں کے عکس پیش کر دیئے تھے جو ساحل پر انتہائی مستعد تھے۔ ارم
 نچ کو بھی شاید ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ پوری طرح مستعد رہے چنانچہ جب ہماری کشتی عام کشتیوں کے

اے سے بہت اس بھی ہے، قریب سے قریب تر پہنچی اور ہم نے اس لالچ کو دیکھ لیا جو وہاں نشانہ بنے رہی تھی تو ہم نے بغیر کسی تردد کے لالچ پر فائرنگ شروع کر دی۔ ایک لمحے کے اندر اندر سیکڑوں گولیوں نے لالچ کو چھلنی کر دیا لیکن دھر سے بھی فوری طور پر کارروائی شروع ہو گئی۔ لالچ خصلوں میں گھبر گئی نہ رہا سمندر پر تیرتا ہوا خصلوں کا یہ مجرم بڑا خوب صورت لگ رہا تھا لیکن بابائی کشتی پر بھی اس برق رفتاری سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں کہ ہم لوگوں کو اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ پھر دلتا ہی بابائی کشتی پر تیرتی چھینیں ابھریں اور اس کے ساتھ ہی میرے شانے میں دو انگارے اتر گئے۔ یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ میں مرسے چلائی جانے والی گولیوں کا شکار ہو گئی ہوں لیکن یہ تو ہوتا ہی ہے۔ میں فوراً ہی پانی میں کود گئی تھی

”لائن! ہم کہاں ہیں؟“
”کسی بحری جہاز میں میڈم!“ لائن نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا۔

”بحری جہاز۔ لعل..... لیکن کون سا بحری جہاز اور کہاں جا رہے ہیں ہم؟“
 ”اُہ کاش! مجھے اس کا علم ہوتا۔“ لائل نے مسخرے پن سے کہا۔

”کیا مطلب..... کیا کتنا چاہتے ہو لاس؟“
 ”میں؟ میں بھی آپ کے ساتھ اس بادبانی کشتی پر تھا اور ابھی ابھی چند منٹ پہلے ہوش میں آیا
 تھا۔“
 ”گھڑ..... یہی گھڑ۔“ میں نے کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ اس وقت ہم دشمنوں کی قید میں

ہیں؟

”امکان تو اسی بات کا ہے۔“

”کیا تمہاری ان لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد تم میں سے کسی کو دیکھا ہے؟“

”ہاں۔ ابھی چند لمحے پہلے میں کیمین سے باہر کی سیر کر آیا ہوں۔ میں کیمین سے باہر نکلا تو سارا راہداری میں ایک شخص موجود تھا۔ میں نے یہی سارے سوالات سے پوچھے تھے، جو آپ نے مجھ سے ہیں۔ جواب میں اس نے اپنے ہولسٹر سے پستول نکال کر اس کا رخ میری جانب کر دیا اور مجھ سے کہا کہ بعد میں کیمین سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کروں۔ میں نے اس سے بڑی عاجزی سے کہا کہ بھائی بھائی کھانے پینے کے لئے دے دو، تمہاری مہربانی ہوگی! اور بس، یہ کہہ کر میں واپس کیمین میں آگیا۔ اب اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ ہم دوستوں میں ہیں یا دشمنوں میں۔“

”کیا کیمین کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ میرا مطلب ہے، اس کے بعد اس نے کیمین کا دروازہ باہر نہیں کیا؟“

”شاید وہ بہت زیادہ خود اعتماد ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت ہم کچھ کر رہے ہیں اور یہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ باہر پہرہ بھی ہے جس کی وجہ سے ہم لوگ کچھ کر سکتے۔“

”یہ بات تمہیں کیسے معلوم؟“

”میڈم! ان میں سے کچھ لوگ عرشے پر ہیں اور کچھ ریڈنگ کے ساتھ ٹھل رہے ہیں اور سب مسلح اور مستعد ہیں۔ میں نے جیسے ہی کیمین کا دروازہ کھولا تھا، وہ سب اپنی اپنی جگہ ٹھک گئے۔ انہوں نے مجھ پر ہتھیار تو نہیں اتارے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر میں ایک قدم بھی آگے بڑھاتا تو وہ بے رحم مجھ پر فائر کھول دیتے۔ ان کا انداز اور ان کے تیور کچھ ایسے ہی تھے۔“

”بہت خوب، لائن! تم خاصا کام کر آئے ہو۔“ پھر کانی دیر تک ہم لوگ خاموش رہے تھے۔ میں حالات کے بارے میں سوچتی رہی پھر کچھ لمحوں کے بعد میں نے سوال کیا۔

”ویسے تمہارا کیا خیال ہے۔ اس بحری جہاز پر سفر کرتے ہوئے ہمیں کتنا وقت گزر چکا ہے؟“

”آہ۔ ہوش میں آنے کے بعد مجھے اپنی کلائی پر گھڑی نظر نہیں آئی، اور ایک گھڑی پر ہی کیا موقوفہ میڈم! آپ نے اپنے لباس پر غور نہیں کیا؟“

”کیا؟“

”کیا؟“ میں اچھل پڑی اور میں نے اپنے جسم کی طرف دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ میرے جسم کا لباس واقعی بدلا ہوا تھا۔ پتا نہیں کم بختوں نے یہ لباس تبدیل کیا تھا۔ میں ایک عجیب سے احساس کا شکار ہو گئی۔ اسی دوران لائن بولا۔

”میرا خیال ہے، ہمیں چوبیس گھنٹے سے زیادہ گزر چکے ہیں۔“

”نہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں بہت خوش قسمت ہوں کہ اس اندھا دھند فائرنگ کے باوجود مجھے
میں لگی لیکن جب میڈم آپ پانی میں گریں تو میں نے بھی پانی میں چھلانگ لگا دی کہ کہیں آپ ڈوب
ہیں۔ آپ تو شاید پانی میں گرتے ہی بے ہوش ہو گئی تھیں لیکن میں اس وقت تک ہوش میں تھا۔ میں
آپ کا ایک ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر گردن میں ڈال لیا اور بائیں ہاتھ سے آپ کی کمر تھام کر ساحل کی
تیمر لگا لیکن کنارے پر پہنچتے ہی جیسے میں نے ساحل پر قدم رکھا چند سائے میری طرف تیزی سے
در پھر کسی وزنی چیز سے انہوں نے میرے سر اور گردن پر ضربیں لگائیں اور چند ہی سیکنڈ کے بعد میں
بے ہوش ہو گیا۔ معافی چاہتا ہوں میڈم میں ان سے مقابلہ اس لئے نہیں کر سکا کہ ایک غیر معمولی وزن
رہنے اتنی دور تک تیرنا پڑا تھا۔ البتہ بے ہوش کے چند سیکنڈ بعد مجھے پھر ہوش آیا لیکن اس دوران ان
خفوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ مجھے اپنے آس پاس انسانی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔
میں نے میرے بازو کو مضبوطی سے تھاما اور اس کے بعد میں مسلسل بے ہوش ہی رہا۔“ میں سوچ میں ڈوب گئی۔ تھوڑی
ہلکی۔ بس آپ یہ سمجھئے اس کے بعد میں مسلسل بے ہوش ہی رہا۔“ میں سوچ میں ڈوب گئی۔ تھوڑی
تک غور کرتی رہی پھر میں نے کہا۔

”کچھ پتا نہیں چل سکا لائن“ یہ لوگ کون ہیں؟ کچھ اندازہ ہوا تمہیں؟“
”نہ جانے کیوں ایک احساس مجھے ہو رہا ہے میڈم نور! ظاہر ہے، ہیں تو یہ ہمارے دشمن ہی لیکن پتا
ماکیوں مجھے کچھ عجیب عجیب سی کیفیت محسوس ہو رہی ہے۔ لگ رہا ہے۔ لگ رہا ہے۔ یہ کوئی اور ہی چکر
ہے۔“

”پتا نہیں کیا چکر ہے؟“
”میڈم! کچھ باتیں میں نے سنی ہیں جو شاید آپ کے علم میں ہوں یا نہ ہوں، آپ جیک اینڈ جیل کے
سے میں جانتی ہیں؟“ لائن کے الفاظ پر میں چونک پڑی تھی۔ میں نے صرف ایک لمحے میں فیصلہ کیا اور
دلی سے کہا۔

”ہاں لائن! جیک اینڈ جیل والے میرے دشمن بنے ہوئے ہیں۔“
”گڈ۔ اس کا مقصد ہے کہ وضاحت ہو رہی ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو تفصیلی طور پر
اے علم میں نہیں آتیں لیکن کچھ اڑتے اڑتے سے الفاظ کان میں پڑ جاتے ہیں۔ تو ہم ان پر ذہن
ڈالتے ہیں۔ غالباً جیک اینڈ جیل والوں کو یہ ہدایت ہوئی ہے کہ وہ جہاں بھی آپ کو دیکھیں گولی مار دیں۔
آپ کو قتل کر دیں لیکن آپ نے یہ دیکھا کہ یہاں ان لوگوں نے جو ہمارے انوائسنگنگان ہیں، آپ کے جسم
سے گولیاں بھی نکال لی ہیں اور آپ کی ڈرائیونگ بھی کی ہے۔ گویا وہ آپ کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔“
”کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

”خیر اب وہ جو صورت حال ہے، وہ تو کسی نہ کسی طرح سامنے آئی جائے گی۔“ اچانک ہی ہمیں باہر
لڑ آئیں محسوس ہوئیں اور ہم ایک دم خاموش ہو گئے۔ پھر کیمین کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان لڑکی جس
اقل شاید نیپال یا تھائی لینڈ سے تھا، اس کا صحیح اندازہ ہم لوگ نہیں لگا سکے تھے، ایک ٹرائی دھکیلتی ہوئی

”یہ بات تم اتنے اعتماد سے کیسے کہہ رہے ہو؟“
”بس۔ پیٹ کی حالت کا اندازہ نہیں ہے آپ کو۔“ لائن نے کہا اور میں اب اس جانب متوجہ
در حقیقت بہت سے احساسات اس ہنگامے کا شکار ہو گئے تھے جن میں بھوک کا احساس بھی تھا۔ مجھے
اندازہ ہوا کہ میں واقعی بھوکی ہوں اور اس کے بعد مجھے کچھ اور احساس بھی ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے
ہوئے انگارے میرے کندھے اور بازو میں پوسٹ ہو گئے ہوں۔ مجھے وہ منظر یاد آیا تو بے اختیار میری
اپنے بازو اور شانے کی طرف گئیں جہاں سفید پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ احساس کی بات ہوتے ہی
پہلے میرے ذہن میں تکلیف کا احساس نہیں جاگا تھا۔ لیکن اب ان دونوں جگہوں پر میں ہلکا ہلکا درد
کر رہی تھی اور یہ جاننا میرے لئے مشکل نہیں تھا کہ گولیاں میرے جسم سے نکالی جا چکی ہیں۔
”ویسے اس وقت کیا بجا ہو گا؟“

”میرا خیال ہے، آدھی رات کا وقت ہے۔“
”کیسے کہہ سکتے ہو؟“
”اس ہول سے، باہر جھانکنے میڈم۔ آسمان وقت بتا دے گا۔“ میں نے ایک بار پھر لائن کا
نگاہوں سے دیکھا تھا۔

”لائن تم بڑے کام کے آدمی ہو۔“
”میڈم! میری خوش نصیبی تو صرف یہ ہے کہ مجھے آپ کے ساتھ کام میں مصروف ہونا پڑا ہے
”یہ بھی کام ہے۔“ میں نے ہنس کر کہا۔
”ہاں بالکل آپ نے ریل اور جیل کا مقولہ تو سنا ہو گا۔ ساتھ تو ہے۔“ میں ہنستی رہی پھر میں۔
”تمہارے خیال میں ہم اس وقت کہاں ہو سکتے ہیں؟“
”صرف اور صرف کھلے سمندر میں، میں نہ صرف ہول سے بلکہ کیمین کے دروازے سے بھی
کر دیکھ چکا ہوں۔ دور دور تک خشکی اور آبادی کا کوئی نشان نہیں ہے۔ کیمین سے کوئی روشنی دکھائی
دیتی۔ میرا خیال ہے کہ ہم اپنے ساحل سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ اس وجہ سے میں کہہ رہا تھا کہ
از کم جو میں گھنٹے سفر کرتے رہے ہیں اور بے ہوش رہے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس
رفار کافی تیز ہو۔“

”ہاں! لگ رہا ہے۔“ میں نے کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ دفعتاً لائن
بستر سے اتر ا اور پورٹ ہول سے باہر جھانکنے لگا۔ اسی وقت مجھے ایک خیال آیا اور میں نے کہا۔
”ویسے لائن! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تم بتا رہے ہو کہ تم بھی بے ہوش رہے ہو
تو خیر دو گولیاں لگی تھیں، جس کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گئی تھی لیکن مجھے تمہارے جسم پر کوئی
نہیں نظر آ رہی ہے۔ تم کیسے بے ہوش ہو گئے؟“

”خوش قسمتی سے۔“
”کیا مطلب..... خوش قسمتی سے بے ہوش ہوئے ہو تم؟“

اندرا داخل ہوئی۔ ٹرائی پر کچھ ڈھکی ہوئی پلیٹیں، کافی پاٹ اور پانی کی دو بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ پلیٹوں کنارے سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ وہ ٹرائی اس نے درمیان میں چھوڑی اور ہماری طرف دیکھ کر انگریزی میں بولی۔

”وہ اس طرف ایک بیل لگی ہوئی ہے۔ آپ کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو براہ کرم یہ نشان دیجئے۔“ وہ واپسی کے لئے مڑی تو لائن نے فوراً ہی سوال کیا۔

”ایک میکیو ڈی! آپ کا نام پوچھ سکتے ہیں ہم؟“

”شیبا۔ میرا نام شيبا ہے۔“

”دیری گڈ۔ مس شيبا کیا ہم جان سکتے ہیں کہ اس جہاز کا نام کیا ہے اور یہ کس طرف جا رہا ہے؟“ لائن نے بیٹھے لمبے میں پوچھا۔

”سوری سرا! مجھے کچھ بتانے کی اجازت نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر دروازے کی جانب مڑی تو لائن سنا کر کہا۔

”ایک منٹ مس شيبا۔“

”جی پلیز۔“

”پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم آپ کو شی کیس یا با۔ دونوں الفاظ ادا کرتے ہوئے ذرا گڑبڑ ہو جاتی ہے۔“

”میرا نام تو یہی ہے۔ باقی آپ کا جو دل چاہے کہہ لیجئے۔“

”ٹھیک ہے۔ کیا ہم جہاز کے کپتان یا کسی ڈے دار شخص سے بات کر سکتے ہیں؟ آپ ہمارے

درخواست ان تک پہنچا سکتی ہیں؟“

”میرا خیال ہے مجھے آپ کے یہ الفاظ مشرواؤسن تک پہنچانے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔“ لڑکی۔

جواب دیا۔

”یہ واؤسن کون صاحب ہیں؟“ اس بار میں نے لڑکی سے پوچھا۔

”آئی ایم سوری میڈم! مجھے کچھ بھی بتانے کی اجازت نہیں لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ مشرواؤسن کا

بی دیر کے بعد آپ کے پاس آئیں گے۔ آپ انہی سے سب کچھ پوچھ لیجئے گا۔“ یہ کہہ کر وہ جلدی۔

دروازے سے باہر نکل گئی۔ لائن کچھ دیر تک دروازے کی جانب دیکھتا رہا پھر سر جھٹک کر کھانے کی جانب

متوجہ ہو گیا اور پلیٹیں اٹھاتے ہوئے بولا۔

”جب کھانا سامنے آجائے تو ہر لالے سیدھے تصور پر لعنت بھیج دینی چاہئے۔ یہی سندرستی کا راز ہونا

ہے۔ آئیے میڈم پلیز! میں آپ کی برابری کا درجہ بے شک نہیں رکھتا لیکن کھانا کھاتے وقت سب کچھ جھجھ

جانا چاہئے۔ آپ بھی بھول جائیے۔ آئیے پلیز! میں خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئی۔ کھانا بہت

پُر لطف اور بے حد لذیذ تھا۔ چند ہی منٹ کے بعد ہم نے ٹرائی کے تمام برتن صاف کر دیئے تھے اور اس بات

پر مجھے خود ہی ہنسی آئی تھی۔ لائن تو بہت زیادہ خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے کپین کی چھت کو دیکھتے ہوئے

کہا۔

”شکریہ ہمارے دشمنو! ایسے دشمن سب کو ملنے چاہئیں۔ کمال کے دشمن ہوتے ہیں ایسے جو اتنا خیال

نہیں۔“ لائن نے بڑے مزے سے کافی کے برتنوں میں کافی انڈیلا، اور ایک کپ مجھے پیش کیا۔ ہم کافی کے

لئے چھوٹے سب لینے لگے۔ ابھی ہم کافی پی رہے تھے کہ کپین کا دروازہ ایک بار پھر کھلا اور ادھیڑ عمر کا

ہاندر داخل ہو گیا۔ اس کا قد چھوٹا تھا مگر رنگ کافی گورا تھا اور اس کے چہرے کے نقوش سے یہ اندازہ

ہا تھا کہ وہ نسلاً یا تو جرمن تھا یا پھر اٹلی کا باشندہ۔ نہ جانے کیوں اس کی صورت ایک لمبے کے لئے کچھ

مادی معلوم ہوئی تھی لیکن یہ نہیں یاد آ سکا کہ اسے کب اور کہاں دیکھا تھا لیکن لائن اسے دیکھتے ہی فوراً

اور بے مسرت لمبے میں بولا۔

”ہیلو سرا! ہم شاید آپ کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ ہم سے تو آپ واقف ہوں گے ہی کیونکہ آپ نے

ن شرف میزبانی بخشا ہے لیکن آپ کے بارے میں اگر ہم جان لیں گے تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔“ اس

ن نے کسی قدر خوش گوار مسکراہٹ کے ساتھ ہم دونوں کو دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

”میرا نام واؤسن ہے۔ ہو سکتا ہے، کبھی آپ نے میرا نام سنا ہو۔ ویسے آپ یہ بتائیے کہ آپ کو یہاں

ی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے؟“

”قطعی نہیں۔ ہم اس مہمان نوازی پر آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ ہاں بس ایک

ایسی شکایت ہے کہ اس مہمان نوازی سے اور اس پر لطف سفر کا موقع فراہم کرنے سے پہلے اگر آپ ہم

سے کوئی مشورہ کر لیتے تو شاید ہم آپ کے زیادہ شکر گزار ہوتے۔“

”ہاں ہاں! آپ سے مشورہ کرنے کے لئے ابھی ہمارے اور آپ کے درمیان طویل رفاقت رہے گی۔

الغالب آپ یہ سفر کریں اور بہتر ہے کہ آرام کریں۔ پورٹ ہول سے باہر جھانکیں گے تو آپ کو گہری

بات کا احساس ہوگا اور گہری رات پر سکون نیند کے لئے زیادہ موزوں ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ آرام کیجئے۔

فل صبح ذرا تفصیلی ملاقات ہوگی۔“ وہ واپسی کے لئے مڑا تو لائن نے تیزی سے کہا۔

”ایک منٹ سر! ایک منٹ۔“

”جی فرمائیے۔“ اس نے پلٹ کر ہماری طرف دیکھا۔

”اصل میں ہم یہ یہ جانا چاہتے تھے کہ کیا ہم دونوں خود کو یہاں قید سمجھیں؟ میرا مطلب ہے کہ آپ

کی اس محبت اور مہمان نوازی سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اگر یہ بات بھی ہمارے علم میں آجائے تو

کوئی ہرج نہیں ہے اس میں۔“

”کم از کم آج کی رات آپ اس جہاز پر قیدی ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کو کپین کے اندر ہی رہنا

ہوگا۔ ہاں کل سے آپ کو اجازت ہوگی کہ آپ باہر نکلیں، جہاز میں گھومیں پھریں، ڈاننگ ہال میں جائیں یا

جو چاہیں، کھائیں پیئیں۔ عرشے پر بیٹھیں۔ بس ریٹنگ سے آپ کو دور دور رہنا ہوگا۔“

”اوہو۔ وہ کیوں؟“ لائن نے معصومیت سے پوچھا۔ ”کیا آپ کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہم جہاز

سے کود کر سمندر میں فرار ہونے کی کوشش کریں گے؟“

”تا حد نظر آدم خور مچھلیوں سے بھرے سمندر میں اگر آپ فرار ہو سکتے ہیں تو ضرور یہ کوشش

کر لیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“ وہ مسکرا کر بولا اور کین کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ میری نگاہوں سے لائن کو دیکھا اور لائن ہونٹ سکڑ کر بولا۔

”وہ اتنا تو کہہ گیا میڈم کہ ہم ساحل سے بہت دور نکل آئے ہیں لیکن آپ یقین کریں، ابھی یہ دھندا میری سمجھ میں نہیں آیا۔ خدا ہم پر رحم کرے۔“ ہم دونوں سوچ میں ڈوب گئے۔

نہ جانے رات کے کس پہریند آگئی تھی۔ پھر صبح کا اچھا خاصا وقت گزر چکا تھا، جب میرے کانوں لائن کی آواز ابھری۔ ”میڈم نور..... میڈم نور..... بہت سخت بھوک لگی ہوئی ہے مجھے۔ ناشتہ ہاں بیکار ہوا جا رہا ہے۔ آپ سے پہلے اگر ناشتہ کر لوں گا تو خود میرا ذہن شرمندگی محسوس کرے گا۔ اس جاگ جائیے۔“

حالانکہ میں نیند سے جاگی تھی لیکن مجھے لائن کی آواز بھیک مانگتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے آنکھ کھول کر اسے دیکھا۔ بڑی بے بسی کی تصویر نظر آ رہا تھا وہ۔ مجھے ہنسی آگئی اور میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ رات کے گزرے ہوئے واقعات کا عکس ایک لمحے کے اندر میرے ذہن میں منتقل ہو گیا تھا اور مجھے یاد آ گیا تھا ہم کسی جہاز کے کینبن میں ہیں۔ مخصوص قسم کی مسیروں پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

”لائن! اس قسم کی احمقانہ حرکتیں نہ کیا کرو۔ اگر ناشتہ آگیا تھا تو تمہیں ناشتہ کر لینا چاہیے تھا۔“

”بات اصل میں یہ ہے میڈم کہ میں اپنے اور آپ کے درمیان فرق کو اچھی طرح جانتا ہوں اور بات پر پورا پورا یقین رکھتا ہوں کہ ہمیں بہر حال واپس تنظیم میں پہنچنا ہے۔ اس وقت کینبن ایسا نہ ہو آپ تنظیم کے سربراہوں کو یہ بات بتادیں کہ میں نے آپ کی برابری کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”فضول آدی ہو تم! میں ابھی آتی ہوں۔“ میں نے کینبن کے نوائٹ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

سادہ سا نوائٹ تھا لیکن ضروریات کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ منہ ہاتھ دھو کر تولیہ سے چہرہ خشک کیا۔ ہاں کسی حد تک درست کئے اور اس کے بعد باہر نکل آئی۔ میں نے اس وقت تک وہ دوڑے نہیں دیکھے تھے جو ڈھکی ہوئی رکھی ہوئی تھیں جیسے ہی میں باہر پہنچی، لائن نے فوراً ہی دونوں ڈے کھول دیں۔ ایک طرف چائے دانی اور کپ رکھے ہوئے تھے، دوسری طرف عمدہ قسم کا اور سلیقے کا ناشتہ موجود تھا۔ مجھے انداز ہو گیا تھا کہ لائن کو اس قدر بھوک لگ رہی ہے کہ وہ اس وقت کوئی اور بات کرنا پسند نہیں کرے گا چنانچہ میں بھی خاموشی سے اپنی ڈے کھسکا کر بیٹھ گئی۔ لائن کے کھانے کا انداز دھیوں جیسا تھا۔ میں نے ایک بار نگاہیں اٹھائیں تو اس نے کہا۔

”مجھے خود احساس ہے میڈم! لیکن ذرا گھڑی پر نگاہ ڈال لیجئے۔ جب ناشتہ کو اتنی دیر ہو جاتی ہے تو کم از کم اس قدر بغاوت کی اجازت تو ہونی چاہیے۔“

میں ہنس دی اور ناشتہ کرتی رہی۔ ہاں چائے کا دوسرا کپ پیتے ہوئے ہم نے اپنے مستقبل پر غور کیا۔ پھر اتفاق کی بات تھی کہ دونوں نے ایک ساتھ ہی چہرہ اٹھایا۔ لائن کچھ بولنا چاہتا تھا مگر یہ محسوس کر کے کہ میں بھی کچھ بولنا چاہتی ہوں خاموش ہو گیا تو میں نے کہا۔

”کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”نہیں میڈم البتہ اگر آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں تو بتائیے۔“ میری نگاہ دروازے کی جانب اٹھ گئی تھی جو اس کا کھلا ہوا تھا اور باہر پھیلا ہوا دن صاف نظر آ رہا تھا۔

”مسٹر واٹسن نے ہم سے کہا تھا کہ یہ رات ہمیں احتیاط کے ساتھ گزارنی ہے۔ دوسرے دن سے میں اس سمندری جہاز پر گھومنے پھرنے کی اجازت مل جائے گی۔“

”میں یہی تو آپ سے کہہ رہا تھا۔ ان لوگوں کی اچھائی کے بارے میں۔ جو کہتے ہیں، وہ کر دیتے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”میں ابھی آدھا گھنٹے تک جہاز پر چل قدمی کر کے آیا ہوں۔ عرشے پر بھی بہت دیر تک گھومتا رہا ہوں۔ بہت خوبصورت اور چمکدار دن نکلا ہوا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو آپ بھی میرے ساتھ باہر نکل سکتی ہیں۔“

”ہاں، بالکل کھلی فضا میں ہم آزادی سے بات چیت کر سکیں گے۔“ میں نے کہا اور اس کے بعد ہم دونوں باہر نکلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ جہاز کے کینبن کو دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا لیکن باہر نکلنے کے بعد میں نے جہاز کے بارے میں اندازہ لگایا کہ یہ ایک بڑے سائز کا پنجر کم کارگو شپ ہے۔ کافی بڑا جہاز تھا۔ بے شک یہ باقاعدہ نینکر نہیں تھا مگر اس کے درمیانی حصے میں موجود بڑے بڑے آہنی ٹینکوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ یہ جہاز پیٹرول وغیرہ کی نقل و حرکت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ لائن کی پہلی اور دوسری بات کی تصدیق عرشے پر پہنچی ہوئی چمکیلی دھوپ سے ہوئی۔ ایک طرف شینڈ میں لگے ہوئے ٹکڑی کے بے شمار چھوٹے بڑے ریگ، ایک دوسرے پر رکھے ہوئے تھے۔ سفید وردیوں اور نیلی ڈانگریوں میں ملبوس عملے کے افراد ادھر ادھر آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ ہوا میں خاصی خشکی تھی۔ کلمبے کی ریٹنگ کے ساتھ ساتھ چند مسلح افراد بظاہر بے پروائی سے ٹل رہے تھے لیکن ہمیں کینبن سے لٹکا دیکھ کر وہ جس طرح ہماری جانب متوجہ ہوئے، اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خاص طور سے ہماری نگرانی کے لئے مستعد ہیں۔ میں اور لائن عرشے پر جانے کے بجائے کینبن کے آگے بنی ہوئی برآمدہ نما کوریڈور میں چلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ تھوڑے فاصلے پر ہاتھ روم بنے ہوئے تھے اور نہایت جدید اور صاف ستھرے تھے۔ ہم دونوں وہاں سے گھومتے ہوئے آگے بڑھے۔ تھوڑے فاصلے پر ہمیں جہاز کا ڈانٹنگ ہال نظر آیا تو ہم ڈانٹنگ ہال کی جانب بڑھ گئے۔ ڈانٹنگ ہال میں چند افراد موجود تھے۔ میں نے لائن سے پوچھا۔

”ہمارے کینبن میں ناشتہ کس نے پہنچایا تھا؟“

”غلطی میری ہی تھی۔ میں اس وقت اس بات پر غور نہیں کر سکا۔ ایک ویٹر آیا تھا، اس نے مجھ سے پوچھا کہ ناشتہ ڈانٹنگ ہال میں کریں گے یا کینبن میں تو میں نے اس سے کہہ دیا کہ کینبن میں۔ اس طرح ناشتہ کینبن میں پہنچا۔“

”کافی کی خوشبو مجھے بلا رہی ہے۔“

”اور ادھر دیکھئے اس کی میز پر جو سینڈویچ رکھے ہوئے ہیں، دور ہی سے مجھے لگ رہا ہے کہ وہ عمدہ“

ہیں۔ کیا خیال ہے ہو جائے۔“

”آؤ۔“ میں نے کہا اور ہم ہال کے دروازے کے قریب ایک میز پر جا بیٹھے۔ فوراً ہی دیگر ہمارے پاس آگیا اور لائن نے سینڈویچ اور کافی کے لئے کہہ دیا۔ ویٹر گردن خم کر کے چلا گیا اور پھر بہت سی چائے چونک کر لائن کو دیکھا اور کہا؟

”لائن‘ جہاز کا نام کیا ہے۔“

”ہاں“ آپ نے دیکھا نہیں میڈم! اوپر والے ڈیک کے پیچھے اور چپنی پر بھی بڑے بڑے حروف میں امیرو لکھا ہوا ہے۔“

”امیرو۔ لائن‘ کیا یہ نام تمہیں شناسا نہیں معلوم ہوتا؟“ لائن نے تعجب سے مجھے دیکھا پھر جلدی سے بولا۔

”آپ کہیں امیرو کے بارے میں تو نہیں کہہ رہیں۔“

”ارے ہاں‘ کچھ ایسا ہی نام تھا۔“ بہر حال ہم لوگ دیر تک اس بارے میں کچھ گفتگو کرتے رہے پھر اس نے کہا۔

”ویسے یہ نام امیرو میں نے پہلے کبھی نہیں سنا۔ خیر یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر لائن خود ہی اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد امیرو کا ویٹر ہمارے پاس برتن اٹھائے پہنچ گیا تو لائن نے کسی خاص خیال کے تحت کہا۔

”سنو۔ مسٹر واڈسن کا کیمین کون سا ہے؟“

”کوآرڈر ماسٹر کے ساتھ والا کیمین۔“ ویٹر نے لاطعلقی سے کہا۔

”ویسے یہ مسٹر واڈسن ہیں کیا چیز۔ میرا خیال ہے یہ اس جہاز کے مالک ہیں۔“

”یہ تو آپ کو وہی بتائیں گے۔“ ویٹر نے جھپٹی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا ہم ان سے ملاقات کے لئے ان کے کیمین میں جا سکتے ہیں۔“ لائن نے سوال کیا۔

”بھلا میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں جناب! آپ کسی سیکورٹی والے سے پوچھ لیجئے۔“ یہ کہہ کر وہ برتن سمیٹنے میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ہم اپنی نشستوں سے اٹھنے اور ڈائننگ ہال سے باہر آگئے۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اور جھپٹتے ہوئے جب ہم کوآرڈر ماسٹر کے کیمین کے پاس پہنچے تو ہمیں ایک مسلح آدمی نظر آیا جو سامنے کی راہداری میں ٹھل رہا تھا۔ ہمارے قدموں کی چاپ سن کر وہ رکا اور ہماری طرف دیکھنے لگا اور پھر جب ہم اس کے قریب پہنچے تو اس نے اسٹیشن ہو کر سر کی جنبش سے ہمیں تعظیم دی اور بڑے نرم اور شائستہ لہجے میں بولا۔

”جی فرمائیے جناب!“

”سوری‘ ہمیں مسٹر واڈسن سے ملنا ہے۔ ان کا کیمین کون سا ہے؟“

”کیمین تو ان کا یہی ہے!“ اس نے سامنے والے دروازے کی جانب اشارہ کیا پھر بولا۔ ”لیکن وہ

ہم میں موجود نہیں ہیں۔“

”کہاں ہیں؟“

”وہ انجن روم کی طرف گئے ہیں۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو یہاں انتظار کریں۔ میں انہیں اطلاع دے دوں۔“

یہ کہہ کر وہ ہمارے جواب کا انتظار کئے بغیر انجن روم کی طرف بڑھ گیا۔ ہم دونوں راہداری میں ٹھلتے

ہے اور اس مسلح شخص کے غیر متوقع رویے پر ایک دوسرے سے حیرت کا اظہار کرتے رہے۔ چند منٹ

کے بعد بالائی ڈیک کی جانب جانے والے آہنی زینے پر ہمیں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور پھر واڈسن نظر

آیا۔ زینے سے اتر کر جب وہ ہمارے پاس آیا تو ایک گہری مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی۔

”ہیلو حضرات! میں آپ کے پاس آنے کا ارادہ کر رہی رہا تھا۔“ اس نے قریب آکر اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے پھیلا دیا اور پھر بولا۔

”صبح بخیر‘ میڈم آپ کا نام تو مجھے معلوم ہے‘ میڈم نور‘ لیکن سر آپ کے بارے میں‘ میں نہیں

جانتا۔“

”لائن۔ میرا نام لائن ہے۔“ لائن نے بلا جھجک جواب دیا۔

”آئیے پلیز‘ اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔“ اس نے دائیں ہاتھ کے کیمین کی طرف اشارہ کیا اور میرے

قریب پہنچ کر میرے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے اسے دیکھا لیکن پھر اس بات کو نظر انداز

کر دیا۔ ہم اس کے ساتھ اس کے کیمین میں داخل ہو گئے۔ بہت ہی کشادہ اور جدید ترین کیمین تھا۔ ایک

طرف ایک بہت ہی خوبصورت بستر لگا ہوا تھا‘ اس کے قریب ہی نیچی نشست کی چار کرسیاں شیشے کی ایک گول

میز کے گرد ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ دیواروں پر خوبصورت تصویروں لگی ہوئی تھیں اور فرش پر گہرے

رنگ کا دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کے اشارے پر ہم دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ وہ مسہری کی طرف گیا اور

پانی پر رکھے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھاتا ہوا بولا۔

”آپ کیا پینا پسند کریں گے؟“

”شکر یہ‘ اتفاق کی بات ہے کہ ناشتہ ہم نے اپنے کیمین میں بھی کر لیا تھا لیکن جب آپ کے جہاز کے

حمین ڈائننگ ہال میں پہنچے تو افسوس ہوا کہ ناشتہ ہم نے وہاں کیوں کیا چنانچہ مزید ناشتہ کر کے آرہے ہیں۔“

”پھر بھی کافی کی ایک پیالی اور ہو جائے۔ اس سے زیادہ کی بات میں نہیں کروں گا۔“

”ٹھیک ہے‘ جیسا آپ پسند کریں مسٹر واڈسن۔“ میں نے جواب دیا۔ واڈسن نے غالباً ڈائننگ ہال میں

فون کر کے کافی کے لئے کہا اور پھر فون رکھ کر ہمارے سامنے آکر بیٹھ گیا پھر بولا۔

”امید ہے‘ آپ دونوں کی رات اچھی گزری ہوگی۔“

”ہاں بہت پر لطف‘ لیکن مسٹر واڈسن ایک الجھن ہے ہمیں۔“ لائن نے کہا۔

”الجھن! بتائیے کیا بات ہے؟“ اس نے بدستور نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”ہم ابھی تک یہ نہیں جان سکتے کہ ہم کس کی قید میں ہیں۔“ لائن نے بے خوفی سے کہا۔

”آپ زیادتی کر رہے ہیں۔ یقین جانے، آپ ہمارے قیدی نہیں ممان ہیں اور مجھے حیرت ہے کہ ہمارا کون سا عمل آپ کو یہ احساس دلانے کا باعث بنا کہ آپ ہمارے ممان نہیں ہیں۔“
”چلے ٹھیک ہے لیکن ہمیں ابھی تک اپنے میزبانوں کا تعارف نہیں حاصل ہو سکا۔“
”میرا خیال ہے کہ اس کے بارے میں آپ خود اندازہ لگا چکے ہوں گے۔“ واؤسن نے مدہم لہجے میں کہا۔

”افسوس یہی تو ہے کہ ہمیں اندازہ نہیں ہے۔“
”دیکھئے ہر شخص کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس کے سپرد کوئی کام کرتا ہے تو اسے ہدایات دے کر ہے کہ اسے اس حد تک جانا ہے اور اس حد تک نہیں۔ اس سے زیادہ اگر کچھ کر لیا جائے تو آپ یقین کریں کہ مشکل کا باعث بن جاتا ہے۔“

”گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس بارے میں آپ کوئی اطلاع نہیں دے سکتے۔“
”بالکل نہیں، یہ نہیں کہنا چاہتا میں لیکن یہ مزید کہنا چاہتا ہوں کہ میری ایک حد ہے۔“
”مسٹر واؤسن آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ آپ نے جس طرح اپنے اس جواز پر ہمارا خیال رکھا ہے لیکن میں یہ جانتا چاہتی تھی کہ اس جواز پر ہماری موجودگی کیا حیثیت رکھتی ہے؟“ واؤسن کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، اس نے کہا۔

”آپ نے یہ الفاظ میری خواہش کے مطابق کہے ہیں میڈم! میں یہی چاہتا تھا کہ آپ یہاں تک پہنچیں تو میں آگے آپ سے بات کروں۔“ میں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ واؤسن مسکراتی نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہا تھا پھر اس نے کہا۔ ”میرا خیال ہے، اب مجھے بغیر کسی تمہید کے آگے کی بات کر لینی چاہیے“
میڈم ہانگ کانگ میں آپ ہمارے پاس سے ملی تھیں۔ میرا مطلب ہے، ان سے آپ کی گفتگو ہوئی تھی اور آپ نے ایک بڑی اچھی ذیل کی تھی۔ کیا یہ سچ ہے؟“

میں ایک لمحے کے لئے چکر کر رہ گئی۔ عظمت جلال سے جب میں ملی تھی تو میرے چہرے پر دوسرا میک اپ تھا۔ اس وقت میں اپنی اصل شکل میں تھی۔ اگر میں اس بات کا اعتراف کرتی ہوں تو کیا یہ خطرناک بات نہیں ہوگی۔ وہ لوگ دونوں حیثیتوں سے مجھے پہچان گئے ہیں۔
ایسا نازک لمحہ آگیا تھا کہ میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ اس بات کا کیا جواب دوں پھر میں نے انتہائی بے خونی سے کہا۔

”ہاں، میں ہانگ کانگ میں اس پارٹی سے ملی تھی جس سے میری کوئی کاروباری ذیل ہوئی تھی۔“
”میڈم اس کے بعد ہمارے گودام تباہ ہو گئے۔ کیا یہ ایک ایسا انوکھا عمل نہیں ہے جو حیرانی کا باعث ہو؟“ مجھ پر پھر ایک لمحے کے لئے خوف کا حملہ ہوا۔ میں نے سوچا کہ یہ بات تو میں نے تباہ کمال احمد کو بتائی تھی۔ کیا یہ ساری تفصیل اس طرح لمحوں میں نمایاں ہو گئی۔ میں نے یہاں ذرا اپنے آپ کو سنبھالا اور بولی۔
”گودام تباہ ہو گئے اس بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے۔“

”جہاں سے میڈم آپ کو حاصل کیا گیا، وہاں آپ ہمارے مفادات کو نقصان پہنچا رہی تھیں اور آپ

ہاتھوں ہمارے کسی آدمی بھی مارے گئے تھے۔“

”دیکھو یہ غلط فہمی ہے۔ اگر تم بذات خود اس وقت کے شریک ہو، جب یہ واقعہ پیش آیا تو تم خود بھی کر سکتے ہو اور اگر بات صرف ایک کہانی کی حیثیت رکھتی ہے تو میں تمہیں بتاؤں کہ گوداموں وغیرہ کی مابین میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ مجھے ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔“

”میں آپ کو ایک آسان سی بات بتاؤں میڈم! میں وہاں موجود نہیں تھا لیکن ان لوگوں کا یہی خیال ہے کہ آپ اس تنظیم کی ایک سرگرم کارکن ہیں اور ہم آپ کو یہ بھی بتا دیں کہ یہاں اس جواز پر آپ کو اپنی نقصان پہنچانے کے لئے نہیں لایا گیا بلکہ جواز تو معمول کے مطابق اپنے ایک پروگرام کے تحت روانہ تھا۔ آپ کو بعد میں اچانک ہی یہاں پر منتقل کر دیا گیا کہ آپ سے یہ معلومات کریں اور آپ کو پیشکش کی گئی کہ آپ اس تنظیم کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں اور اس کے لئے آپ کو بہت سے ایسے فائدے حاصل ہوں گے جو آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ اگر آپ مستقل طور پر ہم سے وابستہ نہ ہونا چاہیں عارضی طور پر ہمارے ساتھ شمولیت اختیار کریں اور اس کے لئے جیسے معاوضے آپ پسند کریں وہ آپ کو دے دیتے ہیں۔“ میں نے لائن کی طرف دیکھا، لائن خود حیران نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی پھر میں نے کہا۔

”مسٹر واؤسن! بڑی عجیب بات ہے، بہت ہی عجیب لیکن بہر حال آپ ہمیں تھوڑا سا سوچنے کا موقع تو ضرور دیں گے۔“

”ہاں کیوں نہیں۔ میں نے کہا، آپ کو ہر طرح کی آزادی ہے اور آپ خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کر سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے، کسی مرحلے پر تنظیم کی ایک اہم شخصیت جواز پر آپ سے ملاقات کرے۔“
”خاصی طویل نشست رہی تھی، واؤسن کے ساتھ۔ ہم لوگ وہاں سے نکلے اور عرشے پر چل قیدی بنے گئے۔ لائن پر بھی ایک خاموشی طاری تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت میں خود کو انتہائی احمق محسوس رہی تھی۔ یہ کون سا دانہ ڈالا جا رہا تھا مجھے، ان تمام باتوں کی گہرائی پر غور کرنا تھا۔ سب سے زیادہ افسوس یہ بات تھی کہ لائن اس سطح کا نہیں تھا جس سے ان باتوں پر گفتگو کی جاتی۔ حالانکہ مجبوری نے اسے ہراساں نہیں بنا دیا تھا۔ اس وقت مجھے تنہائی درکار تھی۔ تاکہ میں اس پیش آنے والے عجیب و غریب مسئلے پر درگزر کروں۔ اصل میں بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک عرشے پر چل قیدی کرنے کے بعد میں کیمین کی جانب چلی تو لائن میرے ساتھ تھا۔ میں نے کہا۔

”تم اگر چاہو تو یہاں محکم پھر سکتے ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد کیمین میں آ جانا۔“ لائن نے ایک نگاہ مجھے دکھا اور اس کے بعد بولا۔

”میڈم! آپ جس ذہنی الجھن کا شکار ہیں، میں اسے محسوس کر رہا ہوں مگر آپ سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔“

میں نے چونک کر لائن کو دیکھا اور پھر مدہم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”کیا لائن؟“
”بات اصل میں یہ ہے کہ فی الحال یہاں سے فرار ہونا بھی ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ آپ جس

ذہنی الجھن کا شکار ہیں، میرے خیال میں وہ بے مقصد ہے۔

”تو تم کیا کہتے ہو، کیا میں ان سے معاہدہ کر لوں؟“

”نہیں، لیکن آپ اس بات پر آمادگی کا اظہار کر دیجئے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ہم کتنے خیرات لوگوں کے درمیان ہیں۔ وہ شاید آپ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس ذخیرے کی تباہی میں آپ کا ہاتھ اور اس کے بہت زیادہ امکانات ہیں کہ وہ اسی مقصد کے تحت آپ کو یہ پیشکش کرنا چاہتے ہوں۔ اس ذخیرے کی تباہی کی ذمہ داری تو ایک فیصد بھی قبول نہ کیجئے البتہ ان کی اس پیشکش کے بارے میں آپ کہہ دیجئے کہ اگر تنظیم ہمیں اس قابل سمجھتی ہے تو ہم تنظیم کے لئے حاضر ہیں۔“

”تمہارا یہ خیال ہے کہ ان کی پیشکش قبول کرنے کے بعد ہماری زندگی محفوظ ہو جائے گی۔“

”اس بات کے بہت زیادہ امکانات ہیں کہ ایسا ہو جائے۔ آپ دیکھ لیجئے کہ فی الحال ہمارے لئے کیا کارکنی راستہ نہیں ہے۔“

”یعنی صرف اپنی زندگی بچانے کے خیال سے یہ پیشکش قبول کر لی جائے۔“

”نہیں، فی الحال ضرورت وقت اور مصلحت حاصل کرنے کی ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ ہمیں کب نہ کہیں فرار ہونے کا موقع مل جائے گا لیکن اگر ابھی سے انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہم ان کی پیشکش قبول نہیں کریں گے تو وہ پھر دوسرا کام کریں گے۔“

میں سوچ میں ڈوب گئی۔

لائسنے بہت اونچا مشورہ دیا تھا اور میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ واقعی یہ طریقہ کار بہت اچھا رہے گا۔ پھر دوسرے دن واؤسن نے مجھ سے دوبارہ ملاقات کی۔ اس کے چہرے پر ایک خوشگوار مسکراہٹ چلی ہوئی تھی۔

”تنظیم کے اعلیٰ اراکان سے میرا لاسکی رابطہ رہتا ہے۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ میں نے تنظیم کی خواہش آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔“

”اصل میں اس بات پر حیران ہوں مسٹر واؤسن کہ میری حیثیت اس قدر تنظیم کی نگاہوں میں ہے۔“

”اصل میں تنظیم کے لوگ ہیروں کی پہچان میں ماہر ہیں۔ انہوں نے آپ کے بارے میں بڑے اچھے ریمارکس تیار کئے ہیں۔ اگر آپ اس سلسلے میں ہماری خواہش پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں تو آپ بتائیے کیا میں تنظیم کو یہ اطلاع دے دوں؟“

”دیکھو، ذہنی طور پر میں تم لوگوں سے بہت متاثر ہو گئی ہوں اور اگر تم مجھے تنظیم کا ممبر نہ بنانا چاہتے تب بھی اب میں تنظیم کے مفادات کے لئے بہت سے کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس تنظیم کے بارے میں مکمل معلومات حاصل بھی نہیں ہیں لیکن بہر حال میری طرف سے تقریباً آمادگی ہی سمجھو۔ فیصلے کا جواب دینے کے لئے کچھ وقت درکار ہوگا۔“

”وقت ہی وقت ہے آپ کے پاس۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔“ پھر واقعی ان کا رویہ اور زیادہ نرم

بہ واؤسن ہماری جانب سے مطمئن تھا۔ سفر کے دوران ہماری دوستی عملے کے دوسرے افراد اور مہمرازی نے والے مسلح سپرے داروں سے بھی ہو گئی تھی۔ ہم دن بھر جہاز کے عرشے پر چل قدمی کرتے یا مختلف بن میں جا کر عملے کے افراد سے گپ شپ میں مصروف رہتے۔ یہ بات میرے لئے بڑی دلچسپی کا باعث بن گئی۔ یہ جہاز اسی عظیم الشان تنظیم کی ملکیت ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک دم سے میرے راستے تبدیل ہو گئے۔ منشیات کے سوداگروں کے بارے میں میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں اور میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی لیکن اب ایک دنیا میری نگاہوں کے سامنے پھیلی ہوئی تھی۔ واؤسن سے آزادانہ طور پر اس موضوع پر گفتگو ہوتی تھی پھر حیرانی کی بات یہ تھی کہ دنیا کے بیشتر حصوں میں اس قسم کے افراد پھیلے ہوئے تھے۔ البتہ ایک بات ذرا میرے لئے ناقابل فہم تھی جس کے بارے میں بعد میں علم ہو گیا۔ وہ یہ کہ عظمت جلال نے جو کچھ خریدی تھی، وہ تنظیم کا ایک ذیلی دفتر تھا۔ دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں بڑے بڑے سرمایہ کار تنظیم کے ممبر تھے۔ عظمت جلال بھی ایک رکن تھا۔ اس سے زیادہ بڑے ملکوں میں کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن بہر حال وہ تنظیم کا ممبر تھا اور تنظیم کی جزیں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ محسوس کر رہی تھی کہ مجھے بہت بڑا اعزاز ملا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی کسی موقع پر عظمت ل کو میرے سامنے کھٹے بیٹھنے پڑیں۔

جہاز کو سفر کرتے ہوئے کئی دن ہو گئے تھے۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ جہاز جب کسی بندرگاہ پر جا کر لنگر انداز ہوگا تو ہم فرار کا کوئی موقع کوئی صورت تلاش کر لیں گے لیکن اب تک اس دوران جہاز کئی بار لنگر انداز ہوا مگر کبھی کسی بندرگاہ کی گودی میں نہیں گیا۔ اس کے برعکس جہاز خشکی سے میلوں دور کھلے سمندر میں لنگر انداز ہو جاتا پھر کئی گھنٹوں کے بعد بندرگاہ کی طرف سے کشتیاں آئیں۔ ان کشتیوں میں بھرا ہوا ملاح جہاز میں لوڈ کر دیا جاتا اور جہاز کا سامان اپنی کشتیوں کے ذریعے بندرگاہ تک پہنچا دیا جاتا اور اس کارروائی کے بعد اس جگہ سے لنگر اٹھایا جاتا تھا۔ جہاز جب بھی کبھی خشکی کے قریب لنگر انداز ہوتا ہم واؤسن سے اور عملے کے دوسرے افراد سے دریافت کرتے کہ یہ کون سی بندرگاہ ہے لیکن انہوں نے کبھی ہمیں اس کا نام نہیں بتایا۔ بہر حال یہ سفر جاری رہا، اس دوران مجھے سمندر کے سفر کا اندازہ ہوتا جا رہا تھا۔ جب آسمان کا شفاف نیلا رنگ مستقل طور پر سرمئی اور نیلا سا ہو گیا اور تیز سرد ہوائیں گرم اور نم آلود ہو گئیں تو ہمیں علم ہو گیا کہ ہم بحراوقیانوس سے نکل کر بحر ہند میں داخل ہو چکے ہیں اور مشرق وسطیٰ کے ممالک سے گزر رہے ہیں۔ انہی دنوں ایک مرتبہ جہاز خشکی سے میلوں دور لنگر انداز ہوا، تو ہم نے دیکھا ملاح کی طرف سے کشتیوں کے بجائے ایک چھوٹے سائز کا ٹینکر چلا آ رہا ہے۔ وہ ہمارے جہاز کے قریب لنگر انداز ہو گیا اور پھر بڑے بڑے پائپوں کی مدد سے ہمارے جہاز میں تیل بھرا جانے لگا۔ اگلے روز یہ ٹینکر واپس چلا گیا اور اس کے جاتے ہی ہمارا جہاز بھی مشرق کی جانب سفر کرنے لگا۔ کافی دن ہو چکے تھے۔ اس مارے عرصے میں ہم بظاہر خوش اور مطمئن نظر آتے رہے جیسے یہ سفر ہم تفریح اور سیاحت کی غرض سے کر رہے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میرا ذہن مستقل نظرکرات میں الجھا رہتا تھا۔ شدید فکروں اور الجھنوں میں دن پر دن گزرتے گئے اور ہمارا جہاز مخصوص رفتار سے آگے بڑھتا رہا۔ میں اور لائن تو یہ سمجھ چکے تھے کہ

جہاز کی آخری منزل یقینی طور پر قریب آچکی ہے لیکن یہ صرف ایک خیال تھا۔ ایک دن واؤسن سے موضوع پر گفتگو کی تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں، ابھی ہمارا یہ سفر چند روز تک جاری رہے گا اور اس کے بعد ہم تھائی لینڈ میں داخل ہو جائے گی لیکن ہم آپ کے لئے انتظار کر رہے ہیں میڈم! ہو سکتا ہے درمیان میں ہی آپ کے لئے طے کر لیا جائے۔“

میرے اوسان خطا ہو گئے اگر ایسا ہوا تو میں واقعی بالکل ہی ماری جاؤں گی۔ لائن سے میں اس بار میں گفتگو نہیں کر سکتی تھی البتہ اگر نادیہ میرے پاس ہوتی تو اس سے مشورہ کیا جاسکتا تھا۔ مگر افسوس وہ میرے قریب نہ تھی۔ انہی دنوں ہم ایک ایسے ساحل کے پاس سے گزرے جس کی فضا میں دھوئیں بادل چھائے ہوئے تھے اور دور سمندر کی سطح پر ڈولے ہوئے جہازوں میں آگ بھڑکتی دکھائی دے رہی تھی ہمارے پوچھنے کے باوجود کسی نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ یہ کون سا ساحل ہے۔ عین رات کے وقت جب دہلی ہاؤس کے سامنے کھڑے تھے۔ تو واؤسن اور چیف کی گفتگو سن کر ہمیں یہ اندازہ ہوا کہ یہاں کچھ بڑا جہاز کھڑے ہوئے تھے جنہوں نے غلط فہمی کی بنا پر ایک دوسرے پر حملہ کر دیا اور نتیجے میں قرب و جوار میں تباہی پھیلی ہوئی ہے۔ واؤسن اور عملے کے دوسرے عہدے داروں کو میں نے فکر مند اور گھبرایا ہوا محسوس کیا تھا۔ وہ سب دن بھر دہلی ہاؤس میں جمع رہے اور چیخ چیخ کر ہدایات جاری کرتے رہے اور اس کے بعد جہاز رخ اچانک ہی موڑ دیا گیا۔

شام تک وہ دھوئیں سے گھرا ساحل اور دور افق پر مجنوں کی طرح چمکتے ہوئے آتش زدہ جہاز ہماری نگاہوں میں رہے اور پھر او جمل ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی ہمارے جہاز کے عملے نے سکون کی سانس لی۔ رات کو جب ہم کھانے کے لئے ڈائننگ ہال میں گئے تو پاس بیٹھے ہوئے عملے کے افراد کی گفتگو سے نئے اندازہ ہوا کہ صورت حال کافی خوفناک تھی اور ہمارے جہاز کو کوئی خطرہ پیش آسکتا تھا۔ کھانے کے بعد میں اور لائن دیر تک ڈائننگ ہال میں بیٹھے گفتگو کرتے رہے۔ ہم جہاز کے عملے کے دوست بن چکے تھے لیکن اس کے باوجود ہم اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کرتے تھے کیونکہ ان لوگوں کے رویے اچانک ہی تبدیل ہو جایا کرتے تھے۔ اس دن بھی جب ہم باہر نکلے تو میں نے فضا میں ایک غیر معمولی تبدیلی محسوس کی۔ ہوا اچانک بہت تیز ہو گئی تھی اور آسمان غلاب معمول بہت تاریک تھا۔ میں نے سر اٹھا کر کسی ستارے کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ مگر دور دور تک کہیں کوئی ستارہ نہ تھا۔ آسمان گہرے بادلوں سے گھرا ہوا تھا پھر جب جہاز کی روشنی میں، میں نے غیر معمولی اونچی لہروں کو دیکھا تو میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”لائن! ذرا دیکھو! یہ لہر اتنی اونچی کیوں ہو گئی ہیں؟“

لائن بھی ان پر غور کرنے لگا پھر عجیب سے لہجے میں بولا۔ ”شاید طوفان آرہا ہے۔“

”یقیناً ہو سکتا ہے۔“ پھر اسی وقت بارش کی پہلی بوند میرے چہرے پر گری۔ پتہ نہیں بارش کی بوند تھی یا لہروں کی۔

”ادھو! دیکھو! یہ پانی شاید اچھل کر اندر آرہا ہے۔“

ہم لوگ خوفزدہ انداز میں اسی طرح کی باتیں کرتے رہے۔ اس دوران کئی اور بوندیں ہمارے سر اور ہاتھوں اور ہمیں اندازہ ہو گیا کہ یہ بارش کی بوندیں ہیں۔ لائن نے کہا۔

”آئیے میڈم، کہیں میں چلیں۔ بارش تیز ہوئی جا رہی ہے۔“ ہمارے کہیں تک پہنچنے تک واقعی تیز ہو گئی تھی۔ کہیں کا دروازہ بند کرتے وقت میں نے دیکھا کہ عملے کے افراد عرشے پر بڑے سامان کو یंत्रیوں سے ڈھک رہے ہیں اور رینگ کے گرد ٹپکنے والے مسلح افراد تیزی سے عرشے کے سامنے شیڈ کی جانب جا رہے ہیں۔ لائن جو میرے قریب کھڑا ہوا تھا، انہیں شیڈ کی طرف جاتے دیکھ کر کے لہجے میں بولا۔

”اگر ہم کوشش کریں تو آج کی رات فرار کے لئے بہت موزوں ہے کیونکہ رینگ کے پاس کا علاقہ کیا ہے اور یہ لوگ انفرادی طور پر ہیں۔“

”کیا تم باہل ہو گئے ہو؟“ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور لائن حیرت سے میری صورت دیکھنے لگا۔

”کیوں میڈم؟“

”اس سے زیادہ یقینی بات اور کوئی ہو سکتی تھی۔“ میں نے کہیں کا دروازہ بند کر کے اپنے بستر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”میں سمجھا نہیں، اس میں بے وقوفی کی کیا بات ہے۔“

”تم اس طوفانی ماحول میں اور طوفانی سمندر میں جہاز سے اتر کر بھاگو گے؟“

”میں ایک تربیت یافتہ تیراک ہوں میڈم! اور اس سلسلے میں، میں نے کئی میڈل حاصل کئے ہیں۔“

”لیکن یہاں سے تم تھر کر کہاں جاؤ گے؟“

”کسی قریبی ساحل پر اور کہاں۔“ لائن نے کہا۔

”یہ یقیناً آدمی! کیا تمہیں کسی قریبی ساحل کے بارے میں معلومات حاصل ہیں؟ ہو سکتا ہے یہ ایسا ساحل ہو جو ڈیڑھ سو میل ہو، لیکن اگر وہ ایک میل کے فاصلے پر بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔“

”یہ ہوتی لہروں میں تم پچاس گز بھی تھر کر نہیں جاسکتے۔ کیا سمجھے۔ یہ تمہاری اکیڈمی کا سوئمنگ پول ہے۔ طوفانی سمندر ہے۔ چپ چاپ سو جاؤ اور خدا سے دعا کرو کہ ہمارا جہاز اس طوفان سے بچریت جائے۔“

میں اپنے بستر کی جانب بڑھ گئی اور بستر پر بیٹھ کر پائنٹی پر رکھا ہوا اکبیل اپنے سینے پر پھیلا لیا۔

”سوئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ایک زور دار جھٹکا لگا اور میں اچھل کر بستر سے نیچے گر گیا۔ فوراً ہی اٹھ کر میں نے ادھر ادھر دیکھا تو میری نگاہیں لائن پر پڑیں۔ وہ ایک ہاتھ سے کپڑے ٹانگتے

ما آہنی راڈ کو تھامے پورٹ ہول سے جھانک رہا تھا۔ طوفان کے شور میں اسے شاید میرے گرنے کا علم نہ ہوا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھی اور بستر پر آگئی پھر میں نے لائن کو آواز دی تو وہ چونک کر میری طرف

نہ لگا۔ میں نے کہا۔

”کیا دیکھ رہے ہو؟“

”میں سمندر کو دیکھ رہا ہوں میڈم! واقعی بڑا خوفناک طوفان ہے۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اپنے لہجے میں بیجا پھر اس نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”میڈم! آپ تو بڑے مزے سے سو گئیں لیکن مجھے خوف سے نیند نہیں آئی۔ آپ ذرا غور کیجئے کس طرح ڈول رہا ہے۔“

”ہاں! کیا کیا جاسکتا ہے۔ آرام سے سو جاؤ۔ طوفان جو بھی فیصلہ کرے گا وہ ہو جائے گا۔“

”میڈم! مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ باہر بڑی افرا تفری مچی ہوئی تھی۔ عملے کے افراد اُدھر اُدھر

رہے ہیں اور چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو ہدایت دے رہے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے واڈسن کی آواز

سنی تھی۔ وہ سہمی ہوئی آواز میں چیخ چیخ کر کسی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ میڈم! کیوں نہ باہر نکل کر دیکھیں کہ کیا

رہا ہے۔ زندگی واقعی جانے والی چیز ہے لیکن تھوڑی سی جدوجہد تو انسانی فرض ہے۔“ میں نے لائن

میں صورت دیکھی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ واقعی ہچکولے اتنے شدید لگ رہے تھے کہ ان میں سونا بھی

نہیں تھا۔ باہر سے تیز ہوا بارش اور لہروں کے شور کے ساتھ ساتھ دوڑتے قدموں کی آوازیں اور چیخ

ایک دوسرے سے کچھ کہنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے گردن جھٹکی اور بستر سے نیچے اتر آئی۔ باہر

نے گاؤں اٹھا کر اپنے جسم کے گرد لپیٹا۔ ہم کیمبن کے دروازے تک پہنچ گئے لیکن جیسے ہی میں نے کچھ

دروازہ کھولا۔ بارش کی شدید بو چھڑا ہمارے چروں سے ٹکرائی اور اسی وقت میں نے عرشے کے شیشے میں

ایک سائے کو نکل کر رینگ کی طرف آتے دیکھا۔ جب وہ روشنی کی طرف آیا تو میں نے اس کی رانگل

ٹال کو چمکتے ہوئے واضح طور پر پایا۔ واڈسن کے پہرے دار اس شدید طوفان میں بھی ہماری طرف سے

خبر نہیں ہوئے تھے۔ عرشے پر پانی تیزی سے بہہ رہا تھا اور عملے کے کئی افراد برساتیاں اوڑھے تیزی سے

اُدھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ لائن بڑی جیرانی سے ان دیو قامت لہروں کو دیکھ رہا تھا جو جہاز سے بھی اونچی

رہی تھیں۔ بالائی ڈیک پر جہاں ویل ہاؤس اور ریڈیو روم وغیرہ تھے خاصی چمپ پھل تھی اور بہت سے لوگ

کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان میں کیمپن کی اونچی آواز سب سے نمایاں تھی۔ ہم نے

ہاؤس میں داخل ہو کر ان لوگوں کو مخاطب کیا تو سب چونک کر ہمیں دیکھنے لگے۔ اچانک ہی واڈسن نے کہا

”آپ لوگوں کو اس طوفان میں کیمبن سے باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔“

”ہم اس لئے آئے تھے کہ ممکن ہے، کسی معاملے میں ہم آپ کی کوئی مدد کر سکیں۔“ لائن نے کہا

”آپ کا بہت شکریہ مسٹر لائن لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب خطرہ ٹل گیا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے

جیب سے رومال نکالا اور اپنے چہرے کا پینہ خشک کرنے لگا۔

”کیا صورت حال بہت خطرناک ہو گئی تھی؟“

”ہاں! ابھی چند لمحے پہلے تک ہم شدید خطرے کی زد میں تھے مگر اب ایسا نہیں ہے کیونکہ طوفان

رخ تبدیل ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے، دو تین گھنٹوں میں صورت حال پہلے کی طرح نارمل ہو جائے گی

اسی وقت چیف میٹ کمپیوٹر اسکرین کے سامنے سے اس جگہ آیا جہاں ویل ہاؤس کی چھت میں دہشت

”میں سمندر کو دیکھ رہا ہوں میڈم! واقعی بڑا خوفناک طوفان ہے۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اپنے لہجے میں بیجا پھر اس نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”میڈم! آپ تو بڑے مزے سے سو گئیں لیکن مجھے خوف سے نیند نہیں آئی۔ آپ ذرا غور کیجئے کس طرح ڈول رہا ہے۔“

”ہاں! کیا کیا جاسکتا ہے۔ آرام سے سو جاؤ۔ طوفان جو بھی فیصلہ کرے گا وہ ہو جائے گا۔“

”میڈم! مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ باہر بڑی افرا تفری مچی ہوئی تھی۔ عملے کے افراد اُدھر اُدھر

رہے ہیں اور چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو ہدایت دے رہے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے میں نے واڈسن کی آواز

سنی تھی۔ وہ سہمی ہوئی آواز میں چیخ چیخ کر کسی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ میڈم! کیوں نہ باہر نکل کر دیکھیں کہ کیا

رہا ہے۔ زندگی واقعی جانے والی چیز ہے لیکن تھوڑی سی جدوجہد تو انسانی فرض ہے۔“ میں نے لائن

میں صورت دیکھی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ واقعی ہچکولے اتنے شدید لگ رہے تھے کہ ان میں سونا بھی

نہیں تھا۔ باہر سے تیز ہوا بارش اور لہروں کے شور کے ساتھ ساتھ دوڑتے قدموں کی آوازیں اور چیخ

ایک دوسرے سے کچھ کہنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے گردن جھٹکی اور بستر سے نیچے اتر آئی۔ باہر

نے گاؤں اٹھا کر اپنے جسم کے گرد لپیٹا۔ ہم کیمبن کے دروازے تک پہنچ گئے لیکن جیسے ہی میں نے کچھ

دروازہ کھولا۔ بارش کی شدید بو چھڑا ہمارے چروں سے ٹکرائی اور اسی وقت میں نے عرشے کے شیشے میں

ایک سائے کو نکل کر رینگ کی طرف آتے دیکھا۔ جب وہ روشنی کی طرف آیا تو میں نے اس کی رانگل

ٹال کو چمکتے ہوئے واضح طور پر پایا۔ واڈسن کے پہرے دار اس شدید طوفان میں بھی ہماری طرف سے

خبر نہیں ہوئے تھے۔ عرشے پر پانی تیزی سے بہہ رہا تھا اور عملے کے کئی افراد برساتیاں اوڑھے تیزی سے

اُدھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ لائن بڑی جیرانی سے ان دیو قامت لہروں کو دیکھ رہا تھا جو جہاز سے بھی اونچی

رہی تھیں۔ بالائی ڈیک پر جہاں ویل ہاؤس اور ریڈیو روم وغیرہ تھے خاصی چمپ پھل تھی اور بہت سے لوگ

کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان میں کیمپن کی اونچی آواز سب سے نمایاں تھی۔ ہم نے

ہاؤس میں داخل ہو کر ان لوگوں کو مخاطب کیا تو سب چونک کر ہمیں دیکھنے لگے۔ اچانک ہی واڈسن نے کہا

”آپ لوگوں کو اس طوفان میں کیمبن سے باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔“

”ہم اس لئے آئے تھے کہ ممکن ہے، کسی معاملے میں ہم آپ کی کوئی مدد کر سکیں۔“ لائن نے کہا

”آپ کا بہت شکریہ مسٹر لائن لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب خطرہ ٹل گیا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے

جیب سے رومال نکالا اور اپنے چہرے کا پینہ خشک کرنے لگا۔

”کیا صورت حال بہت خطرناک ہو گئی تھی؟“

”ہاں! ابھی چند لمحے پہلے تک ہم شدید خطرے کی زد میں تھے مگر اب ایسا نہیں ہے کیونکہ طوفان

رخ تبدیل ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے، دو تین گھنٹوں میں صورت حال پہلے کی طرح نارمل ہو جائے گی

اسی وقت چیف میٹ کمپیوٹر اسکرین کے سامنے سے اس جگہ آیا جہاں ویل ہاؤس کی چھت میں دہشت

لیور نصب تھا۔ اس نے روشن دان کا تختہ نیچے کھینچا لیکن اگلے ہی لمحے وہ تختہ دوبارہ اوپر دھکیلا پڑا

ہم تعلقات ہیں۔ وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکا اور اس نے کہا۔

”جی سرجی۔ جی..... میں سمجھ رہا ہوں۔ بالکل بالکل وہ بائٹھ اعشاریہ ایک تین مشرق الگ ہے۔“

ایس۔ ”وہ ایک بار پھر خاموش ہو کر سننے لگا پھر تیزی سے بولا۔

”کیا ہوا! تم خاصے پریشان ہو گئے ہو۔“

”تو پھر.....“ میں نے مضطرب انداز میں کہا۔ ”کیا ہمارا جہاز اس کی مدد کے لئے جا رہا ہے؟“

”لیکن میرا خیال ہے، یہ جہاز رانی کے بین الاقوامی اصولوں کے خلاف بات ہے کہ آپ دریا

”ہاں“ ہے تو سہی لیکن بہر حال میں نے کیپٹن کو اس بارے میں اطلاع دے دی ہے۔ اس وقت

”لیکن جہاں تک میرا خیال ہے، اس جہاز کی مدد کرنی چاہیے۔ لائن آؤ ہم بات کرتے ہیں۔“ ایک

”مسٹر آفسر! میرے خیال میں اس جہاز کی مدد کرنا ضروری ہے جو ہم سے دو ماگ رہا ہے۔“

”مگر یہ تو بڑی بات ہے! فیسر! وہاں کچھ لوگ موت کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آپ“

”ایسا کرنے کے لئے صرف کیپٹن کی اجازت درکار ہے۔“

”کیا آپ نے کمپین کو اس بارے میں اطلاع دی ہے؟“ سکیٹڈ آفسر جاننا تھا کہ میرے واٹسن

نے اسے سارے واقعے کی اطلاع دی تو وہ انھیں میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ”اصل میں میڈم! اس مصیبت
 ازکی مدد کے لئے جانا اس لئے ممکن نہیں ہے کہ اس وقت ہم.....“

”کتنا دور ہے وہ جہاز یہاں سے اور ہم کتنی دیر میں وہاں پہنچ سکتے ہیں؟“

”اس وقت تک تو یہ جہاز غرق ہو چکا ہو گا۔“ واؤسن نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ چلو جہاز کا رخ موڑو۔“ اس کے بعد اس سلسلے میں ہدایات جاری کی جائے لیں۔ میں

تھے لیکن آسمان پر اتنے گہرے اور تاریک بادل چھائے ہوئے تھے کہ ابھی تک رات ہی معلوم ہوئی

ہم اس جہاز کا جائزہ لے رہے تھے، تھرو آفسر کی بھی لیکن زیادہ تر یہ میرے اور لائن کے ہاتھوں

دھوئیں کی لکیر دور مغربی افق سے اٹھ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر کے بعد ہمیں جہاز کا بالائی حصہ نظر آنے لگا۔

ماں وجہ سے ابھی تک گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ قریب پہنچ کر ہمارے جہاز کی سرچ لائٹیں روشن

انہی۔ اٹھا مستول غائب تھا اور وہ جگہ جہاں کبھی ڈیپ گاؤں ہوگا اب ایک بڑے سوراخ کی مانند منہ

لے ہوئے تھی اور اس سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا تھا۔ عرشے پر بڑے بڑے آگ کے گولے نظر آ

ی دیر کے بعد جہاز حرکت میں آیا۔ میں اور لائن بھی گہری نگاہوں سے اس جلتے ہوئے جہاز کے رے جے کو دیکھ رہے تھے۔ جہاز کا دوسری طرف کا حصہ بھی سنان اور تاریک تھا۔ ہمارا جہاز اس سے بائیں سو گز کے فاصلے پر چلا ہوا دھیرے دھیرے اس کے پچھلے حصے کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر جیسے ہی رے جے جہاز کا چکر ختم ہوا، تھڑا آفسر جی اٹھا۔

”ٹھہرس سر۔ میں نے ابھی ابھی ایک مدہم سی روشنی دیکھی ہے۔“

”کہاں۔“ بہت زسی آوازوں نے پوچھا۔

”جہاز کے آفٹر کیسل میں۔“ تھڑا آفسر نے پرجوش لہجے میں کہا پھر بولا۔ ”بہت سی مدہم روشنی تھی جو رائی بجھ گئی، جیسے کسی نے ماچس کی تیلی جلائی ہو۔ پلیز سر، آپ جہاز کو روکے۔ میں اسے دیکھتا ہوں“

دیکھا ہے روشنی پھر ہو۔“

”مجھے تو یہ تمہاری آنکھوں کا دھوکا محسوس ہوتا ہے۔“ واؤسن کی بیزار آواز ابھری۔

”نہیں سر بالکل نہیں۔ وہ روشنی مدہم ضرور تھی لیکن میں نے واضح طور پر اسے دیکھا تھا۔“ تھڑا

آفسر کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ اچانک سب لوگ سحر زدہ سے ہو کر تباہ شدہ جہاز کے آفٹر

کیسل کی طرف دیکھنے لگے۔ اس مرتبہ کسی کے لئے شک کی محبتا نہیں رہی تھی۔ ایک کمزور کانپتا ہوا

نالی ہاتھ آفٹر کیسل کے کسی سوراخ سے باہر نکلا ہوا تھا اور اس ہاتھ میں کپڑے یا کاغذ کا جلتا ہوا ایک ٹکڑا

فلد وہ روشنی اور انسانی ہاتھ دور بین کے بغیر بھی سب کو صاف نظر آ رہا تھا۔ ہم سب جذباتی ہو گئے۔

واؤسن اپنے قریب کھڑے ہوئے افسروں کو ہدایت دینے لگا۔ جہاز کو وہیں ٹھہرا کر دیا گیا اور ایک

موزیٹ نیچے اتاری جانے لگی۔ عملے کے افراد رسیوں کے ذریعے نیچے اترنے لگے۔ اس میں چیف میٹ

کے علاوہ تھڑا آفسر اور نچلے رینک کے تین افراد شامل تھے۔ عملے کے باقی افراد عرشے کی رینگ سے لگ کر

کھڑے ہو گئے۔ کچھ ہی دیر کے بعد وہ موزیٹ تباہ شدہ جہاز کے قریب پہنچ گئی لیکن ابھی ان لوگوں نے اوپر

چڑھنا شروع کیا ہی تھا کہ اچانک زور دار گڑگڑاہٹ سنائی دی اور اس جہاز کو شدید جھٹکا لگا، جہاز ڈوب رہا

تھا۔ اس کے ساتھ ہی جہاز کا تباہ شدہ درمیانی حصہ بھی گر پڑا۔ سمندر کی سطح سے بھاپ کے مرغولے اٹھنے

لگے اور جہاز کا باقی حصہ بھی اب پہلے سے زیادہ تیز رفتاری سے پانی میں ڈوبنا شروع ہو گیا۔ موزیٹ میں

موجود افراد نے رسیوں کی سیڑھیاں ڈوبتے ہوئے جہاز کے اوپر پھینکیں اور ایک ایک کر کے اس پر چڑھنے

لگے۔ وہ جہاز ہم سے تقریباً ڈھائی سو گز کے فاصلے پر تھا۔ خالی آنکھوں سے اس میں ہونے والی کارروائی کو

نہیں دیکھا جاسکتا تھا لیکن لائن ابھی تک تھڑا آفسر کی دور بین اپنے بٹھے میں کئے ہوئے تھا۔ میں نے اشارے

سے اس سے دور بین مانگی تو اس نے دور بین میرے ہاتھوں میں تھما دی۔ ہماری نظریں بار بار آفٹر کیسل کی

طرف اٹھ رہی تھیں جو ابھی تک سمندر کی سطح سے چند فٹ کے فاصلے پر تھا۔ مگر ہمیں وہ ہاتھ دوبارہ دکھائی

نہیں دیا۔ شاید اس میں موجود افراد اس بات کے منتظر تھے کہ امدادی کارروائی شروع ہو۔ کچھ لمحوں کے بعد

موزیٹ کے تمام لوگ تباہ شدہ جہاز پر پہنچ گئے۔ جہاز نہایت خطرناک زاویے پر تڑچھا ہو چکا تھا اور چیف

میٹ اور اس کے ساتھی ٹوٹی پھوٹی رینگ کو تھامے قدم قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ کیمین کے ایک

رہے تھے اور ہر طرف لکڑی اور لوہے کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ مجھے یہ سب کچھ دیکھ کر بڑی غم

ی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا۔ اندازہ تو یہ تھا کہ جیسے ہی ہم اس آتش زدہ حصے تک پہنچیں گے ہمیں ہزار

کے عرشے پر بہت سے مسافر دکھائی دیں گے جو اپنی فیض اتار کر فضا میں لہراتے ہوئے ہمیں اپنی جانب

متوجہ کریں گے اور خوشی کے نعرے بلند کریں گے مگر میں نے انتہائی حیرانی سے دیکھا کہ جہاز کا عرشہ بالکل

سنان تھا اور اس کا فارورڈ کیسل بے عام طور سے خوشل کہا جاتا ہے، آدھے سے زیادہ پانی کی گہرائی میں

ڈوب چکا تھا۔ مگر جہاز کا درمیانی حصہ، عملے کے کیمین اور آفٹر کیسل سب پر خاموشی اور تاریکی تھی۔ ہم

کوئی زندہ انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ آتش زدہ جہاز کے قریب پہنچنے ہی سیکنڈ آفسر، پستان، چیف میٹ اور

ویل ہاؤس سے نکل کر نچلے عرشے پر آگئے اور سرچ لائٹ کی روشنی میں اس تباہ شدہ جہاز کا جائزہ لینے لگے۔

”بالکل خالی جہاز ہے۔ مسافریا تو لائف بوٹ سے نکل چکے ہیں یا پھر سب ختم ہو چکے ہیں۔ آپ نے

دیکھا، میڈم! کوئی بھی نہیں ہے نیچے۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن مجھ سے پہلے سیکنڈ آفسر بول اٹھا۔

”آپ کا خیال درست ہے سر۔ کیا خیال ہے، ہم واپس چلیں۔“

”میں ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں آفیسر!“ میں نے واؤسن سے کہا۔

”ہاں۔“

”آخری کوشش تو کر لیجئے۔ ہو سکتا ہے، کچھ لوگ ہی زندہ مل جائیں۔“ واؤسن نے میری اس ہدایت

پر بھی عمل کیا۔ اس نے سرچ لائٹ اور ہوٹ کے سٹفل دینا شروع کر دیئے اور کئی باری کوشش کے باوجود

اس سلسلے میں کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ سیکنڈ آفسر نے کہا۔

”سراگر کوئی ہوتا تو اب تک عرشے پر آچکا ہوتا۔ ہماری سرچ لائٹ اور انجنوں کی آواز ان کے کان

تک ضرور پہنچ جاتی۔“

”لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اس حد تک زخمی ہوں کہ باہر آنا ان کے لئے ممکن نہ ہو۔“

لائن نے کہا۔

”ٹھیک ہے، میں کوشش کرتا ہوں۔“ پھر واؤسن دوسرے لوگوں کو ہدایت دینے لگا۔ ایک بار پھر

بجھتی سرچ لائٹیں اور ہونٹوں پر سٹفل دیا جانے لگا پھر کیمین کی ہدایت پر سٹفل دینے کا ایک اور طریقہ

میں اختیار کیا گیا۔ یکے بعد دیگرے دھماکے ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ بارہ فاؤنڈر راکٹ سنسناتے ہوئے

میں بلند ہو گئے۔ ان میں سے ایک راکٹ آتش زدہ جہاز کے درمیانی حصے میں بھی گرا لیکن اس کی ویرانی

خاموشی میں اب بھی کوئی ہلچل پیدا نہ ہوئی۔ کیمین زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ واؤسن نے

گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”سب کچھ ختم ہو چکا ہے، جہاز میں اب کوئی موجود نہیں ہے۔“ کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا تھا لیکن

واؤسن ہی کو کچھ خیال آیا۔ اس نے کہا۔

”سیکنڈ آفسر! جہاز کے چاروں طرف ایک اور چکر لگایا جائے ممکن ہے دوسری طرف والے حصے

کوئی بد قسمت اب تک سانس لے رہا ہو۔“ اس کی اس ہدایت پر سیکنڈ آفسر ویل ہاؤس کی طرف چلا گیا۔

دروازے کے سامنے پہنچ کر چیف میٹ رکا اور دروازے کو دھکیلنے کی کوشش کی لیکن دروازہ شاید لاک ہوا تھا۔

چیف میٹ نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا جو دڑی کھڑے کی مدد سے دروازے کے قبضوں ضربیں لگانے لگا۔ اس وقت دور بین میرے پاس تھی۔ جیسے ہی وہ دروازہ کھلا، دوسیاہ جسم باہر آکر گرے۔ جسم محض ایک لمبے تک میری نگاہوں کے سامنے رہے پھر لڑکھٹے ہوئے عرشے پر گرے اور تیزی سے بہر کر پانی میں گرے لیکن میں جانتی تھی کہ وہ جلی ہوئی انسانی لاشیں تھیں۔ چیف میٹ اور تھوڑا آفیسر جھانک کر کہیں کا جائزہ لیا پھر آگے بڑھ گئے۔ اب ان کا رخ آفٹر کیسل کی طرف تھا جہاں سے کچھ دیر پہلے ہم نے انسانی ہاتھ کو برآمد ہوتے دیکھا تھا لیکن وہ نچلے عرشے پر تھا اور نیچے جانا خطرناک تھا کیونکہ زندہ آفٹر میٹ تک شکستہ ہو چکا تھا۔

چیف میٹ اور اس کے ساتھی انتہائی احتیاط کے ساتھ قدم قدم نیچے اترنے لگے اور آخر آفٹر کیسل کی جانب چلنے لگے۔ میری آنکھیں دور بین سے لگی ہوئی تھیں اور میں دم سادھے اس کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ جب وہ لوگ دروازے کی جانب پہنچے اور میں نے عرشے کو نوکس کر کے دیکھا تو مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ آفٹر کیسل میں موجود افراد ہمارے جہاز کی آواز سننے کے باوجود باہر کیوں نہیں نکلے تھے۔ اصل میں اس کہیں کا دروازہ باہر سے بند کیا جا چکا تھا اور اس میں قید افراد کسی طرح باہر نہیں آسکتے تھے۔ ایک کے اندر میرے ذہن میں ایک عجیب سا احساس پیدا ہوا۔ کیا اس جہاز پر بھی کچھ قیدی موجود تھے۔ بہر حال چیف میٹ کے اشارے پر اس کا ایک ساتھی دڑی کھڑے سے دروازہ توڑنے میں مصروف تھا۔ اس دوران وہ جہاز کچھ اور نیچے آچکا تھا اور پانی کی سطح ان لوگوں کے قدموں سے تقریباً دو فٹ نیچے رہ گئی تھی۔ دور بین ایک لمبے کو اپنے چہرے سے ہٹا کر نیچے کی طرف دیکھا۔ ہمارے جہاز میں موجود ہر شخص سانس روکے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ سب کے چروں پر خوف طاری تھا۔ عملے کے کچھ لوگ ذریعہ کچھ دھمکی دہرا رہے تھے۔ لائن نے میری طرف دیکھا اور بولا۔

”ٹھہر جاؤ۔“ میں نے یہ کہہ کر دور بین دوبارہ اپنی آنکھوں سے لگالی۔ کھڑا بردار شخص تقریباً آدم پٹیاں کاٹنے میں کامیاب ہو چکا تھا لیکن اس دوران پانی کی سطح اس کے قدموں سے صرف چند انچ نیچے رہ گئی تھی۔ آخر کار دروازہ ٹوٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی چیف میٹ اور تھوڑا آفیسر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ ہم سب سانس روکے ان کے باہر آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک بار ہمیں چیف میٹ کی اونچی آواز سنائی دی۔ وہ سخت لمبے میں کسی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ جواب میں اس سے بھی ایک اونچی آواز ہمارے سماعت سے ٹکرائی۔ یہ آواز کسی عورت کی تھی۔ چند ہی سیکنڈ کے بعد سیکنڈ میٹ اور آفیسر دروازے سے نمودار ہوئے۔ وہ کسی کو گھسیٹتے ہوئے کہیں سے باہر لا رہے تھے۔ کالی چٹلون اور اس پر لمبا سرخ رنگ کا کوٹ پہنے ہوئے وہ کوئی عورت تھی لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ چیف میٹ اور تھوڑا آفیسر کی گرفت سے خود کو چھڑانے اور دوبارہ کہیں میں جانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ اس عورت کا چہرہ میری طرف نہیں تھا اس لئے میں ابھی تک اس کی صورت نہیں دیکھ سکی تھی لیکن اتنا اندازہ مجھے ضرور ہو گیا تھا کہ وہ کوئی

ان عورت ہے۔ چیف میٹ وغیرہ جب دروازے سے باہر نکل آئے تو اچانک ہی اس عورت نے اپنا ہاتھ زلیا اور دروازے کی چوکھٹ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ وحشت زدہ انداز میں چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہی تھی روشتانہ انداز میں خود کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ ہم اس کی آواز سن رہے تھے لیکن اس کا لب ہاری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کی زبان شاید ہندی تھی۔

ان سب کے پیراب فٹنوں تک پانی میں ڈوب چکے تھے۔ ہر گزرتے ہوئے لمبے کے ساتھ پانی کی سطح بڑھتی جا رہی تھی۔ چیف میٹ پہلے تو اس عورت کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا رہا لیکن جب وہ دروازے کی چوکھٹ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئی تو چیف میٹ نے ایک زوردار تھپس اس کے چہرے پر لگایا اور اس کے ہاتھ چوکھٹ سے علیحدہ ہو گئے اور وہ خوف سے سمٹ کر رہ گئی پھر ان لوگوں کو موٹر بوٹ تک ورت کے مشکل چند منٹ لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ جہاز کے پاس پہنچ گئے۔ چیف میٹ اس کے ساتھی نیچے میں بمشکل چند منٹ لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ جہاز کے پاس پہنچ گئے۔ چیف میٹ اس کے ساتھی دور دور عورت سب کے سب ہماری طرف منہ اٹھائے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اس عورت کو جیسے لڑکی کتنا زیادہ مناسب ہوگا، غور سے دیکھا، بلاشبہ وہ نہایت خوبصورت اور نوجوان تھی۔ میرے دل کی دھڑکنیں آہستہ آہستہ اعتدال کو پہنچ رہی تھیں اور میں حیرانی سے سوچ رہی تھی کہ یہ لڑکی کون ہے اور اکیلی اس جہاز پر کیا کر رہی ہے یا پھر وہ کون پھر دل انسان تھے جنہوں نے اس معصوم سی لڑکی کو مرنے کے لئے جہاز کے اس آفٹر کیسل میں بند کیا۔ چند منٹ کے بعد وہ سب لوگ جہاز کے اوپر پہنچ گئے لیکن اوپر آتے ہی اس لڑکی نے پھر رون شروع کر دیا۔ اس دوران وہ بار بار ڈوبتے جہاز کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ عرشے پر موجود تمام افراد اس لڑکی کو گھیرے کھڑے تھے اور حیرت اور الجھن سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اصل میں ان میں سے کسی کو لڑکی کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہاں اتنا رش ہو گیا تھا کہ اس تک پہنچنا بھی ایک مشکل کام تھا ہم دور ہی سے اسے دیکھتے رہے۔ لڑکی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی دہشت تھی اور اس کی باتیں بے شک سمجھ نہیں آ رہی تھیں لیکن اس کی آواز میں ایک دل ہلا دینے والی پکار تھی۔ نہ جانے وہ کون سی زبان بول رہی تھی۔ کچھ دیر تک تو وہ سب اسے چپ چاپ دیکھتے رہے پھر واؤسن نے سخت لمبے میں اسے خاموش ہونے کے لئے کہا تو وہ سسم کر خاموش ہو گئی۔ واؤسن اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے نرم آواز میں لڑکی سے پوچھا۔

”کون ہو تم؟ کیا نام ہے تمہارا؟“

”کوشل، کوشل گپتا۔“ یہ الفاظ میری سمجھ میں آئے تھے۔ واؤسن نے پھر اسی تیز لمبے میں کہا۔ ”تم کون ہو؟ کہاں کی رہنے والی ہو اور اس جہاز پر کیسے آ گئیں۔ جہاز پر موجود پانی لوگ کہاں گئے؟“ واؤسن یہ الفاظ انگریزی میں ادا کر رہا تھا اس کی انگلی بھی خاصی مشکل تھی۔ لڑکی شاید اس کے الفاظ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ کچھ دیر تک وہ خالی نگاہوں سے واؤسن کو دیکھتی رہی پھر تیز لمبے میں کچھ کہنے لگی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ وہ خالص ہندی بول رہی ہے۔ بہر حال میں آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گئی اور میں نے کہا۔

”اگر آپ اجازت دیں مشرواؤسن تو میں اس سے بات کروں۔“

”اوہو! مجھے آپ کا تو خیال ہی نہیں آیا۔ میڈم! آئیے آپ اس سے بات کیجئے۔ مجھے خود بھی یہ انداز ہو رہا تھا کہ یہ ٹھیک طریقے سے انگلش نہیں جانتی اور کوئی مشرقی زبان بول رہی ہے۔“

”اگر آپ میری بات نامیں پلیر، تو پہلے اسے کچھ پلائیں تاکہ اس کے اوسان بحال ہوں۔“

”آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ پلیز آپ اسے کنٹرول کریں اور اسے لے کر ڈاننگ ہال میں آجائیں۔“

”یہ کہہ کر واڈن اپنے محلے کے افراد کی جانب متوجہ ہو گیا اور بولا۔

”اور تم سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر جاؤ۔“

”تھینک یو ویری مچ۔“ اس کے بعد وہ چیف میٹ اور دوسرے افراد کو ٹکرا اٹھانے اور انجن اشارت کرنے کی ہدایت دیتا ہوا دیل ہاؤس کی طرف چل دیا۔ میں اور لائن اس لڑکی کو لے کر ڈاننگ ہال کی طرف چل پڑے۔ لڑکی مجھ سے تعاون کر رہی تھی۔ اس کے چہرہ پر انتہائی خوف اور بے بسی کے آثار تھے۔ کچھ ہی دیر بعد جہاز حرکت میں آیا اور دوبارہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ اس کے بعد میں بمشکل تمام اس لڑکی کو لے کر ڈاننگ ہال میں پہنچی۔ یہاں شاید اس کے بارے میں ہدایات پہنچ چکی تھیں ویسے بھی تمام ہی لوگ اس طرف متوجہ تھے۔ میرے کہنے پر لڑکی کو گرم دودھ کا ایک گلاس فراہم کیا گیا اور میں اسے بڑے پیار سے دودھ پلانے اور چند ٹیکٹ کھلانے میں کامیاب ہو گئی۔ رفتہ رفتہ اس کے اعصاب کافی حد تک بحال ہوتے جا رہے تھے اور اس کی آنکھوں کی وحشت بھی کم ہو رہی تھی۔ میں اور لائن اس کا بخوبی جائزہ لے رہے تھے اور اس کی ہر کیفیت کے متعلق معلومات حاصل کر رہے تھے۔ ادھر کیپٹن واڈن نے اس لڑکی کا معاملہ ہم پر چھوڑ دیا تھا۔ میں ان لوگوں کی بے پروائی محسوس کر رہی تھی لیکن یہ ان لوگوں کے اپنے معاملات تھے، کیا کہا جاسکتا ہے۔ سمندر میں کس طرح کے حالات کا کس طرح مقابلہ کرنا ہوتا ہے، لڑکی اب اس ماحول سے واقف ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے ارد گرد دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

”تھینک یو تھینک یو ویری مچ۔“

”سنو تم انگریزی بولنے کی کوشش مت کرو۔ میں جانتی ہوں کہ تمہارا تعلق ہندوستان سے ہے اور تم صرف ہندی بول سکتی ہو۔“

”اوہ یہ تو بہت اچھی بات ہے میں..... میں بہت خوش ہوں۔ میں نے آپ پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ آپ کے چہرے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ انڈین ہیں۔“

”کیا نام بتایا تم نے اپنا؟“

”میرا نام کوشل گپتا ہے۔“ وہ مدہم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی اور اس نے اضطراری طور پر اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ اس کے اعصاب ابھی تک اس کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے لیکن میں نے اس کا گداز سرد ہاتھ تمام لیا اور مسکرا کر بولی۔

”تم مجھے نور کہہ سکتی ہو۔ سب لوگ مجھے یہی کہتے ہیں۔“ اسی وقت واڈن اور چیف میٹ ڈاننگ ہال میں داخل ہوئے اور ہماری جانب بڑھ آئے۔ لائن نے گہری نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھا۔

”ہیلو کیا حال ہے ان کا؟“

”اب یہ کافی بہتر کیفیت میں ہے۔“ واڈن نے اشارہ کیا تو ڈاننگ ہال کے دیروں نے کرسیاں کھینچ بہرے کر ڈال دیں اور وہ لوگ بھی بیٹھ گئے۔ لائن میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ لڑکی نے جواب کافی حد تک نارمل ہو چکی تھی۔ سر کی جنبش سے ان تینوں کو آداب کیا تو چیف میٹ کہنے لگا۔

”جے بی! تمہیں زندہ بچ جانے کی مبارکباد۔ کیا تم ہم سے گفتگو کرنے کے قابل ہو؟“

”کیوں نہیں، کیوں نہیں۔“ اس کے بدلے میں نے جواب دیا اور واڈن کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے یہ لڑکی ٹھیک طرح سے انگریزی نہیں جانتی۔ کیا ہمیں اس سے آپ کی معرفت بات کرنی پڑے گی نور؟“

”زیادہ بہتر تو یہی رہے گا۔ میرا خود بھی یہی خیال ہے کہ یہ صحیح طرح سے انگلش نہیں بول سکتی۔“

”خیر ان کا نام تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔ اب ذرا ان سے دوسری باتیں پوچھئے۔ کیا آپ نے ان سے دوسری باتیں پوچھیں۔“

”نہیں، لیکن نام کے حوالے سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ لڑکی انڈین ہے۔“

”یہ بتائیے آپ کے جہاز کو کیا حادثہ پیش آیا۔“

”کوئی بیرونی حادثہ نہیں تھا۔ جہاز کے اندر ہی کچھ ایسی چیزیں موجود تھیں جو جہاز کے ہچکولے کھانے سے مرکز کر پھٹ گئیں۔ جیسے گولہ بارود۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ سب کچھ کیا تھا اور کیسے اس قدر تباہی پھیلی۔ وہ لوگ جہاز کو بچانے کی ہر کوشش میں ناکام ہو گئے۔“

”جہاز کس کا تھا؟“

”کیا آپ اس بات پر یقین کریں گے کہ جہاز مافیا کا تھا۔ دراصل مافیا کے دو گروپوں میں آپس میں ٹھن مچی تھی اور اس جہاز پر منشیات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ ان دو گروپوں میں سے ایک گروپ اس ذخیرے کو لے کر فرار ہو رہا تھا۔ اگر یہ گروپ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاتا تو مافیا ختم ہو جاتی کیونکہ ان گروپوں نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ منزل پر پہنچنے کے بعد یہ منشیات آپس میں تقسیم کر لیں گے گویا اس کی حیثیت ایک خزانے جیسی تھی۔ پھر وہ چھوٹے پیمانے پر کام کرتے اور مافیا کے پاس سپلائی کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا۔“

”لڑکی کے انکشاف پر ہماری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ غالباً واڈن یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کون سی بڑی تنظیم ہے جو اتنے اعلیٰ پیمانے پر کام کرتی ہے۔ پھر میں نے کوشل سے سوال کیا۔

”اس جہاز پر کوشل تم.....“

”ہم قیدی تھے۔“ وہ میری بات مکمل ہونے سے قبل ہی بول پڑی۔ ”ان لوگوں نے مجھے، میرے بھائی اور بہن کو جہاز پر قیدی بنا لیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ میرے والد کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے اور انہیں مخالف گروپ کا آدمی سمجھتے تھے۔“ پھر اس نے اچانک ہی تیز لہجے میں کہا۔ ”یہ شخص میری بہن کی موت کا ذمہ دار ہے۔ اس نے مجھے اپنی بہن کو ساتھ نہیں لانے دیا اور مرنے کے لئے اس جہاز پر چھوڑ دیا۔“ اشارہ چیف میٹ کی جانب تھا۔ چیف میٹ نے گہرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”نہیں میڈم! بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ کی بہن کو مرے ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ اس کا ہم نہ صرف ٹھنڈا ہو چکا تھا بلکہ اکر گیا تھا۔ یقین کریں میں نے وہاں سے نکلنے سے پہلے اس بات کا پوری مل اطمینان کر لیا تھا۔“ چیف میٹ نے وضاحت کی۔

”تمہارے جہاز کے باقی مسافروں کا کیا ہوا؟“

”میں نہیں جانتی۔ ان لوگوں نے قتل عام کیا تھا اور جتنے لوگوں کو مار سکے تھے، مار دیا تھا۔“ کوئل نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ بہر حال ہم لوگ اس پچھاری کے لئے کیا کر سکتے تھے۔ وہ روتی اور کسم ربی اور یہ طے کیا گیا کہ جہاز جب اپنی منزل پر پہنچے گا تو اسے جہاز سے اتار دیا جائے گا۔ ظاہر ہے اتنی کام کیا جاسکتا تھا اس سے زیادہ یہ لوگ اور کبھی کیا سکتے تھے۔ کوئل کو ایک کیمبن میں سلا دیا گیا۔ پھر دوسرا صبح راہداری سے جاتے ہوئے اچانک مجھے کوئل نظر آئی، وہ اداس اداس سی ایک طرف چلی جا رہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد میں اس کے قریب پہنچ گئی تو اس نے مجھ سے راز دارانہ لہجے میں کہا۔

”آپ لوگ کون ہیں اور کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے اپنے بارے میں ساری تفصیلات بتا دیں۔ میں یہاں بڑا خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔“

”ہاں وہ جو آپ کا ساتھی ہے اور آپ کے ساتھ زیادہ تر رہتا ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے وہ میرے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔“

”مجھے اس کی آنکھوں میں بدبینی نظر آتی ہے۔“

”نہیں کوئل! بے فکر رہو، کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔“ پھر اسی شام لائن نے مجھ پر چند حیران کن انکشافات کئے تو مجھے احساس ہوا کہ کوئل کے اندیشے غلط نہیں تھے۔ اس روز دوپہر کے کھانے کے بعد میں سو گئی لیکن لائن چل قدمی کے باہر نکل گیا تھا۔ سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے اس نے مجھے جاکر کہا اور سرسراہٹ آواز میں بولا۔

”میڈم جلدی سے کچھ سوچئے۔ ہمیں اب فرار کی کوشش کرنا ہوگی اور اس پچھاری لڑکی کو بھی اپنے ساتھ لے جانا ہوگا۔“ میں نے حیرانی سے لائن کو دیکھا تو وہ بولا۔

”میں آپ کو کیا بتاؤں میڈم! ابھی تھوڑی دیر پہلے واؤسن اور اس کے ساتھی کی باتیں میں نے سنی ہیں۔ ان کے ارادے بے حد خطرناک ہیں۔“

”کیا کہہ رہے ہو، میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ تم نے وہ باتیں کیسے سن لیں مجھے بتاؤ؟“ میں نے اس کی بات کاٹ کر فکر مندی سے کہا۔

”میں ادھر ہی موجود تھا۔ ویل ہاؤس کی چھت پر گٹر کے پاس۔ میں گٹر سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک میں نے نیچے سے واؤسن کی آواز سنی۔ وہ ویل ہاؤس کے پیچھے والی تنگ راہداری میں کھڑا کسی۔ باتیں کر رہا تھا۔ میں ان کی باتوں پر غور نہ کرتا لیکن میں اس بات پر چونکا کہ وہ آپ کا اور اس لڑکی کا ذکر کر رہے

”کیا باتیں تھیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”وہ دونوں تو نہ جانے کب سے کھڑے باتیں کر رہے تھے لیکن جب میرے کان کھڑے ہوئے اور مانتے غور سے ان کی باتیں سننے کی کوشش کی تو وہ کوشل گپتا کا ذکر کر رہے تھے۔ فوراً انجینئر واؤسن سے پوچھ رہا تھا کہ اس لڑکی کا کیا کرنا ہے۔ جواب میں واؤسن نے اسے بتایا کہ ہم اسے تھائی لینڈ لے جائیں گے۔“

”یہ تو کوئی انکشاف نہیں ہے۔ واؤسن یہ بات کہہ چکا ہے۔“ میں نے کہا۔

”مگر میڈم! وہ اسے تھائی لینڈ میں سرکاری حکام یا ہندوستانی سفارت خانے کے سپرد نہیں کریں گے۔ واؤسن کہہ رہا تھا کہ اس لڑکی کو ہم تنظیم کے ہیڈ کوارٹر لے جائیں گے اور اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں گے۔“

”کیا مطلب..... کیسے.....؟“ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

”واؤسن کہہ رہا تھا کہ یہ لڑکی بے حد خوبصورت ہے۔ ہم اسے ان لڑکیوں میں شامل کریں گے جو تنظیم کے اعلیٰ عہدے داروں کی دل بستگی اور سرکاری افسروں کو رشوت کے طور پر پیش کرنے کے لئے دنیا بھر سے لا کر وہاں جمع کی گئی ہیں۔ وہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ اگر یہ لڑکی ہوشیار اور مستعد ثابت ہوگی تو اسے لیڈر کرل بھی بنایا جاسکتا ہے۔“

”اوہ..... اور..... اور.....“

”اور میڈم! آپ کا ذکر بھی اس کے ساتھ ہی آیا تھا۔“ لائن نے فوراً کہا۔ ”وہ کہہ رہے تھے کہ یہ زیادہ عرصے ہمارے ساتھ نہیں رہے گی۔ اس کے لئے ایک دوسرا پروگرام بنا رکھا ہے۔“

”کیا پروگرام؟“

”یہی سوال فوراً انجینئر نے بھی کیا تھا اور اس کے جواب میں واؤسن نے اسے بتایا کہ راستے میں اسے کسی بندرگاہ سے ایک اور جہاز میں سوار کرنا ہوگا کیونکہ اس جہاز سے ہمارا نائب چیف بھی سفر کرے گا اور ممکن ہے وہ اسے اپنے ہمراہ امریکہ لے جائیں اور اگر اس نے انکار کیا تو اسے ہلاک کر کے سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔“

”مگر.....“ میں لائن کی بات سن کر کافی دیر تک سوچ میں ڈوبی رہی۔ میری سمجھ میں واقعی کچھ نہیں آیا تھا۔ کہاں ایک طرف یہ ساری ہنگامہ آرائی اور کہاں باقی سارے کام۔

”میڈم میرا خیال ہے ہمیں اپنی حفاظت کرنی چاہئے۔ لڑکی کے بارے میں آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔“

”ہم اپنی حفاظت کے لئے کیا کر سکتے ہیں تم ہی بتاؤ اگر پہلے یہ جہاز کسی ساحل کے پاس نہیں گیا تو ہمارے لئے بڑی مشکل ہو جائے گی۔“

”لیکن میڈم! مجھے امید ہے کہ جہاز جلد ہی کسی ساحل کے پاس لنگر انداز ہوگا۔ اس سلسلے میں میں

نے کمر سے سوال کیا تھا تو اس نے بتایا کہ جہاز آخری منزل پر پہنچنے سے پہلے ابھی آٹھ دس مقامات پر رہا۔ اس نے شاید واٹسن کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے نہ آخری منزل کا نام بتایا اور نہ راستے کی ہندرگاہ۔ بارے میں کچھ بتایا لیکن اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جہاز جلد ہی کسی ساحل کے پاس رکے گا اور ہم اسی موقع سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔ ورنہ سمجھ لیجئے میڈم کہ زندگی کے دن گئے چنے رہ گئے ہیں۔“

”فرار کی کوئی ترکیب ہے تمہارے ذہن میں؟“ میں نے سوال کیا۔

”ترکیب کیا بس یہ جہاز جیسے ہی کسی مقام پر رکے ہمیں ہر قیمت پر اس سے نکلنا ہوگا۔“

”مگر یہ کیسے ہوگا۔ جب یہ جہاز کہیں لنگر انداز ہوتا ہے تو ہمیں اپنے کیبن سے نکلنے کی اجازت نہ نہیں دی جاتی۔“

”یہ درست ہے میڈم! لیکن آپ نے ایک بات محسوس کی ہوگی کہ اب وہ ہمارے کیبن کو باہر سے لاک نہیں کرتے بلکہ عرشے پر موجود پہرے داروں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہمیں صرف ان کی نگاہوں سے ڈال کر نکلنا ہوگا۔ اس کی ایک ترکیب سوچ لی ہے میں نے میڈم! یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ آپ اس دوران ایک کام ضرور کیجئے گا پلیز۔“

”کیا؟“

”آپ کو شل کو اعتماد میں لے کر اس منصوبے کے متعلق بتا دیجئے اور دعا کیجئے کہ جلد ہی کسی ساحل کے پاس پہنچ جائیں گی اور ہمیں ایک رات مل جائے۔“ لائن نے چمکتی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میں گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

بعض خواہشیں اس طرح پوری ہو جاتی ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ تیسرے دن دوپہر کے کھانے کے بعد جب میں اور لائن ڈائننگ ہال سے نکلے تو ہمیں دور شمال مشرق کی جانب خشکی کے آثار دکھائی دیئے پھر جہاز کے پورٹرز کی عرشے پر غیر معمولی نقل و حرکت اور سامان کی پیٹیوں کو منتخب کر کے ایک طرف رکھنے کی کارروائی کو دیکھ کر ہم سمجھ گئے کہ جہاز اس ساحل کے نزدیک لنگر انداز ہوگا۔ ہم دونوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کچھ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اپنے کیبن میں آگئے۔

”ہمارا جہاز سورج غروب ہونے کے بعد اس ساحل کے قریب پہنچے گا اور معمول کے مطابق کارروائی کی جائے گی۔ یہ کارروائی رات کے اندھیرے میں ہی ہوگی۔“ میں نے کیبن میں آکر لائن سے کہا۔

”آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں میڈم! مجھے بھی یہی اندازہ ہو رہا ہے ویسے آپ نے کو شل سے بات کر لی ہے۔“

”کوئی ترکیب ہے تمہارے ذہن میں؟“

”ہاں میڈم! میں آپ کو ایک چھوٹی سی تفصیل بتاتا ہوں بلکہ یہ سمجھ لیجئے کہ ہم اپنے کیبن کی عقبی سمت سے جدھر تنگ راہداری میں صرف دوپہریدار ہوتے ہیں، فرار ہونے کی کوشش کریں گے اور ہمارے جسموں پر پورٹر والی نیلی ڈاگریاں ہوں گی۔“ میں حیران نگاہوں سے لائن کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

”لیکن لائن، یہ ڈاگریاں کہاں سے آئیں گی اور ان دوپہرے داروں کا کیا کرو گے تم؟“

”ڈانگریاں میں نے پہلے ہی ایک جگہ چھپا کر رکھ دی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد میں آپ کو لا کر دے دوں گا۔ باقی رہے دوسرے دار تو ان کی آپ فکر نہ کریں میڈم“ میں ان کا ہندوستان خود کرلوں گا۔“

سورج غروب ہونے میں صرف دو تین گھنٹے باقی رہ گئے تھے لیکن ہمارے لئے یہ وقت بہت طویل ہو گیا تھا۔ آخر کار سورج کی آخری کرلوں میں ہم نے ان کشتیوں کو دیکھا جو نہ جانے کس سامان سے لدی پھندی ساحل کی طرف سے آ رہی تھیں لیکن ہم نے انہیں دیکھنے میں زیادہ تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا۔ جب چاروں طرف رات کا اندھیرا پھیل گیا اور جہاز ساحل سے تقریباً دو ڈھائی میل دور رہ گیا تو ٹکڑ ڈال دیئے گئے۔ جہاز رک گیا تو اس کے بعد معمول کے مطابق میں اور لائن اپنے کین کی طرف چل دیئے۔ کین کی طرف آتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ہمارے دروازے کے سامنے راہداری کا بلب روشن نہیں تھا۔ یہ لائن ہی کی کارروائی تھی۔ کوشل پر ہماری طرح کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس لئے وہ عرشے پر نکل رہی تھی۔ جب ساحل سے آنے والی کشتیاں جہاز سے آکر لگیں تو پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق کوشل ہمارے کین میں آگئی۔ اس وقت عملے کے افسران اور قلعی وغیرہ سب کے سب عرشے پر مصروف تھے اور داؤس اور چیف میٹ وغیرہ معمول کے مطابق ویل ہاؤس کے سامنے والے چوتھے پر کھڑے تھے۔ جب وہ ہمارے کین میں آئی تو ہم نے قلیوں والی ڈانگریاں پین لی تھیں۔ کوشل حیران رہ گئی اور چند منٹ کے بعد میرا اشارہ پا کر وہ کین سے نکلی اور دروازے سے باہر ٹانگیں پھیلا کر اور دونوں ہاتھ پھلو پر رکھ کر اس طرح کھڑی ہو گئی کہ ہم اس کی اوٹ میں یہ آسانی دروازے سے نکل سکیں۔ ہمارے کین کے سامنے راہداری تاریک تھی۔ اس لئے کسی نے بھی ہمیں کوشل کی آڑ میں دروازے سے نکلنے اور دیوار کے ساتھ لگے آئینہ کیسل کی طرف جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ عرشے پر موجود عملے کے کسی شخص نے اگر ہمیں دیکھا بھی ہوگا تو یہی سمجھا ہوگا کہ جہاز کے پورٹر ہیں۔ ہم دونوں آئینہ کیسل کے پیچھے گھوم کر پچھلی راہداری کے آخری سرے پر آگئے۔

لائن نے آستین میں چھپائی ہوئی آہنی راڈ نکال کر مجھے دی اور پھر خود عرشے کی جانب چل دیا۔ اسے جہاز کے سامنے والے حصے کے گرد چکر لٹ کر اسی راہداری میں آنا تھا اور دوسرے پہرے دار کو ٹھکانے لگانا تھا۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد میں نقلی اور پچھلی تنگ راہداری میں آگئی۔

پہرے دار مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور اس کا رخ میری ہی جانب تھا۔ جہاز کے اس حصے میں روشنی بہت کم تھی لیکن پھر بھی وہ میرے لباس کو ضرور دیکھ سکتا تھا۔ اسی وقت اس کی آواز ابھری۔

”ہے“ یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو اور؟“ اس نے ترخ کر کہا۔

لیکن اس کا جملہ پورا ہونے تک میں اس کے سر تک پہنچ گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ عملت اور میری اصلیت جان سکتا، میں نے آہنی راڈ سے اس کی گردن پر ایک بھرپور ضرب لگائی اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

ادھر لائن مجھ سے پہلے اپنے ہدف کو ختم کر چکا تھا۔ میں بار بار پیچھے دیکھ رہی تھی۔ کوشل ابھی تک نہیں آئی تھی۔ ہم نے تین چار منٹ انتظار کیا پھر میں نے لائن کو نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ اس سے پہلے ہم

”اے اے“ کون ہو تم؟“ لیکن ہو؟“ اس نے تیزی سے کہا اور ہمارے قریب آگیا۔

”ہم سمندر میں ڈوب رہے تھے بھائی۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں تک پہنچے ہیں۔ ہماری مدد کرو۔“ میں نے کہا۔ لائن اور کوشل کچھ بھی نہ بول سکے تھے۔ میں کشتی میں چڑھ گئی اور سوال کرنے والا بچی پچنی آنکھوں سے ہمیں دیکھنے لگا پھر اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”اودہ خدا یا تم؟ تم عورت ہو۔“

”ہاں بھائی اس جہاز میں ہمیں قید کر کے لے جایا جا رہا تھا۔ ہم زندگی بچانے کے لئے نیچے کود پڑے اور بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچے ہیں۔ اگر ہم دوبارہ ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئے تو وہ ہمیں زندہ نہیں بھڑوڑیں گے۔ دیکھو وہ بھی لڑی ہے۔“ میں نے کوشل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اودہ قادو! اوئے دیکھ نی یارا یہ عورت لوگ ادھر ہمارا کشتی پر آگیا ہے ابھی کیا کریں یارا!“ اس نے

اتنی ہی کہا تھا کہ اچانک جہاز کی طرف سے تیز روشنی نمودار ہوئی اور اس کے ساتھ ہی دور سے ہمیں ہوا بولنے کی آواز سنائی دی۔ شاید جہاز والوں کو ہمارے فرار کی خبر ہو چکی تھی۔ موٹر بوٹ کی آواز کشتی کے ملاح اور اس کے ساتھی نے بھی سن لی تھی اور دونوں پلٹ کر تشویش بھری نگاہوں سے جہاز کی طرف دیکھ لگے تھے۔ موٹر بوٹ کافی تیز رفتاری سے آ رہی تھی اور اس کا رخ کشتیوں کی طرف ہی تھا۔

”ابھی ایک بات میرے کو بولو۔ تم کو تیرا تو آتا ہے نا۔“

”ہاں۔“ میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”تو ایسا کرو، تھوڑی دیر کے لئے کشتی سے اتر جاؤ اور تیر کر تھوڑے فاصلے سے چلے جاؤ۔ جب موٹر بوٹ والا ہماری کشتی کی تلاشی لے کر چلا جائے گا تو پھر ہم تم کو اٹھالے گا ٹھیک ہے نا۔ دیکھو براہ راست۔“

”نہیں، بھائی اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔“ پھر ہم دوبارہ پانی میں اتر گئے اور تیرتے ہوئے کشتی سے کافی دور نکل گئے۔ جہاز کی طرف سے آنے والی موٹر بوٹ کشتی کے قریب پہنچ گئی اور اس پر سوار عملے کے آدمی کشتی پر چڑھ گئے پھر انہوں نے پوری کشتی کی تلاشی لی اور مایوس ہو کر واپس جہاز کی طرف بڑھ گئے۔ اس ساری کارروائی میں تقریباً آدھا گھنٹہ صرف ہوا ہو گا اور یہ وقت ہمارے لئے انتہائی طویل اور کٹھن ثابت ہوا۔ جب ہم دوبارہ کشتی پر سوار ہوئے تو ہمارے بازو اور ٹانگیں شل ہو چکے تھے اور نقاہت کی وجہ سے ہم بے ہوش ہونے کو تھے۔ کچھ دیر تک ہم تینوں مزدوروں کی طرح کڑیوں کے گرد پڑے رہے پھر جب اوسان بحال ہوئے تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ساحل اب تھوڑے فاصلے پر آ گیا تھا۔ ملاح نے کہا۔

”بی بی، آپ اس ویران ساحل پر پریشان ہو گئے۔ ادھر کوئی گاڑی شاڑی نہیں ملتا ابھی آپ کو پیدل سفر کرنا پڑے گا۔ ہم آپ کو جس جگہ اتارے گا، ادھر سے آپ کو تھوڑا پانی میں چل کر دور جانا ہو گا، چونکہ جو لوگ یہ مال لینے کے لئے آ رہے ہیں، وہ آپ کو دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔“

”ٹھیک ہے، تم فکر مت کرو اور جہاں چاہو ہمیں اتار دو۔“ میں نے جواب دیا۔ لائن اور کوشل اب میرے رحم و کرم پر تھے اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ دیکھو تقدیر اسے کہتے ہیں۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے لیکن یہ ساری صورت حال بڑی سنگین نوعیت کی حامل تھی اور میں یہ سمجھ رہی تھی کہ تقدیر نے ایک بار پھر مجھے اپنے وطن کی سرزمین پر لا پھینکا ہے۔ دیکھو اب آگے کی کمائی اس نے کیا تحریک ہے۔ چنانچہ میں انتظار کرتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد لالچ کی رفتار سست ہوئی اور ملاح نے کہا۔

”آپ کو ادھر زیادہ پانی نہیں ملے گا۔ زیادہ سے زیادہ تین فٹ پانی ہے۔ ابھی اس میں آپ کو چل کر جانا پڑے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے جواب دیا اور اس کے بعد ہم لالچ سے اتر گئے اور ملاح کا شکریہ ادا کیا۔ کوشل ہم سے زیادہ تھکی ہوئی تھی۔ لائن کی بھی حالت خراب نظر آ رہی تھی کیونکہ اس دوران وہ پانی میں کوشل کو سنبھالے رہا تھا۔ بہر حال لالچ آگے بڑھ گئی اور اس کے آگے بڑھنے کی وجہ سے پانی کی تیز لہریں

ن اوپر اچھالنے لگیں۔ میں نے اور لائن نے بدستور کوشل کو پکڑا ہوا تھا اور اسے سنبھالے ہوئے آگے رہے تھے۔ کوشل غم زدہ لہجے میں بولی۔

”میری وجہ سے آپ لوگوں کو کس قدر.....!“

”چلتی رہو، بہت کرو۔“ میں نے کہا۔ پانی میں کوشل کے بدن کو سنبھالے ہوئے ہم لوگ آہستہ بہ آہستہ ساحل کی جانب بڑھ رہے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر بھوری ریت کے نیلے نظر آرہے تھے۔ لالچ اب نی آگے بڑھ گئی تھی اور کچھ لمحوں کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل بھی ہو گئی اور کسی کو اندازہ ہو یا نہ ہو ان میں سمجھتی تھی کہ یہ مال جس طرح ساحل پر منتقل کیا گیا ہے، لالچ یقینی طور پر کسی ایسے ویران ساحل پر کے گی جہاں ان لوگوں کے آدمی موجود ہوں گے اور پھر لالچ سے اتارا جائے والا مال ٹرانسفر ہو جائے گا۔ بہت بڑا نیٹ ورک تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔ نہ جانے کون کون اس میں شریک تھا۔ ایسا لگتا تھا، جیسے ان وقت ساری دنیا پر ایسے ہی لوگوں کی حکومت ہو۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح ہم ساحل تک پہنچ گئے۔ اپنی اور جسمانی کیفیت ایسی ہو رہی تھی کہ زندگی دوبھر محسوس ہو رہی تھی۔ کوشل تو زمین پر بیٹھ گئی۔ اس نے کراہتی آواز میں کہا۔

”آپ لوگ..... آپ لوگ میری وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہو چکے ہیں۔ میں دیکھ رہی ہوں اور مجھے خود اس بات کا اندازہ ہے۔ پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ لوگ.....“

”کوشل! کیسی باتیں کر رہی ہو۔ بہت کرو، بہت تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔ چلو یہاں سے آگے چلو۔“ ”میڈم، ساحل ویران ہے اور ہم میرا خیال ہے، مشکل سے نکل آئے ہیں۔ آپ تھوڑی دیر آرام کر لیجئے۔ کوئی بات نہیں ہے۔ ذرا سے پرسکون ہو جائیں گے۔“ لائن کی آواز بھی بری طرح تھکی تھکی سی تھی۔ میں نے مدہم لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے، ادھر آ جاؤ، وہ دیکھو، وہ نیلے کی آڑ ہمارے لئے بہت اچھی ہے۔“ میں خود بھی اس نیلے کی جانب بڑھ گئی۔ ریت کے نیلے کے دامن میں نرم اور ٹھنڈی ریت درحقیقت انتہائی سکون کا باعث تھی۔ حالانکہ ہمارے پیچھے ہوئے جسم ریت سے آلودہ ہو گئے تھے لیکن کیا کیا جاتا، زندگی ان ساری چیزوں سے جیتی چیز ہوتی ہے، جو کچھ بھی تھا، برداشت کرنا تھا۔ چنانچہ ہم وہیں ریت پر لیٹ گئے۔ لائن اور کوشل تو اس طرح بے سدھ ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ انھیں ہی نہیں سکیں گے۔ ان کی گہری گہری سانسیں بتا رہی تھیں کہ ان پر یا تو نیم غشی کی کیفیت طاری ہے یا پھر وہ گہری نیند سو گئے ہیں۔ تھکن چہرے پر ہی نہیں پورے وجود پر بھی غالب تھی۔ لیکن میں خاص طور سے اس طرح کی مشقتوں کی عادی تھی۔ چنانچہ مجھے نیند نہیں آئی اور میرا ذہن بدستور سوچوں میں گھرا رہا۔

بہت دیر تک ان سوچوں میں ڈوبی رہی۔ اچانک ہی مجھے موٹر بوٹ کی آواز سنائی دی۔ موٹر بوٹ کی پھٹ پھٹ تیزی سے قریب آ رہی تھی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو تھوڑے ہی فاصلے پر سمندر میں ایک بہت بڑی تیز روشنی تیرتی ہوئی نظر آئی۔ نہ جانے کیوں میرے دل پر ایک ہول سا سوار ہو گیا۔ یہ موٹر بوٹ

اسی جانب آرہی ہے، کیا اس کا تعلق اسی جہاز سے ہے۔ ظاہر ہے، وہ ہمیں اتنی آسانی سے تو نہیں چھوڑیں گے۔ دوسرے لمحے میرے اندر ایک دہشت جاگ اٹھی اور میں نے لائن اور کوشل کی جانب دیکھا۔ دونوں اب بھی گہری نیند سو رہے تھے۔

موثر بوٹ جس رفتار سے آرہی تھی اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ بہت جلد وہ کنارے تک پہنچ جائے گی۔ بس میری چھٹی حس مجھے بتا رہی تھی کہ یہ جہاز والے ہی ہیں جو ہمیں تلاش کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے لائن کو جھنجھوڑ ڈالا اور لائن وحشت زدہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”لائن“ وہ دیکھو۔ وہ لوگ ہماری تلاش میں آرہے ہیں۔“ لائن میں یہی ایک خونی تھی، ایک لمحے میں صورت حال کو سمجھ جاتا تھا۔ اس نے موثر بوٹ کو دیکھا جس پر سے سرخ لائیں اب خشکی پر ڈالی جانے لگی تھیں۔ پھر اس نے کوشل کو جھنجھوڑ کر جگا دیا اور کوشل گھبرا کر جاگ گئی۔

”اٹھو کوشل جلدی چلو۔ وقت نہیں ہے۔“ لائن نے کہا۔ بمشکل تمام ہم نے کوشل کو سارا دے کر اٹھایا۔ اس کی ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں۔ اس کے منہ سے مدہم سے لہجے میں نکلا تھا۔

”ہے بھگوان! پتہ نہیں کیا ہوگا۔“ ہم دوڑنے لگے۔ اسی وقت شاید ہمیں دیکھ لیا گیا۔ لالچ پر سے ایک دم سے مشین گنوں سے گولیاں برسنے لگی تھیں اگر ریت کے ٹیلے کے عقب میں نہ پہنچ جاتے تو یہ گولیاں ہمارے جسموں کو چاٹ چکی ہوتیں۔ ہم دوڑنے لگے، ہمیں اندازہ تھا کہ ان لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ کمال کی بات تھی، اتنا درست اندازہ انہیں کیسے ہوا۔ اس بات کا کوئی پتہ نہیں چلتا تھا۔ بہر طور ہم کوشل کو سنبھالے دوڑتے رہے اور پھر اچانک ہی ہم پر تیز روشنیاں پڑیں اور اس کے ساتھ ہی گولیوں کی ایک باڑ ماری گئی۔ بے شمار گولیاں میرے دائیں بائیں سنسنائی ہوئی گزر گئیں۔ میں نے کوشل کی کراہ سنی۔ وہ ہمارے ہاتھوں میں جھول گئی تھی۔ اسی وقت لائن کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”میڈم..... میڈم آپ کس پوزیشن میں ہیں؟“ مجھے یوں لگا جیسے لائن کی آواز بھیجی ہوئی ہو۔ کوشل تو ایک لمحے کے لئے بالکل ہی بے وزن ہو گئی۔ یعنی وہ اپنے آپ کو نہیں سنبھال پارہی تھی اور زمین پر گری جا رہی تھی۔ ہم بھی اسے نہ سنبھال پائے۔ خاص طور سے جب لائن نے کوشل کو چھوڑا تو میں بھی اپنا توازن قائم نہ کر سکی اور زمین پر گر پڑی۔ میں نے بمشکل تمام خود کو سنبھالا اور دوسرے لمحے میری نگاہیں لائن کے جسم پر پڑیں۔ اس کے بدن کے مختلف حصوں سے خون ابل رہا تھا۔ یہی کیفیت کوشل کی بھی تھی۔ مجھے شاید تقدیر کو پہچانا تھا اس لئے میں بچ گئی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھا۔ لائن نے ایک پگلی لی اور اس کے بعد اس کی گرون ڈھلک گئی۔ کوشل تو پہلے ہی بے جان ہو چکی تھی۔ ایک منٹ کے لئے ایک دکھ کی لہر میرے سینے میں اٹھی۔

میرے دونوں اچھے ساتھی مر چکے تھے اب..... اب کیا کرنا چاہئے۔ ادھر دوڑتے ہوئے قدموں کا آواز صاف آرہی تھی۔ میں انہیں چھوڑ کر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑنا شروع کر دیا۔ گولیاں میرے دائیں بائیں سے گزر رہی تھیں۔ ان لوگوں نے مجھے دیکھ لیا تھا اور میرا تعاقب کر رہے تھے لیکن ریتیلے نیلوں کے درمیان میری رفتار بے پناہ تھی۔ اس وقت نہ جانے کون سی ایسی قوت تھی جو مجھے طوفان

بنار سے دوڑنے پر مجبور کر رہی تھی۔ پھر اچانک ہی مجھے اپنے عقب میں ایک تیز روشنی نظر آئی۔ میں نے اٹ کر دیکھا، وہ روشنی کسی کار کی ہیڈ لائٹس کی تھی۔ ایک لمحے کے اندر میرے ذہن کی چرخی گھومی۔ یہ اندازہ تو مجھے ہو گیا تھا کہ یہ لوگ نہیں ہو سکتے، کیونکہ موثر بوٹ سے اترنے کے بعد کار مہیا کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر یہ کوئی اور ہی ہے پھر دفعتاً ہی ایک اور عجیب سین ہو گیا۔ میں چونک پلٹ کر دیکھ رہی تھی اور دوڑ رہی تھی۔ آگے کے بارے میں مجھے اندازہ نہیں ہو سکا۔ میں کسی پتھر سے ابھی اور اس کے بعد قلابا زیاں کھاتی چلی گئی۔

☆=====☆=====☆

کچھ لمحوں کے بعد میرے حواس میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ سر پر لگنے والی چوٹ نے مجھے بے حواس کر دیا تھا پھر ہوش آیا تو میں ایک انتہائی آرام دہ بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ بڑی سنسنی خیز بات تھی۔ مجھے ایک لمحے کے اندر اندر گزرے ہوئے تمام واقعات یاد آ گئے۔ وہ کار یاد آئی جو اس طرف آرہی تھی اور اس کے بعد اپنی چوٹ۔ میں نے گھبرا کر اپنے جسم کے مختلف حصوں کو ٹٹولا لیکن سر میں اٹھنے والی ٹیس نے پکار کر کہا کہ اصل چوٹ سر میں آئی ہے۔ پھر پیشانی کی چوٹ بھی بس اتنی ہی تھی کہ اس نے مجھے عارضی طور پر بے ہوش کر دیا تھا لیکن خوف زدہ کر دینے والی چیز یہ کہ وہ تھا۔ چونکہ جس شکل میں یہ آراستہ تھا اس سے احساس ہوتا تھا کہ اپنے ہی وطن کا معاملہ ہے۔ خیر میں اپنی ہستی میں پہنچ گئی تھی۔ یہ بات تو میں بھی جانتی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مجھے یہاں تک لانے والے کرم فرما کون ہیں۔ جہاز کا واقعہ بے حد تعجب تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میں نے لائن اور کوشل کو اپنی آنکھوں سے مرتے دیکھا تھا۔ بڑی گڑبڑ ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں وہ پھارے کن سوچوں کے حامل تھے لیکن موت نے ان سے ساری سوچیں چھین لی تھیں۔ ابھی میں آنے والے وقت کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ ایک لڑکی نے اندر جھانکا، اچھی شکل و صورت کی مالک مشرقی نقوش کی لڑکی تھی۔ لباس بھی سادہ ہی پہنا ہوا تھا۔ وہ اندر آگئی اور میری طرف دیکھ کر مسکراتی نگاہوں سے بولی۔

”ہیلو..... کیسی ہیں آپ؟“

”ٹھیک ہوں آؤ بیٹھو۔“

”نہیں، میں آپ کے لئے کچھ لے کر آتی ہوں، میرا خیال ہے، آپ ایک گلاس بنی پی لیں۔“

”بنی کا شکریہ اگر چائے مل جائے تو بہتر ہے۔“ میں نے کسی تکلف کے بغیر کہا۔

”بالکل! لے کر آؤں؟“

”کسی اور سے منگوا لو تم سے کچھ باتیں کروں گی۔“

”باہر بہت سے افراد موجود ہیں لیکن چائے میں ہی لاسکون گی۔“ اس نے جلدی سے کہا اور میں مسکرا

ئی۔ اس نے میری اس مسکراہٹ کو گہری نگاہوں سے دیکھا تو پھر وہ بولی۔

”کوئی ایسی ویسی بات کہہ گئی میں؟“

”ہمت سے لوگوں کا حوالہ شاید تم اس لئے دے رہی ہو کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا دوں۔“
”آپ یقین کریں کہ میرے کہنے کا مقصد صرف یہی تھا کیونکہ میں آپ سے ڈرتی ہوں لیکن باہر لوگ موجود ہیں اگر آپ چاہیں تو انہیں آواز دے سکتی ہیں۔“

”مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جاؤ چائے لے کر آؤ اس کے بعد تم سے باتیں کروں گی۔“
”اوہ کے ابھی آئی۔“ اس نے کہا اور جلدی سے باہر نکل گئی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اس نے دروازہ وغیرہ باہر سے بند نہیں کیا ہے۔ اس سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ باہر لوگ موجود ہیں لیکن یہ جو کون سی ہے اور میں کس کے پاس ہوں۔ میں بہت دیر تک سوچتی رہی تھی۔ لڑکی چائے کے ساتھ دوسری چیزیں بھی لائی تھی۔ اس کی واپسی بہت جلد ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔

”کیا تم جاؤ گئی ہو؟“

”کیوں؟“ وہ میرے لئے چائے بنا تے ہوئے بولی۔

”اتنی جلدی چائے بن جانے کا تصور بڑا عجیب سا ہے۔“

”نہیں چائے تو تیار ہی تھی ان لوازمات کے ساتھ۔ کچھ کھا لیجئے پلیز۔ میں آپ کو سارا دے کر اٹھاؤں۔“

”اگر تم میرے اس قدر قریب آئیں تو ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری یہ خوبصورت سی گردن مروا دوں۔“ میں نے کہا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

”اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔ میری آپ کی کوئی دشمنی تو ہے نہیں کہ آپ مجھے مار دیں اور جی آپ یقین کیجئے۔ لوگ آپ کے بارے میں کچھ بھی کہیں لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ اس قدر خوفناک ہو سکتی ہیں۔ آپ تو بہت پیاری شکل و صورت کی مالک ہیں۔“

”کھن لگا رہی ہو۔ چلو لگاؤ لیکن اس توں پر جوڑے میں رکھا ہوا ہے۔“ میں نے کہا اور وہ ہنس کر توں پر کھن لگانے لگی۔ پھر بڑے پیار سے اس نے میرے قریب آکر کہا۔

”کھن نہیں لگا رہی ہوں سچ کہہ رہی ہوں مگر یہ میرا ذاتی خیال ہے۔“

”اور دوسرے لوگوں کا۔“

”انہوں نے مجھے محتاط کر دیا تھا اور کہا تھا کہ اپنی زندگی کی خود حفاظت کرنا کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ پہلے تو میں بہت ڈر رہی تھی لیکن اب ٹھیک ہے۔“ میں کھن لگا ہوا توں دانتوں سے کترنے لگی۔ دو توں اور ایک انڈا کھایا اور اس کے بعد چائے پی۔ طبیعت کو بڑی فرحت کا احساس ہوا تھا۔ ماضی کے واقعات میری آنکھوں میں گھوم رہے تھے۔ دلچسپی ایک ہلکی سی آواز کمرے میں گونجی اور لڑکی نے جلدی سے کہا۔

”اب میں چلتی ہوں۔“ وہ انتظار کے بغیر باہر نکل گئی۔ میں چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے لگی پھر ایک شخص کمرے میں داخل ہوا اور اسے دیکھ کر میرے ذہن کو جس قدر شدید جھٹکا لگا، یہ میرا دل جانتا ہے، میں نے ایک لمحے کے اندر اندر چکرائے ہوئے ذہن کے ساتھ سوچا کہ مجھے اس شخص کے ساتھ کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے؟

یہ عظمت جلال تھا۔ میرا دوسرا شکار اور وہ جسے میں نے ناقابلِ خلاف نقصان پہنچایا تھا۔ سب سے پہلے نے عظمت جلال کے چہرے پر اپنے لئے شناسائی تلاش کی کیونکہ ہانگ کا گنگ میں جب میری اس سے بات ہوئی تھی تو میرے چہرے پر بہترین میک اپ تھا اور اس وقت کے بارے میں مجھے پورا پورا یقین تھا۔ وہ مجھے نہیں پہچان سکا ہے بلکہ اسے گمان بھی نہیں گزرا ہو گا کہ وہ میں ہو سکتی ہوں اور اس وقت میں اس کے چہرے کا جائزہ لے کر یہ اندازہ لگا رہی تھی کہ اس کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت کے آثار ہیں یا نہ نازل ہے۔ مجھے اس قدر انسان شناسی ضرور آگئی تھی کہ میں کسی کے چہرے کے نقوش سے اس کی ہمت کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بالکل نازل ہے۔ ایک لمحے کے لئے مجھے یہ خیال گزرا کہ کیا میری صورت اس کی نگاہوں میں ہے لیکن یہ ایک امتحانہ خیال تھا کیونکہ درجنوں بار میری اس سے ملاقات ہو چکی تھی، الماس بیگم کے ساتھ۔ اس کے بعد میں ان لوگوں کے لئے بہت ہی کڑوا گھونٹ اٹھی۔ میں نے ان میں سے ایک کو چھین لیا تھا۔ عظمت جلال کے چہرے کے معتدل نقوش دیکھ کر مجھے رات بھی ہوئی تھی، اس نے ایک کرسی کھینچی اور میری مسہری کے پاس بیٹھ گیا۔ ”ہاں اب میں تم سے یہی ہوں گا کہ لیٹی رہو اٹھنے کی کوشش مت کرنا۔“

”میں ٹھیک ہوں سر۔“

”انکل نہیں کہو گی۔ اس سے پہلے تم مجھے انکل ہی کہتی رہی ہوتی؟“

”آپ مجھے پہچانتے ہیں؟“

”ہاں اچھی طرح۔“

”جی، مگر میں آپ کے ہاتھ کہاں سے لگ گئی؟“

”یہ بتاؤ، طبیعت کیسی ہے؟“

”محبت ہے آپ کی۔ بالکل ٹھیک ہوں۔“

”ریگستانی علاقے میں تم دوڑ لگا رہی تھی اور میں وہاں ان لوگوں کی کارکردگی کا خفیہ طریقے سے جائزہ لے رہا تھا جو لالچ سے میرا مال اتار رہے تھے۔ میرا مال کا مطلب تم سمجھ گئی ہو گی۔“

”جی۔“

”میں منشیات کی اسمگلنگ کرتا ہوں اور ساری عمر کے تجربے کے بعد یہ کہتا ہوں کہ ہانگ کا گنگ میں ب تم نے مجھ سے ملاقات کی تھی تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ یہ تم ہو۔“

”جی۔“ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”اور مجھے یہ بات معلوم ہے کہ لائیگر والے تمہیں لے گئے تھے، صرف اس مقصد کے تحت کہ تمہیں اپنے ساتھ شامل کر لیں۔ وہ تمہارے بارے میں جائزہ لینا چاہتے تھے کہ تمہارے پیچھے کون کون ہے اور اس طرح وہ تمہیں ایک لمبا سمندری سفر طے کر کے یہاں لے آئے۔ اصل میں اس وقت جب تم وہ انجمن تباہ کر رہی تھیں، جن میں میرا مال آ رہا تھا تو تمہیں دیکھ لیا گیا تھا اور وہیں سے تمہیں اٹھایا گیا تھا لیکن وہ لوگ کسی کام سے جا رہے تھے، اس لئے رک کر تمہارے بارے میں کوئی مناسب فیصلہ نہیں کر سکے

آس لئے لائیگر تمہیں ہدایات دیتا رہا، میرا مطلب ہے تمہارے سلسلے میں۔“

میں نے ایک نیا نام سنا تھا لیکن جلد بازی سے کام نہیں لیا چونکہ جو شخص میرے سامنے کھڑا تھا، میرا دوست نہیں دشمن تھا اور دشمن چوہے بلی کا کھیل تو کھیل سکتا ہے۔ خاص طور سے عظمت جلال! میں جس کے بھائی کی قاتل تھی اور جس کی اکھوتی بہن کو میں نے تنگ کر مارا تھا۔ اس نے کچھ لمحے انتظار کیا پھر بولا۔

”چائے اور منگواؤں تمہارے لئے؟“

”نہیں سر۔“

”پھر سر“ خیر چلو تمہاری مرضی ہے۔ تمہیں اس بات کا علم تو ہو گیا ہو گا کہ مجھے تمہارے بارے میں ساری تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں۔ تم ان لوگوں کے لئے کام کرتی ہو۔ حالانکہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی کہ تمہیں منشیات کی اسمگلنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہارے تو اپنے حصے کی اتنی بڑی جائیداد ہے کہ تم آرام سے اپنی زندگی دنیا کے کسی بھی ملک میں گزار سکتی ہو۔“

”اب میں آپ سے اپنے بارے میں کچھ بات کروں۔ آپ تو بہت ساری باتیں کر چکے ہیں۔ پہلے مجھے یہ بتائیے کہ یہ کون سی جگہ ہے، کیا آپ کا گھر؟“

”نہیں“ میں تمہیں وہاں سے اپنے گھر نہیں لایا۔ لانا مناسب بھی نہیں تھا۔ یہ بھی میرا ہی ایک بگ ہے اور تم ایک بات سمجھ لو کہ تم یہاں بالکل محفوظ ہو۔ دوسری بات یہ بھی سمجھ لو کہ تم نے خاور جلال کو قتل کیا ہے، وہ میرا بھائی تھا اور مجھے اس سے بہت زیادہ محبت تھی لیکن اس کا پس منظر بھی مجھے معلوم ہے۔ وہ ایک الگ جھگڑا تھا۔ تم الماس آراء کو میرے بارے میں بھی وارننگ دے چکی ہو اور عزت جلال کے بارے میں بھی۔ تیسری بات میں تمہیں یہ بتا دوں کہ اس وقت صرف تمہاری یہاں موجودگی میرے علم میں ہے۔ عزت جلال اپنی سیاست الگ کر رہا ہے، مجھے اس کے معاملات سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور جہاں تک الماس آراء کا تعلق ہے، میں تو الماس آراء کے لئے اتنا کر سکتا ہوں کہ اگر وہ کبھی یہ خواہش ظاہر کرے کہ تم سے دوستی کرا دی جائے تو تم سے بھی اس بارے میں درخواست کرلوں۔ سمجھ رہی ہونا۔ اور ایک بات اور سنو۔ اس وقت تم میرے پاس ہو، کسی بھی کھڑکی یا دروازے سے رائفل کی ٹال نکل سکتی ہے، تمہیں علم بھی نہیں ہو گا اور بہت سی گولیاں تمہارے بدن میں اتر جائیں گی۔ گویا اب صورت حال ایسی ہے کہ میں چاہوں تو تمہیں ہلاک کر سکتا ہوں لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال نہیں ہے کیونکہ تم میرے لئے ایک قیمتی چیز ہو اور میں تم سے کچھ چاہتا ہوں۔“

”اب اگر میں آپ کو انکل کہوں تو میرا خیال ہے، یہ اس کے لئے موزوں ترین وقت ہے۔“

”وضاحت چاہتا ہوں۔“ عظمت جلال نے کہا۔

”انکل! میں الماس آراء بیگم کی آغوش میں پروان چڑھی، بہت زیادہ چاہا میں نے انہیں، بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میرے باپ کو انہوں نے اپنے بھائی کی زندگی کی بحیثیت چڑھا دیا۔ انکل! میری ماں اور میری.....“ اس کے بعد میں بولتی ہی چلی گئی۔ میرے دل کا غبار تھا جو الفاظ کی صورت میں بہہ رہا تھا۔

سرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ عظمت جلال بھی ہونٹ سے مجھے سن رہا تھا۔

”ایک منٹ، ایک منٹ، ایک منٹ۔ دیکھو شاہ نور!“ کافی دیر بعد عظمت جلال نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش ہونے کو کہا اور پھر بولے۔ ”یہ ساری کمائی میرے علم میں ہے۔ یہ تو اتفاق ہے کہ تم جمال احمد کی بیٹی نکل آئیں۔ میں تمہارا شکر یہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے میرے گودام تباہ کر دیئے۔ کمال احمد کا سارا سرمایہ زب گیا اور اس وقت کیفیت یہ ہے کہ وہ قرض داروں سے منہ چھپائے پھر رہا ہے۔ اصل میں یہ بھی میری ایک پالیسی کا حصہ تھا۔ میں کمال احمد کو فلاح کرنا چاہتا تھا اور اس کی کوئی ترکیب میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ تو تم نے اتفاقہ طور پر ایک ایسا عمل کر ڈالا جو میرے لئے تقریباً تین ارب روپے کے فائدے کا باعث بن گیا اور جب مجھے یہ علم ہوا کہ اس کی تباہی کا باعث تم ہو تو میں نے سوچا کہ کاش! تم کسی طرح میرے ہاتھ لگ جاؤ، میری اور تمہاری انڈر اسٹینڈنگ بہت کچھ کرا سکتی ہے۔ میں تم سے اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں تمہارے دشمنوں سے محفوظ رکھوں گا۔ چاہے وہ عزت جلال اور الماس آراء ہی کیوں نہ ہوں۔ تم میرے لئے ایک بہت ہی اہم شخصیت بن چکی ہو۔ بولو کیا کہتی ہو۔ یہ سودا منظور کرو گی؟“

میں چٹنی چٹنی آنکھوں سے عظمت جلال کو دیکھ رہی تھی اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس شخص نے کسی سنسنی خیز مذاق کا آغاز کیا ہے یا جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ سچ ہے اور وہی بات کہ مجھے چہرہ شناسی کا بہت شوق پیدا ہو گیا تھا۔ عظمت جلال کے چہرے کو دیکھ کر مجھے یہ اندازہ ہوا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ بالکل سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہے اور اس کی اس پیشکش میں چٹائی ہے۔ میں نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

”تو اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں انکل؟“

”پورے اعتماد اور پورے یقین کے ساتھ اپنے ساتھ تمہاری شمولیت۔ اس سلسلے میں ایک لمبی پلاننگ میرے ذہن میں ہے اور میں تمہیں اسی وقت اس بارے میں بتاؤں گا جب تم میرے ساتھ شرکت پر آمادہ ہو جاؤ۔ دیکھو، میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس وقت تم کون سے گروپ میں ہو۔ سیدھی سی بات ہے۔ تم اس کے لئے مجھ سے ڈبل کر چکی ہو لیکن تم نے جو کچھ کیا ہے، وہ الماس آراء کو تباہ کرنے کے لئے کیا ہے۔ بظاہر میرا بھی نقصان ہوا لیکن جو فائدہ مجھے پہنچا ہے، اس کے بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ رشتے ناتے میرے لئے اس قدر اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ یہ بات نہیں کہ میں الماس آراء یا عزت جلال کو نہیں چاہتا یا خاور جلال کی موت کا مجھے کوئی دکھ نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اگر ایک کام کی شخصیت میرے ہاتھ لگی ہے تو میں اسے بھی نہیں کھونا چاہتا، میرا مطلب سمجھ رہی ہونا۔ تمہیں اپنی ماں بہن اور باپ کی تلاش ہے۔ مجھ سے تم جیسی چاہو قسم لے لو، اس وقت بھی میں اس معاملے میں ملوث نہیں تھا اور اب بھی نہیں ہوں لیکن چونکہ تم میرے لئے کام کرو گی۔ ایک انوکھی پلاننگ کے تحت جس کے بارے میں تمہیں رفتہ رفتہ سب کچھ بتا دوں گا کہ میں اس کے بدلے تمہیں اتنا معاوضہ دوں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ ساتھ ساتھ میں ان لوگوں کو بھی تلاش کروں گا اگر وہ مل گئے تو تمہیں

درخواست کروں گا کہ آئندہ اسے کوئی زخم نہ لگائے۔ وہ میری بہن ہے، جب اس کا خون بہتا ہے تو مجھے اپنے بدن میں تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ اب تم میرا مذاق اڑاؤ گی کہ خود ہی رشتوں کی نفی کرتا ہوں اور خود ہی رشتوں کی بات کرنے لگتا ہوں۔“

”جی انکل! میں سمجھ رہی ہوں۔“

”تو بات کہاں ہو رہی تھی، ہم کہاں سے کہاں نکل گئے۔“

”عزت جلال صاحب کی بات ہو رہی تھی۔“

”ہاں، ہاں، ہاں وہ بہن کے معاملات میں بہت زیادہ ملوث ہے۔ خاور جلال کی موت کے بعد وہ اور زیادہ تمہاری جانب متوجہ ہو گیا۔“ یہ بات تو تم اب اچھی طرح سمجھ لو کہ ان لوگوں سے تمہارا کوئی سمجھوتا تو نہیں ہو سکتا۔ خاص طور سے خاور جلال کی موت کے بعد اور پھر تم نے الماس کو خاصے گہرے زخم لگائے ہیں۔ میرا خیال ہی بچپن سے لے کر اب تک وہ کبھی اس طرح بیمار یا اسپتال میں نہیں رہی۔ ظاہر ہے، اس کے ذہن میں بھی انتقام ہے۔ تمہارے ماں باپ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں مجھے بڑی ترکیب استعمال کرنا پڑے گی۔ میں تمہیں بتا رہا تھا کہ ان لوگوں نے ہر جگہ تمہارا تعاقب کیا جہاں تم جاسکتی تھیں۔ میرا خیال ہے، تم اندرون سندھ کچھ گونھوں وغیرہ میں بھی گئی تھیں۔ غلام شیریا کوئی اور نام ہے اس شخص کا اس نے تمہاری مدد کی تھی، کسی آدمی سلطان شاہ کے کہنے پر اور پھر وہاں سے تم ایک وڈیرے مکرم شاہ کے گھر گئی تھیں۔ مکرم شاہ نے غالباً یہاں رہنے کے لئے تمہیں کوئی مکان دیا تھا جس میں تم نے ایک ڈکٹو فون لگایا تھا اور اس کا ایک سیٹ الماس آراء کے کمرے میں تھا۔ اصل میں اس ڈکٹو فون کا تعاقب کرتے ہوئے وہ لوگ مکرم شاہ کے اس مکان تک پہنچے۔ وہاں سے تمہارا سامان برآمد ہوا پھر وہیں سے کچھ ایسی ٹیلی فون کالوں کا انکشاف ہوا جو سلطان شاہ نامی ایک مقامی غنڈے کو کی گئی تھیں۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پولیس نے مکرم شاہ کو بھی گرفتار کر لیا، سلطان شاہ کو بھی اس کے گردہ سمیت گرفتار کر لیا ہے اور اس کے اڈے کو بالکل تباہ کر دیا پھر غلام شیر کو بھی سندھ کے علاقے سے پکڑا گیا۔ ان پر تشدد کی انتہا کر دی گئی اور تمہارے بارے میں معلومات حاصل کی جانے لگیں لیکن وہ لوگ کوئی پتہ نہیں لگا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں تم یہ دیکھ لو اور غور کرو کہ پولیس کس طرح عزت جلال کے کہنے سے تمہارے پیچھے پڑی ہوئی ہے، اس کے علاوہ شاید تمہیں اس بات کا علم نہ ہو کہ جیک اینڈ جیل نامی ایک گروہ جو دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے، تمہاری تاک میں لگا ہوا تھا۔ پچھلے دنوں اسے بھی معطل کر دیا گیا۔ کیونکہ اچھی خاصی رقم دینے کے باوجود اسے تمہارا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ خیر ان تمام باتوں سے تمہیں آگاہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے طور پر بھی ہوشیار رہو اور کوئی ایسا عمل نہ کرو جس سے تمہیں نقصان پہنچ جائے۔ وہ لوگ بہر حال تمہاری تاک میں ہیں۔ عزت جلال بہت چالاک آدمی ہے اور الماس بھی بڑا انتہائی مزاج رکھتی ہے۔ یہ لوگ تمہارے پیچھے لگے رہیں گے اس وقت تک جب تک تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دیں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم جیسی باصلاحیت لڑکی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔“

”انکل! آپ کا بے حد شکریہ۔“ میں نے مغموم لہجے میں کہا۔ یہ ساری باتیں سن کر مجھے انتہائی دکھ

اطلاع دے دوں گا۔ یہ کام میں سب سے بہتر طریقے سے سرانجام دے سکتا ہوں لیکن اس کے لئے تمہیں کم از کم ایک سال تک ان سے دوری اختیار کرنا پڑے گی۔ ایک سال تک میرے لئے انتھک محنت سے کام کرو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو حاصل کر کے ایک سال کے بعد تمہیں اتنی بڑی رقم دے کر ملک سے باہر جہاں تم چاہو گی وہاں بھجوا دوں گا۔ اب تم آرام کرو اور سوچو، سوچے بغیر کوئی فیصلہ کرنا مجھے نا پسند ہے۔“

عظمت جلال کے جانے کے بعد کچھ دیر تک تو میں سکتے کے عالم میں بیٹھی دروازے کو گھورتی رہی پھر میرے ذہن میں عظمت جلال کے الفاظ گردش کرنے لگے۔ سب سے زیادہ حیران کن بات تو یہی تھی کہ میں عظمت جلال تک پہنچ گئی تھی۔ تقدیر بھی بعض اوقات ایسے اتفاقات سے دوچار کرتی ہے جن کا اصلیت سے تعلق قائم کرنا ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ وہ کار عظمت جلال ہی کی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ عظمت جلال کو بجائے نقصان ہونے کے فائدہ ہوا تھا، جبکہ یہ بات میرے لئے بڑی مسرت کا باعث تھی کہ الماس بیگم کو نقصان پہنچا تھا۔ میں ایک ایک لفظ پر غور کرنے لگی اور مجھے احساس ہوا کہ عظمت جلال درحقیقت میرے لئے کام کا آدمی ہے۔ اس کے لئے کام کرنے پر غور کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ میں نے خود کو بے فکر کر لیا البتہ اپنے آگے کے منصوبے کے بارے میں ضرور سوچا تھا۔ عظمت جلال نے مجھے چوبیس گھنٹے کا موقع دیا۔ اس دوران میرا ہر طرح خیال رکھا گیا۔ بس باہر نہیں نکلی تھی۔ چوبیس گھنٹے کے بعد اس نے مجھ سے ملاقات کی اور مسکراتا ہوا بولا۔

”کیا کیا رپورٹیں دوں تمہیں؟ تمہارے بارے میں مقامی حکام اتنی چھان بین کر رہے ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ ہر اس جگہ جہاں تمہارا سایہ بھی پڑا ہے۔ وہ لوگ پہنچ گئے ہیں۔ تمہیں شاید اس بات کا علم نہیں کہ تمہارے سلسلے میں انعام کی رقم ایک کروڑ کر دی گئی ہے اور یہ رقم عزت جلال نے رکھی ہے۔“

”گڈ۔ ویسے انکل ایک بات بتائیے۔ عزت جلال صاحب کا معاملہ بھی براہ راست نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے وہ بھی جو کچھ کر رہے ہیں الماس آراء بیگم کے لئے کر رہے ہیں۔ آپ اس معاملے میں اس قدر لوٹ کیوں نہیں نظر آتے؟“

”بھئی اپنا انداز فکر ہے۔ اصل میں عزت جلال جو کچھ کر رہے ہیں۔ اس میں مکمل طور پر کامیاب ہیں۔ میں نے مختلف شعبوں میں قسمت آزمائی کی لیکن ان کی طرح کی ایک کامیاب زندگی حاصل نہیں کر سکا۔ اب میں نے جو لائن اختیار کی ہے۔ میں اس میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ اس بارے میں تم سے تفصیلی بات چیت پھر کروں گا۔ اصل میں ایک بڑی حیرت انگیز بات ہے شاہ نور! بے شمار افراد میرے ساتھ ہیں۔ میرا خیال ہے، میں ان لوگوں کو تین یا چار کروڑ روپے ماہانہ ادا کرتا ہوں۔ میرا مطلب ان لوگوں سے ہے جو مختلف ممالک میں میرے لئے کام کرتے ہیں۔ ان میں کچھ میرے اعتماد کے لوگ بھی ہیں لیکن تم سے رابطہ ہونے کے بعد میں ایک طرح کی عجیب سی کیفیت محسوس کرتا ہوں، وہ یہ کہ تم سے میری بہت زیادہ قربت ہے۔ اگر تم اس بات کو رشتے وغیرہ کا نام دیتی ہو تو ضرور دے لو، مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔ الماس آراء سے یہ بات نہیں کہ مجھے محبت نہیں ہے۔ اس کے ہر مفاو کے لئے میں کام کروں گا بلکہ تم سے بھی یہ

ہو رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی میرے دل میں ایک خوف کا احساس تھا کہ خدا نخواستہ کہیں نادبہ کو اس طرح سے کوئی نقصان نہ پہنچایا گیا ہو لیکن عظمت جلال کے انکشافات میں نادبہ کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ میں خاموشی سے عظمت جلال کو دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

”ہاں بیٹا! کیا فیصلہ کیا تم نے؟“

”انکل! آپ میرے اپنے ہیں۔ حالات آپ کے سامنے ہیں، جس قدر برائیاں میرے اندر اپنے اس خاندان کے بارے میں پیدا ہوئیں ان کی وجوہات بھی آپ کے علم میں آچکی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ آپ میری سوچ کی تائید کریں۔ ہو سکتا ہے، آپ اب بھی میرے موقف سے اتفاق نہ کرتے ہوں لیکن بہر حال ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے، اس میں ایک خاص سمجھوتے کا تذکرہ ہے۔ انکل! میں اس حد تک کیونکر پہنچی۔ یہ میں آپ کو بتا چکی ہوں۔ اب بھی وہ مسئلہ ہے۔ آپ معاوضے کی بات بالکل نہ کریں۔ میں اپنی تقدیر پر شاکر ہوں بھلا مجھے کیا چاہئے، لیکن میرے معاہدے میں یہ بات سرفہرست ہوگی۔ یعنی یہ کہ آپ میرے والدین کو تلاش کریں گے۔“

”بالکل یہ سمجھ لو میری ڈیوٹی ہے اور ہم لوگ اسی انداز میں کام کریں۔“

”تو ٹھیک ہے انکل، میں آپ کی ہر خواہش کی تکمیل کے لئے تیار ہوں۔ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گی، پورے خلوص پوری دیانت کے ساتھ۔“ میں نے عظمت جلال کے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر اس نے کہا۔

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب ہمارے درمیان خلوص سے ایک معاہدہ ہوا ہے تو مجھے بھی خلوص سے تمہیں ساری باتیں بتا دینی چاہئیں۔ دیکھو، میں ایک کمزور سائنس دان ہوں لیکن سمجھتا ہوں کہ دنیا میں کوئی بھی اپنے آپ کو اتنا طاقتور ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور جنہوں نے دعوے کئے، وہ عام لوگوں کی نسبت زیادہ بے دردی سے مارے گئے۔ میں ایک معمولی سا آدمی ہوں لیکن میرے ذہن میں ایک عجیب سی بات ہے اور اس کی تحریک بھی کسی نے پیدا کی ہے۔ اس وقت دنیا میں ستائیس گروہ ایسے ہیں جو ڈرگز کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ لائیگر بھی ان میں سے ایک ہے جس نے تمہیں ٹرپ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کے کچھ ذیلی ادارے بھی ہیں۔ جیسے میں نے کام شروع کیا ہے اور اچھے خاصے پیانے پر کیا ہے۔ وہ فرم بھی میں نے خرید لی ہے جس سے ہانگ کانگ میں تمہارا رابطہ ہوا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ میں بھی ایک طرح سے ذیلی کارکنوں میں شامل ہو گیا ہوں لیکن میرے اندر ایک خون پل رہا ہے، ایک انوکھا جنون۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک خفیہ تنظیم بنائوں جو ڈرگز کے خلاف ہو۔“

عظمت جلال خاموش ہوا تو میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ مجھے یوں لگا تھا، جیسے یہ آدمی پاگل ہو گیا ہے۔ اس لئے اس کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ ایک طرف یہ ڈرگز کا اسمگلر تھا، دوسری طرف کہہ رہا تھا کہ وہ ڈرگز کے خلاف کام کرنا چاہتا ہے۔ عظمت جلال کو اس بات کا اندازہ تھا کہ اس دوران میں اس کی گفتگو کے بارے میں یہی الفاظ سوچ سکتی ہوں، چنانچہ اس نے مسکرا کر کہا۔

”تم بالکل ٹھیک سوچ رہی ہو۔ بات دیوانگی ہی کی ہے لیکن ذرا اس کی گہرائی پر غور کرو، ایک ایسی

تنظیم جو ڈرگز کو تباہ و برباد کرے۔ ان گروہوں کو فنا کر دے، یہ تنظیم جدید بنانے پر کام کرے گی۔ البتہ میں ان کے ذیلی کارکن کی حیثیت سے کام کرتا رہوں گا۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی قوت کھوتے رہیں گے اور میری قوت میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ میں پوری دنیا میں ڈرگز کا بادشاہ بن جاؤں گا۔ وہ لوگ آہستہ آہستہ میرے تابع ہوتے چلے جائیں گے۔ یہ ایک دہرا عمل ہے۔ یعنی یہ کہ ایک طرف میں ڈرگز کا اسمگلر ایک بڑا کاروباری اور دوسری طرف اسے تباہ کرنے والا اور اس دوسرے سیکشن کی انچارج تم ہوگی۔ صرف تم۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ کام طوفانی انداز میں شروع ہوگا اور آن کی آن میں ہم لوگ کامیاب ہو جائیں گے۔ نہیں بالکل نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے لئے طویل ترین وقت درکار ہوگا اور یہ کام انتہائی مشکل ہوگا۔ یہ میں کہہ رہا ہوں کیونکہ مجھے اس کے بارے میں صحیح اندازہ ہے۔“ میں خاموشی سے دیکھتی رہی پھر میں نے کہا۔

”لیکن اس کے لئے آپ کو مجھے تربیت دینا ہوگی۔“

”فکر ہی نہ کرو۔ یوں سمجھ لو کہ یہ بہت ہی معمولی سی بات ہے۔ میں تمہیں دنیا کے ہر ملک، ہر گوشے میں ایسے معاون فراہم کروں گا جو بہرپور طریقے سے تمہاری مدد کریں گے۔ تم کو بس اپنا یہ کام کرنا ہوگا لیکن بیٹا، ایک بات جو آخری بات ہے، وہ اور کہنا چاہتا ہوں۔“

”جی انکل فرمائیے۔“ میں نے کہا اور عظمت جلال ایک بار پھر سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے کہا۔

”دیکھو، ہر طرح کے لوگ دنیا میں ہوتے ہیں۔ میں اپنی بہن اور بھائی کے خلاف ایسی لڑائی کو اپنا ساتھی بنا رہا ہوں جو میری بہن کی دشمن اور میرے بھائی کی قاتل ہے۔ ایسی صورت میں تم یہ سمجھ لو کہ تمہیں صرف اور صرف مخلصانہ طور پر میرے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے ماں باپ کی تلاش میں کھو جاؤ اور کسی موڑ پر جذباتی ہونے کی کوشش کرو۔ ایسی صورت میں میری پوزیشن بہت خراب ہو جائے گی اور میں اپنے تمام منصوبوں سمیت مارا جاؤں گا۔ یہ کام میرے لئے رہنے دینا اور ایک سال کے بعد مجھ سے اس بارے میں سوال کرنا۔ بولو، یہ بات منظور ہے تمہیں؟“

”اور اس ایک سال کے بعد انکل، میں آپ سے اپنی ماں بہنیں اور باپ کو حاصل کروں گی۔“

”نوے فیصد اس کے امکانات ہیں اور صرف دس فیصد یہ گنجائش چھوڑ دو کہ ہو سکتا ہے، اس میں کچھ وقت مزید لگ جائے۔“

میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔ اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ عظمت جلال اس سلسلے میں مخلص ہے۔ بہر حال اس کے بعد تقریباً دیرھ گھنٹے تک وہ مجھے اپنے موقف کے بارے میں سمجھاتا رہا تھا اور تمام امور میرے ذہن میں آرہے تھے۔ بڑی دلچسپ اور بڑی ایڈونچر لائف تھی، مجھے اس کام میں لطف کا احساس ہو رہا تھا۔ عظمت جلال چلا گیا تھا اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ فی الحال اس شخص کے ساتھ تعاون تو کرنا چاہئے۔ اس طرح بہت سی مشکلات سے محفوظ بھی رہوں گی۔ نادبہ نے بے شک میرے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر دی تھیں اور ایک طرح سے وہ گروہ میرا اپنا گروہ بن گیا تھا لیکن اس وقت عظمت جلال نے مجھے جو تفصیلات بتائی تھیں، وہ میرے لئے زیادہ دلچسپ اور دلکش تھیں بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ

ہمت سے لوگوں کو یوقوف بنانے کا کام میرے سپرد کیا گیا تھا۔ یعنی جس گروہ کے لئے نادبہ نے مجھے منتخب کیا تھا، اس کی بھی باقاعدہ رکن رہوں گی۔ وہ گروہ مجھ سے کام لیتا رہے گا اور اس طرح مجھے عظمت جلال کے لئے جاسوسی کے مواقع بھی حاصل ہوں گے کہ کون لوگ کہاں سپلائی دے رہے ہیں اور کہاں سے سپلائی لے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی میں منشیات کے ذخائر تباہ کر کے ایک طرح سے معاشرتی خدمت بھی کروں گی۔

میرے دل میں آرزو پیدا ہو گئی کہ کم از کم نادبہ سے تو ملاقات کروں اور ویسے بھی نادبہ سے ملنا میری ضروری تھا۔ کیونکہ ہمت سے معاملات میں مجھے بہر طور شریک ہونا تھا لیکن اگر عظمت جلال کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ میں نادبہ کی وجہ سے گروہ میں شامل ہوئی ہوں تو کہیں نادبہ کے لئے پریشانی کے لمحات نہ پیدا ہو جائیں۔ یہ خیال میرے لئے باعث تشویش تھا۔ بہر حال یہ بھی تھا کہ نادبہ سے میں نے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔ وہ میرے لئے دل میں بڑے غلوں کے جذبات رکھتی تھی لیکن عظمت جلال کی بات میں اسے نہیں جتا سکتی تھی کیونکہ مجھ جو عمل کرنا تھا اس میں کم از کم ایک سال تک عظمت جلال سے پوری طرح غفلت رہنا تھا اسی میں میری ماں اور بہنوں کی زندگی کی سلامتی تھی۔ عظمت جلال نے اس کا وعدہ کیا تھا کہ وہ میرا یہ کام کر دے گا۔ میرے یہ ٹھکانے بھی ختم ہی ہو گئے تھے اور مجھے نئے ٹھکانوں کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ویسے بھی عظمت جلال جو منصوبہ رکھتا تھا، اب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا حالانکہ کئی بار دل میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ عظمت جلال اپنی بہن کے لئے کوئی لمبی چال نہ چل رہا ہو لیکن میں اتنے دن سے اس کی تحویل میں تھی اور اس کے بعد وہ مجھے بے ہوشی کے عالم میں لے کر آیا تھا اگر اس کے دل و دماغ میں کوئی فریب ہوتا تو وہ سیدھا مجھے الماس بیگم کے پاس پہنچا کر بہن سے اپنی محبت کا ثبوت دیتا۔ یہ مسئلہ قابل غور نہیں تھا کم از کم اس حد تک سب کچھ ٹھیک تھا۔ میں اب بالکل مطمئن ہو گئی۔ ہمت سے معاملات ایسے بھی تھے جن میں عظمت جلال کو بھی کچھ بتانا ضروری نہیں تھا البتہ میں نے اس سے یہ اجازت ضرور لی کہ میں ذرا باہر کا جائزہ لینا چاہتی ہوں۔ اس نے بڑی فراخ دلی سے کہا۔

”صرف اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا۔ اگر کچھ غلط لوگ ٹکرا جائیں تو اپنی روایتی چستی اور پھرتی سے کام لے کر انہیں ہلاک کر دینا اور میرے پاس پہنچ جانا۔ میں تمہیں چار ایسے پوائنٹس بتائے دیتا ہوں جو تمہارے لئے محفوظ پناہ گاہ ہو سکتے ہیں۔ بس وہاں تک پہنچ جانا پھر تمہارا کوئی پالیکا نہیں کر سکتا۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔“

اس کے بعد اس نے مجھے چار ایسی جگہوں کا پتہ دیا جن کے بارے میں میں اچھی طرح جانتی تھی۔ اس کے بعد میں نے عظمت جلال سے فرمائش کی۔

”انکل! مجھے میک اپ کا سامان چاہئے۔“

”مل جائے گا۔ تم نے درست فیصلہ کیا ہے۔ باہر میک اپ کر کے ٹھکانا زیادہ مناسب ہوگا، چونکہ میں تمہارا میک اپ کرنے کا طریقہ دیکھ چکا ہوں۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ تم دوسروں کی نگاہوں میں نہیں آسکو گی۔“

اسی دن مجھے میک اپ کا سامان میا کر دیا گیا۔ میں نے اپنے چہرے میں معمولی سی تبدیلی پیدا کی اور سامان کا بیگ لے کر باہر نکل آئی۔ ایک کار اور ایک فلیٹ کی چابی میں نے لے لی تھی۔ یہ انہی پوائنٹس میں سے ایک تھا جو میری پناہ گاہ کے طور پر عظمت جلال نے مجھے دیا تھا۔ بازار سے میں نے کچھ چیزیں حاصل کیں اور اس کے بعد میں اس فلیٹ پر پہنچ گئی۔ یہاں میں نے اپنے میک اپ میں تبدیلی پیدا کی، بال بچھائے اور ان میں سفیدی پیدا کر لی۔ پھر اس کے بعد وہ بوسیدہ لباس پہنا جو ہمت ہی گھٹیا اور معمولی سا تھا۔ اس طرح میں ایک غریب اور مفلوک الحال لڑکی محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ مزید پینٹنگی پیدا کرنے کے لئے میں نے اپنے ساتھ لایا ہوا سامان ایک تھیلے میں رکھا جو ایک گھٹیا سی کمپنی کے پروڈکٹس تھے اور ایسی سیل گرل لڑکی کا روپ دھار لیا جو کمپنی کی اشیاء سپلائی کرتی ہیں۔ پھر اس کے بعد میں باہر نکل آئی اور مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی آخر کار اس علاقے میں پہنچ گئی جہاں نادبہ کی کوٹھی تھی۔ نادبہ کی کوٹھی کے حالات پس منظر نظر آرہے تھے۔ چوکیدار بابا جسے اگر اس بات کا علم ہو جاتا کہ یہ میں ہوں تو مجھ پر دیوانہ وار غار ہونے لگتا۔ ہمت محبت کرتا تھا وہ مجھ سے، وہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر تھا۔ میں گیٹ کے قریب پہنچی تو وہ میری جانب متوجہ ہو گیا۔

”بولو بہن صاحب۔“ اس نے کہا۔

”باباجی! بیگم صاحبہ سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”ابھی ادھر دیکھو۔ تم بہت معصوم ہے، اتنا بڑا لوگ چھوٹا چھوٹا گھر کا دروازے پر نہیں خریدتا۔ تم ادھر اپنا وقت برباد مت کرو۔“

”میری ان سے فون پر بات ہوئی ہے اور انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ جب تم گیٹ پر آؤ اور چوکیدار تمہیں روکے تو اس کو بولو کہ بابا صاحب سے ملنا ہے۔“ یہ مخصوص لفظ تھا۔ چوکیدار ایک دم چونک پڑا اور گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیا پھر گردن ہلا کر بولا۔

”ابھی اگر بیگم صاحب نے آپ کو بلایا ہے تو میرے ساتھ آؤ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ عزت سب سے بڑا چیز ہے۔ اگر تم نے جھوٹ بول کر ادھر جانے کا کام نکالا ہے تو پھر میں تمہارے ساتھ برا سلوک کروں گا۔“

”نہیں، آپ مجھے لے چلیں۔“ تھوڑی دیر کے بعد چوکیدار مجھے لئے ہوئے اندر آگیا۔ نادبہ ایک لمبے لمبے میں منگوم سی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور مجھے وہ خاصی غمگین اور اداس نظر آئی تھی۔ اس نے مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو میں نے کہا۔

”بابا صاحب! ابھی آپ سے ٹیلی فون پر بات ہوئی تھی۔ میں نے چوکیدار بابا کو یہی بتا دیا ہے کہ آپ نے خود مجھے بلوایا ہے۔“ نادبہ ہمت زیادہ چلاک تھی، ایک لمحے کے اندر یہ بات سمجھ گئی کہ منہ پر کون نموت ہوتا ہے، اس نے چوکیدار کی طرف رخ کر کے کہا۔

”ٹھیک ہے بابا، آپ جاؤ۔ میں بات کر لوں گی اس سے۔“ پھر جیسے ہی وہ واپسی کے لئے مڑا، نادبہ نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

”ہاں کہو۔“

”نادیہ‘ میں ہوں۔“ اس بار میں نے اپنے اصل لہجے میں کہا اور یوں معلوم ہوا جیسے نادیہ کے جسم کرنت لگا ہو۔ وہ ایک دم اٹھ گئی تھی۔

”تم.....“

”ہاں بھی‘ کیا کرتی‘ اسی طے میں تمہارے پاس آ سکتی تھی۔“ نادیہ بہت زیادہ پرجوش ہو گئی تھی۔ مجھے لے کر وہ اندر گئی اور پھر بے اختیار مجھ سے پٹ گئی۔

”کیا کر رہا ہے تو نے مجھے! پاگل ہو گئی ہوں میں تیرے لئے۔ انسان اس طرح تو بے بس نہیں ہو سکتا تو نے تو مجھے کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ لوٹ لیا ہے خدا کی قسم‘ اب تیرے علاوہ اور کچھ نہیں سوچتی۔“ میں نے بھی نادیہ سے بہت زیادہ محبت کا اظہار کیا پھر وہ بولی۔

”چہ نہیں یہ کس کی بد نصیبی ہے۔ میری یا تمہاری‘ ہم دونوں زندگی کے جس الجھاؤ میں پھنس گئے ہیں‘ اس سے ٹکنا نہ میرے بس کی بات ہے نہ تمہارے بس کی بات ہے۔ اچھا خیر چھوڑو کن اداس باتوں میں کھو گئے ہم۔ تم بالکل ٹھیک ہوتا؟ کہاں غائب ہو گئی تھیں؟ مجھے بتانا ضروری نہیں تھا؟“

”تھا۔“ میں نے کہا اور اس کے بعد نادیہ کو میں نے عظمت جلال کے منشیات کے ذخیرے کی تابی‘ الماس بیگم کے تلاش ہونے کی داستان اور پھر ساری باتیں سنا دیں۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ میں نے جہاز کے پورے سفر‘ لائن اور کوشل کی موت‘ ایک ایک چیز اسے بتا دی لیکن جیسا کہ میں نے فیصلہ کیا تھا‘ ان آخری لمحات کی کہانی اسے نہیں سنائی جاسکتی تھی۔ اس کی دو وجوہات تھیں‘ پہلی بات تو یہ کہ وہ اس بات کو قطعی طور پر ناپسند کرتی کہ میں اس کے کہنے کے مطابق اس کے اپنے گروہ میں شامل ہونے کے بعد اس سے غداری کی مرتکب ہو رہی ہوں۔ دوسری بات یہ کہ نادیہ مجھے بہت سب کچھ نہیں کرنے دیتی اور پھر میرا مسئلہ دوبارہ کھٹائی میں پڑ جاتا جبکہ اس بار میں نے بہت صبح آذی کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا تھا یعنی عظمت جلال کو‘ چنانچہ اس سلسلے میں مزید تفصیل میں نے اسے نہیں بتائی۔ نادیہ کہنے لگی۔

”گروہ کے افراد تمہارے لئے بہت پریشان ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے غضب ڈھا دیا ہے۔“ لوگ تمہارے لئے بڑے بڑے منصوبے بنا رہے ہیں اور ایک لمبی تربیت تمہیں دینا چاہتے ہیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے شاہ نور کہ تم باقی سارے معاملات پیچھے چھوڑ کر خود کوئی بہت بڑی شخصیت نہ بن جاؤ۔ میرا مطلب ہے‘ منشیات فروشوں کی دنیا میں۔“ نادیہ کے ہونٹوں پر ایک پھلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور میں اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ نادیہ میرا چہرہ دیکھ رہی تھی پھر اچانک ہی اسے محسوس ہوا کہ میری نگاہوں میں عجیب سی بات ہے تو وہ بولی۔

”کیوں‘ میں نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جو تمہیں ناپسند آئی؟“

”نہیں نادیہ! میرے بارے میں جلنے کے بعد بھی مجھے ایسے کسی بیکار مسئلے میں مبارکباد دے رہی

ہو؟“

”میں جانتی ہوں جان! میں جانتی ہوں۔ سوری‘ میں تم سے کچھ غلط کہہ گئی۔ اچھا یہ بتاؤ حاکم شیرازی

ابھی کچھ پتہ چلا؟“

”صرف اس کے لئے دکھی ہوں‘ صرف اس کے لئے کہ وہ میری وجہ سے زندگی سے محروم ہو گیا۔ نہ صرف وہ بلکہ اس کا خاندان بھی میری ایک ذرا سی غلطی سے نہ جانے کن حالت کا شکار ہو گیا۔ یقین کرو مجھے اس کا شدید دکھ ہے۔“ نادیہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ بہت دیر اس طرح گزر گئی پھر وہ میری باہر درازت میں مصروف ہو گئی۔ اس نے کہا۔

”چلو خوب بدلہ لیا ہے تم نے‘ واقعی کمال کر دیا ہے۔ ویسے تم ہمیشہ عقبی راستے سے آتی تھیں۔ آج سامنے والا رخ کیسے اختیار کیا؟“

”بس ایسے ہی اس کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا پروگرام ہے؟“

”دل تو چاہتا ہے کہ ہنگامہ آرائی کروں لیکن ذرا سا صبر کرنا پڑے گا۔ بس کچھ ایسے ہی حالات ہیں۔“

”کہیں جانے کا پروگرام تو نہیں ہے ابھی۔“

”کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

”گروہ کو تمہارے بارے میں بتاؤں۔“

”بالکل نہیں پلیز کچھ وقت بالکل خاموشی سے گزارنا چاہتی ہوں۔“

”میں رہو۔“

”نہیں‘ یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ وہ لوگ ایک ایک چپے پر مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ مگر مگر گرفتار ہو چکے ہیں‘ سلطان شاہ بھی ان لوگوں کے قبضے میں ہیں‘ نہ جانے کس طرح ان تک رسائی ہو گئی ہو گی۔ بہر حال وہ بھی قیوف نہیں ہیں چپے چپے پر میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ نادیہ‘ یہ بات تو میں بالکل

میں چاہوں گی کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔“

”کیا کہہ سکتی ہوں۔“ نادیہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی پھر کہنے لگی۔ ”اب تو تمہارے سارے

بہرے ٹھکانے ان کے علم میں آگئے۔ اب کہاں قیام کرو گی؟“

”بہت سی جگہیں ہیں نادیہ! یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ نادیہ سمجھ گئی کہ میں اسے ساری تفصیل نہیں بتا چاہتی۔ بہر حال رات تک میں اس کے ساتھ رہی پھر رات کو پچھلے راستے سے باہر نکل کر سڑکوں پر فارہ گردی کرنے لگی۔ یہاں تک کہ اس جگہ پہنچی جو عظمت جلال نے میرے لئے منتخب کی تھی یہاں قیام نہیں تھا اور اس کی ہدایت بھی کی گئی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنا حلیہ تبدیل کیا اور پھر کار میں بیٹھ کر عظمت جلال کی کوشلی کی جانب چل پڑی۔ عظمت جلال کی کوشلی میں کئی کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ میں کوشلی سے بچتی بچاتی اندرونی حصے میں پہنچ گئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کون آیا ہوا ہے۔ طبیعت پر ایک بہت سی ٹھکن سوار تھی۔ چنانچہ اپنے بندروم میں آرام کرنے لیٹ گئی۔ کھانا وغیرہ نادیہ کے ساتھ کھا چکی تھی۔ پھر نیند آگئی۔ دوسری صبح ہی عظمت جلال سے ناشتے کی میز پر ملاقات ہوئی تھی۔

”میں جانتا ہوں، تم ایک نڈر اور دلیر لڑکی ہو لیکن رسک مت لو۔ میں نے خاص طور سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں، تم یقین کرو کہ اس وقت شاید پورے وطن کی پولیس تمہیں تلاش کر رہی ہے۔ انٹیلی جنس کے ادارے بھی تمہارے بارے میں چھان بین کرتے پھر رہے ہیں۔ بات یہ نہیں ہے کہ سب کے سب تمہارے خلاف اور عزت جلال کے حق میں ہیں بلکہ صورت حال کچھ ایسی بنا دی گئی ہے کہ تمہیں ایک بہت بڑا مجرم قرار دیا جا رہا ہے۔ کوشش کر رہے ہیں وہ لوگ تمہارے لئے لیکن بے فکر رہو۔ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کے لئے میں نے تمہیں اپنا دست راست منتخب کر لیا ہے۔ چنانچہ بہت جلد میں تمہیں یہاں سے روانہ کر دوں گا۔“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بہر حال اس کے بعد کئی دن تک میں عظمت جلال کی کوٹھی میں خاموشی سے وقت گزارتی رہی۔ بہت سی کتابیں لے لی تھیں اور ان کی ورق گردانی میں وقت گزرتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن عظمت جلال نے مجھ سے کہا۔

”میرا خیال ہے، تم کافی آرام کر چکی ہو شاہ نور! اب تمہیں روانہ ہونا ہے۔“ میں نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولی۔

”کہاں؟“

”اس کی ساری تفصیل میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ میں تمہیں گرینی لینڈ بھیج رہا ہوں، گرینی لینڈ کے ہوگی۔“

دراگھوٹ کارگاہ میں تمہیں بہت سے کام سرانجام دینا ہیں۔

”کچھ تفصیل بتا چل سکے گی۔“

”ہاں، بہت ہی پراسرار اور سائنٹیفک طریقے سے کچھ ادارے وہاں ڈرگز ونگ تیار کر رہے ہیں۔ ان ڈرگز ونگز کے ذریعے دنیا کے کئی ملکوں سے ڈرگز منگوائی جائیں گی اور وہاں سے ان کی سپلائی کا انتہائی معقول انتظام ہوگا۔ ایک خاص ادارہ یہ کام کر رہا ہے جس کا نام ایمیزون ہے۔ ایمیزون کا سربراہ فریڈرک ہے۔ وہ نسلًا جرمن ہے اور ہٹلر کا خاص جاسوس تھا اس نے اپنے طور پر بہت سے پروگرام ترتیب دیئے ہیں اور تم یہ سمجھ لو کہ یہ پروگرام ہمارے لئے زہر قاتل کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ دیکھو یہ فریڈرک کی تصویر ہے۔“ اور ایک تصویر نکال کر میرے سامنے کر دی۔

اس شخص کی عمر ستر سال کے قریب تھی۔ پرنگلی انداز میں بال چہرے پر سجے ہوئے تھے، ٹھوڑی میں انتہائی گہرا گڑھا تھا۔ آنکھوں سے بے حد سفاک نظر آتا تھا، اس نے ٹھوڑی دیر کے بعد کہا۔

”بس یوں سمجھ لو کہ تمہیں اس شخص کو ختم کرنا ہے اور اس کے تمام منصوبوں کو بھی۔ گرینی لینڈ میں صرف ایک شخص تمہارا ساتھ دے گا۔ یہ ہمارا اپنا آدمی ہے اور اس کا نام ٹونی مارشل ہے۔ میں تمہیں اس سلسلے میں بھی تمام تفصیل بتا دوں گا۔ تم لوگ کوڈ کے ذریعے ایک دوسرے سے متعارف ہو گے مثلاً دوں سے کے گا کہ نیشنل گیلری کا کالا کبوتر تیار ہو گیا ہے۔ تو تم اسے جواب دو گی کہ سفید کبوتر اونچی پرواز کر رہا ہے۔ یہ تمہارا شناختی کوڈ ہوگا۔ میں نے اسے اس بارے میں اطلاع دے دی ہے۔ تمہارے کاغذات پاسپورٹ وغیرہ سب کچھ تیار ہے۔ بس دیکھو جو کچھ میں نے کہا ہے اس کے لئے تمہیں ہوشیار رہنا ہوگا۔“

مجھ کو کہ وہ لوگ تمہاری آمد سے باخبر بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ انہیں ٹھوڑی سی ہتک مل گئی ہے کہ کوئی ادارہ ان کے مقصد کو ناکام بنانا چاہتا ہے۔“

”ایک بات بتائیے انکل!“ میں نے اس کی طویل گفتگو کے درمیان مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں پوچھو۔“

”ایک سال کی بات میں نے تسلیم کر لی ہے۔ بے شک آپ وہی کیجئے جو ہمارے معاہدے میں شامل ہیں لیکن اگر میرے ماں اور باپ مل گئے تو کیا آپ مجھے اس کی اطلاع دیں گے۔“ عظمت جلال ٹھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”دیکھو بے بی! برا مت ماننا۔ یہ میرے تجربے کے حوالے سے کاروباری اصول کے خلاف بات ہے کیونکہ جس دن میں نے تمہیں یہ اطلاع دے دی کہ تمہارے ماں باپ اور بہنیں میری تحویل میں ہیں اور بی عزت اور آرام سے زندگی بسر کر رہی ہیں، اسی دن سے تمہارا ذہن تقسیم ہو جائے گا اور تم اس گنہگار کام نہیں کر سکو گی۔ ایسا ہونا فطرت کے عین مطابق ہے، جس مقصد کے لئے انسان اپنی زندگی وقف کر دے وہ پورا ہو جائے تو پھر باقی چیزوں سے دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا؟“

”ٹھیک ہے انکل! آپ کا مطلب یہ ہے کہ اس موضوع پر میری آپ سے گفتگو ایک سال کے بعد

”ہاں، میں یہی چاہتا ہوں۔“

”حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ میرے لئے یہ کتنا مشکل مرحلہ ہے لیکن بہر حال اگر اسی میں آپ کی ٹوٹی پوشیدہ ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

”نہیں بیٹے! خوشی کی بات نہیں ہے۔ بات صرف یہی ہے کہ میری بھی زندگی داؤ پر لگی ہوگی اور میں آپ بہت بڑا بھروسہ کروں گا۔“

”ٹھیک ہے تو میں گرینی لینڈ کب روانہ ہو رہی ہوں؟“

”میرا خیال ہے، اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر کسی بھی وقت، تمہیں ذہنی طور پر خود کو تیار رکھنا ہائے۔“

میں واقعی ذہنی طور پر خود کو اس مسئلے پر تیار کرنے میں مصروف ہو گئی۔ شام کے ساڑھے پانچ بجے وہاں گئے کہ عظمت جلال میرے پاس پہنچ گیا اس نے کہا۔

”بے بی! تیار ہو تم؟“

”جی انکل! میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔“

”پانچ منٹ کے اندر اندر اپنے چند جوڑے کپڑوں کے ساتھ روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر ایئر پورٹ جاؤں گا۔“ میں نے پورے اعتماد کے ساتھ اس بات پر گردن ہلا دی تھی۔

☆=====☆=====☆

اس دلچسپ ترین کہانی کے بقیہ واقعات تیسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں

لاوا



کار میں ایئر پورٹ جاتے ہوئے عظمت جلال نے مجھے تمام ضروری امور سمجھا دیئے۔ پہلے بھی کچھ باتیں مجھے بتا چکا تھا۔ بہر حال ہم ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ اس کے بعد ایک طیارہ مجھے لے کر گرینی لینڈ کی جانب روانہ ہو گیا۔ کبھی تصور میں بھی اس ملک کا سفر نہیں کیا تھا، کارگس ایئر پورٹ بے مثال تھا۔ دنیا کے جدید ترین ملک کا جدید ترین ایئر پورٹ۔ میں نے پورے اعتماد کے ساتھ ایئر پورٹ کے قوانین سے فراغت حاصل کی اور اس کے بعد ایک ٹیکسی مجھے لے کر ہوٹل الفاٹن چل پڑی اور ہوٹل پہنچنے کے بعد میں اپنے کمرے میں منتقل ہو گئی۔ یہ سفر اور اس دوران کا طویل عرصہ خاصا خوشگوار رہا تھا۔ میں نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو ان تمام کاموں کے لئے تیار کر لیا تھا اور میرے دل و دماغ پر ذرہ برابر کوئی گھبراہٹ نہیں تھی۔ ہوٹل کے کمرے میں اپنی مصروفیات میں مصروف رہی اور پھر مقررہ وقت پر نیچے اتر آئی۔ تھوڑا سا گھوم پھر کر میں نے ہوٹل کو دیکھا پھر باقی کام شام کے لئے چھوڑ دیا۔ رات کو ساڑھے سات بجے میں ہوٹل کے دائیں جانب پہنچ گئی تھی۔ منصوبے کے مطابق ٹونی مارشل سے مجھے اسی ہوٹل کے ڈائمنگ ہال میں ملنا تھا۔ میری نگاہیں چاروں طرف جھکنے لگیں۔ ویٹر میرے پاس آکر کھڑا ہو گا۔

”میڈم پلیز کچھ چاہئے۔“

”نہیں۔“ میں نے جواب دیا اور منصوبے کے مطابق بال روم جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ مجھے بال روم میں ہی ٹونی مارشل سے ملاقات کرنی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں بال روم میں داخل ہو گئی۔ سارے کام نہایت اطمینان سے کرتے تھے۔ براہ راست کسی سے مل بیٹھنا کسی کے لئے بھی حیرانی کا باعث ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مجھے مختلف مرحلوں سے گزر کر اس تک پہنچنا تھا۔ بال روم میں داخل ہوئی تو وہاں کے فرش پر پاؤڈر چھڑکا جا رہا تھا اور جوڑے رقص کی تیاریاں کرنے میں مصروف تھے۔ دفعتاً ہی دائیں جانب سے ایک دروازہ قائم آدمی میری جانب پہنچا اور مسکرا کر بولا۔

”ہیلو لگتا ہے گیلری کا کالا کبوتر تیار ہو گیا ہے۔“ میں نے چونک کر اسے دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

”سفید کبوتر اونچی پرواز کر رہا ہے۔“

”میرا نام ٹونی مارشل ہے اور آپ کا نام شاہ نور!“ اس نے خود ہی کہا۔

”ہاں۔“

”تو پھر آئیے۔ مطلع صاف ہے، کوئی ہماری جانب متوجہ نہیں۔ آئیے پلیز۔“ اس نے مؤدب لہجے میں کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ میں نے اس کی نگاہوں پر غور کیا تھا۔ ایک نگاہ میں اس نے میرا سر سے پاؤں تک جائزہ لے لیا تھا۔ ایسے لوگ انتہائی چالاک اور ذہین ہوتے ہیں۔ بھرے بھرے بدن کا یہ

نوجوان کم از کم یورپین نہیں تھا۔ میرا مطلب ہے، اس کا تعلق گرینی لینڈ سے نہیں تھا اور اس کی آنکھیں کالی اور خوبصورت تھیں۔ اسی طرح سے چہرے کا رنگ بھی پوری طرح سفید نہیں تھا۔ گو اس کے بولنے کے انداز میں ایشیا کا رنگ نمایاں نہیں تھا لیکن نہ جانے کیوں اس کے نقوش ایشیائی محسوس ہوتے تھے۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے ایک دوسرے میں کھو گئے تھے۔ میز پر بیٹھ کر میں نے اس پر غور کیا تو مجھے حیرت ہوئی کہ یہ چھوٹی سی عمر کا نوجوان شخص آخر کیا اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا چہرہ بہت ہی معصوم معصوم سا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ آنکھوں کے راستے دل میں اترنے کی طاقت رکھتا ہے۔ بہر حال ہم دونوں یقینی طور پر ایک دوسرے کے بارے میں ہی سوچ رہے تھے۔ اس نے کہا۔

”میرا خیال ہے، ایک ایک کپ کافی پی لی جائے۔ اس کے بعد ہم یہاں سے اٹھیں گے۔“ میں نے آدھا گلاس کا نظارہ کیا تو اس نے ویٹر کو بلا کر کافی طلب کر لی پھر مسکرا کر بولا۔

”میں سچ بتا رہا ہوں آپ کو۔ اصل میں ہمیں گفتگو کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی موضوع تو چاہئے ہوتا ہے نا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ آپ خشک چہرے والی سخت اور پتھریلی آنکھوں کی مالک تقریباً بیستالیس سالہ خاتون ہوں گی کیونکہ آپ کے بارے میں جو تفصیلات مجھے بتائی گئی ہیں وہ بڑی سنسنی خیز ہیں لیکن آپ کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ آپ یقینی طور پر غیر معمولی شخصیت کی مالک ہیں لیکن نسوانی طور پر نہیں۔“

”آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟“ میں نے سرو لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ یہ بیوقوف آدمی اپنی اوقات کو بھول کر ضرورت سے آگے کی باتیں کرے۔ وہ کہنے لگا۔

”اچین سے ہے میرا تعلق۔“

”گڈ“ میرا بھی یہی خیال تھا۔ بہر حال ہم دونوں کو ایک دوسرے کی شخصیت پر غور نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ہمارا کام کچھ اور ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا اور اس کے بعد کافی آگئی۔ وہ مجھ سے کہنے لگا۔

”ہماری قلمی دوستی یہاں تک پہنچ جائے گی، اس بات کے بارے میں میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ جب میں نے آپ کو پہلا خط لکھا تھا تو میرے ذہن میں آپ کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ اصل میں قلمی دوست اگر ملنے کی بہت کر سکتے ہوں تو انہیں ایک دوسرے کی تصویر نہیں مانگنی چاہئے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟“ میں نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا تو اس نے جلدی سے پین نکال کر سگریٹ کے پیکٹ پر لکھا۔

”نہیں، ہمیں کوئی غیر محتاط گفتگو کرنی چاہئے۔“ پھر ہم نے جلدی جلدی کافی ختم کی اور وہ کہنے لگا۔

”کیا آپ ماحول میں عجیب سی ٹھنکن محسوس کر رہیں مس شاہ نور۔“

”ہاں لگ تو رہی ہے۔“

”تو پھر آئیے، چلتے ہیں یہاں سے۔“ اس نے کہا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہوٹل سے پچاس یا ساٹھ گز دور جا کر اس نے کہا۔

”وہاں میز پر بائیکو فون لگے ہوئے تھے۔“

”کیا واقعی؟“

”ہاں۔“ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھا سکتا ہوں جہاں ہال کی آوازیں شپ کی جاری ہیں۔“

”آؤ دیکھتے ہیں۔“ میں نے کہا اور وہ بڑے اعتماد کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

وہ مجھے مختلف گلیوں میں گھماتا پھرتا ہوٹل کے عقبی حصے میں لے گیا۔ وہاں ایک احاطہ سا بنا ہوا تھا۔ جس کا پچانگ بند تو نہیں تھا، لیکن بظاہر یہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ بند ہے۔ مارشل نے اس کے نزدیک پہنچ کر دھکا دیا تو وہ کھل گیا اور ہم دونوں بے دھڑک اندر داخل ہو گئے۔ میں پیچھے تھی اور وہ آگے۔ اول تو یہ کہ میں راستے سے ناواقف تھی۔ دوئم یہ کہ میں اس کی صلاحیتوں کو بھی پرکھنا چاہتی تھی۔ دیکھنا چاہتی تھی کہ کسی اچانک صورت حال پر اس کا کیا رد عمل ہوتا ہے۔ پچانگ سے تھوڑے فاصلے پر ایک شیڈ بنا ہوا تھا اور اس تاریک شیڈ میں ایک مسلح محافظ کھڑا ہوا تھا۔ یہ شاید ہماری خوش قسمتی تھی کہ وہ ہماری طرف پشت کئے کھڑا تھا۔

مارشل آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھا۔ اس نے انگلی کھڑی کر کے مجھے وہیں رکنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ محافظ کے قریب پہنچ کر اس نے اس کی پشت پر ایک زور دار لٹ ریسڈ کی اور محافظ کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔ وہ کئی فٹ دور جاگرا تھا۔ پھر وہ سنبھل کر پلٹنا ہی چاہتا تھا کہ مارشل اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنے جوتے کی ایڑی اس کے سر پر ماری تو ترائخ کی آواز سنائی دی اور محافظ ساکت ہو گیا۔ پتہ نہیں وہ بے ہوش ہوا تھا یا پھر زندگی اس سے روٹھ گئی تھی۔ ایک معمولی سی بات معلوم کرنے کے لئے ایک آدمی کی زندگی لینا کسی عام آدمی کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔ محافظ نے دو چار بار ہاتھ پاؤں پٹخے اور اس کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔ میں آہستہ سے اس کے قریب پہنچی اور پھر میں نے کہا۔

”مر گیا؟“ اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور مدھم لہجے میں بولا۔

”نہیں، بے ہوش ہے۔“

”تمہیں یقین ہے؟“

”ہاں! پلیز آئیے۔“ اس نے کہا اور ہم لوگ آگے بڑھ گئے۔ احاطہ عبور کرنے کے بعد ہم ایک صحن میں پہنچے اور وہاں سے ایک راہداری میں داخل ہو گئے۔ مارشل نے ایک بند دروازے کے قریب جا کر اس کا ہینڈل جھمایا اور دروازہ ہلکی سی کلک کے ساتھ کھل گیا۔ اندر پہنچ کر اس نے مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے ایک دم محسوس کیا کہ ہم الفائن کے ڈائمنگ ہال کے عقب میں ہیں۔ وہ کمرہ ایک اور کمرے تک لے جاتا تھا۔ دوسرے آہنی دروازے کو کھول کر ہم پھر ایک راہداری میں گئے۔ اس کے اختتام پر دو کمرے تھے۔ ایک کا دروازہ کھولنے پر محسوس ہوا کہ وہ شاید آفس کے طور پر استعمال ہوتا ہوگا۔ چونکہ اس میں فائلوں کے کینٹ بنے ہوئے تھے اور میزوں پر کانڈوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ دوسرے کمرے کا دروازہ کھولنے پر ایک اور حیرت ناک منظر دکھائی دیا۔ اس کی ایک دیوار پر فرش سے چھت تک ہلکے بڑا سا آئینہ نصب تھا اور اس میں ہال روم اور ڈائمنگ ہال کا سارا منظر واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ ہال میں ہلکی روشنی تھی لیکن آئینے پر تیز روشنی تھی۔ میں نے دلچسپی سے یہ تمام چیزیں دیکھیں اور مارشل کی آواز

ابھری۔

انتہائی دلچسپ ہیں اور میں، میں تو صرف اپنے ماں باپ ہی کے چکر میں پڑی ہوئی ہوں مجھے ان کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم، جب کہ یہ اتنے بڑے بڑے منصوبوں کے بارے میں جانتا ہے۔ بہر حال میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس وقت ان کمائیوں میں پڑنے کا بالکل موقع نہیں تھا۔

”اس جگہ کے بارے میں کسے کے معلوم ہے؟“ وہ پھر مسکرا دیا پھر بولا۔

”بھلا میں یہ کیسے جان سکتا ہوں؟“ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اس کمرے کے اندر بنی ہوئی درازوں کو کھول کر جھانکنے لگی۔ ان میں مختلف تصاویر تھیں اور عجیب و غریب طریقے سے ان کو نمبر ڈال کر رکھا گیا تھا۔ میں نے کہا۔

”یہ تو واقعی بڑی پراسرار اور سنسنی خیز جگہ ہے لیکن یہاں کسی کی ناموجودگی بھی حیران کن ہے۔“

”یہ سب کچھ آٹومیک ہے۔ میں نے اس بارے میں معلوم کر لیا تھا ورنہ میں یہاں تک آنے کی ہمت نہ کرتا۔ ویسے اگر ہم کسی کو دھوکا دینا چاہیں تو اس ہال میں بیٹھ کر ایسی باتیں کر سکتے ہیں جو ہمارے منصوبوں کے بالکل اپوزٹ ہوں۔ اس سے ہمیں فائدہ ہوگا کہ اگر کسی نے یہاں سے ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو اسے غلط سلاط باتیں پتا چلیں گی۔“

”تب تو میں یہ سمجھتی ہوں کہ ہمیں ڈائننگ ہال میں ضرور بیٹھنا چاہئے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کچھ نگاہیں ہمارے تعاقب میں ہوں اور ہمارے بارے میں جانتا چاہیں۔“

”ہاں اس بات کے امکانات ہیں۔“ اس نے کہا اور پھر ایک دم اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے ایک طرف گھسیٹ لیا۔ یہ جگہ دروازے کا عقبی حصہ تھا۔ میرے حواس کا۔ نے بھی اندازہ لگایا کہ باہر کچھ آہٹ ہوئی ہے۔ دروازے میں چابی گھومی، ہلکی سی کلک ہوئی اور مارشل پشت کر کے کمرے کے وسط میں کھڑا ہو گیا پھر دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ ایک لمحے کے لئے تو وہ رکا تھا لیکن پھر وہ ایک دم غلط ہو گیا اور دبے قدموں مارشل کی جانب بڑھا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ انہیں دیکھنے لگی اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی کہ مارشل کیا کرنا چاہتا ہے پھر جیسے ہی وہ شخص اس کے قریب پہنچا، مارشل داسٹے پاؤں پر تیزی سے گھوما اور بائیں ایزی شدت کے ساتھ اس آدمی کی پسیلوں سے ٹکرائی۔ میں نے واضح انداز میں اس آدمی کی پسیلوں کے ٹوٹنے کی آوازیں سنی تھیں۔ وہ کمرے جج کے ساتھ فرش پر ڈھیر ہو گیا لیکن یہ دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی تھی کہ یہ وہی دیر تھا جو تھوڑی دیر پہلے ہمیں سرو کر رہا تھا۔ مارشل نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے، اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے چونکہ بات اس حد سے آگے بڑھ گئی ہے۔ آجائو پلیز۔“ اس نے کہا اور ہم دونوں اس دروازے سے باہر نکل آئے۔ مارشل نے مجھ سے کہا۔

”میرا خیال ہے، ہمیں ابھی ہوٹل میں نہیں جانا چاہئے۔ ہم صورت حال کا جائزہ لیں گے اگر ضرورت پیش آئی تو آپ کو کسی دوسرے ہوٹل میں منتقل کر دیا جائے گا۔ ورنہ اور بھی بہت سی ایسی جگہیں ہیں جہاں آپ کے قیام کا بندوبست کیا جاسکتا ہے۔“ پھر اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولا۔

”ویسے بھی آپ ایک اچھی اور حسین مہمان ہیں۔“ میں نے اس کا جملہ خاموشی سے برداشت کیا۔

”اس آئینے پر انفراریڈ کی تہ چڑھی ہوئی ہے۔ اس لئے یہ ڈائننگ ہال کی طرف سے دیوار کی طرح لگتا ہے۔“

”گڈ۔“ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ آئینے کے اوپری حصے میں درازیں بنی ہوئی تھیں۔ جن سے سولہ ملی میٹر کی فلمیں لٹک کر نیچے صاف شفاف پیالوں میں گواہیوں کی صورت میں پڑی ہوئی تھیں۔ مارشل نے کہا۔

”اس آئینے کی مدد سے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی تصویریں بنائی جاتی ہیں اور مائیکروفون کے ذریعے آوازیں ٹیپ کر لی جاتی ہیں۔“ اس میں کوئی شک نہیں کہ مارشل کے اس انکشاف نے مجھے حیران کر دیا تھا۔ پھر میں نے اس کہا۔

”لیکن یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ کیا ایسی کوئی خاص بات ہے جو وہاں آنے والوں پر اس انداز میں نگاہ رکھی جاتی ہے؟ میں کہتا یہ چاہتی ہوں کہ عام ہوٹلوں میں تو ایسا نہیں ہوتا۔“

جواب میں مارشل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا۔

”سوری میڈم! اصل میں بات یہ ہے کہ یہاں بڑے بڑے آرپ پتی آتے ہیں اور اس قسم کی اوجھی حرکتیں کرتے ہیں جن کے بارے میں آپ سے کہنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ بہر حال ان کی فلمیں اتاری جاتی ہیں اور بعد میں انہیں بلیک میل کیا جاتا ہے۔“ میں نے ایک بار پھر حیران نگاہوں سے مارشل کو دیکھا اور بولی۔

”مگر تمہیں اس جگہ کا علم کیسے ہوا؟“

”آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میرے پاس اور کوئی کام نہیں ہے۔ میں ہمیشہ ایسی پراسرار چیزوں کی تاک میں رہتا ہوں جو انوکھی اور اجنبی ہوں۔ اتفاق سے ایک دن میں نے ایک آدمی کو سپاٹ دیوار میں سے نکلنے دیکھ لیا تھا۔ اس وقت سے میں کھوج میں تھا کہ میں اس کا سراغ لگاؤں۔ میں نے اسے کوئی عجیب ہستی سمجھنے کے بجائے یہ سوچا کہ اس کے پس منظر میں کچھ ہے اور آخر کار میری کوشش کارگر ہو گئی۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ کچھ عرصے سے یہاں بڑی انوکھی وارداتیں ہو رہی ہیں۔ اور وارداتوں کے بارے میں یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جن جگہوں پر وارداتیں کی جاتی ہیں، وہاں کے بارے میں بڑی زبردست ریسرچ کی جاتی ہے اور واردات کرنے والوں کو سب کچھ معلوم ہوتا ہے کیونکہ تمام وارداتیں نگاہوں میں آئے بغیر کامیابی سے ہوتی ہیں۔ آخر ان کی وجہ کیا ہے۔ بلکہ یہ صرف میں نے اپنی ذات کے لئے کیا، جب کہ میرا پورا یقین ہے کہ الفاٹن میں مذمت کا کاروبار ہوتا ہے یعنی یہ کہ یہاں ہر طرح کے منصوبے ریکارڈ کئے جاتے ہیں اور پھر انہیں جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا جاتا ہے۔“

میں پکڑائے ہوئے ذہن کے ساتھ مارشل کے الفاظ سن رہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ پتہ نہیں کیوں یہ پر ان لوگوں نے اس طرح بھروسہ کر لیا تھا، جب کہ میں تو یہ سمجھتی تھی کہ دنیا کے بارے میں میری معلومات صفر ہیں۔ یہ نوجوان کس قدر عجیب و غریب ذہنی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اس کے اپنے مشاغل

تب تو واقعی آپ قابل مبارکباد ہیں۔ چونکہ میں فری لانسر سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایک اخباری صحافی اس طرح زندگی گزار سکتا ہے۔ جب کہ ایذا کے بارے میں تو یہ سنا ہے کہ لکھنے سے تعلق رکھنے والے وہاں سربز قاتلہ شخصی سے مرتے ہیں۔“

”گرین لینڈ کی اور خاص طور سے کارگاس کی راتیں بہت حسین ہوتی ہیں۔ اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو ساحل کا وہ ہوٹل دکھاؤں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سمندر کی دنیا اس میں بند کر دی گئی ہے۔“

”آپ تھکی ہوئی تو نہیں ہیں۔“

”تو آئیے پھر باہر نکلتے ہیں۔“ اس نے مجھے پیش کش کی اور میں اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ کم از کم ہم نے ان لوگوں کو مطمئن کر دیا تھا جنہیں یہ تشویش ہوگی کہ ہوٹل الفائن میں قیام کرنے والی یہ اجنبی لڑکی کون ہے۔ ٹونی مارشل مجھے لے کر چل پڑا اور اس کے بعد ہم نے اچھا خاصا فاصلہ طے کیا۔ اس دوران میں اس خوبصورت شہر کا زنگس کے مختلف حصے دیکھتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ ساحل کا وہ ہوٹل آگیا۔ جسے سمندر بنانے کی کوشش کی گئی تھی اور بلاشبہ یہ اپنی طرز کا انوکھا ہی ہوٹل تھا۔ ہم یہاں ایک میز پر جا بیٹھے تو ٹونی مارشل نے کہا۔

”ہاں بالکل لیکن اب یہ بتاؤ کہ جس کام کے لئے میں یہاں آئی ہوں، اس سلسلے میں کارروائی کا آغاز کہاں سے کریں گے۔ مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ اس سلسلے میں تم میری بھورہ مدد کرو گے۔“

”آؤ“ واپس ہوئیں چلتے ہیں۔“

”میرے لئے خاص طور سے اسی ہوٹل کا انتخاب کیوں کیا گیا؟“

”میری فرمائش پر۔“ اس نے جواب دیا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”مطلب؟“

”دونوں کام کرنا چاہتا تھا‘ ایک چھوٹا سا تجربہ بھی۔“

”وہ کیا؟“

”اس ہوٹل کے بارے میں جب مجھے یہ تمام معلومات حاصل ہوئیں تو میں نے سوچا کہ ذرا سی کچھ اور معلومات حاصل کی جائیں۔ مثلاً یہ کہ یہاں آنے والے ہر شخص پر نگاہ رکھی جاتی ہے یا پھر اس کے لئے کہیں سے کوئی نشاندہی ہوتی ہے۔“

”کیا پتہ چلا؟“

”یہی..... کہ یہ ان لوگوں کا کاروبار ہے۔ وہ ہر نئے مہمان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں جو اس ہوٹل میں آکر قیام کرے۔ میں آپ کو بتاؤں۔ آپ کا کمرہ بھی محدود ہوگا اور وہاں لازمی طور پر آپ کی نقل و حرکت کا اندازہ ہو جائے گا۔“

”تب پھر ہماری گفتگو کے لئے وہ جگہ بالکل ناموزوں ہے۔“

”ہاں لیکن اس سے زیادہ یہ ضروری ہے کہ ہم انہیں غلط راستے پر لگا دیں تاکہ وہ بھٹک جائیں۔“

میں کچھ دیر سوچتی رہی پھر میں نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”ٹھیک ہے، آؤ چلتے ہیں لیکن اس کے بعد ہم کچھ دیر کے لئے باہر نکلیں گے۔“

”دن اور رات ہمارے ہیں، ہمیں کوئی پابندی نہیں ہے۔“ کچھ دیر کے بعد ہم اپنے ہونٹ کے کمرے میں پہنچ گئے۔ مارشل نے اندر داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”آپ کی بدولت ہوٹل تک آنا نصیب ہو گیا۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں میڈم! ہوٹل الفاؤن در حقیقت کروڑ پتی لوگوں کے لئے موزوں ہے۔ ایک صفائی کیا اس کے اخراجات کا بوجھ اٹھائے گا۔“

”میرا اخبار ایشیا کا سب سے بڑا اخبار ہے اور مسٹر! شاید آپ کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ ہم لوگ ایک سالانہ بجٹ کے تحت اپنے صحافیوں کو دنیا کے گوشے گوشے میں بھیجتے ہیں اور انہیں ہر طرح کی اعلیٰ

ت کے لئے تیار ہو گئی تھی۔

ٹونی مارشل خود بھی ایک ذہین انسان معلوم ہوتا تھا۔ اب تک اس نے بڑے اخلاق اور شرافت کے ساتھ مجھ سے ڈیل کی تھی لیکن شاید تجربات مجھے اور بھی بہت ساموچ دے رہے تھے۔ خاص طور سے ماٹوں کو سمجھنے کا پہلی نظر میں۔ یہ لڑکایا نوجوان مجھے ایک ’موصوم سی شخصیت محسوس ہوا تھا جس کے بارے میں سوچا تھا کہ یہ نرم و نازک سا وجود عجیب و غریب کاموں میں پڑ گیا ہے لیکن اب تک اس نے میرے ساتھ مل کر جو کام دکھائے تھے۔ وہ اس بات کا اظہار کر رہے تھے کہ وہ جو کچھ بھی ہے اور جیسا بھی ہے کم کم اپنے معاملات میں ایکسپٹ ہے اور اس کے اندر برق رفتاری ہے ایک لمحے میں فیصلہ کر لیتا ہے۔ ڈی ل کے مکان پر کچھ مشکوک افراد کو دیکھ کر اس نے کار کچھ اس طرح آگے بڑھا دی تھی۔ جیسے یہاں آیا ہی ہو۔ پھر کافی دور جانے کے بعد اچانک اس نے کار ڈھلان میں موڑ دی۔ چھوٹے موٹے مکانات کے میان ایک خالی پلاٹ تھا جس میں کھدائی ہو رہی تھی۔ یہ فیصلہ کر لینا کہ اس ڈھلان پر کار اتار دی جائے۔ مشکل کام تھا اور خاص طور سے ایسے نیم تاریک ماحول میں کار کو نقصان پہنچ سکتا تھا یا یہ بھی ہو سکتا تھا۔ نیچے پانی وغیرہ بھرا ہو۔ میرے منہ سے تو ایک ہلکی سی آواز نکل گئی تھی لیکن ٹونی مارشل نے کار کا انجن کر دیا پھر دم لے لے میں بولا۔

”سوری میڈم! ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کون لوگ ہیں اور ان کی تعداد کتنی ہے۔ کار کو ان کی نگاہوں سے نہیں آنا چاہئے تھا۔ اس لئے میں نے اسے یہاں بھوک دیا ہے۔“

”لیکن کیا تمہیں پہلے سے اس پلاٹ کے بارے میں معلوم تھا؟“

”ضروری نہیں ہے۔ مجھے پہلے سے اس کے بارے میں نہیں معلوم تھا بس اس کی ایک جھلک نظر لی اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ کار یہاں اتاری جاسکتی ہے۔“

”اسے واپس اوپر لے جانے میں کہیں کوئی دقت تو نہیں ہوگی؟“

”بالکل نہیں۔ کیونکہ ڈھلان ناقابل عبور نہیں ہیں۔“

”تب یہی کہا جاسکتا ہے کہ تم ایک ماہر ڈرائیور ہو۔“

”شکریہ۔“ ٹونی مارشل نے عجیب سے لہجے میں کہا اور پھر ہم دونوں کار سے اتر کر وہ ڈھلان طے کرنے لگے۔ مارشل نے۔

”اس طرف آجائیے۔ ڈی ہیرل کے مکان کے بٹلی حصے میں ایک ایسی جگہ موجود ہیں جہاں سے ہم دروازے سے اندر جاسکتے ہیں۔“

”ضرور تمہیں اس علاقے کے بارے بہت اچھی طرح معلومات ہیں۔“ میں نے کہا۔

”اس علاقے کے بارے میں معلومات حاصل ہوں یا نہ ہوں لیکن ڈی ہیرل کے مکان کے بارے میں اور معلومات ہیں کیونکہ میرے اور اس کے درمیان اکثر رابطے رہے ہیں۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ وہ ایک ڈرگز ایجنٹ ہے۔ ذاتی طور پر جو لوگ دنیا کے دوسرے ممالک سے کسی نہ کسی طرح ڈرگز لے لے تے ہیں اور وہ صرف ان کی ذاتی کوشش ہوتی ہے۔ ان کے لئے ڈی ہیرل سے بڑا رہنما اور کوئی نہیں

”ہاں! میڈم! کچھ نام ایسے ہیں جنہیں آپ کے سامنے دہرایا جاسکتا ہے۔ مثلاً اس سلسلے میں جو ہمارے کام آسکتا ہے، اس کا نام ڈی ہیرل ہے۔ ڈی ہیرل یہاں منشیات کا ایجنٹ ہے۔ آپ کو پتہ ہے پرنس بیگیج میں کچھ لوگ مال لے آتے ہیں اگر ڈی ہیرل کے بارے میں علم ہوتا ہے تو آپ یہ سمجھ سکتے انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ وہ اس سے رجوع کرتے ہیں اور مناسب کمیشن پر اپنا کام کر لیتے ہیں۔ جو بارے میں نہیں جانتے، ان میں سے فکٹی پرنس تو پولیس کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ تھری پرنسٹ ان چور کے ہاتھ لگ جاتے ہیں جو اس طرح سے آنے والوں دھمکیاں وغیرہ دے کر ان سے ان کا مال چھین لیتے اور انہیں تھوڑے بہت پیسے دے کر واپسی کے لئے کہہ دیتے ہیں۔ باقی بیس پرنسٹ ایسے ہوتے ہیں جو نہ کے دھنی ہوتے ہیں اور تھوڑی بہت رقم لے کر یہاں سے چلے جاتے ہیں لیکن اگر ڈی ہیرل سے رابطہ ہو جائے تو آپ یہ سمجھ سکتے کہ پھر آسانی حاصل ہو جاتی ہے اور ان کا مال فروخت ہو جاتا ہے۔ میرا ذہن ہے، ہمیں سب سے پہلے ڈی ہیرل سے رابطہ قائم کرنا چاہئے۔ آپ کو یقینی طور پر ہدایت دے کر بھیجا گیا کہ ہمیں ان اڈوں کو نہ بننے دینے کے لئے اور منشیات کے ان ذخیروں کو تباہ کرنے کے لئے کیا کیا کام ہوگا۔ یہ فیصلہ آپ پر چھوڑا جاتا ہے لیکن میرا خیال ہے، آپ ڈی ہیرل سے ملاقات کر لیجئے۔“

”کب؟“

”دن میں کسی بھی وقت، میں اس کے مکان کے بارے میں جانتا ہوں۔“

”تو پھر اسی وقت کیوں نہیں؟“

”آہ! کیا آپ رات کو سونے کی عادی نہیں ہیں۔“

”ہاں! اگر کوئی کام میرے سپرد ہو تو پھر میں واقعی سونا پسند نہیں کرتی۔“

”اوکے میڈم! بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ اس نے ما اور اس کے بعد ہم وہاں سے بھی۔

کے لئے تیار ہو گئے۔ نہ جانے کون سا جنون میرے ذہن میں پل رہا تھا۔ نہ جانے کون سی جس کام کر تھی۔ تھکن کا نام و نشان نہیں تھا اور میں مصروف عمل رہنا چاہتی تھی۔ چنانچہ ہم لوگ چلتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد ہماری کار ایک جنگل کے سامنے پہنچی لیکن مارشل نے وہاں کار نہیں روکی تھی بلکہ اہلکی سی رفتار سے آگے لئے چلا گیا، چونکہ ہم نے وہاں چند لوگوں کو دیکھا تھا، جنہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہو تھا کہ وہ اس جنگل کی نگرانی کر رہے ہیں۔ مارشل نے کار بالکل نہیں روکی اور اسے آگے بڑھاتا رہا تو میں اس سے پوچھا۔

”کیا بات ہے؟“

”میڈم! ذرا تعجب سا ہو رہا ہے۔ یہ بات تو آپ نے بھی محسوس کر لی ہوگی کہ یہ لوگ اس جنگل کی نگرانی کر رہے ہیں لیکن کیوں؟ ڈی ہیرل کے جنگل کی نگرانی کا جواز میری سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ کیا کہتے ہیں۔ ان حالات میں آپ اس سے لڑنا پسند کریں گے؟“

”نہیں جب یہاں تک آئے ہیں تو جس ضرورت سے نہیں اندازنا چاہئے۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا اور اچانک ہی کار کا رخ واپس کر دیا۔ میں آہستہ سے والے سنسنی

کی پسند آئی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ جھپٹے ہوئے انداز میں ہنسنے لگتا اس نے شانے اچکا کر کہا۔
 ”یہ تو معاملہ ہی الٹا ہو گیا۔ ارے باپ رے۔“ ارے باپ رے کے الفاظ اس نے چوڑی کیاری کو
 لہ کر کے تھے۔ میں نے اس پر بھی کچھ نہ کہا۔ میرے پاؤں تو دیوار کے کنارے پر تھے ہی ہوئے تھے اور
 اس پر اکڑوں بیٹھی ہوئی تھی۔ بیس سے میں نے پورے اعتماد کے ساتھ چھلانگ لگائی اور کیاری سے
 بڑا ڈونٹ آگے نیچے گری اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس مہارت سے گری کہ شاید بلی کے قدموں کی
 ناچ پیدا ہو جاتی ہو میرے قدموں کی کوئی چاپ پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ٹوٹی مارشل کو پسینے آنے لگے۔ وہ
 یہ تک کوشش کرتا رہا تھا کہ ہمت کے ساتھ دوسری طرف کود جائے لیکن سات فٹ لمبی چھلانگ لگانی
 رجال ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ تاہم وہ بھی چوہا نہیں تھا اور ایک مستعد آدمی تھا۔ البتہ اس کے پیروں کی خاصی
 ہلک ہوئی تھی اور اس کے دونوں ہاتھ بھی زمین پر آٹکے تھے۔ البتہ وہ ایک لمحے میں سیدھا ہو گیا اور گردن
 کر بولا۔

”آپ کی اس ذرا سی کوشش نے آپ یقین کیجئے مجھے بڑا متاثر کیا ہے۔ خاص طور سے اگر کوئی
 وان اور خوبصورت لڑکی اس قدر پھرتیلی اور مستعد ہو تو بس کمال ہی ہوتا ہے۔“

”آؤ۔ آگے بڑھیں۔“ میں نے سر دھجے میں کہا۔ اصل میں ٹوٹی مارشل کو میں یہ احساس دلانا چاہتی
 تھی کہ وہ صرف کام کی باتیں کرے۔ میرے ساتھ بہت زیادہ گہری دوستی کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اسپین
 رہنے والا یہ شخص پتہ نہیں خواتین کے سلسلے میں کیا حیثیت رکھتا ہو لیکن کم از کم مشرقی لڑکی سے اسے
 اظہار رہنا چاہئے۔ اس نے شانے اچکائے اور پھر ایک طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”وہ عمارت کا گیٹ نظر آ رہا ہے۔ اندر کے حصے میں تو کوئی نظر نہیں آتا۔“ بہر حال ہم آگے بڑھتے
 لے گئے اور آہستہ سے چلتے ہوئے مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ اندر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ہو کا
 ا تھا۔ ہم نے امکان بھرے کوشش کی تھی کہ قدموں کی آہٹ نہ پیدا ہونے پائے چونکہ بہر حال اس بات کا
 علم تھا کہ عمارت کے باہر ہی سہی لیکن لوگ موجود ہیں اور کون جانے کہ اندر بھی کچھ افراد موجود
 ہیں۔ چنانچہ ہم آہستہ آہستہ مختلف راستے طے کرتے ہوئے ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ایک دروازہ باہر کی
 طرف تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے کا ہینڈل دیا تو مجھے محسوس ہوا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں ہے۔
 بے باہر جو چیزیں لگی ہوئی تھیں ان سے یہ پتہ چل گیا تھا کہ یہ باورچی خانہ ہے۔ ہلکی ہلکی کھانے پینے کی
 باہ کی بو بھی پھیلی ہوئی تھی۔ بہر حال ہم باورچی خانے سے اندر داخل ہوئے اور کچھ دیر کے بعد ہمیں ڈی
 مارشل کا بیڈ روم نظر آیا۔ اس کی نشاندہی بھی مارشل ہی نے کی تھی۔ ایک لمحے تک غور کرنے کے بعد ہم
 ڈی ہیرل کے بیڈ روم کے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی اور پھر اندر داخل ہو گئے۔ کمرے میں تیز
 روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں فرش اور صوفے پر خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ کچھ چیزیں
 ہلی پڑی تھیں۔ ایک میز نظر آ رہی تھی لیکن ڈی ہیرل کی لاش کا آس پاس کچھ پتہ نہیں تھا۔ بیڈ روم کا
 نہ بیٹنے کے بعد ٹوٹی مارشل سے میں نے کہا۔

”یقیناً ڈی ہیرل کے ساتھ کوئی سنگین واقعہ پیش آیا ہے۔“ ٹوٹی مارشل کی پیشانی کی رگیں بھی ابھری

ہو سکتا اور پھر سچی بات یہ ہے کہ وہ کاروباری طور پر ابھی تک ایک ایماندار آدمی ثابت ہوا ہے۔ اگر
 اگر کوئی ذاتی طور پر اس سے ڈیل کر لیتا ہے تو دوسروں سے بھی یہ کہتا ہے کہ اگر تقدیر انہیں ڈرگز
 جانے کا موقع دے اور وہ کسی طرح گرینی لینڈ تک پہنچ جائیں تو ڈی ہیرل سے اچھا گائیڈ انہیں کوئی نہیں
 ملے گا۔ ویسے میڈم ڈرگز ریٹک یعنی ایجنٹوں کے سلسلے میں ہمارے پاس ڈی ہیرل ہی واحد آدمی ہے جو صحیح
 پر وہاں کی رہنمائی کر سکتا ہے اور ہم اپنا کام آسانی سے کر سکتے ہیں۔“ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور
 سے بولی۔

”دیکھو کیا ہوتا ہے۔“ ہم دونوں یہ گفتگو کرتے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ راستے طے کر رہے۔
 کار اتنی دور آگئی تھی کہ دوبارہ ڈی ہیرل کے مکان تک پہنچنے کے لئے ہمیں کئی منٹ صرف کرنا پڑے۔
 اس دوران وہ لوگ دوبارہ بھی نظر آئے تھے جو ڈی ہیرل کے مکان کی نگرانی کر رہے تھے۔ مارشل نے
 ہیرل کے مکان کے بغلی حصے میں پہنچتے ہوئے کہا۔

”ویسے ایک بات میں آپ سے عرض کروں۔ نہ جانے کیوں میری چھٹی حس مجھے یہ احساس دلا
 ہے کہ ڈی ہیرل کے ساتھ کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے۔ ورنہ یہ لوگ اس گھر کی نگرانی اس طرح
 کرتے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ آئیے۔“ وہ اچانک ہی ایک دیوار کے ساتھ بیٹھ گیا۔
 ”کیا مطلب؟“

”میرے کاندھوں پر چڑھ کر اس دیوار کو پکڑ لیجئے۔ یقینی طور پر آپ کو دوسری طرف جانے میں
 دقت نہیں ہوگی۔ یا پھر اگر آپ یہاں پر رکتا پسند کریں تو میرا انتظار کیجئے۔ ادھر دور دور تک کوئی خطرہ
 ہے۔“

”تمہارا دماغ خراب ہے۔ میرا وزن جانتے ہو؟“
 ”ابھی تک تو نہیں۔“ وہ کسی قدر شرارت آمیز لہجے میں بولا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس کی بات
 نہوں گی لیکن میں کسی طرح اس کے بدتمیزی کے ان الفاظ کی پذیرائی نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے کوئی جو
 نہیں دیا ایک دم سے میں نے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے۔ تھوڑی سی جھکی اور اس کے بعد اچھل کر دیوار
 چڑھ گئی۔ حالانکہ دیوار خاصی اونچی تھی لیکن وہ میری صلاحیتوں کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ میرا تالا
 وزن ایک لمحے کے اندر اندر دیوار پر پہنچ گیا۔ شکر ہے کہ ہمارے وطن کی طرح دیواروں پر شیشے نہیں لگا
 جاتے تھے۔ ورنہ شاید اتنی مستعدی ممکن نہیں ہوتی۔ میں نے ٹوٹی مارشل کی طرف رخ نہیں کیا بلکہ اندر
 منظر دیکھنے لگی۔ یہ صورت حال بھی ذرا سنگین تھی۔ کوئی سات فٹ چوڑی کیاری تھی۔ جس میں تازہ
 کھاد ڈالی گئی تھی۔ کھاد کی ہلکی ہلکی بو فضا میں پھیلی ہوئی تھی اور کیاری میں اچھی خاصی کھاد کی کچھڑیں
 اب صورت حال یہ تھی کہ ہمیں چھ سات فٹ لمبی کیاری چھلانگ لگا کر عبور کرنی تھی۔ ٹوٹی مارشل بھی
 چار بار اچھل کر آخر کار دیوار تک پہنچ ہی گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ دیوار کے کنارے پکڑے ہوئے تھے
 میں نے اپنے پاؤں دیوار پر بجائے اور ایک ہاتھ سے ٹوٹی مارشل کی کلائی پکڑ لی۔ پھر اس بات پر بھی شاید
 مارشل کی حیرت ہوئی ہوگی کہ میں نے اسے اطمینان سے اٹھا کر دیوار تک پہنچا دیا تھا۔ البتہ ایک بات

ہوئی تھیں اور وہ گہری سوچ میں نظر آ رہا تھا۔ اس نے وہاں رکھی ہوئی الماریوں وغیرہ کا جائزہ لیا اور بعد بولا۔

”اگر اسے کوئی سنگین حادثہ پیش آیا ہے جیسا کہ خون کے ان دھبوں سے پتہ چلتا ہے دوسرے کمروں میں اس کی لاش نظر آنی چاہئے تھی۔“

”آؤ۔ پھر اسے تلاش کریں۔“ میں نے کہا اور پھر ہم ڈی بیرل کے خوبصورت لیکن چھوٹے۔ کی تلاشی لیتے رہے۔ ڈی بیرل کی لاش ہمیں کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ پھر اس کے بعد ہم ایک کمر داخل ہو رہے تھے کہ ہمارے عقب میں ایک آہٹ ابھری۔ میں پھرتی سے مڑی لیکن پھر گہرا سانس رہ گئی۔ وہ ایک دروازہ قامت آدمی تھا جس کے ہاتھ میں اسٹین گن دی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر ہم ساکت رہ گئے۔ باہر کے محاذوں میں سے ہی کوئی معلوم ہوتا تھا۔ پھر اس نے پھنکارتی ہوئی آواز میں ”کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”یہ تو ہم تم سے بھی پوچھ سکتے ہیں۔“

”اور اس کے جواب میں‘ میں تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک کر سکتا ہوں جو ڈی بیرل کے۔“

”چکا ہے۔“

”اوہو۔ نہیں ایسا نہ کرو۔ اگر تم نے ڈی بیرل کے ساتھ کچھ کیا ہے تو یہ تو ہمارے اوپر احسان میں نے کہا اور ایک دم فرش پر لیٹ گئی۔ نیچے لیٹتے ہی میرا بدن فرش پر پھسلا اور میری ٹانگیں اس ٹانگوں پر لگیں۔ یہ ایک خاص قسم کا داؤ تھا جس سے وہ لڑکھڑاکر فرش پر گر پڑا۔ دوسرے لمحے میں ہ طرح پلٹی اور اس کی اسٹین گن میرے قبضے میں آگئی۔ ایک لمحے کے اندر اندر یہ کھیل ہو گیا تھا۔ اس کی ٹال کا رخ اس آدمی کے سر کی طرف کیا اور پھر میرے حلق سے غراہٹ نکلی۔

”اور میں تمہیں اس کا موقع بھی نہیں دوں گی کہ تم مجھ سے کوئی فضول بات کر سکو۔ صرف بارے میں بتاؤ۔ ورنہ میں تمہارے جسم کو چھلنی کر دوں گی۔“

”میرا نام والٹر ہے اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں ڈی بیرل نے لنگال کر دیا ہے اور میں ہم ایسی مصیبت میں پڑے ہوئے ہیں جس سے بچنے کی کوئی ترکیب ہمارے ذہن میں نہیں ہے۔“

بیرل نے ہمارے ساتھ ایک بڑی ڈیل میں بے ایمانی کی۔ ہمیں اس کے ساتھیوں کی تلاش ہے۔ ہم چاہتا چاہتے ہیں کہ ہماری ڈرگز کی وہ کھپ کماں ہے جس کا معاوضہ ڈی بیرل ہمیں دلوانے والا تھا۔ آپ یقین کریں ہم پولیس سے بھی چھپے چھپے پھر رہے ہیں اور اس قدر فلاح ہیں کہ اس وقت ہمارے پاس کا کر ایہ دینے کے لئے بھی پیسے نہیں ہیں۔“

”کہاں سے آئے تھے؟“

”پرنگال سے۔“

”یعنی تم لوگ ڈرگز لے کر آئے تھے کتنے افراد تھے تم؟“

”پانچ اور بڑی پلاننگ کے ساتھ ہم چار کھو بیروئن لے کر آئے تھے۔ یہ سمجھ لیجئے جناب کہ

مستقبل تھا۔ اس شخص کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوئیں تو ہم اس سے ملے اور اس نے ہمارے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ اپنا کمیشن ملے کیا اور اس کے بعد ہم نے ڈرگز اس کے حوالے کر دیں لیکن اس نے معاوضے میں ہمیں ایک پائی بھی نہیں دی اور ہم ابھی اسی انتظار میں تھے کہ یہ ادائیگی کر دے تو ہم منتشر ہو جائیں۔ یہاں سے باہر نکلنے کے لئے ہم نے انتظامات کر رکھے تھے لیکن عین وقت پر پولیس نے ہمارے ہوٹل پر چھاپہ مارا۔ وہ تو ہم نکل گئے ورنہ کتے کی موت مارے جاتے۔ پھر ہمارے دو ساتھیوں نے اسے قتل کر دیا اور ہم بالکل ہی بے دست و پا ہو گئے۔ ہم نے اس کے مکان کی پوری تلاشی لی ہمارے پاس وہ ذرائع نہیں ہیں کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔ اس کم بخت کے مکان سے بھی ہمیں کچھ نہیں ملا۔ ہمارے سربراہ کا خیال تھا کہ اس کے دوسرے ساتھی بھی ہوں گے۔ جو کوئی بھی یہاں آئے اسے گھیر لیا جائے لیکن تم پتہ نہیں تم کہاں سے اس گھر میں داخل ہوئے ہو۔ وہ تو صرف اتفاق تھا کہ میں معمول کے مطابق ایک چکر لگانے کے لئے آیا اور تم مجھے نظر آ گئے۔“ ٹونی مارشل ہنس پڑا تھا پھر اس نے کہا۔

”گویا تمہاری شامت تمہیں یہاں لے آئی۔“

”دیکھو تم جو کوئی بھی ہو ہمارے ساتھ نا انصافی ہوئی ہے۔ تم جس مقصد کے تحت یہاں داخل ہوئے ہو وہ پورا کرلو۔ ہماری مدد کرو۔ ہم تمہیں وہ تمام تفصیلات بتا سکتے ہیں جو ہماری بات کو بچ ثابت کر دیں گی ہم نے اپنی ڈرگز اس شخص کے ذریعے جس ادارے کو دی ہیں وہ زیر کر اس نمبر آٹھ میں رہتے ہیں اور وہیں سے ہماری یہ ڈیل ہوئی ہے۔“

”تو اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“ ٹونی مارشل نے کہا۔

”معلومات کرلو۔ ہماری رقم تم ہمیں دلوا دو۔ ہم بالکل دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ نجانے کب اور کس وقت مشکلات ہمیں گھیر لیں اور ہم یہاں مصیبت کا شکار ہو جائیں۔ ہماری مدد کرو۔“

”میں صرف تمہاری ایک مدد کر سکتا ہوں اور وہ بھی صرف تمہاری۔“ ٹونی مارشل نے کہا۔

”ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے جناب۔ گزری ہوئی باتوں کو بھول جائیے آپ ہماری مدد کیجئے میں خود بھی ٹونی مارشل کا مقصد نہیں سمجھ سکتی تھی۔ ٹونی مارشل نے اپنے بظنی ہو لیسٹر سے ریوالور نکالا جس پر کلے ہی سے سائیکل فرسٹ تھا اور ایک لمحے کے اندر ڈرگز ڈرگز تین آوازوں کے ساتھ سامنے کھڑے ہوئے شخص کے عین سینے میں تین سوراخ ہو گئے۔ اس کے ہاتھ صرف ایک لمحے کے لئے سامنے اٹھے اور اس کے بعد وہ اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔ میں چکا کر رہ گئی تھی۔ ایسی کون سی مشکل تھی کہ ٹونی مارشل نے اسے ہلاک کر دیا۔ مجھے ٹونی مارشل کی یہ حرکت بہت عجیب سی لگی تھی۔ اس کے علاوہ یہ احساس بھی ایک دم ہی ہوا تھا کہ وہ جس قدر نرم اور تھوڑا سا نفیس انسان نظر آتا ہے اتنا ہے نہیں۔ کم از کم ایک نفیس انسان کے اندر تھوڑی سی انسانیت بھی ہوتی ہے۔ یہ انسانیت سے دور کا انسان ثابت ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میرے دل میں یہ خیالات ابھرے لیکن بہر حال اس کا موقع بالکل نہیں تھا کہ میں اس سے اس بارے میں کوئی سوال کروں۔ البتہ مجھے اس کا یہ عمل پسند نہیں آیا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر مجھے دیکھا پھر

بنایا گیا ہے۔ ان پوائنٹس میں آرام کرنے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ بس آپ کچھ لیجئے کہ وہ اسپیس ہے اور وہاں بالکل چاند کا ماحول پیدا کیا گیا ہے۔“

”گند، لیکن یہ شخص جو کہہ رہا تھا اس کا کیا مفہوم ہو سکتا ہے؟“ ٹونی مارشل نے سامنے سے نگاہیں ہٹا کر مجھے دیکھا پھر بولا۔

”میں نہیں بتا سکتا۔“

”خاص طور سے اس لئے کہ فرض کرو کہ اگر وہ مسلسل جھوٹ بھی بول رہا تھا تو اس نے خاص طور سے ہمارے سامنے زیر گراس کا ہی ذکر کیوں کیا؟“

”آپ چاہیں تو میں آپ کو وہاں لے جا سکتا ہوں۔ ویسے بھی بہت اچھی سیرگاہ ہے۔ جو کچھ اسے بنایا گیا ہے اس میں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ اگر اسے دیکھیں گی تو آپ کو بے حد خوشی ہوگی۔“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش ہی رہی۔ کچھ دیر کے بعد ہم الفائن پہنچ گئے اور اس کے بعد ٹونی مارشل مجھے پیچھے ہی چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ میں سیدھی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ الفائن کے بارے میں ٹونی مارشل نے مجھے جو تفصیلات بتائی تھیں۔ انہوں نے مجھے خاصا محتاط کر دیا تھا۔ یہ اندازہ مجھے ہو گیا تھا کہ الفائن بہر حال ایک خطرناک جگہ ہے اور یہاں محتاط نہ رہنے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی خطرہ پیش آ جائے۔ چنانچہ یہاں میں نے اپنے ہر قدم پر احتیاط رکھی تھی۔ رات کو بھی میں باہر نکل آئی۔ خاصی دلچسپ کیفیت تھی یہاں کی اور ماحول میں بڑی دلکشی تھی۔ ٹونی مارشل نے مجھے جو کچھ بتایا تھا اس کے تحت میں وہاں بیٹھے لوگوں کو دیکھنے لگی۔ ان میں سے کوئی کسی ایسے عمل کا شکار ہو جو مجرمانہ حقیقت کا حامل ہو تو اس کی شناخت یقینی ہے اور وہ زندگی بھر اپنے اس عمل پر افسوس کرتا رہے گا جس کا اظہار اس نے الفائن میں

بیٹھ کر کیا۔ کیونکہ اس کے نیچے میں اسے بلیک میل ہونا پڑے گا۔ ویسے گرینی لینڈ میں یہ ایک سنسنی خیز جگہ تھی۔ بہت دیر وہاں گزارنے کے بعد میں واپس اپنے کمرے میں آئی کوئی ایسا عمل نہیں ہوا تھا جو باعث توجہ ہوتا کسی نے خاص طور سے میری جانب توجہ بھی نہیں دی تھی۔ اپنے بستر پر لیٹ کر میں نے بہت سی باتوں پر غور کیا۔ اب اس قدر تجربہ کار تو نہیں تھی کہ ہر شخص کی ذرا سی جنبش پر اس کے بارے میں صحیح اندازے لگا سکتی لیکن نہ جانے کیوں ٹونی مارشل کا کردار میرے ذہن میں ایک چھین سی بن گیا۔ خاص طور سے اس نے جس طرح اس بے گناہ انسان کو شوٹ کر دیا تھا وہ میرے لئے ذرا سنسنی خیز تھا۔ جو لوگ اتنے

سفاک قاتل ہوتے ہیں ان کے اندر اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ حالانکہ مجھے عظمت جلال نے یہ بات بتادی تھی کہ گرینی لینڈ میں میرا واحد مددگار ٹونی مارشل ہو گا اور خیر یہ بات میں بھی جانتی تھی کہ ابھی تک اس نے میرے ساتھ بہترین تعاون کیا تھا اور اپنی حرکات اور سکنات سے وہ انسانی ذہن انسان معلوم ہوتا تھا۔

دوسرے دن میں معمول کے مطابق جاگی، ناشتہ وغیرہ کیا۔ پچھلے دن ٹونی مارشل سے ملاقات کا کوئی خاص ذکر نہیں ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک خیال گردش کرنے لگا۔ ٹونی مارشل بے شک گرینی لینڈ میں میرا مددگار ہے اور کارگاہ میں اس کے علاوہ میں کسی اور کو نہیں جانتی لیکن کیوں نہ اپنے

طور پر بھی کوئی عمل کیا جائے۔ مثلاً زیر گراس۔ اس شخص نے یہ بات بتائی تھی جو ٹونی مارشل کے ہاتھوں

”آپ میرے اس قدم سے غیر متفق تو نہیں ہیں میڈم؟“

”اس موضوع پر بات نہ کرو۔ اگر یہ زندہ بھی رہتا تو کیا حرج تھا؟“

”اوہ۔ سوری۔ میں تو سمجھا آپ میری اس بات کی تائید کریں گی۔ آپ یہ بتائیے کہ پھر ہم اس کرتے ابھی ہمیں اس گھر کی تلاشی بھی لینی ہے۔“

”اسے باندھ کمرے میں کپڑا بھی ٹھونس سکتے تھے۔“

”خیر میں آپ سے اختلاف بالکل نہیں کروں گا اور آئندہ اس بات کا خیال رکھوں گا۔ مجھے یہ ا ہو گیا کہ آپ غیر ضروری قتل و غارت گری پسند نہیں کرتیں۔ جبکہ میں ذرا مختلف قسم کا انسان ہوں۔ سوچ یہ ہے کہ اپنے پیچھے مشکلات چھوڑتے نہ چلو بلکہ صرف کام کرو۔ وہ کام جو مشکلات سے نکالے آگے بڑھنے میں مدد دے۔“

”نجانے کیوں اس شخص کی موت کا مجھے رنج ہوا تھا۔ پھر ہم اس گھر کی تلاشی رہے لیکن ڈی بیرل کے مکان سے ہمیں کچھ بھی نہیں ملا تھا البتہ واپسی ہم نے اسی راستے سے اختیار کی جدھر سے اندر آئے تھے۔ اس گھر میں ایک انسان کی لاش چھوڑے جا رہے تھے۔ میں ٹونی مارشل کے باہر چل پڑی۔ مارشل نے اسی مہارت کے ساتھ کارگر گھر سے نکال لی اور اسے لے کر سیدھا چلا گیا پھر اس نے خود ہی میری خاموشی کو محسوس کیا اور کسی قدر معذرتی انداز میں بولا۔

”آپ غیر معمولی طور پر خاموش ہیں میڈم شاہ نور!“

”میں ایک بات پر غور کر رہی ہوں۔ وہ لوگ اس قدر فلاح تھے تو ان کے پاس اسٹین گن

آئی۔“

ٹونی مارشل ہنس پڑا پھر بولا۔ ”یہ بات میری فور میں جاتی ہے میڈم! آپ نے غور کیا ہو گا کہ باہر جو لوگ موجود تھے وہ مسلح تھے۔ اب یا تو ہم اس شخص سے معلومات حاصل کرتے جس کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر ذرا بھی چوک جاتے تو باہر والے اندر آسکتے تھے۔ آپ مجھے بتائیے اس کے بعد ہمارے پاس حفاظت کے لئے کیا انتہائی معقول انتظامات تھے لیکن اس کے باوجود میڈم آئندہ میں احتیاط رکھوں گا۔ خاص طور سے اس لئے کہ آپ ایک خاتون ہیں۔“ میں نے تکیھی نگاہوں سے ٹونی مارشل کو دیکھا اور پھر زہر لہجے میں بولی۔

”اس خناس کو اپنے ذہن سے نکال دو مسٹر مارشل البتہ پلیز! اپنے طور پر جو دل چاہے کرو کم از کم اس سلسلے میں تھوڑا سا مجھ سے مشورہ ضرور کر لیا کرو۔“

”میں خود یہ بات آپ سے کہہ چکا ہوں۔“ اس نے بدستور خوشگوار لہجے میں کہا۔ پھر میں نے کہا۔ ”یہ زیر گراس کیا چیز ہے؟“ یہ سوال کرتے ہوئے میری نگاہیں ٹونی مارشل کے چہرے پر جمی ہو تھیں۔ اس نے ایک لمحے کے لئے توقف اختیار کیا۔ نجانے کیوں مجھے یوں لگا تھا جیسے وہ میرے اس سوال سے چپتا چاہتا ہو اور یہ سوال کرنا اسے بہتر نہ لگا ہو اس نے کہا۔

”زیر گراس ایک برقی علاقہ ہے جسے مصنوعی طریقے سے بنایا گیا ہے۔ ایک طرح سے آپ یوں ؟ لیجئے کہ وہ چاند کی جنت ہے۔ یعنی مصنوعی چاند کی سرزمین۔ یہاں کچھ پوائنٹس ہیں جنہیں ایک سے سونکا

”آپ یہ بتائیے۔ زیرگر اس میں کیا ہے؟“

”آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ ایسی ہے۔ مصنوعی چاند کی سرزمین پراسرار اور خوابناک۔ آپ وہاں کی سیر کر سکیں گی اور آپ کو بہت اچھا لگے گا۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ وہ مکمل چاند ہے اور بہت سی ریسرچ کے بعد پایا گیا ہے۔“

”بہت بہت شکریہ مسٹر زوس۔ اب یہ بتائیے برف کی اس گاڑی پر سفر کرنے کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا۔“

”یہ ٹکٹ ہے“ اسے لے کر آپ سامنے چلی جائیے۔ آپ کو برف گاڑی میں جگہ مل جائے گی۔“ اس نے ٹکٹ میری طرف کر کے کہا اور میں نے اس سے اس کی قیمت پوچھ کر اس کی قیمت ادا کر دی۔ میری دھڑکنوں میں عجیب سا اضافہ ہو گیا تھا۔ برف گاڑی کی طرف بڑھ کر میں یہ سوچ رہی تھی کہ شاہ نور! کیا الماس آراء بیگم نے تیرے اور تیرے خاندان کے ساتھ یہ نافرمانی کر کے ایک پراسرار دنیا کے دروازے تجھ پر نہیں کھول دیئے۔ ورنہ کہاں گرینی لینڈ اور کہاں تو اور یہ جو کچھ تیری نگاہوں کے سامنے آ رہا ہے، یہ تیری تقدیر ہی کا ایک حصہ ہے ورنہ عام لوگوں کو یہ سب کچھ دیکھنا کہاں نصیب ہوتا ہے۔ میڑھیاں اترنے کے بعد میں ایک خوبصورت برف گاڑی پر پہنچ گئی جو کسی ناؤ کی مانند تھی۔ میں نے برف پر ان گاڑیوں کو دوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ رفتار خاصی تیز ہوتی تھی۔ برف گاڑی میں اترنے کے بعد مجھے اس بات کا اندازہ ہوا کہ اس تیز رفتار سفر کے لئے برف گاڑی میں معقول انتظام ہے۔ سیٹیں مختصر لیکن نہایت محفوظ تھیں۔ برف گاڑی کو ایک شخص پائلٹ کر رہا تھا۔ جب اس کی چوہ سیٹیں مکمل ہو گئیں تو برف گاڑی بے آواز اشارت ہو گئی۔ مسافروں نے بیٹلیں باندھ لیں اور اس کے بعد برف گاڑی کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ اتنا حسین اور خوشگوار سفر تھا یہ کہ انسان صحیح معنوں میں سوچ بھی نہ سکے۔ تیز رفتار گاڑی اپنے مرکز کی جانب دوڑ رہی تھی اور اس کی تیز رفتاری سے ہلکی ہلکی برف ہوا کے ساتھ اڑ کر کھلے ہوئے حصوں پر پڑ رہی تھی جیسے ہی وہ جسم کے کسی حصے سے ٹکراتی، پکھل جاتی اور ایک بہت ہی خوشگوار کیفیت کا احساس ہوتا۔ بہت ہی تیز رفتاری سے یہ سفر طے ہونے لگا۔ ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کچھ لوگ خوشگوار انداز میں چیخ بھی رہے تھے اور بھی بہت سی برف گاڑیاں اس مرکز کی طرف سفر کر رہی تھیں۔ آخر کار یہ لمبا سفر طے ہوا اور ہم ایک انتہائی خوبصورت جگہ پہنچ گئے تھے جو رنگ برنگی چیزوں سے بنی ہوئی تھی۔ یہاں بہت سے افراد خلائی لباس اور خلائی کتوپ میں اپنی اپنی ذمے داریاں سرانجام دے رہے تھے۔ میری گاڑی پر سفر کرنے والے تمام مسافر بھی نیچے اتر گئے۔ یہاں بھی بہت سے کاؤنٹر تھے۔ میری نگاہیں چاروں طرف جھٹک رہی تھیں اور میں ان سوراخوں کو دیکھ رہی تھی جو غالباً فابریکے بنے ہوئے تھے۔ اور انہی سے گزر کر دوسری جانب جانا ہوتا تھا۔ ایک شخص مجھے گائیڈ کرنے لگا۔ تمام لوگوں کو دوسری طرف جانے کے لئے ضروری باتیں بتائی جاتی تھیں۔ مجھے ایک مشین پر کھڑا کیا اور یہ جائزہ لیا گیا کہ میری جسمانی حیثیت اس طرف جانے کی ہے یا نہیں۔ چند لمحوں میں مجھے فٹ قرار دے دیا گیا اور مجھے گائیڈ کرنے والا مجھے ایک خلائی سوٹ دے کر اس کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔ اس خلائی سوٹ کی تمام تفصیلات مجھے بتا دی گئی تھیں۔

مارا گیا تھا کہ منشیات کی وہ کھپ انہوں نے آٹھ زیرگر اس میں دی تھی۔ یہ آٹھ زیرگر اس جیسا کہ نو مارشل نے بتایا کہ ایک سے سو تک وہاں پوائنٹس بنے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے آٹھ زیرگر اس سنگروں اڑا ہو۔ عظمت جلال یہی تو چاہتا تھا کہ یہاں گرینی لینڈ میں ایسٹرون میں ہونے والی کارروائیاں ختم کی جائیں حالانکہ یہ ایک عجیب اور مشکل عمل تھا لیکن بہر حال اس مقصد کے لئے یہاں بھیجا گیا تھا۔ اپنی سی کوشش کرنی ہی تھی۔ بہر حال میں کچھ فیصلے کرنے کے بعد ہوٹل سے باہر نکل آئی اور خاص طور سے میں نے باہر نکلنے کے لئے ہوٹل کا عقبی راستہ اختیار کیا جو ایک چوڑی گلی میں کھلتا تھا اور یہ گلی دوسری طرف سے ایک بڑی سڑک پر نکلتی تھی۔ اس بڑی سڑک پر پہنچ کر ٹیکسی لینا مشکل نہ ہوا میں ٹیکسی میں بیٹھ گئی اور میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

”زیرگر اس۔“ اپنے ان الفاظ کا رد عمل میں ٹیکسی ڈرائیور کے چہرے پر دیکھنا چاہتی تھی اور مجھے کوئی خاص رد عمل نہ معلوم ہوا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے پراٹھیمان انداز میں ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ زیرگر اس تک با آسانی پہنچا جاسکتا تھا۔ البتہ سفر بہت لمبا ثابت ہوا۔ ٹیکسی نے بڑی تیز رفتاری سے چوڑی اور خوشنما سڑکوں پر یہ سنے طے کیا تھا لیکن زیرگر اس تک پہنچنے میں ہمیں سوا گھنٹہ لگا اور پھر جن راستوں سے گزر کر میں زیرگر اس تک پہنچی وہ بھی انتہائی حسین تھے۔ کوئی بچپن منٹ کے سفر کے بعد مجھے برف کی سفیدی ہی سفیدی نظر آئی۔ یہ مصنوعی برف نہیں تھی بلکہ اس علاقے میں خاص طور سے برف پڑتی ہوگی۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس برف کو محفوظ کر لیا گیا اور باقی علاقہ صاف کر دیا گیا۔ یہاں سردی بھی زیادہ تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے آخر کار مجھے ایک ایسی پوسٹ پر اتار دیا جہاں سے برف گاڑیاں آگے جاتی تھیں اور یہ بھی ایک دلچسپ منظر تھا۔ رش زیادہ نہیں تھا لیکن پھر بھی مختلف قسم کے لوگ برف گاڑیوں میں سفر کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور کو ایک معقول بل بعد ٹپ کے ادا کرنے کے بعد میں آگے بڑھ گئی۔ تھوڑے فاصلے پر برف گاڑیوں کا اسٹیشن تھا۔ میں نے ایک کاؤنٹر پر پہنچنے کے بعد کہا۔

”مجھے معاف کرنا۔ میں گرینی لینڈ میں اجنبی ہوں۔ یہاں کی سیاحت کر رہی ہوں۔ کیا تم مجھے بتا سکو گے کہ برف گاڑی میں بیٹھ کر میں کہاں جاسکتی ہوں۔“

”زیرگر اس۔“ اس نے پراٹھیمان لہجے میں جواب دیا۔ یہ شخص ایک سیاہ فام تھا اور انتہائی نرم چہرے والا۔

”آپ کا نام کیا ہے مسٹر؟“ میں نے سوال کیا۔

”زوس۔ ایلٹ زوس۔“ وہ بدستور خوش اخلاقی سے بولا۔

”مسٹر زوس۔ آپ صرف مجھے زبانی طور پر یہ گائیڈ کر دیجئے کہ مجھے آگے کیا کرنا ہوگا۔“

”آپ یہاں تک آئی ہیں میڈم! یہاں سے برف گاڑی میں بیٹھ کر آپ آگے جائیں گی۔ اس جگہ سے آپ زیرگر اس کا ابتدائی حصہ نہیں دیکھ سکتیں لیکن جب آپ زیرگر اس کے فلائنگ اسٹیشن پر پہنچیں گی تو وہاں سے آپ کو چاند کی دنیا میں جانے کے لئے کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ وہ لوگ ایک معقول معاوضہ لیتے ہیں۔“

بہت سے ایسے لوگ بلکہ زیادہ تر ایسے لوگوں کی تعداد تھی جنہیں مصنوعی چاند کے سفر کے لئے ان فٹ دے دیا تھا۔ چنانچہ مجھے اس سلسلے میں کوئی وقت نہیں ہوئی۔ خلائی سوٹ پہننے کے بعد آخر کار میں سوراخوں کی جانب چل پڑی۔ جن کے دوسرے رخ پر چاند کی سرزمین تھی۔

زوس کا کہنا بالکل درست تھا۔ اس طرف کی زمین پراسرار اور خوابناک تھی۔ چاروں طرف گھ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور بڑا عجیب سا منظر تھا۔ اس گھپ اندھیرے میں پہاڑوں کی چوٹیاں موجود تھیں اور مصنوعی آسمان پر نکلے ہوئے مصنوعی تارے چمک رہے تھے۔ چاند کی اس سرزمین کو بڑی ریسرچ کے بعد گیا تھا اور اس کے بارے میں مجھے بتا دیا گیا تھا کہ وہ بالکل اصل چاند کی مانند ہے۔ البتہ یہ بتا دیا گیا تھا کہ چاند نہیں ہے۔ اصل چاند کی طرح اس کی کشش ثقل بھی زمین کے مقابلے میں دو گنا کم تھی اگر یہ خلا سوٹ نہ ہوتا تو یہاں قدم جما کر چلنا ممکن ہوتا۔ خلائی سوٹ کے اندر ہلکی سی سرسراہٹ ہو رہی تھی۔ چند لمحوں میں مجھے اس کی وجہ کا اندازہ ہو گیا۔ اصل میں خلائی سوٹ کے اندر مصنوعی ذریعے سے سانس جاسکتا تھا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مصنوعی سرزمین اصل چاند کا نمونہ پیش کر رہی تھی اور ج لوگوں نے بھی اسے بنایا تھا وہ اپنے فن میں بالکل تھے۔ باہر کی دنیا میں اس طرح کے جو کام کئے جاتے تھے وہ بے مثال ہوتے تھے۔ میں نے دیکھا تو نہیں تھا لیکن ڈزنی لینڈ کے بارے میں میں نے یہی سنا تھا کہ وہاں بھی جو کچھ کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دیر تک میں اس پراسرار زمین کا سفر کرتی رہی اور دل میں سوچتی رہی کہ اگر واقعی انسان چاند پر پہنچا ہو گا تو اس نے اس سے مختلف منظر نہ دیکھا ہو گا۔ خاصا فاصلہ یہ کرچکی تھی میں اچانک ہی بائیں جانب سے مجھ کچھ ہیولے حرکت کرتے دیکھائی دیئے۔ تھوڑے فاصلے ایک چاند گاڑی سفر کرتی نظر آ رہی تھی۔ یہ بھی یہاں کی ایک خاصیت تھی۔ چاند کی مصنوعی سرزمین پر بالکل یقینی ماحول پیدا کرنے کے لئے چاند گاڑیاں بھی رکھی گئی تھیں۔ خلائی سوٹ میں اسپیکر اور مائیک بھی تھا۔ جس سے ہم انتظامیہ کے افراد سے بات کر سکتے تھے کئی بار مجھ سے میری خیریت پوچھی جابجی تھی۔ اچانک وہ میں نے کہا۔

”میں چاند گاڑی چلانا چاہتی ہوں۔ کیا مجھے اس کا موقع ملے گا؟“

”جی آپ بائیں سمت نیولیک پر پہنچ جائیے۔ وہاں سے آپ کو گائیڈ کر دیا جائے گا۔“ نیولیک کا علاقہ سامنے ہی نظر آ رہا تھا۔ میں قدم بجا بجا کر اس خشک نالے کی طرف بڑھ گئی جس کے ایک حصے پر نیولیک لکھ ہوا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے ایک چاند گاڑی کو اپنے قریب سے گزرتے دیکھا۔ یہ فیول سیل سے چلتی تھی اور اس میں پیسوں کے بجائے دائرہ نمابلیڈ لگے ہوئے تھے۔ خشک نالے کا فاصلہ اب بھی کچھ دور تھا لیکن کشش ثقل کم ہونے کی بنا پر یہ فاصلہ بہت دیر میں طے ہوا۔ چاند کی اس مصنوعی سرزمین کا انداز بالکل چاند جیسا تھا۔ وہاں توازن برقرار رکھنا بھی ایک مشکل کام تھا۔ یہ نالہ بھی مصنوعی طور پر بنایا گیا تھا اس لئے وسیع اور کشادہ تھا اور نہ جانے کہاں سے کہاں تک چلا گیا تھا۔ میں کسی نہ کسی طرح اس میں آ گئی۔ میری چاند گاڑی ابھی تک نہیں آئی تھی۔ بہت دیر تک انتظار کرنے کے باوجود جب چاند گاڑی نہ پہنچی تو میں تھک ہار کر نالے سے نکلنے ہی والی تھی کہ عقب سے مجھ پر انتہائی تیز روشنی پڑی۔

میں اس طرف مڑی تو میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ یقینی طور پر وہ چاند گاڑی ہی تھی جو مخالف سمت سے میری طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ اس کے بلیڈ والے پہنے روشنی میں چمک رہے تھے۔ ایک لمحے کے اندر مجھے اندازہ ہو گیا کہ اگر میں ان پیسوں کی زد میں آ جاؤں تو میرا قیام ہو جائے گا۔ میں نے فوری طور پر اس نالے سے نکلنا چاہا لیکن اس میں بھی ناکام رہی۔ پھر میں نے بوکھلا کر اپنے ہاتھ اٹھائے اور گاڑی کے ڈرائیور کو اشارہ کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ تاریکی کی بنا پر مجھے دیکھ نہیں سکا ہے لیکن جب گاڑی کی رفتار پہلے سے تیز ہو گئی تو میرے روٹنے کھڑے ہو گئے۔ ایک لمحے کے لئے میری چھٹی حس نے بتایا کہ وہ جو کوئی بھی ہے میری زندگی لینے کے درپے ہے۔ ایک لمحے کے اندر موت کے فرشتے کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ مجھے سنائی دینے لگی۔ وہ لمحہ آگیا تھا جب موت زندگی سے آنکھ پھولی کھلتی ہے۔ اس وقت اپنے آپ پر بھروسہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا چونکہ پوزیشن کچھ ایسی تھی کہ بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ انسان ایسے موقع پر دماغ نہیں سوچتا بلکہ اعصاب خود فیصلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک لمحے کے اندر اندر مجھے اس گڑھے کا خیال آ گیا۔ جو بالکل قبر نما تھا اور میں پھرتی سے اس گڑھے میں اتر کر لیٹ گئی۔ چاند گاڑی پوری رفتار سے کھڑکھڑاتی ہوئی میرے اوپر سے گزر گئی۔ اس چاند گاڑی کا ڈزن پانچ ٹن اور لمبائی ستائیس فٹ تھی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو شاید میری بوٹیاں ہو جاتیں لیکن اس مضبوط خلائی سوٹ نے مجھے ٹکڑے ہونے سے بچالیا۔ البتہ وہ خود متعدد حصوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ہوا مجھ پر دباؤ ڈالنے لگی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے پیچھے پھڑے پھٹ جائیں گے۔ اس لئے کہ میرے خلائی سوٹ کا وہ حصہ بھی تباہ ہو گیا تھا جہاں مصنوعی نظام تنفس تھا میں نے ایک گہرا سانس روک لیا لیکن ایسا کتنی دیر تک ہو سکتا تھا میں پھرتی سے گڑھے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چاند گاڑی مجھ سے تھوڑے فاصلے پر آگے جا کر رک گئی تھی اس کا ڈرائیور جو خلائی سوٹ پہنے تھا اپنی سیٹ سے اتر کر میری طرف بڑھا اور میرے حلق سے تیز آواز نکلی۔

”بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔“ لیکن میری یہ آواز بھی سوٹ کے اندر ہی گونج کر رہ گئی۔ کیونکہ میرا مائیک سسٹم بھی بیکار ہو گیا تھا۔ ایسے میں یہ توقع کرنا کہ کوئی میری آواز سنے گا حماقت کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ انتہائی سنگین اور جان لیوا صورت حال پیدا ہو چکی تھی اور مجھے اس صورت حال کا تنہا مقابلہ کرنا تھا لیکن ایک اور دوسری صورت حال بھی پیدا ہوئی۔ وہ شخص جو چاند گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سے نیچے اتر اٹھا۔ اس کے ہاتھ میں مجھے ایک چمکتا ہوا خنجر صاف نظر آ رہا تھا اور وہ جس انداز میں میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس کے ارادے نیک نہیں ہیں۔ حالانکہ سانس رککنے کی بنا پر میری آنکھوں تلے تاریکی چھا رہی تھی لیکن غیر معمولی برداشت سے کام لیتے ہوئے میں نے اپنی ذہنی کیفیت کو متاثر نہیں ہونے دیا تھا۔ دفعتاً مجھے یاد آیا کہ میرے سینے پر ایمرجنسی آکسیجن کی ایک ٹینکی بھی لگی ہوئی ہے جس سے میں پانچ منٹ تک سانس لے سکتی ہوں مجھے اس بارے میں بتا دیا گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کا ٹین دبا دیا اور میرا تنفس بحال ہونے لگا۔ آنکھوں میں جو تاریکی چھائی جا رہی تھی وہ ختم ہو گئی۔ بصارت واپس آنے لگی۔ تب میں نے اس شخص کو دیکھا جو اچھل اچھل کر جست لگاتا ہوا میری طرف آ رہا تھا جب اس کا اور میرا دو گز کا فاصلہ رہ گیا تو اس نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور گھومتا ہوا مجھ پر آیا۔ اس نے نہایت مہارت سے مجھ پر خنجر کا

آئی۔ یہ میری زندگی کا بھیانک ترین تجربہ تھا۔ غشی کے سے عالم میں، میں نے ان لوگوں کو اپنے آپ کو نبھال کر لے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ تیز رفتاری سے آگے جا رہے تھے اور پھر وہ مجھے اس جگہ لے آئے جہاں اس چاند نگر سے نکاسی کا راستہ تھا۔ میری کیفیت آکسیجن دوسری بار مل جانے کی وجہ سے خاصی بھال ہو گئی تھی۔ یہ غالباً چاند نگر کے منتظمین تھے جنہوں نے بروقت میری کیفیت کو بھانپ لیا تھا۔ ویسے مجھے یہ اندازہ نہ گیا تھا کہ یہاں آنے والوں کی خاصی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور ان کے معاملے میں محتاط رہا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ مجھے یہاں لانے کے بعد طبی امداد دیتے رہے اور لمحوں میں میری کیفیت بھال ہو گئی۔ ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

”میڈم! یہ آپ کے خلائی سوٹ کو کیا ہو گیا تھا؟“

”یہ بات تو تم لوگ ہی بتا سکتے ہو۔“

”ہماری سمجھ میں نہیں آتا حالانکہ آپ کا ہم سے رابطہ قائم ہوا تھا اور آپ نے چاند گاڑی میں سیر کی زبائش کی تھی۔“

”ہاں، لیکن میں یہ کام کر نہیں سکتی اور میرا یہ خلائی سوٹ اچانک ہی پھٹ گیا۔“

”ایسا ہوتا تو نہیں ہے۔“

”ہاں ٹھیک کہتے ہیں آپ، میں آپ سے جھوٹ بول رہی ہوں۔ مجھے خود اپنی جان دینے کا شوق تھا۔“ میں نے تلخ رویہ اختیار کیا۔

”نہیں میڈم سوری آپ یقین کیجئے۔ اس پروجیکٹ کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے۔“

”اور یہ پہلا واقعہ اتفاقیہ طور پر اخبار کی ذہنت بننے سے بچ گیا کہ ایک عورت آپ کے اس خلائی سوٹ میں ہلاک ہو گئی۔“ میرے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں سرے سے اس بات سے انکار کر دوں کہ میرے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ اس شخص کو بھی میں نے چھپا لیا تھا جس نے مجھے لاک کرنے کی کوشش کی تھی ابھی تو خود میرا ذہن اس بات کی تصدیق نہیں کر پا رہا تھا کہ یہاں اس چاند نگر میں مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔

بہر حال اس کے بعد میں وہاں سے واپس چل پڑی تھی۔ یہاں ٹیکسیاں مل جانا عام سی بات تھی۔ نامدار قسم کا ٹیکسی اسٹینڈ بنا ہوا تھا لیکن راستے بھر میں یہ سوچتی آئی تھی کہ زیر گمراس کے علاقے میں پوائنٹ نمبر آٹھ تک نہیں پہنچ سکی۔ یقینی طور پر وہاں تک جانے سے مجھے روکا گیا ہے لیکن کسی کو میرے رادے کی خبر کیسے ہوئی اور یہ سارا سلسلہ کیا تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ طبیعت پر ایک عجیب سی تسکین اور اضمحلال پیدا ہو گیا تھا۔ ہوٹل پہنچی اور اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گئی۔ گزرے ہوئے اتفاقات ایک خوفناک خواب کی مانند ذہن سے گزرنے لگے اور میں سوچنے لگی کہ جن واقعات سے گزری دل اگر ان میں سے ایک بھی لمحہ کامیاب ہو جاتا تو یقینی طور پر زندگی سے میرا کوئی رابطہ نہ ہوتا۔ کیا اس لمحہ زندگی کھونا مناسب تھا یا ہے؟ میں کیوں ان چکروں میں پڑی ہوئی ہوں؟ نہ مجھے منشیات کی اس گنگلنگ سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی یہ اس گنگلنگ روکنے سے میرا کوئی واسطہ ہے یہ کام تو دنیا کے بڑے بڑے لوگوں

دار کیا لیکن میں تیار تھی چنانچہ میں نے ایک طرف ہو کر اس کا وار خالی کیا اور اس کا خنجر والا ہاتھ تھامے کوشش کی لیکن کشش قفل نہ ہونے کی وجہ سے ہر وہ کام نہیں کیا جاسکتا تھا جو اپنی مرضی سے کرنا ہو۔ میں اس کا خنجر والا ہاتھ تھامنے میں ناکام رہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھتا ہوا دوسری طرف جا پڑا۔ بے وزا اس کیفیت نے اسے بھی متاثر کیا ہوا تھا لیکن بہر حال وہ حرکت کرنے کے بعد فوراً منہ پھل گیا اور اس نے پر الٹی چھلانگ لگائی۔ میں اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھی اور چونکہ مجھے صحیح معنوں میں مصنوعی چاند پر نقل و حرکت کرنے کی پریکٹس نہیں تھی اس لئے مار کھا گئی۔ وہ سیدھا مجھ پر آیا اور مجھے ہوئے نیچے آ پڑا۔ اب میں اس کے نیچے دب گئی تھی اور خنجر ابھی تک اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ اس اپنا خنجر والا ہاتھ پھر بلند کیا اور میرے سینے کا نشانہ لے کر وار کیا۔ میں نے طاقت لگا کر اسے ایک طر اچھال دیا اور پھلو بدل دیا۔ خنجر والا ہاتھ زمین پر پڑا لیکن چاقو دستے تک چاند کی مٹی میں دھنس گیا۔ میں فوراً ہی پلٹ کر اس کا ہاتھ دبا لیا اور جب اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے پھینکنے کی کوشش کی تو چاقو زمین ہی رہ گیا۔ وہ ایک بار پھر اچھال کر کھڑا ہو گیا اور پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے بھی اٹھنے میں دیر نہ لگائی تھی لیکن میرا سانس بھی ٹوٹنے لگا تھا کیونکہ ہنگامی حالت میں جس ٹیکسی سے آکسیجن سپلائی ہو رہی تھی وہ ٹیکسی بھی اب خالی ہوتی جا رہی تھی۔

میرے غنیم نے اپنے خلائی سوٹ سے شعاعی ریو اور نکالا اور اس کی نال کا رخ میری طرف کر۔ ٹریگر دبا دیا۔ ایک عجیب سا زنا ہوا اور نال میں سے آگ کی ایک لکیر نکلی۔ اگر میں ہوش میں نہ ہوتی تو وہ کر خاک ہو جاتی یا ممکن ہے میرے ٹکڑے ہو جاتے اور میں ایک لمبے کے اندر اندر خاستہ ہو جاتی۔ آگ کی وہ لکیر ایک چٹان پر پڑی اور ایک ہولناک تڑانہ ہوا اور چٹان کے پتھروں سے اڑ گئے۔ وہ گن کو دوبارہ ا کر رہا تھا اور میرے لئے اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں تھا کہ میں خود اس پر حملہ کروں۔ چنانچہ میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اسے مہلت دینے کا مطلب موت کو دعوت دینا تھا۔ میرا جسم اس کے جسم سے ٹکرایا تو وہ زمین پر گر پڑا اور شعاعی گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ زمین پر گرتے وقت اس نے اپنے دونوں ہاتھ لگا کر خود کو گرنے سے باز رکھنا چاہا لیکن یہ ممکن نہ ہوا۔ اس کی کلائی جھج گئی اور وہ زمین پر لٹ چلا گیا میں نے شعاعی گن پر قبضہ کیا اور اس پر وار کر دیا لیکن جلد بازی میں نشانہ صحیح نہیں بیٹھا تھا۔ وہ فو گیا۔ اس طرح اچھال کود پھانے سے کافی توانائی خرچ ہو چکی تھی اور میرا دم مسلسل گھٹتا جا رہا تھا نتیجہ یہ ہو کہ میرے پیچھے پھرنے شدید درد کرنے لگے اور آنکھوں میں تاریکی سی چھانے لگی۔ البتہ میں نے یہ دیکھا تھا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ اگر میرے ہاتھوں میں طاقت ہوتی اور میں اس پر فائر کر دیتی تو اس کے ٹکڑے اڑ جاتے لیکن میرا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پیچھے پھرنے ایک دھماکے سے پھٹ جائیں گے۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور واپسی کے لئے دوڑنے لگی۔ تبھی میں نے تین چار افراد کو اپنی جانب دوڑتے ہوئے دیکھا اور میری کیفیت خراب ہونے لگی۔ پھر میں نے ان چاروں کو اپنے نزدیک پایا۔ ان میں سے ایک نے جلدی سے ایک آکسیجن ماسک میرے چہرے پر لگا دی تھی اور اپنے طور پر کچھ کوشش کرنے لگے تھے۔ میں ایک بار پھر موت سے زندگی کی طرف لوٹ

”ہاں۔ تم بھی میرے پاس نہیں آئے۔“

اگر طرف الگ حیثیت کے حامل تھے۔ جنگلات کا یہ وسیع و عریض خط جس میں اس وقت ہم سفر کر رہے ہزاروں ایکڑ پر پھیلا ہوا تھا۔ کافی دور تک جانے کے بعد ٹوٹی مارشل نے کار کو دوسری طرف موڑا اور عظیم الشان دریا کے کنارے بنی ہوئی جھونپڑیوں کے قریب سے گزرنے لگا۔ میں نے اس سے سوال کیا ”اس دریا کا کیا نام ہے؟“

”کارگاس۔“ اس نے جواب دیا۔

”اوہو۔ اس شہر کے نام سے منسوب ہے۔“

”یہ دریا اس شہر سے پہلے موجود تھا۔ گرینی لینڈ کی تاریخ میں دریائے کارگاس کا نام تو موجود ہے۔ کارگاس بعد میں اس دریا کے کنارے آباد ہوا تھا۔ ویسے شہر یہاں سے کافی فاصلے پر ہے لیکن یہ آب و ہوا دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔“

میں نے کشتیوں کا ایک عظیم الشان گھاٹ یہاں دیکھا جس کے کنارے کنارے لاتعداد دکانیں ہوئی تھیں۔ یہ دکانیں مختلف اشیاء کی تھیں۔ مارشل نے ایک بورڈ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”ہم اس وقت ایمیزون کور کے قریب ہیں۔“

”میں تو ایمیزون کور کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔“ میں نے جواب دیا تو ٹوٹی مارشل نے گردن کر مجھے دیکھا لیکن اس بارے میں کوئی اور بات نہیں کی کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد آخر کار اس نے روک دی اور کہنے لگا۔

”آئیے۔“ وہ خود بھی کار سے نیچے اتر گیا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک جوڑ جیسی جگہ نظر آ رہی تھی اس کے قدم اسی جانب اٹھ رہے تھے۔ میں نے آخر کار بے چینی سے کہا۔

”میں نہیں سمجھتی کہ تم نے اس طرف کا رخ کیوں کیا ہے۔ بے شک تم بلاوجہ یہاں نہیں آ ہو گے لیکن مجھے بتاؤ تو سہی کہ ایسی وہ کیا چیز ہے جس کے بارے میں مجھ کچھ بتانے یا دکھانے کے لئے مجھے یہاں لائے ہو؟“

”میڈم! پلیز بس تھوڑی دیر اور۔“ اس نے کہا اور میں نے شانے ہلا دیئے۔ وہ مجھے لئے ہوئے آ جگہ سے کافی دور نکل آیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

”آپ ایک منٹ توقف کیجئے۔“ یہ کہہ کر وہ رکے بغیر ایک طرف چلا گیا۔ میں صرف اندازہ لگانے کوشش کر رہی تھی کہ صورت حال کیا ہے۔ میری نگاہیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ سیدھا چلا جا رہا اور پھر اچانک ہی مجھے ہیلی کاپٹر کے پروں کی پٹری پڑا ہٹ سنائی دی۔ یہ ہیلی کاپٹر دریا کی دوسری جانب سے فضا میں بلند ہوا تھا اور نہ جانے کیوں اس طرف آ رہا تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر میری چھٹی حس بیدار ہو گئی مجھے یوں لگا جیسے ہیلی کاپٹر بالکل میرے ہی سر پر آنا چاہتا ہو۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ میں زبردست صلاحیتوں کی مالک ہوں لیکن جو صورت حال مجھے پیش آ گئی تھی۔ اس کے تحت شاید قدرت نے میرے اند ذہانت کا اضافہ بھی کر دیا تھا۔ میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں اور تیزی سے اس بڑی چٹان کی طرف دوڑی جو زمین پر کسی کوہاں کی مانند ابھری ہوئی تھی۔ ابھی میں چٹان تک پہنچ پائی تھی کہ دفعتاً ہی مشین گرو سلسلے پر رک گیا۔ اس نے سر دلچسپی میں کہا۔

”تم ٹھیک تو ہو شاہ نور!“

خونفک دھماکہ ہوا اور ہیلی کاپٹر کے چیتھڑے اڑ گئے۔ فضا میں آگ اور دھوئیں کے بادل بلند ہوئے تھے۔ شکر تھا کہ جس جگہ وہ گرا تھا وہاں کوئی خاص درخت نہیں تھا ورنہ شاید یہ شعلے جنگل میں آگ لگا دیتے۔ جس شخص نے فائرنگ کر کے ہیلی کاپٹر کو گرایا تھا اس کے بارے میں کم از کم مجھے اس بات کا یقین ماکہ وہ جو کوئی بھی ہے میرا دشمن نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ وہ چلتا ہوا میری طرف آ رہا تھا اور میں اپنے اس دست کا شکر یہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ ایک لمحے میں، میں نے محسوس کر لیا کہ اس کے چہرے کے نقش مختلف تھے۔ وہ بے شک ٹوٹی مارشل کی جسامت کا تھا لیکن ٹوٹی مارشل نہیں تھا۔ دفعتاً ہی اس نے میری کلائی پکڑی اور پھرتی سے اسی چٹان کے پیچھے چھلا گیا۔ وہاں میں نے ہیلی کاپٹر سے بچنے کے لئے پناہ لی تھی۔ میں مجھ نہیں پائی تھی لیکن گولیاں ہمارے اوپر سے سنسنائی ہوئی گزر گئیں اور پھر وہ شخص بری طرح تڑپ کر بننے لگا۔ میں حیران رہ گئی تھی اس نے دونوں ہاتھ سے سینے پر رکھے ہوئے تھے اور اس طرح تڑپ رہا تھا بے دم توڑ رہا ہو۔ تب میں نے درختوں کی طرف سے ایک شخص کو دوڑتے ہوئے ادھر آتے دیکھا۔ یہ ٹوٹی مارشل ہی تھا۔ میری عقل چکا کر رہ گئی تھی۔ میرے اس نامعلوم ہمدرد نے ہیلی کاپٹر سے میری زندگی بچائی تھی اور ٹوٹی مارشل نے اس کی زندگی لی لی تھی۔ کیوں؟ ٹوٹی مارشل دوڑتا ہوا قریب آیا اور مجھ سے کچھ سلسلے پر رک گیا۔ اس نے سر دلچسپی میں کہا۔

”تم ٹھیک تو ہو شاہ نور!“

”یہ..... یہ سب کچھ کیا ہے؟“ میں نے سوال کیا تو ٹونی مارشل نے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

”بات ختم ہو گئی ہے میڈم شاہ نور! آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ قرب و جوار میں اب کوئی ہے سوائے میرے اور آپ کے۔“

”میں سمجھی نہیں مارشل۔“

”میں سمجھائے دیتا ہوں۔“ اس نے کہا اور اپنی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ ڈال کر انگلیوں سے کچھ لگا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس کے چہرے سے ایک نقاب اتر گیا تھا۔ ایک جاندار چہرے والا آدمی تھا اور مارشل نہیں تھا لیکن یہ میرے نزدیک ٹونی مارشل ہی تھا۔ وہی لباس، وہی جسامت بس چہرہ بدل گیا تھا۔ بھی وہی تھی جو اب تک میں ٹونی مارشل کے حوالے سے سنتی رہی تھی۔ اس نے کہا۔

”میرا نام گرiffin ہے۔ روز گرiffin۔“

”کون ہو تم، کیا تم ٹونی مارشل نہیں ہو؟“

”نہیں میڈم! میں ٹونی مارشل نہیں ہوں بلکہ میرا تعلق اس گروہ سے ہے جس کے خلاف کام کے لئے آپ یہاں آئی ہیں۔ میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ تم ایٹمیائی لوگ ہوا میں اڑنے کی کوشش کر رہے ہو جبکہ تم صحیح انداز میں زمین پر بھی چلنے کے قابل نہیں ہو سکتے ہو ابھی تک۔ ہم تم سے ہزار سال آگے ہیں۔ ہزاروں سال تک جب تم کوشش کرو گے کہ تم ہم تک پہنچ سکو تو ہم تم سے ہزاروں سال آگے جا چکے ہوں گے۔ تمہارے حق میں کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہمارے قدموں تلے جیتے رہو اور زہیمیں گزار دو۔“ میں خاموش لگا ہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ بڑے توہین آمیز الفاظ تھے غرور میں ڈا ہوئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت میں ذہنی طور پر بالکل معطل ہو رہی تھی۔ میرے فرشتے ہم نہیں سوچ سکتے تھے کہ جس شخص کے ساتھ میں اپنے تمام منصوبوں کی بات کرتی رہی ہوں ٹونی مارشل بلکہ ہمارے مقاصد کے خلاف کوئی شخصیت ہے لیکن اس میں قصور میرا نہیں تھا۔ ٹونی مارشل اس یا۔ آدمی ثابت نہیں ہو سکا تھا جس کا حال سمجھ کر مجھے عظمت جلال نے یہاں بھیجا تھا۔ یہ میرا نہیں علم جلال کا قصور تھا یا پھر اس کے ہر کارے یا کارکن کا جو منظر عام پر آگیا تھا اور کسی نے اس کا روپ دھار تھا۔ میں سرد لگا ہوں سے اس شخص کو دیکھنے لگی اس نے کہا۔

”ویسے تو میرے اور آپ کے درمیان بہت سے مسئلے اختلافی چلتے رہے ہیں۔ آپ نے بہت ذہ پاکیزہ بننے کی کوشش کی ہے جبکہ اصولی طور پر ہونا چاہئے تھا کہ یہاں گرینی لینڈ میں آکر آپ کو سب سے پہلے اپنے دوست اور ساتھی یعنی ٹونی مارشل کی آغوش میں آ جانا چاہئے تھا اس سے بہتر تعارف اور نہیں ہوتا اور بعض اوقات اس تعارف کے بہترین نتائج ہوتے ہیں مثلاً اگر ایسا ہو چکا ہوتا تو ہو سکتا ہے اس وقت میں آپ کی زندگی لینے کا خیال دل میں نہ رکھتا لیکن آپ نے میری مردانگی کی توہین کی ہے باقی جو آپ کا مقصد تھا اس کی تکمیل تو خیر ہوئی ہی نہیں چاہئے تھی۔ اس لئے سوری میڈم، سوری۔“

”اچانک ہی ریوالور سیدھا کر لیا۔ جس انداز میں اس نے ریوالور سیدھا کیا تھا اس سے مجھے یہ احساس

کہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہ مجھ پر فائرنگ کر ڈالے گا۔ انداز بالکل ایسا ہی تھا لیکن ریوالور سیدھا کرنے کے بدوہ رک گیا۔ اس کے چہرے کے نقش آہستہ آہستہ بدلنے لگے اور اس نے کہا۔

”لیکن آپ کو قتل کرنے سے پہلے میں.....“ ابھی اس کے منہ سے اتنے ہی جملے نکلے تھے کہ دفعتاً ٹونی مارشل کی آواز سنائی دی۔ میں شدت حیرت سے منہ کھول کر رہ گئی مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ گولی کس مت سے آئی ہے اور کس نے چلائی ہے لیکن دوسرے لمحے میں نے اس شخص کو چٹان کی اوٹ سے باہر آتے ہوئے دیکھا جو اچانک ہی نمودار ہوا تھا اور اس کے بعد گولی کھا کر گر پڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مخصوص قسم کا ریوالور دیا ہوا تھا۔ دونوں فائر اس قدر کارآمد تھے کہ اس کے بعد مزید فائر کرنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا میرے قریب آگیا اس دوران ٹونی مارشل نیچے گر پڑا تھا اور صاف اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے دم توڑ دیا ہے۔ اس کے باوجود اس شخص نے قریب آکر ٹونی مارشل کی بض دیکھی اور اس کے بعد گردن جھٹک کر میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

”سوری ویری سوری۔ مس شاہ نور! آپ مجھے جو دل چاہے سزا دے سکتی ہیں لیکن ہو جاتا ہے کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔“ اس نے کہا اور میں مسلسل حیرتوں سے جھٹکتے کھاتی رہی پھر اس نے بھی اپنے چہرے سے میک اپ اتارتے ہوئے کہا۔

”اصل میں میرا نام ٹونی مارشل ہے۔ میں اپنی کوتاہی پر معافی مانگتا ہوں میڈم لیکن ہم لوگوں کا تعلق جن حالات سے پڑتا ہے۔ ان میں ایسے معاملات کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ بہر طور مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے عاف کر دیں گی۔“

”تم..... تم ٹونی مارشل ہو؟“

”جی آئیے۔ میرا خیال ہے یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔ آجائے پلیز! آپ نے بڑی جدوجہد کی ہے لیکن انفس آپ کو مزید پیدل چلنا پڑے گا۔ ویسے اس وقت یہاں اور کوئی نہیں ہے۔ میں نے اس کی تمام کوششیں ناکام بنا دی ہیں۔“ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا بات واقعی بڑی سنسنی خیز تھی لیکن بہر حال میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ وہ تھوڑا فاصلہ طے کر کے اس کا رنگ پچھا۔ ایک لمحے کے لئے رک کر اس نے کچھ سوچا پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

”اگر آپ بہت زیادہ تھکن محسوس کر رہی ہوں تو ہم اس کار پر سفر کر سکتے ہیں ورنہ بہتر یہی ہوگا کہ آپ میرے ساتھ پیدل آئیں۔ ذرا سی تکلیف کرنا پڑے گی لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ ان کو ہمارے بارے میں یہ علم ہو سکے کہ ہم کہاں گئے ہیں۔“

”نہیں ٹھیک ہے چلو۔“ میں نے کہا اور اس کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ میرا ذہن شدید سنسنی کا شکار تھا۔ حالانکہ میرے اور گرiffin یا ٹونی مارشل کے درمیان اس کوڈ کا تبادلہ ہوا تھا جو خاص طور سے عظمت جلال نے مجھے بتایا تھا اس کے بعد بھی وہ اصلی ٹونی مارشل نہیں تھا۔ اس چیز نے میرا ذہن بہت بری طرح الجھا دیا تھا۔ اب اس نئے آدمی سے میں کس طرح اس موضوع پر بات کروں لیکن یہ راستہ طے کرتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔

کچھ وہ ثابت ہوا تھا اس کے بعد کسی قسم کی ہمدردی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن یہ اصل ٹونی شل خاصاً نرم مزاج اور احترام کرنے والا نظر آ رہا تھا میں نے اس سے کہا۔

”ان جھوپڑیوں میں تمہارے لئے قیام کا بندوبست ہے؟“

”ایک عمدہ جھوپڑی میں قیام آپ کے لئے بھی ایک دلچسپ تجربہ ثابت ہوگا۔ سب سے بڑی بات یہ آپ کو دریا سے پکڑی ہوئی تازہ تازہ پھلیاں کھانے کو دی جائیں گی جو یقیناً آپ کو پسند آئیں گی۔“ میں کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم لوگوں نے یہ طویل راستہ طے کیا۔ سفر میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ اب نے ان جھوپڑیوں کو قریب سے دیکھا۔ دریا کے کنارے کا ماحول سرسبز اور موسم کے لحاظ سے بہت ہی مانتھا۔ وہ جھوپڑی جس میں مجھے لے جایا گیا۔ لکڑی کے تختوں سے بنائی گئی تھی اوپر گھاس پھوس کی ت ڈالی گئی تھی۔ اندر ہر طرح کے انتظامات کئے گئے تھے۔ اسے دیکھ کر مجھے ہنسی آئی اور ٹونی مارشل نے راستے ہوئے کہا۔

”زندگی تجربات کا نام ہے۔ یقیناً آپ نے کبھی کسی ایسی جھوپڑی میں وقت نہیں گزارا ہوگا۔ آپ کو مانگے گا توڑا وقت یہاں سکون سے آرام کیجئے۔ ویسے ایک بات آپ سے عرض کر دوں۔ وہ لوگ کہتے ہی ٹور کیوں نہ ہوں۔ یہاں ان غریبوں کی بستی میں نہیں آئیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہاں عزت دار رہتے ہیں اور اپنی عزت پر وہ کبھی حرف پسند نہیں کریں گے۔ وہ سارے کے سارے مل کر انہیں نڈ کر ڈال دیں گے۔ یہ یہاں کی تاریخ ہے۔“

چند لمحات کے بعد وہ عورتیں اندر آئیں ایک شوخ سی نوجوان لڑکی تھی اور ایک چالیس سالہ عورت انگریزی نہیں بول سکتی تھیں۔ اردو کا تو خیر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ان کی اپنی زبان تھی۔ وہ بولیں تو زبان بالکل میری سمجھ میں نہ آسکی لیکن اشاروں کی زبان دنیا کے ہر گوشے میں جانی پہچانی جاتی ہے۔ انہوں میری خاطر مدارت کا سلسلہ شروع کیا اور میں ان میں گھل مل گئی۔ ٹونی مارشل مجھے مطمئن دیکھ کر بارہ چلا اٹھا۔ یہاں آنے کے بعد میں اس ماحول میں بڑی خوشی محسوس کر رہی تھی۔ ویسے تو ہمیشہ اس بات کا تجربہ بنا تھا کہ دنیا کے ہر گوشے میں وہ لوگ جو صاحب حیثیت نہیں ہوتے کم از کم انسان ضرور ہوتے ہیں۔ ماان معمول سے لوگوں کی آبادی میں ٹونی مارشل نے جس طرح بھی اپنے لئے جو مقام حاصل کیا ہو لیکن بے ساتھ یہ لوگ اچھی طرح پیش آرہے تھے۔ پھر رات کو ٹونی مارشل نے مجھ سے کہا۔

”میں نے قرب و جوار کے حالات پر نگاہ رکھی ہے۔ آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں ٹونی مارشل کہو۔“

”ایک غلطی تو مجھ سے ہوئی چکی ہے جس کا خمیازہ مجھ سے زیادہ آپ کو بھگتنا پڑا لیکن میں چاہتا ہوں اب براہ راست ہم اپنے مقصد کے لئے کام شروع کریں۔ پہلے میں قرب و جوار کی نگرانی کرنا چاہتا تھا ذرا مختصراً انداز میں اپنے کام کو شروع کرنا چاہتا تھا لیکن ہمارا راز کھل جانے کی وجہ سے وہ لوگ بھی محتاط لگے۔ البتہ ایک بات جہاں تک میرا خیال ہے یہ ہے کہ انہیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ ان کے خلاف کچھ کیا جا رہا ہے اس میں صرف دو افراد ملوث ہیں یعنی میں اور آپ۔ وہ ہنستے ہوں گے اور سوچتے ہوں

”میں اس بات پر کیسے یقین کر لوں کہ تم اصل ٹونی مارشل ہو؟“

”حالانکہ وہ کوڑا آپ کو بھی یاد ہوگا اور مجھے بھی، لیکن ایک بڑی بد قسمتی ہے۔ ہمارا شروع

تعاقب کیا گیا ہے۔ جس وقت ہیڈ کوارٹر سے مجھے آپ کے بارے میں اطلاع دی گئی تو یہ اطلاع مخصوص قسم کے ذریعے سے دی گئی تھی لیکن وہ ذریعہ ان لوگوں کے علم میں بھی آگیا اور وہ کوڑا اچل گیا جس کے ذریعے ہم دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف ہونا تھا۔ اس نے کبوتر والا کوڑا دہرایا نے گہری سانس لے کر کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ غلطی ہیڈ کوارٹر سے ہی ہوئی ہے۔“

”میں یہ الفاظ نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں اپنے چیف کا احترام کرتا ہوں۔ غلطی آپ یہ سمجھ لیجئے سے بھی ہو سکتی ہے۔ جب غلطی ہوتی ہے تو کہہ کر نہیں ہوتی۔ یہ لوگ ہم سے اسی وقت واقف ہوئے جب ہیڈ کوارٹر سے آپ کے آنے کی اطلاع مجھے دی گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلا کام یہ مجھے قابو میں کر لیا گیا میں بالکل دھوکے میں مارا گیا تھا میڈم! وہ لوگ مجھے لے کر چلے گئے لیکن بڑے بڑے آدمی سے غلطی ہو جاتی ہے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ یہاں ڈرگزوں میں ایسزوں کا چیف فریڈرک ہی بڑی حیثیت کا مالک ہے۔ وہ پس پردہ رہتا ہے لیکن گرینی لینڈ میں اور اس کے علاوہ قرب و جوار ممالک میں اس کا بڑا خوف بیٹھا ہوا ہے۔ شاید جانتی ہیں کیا کیا انہوں نے اپنے لئے، انہوں نے شدید نقصان اپنا۔ انہوں نے مجھے قید کر لیا اور میری جگہ اس شخص کو بھیج دیا جس کا نام گرین تھا لیکن انہوں نے ڈرگزوں میں ہی قید کیا۔ ڈرگزوں یا ایسزوں کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مظہر عام پر آچکی ہیں اصل جگہ کسی کے علم میں نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے اصل جگہ قید کیا اور میں ان کی قید سے نکل آیا۔ چلتے چلتے ایک دم رک گئی میں نے ٹونی مارشل کو دیکھا اور کہا۔

”مطلب؟“

”اپنے قدموں سے نکل کر وہاں سے آیا ہوں اور یہاں تک پہنچا ہوں۔ آپ سمجھ لیجئے کہ ڈرگزوں راستہ اب میرے علم میں آچکا ہے۔“

”اوہ۔ ویری گڈ۔ یہ تو بڑی بات ہے۔ مگر اب تم جا کہاں رہے ہو؟“

”آپ نے دائیں کنارے جھوپڑیاں دیکھی ہوں گی۔ یہ ایک کچی آبادی ہے غریب غریب افراد کی گرینی لینڈ کے بالکل ہی آخری درجے کے شہری ہیں۔ یہ مختلف کاروبار کرتے ہیں۔ دکانیں کھول رکھی ان لوگوں نے۔ خاص طور سے گوشت کا کاروبار ہمیں سے ہوتا ہے اور پورے گرینی لینڈ میں ہر گوشت بیس سے جاتا ہے۔ بہت اچھے لوگ ہیں یہ اور میں نے انہی کے درمیان اپنے لئے جگہ بنالی۔ میں سمجھتا ہوں آپ کو بھی ہوٹل واپس نہیں جانا چاہئے۔ چونکہ ہمیں اصل کام ایسزوں میں سرانجام ہے۔“ ٹونی مارشل نے کہا اور میں ایک بار پھر اس کا جائزہ لینے لگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گر اچھی شکل و صورت کا مالک تھا اور اس نے بڑے نرم انداز میں مجھ سے اب تک رابطہ رکھا تھا لیکن بعد

”نہیں ٹوٹی تم زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔“
”میڈم! آپ یہاں میرا انتظار کیجئے۔ تھوڑے وقفے کے لئے اگر آپ سرگرمی ترک کر دیں گی تو ہمیں موقع مل جائے گا اور میں کچھ کام کر سکوں گا۔ پلیز آپ مجھے یہیں ملے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہیں۔“

”نہیں بس ٹھیک ہے۔“

”یہ لوگ بہت اچھے ہیں آپ کی بڑی خاطرمدارت کریں گے۔“

”کب جاؤ گے؟“

”بس اسی وقت آپ سے رخصت ہو جاؤں گا۔“

”اوکے۔“ میں نے جواب دیا۔ ٹوٹی مارشل مجھ سے کچھ دیر تک باتیں کرتا رہا اور اس کے بعد اس جانے کے لئے اجازت مانگی تو میں نے کہا۔

”یہ جھوٹری؟“

”آپ سمجھ لیجئے کہ اس وقت میری ملکیت ہے۔ کوئی یہاں آپ کو پریشان نہیں کرے گا بلکہ تمام خوش اخلاقی سے آپ سے بات چیت کریں گے۔“

”کوئی کسی کو یہ بتا تو نہیں دے گا کہ میں یہاں موجود ہوں۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس سلسلے میں آپ مجھ پر اعتماد کیجئے گا۔“ ٹوٹی مارشل نے کہا اور میں پُر خیال ازمیں گردن ہلانے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹوٹی مارشل وہاں سے چلا گیا تھا۔ حالات چاہے کیسے ہی ہوں وقت کسی انداز میں گزر رہا ہو لیکن انسان کبھی سوچوں کے سرمائے سے محروم نہیں ہوتا۔ میں نے تو سچی یہ ہے کہ مڑ کر ماضی کی طرف دیکھنا ہی جھوٹ دیا تھا۔ اگر ایسا کرتی تھی تو اپنی شخصیت کے تضاد کا خیال تھا۔ میں نے جس انداز میں زندگی گزاری تھی۔ وہ بے شک الماس آراء کی کاوشوں کا نتیجہ تھی۔ وہ مجھے اسرار اور مضبوط لڑکی بنانا چاہتی تھی۔ اس کا خیال یہی تھا کہ میں مکمل طور سے اس کی ملکیت ہوں۔ نکلے یہ سب کچھ کرنے میں اس کے کسی خاص ارادے کو دخل نہیں تھا۔ بس یہ اس کی فطرت کا حصہ تھا۔ اپنے آپ سے منسلک ہر چیز کو وہ اپنے جیسا ہی دیکھنا چاہتی تھی لیکن وقت میری اس تخلیق سے کچھ اور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ بے شک میرے ساتھ کچھ ایسے واقعات پیش آئے تھے لیکن یہ تصور میں بھی نہیں تھا۔ مجھ جیسی صاحب حیثیت لڑکی جرم کی دنیا میں داخل ہو سکتی ہے لیکن ابتدائی معاملات ذرا مختلف تھے اب کچھ میں کر رہی تھی۔ اس میں ضمیر کے اطمینان کے لئے کچھ اور تصورات بھی تھے کہ میں برائیوں کے سبب کربستہ تھی جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس میں ایک تھوڑا سا نیکی کا تصور بھی ہے کہ ممکن ہے کچھ لوگ بات کے جال میں پھنسنے سے بچ جائیں۔

بہر حال مسری پر لپٹ کر آنے والے وقت کے بارے میں سوچنے لگی۔ ٹوٹی مارشل کی کیفیت کا بھی احساس تھا اور سچی بات یہ ہے کہ عظمت جلال نے مجھے ایک عجیب راستے پر لگا دیا تھا۔ میں خود اس قدر محنتیں نہیں رکھتی تھی کہ اپنے طور پر مکمل فیصلے کر سکوں جو میرے لئے کار آمد ہوں۔ ٹوٹی مارشل اگر

گے کہ صرف دو افراد ایمنزوں کو کیسے تباہ کر سکتے ہیں لیکن بہر حال ہمیں اپنا یہ کام کسی نہ کسی طرح ہے۔“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو ٹوٹی یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی ہے۔“

”میڈم! اصل میں انہوں نے مجھے ایمنزوں میں قید کر کے اپنے پیروں میں کھانا مارا ہے۔ یاد صورت میں وہ مجھے ہلاک کر دیتے تو ان کے لئے زیادہ بہتر تھا۔ اب میں وہاں کا ایک مفرد ہوں اور وہ مجھے تلاش نہیں کر سکتے لیکن جو کردار میں نے اختیار کیا ہے وہ وہاں واپس جاسکتا ہے چنانچہ اگر آپ کہ وہاں چلا جاؤں۔ مجھے راستوں کا علم ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایک کردار ہے میرے پاس۔ سوچ میں ڈوب گئی اور میں نے کہا۔

”لیکن اس کے بعد ٹوٹی! میرا تم سے کیسے رابطہ رہے گا۔“

”میڈم! میں آپ کو یہاں بے مقصد چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ آپ تھوڑا سا آرام کر لیجئے یا پھر خود کے ذہن میں کوئی بات آتی ہے تو آپ اس پر عمل کیجئے۔ میں اگر آج چلا گیا تو کل رات کو آپ کے آؤں گا اور آپ کو بتاؤں گا کہ میں نے کیا کیا اور اگر نہیں آ سکا کل تو پرسوں ضرور میں آپ تک پہنچوں ہم کسی ریڈیائی ذریعے سے رابطہ نہیں رکھیں گے چونکہ ان کے پاس طاقتور فریکوئنسی ہیں اور وہ ہمارا طرح کی بات سن سکتے ہیں۔“

”ایک بات بتاؤ۔ ہوٹل الفائن کے بارے میں اس شخص نے جس نے تمہاری حیثیت سے مجھ ملاقات کی تھی۔ کچھ ایسی پراسرار کہانیاں سنائیں جنہیں کیا وہ سچ ہیں؟“

”سوفیصدی۔ ہوٹل الفائن کا کاروبار یہی ہے کہ وہ بڑے بڑے لوگوں کے راز معلوم کرے اور کے ذریعے ان بڑے لوگوں کو بلیک میل کرنے۔ مگر اس کا ہمارے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”زیرگر اس کے بارے میں جانتے ہو؟“

”سوفیصدی کیوں؟“ ٹوٹی مارشل نے چونک کر سوال کیا اور میں نے اسے زیرگر اس کے بارے میں تمام تفصیل بتا دی۔

”اوہو۔ ڈی بیل مارا گیا۔ یہ بات میرے علم میں نہیں تھی۔ حالانکہ وہ ایک کام کا مرہ تھا۔ بہت لوگوں کا نقصان ہو گیا لیکن میڈم جہاں تک آپ کا تعلق ہے۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کو خاص طور زیرگر اس کی طرف متوجہ کیا گیا۔ مصنوعی چاند کی دنیا میں انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیکن وہ ایسا کر نہیں پائے۔ بس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچا جاسکتا۔ زیرگر اس کا ان معاملات سے تعلق نہیں ہے اور اگر ہے بھی تم کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔ انہوں نے سوفیصدی زیرگر کا حوالہ دے کر آپ کو وہاں بلوایا تھا۔“

”ٹھیک۔ تو پھر اب کیا کرنا چاہتے ہو؟“

”میڈم! بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میں وہاں رہ کر صورت حال کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ مجھے اجا دیں۔“

دیا۔ اب میں اپنے چہرے پر اس کا میک اپ کرنے کے لئے آزاد ہوں۔ تو بات میں آپ سے کر رہا تھا کہ اس کی محبوبہ گینس پارک اچھی خوبصورت لڑکی ہے اور وہیں ایمنرون میں رہتی ہے۔ مجھے معاف کیجئے گا آپ میرے لئے انتہائی محترم ہیں لیکن میں ضرورتاً آپ کو گینس پارک کا روپ دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ آپ ڈرگروں میں پہنچ سکیں۔“ میں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی اس کا مضمون سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر میں نے کہا۔

”گینس پارک کے چہرے کا میک اپ کرنا ہو گا مجھے۔“

”میک اپ کا سامان لے کر آیا ہوں۔ میرے پاس یہ یہاں بھی اور وہاں ایمنرون میں بھی کافی تعداد میں موجود ہے اور یہ تصویر۔ میں نہیں جانتا کہ آپ میک اپ کر سکتی ہیں یا نہیں لیکن اگر آپ کی اجازت ہو تو میں تھوڑی سی کوشش کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد ہم یہاں سے ایمنرون چلیں گے اور پھر وہاں رک کر صورت حال کا اندازہ لگائیں گے۔“

”اور گینس پارک کا کیا ہو گا؟“

”کبھی کبھی کچھ دکھ بھرے اقدامات کرنا ہوتے ہیں۔ گینس پارک کو اس کے محبوب تک پہنچانا میرا کام تھا۔ سو میں یہ بھی کر کے آیا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“

”اب نہ پوچھیں تو اچھا ہے۔ اس خوبصورت لڑکی کو قتل کرتے ہوئے مجھے کافی دکھ ہوا تھا۔“

”اوہ۔“ میں نے اپنے مزاج کے مطابق کہا حالانکہ میں جانتی تھی کہ جرم کی دنیا میں نکل آنے والے سفاک لوگوں کے لئے انسانی زندگی لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ میں بھی ایسا کر چکی تھی لیکن انتہائی مجبوری کے عالم میں۔ ٹونی مارشل نے تصویر میرے سامنے رکھ دی اور کہنے لگا۔

”یہ گینس پارک ہے۔“ میں نے لڑکی کی صورت دیکھی۔ اچھی خاصی شکل کی لڑکی تھی۔ بہر حال کیا کر سکتی تھی میں اس سلسلے میں چنانچہ خاموش ہو گئی اس کے بعد میں نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔ البتہ میک اپ میں نے خود اپنے چہرے پر کیا تھا اور جب مکمل گرانٹنگ کرنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو ٹونی مارشل کے سامنے پیش کیا تو اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”مجھے بالکل حیرت نہیں ہوئی کیونکہ ہیڈ کوارٹر سے جس شخصیت کو بھیجا گیا ہے وہ صرف میرے ہی بل پر یہاں نہیں آئی ہوگی۔“

”تو پھر اب یہ بتاؤ۔ اب کیا پروگرام ہے؟“

”رات کو ہم ایمنرون پہنچ جائیں گے۔“ میں نے گردن ہلا دی تھی۔ اس کے بعد رات کو ہم نے ایک طویل فاصلہ طے کیا اور اس وقت جب چاند آسمان کے پتھوں بچ لٹکا ہوا روشنی پھیلا رہا تھا۔ ٹونی مارشل اور میں ایک ویران سے علاقے میں پہنچ گئے۔ یہاں بڑی بڑی بھڑائیوں کے درمیان سیاہ رنگ کی ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ ٹونی مارشل نے اس کا دروازہ کھولا اور ہم کار میں بیٹھ کر چل پڑے۔ کار نے بھی خاصا فاصلہ طے کیا تھا اور آخر کار وہ ایمنرون پہنچ گئی تھی۔ ٹونی مارشل نے مجھ سے کہا۔

اس سلسلے میں آگے بڑھ کر کام کر رہا ہے تو یہی مناسب ترین بات تھی اور ممکن بھی اس طرح میری کچھ تربیت ہو جاتی۔ حالانکہ وہ رہ کر دل کو یہی خیال آتا تھا کہ میں ایک مشرقی روایات کے حامل ملک کی ہوں۔ الماس آراء بیگم نے مجھے کچھ بھی بتا دیا ہو لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد خود میرے ماں باپ کون میں یقیناً اپنے آپ کو اسی رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کرتی۔ اپنی چھوٹی بہنوں کی تربیت کرتی اور زندگی انداز میں گزارتی جس طرح اچھے گھرانوں کی لڑکیاں گزارتی ہیں لیکن خیران سارے معاملات میں اب تک بڑھ جانے میں میری اپنی کوششوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ یہ صرف وقت کی ترتیب تھی اور وقت کبھی کوئی لڑ سکا ہے جو میں لڑ سکتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے ہر گوشے میں دولت مند اور دولت مند لوگوں کے مزاج کا فرق یکساں ہوتا ہے۔ یہاں اس آبادی میں ان لوگوں نے جو میرے ساتھ لوٹ سلوٹ کیا۔ اسے میں کبھی نہیں بھول سکتی ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے میں ان کے درمیان کوئی شہ ہوں۔ حالانکہ ان کو مجھ سے ذرہ بھر کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اور پھر یہ بات بھی تھی کہ پتہ نہیں ٹونی مارشل یہاں اپنے لئے کیا مقام بنایا تھا۔ ٹونی مارشل خود میرے پاس دوسری ہی رات کو آیا اور اس نے کہا۔

”میڈم! کبھی کبھی تقدیر ہمارے لئے بڑے اچھے فیصلے کرتی ہے اور وہ جنہیں نقصان پہنچتا ہوتا ہے کے راستے کھتے چلے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ میں نے جو کردار اپنایا ہے اس میں میرے لئے مشکل نہیں پیش آرہی۔ ایمنرون میں میرا ایک مناسب مقام ہے اور میں اطمینان سے اپنی جگہ بنانے کامیاب ہو گیا ہوں۔ نہ صرف یہ میڈم بلکہ میں نے شدید کوشش کر کے آپ کے لئے بھی ایک جگہ کر لی ہے۔“

”مطلب؟“

”ڈرگروں میں کیا آپ جانا پسند نہیں کریں گی؟“ میرے پورے بدن میں سنسنی کی ایک لہر دوڑی میں نے اس سے کہا۔

”کیا یہ ممکن ہے؟“

”ممکن ہی تو بنا کر آیا ہوں۔ میرے دوست گرینن نے ہمارے لئے ایک بہترین موقع فراہم کیا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ موقع ہمیں گرینن کی محبوبہ بھی فراہم کر رہی ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ ہم ایک کتنی بڑی غلطی کر ڈالی تھی۔ یعنی ہم نے گرینن کی لاش کو اسی طرح نمایاں طور پر چھوڑ دیا تھا جبکہ اسی کا روپ اختیار کرنا تھا۔ وہ تو شکر ہے کہ ابھی تک اس کی جانب کسی نے توجہ نہیں دی تھی ورنہ ہم بہت بڑی آسانی سے محروم ہو جاتے۔“

”تمہیں کیسے معلوم کہ اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی؟“ میں نے سوال کیا۔

”جب مجھے صورت حال کا اندازہ ہوا اور میری پلاننگ میرے ذہن میں آئی تو پھر میں نے دوڑ لگانے کے لئے کہ گرینن کی لاش کا کیا ہوا۔ وہ لاش وہیں اس جگہ پڑی ہوئی تھی۔“

”تو پھر اس کے بعد؟“

”میں نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ اس کے بدن پر وزنی پتھر باندھ کر اسے جھیل کی تہ میں

بچی اور میں نے کبھی ہٹایا لیکن اس کے بعد میرے سینے پر ایک تیر سا لگا اور میرے بازوؤں میں گرم گرم لہریں اترنے لگیں۔ یہ گینس پارک کی لاش تھی جس کے جسم پر کوئی زخم وغیرہ نہیں تھا۔ اسے گردن دبا کر مار دیا گیا تھا۔ انہیں گینس پارک کا مردہ جسم مل گیا تھا اور ان کے سامنے میں گینس پارک کی حیثیت سے موجود تھی۔ ایک لمحے کے اندر اندر مجھے یہ احساس ہوا کہ میں شدید خطرے میں ہوں اسی وقت وہ دوسرے قوی ٹیکل آدمی بھوکے بھیڑیوں کی طرح میرے اوپر ٹوٹ پڑے۔

وہ بیک وقت دائیں اور بائیں سے میرے سامنے آگئے لیکن میں برق رفتاری سے فرش پر بیٹھ گئی اور وہ جھونک میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ میں ان کے بچ سے نکل گئی تھی لیکن میں سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ ان میں سے ایک نے جیب سے لمبا شکاری چاقو نکالا اور اسے کڑکڑاہٹ کے ساتھ کھول لیا۔ پھر وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مجھے دیکھنے لگا۔ میری ساری توجہ اس کی طرف مرکوز تھی کیونکہ اس کی طرف سے غافل ہونے کا مطلب موت تھا۔ اس نے خونخوار چیتے کی مانند مجھ پر چھلانگ لگائی تو میں نے آسانی سے اس پر ہاتھ ڈال دیا اور اس کا چاقو والا ہاتھ گرفت میں لے کر موڑ دیا۔ اس کے حلق سے ایک مکروہ چیخ نکلی تھی اور چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ میں نے پھرتی سے جھک کر چاقو اٹھانے کی کوشش کی تو میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ دوسرے آدمی نے میرے سر پر وار کر دیا تھا۔ میں اس وقت کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی اس لئے وہ دوسرا آدمی میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا لیکن یہ غفلت مجھے لے ڈوئی۔ اس کا وار اتنا شدید تھا کہ میں برداشت نہیں کر سکی۔ میری نگاہوں کے سامنے تاریکی کا گہرا پردہ گرنے لگا اور کانوں میں سنسنہاٹ سی پیدا ہو گئی اس کے بعد جو ہونا تھا وہی ہوا۔ میرا جسم لہرایا تھا اور پھر میں دنیا سے بے خبر ہو گئی تھی دوبارہ ہوش آنے پر میں نے خود کو ایک کمرے کے فرش پر پڑے ہوئے پایا۔ میں آزاد تھی اور حرکت کر سکتی تھی میں نے اٹھ کر کمرے کا جائزہ لیا تو مجھے پتہ چلا کہ اس کا فرش لکڑی کا ہے۔ کہیں دور سے پانی کی لہروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ گویا میں کسی سمندر یا دریا کے قریب تھی۔ یقیناً جہاں میں موجود تھی وہ ایک کیمپن تھا۔ میں نے کھڑکی کے قریب جا کر اسے کھولا چاہا تو ناکام رہی۔ کھڑکی باہر سے بند تھی۔ تھک ہار کر میں دروازے کے قریب پہنچی۔ اسے کھولنا چاہا تو نہ جانے کیا ہوا کہ میرا پاؤں پھسل گیا اور میں گر پڑی۔ اس عمل میں فرش میں لگے ہوئے تختوں میں سے ایک تختہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ میں نے سنبھل کر اسے اٹھایا تو نیچے خلا محسوس ہوا۔ اصل فرش ڈھائی فٹ نیچے تھا۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میں نے دروازے پر دو ایک ٹھوکریں رسید کیں اور پھر تیزی کے ساتھ اس تختے کو اٹھا دیا اور اس کے نیچے خلا میں بیٹھ کر تختہ برابر کر لیا۔ گویا اب میں ایک قبر میں تھی۔ دروازے پر جو میں نے ٹھوکریں ماری تھیں۔ اس کا نتیجہ بھی دیکھنا چاہتی تھی۔ اگر کوئی آس پاس ہوا تو اس طرف ضرور متوجہ ہوگا۔ میری توقع کے مطابق کچھ لمحوں کے بعد قدموں کی آواز ابھری اور کسی نے دروازہ کھول کر تاراج کی روشنی اندر بھینکی پھر کمرے کو خالی پا کر وہ خوفزدہ لمبے میں چپٹا۔

”ارے وہ بھاگ گئی؟“

”بھاگ گئی۔“

”اور اب ضروری ہے کہ تم گینس پارک کا گھر سنبھال لو اور اپنے معمولات میں مصروف ہو جاؤ۔ اپنے گھر میں تنہا رہتی تھی اور عام طریقے سے اپنے معمولات سرانجام دیتی تھی۔ جب کبھی اس کی ضرورت پیش آتی تھی تو وہ طلب کر لی جاتی تھی۔ میری اور تمہاری ملاقات مناسب وقت پر ہوگی۔ اب میں ہوں۔“ گینس پارک کا جو چھوٹا سا فلیٹ تھا وہ ایک بڑے کمرے ایک چھوٹے کمرے کچن اور واش روم وغیرہ پر مشتمل تھا۔ میں نے اس فلیٹ میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور اس کے بعد میں اس فلیٹ کا مکمل طور پر جائزہ لینے لگی۔ گینس پارک شاید میری ہی جسامت کی لڑکی تھی۔ اس لئے خصوصی ط پر اس کے بارے میں کوئی مارشل نے کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ تقریباً سولہ گھنٹے تک مجھے یہاں کہ انہیں کا سامنا نہیں کرنا پڑا لیکن اس کے بعد مجھے نیلی فون پر ایک کال موصول ہوئی۔

”مس پارک۔“ کسی نے کہا۔

”ہی سر۔“ میں نے اپنے لرزے ہوئے دل کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

”ڈیوٹی لائن پہنچ جاؤ۔ ابھی تمہارے لئے کار آ رہی ہے۔ ڈرائیور کے ساتھ ڈیوٹی لائن آ جاؤ۔ ایکس فور میں تمہیں طلب کیا گیا ہے۔“ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر فون بند ہو گیا۔ میں دیر تک اپنے بدن آ لرزشوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی اور پھر میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ یہ ہی شکر تھا کہ کوئی کا مجھے لینے آ رہی تھی جس میں ڈرائیور موجود تھا۔ بہر حال میں تیار ہو کر نیچے اتر آئی۔ میں نے اپنے ذہن میں ایکس فور کو کتنی ہی بار یاد کر لیا جہاں مجھے پہنچنا تھا۔ اس دوران میں نے اپنے لئے لائحہ عمل بھی تیار کر لیا کہ مجھے کس طرح یہ سارا کام سرانجام دینا ہے۔ سولہ گھنٹے کے بعد ایمیزون کے علاقے کو دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔ یہ ڈرگز ایریا تھا۔ پتہ نہیں گرینی لینڈ میں اس جگہ کی کیا حیثیت تھی اور مقامی حکومت نے اسے کس طرح کی آزادی دے رکھی تھی۔ پھر میں ڈیوٹی لائن پہنچ گئی۔ یہاں چھوٹے چھوٹے بیرک بنے ہوئے تھے جن پر مختلف نمبر لکھے ہوئے تھے۔ ایکس فور تلاش کرنے میں مجھے خاصی دقت پیش آئی۔ یہ بھی ایک بڑا اسٹور تھا۔ یہاں بہت بڑے بڑے گودام بھی بنے ہوئے تھے اور اگر عظمت جلال کا اشارہ انہی گوداموں کی طرف تھا تو درحقیقت یہ گرام بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ میں تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی اور اس کے بعد ایکس فور کی جانب چلی گئی۔ اس وسیع و عریض بیرک میں داخل ہوئی ہی تھی کہ میرے عقب سے دو افراد اندر داخل ہو گئے۔ یہ خاصے قوی ٹیکل تھے۔ ان کے پیچھے ہی پیچھے ایک اور شخص بھی تھا۔ بڑے سے گودام کا دروازہ بند کر دیا گیا میں پرسکون انداز میں ایک ایک قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ اس گودام کے دوسرے حصے میں ایک بڑا سا پردہ پڑا ہوا تھا اور پردے کے پیچھے تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ تینوں میرے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اس پردے کے پاس پہنچ گئے۔ پھر تیسرے آنے والے شخص نے سورج دبا کر روشنی کر دی اور میں نے پردے کے عقب کے ماحول کو دیکھا۔ جگہ خالی تھی صرف ایک گوشے میں ایک ٹیکل پڑی ہوئی تھی اور بڑی سی ٹیکل پر ایک انسانی جسم نظر آ رہا تھا جسے ایک مونے سفید کبل سے ڈھک دیا گیا تھا۔

”مس پارک! آپ پلیز ذرا اسے دیکھیں اور پہچانیں کہ یہ کون ہیں۔“ تیسرے آدمی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا اور میں نے اس جسم کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میں ٹیکل کے پاس

”ہاں۔ یہاں نہیں ہے۔“
”مگر کیسے؟“

”پتہ نہیں کیسے فرار ہو گئی کم بخت شیطان کی اولاد۔“ اور اس کے بعد وہ جو کوئی بھی تھے باہر بھاگ گئے۔ میرے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ میں اپنی جگہ سے تختہ ہٹا کر نکلی اور دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ میرے اندازے کے مطابق دروازہ کھلا ہوا تھا کیونکہ اس آدمی نے یہ سوچ کر کہ میں فرار ہو چکی ہوں دروازہ باہر سے دوبارہ بند کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں باہر نکلی تو میں نے تاروں کی چھاؤں میں ایک محافظ کو مسلح کھڑے ہوئے پایا۔ وہ مسلح تھا اور وہ آدمی جس نے کمرہ خالی دیکھا تھا اپنے ایک اور ساتھی کے ساتھ اسے صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ میں نے ایک ایسی مناسب جگہ تلاش کی جہاں ایک لمحے کے لئے رک کر ان کا جائزہ لے سکوں۔ میرا اندازہ بالکل درست تھا۔ یہ ایک ساحلی کیمپ تھا جو لکڑی سے تیار کیا گیا تھا۔

کچھ لمحے میں سوچتی رہی۔ آگے بڑھنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اس لئے ایک بار پھر میں کیمپ کے دروازے کے پاس آگئی اور میں نے ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر ہاتھ میں لیا۔ لکڑی کا کیمپ زمین سے ڈھالی فٹ نیچا بنا ہوا تھا اس لئے میں اسے با آسانی دیکھ سکتی تھی۔ تھوڑے فاصلے پر وہ مسلح محافظ جسے وہ لوگ صورت حال سے آگاہ کر رہے تھے، موجود تھا۔ وہ دونوں تو تیزی سے آگے بڑھ گئے لیکن مسلح محافظ ان لوگوں کی بات کی تصدیق کرنے کے لئے کیمپ کی جانب چل پڑا۔ میرے اندازے سو فیصدی درست ثابت ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھا اور اس نے جیسے ہی کیمپ پر چڑھنے کے لئے میڑھی پر قدم رکھا۔ میں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پتھر اس کے اسٹین گن والے ہاتھ پر مارا۔ گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گری لیکن اسے تعجب ہوا کہ یہ کون ہو سکتا ہے۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ پھر گن اٹھانے کے لئے جھکا۔ میں نے لینے ہی لینے اپنے جسم کو تولا اور اس پر چھلانگ لگا دی۔ اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی اور میرے ساتھ لپٹا ہوا نیچے آگرا۔ اسی وقت اس کی کراہ سن کر دونوں میں سے ایک آدمی بھی پلٹ پڑا تھا۔ اس نے برق رفتاری سے مجھ پر چھلانگ لگائی لیکن اب میں تیار تھی۔ میری لات چلی تو وہ اچھل کر دور جاگرا۔ میں نے اپنے نیچے دبے ہوئے شکار کو زیادہ مہلت نہیں دی اور اس کو گھونٹوں پر رکھ لیا۔ میں اس کی کن پٹی پر ایسے نیچے تلے ہاتھ مار رہی تھی کہ وہ مقابلے پر نہ نک سکے۔ یہ ہی ہوا بھی۔ دوچار ہاتھ کھانے پر اس کی قوت مدافعت جواب دے گئی اور وہ آنکھیں بند کر کے ہانپنے لگا۔ میں اس کے اوپر سے اٹھ کر گن کی طرف بڑھی تو اس کے ساتھی نے بھی اسی لمحے چھلانگ لگائی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ وہ خود بھی اسٹین گن تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میرے دل میں یہ خوف گزرا کہ ان کا کوئی اور ساتھی مدد کو نہ آجائے۔ ایسی صورت میں خالی ہاتھ میں ان تینوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ بہر حال ہم دونوں تین زمین پر گرے تھے اور پھر اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ ہاتھ پھیلا کر میری طرف بڑھا تو میں نے زمین پر گرتے ہوئے اسے فلتانگ لک ماری اور اس کے حلق سے زور دار آواز نکلی اور وہ دور جا کر گرا۔ میں نے فوراً اسٹین گن پر چھلانگ لگائی اور اسے سنبھال لیا۔ اس بار وہ ہمت کر کے

ٹھا اور دانت چیتا ہوا میری جانب بڑھا تو میں نے اسٹین گن کی ٹال کا رخ اس کی طرف کر کے لیور کھینچ لیا۔ اس کے حلق سے ایک بھیاںک چیخ نکلی اور وہ زمین پر گر کر ذبح کئے ہوئے کبرے کی مانند لوٹنے لگا۔

اس کے دوسرے ساتھی نے غالباً اس وقت یہی مناسب سمجھا تھا کہ اپنی جگہ سے اٹھنے کی ہمت نہ کرے۔ وہ آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ میں نے اس کیمپ سے سڑک کی طرف قدم بڑھا دیئے اور برق رفتاری سے دوڑنے لگی۔ پتہ نہیں ان لوگوں نے اس سلسلے میں میرے ساتھ لاپرواہی کیوں برتی تھی اور مجھے ایسی جگہ کیوں قید کیا تھا جہاں سے میں اس طرح نکل سکوں۔ بہر حال کسی کی ذہنی کیفیت کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ میں تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی بہت دور نکل آئی اور اس کے بعد میں نے عمارتوں کا ایک لمبیل سلسلہ دیکھا۔ وہ عمارت جو پہلی بار میرے سامنے آئی میں اس میں داخل ہو گئی۔ اس عمارت میں بے شمار درخت پھیلے ہوئے تھے اور ان درختوں کے درمیان ایک خوبصورت سی عمارت بنی ہوئی تھی۔ یہاں میں نے کچھ افراد کو دیکھا اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ مسلح ہیں۔ وہ بہت محتاط معلوم ہو رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص میرے سامنے سے گزرا تو میں نے ایک درخت کی آڑ لے لی اور وہاں سے سرک کر ایک اور درخت کے پیچھے رک کر انتظار کرنے لگی اور آخر کار وہ سامنے سے گزرا تو میں نے آگے بڑھ کر اس کی گردن پر وار کر دیا۔ اس کی گردن چٹ کی آواز کے ساتھ ٹوٹ گئی اور وہ کسی ذہنی شہتیر کی طرح زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد میدان صاف تھا۔ میں دروازے سے اندر داخل ہو گئی اور پھر ایک راہداری طے کرنی ہوئی ایک بڑے سے ہال میں آگئی۔ ہال کے دائیں جانب سے کچھ آوازیں ابھر رہی تھیں۔ میں دے قدموں اس طرف چل پڑی۔ وہاں ایک کمرہ نظر آیا۔ جس کا دروازہ بند تھا میں نے کی ہول سے آنکھ لگائی تو مجھے تین افراد وہاں نظر آئے۔ ان کے سامنے ایک ٹیلی ویژن سیٹ رکھا ہوا تھا جس کی اسکرین روشن تھی جس پر نہ جانے کیسے کیسے مناظر آرہے تھے۔ میں نے ان آوازوں پر کان لگا دیئے اور پھر اس وقت میری سنسنی کی انتہا نہ رہی جب میں نے بقیہ دو افراد کو اس تیسرے افراد کو مسٹر فریڈرک پکارتے ہوئے دیکھا۔

تو یہ ہے فریڈرک! میں نے غور سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ ٹھوس جسم کا مالک گورے چمے رنگ کا آدمی تھا۔ عمر بچپن سے زیادہ رہی ہوگی اور وہ بڑی زبردست شخصیت کا مالک نظر آتا تھا۔ میں نے ایک لمحے تک کچھ سوچا اور اس کے بعد ایک جنونی فیصلہ کیا۔ عظمت جلال نے مجھ سے کہا تھا کہ میں فریڈرک کو مار دوں۔ چنانچہ اس وقت فریڈرک میرے سامنے آ گیا تھا۔ اگر یہاں مصلحت سے کام لوں تو نہیں کہا جاسکتا کہ دوبارہ اس میں کوئی کامیابی حاصل ہو یا نہ ہو چنانچہ جو فیصلہ کرنا ہے زندگی کی بازی لگانا ہے۔ ویسے بھی کوئی کام اتنی آسانی سے نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ میں نے دروازے پر ایک بھرپور لات ماری اور دروازہ کھل گیا۔ میں پھرتی سے گن ہاتھ میں لے کر اندر داخل ہو گئی فریڈرک کے ساتھی میری گن کی پرواہ نہ کرتے ہوئے غرا کر میری طرف لپکے تو میری گن نے گولیاں اگلتا شروع کر دیں اور وہ خون میں نہا گئے۔ میں نے اندھا دھند ان پر فائرنگ کر ڈالی تھی اور انہیں زمین پر ترچا دیا تھا۔ پھر میں نے گن کی ٹال فریڈرک کے پیچھے کر کے ٹریگر دبا دیا۔ مگر اس سے ڈس ڈس کی آواز نکل کر رہ گئی۔ میری گن کا میگزین خالی ہو چکا تھا۔ مگر کوئی محسوس کر کے فریڈرک نے مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ وہ اپنی بھاری جسامت کے باوجود بہت پھرتیلا تھا لیکن میں نے پھرتی

داخل ہوا۔ میں نے چونک کر دیکھا یہ شکل مجھے اجنبی محسوس ہوئی تھی لیکن جب وہ بولا تو اس کی آواز اجنبی نہیں تھی۔

”اوہ میرے خدا تم یہ زبردست کارنامہ انجام دے چکی ہو میڈم شاہ نور! براہ کرم جلدی کرو ہمارے پاس دقت نہیں ہے۔ یہ سنبھالو۔“ اس نے اپنے ہاتھ کا ایک ریوالور میری طرف اچھالا اور میں نے اسے با آسانی کچ کر لیا۔ میرے خون آلود ہاتھ شدید چپ چاپٹ محسوس کر رہے تھے لیکن یہ موقع اپنے ہاتھوں کی گندگی پر توجہ دینے کا نہیں تھا۔ میں نے ٹوٹی مارشل کی آواز کو فوراً پہچان لیا تھا جو یقیناً گریفین کے میک اپ میں تھا۔ اس نے فریڈرک کے قریب جا کر اس کا جائزہ لیا۔ فریڈرک اب سر ہو چکا تھا۔ اس کے بعد وہ بولا۔

”پھرتی سے میرے ساتھ ساتھ چلی آئیے میڈم! راستے میں موجود ہر رکاوٹ کو ختم کر دیجئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔“ میں پھرتی سے باہر نکل آئی۔ ٹوٹی مارشل میرے آگے آگے دوڑ رہا تھا۔ ہم لوگ ایک راہداری سے گزرے اور پھر دوسری طرف گھوم کر کھلی جگہ پر آگئے۔ لوگ آ جا رہے تھے جب کوئی ہماری جانب متوجہ نہ ہوا تو ہم اچانک ہی سنبھل گئے۔ مارشل نے کہا۔

”وہ جو بائیں سمت ایک پھوٹی سی جگہ نظر آرہی ہے وہاں چلنا ہے۔“ فاصلہ کافی تھا۔ ہم لوگ احتیاط سے ادھر چلتے رہے۔ یہاں بھی ہمیں کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ مارشل آخر کار ایک چھوٹے ٹرک کے پاس پہنچ گیا جو بالکل کٹھارہ تھا۔ اس نے ٹرک کے اگلے حصے کو کھولا اور اسٹیزرنگ پر بیٹھ کر برابر کا دروازہ کھول دیا۔ میں اچک کر اوپر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے ٹرک اشارت کر کے آگے بڑھا دیا اور پھر انتہائی برق رفتاری سے آگے دوڑنے لگا اور ایمنزون سے باہر نکل آیا۔ اس دوران دلچسپ بات یہ تھی کہ ہمیں کسی بھی جگہ کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا پھر وہ کافی فاصلے پر پہنچنے کے بعد ٹرک کی رفتار کم کرنے لگا اور بالکل تمام اس نے اسے روکا پھر ہنس کر بولا۔

”کم بخت کے بریک فیل ہیں۔ صرف گیر سے اسے کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔“

”ارے کیا واقعی؟“

”ہاں آپ یقین کریں۔ میں نے جان بوجھ کر اس کا انتخاب کیا تھا تاکہ کوئی اس طرف متوجہ نہ ہو سکے۔“

”میں نے تم سے ابھی تک کچھ نہیں پوچھا۔“

”میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔ چند ایک لمحات توقف کر لیجئے۔ ہمارا یہی مشن تھا تاکہ ایمنزون کا ڈرگز اسٹور تباہ کر دیا جائے۔ کاش! آپ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتیں لیکن بے فکر رہیں۔ میں نے اس کی تصاویر اتاری ہیں۔ آپ ہیڈ کوارٹر ڈرگز اسٹور کی تصاویر دکھا سکتی ہیں اور باقی کام خود بخود ہو جائے گا۔“ وہ کہنے لگا۔

”میں ابھی آپ کو بتاتا ہوں۔“ اس نے یہ کہہ کر ٹرک کا انجن بند کر دیا اور مجھ سے بولا۔ ”نیچے اتر آئیے۔ اب ہم دوبارہ اسے آگے بڑھانے کا رسک نہیں لے سکتے۔ چاہے ہمیں یہ فاصلہ پیدل طے کرنا

سے ایک طرف ہو کر اس کا وار خالی کر دیا اور وہ اپنے ہی زور میں دیوار سے جا ٹکرایا۔ میں نے پلٹ کر کی گردن پر وار کیا تو وہ جیج مار کر ڈھیر ہو گیا لیکن اس بار جب وہ اٹھا تو اس کے ہاتھ میں بھی ریوالور نظر میں پھرتی سے چپٹ لیٹ گئی اور فرش پر گر کر پھسلی اور اس کی ٹانگوں سے جا ٹکرائی۔ وہ اٹھ کر گر پڑا۔ ہوا اور گولی ٹیلی ویژن پر جا لگی۔ اس کا ٹیوب ایک چھٹاکے سے ٹوٹ گیا اور شیشے کی کڑیاں فرش پر گئیں۔ فریڈرک نے دوبارہ ریوالور والا ہاتھ اٹھایا تو میں نے ایک جھٹکے لے کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اس سے ٹکرایا۔ ایک خوفناک دھماکے سے دیوار جھجھنا اٹھی۔ فریڈرک کے حلق سے جیج نکلی اور ریوالور گر پڑا۔

چند منٹ تک تو وہ جنگلی بیل کی طرح ڈکراتا رہا پھر بخونانہ انداز میں مجھ سے پلٹ گیا۔ میں محسوس کیا کہ اس کا جسم فلواد کی طرح ٹھوس ہے اور اگر وہ صحیح طور پر مجھے گرفت میں لینے میں کامیاب ہو گیا تو مجھے نقصان اٹھانا پڑے گا۔ چنانچہ میں نے ایک لمبا سانس کھینچا اور جسم کو ڈھیلا کر کے اپنے ہاتھ آ کر لے۔ اس نے بیٹھے بیٹھے مجھے ٹکرائی اور میرا منہ جھنجھٹا اٹھا۔ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی اور اس تاریکی کو دور کرنے کے لئے مجھے کئی بار گردن جھٹکنا پڑی۔ پھر جب میری آنکھوں کی روشنی بحال ہوئی تو میں نے اپنے لمبے ناخنوں والی انگلی فریڈرک کی آنکھ میں گھسیڑی۔ اس کے حلق سے اب دلوز جیج نکلی اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ فوراً کھڑا ہو گیا اور اپنے ہاتھ بڑھا کر میری گردن اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کرنے لگا۔ میں تڑپ کر اس سے دور ہو گئی۔ وہ اس وقت بہت بھیاںک نظر آ رہا تھا۔ اس کی دائیں آنکھ سے فرش پر خون کے موٹے موٹے قطرے گر رہے تھے اور میری انگلیاں اس کا دیدہ با نکال لائیں تھیں۔ اس کا دیدہ باہر نکل رہا تھا۔ وہ شدید کرب کے عالم میں چیخا ہوا میری طرف بڑھا تو میں نے دائیں جانب جھکائی دے کر اس کے جڑے پر ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ غالباً یہ گھونسہ تباہت طاقتور پڑا کیونکہ اس کا جڑا ٹوٹ گیا تھا۔ اس کی دہاڑوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ مجھے کچا ہی دے جائے گا۔ اب چہرے کے ساتھ ساتھ اس کے کپڑے بھی لہلہان ہو گئے تھے اور اس وقت وہ بہت ڈراؤ لگ رہا تھا۔ اچانک اس نے اچھل کر مجھے پکڑ لیا اور اس بار اس نے اپنے لباس سے ایک خنجر نکال لیا تھا۔ مجھے اچانک ہی احساس ہوا کہ اس وقت میں غلط پوزیشن میں ہوں۔ اس نے اچانک دباؤ بڑھایا تو مجھے انا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ میں نے اس کا خنجر دالا ہاتھ اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے لیا اور پھر میں نے اسے موڑ کر پھرتی سے اس کے سینے میں گھونپ دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اسے نیچے تک کھینچ دیا تھا۔ خنجر کا پورا دستہ اس کے پیٹ میں تھا اور میرے ہاتھ کی طاقت سے وہ نیچے تک چلا گیا تھا۔ اس کی آہستہ باہر نکل پڑیں اور وہ انتہائی کرب ناک آواز میں چیخنے لگا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

میں نے ایک طویل سانس لی اور اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ادھر فریڈرک اپنے پاؤں پر کھڑا نہ رہا پارہلہتا پھر وہ فرش پر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ اس کے جسم سے خون کا اتنا اخراج ہو رہا تھا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی طاقتور بیل کو کاٹ دیا گیا ہو۔ ایک لمحے تک میں سنسنی خیز لگا ہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ اسی وقت اچانک دروازہ کھلا اور ایک شخص دونوں ہاتھوں میں ریوالور سنبھالے ہوئے اندر

بہر حال تھوڑی دیر کے بعد سڑک پر سے بے شمار گاڑیاں گزرنے لگیں لیکن ہم شر پہنچ گئے تھے اور ٹوٹی مارشل نے مجھے ایک مکان تک پہنچانے میں میری مدد کی تھی اور اس کے بعد مجھے وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ صورت حال کی مکمل رپورٹ مجھے پیش کرے گا۔ اس چھوٹے سے مکان پر پہنچ کر اپنے آپ کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ کچھ کرنا پڑ رہا تھا جس کے کبھی خواب بھی نہیں آتے۔ بہر حال پھر اس کے بعد گرینی لینڈ کے اس دارالحکومت میں زیادہ دیر رہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ مافیا کے لوگ باقی تمام معاملات میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ عظمت جلال کو بھی میرے اس ارادے کی اطلاع لمحوں میں پہنچ گئی تھی۔ مجھے اس کا پیغام ٹوٹی مارشل کے ذریعے ہی ملا۔ جس میں اس نے کہا کہ گرینی لینڈ کے نواحی علاقے بہت خوبصورت ہیں۔ میں آرام سے ان کی سیر کروں اور ٹوٹی مارشل گائیڈ کرے گا۔ مقصد یہ تھا کہ ابھی گرینی لینڈ سے میری واپسی ممکن نہیں ہے۔ میں نے بھی اپنے آپ کو ان رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ ٹوٹی مارشل نے میرے لئے انتظامات کئے وہ ایک اچھا انسان تھا۔ ہم لوگ اپنے کام کو برا نہیں کہتے اور انہیں اچھا سمجھ کر ہی کرتے ہیں اور پھر خاص طور سے میری جو ذمہ داری تھی واقعی میرے نزدیک اچھی ہی تھی۔ لاکھوں من چرس، ہیروئن تباہ ہو گئی تھی اور اس کی تفصیلات مقامی پولیس میں باقاعدگی سے پڑھی جاسکتی تھیں۔ اب یہ کاروبار تباہ ہو گیا تھا اور اس کاروبار کے ساتھ بہت سے لوگ بھی مارے گئے تھے جو مقامی طور پر یقیناً بڑی حیثیت کے مالک ہوں گے۔ فریڈرک کے آئی کے خاص طور سے عظمت جلال نے مجھے ہدایات دی تھیں۔ اب تو مقامی حکومت بھی اس کے سیاہ کارنامے کا کھول کر بیان کر رہی تھی۔ ایسا تو ہر جگہ ہی ہوتا ہے۔ برے لوگ زیادہ تر صاحب اقتدار ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں کی لمبائی اتنی ہوتی ہے کہ کبھی کبھی حکومتیں بھی ان ہاتھوں کو پیچھے نہیں کرتیں لیکن جب تم جانتے ہیں تو ان کے برے کارنامے بڑے اعلیٰ پیمانے پر منظر عام پر لائے جاتے ہیں۔ میں ان ساری دانیوں سے بھی باخبر تھی۔

عظمت جلال ایک عجیب و غریب انداز میں کام کر رہا تھا اور میں نے بارہا اس کے بارے میں سوچا تھا۔ بی میری ہٹ لسٹ پر تھا اور اب بھی میں نے اسے نظر انداز نہیں کیا تھا۔ بشرطیکہ الماس آراء بیگم اس میں کوئی مؤثر قدم اٹھائیں۔ بارہ تیرہ دن مجھے گرینی لینڈ میں رہنا پڑا اور اس کے بعد عظمت جلال کی سب سے نئی ہدایات مضبوط ہو گئیں۔ مجھے اس حیثیت سے واپس نہیں جانا تھا جس حیثیت سے یہاں آئی بلکہ میرے پاسپورٹ اور کاندات میرے وطن ہے ہی یہاں بھیجے گئے تھے اور مجھے ایک نئی حیثیت سے وطن جانا تھا۔ پاسپورٹ پر جو تصویر لگی ہوئی تھی وہ بہت اچھی شکل و صورت کی حامل ایک خاتون کی جس کا نام مس زیلا تھا۔ مس زیلا کی حیثیت سے مجھے واپس جانا تھا۔ یہ عظمت جلال کا کوئی مسئلہ ہو گا۔ نے پاسپورٹ کی تصویر کے مطابق اپنے چہرے پر میک اپ کیا۔ ٹوٹی مارشل نے اس بات کی تصدیق کی کہ میک اپ لاجواب ہے حالانکہ عظمت جلال کی طرف سے ٹوٹی مارشل کو یہ ہدایات کی گئی تھیں کہ کسی اپ ماسٹر سے چہرے میں یہ تبدیلی کرائی جائے لیکن میں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ اپنے پاسپورٹ کے نام مقررہ وقت پر میں اپنے وطن روانہ ہو گئی۔ اپنے آپ کو لاکھ دل دکھا دینے والے جذبات سے دور

پڑے۔" میری سمجھ میں تو کوئی بات ہی نہیں آرہی تھی۔ ٹرک کے ٹوٹے چھوٹے پچھلے حصے میں ایک عجیب سی مشین رکھی ہوئی تھی جو کافی وزن معلوم ہوتی تھی۔ ٹوٹی مارشل نے مجھ سے کہا۔ "آئیے، اوپر آجائیے۔ اس مشین کو نیچے اتارنا آسان نہیں ہے۔" میں اب بھی کچھ نہیں سمجھی تھی لیکن اس کے بعد ٹرک کے پچھلے حصے میں پہنچ گئی۔ ٹوٹی مارشل مشین میں مصروف تھا۔ اس نے مشین کے چند بٹن آن کئے اور اس کے بعد اس نے تین سفید بٹن ایک ایک کر کے دبا دیے۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد ایمیزون میں ہولناک دھماکے ہونے لگے۔ یہ دھماکے اتنے شدید تھے کہ ٹرک ایک ایک فٹ اونچا اچھل گیا۔ زمین اس طرح لرزنے لگی جیسے شدید ترین اسکیل کا زلزلہ آگیا ہو۔ میں نے ٹرک کے دونوں سائیڈ کھڑے تھے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے نظری آخری حد پر نظر آنے والے ایمیزون کو دیکھ رہی تھی جہاں سے سفید غبار بلند ہو رہا تھا۔ دھماکے مسلسل ہو رہے تھے اور زمین لرز رہی تھی۔ ٹرک شدید جھٹکے کھا رہا تھا اور اس میں رکھی ہوئی مشین ادھر سے ادھر اچھل رہی تھی۔ کئی جگہ سے میں نے زمین کو پھٹتے ہوئے بھی دیکھا تھا اور میری آنکھوں میں شدید دہشت بیدار ہو گئی۔ خدا خدا کر کے یہ دھماکے رکے تو ٹوٹی مارشل نے کہا۔ "آئیے۔ نیچے اتر آئیے۔ اب ہمیں اتنی دور نکل جانا چاہیے کہ اس طرف متوجہ ہونے والی فورس ہمارا شبہ بھی نہ پاسکیں۔" میرے اعصاب بری طرح کشیدہ تھے لیکن میں بہر حال آگے بڑھنے لگی اور پھر طویل فاصلے طے کر کے ہم سڑک کے کنارے پہنچ گئے۔ ابھی تک سڑک سنسان تھی لیکن ایمیزون میں جو خوفناک دھماکے ہوئے تھے۔ وہ پورے دارالحکومت کے لئے انتہائی سنسنی خیز تھے اور میں جانتی تھی کہ کارگاس کے حکام چند ہی لمحوں بعد برقی رفتاری سے اس طرف دوڑ پڑیں گے۔ بات معمولی نہیں تھی۔ ہم لوگ سڑک کے ساتھ ساتھ نیچے کے ڈھلوانوں پر سز کرتے رہے پھر دور سے ہمیں ہیلی کاپروں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی تھی۔ میں نے یہ سفر طے کرتے ہوئے کہا۔ "مگر ٹوٹی!"

"میڈم! ہم ایک شاندار اطلاع دینے کے لئے تیار ہیں۔ فریڈرک کی موت اور کارگاس کے ایمیزون میں منشیات کے اربوں ڈالر کے ذخائر تباہ ہو چکے ہیں۔"

"مگر کیسے؟"

"تقدیر نے ہمارا ساتھ دیا۔ یہ زیر زمین گودام جو اوپر والے گوداموں کے نیچے تھے۔ اتفاق سے ہم لگا ہوں میں آگے اور وہ ڈائنامیٹ اسٹور بھی جس میں ڈائنامیٹ کے بڑے بڑے کارٹن بھرے ہوئے تھے بس یوں سمجھ لیجئے میں نے وہ کارٹن ڈرگز اسٹور کے نیچے پہنچانے کی محنت کی اور انہیں ریڈیو کنٹرول منسلک کر دیا۔ مگر مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس سے بھی بڑا کارنامہ آپ سرانجام دے رہی ہیں یعنی فریڈرک کی موت کا کارنامہ۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اس وقت ڈرگز مافیا کو شدید ترین نقصان پہنچا ہے! میں سمجھتا ہوں برسوں وہ اس نقصان کو پورا نہیں کر پائیں گے اور مشکلات کا شکار رہیں گے۔ یہ ایک انوکھی کھیل ہے میڈم! بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ہم اپنی کوششوں میں زبردست طریقے سے کامیاب ہو رہے ہیں۔"

”ہیلو مس۔“ مرد بھی بولا میں نے بھی مسکراتے ہوئے انہیں ہیلو کہا تھا۔ مجھے زیلا کے نام سے کرنے کا مطلب میں جانتی تھی۔ عورت نے مجھ سے رخسار ملائے۔ مرو نے احترام کے ساتھ ہیرے ہاتھ سے لے لیا اور اس کے بعد ہم ایئر پورٹ سے باہر کھڑی ہوئی قیمتی کار میں جا بیٹھے۔ میں دونوں سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میں جانتی تھی کہ زیلا کے نام۔ مخاطب کرنے والے اجنبی لوگ نہیں ہوں گے البتہ جس کو کبھی میں مجھے لے جایا گیا تھا اس کے سلسلے میں عظمت جلال نے لا پرواہی سے کام لیا تھا یا جان بوجھ کر مجھے وہاں تک پہنچایا گیا تھا۔ یا اس کے ہاں میں اور کوئی خاص بات تھی یا عظمت جلال مجھے کچھ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اصولی طور پر مجھے کم از کم اتنا تک نہیں پہنچانا چاہئے تھا کیونکہ یہ کوئی اس کو کبھی سے بہت مختصر سے فاصلے پر تھی جہاں میں نے زندگی گزاری تھی یعنی الماس آراء کی کوٹھی۔ اس علاقے میں داخل ہوتے ہوئے ہی میرے ذہن عجیب سی سنسنی خیز کیفیت طاری ہو گئی تھی لیکن بہر حال کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسی باتوں کے میں نہیں سوچا جاتا۔ ہو سکتا ہے عظمت جلال کے ذہن میں یہ بات نہ آئی ہو۔ بہر حال کار کو کبھی سے گیٹ میں سے گزر کر اندر پورچ میں پہنچ گئی اور میں اپنا استقبال کرنے والوں کی رہنمائی میں اندر کو پہنچی تو کوٹھی کے شاندار ڈرائنگ روم میں عظمت جلال نے میرا انتہائی پُر تپاک خیر مقدم کیا۔ وہ دو

دخت کیجئے۔ ہم نے ایسے ایجنٹ جگہ جگہ پھیلانے کی کوشش کی ہے جو اس طرح تھوڑا تھوڑا مال بھی خرید کریں جو کچھ سہلائی کم ہے۔ مانگ زیادہ اس لئے تھوڑے ہی عرصے میں ڈرگز کا ایک بحران آنے والا ہے۔ ڈرگز استعمال کرنے والوں کو اس کی ضرورت ہوگی اور انہیں وہ منشیات نہیں مل سکیں گی۔ میں نے جو یہ فیرو تباہ کرایا ہے۔ اگر کسی طرح یہ مجھے حاصل ہو جاتا تو وہ ایک الگ عمل ہوتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے پاس ذخائر بڑھتے جائیں اور دوسری پارٹیوں کے پاس کم ہوتے جائیں۔ اس کے بعد ہم نئی قیمتیں مارکیٹ میں نہیں اور پھر ہمارے دارے نیارے ہوں گے۔ اس سلسلے میں جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ میرے ہر منافع میں آٹھ پرسنٹ کی حصے دار تم ہوگی شاہ نور! دنیا کے جن ممالک میں چاہو تم اپنے اکاؤنٹ کھول سکتی ہو اور اپنی پسند کی جگہوں پر مجھ سے اپنا یہ کمیشن وصول کر سکتی ہو۔ تمہیں میرے لئے بھرپور طریقے سے کام کرنا دگا۔“

”انکل! میں حاضر ہوں۔ گرینی لینڈ میں آپ کو میری یہ کارکردگی پسند آئی۔ اس کے لئے آپ کا شکریہ۔ میں اپنا کام بخوبی سرانجام دوں گی بلکہ آپ کے ان الفاظ سے جو آپ نے بھی ادا کئے۔ ایک اور خیال میرے ذہن میں آتا ہے۔“

”کیا؟“ عظمت جلال نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کی نگاہوں میں ایک بھوک تھی ایک پیاس تھی۔ ایک ایسا انداز تھا جیسے وہ مجھ سے وہ منشا چاہتا ہے جو اس کے دل میں ہے۔ یہ بات تو میں نہیں سمجھ سکتی تھی کہ وہ کیا منشا چاہتا ہے لیکن میں نے اپنے طور پر اس سے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ اسے مجھ سے بہت سے زیادہ دلچسپی پیدا ہو جائے اور وہ میری خواہش کے مطابق عمل کرے۔ میں نے کچھ لمبے سوچنے کے بعد کہا۔

”جس طرح ایجنٹوں میں منشیات کے وہ ذخائر تباہ کئے گئے۔ اس طرح اگر ممکن ہو سکے کہ بظاہر تو وہ ذخائر تباہ کئے جائیں تاکہ جس طرح آپ نے کہا کہ آپ کو دنیا کے بیشتر ممالک کی مدد حاصل رہے گی لیکن درپردہ ہم وہ ذخائر کیوں نہ اپنی تحویل میں لے لیں اگر ہمیں اس کا موقع ملے تو۔“ عظمت جلال نے ایک دم آگے بڑھ کر میرے بازو پر ہاتھ رکھ دیا اور بازو پر گرفت قائم کرتے ہوئے کہا۔

”خدا کی قسم“ تم نے وہ الفاظ اپنے منہ سے ادا کئے ہیں جو میرے ذہن میں اور دل کی گہرائیوں میں تھے۔ آہ! کاش! تم اتنی ہی ذہانت سے ایسا کر بھی سکو۔ میں تو دل سے یہی چاہتا ہوں کہ ایک دن میں ساری دنیا میں منشیات کا بادشاہ بن جاؤں۔ میرے علاوہ کسی کے پاس ڈرگز اسٹور نہ ہوں۔ ایسا اگر ہو جائے تو کیا ہی بات ہے۔“

”انکل! جب ہم لوگ اس طرح یہ کام کر سکتے ہیں جس طرح کیا گیا تو چھوٹے چھوٹے گروپوں کے ذریعے ہم وہ عمل کیوں نہ کریں جب ہم دنیا کے کسی بھی گوشے میں ڈرگز کے ذخائر تباہ کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیں تو ہمارا ایک خفیہ گروپ ان ڈرگز کو چوری کر کے اسٹور کرے اور اس کے لئے ہم اس جگہ اپنا ایک اسٹیشن قائم کر دیں۔ پھر ہم یوں کریں کہ دنیا کو دکھانے کے لئے ڈرگز کا تھوڑا حصہ تباہ کر دیں اور باقی خفیہ طور پر اپنی تحویل میں لے کر مناسب موقع ملتے ہی اسے اپنے اسٹور میں منتقل کر دیں بلکہ میں تو یہ کبھی

دی جائیں گی۔ اسی طرح سے مجھے تمہارے ذریعے جو منافع ہوگا اس میں تمہاری ہر منافع شامل ہوگی۔ حساب کتاب تھا۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں اس کے سلسلے میں اطمینان ہوگا۔ ہوگا۔ پانی یہ بتاؤ اور تم پرسکون ہیں؟“

”جی سر!“ میں نے جواب دیا۔

”اس کے علاوہ ایک بہت ہی دلچسپ ڈیل ہوئی ہے۔ ایک گروہ تھا جس میں کچھ لوگوں اختلاف پیدا ہوا اور وہ گروہ ٹوٹ گیا۔ مجھے اس گروہ کے بارے میں خاصی تفصیلات معلوم تھیں۔ ان میں سے کچھ افراد منتخب کئے جو دنیا کے کئی ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سے رابطے ہوئے تو انہیں پیشکش کر دی کہ وہ چاہیں تو ایک نئے گروپ میں شامل ہو جائیں۔ یہ کام بہت ہی خفیہ طریقہ لیا گیا ہے۔ میں نے جو یہ پوشیدہ گروپ بنایا ہے یعنی وہ جس کی انچارج اب تم ہو۔ اس کا نام میں نے گروپ رکھا ہے۔ زیلا سینڈون گروپ کی انچارج ہے۔ سمجھ رہی ہونا میری بات۔ یہ سینڈون گروپ جو منشیات کی خرید و فروخت کے سلسلے میں کام نہیں کرے گا بلکہ یہ صرف منشیات کے خلاف کام لے گا۔ مجھے اس سے ڈیل فائدے ہوں گے۔ آخر کار یہ گروپ دنیا کے ان ملکوں کی نگاہوں میں آجائے۔ منشیات کے پھیلاؤ سے بری طرح تنگ ہیں اور اس کے خاتمے کے لئے بہت کچھ خرچ کر رہے ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں ان ملکوں سے امداد بھی حاصل ہوگی اور ہماری ایک حیثیت بنے گی اور اس منظر میں ہم جو کچھ کریں گے وہ بھی ہمارے لئے انتہائی منافع بخش رہے گا۔ میں بہت سی تفصیلات چاہتا ہوں لیکن شرط یہی ہے کہ تم انہیں سننے کے لئے آمادگی کا اظہار کردور نہ پھر سہی۔“

”میں عرض کر چکی ہوں انکل کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ نہ مجھ پر کسی قسم کی تھکن غالب ہے ہی میں کسی چیز میں اکتاہٹ محسوس کر رہی ہوں۔ آپ بے دھڑک جو کہنا چاہتے ہیں وہ کہئے۔“

”اصل میں اس سلسلے میں میں بڑے گہرے انداز میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ شاہ نور! صورت ہے کہ اس دنیا ایک سوسترہ ممالک منشیات کی زد میں ہیں اور دنیا بھر میں پھیلی ہوئی بے چینی نے انسان بے خودی میں رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ منشیات کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے اور جہاں تک میں نے سنا ہے منشیات کی جتنی کھپت ہو گئی ہے پیداوار اس سے کہیں کم ہے۔ ایسی صورت میں ہمیں سہلائی مکمل کے لئے بہت بڑے ذخائر کی ضرورت ہے۔ میں اب تک ایسے چار اسٹور بنا چکا ہوں جہاں میرا مال ذخیرہ ہے۔ اس کے علاوہ جو گروہ ختم ہوا ہے اس کے ارکان میرے لئے دوسرے فائدے کے حامل ہیں۔ طرف تو میرے ایجنٹ منشیات کی تلاش میں ہیں۔ جانتی ہو میں نے کیا طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ گریٹ میں تمہیں ڈی ہیرل یاد ہوگا۔ مجھے اس شخص کا کام بہت پسند آیا تھا۔ ڈی ہیرل ان لوگوں سے بھی مال خر کرتا تھا جو تھوڑا تھوڑا مال ذاتی طور پر لاتے ہیں اور اپنی کاوشوں اور کوششوں سے اس مال کو کھٹا نکاہوں سے بچا کر نکال لانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ بہت ہی چھوٹے چھوٹے مال مالک سے ان بڑے ممالک میں جاتے ہیں۔ انہیں یہ طریقہ کار نہیں معلوم ہوتا کہ کس طرح یہ مال فروخت کرنا ہے۔ اب ظاہر ہے ہم یہ اشتہار تو دے نہیں سکتے کہ آپ اپنے منشیات کے ذخائر ہمارے

تھی۔ دھلا دھلا سانسید چہرہ جس پر ایک گہری سنجیدگی طاری تھی میرے پلٹتے ہی وہ تیز تیز قدموں سے میرے پاس پہنچ گئی۔ پھر اس نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

”میرا نام امینہ ہے اور مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں آپ کی خدمت کروں۔ یقیناً اس وقت آپ کو اپنے بیٹے روم کی تلاش ہوگی۔ براہ کرم میرے ساتھ آئیے مس زیلا۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ جو کمرہ میرے بیٹے روم کی حیثیت سے منتخب کیا گیا تھا وہ بہت ہی عمدہ اور ضروریات زندگی کی تمام چیزوں سے آراستہ تھا۔ اس نے الماری کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”یہ آپ کی ڈریسنگ دارڈروپ ہے۔ میں نے آپ کے اس وقت کے استعمال کے لئے لباس نکال کر داش روم میں پھانسا دیا ہے۔ براہ کرم آپ غسل کرنا چاہیں تو۔“ میں نے کوئی جواب دیے بغیر داش روم کی طرف چلی گئی تھی۔ دیکھنا چاہتی تھی کہ عظمت جلال نے میرے لئے کیا کیا ہے۔ داش روم میں شاور کی ٹھنڈی پھواروں کے نیچے بہت دیر تک میں بیٹھ کر میں اپنے آئندہ اقدامات کے بارے میں سوچتی رہی۔ دنیا چاہے کچھ بھی کئے انسان کا جس سے ذہنی رشتہ ہوتا ہے اس سے کسی بھی طرح کبھی علیحدگی ممکن نہیں ہوتی۔

عظمت جلال نے مجھے خرید لیا تھا۔ اس نے بہت زیادہ معاوضے پیش کئے تھے مجھے بڑے منصوبے تھے اس کے۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن مجھے جس چیز کی ضرورت تھی اس کے علاوہ مجھے کسی اور چیز سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ دولت کا کھیل تو میں بچپن سے کھیلتی آئی تھی۔ کیا نہیں تھا میرے پاس! الماس آراء نے دنیا کی ہر آسائش میرے لئے مہیا کر دی تھی اور حقیقت یہی تھی کہ اس وقت تک جب تک مجھے اپنی اصلیت کا پتہ نہیں چل سکا تھا۔ الماس آراء ہی میرے لئے محبتوں کا مرکز رہی تھی اور کہیں بھی میں اپنے آپ کو اس سے دور نہیں پاتی تھی لیکن اس کے بعد سے جب مجھ پر میرے رشتوں کا انکشاف ہوا میری کیفیت بالکل بدل گئی تھی۔ پھر اس کے بعد الماس آراء نے میرے لئے جو رکاوٹیں پیدا کیں اور جوں جوں مجھے اس کی کرتوتوں کا احساس ہوا۔ میرے دل میں نفرت کا درخت اگتا گیا اور اب تو میں مکمل طور پر اس درخت کے چھاؤں میں تھی۔ آگ سلگ اٹھی تھی میرے سارے وجود میں جب مجھے یہ احساس ہوتا تھا کہ الماس آراء نے مجھ سے میرا پورا خاندان چھین لیا۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے اس نے، لیکن بہر حال اب یہ اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ مصلحت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ بڑی دیر کے بعد جو کچھ تھی اور پھر سلک کا وہ خوبصورت لباس پہن کر باہر نکل آئی تھی جو بہت ہی اعلیٰ درجے کا تھا۔ اسی سلک کا ایک گاؤں بھی اس لباس کے ساتھ تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ لباس میرے بدن پر بالکل فٹ تھا۔ بہر حال یہ بات تو میں جانتی تھی کہ عظمت جلال نے جب میرے یہاں رہنے کا انتظام کیا ہے تو باقی دوسری چیزوں کا خیال بھی اس نے اسی انداز میں رکھا ہوگا۔ ویسے دنیا کے بارے میں جو تجربات اب تک ہوئے تھے وہ یہ کہتے تھے کہ کوئی کتنا ہی قریب آ جائے۔ کتنی ہی محبتوں کا اظہار کرے لیکن اس کے اندر کیا ہے۔ یہ بات بڑی مشکل سے پتہ چل سکتی ہے۔ باہر امینہ موجود تھی۔ مستعدی سے بولی۔

”اب یہ فریاضے میڈم! کیا پسند کریں گی کھانے پینے میں؟ میرا خیال ہے کہ ہلکی سی کوئی غذا لے لیجئے اور اس کے بعد آرام کیجئے۔ رات کو اطمینان سے ڈر کیجئے گا۔ اگر اپنی پسند کی کچھ چیزیں کھانا چاہیں تو وہ بھی

ہوں کہ جہاں ہم نے کارروائی کرنی ہو۔ وہاں پہلے ہم اپنے اسٹور قائم کریں۔“ عظمت جلال شدت جفا سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ ایک بار پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

”یہی تو چاہتا ہوں میں! یہی تو چاہتا ہوں اور تم یقین کرو شاہ نور کہ یہ الفاظ میں نے کسی اور کے سے نہیں سنے۔ سمجھ رہی ہو نا تم۔ میں نے کوشش کی تھی۔ میرے بیٹے احمد ایاز کو تو تم جانتی ہو۔ وہ حالات کا پروردہ ہے یعنی یہ کہ فطری طور پر وہ سرکش ہے لیکن میں نے جب اسے اپنے مقصد کے لئے توجہ دیا کہ وہ بالکل ہی ناکارہ وجود ہے۔ ہوتا ہے ایسا بھی ہوتا ہے۔ تقدیر کسی کو کچھ دے دیتی ہے اور کو کچھ۔ تم بہت ذہین ہو اور مجھے یقین ہے کہ میری دست راست بنو گی بلکہ ہو سکتا ہے کہ میرے منشیات کی بادشاہ تم خود ہو۔“ میرے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی میں نے آہستہ سے کہا۔

”انکل! آپ جو کہیں گے میں آپ کے لئے وہ کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن آپ میرے دل خواہش پوچھتے ہیں تو میرے دل میں ایک ہی آرزو ہے آپ میرے ماں باپ اور میری بہنوں کو مجھے دے، اور اس کے بدلے مجھ سے وہ سب کچھ لے لیں جو آپ مجھے دینا چاہتے ہیں۔“ عظمت جلال نے گر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ایک سال ہر کام کے کچھ اصول ہوتے ہیں اور ہم یہ بات طے کر چکے ہیں کہ ایک سال سے ہم اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔ ایک سال کے بعد تم میرا گریبان پکڑ کر مجھ سے یہ مطالبہ کر سکتی کہ عظمت جلال جو وعدہ تم نے کیا تھا وہ پورا کرو اور بے بی مجھے یقین ہے کہ تمہیں میرا گریبان پکڑنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔“ میرے پورے بدن میں کھچاوت پیدا ہو گئی۔ عظمت جلال اگر اتنے اعتماد یہ بات کہہ رہا ہے تو انتظار کئے لیتی ہوں۔ اور سہی یہ وقت! یہ وقت اور سہی۔ میں نے آنکھیں بند کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”سوری انکل! ایک جذباتی کیفیت طاری ہو گئی تھی مجھ پر جس کی بناء پر میں اس معاملے کو یاد نہ رکھتی۔“

”نہیں بے بی! بس اعتماد پر دنیا قائم ہے۔ تم بالکل بے فکر رہو ایک بار پھر میں تمہیں یہ یقین دلاؤں کہ میں اپنی انتہائی صلاحیتوں سے کام لے کر یہ کام کر ڈالوں گا۔ ٹھیک ہے؟“

”جی انکل!“

”میں نے تمہیں اس گروپ کے بارے میں بتایا تھا جو ٹوٹ چکا ہے۔ اس کے کچھ ممبریں بھی موجود ہیں۔ تمہارے ساتھ کے لئے۔ میں ان ممبروں سے تمہارا تعارف کرا دوں گا۔ تم چاہو تو ان میں سے کسی اپنے ساتھ اسٹنٹ کے طور پر رکھ سکتی ہو۔ بلکہ خاص طور سے ایک ایسی شخصیت ہے جو شاید تمہیں پسند آجائے۔ میں تمہیں کل شام کو اس سے ملاؤں گا۔ شام کو پانچ بجے وہ یہاں پہنچ جائے گی۔ میں اگر آکا بے شک آؤں گا۔ نہیں آیا تو وہ میرے پیغام کے ساتھ تمہارے پاس آجائے گی۔“

”ٹھیک ہے انکل!“ پھر اس کے بعد عظمت جلال وہاں سے چلا گیا تھا۔ میں اسے باہر تک چھوڑا آئی تھی اور جیسے ہی اس کی کار باہر نکلی میں واپس چلی۔ دروازے کے نزدیک مجھے کوئی اور عورت نظر آئی

مجھے بتا دیجئے۔" میں نے مسکراتی نگاہوں سے امینہ کو دیکھا اور کہا۔
"تو پھر کافی اور کچھ ہلکے پھلکے سے سنیکس!"

"جی آپ آرام کیجئے گا۔ یہ تازہ ترین اخبار اور رسالے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا اور پھر انداز میں باہر نکل گئی۔ میں اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر میں نے مسہری پر بیٹھ کر ایک اخبار اٹھالیا اور اسے ورق گردانی کرنے لگی۔ اخبار کے ہاتھ میں آنے کے بعد مجھے ایک دم حاکم شیرازی کا خیال آیا اور اخبار تحریر میری آنکھوں کے سامنے دھندلا گئی۔ حاکم شیرازی ایک اچھا ہمدرد اور سچا دوست، ان لوگوں میں سے دوستی پر قربان ہو جاتے ہیں۔ یہ تو بات سو فیصدی تھی اور اس نے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ اس کے میں میرے لئے محبت کے شدید جذبات موجود تھے اور وہ مجھے چاہنے لگا تھا لیکن اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ بالکل نہیں پتہ چل سکی تھی۔ کاش! اس وقت اس کی والدہ وغیرہ کے بارے میں یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ کہیں اور کہاں ان کا قیام ہے تو اور کچھ ہوتا یا نہ ہوتا لیکن میں کم از کم ان کی خبر گیری کر لیتی۔ اب تو میرا پاس بے شمار رقم آچکی تھی۔ ہو سکتا ہے اس رقم سے ان کی کچھ مدد بھی کر لیتی، لیکن پتہ نہیں ان بیچاروں کیا ہوا۔ سوچتے سوچتے مجھے احساس ہوا کہ گرینی لینڈ میں، میں نے ایک پورا گروہ تباہ کر دیا بلکہ ایک زون کر آئی۔ اسے قتل کر دیا جیسے قتل کرنے کی ہدایت مجھے دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ کافی قتل و غارت گری ہے۔ عظمت جلال جیسا شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی ذہانت سے بہت بڑے کارنامے سرانجام دیئے! لیکن لعنت ہے اس ذہانت پر جو ابھی تک میرے ماں باپ سے مجھے نہیں ملا سکی۔ اخبار کی لائینیں دھندلا رہیں۔ شاید آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ یہ آنسو دل سے ابھرے تھے اور اتنی خاموشی سے ابھرے تھے مجھے احساس تک نہیں ہوا تھا۔ البتہ میری آنکھوں سے کبھی آنسو رخسار تک نہیں آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آنکھوں کی تپش کبھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ آہیں ہوئیں اور امینہ ایک ٹرائل دھکیلتی ہوئی میرے پاؤں آگئی۔ بہت ہی حسین ٹرائل تھی اور اس پر بڑی نفاست سے تمام چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ وہ یہ تمام چیزیں میرے سامنے کرنے کے بعد ایک طرف کھڑی ہو گئی تو میں نے کہا۔

"امینہ! تم رو بوٹ ہو؟"

"جی؟"

"ویسے اگر تم رو بوٹ ہو بھی تو مجھے بتاؤ۔ میں ایک مشینی انسان کو یہ ہدایت تو دے سکتی ہوں کہ وہ مجھے اپنے بارے میں بتائے۔ بتاؤ تمہاری میموری میں کیا یہ بات موجود ہے کہ جس کے لئے تم سے کہا گیا ہے کہ اس کے احکامات کی تعمیل کرو۔ وہ اگر تم سے تمہارے بارے پوچھے تو تم اسے بتاؤ؟" امینہ کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ آئی پھر اس نے کہا۔

"نہیں میڈم! خدا کے فضل سے میں انسان ہوں۔"

"لیکن مشین بننے کی کوشش کیوں کر رہی ہو پھر؟"

"سورن میڈم! کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟"

"میں تمہارے چہرے پر کوئی تاثر نہیں دیکھتی۔ کچھ کہتے ہوئے یہ انداز ہوتا ہے جیسے کوئی مشین بول

رہی ہو۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ انسان یا تو مشین بننے کی کوشش نہ کرے۔ یا اگر بنے تو مکمل مشین بن جائے جو اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔" امینہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ کچھ بولی نہیں تھی وہ۔
"تم بالکل اسی انداز میں مجھ سے پیش آرہی ہو جیسے تم صرف میرے احکامات کی تعمیل کرنے والی مشین ہو۔"

"میڈم! یہ تو ضروری ہے نا۔" امینہ نے پچھلی سے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"اس لئے کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میڈم انہی احکامات کی تکمیل کی تنخواہ ملتی ہے۔"

"ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ دوستی کے لئے بھی تمہیں حکم ہی دینا پڑے گا۔"

"دوستی کے لئے؟"

"فرض کرو اگر میں تم سے یہ کہنا چاہوں کہ امینہ تم میری دوست بن جاؤ۔ دوستوں کی طرح رہو یہاں پر ورنہ آکٹاہٹ ہونے لگتی ہے تو تم سے اس کے لئے کیا کہنا پڑے گا۔ اندازہ تو یہ ہوتا ہے کہ جیسے تمہارا کوئی سوچ آن کرنا پڑے گا۔"

"نہیں میڈم! میرا سوچ آن ہو گیا۔ آپ اگر مجھے یہ حکم دیتی ہیں کہ میں دوستانہ رویہ اختیار کروں تو یہ بھی میرا فرض ہے۔"

"دل نہیں ہے نا تمہارے سینے میں؟"

"کیوں نہیں میڈم۔" اس نے کہا۔

"ہینٹو۔" میں نے کہا اور وہ کرسی گھٹ کر میرے سامنے بیٹھ گئی۔

"یہ کافی پیو۔" میں نے کہا اور وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی پھر بولی۔

"میڈم!"

"جاؤ کپ لے کر آؤ۔" میں نے کہا اور وہ اس طرح اٹھ گئی جیسے واقعی کسی مشین کو حکم دیا گیا ہو۔ مجھے ہنسی آگئی تھی۔ مجھے ہنسنے دیکھ کر وہ بھی ہنس پڑی۔ پھر باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے ہاتھوں میں ایک کپ لے کر اندر آگئی۔

"چلو شروع ہو جاؤ۔" اس نے اپنے لئے کافی انڈیلی اور کہنے لگی۔

"میڈم! عادت بھی ایک چیز ہوتی ہے۔ مجھے یہاں ایک معقول تنخواہ ملتی ہے اور یہ تنخواہ میرے خاندان کی کفالت کرتی ہے۔ میڈم اس کے بعد یہ ہونا ہی چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہو تو شاید میری نوکری خطرے میں پڑ جائے۔"

"عظمت جلال صاحب کی ملازم ہو تم؟"

"جی۔"

"خاندان ہے تمہارا؟"

"جی ہاں۔ والدین بمن بھائی سب ہیں میرے لیکن اس شر میں نہیں ہیں۔"

”جانی ہو کبھی اپنے گاؤں؟“

”جی دو دفعہ جا چکے ہیں۔ باقی اپنے فرائض پورے کرنا ہوتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے بالکل بے فکر رہو۔ دو چار دن رک جاؤ۔ اس کے بعد میں تمہیں تمہارے گاؤں بھجواؤں گی۔ اپنے والد کو اپنی پسند کے مطابق ہسپتال میں داخل کرا دینا۔“

”جی۔“ امینہ نے آہستہ سے کہا۔ انداز ایسا تھا جیسے سمجھ رہی ہو کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ ہمدردی اور دلجوئی کی باتیں تو سب ہی کر دیتے ہیں حقیقت کی دنیا اس سے مختلف ہوتی ہے۔ بڑے لوگ اگر کوئی بات کہیں تو اس کے جواب میں صرف ہاں کہی جاسکتی ہے۔ اس سے زیادہ بھلا اور کیا ممکن ہے۔ بہر حال اس کے بعد میں آرام کرنے کے لئے لیٹ گئی۔ امینہ برتن سمیٹ کر چلی گئی تھی۔ دل میں یادوں کی ہوک اٹھنے لگی اور بہت سے خیالات ذہن کی جانب سفر کرنے لگے لیکن نیند نے کچھ مشکلات حل کر دی تھیں۔ نہ جانے کب سو گئی اور نہ جانے کب تک سوئی رہی۔ آنکھ کھلی تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ کمرے میں روشنی نہیں کی گئی تھی اور اس کی وجہ شاید یہی ہو کہ امینہ چاہتی ہو کہ میں نیند پوری کر لوں۔ جاگنے کے بعد بھی تاریکی میں بستر پر لیٹی رہی اور سوچتی رہی کہ اب یہاں آنے کے بعد کیا کرنا ہے۔ کون جانے کب عظمت جلال کوئی نئی مہم میرے حوالے کر دے۔ اس کے منصوبوں پر غور کرتی رہی اور دل و دماغ میں ایک عجیب سی پلپل پیدا ہو گئی۔ لوگ کتنی دور تک کی سوچتے ہیں۔ دنیا کا ہر شخص جانتا ہے اور ہر شخص یہی کہتا ہے کہ زندگی کے بارے میں کوئی مجھروسہ نہیں کیا جاسکتا لیکن انسانی فطرت واقعی کمال کی ہے کہ یہ جاننے کے باوجود اتنی لمبی لمبی پائننگ کی جاتی ہے۔ اب یہ عظمت جلال دنیا کو اپنی مٹھی میں لینے کی فکر میں ہے اس کا بھائی عزت جلال سیاسی طور پر اپنے لئے اقتدار چاہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عظمت جلال کے مقابلے میں وہ محدود ہے۔ الماس آراء نیگم بھائیوں کے شانوں پر سفر کر کے اپنا استحکام چاہتی ہیں۔ ہر ایک کی خواہشیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں لیکن زندگی کتنی بے وقعت ہے نہ جانے کیوں یہ لوگ بھول جاتے ہیں۔ میں اٹھ گئی اور تاریکی میں چلتی ہوئی غسل خانے میں چلی گئی۔ روشنی کی اور منہ ہاتھ دھو کر بال سنوارنے لگی۔ مجھے ایک دم احساس ہوا کہ میرے کمرے میں کوئی ہے۔ امینہ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ باہر نگلی تو امینہ بستر درست کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

”یقیناً آپ کی نیند پوری ہو گئی ہوگی۔ مس زیلا! سب سے پہلا سوال میں آپ سے یہ کرنا چاہتی ہوں کہ میں آپ کو اس نام سے مخاطب کروں یا کچھ اور کہوں؟“

”جو دل چاہے کہہ لو امینہ! اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”اچھا آپ اب یہ بتائیے کہ پہلے چائے یا کافی پینا پسند کریں گی؟ ویسے سوا آٹھ بجے ہیں۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ آپ رات کا کھانا کس وقت کھاتی ہیں۔“

”تمنا یہ تو کھانا ہے کون ڈنر پر آ رہا ہے۔ بس ساڑھے نو بجے جو کچھ بھی ہو میرے سامنے لے آنا اس وقت چائے وغیرہ کچھ نہیں پیوں گی۔ ورنہ بھوک خراب ہو جائے گی۔ باہر کا موسم کیسا ہے۔“

”بے حد خوشگوار، شام سے آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں اور بہت ہی مدہم ہوا چل رہی ہے۔“

”اچھا کسی اور شہر میں ہیں؟“

”جی، مس زیلا! وہ لوگ ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہیں۔ وہیں زندگی گزارتے ہیں میں بھی وہیں سے یہاں تک آئی ہوں۔“

”بے شک، یقینی طور پر تمہاری زندگی سے کوئی ایسی ہی کہانی وابستہ ہوگی۔“ میں نے کہا۔

”ہاں میڈم! کہانیاں بھی شب و روز کی طرح انسان پر سے گزرتی ہیں بس ہے میری بھی ایک کہانی۔“

”خیر کسی وقت تفصیل سے تم سے تمہارے بارے میں معلوم کروں گی۔ البتہ ایک بات کہنا چاہتی

ہوں امینہ! وہ یہ کہ ظاہر ہے تم اپنے والدین اور بہن بھائی کی ضرورتوں کا بوجھ نبھانے کے لئے یہاں تک آئی ہو۔ یہاں نوکری کرتی ہو۔ تمہیں یقینی طور پر ایک معقول تنخواہ ملتی ہوگی۔ جس سے تم اپنا اور اپنے

والدین کا گزارا کرتی ہو لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اگر تمہاری کوئی ضرورت دہی رہ گئی ہو تو اس کے بارے میں

مجھے ضرور بتا دینا تاکہ وہ پوری ہو جائے۔“ امینہ نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر گردن جھکا کر

خاموش ہو گئی۔ دنیا کے بارے میں تجربات بہت زیادہ وسیع تو نہیں تھے لیکن اتنے اب ضرور ہو گئے تھے کہ

کسی کے چہرے کے تاثر سے کچھ پتہ لگا سکوں۔ امینہ کے چہرے کا تاثر یہ بتاتا تھا کہ وہ ضرور کسی الجھن کا

شکار ہے میں نے سامنے رکھی ہوئی چیزوں کو کھاتے ہوئے کہا۔

”ہاں امینہ بتایا نہیں تم نے۔“

”ہاں۔ میں بہت بڑی مشکل کا شکار ہوں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ مجھے واقعی ایک معقول تنخواہ ملتی

ہے۔ لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ اتنی ہوتی ہے کہ دیہات میں میرے والدین آرام سے بیٹھ کر کھا رہے

ہیں لیکن میرے والد شدید بیمار ہیں اور میں انہیں ایک ہسپتال میں داخل کرانا چاہتی ہوں جو شہر میں ہے

لیکن ہسپتال کے اخراجات اتنے ہیں مس زیلا کہ میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی۔ بس آپ یہ سمجھ لیجئے

کہ جب میں نے اپنی ماں سے ملنے کے بعد اس سلسلے میں بات چیت کی تو ہم لوگ اسی فیصلے پر پہنچے کہ اب

صرف قدرت کے فیصلوں کا انتظار کیا جائے۔ جو کام ہم نہیں کر سکتے اس کے بارے میں حسرتوں کا شکار

ہونے سے کوئی فائدہ نہیں یا پھر وہ جو کہتے ہیں تاکہ آدھی چھوڑ کر ساری کو بھاگیں آدھی بھی جائے۔ عزت

بڑی چیز ہوتی ہے۔ یہاں سے جو کچھ مل رہا ہے اگر وہی قائم رہے تو کم از کم باقی لوگوں کی زندگی قائم رہ

سکے۔“ امینہ کی آواز بھرا گئی۔ ایک لمحے کے لئے میرے ذہن کو ایک جھکا لگا تھا۔ سینے میں ایک عجیب سی

غلش بیدار ہو گئی۔ ہر طرف دردناک کہانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ ہر انسان کے ساتھ کچھ ایسے واقعات وابستہ

ہیں جو اسے رلاتے رہتے ہیں میں نے امینہ سے کہا۔

”تمہارے والد کی بیماری کے بارے میں عظمت جلال کو معلوم ہے؟“

”نہیں مس زیلا! ہمارے مالک معمولی حیثیت کے آدمی نہیں ہیں۔ بہت بڑی شخصیت ہے ان کی۔ ہم

سے زیادہ تو آپ کو ان کے بارے میں معلومات حاصل ہوگی۔ آج تک ہماری ان سے کبھی براہ راست بات نہیں

ہوئی ہے۔ بس ہم اس گھر کی ملازمہ ہیں۔ ہمیں ہدایات مل جاتیں ہیں ہمیں کیا کرنا ہے۔ اس سے آگے ہم

کوئی بات نہیں کر سکتے۔“

”تمہارا واسطہ کس سے ہے میرا مطلب ہے تمہیں یہاں ملازمت دلوانے والا کون ہے؟“
 ”مسٹر منظور! عظمت جلال صاحب کے مندر ہیں وہ“ اس نے کہا اور ایک اور نام میرے علم میں آیا
 لیکن ہر حال میں نے کسی سلسلے میں اس طرح کی چھان بین نہ کی جس سے شے کی کوئی بات پیدا ہو۔ میں نے
 سوال کیا۔

”عظمت جلال کے اہل خاندان کبھی اس کو بھی میں آتے ہیں؟“
 ”کبھی نہیں میڈم۔“

”قرب و جوار کے علاقے والوں سے تمہاری واقفیت ہے؟“
 ”بالکل نہیں ہمیں اس کے بارے میں ہدایت ہے کہ ہم پڑوس کے لوگوں سے کوئی رابطہ نہ
 کریں۔“

”یہاں اس کو بھی میں اور کون رہتا ہے؟“
 ”کوئی نہیں۔ بس ہمارے مالک کے مہمان آتے رہتے ہیں جو غیر ملکی لوگ بھی ہوتے ہیں اور مقامی
 بھی۔ مالک کے کہنے پر یہاں ان کے قیام کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ وہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔“
 ”کوئی ایسی قابل ذکر ہستی جس سے تم لوگوں کی بے تکلفی ہو گئی ہو۔“
 ”اتفاق سے کوئی نہیں اور نہ ہی اس طرح سے کسی نے ہم سے بات کرنے کی کوشش کی جس طرح

آپ مجھ پر توجہ دے رہی ہیں۔“

”تمہاری حیثیت یہاں کیا ہے؟“

”آپ ایک طرح سے ہاؤس کیپر سمجھ لیجئے۔ مہمانوں کا خیال رکھنا میری ذمہ داری ہے۔“

”کیا یہاں کوئی ایسا مہمان آیا جس سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہو؟“

”میڈم! مہمانوں کو بھی شاید ہدایت کر دی جاتی ہے کہ انہیں یہاں کس طرح رہنا ہے۔ آج تک میں
 نے یہی دیکھا ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ آج تک کوئی شکایت کا موقع بھی نہیں ملا۔ ویسے ہمارے بڑے
 صاحب بہت اچھے انسان ہیں۔ وقت پر تنخواہیں مل جاتی ہیں اور ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں۔“

”ٹھیک۔“ بہت دیر تک میں امینہ سے باتیں کرتی رہی پھر کھانے کا وقت ہو گیا۔ نجانے کیوں بھوک
 بھی نہیں لگی تھی لیکن تھوڑا بہت کھانا کھایا پھر اس کے بعد بیٹھ کر پیروگرام دیکھنے لگی۔ کوئی ایسی خاص
 بات نہیں تھی۔ دل میں بہت سے خیالات آ رہے تھے۔ میں نے امینہ وغیرہ سے بہت زیادہ بے تکلف ہونے
 کی کوشش بھی نہیں کی تھی جبکہ میرے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ اس کو بھی میں جاؤں جہاں
 میں نے بچپن سے اب تک کا وقت گزارا تھا۔ بہت ہی تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ اس سے
 پہلے اس کو بھی میں کون رہتا تھا۔ ایسے علاقوں میں لوگ ایک دوسرے کی چھان بین نہیں کرتے۔ صرف
 اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ یہاں بھی یہی کیفیت تھی۔ ہر حال یہ بات میرے لئے بڑی سنسنی خیز تھی کہ
 تھوڑے فاصلے پر الماس آراء بیگم موجود ہے۔ بہت سے خیالات ذہن میں آنے لگے لیکن پھر میں نے اپنے
 ذہن سے ان خیالات کو جھٹک دیا۔ عظمت جلال سے جو بات جیت ہو چکی تھی۔ مجھے اس کی پابندی بھی کرنی

ہماری اس عمارت کا ایک گوشہ بہت ہی خوبصورت ہے۔ وہاں بہت سے خوبصورت پھول لگے ہوئے ہیں
 اگر آپ پسند کریں تو میں ادھر انتظام کر دوں۔“

”ہاں۔“ تھوڑی دیر وہیں بیٹھیں گی۔“ واقعی امینہ کے کہنے کے مطابق اس خوبصورت کوٹھی کا مزہ
 حصہ حسین تھا۔ میں وہاں پہنچ کر بہت خوش ہوئی امینہ نے کہا۔

”اگر کھانے کا وقت نہ ہوتا اور تھوڑی دیر بعد آپ کو ڈانٹنگ روم میں نہ جانا پڑتا تو میں یہاں چلا
 کا بندوبست ضرور کرتی۔“

”کھانے کے بعد سہی امینہ! آؤ بیٹھو۔“

”میڈم! ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔“

”ہاں بولو۔“

”آپ کو شاید میرے بارے میں یہ نہیں بتایا گیا کہ میں بہت ہی معمولی شخصیت کی مالک ہوں۔ اب
 عام سی ملازمت! آپ نے اس وقت مجھے اپنے ساتھ کافی پلائی۔ اس وقت اگر آپ مجھے اپنے ساتھ بٹھائیں
 تو کوٹھی کے دوسرے ملازم ممکن ہے یہ بات پسند نہ کریں۔ میں آپ کے پاس یہاں زمین پر بیٹھ جا
 ہوں۔“

”یہاں اس کو بھی میں میری حیثیت کیا ہے امینہ؟“

”ہم سے کہا گیا ہے کہ ہم آپ کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ اٹھا رکھیں۔ اس کے علاوہ بڑے مالک
 جس طرح آپ کے ساتھ پیش آتے ہیں وہ بھی ہم ملازموں کے لئے اہمیت کی حامل بات ہوتی ہے۔ ہر حال
 آپ بھی ہماری مالک ہی ہیں۔“

”تو پھر جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو۔ اس سلسلے میں مجھے کوئی داستان مت سناؤ۔“ وہ تھوڑی سی کر
 پیچھے کھسکا کر بیٹھ گئی۔ میں نے سوال کیا۔

”ہاں! اس کو بھی میں کتنے ملازم ہیں؟“

”پانچ افراد ہیں میڈم! ایک لک اور اس کی بیوی یہ دونوں کچن میں کام کرتے ہیں۔ دو کوٹھی کی صفائے
 سہرائی کرتے ہیں وہ بھی میاں بیوی ہیں۔ شوہر مالی کام کرتا ہے اور بیوی پورے گھر کی صفائی۔ ایک
 چوکیدار ہے۔ اس طرح کل پانچ افراد ہیں۔“

”ہوں۔ وہ لوگ جو مجھے چھوڑنے کے لئے آئے تھے؟“

”وہ پاس کے ملازم تھے، چلے گئے۔“

”جنہیں تم پاس کستی ہو وہ یہی تھے نہ۔ جو مجھے یہاں ملے تھے نام جانتی ہو ان کا؟“

”جی ہاں عظمت جلال۔“ ملازمہ نے جواب دیا۔

”کیا عظمت جلال یہاں رہتے ہیں؟“

”نہیں مس زیلا! وہ کہیں اور رہتے ہیں اپنی فیملی کے ساتھ۔ ہمیں اس بارے میں زیادہ تفصیلات
 نہیں معلوم۔“

تھی۔

بہی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر بولی۔

”کیا میں مس زیلا سے مخاطب ہوں؟“

”ہاں، لیکن مجھے آپ کا نام ابھی تک نہیں معلوم۔“

”آپ مجھے نادیہ کہہ سکتی ہیں۔“

”صرف نادیہ یا اس سے آگے پیچھے بھی کچھ۔“ میں نے اس سے ہزبوش مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ صرف نادیہ کیونکہ آگے پیچھے جو کچھ تھا وہ اب میری زندگی سے نکل چکا ہے۔“

”گڈ۔ تشریف رکھئے۔“ میں نے کہا اور وہ بیٹھ گئی۔

”جیف نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ آنے والی شخصیت کسی خاتون کی ہوگی۔ بس انہوں نے صرف ایک

نصبت کہا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ شخصیت آئندہ میرے ساتھ مل کر کام کرے گی۔ آپ کو دیکھ کر بہت

بے بسی ہو رہی ہے محترمہ نادیہ! میں آپ کو اپنے درمیان میں خوش آمدید کہتی ہوں۔“

”شکریہ۔ میں بھی حیرانی سے یہ دیکھ رہی ہوں کہ ایک بہت ہی نوجوان لڑکی معاف کیجئے گا، لڑکی کے

اودہ میں آپ کو اور کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔ ایک ذہین اور اعلیٰ حیثیت کی مالک ہے اور اسی حیثیت سے مجھے

ن کی ماتحتی میں کام کرنا ہو گا۔“

”ارے نہیں نہیں۔ یہ ماتحتی کیا چیز ہوتی ہے۔ میں آپ کی اس بات کو قبول نہیں کرتی۔ سوری!“

”کوئی بات نہیں ہے۔ مل جل کر کام کسی بھی نام سے کر لیا جائے۔ اس کی کوئی اور حیثیت نہیں

ہوتی۔“

میں نادیہ سے بہت ہی پُراخلاق انداز میں گفتگو کرتی رہی۔ میں نے اس کے احترام کو کسی طور نظر

راہ نہیں کیا تھا۔ وہ بھی میرے اس طرزِ مخاطب سے خوش ہوئی اور بہت دیر تک ہم اس طرح باتیں کرتے

ہے اس دوران میں نے اسے کافی اور بسکٹ وغیرہ کھلائے تھے۔ پھر میں نے کہا۔

”تو میڈم نادیہ آپ کا قیام کہاں ہے؟ میرا مطلب ہے اس کے بعد میرا آپ سے رابطے کا کیا ذریعہ

ہے گا؟“

”ابھی جب تک آپ کو کوئی ذمے داری نہیں سونپی جاتی۔ آپ مجھ جب چاہے فون کر کے بلا سکتی ہیں

میں آپ کی ملاقات ہوگی۔ میں آپ کو اپنا فون نمبر دیتی ہوں۔ ویسے بھی میں آپ سے رابطہ رکھوں

ما اور جب ہمارے سپرد کوئی کام کیا جائے گا تب ہم یہ دیکھیں گے کہ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ کس

طرح رہنا ہو گا۔“

”گڈ۔ بہر حال آپ کو دیکھ کر خوشی ہوئی ہے۔ باہر کا موسم بے حد خوشگوار ہے۔ آئیے تھوڑی سی

ل قدمی کریں۔“

”ہاں ضرور۔“ نادیہ نے کہا اور ہم دونوں ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئے جو تصور میرے ذہن میں

ابو تھا اس کے بعد میں اپنے بیڈ روم پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔ ڈرائنگ روم کی کھلی جگہ کم از کم

مائلے میں کار آمد تھی اور وہاں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ یہ بھی انسان کے اپنے ذہن کی بات ہوتی

غرض یہ کہ رات کو بہت دیر تک جاگتی رہی۔ دن میں چونکہ خوب سوئی تھی اس لئے رات کو

نہیں آ رہی تھی۔ نادیہ بھی اسی شہر میں تھی لیکن اس سے اس طرح ٹیلی فون پر بات کرنا مناسب نہیں

چنانچہ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ ویسے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ جیسے ہی موقع ملا سب سے پہلے کم

نادیہ سے ضرور ملاقات کروں گی۔ اس کے لئے ظاہر ہے اصل شکل میں وہاں بھی نہیں جاسکتی تھی۔

اپ میں بھی کم از کم صدر گیٹ سے اندر داخل ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ دوسرا دن اسی طرح گزر گیا۔ شام

پانچ بجے ایک کار کو ٹھہری میں داخل ہوئی۔ میرے ذہن میں عظمت جلال کے کئے ہوئے الفاظ تازہ ہو۔

اس نے مجھے کہا تھا کہ ایک شخصیت مجھ سے ملنے کے لئے آئے گی چنانچہ میں اس کا انتظار ہی کر رہی تھم

بلکہ اس وقت کو ٹھہری کے ایسے کمرے میں تھی۔ جہاں سے پورچ کا منظر صاف نظر آ سکتا تھا۔ پورچ میں دا

ہونے والی کار بہت قیمتی تھی اسے ڈرائیور ڈرائیو کر رہا تھا۔

لیکن پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلا اور وہ شخصیت جو مجھ سے ملاقات کرنے آئی تھی نیچے اتری۔ تو

پورا وجود دھک سے رہ گیا۔ دماغ ہوا میں اڑنے لگا، کان گرم ہو گئے۔ آنکھوں کے سامنے ایک لمحے کے

دھندلاہٹ سی آئی اور میں سوچنے لگی کہ جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں کیا وہ سچ ہے۔ اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ

سچ ہی ہے۔ آنے والی شخصیت نادیہ کے علاوہ کسی اور کی نہیں تھی۔ وہی بلند و بالا قد وہی صاف ستھرا

سالم لباس اور انداز میں ویسی ہی تھکت۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اندر کی جانب آ رہی تھی اور میں دہ

کھڑی یہ سوچ رہی تھی کہ یہ کیا ہے لیکن اس وقت ان خیالات کو ذہن میں جگہ دینے کی ضرورت نہ

تھی۔ مجھے اس سے ملنا تھا اور گفتگو بھی کرنی تھی۔ تھوڑی دیر تک میں سوچتی رہی اس کے بعد اچانک میر

ذہن میں ایک خیال آیا۔ میں نے سوچا کہ نادیہ پر فوراً ہی اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہئے۔ چاہے کوئی

ہو لیکن احتیاط دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہے۔ عظمت جلال کے بارے میں ابھی تک تو کوئی ایسا خیال میر

دل میں نہیں آیا تھا اور خاص طور سے اس لئے بھی کہ ابھی میں بھی اس کے لئے انتہائی کار آمد تھی لیکن

ہر انسان کے دل میں خواہش ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں سب کچھ جان لے۔ ہو سکتا

ہے ڈرائنگ روم میں ایسے خفیہ ذرائع پوشیدہ ہوں جن سے میری گفتگو کہیں اور سنی جاسکے۔ ڈکٹو فون

بھی استعمال کر چکی تھی اور مجھے اس کے بارے میں تفصیلات معلوم تھیں۔ بہت بڑے بڑے کام کئے

میں نے۔ ویسے بھی اب مجھے اپنے آپ کو اس مشکل میں نہیں ڈالنا چاہئے۔ تھوڑی سی احتیاط ہر حالت

کار آمد ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ نادیہ پر فوراً ہی سب کچھ ظاہر نہیں کروں گی۔ نادیہ میر

اندازے کے مطابق ڈرائنگ روم میں پہنچ چکی ہوگی۔ میں نے واش روم میں جا کر اپنے بال وغیرہ درست

کئے اور اس کے بعد ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑی لیکن میرا ذہن سوالات کا جھڑل استور بنا ہوا تھا۔ نادیہ ا

گر وہ ٹوٹ گیا۔ وہ لوگ جنہوں نے مجھے اپنے درمیان شامل کیا تھا۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ بلاوجہ کی اور

مقصد سوچیں ذہن میں نہیں رکھنی چاہئیں۔ چنانچہ تیار ہونے کے بعد میں ڈرائنگ روم کی جانب چل پڑی۔

نادیہ سے اپنے رد عمل کا میں نے فیصلہ کر لیا تھا۔ جیسے ہی میں پردہ ہٹا کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ نادیہ

ہے۔ اس دنیا میں صرف سانسوں کا تسلسل برقرار رکھنے کے لئے ان برائیوں میں پڑی ہوئی ہوں۔ اچھا ایک بتاؤ۔ تم یہاں لان پر کیوں نکل آئیں؟“

”تم خود سمجھدار ہو بابا صاحب! اندر کے معاملات کون جانے۔ یہ کوٹھی عظمت جلال کی ہے مگر تم نے تو ایک ساتھ یہ سارے سوال کر ڈالے پہلے تو یہ بتاؤ۔ کیا میرے میک اپ میں کوئی ایسی کمی رہ گئی ہے یا نہیں؟ تم نے مجھے پہچان لیا۔“ نادیا ایک بار پھر مجھے گھورنے لگے اور اس کے بعد محبت بھرے انداز میں لڑائی۔

”تیرے میک اپ میں کمی رہ گئی ہے۔ تو نے اپنے آپ کو اندر سے تبدیل نہیں کیا۔ اپنی خوشبو نہیں لاپنی آنکھوں میں محبت کی وہ چمک نہیں بدلی جو شاید صرف میرے لئے ہے۔ اگر کامیاب میک اپ کرنا تو ان چیزوں پر بھی کوئی مصنوعی تہ چڑھائی ہوتی۔ محبت تو وہی ہے تیری آنکھوں میں۔ خوشبو تو وہی ہے۔“

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولی۔ ”نادیا! بس میں کیا کہوں۔ شاید اس طرح کے الفاظ میرے لئے نہیں ہیں۔ اچھا خیر چھوڑو اب یہ بتاؤ۔ تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ عظمت جلال نے کہا کہ ایک گروہ ٹوٹا ہے اس گروہ کی ایک کارکن کو اس نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔“

”جانتی ہے اس کے پس پردہ بھی تو ہی تھی؟“ نادیا نے جواب دیا۔

”کیسے بتاؤ تو سہی؟“

”گروہ میں آپس میں ٹوٹ پھوٹ ہو گئی۔ اعلیٰ پائے پر کارروائی ہوئی۔ دو گروپ بن گئے لیکن اتنے سب ایک دوسرے کے سخت دشمن ہو گئے۔ بہت کم ایسے تھے جو اپنے آپ کو ان پکروں سے بچا سکے۔ رے قریبی لوگ اس بات کا شکار ہو گئے۔ کچھ اوجھڑا بھاگ کر منتشر ہو گئے تو میں نے بھی کنارہ کشی کر لی اور اسی دوران میرے ایک کرم فرمانے عظمت جلال کو میرا نام دے دیا۔ عظمت جلال نے خود سے رابطہ قائم کیا اور مجھے اپنے گروہ میں شامل کر لیا۔ یہی ساری باتیں اس نے مجھے بتائی تھیں مگر مکمل اند کرنے کے بعد وہ عجیب و غریب کھیل کھیل رہا ہے اور اس کھیل میں اب میں بھی شریک ہو چکی ہوں مانے مجھے ایک ایسی شخصیت کے بارے میں بتایا جو اس سلسلے میں انچارج کی حیثیت رکھتی اب مجھے کیا لوم تھا کہ وہ انچارج وہی ہے جو میرا بھی انچارج ہے۔“

”کمال ہے۔ واقعی ہم دونوں بڑے عجیب و غریب انداز میں ملے۔“

”مجھے علم تھا کہ میں اس گروہ میں شامل ہو چکی ہوں؟“

”نہیں۔ بالکل نہیں جب تم لان پر اتری تو میں تمہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے بعد توبہ توبہ مجھ پر جو نیت طاری ہوئی۔ میں بتا نہیں سکتی۔“

”اور تو نے بڑی کامیابی سے مجھے بے وقوف بنایا اور اپنے آپ کو چھپائے رکھا۔“

”نہیں۔ میں تمہیں اس کے بارے میں بتا چکی ہوں۔ جذباتی تو میں بھی اتنی ہی ہوئی تھی تمہارے لئے۔ لیکن وہاں میں تم پر اپنے آپ کو ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔“

ہے۔ اس بات کے امکانات نوے پر سنٹ تھے کہ عظمت جلال نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا ہوگا۔ بہرہ کھلے لان پر نکل آئے۔ میں نے کوٹھی کے اس حصے کو دیکھا تھا۔ بہت ہی خوشنما جگہ تھی میں اسے ہوئے وہاں پہنچی اور پھر بے تکلفی سے گھاس پر بیٹھ گئی۔

”محترمہ نادیا! موسم بے حد خوشگوار ہے۔“

”ہاں اور زیادہ خوشگوار اس لئے ہو گیا ہے کہ ایک بہت اچھی اور بے تکلف سی لڑکی سے میری ہو گئی ہے۔“

”ایسی ایک لڑکی سے پہلے بھی آپ کی دوستی ہوئی بلکہ میرے علم میں تو یہ بات آئی ہے کہ دونوں ایک جان دو قالب ہو گئی تھیں۔ وہ لڑکی کہاں گئی۔ آپ کو اس بارے میں کچھ علم ہے؟“

نادیا کا رنگ ایک دم چلا پڑ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی لیکن اس کی آواز نہیں رہی تھی۔ میں مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اچانک ہی وہ شدید جذباتی ہو کر اٹھی اور اب اس نے میرے گلے میں بائیں ڈال دیں۔ اس نے اتنی طاقت سے مجھے بھیج لیا تھا کہ میں اپنے آپ سے الگ نہیں کر پائی۔ اس کے بدن میں کپکپاہٹیں تھیں اور وہ مجھے چھوڑ نہیں رہی تھی میں نے بھی آپ کو اس سے چھڑانے کی جدوجہد ترک کر دی اور خاموشی سے اس سے لپٹی رہی۔ نادیا بہت دور شدید جذبات میں ڈوبی رہی پھر اس نے کہا۔

”امتحان لے رہی تھی میرا امتحان لے رہی تھی نا۔ یقین کرے گی کتنی ہی پار دل کے دور پر دستک ہوئی کہ جو خوشبو اس بدن سے اٹھ رہی ہے وہ اجنبی نہیں ہے لیکن امید نہیں تھی تیرے یہا جانے کی۔ کہاں چلی گئی تھی تو بول کہاں چلی گئی تھی؟“ اس نے خود ہی مجھے اپنے آپ سے الگ کیا اور چہرہ دیکھنے لگی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ نادیا کی محبت نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ اس کے بارے میں پہلے بھی میرا یہی اندازہ تھا کہ وہ مجھے بالکل سگی بنوں کی مانند چاہئے گی ہے یہ بات ہے کہ اس دور میں سگی بنوں سے بھی اس قدر محبت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ جس جذباتی شکار ہو رہی تھی۔ وہ احساس دلا رہا تھا کہ اس کے دل میں میرے لئے دیوانگی کی حد تک پیار ہے۔ مگر ابھی اس نے ایسے ہی کئے تھے اب تک۔ نادیا نے ایک بار پھر مجھے اپنے آپ سے لپٹا لیا۔ بہت دیر تا اس جذباتی کیفیت کا شکار رہے پھر اچانک اس نے چونک کر کہا۔

”لیکن لیکن..... تو یہاں..... اور..... وہ عظمت جلال؟“

”ہاں۔“ میں نے مختصراً نادیا کو گزرے ہوئے واقعات کی تفصیلات بتائی۔ گرینی لینڈ میں، کارنامہ سرانجام دیا۔ اس کے بارے میں بھی تفصیل بتاتی رہی اور نادیا پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے ہوئی یہ ساری کہانی سن رہی پھر اس نے مغموم لہجے میں کہا۔

”نہیں۔ کیا فائدہ ہوا! میں نے تو تجھے صرف اس لئے اس گروہ کے چکر میں پھنسا لیا تھا کہ جب جیل سے تجھے محفوظ مل جائے۔ تو بالکل ہی بے سہارا نہ ہو۔ یہ راستے اچھے راستے تو نہیں ہیں۔ مجھے کچھ بھی نہیں چاہئے مجھے۔ اس دنیا میں ایک تنہا اور بے مقصد زندگی گزار رہی ہوں کچھ بھی نہیں

”ہوں۔ صورت حال کس قدر عجیب و غریب نوعیت اختیار کر چکی ہے۔ تجھے اندازہ نہیں کہ مجھے کس شدت سے تیری تلاش تھی۔ سواری! جذبات میں آکر میں شاید الفاظ پر قابو نہ ہوں۔“

”لعلت بھیجو الفاظ پر۔ اب ہمارے درمیان یہ سب کچھ کہاں رہ گیا ہے۔ ویسے مجھے حیرانی بہت تفصیل سے بات کرنی ہے۔ ایسا کریں گے میں تو خیر یہاں آتی ہی رہوں گی لیکن گھر کا راستہ بھی تمہارے لئے کھل گیا ہے۔ ویسے واقعی بڑی عجیب و غریب بات ہے۔ عظمہ سارے رشتوں کو بھول کر صرف اپنے مقصد میں کھویا ہوا ہے۔ اگر کبھی اس کی بہن کو اس کے پتہ چل گیا تو۔“

”میں نے کبھی اس طرح سے نہیں سوچا۔ سوچ سوچ کر میرا دماغ تھک چکا ہے۔ میں سو اپنے ذہن میں جگہ نہیں دینا چاہتی۔ زندگی جس انداز میں گزر رہی ہے بس ٹھیک ہے۔ زندگی سانس تک اپنے مقصد سے نہیں ہٹوں گی۔ باقی سب اپنی تقدیر کے لئے کراں دینا میں آتے ہیں۔ چاروں یعنی میری ماں اور بہنوں کے مقدر میں یہی لکھا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔“

”میں تجھے حاکم شیرازی کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں شاہ نور!“ نادیا نے کہا اور میر نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ میرے اندر وہ جذباتی بیجان بیدار نہیں ہوا تھا جو شاید پہلے کبھی ہاتھ اپنی جگہ دنیا میں باپ سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہوتا۔ ان کے بارے میں اگر کوئی انکشاف میں اس میں جذباتی ہوتی۔ نادیا کہنے لگی۔

”حاکم شیرازی کا پتہ چل گیا ہے۔“

”کیسے..... کہاں..... زندہ ہے یا بیچارہ مر چکا؟“ نادیا نے حیرت سے مجھے دیکھا پھر بولا ”یہ کیا بات ہے۔ کیا تمہارے دل میں اب حاکم شیرازی کے لئے وہ جگہ نہیں رہی؟ مجھے جب انسان گھر سے باہر نکل جاتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ گھر کی چار دیواری میں جو چھوٹی سی چیزیں بکھری ہوئی ہیں۔ باہر کی دنیا اس سے کہیں آگے ہے۔ کیا کسی اور نے تیرے ذہن پر ہے۔“

”نہیں۔ میں جانتی ہوں مجھے یقین ہے نادیا کہ تم میرے بارے میں اس طرح نہیں سوچو اس سطح سے کہیں دور چلی گئی ہوں۔ جہاں جذبات اور دل کی گہرائیوں میں پھونسنے والی کونپلیں کرتی رہا کرتی ہیں۔ میرے ذہن میں اب ان تمام چیزوں کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر میرے دل کا تو سچائی کے ساتھ یہ بتا دوں کہ شروع شروع میں میرے ذہن کے پردوں پر حاکم شیرازی کے سائے پڑے تھے۔ اگر آج میرے دل میں اس کے لئے کوئی ہمدردی یا جگہ ہے تو صرف اس تصور کہ اس بیچارے نے میری محبت سمجھو یا میری دوستی میں اپنا گھر تباہ کر لیا۔ کہاں ہے وہ پہلے یہ بتاؤ۔“

”ہاں۔ بیچارہ زندہ ہے۔“

”اوہ۔ کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو شاید۔“

”وہ ایک دماغی ہسپتال میں ہے۔ ایک پاگل کی حیثیت سے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ شدید اذیتیں دے کر اسے پاگل کر دیا گیا ہے۔“

”سو فیصد ہی یہی بات ہے۔“

”کون سا دماغی ہسپتال ہے؟“

”ایک پرائیویٹ دماغی ہسپتال، جہاں اتفاقیہ طور پر میں اپنے گھر کے ایک آدمی کو لے گئی تھی جو شدید پاگل کا شکار ہوا تھا۔ عارضی طور پر میں وہاں اسے ٹریٹ منٹ کے لئے لے گئی تھی اور وہیں میں نے شیرازی کو دیکھا۔“

”ارے! تو وہ اب تک وہاں موجود ہو گا۔“

”ہاں۔ وہ ہے مجھے اس کے بارے میں علم ہے کیونکہ میں نے وہاں ایک شخص سے رابطہ قائم کر لیا تھا ایک معزز ہستی کی حیثیت سے اس سے ملتی رہی تھی۔ وہ دماغی ہسپتال کا ایک ملازم ہی تھا۔“

”تو پھر حاکم شیرازی کے لئے تم نے کچھ کیا؟“

”نہیں۔ بالکل نہیں مجھے صرف تمہاری تلاش تھی۔ تم سے مشورے کے بعد کچھ کرنا چاہتی تھی۔“

”کیا..... کیا کر سکتے ہیں ہم اس کے بارے میں؟“

”کیا تم یہ نہیں پتا چلانا چاہو گی کہ حاکم شیرازی کس کیفیت میں ہے اور اس پر کیا گزری؟“

”ہم پتہ چلا سکتے ہیں لیکن کریں کیا اس سلسلے میں؟“

”میں تمہیں مزید تفصیلات بتانا چاہتی ہوں، میں نے تمہیں تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی پھر اس سے جس سے میں نے رابطہ صرف حاکم شیرازی کی وجہ سے کیا تھا۔ حاکم شیرازی کے بارے میں ت حاصل کیں تو بڑے سنسنی خیز انکشافات ہوئے۔ حاکم شیرازی کو اس اسپتال میں عزت جلال نے کرایا تھا۔ ڈاکٹروں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ اس کی ذہنی کیفیت بحال کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اسے اس ہسپتال میں رکھا جائے اور زندہ رکھا جائے۔ کسی موقع پر اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اس اوہ اس شخص نے جو اور حیرت انگیز انکشافات کئے وہ ایک الگ حیثیت کے حامل تھے۔ اس نے کہا کہ جلال کی طرف سے دو آدمیوں کی ڈیوٹی ہمیشہ ہسپتال پر رہتی ہے اور یہ آدمی صرف حاکم شیرازی کی کرتے ہیں۔ انہیں یہ ہدایت کر دی گئی کہ کوئی بھی حاکم شیرازی سے ملنے کی کوشش کرے اس کا کر کے اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی جائیں۔“

”اور یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی؟“

”میری کوشش پر اسی شخص کے ذریعے۔ اس کا نام فضل ہے۔ وہ وہیں کلرک ہے۔“

”اسپتال میں؟“

”ہاں۔“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اذیت..... اذیت بات سمجھ میں آگئی۔ ظاہر ہے عزت جلال کو

یہ بات تو نہیں معلوم کہ میرا تعلق عظمت جلال سے ہے۔ عزت جلال کو اس بات کا علم ہو گا بلکہ الماس آراء نے بتایا ہو گا کہ میرا تعلق حاکم شیرازی سے ہے اور میں ضرور اسے تلاش کر رہی ہوں طور پر وہ اس چکر میں ہوں گے کہ ممکن ہے مجھے حاکم شیرازی کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں اسے ہسپتال سے حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ باپ رے باپ شیطانوں کا ٹولہ ہے یہ۔ دباؤ واقعی یہ شیطان ہی ہیں لیکن بیچارہ حاکم شیرازی۔

”مجھے جب سے اس کے بارے میں معلوم ہوا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ میرے ذہن میں تمہارا بیجان بپا تھا۔ میں سوچ رہی تھی کہ کسی طرح تمہارے کانوں تک یہ اطلاع پہنچنی چاہئے۔ کیونکہ تمہا کہ تم حاکم شیرازی کی تلاش میں ہو لیکن اب مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم اس کی جانب سے لاپرواہ ہو۔“ نادبہ کے ان الفاظ پر میں نے کچھ لمحے کے لئے خاموشی اختیار کی پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

”دیکھو نادبہ! حاکم شیرازی کے لئے ابتدائی طور پر میرے ذہن میں جو تصورات ابھرے تھے مختلف قسم کے تھے لیکن ان تمام باتوں کو میں نے پس پشت ڈال دیا۔ اب میری زندگی جس انداز میں ہوئی ہے۔ شکر ہے کہ تمہیں اس کا اندازہ ہے۔ ایسے حالات میں وہ دلی جذبات تو نہ جانے کہاں ہیں لیکن جہاں تک حاکم شیرازی کا تعلق ہے میں اسے کسی قیمت پر تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ ہمیں کم منصوبے کے تحت کام کرنا ہو گا۔ جو بھی صورت حال پیش آئے وہ اپنی جگہ لیکن ہم حاکم شیرازی آراء کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے۔ سیدھی سی بات ہے وہ میرے لئے قربان ہوا ہے۔ میں آ تک اس کے لئے کوششیں کروں گی۔ اس کا کیا سوال ہے کہ میں اسے اسی طرح چھوڑ دوں۔“

”ہاں بالکل لیکن جب میں نے ایک بات کا تعین کر لیا کہ حاکم شیرازی کو الماس آراء نے آپا سے تمہارے لئے چارہ بنا کر رکھا ہوا ہے تو کیا تم اتنی ہی خاموشی سے وہ چارہ کھانے پہنچ جاؤ گی اور جال میں پھنس جاؤ گی؟“ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

”تمہیں مجھ سے اس کی توقع ہے نادبہ!“

”نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ہماری پہلی ملاقات ہوئی ہے لیکن ہزاروں باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کہ لئے ہوتی ہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں کیا کرنا ہو گا۔ ہمیں اس کا تعین کر لینا چاہئے۔“ میں خود تک سوچتی رہی پھر میں نے کہا۔

”حاکم شیرازی پر ہمیں ایک مضبوط ہاتھ ڈالنا ہو گا۔ بات وہی آ جاتی ہے کہ اسے کہاں لایا جا۔ اس کو ٹھہریں۔ ان لوگوں کے بارے میں تو کوئی بات نہیں معلوم ہوئی؟“ اچانک ہی میں نے سوال کیا۔

”کن لوگوں کے بارے میں۔“

”سلطان شاہ اور کرم شاہ۔“

”نہیں کچھ پتہ نہیں چل سکا۔“

”کتنے لوگ میری وجہ سے شکار ہوئے ہیں۔ میں ان بیچاروں کو نہیں بھول سکوں گی جنہوں لوٹ میری مدد کی اور مصیبتوں میں گرفتار ہو گئے۔“

”کچھ نہیں کیا جاسکتا اور کچھ نہیں کیا جاسکتا کرم شاہ تو خیر جس حیثیت کا آدمی ہے وہ صورت حال تو بحال لے گا اور ان کے چنگل سے نکل آئے گا لیکن سلطان شاہ کا مسئلہ ہے۔“

”اسے بھی دیکھ لیں گے۔ تھوڑی سی معلومات کرنا پڑیں گی۔ اصل بات یہ دیکھنی ہے کہ عظمت جلال کے باہر کسی مہم پر کب بھجنا ہے۔ اگر یہاں وقت مل جائے تو ٹھنڈے دل سے کچھ کرتے ہیں۔ میں جب ہوں عظمت جلال کی نگاہوں سے روپوش ہو سکتی ہوں لیکن بات پھر وہی آجائے گی کہ عزت جلال نے رے ذرائع اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے حاصل کر لئے ہیں۔ پولیس اور بہت سے جرائم پیشہ افراد میری اس میں سرگرداں ہوں گے۔ کس کس سے پچتی پھروں گی کیا کیا کرتی پھروں گی۔ ان تمام باتوں کو سوچتے ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب تک ممکن ہو سکے عظمت جلال سے رابطہ رکھیں جائیں بعد میں بھیں گے کہ صورت حال کیا ہوتی ہے۔“

”ہاں بالکل ظاہر سی بات ہے کوئی نہ کوئی ٹھوس سارا تو تلاش کرنا ہی پڑے گا۔“

”میرا خیال ہے ہم گھات لگا کر بیٹھتے ہیں اور جیسے ہی موقع ملے ہم حاکم شیرازی کو وہاں سے نکال دیا۔ یہ بہت موزوں ہو گا۔ دیکھتے ہیں کہ حاکم شیرازی کس کیفیت کا شکار ہے۔ اگر وہ اس قاتل ہوا کہ تھوڑا اسے سکون دے کر اس کی ذہنی قوتیں واپس لائی جاسکیں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر اسے کسی اور ہسپتال میں نقل کرنا پڑے گا۔ یہ ایک لمبی پلاننگ ہے جس پر ہمیں مکمل طور پر عمل کرنا ہو گا۔ میں بھی اس بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ کوئی بھی قدم جلد بازی میں نہیں اٹھانا چاہئے۔ اس کے لئے کچھ دیر لگ جائے۔“

”اس بیچارے کی ماں اور بہنیں بھی مصیبتوں کا شکار ہو گئی ہیں۔ کاش! میں اس وقت اس سے یہ پوچھ لے کہ وہ انہیں جہاں چھوڑنے جا رہا ہے وہ کون سی جگہ ہے۔“ نادبہ کے ساتھ بہت دیر تک باتیں ہوتی ہیں مکے بعد نادبہ نے کیا۔

”اب مجھے چلنا چاہئے۔ ضرورت سے زیادہ ایک دوسرے میں دلچسپی لینا بھی اس کی نگاہوں میں لو کہ ہو سکتا ہے۔ یہ اچھا ہوا کہ مجھے تم مل گئیں کم از کم ایک مقصد تو پیدا ہو گیا اس شخص کے ساتھ بنے کا۔“ نادبہ نے کہا۔ تھوڑی دیر تک وہ میرے ساتھ رہی اور اس کے بعد چلی گئی۔ نادبہ کے جانے کے میں اپنے بیڈ روم میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ میری ذہنی کیفیت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی۔ نادبہ کے بارے میں نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس کے مل جانے سے مجھے خوشی ہوئی ہے یا افسوس۔ افسوس کا تو خیر تصور بھی نہیں تھا لیکن جو واقعات گزرے تھے۔ انہوں نے مجھے شدید ذہنی چکر دیئے تھے اور میں سوچنے سمجھنے کے ل نہیں رہی تھی۔ کیا ہوتا ہے یہ سب زندگی کا الٹ پھیر۔ ماں باپ گم ہوئے حقیقتیں آشکارہ ہوئیں۔ رے زندگی نہ پتہ چلتا تو میں الماس آراء کو ہی اپنی ماں سمجھتی رہتی اور وقت اسی انداز میں گزر جاتا لیکن یہ کہ یہ انکشافات کرنے تھے اور اس قدر دکھ بھرے انداز میں کرنے تھے کہ جینا مشکل ہو جائے۔ حاکم شیرازی کی طرف طبیعت مائل ہوئی تھی لیکن میرے ساتھ تو زندگی نے اتنا برا مذاق کیا تھا کہ الفاظ میں نہیں بنا کر سکتی۔ زندگی نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا تھا۔ کوئی ایک محبت میری اپنی نہیں رہی تھی۔ ہاں واقعی

یہ میری تقدیر کا سب سے بڑا المیہ تھا کہ میری تقدیر میں محبت نہیں تھی۔ اگر محبتیں مجھے ملنا ہوتیں تو سے پہلے ماں باپ اور بہنوں کی محبتیں ملتیں۔ حاکم شیرازی بھی میری تقدیر کی اسی سیاہی کا شکار ہوا۔ اب شاید حاکم شیرازی کے لئے بھی میرے دل میں گنجائش نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف ایک انسانی فرد ان تمام جذباتی باتوں کو سوچنے کے بجائے مجھے صرف یہ فیصلہ کرنا تھا کہ حاکم شیرازی کے لئے میں کیا کر اور اس وقت میں نے اپنی تمام تر ذہنی صلاحیتوں کو جمع کیا اور فیصلہ کرتی رہی۔ میرے ذہن میں ایک تر بنی گئی اور میں نے اس ترتیب کو کاغذ پر منتقل کر لیا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ میں نے اپنے آئندہ کے منصوبہ کو ذہن میں پروان چڑھایا تھا اور اس کے ایک ایک پہلو پر غور کرتی رہی تھی۔ بہر حال نوک ہلک سے تمام پہلوؤں کو سنوارنے کے بعد میں نے ان پر ایک آخری نگاہ ڈالی اور کسی حد تک مطمئن ہو گئی۔ وہ تک میں نے نادیدہ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا۔ یہ بھی احتیاط کے پیش نظر کیا گیا تھا کیونکہ بہت زیادہ سے اظہارِ الفت شبہ میں ڈال سکتا تھا۔ البتہ اس دوران مجھے فرصت ملی تو میں نے اس کو بھی کے ایک حصے کو احتیاط سے دیکھ ڈالا۔ دیواریں اور ایسی تمام جگہیں ٹھوک بجا کر دیکھیں جہاں ڈکنو فون وغیرہ چھ جا سکتے تھے لیکن شاید عظمت جلال نے اس کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ ان دو دنوں میں عظمت نے کبھی مجھ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ امینہ اور دوسرے ملازم میرے ہر حکم کی خوش دلی سے کرتے تھے۔ امینہ کے گھر کے بارے میں نے سوچ رکھا تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے گا میں اس کے سب کچھ کروں گی لیکن جلد بازی مناسب نہیں ہوتی۔ پیسوں کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مجھے میری چیک بک چکی تھی اور میں جب چاہتی جتنی مرضی قیمت کا چیک کاٹ سکتی تھی۔ بہر حال تیسرے دن میں نے ٹیلی پر نادیدہ کو مخاطب کیا۔ اب اس سے زیادہ احتیاط نہیں برتی جاسکتی تھی۔ میں نے سرو لہجہ میں کہا۔

”میڈم نادیدہ! براہ کرم آپ میرے پاس آ جائیے۔ ویسے بھی آپ سے دو دن سے ملاقات نہیں ہے تھوڑی سی گفتگو رہے گی۔“

”ٹھیک ہے مس زیلا میں آ رہی ہوں۔“ کچھ دیر کے بعد نادیدہ اپنی کار میں وہاں پہنچ گئی۔ میں ایک ایسے کمرے کا انتخاب کر لیا تھا جسے اپنی دانست میں میں نے خود ہی ترتیب دیا تھا۔ فرنیچر دیواریں سب کچھ اچھی طرح تلاش کر لیا تھا اور یہاں بیٹھنے کے لئے جو انتظام کیا تھا اس میں کم از کم اس بات اطمینان کر لیا تھا کہ یہاں سے ہماری آواز کہیں اور نہیں سنی جاسکتی۔ حالانکہ مجھے کوئی ایسی چیز کہیں بھی ملی تھی لیکن پھر بھی بہر حال احتیاط بڑی چیز ہوتی ہے اور اب تو مجھے یہ سب کچھ اچھی طرح آ گیا تھا۔ نادیدہ کمرے کا منظر دیکھا اور سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھنے لگی تو میں نے کہا۔

”ہاں، یہ ایک محفوظ جگہ ہے۔“

”دو دن تک میں نے تم سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ غلط تو نہیں کیا میں نے؟“

”نہیں نہیں۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا کرنے دیا ہے تمہیں۔ بنیادی وجہ وہی احتیاط ہے۔ ناؤ؟“

”دن کیسے گزرے؟“

”سوچتے ہوئے مختلف منصوبے بنائے ہیں میں نے۔ مثلاً یہ کہ کچھ افراد کے ساتھ ہسپتال پر حملہ

جائے اور حاکم شیرازی کو وہاں سے اغوا کر لیا جائے۔ ایک ایسی جگہ بھی منتخب کر لی ہے میں نے جہاں ہم حاکم شیرازی کو لے جاسکتے ہیں۔ وہ ایک محفوظ مکان ہے اور میری ہی ملکیت ہے۔ ہم اسے وہاں لے جا کر تھوڑے وقت تک بالکل چھوڑ دیں گے اور اپنے معمولات میں مصروف ہو جائیں گے تاکہ اگر کوئی اس بارے میں تفتیش بھی کرے تو کم از کم اسے ہمارے بارے میں معلوم نہ ہو سکے۔“ نادیدہ نے اپنی تجویز پیش کی تو میں نے کہا۔

”اچھا منصوبہ ہے لیکن اس کے کچھ کلزے الگ کر لئے جائیں تو زیادہ موزوں رہے گا۔“

”سمجھی نہیں۔“

”حاکم شیرازی کو اگر اس طرح اغوا کیا جائے تو لازمی امر ہے کہ الماس آراء کا خیال اسی طرف جائے گا کہ اسے اغوا کرنے والی صرف اور صرف میں ہو سکتی ہوں اور اس طرح وہ میری تلاش میں لگ جائے گی۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“

”ہم چاہتے ہیں کہ کسی فوری خطرے سے الگ ہٹ کر کام کیا جائے۔ مثلاً یہ کہ ہمیں پہلے ایک ایسا ہسپتال تلاش کرنا ہوگا جو اس شہر میں نہ ہو۔ نمبر دو وہ جگہ ہمارے لئے بڑی کارآمد ہوگی۔ جہاں تم حاکم شیرازی کو لے جا کر رکھنے کا ارادہ رکھتی ہو۔ ہمیں وہ جگہ استعمال کرنی ہوگی۔ نمبر تین ہمیں حاکم شیرازی کو وہاں سے حاصل کرنے کے لئے کسی دوسرے انسان کو نقصان نہیں پہنچانا چاہئے۔ ظاہر اگر ہم ہسپتال پر حملہ کر کے حاکم شیرازی کو وہاں سے اغوا کریں گے تو کچھ اور لوگ جو مدافعت کرنے والے ہوں گے۔ اس حملے کا شکار ہو جائیں گے۔ ہاں وہ لوگ ہمارے لئے کارآمد ہیں جو ہسپتال پر حملہ کر کے حاکم شیرازی کو حاصل کریں گے۔ ہمیں ایسے افراد کی ضرورت ہے۔ کیا وہ تمہارے اعتماد کے لوگ ہیں؟“

”سو فیصدی۔ وہ جو کچھ کریں گے وہ کم از کم منظر عام پر کبھی نہیں آئے گا۔“

”تو طے یہ ہوا کہ وہ لوگ اور وہ مکان، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی منصوبے میں ذرا سی تبدیلی مناسب رہے گی۔“

”ناؤ۔ یقینی طور پر تم نے بھی اس بارے میں سوچا ہوگا۔“

”سب سے پہلی بات یہ کہ ایک آدمی کو ہم دماغی مریض کی حیثیت سے اس ہسپتال میں داخل کرائیں گے یہ ہمارا اپنا آدمی ہوگا اور وہ ہمیں ہسپتال کی کیفیات کے بارے میں پھر اسی طرح سے اطلاع دے گا۔ یہی وہ شخص ہوگا جو حاکم شیرازی کو وہاں سے نکلانے میں ہماری مدد کرے گا۔ ہم اسے لے کر اس جگہ پہنچ جائیں گے جہاں تم نے اس کے قیام کا بندوبست کیا ہوگا اور پھر ہم دیکھیں گے کہ حاکم شیرازی کی ذہنی کیفیت کیا ہے۔ پھر اس کے بعد وہاں اس کے چہرے پر میک اپ کیا جائے گا اور میک اپ کر کے ہم اسے دوسری جگہ منتقل کریں گے۔“

”ٹھیک دیری گڈ۔ بہت اچھا آئیڈیا ہے۔“

”تو پھر کیا خیال ہے؟“

”میں سمجھتی ہوں کہ ہمیں اس پر کام کرنا چاہیے۔“

”ہمارا رابطہ کس طرح رہے گا؟“

”میڈم نے یہ دو ٹرانسمیٹر مجھے دیے ہیں۔“ اس نے کہا اور چھوٹے چھوٹے دو ٹرانسمیٹر نکال کر میرے سامنے رکھ دیے۔ میں نے انہیں دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ بالکل چھوٹے چھوٹے ٹرانسمیٹر تھے۔ ”ان کے ذریعے ہم آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کر سکیں گے۔ یہ تین سیٹ ہیں۔ ایک میرے پاس ہو گا ایک ایک آپ لوگوں کے پاس میں۔ آپ کو تمام تر صورت حال کی اطلاع دیتا رہوں گا۔“

”تمہیں اس بات کا اندازہ رکھنا ہو گا طاہر کہ وہاں اس مریض کی نگرانی کی جا رہی ہے جو ہمیں مطلوب ہے۔“

”جی۔ یہ بھی ہمیں بابا صاحب بتا چکے ہیں۔ آپ اطمینان رکھئے جب مجھے اچھے معاوضے ملتے ہیں تو میری ذہنی کیفیت بھی تیز ہو جاتی ہے اور میں اپنے کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیتا ہوں۔“

”لکڑ۔ یہ اچھی بات ہے جو معاوضہ تمہیں دینے کا وعدہ کیا ہے اس میں مزید اضافہ کرلو۔“

”واہ۔ آپ تو مجھے آتش بنا دیتا چاہتی ہیں۔ کتنا اضافہ ممکن ہے؟“

”طاہر۔ کیوں فضول باتیں کر رہے ہو؟“ نادیہ نے کہا۔

”نہیں میڈم! وہ جو کہتے ہیں کہ آتے ہوئے رزق کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ آپ مجھے جو بھی ہدایت دیں گی میں اس کی تعمیل کروں گا لیکن یہاں رزق کی بات ہے۔“

”طاہر تم اس معاوضے کو ذیل کرلو۔“ میں نے کہا۔

”آہ۔ تب تو یہ سمجھئے کہ میری ذہنی صلاحیتیں بھی ڈبل ہو گئیں۔ معافی چاہتا ہوں۔ بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کر رہا۔ آپ اطمینان رکھئے سارے کام آپ کی خواہش کے مطابق ہوں گے۔“ طاہر دلچسپ نوجوان تھا۔ سودے باز اور ایسے لوگ بڑے کار آمد ہوا کرتے ہیں۔ تمام معاملات طے ہو گئے۔ کافی دیر تک وہ ہمارے ساتھ رہا اور پھر کار میں جا کر بیٹھ گیا۔ نادیہ نے کہا۔

”بڑا شوخ سالز کا ہے یہ لیکن سچی بات یہ ہے کہ وقت کی ضرورت بھی یہ ہے۔“

”ہاں ٹھیک ہے مجھے ایسے لوگ پسند ہیں۔ تو پھر نادیہ یہ بات طے ہو گئی کہ ہم اپنے کام کا آغاز کئے دیتے ہیں۔“

”بالکل۔ طاہر وہاں پہنچ جائے گا اور بہت جلد تم سے رابطہ قائم کرے گا۔“ یہ لوگ چلے گئے۔ اور میں وہیں لان پر بیٹھی خلا میں گھورتی رہی۔ ذہن سے بہت سے تصورات گزر رہے تھے۔ کہیں ان تصورات میں خوشیاں تھیں تو کہیں دکھ کے شدید احساس۔ خوشی اس بات کی تھی کہ حاکم شیرازی کی مدد کرنے کا موقع مل رہا ہے اور باقی ساری باتیں تو بہر حال غمزدہ کر دینے والی ہی تھیں۔ آہ۔ کاش کسی دن اسی طرح مجھے یہ پتہ چلے کہ میرے والد زندہ ہیں۔ میری ماں اور میری بہنیں فلاں جگہ موجود ہیں۔ ہم ان کے حصول کے لئے پلاننگ کریں اور پھر میں ان سب کو جمع کر کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں منتقل ہو جاؤں۔ کچی دیواروں کا مکان ہو اوپر پچھرا ہو۔ بارش ہو تو گھر کے آگن میں کچڑ ہو جائے اور میں اس کچڑ میں ننگے پاؤں اپنی

”چنانچہ ہمارا پہلا آدمی وہ ہو گا جسے ہم ہسپتال تک پہنچائیں گے۔“ میں نے کہا اور نادیہ سوچ : ڈوب گئی۔ پھر اس نے کہا۔

”ظاہر ہے اس کا نام میرا خیال ہے ہمارے لئے موزوں ترین آدمی رہے گا۔ یہ ایک جراثیم پیشہ شخص ہے۔ پڑھا لکھا اور صاف ستھری طبیعت کا۔ کھرا سودا کرتا ہے۔ نقد پیسے لے گا اور صحیح رزلٹ دے گا۔“

”قابل اعتماد ہے؟“

”سو فیصدی۔“

”کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟“ میں نے سوال کیا تو نادیہ سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔

”کل میں اسے یہاں لے آؤں گی۔“

”براہ راست۔“

”نہیں اپنا ڈرائیور بنا کر۔ وہ کار ڈرائیور کر کے یہاں آئے گا اور اس کے بعد ہم اس سے بات کر لے گے۔“

”بہت اچھا آئیڈیا ہے۔“

”مگر ایک بات بتاؤ یہاں کے ملازمین؟“

”سب ٹھیک ہیں ویسے بھی نادیہ بہت زیادہ احتیاط کبھی کبھی سخت نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ ہاں تھوڑا بہت رسک تو لینا ہی پڑے گا۔ دیکھیں گے کہ اس کے بعد کیا صورت حال نکلتی ہے۔“

”ٹھیک ہے پھر کل شام کو پانچ بجے میں اس لے آؤں گی۔“ کوئی خاص بات نہ ہوئی دوسرے نادیہ میرے پاس آئی۔ اپنی کار خود نہیں ڈرائیور کر رہی تھی بلکہ ایک نوجوان بھرے بھرے جسم کا ڈرائیور کی حیثیت سے اس کے ساتھ آیا تھا۔ میں پانچ بجے لان پر ہی تھی۔ چنانچہ نادیہ اپنے ڈرائیور ساتھ وہیں آگئی اور طاہر مجھے سلام کر کے تھوڑے فاصلے پر گھساں پر بیٹھ گیا۔ جبکہ ہم دونوں کرسیوں پر بیٹھ ہوئے تھے۔ میں سمجھ گئی تھی کہ احتیاط کے پیش نگاہ طاہر کو ایک ڈرائیور ہی کی حیثیت سے لایا گیا ہے اسے سمجھا دیا گیا ہو گا۔ طاہر نے کہا بھی۔

”میڈم! میرے لئے یہی جگہ ٹھیک ہے۔ کم از کم اتنا فاصلہ ہمارے درمیان ہے کہ میں آپ کی آنکھوں سے ہٹاؤں۔“

”بابا صاحب نے مجھے یہی بتایا تھا۔“

”خالص سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو طاہر۔“

”ہاں ضرورتیں سمجھدار بنا دیتی ہیں میڈم۔“ اس نے کہا۔

”کیا میڈم نادیہ نے تمہیں تمہاری ذمہ داری سمجھا دی ہے؟“

”ہاں۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک دماغی مریض کی حیثیت سے مجھے ہسپتال میں داخل پڑے گا اور اس کے لئے میڈم نادیہ نے ذمہ داری مجھ پر ہی چھوڑ دی ہے۔ میڈم ایسے چھوٹے موٹے میں آسانی سے کر لیتا ہوں۔ اس ہسپتال میں داخل ہونا میرے لئے زیادہ مشکل ثابت نہیں ہو گا۔ آپ

بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر دوسری کار اشارت ہو کر چل پڑی تو نادبہ نے بھی کار اشارت کر دی۔ جب دونوں گاڑیاں شری حدود سے نکل کر سپر ہائی وے پر پہنچیں تو نادبہ نے سکون کی سانس لی۔

”خدا کا شکر ہے کہ کوئی تعاقب میں نہیں آیا۔ اس کا مطلب ہے کہ سارا منصوبہ خوش اسلوبی سے بحال تک پہنچا ہے۔“ اس کے بعد اس نے اسپتال میں طاہر سے رابطہ ملایا تو اس نے بھی ”سب ٹھیک ہے“ کی رپورٹ دیتے ہوئے بتایا کہ وہ اگلی صبح تک اسپتال چھوڑ دے گا۔

بہر حال ہم لوگ ایک لمبا سفر طے کر کے اس دوسرے شہر میں داخل ہو گئے۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے۔ وہاں پہنچنے کے بعد اس مکان میں داخلہ ہوا اور حاکم شیرازی کو انہی دونوں افراد نے اندر منتقل کروایا۔ کچھ دیر کے بعد ہم بھی وہاں پہنچ گئے۔ وہ دونوں افراد یہیں موجود تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھ کر سلام کیا اور میں نادبہ کے ساتھ اندر پہنچ گئی۔ نہ جانے کیوں دل کی دھڑکنوں میں ایک بے ترتیبی سی پیدا ہو گئی تھی لیکن میں نے فوراً اپنے آپ پر قابو پایا۔ حاکم شیرازی بستر پر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ انتہائی لاغر ہو گیا تھا اور چہرے کا رنگ بھی کچھ دم ہمدرد نہ لگتا تھا۔ میں اسے دیر تک دیکھتی رہی۔ نادبہ نے کئی بار میرے چہرے کو دیکھا تھا پھر وہ آہستہ سے بولی۔

”میرا خیال ہے“ اسے سونے دو۔ ویسے اس کے بارے میں جو رپورٹ ہے، وہ صرف یہی ہے کہ یہ خطرناک پاگل نہیں ہے۔ بس دماغی کیفیت حاضر نہیں ہے۔ یہ دونوں افراد اس کی نگرانی کریں گے۔ ہمیں راتوں رات واپس جانا ہو گا۔“

چنانچہ ہم دونوں واپس آ گئے۔ رات بڑی بے چینی سے گزری تھی۔ میں کروٹیں بدلتے ہوئے صبح کا انتظار کرتی رہی اور پھر صبحی صبح ہی ہم دونوں دوبارہ وہاں پہنچ گئے۔

حاکم شیرازی جاگ رہا تھا اور ہر احساس سے عاری لگا ہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ نگرانی کرنے والوں میں سے ایک ہمارے پاس آیا اور بولا۔

”میں نے انہیں ناشتا وغیرہ کرا دیا ہے۔ ساری ہدایات مجھے طاہر صاحب سے مل گئی ہیں۔“

”ٹھیک ہے“ ہم تمہارے کام سے خوش ہوئے۔“ نادبہ نے اسے شاباش دی۔ جب ہم حاکم شیرازی کے کمرے میں پہنچے تو نادبہ نے مجھے اندر جانے کی ہدایت کی۔

”آؤ تم بھی آؤ۔“

”نہیں۔ جاؤ پلیز۔ یہاں تکلف نہ کرو۔“ میرے ہونٹوں پر پھینکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ نادبہ جو سوچ رہی تھی، یہاں وہ غلط تھی۔ میرے لئے یہ راستہ بند ہو چکا تھا۔ بہر حال پھر بھی میں نے ضد نہیں کی اور حاکم شیرازی کے کمرے میں پہنچ گئی۔ میری آہٹ پر اس نے نگاہیں تنک نہیں کھائی تھیں۔ میں خود اس کے پاس گئی اور اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

”حاکم شیرازی۔“ اس نے میری جانب نگاہیں نہیں سمجھائیں لیکن اس کے ہونٹوں سے آواز نکلی تھی۔

”جب تم زندہ لوگوں کی خدمت کرنے کے اہل نہیں تو ان کی روجوں کی خدمت کیسے کر سکتے ہو۔ اصول یہ ہے کہ جب انسان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اسے درست کر لینا چاہئے۔ اگر وہ اس غلطی کو

بہنوں کے ساتھ گھوموں پھروں۔ کتنا اچھا لگے۔ ماں باپ والان میں بیٹھے ہوں اور ہمیں بارش میں بیٹھا منع کریں۔ کیسی عجیب آرزوئیں ہوتی ہیں انسانی دل میں کاش۔ کاش ان خوابوں کی تعبیر کبھی عملی شکل بھی مل جائے۔ میرے حلق سے ایک ٹھنڈی سانس نکل گئی۔ میں نے اپنے آپ کو پرکھا۔ کیا میری آنسوؤں سے بھگی ہوئی ہیں۔ کیا میرے رخسار نرم ہو چکے ہیں؟ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ پتہ نہیں الماس کی تربیت نے یا میری سخت طبیعت نے کبھی میری آنکھوں میں نمی نہیں پیدا ہونے دی تھی اور کبھی باہر سے کہ نمی پیدا بھی نہیں ہوتی چاہئے۔ آگ جب تک سلتی رہے آگ ہوتی ہے۔ ورنہ سب کچھ راکھ ہے۔ بالکل راکھ۔“

حاکم شیرازی کے بارے میں جاننے کے باوجود میرے دل میں اس کے لئے ایسے جذبے بیدار ہوئے تھے جو مجھے بے چین کر دیتے۔ بات وہی تھی کہ میرا دل جوانی کی امنگوں سے آشنا نہیں تھا جو اس کا خاصا ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود حاکم شیرازی کے لئے یہ احساس دل میں ضرور تھا کہ میری وجہ اس کی یہ حالت ہوئی لیکن بہر حال جو منصوبہ بندی ہم نے کی تھی، اس میں برق رفتاری نہیں دکھائی دے تھی۔ میں تو خیر بہت کم کام کر رہی تھی۔ طاہر کو نادبہ نے بہت ساری ذمے داریاں سونپ دی تھیں۔ وہ ابھی تک ان ساری ہنگامہ آرائیوں کے باوجود میں اپنے تجربے پر پورا پورا بھروسہ نہیں کر سکتی تھی بقول نادبہ ضرورت سے زیادہ احتیاط بھی بعض اوقات نقصان کا باعث بن جاتی ہے اس لئے طاہر پر اعتماد تھا اور نادبہ ہی کے ذریعے ایک بڑی رقم دے کر طاہر کو ایک قریبی شہر بھیج دیا تھا۔ یہ شہر بہت زیادہ چہ نہیں تھا لیکن پھر بھی ملک کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ طاہر کو تمام تر ہدایات دے دی گئی تھیں دولت کی ہمارے پاس کی نہیں تھی، چنانچہ ایک خوب صورت علاقے میں ایک چھوٹا سا مکان اور سیکنڈ کار خریدی گئی تھی اور اسے بھی طاہر کی رہائش گاہ پر چھوڑ دیا گیا۔ میرے اپنے کام تو عظمت جلال ذریعے ہی ہو رہے تھے۔ آخر کار وہ وقت آ گیا، جب طاہر کو ایک بیمار کی حیثیت سے اسپتال پہنچنا تھا اور اسے کسی کمرے میں قیام کرنا تھا۔ پھر اس کے چہرے پر حاکم شیرازی کا میک اپ کیا جانا تھا اور میک اپ کے اسے حاکم شیرازی کے کمرے میں منتقل کر دیا جانا تھا اور حاکم شیرازی کو میک اپ کر کے وہاں سے اٹا لانا تھا۔ انتظامات طاہر نے کئے تھے اور ہم اس کے علاوہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے کہ اس پر بھروسہ کریں طاہر کے ساتھ تین آدمی اور بھی کام کر رہے تھے جو ہمیشہ سر جھکا کر ہاں کہنے کے عادی تھے۔

ہم انتظار کر رہے تھے۔ ٹرانسپیر کے ذریعے طاہر سے مسلسل رابطہ قائم رہتا تھا۔ پھر اس دن طاہر ہمیں بتایا کہ آج رات گیارہ بجے حاکم شیرازی کو اسپتال سے نکال لیا جائے گا۔ سارے انتظامات مکمل ہو گئے۔ طاہر کچھ دیر حاکم شیرازی کی حیثیت سے اپنے کمرے میں رہے گا اور جب حاکم شیرازی محفوظ جگہ پہنچے گا تو ٹرانسپیر پر طاہر کو اطلاع دے دی جائے گی اور طاہر بھی وہاں سے نکل لے گا۔ اب دارودہ اس بات پر تھا کہ سارے کام بخیر و خوبی ہو جائیں۔

گیارہ بجے دو آدمی حاکم شیرازی کو لئے باہر آئے۔ اس کے چہرے پر کسی اور مریض کا میک اپ تھا وہ کار کھڑی ہوئی تھی جس میں حاکم شیرازی کو لے جانا تھا۔ میں اور نادبہ کمرے کی ایک کار میں خاموشی سے

درست نہیں کرتا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ایک اور غلطی کرتا ہے۔" میں اس کے الفاظ بخوبی سن رہی اور غور کر رہی تھی لیکن انداز بڑا بے ربط تھا۔

"حاکم شیرازی! تم نے جو کچھ میرے لئے کیا ہے، میں اسے بھول نہیں سکوں گی۔ مجھ سے جو ہوسکا، تمہارے لئے ضرور کروں گی۔" میری آواز بھرا گئی تھی۔ جواباً حاکم شیرازی مجھے خالی خالی نگاہوں دیکھنے لگا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا، جیسے وہ مجھے پہچان نہیں سکا ہے۔ میں وہاں زیادہ دیر نہ رک سکی اور سنبھالتے ہوئے باہر آگئی۔ کمرے کے باہر نادیدہ میری منتظر تھی۔ اس نے بڑی گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیا لیکن میری آنکھوں میں وہ کچھ نہ تھا جو وہ دیکھنا چاہتی تھی۔

"نادیدہ! اس شخص کا علاج ہو سکتا ہے؟" میں نے اس کے سوالوں سے بچنے کے لئے پوچھا۔

"تمہیں یاد ہو گا کہ عزت جلال نے اس کے لئے کیا احکامات دیئے تھے؟ یہ کہ اس کی ذہنی کیا معتدل نہیں ہونی چاہئے۔ ہم اسے کسی اسپتال یا بیرون ملک بھیجنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے کیونکہ اسے ہر اسپتال میں تلاش کریں گے اور اس طرح یہ خطرے میں پڑ جائے گا۔ یہاں اس مکان میں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاموشی سے کچھ عرصہ یہیں گزارے۔ اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا کر ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ مجبوری کا نام صبر ہے۔ ایسا ہی کرتے ہیں لیکن یہاں اس کی حفاظت اور خدمت معقول انتظام ہونا چاہئے۔"

"اس کی تم فکر مت کرو۔ بڑے کام کا آدمی حاصل کر لیا ہے ہم نے۔ معاوضہ دینا پڑے گا مگر سب ہو جائیں گے۔" پھر اس کے بعد ہم ان دونوں افراد کو مزید ہدایت دے کر وہاں سے چل پڑے تھے۔ میں ساری رات کی جاگی ہوئی تھی، اس لئے بستر پر گرتے ہی غیند نے مجھے اپنی نرم آغوش میں لیا۔ رات کو کوئی آٹھ بجے آنکھ کھلی۔ کھانا وغیرہ کھایا۔ ٹرانسپیر پر اشارہ موصول ہوا تو میں نے جلدی ٹرانسپیر آن کر دیا۔

"ہاں۔"

"میڈم، سب ٹھیک ہے نا، میں بھی چکر لگاتا ہوں پوائنٹ کا۔ مطلب آپ سمجھ رہی ہوں گی۔ ٹھیک ہے۔ میڈم نادیدہ نے مجھے مزید ہدایت دے دی ہیں اور خاص طور سے یہ کہا ہے کہ جب آپ مجھ سے رابطہ قائم کریں تو میں آپ کو اطمینان دلا دوں کہ تمام تر معاملات ٹھیک ہیں اور ٹھیک رہیں گے۔"

"شکریہ طاہر۔ بس خیال رکھنا، خاص طور سے، اوکے۔"

جواباً طاہر نے مجھے بے فکر رہنے کا مشورہ دے کر ٹرانسپیر بند کر دیا۔

☆=====☆=====☆

دوسرے دن طبیعت پر کچھ ٹھکڑا سا سوار تھا۔ یونہی گاڑی لے کر باہر نکل گئی۔ چہرے میں تبدیلی آئی اس لئے کوئی خطرہ نہیں تھا اور پھر سچی بات یہ ہے کہ چوروں کے ساتھ رہ رہی تھی اس لئے چوری کا فائدہ نہیں تھا۔ بہت دیر تک گھومتی پھرتی رہی۔ پھر ایک بہت ہی خوبصورت جہز اسٹور میں داخل ہوئی۔

ڈیپارٹمنٹل اسٹور تھا۔ کچھ خریداری کرنی تھی۔ جب میں بل کی ادائیگی کے لئے کاؤنٹر پر پہنچی تو ذہن کو شدید جھٹکا لگا۔ کاؤنٹر پر الماس آراء دو اجنبی لڑکیوں کے ہمراہ کھڑی تھیں۔ ایک لمبے کے لئے تو ذہن جھنجھٹا گیا تھا۔ دل میں نفرت کا لاوا کھولنے لگا تھا لیکن ظاہر ہے جو صورت حال درپیش تھی، اس کے پیش نظر اپنے آپ کو سنبھالنا ہی دانش مندی تھی۔ میں بل ادا کر رہی تھی کہ الماس آراء کی نگاہیں مجھ پر پڑیں۔ میں بے پروائی سے اپنا کام کرتی رہی لیکن میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ الماس آراء مجھے دیکھ رہی ہے۔ ایک بار پھر میری نگاہیں اس سے ملیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ میرا بل ادا ہو چکا تھا چنانچہ میں اپنا پکٹ لے کر وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ البتہ میں نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ الماس آراء میرا تعاقب نہ کر سکے۔

ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے ملحق ایک پتلی سی گلی میں داخل ہو کر سڑک کی دوسری طرف نکل آئی حالانکہ میری کار ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے تیز رفتاری سے گلی عبور کی اور پھر ایک بار لمبا چکر کاٹ کر دوسری گلی سے واپس اس سڑک پر آگئی۔ کوئی اندازہ نہیں ہوسکا کہ الماس آراء نے اس کے بعد میری تلاش کی یا نہیں۔ ویسے امکان نہیں تھا، اس بات کا کیونکہ تیسرے پتھرے پر میک اپ تھا لیکن دل کی کیفیت کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ اس عورت کو تو جب تک میں زندہ نہ جلا دوں گی، مجھے سکون نہیں ملے گا۔ اپنی نفرت کے اس طوفان کو دبانے میرے لئے بڑا مشکل کام ہو جاتا تھا۔ گاڑی ڈرائیو کر کے اپنے گھر پہنچ گئی۔ طبیعت بڑی نڈھال ہو گئی تھی۔ بہر حال ان ساری چیزوں کے لئے صبر تو کرنا ہی تھا۔ وہ رات نہ جانے کیسے گزری تھی۔ دوسرے دن صبح دس بجے کے قریب عظمت جلال کا ٹیلی فون ملا۔

"ہاں۔ مس زیلا کیا کر رہی ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں سر۔ حکم دیجئے۔"

"آجائے میرے پاس۔ میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"اوکے سر۔" میں نے کہا اور پھر جلدی جلدی تیاریاں کرنے کے بعد میں عظمت جلال کے پاس پہنچ گئی۔ عظمت جلال پر خیال انداز میں رخسار کھجرا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"رات کو آپ کرائسٹ ڈیپارٹمنٹل اسٹور گئی تھیں؟" میں نے چونک کر عظمت جلال کو دیکھا اور کہا۔

"ہاں، اور وہاں میں نے الماس آراء بیگم کو بھی دیکھا تھا۔"

"ہوں۔ الماس آراء کو یقین ہو گیا ہے کہ تم یہاں موجود ہو اور وہ ایک دم سے تمہارے سلسلے میں پھر جذباتی ہو گئی ہے۔"

"کیسے علم ہو گیا ہے؟"

"رات میں عزت جلال کے پاس تھا، جب وہ وہاں پہنچی۔ حاکم شیرازی نامی ایک آدمی جس کا تعلق غالباً تم سے بھی کسی طور تھا، الماس آراء کے قبضے میں تھا۔ الماس نے اسے ایک دماغی اسپتال میں رکھ چھوڑا تھا۔ حاکم شیرازی اس دماغی اسپتال سے غائب ہو گیا ہے۔ وہ کہاں گیا ہے یا تم نے وہاں سے نکالا ہے؟ یہ بات میرے علم میں نہیں ہے لیکن اس کا غائب ہو جانا الماس کے لئے اس شے کا باعث ہے کہ تم شر میں موجود ہو اور تم نے حاکم شیرازی کی رہائی کے لئے بہت ہی چالاکی دکھائی ہے۔ عزت جلال سے وہ پورے اعتماد کے

کا نگ روانگی کے بارے میں بتا دیا۔
نادیہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئی۔ میں اسے بتا چکی تھی کہ عظمت جلال سامنے موجود ہے، اس نے اس نے کوئی ایسا سوال نہیں کیا۔ پھر آہستہ سے بولی۔
”اوکے۔ اللہ مالک ہے۔ تم بے فکر رہنا۔ ادھر کا میں خیال رکھوں گی۔“

میں نے فون بند کر دیا۔ میں نے چور نگاہوں سے عظمت جلال کا جائزہ بھی لیا تھا۔ بظاہر وہ بالکل ہماری بے متوجہ نہیں تھا لیکن میں جانتی تھی کہ اس کی تمام توجہ اسی سمت رہی ہوگی۔ بہر حال میں اب ان بے معاملات کو دوسری نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی۔ اس لئے مجھے کسی اور چیز کی کوئی پروا نہیں تھی۔
الماں آراء کی چالاکی پر میں غور کر رہی تھی۔ شیطان تھی کم بخت شیطان، اور درحقیقت اس کی نیت سے بچنا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا اور اسے بھی میں تقدیر کا ایک کھیل سمجھتی تھی کہ دشمنوں ہی ایک ایسا دشمن بھی تھا جو دوستی نبھا رہا تھا۔ یعنی عظمت جلال اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے مجھے استعمال رہا تھا۔ دوپہر کو جب میں ایئر پورٹ جانے کے لئے تیار ہوئی تو عظمت جلال خود مجھے ایئر پورٹ چھوڑنے کے لئے چل پڑا تھا۔

”ہانگ کانگ میں مجھے کسی خاص جگہ قیام کرنا ہوگا؟“ میں نے پوچھا۔
”نہیں۔ تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔ جہاں دل چاہے قیام کرنا۔ جسے تم سے رابطہ کرنا ہوگا، وہ خود ہی مل بیٹھے گا۔“

ایئر پورٹ پر کوئی ایسی خاص بات نہ ہوئی اور جہاز چند گھنٹوں میں ہانگ کانگ ایئر پورٹ پر اتر گیا۔ یہ میں نے کچھلی بار دیکھا تھا۔ بہر حال جب میں تمام معمولات سے فارغ ہونے کے بعد ایئر پورٹ سے باہر توہمت سے ہوٹلوں کے نمائندے میرے ارد گرد اکھڑے ہوئے لیکن میں نے اس منہ سی گڑیا جیسی لڑکی کو پسند کیا جو ان سب کے جھوم میں آگے آنے کی کوشش میں ناکام رہی تھی۔ میں ہاتھ اٹھا کر اس جانب بڑھی۔

”ہیلو۔“ میں نے اس انداز میں کہا جیسے میری اس سے قدیم شناسائی ہو۔ لڑکی ایک دم سے عجیب سی ت کشاکش ہو گئی تھی لیکن دوسرے لوگوں پر میرے اس انداز کا ٹھیک اثر ہوا۔ وہ کچھ جھل سے ہو کر پیچھے گئے۔ وہ لڑکی تیزی سے آگے بڑھی اور میں اس کی رہنمائی میں ہوٹل کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

”آئی ایم سوری میڈم! میری سمجھ میں بالکل یہ بات نہیں آسکی کہ ہماری ملاقات کہاں ہوئی ہے؟“
”بس تم اتنی پیاری سی ہو کہ میں خود بخود تمہارے پاس چلی آئی تھی۔“
”اوہ۔ ٹھیک یو میڈم! ٹھیک یو ویری چی۔“
”کیا نام ہے تمہارا؟“

”شان۔“ لی شان۔“
”ہوٹل فور اشار تھا لیکن فائو اشار کی سولتوں کے ساتھ۔ کمرہ بھی بے حد وسیع تھا۔ شان کو اچھا پ دے کر اور دوسرے معاملات سے فراغت حاصل کر کے میں آرام کرنے لگی۔ تھائی میں سوچیں

ساتھ یہ بات کہہ رہی تھی کہ اس نے تمہیں کرائسٹ ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں دیکھا ہے۔ وہ یہ بھی بتا رہی کہ تمہارا چہرہ اصل نہیں تھا لیکن تمہاری یہ جسامت، قد و قامت اور اس کے بعد آنکھیں خاص طور آنکھیں، وہی تھیں کہ ان آنکھوں میں جو آگ روشن تھی، اس آگ نے اسے یقین دلادیا ہے کہ وہ شاہ نور ہی تھی، چنانچہ عزت جلال نے ایک بار پھر ان خفیہ اداروں کو الرٹ کر دیا ہے جو تمہاری تلاش مصروف تھے اور دوسری جانب وہ خود تمہاری تلاش میں ہیں۔ اس وقت میں سمجھتا ہوں، بڑی سنگین صورت حال ہے۔“ میں نے پرسکون نگاہوں سے عظمت جلال کو دیکھا اور کہا۔
”تو سر! اس کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟“

”ہاں۔ ظاہر ہے، تم میرے لئے جس قدر جیتی ہو، میں اچھی طرح جانتا ہوں اور اب جب کہ میں تمہیں ایک بہت ہی اہم ذمہ داری سونپی ہے تو تمہارے ہر طرح کے تحفظ کا انتظام بھی مجھے ہی ہے۔ سینڈون گروپ تمہارے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک منٹ۔“ عظمت جلال اپنی جگہ سے ایک طرف رکھی میز کی دراز کھولی اور کچھ چیزیں لے کر میرے پاس آگیا۔

”یہ تمہارا پاسپورٹ۔ یہ ٹکٹ موجود ہے۔ تمہاری فلائٹ پونے دو بجے ہے اور تمہیں یہاں۔ کس اور نہیں جانا۔ فی الحال تم ہانگ کانگ جا رہی ہو۔ باقی سارا بندوبست وہاں پر کر دیا گیا ہے۔ کوئی ا پریشانی کی بات نہیں ہے۔ وہاں تمہیں ہر طرح کی مدد دی جائے گی۔“ میں ایک لمحے کے لئے سن رہ تھی۔ میں نے کہا۔

”سر! مجھے تمہاری جانا ہوگا؟“
”اصل میں، میں تمہیں یہاں رکھنے کا رسک نہیں لے سکتا۔ کچھ ذمہ داریاں تمہارے سپرد تھیں جو بڑی اہمیت کی حامل ہیں لیکن اس کے لئے میں باقاعدہ ایک پلاننگ کرنا چاہتا تھا۔ اب اس کا موا نہیں ہے کیونکہ میں اپنے بھائی عزت جلال کو جانتا ہوں۔ بڑی لمبی پہنچ کا آدمی ہے اور بس اس پر پورا طرح حاوی ہے۔ وہ لوگ تمہیں قبر کی گہرائیوں میں بھی تلاش کرنے کی کوشش کریں گے، اس لئے تمہارا فوراً نکل جانا یہاں سے ضروری ہے۔“

”سر! نادیہ سے ملاقات کر سکتی ہوں؟“
”ٹیلی فون پر۔“ عظمت جلال نے کہا۔
”کیا میں اسے اطلاع دے سکتی ہوں کہ میں ملک سے باہر جا رہی ہوں؟“
”ہاں۔ ہو سکتا ہے، نادیہ کو بعد میں تمہارے پاس ہی بھیج دوں۔“
”ٹھیک ہے سر۔“

”جاؤ۔ ٹیلی فون کرلو۔ تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی خطرے کے بغیر تم یہاں سے نکل جاؤ۔“

”ٹھیک ہے سر۔“ میں نے جواب دیا اور اس کے بعد میں ٹیلی فون پر چلی گئی۔ میں نے نادیہ کے نمبر ڈائل کئے تو فون اس نے ہی ریسو کیا۔ میں نے اسے مختصر الفاظ میں عظمت جلال کی کوٹھی میں موجودگی اور

ہی شبہ ہونے لگتا ہے۔“

”جی۔ لیکن آپ کو میرے پیچھے پیچھے کیسے آنا پڑا؟“

”بالکل اتفاقیہ طور پر۔ تم جانتی ہو، میں نے باقاعدگی سے اپنا نیٹ ورک بنایا ہے اور مختلف گوشوں مجھے مختلف معلومات حاصل ہوتی رہتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے تمہیں اس وقت اس لئے ہانگ لگا کر رکھا تھا کہ الماس آراء کو یہ شک ہو چکا تھا کہ تم اس کے آس پاس منزل لا رہی ہو۔ پھر سب سے بات یہ ہے کہ کچھ اور بھی الجھنیں اسے پیش آ گئی ہیں۔ اس وقت اگر تم یقین کرو تو تمہیں بتاؤں کہ شمار افراد لاکھوں روپے کا لالچ دل میں لئے شکاری کتوں کی طرح تمہاری بوسونگتے پھر رہے ہیں۔ اگر تم اوتھیں تو کسی نہ کسی شکل میں تمہیں تلاش کر لیتے۔ میں ادھر ہی متوجہ تھا۔ اچانک ہی ایک ایسی اطلاع پہنچی جس کی وجہ سے مجھے متحرک ہونا پڑا اور میں فوراً تمہاری جانب دوڑ پڑا۔ تم یوں سمجھ لو کہ تم ہانگ لگیا آئیں، ایک بہت ہی اہم کام تمہارے پیچھے پیچھے یہاں آگیا۔“ عظمت جلال پھر مسکرایا اور پھر الجھن بولا۔

”مجھے یہ دانت نکالنے کی اجازت دو۔ انہیں لگا کر منہ کی حرکت معطل ہو جاتی ہے۔“ یہ کہہ کر اس مصنوعی دانت نکال کر باہر رکھ دینے اور پھر ان پر ایک رول جیب سے نکال کر ڈال دیا۔ پھر بولا۔

”ہاں۔ ایک عجیب و غریب صورت حال ہے۔ ایمنرون میں تم نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ سن یہ تم اچھی طرح جانتی ہو، ایشیا اور خاص طور سے قرب و جوار کا یہ حصہ ڈرگز کے لئے اتنی بڑی حیثیت رکھتا ہے کہ پورا یورپ اور امریکہ وغیرہ اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ڈرگز آرگنائزیشن کا سارا در اسی طرف ہے۔ اس سلسلے میں کچھ ایسے لوگ کام کر رہے ہیں جن کا تعلق ماضی کی اہم شخصیات میں ہے۔ ہلر کے زمانے میں کچھ ایسے جرنیل بھی تھے جو تعلق جرمنی سے ہی رکھتے تھے لیکن انہوں نے دنیا میں دوسرے ہی جال پھیلانے ہوئے تھے۔ وہ لوگ اتحادیوں اور جرمنوں کے رازوں کا آپس میں تبادلہ رکے انہیں فروخت کیا کرتے تھے اور انہوں نے اتنی دولت جمع کر رکھی تھی کہ کسی کو اس کا اندازہ بھی مل نہ ہوگا۔ انہی میں سے ایک نام ہولی گارون کا ہے۔ اس کا تعلق کافی عرصے تک گستاخوں سے بھی رہا ہے۔ انہیں جانتا کہ اس شخص کی عمر کتنی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہولی گارون کے نام پر کسی اور نے اپنا دوبار چمکایا ہو چونکہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ہولی گارون کا نام مختلف جرنیلوں کے قتل کے طے میں استعمال ہوتا رہا ہے اور یہ وہ جرنیل تھے جنہیں مخالف حکومتوں نے قتل کرایا جو جگہ جگہ چھپے گئے تھے۔ بہر حال اس کے بعد ہولی گارون انہی علاقوں میں کہیں آکر آباد ہو گیا اور یہیں سے اس کا نام سنا لے لگا۔ تھوڑے ہی عرصے قبل صحافیوں کی ایک آرگنائزیشن نے ڈرگز کے خلاف ایک مہم چلائی اور اس کے دوران بڑے بڑے نامور صحافی قتل کر دیئے گئے۔ یہ وہ تھے جنہوں نے ڈرگز کے بارے میں خاصی بات حاصل کر لی تھیں اور یہ بتا چلا لیا تھا کہ ڈرگز مافیا کا سب سے بڑا مرکز کہاں ہے۔ پھر ان میں سے اس نے اپنی خفیہ رپورٹ اپنے ہیڈ کوارٹر تک پہنچا دی لیکن ایسے کوڈ ورڈز میں جو عام طور سے نہ سمجھا جا سکتا تھا۔ پھر اسی دوران یہ صحافی قتل ہو گئے اور جب یہ رپورٹ ہیڈ کوارٹر میں ترجمہ کی گئی تو کچھ نام سامنے

کبھی کبھی بڑا پریشان کرتی ہیں۔ میں سوچنے لگی کہ مجھے الماس آراء کی وجہ سے ہانگ لگانا بھیجا حالانکہ میں جب بھی چاہتی الماس آراء کو ختم کر سکتی تھی لیکن ایسا تو میں کبھی نہیں چاہتی تھی کیونکہ بخت سے مجھے اپنے ماں باپ کا پتا مل سکتا تھا۔ بہر حال نہ جانے کب تک ان تمام سوچوں میں ڈو ہانگ لگانے میں پہلی رات پُر سکون گزری، دوسرا دن بھی، لیکن شام کو ساڑھے پانچ بجے کے قریب اپنے کمرے میں ہی تھی نیچے سے مجھے کال موصول ہوئی اور میں نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ آ

”میڈم! مسٹر جک پال آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”جک پال!“

”جی میڈم! وہ کہتے ہیں کہ میڈم شاہ نور سے ملاقات کرنا ضروری ہے۔“ میں ایک دم چونک کر

”میری بات کراؤ ان سے۔“

دوسری طرف سے ایک پھٹی پھٹی سی آواز سنائی دی۔ ”میڈم جی! ہمیں صاحب نے بھیجا ہے سے ضروری کام ہے۔ آپ ہمیں جانتی تو نہیں ہیں پر آنے دیجئے ہمیں اپنے پاس۔ آپ سے تقاریر جائے گا جی۔“ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر میں نے آپریٹر سے کہا۔

”آپریٹر بلیر! آپ انہیں میرے پاس بھیج دیجئے۔“ دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے آ استقبال کیا۔ وہ ایک دروازہ قامت روایتی کتھ تھا۔ اپنے مخصوص لباس میں بڑی مضحکہ خیز شخصیت رہا تھا۔ بہر حال عظمت جلال کے نام پر آیا تھا اور اس نے میرا اصل نام لیا تھا۔ کہنے لگا۔

”معافی چاہتے ہیں جی لیکن کیا کریں۔ آپ دروازہ بند کر دیں۔ بہت ضروری بات کرنی ہے ایک لمحے میں اندازہ لگا لیا کہ نہ تو زیادہ طاقت ور ہے نہ پھر تھلا۔ اگر اس نے کوئی گڑبگ کی تو گی آسانی سے اسے چنانچہ میں نے دروازہ بند کر دیا اور وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

”آؤ جی۔ باتیں کرو ہمارے ساتھ۔“ اس نے بدستور بڑے بڑے دانت نکال کر کہا اور میں سامنے بیٹھ گئی۔

”بہت زیادہ اسرار بننے کی کوشش مت کرو۔ کیا بات ہے، یہ بتاؤ۔“

”بے بی! عظمت جلال ہوں میں۔“ اس نے کہا اور میرے ذہن میں ایک تیز جھمکا ہوا ایک کوئی بات نہیں تھی۔ اس بار عظمت جلال اپنی اصل آواز میں بولا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بہت چیز ہے۔ سارا خاندان ہی کم بخت شاطروں کا خاندان تھا۔ بہر حال میں ایک دم سنبھل گئی تو وہ کہنے لگا ”میک اپ اتار کر نہیں دکھا سکتا ورنہ اپنی اصل شکل دکھا دیتا۔ پھر بھی تم اب مجھے انکل کہو۔“ جی انکل! میں آپ کی آواز پہچانتی ہوں لیکن آپ کو اس طرح یہاں دیکھ کر مجھے شدید ہے۔“ جواب میں عظمت جلال ہنسنے لگا، پھر بولا۔

”ہں۔ اس دنیا میں آنے کے بعد زندگی اتنی بے یقینی ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات خود ہی

ہاں واقعی انہیں سرانجام دینے کے قابل ہوں۔ بہر حال عظمت جلال کے جانے کے بعد میں نے چہرے پر اپ کیا اور اس کے بعد مجھے ایک فائدہ اشار ہوئی میں مزید کچھ ہدایات کے ساتھ منتقل کر دیا گیا۔ میرا پورٹ اور کاغذات میرے پاس موجود تھے۔ وہ شکل جو روہن گپتا کی تھی، وہ بھی غیر دلکش نہیں تھی اور یہی ایسی نہیں تھی کہ کوئی کام کرتے ہوئے وقت محسوس ہو۔ البتہ میں یہ سوچ رہی تھی کہ جو لوگ مجھ سے ملاقات کریں گے، وہ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں اور کس طرح میری اور ان کی ڈیٹنگ ہوتی ہے۔

تقریباً ساڑھے پانچ بجے تھے۔ پال بلیمنڈو کی فون کال موصول ہوئی۔
”ہیٹیا آپ کو زحمت ہوگی مس گپتا! لیکن لاؤن اسکوائر میں ہم آپ کا انتظار کریں گے۔ یہاں ایک باسا ہوٹل ہے جو کینٹونا کے نام سے مشہور ہے۔ ساڑھے پانچ بجے اگر آپ وہاں سے چلتی ہیں تو کینٹونا پہنچنے چھ بج جائیں گے زیادہ سے زیادہ۔ ویسے اتنا لمبا فاصلہ ہے نہیں۔“

”ٹھیک ہے، میں پہنچ جاؤں گی۔“ میں نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ پھر ساڑھے پانچ بجے سے کچھ پہلے میں کمرے سے نکل کر چالی کاؤنٹر پر دے دی اور بالکل نارمل انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی لی سے نکل کر دائیں جانب مڑ گئی۔ موسم معتدل تھا اور سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھا تاہم یہ اندازہ نے کی خوش کرتی رہی کہ میرا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا لیکن ایسا کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ ٹریفک سکنل کے باپ پہنچ کر میں نے ایک ٹیکسی لی اور اسے کینٹونا چلنے کو کہا۔ ٹیکسی نے تقریباً آدھے گھنٹے میں مجھے منزل پر پہنچا دیا۔

کینٹونا چھوٹا مگر خوب صورت ہوٹل تھا۔ بائیں طرف ایک چھوٹا سا بار کاؤنٹر تھا۔ اس کے ساتھ ہی ڈروم کا دروازہ بھی تھا۔ چند نوجوان بیئر ڈھکیل رہے تھے۔ ہال نما اسونگ روم تھوڑے فاصلے پر نظر آتا تھا۔ ابھی میں اپنی جگہ کھڑی تجسس بھری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی کہ میرے عقب میں دل کی آواز ابھری۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو میرے سامنے ایک دراز قامت آدمی کھڑا ہوا تھا۔ اس کی بات کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ ویسے تو وہ بری شکل کا مالک نہیں تھا لیکن کھوپڑی بالکل بندر جیسی۔ لباس البتہ بہت خوب صورت پہنا ہوا تھا۔ بہر حال مجھے یہ اندازہ نہیں ہوسکا کہ اس سے پہلے یہ کہاں میرے قریب پہنچ کر اس نے نہایت شستہ لہجے میں کہا۔

”روہن گپتا؟“

جواباً میرے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں گردن خم کر کے اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اس سے ہاتھ ملایا اور پھر اُدھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔
”مجھے پال بلیمنڈو کہتے ہیں اور جیسا کہ ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے کہ تم صرف مجھے پال کو مگی، ہم لوگ آگے بڑھ گئے۔ اس نے ایک میز منتخب کی جہاں پام کے گٹلے قریب رکھے ہوئے تھے اور ہلکی ہوا برابر والی کھڑکی سے آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

”صورت حال بڑی سنگین ہے۔ میں تمہیں بتاؤں بات صرف اتنی نہیں ہے کہ ہم لوگ اس کے معلومات حاصل کر رہے ہیں بلکہ ہمارے بارے میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ ہم دنیا کے بڑے بڑے

آئے۔ ادھر صحافیوں کے قتل پر دنیا بھر کا پریس بری طرح جج اٹھا اور انہوں نے قسم کھائی۔ مطلب صحافیوں کی ایک انجمن نے کہ ڈرگز مافیا کا یہ مرکز انتہائی طور پر ختم کر کے دم لیا جائے گا۔ پھر اس ایک پارٹی تشکیل پائی اور اس پارٹی نے اپنا ایک مشن بنا لیا۔ ایک منشور بنا لیا اور اپنے اپنے اہم چھوڑ کر منتشر ہو گئے اور وہ خفیہ طور پر کام کرنے لگے۔ بہر حال وہ پارٹی مختلف انداز میں کام کر رہی اسی پارٹی کی ایک رکن روہن گپتا جس کا تعلق ہندوستان سے ہے، ہانگ کانگ کی جانب چل پڑی اس کی پارٹی ایک اتفاقی حادثے کا شکار ہو گئی اور اس نے جس شخص کو مرتے ہوئے اپنا بیان دیا، وہ آدمی تھا۔ روہن گپتا مر گئی لیکن میرے آدمی نے ذمے داری سے کام لیتے ہوئے فوراً یہ خبر مجھ تک یہ ایک ایسا مرحلہ تھا جس میں مجھے تمہارا یاد آنا لازمی امر تھا۔ میں نے فوراً ہی ایک منصوبہ بنایا۔ روہن لاش اس کی مذہبی رسوم کے مطابق خفیہ طریقے سے جلا دی اور میں اس کام سے فارغ ہو کر میدھا پاس پہنچ گیا۔ اب جانتی ہو تمہیں کیا کرنا ہے؟“

”ہاں۔ بات کافی حد تک سمجھ میں آ رہی ہے۔“

”کیا؟“

”مجھے روہن گپتا کا کردار ادا کرنا ہے۔“

”ہاں، تم نے بالکل درست اندازہ لگایا۔“ اس نے ستائشی انداز میں سر ہلایا اور ایک پاسپورٹ کاغذات نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے۔ ”یہ روہن گپتا کے کاغذات اور پاسپورٹ ہے۔ جس خفیہ وہ شریک ہے، اس میں چند صحافیوں سے اس کا رابطہ ہے اور کسی سے نہیں۔ اس نے جو تفصیلات ان میں دو نام بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جنہیں یہاں اس سے ملاقات کرنی تھی لیکن وہ بھی کچھ را بعد۔ ان میں ایک پال بلیمنڈو ہے اور دوسرا امیل گرین۔ یہ دونوں خفیہ طریقے سے اس آرگنائز لے کام کر رہے ہیں۔ روہن گپتا کو انہی سے رابطہ کرنا تھا۔ پاسپورٹ پر اس کی تصویر لگی ہوئی ہے کہ تم خود بھی اچھا خاصا میک اپ کر لیتی ہو لیکن میرا میک اپ میں تمہاری مدد کرے گا۔ ویسے یہ ہوٹل چھوڑنا ہو گا کیونکہ دوسری شکل میں تمہیں دوسرے ہوٹل میں قیام کرنا ہو گا۔“ یہ کہہ کر لمبے کو خاموش ہو گئے۔

”اس سے آگے..... میں نے پُر سوچ انداز میں پوچھا۔

”اس سے آگے وقت تمہاری رہنمائی کرے گا لیکن میں تمہیں مزید تفصیلات بھی بتاؤں گا۔ انجام دو۔ یہ سمجھ لو کہ تمہارے شایان شان ہے اور پھر اس میں تمہیں خاصا وقت اس علاقے پڑے گا۔ ان علاقوں میں ہی نہیں بلکہ تمہیں یہاں کے قرب و جوار کا بھی پوری طرح جائزہ لینا ایک دلچسپ کام ہے جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ تم بڑی ہوشیاری اور مستعدی سے اسے دو گی۔“

جواباً میں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ میں نے اپنے طور پر آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔ عظمت جلال کا تھا، میں تو صرف یہ سوچ رہی تھی کہ جس قدر بڑے بڑے کاموں میں مصروف کیا

ہے۔ پال بلیمنڈو! بہر حال ہو سکتا ہے وہ بھی صحافی ہو۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ہولی گارون کسی قیمت پر اپنے خفاؤں کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا اور ایسے بہت سے صحافی اس کی ہٹ لسٹ پر آسکتے ہیں۔ خیر دیکھیں گے کہ آگے کی صورت حال کیا ہے۔" ناشتا ختم کرنے کے بعد ہم وہاں سے اٹھ گئی اور ڈائٹنگ کار سے نکل کر اپنے کمپارٹمنٹ کی طرف چل پڑے۔

اپنے کمپارٹمنٹ کے پاس پہنچ کر ہم دونوں ایک لمحے کے لئے رکے اور اندر داخل ہو گئے لیکن جیسے ہی میری نگاہ سامنے والی سیٹ پر پڑی، میں ایک دم ٹھٹک گئی۔

سامنے کی سیٹ پر جو شخص بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا وہ پال بلیمنڈو کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں نے اہل گرین کی طرف دیکھا مگر اس کے چہرے اور آنکھوں میں شناسائی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ میں کچھ آگے بڑھی تو اچانک ہی بلیمنڈو نے مجھے دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ بری طرح نروس ہو رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟" اہل گرین نے سوال کیا۔

"یہ مسٹر پال بلیمنڈو ہیں۔"

"اوہو۔ مسٹر بلیمنڈو! براہ کرم اپنے آپ کو پرسکون رکھنے کی کوشش کیجئے۔ آپ کافی پریشان نظر آ رہے ہیں۔ میں آپ کو اس بات کا اطمینان دلا دوں کہ ٹرین کسی حادثے کا شکار نہیں ہوگی۔" بلیمنڈو نے ہلکی سی مسکراہٹ ہونے پر لانے کی کوشش کی پھر کہنے لگا۔

"اصل میں مجھے بتا کر یہ سفر کرنا چاہئے تھا لیکن بالکل اتفاق ہے کہ مجھے اس کا موقع نہیں ملا۔"

"خیر۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ تم اطمینان رکھو ہم ہر طرح سے تمہارا خیال رکھیں گے۔" اہل گرین نے کہا اور اسی وقت اچانک راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی۔ ہم لوگ بیٹھ گئے تھے۔ دروازہ کھلا اور خاکی رنگ کی یونیفارم میں پولیس کے دو افراد اندر داخل ہو گئے۔ ان کے جیسوں پر پوری وردی تھی۔ وہ دونوں مجھے اور اہل گرین کو نظر انداز کرتے ہوئے سیدھے پال کی جانب بڑھے اور ان میں سے ایک نے جو غالباً سارجنٹ تھا، غراتے ہوئے پال نے اس کے کانڈات طلب کئے۔ اس کا چہرہ انتہائی کرخت تھا۔

میں ایک لمحے کے لئے ساکت ہو گئی تھی۔ پال واقعی کسی مصیبت کا شکار تھا لیکن پال نے اپنے حواس قابو میں رکھے تھے۔ اس نے سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوٹ کی جیب کے اوپر کاٹن کھولا اور نکلت، شناختی کارڈ اور سفر کا پرٹ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔ سارجنٹ کانڈات کا معائنہ کرنے لگا۔ اہل گرین بے پردائی سے منہ اٹھائے چھت کی جانب دیکھ رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے آپ کو زبردستی بے پردہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ سارجنٹ جو کانڈات پال کو واپس کرنے ہی والا تھا اچانک ہی مڑا۔ اس نے اہل گرین کی طرف دیکھا اور اپنے ساتھی سے کچھ کہنا۔ پھر وہ مخصوص انداز میں مڑتے اور کانڈات پال کے حوالے کر کے دروازے کی جانب بڑھ گئے لیکن باہر نکلنے سے کچھ پہلے سارجنٹ نے رک کر عجیب سی نگاہوں سے پال بلیمنڈو کو دیکھا۔ پھر کچھ لمحے سوچنے کے بعد گرین نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ تمہارے کانڈات سے مطمئن ہو گئے تھے۔ ویسے کیا تمہارے کانڈات درست

اب ان کے لئے اجنبی نہیں رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ہماری شناخت کے لئے کوئی کوڈ؟"

"امن کی فائض۔" اس نے کہا۔

"اوکے۔" پھر اس کے بعد میری نیند بڑی مشکل ہو گئی تھی۔ میں ان سنسنی خیز احساسات نہیں چھوڑنا چاہتی تھی جو اس وقت میرے ذہن میں تھے۔ بہر حال اجنبی لوگ، اجنبی ماحول اور حالات بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ میں خود بھی، اپنے آپ سے اجنبی ایک صحافی کی حیثیت سے میں حالات کا سامنا کر رہی تھی اور پھر صحافی بھی ایسا جو ایک خوف ناک گروہ کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ مقرر میں ایک ٹیکسی کر کے انڈر گراؤنڈ ریلوے اسٹیشن پہنچ گئی اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اجماعت اور اچھی شکل و صورت کا آدمی میرے پاس پہنچ گیا۔

"سفید لباس میں تو آپ امن کی فائض لگ رہی ہیں۔"

"ایمل گرین۔" میں نے کہا۔

جواباً اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر ہم دونوں ٹرین میں سوار ہو گئے۔ آٹو ٹیک وروا ہوتے ہی ٹرین حرکت میں آگئی تھی۔ اہل گرین سے ابھی تک کوئی تفصیلی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ دیر تک خاموش بیٹھے رہے پھر اہل گرین نے کہا۔

"آئیے ڈائٹنگ کار میں چلتے ہیں۔ میں بھی اتفاقہ طور پر ناشتا جلدی کرنے کا عادی ہوں۔" کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ڈائٹنگ کار میں آگئے۔ پھر میز پر بیٹھے ہوئے دیر نہیں گزری تھی کہ دہڑنے ہمارے سامنے اورنج، جوس، آلیٹ، توس اور چائے کے کپ راک اہل گرین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اپنے بارے میں صرف اتنا بتا دوں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ میں یہاں کے تین اخباروں کے کرتا ہوں اور خاص طور سے اس خطے کے بارے میں میری معلومات بہت وسیع ہیں۔ خصوصی طور سرکاری حکام میں بہت مقبول ہوں۔ کبھی کبھی ناکام سیاست دان مجھ سے ناراض بھی ہو جاتے ہیں انہیں منالیا کرتا ہوں۔ ایک صحافی کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ میں یہاں آکر بڑی سنسنی خیز شکار ہو گئی ہوں۔"

"خیریت خیریت کیا بات ہے؟"

"آپ مسٹر پال بلیمنڈو سے ناواقف نہیں ہوں گے۔ میری ان سے ملاقات ہوئی اور اس کے ایک ریسٹورنٹ میں جا بیٹھے تھے۔ جہاں ایک ایسا شخص ہمیں نظر آیا جو عجیب سی شخصیت کا مالک نے بتایا کہ وہ ایک کرائے کا قاتل ہے اور ستائیس قتل کرچکا ہے لیکن پال اس سے خوف زدہ ہوئے اس کے بعد وہ اٹھ کر ہی چلا گیا۔"

اہل سوچ میں ڈوب گیا۔ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "یہ نام نہ جانے کیوں ذہن

ہیں؟“

”ہاں۔ لیکن اگر ان کی مکمل جانچ پڑتال کی جائے تو کچھ خطرات پیش آسکتے ہیں۔“
 ”ویسے دوست! تم اتفاقہ طور پر ہمارے درمیان شامل ہوئے ہو۔ واقعی اب تم سے یہ سوال کر میں مجھے کوئی دقت نہیں پیش آئے گی کہ کیا تم بھی بی ایف یو سے تعلق رکھتے ہو؟“ پال بلیمنڈو نے ہ جانب دیکھا۔ گویا یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں اس شخص کے ساتھ کیوں ہوں۔ ایک لمبے لمبے اس کی نگاہوں میں الجھن ابھر آئی تھی۔ لیکن پھر اس نے کہا۔
 ”شاید ایسا ہی ہے۔“

”لیکن میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔“
 ”ضروری نہیں ہے کہ میری تمام تفصیلات تمہارے علم میں ہوں۔ میرے پاس فری لانسنگ کاغذات موجود ہیں اور میں بی ایف یو کے لئے باقاعدہ کام کر رہا ہوں اور اس کا ممبر ہوں۔“
 ”ٹھیک۔ تو پھر اب اس سے خوف زدہ کیوں ہو؟“

”شاید تم یہ بات نہیں جانتے کہ ہمارا ایک ساتھی بڑے بھیانک طریقے سے موت کا شکار ہو چکا ہے اس کے جسم کے اتنے ٹکڑے کئے گئے تھے کہ کوئی انہیں گن بھی نہیں سکا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بے جاننا ہوں کہ صورت حال خاصی سنگین ہے اور ہولی گارون ایک ایک شخص کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا ہے۔ اس کے بارے میں تازہ ترین رپورٹ یہ ہے کہ اس نے ایک صحافی کے پیچھے دس دس افراد لگائے ہوئے ہیں تاکہ وہ ان کی نقل و حرکت سے اسے آگاہ کرتے رہیں اور جب بھی صورت حال گزر بڑھ اسے ختم کر دیا جائے۔“ ایمل گرین نے مسخرے پن سے بلیمنڈو کو دیکھا اور بولا۔

”تمہارا مطلب ہے کہ ہم سب کے پیچھے پیشہ ور قاتل لگے ہوئے ہیں؟“
 ”بہت بڑا نیٹ ورک ہے ان کا۔ یہ بات مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں جان سکتا۔“
 ”تمہاری معلومات کا ذریعہ کیا ہے؟“ ایمل گرین نے سوال کیا۔
 ”معلومات کا ذریعہ؟“

”ہاں۔“

”میں خود۔“ پال بلیمنڈو کے یہ الفاظ ہم کے ایک دھماکے کی مانند تھے۔ ہم دونوں ہی اچھل پڑے میں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے پال بلیمنڈو کو دیکھا تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ میں نے بڑی مشکل سے ایک پیشہ ور بد معاش کی حیثیت سے اپنے آپ کو انڈر ورلڈ میں متعارف کرایا اور پھر انڈر گراؤنڈ کارڈ ایوں میں باقاعدگی سے اپنے آپ کو مجرم ثابت کیا اور آخر کار کوشش کر کے میں گارون کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ یعنی اس گروہ میں جو اس نے اپنے دشمنوں کے خلاف ترتیب دیا تھا۔“ میرے ساتھ ساتھ ہی اب ایمل گرین بھی اب خاصی حد تک متاثر ہو گیا تھا۔ پال کی دوسری شخصیت ہم دونوں ہی کے لئے الجھن کا باعث تھی۔ بہت دیر تک ہم لوگ خاموش رہے اور بالآخر ایمل گرین بھی سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

نکرایا لیکن بہر حال میں اس آدمی پر گری تھی جو ہمارے لئے اجنبی تھا۔ یعنی ہم تنہا کے علاوہ۔ میں اسے لئے ہوئے نیچے گری۔ برتھوں کے درمیان تنگ جگہ پر میں نے اس پر ایک مخصوص داؤ لگانے کی کوشش کی جس کا تعلق مارشل آرٹس سے تھا اور مد مقابل کو تھوڑی دیر کے لئے بالکل بے بس کر دیتا تھا۔ میں نے اس شخص کے ہاتھ میں جس چیز کی جھلک دیکھی تھی وہ یقیناً ایک تیز چمک دار خنجر تھا۔ چنانچہ میں نے سب سے پہلے اس کے دائیں ہاتھ پر گرفت جمانے کی کوشش کی۔ عین اس وقت جب وہ شخص چاقو سے میرے سینے پر وار کرنے کی کوشش کر رہا تھا میں نے اس کی کلائی پکڑ لی اور اس کے ہاتھ سے چاقو چھیننے کی کوشش کی لیکن اسی وقت ٹرین کو زور دار جھٹکا لگا اور میں اچھل کر ایمل کی برتھ سے نکلا گئی۔ میرے کندھے پر شدید چوٹ لگی تھی۔ ابھی میں سنبھلنے ہی والی تھی کہ اچانک میرے سر پر ایک زور دار ضرب پڑی اور میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ آنکھوں کے سامنے چنگاریاں چمکنے لگیں اور پھر ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ ہوش آیا تو آنکھوں کے سامنے تیز روشنی تھی۔ سر میں دھماکے سے ہورہے تھے اور ایمل مجھ پر بھٹکا میرے کندھے پر ہاتھ پھر رہا تھا۔ مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ ایمل نے میری آنکھیں کھلی دیکھیں تو جلدی سے سیدھا ہو گیا۔

”شکر ہے میڈم! آپ ہوش میں آگئیں۔ کیسی ہیں؟“

”ٹھیک ہوں۔ سوری ایمل! مجھے بڑی شرمندگی ہے لیکن بس گزربڑ ہو گئی۔“

”کوئی بات نہیں۔“ بہر حال میں اپنے آپ پر غور کرنے لگی۔ کندھے میں چوٹ تھی، سر میں بھی چوٹ لگی ہوئی تھی۔

”اب کیا محسوس کر رہی ہو؟“

”بتر۔ بس سر میں درد ہے اور تھوڑی سی تکلیف کندھے میں ہے۔“ اچانک ہی میں اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے اب صورت حال کا جائزہ لیا اور اندازہ لگانے لگی کہ اس وقت ہم کہاں ہو سکتے ہیں۔ ٹرین ہی تھی۔

”اوہو۔ پال کہاں ہے؟“ اچانک ہی مجھے پال کا خیال آ گیا۔

”بروگرام کے مطابق وہ پچھلے اسٹیشن پر اتر گیا ہے۔“

”لیکن مجھے کیا ہوا تھا؟“

”سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے کپارٹمنٹ میں گھسنے والا کون تھا۔ اس سے لڑائی میں ہمارے کندھے پر چاقو لگ گیا تھا۔ شکر کرو تم بچ گئیں میڈم! ورنہ رات کی تاریکی میں چاقو ہمارے سینے میں بھی پوسٹ ہو سکتا تھا۔“

”حملہ آور کا کیا ہوا؟“ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”بھاگ گیا۔“

”ہوں۔“

”بہر حال اندازہ یہ ہوا کہ وہ پال بلینڈ کو قتل کرنے آیا تھا لیکن شکر ہے کہ وہ بھی بچ گیا۔ پال پر

”اگر یہ بات ہے تو واقعی تم پر مکمل طور پر اعتماد کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی ملازمت میں آ باوجود تم اپنا ایک صحافی کا کردار برقرار رکھے ہوئے ہو۔“

”ہاں“ اور اس بات نے اسے مزید میری جانب سے مطمئن کیا ہوا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایک بن کر میں زیادہ موثر طریقے سے بی ایف یو کے معاملات میں مداخلت کر سکتا ہوں اور ان کے بار جان سکتا ہوں۔ یہ میری خصوصی صلاحیت ہے۔“

”گڈ۔ بڑی بات ہے۔ واقعی بڑی بات ہے۔“ ہم نے پال کی اس شخصیت کو بڑی اہمیت دے بہر حال اس کے بعد گفتگو کا یہ سلسلہ ایک طویل وقفہ کے لئے ملتوی ہو گیا۔ وقت گزرتا رہا۔ ہمارے پا برتھوں والا کپارٹمنٹ تھا۔ دو برتھیں خالی ہی تھیں۔ اچانک ہی پال نے کہا۔

”میرے پاس کوئی مناسب جگہ نہیں ہے لیکن میں رات ڈائمنگ کار میں گزاروں گا۔“

”کیوں۔ جب سونے کے لئے جگہ ہے تو بیٹھ کر رات گزارنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”لیکن؟“

”سنو میڈم ایک معزز اور ذمے دار خاتون ہیں اور ہمارے درمیان کوئی ایسا رابطہ نہیں ہے جو لئے ہمیں تنہائی ورکار ہو۔“ ایمل گرین نے یہ الفاظ بڑی سادگی سے کہہ دیئے تھے لیکن نہ جانے کیوں انہیں سن کر ایک توہین کا سا احساس ہوا اور میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ کر رہ گئی البتہ میں۔ دل میں یہ تہیہ کر لیا تھا کہ ایمل گرین کبھی تمہارے ذہن میں یہ خناس اترا بھی تو وہ مڑا چکھاؤں گی الفاظ کی ساری قیمت ادا ہو جائے گی۔ بہر حال پال اوپر والی برتھ پر چلا گیا جب کہ ایمل نے میرے والی برتھ پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔

میں نے کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کی۔ آنکھوں میں غنودگی بے شک آ جاتی تھی لیکن بکتے ہیں اس کا بھلا ٹرین میں کیا گزر۔ بس گزارے والی بات ہو رہی تھی۔ آنکھ ایک بار پھر کھل گئی اپنی جگہ سے بے حس و حرکت لیٹی رہی۔ کچھ دیر کے لئے یہ بھول گئی تھی کہ ٹرین میں سفر کر رہی میں اس وقت دائیں کروٹ لیٹی ہوئی تھی۔ کپارٹمنٹ میں گری تاریکی تھی۔ اچانک ہی مجھے ہلکی سی سنائی دی جیسے ربڑ کی ایڑی والے جوتے نے رگڑ کھائی ہو۔ نہ جانے کیوں میرے اندر ایک عجیب سا پیدا ہوا۔ میرے اعصاب تن گئے۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ میرے علاوہ میرا مطلب ہے، ساتھیوں کے علاوہ بھی کوئی یہاں موجود ہے۔ کوئی اجنبی۔ شاید کوئی امینڈنٹ یا پولیس کا آدمی۔ یکایک فوجی انجن کی سیٹی کی تیز آواز گونجی۔ اس کے ساتھ ہی گڑگڑاہٹ کی تیز آواز پھر بدل گئی۔ ٹرین ایک بار پھر اسٹیشن سے گزر رہی تھی۔ کھڑکی کی جھریوں سے روشنی جھلک رہی تھی اور اس بار میرا یہ شبہ یقین میں گیا کہ کپارٹمنٹ میں میرے علاوہ بھی دوسرا کوئی موجود ہے۔ اس کے ہاتھ میں جو چیز تھی وہ کھڑکی آنے والی روشنی میں ایک بار چمک اٹھی تھی۔ ٹرین اسٹیشن سے گزر گئی۔ باہر تاریکی چھا گئی۔ رفا ہونے کے ساتھ ساتھ جھکوں میں بھی اضافہ ہو گیا۔ میں سانس روکے چند لمحوں تک سوچتی رہی اور اچانک چھلانگ لگا دی جہاں میں نے اپنے اندازے کے مطابق سائے کو دیکھا تھا۔ میرا کندھا کسی سخت چیز

نا تھا لیکن بہر حال کچھ دیر تک کے لئے میں نے خاموشی ہی اختیار کئے رکھی۔
کافی دیر کے لئے یہ خاموشی برقرار رہی اور اس کے بعد ہم طویل ترین فاصلہ طے کرنے کے بعد شہر کی آبادیوں میں داخل ہو گئے۔ یہاں پہنچنے کے بعد ایمیل نے کہا۔
”اور یقینی طور پر تمہیں آگے کا پروگرام معلوم ہو گا۔“

”ہاں کیوں نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ میرے سامنے پورا منصوبہ تھا۔ ”ہاں البتہ ایک بات میں تم سے کہنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ پال اگر تم سے رابطہ قائم کرے اور اسے تمہاری مدد کی ضرورت ہو تو تم اس کی مدد کرو گے۔“

”کیوں نہیں۔ ہو سکتا ہے آگے چل کر یہ شخص میرے لئے کارآمد ہو۔“ پھر اس نے ایک جگہ کھڑی خالی ٹیکسی کی طرف رخ کیا۔ ایمیل تو چلا گیا اور میں ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑی۔ جس جگہ کے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا وہ پہاڑی کی دوسری طرف واقع تھی اور بندرگاہ ہے وہاں تک پہنچنے کے لئے نہ جانے کتنا وقت درکار ہو گا لیکن بہر حال میں ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑی تھی اور ڈرائیور اس جگہ سے واقف تھا جو میں نے اسے بتائی تھی۔ سڑک پہاڑ کی چوٹی سے ہو کر جاتی تھی اور وہاں سے بندرگاہ کا منظر بہت ہی دلچسپ لگ رہا تھا۔ ڈھلان پر دولت مندوں کے خوب صورت بیگلے بنے ہوئے تھے اور ان پر عالیشان بنگلوں سے گزرتی ہوئی یہ سڑک آگے بڑھ جاتی تھی۔ میں بڑی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ نہ جانے کیوں میرے اعصاب میں ایک تناؤ سا تھا۔ بہر حال کار ایک موڑ سے مڑی اور بل کھاتی ہوئی سڑک کے نشیب میں سمندر کی طرف چل پڑی۔ آخر کار میں اس تین منزلہ عمارت پر پہنچ گئی جہاں میری رہائش گاہ تھی۔ یہاں سے سمندر میں بکھرے ہوئے لاتعداد چھوٹے چھوٹے جزیرے اور ان سے بہت پرے جنوبی چین کے سمندر کا دلچسپ منظر نظر آتا تھا۔ ٹیکسی سے اتر کر میں نے بل ادا کیا اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر ہال میں داخل ہو گئی۔ لفٹ تک پہنچنے میں مجھے ایک منٹ لگا تھا۔ بلن دباتے ہی لفٹ اوپر اٹھنے لگی اور آخری منزل پر پہنچ کر میں اپنا سوٹ کیس اٹھائے اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ گئی۔ میں جانچی تھی کہ یہاں کون میرا منتظر ہو گا۔ یہ ایک نوعمری خوب صورت لڑکی تھی جس نے دروازہ کھولا تھا اور مجھے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

”ہیلو میڈم روہن، کیسی ہیں آپ؟“ نرم و نازک سے نقوش کی یہ لڑکی غالباً ہندوستانی تھی لیکن بہر حال خوب صورت تھی۔ میں نے اس جگہ کا جائزہ لیا۔ میری اصل حیثیت کچھ اور تھی لیکن اس وقت میں روہن گپتا کی حیثیت سے اس پورے منصوبے پر کام کر رہی تھی جس کی مکمل تفصیل مجھے فراہم ہو گئی تھی لیکن ابھی تک میں ذہنی طور اپنے کام کی طرف راغب نہیں ہو سکی تھی۔ بہر حال میں نے فلیٹ کو اچھی طرح دیکھا۔ روہن گپتا شاید یہاں پہلے بھی آچکی تھی۔ کیونکہ یہ لڑکی جس نے اپنا نام لائقہ بتایا تھا بڑی بے تکلفی سے پیش آ رہی تھی۔

”میڈم! آپ تندرست ہیں بلکہ پہلے سے بھی اچھی نظر آ رہی ہیں۔ آپ کو دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔ ایک لمحے کے لئے میرا دل چاہا کہ لائقہ سے معلومات کروں کہ میں پہلے کب یہاں آئی تھی لیکن اس سے بڑی حماقت اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ سوال مجھے لائقہ سے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بہر حال بہت سے

اٹھنے والا چاقو تمہاری زندگی کا خاتمہ کر دیتا۔ تم شاید سر پر ضرب لگنے سے فوراً ہی بے ہوش ہو گئی تھیں اسے فرار کا موقع مل گیا تھا۔ جب پال نے اٹھ کر لائٹ جلائی تو وہ غائب ہو چکا تھا البتہ چاقو ہمیں فرش مل گیا تھا۔“

”اوہو! کیا پولیس کو رپورٹ کی؟ میرا مطلب ہے ریلوے پولیس کو؟“
”انتہائی بے وقوفی کی بات ہوتی ہے۔ کیا ہم پولیس کو اپنے پیچھے لگا سکتے ہیں؟“
”کچھ سمجھ میں نہیں آتا“ وہ کون تھا؟“
”کیا کہا جا سکتا ہے۔“ ایمیل نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

”بہر حال اب دیکھتے ہیں کہ آگے کیا ہوتا ہے۔ ویسے میرا خیال ہے وہ مجھے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا میں اپنی پوری مہارت کے ساتھ کہہ رہی ہوں۔ مجھ پر حملہ اس نے صرف اپنے بچاؤ کے لئے کیا تھا بلکہ تو میں نے اس پر کیا تھا۔“ اس نے کہا۔
”ایک بات بتانا بھول گیا ہوں۔ پال نے ٹرین سے اترتے وقت یہ ایک لفافہ تمہارے لئے دیا تھا ایمیل نے ایک سادہ سا لفافہ میری طرف بڑھا دیا۔ وہ بند تھا۔ ایک لمحے تک میں سوچتی رہی پھر میں نے کہ ہر ایک کا راز راز رہنا چاہئے۔ میں نے لفافہ اس کے سامنے نہیں کھولا تھا۔“
”اگر تم اسے کھولنا چاہتی ہو تو میں یہاں سے ہٹ جاتا ہوں۔“

”نہیں اتنی جلدی نہیں ہے مجھے۔“ میں نے کہا۔ بہت دیر تک ایک عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری رہی۔ اس کے بعد میں نے سوچا کہ کیا حماقت ہے۔ مجھے شبہنا چاہئے ساری صورت حال بالکل ہاتھ سے جاری ہے۔ میں ان دو آدمیوں کے درمیان کھیل رہی ہوں۔ یہ کھیل مناسب نہیں ہے۔ بہر حال شام۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹرین اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ یہاں چیک پوسٹ تھی اور ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ قصبے عمارتوں میں البتہ بہت کم روشنی نظر آ رہی تھی لیکن فلڈ لائٹ کی وجہ سے پورا اسٹیشن جگمگا رہا تھا۔ ہم ٹرین سے نیچے اتر آئے۔ اپنا اپنا سامان ہم دونوں نے خود ہی اٹھا رکھا تھا۔ پلیٹ فارم پر بہت سے پولیس والے فافا آ رہے تھے اور ان کی نگاہیں چاروں طرف گھوم رہی تھیں لیکن ہماری طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی کافی فاصلے پر دوسرے ملک کی سرحد کی باڑھ لگی ہوئی تھی اور باڑھ کے دوسری جانب دریا بہہ رہا تھا۔ اس کے پارے میں بورڈ لگے ہوئے تھے کہ اس کی گمرانی تقریباً پچاس فٹ ہے۔ دریا کا آہنی پل ہی وہ اصل حصار تھا جو دونوں ملکوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتا تھا۔ ایمیل نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔

”لو ہم اپنے گھر پہنچ گئے۔ ہیں۔ تمہارا کندھا اب کیسا ہے؟“
”میں ٹھیک ہوں۔ بس چھوٹی سی چوٹ تھی جس نے عارضی طور پر مجھے پریشان کر دیا تھا۔ کیا ہمیں سرحد پار کرنا ہوگی؟“

”ہاں کیوں نہیں۔ ہم دوسرے علاقے میں داخل ہو جائیں گے۔“ اور اس کے بعد ہم اپنے پاسپورٹ وغیرہ دکھا کر نکل آئے۔ ایمیل نے ایک عجیب سا انکشاف کیا۔
”اگر پال زندہ ہے تو ہمیں سرحد کے دوسری جانب ملے گا۔“ میں نے ان پر اسرار الفاظ کو حیرت سے

مسکوں میں خاموشی اختیار کرنی تھی اور اپنے اس کردار کو برقرار رکھنا تھا۔ ویسے یہ بات میرے علم میں آئی تھی کہ وہ میرا مطلب ہے روہن گیتا زندہ نہیں ہے اور اس کے کسی بھی طرح میں آجانے کا کوئی انداز بھی نہیں تھا۔ بہر حال یہ سارے معاملات اپنی جگہ تھے۔ دوسرے دن صبح جب میں غسل خانے سے باہر آئی تو لافقہ کے منہ سے بے اختیار ایک آواز نکل گئی۔

”یہ میڈم! یہ آپ کے کندھے پر زخم کیا ہے؟“
 ”اوہو۔ کچھ نہیں۔ ٹرین میں چوٹ لگ گئی تھی۔“
 ”اوہو! پلیز۔ لائیے میں اس کی بینڈج کر دوں۔“

”ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے آپ کو بالکل بہتر محسوس کر رہی ہوں۔“

”پھر بھی۔ دیکھنا تو ہے کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور کیوں ہے۔“ وہ بولی۔ اس نے میری بینڈج کی اور اس کے بعد وہ ناشتے وغیرہ کا انتظام کرنے چلی گئی تھی۔

ناشتے کے بعد کیا کرنا تھا۔ وہ ابھی تک میرے علم میں نہیں تھا۔ بس میرے ذہن میں بہت سی خیالات آرہے تھے اور میں سوچ رہی تھی کہ دیکھئے اس کے آگے کے معاملات کیا ہوتے ہیں۔ مجھے ایک عجیب و غریب مشن پر لگا دیا گیا تھا جس کے بارے میں مجھے واضح تفصیلات بھی نہیں معلوم تھیں کہ میرا اصل کردار کیا تھا۔ اس وقت میں صرف دو افراد کے درمیان کھیل رہی تھی، ایمیل گرین اور پال بلیمنڈو۔ عظمت جلال نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ دونوں ہی آخر کار وہ افراد ثابت ہوں گے جو گارون کے سلسلے میں میری رہنمائی کریں گے۔ بات بے شک ذرا مختلف انداز کی تھی لیکن یہ پتا چل گیا تھا کہ تعلق منشیات سے ہی ہے۔ عظمت جلال اپنے منصوبے پر عمل کر رہا ہے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں عظمت جلال سے بھی پچھلے دنوں کافی متفق ہو گئی تھی۔ ایک سال کے اندر اندر اس نے مجھے میرے والدین کے بارے میں تفصیلات فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

بہر حال اسی دن مجھے ایک خفیہ پیغام موصول ہوا۔ ٹیلی فون پر سنائی دینے والی آواز میرے لئے انتہائی تھی لیکن اس نے جو الفاظ کہے وہ پوری توجہ کے حامل تھے۔

”میں پورے اعتماد سے آپ سے بات کر رہا ہوں، مس شاہ نور میں کون ہوں کیا ہوں؟ اس بارے میں آپ مجھ سے سوال نہ کریں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ مجھے آپ کے پاس نے یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ آپ کو خاص طور سے ہدایت دیتا رہوں۔ آپ کے لئے تازہ ترین ہدایت یہ ہے کہ روہن گیتا کی حیثیت سے آپ اپنے فرائض بدستور سرانجام دیتی رہیں گی اور اس مشن میں برابر شریک رہیں گی۔ یہ مشن درحقیقت ہماری آرگنائزیشن کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے اور ہم اسے سرانجام دے کر بالکل ہی الگ نم کے مفادات حاصل کر سکتے ہیں۔ صحافیوں کا وہ گروپ جو ہولی گارون کے خلاف کارروائی کر رہا ہے، اپنے طور پر اشتعالی مزاج رکھتا ہے لیکن ہمارا مقصد بالکل مختلف ہے اور ہم اس کے پس پردہ ایک الگ ہی کام کر رہے ہیں جس کا علم ان صحافیوں میں سے کسی کو نہیں ہے۔ اب آپ تازہ ترین بات سن لیجئے۔ پال بلیمنڈو ہمارے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا تحفظ کرنا ہے کیونکہ وہ ہولی گارون کی نظر میں خاص طور سے ہے اور

”اور آپ اپنے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے؟“ میں نے کہا۔
 ”پلیز۔ مناسب نہیں ہے۔ ورنہ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ایسا ضرور کرتا۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور فون بند ہو گیا۔

یہ ہدایات جس قدر واضح الفاظ میں دی گئی تھیں اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جو کوئی بھی ہے، پہلی یہ کہ وہ کم از کم ایشیائی باشندہ نہیں ہو سکتا۔ یا اگر ایشیائی ہے بھی تو ہندوستان اور پاکستان سے اس کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی اردو میں ایک الگ ہی رنگ پایا جاتا تھا لیکن بہر حال جو کچھ بھی تھا اس نے نصیحت بتائی تھیں اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ عظمت جلال ہی کا ساتھی ہے ورنہ اتنی تفصیل سے یہ باتیں نہ بتاتا۔ خیر بہر حال اس گفتگو نے نہ جانے کیوں مجھے ایک عجیب سا حوصلہ بخشتا تھا بعض معاملات تھے جن کے بارے میں مجھے بالکل معلومات حاصل نہیں تھیں۔ اگر کوئی شخصیت اس طرح میری اہلی کرتی رہے اور یہ اطمینان ہو جائے کہ اس کا تعلق عظمت جلال سے اتنا گہرا ہے کہ عظمت جلال میرا اصل نام بھی بتا سکتا ہے تو پھر بہت سی مشکلات خود بخود ختم ہو جاتی تھیں۔ دوسرا پیغام بھی مجھے اسی میں ملا تھا اور اس پیغام میں مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ شخص جو میرے لئے انتہائی ضروری ہے وہ ایک مس جگہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے اور یہ مخصوص جگہ سمندر میں تیرتا ہوا وہ پلیٹ فارم ہے جو جہازوں کی اہلی کے لئے سمندر میں چھوڑا جاتا ہے۔ جس شخص کو اس پلیٹ فارم پر مجھ سے ملاقات کرنی تھی وہ پال بلیمنڈو تھا۔ یہ پال بلیمنڈو اس سلسلے میں بڑی اہمیت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ مجھ سے کہا گیا تھا۔

”اور آپ کو وہاں پہنچنا ہے تاکہ پال بلیمنڈو ملے کہ پہلی بات تو یہ کہ اس کا تحفظ کریں جب کہ وہ اس میں ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس سے ملاقات کرنا ویسے بھی بڑا ضروری ہے۔“ مجھے مزید تفصیلات مل گئیں اور میں نے ان تمام تفصیلات کو ذہن میں محفوظ کر لیا۔ اس سلسلے میں دوسرا ہمارا راز دار ایک مقامی لوگ تھا۔ لوگ چوڑے چپکے بدن کا چہرے ہی سے خوش مزاج نظر آنے والا ایک مقامی آدمی تھا۔ اس بڑے محبت بھرے انداز میں میرا استقبال کیا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے میرے بارے میں تمام تفصیلات آہوں۔ پھر اس نے مجھے اسٹیم میں سوار ہونے کا اشارہ کیا۔ اسٹیم پرانی طرز کا تھا۔ اس کا انجن نہایت دور محسوس ہوتا تھا۔ اس میں بہت سے ایسے آلات نصب تھے جو عام اسٹیموں میں نہیں ہوتے۔ وہ مقررہ رفتار سے منزل کی طرف بڑھ رہا تھا اور لوگ سمندر کے بارے میں تفصیلات بتاتا جا رہا تھا۔ اس توں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سمندر کے چپے چپے سے واقف ہے۔ میں نے لوگ کی باتیں سنتے ہوئے ناکی جانب دیکھا۔ آسمان سے ہلکے بادلوں میں سے کبھی کبھی ستارے بھی جھانک لیا کرتے تھے لیکن ان

پناہ اضافہ ہو چکا ہے اور اب ہانگ کا نگ مزید انسانی دباؤ کا متحمل نہیں ہو سکتا لیکن اس کے باوجود لا تعداد فرار ہو کر یہاں آتے رہتے ہیں۔" لوگ بڑی تفصیل سے یہ تفصیلات بتا رہا تھا اور میں اس میں بڑی محسوس کر رہی تھی۔ میں نے کہا۔

"واقعی ہانگ کا نگ ایک خوب صورت جگہ ہے۔"

"خیر اب ہمیں چیلنل تک پہنچنے کے لئے بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اسٹیمر دوں گا۔" لوگ اپنا کام کرنا بخوبی جانتا تھا۔ بہر حال تھوڑی دیر کے بعد اسٹیمر رک گیا اور خاموش فضا لنگر گرانے کی آواز دور تک پھیل گئی۔

"تیار ہو جائیے میڈم! اب ہمیں چھوٹی کشتی پر منتقل ہونا ہے۔" لوگ نے کہا۔

"وہ جگہ جہاں ہمیں پہنچنا ہے، یہاں سے کتنی دور ہے؟"

فاصلہ ایک کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہے۔" لوگ نے جواب دیا۔ میں نے دائیں طرف دیکھا۔ بہت تاریکی میں ساحل کی جھلک نظر آرہی تھی۔ لوگ نے چھوٹی کشتی سمندر میں اتار دی تھی۔

"ہمیں خاصی احتیاط کرنی پڑے گی کیونکہ فرار ہونے والوں پر نگاہ رکھنے کے لئے زبردست نگرانی کی ہے میں پورے اعتماد سے یہ نہیں کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کو تیرتے ہوئے پلیٹ فارم پر پہنچنا ہے وہ پہنچ سکے گا یا نہیں۔" میں اسٹیمر کی ریٹنگ پر لٹک گئی اور چند لمبے فضا میں معلق رہنے کے بعد میں نے کشتی پر چھلانگ لگا دی۔ کشتی کے پچھلے حصے میں کوئی جگہ ڈھکی ہوئی سی تھی اور ایک خاص قسم کی ڈی سی تھی لیکن کشتی میں میرے اور لوگ کے علاوہ دو اور آدمی بھی تھے جنہوں نے پتوار سنبھال رکھے۔ ہماری بھر کم ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ پہنچا تو کشتی اس کے بوجھ سے ہلنے لگی تھی وہ سنبھلا کشتی حرکت میں آگئی۔ چھوڑوں کی ہلکی سی آواز کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد لوگ نے سرگوشی کی اور ان دونوں آدمیوں نے چپو روک لئے۔ انہیں چھاؤ پھاؤ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً لوگ کی سرگوشی ابھری۔

"ادھر..... وہ دیکھو ادھر۔" لوگ کے اشارے پر میری نگاہ بھی اسی طرف اٹھ گئی۔ ایک لمبے لمبے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی ٹارچ جل کر بجھ گئی ہو لیکن یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ روشنی کتنے فاصلے پر ایک مرتبہ پھر روشنی چمکی۔ بس یوں لگا تھا جیسے کوئی جگنو جھلک دکھا کر غائب ہو گیا۔ لوگ نے میری بات کا انتظار کئے بغیر اپنے آدمی کو چپو چلانے کے لئے کہہ دیا۔ اچانک ایک ہلکی سی آواز سن کر میں پڑی۔ یہ آواز لوگ کے لباس میں سے ابھری تھی۔ پھر مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ میں نے دیکھا کہ نے اپنے زرد کوٹ میں چھپے کسی ہتھیار کا سیفٹی کیچ ہٹایا ہے۔ اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جگنو کی طرح پٹکنے والی روشنی وہ نہ ہو جس کی میں اور لوگ توقع کر رہے ہیں۔ نہ جانے کیوں ایک سنی میرے وجود میں دوڑ رہی تھی۔ ابھی میں اتنی پتھر دل نہیں ہوئی تھی کہ ہر طرح کے حالات میں کو نظر انداز کر دیتی۔ اس وقت جو صورت حال ہمیں درپیش تھی وہ انتہائی ہولناک تھی اور یہ کچلی میں خنکی کی وجہ سے نہیں تھی۔ بس ایک انوکھے خوف نے مجھے اپنی پلیٹ میں لے لیا تھا۔ ہم لوگ

کی روشنی تاریکی دور کرنے میں کسی بھی طرح مددگار نہیں ثابت ہو رہی تھی۔ لوگ چونکہ بہت زیادہ کرنے کا عادی تھا اور اس کی باتیں بری نہیں لگ رہی تھیں۔ اس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"ہم ویسے تو ہر طرح سے اپنا ایک تحفظ رکھتے ہیں لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ اگر ہمارا دوست مقرر تک نہ پہنچ سکا یا ہم وہاں تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو کیا کیا جا سکتا ہے؟"

"یہ تو مسٹر لوگ آپ ہی بتائیں گے۔"

"ہاں۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسی بات ہو جو آپ کو میری جانب متوجہ کر سکے۔ ورنہ میڈم! آپ توجہ بہت کم دے رہی ہیں۔ اب میں کیا کروں۔ آپ اسے میری کمزوری سمجھ لیجئے کہ میں بہت زیادہ کرنے کا عادی ہوں اور مزامی اسی وقت آتا ہے جب مد مقابل بھی ان باتوں کو سننے میں دلچسپی رکھتا میں آپ کو بتاؤں میڈم کہ اس کا امکان بہت کم ہے۔ ہم ریڈار کے سہارے چل رہے ہیں۔ مزید آؤ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم لنگر گرا دیں گے اور پھر ایک چھوٹی سی کشتی پر اپنا سفر شروع کریں گے۔ لیکن مسٹر لوگ پال کے پاس تو ریڈار نہیں ہو گا۔ وہ کس طرح وہاں تک پہنچ سکے گا؟"

"اگر وہ بوٹ کو تلاش نہ کر سکا تو شارک مچھلیاں اسے تلاش کر لیں گی۔" لوگ نے قہقہہ ہوئے کہا۔

"شارک مچھلیاں!" میرے منہ سے ہلکی سی آواز نکل گئی۔

"ہاں۔ ہم گہری کھاڑی کی جانب سفر کر رہے ہیں اور یہاں ایک خاص قسم کی مچھلی پائی جاتی ہے۔" ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا ہر قدم خطرناک راستوں کی جانب اٹھ رہا ہے سمندر میں داخل ہونا ایک طرح سے آپ یہ سمجھ لیجئے کہ موت کو پکارنا ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگ اسلگ ہو کر یہاں تک آتے ہیں اور چینی محافظ ان کا راستہ روکتے ہیں۔ بات اتنی بگڑ چکی ہے کہ اگر حکومت نے اپنے قوانین میں کچھ اور سختی پیدا کر دی ہے۔ یعنی یہ کہ بعد میں چاہے معذرت کرنی پڑے مشکوک افراد کو سمندر میں نظر آتے ہی گولی سے اڑا دیا جائے۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے مسٹر لوگ کہ لوگ اس طرف سے آتے کیوں ہیں؟"

"اب میں آپ کو اس کو وجوہات کیا کیا بتاؤں۔ بے شمار وجوہات ہیں۔ سمندر کا یہ علاقہ اوپر پیداوار کے لئے مشہور ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ ان لوگوں کے لئے بھی مشہور ہے جو ہر طرح سے فرار ہو کر ہانگ کا نگ پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں لا تعداد بہترین تیراک ہوتے ہیں۔ ساحل پر نہانے کے لئے سمندر میں اترتے ہیں اور ساحلی محافظوں کو دھوکا دے کر گہرے سمندر کا نکل جاتے ہیں۔ وہ تیرتے ہوئے یہ فاصلہ طے کر کے یہاں تک آتے ہیں لیکن عام تیراکوں کے لئے بات بھی نہیں ہے اور عام لوگ یہ کوشش کر بھی نہیں سکتے کیونکہ یہ علاقے شارک مچھلیوں سے ہوئے ہیں۔ شارک مچھلیاں اصل میں سمندر کی سطح پر بکھری ہوئی اوپر مچھلیوں کی تلاش میں آتی ہیں انسان اگر ان راستوں کو طے کرنے کی کوشش کرے تو اس کے لئے بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔ ویسے فوجی بھی اس سلسلے میں کافی ہوشیار ہیں اور ان پھاڑوں پر گشت کرتے رہتے ہیں۔ ہانگ کا نگ کی آہ

نیر کو بڑی رقم کا لالچ دے کر اس پلیٹ فارم تک پہنچنے کے لئے تیار کیا تھا لیکن کم بخت آدمے راستے پہنچ کر ڈر گیا اور پھر وہ کسی قیمت پر دوبارہ مجھے یہاں تک لانے پر تیار نہ ہوا۔ اصل میں اس نے ایک رول بوٹ دیکھ لی تھی۔ بوٹ کے انجن کی آواز میں نے بھی سنی تھی اور روشیاں بھی دیکھی تھیں لیکن رہے خیال میں وہ ہانگ کانگ کی پیٹرول بوٹ تھی۔ البتہ ماہی گیر کسی طرح آگے بڑھنے پر آمادہ نہیں ہوا اور ان سے اچھا خاصا جھگڑا سا ہو گیا۔ چنانچہ مجھے تیرتے ہوئے یہاں تک یہاں آنا پڑا۔

”تم واقعی خوش قسمت ہو۔“

”آہ۔ میں تمہیں کیا بتاؤں اگر تم لوگ چند منٹ اور نہ آتے تو شاید میں ہمت ہار بیٹھا تھا۔ پانی برف طرح ٹھنڈا تھا اور لہریں مجھے پیچھے کی طرف کھینچ رہی تھیں۔“ میں نے پال بلیئڈ کو دیکھا۔ اس کے تہ بھی بچ رہے تھے اور اگر رات کی تاریکی میں اس کا چہرہ دیکھا جاسکتا تو یقینی طور پر وہ چہرہ نیلا پڑا ہوا تھا۔ ”ہم پہنچ گئے ہیں۔“ لوگ کی آواز سن کر انہوں نے اوپر دیکھا۔ ان کا اسٹیمر تھوڑے فاصلے پر تھا۔ ہال ایک ایک کر کے سب اسٹیمر پر پہنچے اور لوگ نے ایک بار پھر بلیئڈ کو کسی بچے کی طرح اٹھا کر میز پر بٹھا دیا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے میں بھی اسٹیمر پہنچ گئی تھی۔ اسٹیمر مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسٹیمر پر نہ ہی ہم لوگوں نے کبھی کی جانب دوڑ لگا دی اور یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ پورٹ ہول بالکل بند ہیں، نے لائٹ بھی جلا دی۔ سب سے پہلے اس نے ایک چٹون اور جرسی تلاش کر کے پال بلیئڈ کے لے لی اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک کینٹ سے ایک بوتل اور ہسکی کا گلاس بھی نکال لیا۔ پال تبدیل کرنے لگا تھا۔ اس سے اسے تھوڑی سی سردی میں کمی محسوس ہوئی تو اس نے ہسکی کا پورا ما ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ میں پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اچانک ہی دروازہ زور دار دھماکے کے ساتھ اور کشتی میں چپو چلانے والے ملاجوں میں سے ایک نے اندر داخل ہو کر کہا۔

”سر! ایک گن بوٹ روشنی کے سگنل دیتی ہوئی اس طرف آرہی ہے۔“

”اوہ۔ ویری بید، ویری بید۔“ لوگ نے کہا اور پھر جلدی سے کہا۔ ”سنو۔ تم اس الماری میں چھپ جاؤ۔“ اس نے ایک الماری کے دروازے کی جانب اشارہ کیا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں بھی اس پیچھے پیچھے باہر آگئی اسٹیمر کا تمام عملہ قریب آتی گن بوٹ کی روشنیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں بھی ان قریب پہنچ کر رک گئی۔ گن بوٹ کی سرچ لائٹ کی روشنیاں خاصی تیز تھیں اور ان کے سامنے آنکھیں ناشکل ہو رہی تھیں۔ لوگ گالیاں بکنے لگا اور اس نے اپنے ساتھی سے کچھ کہا جو دوڑتا ہوا نیچے جانے والی دال پر غائب ہو گیا۔

”میں نے اسے رائفلیں لانے کے لئے کہا ہے۔“ لوگ نے بتایا۔

”رائفلیں؟“ میں الجھے ہوئے انداز میں بولی۔ پھر میں نے کہا۔ ”کیا تم تصادم کے لئے تیار ہو لوگ! محافظ ہیں۔ ان سے مقابلہ ممکن نہیں ہوگا۔“

”نہیں! میں کوئی تصادم نہیں چاہتا لیکن احتیاط کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے وہ سرکاری بوٹ نہ ہو۔ ان میں کبھی کبھی قزاق بھی آجاتے ہیں۔ وہ لوگ زبردست لوٹ مار کرتے ہیں۔“ پھر اچانک ہی لوگ نے

ابھی ہانگ کانگ کی سمندری حدود میں تھے لیکن ان راستوں پر سفر غیر قانونی تھا۔ سمندر کا یہ حصہ مچھلی پکڑنے والوں اور رات کو پولیس کی پیٹرولنگ بوٹس کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے علاوہ کسی طرح آنے کی اجازت نہیں تھی اور ہم لوگوں کے پاس اس علاقے میں موجودگی کا کوئی جواز نہیں تھا نہ تو ہم ماہی گیر تھے اور نہ ہمارا تعلق کشتی پولیس سے تھا۔ ایسے حالات میں اگر ہمیں کوئی دوسری حال پیش آگئی تو کلرک اسکورٹ کے ہاتھوں گولیوں کا نشانہ بن جائیں گے۔ بہر حال یہ تمام چیزیں ذرا انداز ہو رہی تھیں۔ روشنی ایک بار پھر میرے سر پر چمکی اس مرتبہ اس کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اندازہ لگایا کہ میرے اوپر چمکنے والی روشنی کے درمیان زیادہ سے زیادہ پچاس گز کا فاصلہ ہوگا۔ لوگ کی بھاری آواز ابھری۔

”وہ دیکھو! تیرتا ہوا پلیٹ فارم نظر آرہا ہے۔“ میں نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ کشتی آگے بڑھ رہی تھی اور پلیٹ فارم آوندھے پیالے کی مانند تھا۔ اس قسم کے پلیٹ فارم جہازوں کے لئے سمندر میں مختلف مقامات پر تیرتے رہتے تھے۔ لوگ نے بتایا کہ ہم اس وقت ساحل سے پر ہیں۔ بہر حال میں سوچ رہی تھی کہ سمندر میں اتنا فاصلہ تیرنے سے طے کیا جاسکتا ہے۔ اگر پاؤں تک پہنچ چکا ہے تو درحقیقت وہ بڑی خطرناک صورت حال میں ہوگا۔ جب کہ لوگ نے یہ کہ یہاں شارک مچھلیوں کے غول کے غول گھومتے پھرتے ہیں یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روشنی کوئی اور دے رہا ہو جو انہیں پھنسانے کے لئے ایک چال ہو۔ روشنی ایک بار پھر چمکی۔ اس مرتبہ گز سے زیادہ نہیں تھا۔ لوگ ہوشیار ہو گیا تھا۔ وہ کشتی میں کھڑا ہوا تھا اور اس کا جسم کسی دیو کی آ رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کا بھونپو سا بنایا اور منہ کے سامنے کر کے زور سے چیخا۔

پھر جیسے ہی ہم تیرتے ہوئے پلیٹ فارم کے قریب پہنچے۔ ایک انسانی جسم پلیٹ فارم سے ہر کی جانب تیرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ چیخ چیخ کر ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا رہا تھا۔ پہنچی تو لوگ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کشتی پر کھینچ لیا۔ تیرنے والے۔ کشتی پر رکھا اور اس کا پاؤں پھسل گیا لیکن اسے سنبھالنے والا لوگ جیسا آدمی تھا۔ اس سے پہلے کے بل سمندر میں جا کر لوگ نے اسے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا کر کشتی میں بٹخ دیا۔ میں نے اسے دیکھا اور ایک لمحے کے اندر پہچان لیا۔ یہ پال بلیئڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ پال۔

”ویری گڈ۔ میڈم گیتا! اس بار ہماری ملاقات ہانگ کانگ کے تاریک سمندر میں ہو رہی ہے کشتی کے کنارے کھڑا ہوا تھا۔ نہ جانے کہاں سے اس نے ایک سب مشین گن نکال لی تھی۔ پھر بعد وہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو چپو چلانے کی ہدایت کرنے لگا۔ کشتی آہستہ آہستہ فارم سے دور ہونے لگی۔

”تم یہاں تک کیسے پہنچے پال؟“ میں نے سوال کیا۔ پال کے بدن پر ہلکی ہلکی کپکپاہٹ طاری ہو رہی تھی۔ ”بڑی مشکل سے۔“ اس نے اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”میں نے ا“

میری طرف رخ کر کے کہا۔

”میڈم! آپ بھی میرا خیال ہے نیچے چلی جائیے اور پال بلیمنڈو کا خیال رکھئے۔ بلکہ بہتر یہ اسے الماری میں لاک کر دیں اور چابی اپنے پاس محفوظ رکھیں۔“ یہ کہہ کر فوگ نے ایک چابی میرے ہاتھ میں دے دی۔ گن بوٹ کا فاصلہ اس وقت صرف دو سو گز کے قریب تھا۔ بہر حال میں نے فوگ کی بات عمل کیا اور تیزی سے پیڑھیاں اترنے لگی۔ جب میں کیمپن میں داخل ہوئی تو پال بلیمنڈو کو دیکھ گئی۔ وہ فرش پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا اور اس نے اپنی ٹھوڑی گتھنوں پر ٹکا رکھی تھی۔

”ہاں۔ کیا پوزیشن ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”سردی تو کم ہو گئی ہے لیکن اگر ہم محفوظ ہیں تو میں کسی تکلیف میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔“

”ایک گن بوٹ اسٹیر کی طرف آرہی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ ہمارے اسٹیر پر آنے کی کوشش کریں۔ میں تمہیں اس الماری میں لاک کرنے جا رہی ہوں۔ ہم کوشش کریں گے کہ وہ نیچے نہ آ۔ لیکن ہم انہیں کوئی چانس نہیں دینا چاہتے۔“ پال بلیمنڈو نے عجیب سی بے بس نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر جب میں دوبارہ اوپر پہنچی تو فوگ دونوں پیڑ پھیلانے کھڑا تھا۔ اس کے سامنے ہی ایک چیمبر بھی موجود تھا جو گن بوٹ سے آنے والی روشنی میں کانڈنات کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس کے قریب ہی فوجی رائفلیں سنبھالے مستعد کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے مجھے اوپر آتے دیکھا تو فوراً ہی رخ میری جانب کر دیا۔ میں نے فوراً ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور قریب پہنچ کر آفسر کو دیکھنے لگی۔ آفسر۔ طرف دیکھ کر تیز لمبے میں کچھ کہا۔

”یہ تمہارا شناختی کارڈ دیکھنا چاہتا ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ تم میرے پاس کی دوست چھیلوں کے شکار کے شوق میں ہمارے ساتھ آگئی ہو۔“ فوگ نے کہا۔

”تو کیا اس نے تمہاری بات پر یقین کر لیا ہے؟“ میں نے سوال کیا اور اپنا پریس کارڈ اس کے ہاتھ پر ہانگ کانگ کی بڑی سی مرگلی ہوئی تھی۔ آفسر نے میرا چہرہ دیکھا اور پھر تصویر پر نگاہ ڈالی اور مجھے واپس کر دیا۔ اس نے چیخے ہوئے کچھ کہا اور فوگ نیچے جانے والی پیڑھیوں کی طرف میری طرف لگا۔ دوسرے محافظ بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ اسٹیر کے قریب کھڑی گن بوٹ لہروں پر ہلکولے ہوئی بار بار اسٹیر سے ٹکرا رہی تھی اور اس دوران دو اور مسلح افراد اسٹیر پر آگئے تھے۔ ادھر میں سے طرف دیکھ رہی تھی۔ اچانک مجھے سمندر کی تاریک سطح پر ایک اور روشنی تیرتی نظر آئی۔ وہ روشنی خاصی دور تھی لیکن اس کا رخ میری جانب تھا۔ ادھر ان محافظوں نے بھی اس روشنی کو دیکھ لیا اور اسے ساتھ ہی ان میں کچھ بے چینی سی پیدا ہو گئی۔ پھر وہ آپس میں کچھ گفتگو کرنے لگے۔ پھر ان کا ایک ساتھ قدم اٹھاتا ہوا پیڑھیوں میں غائب ہو گیا۔ کچھ ہی دیر کے بعد کیمپن سے تیز تیز باتوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ باعث ان کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں لیکن میں ان کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھی۔ دوسری بوٹ جس کی روشنی چمکی تھی، تیزی سے قریب آرہی تھی۔ اسٹیر اور چینی گن بوٹ اس کی

”اوہ! میرے خدا! یہ ہانگ کانگ کی گن بوٹ ہے۔“ اس پر ایک جھوٹی توپ بھی نصب تھی۔ تین شبن گئیں بھی نظر آرہی تھیں۔ اچانک ہی فوگ نے میرے کان کی جانب منہ کر کے سرگوشی کی۔

”اس برٹش پیڑولنگ بوٹ نے پال کی زندگی بچا لی۔“

”کیا مطلب؟“ میں نے اسے گھورا۔

”وہ کیمپن کی تلاشی لینے جا رہے تھے اور کسی بھی لمحے الماری کھول کر دیکھنے کی فرمائش کر سکتے تھے۔ کانڈر یہی باتیں کر رہا تھا اور اس کے بعد ہمارے ساتھ کیا ہوتا؟ یہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔“

”لیکن خطرے سے تو ہم اب بھی نہیں نکلے۔ کیا اس لانچ کے محافظ بھی ہمارے اسٹیر پر آجائیں

”لیکن یہ زیادہ سخت ثابت نہیں ہوں گے۔“ فوگ نے یہ کہتے ہوئے دوسری لانچ کی طرف دیکھا جو کے قریب آگئی تھی اور اس کی سرچ لائٹس تیز روشنی میں ہماری آنکھوں کو خراب کر رہی تھیں۔ لانچ سے کسی نے چیخ کر کچھ کہا۔ جس کے جواب میں فوگ نے چیخ کر جواب دیا پھر وہ سرگوشی میں

”یہ لوگ بھی اسٹیر پر آرہے ہیں۔ وہ یہ جانا چاہتے ہیں کہ دوسری گن بوٹ کا کیا معاملہ تھا۔“ میں جواب نہیں دیا۔ تین آدمی ہمارے اسٹیر پر آئے۔ ان میں ایک آفسر تھا اور دو اس کے ماتحت۔

”یہ بھی نظر آ رہا تھا۔ اس نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

”انٹرن۔“ میں نے فوراً ہی گردن ہلا دی۔

”کیا یہ اسٹیر تمہارا ہے؟“

”نہیں! یہ اسٹیر مسٹر فوگ کا ہے۔ میں تو سمندر کی سیر کے لئے اس کے ساتھ آگئی تھی۔ مجھے کے شکار کا بہت شوق ہے اور یہی شوق مجھے یہاں لے آیا تھا۔“

”لکڑا اپنے کانڈنات دکھاؤ اور تم بھی۔“ اس نے فوگ سے کہا۔ میں نے اپنا پریس کارڈ اس کی مانیا۔ آفسر کچھ دیر تک کارڈ کو گھورتا رہا پھر بولا۔

”ٹھیک ہے مجھ سے اس مخصوص جگہ رابطہ قائم کر لینا جو تمہارے علم میں ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔“ ناشتے کے بعد وہ چلا گیا اور میں بھی اپنی جگہ سے باہر نکل آئی۔ اب بھی چند معاملات میں الجھنوں کا شکار تھی۔ وہ یہ کہ پال بلیمنڈو آخر کن لوگوں سے خوف زدہ تھا۔ وہی تھی، میں خود بھی اپنی اصل حیثیت میں نہیں تھی۔ عظمت جلال نے مجھے ضرورت کے تحت ایک بے گروہ سے منسلک کر دیا تھا جس کے بارے میں صحیح معنوں میں خود بھی کچھ نہیں جانتی تھی۔ بہر حال ف جگہوں سے مجھے مختلف قسم کے منصوبے مل رہے تھے اور اڑے اڑے انداز میں اپنا کام کر رہی تھی۔ مجھے ایک پیغام ملا۔

”مس روہن گپتا، آپ کو ایک مخصوص انداز اختیار کر کے ایک مخصوص جگہ پہنچنا ہے۔ پتا آپ کو بتا جائے گا۔ وہاں آپ ایک اہم میٹنگ میں شریک ہوں گی اور اس کے بعد نئے پروگرام آپ تک پہنچ جائیں گے۔“

”گڈ..... تو اس کا مطلب ہے، کام پروگرام کے مطابق جاری ہے۔“

”ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے میڈم! آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ہمیں صرف اتنی ہی ہدایت ہے کہ آپ کو یہ پیغام دے دیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ اور اس کے بعد وہ پتا میں نے ذہن نشین کر لیا۔

وقت گزر رہا تھا اور پھر مقررہ وقت پر میں تیار ہو کر چل پڑی۔ جو پتا مجھے بتایا گیا تھا، وہ میرے ذہن میں ور میں چونکہ مکمل اعتماد کے ساتھ کام کر رہی تھی۔ اس لئے مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ بہر حال میں جگہ پہنچ گئی جو ایک پہاڑی علاقے پر تھی۔ پہاڑی کی چوٹی پر رخصت ہوئی ہوئی دھوپ بڑی حسین لگ رہی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر وہ خوبصورت عمارت تھی جہاں مجھے پہنچنا تھا۔ عمارت میں درختوں کے نیچے بہت درجے کی کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ میری ٹیکسی وہیں رک گئی اور میں نے ڈرائیور کو بل دے کر سٹ کر دیا۔ جب میں آگے بڑھی تو ایک شخص میرے قریب پہنچ گیا۔

”میڈم روہن گپتا!“ اس نے پہلے تو گردن خم کی اور پھر سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔

”ہاں، میں ہی ہوں۔“ میں اس شخص کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ وہ میری رہنمائی کرتا ہوا اندرونی حصے پہنچ گیا۔ برآمدے کی آخری سیڑھی پر پہنچنے کے بعد میں کھلے دروازے سے اس وسیع و عریض ہال میں گئی جس میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفید رنگ کا دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ اس پر چلنے سے محسوس ہوتا تھا، جیسے کوئی بادلوں پر سفر کر رہا ہو۔ ہال کے آخری سرے پر ایک بہت بڑا پائو رکھا ہوا تھا۔ اس طرح رکھی ہوئی تھیں جیسے سمندر میں جزیرے بکھرے ہوئے ہوں۔ میزوں پر بہت ہی حسین آرائش تھی۔ ہال کے وسط میں سنہری کشن والے بڑے بڑے صوفہ سیٹ رکھے ہوئے تھے۔ کچھ افراد موجود تھے لیکن میں نے ایک نگاہ دیکھنے کے بعد جب پال بلیمنڈو کو دیکھا تو ایک عجیب سے سکون کا ماہوا۔ کسی بالکل ہی اجنبی جگہ اور جگہ بھی ایسی جہاں پہنچنے کے بعد تھوڑا سا ذہنی دباؤ پیدا ہو گیا ہو، کسی جاننے والے کو دیکھ کر بڑا سکون محسوس ہوتا ہے۔ وہ میری جانب بڑھا اور اس نے گردن خم کرتے

”تو تم اخبار نویس ہو، لیکن تمہیں یہاں آنا چاہئے تھا کیونکہ یہ ایک انتہائی خطرناک اور جگہ ہے۔ اے، تم نے اپنے کانڈات نہیں دکھائے۔“ اس نے فوگ سے کہا اور فوگ نے اپنے کانڈ کے حوالے کر دیئے۔ آفیسر یہ کانڈات دیکھتا رہا پھر اس نے انہیں دوسرے آدمیوں کی طرف بڑھانے کہا۔

”کیا اس کے پاس سمندر میں آنے کا اجازت نامہ موجود ہے؟“

”سر! یہ اجازت نامہ میرے پاس ہے۔“ فوگ نے دوسرا کانڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔

”نہیں، میں یہ اجازت نامہ تسلیم نہیں کرتا۔ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے یہ بتاؤ۔

نے مدھم لہجے میں کچھ کہا تو آفیسر اس کی طرف دیکھنے لگا پھر اس کے ساتھ کہیں ۱۱ میں چلا گیا۔ وہ دوا منٹ بعد آئے تو آفیسر کا مود ہی بدلا ہوا تھا۔ اس نے میری جانب رخ کر کے کہا۔

”آپ سمندر میں مچھلیاں پکڑیے میڈم، جتنی دل چاہے لیکن ہاں اس طہر طرف آنے میں ذرا احتیاط رکھئے۔ ٹھیک ہے مسٹر فوگ۔“ اس نے کہا اور اپنی لالچ پر چلا گیا۔ ٹھیک آ ایک منٹ بعد اس پانی کو چیرتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔ میں نے ہستے ہوئے کہا۔

”واہ! ڈیر فوگ! تم نے تو ان پر جادو کر دیا۔“

”ہاں۔“ فوگ نے برا سامنے بنا کر کہا۔ ”کرنسی نوٹوں میں بڑا جادو ہے، میں نے یہ نوٹ اس پر چپکا دیئے تھے۔ اب وہ اس ملاقات کے بارے میں کسی سے بات نہیں کرے گا۔“

”کتنے میں معاملہ طے ہوا؟“

”ایک ہزار ہانگ کانگ ڈالر۔“

”اچھی خاصی رقم ہے۔“ میں نے فوگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ فوگ نے ٹیکسی ۱۱ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

”میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں یہ رقم کہیں اور سے وصول کروں گا۔“ میں ہنس کر ہو گئی اور فوگ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ نبھانے کتنا وقت ہم نے سمندر کی آغوش میں گزارا اور بعد فوگ نے ساحل پر اپنی بوٹ لنگر انداز کر دی اور مجھ سے کہنے لگا۔

”اب تم جانو اور تمہارا کام۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک عمدہ ریستوران ہے اور تمہارے لئے سب سے محفوظ ہے۔ خاص طور سے تمہارے اس ساتھی کے لئے، جو مصیبت میں گرفتار اگر مجھ سے کبھی کوئی کام ہو تو وہاں پیغام چھوڑ دینا، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“ بہر حال میں جانتی تھی مجھے آئندہ کیا اقدام کرنے ہیں لیکن سب سے بڑا مسئلہ میرے سامنے اس شخص کی زندگی بچانے کا تھا۔ نام پال بلیمنڈو تھا۔ میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ بے چارہ ضرورت سے زیادہ بدی مصیبت میں گرفتار ریٹورنٹ میں آنے کے بعد میں نے ناشتے کے لئے کہا اور پھر ہال کی جانب متوجہ ہو گئی۔

”تم بتاؤ، تمہارا کیا منصوبہ ہے؟“

”میں ایک ایسی جگہ جاؤں گا جہاں سے مجھے بڑی مدد مل سکتی ہے۔“

مجھے یاد آگئی تھی لیکن اس کے بارے میں تو عظمت جلال نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ہلاک ہو گئی ہے لیکن اس کے باوجود میں نے اس سے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا نام تھا آپ کی بہن کا؟“

”نیلمہ چکرورتی۔ میرا نام سدھا ہے سدھا چکرورتی۔“

”سوری سدھا، مگر تمہاری بہن؟“

”ہاں، ذیل نمونیا ہو گیا تھا اسے، ایک گھنٹے کے اندر اندر اس نے میرے بازوؤں میں دم توڑ دیا تھا۔“

سدھا غم زدہ لہجے میں بولی۔ پھر آنکھیں بند کر کے گردن جھکنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔

”مس گیتا! آپ براہ کرم میرا ساتھ نہ چھوڑیے۔ میں بہت زیادہ جذباتی ہو گئی ہوں۔ آپ مجھے سنبھالے رکھئے۔ آپ کو شاید اس بات کا احساس نہ ہو کہ ساری بہنیں ایک دوسرے کو چاہتی ہیں لیکن میں وہ مجھ سے صرف ایک سال بڑی تھی لیکن میرے لئے وہ سب کچھ تھی سب کچھ۔“ میں نے خاموشی ہی اختیار کئے رکھی تھی۔ لڑکی کے انداز سے مجھے پتہ چل رہا تھا کہ اگر ایک لفظ بھی میں نے اس بارے میں کہا تو وہ ہلک ہلک رو پڑے گی۔ بہر حال اس کے بعد وہ مجھ سے چپکی رہی تھی۔ ادھر سدھیر پانڈے مہمانوں کو ریسیو کر رہا تھا۔ خاصی تعداد جمع ہو چکی تھی مہمانوں کی۔ پال ہلیمینڈو ایک مرتبہ پھر میرے پاس آیا پھر اس نے کہا۔

”یہ اچھی بات ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے سے خود ہی بے تکلف ہو گئی ہیں۔ سوری مس گیتا، میں ذرا.....“

”نہیں، کوئی بات نہیں ہے۔“ پھر میں نے پال ہلیمینڈو کے جانے کے بعد سدھا سے پوچھا۔ ”میں تو یہاں کسی کو بھی نہیں جانتی سوائے پال ہلیمینڈو۔ یہ سدھیر پانڈے کیا ہیں اور یہ عمارت۔“

”یہ سدھیر پانڈے کی رہائش گاہ ہی ہے۔ ہانگ کانگ میں ایک بہت بڑا اخبار لکھتا ہے ہانگ کانگ آئزور، سدھیر پانڈے اس کے مالک ہیں اور یہاں ان کی بڑی حیثیت ہے۔ بڑے سرمایہ داروں میں شمار ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہولی گارون کے خلاف اس مہم میں سدھیر پانڈے بہت بڑا کردار ادا کر رہے ہیں۔“ میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ تمام مہمانوں کے آجانے کے بعد سدھیر پانڈے نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں اس نے بتایا کہ ہولی گارون ان علاقوں کا بے تاج بادشاہ ہے۔ ہولی گارون کے بارے میں اس نے مزید انکشافات بھی کئے۔

اس نے کہا یہ درحقیقت ایک دوغلا چینی ہے اور انقلاب چین کے بعد یہ وہاں سے فرار ہو کر بہت عرصے مختلف علاقوں میں گھومتا پھرا ہے اور اس کے بعد اس نے یہ منشیات کی مملکت قائم کر لی ہے اور اب یہ بہت زیادہ طاقت حاصل کر چکا ہے۔ یہاں تک تو ساری باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن ہولی گارون کے خلاف کام کرنے والے صحافیوں میں سے چار صحافیوں کا قتل، صحافی برادری کے لئے ناقابل برداشت ہے اور ہم نے ان کے خلاف بی ایف یو نامی تنظیم بنائی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ ہولی گارون کے ناپاک وجود کو مٹا کر رکھ دیا جائے اور یہ ثابت کر دیا جائے کہ صحافیوں کو کیا حیثیت حاصل ہے اور کسی کو آسانی سے ان پر ہاتھ

ہوئے کہا۔

”میڈم روہن گیتا! میری بہترین دوست! میری بہترین ساتھی، بلکہ وہ جنہوں نے مجھ پر احسان اور میری زندگی بچانے کی کوششیں کی ہیں۔ آئیے..... میں آپ کو ایک اہم ترین شخصیت سے ملانے کی یہ محفل سجائی ہے۔“ پال ہلیمینڈو مجھے اپنے ساتھ لے ہوئے ایک طرف چل پڑا اور پھر اس جس شخص سے مجھے ملایا، وہ ایک اچھی شخصیت کا مالک اور یقیناً ہندوستانی تھا۔ وہ میری طرف رخ بولا۔

”میرا نام سدھیر پانڈے ہے۔ تعلق دہلی سے ہے لیکن یہ تعلق اب نہ ہونے کے برابر رہ گیا تقریباً چودہ سال سے میں ہانگ کانگ میں ہی ہوں اور آپ نے یقیناً میرا اخبار ہانگ کانگ آئزور دیکھا ہو گا۔“

”آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی مسٹر پانڈے۔“ میں نے خوشدلی سے کہا۔

”مزید خوشی ہوگی۔ کیوں پال!“ پانڈے نے کہا اور بے تکے انداز میں ہنس پڑا۔ پال نے بھی اسے ساتھ دیا تھا پھر کہنے لگا۔

”سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ نے میرے بہت اچھے دوست کی زندگی بچائی ہے۔ اس کے میں خصوصی طور پر آپ کا شکر گزار ہوں۔ باقی رہیں، دوسری باتیں تو ہمیں اس سلسلے میں بہت جلد یاد کر رہے ہیں۔ کچھ اور مہمانوں کے آنے کے بعد میں اپنا مقصد آپ کو سمجھا دوں گا۔“ بہر حال یہ سب باتیں ہوتی رہیں لیکن تھوڑی دیر کے بعد ایک حسین لڑکی میاں داخل ہوئی۔ وہ بہت ہی خوبصورت تھی اور اسے تعلق سو فیصدی ہندوستان سے تھا لیکن لڑکی جب میری جانب بڑھی تو اچانک ہی اس کے چہرے پر عجیب تاثرات پھیل گئے۔ اس کے چہرے پر شدید حیرت کے نقوش نمایاں ہو گئے تھے اور میں خود اسے دیکھ کر متاثر ہوئی تھی۔ گہرے سیاہ بال، روشن چمکدار آنکھیں، عمر زیادہ سے زیادہ تیس چوبیس سال، بھرے جسم کی مالک، پہلے تو اس نے سدھیر پانڈے سے ملاقات کی اور اس کے بعد سدھیر پانڈے اس سے کچھ کر میرے پاس لایا۔ دفعتاً ہی لڑکی کے چہرے پر بڑے عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھ سے مجھے دیکھتی رہ گئی تھی اور پھر میرے قریب پہنچ کر اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تھا۔

”اگر یہ ایک ایسی جگہ نہ ہوتی جہاں ہمیں تھوڑا سا محتاط رہنا پڑتا ہے تو اس وقت میں آپ سے ہاتھ ملاتا۔“

”میں نہیں جانتی ایسا کیوں ہوتا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کچھ دوسرے مہمان کے آجانے اور سدھیر پانڈے اور پال ہلیمینڈو ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اس لئے مجھے لڑکی سے بات کرنا موقع مل گیا۔ اس نے سسکتی ہوئی آواز میں کہا۔

”میری بہن مجھ سے ایک سال بڑی تھی۔ صرف ایک سال..... اور اگر آپ اس بات پر یقین کریں تو میں آپ کو بتاؤں کہ آپ کی صورت اس سے اس قدر ملتی ہے کہ جو بھی دیکھے گا، شدت سے دیوانہ ہو جائے گا۔“ میرے دل میں ایک لمحے کے لئے خوف کا ایک عجیب سا احساس جاگ اٹھا۔

ڈال کر انہیں نقصان پہنچانے کی جرات نہیں کرنی چاہئے۔ ایسی شکل میں ہمیں کسی بھی ملک کی حکومت کا باقاعدہ سپورٹ نہیں دے سکتی۔ ہم نے اس سلسلے میں ہر جگہ سے رابطے قائم کئے لیکن ہمیں اس طرح جواب نہیں مل سکا جیسا ہم چاہ رہے تھے اور جہاں تک مشرق بعید کا تعلق ہے تو یہاں کی حکومتیں تو ہماروں کے نام سے کانپتی ہیں۔ ہولی گارون نے ایک مضبوط حصار قائم کر رکھا ہے۔ رنگون، سنگاپور، تھیلینڈ، برما اور ملائیشیا ان علاقوں میں اس کے گردہ اس قدر زبردست انداز میں پھیلے ہوئے ہیں کہ ناقابلِ تصور لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحافی برادری کو اگر کوئی فوجی قوت سپورٹ نہیں کر سکتی تو کیا وہ اپنے طور پر بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ جس کا دل چاہے اپنے مفادات کو مجروح ہونے دیکھ کر صحافیوں کا قتل عام کر ڈالے ایسا ممکن نہیں ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا، ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم بھی ایک طاقت ہیں اور ہماری طاقت اگر منظر عام پر آجائے تو قلم کے مجاہد تو ہم لوگ ہیں ہی۔ امن کے مجاہد بھی بن سکتے ہیں۔

ہمارا تو کام ہی یہ ہے کہ ہم سچ لکھیں اور ہر اس چہرے کو بے نقاب کریں جو سماجی اور معاشی جرائم کا حامل ہو، چاہے کسی ملک کا حکمران ہو۔ وہ چاہے کوئی سیاست دان ہو، چاہے کوئی انٹرنیشنل قسم کا مجرم ہو، کو بھی ہو اگر ہم حق نہیں لکھ سکتے تو اخبارات کو آزاد صحافت کا علمبردار نہیں کہا جاسکتا۔ ہم نے جو آرگنائزیشن بنائی ہے اس کا نام لی ایف یو ہے اور لی ایف یو کے ایکشن گروپ میں اس وقت موجود تمام افراد شامل ہیں دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں خواتین کا بھی ایک اہم کردار ہے اور مجھے سب سے زیادہ مسرت اس بات ہے کہ میرے اپنے وطن کی دو خواتین مس روہن گپتا اور سدھا چکرورتی اس سلسلے میں ایکشن گروپ میں کام کر رہی ہیں اور ان کی پرفارمنس بہترین جارہی ہے۔ میں آپ سب کو یہ پیش کش کرتا ہوں کہ ہانگ کانگ میں رہ کر آپ کو جس طرح کی مالی امداد درکار ہو، میں اس کے لئے حاضر ہوں۔ اس کے علاوہ دوسرے معاملے میں بھی خفیہ طریقے سے اسلحہ اور دوسری ضروریات کے لئے میں تیار ہوں، خاص طور سے میں آپ کو ایک شخص سے روشناس کرانا چاہتا ہوں۔ آپ لوگوں کو اس سے خاص طور سے ہوشیار رہنا ہوگا۔ اس نام یو آن کارڈو ہے۔ کارڈو کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا تعلق کون سے ملک اور کون سے شہر سے ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ درحقیقت منگول ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ جرمنی اور چین کی ملی جلی تخلیق ہے۔ بہر حال نسلاً وہ مجھ بھی ہو لیکن ان علاقوں میں وہ بڑی زبردست حیثیت کا مالک ہے اور اسے بڑی طاقت اور برتری حاصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یو آن کارڈو کے بارے میں یہ بات مشہور ہے یعنی خفیہ ادارے یہ بات جانتے ہیں کہ وہ ہولی گارون کا دست راست ہے اور ہولی گارون اس پر مکمل بھروسہ کرتا ہے۔ میں خاص طور سے اس کی دولت کا تذکرہ آپ سے کروں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ شاید ہم اسے ہانگ کانگ کا سب سے دولت مند شخص کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ ہانگ کانگ میں بہت سے کاروبار ایسے پھیلے ہوئے ہیں جن کا تعلق آدھی دنیا سے ہے اور یہاں کے کاروباری آدھی دنیا سے اپنا کاروبار کرتے ہیں لیکن ان کے باوجود یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ان سب سے زیادہ دولت یو آن کارڈو کے پاس ہے اور وہ بہ آسانی آدھا ہانگ کانگ خرید سکتا ہے۔ اب ایک ایسے شخص کے وسائل جس قدر ہوں گے، وہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔

پھر اور بھی بہت ساری باتیں ہوتی رہیں۔ یہ ایک معمول تھا جس میں مجھے شریک کیا گیا تھا۔ مہمان رخصت ہونے لگے تو میں نے بھی سدھیر سے اجازت چاہی لیکن سدھیر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”پہلی بات تو یہ ہے کہ بے شک میرا تعلق طویل عرصے سے ہندوستان سے ختم ہو چکا ہے لیکن باپ، دادا، پردادا وہیں سے تعلق رکھتے ہیں اور ابھی میرے خون میں وہاں کی تھوڑی بہت محبت شامل ہے۔ آپ میری ہم وطن ہیں اس لئے میں چاہوں گا کہ سدھا، پال، ملیئنڈو ابھی دیر تک یہاں قیام کریں۔“

سدھیر پانڈے نے کھانے کا بڑا پر تکلف اہتمام کیا تھا۔ اس دوران سدھا اس شاندار عیش گاہ سے بہت متاثر ہو گئی تھی۔ میرے قریب قریب رہی تھی۔ میرے لئے بالکل دیوانی ہو رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ میں اس پر چھوڑ دوں کہ وہ میرے قریب رہنے کی اجازت کیسے حاصل کرے گی۔ میں اسے اجازت دے دوں۔

”اگر ایسی بات ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا حالانکہ یہ الفاظ کہتے ہوئے مجھے خود تھوڑی سی تشویش ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ یہ مناسب ہو گا یا نہیں لیکن بہر حال ہر بات ایک ہی انداز میں نہیں سوچی جاتی۔ میں تھوڑی سی مطمئن بھی تھی کہ میری اصل شخصیت تو وہ ہے بھی نہیں۔

پچھلے کچھ دنوں سے عظمت جلال سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا اور نہ ہی کسی ایسی شخصیت سے جو میرے اور عظمت جلال کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہوتی۔ ویسے جس حد تک مجھے فیڈ کیا گیا تھا، صورت حال بھی وہاں سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ اس کے علاوہ کچی بات یہ تھی کہ میں ایک ایسے جال میں گرفتار تھی جس کے سرے نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچے تھے۔ میں تو عظمت جلال کی وفادار بھی نہیں تھی بلکہ صرف ایک نظریہ کام کر رہا تھا اور اسی نظریے کے تحت میں وہ سب کچھ کر رہی تھی جو مجھ سے بالکل بے تعلق تھا۔ بعد میں فراغت حاصل ہوئی تو سدھیر پانڈے نے سدھا چکرورتی سے بھی اجازت چاہی۔ اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں بھی اس کے ساتھ ہی رہوں گی۔ سدھا چکرورتی جاتے ہوئے مجھ سے بولی۔

”اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اپنے ساتھ جہاں آپ چاہیں ڈراپ کر سکتی ہوں۔ کیونکہ آپ شاید نیکی سے یہاں آئی تھیں۔“

”نہیں سدھا، تم جاؤ ابھی تھوڑی دیر مس گپتا میرے ساتھ رہیں گی۔“ آخر کار سدھیر نے خشک لہجے میں کہا تو سدھا بولی۔

”میں آپ سے ضرور بات کروں گی۔ آپ ملیں گی نا مجھ سے؟“

”کیوں نہیں۔“ میں نے اس سے پیار سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ جب وہ چلی گئی تو سدھیر مسکرا کر بولا۔

”یہ لڑکی ویسے تو بہت اچھی ہے لیکن کبھی کبھی بالکل چپک جاتی ہے۔“

”مجھ سے تو آج تک نہیں چپکی۔“ پال ملیئنڈو نے پرمزاح لہجے میں کہا اور سدھیر ہنسنے لگا۔

”یہ تو تمہاری کمزوری ہے۔“ پھر میری وجہ سے وہ لوگ زیادہ گہری باتوں پر نہ اترے۔ سدھیر نے

منشیات کے مختلف ذخیرے مختلف طریقوں سے چھپا چھپا کر ادھر سے ادھر منتقل کئے جارہے ہیں۔ ہمارا اپنا جو منصوبہ ہے، وہ یہ ہے کہ ہم ان ذخیروں کو سستے داموں خریدیں۔ جہاں بھی موقع ملے۔ باقی لوگ تو انہیں نالغ کرنے کی پوزیشن میں نہیں لیکن ان کا کچھ حصہ اگر ہمارے ہاتھ لگ جاتا ہے تو ہم بھی اس بہتی لگنا میں یوں نہ ہاتھ دھولیں۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہی ہوں گی۔ آپ لوگ صرف یہ کام کریں گے کہ ہولی گارون کے خلاف اور صحافیوں کی ٹیم کے خلاف کام کرتے ہوئے جب آپ کسی ایسے ذخیرے کا پتہ لگائیں تو یہ طور پر اس ذخیرے کے لئے لیروں کا بندوبست بھی کریں۔ یہ لیبرے معقول معاوضے کے عوض اس ذخیرے کو غائب کر کے ہم تک پہنچا دیں گے۔ فی الحال آپ دونوں اور اس کے بعد کوئی قابل اعتماد آدمی اس میں شامل کر سکتے ہیں۔ یہ ہمارا نیا منصوبہ ہے اور خاص طور سے اس لئے بھی اس میں آپ کو شریک کیا جا رہا ہے کہ آپ میری ہم وطن ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کے لئے آپ کو کسی سے مشورہ نہیں کرنا وگرنہ یہ تو آپ کا بالکل ذاتی اور خفیہ کام ہے۔ میں یہ بھی آپ کو بتا دوں کہ جس شخص کا آپ سے تذکرہ کیا گیا ہے یعنی یو آن کارڈو اس کے علم میں کم از کم پال بلیمنڈو ضرور آچکا ہے اور پال بلیمنڈو کی مددگار کے دور پر شاید اس کی نگاہ آپ تک بھی پہنچ گئی ہو۔ آپ دونوں کو اس کے لئے ہوشیار رہنا پڑے گا۔ اب آپ صرف ایک لفظ میں مجھے بتائیے کہ آپ کو کیا میری یہ پیشکش منظور ہے، ہاں یہ آپ کو اور ضرور بتا دوں کہ ذخیرہ جو آپ کسی بھی شکل میں خریدیں گی، ظاہر ہے، وہ سستے داموں خریدا جائے گا لیکن اس کی جو اصلیت ہوگی میرا مطلب ہے جس رقم میں وہ خریدا جائے گا اور باقی رقم جو بچے گی اس کا پیچیس پرسنٹ آپ کو ری پیچیس پرسنٹ پال بلیمنڈو کو ملے گا۔ باقی ففٹی پرسنٹ میرا اپنا ہوگا۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس سلسلے میں بغیر کسی تردد کے ہاں یا نہیں اس لفظ استعمال کریں۔ کیا آپ ایسا کرنا پسند کریں گی؟

”ہاں۔“ میں نے ایک سیکنڈ کے اندر جواب دیا اور سدھیر پانڈے حیرت انگیز آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر میں اس کے چہرے سے خوشی پھوٹ پڑی اور اس نے مسکرائی لگا ہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔ ”حقیقت یہ ہے کہ آپ کی شکل میں مجھے ایک بہترین ساتھی مل گیا ہے۔ انسان چاہے کچھ بھی ہو اے لیکن تھوڑا سا متعصب ضرور ہوتا ہے۔ میں اس بات سے بہت زیادہ خوش ہوں کہ آپ میری ہم وطن ہیں۔ باقی تو خیر اور معاملات چلتے ہی رہتے ہیں۔“ پھر تھوڑی دیر کے بعد میری دہاں سے واپسی ہو گئی اور میں ان میں بہت سے تصورات سجائے اپنی آرام گاہ پر آ گئی۔ رات کو بستر پر آرام کرتے ہوئے میرے ذہن پر ایک عجیب سا سناٹا طاری ہو رہا تھا۔

نہ جانے کیسے کیسے تصورات ذہن میں لئے میں گہری ٹینڈ سو گئی۔ دوسرے دن دس بجے جب میں ناشتہ کرنے سے فارغ ہو چکی تھی، مجھے ٹیلی فون موصول ہوا۔ یہ ٹیلی فون ایک اجنبی آواز میں تھا۔ ”آپ کے لئے کار بھیجی جا رہی ہے۔ براہ کرم آپ وہیں تشریف لے آئیے جہاں آپ کل شام موجود ہیں۔“ آپ جب اپنی رہائش سے باہر نکلیں گی تو گہرے نیلے رنگ کی ایک کار آپ کا انتظار کرے گی۔ اس ماڈل پر ہے۔“

میں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ دوسری طرف سے ٹیلی فون بند ہو گیا لیکن میں گہری سوچوں میں

”آپ سے میں خفیہ میٹنگ کرنا چاہتا ہوں مس گیتا جس میں، میں آپ اور پال بلیمنڈو شریک ہوں گے۔ آئیے۔“ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا پھر ہم اس کی رہنمائی میں ایک اور کمرے میں پہنچے جو دیگر کمروں سے بھی زیادہ شاندار تھا۔

”کسی تکلف کے بغیر میں آپ سے اپنے دل کا مقصد بیان کرنا چاہتا ہوں مس گیتا! آپ انتہائی شاندار اور اعلیٰ صلاحیتوں کی مالک ہیں اور یہ پال میرا نہایت بہترین دوست ہے۔ شاید آپ یہ سن کر حیرت کریں کہ میں اسے اپنے وجود کا حصہ سمجھتا ہوں۔ بہر حال میں جو بات کرنا چاہتا ہوں، وہ بالکل صاف الفاظ اور صاف لہجے میں البتہ آپ سے دوستانہ طور پر ایک درخواست ضرور کی جا سکتی ہے وہ یہ کہ میری تجویز کو اگر آپ ناپسند کریں تو اس طرح اسے اپنے ذہن سے خارج کر دیں، جیسے یہ کبھی ہمارے درمیان ہوئی ہی نہیں تھی۔ آپ کو بولنے کی ضرورت نہیں ہے، میں اپنا مقصد آپ کو بتائے دے رہا ہوں۔ ایک طویل عرصے سے میں ہانگ کانگ میں ہوں۔ چین، ہانگ کانگ، برا، تھائی لینڈ اور اس علاقے کے دوسرے تمام ممالک کی ڈرگز کے بارے میں پالیسی بڑی سخت رہی ہے لیکن آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ دنیا بھر میں سپلائی ہونے والی ڈرگز کا پچھتر فیصد حصہ انہی علاقوں میں کاشت کیا جاتا ہے اور انہی علاقوں سے دنیا بھر کو سپلائی ہوتا ہے۔ مالی طور پر یہاں کی معیشت فولاد کی مانند ہے اور ہم سب اس معیشت کا ایک حصہ ہیں۔ میں بظاہر صرف اخبار نکالتا ہوں لیکن اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ صرف اخبار نکالنے سے میری مالی حیثیت اتنی بنی ہے تو میں سمجھتا ہوں، یہ آپ کی معصومیت ہے۔ خیر میں آپ کو بتا دوں کہ میرے دوسرے کاروبار بھی ہیں جن میں سے ایک منشیات کی تجارت بھی ہے۔“ میں نے چونک کر سدھیر پانڈے کو دیکھا تو وہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

”ہاں، آپ ضرور یہ سوچ رہی ہوں گی کہ ہم صحافی جو منشیات کے خلاف اتنا بڑا محاذ قائم کئے ہوئے ہیں۔ بھلا منشیات کے سوداگر کیسے ہو سکتے ہیں تو میں سب کی بات نہیں کرتا بلکہ کسی کی بات نہیں کرتا۔ میرا انداز فکر ذرا مختلف ہے۔ یہ سب اگر انہیں موقع ملے تو اپنے اپنے بہترین مفادات کے بارے میں ضرور سوچیں گے۔ ہولی گارون نے جو کیا، اس کی بدترین مذمت میں خود بھی کرتا ہوں اور اس بات پر پوری طرح متفق ہوں باقی لوگوں سے کہ ہولی گارون کو اس کے کئے کی سزا ضرور ملنی چاہئے مگر یہ ان کا مسئلہ ہے۔ میں اور پال بلیمنڈو اس بات پر متفق ہیں کہ ہمیں اپنی مالی حیثیت بنانی ہوگی اور اس کے لئے مسلسل کام کرتے رہنا ہوگا۔ صحافیوں کی ٹیم مختلف ممالک کے تعاون سے ہولی گارون کے خلاف کام کر رہی ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خاص طور سے امریکہ اس سلسلے میں سب سے زیادہ جد جاتی ہے۔ یو این او نے خفیہ طور پر صحافیوں کو اس بات کی اجازت دی ہوئی ہے کہ ان کے ساتھ جو بدسلوکی ہوئی ہے، وہ اس کے خلاف عملی اقدامات کریں لیکن اس کے پس پردہ بات وہی ہے کہ خود امریکہ اور دوسرے بڑے ممالک جہاں منشیات کا بڑا کام ہوتا ہے، ہولی گارون کے خلاف ہیں۔ ایسی صورت میں بہت سے طریقوں سے ہولی گارون کو مختلف مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پال بلیمنڈو مجھے بتا چکا ہے کہ اس نے آپ کو اعتماد میں لے کر یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ خود ہولی گارون کا ایک ساتھی ہے۔ اس حیثیت سے اس کی معلومات اس معاملے میں کچھ زیادہ ہیں۔

مجھے اس سے ہی خوف محسوس ہوتا ہے اور سچی بات یہ ہے ٹرین میں جو حملہ ہوا، مجھے تو یہ شبہ ہے کہ
یہ اس نے کیا ہوگا۔ ویسے آپ کے کانڈھے کا زخم اب کیسا ہے؟
”میں تو بھول بھی گئی ہوں، ویسے وہ بالکل ٹھیک ہے۔“

”گڈ۔ اچھا اب آپ یہ بتائیے کہ مسٹر سدھیر پانڈے نے آپ کو جو پینکشن کی ہے، اس کے بارے
آپ کا کیا خیال ہے؟“

”میرا کوئی خیال نہیں ہے۔ مسٹر پانڈے سے میں ان کے منصوبے پر کام کرنے کا وعدہ کر چکی ہوں۔“
”عجیب بات ہے میڈم! خواتین میں، میں نے اس قدر اعتماد نہیں دیکھا۔ وہ اپنے معاملات میں عام
سے ذرا متذبذب رہتی ہیں اور الجھنوں کا شکار ہوتی ہیں لیکن آپ میں یہ خوبی ہے کہ آپ فیصلہ کر لیتی
وہ بڑا محسوس اور پُر اعتماد ہوتا ہے۔“

”فیصلہ اسی کو کہتے ہیں ورنہ مہلت لے لینی چاہئے۔ البتہ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ کیا مسٹر
پانڈے یہاں ہانگ کانگ میں اپنی کوئی علیحدہ قوت بھی رکھتے ہیں؟“

”پارٹی ہے ہماری، پوری پارٹی ہے۔ خفیہ لوگ ہمارے لئے کام کرتے ہیں جن میں مقامی باشندے بھی
در ہندوستان سے تعلق رکھتے والے بھی۔ سدھیر پانڈے کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں ہے۔ اس کا اپنا
الگ مقام ہے اور بہر حال وہ کھل کر ہولی گارون کے خلاف کام کر رہا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس نے
ان کو بڑی مدد دی ہے۔ بڑا تحفظ دیا ہے۔ ان کی مالی مدد بھی کی ہے۔ وہ جو ہولی گارون کے خلاف کام
ہے ہیں۔“

”ایسا تو نہیں ہے کہ ہولی گارون اور سدھیر پانڈے دو پارٹیاں ہوں اور اپنے اپنے مفادات کے لئے
رہی ہوں۔“ جواب میں پال بلیمنڈو مسکرایا پھر بولا۔

”نہیں۔ ہولی گارون کی بات اور ہے۔ میں سدھیر پانڈے کو کوئی ایسا نام نہیں دینا چاہتا جو تو بین آئیز
ان یہ سمجھ لو کہ ذرے اور آفتاب والی بات ہے۔“

”ذرا کون ہے اور آفتاب کون؟“

”بات سمجھنے کی ہے۔ اب کیا فائدہ ایسی باتیں اپنے دوست کے بارے میں کھلوانے کا جس نے مجھے ہر
سے تحفظ دیا ہے اور میں پُر سکون طریقے سے یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔“

”گویا تمہارا خیال ہے، کہ اگر ہم کسی مشکل مرحلے میں پڑ گئے تو سدھیر پانڈے ہمارا تحفظ کرے گا؟“

”اس بات کا میں وعدہ کرتا ہوں۔“ پال نے کہا۔

”کیا وہ صحافی جو باقاعدہ ایک مشن بنا کر چل پڑے ہیں، کچھ کامیابیاں حاصل کر چکے ہیں یا پھر یونہی ہوا
رہا ہے؟“ میں نے پال کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

”اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ صحافی بہت کمزور جا رہے ہیں تو ایسی بات نہیں ہے۔ شاید یہ بات ابھی تک
میں آئی ہوگی کہ صحافیوں کا کوئی ایک گروپ ہولی گارون کے خلاف معروف عمل نہیں ہے یعنی ہم
جو ٹکٹوں کے سامنے ہیں بلکہ مختلف ممالک کے لوگ ان صحافیوں کے قتل کے سلسلے میں اپنے اپنے

ڈوب گئی۔ بہر حال یہ بات تو طے تھی کہ اس نئے معاملے کا مکمل طور پر تعلق بھی عظمت جلال کے
منصوبوں سے تھا۔ اسی کی ہدایت کے مطابق میں جن جن لوگوں سے ملوث ہو رہی تھی، وہ منصوبے
نہیں تھے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو قصور میرا نہیں بلکہ عظمت جلال کا ہوگا۔
ایسے رابطے ضرور رہنے چاہئیں تھے جن سے مجھے میرے ان اقدامات کی تصدیق ہوتی رہے جو میں
تھی کہ وہ غلط تو نہیں ہیں لیکن میں کیا کروں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عظمت جلال نے مجھ پر مکمل بھروسہ
ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی نگاہوں میں میری کوئی حیثیت نہ ہو۔ ایسے میرے ضرورت پڑنے
دیئے جاتے ہیں لیکن بہر حال میں بچنے والا مرہ نہیں تھی۔ جب میں دیکھوں گی کہ صورت حال میرے
سے باہر نکل گئی ہے تو پھر عظمت جلال سے علیحدگی اختیار کر کے اپنے طور پر اپنا کام شروع کر دوں
بہر حال اس نیلی کار میں جانے کا خطرہ مول لینا ہی تھا لیکن نیلی کار نے مجھے بڑے اطمینان کے ساتھ
پانڈے کی رہائش گاہ کے سامنے اتار دیا تھا۔ میں اندر داخل ہوئی تو ایک ملازم نے میرا استقبال کیا
اس ہال نما وسیع و عریض دروازے سے گزرتی ہوئی جہاں گزشتہ رات ہم لوگوں کی میٹنگ ہوئی تھی، ا
کے سامنے پہنچ گئی۔ جو شخص مجھے وہاں سب سے پہلے ملا، وہ پال بلیمنڈو تھا۔ ایک خوب صورت
آستین کی بشرت اور پینٹ میں ملبوس اسارٹ نظر آ رہا تھا۔ مسکراتا ہوا میری جانب آگے بڑھا اور ہاتھ

بولا۔

”ہیلو۔ مس گیتا! کتنے آپ کیسی ہیں؟“

”ٹھیک ہوں۔“ میں نے اس سے ہاتھ ملا کر کہا۔

”آئیے آئیے۔ بیٹھے ہیں۔ تھوڑی دیر انتظار کرنا ہوگا۔ آپ یہ بتائیے کافی منگواؤں آپ کے لئے
اور لیں گی؟“

”نہیں۔ اس وقت کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ہی ناشتا کیا ہے۔ ویسے تم کافی فریش نظر آ رہے
پچھلے دنوں تو میں نے تمہاری بڑی بھیاں شکل دیکھی تھی۔ ان دنوں تم موت کے خوف کا اس طرح
تھے جیسے موت تمہارے سر پر کسی پرندے کی طرح اڑ رہی ہو۔“ پال بلیمنڈو نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر
لمحات خاموش رہنے کے بعد وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”ایسے بھیاں لمحات یاد نہ دلایا کریں میڈم! وہ کم بخت مردہ وجود اب بھی مجھے یاد ہے جس کے
میں نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ کرائے کا قاتل ہے۔ یو آن کارڈو کا آدمی ہے۔ یہ بات مجھے بہت بعد میں
ہوئی کہ اس کی پشت پر یو آن کارڈو ہے۔ ویسے وہ اپنے طور پر بھی کام کرتا ہے۔ آپ یقین کریں مجھے؛
بھی اس کا قصور آتا ہے تو میرے روٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شاید میرے ذہن کی کوئی گرہ اس سے
طرح متاثر ہے ورنہ میں بھی اس قدر بزدل آدمی نہیں ہوں۔ خیر چھوڑیے۔ آپ نے اس کا تذکرہ کر
خواہ مخواہ ایک غلط موضوع چھیڑ دیا ہے۔“

”سوری۔“ میں مسکرا کر بولی اور میری اس مسکراہٹ سے پال بلیمنڈو کچھ اور زیادہ خروں ہو گیا۔
”میں نے کہا، آپ دیکھیں گی کہ عام حالات میں، میں اس قدر بزدل آدمی نہیں ہوں۔ نہ پال

لی اچھا ہے۔" اس نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ضروری تیاریاں کر کے اسی ٹیلی کار میں چل دیے اور ہماری یہ کار شک او سے ٹک اور مل کھاتی ہوئی سڑکوں پر نکل پڑی۔ بڑی خوب صورت فضا تھی۔ ہر طرف رنگ ہی رنگ ہوئے تھے۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی ایک لمحے کے لئے اس رنگین ماحول میں کھوسی گئی تھی۔ یہ بھی تھی کہ میں ایک عرصے سے ہر قسم کی تفریحات سے دور رہی تھی۔ شاید اسی وجہ سے اس کھلے نہ بھنے اپنا اسیر کر لیا تھا اور میں کچھ دیر کے لئے تمام تفکرات سے آزاد ہو گئی تھی۔ وقت جیسے تھم سا ہم اس وقت کار سے نکل کر ایک کھلے علاقے میں کھڑے تھے پھر نہ جانے کیوں مجھے ایک عجیب سا ہوا میں نے پال سے واپس چلنے کو کہا۔

’دل بھر گیا؟‘ اس نے سوال کیا لیکن میں نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا اور واپسی کے لئے دیے۔

م آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنی کار تک پہنچے لیکن اسی وقت ایک کار کا دروازہ کھلا اور اس میں سے بیٹے اترے۔ ان کی تعداد تین چار کے قریب تھی۔ وہ اس طرف ہماری متوجہ تھے، جیسے ہم سے چاہتے ہوں لیکن اسی وقت ان میں سے ایک کا ہاتھ اوپر اٹھا اور کوئی چیز سنسناتی ہوئی میرے سر کے لڑ گئی۔ میرا سر بے اختیار نیچے جھک گیا تھا۔

میں یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ کوئی مارشل آرٹس کا روایتی ہتھیار تھا۔ اگر ایک لمحے کی تاخیر ہو رہے سر کو اڑاتا ہوا نکل جاتا۔

الوگ بالکل قریب تھے اور ایک لمحے کے اندر اندر ہم دوڑ پڑے تھے۔ دوسری جانب جو خوفناک فضا ان کے بارے میں ایک لمحے پہلے ہی صورت حال کا جائزہ لیا تھا۔ ہم ادھر نہیں جاسکتے تھے۔ سراسر کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ ہمارے قریب پہنچے تو میں نے انتظار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ پال اپنی لک تھا۔

اچھے جیسے ہی پہلا آدمی میرے قریب پہنچا۔ میں نے ایک بھر پور گھونسا اس کے جڑے پر جمادیا۔ وہ مجھے ہٹ گیا تھا اور کسی کتے کی طرح اپنے سر کو دائیں بائیں جھٹکنے لگا تھا۔ اسی دوران دوسرا آدمی بیک پہنچا۔ میں اس وقت پوری طرح تیار ہو چکی تھی۔ چنانچہ میں نے ایک زوردار ٹھوکر سامنے لے کے پیٹ پر رسید کی اور وہ ہلبلاتا ہوا دھرا ہو گیا۔ پال دوسری جانب تھا اور اچانک ہی مجھے اس کی ادھی تھیں۔

میں نے میری توجہ بٹ گئی۔ میری یہ معمولی سی غفلت میرے لئے خاصی مہنگی ثابت ہوئی۔ میں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے لوہے کے لمبے سے ڈنڈے سے مجھ پر وار کیا جو میرے داہنے ٹھٹھ میں نے ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تو میرا بازو جھول کر رہ گیا۔

ٹھٹھ نے دوسرا وار کیا لیکن اب میں سنبھل چکی تھی اور میں نے اسے جھکائی دی تھی۔ اس کے آتی سے ایک جانب دوڑ پڑی۔ پال بلیٹنڈ کی چیخوں نے مجھے پہلے ہی زخمی کروا دیا تھا۔ اب اس

ملکوں سے احتجاج کرنے کے بعد آخر کار اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ انہیں اپنی بقا کا تحفظ خود ہی کرنا گا ورنہ ابھی تو ہولی گارون جیسے شخص نے اپنے خلاف لکھنے پر چار صحافی قتل کر دیئے ہیں لیکن اس صحافت کے تمام تر دروازے بند ہو جائیں گے اور ہر شخص صحافیوں کو دھمکا سکے گا۔ اس لئے اب یہ تحریک بن چکی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ کہیں نہ کہیں سے ہولی گارون کے خلاف کوئی مضبوط قدم اٹھ رہا ہے۔" پھر اچانک ہی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر تم نے یہ نہیں پوچھا کہ سدھیر پانڈے تم سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟"

"میں تو صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ مجھے یہاں بلا کر اس نے ابھی تک مجھ سے ملاقات نہیں کی۔ بات ایک مہمان کی توہین نہیں کسی جاسکتی؟"

"سوری۔ سوری۔ سوری۔" اچانک ہی پال بولا۔ "مجھے اس سلسلے میں تم سے زبردست معذرت چاہئے روہن گپتا اور اب میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ اس وقت تم سدھیر پانڈے کی نہیں بلکہ میری مہم میں نے سدھیر پانڈے کی حیثیت سے تمہیں یہ پیغام بھجوایا تھا جس کے لئے میں تم سے معذرت ہوں۔" ایک لمحے کے اندر میرے اندر غصے کی لہر دوڑی لیکن میں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ اس طر غصہ میرے حق میں ہمیشہ ہی نقصان دہ ہوا تھا۔ جس زندگی میں میں داخل ہو گئی تھی، اس میں تو نہ جلا کیا ہوگا۔ مجھے اپنا انداز تبدیل کرنا پڑے گا ورنہ بہت سے نقصانات اٹھائے جاسکتے ہیں تاہم میں نے سر میں کہا۔

"یہ ایک ناپسندیدہ مذاق ہے۔ وجہ بتا سکو گے، مسٹر بلیٹنڈ؟"

"ارے ارے نہیں۔ لمبے کو اس قدر سخت نہ کریں۔ میں تو آپ کے ساتھ سیر و سیاحت کے جانے کو تیار بیٹھا ہوں۔ ہانگ کانگ اتنا خوب صورت ہے کہ ایک ہزار بار اسے دیکھو تو بھی دل نہ بھرتا۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ ہے میڈم، کہ میں آپ کو ہانگ کانگ کی سیر کرانا چاہتا ہوں۔"

"بہتر یہ ہوتا ہے کہ تم مجھے پہلے اس بارے میں بتا دیجئے۔ اب اگر میں انکار کر دوں تو؟"

"مجھے تو خیر بہت ہی دکھ ہوگا اور اس کے بعد حقیقت یہ ہے کہ آپ کو میری جانب سے کوئی ٹکڑ نہیں پہنچے گی۔ یعنی میں صرف اس انداز میں سوچوں گا کہ ہم لوگ مشینی دوست ہیں۔" اس کے ان الفاظ اور انداز پر مجھے ہنسی آگئی تو وہ جلدی سے ہوا۔

"اس کا مطلب ہے کہ بات نظر انداز کی جاسکتی ہے۔"

"ہاں۔ چلو میں تیار ہوں۔"

"زندہ باد۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے کہا۔ "ہانگ کانگ کی ایسی حسین جگہیں دکھاؤں گا آپ میڈم جو یقیناً آپ نے نہیں دیکھی ہوں گی۔ ویسے آپ مجھے یہ بتائیے کہ کیا آپ بیک پوائنٹ پر گئی ہیں جہاں سے پورے جزیرے کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ کلون اور نیو ٹیری ٹیری بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ آئیے اب

لیکن پال کہاں ہے؟

کیا اسے بھی کار کے ساتھ ہی..... آف میرے خدا..... کیا اس کی لاش بھی کار کی طرح
و میں کہیں پھنسی پڑی ہے؟

مجھے مسلسل چکر آرہے تھے۔ اس تصور سے ایک بار پھر مجھے زور کا پکڑ آیا اور میں دونوں ہاتھوں سے
اگر نیچے بیٹھ گئی۔ خاصی دیر گزر گئی تو میں ایک بار پھر اپنی جگہ سے اٹھی اور لڑکھڑاتے قدموں سے
بڑھنے لگی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ پھر میری نظرس ادھر ادھر دوڑنے
در اس کے بعد میں وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا، میں چلتی رہی۔ کافی فاصلے پر
اٹھ لی فون بوتھ نظر آیا تو میں نے اپنے جسم کی تمام تر قوتوں کو جمع کیا اور ٹیلی فون بوتھ کی جانب بڑھ

اب اس کی سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ سدھیر پانڈے کو اپنی اس کیفیت کے بارے میں اطلاع
دیں۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ ٹیلی فون نمبر ڈائل کرنے کے بعد جب جیلو کی آواز سنائی دی تو میں نے اسے
مے کے اندر ہی پہچان لیا۔ سدھیر پانڈے کی آواز تھی۔

”سدر پانڈے۔“

”ہیلو۔ کون ہیں آپ؟“

”روہن گیتا۔“ میں نے اس وقت بھی اپنے حواس کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا۔ ورنہ دل تو یہی چاہ
ہے۔ اپنا اصل نام بتا دوں۔ ”میں ایک حادثے کا شکار ہو گئی ہوں۔ پیک پوائنٹ پر ہوں۔“ یہ کہہ کر میں
عجل وقوع کے بارے میں بتا کر فون رکھ دیا۔ میں بوتھ سے باہر نکل گئی اور پھر وہاں سے چند گز
طے پر سفید رنگ کی سنگ مرمر کی ایک بیٹنج پر جا بیٹھی۔ قرب و جوار میں اکا دکا لوگ نظر آرہے تھے۔
ہاں تھا اور کسی نے میری جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ اپنے حواس کو سنبھال کر میں اپنی اس کیفیت
کرنے لگی۔

وہ لوگ جو کوئی بھی تھے، میں نے تو انہیں غور سے دیکھا بھی نہیں تھا لیکن وہ یقینی طور پر ہم دونوں کو
نے آئے تھے۔ سب سے افسوسناک بات یہ تھی کہ پال بلیمینڈو کی زندگی اس وقت مجھے خطرے میں نظر
آئی۔ بہر حال وقت گزرتا رہا۔ سر میں چکر آرہے تھے۔ غالباً لوہے کی وہ راڈ کچھ زیادہ ہی کام دکھا گئی
ہمت تک نہیں پڑی تھی کہ سر کو ٹٹول کو دیکھ لیتی۔ میرا ہاتھ اوپر نہیں جا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے
کار قریب آ کر رکی اور اس سے نیچے اترنے والا وہ سدھیر پانڈے تھا۔ اس کے ساتھ دو تین افراد
سدھیر پانڈے تیز رفتاری سے میرے پاس آیا۔ جب کہ باقی لوگ وہیں کھڑے رہے تھے۔ اس نے
میرے قریب بیٹھ کر مجھ سے کہا۔

پال کے بارے میں بتاؤ۔ اپنی کیفیت بحال کرو۔ اف مائی گاڈ! تم تو بہت زیادہ زخمی دکھائی دیتی ہو۔“
پال کو ادھر کار کے قریب جھاڑیوں میں تلاش کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔“ میں نے اشارہ کیا تو
مے نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو بلایا اور پھر انہیں ہدایات دینے لگا۔ پھر وہ مجھے ساتھ لے کر کار کی

کے چکر میں پڑ کر میں اپنی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔ بہر حال میں اپنے بازو کی
سے لڑائی بھڑائی کے قابل نہیں رہی تھی، چنانچہ میں نے دوڑ لگا دی تھی لیکن ڈنڈے والا بھی
دوڑ رہا تھا۔ دوڑتے ہوئے اس نے پھر مجھ پر وار کیا اور لوہے کا ٹکڑا اس بار میرے سر پر لگا تھا۔
جیسے کھوپڑی چنچ گئی ہو۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں ناچنے لگیں۔ میں اپنا توازن بر
کوشش کر رہی تھی لیکن کامیاب نہ ہو سکی اور نیچے گر کر دور تک لڑھکتی چلی گئی۔ مجھے صرف
کہ میرا سر چکرا رہا ہے اور میں رکے بغیر لڑھکتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے بعد میں ہر احسا
ہو گئی تھی۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو پہاڑی کی ڈھلان پر پڑے پایا۔ سر میں
ہو رہی تھی۔ میں نے دونوں ہاتھ ٹکائے اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ آنکھوں کے سا
پر چھائیاں رقص کر رہی تھیں لیکن بہر حال خود کو سنبھالا اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر مجھے احسا
اس ہولناک جہان پر ہوں جہاں سے گرنے کے بعد میں نے خود سوچا تھا کہ ہڈی پسی کے کسی
نہیں باقی رہ جاتا۔ یہاں گر کر میں رک ہی کس طرح گئی تھی۔ میں نے اس پر غور کیا تو اپنے
جہان کا مرہون منت پایا۔ اس نے میرے بدن کو روک لیا تھا ورنہ میں رکے بغیر نیچے لڑھکتی
تھوڑی دیر تک میں اسی طرح اپنا توازن قائم کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر میں کس طرح او
اسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ بس ایک مجرہ ہی تھا کہ میرے اندر اتنی ہمت پیدا ہو گئی
ریگ ریگ کر دوبارہ اوپر پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

بہر حال تھوڑی بہت بہتر کیفیت ہوئی تو میں نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ حواس آہستہ
ہوتے جارہے تھے۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور مجھے پتا چل گیا کہ میں اسی پلیٹ فارم پر موج
وہاں نہ تو وہ نیلی کار موجود تھی، نہ پال بلیمینڈو۔ سچے میں نہیں آ رہا تھا کہ پال مجھے جھوڑ کر کیوں
یا پھر..... یا پھر اور اچانک ہی میری ریزہ کی ہڈی میں ایک سردی لہر دوڑ گئی۔

ایک خیال میرے دیکھتے ہوئے سر میں آیا کہ پال بلیمینڈو کسی بڑے حادثے کا شکار ہوگا
حالات میں وہ کسی بھی قیمت پر مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا۔ میں نے کئی بار آنکھیں بند کر کے
ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ بمشکل تمام میں سارا لے کر اٹھی اور دو قدم آگے چلی۔ یکایک ہی میری
چمکتی ہوئی چیز پر پڑی اور میں نے جھک کر اسے اٹھا لیا۔ یہ ایک انتہائی قیمتی لائسنس تھا۔ میں نے لا
میں لیا اور کسی شرابی کی طرح لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ پھر اچانک ہی مجھے کار بھی نظر آئی
انداز میں نظر آئی، اسے دیکھ کر میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ نیلے رنگ کی کار،
تقریباً سو گز نیچے، جھاڑیوں اور درختوں میں الجھی پڑی ہوئی تھی اور جس انداز میں پڑی ہوئی تھی
کرنا بھی ایک مشکل کام ہے۔ اسے کار کے بجائے کار کے ٹکڑے کہا جاسکتا تھا۔ اسٹیرنگ ایک
شاخ پر لٹکا ہوا تھا۔ پیسز اور باڈی ایک دوسرے سے جدا ہو چکے تھے بلکہ نیچے گرے ہوئے شاید
بھی لگ گئی تھی یا گرنے سے پہلے لگا دی گئی تھی۔ باڈی اور چاروں ٹائروں سے اب بھی ہکا بکا

جانب بڑھا اور اس نے پچھلی سیٹ پر مجھے آرام سے لٹا دیا۔ پھر بولا۔

”اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ میں نہیں جانتا تھا کہ صورت حال اتنی سنگین میں ایک منٹ میں ابھی آیا۔“ وہ خود وہاں سے آگے بڑھا اور کنکریٹ کے پلیٹ فارم پر پہنچ کر کو ہدایت دینے لگا۔ اس نے ان سے جو کچھ بھی کہا، وہ میرے علم میں نہیں تھا لیکن واپس اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور اس نے کار اشارت کر کے آگے بڑھا دی۔ میں دونوں ہاتھوں پر ہتھی تھی اور اس کے بعد کچھ دیر گزری تو میں سدھیر پانڈے کی اس خوب صورت رہائش گاہ پر سدھیر پانڈے نے کسی تکلیف کے بغیر مجھے سہارا دیا اور ایک کمرے میں لے آیا۔ یہاں ایک ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

”ابھی ایک منٹ کے اندر ڈاکٹر آجاتا ہے۔ وہ تمہیں فوری طور پر فرسٹ ٹریٹ دے گا اور کمرے سے نکل گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے زخموں کی تکلیف کا اندازہ لگانے تو مجھے تھوڑی دیر کے بعد ہی ہو گیا کہ چوٹ تو لگی ہے لیکن اتنی سنگین نہیں کہ مجھے لمبے عرصے نقصان پہنچا دے۔ آنے والا ڈاکٹر نہیں بلکہ ڈاکٹر نی تھی۔ ایک عمر رسیدہ اور سنجیدہ سی عورت میرے زخموں کو دیکھا، دوا بخشن دینے اور بولی۔

”نہیں۔ کچھ بھی نہیں، معمولی سی بات ہے۔ انہیں کچھ پلائیے، کافی وغیرہ، کافی زیادہ بہتر خون کی روانی تیز ہو جائے۔“ کچھ دیر کے بعد ہی کافی آگئی اور سدھیر پانڈے نے کافی مجھے وقت اسے کسی فون کی اطلاع ملی تھی۔ وہ مجھ سے معذرت کر کے فون سننے کے لئے چلا گیا۔ رہی اور تھوڑی دیر کے بعد میری توانائیاں بحال ہونے لگیں۔ پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی آگیا۔ اس نے کافی کے برتن میں جھانکا اور اپنے لئے ایک پیالی بنانے لگا۔ چائے کی پیالی اپنے ہاتھ اس نے اس کے کئی سپ لے کر اور پھر کہنے لگا۔

”اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔ نہ ہی وہ تباہ شدہ کار میں تھا اور نہ ہی قرب کہیں جھاڑیوں وغیرہ میں اٹکا ہوا۔“

”میرا خیال ہے، اسے اغوا کیا گیا۔“ میں نے کہا۔

”سوفیصدی، اور مجھے یقین ہے کہ اسے کسی خفیہ مقام پر لے جایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے، اصل کرنے کے لئے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت ہانگ کانگ میں نہ ہو۔“

”مطلب؟“

”مطلب یہ کہ شاید اسے کہیں قرب و جوار میں لے جایا گیا ہو۔ ویسے لوگ اس کے لئے ہمیں بہت جلدی اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں گی۔“

”لوگ!“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں۔ میں بہر حال بہت سے لوگوں سے کام لے رہا ہوں۔ خیر چھوڑو، ایک بار پھر تم

بتاؤ۔“

اور میں نے ایک بار پھر اسے پورا واقعہ سنا دیا۔

”ان میں کوئی ایسا چہرہ جو پہلے سے جانا پہچانا ہو۔“ اس نے سوال کیا اور دفعتاً ہی میرے ذہن میں ان ہائیکس گھونٹنے لگیں اور ایک لمحے کے اندر اندر مجھ پر ایک عجیب انکشاف ہوا۔ وہ چہرہ میں نے پہلی بار دیکھا تھا اور اس کے بعد دوبارہ میرے سامنے نہیں آیا تھا لیکن اس وقت میرے ذہن پر ایک دم اثر سا ہوا اور میں نے کہا۔

”ہاں۔ ویسے تو مجھے وہ شکلیں بھی یاد ہیں۔ جس شخص نے پال پر حملہ کیا تھا، اب اس کی شکل مجھے یاد ہی ہے۔ پال نے ایک کرائے کے آدمی کے بارے میں بتایا تھا۔“

”اوہ ڈوگ۔“

”نہیں۔ پال نے اس کا کوئی اور نام بتایا تھا جو مجھے یاد نہیں۔“

”کرائے کے اس قاتل کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ میں اسے ڈوگ کہتا ہوں۔ اس کا مطلب کہ وہ ڈوگ تھا۔ ہوں ٹھیک، لیکن بات ذرا خطرناک ہو گئی۔ تمہیں پورا یقین ہے کہ یہ وہی آدمی تھا۔“

”ہاں۔“ میں اپنے ذہن پر زور دینے لگی جواب پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ وہاں جو کچھ بھی ہوا تھا، مجھے سب یاد آتا جا رہا تھا۔ اس پہلے شخص کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے گھوم گیا جس نے میرے سر پر لوہے کے ٹکڑے سے وار کیا تھا اور میں تکلیف سے کراہتی ہوئی پیچھے ہٹی تھی۔ پھر مجھے اس کا چہرہ آیا جس کے پیٹ پر میں نے خود ٹھوک ماری تھی اور وہ بلبلاتا ہوا دھرا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ہی یہ ایک مرحلہ آیا تھا، جب کار کے دوسری طرف سے پال کی چیخ سن کر میں نے آواز کی سمت دیکھا تھا ایک لمحے کے اندر وہ شخص میرے سامنے آگیا تھا جو پستول کے دھتے سے پال کے سر پر ضرب لگا رہا تھا۔ اس شخص کا چہرہ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی لیکن یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے اس شخص کے چہرے کے نچھوڑے پھیل گئی ہو۔ بہر حال پھر اس کا چہرہ میری نگاہوں میں آتا چلا گیا۔ دہلا پٹا کرخت چہرہ جس کے رخسار پر زخم کا لہبا نشان اور آنکھیں ایسی جیسی ان سے روشنی خارج ہو رہی ہو۔ میں نے پورے اعتماد ساتھ سدھیر پانڈے کو بتا دیا تھا کہ یہ وہی چہرہ تھا۔ سدھیر دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

”اگر تمہیں یقین ہے کہ یہ وہی آدمی ہے تو سمجھ لو، پال اب دنیا میں نہیں رہا اور اس کی تمام تر ذمے کارڈو پر عائد ہوتی ہے بلکہ سوفیصدی یہ کارڈو ہی کا ڈرامہ تھا۔“

”ممکن ہے۔ پال کو ان لوگوں نے ابھی قتل نہ کیا ہو اور اس سے تحقیقات کر رہے ہوں۔“

”پال کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر اس کے جسم کا ریشہ الگ کر دیا جائے، تب بھی کسی نے اس کی زبان کھلوائی نہیں جاسکتی۔“

”لیکن سٹریسڈ ہیر پانڈے، ہمیں اس امکان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی ذریعے کی زبان کھل گئی ہو۔“

”خیر، تم اس بارے میں ذہن نہ تھکاو۔ میں سب دیکھ لوں گا۔“ پھر وہ ایک لمحے کو رک کر دوبارہ دیکھو، یہ جگہ ہر طرح سے تمہارے لئے مناسب ہے لیکن یہاں کچھ ایسے لوگ آتے جاتے ہیں جن پر

میں یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا کہ تمہارے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا۔ تم یوں کرو، اپنی رہائش گاہ چلی اس کا انتظام کئے دیتا ہوں۔ وہاں میں سدھا چکرورتی کو بھیج دیتا ہوں لیکن سنو! میں اس سے یہ کہ تمہارا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔

”جیسا آپ مناسب سمجھیں مسٹر پانڈے۔“ میں نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنا گاہ پر پہنچ گئی۔ ابھی مجھے رہائش گاہ پر پہنچے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ سدھا بھی پہنچ گئی۔ اس لئے ضرورت سے زیادہ ہی فکر مند ہو رہی تھی حالانکہ ہمارے درمیان کوئی خاص تعلق بھی نہ تھا۔ کے روپے سے خاصی متاثر ہوئی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اس سے سونے کی اجازت مانگی۔

پھر جب میں سو کر اٹھی تو خود کو تازہ محسوس کر رہی تھی۔ میرے جاگتے ہی سدھا کے سوا دوبارہ شروع ہو گئے اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اصل واقعہ سنانے پر مجبور ہو گئی۔

”ہیں۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں دیدی! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ میرے ساتھ پیش آنے والا واقعہ حیرت سے بولی اور پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب رنگ آ جا رہا۔ دیر تک وہ خاموش رہی۔ اس کے بعد اس نے کہا۔

”جانتی ہو دیدی! یہ سب کچھ کیا تھا؟“

”کیا؟“ میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

”صرف ایک وارننگ۔ اگر سمجھ میں آنے والی بات ہو تو اسے سمجھنا چاہئے۔ اگلی مرتبہ وہ تم بھی کر سکتے ہیں۔“

میں نے سدھا کا چہرہ دیکھا، اس کی آنکھوں میں خوف اور چہرے پر ایک عجیب سی وحشت خاص طور سے دیکھتی رہی اور سدھا تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبی رہی پھر اس نے کہا۔

”تمہارا کیا خیال ہے دیدی! کیا تم میری باتوں پر یقین کر سکتی ہو؟“

”سدھا! یہ بات تم اتنے اعتماد سے کیسے کہہ رہی ہو؟“

”اس کی کچھ وجہ ہے دیدی!“ سدھا نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ الفاظ عجیب نہیں تھے لیکن قدر عجیب تھا کہ میں چونک کر سدھا کو دیکھنے لگی۔ پھر سدھا کے چہرے پر مجھے جو تاثرات نظر آئے نے بھی مجھے متاثر کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

”تم کیا کہنا چاہتی ہو سدھا؟“

”دیدی! میں ان سب کو اندر سے جانتی ہوں۔“ وہ بولی اور میں ایک دم چونک کر سیدھی ہو گئی۔ ”کیسے؟“ میں نے اس سے سوال کیا۔ سدھا زور سے ہو گئی تھی۔ وہ اپنی انگلیاں مردور رہی تھی۔

”اس لئے دیدی کہ میں ان لوگوں کے بہت قریب رہ چکی ہوں۔“

”کن لوگوں کے؟“

”وہی جن کا تم تذکرہ کر رہی ہو۔“

”تمہیں اندازہ ہے سدھا، تم جو کچھ کہہ رہی ہو۔“

”ہاں! لیکن یہ بھی اندازہ ہے کہ جو کچھ کہہ رہی ہوں، تمہارے سامنے کہہ رہی ہوں اور تمہیں میں اپنی بڑی بہن سمجھ چکی ہوں۔ مجھے معاف کرنا، ہر انسان کے اندر کچھ کمزوریاں، کچھ خامیاں ضرور ہوتی ہیں۔ میرے اندر بھی ہیں۔ اب یہ تو تم سوچ سکو گی کہ ایک شریف لڑکی یہاں تک کیسے پہنچی۔ خاص طور سے ان حالات میں، مطلب یہ کہ اس کیفیت میں۔“

”سدھا! کھل کر بات کرو۔“

”دیدی! میں تفصیلی وضاحت تو نہیں کر سکوں گی، لیکن یوں سمجھ لیجئے کہ کافی عرصے تک میں یو آن کارڈ کے لئے کام کر چکی ہوں۔“

”کیا؟“

”ہاں! یو آن کارڈ کے لئے کام کرتی رہی ہوں میں۔ میں تمہیں اپنا ماضی تفصیل سے نہیں بتاؤں گی کیونکہ میں نے اسے دفن کر دیا۔ یوں سمجھ لو کہ میری مجبوریاں اس حد تک بڑھ چکی تھیں کہ میں ختم ہو گئی تھی۔ میرے پاس ایک پائی تک نہیں تھی نہ کوئی چلنے والا تھا، نہ رہنے کا کوئی ٹھکانہ تھا۔ میں ایک دم مفلس تھی، اور ایسے لمحات میں کسی نے مجھے سہارا دیا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، کارڈ کا آدمی تھا۔ درحقیقت میں ایک جوئے خانے میں میزبان کی حیثیت سے کام کرنے لگی تھی۔ میرا کام وہاں آنے والے دولت مند لوگوں کو بھگانا تھا، وہیں میری ملاقات سدھیر پانڈے سے ہوئی تھی۔“

”ادھ! مجھے معاف کرنا، بڑا عجیب سا سوال کر رہی ہوں۔ کیا سدھیر سے تمہارے ہر طرح کے تعلقات رہ چکے ہیں؟“

اس نے سوال پر مجھے بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پھر بولی۔ ”میں سب کے ساتھ رہی ہوں لیکن آج بھی میں پو تر ہوں۔ بس ڈر اور پینے پلانے میں ان کے ساتھ شامل ہوتی رہی ہوں۔ یو آن کارڈ نے مجھے اپنی داشتہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اس سے تعاون نہیں کیا اور ٹھوکر کھاتی ہوئی سدھیر تک پہنچ گئی۔ اور اب میں سدھیر کے لئے کام کرتی ہوں لیکن..... لیکن دیدی! لیکن!“

”ہاں ہاں بولو لیکن کیا؟“

”اس کے آدمی اب بھی مجھ سے ملاقات کرتے ہیں اور حالیہ طور پر مجھے یہ ذمے داری سونپی گئی ہے کہ میں خاص طور سے تمہاری نگرانی کروں۔“

”ادھ میرے خدا!“ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

”کیا تم..... کیا تم ہمارے بارے میں رپورٹیں اب بھی انہیں دے رہی ہو؟“

”ہاں..... لیکن میں جان سے مار دینے کی دھمکیوں کے بعد اس کام پر آمادہ ہوئی ہوں۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے مجھے یہ بھی دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے ان کی بات نہ مانی تو وہ میری ماں کو شدید نقصان پہنچائیں گے۔ بس دیدی یوں سمجھ لو کہ مجھے ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے ہیں۔“

”میرے بارے میں تم نے انہیں کیا بتایا ہے؟“

”بس اتنا ہی جتنا میں جانتی ہوں۔ میں نے انہیں پال کے بارے میں بھی بتا دیا تھا کہ وہ کس میاں پہنچا ہے۔“ میں گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ جس ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے مجھے اس بات کا احساس ہوتا تھا کہ آخر ان کا ذریعہ معلومات کیا ہے۔

”اور کیا کیا بتایا تم نے انہیں؟“

”بس ایکل گرین سدھیر وغیرہ کے بارے میں تفصیل بتادی تھی میں نے انہیں۔“

”انہیں زیادہ دلچسپی کس سے ہے؟“

”پال سے۔ پال ان کے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔“

”اور سدھیر؟“

”زیادہ نہیں۔ کیونکہ میرے خیال میں وہ سدھیر کے بارے میں پہلے سے بہت کچھ جانتے ہیں۔“

”ایک بات بتاؤ، تم مجھے یہ سب کچھ کیوں بتا رہی ہو؟“ میرے اس سوال پر وہ اپنی جگہ سے اٹھی ا شلتی ہوئی دور تک چلی گئی پھر اس نے دور دور تک دیکھا۔ بہت دور درختوں کی جھومتی ہوئی شاخوں اس طرف سدھیر کی لہرس نظر آ رہی تھیں۔ وہ کافی دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر واپس مڑی اور میری طرف رخ کر کے بولی۔

”اس لئے کہ تم میری دیدی کی ہم شکل ہو۔ میں تمہیں سب کچھ سچ سچ بتانے کے بعد اپنے بار میں کوئی اور فیصلہ کروں گی۔ دیدی! میں اس زندگی سے تنگ آ گئی ہوں، دھوکے اور فریب کی یہ زندگی مجھ سے نہیں گزاری جا رہی، میں کوشش کروں گی کہ مجھے کوئی جگہ مل جائے، کوئی ایسی جگہ جہاں یا تو ان تمام چیزوں سے الگ ہو کر زندگی گزار سکوں یا پھر۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ نہ جاب کیوں مجھے اس پر سخت رحم آ گیا تھا۔ اس وقت وہ ایک معصوم بچی کی طرح رو رہی تھی اور بہر حال میں قدر سنگدل نہیں تھی کہ اس کے آنسو مجھے متاثر نہ کر سکتے۔

”نہیں سدھا! اب جب کہ تم مجھے آئی ہو اور تم نے مجھے اعتماد کا یہ مقام دیا ہے تو تمہیں اس طرف جانے کی ضرورت نہیں۔“

”تم میرے بارے میں سب کچھ جان کر بھی یہ بات کہہ رہی ہو۔“

”ہاں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے، اسے بھول جاؤ۔ سمجھو کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔“

”دیدی!“ وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور پھر دیر تک بچوں کی طرح ہلکے ہلکے کر روتی رہی۔ میں نے سوچا کہ چلو ٹھیک ہے، اس کے دل کی بھڑاس نکل جائے تو اچھا ہے۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

”دیکھو، ایک بات میں تم سے کہوں۔ میں جانتی ہوں کہ ان لوگوں نے تمہیں مجبور کر دیا ہے لیکن اب اگر ان کی طرف سے کوئی ہدایت ملے تو مجھ سے مشورہ کئے بغیر انہیں کوئی بات نہ بتانا۔“ تبھی اندر ٹٹا فون کی گھنٹی بجی تو میں سدھا کو ساتھ لئے ہوئے آگے بڑھ گئی اور میں نے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

”ہیلو، کیسی ہیں آپ“ ریسیور پر سدھیر کی آواز سنائی دی۔

”ٹھیک ہوں، مسٹر سدھیر بہت شکریہ۔“

”مس گیتا! مجھے اطلاع ملی ہے کہ پال کو ایک بجے پر لے جایا گیا ہے اور اس وقت وہ میکاؤ میں ہے۔ یہ بتائیے، آپ کی کیا کیفیت ہے؟“

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”کس حد تک میرا مطلب ہے، کسی ہنگامہ آرائی میں حصہ لے سکتی ہیں؟“

”سو فیصدی۔“

”تو پھر میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ اوکے میں نے تیاریاں کر لی ہیں، ہمیں میکاؤ روانہ ہونا ہے۔“ یہ کہہ کر ادھر سے فون رکھ دیا گیا تو میں نے بھی ریسیور رکھ دیا اور میں تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر میں نے مدھا سے کہا۔

”لباس تبدیل کرلو۔ ہمیں پال کو اغوا کرنے والوں کا پتہ چل گیا ہے اور ہم ان کا تعاقب کریں گے۔“ ”میں ابھی آئی۔“ اس نے کہا اور برق رفتاری سے دوڑتی چلی گئی۔ میں نے بھی اس کے جانے کے بدلے لباس تبدیل کیا اور تیار ہو گئی۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد سدھا بھی آگئی تھی، اس نے کہا۔

”باہر کار موجود ہے۔“

”یقیناً تم مجھے آسانی کے ساتھ سدھیر پانڈے کی رہائش گاہ تک لے جا سکتی ہو۔“

”کیوں نہیں۔“ اس نے پُر سکون لہجے میں کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں کار میں بیٹھے ہوئے سدھیر پانڈے کی رہائش گاہ کی طرف جارہے تھے۔ میں جانتی تھی کہ سدھیر نے اپنی طرف سے کوئی گاڑی غیر بھیجے کا فیصلہ اس لئے نہیں کیا تھا کہ اسے سدھا کے میرے پاس ہونے کا علم تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سدھیر کی رہائش گاہ پہنچ گئے۔ میاں سدھیر کا ملازم، ارا منتظر تھا۔ اس نے کہا۔

”آپ براہ کرم اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دیجئے۔ مسٹر سدھیر مجھے ہدایت کر گئے ہیں کہ مجھے آپ لوگوں کو مال لے جانا ہے۔“ ہم لوگوں نے خاموشی سے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور کچھ لمحوں کے بعد ہم دوسری ٹری میں بیٹھ کر کافی فاصلے پر جیٹی پر پہنچ گئے جہاں سدھیر پانڈے موجود تھا اور اس وقت وہ جس جگہ کھڑا تھا وہاں ساحل پر ایک بہت ہی شاندار جیٹ فائل نظر آ رہا تھا، اس کا انجن اشارت تھا۔ بالکل بے آواز نہ تھا لیکن پانی میں ہلکی ہلکی لہرس پیدا ہونے سے پتہ چل رہا تھا کہ انجن اشارت ہے۔ اس نے ہم دونوں دیکھا پھر مدھم سے لہجے میں بولا۔

”ادھو سدھا بھی ساتھ ہیں۔ خیر آؤ تم دونوں۔“

”کیوں مسٹر سدھیر پانڈے، کیا سدھا کا اس وقت یہاں موجود ہونا مناسب نہیں تھا؟“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، اصل میں..... چلو خیر چھوڑو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔“ اس نے اور اس کے بعد ہم دونوں کو لئے ہوئے آگے بڑھا پھر ہم ساحل پر لنگر انداز اس خوبصورت اسٹیمر پر پہنچے جسے دور سے ہی دیکھ کر ایک کھلونے کا نام دیا جا سکتا تھا۔ فوگ یہاں موجود تھا اس لئے یہ محسوس ہو رہا

بڑے سے کہا۔

”تمہارے لئے یہ اطلاع بڑی ولچپ ہوگی مسٹر پانڈے کہ ہماری دوست سدھا کسی زمانے میں یوآن بارڈو کے لئے بھی کام کرتی رہی ہے۔“

”کیا؟“ سدھیر پانڈے اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی اور پھر بولا۔ ”لیکن کس شیت سے؟“

”میں اس کے کلب کی میزبان تھی۔“ سدھانے سست لہجے میں کہا۔

”لیکن یہ کب کی بات ہے۔ ویسے اس کے کئی نائٹ کلب جزیرے پر پھیلے ہوئے ہیں بلکہ اس کے ایک کلب کا ممبر تو میں بھی تھا۔ میں وہاں جایا کرتا تھا لیکن تقریباً دو سال پہلے کی بات ہے۔“

”یہ ان دنوں کی بات ہے، جب میں ہانگ کانگ میں نئی نئی آئی تھی لیکن میں نے آپ کو اس کے کس کلب میں کبھی نہیں دیکھا۔“

”ہو سکتا ہے، ویسے میرے اور اس کے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ ایک بار اس کے کلب میں نے ایک بہت بڑی رقم جیتی تھی لیکن اس نے اس رقم کی ادائیگی سے صاف انکار کر دیا تھا۔ میں نے اس کے غیر قانونی کاروبار کے بارے میں پولیس کو اطلاع دینے کی دھمکی دی تو اس نے وہ رقم ادا کر دی لیکن اس کے ساتھ ہی میری کلب کی ممبر شپ منسوخ کر دی۔ خیر! اس کے بعد تو میں خود بھی وہاں نہیں جانا پاتا تھا۔ وہ بہت ذلیل انسان ہے۔“ یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے سدھیر پانڈے کے لہجے میں تلخی ابھر آئی اور پھر بولا۔ ”لیکن اب میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے یہ موقع ملا تو میں اس سے پورا فائدہ اٹھاؤں گا۔“

”توڑی دیر کے بعد یہ سب کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔“

میں سدھا کو اشارہ کر کے باہر آئی۔ خوشگوار دن تھا ہوا زیادہ تیز نہیں تھی۔ سمندر کی سطح پر ہلکی ہلکی مرس اٹھتی نظر آرہی تھیں۔ تیس منٹ کے بعد سمندر کے پانی کا رنگ بدل گیا۔ اب اس میں نیلا ہٹ کے بجائے گدلا پن محسوس ہو رہا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک اور جزیرہ نظر آنے لگا۔ ساحل پر پر ہنگامی دور کی بلند فصیلیں، اس کے دائیں بائیں فلک بوس درختوں کی قطار دکھائی دینے لگیں۔ ان کے دائیں طرف خوبصورت عمارتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ بہر حال یہ سفر جاری رہا اور اس کے بعد اسٹیمر ٹرینل پر رک گیا۔ کسٹم اور امیگریشن سے نکلنے میں ہمیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ویسے بھی یہ ہانگ کانگ میں رہنے والوں کا روز کا عمل تھا۔ انہیں اس معاملے میں زیادہ پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ بہر حال پاسپورٹ پر جو مہر لگائی گئی، وہ پرکھ لیا۔ سدھیر پانڈے نے یہاں آنے سے پہلے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دی تھی۔ ہم لوگ ٹرینل سے باہر آئے تو ایک شاندار کار ہماری منتظر کھڑی تھی۔ ایک ڈرائیور مؤدب انداز میں ہمارے استقبال کے لئے موجود تھا۔ کار میں بیٹھنے کے بعد ڈرائیور نے کار اشارت کی اور کار سیدھی چل پڑی۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ بائیں طرف مڑ گئی۔ دائیں سمت ٹیلوں پر شہر آباد تھا۔ ویسے یہ جزیرہ میکاؤ اگرچہ رقبے کے لحاظ سے ہانگ کانگ سے چھوٹا ہے لیکن اس کا اپنا ایک انداز ہے۔ چھوٹی چھوٹی سی تنگ گلیاں اور ٹریفک کا جھوم اور زندگی کے ہنگامے بہت زیادہ ہیں۔ جس سڑک پر ہم جا رہے تھے، اس کے دائیں بائیں وسیع

تھا کہ فوگ خصوصی طور پر سدھیر پانڈے کا آدمی ہے۔ پھر ہم دونوں اسٹیمر تک گئے اور اسٹیمر کے خولہ کیمبن میں داخل ہو گئے۔ اس نے ہمیں یہاں چھوڑا اور کھٹے لگا۔

”میں بہت بھوکا ہوں، اس لئے کچھ کھاؤں گا۔ تم لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟“

”نہیں ہمیں اس کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔“

”لیکن پھر بھی کافی تو۔“

”ہاں، اس خوبصورت موسم اور شاندار اسٹیمر پر کافی پیسے کا لطف دوہلا ہو جائے گا۔“ وہ وہاں گیا اور چند ہی لمحوں کے بعد اسٹیمر حرکت میں آ گیا۔ میں نے کیمبن کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ اس کی سطح پر تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اس کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ پھر وہ خاصی تیز رفتاری سے دوڑنے لگا۔ ہانگ کانگ کی سرسبز پہاڑیاں تیزی سے پیچھے جانے لگیں۔ سامنے بہت دور لامہ کی پہاڑی آرہی تھی اور پھر وہ بھی پیچھے رہ گئی۔ اب ہم کھلے سمندر میں تھے اور خوبصورت سفر شروع ہو گیا۔ کافی وغیرہ کے ساتھ واپس آ گیا اور اسٹیمر کے ایک ملازم نے کافی ہمارے سامنے سرو کر دی۔ وہ کھانا میں مصروف ہو گیا اور ہم بدستور باہر کا جائزہ لیتے رہے۔ میں محسوس کر رہی تھی کہ سدھا کے چہرے پر بھی غم کے تاثرات ہیں، غالباً ابھی سدھیر پانڈے کے الفاظ نے اسے دکھی کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر اچانک ہی سدھیر پانڈے بول پڑا۔

”مجھے اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ تم ایک بہترین کارکردگی کی حامل ہو رہے ہو گیتا! اور سدھ بارے میں بھی اچھی طرح جانتا ہوں لیکن صورت حال کی مزید وضاحت ضروری ہے۔ ہماری اطلاع مطابق وہ تینوں آدمی جنہوں نے تم پر حملہ کیا تھا، وہاں سے سیدھے ساحل سمندر پر گئے تھے۔ جہاں ایک اسٹیمران کا منتظر تھا۔ آدھی رات کے بعد یا آج صبح کسی وقت یہ اسٹیمر روانہ ہو گیا ہو گا اور روانگی میں تاخیر کی وجہ سمجھ میں آئی۔ وہ یہ کہ وہ لوگ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ کہیں ان کی گرفت نہیں کی جا رہی، ممکن ہے انہیں ریڈیو ٹرانسمیٹر پر مختلف ہدایات بھی ملتی رہی ہوں لیکن یہ سب اندازے ہیں۔ بہر حال رات کے پچھلے پہر ان کا اسٹیمر بندرگاہ سے نکل گیا تھا اور میرے اندازے کے مطابق اس کا رخ میکاؤ کی طرف ہے۔“ میں کچھ لمبے تک سوچتی رہی پھر میں نے کہا۔

”آپ کا کیا خیال ہے مسٹر سدھیر! کیا وہ لوگ میکاؤ پہنچ گئے ہوں گے؟“

”میکاؤ تک کا سفر تین چار گھنٹے کا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ اب تک میکاؤ پہنچ گئے ہوں گے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لوگ کہاں ہوں گے۔“

”ہوں لیکن یہ ضروری تو نہیں ہے کہ وہ میکاؤ ہی گئے ہوں۔ ویسے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کو کہاں لے جایا گیا ہو گا۔ اصل میں میری خواہش ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ پال کو کسی ایسی جگہ پر پہنچا جہاں ہمیں اس کو تلاش کرنے میں دقت پیش آئے ان پر ہاتھ ڈال دیا جائے۔“ سدھیر پانڈے کی بات کا نے یا سدھانے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ سدھا کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی اور ہمیں سفر بڑا پرسہ محسوس ہو رہا تھا۔ میں کچھ اور سوچ رہی تھی اور اپنی سوچ کے مطابق میں نے ایک فیصلہ کیا اور سدھا

ہے، وہ قلعہ میں گئے ہوں یا پھر ابھی ساحل پر ہی ہوں۔" جوشو کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔
تھوڑی دیر تک وہ ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر بولا۔

"لیکن ایک بات بتاؤ۔ کیا تمہارے خیال کے مطابق یہ سب کچھ کارڈو کے اشارے پر ہوا ہے اور وہ کالا سانپ یعنی کرائے کا قاتل اس سلسلے میں ملوث ہے۔ ویسے میں تمہیں بتاؤں پانڈے! اس خطرناک کھیل کے لئے تم نے بہت ہی خطرناک لوگوں کا انتخاب کیا ہے۔ تم جانتے ہو کہ اس کا مکان میرے ہوٹل کے سامنے ہے اور اکثر میں نے یوآن کارڈو کو اپنی بلٹ پروف کار میں آتے جاتے دیکھا ہے۔ کیا وہ اس بات کا پتہ نہیں لگا لے گا کہ تم مجھ تک پہنچے ہو۔"

"اگر تم ہماری یہاں موجودگی کو خطرناک محسوس کر رہے ہو تو ہم ایک لمحے بھی یہاں رکتا پسند نہیں کریں گے۔" سدھیر پانڈے نے سر دھجے میں کہا۔

"ارے نہیں، نہیں ایسی بھی کیا بات ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو مجھے۔ ویسے جو شخص اغوا کیا گیا ہے، اس کا کارڈو سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"کارڈو سے اس کا براہ راست تعلق ہے بھی اور نہیں بھی۔ ویسے وہ شخص بھی ہولی گارون کے لئے کام کرتا ہے اور صفائی بھی ہے۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔ سنا ہے، پچھلے کچھ عرصے سے دنیا بھر کے صحافیوں کی ہولی گارون سے چل گئی ہے۔ خیر چھوڑو، مجھے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ بتاؤ، میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ البتہ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم سانپ کے ٹل میں ہاتھ ڈال رہے ہو۔ جن لوگوں سے تم نے جھگڑا مول لیا ہے، وہ ہاتھی سے زیادہ طاقتور اور مضبوط ہیں اور تم جانتے ہو، وہ جو مثال کہی جاتی ہے ناکہ ہاتھیوں سے گنا چھیننا آسان کام نہیں ہوتا۔"

جوشو کے ان الفاظ پر سدھیر پانڈے کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے شدید غصے کے آثار نمودار ہوئے تھے لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا ہے۔ دفعتاً جوشو کا ایک آدمی دوڑتا ہوا اندر آیا اور اس نے کسی قدر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"سیاہ رنگ کی ایک سیڈان باہر آکر رکی ہے مسٹر جوشو اور اس میں سے چھ مسلح افراد اترے ہیں۔"

جوشو ایک دم چکر گیا۔ پھر اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"تم لوگ ایک لمحے کے لئے رکو۔ میں واپس آتا ہوں۔" سنسنی کی ایک شدید لہر ہمارے جسموں میں دوڑ گئی تھی۔

جوشو کوئی تین چار منٹ کے بعد واپس آیا تھا۔ اس دوران یہاں جتنے افراد تھے سب کے سب سانس روکے ہوئے اس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے اور پھر بھی کی نگاہ جوشو پر پڑی۔ اس کے ہونٹوں کی مدھم مگر اہٹ اور چہرے کے پرسکون انداز نے کم از کم اس بات کا اظہار کر دیا کہ حالات بگڑے ہوئے نہیں۔ اندر آتے ہی اس نے بغیر کسی تہدید کے کہا۔

"نہیں۔ وہ غیر متعلق لوگ تھے اور مجھ سے کچھ معلومات حاصل کرنے آئے تھے۔ میں تو واقعی ڈر گیا

مکانات تھے۔ مکانوں کے سامنے ٹینس کورٹ بھی نظر آرہے تھے۔ ایک چوراہے سے ہم لوگ دائیں مڑ گئے۔ یہ سڑک بل کھاتی ہوئی بتدریج بلندی کی طرف جاری تھی۔ بہت دور بلندی پر ایک بلند عمارت گاہ نظر آ رہی تھی جس کا کلس آسمان کو چھوتا محسوس ہوتا تھا۔ راستے طے ہوتے رہے اور ایک پار اچانک وہ دائیں طرف مڑ گئی۔ سڑک کے اس سمت ایک انتہائی اونچی دیوار تھی جو دور تک چلی گئی، دیوار میں ایک جگہ بہت اونچا آہنی گیٹ لگا ہوا تھا۔ سدھیر نے مجھے اس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور اس سے ہی اندازہ لگا لو کہ یوآن کارڈو کس حیثیت کا مالک ہے۔ یہ اس کی رہائش گاہ ہے۔"

"اوہ میرے خدا! یہ تو ایک قلعہ نظر آتا ہے۔" میں نے کہا۔

"یقیناً اندر سے بھی قلعہ ہی ہے۔" اس دیوار سے تقریباً پچاس گز آگے نکل جانے کے بعد کارا پرانی عمارت کے سامنے رک گئی۔ جس پر ایک ہوٹل کا پرانا بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس عمارت کو دیکھ کر اندازہ جاسکتا تھا کہ باہر کی طرح یہ اندر سے بھی ویران ہی رہتی ہوگی۔ بہر حال یہاں ہم کار سے اتر گئے اور سد پانڈے نے ہم دونوں کو آگے آنے کا اشارہ کیا اور جب ہم دونوں نیچے اتر آئے تو ہمارے ساتھ چلتے ہو

ہوٹل کی یہ عمارت دیکھنے میں تو کھنڈر نظر آتی ہے لیکن اندر سے یہ بہت اچھا ہوٹل ہے۔ ار مالک جوشو میرا پرانا دوست ہے۔" ہوٹل کی عمارت تک جاتی ہوئی میری نگاہیں ایک بار پھر اس قلعہ عمارت پر اٹھ گئیں۔ قلعے کی اونچی دیوار چاروں طرف حصار قائم کئے ہوئے تھی۔ گیٹ کے ساتھ آ چھوٹی سی بریج بھی نظر آ رہی تھی۔ یہ بریج چاروں طرف سے درختوں سے گھری ہوئی تھی۔ غالباً سد پانڈے نے میری توجہ کو محسوس کر لیا اور کہنے لگا۔

"بہت محفوظ جگہ بنائی ہے، یوآن کارڈو نے۔ اس میں داخل ہونا آسان کام نہیں ہے۔ اوہو دیکھو میرا دوست جوشو۔ شاید اسے میری آمد کے بارے میں علم ہو گیا۔" جوشو نسلی اعتبار سے دوغلا یعنی چینی پر ٹنگی تھا۔ اس کی عمر چالیس سال کے قریب رہی ہوگی۔ دائیں رخسار پر ایک چھوٹا سا زخم کا نشان نظر آ تھا۔ بہر حال سدھیر پانڈے سے وہ بہت گہرے دوستوں کی طرح مل۔ اور ہم تینوں کو اپنے کیمین میں گیا۔ یہاں معمولی سا فرنیچر بڑا ہوا تھا لیکن اس نے بڑے خلوص سے ہمیں بیٹھنے کی پیش کش کی اور کہنے لگا "بہت دن کے بعد ادھر کا رخ کیا۔ مجھے پتا ہے کہ تم مصروف آدمی ہو۔"

"ہاں لیکن ان دنوں بوڑھا سانپ بہت پریشان کر رہا ہے۔"

"یوآن کارڈو، خیریت؟"

"بس اس نے ہم لوگوں کو پریشان کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے اور اسی سلسلے میں کام کر رہا ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان مسئلہ چل رہا ہے۔ یہ میری بہت ہی اچھی ساتھی روہن گپتا ہیں۔ کارڈو اپنے آدمیوں کے ذریعے ان پر حملہ کرایا اور وہ میرے ایک آدمی کو اغوا کر کے لے آئے۔"

"آہا..... میری اطلاع کے مطابق بوڑھا قاتل گزشتہ رات یا آج صبح اس طرف آیا ہے۔ ہو سکتا

ہوگی کہ یہاں کوئی کام کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ اس کے علاوہ اگر تمہارا دوست اس عمارت میں بھی ہے تو اسے حاصل کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ اگر اسے کہیں لے جایا جائے تو پھر اس کی زندگی کی کیا ضمانت ہو سکتی ہے۔ بھلا یہ بات آسانی سے کہی جاسکتی ہے۔

”دیکھو دوست! ہم تمہارے اس ہوٹل میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری تمہاری دوستی اپنی جگہ لیکن اس میں تم جو بھی معاوضہ طلب کرو گے ہمیں ادا نہیں کی جائے گی۔ ساتھ ساتھ ہی تم اس سلسلے میں مدد کرو گے تو جو رقم میں نے تمہیں دینے کا وعدہ کیا وہ تمہاری اپنی ملکیت ہوگی۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں لیکن ابھی مجھ سے اس بارے میں کوئی سوال نہ کرو۔ میں ناگامی میں کیا کر سکتا ہوں بس ایک آئیڈیا ہے میرے ذہن میں جس پر عمل کرنے کے لئے پہلے میں طور پر کوشش کر لیتا ہوں اس کے بعد تمہیں بتاؤں گا۔“ خاموشی کے علاوہ چارہ کار کیا تھا۔ چنانچہ اس میں ایک کمرہ دے دیا اور ہم اس کمرے میں منتقل ہو کر مختلف مصروفیات میں مصروف ہو گئے۔ بہر حال یہ لیکن دلکش جگہ تھی۔ ایک سمت تو وہ پراسرار قلعہ اور دوسری سمت وہ بندر گاہ جس کا منظر کھڑکی پر آ رہا تھا۔ شام کو تقریباً پانچ بجے جوشو واپس آیا اور اس نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

”کچھ کام بننا ہے کیا سمجھو۔“ ہم سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے تو جوشو نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ”اس ہوٹل کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے اور اس تہہ خانے کے راستے سے ایک سرنگ سرحد کے نیچے دیتی ہوئی اس قلعہ نما مکان تک چلی گئی ہے۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے اور میں صرف تمہیں بول کہ کسی زمانے میں یہ ہوٹل جو ہے اسی قلعہ نما عمارت کا ایک حصہ تھا بلکہ اس کی انہیسی کہہ سکتے ہیں اس قلعہ کی عمارت میں جو لوگ رہا کرتے تھے وہ ان کا اپنا گیسٹ ہاؤس تھا اور اس گیسٹ ہاؤس ان کے درمیان زیر زمین ایک خفیہ راستہ بنایا گیا تھا۔ بات اصل میں یہ ہے کہ پرانے لوگ درپردہ کرنے کے ماہر ہوا کرتے تھے اور یہ سب کچھ اسی سازش کے سلسلے میں کیا گیا تھا۔ میں نے جو آئیڈیا وہ یہ تھا کہ میرا ایک دوست جو ایک معمولی سا ملال ہے ایک بار اس کا تذکرہ کر رہا تھا اور مجھ سے اس نقشہ فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا جو تہہ خانے میں سرنگ کی تلاش کے سلسلے میں استعمال کئے جاسکتے تھے خانہ میں دیکھ چکا ہوں لیکن سرنگ کا تذکرہ بہت بعد میں ہوا تھا۔ خیر یہ ایک عجیب و غریب کہانی ہے تفصیل میں تمہیں بتاتا ہوں۔ جو یقیناً تمہارے لئے دلکشی کا باعث ہوگی۔“ جوشو نے کہا اور اپنی جگہ کھڑکی سے آنے والی روشنی سے اس کے چہرے کا زخم کچھ اور نمایاں ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی ایک پراسرار سانپ کی کیفیت سے مشابہہ تھی۔ بہر حال اس انکشاف پر ہم لوگ واقعی اس کی طرف دنگے تھے اور شدید سنسنی محسوس کر رہے تھے۔ خاص طور پر جوشو اس تمام کارروائی کو ایک رنگ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ جس میں اس وقت وہ کامیاب ہو گیا تھا اور ہم اس پراسرار ماحول میں رہا گاہ کی جانب ہنگامہ آرائی تھی اور ایک طرف بالکل سکون، ہماری آنکھیں اس کی طرف متوجہ جوشو کو خود بھی احساس تھا کہ وہ ایک انتہائی سنسنی خیز انکشاف کرنے جا رہا ہے۔ ظاہری بات ہے اسے پہلے بھی اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوں گی لیکن اس وقت ایسا کوئی اہم مسئلہ پیدا نہ

تھا۔“ سدھیر پانڈے برا سامنے بنایا تھا جوشو پھر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور بولا۔

”ہاں۔ تو میں تم سے یہ پوچھ رہا تھا کہ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

”جوشو! یہ معلوم کرو کہ ہمارا ساتھی کہاں ہے۔ ہمیں اسے حاصل کرنے کے لئے بھی تمہاری درکار ہوگی۔“

”پانڈے! میرے دوست! میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ تم نے اس کھیل کے لئے خطرناک لوگوں کا انتخاب کیا ہے۔ تم ان بھیڑیوں سے جنگ نہیں کر سکتے اور فرض کرو میں یہ معلوم بھی کر لوں کہ نام بتایا تم نے اس کا پال ہاں۔ اگر میں یہ معلوم کر لوں کہ پال کو یہاں رکھا گیا ہے تو تم اسے حاصل کرنے میں ناکام رہو گے۔“

اس سلسلے میں ایک بہت بڑی رقم بھی درکار ہے جوشو!“ سدھیر پانڈے نے کہا۔

”رقم۔“ جوشو کی آنکھیں چمکنے لگیں اور میں سمجھ گئی کہ یہ شخص حد سے زیادہ لالچی ہے اور جب رقم وغیرہ کا کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن پانڈے نے اس کا تذکرہ کیا تھا اس کی وجہ جوشو کی آنکھوں میں نظر رہی تھی۔

”ہاں اور اس میں تمہارا بھی ایک حصہ ہوگا۔ ایک اتنا حصہ جسے تم نظر انداز نہیں کر سکتے۔“ جوشو کی آنکھوں میں عجیب و غریب تاثرات نظر آنے لگے۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ عجیب کشش کا شکار ہو۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”صرف ایک طریقہ ہے اگرچہ مشکل اور خطرناک ہے، لیکن میں یہ خطرناک راستہ اختیار کرنے کو تیار ہوں۔ چونکہ ان دنوں مجھے رقم کی سخت ضرورت ہے۔“

”کیا تم ہمیں جاسکو گے مسٹر جوشو!“ اچانک ہی میں بول پڑی۔ جوشو نے میری طرف دیکھا اور پھر بولا۔

”کوئی ایسا سوال نہیں کیا جانا چاہئے جس کا جواب ناپسندیدہ ہو۔“

”لیکن جوشو ایسی کوئی بات ہمیں پتہ تو چلے۔ کوئی آئیڈیا ہے تمہارے ذہن میں؟“

”ہاں لیکن یہاں اس سلسلے میں ایسی کوئی بات نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ میں سوچنا بھی چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے تم کسی اچھے سے ریٹورنٹ میں کھانا کھاؤ۔ ہم چار بجے اس سلسلے میں تفصیل سے بات کریں گے۔“

”جوشو! یہ معاملہ بہت اہم ہے ہم وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے تم جانتے ہو کہ ہم یہاں کھانا کھانے! تفریح کرنے نہیں آئے۔ میرے دوست کی زندگی خطرے میں ہے اور ہو سکتا ہے وہ ابھی تک اپنی زندگی کو بیٹھا ہو۔ زبان کھلوانے کے لئے اس پر شدید تشدد کیا جا رہا ہو۔ ہم اسے ہر قیمت پر فوراً حاصل کرنا چاہتے ہیں۔“

”میں سمجھ رہا ہوں۔ سمجھ رہا ہوں اور یقینی طور پر یہ پریشانی کی ہی بات ہے لیکن بہر حال ایک بات میں تمہیں بتا دوں کہ اگر تم اس قلعہ نما عمارت کے اندرونی معاملات سے واقف ہو تو پھر تمہیں یہ بات

ہوا ہو گا جو اس سرنگ کے استعمال کی ضرورت پیش آتی۔ تھوڑی دیر تک جوشو خاموش رہنے کے بعد ”اگر تم لوگ خود بھی غور کرو تو یہ تمام صورت حال اتنی سنسنی خیز ہے کہ بدن کے رونگٹے جاتے ہیں حالانکہ اس وقت یہ اتنی سنسنی خیز نہ ہوگی جب اس سرنگ کا انکشاف ہوا تھا۔ اس وقت خیر اس لئے ہے کہ اس سرنگ کے دوسری جانب یعنی اس قلعے نما مکان میں مشرق بعد کا سب سے آدمی رہتا ہے۔ یہ بات تم لوگوں کو تسلیم کرنا پڑے گی کہ اس وقت ہانگ کانگ اور اس کے مضافاتوں میں یو آن کارڈو کا نام سنسنی اور خوف کی علامت ہے۔“

”تم جس قدر تجسس پیدا کر سکتے ہو کرلو ہم اسے برداشت کرتے رہیں گے۔“ سدھیر پانڈے اور ناخوشگوار لہجے میں کہا اور جوشو ہنسنے لگا پھر بولا۔

”نہیں، یقین کرو میں خود بھی سنسنی کا شکار ہوا تھا اس وقت جب مجھ پر یہ انکشاف ہوا تھا۔ ان باتوں کو بس یوں سمجھ لو کہ مجھے خود بھی اس بات کی امید نہیں تھی کہ تمہ خانے کے یہ نقشے یہ ہے سرنگ کا یہ نقشہ اس طرح حاصل ہو جائے گا۔ بس یہ سمجھ لو کہ اچانک اور اتفاقیہ طور پر دریافت ہو گئی تھی اور جن لوگوں نے یہ سرنگ دریافت کی تھی وہ خود حیران رہ گئے تھے۔ ایک ملازمہ فرش کی صفائی کرتے ہوئے پانی کی بالٹی گر جانے کی وجہ سے پریشان ہو گئی تھی۔ پھر اچانک ہی پانی ایک خفیہ سوراخ سے نیچے بہ گیا۔ ملازمہ حیران رہ گئی اس کے بعد اس نے مکان کے مالکوں سے تذکرہ کیا۔ وہ تمہ خانے کے فرش میں ایسی جگہ تلاش کرنے لگے جہاں سے پانی کی پوری بالٹی غائب اور انہیں پتا چلا کہ فرش کے نیچے سیڑھیاں ہیں۔ جو یہاں سے خفیہ سرنگ تک چلی جاتی ہیں۔ ہر فطری بات ہے کہ ان کے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ آخر یہ سرنگ جاتی کہاں ہے۔ چنانچہ وہ سرنگ گئے اور انہیں اس بات کا علم ہوا کہ یہ سرنگ سڑک کے نیچے سے ہوتی ہوئی پہلے قلعہ نما مکان کے خانے تک چلی جاتی ہے۔ یہ خاصی پرانی بات ہے اس وقت یہ قلعہ نما مکان خالی پڑا ہوا تھا چنانچہ ایک تمام لوگ جنہوں نے یہ تمہ خانہ اور سرنگ دریافت کی تھی، موقع پا کر اس مکان میں داخل ہو گئے نے تمہ خانے والا کمرہ تلاش کر لیا۔ پھر تمہ خانے کے فرش میں انہیں سرنگ کا راستہ تلاش کرنے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ انہوں نے کسی کو اس دریافت کے بارے میں بتائے بغیر سرنگ کے طرف کے راستے بند کر دیئے اور پھر بھول گئے۔ پھر اس کے بعد انہوں نے دوبارہ کبھی اس سرنگ کو کرنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔“

”اس کا مطلب ہے کہ ان نقشوں کے ذریعے ہم اس سرنگ کو با آسانی تلاش کر سکتے ہیں۔“

”تلاش کیا کر سکتے ہیں سمجھو تلاش کر لی۔“

”مطلب؟“

”مطلب یہ کہ ان نقشوں کے بارے میں مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے۔ یہ میرے ہوا واقع ہیں۔ کسی اجنبی جگہ نہیں۔“

”یہ تو بڑی دلچسپ بات ہے۔“

”ہاں بات تو دلچسپ ہے لیکن دوسری طرف کا کیا ہو گا؟“ اس نے سوال کیا اور کچھ لمحوں کے لئے موٹی مٹاری ہو گئی اس کے جواب کوئی نہیں دے سکتا تھا تب جوشو خود ہی بولا۔

”کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اب یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اب اس سرنگ کی کیا کیفیت لی۔“

”سرنگ کے خفیہ دروازے کے بارے میں تم اندازہ لگا سکتے ہو۔“ اس بار میں نے سوال کیا۔

”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ان نقشوں کے مطابق اس سیاہ پتھر کو میں بھی جانتا ہوں۔ جس پر دباؤ لے کے بعد یہ دروازہ کھل سکتا ہے۔“

”سیاہ پتھر؟“

”ہاں دیکھو نقشوں میں یہ جگہ چوکور سیاہ نقطے کی شکل میں صاف نظر آ رہی ہے۔“ اس نے ایک کانڈے کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔ ویری گڈ۔ واقعی ایسا ہے لیکن فرض کرو اگر تم دوسری طرف کے تمہ خانے میں پہنچ بھی جاؤ تو اگے کیا کرو گے؟“

”بھگ ماریں گے۔“ جوشو نے جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“

”یہ بات تو تم بتاؤ کہ اگر ہم وہاں پہنچ جاتے ہیں تو اپنے ساتھی کو کیسے تلاش کرو گے؟“

”ہاں۔ یہ واقعی سوچنے والا اور اہم ترین مسئلہ ہے۔“ میں نے ایک نگاہ سدھا پر ڈالی وہ ہماری تمام اگو دلچسپی سے سن رہی تھی۔ میری نگاہیں اس سے ملیں تو وہ مسکرا دی پھر اس نے کہا۔

”میرا خیال ہے مسٹر ہال بلینڈ کو چھپانے کے لئے بھی تمہ خانے سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ تاہم اسے اسی تمہ خانے میں چھپایا گیا ہو یا اس سے منسلک کسی دوسرے کمرے میں۔“ سدھا چکرورتی لفظ سب کے لئے سنسنی خیز تھے۔ جوشو نے تعریفی نگاہوں سے سدھا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ لڑکی پہلی بار بولی ہے لیکن جو کچھ اس نے کہا ہے وہ اس قدر جامع اور موثر ہے کہ ایک دم سے لگتا ہے۔ حالانکہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اتنے عظیم الشان مکان میں کچھ اور بھی تمہ خانے نہ ہوں۔ اب سرنگ والے تمہ خانے سے بھی عمدہ تمہ خانے اس عظیم الشان مکان کے نیچے پھیلے ہوئے ہوں بہر حال اس بات کو ذہن میں رکھنے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر وہ اتفاقیہ طور پر تمہ خانے میں تو پھر اسے پورے مکان میں تلاش کیا جائے گا اور اگر کوئی موقع نہ مل سکا تو پھر ہم یہ بات وہاں موجود سے پوچھیں گے ہو سکتا ہے ان میں خود یو آن کارڈو بھی شامل ہو۔“

”اس وقت تو سچی بات یہ ہے کہ ہولی گارون کے بجائے یو آن کارڈو کا نام منظر عام پر آیا ہوا ہے۔“

”کہا۔“

”اس کی وجہ ہے میڈم! ہم اس وقت یو آن کارڈو ہی سے جھگڑا کر رہے ہیں۔“

”خیر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم یہ آپریشن کیسے ہینڈل کرو گے۔“ جوشو نے سوال کیا اور میں کھڑکی

سے باہر دیکھنے لگی جہاں چھوٹے بڑے کئی اسٹیر آ جا رہے تھے۔ ایک بڑا اسٹیر جینی کی جانب بڑھ رہا تھے کی خاموشی کے بعد سدھیر پانڈے نے کہا۔

”ہم ہر ممکن احتیاط کریں گے تاکہ ہمیں ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔“

”اچھا یہ بتاؤ۔ کتنے افراد وہاں تک جانا چاہو گے؟“ جو شو نے پھر سوال کیا اور سدھیر پانڈے گہرے میں ڈوب گیا پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

”میں اور کسی کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جہاں تک میرا اپنا تعلق ہے میرے لئے تو یہ

ہے کیونکہ پال میرے بہترین دوستوں میں ہے اور جہاں تک میرا اپنا تعلق ہے یہ سچی بات ہے کہ :

راستہ یو آن کارڈو سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ بھیڑیوں کا ہٹ ہے اور اس قسم کے

خونی معرکہ میں شامل ہونا میرے لئے ایک سنسنی خیز تجربہ ہوگا لیکن بہر حال اگر ہم زیادہ افرہ کی

کرتے ہیں تو میرے اسٹیر کا عملہ بھی ہے جو بہترین لڑاکے ہیں اور اس سے پہلے کئی معرکوں میں جہ

چکے ہیں۔ اس کے علاوہ میں ہوں اور بس.....“ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا

”تم بھول گئے ہو ڈیزر سدھیر پانڈے کہ میں بہر حال ان لوگوں سے براہ راست بھڑچکی ہوں۔“

”خیر۔ میں اس سلسلے میں اور کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔“ پھر جو شو کہنے لگا۔

”اور چونکہ مجھے بھی اس معاملے میں شریک کر لیا گیا ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ میں شریک ہو گیا ہوں

میں دو آدمی پیش کر سکتا ہوں جو سابق فوجی اور بہترین نشانہ باز ہیں اور ان کا تعلق پرنگال ہی سے ہے۔

”تو پھر ٹھیک ہے۔“ سدھیر پانڈے نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”اس دوران سدھا چکرونی

رہے گی اور ہمارے فرار کے راستے کی نگرانی کرے گی۔ اور ذرا یہ نقشے مجھے دو میں ان پر غور کر

ہوں۔“ سدھیر پانڈے نے کہا۔ باہر اب شام کا دھندلا پھیل چکا تھا اور سمندر میں مچھلیاں پکڑنے جا۔

کشتیوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سڑک پر معمول کے مطابق ٹریفک رواں دواں تھا اور بہت دیر

اس میں تبدیلی رونما ہونے والی تھی۔ ادھر جو شو کے اس ویران سے ہوٹل میں لوگوں نے آنا شروع کر

جن کے بارے میں علم ہوا کہ یہ جوئے کے شوقین ہیں اور یہاں رات بھر بھڑخا کھیلنا جاتا ہے۔ نقشے

پانڈے کو دینے کے بعد جو شو وہاں سے چلا گیا تھا اور ہم سب لوگ سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے اور ان نق

مغز ماری کرنے لگے تھے۔ ایک بالکل ہی نیا سلسلہ تھا۔ پال بلینڈو سے سب سے زیادہ جذباتی تعلق

پانڈے کا تھا اور سدھیر پانڈے ہی اس کے سلسلے میں اتنی زیادہ کلاشیں کر رہا تھا لیکن بہر حال مجھے ان

معاملات میں اسی طرح شامل ہونا تھا کیونکہ بہر حال یہی لوگ میرے معاون ہو سکتے تھے۔ ان کے فریض

بھی گمان نہیں تھا کہ میرا اصل کام کیا ہے لیکن جو کچھ اس سلسلے میں اب ہو رہا تھا۔ میں سمجھتی

میرے مشن سے مختلف نہیں تھا۔ بہر حال سدھیر پانڈے نے اسٹیر کے عملے سے جو افراد حاصل کئے تھے

کی تعداد چار تھی ان میں ایک فوگ بھی تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ فوگ ایک انتہائی طاقتور اور ان

سے زیادہ تجربے کار آدمی معلوم ہوتا تھا اس کے علاوہ جو شو بھی اپنے دو آدمیوں کو لے کر آیا تھا

دونوں آدمی بھی زبردست معلوم ہوتے تھے۔ صورت حال یہ تھی کہ تقریباً آدھی رات تک سب لوگ

جمع ہو چکے تھے۔ فوگ نے تمام ذمے داری اپنے کاندھوں پر لے لی تھی۔ اسٹیر پر ایک آدمی چھوڑ دیا گیا تھا اس کے ساتھ ساتھ ہی دوسری تیاریاں بھی کر لی گئی تھیں مثلاً یہ کہ پال بلینڈو آسانی سے حاصل ہو جاتا ہے تو اسے لے کر گاڑیوں پر یہاں سے فرار ہونا تھا اور ان گاڑیوں کا انتظام بھی جو شو نے کر لیا تھا یہ اس کے ویران ہوٹل کے عقبی حصے میں کھڑی ہوئی تھیں اور انہیں فرار ہونے کے لئے ایک مناسب راستہ منتخب کر لیا گیا تھا۔ اس وقت جو افراد یہاں موجود تھے وہ سب کے سب ڈاننگ روم میں تھے اور جو شو نے ان کی نیا فٹ کا بھرپور بندوبست کیا ہوا تھا یعنی کافی وغیرہ۔ سینڈوچ جو کافی تعداد میں یہاں موجود تھے۔ تمام لوگوں کو ایک جگہ موجود کر لیا گیا تھا اور میں ان کے بارے میں اندازہ لگا رہی تھی وہ سب کے سب خطرناک آدمی تھے۔ جو شو اس وقت ایک خطرناک شکاری لگ رہا تھا اور اس نے اپنا چولا بدل لیا تھا۔ فوگ دیکھنے میں سب سے زیادہ قد آور تھا اور اس کے عملے کے چار آدمی دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ سب کے سب جرائم پیشہ افراد ہیں۔

یہ سب تجربے کار لوگ ہیں اور انہیں وہ تمام طریقے آتے ہیں جو جان لینے اور جان دینے کے ہوتے ہیں۔ انہیں ساری صورت حال بتا دی گئی ہے اور یہ عارضی طور پر یہ سمجھ لو کہ یو آن کارڈو کے لڑکوں کو شہنشاہ لیں گے اور اگر ان کا سامنا ہو گیا تو انہیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ جو شو کے ساتھ آنے والے یہ دو افراد بھی مناسب لوگ لگتے تھے۔ میں نے ان دونوں کی عمریں چالیس سال کے قریب طے کی تھیں۔ ان کے چہرے کے تاثرات سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ یہ معاوضے وصول کر کے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ جو شو نے بتایا تھا کہ وہ لوگ ہر طرح کے اسلحہ کے استعمال میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ بہر حال سدھیر پانڈے نے اپنے منصوبے کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

جو شو! اس سرنگ سے اچھی طرح واقف ہے اس لئے وہ سب سے آگے ہوگا۔ دوسری طرف سرنگ کا غیر راستہ کھولنے کے لئے اس کے دونوں آدمی کام آسکتے ہیں۔“

”ہاں۔ یہ لوگ اپنے اس کام کے ماہر ہیں۔“ ان دونوں نے اس طرح گردن ہلاتی جیسے مچھلی کے شکار پر دو گرام بنایا جا رہا ہو۔

”پھر ان کے پیچھے میں‘ فوگ اور اس کے آدمیوں کے ساتھ ہوں گا۔ کیا سمجھو فوگ۔“ سدھیر پانڈے نے کہا۔

”ہاں بالکل میرے یہ تمام آدمی بھی مکمل طور پر تیار ہیں۔“

”دیری گڈ اور سب سے آخر میں میڈم روہن گیتا ہوں گی اور تم اپنی ڈیوٹی جانتی ہو سدھا چکرونی یا سمجھیں۔“

”ہاں میں جانتی ہوں۔“ تھوڑی دیر بعد سدھیر پانڈے نے کہا۔

”سب سے پہلے میں کچھ باتیں واضح کر دینا چاہتا ہوں جب تک انتہائی مجبوری نہ ہو کسی کو قتل کرنے

سے گریز کیا جائے۔ البتہ زخمی یا بے ہوش کیا جاسکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اچانک چھاپہ مار کر انہیں اس

”جو اس کو دیا جائے کہ انہیں کچھ سوچنے کا موقع نہ مل سکے اور اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے

قائم کیا تھا اور اس کے بعد نہ جانے کس طرح انہوں نے یہ عمل کیا تھا۔ تم اس بارے میں کچھ بھی نہ جانتے۔“ خاصی دیر اسی انداز میں گزر گئی اور پھر اچانک ہی سدھانے میرے کان میں سرگوشی کی۔

”آپ ایک بات بتائیے۔ پال بلیڈو ہمارا ایک رکن ہے اور خاص طور سے یہ کہنا چاہئے کہ صرف جیر پانڈے کا دوست ہے سدھیر پانڈے کا ملازم نہیں ہے۔ وہ صرف دوستی نبھانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ پھر اس پر ہم کیوں اس قدر ملوث ہیں کیونکہ کسی طرح صورت حال ضرورت سے زیادہ بگڑ گئی تو یوں کارڈو کی نگاہوں میں آجائیں گے اور یوں آن کارڈو بہر حال ایک طاقتور آدمی ہے۔ ہمارا سارا مشن مٹ نہیں ہو جائے گا۔“

”تمہارا خیال درست ہے۔“ میں نے مدہم سے لہجے میں کہا۔ پتہ نہیں صرف قیام سے سدھیر نے یہ اندازہ لگایا کہ ہم لوگ اس مشن کے بارے میں ہی کچھ گفتگو کر رہے ہیں۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”میڈم گپتا! ایک منٹ دیں گی ذرا مجھے۔“

”ہاں ہاں۔ کیا بات ہے؟“ میں نے کہا اور کمرے کے سرے پر ایک ایسی میز کے قریب پہنچ گئے جہاں ہماری آواز دوسرے نہ سن سکیں۔ وہ کہنے لگا۔

”آپ کو شاید اس تجویز کے کسی نکتے پر اعتراض ہے۔“

”نہیں۔ ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔“

”آپ شاید زخمی بھی ہیں۔ اس لئے اس پروگرام میں بھرپور طور پر حصہ لینے سے کترا رہی ہیں۔“

”نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔“

”دیکھ میڈم! بات اصل یہ ہے کہ ہمیں یہ سب کچھ تو کرنا ہی ہے لیکن آپ ذرا پھر غور کر لیجئے۔ ہم آپ کو کسی مسئلے میں مجبور نہیں کرنا چاہتے۔“

”ٹھیک ہے۔ اب جیسا آپ پسند کریں۔ آپ چاہیں تو میں اس مشن میں شریک ہو سکتی ہوں اور نہ ایسا تو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔“

”نہیں۔ اس میں میرے چاہنے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا یہ آپ پر منحصر ہے۔“

”تو پھر ٹھیک ہے۔ میں کام کر رہی ہوں لیکن میاں سے اگر ہم پال بلیڈو کو حاصل کر لیتے ہیں تو آپ اپنے مکان میں لے جائیں گے مسٹر سدھیر پانڈے جو پہلے ہی ان کی نگاہوں میں ہے۔“

”مجبوری ہے اگر یہ مشن ناکام ہو گیا تو یہ سمجھ لیجئے کہ میری زندگی ایک بدترین حادثے سے دوچار ہو جائے گی۔ پال بلیڈو بے شک میرا دوست ہے لیکن اس سے زیادہ جو ذمہ داری اس کے سلسلے میں مجھ پر ہے وہ ہمارے اس مقصد سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔“

”آہ۔ اگر یہ بات ہے تو میری تمام دلچسپیاں اس مشن میں سب کے ساتھ ہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں اور میری صحت کی قطعی پرواہ نہ کی جائے۔“ میں نے کہا۔

”میری خواہش ہے کہ آپ بھی اس سلسلے میں مجھے پوری طرح سپورٹ کریں ویسے ہم نے اس

ہوئے یقینی جلدی ممکن ہو سکے۔ پال کو لے کر وہاں سے نکل آئیں۔

”لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ اندازہ نہیں ہے کہ ہمیں کس قسم کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ صرف ہمارا خیال ہے کہ پال اس کا قیدی ہوگا مکان کا جو نقشہ ہمارے سامنے آیا ہے اس کی ر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر پال واقعی اس مکان میں موجود ہے تو گراؤنڈ فلور کے کسی کمرے کے خالے میں رکھا ہوگا۔ یہ نقشہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیتا چاہئے۔ میں ایک بار پھر تمام تفصیل بتا رہا ہوں۔“

”سدھیر پانڈے نے وہ بڑا نقشہ جو پرانے اور چھوٹے نقشے کو دیکھ کر بنایا تھا اٹھایا اور پوائنٹر سے زمین سرنگ اور اس کے اختتام پر واقع تہ خانے وغیرہ کی نشاندہی کرنے لگا۔ ہال میں اوپر کی طرف والی میزھیوں کی نشاندہی بھی کر دی گئی تھی۔ اس نے کہا۔

”مسند کے رخ پر مکان کے سامنے والے کمرے عام طور پر کارڈو کے استعمال میں رہتے ہیں۔ کے علاوہ ملازمین کے کورٹر مکان کے پیچھے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ پال گراؤنڈ فلور کے کسی کمرے یا تہ میں نہ ملے تو اسے سروٹ کوارٹر میں رکھا گیا ہو۔ بہر حال یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ہم نے اندے میں چھلانگ لگانی ہے۔ اگر وہ ہمیں مل گیا تو ہم اسے مختلف ہاتھوں سے گزارتے ہوئے لائن کے سب آخری حصے میں پہنچا دیں گے اور ایک بھی لمحہ ضائع کئے بغیر ترتیب سے واپس لے آئیں گے۔ ویسے آپ سے کہنا چاہتا ہوں میڈم۔ اگر آپ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اسے لے کر پہلی کار میں بیٹھ جائیں تو مناسب نہیں ہوگا کہ ہم دوسری کار میں ایک لمبا پتھر لے کر اپنے اسٹیر تک پہنچ جائیں گے۔“

”میرا خیال انداز میں گردن ہلانے اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

”اگر یہ ضروری ہے تو پھر ایسا ہی کر لیا جائے۔“

”ہاں۔ یہ خاص ہدایت فوج وغیرہ کے لئے ہے کہ اگر ہمیں کچھ ہو جائے اور دوسری کار اسٹیر نہ پہنچ سکے تو ہمارا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم لوگ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر میاں سے نکل جاؤ اور ہانگ کانگ پہنچ کر تم جانتے ہو کہ تمہیں کہاں قیام کرنا ہے۔ یہ اسٹیر فوج تم اپنی جیٹی پر ہی لے جا اور وہاں سے فوری طور پر ہال کو لے کر چلے جاؤ گے۔ تمہیں اس کی حفاظت کرنی ہے۔ ہمارے سلسلے پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔“ اچانک ہی جوشو کے ایک آدمی نے جوشو سے کچھ سرگوشی کی اور پھر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

”وہ یہ جانتا چاہتا ہے کہ اگر ہم پر فائر کھول دیا جائے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“

”سیدھی سی بات ہے مقابلہ! لیکن ایک بات کو یاد رکھا جائے کہ اگر ہم پال کو نکلنے میں کامیاب جائیں تو پھر مقابلہ کرنے کے بجائے جلد از جلد باہر نکلنے کی کوشش کی جائے کیونکہ باہر نکل کر وہ لوگ پر حملہ بھی کر سکتے ہیں۔“

”ہاں اور میں یہ بات جانتا ہوں کہ اگر واقعی صورت حال ایسی ہوگئی تو مجھے کتنے بڑے نقصان دوچار ہونا پڑے گا۔“

”یہ بات تو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں جوشو کہ تم میاں کچھ پراسرار مہمانوں کا تذکرہ کرو گے جنہوں

کھولنے کے لئے ضروری ساز و سامان فرش پر پڑا ہوا تھا۔ سدھیر نے بڑی ذہانت کے ساتھ ہر کام سرانجام دیا تھا۔ اس نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ممکن ہے دوسری طرف سرنگ کا خفیہ راستہ بند ہو ایسی صورت میں ان کا یہ کام شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔ بہر حال تہہ خانے سے نکل کر ہم سب اوپر والی منزل کے ایک بندہ روم میں آگئے یہاں جوش نے قلعہ نما مکان کے گیٹ پر نگاہ رکھنے کے لئے ایک مستند آدمی کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی۔ وہ تاریکی میں کھڑکی کے قریب بیٹھا ہوا سامنے دیکھ رہا تھا۔ انہیں کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”ہاں۔ کیا پوزیشن ہے؟“

”ادھر صورت حال بالکل نارمل ہے۔ سر۔ ایک کار جو کارڈوی کی تھی دس بجے کے قریب گیٹ میں داخل ہوئی تھی اور آدھے گھنٹے کے بعد دو افراد پیدل واپس گئے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔“

”گیٹ پر تو بہت تیز روشنی ہے کیا یہ روشنی خاص طور سے کی گئی ہے؟“ میں نے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔

”نہیں یہ معمول کے مطابق ہے۔ وہ لوگ قرب و جوار پر نگاہ رکھنے کے لئے روشنیوں کا سارا لیتے ہیں اور رات ہونے سے پہلے یہ روشنیاں جلا دی جاتی ہیں اور صبح ہونے تک جلتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان برقی پر بھی مسلح محافظوں کا پیرہ ہوتا ہے۔“ جوش نے بتایا۔

”ہاں ظاہر ہے تم سے زیادہ اس بارے میں کون جان سکتا ہے۔“ بہر حال تھوڑی دیر کے بعد ہم سب لکڑے سے باہر نکل آئے۔ جوش نے اپنے آدمی کو خاص طور سے ہدایت کر دی تھی کہ ہر نقل و حرکت نظر رکھے۔ کوئی خاص بات دیکھے تو انہیں اطلاع دے۔ بہر حال اس کے بعد پوری ٹیم تیار ہو گئی اور ہم ب اپنا سامان اٹھا کر تہہ خانے کی طرف چل پڑے۔ تہہ خانہ کا یہ حصہ خاصا بڑا تھا اور ہوٹل کی پوری اتر کے نیچے پھیلا ہوا تھا۔ دروازے کے عین سامنے والی دیوار کے ساتھ بہت سا سمندری استعمال کا سامان رکھا ہوا تھا۔ چھت تک لوہے کی الماریاں بنی ہوئی تھیں۔ سرنگ کا خفیہ راستہ نیچے کے حصے میں فرش کے عین درمیان تھا۔ پھر ایک طاقتور ٹارچ روشن کر لی گئی اور سامان کندھوں پر لاوا جانے لگا۔ ہماری سامان زیادہ تر کنگ کے آلات اور پلاسٹک کا دھاکہ خیز مادہ شامل تھا۔ ایک پرنگالی جوان کے کندھے پر بھاری ٹین گن بھی لٹکی ہوئی تھی۔ جوش نے پستول سنبھالا ہوا تھا۔ لوگ اور اس کے ساتھی بھی رائفوں سے لگے تھے۔ میں نے یہ بات خاص طور سے محسوس کی تھی کہ ہر آدمی کی ہیلٹ کے ساتھ کئی کئی دستی بم لٹکے ہوئے تھے۔ میں نے سدھیر پانڈے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اتنی چھوٹی سی جگہ میں ان ہموں کا استعمال کیا معنی رکھتا ہے۔ ان سے تو ہمیں بھی نقصان پہنچے گا۔“

”نہیں۔ یہ دستی بم نہیں ہیں بلکہ خاص قسم کے آنسو گیس کے گولے ہیں۔ البتہ لوگ کے پاس دستی بمیں لیکن اسے ہدایت کر دی گئی ہے کہ انتہائی مجبوری کی حالت میں انہیں استعمال کیا جائے۔ ویسے یقیناً ماکہ فوج نہیں آئے گی۔“ میں نے سدھیر پانڈے کو دیکھا اس نے اپنے پاس آنسو گیس پستول رکھا ہوا تھا۔

آپریشن کے لئے بہترین آدمیوں کا انتخاب کیا ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہماری کارروائی مکمل ہو گئی! ہمارے لئے ایک اچھی زندگی کا چانس بن جائے گا۔ ورنہ دوسری صورت میں کم از کم میرا جاؤں گا۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ اس کے پس پر وہ کیا ہے۔“

”ہاں واقعی میں تو صرف یہ سوچ رہی تھی کہ آپ صرف دوستی کی بنیاد پر یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔“

”دوستی بہت بڑی چیز ہوتی ہے لیکن اس کے علاوہ ہم جس دُور سے بندھے ہوئے ہیں۔“

”میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ اس آپریشن کے لئے ضرورت سے کہیں زیادہ انتظامات کر رہے ہیں۔“

”ضرورت سے زیادہ نہیں بلکہ یہ سب کچھ ضرورت سے بہت کم ہے میڈم! آپ یقین کیجئے خطرناک آدمی کے خلاف ہم یہ سب کچھ کرنے جا رہے ہو وہ بڑے لمبے ہاتھ رکھتا ہے۔ خیراب! میں ہمیں مزید کوئی ایسی غلط بات نہیں سوچنی چاہئے۔ بلکہ ہمیں پُر امید رہنا چاہئے کیونکہ اسی میں ہے۔“ میں خاموش ہو گئی۔ واقعی اگر ایسی کوئی بات ہے تو اس کے پس پر وہ جو بھی صورت حال ہے کے بارے میں پتہ نہیں ہے۔ میں نے دل میں سوچا۔

”ہمارے پاس دو گھنٹے باقی ہیں۔ ہم ٹھیک دو گھنٹے کے بعد اپنی کارروائی شروع کر دیں گے۔“

”سلسلے میں اگر کوئی اور رائے دینا چاہیں تو دے سکتی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ دونوں تو آرام کر لیجئے۔ یہ مناسب رہے گا۔ کیوں ڈیرا! تم کیا کہتی ہو؟“ اس بار سدھیر پانڈے نے سدھاکر کرتے ہوئے کہا تھا۔

”میں تمام مسائل میں آپ کے ساتھ ہوں۔ وہ اس لئے کہ آپ نے اپنے مسائل میں؟“

”ساتھ شریک رکھا ہے۔“ سدھاکر نے صاف گوئی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”آئیے۔ پھر میں آپ کو ایسی جگہ دکھا دوں جہاں آپ آرام کر سکیں۔“ سدھیر پانڈے بولا

لوگ اپنی جگہ سے اٹھ گئے ایک لمبے کے لئے مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا لیکن پھر بھی میں غوا الگ رہ کر سدھاکر چکرورتی سے دل کی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے میں سدھاکر کو ساتھ لے کر سدھاکر ساتھ اس دوسرے کمرے میں گئی جہاں بہترین قسم کے بستر لگے ہوئے تھے۔ اس نے مسکراتے ہوئے دیکھا اور بولا۔

”کچھ دیر کے بعد آپ کا جب دل چاہے آپ وہاں آجائیے۔ ہم سب اپنے طور پر گپ بازی کریں گے۔“ پھر وہ باہر نکل گیا۔

وقت مقررہ پر سدھیر پانڈے نے مجھے طلب کر لیا اور میں سدھاکر چکرورتی کے ساتھ اس کے تہہ خانے کے فرش میں خفیہ دروازے کے ارد گرد کی جگہ صاف کر کے چکری سل پہلے ہی ہوا تھی۔ فرش کے اندر خلا میں میزبیاں نظر آ رہی تھیں۔ تہہ خانے کی روشنی میں صرف ایک دو میزبیاں آ رہی تھیں اس سے آگے گہری تاریکی تھی۔ سرنگ کے دوسری طرف تہہ خانے کا ایسا ہی تھا۔

اس کے علاوہ اس کی بیلٹ میں دو دھاکہ خیز دستی بم بھی اڑے ہوئے تھے۔
 ”سب لوگ تیار ہیں؟“ آخر کار سدھیر بانڈے نے سوال کیا اور پھر بولا۔ ”تم لوگوں نے گیس مالک رکھے ہوئے ہیں تو پھر میڈم روہن گپتا! تمہارے اور پال بلیمینڈ کے انتظار میں سدھا چکرورتی بیٹیں رہیں گی۔ سدھا تمہارے پاس ریوالور ہے۔ تمہیں دیا گیا ہے؟“
 ”ہاں۔“ سدھا نے اپنا ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔

”اگر کوئی ان میڑھیوں سے اوپر آنے کی کوشش کرے تو بے دریغ گولی مار دینا لیکن خیال رہے اب ہی کسی آدمی کو مت اڑا دینا۔“ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا چونکہ مشن کا وقت قریب آ رہا تھا اس لیے سب کے چروں پر اعصابی تناؤ نظر آنے لگا تھا۔ وہ سب اپنے اپنے طور پر مضطرب تھے۔ بہر حال میں یہ کہہ سکتی تھی کہ میں انتہائی آہنی اعصاب کی مالک ہوں کیونکہ مجھے کوئی خاص فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ آخر کار وقت آگیا جب سدھیر بانڈے نے سب کو ہاتھ کے اشارے سے آگے بڑھنے کے لئے کہا۔ جوشو کو رہنما کے لئے سب سے آگے رکھا گیا تھا۔ جوشو میڑھیاں اترنے لگا اس کے ہاتھ میں بڑی ٹارچ تھی جس سے نیچے تک جاتی میڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں اسے میڑھیوں میں غائب ہوتے دیکھتی رہی اس کے فوراً بعد اڑ کے دونوں پر نگلی ساتھی بھی نیچے اتر گئے تھے۔ کچھ دیر تک سرنگ میں ان کے قدموں کی آواز سنائی دینا رہی پھر خاموشی چھا گئی۔ اس کے تقریباً تیس گز آگے جانے کے بعد سدھیر بانڈے فوگ اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ میڑھیوں میں غائب ہو گیا۔ اب میری باری تھی چنانچہ میں نے مڑ کر سدھا چکرورتی کو دیکھا۔ وہ آگے بڑھی اور میرے قریب پہنچ گئی۔

”دیدی! اپنا خیال رکھنا۔“ اس نے مدہم لہجے میں کہا اور دونوں ہاتھ میرے چہرے پر رکھ کر میرا پیشانی چوم لی۔ میں نے اس کے شانے پر تھپکی دی اور آگے بڑھ گئی۔ سرنگ کی چھت تقریباً سات فٹ اوپر تھی اور میرے سر سے بس اسی قدر اونچی تھی کہ میں آرام سے چل سکوں۔ ویسے میں اس سرنگ کی تعمیر جائزہ لے رہی تھی اسے خاصی محنت سے تیار کیا گیا تھا۔ چھت اور دیواروں پر سرخ اینٹوں سے چٹائی کی گئی تھی۔ فرش بھی تہ خانے کے فرش کی طرح پختہ تھا۔ ہر دس گز کے بعد دیواروں کے ساتھ ستونوں کی مد سے محراب بھی بنی ہوئی تھی۔ یہ محراب غالباً سرنگ کی پائیداری کے لئے تھی۔ تقریباً تین گز کے بعد سرنگ اچانک ہی دائیں طرف مڑ جاتی۔ میرے اندازے کے مطابق ہم تھوڑی دیر کے بعد سڑک پار کر چکے تھے اور ہم صحیح معنوں میں یو آن کارڈو کے مکان کے نچلے حصے میں تھے۔ تقریباً چالیس گز دور جانے کے بعد سرنگ ایک بار پھر مڑ گئی اس مرتبہ یہ مڑنا بائیں جانب کی طرف تھا چند گز آگے بڑھی تو مجھے مدہم روشنی میں اپنے ساتھیوں کے ہیولے نظر آنے لگے۔ کچھ اور آگے چلنے کے بعد تمام لوگ نظر آ گئے۔ وہ سب ایک جگہ رک گئے تھے اور بیٹیں کھڑے ہو کر ٹارچوں کی مد سے چھت کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہاں یہ سرنگ ختم ہو گئی تھی۔ سامنے میڑھیاں تھیں اور جوشو ان میڑھیوں چڑھا چھت میں خفیہ راستے کے نچلے حصے کا معائنہ کر رہا تھا۔ میں اس کے قریب پہنچ گئی وہ اس وقت سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔

”ہم اس ٹریپ ڈور کے دونوں سروں کا جائزہ لے چکے ہیں لیکن یہ اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہیں لے

یہ دو بیٹیں آپ دیکھ رہے ہیں۔“ اس نے ان بیٹوں کی جانب اشارہ کیا جو آہنی سلاخوں کی شکل کی تھیں۔ ان کی موٹائی انگلی کے برابر تھی۔ ان میں سے ہر پین کے سرے پر چھوٹے چھوٹے رنگ بنے ہوئے تھے۔ جوشو کہنے لگا۔
 ”اگر اسے اس طرح کھینچا جائے تو یہ میکینیزم لاک ہو جاتا ہے۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے پن کے ایک کڑے میں انگلی ڈال کر اسے اپنی طرف کھینچا اور دائیں طرف گھما کر اسے چھوڑ دیا۔
 ”لاک کھولنے کے لئے اسے دوبارہ اسی پوزیشن پر لانا پڑے گا۔“ جوشو نے رنگ میں دوبارہ انگلی ڈال کر اس کو بائیں طرف کھینچا اور اس کے ساتھ ہی وہ پن دوبارہ اپنی جگہ پر چلی گئی۔
 ”میرا اندازہ ہے کہ اس میکینیزم کو دونوں طرف سے اس طرح آپریٹ کیا جاتا ہے۔ جب میں نے اس پن کو باہر کھینچ کر دائیں طرف گھمایا تو اس کا مطلب ہے کہ لاک اوپر سے نکل گیا تھا لیکن دروازہ نہیں کھلا“ میں دیکھتا ہوں۔“ وہ دوسری پن کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔
 ”ہو سکتا ہے طویل عرصے سے استعمال نہ ہونے کی وجہ سے اس کا لاک زنگ آلود ہو گیا ہو۔“ سدھیر نے غبرو کیا۔
 ”ہاں میں دیکھتا ہوں۔“ وہ ایک بار پھر پن کو گھما کر دروازے کی سل کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا لیکن سل نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تو وہ بولا۔
 ”میکینیزم مکمل طور پر زنگ آلود ہو چکا ہے۔“ کچھ لمبے سوچنے کے بعد اس نے اپنے دونوں پر نگلی ہاتھوں کو اشارہ کیا اور وہ میڑھیوں پر آکر پوری قوت سے نکلنے کی اس سل کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کے سانس پھول گئے لیکن سل اپنی جگہ سے نہیں ہٹی جس پر انہوں نے تھکی تھکی سانسیں لے کر گردن ہلائی۔
 ”لگتا ہے کسی چیز نے سل کو بڑی سختی سے دبا رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی میکینیزم ہو۔“
 ”نہیں۔ یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میری طرف والے دروازے میں بھی صرف یہ دو پن ہیں۔“ سدھیر بانڈے کی آنکھوں میں الجھن سی پیدا ہو گئی پھر اس نے کہا۔
 ”کیوں ایسا تو نہیں ہے کہ اوپر سے اس دروازے کو مکمل طور پر سے سیل کر دیا گیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو اب پھر کیا کیا جائے؟“
 ”اگر ہم اسے پلاسٹک بم سے اڑانے کی کوشش کریں تو؟“ جوشو نے پوچھا۔
 ”ایسا انتہائی مجبوری کی حالت میں کیا جائے گا۔ دھماکہ خیز مادہ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے آدمیوں کو اپنے آمد کی اطلاع دے دی جائے۔ یہ بات تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ کوئی ہلکی سی آواز سننے ہی وہ لوگ پلک جھپکنے کی دیر میں ہمارے سروں پر پہنچ جائیں گے۔“
 ”ایک منٹ میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے۔“ میں نے کہا اور وہ لوگ مجھے دیکھنے لگے۔
 ”اس قسم کے ٹریپ ڈور کو کس طرح سیل کیا جاسکتا ہے؟“ میں نے کہا اور جوشو نے مذاق اڑانے والے انداز میں گہری سانس لی اور بولا۔

”آپ نے تو خود مجھ سے سوال کر دیا میڈم۔“

”اگر مناسب سمجھو تو اس سوال کا جواب دو۔“ سدھیر پانڈے نے مسکرا کر جواب دیا۔

”واقعی اگر ہم اس دروازے کو اوپر سے میل کرنا چاہیں تو کیا کر سکتے ہیں۔“ کسی نے کوئی جواب دیا۔ میں نے کہا۔

”اس ٹریپ ڈور کے اوپر دو موٹی آہنی پٹیاں ڈال کر صرف ان کے سرے آہنی کندوں میں پھنسا دیا جائیں اور ان کندوں کو اس طرح فرش میں گاڑا جائے کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکیں تو آسانی اسے میل کیا جاسکتا ہے۔“

”ہاں۔ واقعی ویسے اس ٹریپ ڈور پر چاروں طرف فرش کے درمیان کتنی جگہ ہے۔“

”اندازاً ایک سینٹی میٹر یا اس سے کم ہوگی۔“ میں نے جوش کے ہاتھ سے ٹارچ کی اور روشنی میں کا جائزہ لینے لگی جگہ جو ٹریپ ڈور اور فرش کے درمیان نظر آ رہی تھی۔ نظر تو آ رہی تھی لیکن مٹی کی وہ یہ تقریباً بند ہو چکی تھی۔

”میرا خیال ہے ہمیں ایک اور کوشش کرنی چاہئے۔“

”وہ کیا.....؟“ سدھیر پانڈے نے سوال کیا۔

”اگر ہم قہرل لانس استعمال کریں اور وہ چاروں طرف پھیریں اوپر اگر کوئی آہنی پٹی ہے تو اس قہرل لانس کے ٹکرائے سے اس کی نشاندہی ہو جائے گی۔“

”ہاں۔ بات کچھ سمجھ میں آتی ہے بلکہ بہت اچھا خیال ہے اگر کوئی آہنی پٹی ہوئی تو قہرل لانس اس کی نشاندہی کر دے گا۔ میرا خیال میں یہ کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ انتظامات چونکہ کئے گئے تھے اور میں نے ان کے سامان میں قہرل لانس دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ پانچ منٹ کی قہرل لانس مشینیں استعمال کرنے کے بعد ہم لوگ تیار ہو گئے ایک آدمی میڑھی پر چڑھ کر جھری کے لئے تیار تھا اس نے مشین کے آگے رکھا ہوا بلیڈ چھت کی جھری میں رکھا اور چہرے پر ماسک چڑھا کر سوچ دبا دیا۔ ویلڈنگ کی طرح کا بلیا شعلہ نمودار ہوا قہرل لانس جھری میں آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ جوشوا لنگی سے اس طرف اشارہ کر رہا تھا جہاں اس کے خیال میں اوپر کی طرف آہنی پٹی بنی ہوئی چاہئے تھی۔ نیلا شعلہ اس کی طرف پہنچ گیا لیکن بلیڈ کسی رکاوٹ کے بغیر آگے کی طرف بڑھ گیا۔ البتہ اچانک شعلے کی رنگت بدل گئی۔ نیلا ہٹ میں آتش رنگ نظر آنے لگا تھا۔

”گڈ.....“ جوشوا مسکرایا۔ ”کام بن رہا ہے۔“ تقریباً تین منٹ میں قہرل لانس نے آہنی پٹی کو اس طرح کاٹ دیا جیسے چھری کسی دشواری کے بغیر صابن کو کاٹ دیتی ہے۔ سدھیر پانڈے نے مسکراتی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے گردن کو خم دیا اور کہنے لگا۔

”دوسری طرف کی پٹی کو بھی اسی طرح کاٹ دو۔“ کچھ منٹ بعد سب اپنے جگہ سے ہٹ گئی اور چھت میں ہونے والے سوراخ سے کئی بوریاں نیچے ٹپک گئیں۔ ایک لمبے کے اندر ہمیں کسی چیز کے گرنے کا احساس ہوا تھا۔ چنانچہ وہ جگہ خالی جھوڑ دی گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے کوئی پہاڑ آہستہ آہستہ نیچے آ رہا ہو۔

اچھ ہم لوگ جگہ چھوڑتے جا رہے تھے۔ بوریاں زیادہ نہیں گری تھیں۔ بہر حال اندازہ ہوا کہ ان بوریوں کا چاول بھرے ہوئے ہیں۔ بڑی مشکل سے بوریاں ہٹائی گئیں۔ پھر یہ لوگ گیس ماسک چہروں پر چڑھانے لگے۔ اب یہ نہیں اندازہ تھا کہ اس تہہ خانے میں چاولوں کے علاوہ اور بھی کیا چیزیں موجود ہیں۔ بہر حال اس کے بعد ہم میڑھیاں چڑھنے لگے اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پہنچ گئے۔ یہ بھی شکر تھا کہ گرنے والی چیز

دلوں کی بوریاں تھیں۔ اگر کوئی بہت ہی ٹھوس اور سخت چیز ہوتی تو جس طرح اچانک وہ گری تھیں۔ اس بہت سے لوگ حادثے کا شکار ہو گئے ہوتے۔ تقریباً ایک منٹ کے بعد میں بھی اوپر کی سطح پر پہنچ گئی یہ تہہ خانے سے چھوٹا تھا جس سے گزر کر ہم آئے تھے اور جو جوشو کے ہوٹل کا تھا۔ سامنے کا دروازہ کھلا

اٹھا آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی میں اس دروازے تک پہنچ گئی۔ میں نے باہر کی جانب نگاہ دوڑائی مجھ کے آگے جانے والے افراد دروازے سے کان لگائے دوسری طرف کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہے

تھے۔ بہر حال شاید صورت حال مناسب تھی چنانچہ تالہ کھولنے کی کوشش کی جانے لگی چند لمحوں کے بعد ہلکی ہلکے کے ساتھ تالہ کھل گیا۔ تہہ خانے سے ملحق ایک اور کمرہ تھا اور اس کمرے کے برابر دوسرے دو

رے ٹارچوں کی تیز روشنی میں ہم دھڑکتے دلوں کے ساتھ ایک ایک کمرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ آخر روشنیاں ایک کمرے کے ایک مرکز پر رک گئیں مرکز ایک کرسی تھی جس پر ایک آدمی اس طرح بیٹھا ہوا

جس کی ٹھوڑی سینے کو چھو رہی تھی۔ وہ رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔ میں نہ جانے کیوں ایک دم چونک سی

ی اور ایک قدم آگے بڑھی ہی تھی کہ سدھیر پانڈے کی چیخ سنائی دی۔

”اوہ مائی گاڈ..... اوہ مائی گاڈ۔ یہ تو..... یہ تو پال ہے۔“ پھر وہ پال کی جانب دوڑ پڑا تھا اور پھر

پال کے بدن کی رسیاں کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں آگے بڑھی اور میں نے پال کو غور سے دیکھا۔

اس کے رخسار پر ایک بہت لمبا زخم نظر آ رہا تھا۔ بہر حال فوگ وغیرہ پال کو کھولنے میں مصروف ہوئے تو

سدھیر پانڈے نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

”مس روہن گپتا! آپ بقیہ افراد کو لے کر تیزی سے سرنگ میں واپس جاییے۔ ہمارا کام ختم ہو گیا ہے

اب کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہئے۔“

”اوکے۔“ میں نے اس وقت کسی بات میں ذرا بھی تردد نہیں کیا اور سرنگ کی جانب چل پڑی۔ پھر

بے ہی میں نے آخری میڑھی پر قدم رکھا مجھے اوپر تہہ خانے میں کسی قسم کے شور کی آواز سنائی دی۔ ایک

درازہ زور دار آواز کے ساتھ کھلا تھا اور اس کے فوراً بعد تہہ خانے کے اوپر والی میڑھیوں کا دروازہ ایک

لمبے سے کھلا۔ وہی آواز سنائی دی۔ کوئی چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو اس صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا

اور وقت فائر کے برسٹ کی آواز سنائی دی اور مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ فائر رائل سے مارا گیا

ہے۔ میں تیزی سے میڑھیاں چڑھنے لگی لیکن ابھی میں نے سب سے اوپر والی میڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ

پسے آنے والا آدمی پوری قوت سے مجھ سے ٹکرایا۔ بڑی زور دار ٹکر ہوئی تھی اور میں اپنے آپ کو

بہال نہیں پائی تھی۔ میں چاولوں کی بوریوں پر گری اور سنہنے کی کوشش میں لڑھکتی ہوئی فرش پر جا

ری۔ اس کے باوجود میں نے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں کوئی دیر نہیں لگائی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک

ساتھ ہی زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ اب میں اپنی خوش قسمتی ہی کہہ سکتی ہوں کہ میں پال کے اوپر گری اور بجھی ہوئی ٹارچ اب بھی میرے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ میں نے ٹارچ جلائی اور اس آدمی کی طرف دیکھنے لگی جو میرے بدن سے نکرایا تھا۔ اس شخص کے ہاتھ میں آؤٹینک ریولور تھا اور وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اسے روشنی کے حلقے میں لے کر اپنا ریولور والا ہاتھ اٹھایا اور ٹریگر دبا دیا۔ سرنگ میں فائر کی آواز گونجی لیکن میرا نشانہ خالی گیا تھا۔ میں نے دوبارہ ٹریگر دبایا لیکن نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ یہ وار بھی خالی گیا اس شخص کے ہاتھ میں پکڑے آؤٹینک ریولور کا رخ اب میری طرف تھا میں نے ہچکچاتے ہوئے تیزی سے ٹریگر دبا دیا اور اس کے ساتھ ہی وہ سیدھا ہو کر نیچے جھکا اور پیچھے کی جانب گر گیا کچھ دیر تڑپ کر وہ ساکت ہو گیا تھا۔ میری ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھیں۔ اس دوران سدھیر پانڈے نے نہ جانے کیوں کوئی عمل نہیں کیا تھا البتہ اب اس نے پال کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا اور خود اسے کندھے پر اٹھالیا تھا۔ میں نے چند لمحے انتظار کیا۔ میرے چہرے پر شدید پسینہ آ رہا تھا اور پسینہ آنکھوں میں بھی داخل ہو گیا تھا جس سے آنکھوں میں مریں سی لگتی محسوس ہو رہی تھیں۔ شاید سب سے زیادہ تکلیف یہی چیز دے رہی تھی لیکن بہر حال اپنے آپ کو سنبھالے بغیر چارہ کار نہیں تھا چنانچہ میں ایک قدم آگے بڑھی اسی وقت پانڈے کی آواز ابھری۔

”یہ بے ہوش ہے تم بے فکر ہو کر آگے بڑھو میں اسے سنبھالے ہوئے ہوں۔“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور سائے میں آگے بڑھنے لگی۔ اچانک ہی مجھے پانڈے کی آواز سنانی دی۔

”ہوش میں آؤ پال! ہوش میں آؤ۔ ہم خطرے میں ہیں اپنے قدموں سے چلنے کی کوشش کرو۔“ پتہ نہیں پال ہوش میں آیا تھا یا نہیں لیکن بہر حال میں نے محسوس کیا کہ سدھیر پانڈے اسے گھسیٹا ہوا آگے آ رہا ہے۔ آخر کار اس کھینچا تانی میں ہم لوگ سرنگ کے آخری حصے تک پہنچ گئے اور تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ راستہ طے ہو چکا ہے۔ میں نے تاریکی ہی میں سدھا چکرورتی کو پکارا۔

”سدھا۔ کیا تم یہاں موجود ہو؟“

”ہاں میں ہوں۔“ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی سدھا ٹارچ روشن کئے ہوئے میرے قریب پہنچ گئی۔ سدھیر پانڈے بھی زیادہ فاصلے پر نہیں تھا وہ پال کو گھسیٹتے ہوئے تہہ خانے سے باہر نکل آئے اور ہوٹل کے پہلو کے ایک دروازے پر پہنچ گئے۔ باہر نکلنے سے پہلے سدھا چکرورتی نے دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ گلی تاریک اور سنسان پڑی ہوئی تھی اس نے مجھے اشارہ کیا اور میں نے سدھیر پانڈے کو۔ پھر سدھیر پانڈے پال کو گھسیٹتا ہوا گلی میں لے آیا اور اسے سامنے کھڑی کار کی پچھلی سیٹ میں ٹھونس دیا۔

”اوہ۔ کیا یہ زندہ ہے؟“

”ہاں! لیکن شاید بے ہوش اور کسی خاص طریقے سے۔“ میں نے جواب دیا۔

”چلو سدھا تم اسسٹرنگ سنبھالو اور روہن گپتا! تم اس کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔“ رات تاریک تھی وہ گاڑی تیز رفتاری سے ڈھلان سڑک طے کر رہی تھی جس میں ہم لوگ اس وقت پال کو لے ہوئے جا رہے تھے۔ گاڑی کے انجن سے کوئی معمولی سی آواز بھی نہیں پیدا ہو رہی تھی۔ طویل ڈھلانی سڑک کے اختتام پر سدھا نے کار ایک مخصوص علاقے کی طرف موڑ دی۔ اس سڑک کے دونوں طرف

اور آدمی بھی گرا تھا۔ سنبھلتے ہی ٹارچ جلا کر دیکھا وہ فوگ تھا۔ فوگ اندھوں کی طرح فرش پر ٹٹول کر ٹارچ تلاش کر رہا تھا۔ اس دوران اوپر تہہ خانے میں کسی جگہ ہلکے ہلکے دھماکے سنانی دیئے اور اس کے ہی سیکنڈ کے بعد آنکھوں میں مریں سی محسوس ہونے لگیں۔ اوپر یقیناً آنسو گیس کے وہ بم پھٹنے لگے جنہیں میں دیکھ چکی تھی۔ میں نے ایک لمحہ کے اندر اندر اپنے چہرے پر ماسک چڑھا لیا اور ایک بار میڑھیوں کے دروازے کی جانب دوڑی۔ اسی وقت کمرے میں کسی نے بلب جلا دیا۔ آنسو گیس کا کام کمرے میں بھرنے لگا تھا۔ میں ایک لمحے تک اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی اس کے بعد میں دیکھا۔ سدھیر پانڈے، پال بلیئڈ کو گھسیٹ کر میڑھیوں کی طرف لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ فرش پر اجنبی لاش بھی پڑی ہوئی تھی۔ میں لاش کے اوپر سے کود کر دوسری جانب کود گئی اور میں نے بھی جگہ پال بلیئڈ کی بگلوں میں ہاتھ ڈالا اور سدھیر پانڈے کے ساتھ اسے میڑھیوں کی طرف لانے لگی۔ ابی دروازے سے دور ہی تھے کہ تہہ خانے کی میڑھیوں سے اوپر والے دروازے پر انسانی جسم نمودار ہوا لیکن آنسو گیس کی وجہ سے وہ وہیں رک گئے تھے۔ اس دوران فوگ اوپر آچکا تھا۔ میں نے اسے راقول سیدھی کرتے ہوئے دیکھا اور پھر تہہ خانہ فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھا۔ آنے والے آدمیوں سے ایک تو وہیں ڈھیر ہو گیا تھا اور دوسرا بوری ہی کی طرح لڑھکتا ہوا میڑھیوں سے نیچے آگرا۔ اس کا بھی گولیوں سے چھلنی ہو گیا۔

سدھیر پانڈے اور میں بلیئڈ کو لئے ہوئے تہہ خانے کے پہلے کمرے میں آگئے۔ ابھی ہم نے دروازہ بند ہی کیا تھا کہ دوسرا کمرہ دروازے کی زور دار آواز سے گونج اٹھا۔ فوگ کے آدمی شاید اب زوردار فافعت کر رہے تھے۔ پھر میں سرنگ کے دروازے میں اتر گئی اور دو تین میڑھیاں اترنے کے بعد میں ماسک اتار دیا۔ میری آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا اور نگلے میں شدید جلن ہو رہی تھی اس کے باوجود ہم پال گھسیٹتے ہوئے تیزی سے میڑھیاں اترنے لگے۔ اوپر والے تہہ خانے میں اب بھی فائرنگ کی آواز سنانی رہی تھی۔ سرنگ بتدریج بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ آتے ہوئے اس ڈھلان کو محسوس نہیں کیا جا سکتا لیکن اب اس پر چڑھتے ہوئے سانس پھولنے لگا تھا۔ بہر حال سرنگ بائیں طرف مڑی جس سے مجھے سمجھنے میں آئی کہ تقریباً ہم آدھا راستہ طے کر چکے ہیں۔ اچانک پھر شور کی آواز سنانی دی اور میں نے مڑ کر دیکھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ایک آدمی دوڑتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا اگرچہ وہ نظر نہیں آتا لیکن اس کے دوڑنے کی آواز صاف سنانی دے رہی تھی۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ آنے والا ہمارا سا ہے یا دشمن۔ یہ ایک لمحہ مشکل تھا میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں نے جیب سے پستول نکال لیا۔ میں پال بلیئڈ کو بھی سنبھالے ہوئے تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ سدھیر پانڈے نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور ہم اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگے۔ گہری تاریکی میں ہاتھ کو بھٹائی نہیں دے رہا تھا کیونکہ ٹارچ بجھالی گئی تھی۔ انجانا سا خوف میرے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔ قدموں کی آواز اب موڑ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ ہمیں دیوار سے چپکا پڑا بہر حال وہ شخص جو دو تین آگے آ رہا تھا۔ میرے بدن سے ٹکرا گیا میں لڑکھائی لیکن اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش میں اس

”ہری اپ۔ ہم لوگ خطرے میں ہیں۔ وہ لوگ کسی لمحے یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ چلو فوگ تم جلدی سنبھالو۔ ہم ان زخمیوں کو دیکھتے ہیں۔“ فوگ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اسٹیمر کے انجن پر پہنچ گیا اور اسے حرکت کرنے لگا۔ سوچ آن ہوتے ہی انجن اشارت ہو گیا۔ بقیہ افراد بھی سنبھل گئے تھے اور آہستہ آہستہ رفتار اسٹیمر جیٹی چھوڑنے لگا۔ میں نے سدھیر پانڈے کو دیکھا۔ وہ پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا لباس اور گردن آلود تھے۔ چہرے اور کپڑے پر خون کے دھبے نظر آرہے تھے۔ دفعتاً ہی سدھیر کی آواز ابھری۔

”وہ لوگ پہنچ گئے۔ نیچے چلے جاؤ۔ پھرتی سے جلدی۔“ سدھیر چیخا۔ میں نے سدھا کا ہاتھ پکڑا ہی تھا ہلا برٹ سنائی دیا لیکن خوش قسمتی سے گولیاں کافی اونچائی سے نکل گئی تھیں۔ فوگ نے ایک دم سے ہٹ کر اسٹیمرنگ موڑ دیا اور اسٹیمر نے رخ تبدیل کر لیا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کچھ سائے جیٹی کی طرف رہے نظر آرہے تھے۔ ایک بار پھر فضا فائرنگ کی خوفناک آواز سے گونج اٹھی اور ایک گولی ایک طرف میرے بالوں کو چھوٹی ہوئی گزر گئی۔ میں پھرتی سے جھک گئی تھی۔ اسٹیمر کو پھر ایک جھٹکا لگا اور اس نے بار پھر رخ تبدیل کیا۔ جیٹی سے اب بھی زبردست فائرنگ کی جا رہی تھی لیکن فوگ جیسا تجربہ کار ایڈر اس طرح اسٹیمر کو بار بار جھٹکے دے رہا تھا کہ وہ لوگ اس کا صحیح نشانہ نہیں لے پا رہے تھے۔ اس ساتھ ہی وہ آگے بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ سامنے کی سرچ لائٹیں روشن کر دی گئی تھیں تاکہ تاریک سمندر دوسری کشتیاں اور اسٹیمر نظر آجائیں۔ یہاں تک کہ پھر تیز رفتاری سے اس نے رخ تبدیل کیا اور آگے جانب بڑھنے لگا۔ چپکتی ہوئی رنگ برنگی روشنیاں بڑی حسین نظر آ رہی تھیں اور لائٹ ہاؤس کی سبز فنی پلک جھپکتی محسوس ہو رہی تھی۔ بائیں طرف بھی ساحلی قصبے کی بہت مدہم سی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ویسے صبح کی آمد آمد ہو رہی تھی اسٹیمر کافی دور نکل آیا اور اب اسے گولی لگنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ چنانچہ آہستہ آہستہ اطمینان کی لہر دوڑنے لگی۔ باقی لوگوں نے شاید زخمیوں کی مرہم پٹی بھی کر دی تھی۔

میں نے بدستور اسٹیمرنگ سنبھالا ہوا تھا اور اپنے آدمیوں سے بار بار دوسرے آدمیوں کی خیریت پوچھ رہا تھا۔ اُدھر سدھا کسی انتہائی اہم کام میں مصروف ہو گئی تھی اور جب وہ اس اہم کام سے فارغ ہوئی اور اس کو خوشخبری سب کو سنائی وہ واقعی رگوں میں خوش خبری بن کر ہی دوڑی تھی اس نے کہا۔

”کافی تیار ہے۔“ اس ٹھنڈے وقت میں گرم، گاڑھی کافی زندگی بخش تھی۔ میں نے یکے بعد دیگرے تین پیالیاں پیں۔ باقی لوگوں کو بھی سدھا نے ایک اچھی پینی کی طرح کافی سرو کر دی تھی۔ اب چونکہ رات حال بالکل اطمینان کن تھی اس لئے ذہن پر نیند سوار ہونے لگی۔ میں نے ایک جگہ بیٹھ کر آنکھیں کھلیں۔ میرے قریب ہی سدھا بھی لیٹ گئی تھی۔ بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ کچھ دیر کے بعد سدھیر نے ہمارے پاس پہنچ گیا اس نے سدھا کو دیکھتے ہوئے کسی قدر محبت بھرے انداز میں کہا۔

”یہ لڑکی سو گئی؟“

”ہاں شاید۔“ میں نے سدھا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”صبح ہونے کو ہے اور اس کے ساتھ ہی ہم اپنی منزل پر بھی پہنچ رہے ہیں۔“

”پال کیا ہے؟“

اونچے اونچے درختوں کی قطاریں تھیں۔ کار کی ہیڈ لائٹس سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی طوفان سرنگ سے گزر رہی ہو۔ کچھ اور آگے جانے کے بعد سدھا نے ایک بار پھر کار بائیں جانب موڑ دی۔ سیدھی کشتیوں کے ٹریل کی جانب چلی جاتی تھی۔ دائیں طرف ہوٹل تھا اور ہوٹل کا رہائشی حصہ تاریک میں ڈوبا ہوا تھا جبکہ دوسرے طرف کا حصہ رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد سدھ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”دید! تم بالکل ٹھیک تو ہونا اور باقی لوگ! مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے وہاں اچھی خاصی محاذ آرائی ہوئی ہو۔“

”اس میں کوئی شک نہیں وہاں زبردست محاذ آرائی ہوئی اور پال کو وہاں سے نکالنے کے لئے ہمیں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ فائرنگ کے علاوہ اندھا دھند آنسو گیس بھی استعمال کی گئی۔ ویسے میرا خیال ہے اس پر بھی آنسو گیس کا اثر ہوا ہے۔“ میں نے پال کو دیکھا جو ابھی تک سیٹ پر لڑکھا ہوا تھا اور آدے کھلے ہوئے منہ کے ساتھ گہری گہری سانس لے رہا تھا۔ غالباً اسے ہوش آ رہا تھا۔ پھر وہ آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

”ہیل پال! تم ٹھیک ہو؟“

”ہاں۔ میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ بس تھوڑے سے اثرات ہیں۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ تم لوگوں نے مجھے نکالنے کے لئے بڑی محنت کی ہے۔ ورنہ میری موت میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔“

”اس وقت کارڈو کا ایک آدمی اور تمہارے تعاقب میں کسی طرح سرنگ میں داخل ہو گیا تھا۔ اگر میں اسے ختم نہ کر دیتی تو یقیناً صورت حال سنگین ہو جاتی۔“ سدھا نے چونک کر مجھے دیکھا اور عجیب سے انداز میں کچھ بڑبڑا کر خاموش ہو گئی۔ ہوٹل والے چوراسے پر پہنچ کر اس نے کار کی رفتار کم کر دی۔ ہوٹل کے گیٹ کے سامنے ایک پولیس کی کار کھڑی تھی جسے دیکھ کر ہم ہوشیار ہو گئے۔ میں سنسنی سی محسوس کرنے لگی۔ سدھا خود بھی ہوشیار ہو گئی تھی اس نے موڑ پر رفتار بہت کم رکھی لیکن جب موڑ سے گزر گئی تو آگے بڑھتے ہی اس نے رفتار بڑھا دی۔ اب سامنے ہی ہمیں اسٹیمر کا ٹریل نظر آ رہا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا مڑک بالکل سناں تھی۔ لیکن اسٹیمر پر کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے میں نے ایک بار پھر پلٹ کر پیچھے دیکھا مڑک سناں پڑی ہوئی تھی۔ میں سوچنے لگی کہ پتہ نہیں باقی لوگوں کی کیا صورت حال ہوئی ہوگی۔ اسٹیمر پر پہنچ کر ہمیں ان کا انتظار کرنا پڑے گا۔ بہر حال ہم اسٹیمر تک پہنچ گئے اور پھر ہم نے سہارا دے کر پال کو گاڑی سے نکالا اور آخر کار اسٹیمر پہنچ گئے۔ اسٹیمر کا دروازہ مقفل تھا اسی وقت چوکیدار آگیا اور اس نے چابی سے دروازہ کھول دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اندر داخل ہو کر ایک آرام دہ کرسی پر دراز ہو گئی تھی۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہم نے اسٹیمر میں سے ایک اور کار کو دیکھا اور اس کار میں سے ہم نے سدھیر پانڈے، فوگ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر اطمینان کی سانس لی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے تھے۔ فوگ کا ایک ساتھی زخمی تھا اور ایک اور ساتھی جو لنگڑا کر چل رہا تھا۔ اچانک ہی سدھیر پانڈے نے چیخ کر کہا۔

ہائے کا تو وہ لوگ واپس آجائیں گے۔“

”تو پھر اب ہمیں کیا کرنا ہے؟“

”پال کو محفوظ طریقے سے یہاں سے نکال دینا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس وقت پال ہم سب کے لئے بڑی حیثیت کا مالک ہے۔ اسے زندہ رکھنا ہو گا کیونکہ اس کے ذریعے ہمارے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں۔“ میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ ذہن پر نیند بھی سوار تھی اور طبیعت پر جھلاہٹ بھی کیونکہ جتنی ہنگامہ آرائی مجھے کرنی پڑی تھی اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ آگے کتنی ہنگامہ آرائی مجھے کرنا پڑے۔ اس میں نہ تو میرا کوئی مفاد تھا اور نہ ان لوگوں کا جنہوں نے مجھے اس جہنم میں جھونک دیا تھا۔ یعنی عظمت جلال کا۔ اور اگر تھا بھی اس کا کوئی مفاد تو کم از کم مجھے اس سلسلے میں آگاہ تو ہونا چاہئے تھا۔ نہ جانے کیوں یہ جھلاہٹ شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی۔ میں نے سدھیر پانڈے سے اپنی رہائش گاہ پر جانے کا کہا تو اس نے کہا۔

”یقیناً! تمہیں مکمل آرام اپنی رہائش گاہ پر ہی جاکر ملے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی ہرج

نیں ہے۔“ سدھا چکرورتی میرے پاس ہی تھی کہنے لگی۔

”اور اگر میں بھی روہن گپتا کے ساتھ چلی جاؤں تو؟“

”ہاں نہایت مناسب ہے۔“ سدھیر جیسے ہم دونوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ بہر حال کچھ دیر کے بعد ہم اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گئے تو میں نے سدھا سے کہا۔

”سدھا! ہمیں کم از کم اتنا مکمل آرام کرنا چاہئے کہ ہماری تھکن مکمل طور پر دور ہو جائے۔“

”ٹھیک ہے دیدی۔“ اس کے بعد وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے بیڈ روم میں آکر بستر پر لیٹ گئی۔ دل و دماغ میں وہی سناہٹیں ہو رہی تھیں۔ بدن ہلکا ہلکا ہوا جا رہا تھا۔ غالباً بلڈ پریشر بڑھ گیا تھا۔ وہ چڑچڑاہٹ میرے ذہن پر سوار تھی۔ عظمت جلال نے اس لئے مجھے یہاں بھیجا تھا کہ الماس آراء میرے راستے پر لگ گئی تھی۔ دیئے اس میں کوئی شک تو نہیں تھا چونکہ ہم دونوں کا سامنا تو ہوا تھا لیکن پھر بھی عظمت جلال کا میں بھی ایک مفاد تھا اور اس نے اس صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ہولی گارڈن کے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی تفصیل نہیں معلوم تھی نہ ہی اس علاقے کے بارے میں ابھی تک صحیح انداز میں پتہ چلا تھا۔ جہاں اس نے اپنی مملکت قائم کر رکھی تھی لیکن جو صورت حال سامنے آئی تھی سب اس میں یہ یو آئن کارڈ کو پڑا تھا اور پھر سدھیر پانڈے جبکہ میرا اصل میں ان سے واسطہ بھی نہیں تھا۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے ایک صحافی کی حیثیت دے دی گئی تھی۔ اپنے وطن سے دور اس طرح کی ہنگامہ آرائیوں میں کوئی لمحہ ایسا بھی ہو سکتا ہے جب میں زندگی کی بازی ہار بیٹھوں تو پھر کیا ملے گا مجھے ان تمام کاموں سے یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ عظمت جلال مجھے اپنے مفادات کے لئے صحیح طور پر استعمال کر رہا ہے۔ یہ ایک سال کا وقفہ اس نے اسی لئے دیا ہے کہ مجھ سے اپنے کام پوری طرح نکال لے۔ ممبر کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن بعض اوقات صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا تھا۔ وہ کم بہت بھی کسی طرح اپنے بھائیوں اور بہن سے کم نہیں ہے۔ اپنے مفاد کے لئے اس نے اپنی بہن کے مفاد کو بھی نظر انداز کر دیا ہے بلکہ اس نے بہن کا تحفظ کر لیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زندگی کا کوئی لمحہ مجھے اس طرح پھانس لے کہ پھر میں

”وہ ٹھیک ہو جائے گا اور ویسے بھی ٹھیک ہی ہے کوئی خاص بات نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا بہر حال مدہم مدہم صبح پھیلتی چلی گئی اور اس کے بعد ہم نے اسٹیئر کو جینی پر رکھتے ہوئے اسٹیئر سے گھرنیک کا سفر نیم غشی کے عالم میں گزرا تھا اور اس کے بعد ہم لوگ اپنی منزل پر پہنچے تھوڑی دیر کے لئے نیند کا تاثر ذہن سے ختم ہو گیا تو سدھیر پانڈے نے لینے ہوئے پال کو دیکھ کر کہا۔

”اس پر خاصے گھرے اثرات ہیں۔ ذرا دن نکل آئے تو میں ڈاکٹر کو بلا کر اس کا معائنہ کراؤں“

”میرا خیال ہے اسے نشہ آور ادویات کے زیر اثر رکھا گیا ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔“

”دیئے اس کے جسم پر تشدد کے نشانات بھی ہیں کیا؟“

”بظاہر تو نہیں ہیں لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ تو کیا ہی گیا ہوگا۔ بہر حال یہ ہماری خوش قسمتی۔ اسے دوبارہ دیکھ رہے ہیں۔“

”تعب ہے واقعی! بڑا تعجب ہے۔“ تھوڑی دیر کے بعد دھوپ پھیل گئی۔ پودوں، پتوں اور شبنم کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ فضا میں گلاب کے پھولوں کی بھینٹی بھینٹی خوشبو تھی۔ منہ ہاتھ دھونے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد برآمدے میں آگے جہاں ناشتہ لگایا گیا نے سدھیر پانڈے سے سوال کیا۔

”میرے واپس آنے کے بعد“ میرا مطلب ہے سرنگ میں۔ ادھر کیا محاذ آرائی ہوئی تھی؟“

”اس کے آدمی جب بھی تمہارے خانے کی اوپر والی میزٹیوں پر پہنچتے آنسو گیس ان کا راستہ اور اس طرح ہمیں انہیں نشانہ بنانے میں آسانی ہو جاتی۔“

”لیکن ان کے آدمیوں کو فوراً ہی اس بات کا پتہ چل گیا تھا کہ کچھ اجنبی اندر گھس آئے ہیں“

”سو فیصدی۔ بھلا پتہ کیوں نہ چلا، لیکن ایک آدمی نہ جانے کس طرح ہم سے بچ کر سرنگ میں کامیاب ہو گیا تھا۔“

”ہاں میں نے اسے ختم کر دیا۔ اگر آنسو گیس ہماری مددگار نہ ہوتی تو شاید وہ ہمارے سینے میں ختم کر دیا۔“

”کارڈ کے بارے میں نہیں پتا چلا۔ وہ سامنے آیا ہی نہیں یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس و

اس قلعے میں موجود ہی نہ ہو۔ ہم لوگ جیسے ہی واپس مڑے انہوں نے ہم پر گولیوں کی بارش کرنے جو شہ اور اس کے ساتھیوں کو ہول ہی میں چھوڑ دیا تھا تاکہ انہیں روک سکیں لیکن جیسے ہی

پر پہنچے تو مجھے محسوس ہوا جیسے وہ ہمارے پیچھے لگ گئے ہیں۔ البتہ انہیں کچھ دیر ہو گئی تھی اور ان ہم سے کچھ دور رہ گئی تھی۔“

”اور جو شہ کے ساتھیوں کا کیا ہوا؟“

”جو شہ اور اس کے ساتھی بھی نکل گئے اب کچھ دن تک انہیں ردپوش رہنا پڑے گا۔ پرتگالی نہیں اور جزیرے سے فرار ہونے میں انہیں زیادہ دشواری نہیں ہوگی اور پھر جب معاملہ

گہ۔" اس نے ایک پتہ بتایا اور میں نے اسے نوٹ کر لیا۔ پھر میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ایمیل گرین سے بارے میں مشورہ لے سکتی ہوں۔ وہ ذرا ذہین آدمی ہے۔ ہم لوگ خاصا وقت گزار چکے تھے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے سدھا سے بھی کہا۔

"سدھا! تمہیں ان لوگوں سے ہدایات کس ذریعے سے ملتی ہیں؟"

"بس! کوئی نہ کوئی ذاتی ذریعہ۔"

"نہیں! میرا مطلب ہے کہ گروپ کا کوئی شخص تمہیں ہینڈل کرتا ہے؟"

"یہاں تو مسٹر سدھیر پانڈے ہی زیادہ تر مجھ سے رابطہ رکھتے ہیں۔"

"کوئی پابندی ہے تم پر ان کی طرف سے؟"

"کس طرح کی؟"

"کہیں آنے جانے کی۔ جیسے اب تم میرے ہی ساتھ ہو۔"

"نہیں۔ آپ تو ہماری اپنی ہیں دیدی! ویسے سدھیر کہیں کے لئے بھی مجھ پر پابندی نہیں لگاتا اور یہ بھی اسے اس کا حق کس نے دیا؟"

"نہیں نہیں۔ بات یہاں تک نہیں ہے۔ شام کو اسٹھ کھانا کھانے جائیں گے۔"

"تو اس میں ایسی کون سی بات ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔ پھر شام کو مقررہ وقت پر ہم پیدل چلتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ ایک نیکی روکی اور اس میں سوار ہو کر چل پڑے۔ جس نے میں یہ ہوٹل تھا وہاں چھوٹے چھوٹے شراب خانوں اور ریسٹورانوں کی بہتات تھی۔ بندرگاہ کے آس پاس کی وجہ سے اس علاقے میں برطانوی اور امریکی ملاعوں کی آمدورفت بہت زیادہ تھی۔ حالانکہ عام طور پر گھنٹا قسم کے ریسٹورانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن جس ہوٹل کا پتہ ایمیل گرین نے بتایا وہ بہترین تھا۔ ہم دونوں اندر داخل ہو گئے اور کچھ لوگوں کی نگاہیں ہماری جانب اٹھیں۔ غالباً دو سورت ایشیائی لڑکیاں ان کی توجہ کا مرکز بنی تھیں۔ ہم ایک میز پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک طرف سے ایمیل آیا اور اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے سدھا چکروورتی کو دیکھا۔

"یہ خوبصورت لڑکی بھی تمہاری ہی نسل سے تعلق رکھتی ہے؟"

"ہاں تمہیں اعتراض ہے؟"

"ارے نہیں نہیں! مطلب یہ کہ خوب ہنگامہ آرائی ہو رہی ہے؟"

"تمہیں اس ہنگامہ آرائی کے بارے میں کیا معلوم ہے؟"

"کم از کم پال بلیمنڈو کا واقعہ تو مجھے معلوم ہی ہے اور پھر ویسے بھی ذرا ضرورت حال مختلف ہے۔ باقی ٹیک تو ہو؟" میں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ یہ سوچ کر کہ کہیں میری نگرانی وغیرہ تو نہیں ہو رہی۔ میں نے اپنے لئے ایک ایسی سیٹ منتخب کی تھی جس کے پیچھے دیوار تھی۔ اس طرح میں ہال میں بیٹھے ہر شخص پر دروازے سے آنے جانے والوں پر نظر رکھ سکتی تھی لیکن مجھے کوئی ایسا مشتبہ چہرہ نظر نہیں آتا جس کے بارے میں یہ احساس ہو کہ وہ خاص طور سے میری جانب متوجہ ہے۔ بہر حال ایمیل گرین

اپنے لئے کسی سے کوئی مطالبہ نہ کر سکوں۔ کہیں یہی عظمت کا منصوبہ تو نہیں ہے۔ اس طرح میں لم کی جان کی دشمن اس کے راستے سے ہٹ جاؤں گی اور عظمت کامیابی سے اپنا کام جاری رکھے گا۔ چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ بہر حال سوچیں۔

جاگی تب بھی یہ خیالات میرے ذہن پر سوار تھے اور کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ سدھا چکی تھی اور ایک اچھی لڑکی کی طرح اس نے میرے لئے معقول بندوبست کر رکھا تھا۔ چائے بکٹ اور چھوٹی موٹی چیزیں۔ وہ خالص گھریلو لڑکی تھی۔ بس اس بات کو کیا کیا جائے کہ تقدیر نے اسے ان بڑے لوگوں کے چنگل میں پھنسا دیا تھا۔ میری کہانی بھی کچھ ایسی ہی تھی لیکن بہر حال بڑی مختلف۔ سدھا کا ہوا ناشتہ کرتے ہوئے میرا ذہن مختلف خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اور میں یہ سوچتی رہی تھی کہ اب مجھے چاہئے۔ یہ تو ایک عجیب سا کھیل شروع ہو گیا تھا۔ پال کو حاصل کرنے کے لئے جس قدر شدید جدوجہد پڑی تھی اس میں موت اور زندگی کی آنکھ پھولی بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ ایسے جان دینا تو بالکل حماقت جبکہ اپنا کوئی خالص مفاد بھی نہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے خود کچھ سوچنا چاہئے۔ ایک مقصد، ایک سامنے آ چکا تھا لیکن بات وہی تھی کہ اگر اس مشن کی تکمیل کرتے ہوئے موت کو گلے لگانا پڑے تو اب مل سکتا ہے۔ مسئلہ میرا اپنا تو نہیں ہے۔ کم بخت اپنے دشمنوں کے مفاد کے لئے کام کرنا پڑ رہا تھا پتہ نہیں کیوں دل میں ایک کھول سی پیدا ہو گئی تھی اور میں شدید ذہنی جھلجھلاہٹ محسوس کر رہی تھی۔ جانے کتنی دیر اسی انداز میں گزری تھی۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں یہی سمجھی تھی کہ یا تو سدھیر پانڈے یا انہی معاملات سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص اور یہ میں نے ٹھیک ہی سمجھا تھا۔ البتہ یہ الگ بات ہے فرد ذرا مختلف تھا۔ مجھے ایمیل گرین کی آواز سنائی دی تھی۔

"پورے اعتماد سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ تم ہی ہو۔"

"اوہو۔ تم کہاں غائب ہو گئے تھے ایمیل؟"

"اصل میں بہت بڑے لوگوں سے میرا رابطہ کم ہی ہوتا ہے۔ تم ان دنوں ذرا فضا میں پرواز

نہیں۔ میں نے سوچا کہ جب زمین پر آؤ گی تو تم سے ملاقات کروں گا۔"

"ارے تمہارے الفاظ میں تو کچھ تلخی سی ہے۔ کوئی خاص بات؟"

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ ویسے کیا ہو رہا ہے؟"

"بس صورت حال سنسنی خیز چل رہی ہے۔"

"تھوڑی بہت معلومات تو مجھے ہیں مگر تم ان معاملات میں ضرورت سے زیادہ نہیں الجھ گئی ہو۔"

"کہیں ملو مجھے۔"

"کہاں؟"

"جہاں تم پسند کرو۔ ہانگ کانگ سے اچھی واقفیت ہے میری لیکن اتنی نہیں کہ چھوٹی چھوٹی گلیا

بارے میں بھی پتہ چلے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں ایک پتہ بتائے دے رہا ہوں۔ نیکی ڈرائیور کو بتا دیتا۔ وہ تمہیں دہا

ای گاڑی کو میں اچھی طرح پہچانتی تھی۔ اس نے مجھے اس کے بارے میں تفصیل بتادی تھی۔ اگیشن چال لگا کر میں نے گاڑی اشارت کی اور ہوٹل سے باہر نکال لائی۔ سدھا میرے برابر ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

”آپ لوگوں میں گہرے تعلقات ہیں کیا وہ بھی انہی صحافیوں میں سے ہے جو ہولی گارون کے خلاف زندگی کا خطرناک مشن سرانجام دے رہے ہیں؟“

”ہاں سو فیصدی وہ انہی میں سے ہے۔“

”لیکن اس کا تعلق سدھیر پانڈے سے کیوں نہیں ہے؟“

”بات اصل میں یہ ہے کہ یہاں بہت سے گروپ ہیں۔ میرا مطلب ہے اس سلسلے میں کام کرنے بہت سے گروپ ہیں جو مصروف عمل ہیں۔ میں ایمیل گرین سے واقف ہوں۔ اس کے گروپ سے دے دیے وہ ایک پڑا ہوا شخص ہے۔“ میں نے جواب دیا اور خاموشی سے کارڈ رانیو کرنے لگی۔ سڑک کا میوزک گھومتے ہی تھوڑے فاصلے پر فلیٹوں کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ آگے سڑک کچھ ڈھلوان میں نے ایک موٹر کارنا اور عقب نما آئینے میں دیکھا۔ جس سڑک پر ہم لوگ سفر کر رہے تھے۔ وہ بے ڈھلوان تھی۔ اس کے دونوں طرف پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ ایک جگہ بائیں سمت صرف کے پودوں کا ایک جھنڈ سا تھا۔ میں جیسے ہی جھنڈ کے سامنے سے گزری، کار کی ونڈ سکرین ایک سمت چھٹانے سے چکنا چور ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی کار کو ایک زوردار جھٹکا سا لگا تھا۔ پہلے تو میں یہی کہ کار کا پیسہ کسی پتھر پر چڑھ گیا ہے لیکن پھر میری نظر پائس کے پودوں کے جھنڈ سے برستے ہوئے لپ پڑی۔ فضا فارتنگ کی خوفناک آواز سے گونج اٹھی تھی اور میری کار بری طرح سڑک پر لہرانے لگی۔ اسکرین چور چور ہو گیا تھا۔ دفعتاً ہی میں نے چیخ کر کہا۔

”سدھا! نیچے بھٹک جاؤ۔“ اور میں خود بھی نیچے جھٹکتے ہوئے ایسی لیٹر کو پوری قوت سے دبانے لگی۔ نے خوفناک غراہٹ کے ساتھ ایک چھلانگ لگائی اور تیز رفتاری سے دوڑنے لگی۔ اسٹیرنگ پر میرا قابو رہا تھا اور ویسے بھی میں نیچے سر جھکائے اسٹیرنگ پر گرفت قائم رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ البتہ کے بارے میں مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ میری رہائش گاہ کے سامنے سے ہوتی ہوئی سمندر کے دے تک چلی جاتی ہے اور اگر میں رفتار پر قابو نہ پاسکی تو پھر ہم دونوں کو سمندر میں پناہ لینا پڑے گی۔ سے مسلسل فارتنگ ہو رہی تھی۔ کار لہرائی ہوئی پہلے دائیں طرف کچے میں اتاری اور پھر دائیں طرف آ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو میری رہائش گاہ کی بلڈنگ بالکل سامنے تھی۔ میں نے اسٹیرنگ سنبھالا اور بالبر چھوڑ کر پوری قوت سے بریک پیدل دبا دیا۔ کار عمارت کے عین سامنے رک گئی تھی۔

”تیزی سے سدھا“ تیزی سے لفٹ کی طرف بھاگو۔“ میں نے کہا لیکن اس کے ساتھ ہی میری نگاہ ناہ پڑی اور ایک دم سے میرے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے سدھا زندگی سے اٹھ گئی ہو۔ اگر ایسا ہوا ہے تو یہ میری زندگی کا بدترین المیہ ہوگا۔ میں نے سدھا کو جھنجھوڑ کر اٹھایا تو وہ ٹپ ہو گئی۔

سے کافی دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ ہولی گارون کے بارے میں اس نے کہا۔

”بڑی طاقتور چیز ہے وہ اور ویسے میں تمہیں بتا دوں کہ یہاں تمہیں خاص طور سے کارڈو سے رہنا ہوگا وہ بہت خطرناک چیز ہے۔“

”یعنی طور پر تم سدھیر پانڈے کے بارے میں بھی کچھ کہنا پسند کرو گے۔“ ایمیل گرین کے چہرے عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ پھر اس نے کہا۔

”وہ ایک اخبار نویس یا اخبار کا مالک ہی نہیں بلکہ ایک انتہائی خطرناک آدمی ہے۔ بات یہ ہے شخص اپنے مفاد کے لئے کام کرتا ہے۔ وہ لوگ بھی اپنے مفادات کے لئے کام کر رہے ہیں بلکہ ہولی نے صحافیوں کو قتل کر کے بہت سے لوگوں کا روزگار چمکا دیا ہے اور اب کچھ ایسے لوگ بھی منظر عام ہیں جو صحافیوں سے ہمدردی کا اظہار کر کے کھلے عام اپنا منشا کا کاروبار چکار رہے ہیں۔“

”ایمیل! کیا تم بھی اپنے اس مشن سے مخلص نہیں ہو؟“ میں نے سوال کیا لیکن ایمیل خاموش بہت دیر تک خاموش رہا پھر تھکے لہجے میں بولا۔

”اگر میں مخلص نہ ہوتا تو اس طرح در بدر مارا مارا پھر رہا ہوتا۔ میری بھی اپنی ایک حیثیت، کھانا بہت اچھا تھا اور ہم لوگ اس سے خاصے لطف اندوز ہوئے تھے۔ ایمیل نے کہا۔

”یہ لڑکی بہت پسند آئی ہے مجھے۔ معصوم معصوم سے چہرے کی مالک! میرے ذہن پر کوئی کرنا۔ بس مجھے اس کا چہرہ اچھا لگا ہے۔“

”خیر چھوڑو اب بتاؤ کیا پروگرام ہے؟“

”پروگرام کیا ہو سکتا ہے۔ مجھے کچھ مصروفیت ہے۔ ویسے اگر تم چاہو تو میں تمہیں تمہارے قلم چھوڑ سکتا ہوں۔ تم تو ٹیکسی سے آئی ہوگی نا۔ ویسے گاڑی تو ہوگی تمہارے پاس؟“

”ہاں گاڑی ہے لیکن تم نے جس جگہ مجھے بلایا تھا اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی واقعی مجبوراً ٹیکسی سے آنا پڑا۔“

”بالکل فکر کی بات نہیں ہے۔ تم میری گاڑی لے جا سکتی ہو۔ جب بھی یہاں سے اٹھنا چاہا۔“

”اور تم؟“

”میں ٹیکسی سے چلا جاؤں گا۔“

”ارے نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے میرے اپارٹمنٹ تک چھوڑ دو؟“

”تم آرام سے میری گاڑی لے جا سکتی ہو۔ راستہ تمہیں معلوم ہوگا۔ اصل میں مجھے یہاں رکنا ہے کیونکہ میرا ایک دوست یہاں آنے والا ہے۔ میں نے اپنا پروگرام اسی طرح ترتیب دیا تھا۔ آسانی سے میری گاڑی لے جا سکتی ہو۔ میں کل دن میں کسی وقت تم سے یہ گاڑی لے لوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ ویسے میں ٹیکسی سے بھی جا سکتی ہوں۔ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں ہے۔“

”نہیں یہ رکھو۔ اوکے مس سدھا چکرورنی! آپ سے ملاقات ضرور ہوگی۔“ میں وہاں سے

جی تھی۔ بہر حال اس کے بعد میں تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی بیڈ روم کی جانب بڑھی اور ریسیور اٹھا کر میں نے ایمل گرین کے نمبر ڈائل کئے۔ کافی دیر کے بعد ایمل گرین نے فون کا ریسیور اٹھایا تھا۔

”میں روہن گپتا بول رہی ہوں۔“

”ہاں خیریت کیا بات ہے؟“

”سوری ایمل! شاید تم سوتے سے جاگے ہو۔ ابھی ابھی ہم پر زبردست فائرنگ کی گئی ہے۔“

”اوہ مائی گاڈ! تم ٹھیک تو ہو؟“

”ہاں۔ میں واقعی ٹھیک ہوں حالانکہ مجھے خود حیرت ہو رہی ہے کہ میں اور سداہا کیسے بچ گئیں۔“

”یہ سب کیسے ہوا؟“

”میرے فلیٹ والی بلڈنگ سے تقریباً پچاس گز دور مین روڈ پر۔“

”حملہ آوروں میں سے کسی کو دیکھا؟“

”نہیں۔ صرف رائفلس میں سے شیلے برستے نظر آئے تھے۔ گاڑی کی دھڑسکرین چکنا چور ہونے کے

للاو اور کوئی نقصان نہیں ہوا۔“

”ٹھیک ہے۔ اب گھر میں ہی رہو اور تمام کھڑکیاں دروازے لاک کر لو۔ جب تک تمہیں اطمینان نہ

ہو جائے کسی کے لئے دروازہ مت کھولنا۔ میں تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔“ میں فون بند کر کے مڑی ہی تھی

کہ سداہا کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ وہ ٹرے لئے کھڑی ہوئی تھی۔

”یہ کیا ہے؟“ میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”کافی۔ جو اس وقت ہم دونوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔“

”جیتی رہو۔ بہت عرصے تک جیتی رہو۔ اس وقت واقعی بہت شدت سے اس کی ضرورت محسوس ہو

رہی تھی۔“ میں نے کہا۔

”کسے فون کر رہی تھیں؟“

”ایمل گرین کو۔ اس نے کہا ہے کہ تمام دروازے اور کھڑکیاں اندر سے لاک کر لو۔“

”یہ کام پہلے ہی کر چکی ہوں میں۔“

”اور کسی ایسے شخص کے لئے دروازہ نہ کھولا جائے جو ہمارے لئے اجنبی ہو۔“

”تمہارے خیال میں یہاں کسی کے آنے کے امکانات ہیں؟“

”ہاں۔ کیا کہا جاسکتا ہے؟ جن لوگوں نے ہمیں قتل کرنے کی کوشش کی ہے وہ دوبارہ بھی یہ کوشش

کرتے ہیں۔“

”ٹھیک۔ میں یہ ریوالور نکال کر لے آئی ہوں۔ اسے لوڈ کر لیا ہے۔“

”ویری گڈ۔ مجھے نہیں معلوم یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا۔“

”کمال کرتی ہو ویدی! وہاں میرے پاس ریوالور نہیں تھا کیا؟“

”اوہو۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں نے یہاں اسلحہ رکھنے کی کوشش نہیں کی لیکن تم نے مجھ سے زیادہ

”اوہ ٹھیک گاڈ! تم ٹھیک ہو۔ آؤ جلدی آؤ۔“ سداہا اپنے بدن کی کچکپاہٹوں کو سنبھالتی ہوئی

آئی اور میرے ساتھ چل پڑی۔ سڑک سنسن پڑی تھی۔ اکثر فلیٹوں کی روشیاں جل رہی تھیں۔

غیر معمولی بات نہیں تھی۔ غالباً فلیٹ کے مکین سوچکے تھے اور کسی نے فائرنگ کی آواز نہیں سنی تھی

سداہا کا ہاتھ پکڑے گھسیٹی ہوئی عمارت کے دروازے کی جانب دوڑنے لگی۔ نجانے کیوں مجھے یوں

تھانے درختوں سے آنے والی گولیاں کسی بھی لمحے چلیں گی اور مجھے چھلنی کر دیں گی لیکن اس

فائرنگ نہیں ہوئی اور میں عمارت کے سامنے پہنچ گئی۔ لفٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اندر داخل

ہی لفٹ کا بٹن دبایا۔ لفٹ جیسے ہی انجی سداہا مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کا بدن تھر تھرا کانپ رہا تھا۔

”خود کو سنبھالو سداہا! تم ٹھیک تو ہو نا؟“

”ہاں اور تم؟“ سداہا نے مجھے دیکھا۔

”میں بھی ٹھیک ہوں۔“ میں نے جواب دیا لیکن اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال

میرے بدن میں سنسنی پھیل گئی۔ اگر بات یہیں تک محدود نہ رہی اور اوپر بھی ان کے کچھ ساتھی

ہوئے تو؟ دفعتاً میں نے ہاتھ بڑھا کر لفٹ کے بٹن پر ہاتھ رکھ دیا لیکن لفٹ اوپر اٹھتی رہی اور تیسری

رک گئی۔ میں نے شیشے سے جھانک کر باہر دیکھا لیکن کچھ نظر نہ آسکا۔ بہر حال پھر میں نے دروازہ کو

میں نے گردن باہر نکال کر جھانکا اور اس کے بعد سداہا کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ پھر میں نہایت محتاط

میں قدم اٹھاتی ہوئی راہداری میں چل پڑی۔ میں اس حقیقت سے پوری طرح واقف تھی کہ اگر اس

کوئی سامنے آگیا تو میں اپنا دفاع نہیں کر سوں گی کیونکہ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ راہداری

کی سی خاموشی طاری تھی۔ ہم دونوں دبے قدموں چل رہے تھے اور میرے ذہن میں تیز سنسنائے

تھی۔ دروازے کے پاس پہنچ کر میں رکی اور چند سیکنڈ تک میں اندر کی آہٹیں سننے کی کوشش کرنے

چاہی نکال کر تالے کے سوراخ میں ڈالی اور پھر ہر ممکن احتیاط کے ساتھ اسے گھمانے لگی۔ کلک کی

آواز کے ساتھ تالا کھل گیا اور میں دروازے کو آہستہ سے دھکا دے کر وہیں ساکت ہو گئی۔ سامنے

تاریکی تھی۔ کسی قسم کی آہٹ نہیں ہو رہی تھی۔ بہر حال اس سے زیادہ احتیاط کیا ہو سکتی تھی۔ چنا

قدم بڑھا کر اندر داخل ہو گئی اور دیوار پر سوچ ٹولنے لگی۔ چند سیکنڈ بعد میں نے سوچ دیا۔ مجھے

کہ روشنی ہوتے ہی یا تو میرے سینے میں گولی پیوست ہو جائے گی یا سر پر زبردست ضرب لگے گی

کوئی بات نہیں ہوئی اور میں گہری نگاہوں سے سامنے دیکھنے لگی۔ کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں

تھے۔ آخر کار ایک گہری سانس لے کر سداہا کی طرف دیکھا اور اسے آگے آنے کا اشارہ کیا۔ ہم دونوں

قدموں آگے بڑھ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ میں نے لائٹ جلائی اور پھر میز کی طرف

جالی کے سلائیڈنگ دروازے اسی طرح بند تھے جس طرح ہم بند کر کے گئے تھے۔ آخر کار میں نے آ

کر شٹر لاک کر دیے۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں نے اندر آتے ہوئے بیرونی دروازہ کھلا ہی

ہے۔ چنانچہ میں دوڑتی ہوئی ہال میں گئی اور جلدی سے دروازہ بند کر کے ڈبل لاک لگا دیا۔

”تمام کھڑکیاں بند کر کے لاک کر دو۔“ میں نے سداہا چکرورتی سے کہا جو اس دوران بیڈ روم

بجھداری کا ثبوت دیا۔ ویسے ایمل نے کہا تھا کہ وہ دوبارہ فون کر لے گا۔ شاید اس کی کال.....“ اچھا میں خاموش ہو گئی۔ مجھے کچھ آہٹیں سنائی دی تھیں۔ یہ آہٹیں یقینی طور پر سدھانے بھی سن لی تھیں کیونکہ وہ بھی چونک کر دروازے پر کان لگانے لگی تھی۔ یہ لفٹ کی آواز تھی جو یقینی طور پر اس منزل پر ہم سدھانے کے چہرے پر پھیلاہٹ سے دوڑ گئی۔ میں نے پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھ کر سنگ روم اور ہال بتیاں بجا دیں۔ میسر کی طرف سے آنے والی مدہم روشنی میں مجھے سدھانے کا ہیولا دکھائی دے رہا تھا۔

”بیڈ روم میں جا کر لیٹ جاؤ۔“ میں نے سدھانے کو دیکھ کر سرگوشی کی۔ پھر اسی لمحے لفٹ رکنے کی آواز سنائی دی اور میں برق رفتاری سے دوڑتی ہوئی دروازے کے سپاٹی ہول سے باہر بھاگنے لگی۔ چند لمحوں کے بعد گھر پر پہنچ گئی۔ باہر بالکل خاموشی تھی۔ ایک لمحے کو میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ لفٹ کسی خرابی کے باعث خود بخود تو اوپر نہیں آگئی لیکن میرا خیال غلط نکلا کیونکہ اسی لمحے لفٹ کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔ دروازہ پوری طرح کھلنے سے پہلے ایک ہاتھ باہر نکلا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس نے ڈارک بلور رنگ کوٹ پہنا ہوا تھا۔ کوٹ کی آستین صاف نظر آرہی تھی۔ پھر ایک آدمی باہر آگیا۔ بظاہر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک پولیس آفیسر ہے۔ اس کے جسم پر مکمل وردی کے علاوہ ٹوپی بھی تھی۔ پھر چند سیکنڈ کے بعد دوسرا پولیس آفیسر بھی لفٹ سے باہر آگیا۔ وہ بھی مقامی ہی تھا۔ وہ دونوں ہمارے فلیٹ کی جانب ہی رہے تھے۔ دونوں یا تو سینئر انسپکٹر تھے یا پھر سپرنٹنڈنٹ۔ کندھوں پر اشار صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ آواز دے کر ان میں سے ایک نے فلیٹ کی کال بیل کاٹن دیا اور آواز ہال کی تاریک فضا میں گونج کر رہ گئی۔ میں نے ایک لمحے تک سوچا اور پھر ایک دم رک گئی۔ مسلح شخص کو میں نہیں پہچانتی تھی اور یہ بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ صحیح آدمی ہو۔ اس شخص نے دوبارہ کھٹی بجائی۔ اس مرتبہ اس نے زیادہ دیر تک بٹن دبایا رکھا تھا جس سے اس کی بے چینی کا اظہار ہو رہا تھا۔ پھر وہ سپاٹی ہول سے بھاگنے کے لئے جھک گیا۔ یہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی تھی لیکن بے خیالی میں میں پیچھے ہٹتی ہوئی ایک چھوٹی سی میز سے ٹکرائی۔ تار میں سانے کی وجہ سے میز کے اٹنے کی آواز ہم کے دھماکے سے کم ثابت نہ ہوئی۔ میں تیزی سے اچھل کر دروازے کے سامنے سے ایک طرف ہٹ گئی اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے دروازے پر ہتھوڑے برسائے رہے ہوں۔ اس کے ساتھ ہی فائرنگ شروع ہو گئی۔ گولیاں دروازے کو چیرتی ہوئی سامنے والی دیوار پر پیوست ہو گئیں۔ ایک گولی سنگ روم کے دروازے سے گزرتی ہوئی میسر کے دروازے کا شیشہ توڑا ہوئی باہر نکل گئی۔ اس کے بعد تو یوں محسوس ہوا جیسے باہر سے گولیوں کی بارش ہو رہی ہو۔ فائرنگ کی آواز کے ساتھ دروازے کی لکڑی چٹختے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی اور دروازے کی لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اڑ رہے تھے۔ وہ لوگ تالے پر فائرنگ کر کے اسے اڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں جیب سے ریوالور نکال کر آہستہ سے اس کا سیفٹی کچھ ہٹایا۔ اب میرے اندر ایک سکون پیدا ہو گیا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ حالات سنسنی خیز ہیں۔ اپنے آپ کو اس قدر خوفزدہ بھی نہیں کرتا چاہئے۔ میرے اندر شاہ نور ابھر آئی تھی اور ابھی تک میں نے شاہ نور کو کہیں استعمال نہیں کیا تھا ورنہ ان لوگوں کو اتنی آسانی نہ ہوتی۔

”ہاں۔ مجبوری تھی۔ اگر میں اسے قتل نہ کرتی تو وہ اندر داخل ہو کر ہم دونوں کو قتل کر دیتے۔“

”آہ۔ میرا خیال ہے پولیس آگئی ہے۔ سائزن کی آواز گونج رہی ہے۔ ممکن ہے یہ پولیس ایمل گرین لے کر آیا ہو لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بھی ہمارے دشمن ہی ہوں۔“ میں نے ایک دم بتی بجھادی اور سدھانے کے قریب آکر بولی۔

”اس وقت اپنے آپ کو پوری طرح قابو میں رکھنا ہے ورنہ گزربڑ ہو جائے گی۔“ کچھ ہی دیر کے بعد لفٹ کی آواز سنائی دی اور میں نے دروازے کے قریب آکر ایک بار پھر باہر جھانکا۔ لفٹ کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور چار پولیس والے تیزی سے باہر نکل آئے۔ سب سے آگے والا پولیس مین راہداری میں بڑی لاش سے ٹکرا کر گرے گرتے پچا۔ میں اپنی جگہ آنکھ لگائے ایک ایک چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی

”نہیں۔ یہ بات میں جانتا ہوں کہ تم خوفزدہ ہونے والوں میں سے نہیں ہو بلکہ بہت بہادر ہو۔“ وہ بولا پھر کہنے لگا۔

”بہر حال‘ یہ ساری باتیں اپنی جگہ۔ میں یہ دو آدمی یہاں چھوڑے جا رہا ہوں۔ یہ ہمیں رہیں گے۔ صبح کو میں اور آدمی بھیج دوں گا۔ میرا خیال ہے تم لوگوں کو ابھی اپنی جگہ سے نہیں نکلتا چاہئے تھا۔“
 ”ویسے میں اس سلسلے میں چاہتی ہوں کہ کسی کو علم نہ ہو۔ بس میرا اپنا خیال ہے۔“
 ”جیسا آپ پسند کریں مس روہن گپتا!“ سدھا چائے لے آئی تھی۔ اس کے بعد چائے پی گئی اور ایمیل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”اور اب خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ تمہاری حفاظت کے لئے لوگ موجود ہیں۔ اس لئے آرام سے سو جاؤ۔ سدھا کی آنکھوں میں نیند کا کلائی رنگ جھلک رہا ہے جو انسانی ذہنوں کو بھٹکانے کے لئے کافی ہے۔ اس لئے مجھے اجازت اور سدھا چکرورتی اس مزیدار چائے کے لئے شکریہ۔“ یہ کہہ کر ایمیل گرین باہر نکل گیا پھر میں نے بھی سونے کی کوشش کی اور اس تمام ہنگامہ آرائی کے باوجود مجھے بڑی پرسکون نیند آئی تھی۔ پھر صبح کو جب میری آنکھ کھلی تو نو بجتے میں دس بجے باقی تھے۔ اسی لمحے سدھا مسکراتی ہوئی بیڈ روم میں داخل ہو گئی۔

”آپ اتنی گہری نیند سوئی تھیں دیدی کہ آپ کو اگر کوئی قتل بھی کر دیتا تو خبر نہ ہوتی۔ چلئے اچھی بات ہے۔ آپ کی نیند بھر گئی۔ کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ؟“
 ”اپنے آپ کو بہت ہلکا چھلکا۔“ میں نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی پھر میں نے اس سے پوچھا۔ ”کوئی فون کال تو نہیں آئی؟“

میرے سوال کے جواب میں اس نے کہا۔ ”آدھ گھنٹے پہلے ایمیل گرین کا فون آیا تھا۔ جب میں نے کہا کہ آپ سو رہی ہیں تو اس نے کہا کہ آپ کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ وہ دوبارہ فون کرے گا اور اس کے علاوہ سدھیر پانڈے کا فون بھی آیا تھا۔ میں نے اسے گزشتہ رات کے واقعہ کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں یہاں سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ دوپہر کو یہاں آئے گا۔“

”اوہ۔ اس کا مقصد ہے کہ پال بلیٹنڈو بھی اس کے ساتھ ہو گا؟“

”اس نے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔“

”سنو۔ پلیز ادھر آؤ۔“ میں نے اس سے کہا اور بازو سے پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

”ویسے میڈم! یہ کارڈو جو ہے نا‘ یہ دنیا کا سب سے خطرناک آدمی ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ ایمیل گرین کے ان الفاظ سے میں پوری طرح اتفاق کرتی ہوں کہ آپ اس کی نگاہوں میں آگئی ہیں اور اب وہ ہر قیمت پر آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ غالباً اسے آپ کے بارے میں کوئی شبہ ہو گیا ہے۔ البتہ کچھ باتیں میرے ذہن میں پریشانی کی کیفیت پیدا کر رہی ہیں۔ مثلاً آپ مجھے بتائیے کہ اصولی طور پر جو ساری کارروائیاں کی جا رہی ہیں یا جن کی پشت پناہی کی جا رہی ہے‘ سدھیر پانڈے کی طرف سے ہیں۔ سدھیر پانڈے یوں سمجھئے کہ کارڈو کا سب سے بڑا حریف ہے اور لوگ اس کی مدد سے ساری کارروائیاں کر رہے

لیکن جب مجھے ایمیل گرین کا چہرہ نظر آیا تو میرے منہ سے بے اختیار ایک گہرا سانس نکل گیا اور میں جلدی سے سامنے آگئی اور میں نے سامنے آکر کہا۔

”اوہ ایمیل! شکر ہے تم آگئے۔“

”پہلے یہ پستول ایک طرف کرو۔“ اس نے میرے ہاتھ میں موجود پستول کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ لوگ ان پولیس والوں کی طرح وردیاں پہن کر آئے تھے۔ پولیس میں اور ان میں فرق صرف ا

تھا کہ انہوں نے آتے ہی ہم پر فائرنگ شروع کر دی۔“

”یہ انہی کا ساتھی ہے۔“ ایمیل نے لاش کو ہلکی سی ٹھوکر مار کر کہا۔

”ہاں یہ دو تھے۔ مجھے یقین ہے ایمیل! یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے آتے ہوئے ہماری کار پر فائرنگ

کی تھی۔ ایک تو یہ ہے اور دوسرا.....“

”وہ فرار کی کوشش کرتے ہوئے پکڑا گیا ہے۔“ ایمیل نے میری بات کاٹنے ہوئے کہا۔ ”ہاں۔ اگر

ہمیں آنے میں دیر ہو جاتی تو شاید وہ نکلے میں کامیاب ہو جاتا۔“

”گڈ۔ ویری گڈ۔“ میں نے خوشی کے عالم میں کہا۔ ایمیل نے پلٹ کر سدھا چکرورتی کو دیکھا اور

بولا۔

”آپ تو ٹھیک ہیں مس سدھا؟“

”ہاں۔ عموماً میں ٹھیک ہی رہتی ہوں۔“ سدھا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ویسے چائے کے لئے کس سے کہوں؟ آپ سے یا روہن گپتا سے؟“

”نہیں۔ میں چائے تیار کرتی ہوں۔“

”آؤ۔ اندر آ جاؤ۔ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔“ میں نے کہا اور ایمیل اپنے ساتھ آنے

والوں کو ہدایات جاری کرنے لگا۔ وہ لفٹ میں فنگر پرٹس تلاش کرنے کے لئے چل پڑے تھے۔ اس کے

علاوہ ایمیل نے ان سے کہا تھا کہ فرنچیز سے جس قدر ممکن ہو گولیاں بھی نکال لی جائیں اور راہداری کے

فرش سے خون کے دبے بھی صاف کر دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ لوگ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ ہم لوگ

ٹیس پر آگئے تھے۔ میں نے کہا۔

”یہ بھی شکر ہے کہ وہ لوگ اچھے نشانہ باز نہیں تھے جن کی فائرنگ سے بے قابو ہونے کے بعد میرا

خیال تھا کہ کار اب سمندر ہی میں جا کر رکے گی لیکن پھر پتہ نہیں میں کس طرح اسے روکنے میں کامیاب ہو

گئی۔“

”یہ ایک اچھے ڈرائیور کی نشانی ہے۔ ویسے یہ تم لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ تمہارے پاس اسلحہ

موجود تھا۔ اگر وہ لوگ اندر آنے میں کامیاب ہو جاتے تو تم لوگوں کو اذیت ناک موت سے کوئی نہیں بچا

سکتا تھا۔ ویسے ایک بات بتاؤں۔ تمہارے بارے میں کچھ زیادہ ہی سنسنی پھیل گئی ہے۔ لگتا ہے جیسے تمہاری

خوب پہچانی ہو گئی ہے۔ یو آن کارڈو خاص طور سے اب تم پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔“

”میرا خیال ہے تم مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہو۔“

”نہیں۔ خیر اب اس سے خوفزدہ ہونا تو کسی طور ممکن نہیں ہے لیکن باقی ساری بات اپنی جگہ ہے۔ میرا مطلب ہے اگر کوئی ضرورت ہوگی تو میں تمہیں فون کر دوں گی۔“

”اوکے۔ بالکل اطمینان رکھو۔ میرے آدمی تمہاری نگرانی کر رہے ہیں۔“ ایمیل گرین کا فون بند ہو گیا۔ میں تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اس کے بعد میں نے سدھیر پانڈے کا نمبر ڈائل کیا۔ سدھیر پانڈے کو اس کی ضرورت تھی کہ اسے تفصیل بتائی جائے کیونکہ بہر حال ابھی اس سے رابطہ رکھنا تھا اور کوئی بات چھپا کر صورت حال مشکل بنائی جاسکتی تھی۔ چنانچہ میں نے اسے فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ کسی کام سے نکلا ہوا ہے۔ بہر حال اس کے بعد میں آرام سے سدھا کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ دوپہر کو سدھیر پانڈے خود ہی پہنچ گیا تھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

”ایک بری خبر ہے روہن گپتا! پال بلیمنڈو کا میڈیکل چیک اپ کروایا تھا۔ ڈاکٹر اس کی جانب سے مطمئن نہیں ہیں۔ بہر حال افسوس ہے۔ مگر خیر چھوڑو۔ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اصل میں اسے بے ہوش کرنے والی دوائیں زیادہ مقدار میں دے دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے جسم پر ایسے نشانات پائے گئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے بجلی کے جھٹکے دیئے گئے ہیں۔ بے ہوشی کے عالم میں بجلی کے جھٹکوں کے جو نتائج ہو سکتے ہیں وہ اس پر نمودار ہو گئے ہیں۔ بہر حال اب جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہاں یہ بتاؤ کہ تم ہنگام کے بارے میں کیا فیصلے کر رہی ہو؟ میرا مطلب ہے ہمارے اس منصوبے کے مطابق اور ویسے بھی یہاں اس سے زیادہ رکنا خطرناک ہو سکتا ہے کیونکہ جو صورت حال سامنے آتی جا رہی ہے اس سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ اب یو آن کارڈو مکمل طور پر ہماری جانب متوجہ ہو گیا ہے اور خاص طور سے وہ مجھے اپنے لئے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ یہ صورت حال سنگین ہے۔“ سدھیر پانڈے نے چاروں طرف دیکھا۔ چھت اور دیواروں پر گولیوں کے نشانات نظر آرہے تھے۔ وہ کہنے لگا۔

”بہر حال، میں یہ سمجھتا ہوں کہ دونوں خواتین بڑی زبردست حیثیت کی مالک ہیں۔ سدھا ایک دلیر لڑکی ہے اور تمہارے ساتھ بڑی اچھی پارٹنرشپ رہے گی۔“

”یہ میں تم سے پوچھ رہا ہوں اور اسی لئے تمہارے پاس آیا ہوں۔“

”ہاں تو پھر ٹھیک ہے۔ تم تیاریاں کر لو اور میں تمہاری روائی کے لئے تیاریاں کئے لیتا ہوں۔ کیا سمجھیں؟“ وہ ہنسا اور نہ جانے کیوں اس کی ہنسی میں مجھے ایک مکاری سی محسوس ہوئی۔ وہ چلا گیا تو میں سوچ میں ڈوب گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ سدھا بھی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ہم دونوں نے اپنی اس الجھن کا ایک دوسرے سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا اور خاموشی سے جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ میں اب بھی اپنے صبر کو آزمانا چاہتی تھی۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ عظمت جلال نے مجھے ایک سال کا وقفہ دیا تھا اور اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ میں یہ ایک سالہ جہاد اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ہی کر رہی تھی لیکن یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ یہ معاملہ کتنے عرصے جاری رہے گا اور میں کب تک یہ صورت حال

ہیں۔ اس بات کو مددگار رکھتے ہوئے کارڈو کو سدھیر پانڈے کے خلاف کارروائی کرنی چاہئے تھی چونکہ وہ اس کا اصل دشمن ہے اور کارڈو اتنا بے خبر آدمی بھی نہیں ہے کہ اپنے گھر پر حملے اور پال بلیمنڈو کی رہائی کے منصوبے کے بارے میں یہ نہ جان سکے کہ کسی عام آدمی نے نہیں بنایا بلکہ سدھیر پانڈے نے بنایا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ آپ کو تو اس معاملے میں گھسیٹ ہی لیا گیا ہے۔ آپ نے محض سدھیر پانڈے کے کہنے پر اپنی زندگی داؤ پر لگا رکھی ہے۔ ایمیل کا بھی یہی اندازہ ہے کہ آپ اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں کیونکہ اگر سے بہت سوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔“ میں غور سے سدھا کی صورت دیکھنے لگی تھی۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

”تم ٹھیک کہتی ہو سدھا! بات واقعی ایسی ہی ہے۔ میں ان لوگوں سے شدید نفرت کرتی ہوں لیکن.....“ ابھی میں اپنا جملہ پورا نہ کر پائی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی اور میں بستر سے اٹھ کر فون کے قریب پہنچ گئی۔

”ہیلو۔ میڈم روہن گپتا! میں جو کوئی بھی ہوں آپ کو اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔ ویسے میں بے سوچ رہا ہوں کہ آپ کا بار بار پرنچ جانا بڑا عجیب سا ہے۔“

”ہاں ہے تو عجیب لیکن صرف یہ بتائیے کہ آپ کو اس سے تکلیف ہو رہی ہے؟“

”نہیں۔ تکلیف تو نہیں ہو رہی لیکن بس یوں سمجھ لیجئے کہ آپ نے اپنے معاملات میں مجھے خصوصی طور پر ملوث کر لیا ہے۔“

”کیا کہہ سکتے ہیں اس بارے میں جبکہ آپ ایک ڈرپوک اور بزدل آدمی ہیں، آپ جو کوئی بھی ہیں۔“

”ارے ارے آپ کو اس بات کا علم کیسے ہو گیا؟ ویسے میں اس بات کو دل سے تسلیم کرتا ہوں۔ ہاں آپ کیوں یہ بات کر رہی ہیں؟“

”اس لئے کہ آپ ٹیلی فون پر بات کرتے ہوئے مجھے اپنے بارے میں نہیں بتا رہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ مجھ سے بہت زیادہ خوفزدہ ہیں۔“ جواب میں ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر فون بند کر دیا گیا۔ میں نے بھی ریلیور رکھ دیا۔ یہ عجیب سی کوشش تھی جو پتہ نہیں کس نے کی تھی۔ بہر حال وقت گزرتا رہا اور پھر دوبارہ ایمیل گرین کا فون آگیا۔ ایمیل گرین نے میری آواز پہچاننے کے بعد کہا۔ ”تمہارے لئے ایک اطلاع ہے۔ پچھلی رات ہم نے جس حرای کو گرفتار کیا تھا، ہم اس سے معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔“

”کیا اس نے آسانی سے زبان کھول لی؟“

”نہیں۔ میں نے تمہیں شاید یہ بات نہیں بتائی تھی کہ یہ لوگ جو خاص طور سے کارڈو کے آدمی ہوتے ہیں، اگر کسی جال میں پھنس جائیں تو مرجانا پسند کرتے ہیں، پر زبان نہیں کھولتے لیکن ہم نے اس پر کچھ ایسی خصوصی توجہ دی کہ وہ زبان کھولنے پر مجبور ہو گیا۔ بہر حال اس سے خاصی تفصیلات معلوم ہوئی ہیں۔ گزری ہوئی رات کے آپریشن کی نگرانی خود یو آن کارڈو نے کی تھی اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اسے تم سے کچھ خاص محبت ہو گئی ہے۔ اب یہ بتاؤ آگے کا پروگرام کیا ہے اگر باہر نکلتا

”ہاں۔ بالکل ٹھیک سوچ رہی ہو تم۔ اصل میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں عظمت جلال اس نے کہا اور میں نے کھڑکی کے شیشے سے باہر جھانکنا۔ طیارہ بالوں کے اوپر پرواز کر رہا تھا اور نیچے کے پہاڑ بنے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں انہیں دیکھتی رہی پھر میں نے سامنے رخ کر کے کہا۔

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ آپ آج اس طرح مل گئے۔ ان دنوں میں شدید ذہنی کوفت کی شکار میں نہیں جانتی کہ بنگاک ائروپورٹ پر اتر جانے کے بعد آپ میرا ساتھ دیں گے یا یہاں سے کہیں نہ ہو جائیں گے۔ ویسے میرا اندازہ ہے کہ آپ ائروپورٹ پر میرا ساتھ نہیں دیں گے کیونکہ میرے ساتھ افراد اور بھی ہیں۔“

”ہاں میں جانتا ہوں اور تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ ہم دونوں کو اصولی طور پر الگ الگ ہی سے اختیار کرنا چاہئیں۔ چونکہ پہلی بات تو یہ کہ یہ دو افراد تمہارے ساتھ ہیں جو تمہیں صرف روہن گیتا نام سے جانتے ہیں اور پھر دوسری بات یہ کہ میں تم سے اپنے آپ کو متعارف کسی بھی شکل میں نہیں اسکتا۔“

”کیا آپ کو اس دوران ہونے والی تمام باتوں کے بارے میں معلومات حاصل ہیں؟“

”ہاں۔ بالکل ہیں اور یقین کرو کہ میں تم پر فخر کرتا ہوں۔ اتنی عمدگی کے ساتھ ایک زبردست مشن انجام دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یو آر ونڈر فل۔ میرا یہی اندازہ تھا ہے۔ لی۔“

”لیکن سر۔ اب میرا بیانا ممبرلینز ہوتا جا رہا ہے۔ میں یہاں بالکل ہی الگ نظریے کے تحت آئی تھی ان یہاں کچھ افراد مجھ پر بری طرح مسلط ہو گئے ہیں۔“

”بات اصل میں وہ نہیں ہے۔ جس کے لئے تم کام کر رہی ہو، میرا مطلب سمجھ رہی ہو گی تم، یعنی یہ ہولی گارون تک پہنچنا ہمارا ایک مشن ہے لیکن یہ نہیں ہے کہ ہولی گارون ہمیں اپنے جانی دشمن کی نیت سے جانے۔ میں نے یہ آسان راستہ اس لئے اختیار کیا تھا کہ ممکن ہے اس سے تمہیں کوئی فائدہ مل ہو جائے لیکن ہوا یہ ہے کہ اب اس کی اور اس کے نمائندے یو آن کارڈ کی تمام تر توجہ صرف اور صرف تمہاری جانب ہے۔ وہ تمہیں اپنا بدترین دشمن تصور کر رہے ہیں۔ شاید اس بات سے آگاہ ہو چکے ماکہ ایک عورت ہونے کے باوجود تم کس قدر شاندار کارکردگی کی مالک ہو چنانچہ اب وہ تمہیں ہر قیمت پر اُکرونا چاہتے ہیں۔“

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولی۔ ”اور آپ مجھے آسانی سے اتنے سارے دشمنوں مابچوڑ کر مروا دینا چاہتے ہیں۔“

عظمت جلال ایک لمحے کے لئے پتھرا سا گیا تھا۔ کچھ لمحے خاموشی رہی پھر وہ بولا۔ ”اور تمہارے ان الفاظ نے مجھے درحقیقت اس قدر حیران کیا ہے کہ میں چونک کر تمہاری صورت دیکھنا چاہتا تھا لیکن میں نے اپنے اعصاب کو اپنے قابو میں رکھا ہے۔ کیا تمہارے ذہن میں ایسا کوئی تصور آ سکتا ہے میرے لئے۔ اگر طیارہ جواب اثبات میں ہے تو یقین کرو غم کے علاوہ مجھے شدید حیرت ہوئی ہے۔ بات یہ ہے ڈیرا میں جانتا تھا کہ میں ان لوگوں سے تعلق رکھتا ہوں جن کے ذریعے تمہیں انتہائی شدید تکلیف پہنچی ہے لیکن اس

برداشت کر سکوں گی۔ میرا اپنا بھی ایک مزاج تھا اور میں خود سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اب مجھ پر صرف احکامات ہی مسلط کئے جاتے رہیں تو میرے لئے ان احکامات کو مسلسل سامنے رہنا مشکل ہو جاتا۔ میں تو عظمت جلال کو بھی اپنا لباس نہیں مانتی تھی۔ بس ایک مجبوری تھی۔ جو مجھے اس سے تعاون پر آمادہ رہی تھی ورنہ نہ تو سدھیر پانڈے کوئی حیثیت رکھتا تھا نہ یو آن کارڈ۔ اور سچی بات یہ ہے کہ نہ ہر گارون۔ بس جس وقت بھی دماغ پھر جائے میں خود فیصلے کر سکتی تھی کہ مجھے کس سلسلے میں کہاں تک آ کر بڑھنا ہے یا پیچھے ہٹنا ہے۔ بہر حال اب ذہن پر وہی وحشت سوار ہو رہی تھی جو میری فطرت کا ایک حصہ اور میں جانتی تھی کہ یہ وحشت یا تو مجھے کسی بڑی مصیبت میں مبتلا کر دے گی یا پھر میں کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے لوں گی۔ بنگاک روانگی کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ مجھے ٹکٹ وغیرہ بھی مہیا کر دیئے۔ سدھا چکرورتی کو بھی میرے ساتھ ہی سفر کرنا تھا لیکن احتیاط کے پیش نگاہ یہ بات ذہن میں رکھی تھی کہ ہم لوگ بالکل الگ الگ حیثیتوں سے الگ الگ نشستوں سے سفر کریں۔ البتہ مجھے اس بات کا نہیں تھا کہ ایمیل گرین بھی میرے ساتھ ہی بنگاک جائے گا کیونکہ ایمیل گرین کا تو ان معاملات سے کو تعلق ہی نہیں تھا۔ میرا مطلب ہے براہ راست تعلق۔ بس وہ ایک الگ حیثیت سے میرا ساتھ دے رہا اور میں اس سے خاصی بے تکلف ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب ہمیں بنگاک روانہ ہونا تھا ہمارا طیارہ مقررہ وقت پر فضا میں پرواز کرنے لگا۔ طیارے کی فضا بے حد خوشگوار تھی۔ میرے برابر جو شخص بیٹھا ہوا تھا وہ ایک اڈھیڑ عمر آدمی تھا۔ انتہائی صاف شفاف چہرے کا مالک۔ نسلاً یورپین معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر انتہائی شاندار داڑھی اور گہری گھٹی مونچھیں تھیں۔ لباس بھی تھری پیس اور بہت ہی شاندار پہن ہوئے تھا۔ آنکھوں میں خوش اخلاقی کی جھلک تھی۔ سفر کے کوئی تین چار منٹ کے بعد وہ مجھے مخاطب کر بولا۔

”سوری بے بی! لیکن کیا کیا جائے، طویل خاموشی اعصابی کشیدگی پیدا کر دیتی ہے۔ کیا میں تم۔ مخاطب ہو سکتا ہوں؟“

”کیوں نہیں سرا“ میں نے سر دلچے میں کہا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی دوران سفر میرے کان کم رہے۔ ایمیل گرین کے سلسلے میں ذہن الجھا ہوا تھا کہ آخر اسے کس طرح معلوم ہوا کہ میں کون سی فلائز سے بنگاک جا رہی ہوں کیونکہ اس دوران میرے اور اس کے درمیان کوئی زیادہ گہری ملاقات بھی نہیں ہو تھی۔ ابتدائی ہنگامہ آرائیوں کے بعد وہ ایک بار پھر روپوش ہو گیا تھا۔ بہر حال اس خوش اخلاق آدمی کا۔

”بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان بری طرح چونک جاتا ہے اور چونک جانے سے اپنے آپ بچانے کے لئے اعصابی طور پر ذرا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم زبردست اعصابی قوتوں کی مالک ہو۔ اس لئے یقیناً ہوشیار رہو گی۔“ میں نے واقعی شدید حیرانی محسوس کی تھی لیکن ایک لمحے کے اندر اندر مجھے احساس ہو گیا تھا کہ وہ شخص مجھ سے کوئی ایسی بات کہنے والا ہے جو مجھے چونکا دے گی اور وہ مجھے آ سے روکنا چاہتا ہے۔

نہ ہنگامہ آرائی سے باز رہنا چاہئے۔

”کس سوچ میں ڈوب گئیں؟“ وہ بدستور ہونٹوں کو ہلائے بغیر بولا۔ بڑی احتیاط کر رہا تھا اور شاید اس پر یہ تھی کہ سدا چکرورتی اور ایمیل گرین کے بارے میں اسے مکمل علم تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس بات کو محسوس کریں۔

”نہیں انکل، بس یہی سوچ رہی ہوں، آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس دوران کس طرح اور موت کی کشش میں مبتلا رہی ہوں۔“

”جس شخص کا نام یو آن کارڈو ہے، اس سے منشفے کے لئے جس طرح کی ہنگامہ آرائی کرنی پڑ سکتی ہے اسے اگر اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تو کم از کم اندازہ تو لگا سکتا ہوں کہ وہ کیا ہوگی لیکن تم خود سوچ میں اس سلسلے میں تم پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا۔“

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے انکل کہ اگر ایسی بات ہے تو ہولی گارڈن کے خلاف ہم جو کچھ کر رہے ہیں، اس کے لئے آپ کیا کہتے ہیں؟“ میں نے عظمت جلال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک لکیر کھینچی ہوئی ابھرا اس نے کہا۔

”ہولی گارڈن نے صحافیوں کے ایک گروہ کو نقصان پہنچایا ہے بلکہ یوں کہو کہ چار صحافیوں کو، جن کا مختلف اخباروں اور مختلف حکومتوں سے تھا، اس لئے ہلاک کر دیا کہ انہوں نے اپنی معلومات سے ہولی گارڈن کے خلاف ایک بہت بڑا مضمون لکھا۔ اس میں اس کا سارا کچا چٹھا کھول دیا گیا تھا۔ اس نے ٹیش میں صحافیوں کو قتل کر دیا اور صحافیوں نے اس کے خلاف محاذ کھول لیا لیکن میں تمہیں اب بھی ایک بات بتا دوں کہ تم نے الماس آراء کے پاس تربیت اور پرورش پائی ہے۔ الماس آراء صرف ایک عورت ہے۔

یہی مختلف مزاج کی عورت۔ اس نے کیا سکھایا ہوگا تمہیں یا تم نے کیا سیکھا ہے اس دنیا میں۔ معمولی لڑکے تمہارا بیٹی! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اس ذہن کی مالک نہیں ہو لیکن یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اگر تمہاری تربیت اس انداز میں ہو جائے تو آنے والے وقت میں تم کسی ملک کی وزیراعظم بھی بن سکتی ہو یا اتنی بڑی کوئی شخصیت جو حکمرانی کرتی ہو۔ دیکھو انسان کا اپنا ایک مزاج، اپنا ایک معیار ہوتا ہے

میں سمجھتا ہوں کہ جو کوئی اپنا مزاج اور اپنے معیار کو سمجھ لے اور اس کے لئے جدوجہد کرے، وہ اس کا کامیاب انسان ہوتا ہے۔ تم شاید میری بات پر ہنسو یا یہ غور کرنے لگو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں پرہیز کچھ اور ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، وہ میرے اپنے خیالات ہیں، اپنا تجربہ اور میں اس تجربے کو ایک کامیاب تجربہ سمجھتا ہوں۔ لوگ سیاسی زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ پتہ نہیں کیسے

مندے حاصل کر لیتے ہیں لیکن وہ ایک معمولی سی کیفیت میں خطرے میں رہتے ہیں۔ کسی بھی لمحے کوئی ایسا آکر ان سے ان کا عہدہ چھین سکتی ہے۔ چاہے وہ کسی بھی بڑے سے بڑے عہدے پر ہوں۔ یہ خطرہ اپنے لئے فائدہ؟ اگر بات حکومت کرنے کی ہے تو آپ اپنا ایک حلقہ بنا کر حکومت کر سکتے ہیں۔ ایک حکومت جسے ہر لمحہ کوئی خدشہ نہ ہو۔ صحافیوں کے اس غول میں تم نے شاید پہلے شخص کو دیکھا ہوگا۔

گٹام سدھیر پانڈے ہے۔ یہ ایک اخبار کا مالک ہے۔ ہانگ کانگ میں اس کے اتنے مفادات ہیں کہ اگر تم

کے ساتھ ساتھ میں تمہیں ایک الگ حیثیت دینے لگا ہوں۔ اس میں شاید ایک بزرگانہ کیفیت بھی ہے۔ اگر تم یہ محسوس کرتی ہو کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے تکلیف دہ یا پریشان کن ہے تو میں تمہیں دل سے اجازت دیتا ہوں کہ ان سارے معاملات پر لعنت بھیجو اور یہاں سے فوراً ہی کہیں اور چلی جاؤ۔ ابھی جگہ جہاں تم کچھ پرسکون وقت گزار سکو۔ میں تمہیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر دوں گا۔ محسوس کرو کہ تم ذہنی طور پر مطمئن ہو، تب پھر دوبارہ میں تمہیں کوئی ذمہ داری سونپوں گا۔“

میں نے ایک لمحہ تک سوچا اور پھر کہا۔ ”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مگر اتنے سارے لوگوں کے احکامات کی پابندی کرنا میرے بس سے باہر ہے۔“

”تو پھر اتنے سارے لوگ آج اسی وقت ختم۔“

”کیسے؟“ میں نے سوال کیا۔

”تم ہنگامہ پہنچ جاؤ گی۔ وہاں اپنی پسند کے کسی بھی ہوٹل میں قیام کر دو گی۔ یہ لوگ بے شک تم ساتھ ہوں گے لیکن ایک سیدھی سی بات ہے کہ تم اپنا یہ میک اپ تبدیل کر دینا اور اپنی اصلی شکل جانا۔ سارے جھگڑے اس کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔“

”کیا واقعی؟“

”ہاں۔ یہ بات میں کہہ رہا ہوں۔ میں تمہیں کسی شکل میں ابھرنے کا شکار نہیں کرنا چاہتا۔“

”نہیں اب ایسی بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے ہنگامہ مجھے ایک منصوبے کے تحت بھیجا گیا ہے۔ اگر یہ کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں کے احکامات کی پابندی ختم کر دوں تو پھر میں اپنی اصلی شکل میں رہ کر کام کی۔ ظاہر ہے یہاں میرے شناسا نہیں ہیں۔“

”یہ بھی تم پر منحصر ہے۔ یہ تو میں نے تمہاری اس بات کے جواب میں کہا ہے جس کے تحت تم خیال ہے کہ تم ذہنی طور پر اپنے آپ کو ابھراؤ۔ محسوس کر رہی ہو۔ میں تمہارے ذہن کی ہر الجھن کو دینا چاہتا ہوں۔“

میں کچھ دیر کے لئے سوچ میں ڈوب گئی۔ یہ صورت حال واقعی سنگین نوعیت کی حامل تھی۔ ا عظمت جلال کی یہ بات مان لیتی ہوں تو فوری طور پر مجھے سدا چکرورتی اور ایمیل گرین سے رابطہ پڑے گا۔ فی الحال تو یہ دونوں ہی تھے۔ ویسے بھی ایمیل گرین یا سدھیر پانڈے وغیرہ سے مجھے کوئی اہمیت نہیں تھی۔ دونوں ہی مجھے ہانگ کانگ میں ملے تھے اور ان کے ساتھ میں نے ہنگامہ آرائی کی اس کے علاوہ مجھے یہ اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ اگر میں روہن گپتا کی حیثیت سے ان لوگوں کے درمیان رہی تو مجھے اسی ہنگامے میں مصروف رہنا پڑے گا جبکہ عظمت جلال بڑی خاموشی سے یہ بات کہہ رہا میں اگر اس مسئلے میں حصہ نہ لینا چاہوں تو ہرج نہیں ہے۔ نجانے کیوں دل میں یہ خیال آیا کہ چلو جلال کی یہ بات بھی آزما کر دیکھ لی جائے کہ وہ مجھ سے کس حد تک مخلص ہے۔ ظاہر تو وہ یہی کر رہا اسے میری ذات سے ایک بزرگانہ دلچسپی بھی ہے۔ سووے والی بات اپنی جگہ الگ ہے یعنی یہ کہ وہ سال میں مجھے اپنے ماں باپ سے ملائے گا۔ میں نے بہت سوچنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ عارضی طور

صرف اس کی کھوج میں لگ جاؤ تو حیران رہ جاؤ۔ وہ بے پناہ دولت مند انسان ہے لیکن وہ صحافیوں کا شریک ہے۔

”میں آپ کو ایک بات بتاؤں سر! اس نے درپردہ مجھے ایک پیشکش کی ہے کہ میں کام تو کروں لیکن منشیات کے سلسلے میں اس کے لئے کام کروں۔“

”لیجئے بات ختم ہو گئی نا۔ یہ تمہارے تجربے میں ایک اضافہ ہے۔ میرا بھائی عزت جلال ایک زندگی گزار رہا ہے۔ بڑی حیثیت ہے اس کی، بڑے بے ہاتھ پاؤں پھیلا رکھے ہیں اس نے لیکن میں ہوں کہ اس کا نظریہ اتنا بڑا نہیں ہے۔ سدھیر پانڈے کا جہاں تک مسئلہ ہے، وہ ایک ہی ایسا نہیں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو اس حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ نہ صرف صحافیوں کا یہ معاملہ بلکہ اور سے ایسے معاملات ہیں جن میں لوگ بظاہر کچھ کہہ کر سامنے آتے ہیں لیکن درپردہ کچھ ہوتے ہیں۔

سے صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر تم ہولی گارون کے سلسلے میں کام نہ کرنا چاہو تو کوئی حرج نہیں۔ کچھ عرصے ریٹ کرنا چاہو تو وہ بھی کر سکتی ہو۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں جہاں چاہو گی میں تمہیں گا۔ تو مطلب میرے کہنے کا یہ ہے کہ تم جس طرح پسند کرو گی، جہاں بھی جاؤ گی، میں تمہاری مدد

اور جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے، تو ہولی گارون کے معاملے کے بارے میں یہ بات جانتا ہوں کہ اتنی آسانی سے حل نہیں کر سکتے۔ وہ بہت زیادہ طاقتور انسان ہے اور اپنا تحفظ بھی کرنا جانتا ہے۔

چونکہ ایمیزون میں ایک انوکھا کارنامہ سرانجام دیا تھا اور یوں سمجھ لو کہ یہ میرا ایک تجربہ بھی تھا۔ کم سے بڑے گروہ کے آدمی کے خلاف کوئی دوسرا بڑا گروہ کھڑا ہو جائے تو وہ اپنی تمام تر قوتیں بروئے

اس گروہ کا مقابلہ کرتا ہے لیکن اگر اس کے مقابلے میں ایک ایسا آدمی آجائے جو منظر عام پر پوری ہو یا جس کے بارے میں صحیح انداز میں نہ سوچ سکے جیسے تم۔ تم ایک لڑکی ہو۔ نوجوان، خوب

درازا قامت۔ بے شک تمہارے اندر وہ نسوانی نزاکتیں نہیں ہیں بلکہ ایک نگاہ دیکھنے کے بعد تم ایک شخصیت کی مالک نظر آتی ہو لیکن کوئی تمہیں دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ تم اندر سے اتنی خطرناک

ہو سکتی ہو۔ تم نے ایمیزون میں وہ زبردست کارنامہ سرانجام دے لیا اور میں اپنے طور پر یہ سمجھتا

میں نے الگ سے پورا اپنا ایک گروہ تیار کر لیا ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ جن لوگوں کو شریک کیا سب تمہارے ماتحت ہیں۔ تمہارا مالک کوئی نہیں ہے۔ تمہارا حکمران کوئی بھی نہیں ہے۔ مطلب میر

کا یہ ہے کہ یہ لوگ ہولی گارون کو اتنی آسانی سے ختم نہیں کر سکتے۔ تم اگر ذہنی طور پر مطمئن ہو سارے معاملات سے نکل جاؤ تو ہم کوئی نیا منصوبہ بنا سکتے ہیں اور اگر نہ بھی تو بات صرف ایک ہولی

کی تو نہیں ہے۔ اصل میں تمہیں وہاں سے نکالنا بھی ضروری تھا چونکہ الماس آراء تمہیں پہچان گئی

بہر حال اسے عزت جلال کا سہارا حاصل ہے، وہ تمہاری بدترین دشمن ہے اور تمہیں ہر قیمت پر نقصان چاہتی ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہارے آنے کے بعد وہاں کس طرح ہنگامہ آرائی ہوئی۔ گرفتاریاں ہوئیں۔ درجنوں لوگوں سے معلومات حاصل کی گئیں لیکن میں نے اتنی محنتیں ہی نہیں

تھی کہ کوئی تمہاری نشاندہی کر سکتا اور جہاں تک ناویہ کا تعلق ہے، وہ بالکل الگ قسم کی عورت ہے۔

اے گروہ سے نہیں تھا بلکہ ایک ٹوٹے ہوئے گروہ کی فرد ہے وہ۔ کسی کا ذہن اس طرف نہیں گیا، نہ اس بارے میں سوچا بھی نہیں۔ بگ شو اور دوسرے لوگ ہیں۔ ان سے بھی معلومات حاصل کی۔ نہیں کیا کچھ کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ ایک انفرادی کوشش تھی۔ میں شاید مختلف باتیں کر رہا ہوں غلطی شاید تمہاری اس وقت کی ذہنی کیفیت سے نہ ہو۔ بہر حال قصہ مختصر، میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم فوراً آزاد ہو۔ منصوبہ تمہارے ذہن میں ہے۔ اپنا میک اپ اتار دو۔ آرام سے بنکاک کے کسی علاقے میں رہو یا اگر کہیں اور جانا چاہو تو میں تمہیں ایک نمائندہ میا کر دوں گا بنکاک میں بلکہ ضروری ہے کہ وہ تم سے ملے۔ اس کا نام بلٹ ہے۔ بلٹ تم سے ملاقات کرے گا اور اپنی تمام

خبریں پیش کر دے گا۔ بولو، کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟“

میں کچھ دیر سوچتی رہی۔ باتیں تو بہت اچھی کر رہا تھا وہ۔ اس کا کہنا تھا کہ پہلے میں اپنے آپ کو ذہنی مطمئن کر لوں۔ اس کے بعد اگر چاہوں تو ہولی گارون کے لئے کام کروں۔ بہر حال یہ ایک اچھا انداز

واقعی بہت سے لوگوں کے درمیان الجھ گئی تھی۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔ ”ٹھیک ہے انکل! اگر اس کی اجازت دیتے ہیں تو۔“

”وہ تمہیں ہر طرح کی سہولتیں مہیا کر دے گا۔ یہاں تمہارا اکاؤنٹ کھول دے گا یا ویسے بھی تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو تم حاصل کر سکتی ہو اور خوب گھومو پھرو۔ جس حد تک تمہارا دل چاہے،

زب لاؤ۔ نہ لانا چاہو تو نہ سہی۔ ٹھیک ہے نا؟ ترتیب وہی رہے گی کہ یہاں سے جاؤ، کسی ہوٹل میں رہو اور پھر اس ہوٹل کو چھوڑ دو۔ میں تمہیں بلٹ کا فون نمبر دیتا ہوں۔ اسے اپنے پاس محفوظ

کے بجائے اگر ذہن نشین کر لو تو زیادہ بہتر ہے۔“

”جی ہاں۔“ میں نے کہا اور اس نے ایک نمبر دہرا دیا۔ میں نے کئی بار وہ نمبر اپنی زبان سے ادا کر

نے ذہن میں محفوظ کر لیا۔ پھر وہ بولا۔

”اگر یہ سمجھ رہی ہو کہ اس نمبر کو یاد نہیں رکھ سکو گی تو اسے کہیں لکھ لو لیکن احتیاط کے ساتھ۔“

”نہیں انکل! آپ کی دعا سے اگر میں کوئی چیز ذہن میں محفوظ کرنا چاہتی ہوں تو وہ ہو جاتی ہے۔“

”گڈ۔ یہ سمجھ لو کہ یہ سفر میں نے صرف تمہارے لئے کیا ہے۔ میں تم سے ملاقات کر کے ساری

بہ حال معلوم کرنا چاہتا تھا۔“

میں نے ایک نگاہ اسے دیکھا اور کہا۔ ”ٹھیک ہے انکل! ہولی گارون کے سلسلے میں بھی میں آپ سے

مہ لوں گی اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت میں اس کے خلاف کام کرنے پر آمادہ ہو جاؤں۔“

”اوکے، اوکے، ہم لوگوں نے بہت سی باتیں کر لی ہیں۔ اب ہمیں خاموش ہو جانا چاہئے۔“

جلال نے کہا اور میں نے اپنی سیٹ سے ٹک کر آنکھیں بند کر لیں۔ پھر ہم بنکاک کے ایئر پورٹ پر اتر

میرے اندازے کے مطابق مشرق بعید کا یہ شہر بھی اسی انداز کی روایات لئے ہوئے تھا جو میں نے کسی

ہانگ کانگ میں دیکھی تھیں۔ یہاں مجھے کچھ زیادہ رش محسوس ہوا اور یہ بھی محسوس ہوا کہ یہاں

کا معیار زندگی شاید وہ نہیں جو ہانگ کانگ میں تھا۔ ہانگ کانگ کی چلی آبادی بھی پسماندہ تھی اور ان

بہت ہی اچھا تھا لیکن بہر حال میں ابھی تو یہاں مقیم تھی ہی۔ کچھ وقت کے بعد یہاں سے فرار کا منصوبہ بن گیا۔ پھر کافی کے ساتھ ساتھ گرمی سوچوں نے میرے دماغ پر قبضہ جما لیا۔ حاکم شیرازی یاد آیا۔ نادیہ اس کے لئے مقول بند بست کر لیا تھا۔ بیچارہ پتہ نہیں کس مصیبت کا شکار ہے اور کب تک اس کا شکار رہے گا۔ بہر حال اب جو کچھ ہوتا ہے، وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔ کیا کر سکتی ہوں؟ سدھا ایک بار ہن میں آئی لیکن میں نے اسے ذہن سے جھٹک دیا۔ میری اپنی دونوں ہنوں کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ میرے بچھ سے دور تھے۔ پھر خواہ خواہ غیروں کو اس قدر قریب لانے کا کیا فائدہ۔ کافی پینے کے بعد میں بستر پر لیٹی۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح کی چیزیں نیند اڑا دیتی ہیں لیکن میں نے زندگی میں کبھی ایسی کسی چیز متاثر ہونا نہیں سیکھا تھا۔ لیٹنے کے بعد سو گئی اور خوب سوئی۔ نجانے کیا وقت تھا جب آنکھ کھلی۔ جاگی تو عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا۔ بہر حال، اٹھ کر غسل خانے میں گئی۔ ضروریات سے فراغت حاصل کر باہر نکلی تو سوچا کہ ہوٹل سے باہر جا کر زندگی کا نظارہ کروں۔ جب یہ تمام چیزیں اس طرح میری زندگی شامل ہو گئی ہیں تو پھر ان سے دوری کیوں اختیار کی جائے۔ ابھی میں انہی سوچوں میں تھی اور یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ کھانے پینے کے لئے کیا کرنا چاہئے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

”کون؟“ میں نے سوال کیا۔

”ویٹر میڈم۔“ جواب ملا۔ دروازہ بند کر کے سوئی تھی چنانچہ اٹھ کر دروازہ کھولا اور ویٹر کو اندر آنے کا اشارہ کر کے خود پیچھے ہٹ گئی لیکن جب میں نے ویٹر کو پلٹ کر دروازہ بند کرتے دیکھا تو میں ایک دم بڑی اور پھر میری تیز نگاہیں اس کا جائزہ لینے لگیں۔ گھٹے ہوئے جسم کا پتہ قامت آوی تھا۔ چھوٹی آنکھیں، چھٹی ناک، مقایٰ باشندوں کا خاص حلیہ ہوتا ہے لیکن میں اسے دوسری نگاہوں سے دیکھ رہی اور شہر تھی کہ وہ کوئی عمل کرے تو اس کا جواب دوں۔ آگے بڑھ کر اس نے اپنے مخصوص انداز میں سلام کیا اور بولا۔

”میرا نام بلٹ ہے میڈم! اس حلقے میں آپ سے ملنا ضروری تھا۔“ مجھے ایک دم یاد آ گیا کہ عظمت نے اپنے ایک نمائندے کا ذکر کیا تھا۔ بہر حال میں نے سرسری انداز میں کہا۔

”ہیلو بلٹ!“

”میڈم آپ بتائیے کسی چیز کی ضرورت؟ یہ چالی قبول فرمائیے۔ نیچے گاڑی موجود ہے۔ اس کی دوسری میرے پاس ہے۔ اگر آپ میرے ساتھ چلنا چاہیں گی تو آپ کے ڈرائیور کی خدمات سرانجام دوں گا۔ اگر جانا چاہیں گی تو گاڑی کا نمبر اس کی چین میں پڑا ہوا ہے۔ ٹکڑ اور نمبر دونوں موجود ہیں۔ آپ کو پریشانی ہو گی۔“

”مگر میں بنگال کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور سنو! گاڑی بے شک یہاں ہے اور ہو سکتا ہے تم لی میں رہو لیکن بہتر یہ ہو گا کہ نہ رہو۔ اگر میں کہیں گئی تو یہاں میں نے سڑکوں پر ٹیکسیاں دیکھی ہیں۔ لی سے مجھے یہ ٹیکسیاں مل جائیں گی۔“

”ٹھیک ہے میڈم! جیسا آپ پسند کریں۔“ اس نے کہا اور گردن خم کر کے باہر نکل گیا۔ بلٹ سے

بیچاروں کی جو مقامی شکل نظر آتی ہے، وہاں بھی تھی۔ البتہ یہاں کچھ زیادہ نظر آتی تھی۔ سڑکیں ہر طرح شفاف نہیں تھیں لیکن پھر بھی بہتر تھیں۔ ہوٹلوں کے نمائندے معمول کے مطابق گردش کر رہے تھے۔ میں نے ایمیل گرین اور سدھا چکرورتی کو دیکھا جو تمام ضروریات سے فراغت کر کے میرے پاس آگئے تھے لیکن انہوں نے مجھے مخاطب نہیں کیا تھا بلکہ شاید وہ یہ جائزہ لینا چاہتے ہیں خود کہاں جا رہی ہوں۔ ایک ہوٹل کے نمائندے سے میں نے بات چیت کی اور اس کا بروشر دیکھنے کے ساتھ جانے پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ باہر نکلی تو میں نے سدھا اور ایمیل کو بھی اس ہوٹل کے نمائندے سے گفتگو کرتے دیکھا۔ میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ کام میری مرضی کے مطابق تھا اور میں ان دونوں کی ذہانت کو بھی محسوس کر رہی تھی۔ صرف ایک لمحے کے لئے مجھے احساس ہوا سدھانے مجھ سے بہت زیادہ محبت کا اظہار کیا تھا اور مجھے بہن کہتی رہی تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک کرنے والی لڑکی ثابت ہوئی تھی لیکن بات وہی آ جاتی ہے۔ بنگال مجھے صرف تقریباً تو نہیں لایا گیا ہو لوگوں کا کوئی اہم ہی منصوبہ ہو گا۔ میں کیوں ان کے منصوبے پر اس طرح کام کرتی رہوں۔ ہانگ کانگ مم جوئی میں نے کی تھی، اس میں کئی دفعہ موت میرے بالکل قریب سے گزر گئی تھی۔ موت سے ڈ لگتا تھا مجھے جی بات ہے لیکن بے مقصد اس موت کو میں نہیں حاصل کرنا چاہتی تھی۔ کم از کم اگر کر کے لئے زندگی دی جائے تو بات الگ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے دل کو مضبوط کر لیا۔ جس ہو وہ مجھے لے گیا تھا وہ واقعی بہت خوبصورت تھا لیکن میں جانتی تھی کہ مجھے ہوٹل کا یہ کمرہ کچھ وقت چھوڑ دینا ہے۔ بہر حال تمام ضروری کارروائیوں کے بعد میں اپنے کمرے میں منتقل ہو گئی تھی۔ لی وغیرہ کر لیا اور اس کے بعد میں اپنی ضروریات سے فراغت حاصل کرنے لگی۔ کچھ ہی دیر کے بعد فون موصول ہوا۔ یہ ہوٹل کی آپریٹر تھی۔ نیلی فون ایمیل گرین کا تھا۔

”تم نے بہت اچھے ہوٹل کا انتخاب کیا ہے۔ میں یہاں روم نمبر سات سو چودہ میں ہوں اور سات سو پندرہ میں۔ بالکل اتفاقیہ طور پر ہم لوگوں کو قریب قریب کرے مل گئے ہیں۔ بہر حال ہوٹل ہم ہے۔ ہم دوسرے معاملات کا انتظار کریں گے اور اب تم خود مجھ سے رابطہ قائم کرو گی۔“

”اوکے۔ تم سدھا کا خیال رکھنا۔“ میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ فکر مت کرو۔“

”لیکن احتیاط کے ساتھ۔“

”میں جانتا ہوں۔“ پھر سدھا سے بھی میری بات ہوئی۔

”دیدی ذرا سی دقت ہو گئی ہے مجھے۔ آپ یقین کیجئے کہ میں تمام تر دلچسپیاں اس بات سے رکھتی کہ مجھے آپ کی قربت حاصل رہے لیکن خیر میں سمجھتی ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وقفہ زیادہ طویل نہ ہو۔“

”ہاں ہاں، ٹھیک ہے۔“ میں نے جواب دیا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ میرے اندر خود بخود ایک شک کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ شاید یہ میری فطرت کا حصہ تھی یا پھر شاید جھنجھلاہٹ جو دل و دماغ پر طاری تھی۔ پھر میں کافی پیتے ہوئے سوچ میں ڈوب گئی۔ کافی بہت عمدہ تھی اور روم سروس بھی بہت اچھی۔“

میری کوئی بہت زیادہ بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال میں اس وقت کہیں جانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ چنانچہ لباس وغیرہ تبدیل کر کے نیچے آگئی اور ہوٹل کی تفریحات کا جائزہ لینے لگی۔ بنگاک جیسے آزاد رو ہوٹل کی جو تفریحات ہو سکتی ہیں وہ میری آنکھوں کے سامنے تھیں۔ بہرحال، ان تمام چیزوں سے وہ بھی ممکن نہیں تھا کیونکہ میں نے دیکھا تھا کہ بہت سی ملکی اور غیر ملکی خواتین بھی وہاں موجود ہیں اور ہر پردگراؤں میں دلچسپی لے کر ہنس بول رہی ہیں۔ اپنی میز پر بیٹھ کر میں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگا واقعی میں اس قدر تماہوں، کیا یہ تماشائی میں نے خود پر مسلط نہیں کر لی ہے؟ بہت سی سوچیں دماغ میں لگیں۔ طبیعت پر کبھی ایسی بوریٹ سوار ہو جاتی ہے کہ انسان نیکیٹو ہی سوچتا ہے۔ سو اس وقت میرا یہی کیفیت تھی لیکن رات کو اپنے بستر پر لیٹے ہوئے میں نے سوچا کہ میری یہ کیفیت نہیں رہنی چاہیے۔ بات تو یہ کہ میں ان تمام ہنگامہ آرائیوں سے چھٹکارا حاصل کر رہی ہوں۔ ہال میں، میں نے سدھا دیکھا تھا اور ایل گرین کو بھی۔ سدھا اداس سی بیٹھی ہوئی تھی۔ غالباً اسے مجھ سے دور رہنا پسند نہیں لیکن میں نے اس کی اداسی پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ یہ سب کچھ اب میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ ہر پھر دوسرے دن دوپہر کو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ میرا مختصر سامان موجود تھا۔ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو انتہائی قیمتی ہو، سوائے میرے کانڈات وغیرہ کے، لیکن اس کے لئے میں سمجھتی ہوں کہ مجھے ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اپنے پرانے کانڈات پھر بھی اپنے لباس میں کئے۔ انہیں کسی مناسب وقت پر ضائع کر دینا ٹھیک تھا۔ پھر میں وہاں سے باہر نکل آئی۔ جس کار کے ہا میں مجھے بتایا گیا تھا، وہ بہت خوبصورت تھی لیکن میں اسے استعمال کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔ جب میں ہوٹل سے باہر نکل آئی تو تھوڑی دیر بعد وہی کار پارکنگ لٹ سے نکل کر میرے سامنے آگئی بلٹ نے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کہا۔

”میڈم! یہ اندازہ لگایا جا چکا ہے کہ کوئی آپ کے تعاقب میں نہیں ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں جاییے۔“

”اوکے بلٹ۔“ میں نے کہا اور پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ بلٹ نے کار آگے بڑھا دی پھر خاصی دیر تک خاموشی رہی۔ بلٹ بھی ڈرائیونگ کرتا رہا پھر اس نے کہا۔

”نہیں میڈم! میں مکمل طور پر یقین کر چکا ہوں کہ ہمارے تعاقب میں کوئی نہیں ہے۔“

”بلٹ! اب تم مجھے کسی ایسے اسٹور پر لے چلو جہاں مجھے اپنے لئے خریداری کرنی ہے۔“

”اوکے میڈم۔“ اس نے کہا اور خاموشی سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔ خاموش طبع اور سنجیدہ شخصیت کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ ایک بار بھی اس کے چہرے پر کسی طرح کی مسکراہٹ نہیں نمودار تھی۔ آخر کار ایک شاندار ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے سامنے اس نے گاڑی روکی اور پھر ایک چھوٹا سا چل-بیک میری جانب بڑھاتا ہوا بولا۔

”اس میں مقامی کرنسی موجود ہے آپ کی ضرورت کے مطابق۔“

”تھینک یو بلٹ! بہت بہت شکریہ۔“ میں نے کہا۔ وہ باہر ہی بیٹھا رہا تھا۔ میں چہرے کا بیک

”اب مجھے کسی اچھے سے ہوٹل میں لے چلو جہاں میں قیام کر سکوں۔“

”لیس میڈم!“ اس نے کہا اور ایک بار پھر کار حرکت میں آگئی۔

”یہ کرنسی؟“

”ہاں نے دی ہے میڈم! مجھے آپ کے تمام مسئلوں کا پتہ ہے۔ آپ براہ کرم مجھ سے موبائل پر رابطہ قائم رکھیں۔ میرا موبائل نمبر آپ کے پاس موجود ہے؟“

”ہاں۔ بالکل۔“

”ذرا برابر کوئی دقت محسوس کریں تو سمجھ لیجئے کہ میں موجود ہوں۔ ویسے میڈم! معافی چاہتا ہوں کہ ہاں نے مجھے پورے اعتماد کے ساتھ آپ کے بارے میں بتا دیا ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ اپنا میک اپ کہاں تبدیل کریں گی؟“

”بیس اسی گاڑی میں، میں یہی کرنے والی تھی۔“ میں نے کہا۔

”اوکے میڈم۔“ اس نے کہا اور ایک ٹن دبا یا اور گاڑی کے پچھلے شیشوں پر ایک ہلکی سی پلاسٹک کی تہ معمولی سی سرسراہٹ کے ساتھ چڑھ گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ اب میں باہر والوں کی نظروں سے محفوظ ہوں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور بلٹ نے بھی ہلکی سی خفیف مسکراہٹ سے اس کا جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے چہرے سے میک اپ صاف کر دیا اور وہ چیزیں جو میں نے ابھی ابھی ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے خریدی تھیں، اپنے چہرے پر آزمانے لگی۔ چنانچہ میرا چہرہ بالکل صاف شفاف ہو گیا۔ سب سے ذہانت کا کام میں نے یہ کیا تھا کہ اس ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے میک اپ کا سامان خرید لیا تھا۔ ایسی چیزیں جو مجھے فوری طور پر تبدیل کر سکتی تھیں۔ تین قسم کی بالوں کی وکیں بھی حاصل کر لی تھیں۔ بہرحال تمام چیزوں کی کہیں بھی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ میں تھوڑی دیر کے بعد بالکل فارغ ہو گئی۔ اس کے بعد بلٹ نے کار ایک فائیو سٹار ہوٹل میں داخل کر دی اور نیچے اتر کر میرے لئے دروازہ کھولا۔ پورٹ فوراً ہی میرے پاس پہنچ گیا تھا۔ میں نے اس سے ایک کمرے کے حصول کی بات کی اور اس نے فوراً ہی میرا سامان اُن سے نکل لیا۔ پھر تھوڑے بہت معاملات طے کرنے کے بعد پانچویں منزل پر مجھے کمرہ حاصل ہو گیا۔ بہت ہی خوبصورت ہوٹل تھا۔ خاص طور سے اس کا منظر بے حد حسین تھا۔ میں ایک عجیب سی

”اس میں مقامی کرنسی موجود ہے آپ کی ضرورت کے مطابق۔“

”تھینک یو بلٹ! بہت بہت شکریہ۔“ میں نے کہا۔ وہ باہر ہی بیٹھا رہا تھا۔ میں چہرے کا بیک

”اس میں مقامی کرنسی موجود ہے آپ کی ضرورت کے مطابق۔“

”تھینک یو بلٹ! بہت بہت شکریہ۔“ میں نے کہا۔ وہ باہر ہی بیٹھا رہا تھا۔ میں چہرے کا بیک

”اس میں مقامی کرنسی موجود ہے آپ کی ضرورت کے مطابق۔“

”تھینک یو بلٹ! بہت بہت شکریہ۔“ میں نے کہا۔ وہ باہر ہی بیٹھا رہا تھا۔ میں چہرے کا بیک

”اس میں مقامی کرنسی موجود ہے آپ کی ضرورت کے مطابق۔“

”تھینک یو بلٹ! بہت بہت شکریہ۔“ میں نے کہا۔ وہ باہر ہی بیٹھا رہا تھا۔ میں چہرے کا بیک

”اس میں مقامی کرنسی موجود ہے آپ کی ضرورت کے مطابق۔“

”تھینک یو بلٹ! بہت بہت شکریہ۔“ میں نے کہا۔ وہ باہر ہی بیٹھا رہا تھا۔ میں چہرے کا بیک

”اس میں مقامی کرنسی موجود ہے آپ کی ضرورت کے مطابق۔“

”تھینک یو بلٹ! بہت بہت شکریہ۔“ میں نے کہا۔ وہ باہر ہی بیٹھا رہا تھا۔ میں چہرے کا بیک

انسان سے سب کچھ چھین لیا جائے تو کیا انسانیت باقی رہ جاتی ہے یا باقی رہ جانی چاہئے؟
 بہت دیر تک اس سوال پر غور کرتی رہی اور پھر اپنا سامان کھول لیا۔ بالکل نیا سامان خریدا تھا۔ بہت ہی قیمتی اور شاندار لباس تھے۔ ویسے عظمت جلال نے اب تک تو بڑی محبت کا اظہار کیا تھا۔ خاص طور سے رقم جو اس وقت مجھ تک پہنچائی گئی تھی حالانکہ میرے پاس کافی چیزیں تھیں اس سلسلے میں لیکن موجودہ کرنسی اور وہ بھی اتنی بڑی مقدار میں عظمت جلال کی توجہ کا مرکز تھی۔ چرے پر بہت ہی اچھا میک اپ کیا۔ بالوں کو خاص اسٹائل سے بنایا۔ لباس بھی ذرا جدید طرز کا استعمال کیا تھا۔ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا تو دل کو ایک عجیب سا دھکا لگا۔ الماس آراء بیگم کے ساتھ جو وقت گزارا تھا، وہ تو ہر طرح کی آزادی کا وقت تھا کیونکہ وہ خود بھی ایک آزاد فطرت منث تھیں لیکن ماں اور بہنوں کے سامنے آکر ایک دم سے اپنے آپ کو ٹوٹی دیر کے لئے تبدیل کیا تھا۔ بخت بابا بھی دل میں ایک بزرگ کی حیثیت سے موجود تھے۔ اگر اس لباس اور میک اپ میں میری ماں، باپ اور بہن دیکھ لیں تو کیا میرے لئے یہ شرمندگی کا مقام نہیں ہو گا لیکن جیسا رہا دیا بھی۔ طبیعت پر جو بوجھ سوار تھا اس کے تحت ان تمام چیزوں کو اس وقت برا نہیں سمجھ رہی تھی۔

چنانچہ تمام ترتیاریاں کرنے کے بعد باہر نکلی، کمرے کے دروازے کو لاک لگایا اور نیچے ہال میں آ گئی۔ بالکل وہی پرانا ماحول۔ یہاں زندگی ہماری اپنی دنیا سے بالکل مختلف ہوا کرتی تھی لیکن اب ان تمام باتوں پر حیرت کرنے کی بالکل گنجائش نہیں تھی۔ یہ مختلف زندگی تو بہت زیادہ دیکھ چکی تھی اب میں۔ میں نے ایک میز پر بیٹھ کر چاروں طرف نظرس دوڑائیں۔ بھانت بھانت کے لوگ نظر آرہے تھے۔ ہندوستانیوں کی تعداد یہاں بھی بہت زیادہ تھی۔ خاص طور سے سکھ جو کسی ہندوستانی کی شکل میں پہچانے جاتے تھے۔ باقی ایشیائی نقوش کے چرے بھی موجود تھے لیکن وہ اس طرح دوسروں میں ضم تھے کہ کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی تھی۔ غرض یہ کہ میں اس ماحول کا جائزہ لیتی رہی اور پھر اچانک ہی میری نگاہیں ایک طرف اٹھ گئیں۔ وہ ایک مختلف نقوش کا مالک آدمی تھا۔ گہرا بھورا رنگ اور چرے کی رنگت ہی کے بال۔ ذرا کم ہی نظر آتی ہیں ایسی چیزیں۔ اخروٹی رنگت تھی اس کی تقریباً اور اخروٹی ہی بال تھے۔ عمدہ قسم کے سوٹ میں لباس تھا۔ سب سے زیادہ قابل توجہ چیز اس کی آنکھیں تھیں۔ یہ آنکھیں بھی اس کے چرے کی رنگت کی تھیں اور بہت تیز معلوم ہوتی تھیں۔ وہ میری ہی جانب دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی مجھ سے نگاہ ملی، اس نے اس طرح رخ تبدیل کیا کہ میں حیران رہ گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ خاص طور سے میری ہی جانب دیکھ رہا ہو۔ بات کوئی خاص نہیں۔ اس طرح کے لوگ اکثر پائے جاتے ہیں جو کسی بھی لڑکی یا عورت کو دیکھ کر قرب و جوار کا ماحول بھول جاتے ہیں اور ہر احساس سے بے نیاز ہو کر اپنی احمقانہ ہوس پوری کرتے رہتے ہیں یعنی کسی کو گھورتا۔ بہر حال اس کے دیکھنے کا انداز ایسا نہیں تھا بلکہ اس نے جس طرح مجھ سے نظرس چرائی تھیں وہ بات میرے لئے باعث حیرت تھی۔ بہر حال یہ پہلا آدمی تھا جس پر مجھے کچھ شبہ سا ہوا اور نہ جانے کیوں ذہن میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ آپ اسے دیوانگی ہی کہہ سکتے ہیں۔ بھلا ایک لڑکی کو جس نے ایک آزاد ماحول سہی، لیکن گھر میں پرورش پائی تھی، تنہا بنگا میں موجود تھی۔ کسی کو دشمن بنانے سے کیا غرض

آزادی محسوس کر رہی تھی حالانکہ پچھلے ہوٹل میں ایمل گرین اور سدھا نے احتیاط کی غرض سے ایک با بھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن پھر بھی میں جانتی تھی کہ وہ دونوں وہاں موجود ہیں۔ ہوٹل میں پہنچنے کے بعد میں نے موبائل پر بلٹ سے رابطہ قائم کیا۔

”ہاں۔ اب اگر تم چاہو تو آرام کرو۔ میں اپنی ضرورت کے مطابق تمہیں طلب کر لوں گی۔ فی الحال میں صرف اور صرف آرام کروں گی اور کہیں نہیں جاؤں گی۔“

”آپ جیسا پسند کریں میڈم! گاڑی لے جاؤں؟ ایک چالی تو آپ کے پاس موجود ہے۔“
 ”نہیں۔ کسی وقت وہ چالی بھی تم مجھ سے لے لینا۔ مجھے گاڑی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہیں بتا دیا کہ میں بالکل آزادی چاہتی ہوں۔“

”میڈم میں غیر ضروری طور پر ایک لمحے کے لئے آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔“
 ”بلٹ! ایک بات بتاؤ۔ کیا تم سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو کچھ میں کہوں، اس کی تعمیل کرو یا تمہارا تجاویز بھی مجھ مسلط رہیں گی؟“

”سوری میڈم! آئی ایم سوری۔ میں جا رہا ہوں۔“ اس نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔ پھر اس کے بعد میں ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر باہر کھڑکی سے دور تک پھیلے مناظر کا جائزہ لینے لگی۔ ذہن پر ایک عجیب سا بوجھ سوار تھا۔ اس دوران جتنے کردار بھی مجھے ملے تھے ان میں سے بیشتر ایسے تھے جنہوں نے مجھ سے بے حد محبت کا اظہار کیا تھا اور میرے لئے قربانیاں بھی دی تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو مقام ثانیہ حاصل ہوا تھا وہ کوئی نہیں لے سکا تھا۔ ایسے ہی ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو دوسروں کے لئے مٹا دیتے ہیں۔ سلطان شاہ بھی میرے لئے مارا گیا تھا بیچارہ۔ ادھر کرم نے بھی بہت کچھ کیا تھا۔ میرے لئے خود مصیبتیں مٹا کر رفتار ہو گیا لیکن اس سلسلے میں حاکم شیرازی کا حال سب سے برا ہوا تھا۔ صرف وہی نہیں بیچارہ بلکہ اس کو ماں اور بہنیں بھی مصیبت میں گرفتار ہو گئی تھیں۔ پتہ نہیں اس کی تقدیر نے کیوں اسے دھکا دیا تھا جو میرے سامنے آ گیا تھا۔ اب مسلسل اس سے فاصلے ہو گئے تھے، اس لئے میرے ذہن میں بھی اس کے لئے وہ جگہ نہیں رہی تھی لیکن بہر حال ایک مٹا مٹا سا تاثر ضرور تھا۔ بعض اوقات انسان اس طرح مصیبتوں میں گھر جاتا ہے کہ اپنے آپ سے محبت کرنے والوں کو بھی وہ مقام نہیں دے پاتا جو دینا چاہتا ہے۔ میری بھی یہی کیفیت تھی۔ بہت سے معاملات سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا تھا۔ ہاتھ روم میں گئی تو آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا اور ایک مدہم سی مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ ان سب سے آزادی حاصل ہو گئی تھی۔ اب اگر سدھا چکرورتی بھی میرے سامنے آئے تو مجھے دیدی نہیں کہہ سکے گی۔ بیکار ہے، سب کچھ بیکار ہے۔ کسی سے دل لگاؤ تو جواب کچھ نہیں ملتا۔ دل و دماغ میں ایک بغاوت سی جنم لینے لگی اور میں جھنجھلا گئی۔ آخر میں اپنے آپ کو رسیوں میں بندھا ہوا کیوں محسوس کرتی ہوں۔ کیا میری فطرت غلام ہے؟ کیا میں کسی کے احکامات قبول کئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی؟ میں تو احکامات دیتی رہی ہوں۔ اس سے پہلے تو میرے دل و دماغ میں دوسروں کے لئے کتہری رہی ہے اور اپنے آپ کو برتر محسوس کرتی رہی ہوں۔ میں کیوں سہارے تلاش کر رہی ہوں؟ اقدار، اخلاقیات، ساری چیزیں بے شک انسانیت کا ایک حصہ ہوتی ہیں لیکن کیا ایک

”آئیے پلیز۔“ میرا سامان جو میرے لباس وغیرہ پر مشتمل تھا، اس نے اپنے پاس رکھ لیا تھا اور دوسری لڑکی جو میرے ساتھ شروع سے آئی تھی، مجھے لئے ہوئے میرے ساتھ حوض کے پاس پہنچ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے بجلی سے مساج کرنے والا آلہ میرے جسم پر پھیرنا شروع کر دیا جس سے مجھے ایک خوشگوار سی فرحت کا احساس ہوا۔ ابھی میں اس آلہ کی لذت سے محظوظ ہو رہی تھی کہ وہ مجھ سے بولی۔

”آئیے پلیز۔“ اور اس کے بعد اس نے مجھے سامنے نظر آنے والے حوض میں اترنے کا اشارہ کیا۔ یہ اب کچھ مجھے بڑا عجیب لگ رہا تھا لیکن شاید یہی بات تھی کہ زندگی کے اس رنگ کو میں پوری طرح دیکھنا چاہتی تھی اور اس سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔ حوض میں، میں ایک مچھلی کی طرح تیرنے لگی۔ وہ لڑکی مسکراتی ہوئی ایک طرف چلی گئی تھی۔ مساج کرنے والا آلہ پلگ سے لگا ہوا وہیں موجود تھا۔ بہر حال میں اس غسل سے لطف اندوز ہونے لگی لیکن پھر اچانک ہی میں نے ایک کمرے کے دروازے سے کسی کو نمودار ہوتے ہوئے دیکھا اور یہ دیکھ کر میرا دل ایک دم دھڑکن بھول گیا کہ آنے والا وہی اخروئی رنگت کا آدمی تھا لیکن اس کے جسم پر صرف بنیان اور انڈرویر تھا۔ اس نے فوراً ہی جھک کر وہ آلہ اٹھایا میں تو اسے دیکھ کر ہی عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی لیکن جب وہ آلہ لے کر حوض کی جانب بڑھا تو ایک منٹ کے ہزاروں حصے میں مجھے ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ وہ مساج کرنے والے آلے کو پانی میں ڈبو کر اس میں کرنٹ دوڑانا چاہتا تھا۔ آلہ بدستور پلگ میں لگا ہوا تھا اور اس میں زبردست کرنٹ تھا۔

ایک لمحے کے اندر میں نے سوچنے کی کوشش کی۔ وہ خود تو پانی میں اترے گا نہیں۔ میں نے ایک تیز رفتار مچھلی کی طرح کنارے کی جانب تیرنا شروع کر دیا اور حوض کے کنارے کے قریب پہنچ گئی۔ میں جانتی تھی کہ اس حوض سے نکلنے میں تو کافی وقت لگ جائے گا۔ میں ٹھیک اسی جگہ پہنچ گئی جہاں وہ آلہ لئے کھڑا تھا۔ اچانک اس کے حلق سے ایک زوردار قہقہہ نکلا اور اس نے اپنا آلہ والا ہاتھ پانی کی طرف بڑھایا تو میں نے جھپٹ کر دونوں ہاتھوں میں اس کی کلائی پکڑ لی اور اسے جھٹکے دینے لگی لیکن کلائی پکڑنے سے ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس شخص کے اندر فولادی قوت ہے اور آلہ کسی بھی لمحے پانی کو چھو سکتا ہے۔ وہ دانت بھینچ کر آلے کو پانی کی جانب جھکانے کی کوشش کر رہا تھا اور میں پوری طاقت سے اسے روک رہی تھی۔ اس کی گردن کی ساری رگیں پھولی ہوئی نظر آ رہی تھیں اور اس کی گردن ضرورت سے زیادہ موٹی تھی لیکن میں جانتی تھی کہ آلے کا ذرا سا حصہ بھی پانی کو چھو جائے تو قیامت آجائے گی اور میں پانی ہی میں چرمر ہو کر رہ جاؤں گی۔ میں نے اپنی انتہائی قوت صرف کر کے اس کی کلائی اوپر اٹھا دی۔ آلہ اب میرے سر سے اوپر ہو گیا تھا لیکن اب بھی وہ زیادہ سے زیادہ دھنک اور تھا اور اگر اس کا ہاتھ کسی بھی لمحے ایک جھٹکے سے اپنی کی سطح سے ٹکرا جائے تو پانی میں شدید کرنٹ دوڑ سکتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ اس کا چہرہ دیوانگی کی حد تک سرخ ہو رہا تھا۔

جب وہ آلے کو پانی کی سطح سے چھوٹنے میں ناکام رہا تو اس نے دھنک تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر مجھے لات مار دی۔ اس کی لات میرے داہنے شانے پر لگی تھی۔ ایک لمحے کے لئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے لمبے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ کم بجٹ یہ وہی کندھا تھا جس پر پہلے ہی ایک بار ضرب لگ چکی تھی اور اس

ہوتی لیکن میرا دل چاہا کہ میں اس شخص سے خواہ مخواہ کا جھگڑا مول لوں۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ تو پھر یہ بات ہے کہ فطرت میں ہی یہ برائی پیدا ہو گئی تھی کہ خواہ مخواہ کے جھگڑوں میں اپنے آپ کو ملوث کروں یا پھر طبیعت کی بیزاری اس بات پر مجبور کر رہی تھی کہ کسی سے کوئی پتھر چلایا جائے حالانکہ بعینہ اوقات اس طرح کی حماقتیں جن کا کوئی مقصد نہ ہو، سخت نقصان دہ بھی ہو جاتی ہیں جیسا کہ اس سلسلے میں میرا تجربہ۔ میں باہر آ گئی اور پھر تقریباً ایک کلومیٹر کا فاصلہ میں نے پیدل طے کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر راستے کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا کیونکہ ہر طرف اس قدر رونق تھی اور اس طرح اپنے اپنے چہرے نظر رہے تھے کہ دل چاہتا تھا کسی سے بھی مخاطب ہو جایا جائے۔ البتہ اس دوران میں یہ جائزہ لیتی رہی تھی کہ وہ شخص میرا تعاقب کر رہا ہے یا نہیں۔ پھر مجھے اپنی اس حماقت پر ہنسی آئی اور میں نے سوچا تھا کہ کیا حماقت ہے۔ بلاوجہ اتنا لمبا فاصلہ پیدل طے کر لیا، لیکن ایک دوسری بات یہ بھی تھی کہ پیدل چلنے سے طبیعت کو ایک فرحت کا سا احساس ہو رہا تھا۔ ہنگامہ آرائی تو بہت ساری ہوتی رہتی تھی لیکن پیدل چلنے کے مواقع بہت کم ملتے تھے۔ بہر حال میں رک گئی۔ چاروں طرف دیکھا۔ سامنے ہی ایک ایسی جگہ نظر آ رہی تھی جسے دیکھ کر میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ نیا پن بھی اگر زندگی میں شامل ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ میں وہاں پہنچی وہ ایک مساج کلب تھا۔ میں اندر داخل ہو گئی۔ وہاں دو پورشن بنے ہوئے تھے۔ ایک لیڈر پورشن تھا ایک جینٹس۔ میں اندر داخل ہوئی۔ میں نے سوال کیا۔

”کیا میں یہاں غسل کر سکتی ہوں؟“

جس لڑکی سے میں نے بات کی تھی وہ بڑے ادب سے گردن خم کر کے مجھ سے بولی۔ ”کیوں نہیں میڈم! آپ کو اس غسل سے اس قدر فرحت ہو گی کہ آپ اپنے آپ کو بالکل ہلکا پھلکا محسوس کریں گی۔“

”مگر مجھے ایک گائیڈ چاہئے۔“

”سو فیصدی میڈم! آپ کو گائیڈ ملے گا۔ ہم آپ کو مکمل طور پر اس سلسلے میں مدد دیں گے۔“

”تو پھر مجھے کیا کرنا ہوگا؟“

”سو ڈالر ادا کرنے ہوں گے آپ کو۔“

”گڈ۔ چلو پھر مجھے بتاؤ، مجھے کیا کرنا ہے؟“ میں نے سو ڈالر نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ اس نے فوراً ہی ایک ٹکٹ میرے سامنے رکھ دیا۔

”یہ پلیز آپ رکھ لیجئے۔“ میں ٹکٹ لے کر دو قدم آگے بڑھی تھی کہ ایک لڑکی میرے پاس آ گئی۔ ”آئیے میڈم پلیز۔“ ہم اندر داخل ہوئے تو میں نے ایک جھوٹا سا بانجیہ دیکھا۔ عمارت کچھ شرقی طرز کی بنی ہوئی تھی۔ سامنے کا حصہ کچھ تھا، اندر کا کچھ۔ ہم اندر داخل ہوئے اور اس کے بعد پیلا رنگ کی ان دیواروں کے درمیان پہنچ گئے جو ایک راہداری کی شکل رکھتی تھیں اور ان پر چینی مصوری کے نمونے بنے ہوئے تھے۔ جب ہم اس راہداری کے اختتام پر پہنچے تو ایک اور ملازمہ نے مٹھی مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ وہ لڑکی مقامی زبان میں اس سے کچھ بات کرنے لگی۔ چنانچہ دوسری لڑکی نے ایک سے ایک چہل نکال کر میرے سامنے رکھ دی اور مجھے پہننے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے میرا سامان لے لیا اور کہنے لگی۔

خالم نے اتنا جان لیا حملہ کیا تھا کہ میں دکھ کر رہ گئی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اس کا حملہ کارگر رہا۔ اور میں شدید تکلیف میں مبتلا ہوں۔ لہذا اس نے مجھے ٹھوکروں پر رکھ لیا اور پھر اچانک ہی اس نے پیچ ہٹ کر میرے پیٹ پر لات ماری۔ میرا سارا وجود کراہ کر رہ گیا تھا لیکن وہ مجھ پر قابو پانے میں ناکام رہا اور پھر اچانک ہی اس نے ایک زوردار آواز کے ساتھ پانی میں چھلانگ لگا دی لیکن اس کا ہاتھ اب بھی میری کمرز میں تھا البتہ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ میں ایک ماہر لڑائی ہوں اور وہ عمل کروں گی جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ میرے دونوں ہاتھوں کی قوت اب اس کی کلائی پر صرف ہو رہی تھی اور وہ اپنی کلائی کو پانی سے اوپر رکھے ہوئے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اب اس کی کلائی کو چھو گیا تو خود اس کی بھی مصیبت آئے گی۔ لہذا اس نے کلائی کو فلواد بنا لیا تھا اور اسی فلواد سے میں نے فائدہ اٹھایا۔ اچانک ہی میں نے اپنے جسم کی اس کی کلائی کی مدد سے گھمایا اور ایک مخصوص انداز میں اوپر اٹھادیا۔ پھر میں نے اس کی کلائی چھوڑ دی اور کنارے پر جا پڑی لیکن جیسے ہی میں نے اس کی کلائی چھوڑی اس کا آلے والا ہاتھ پانی میں ڈوب گیا اور پھر ہی لحوں میں ایک ہولناک چیخ ابھری۔ وہ جانوروں کی طرح پانی میں ترپتا رہا اور پھر ساکت ہو گیا۔ مساب چونکہ اب بھی چل رہا تھا اس لئے اس کی گھون گھون کی خوفناک آواز اب بھی فضا میں گونج رہی تھی۔ میں نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کا سونچ آف کر دیا اور برق رفتاری سے وہاں سے عقبی دروازے کی جانب چل پڑی۔ راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں اور کوئی مقامی زبان میں کچھ چیخا بھی جا رہا تھا۔ میں عقبی دروازے کی جانب بھاگی۔

اس وقت میں نے محض اندازے سے کام لیا تھا ورنہ میں اس بلڈنگ میں پہلے بار آئی تھی اور میرا اندازہ درست ہی نکلا۔ مجھے دروازہ مل گیا اور میں نے آہٹ پیدا کئے بغیر اسے کھولا۔ جس جگہ وہ دروازہ کھلا تھا وہ ایک گندی گلی تھی اور وہاں موت کا سا سکوت طاری تھا۔ میں نے جلدی جلدی اپنا حلیہ ٹھیک کیا۔ ورنہ تھوڑی سی دیر میں مناشہ بن جاتی۔ اس تمام بھاگ دوڑے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ دشمن اب بھی میرے پیچھے لگا ہوا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کون دشمن ہو سکتا ہے۔ یہ بڑی حیران کن بات تھی کیونکہ اس وقت میں اپنی اصلی شکل میں تھی۔ بہر حال ایک لمبا چکر کاٹ کر ایک بار پھر میں اندر داخل ہوئی۔ یہاں سے میں نے اپنا لباس وغیرہ لیا۔ کاؤنٹر گرل کو شاید اندر کی صورت حال کا اندازہ نہیں تھا چنانچہ اس نے اسی پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ مجھے میری چیزیں واپس کیں اور مجھے لباس تبدیل کرنے کی جگہ بتائی۔ بال وغیرہ اب بھی بھیکے ہوئے تھے لیکن اس پر نہ میں نے توجہ دی اور نہ اس نے۔ میں باہر نکل آئی اور اس کے بعد برق رفتاری سے چلتی ہوئی ایک ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں سے مجھے ٹیکسی مل گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور کو میں نے اپنے ہوٹل کا نام لے کر وہاں چلنے کو کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔ میرے ذہن میں بنائے اترے ہوئے تھے اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ بہر حال اسی عالم میں ہوٹل کی لفٹ سے چڑھ کر اپنے کمرے میں پہنچ گئی اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

یہ کون ہو سکتا تھا؟ ویسے جو کوئی بھی تھا اس بات کا تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ جو کچھ وہ میرے ساتھ کرنا چاہتا تھا وہ خود اس کے ساتھ ہو گیا تھا۔ زندہ نہ بننے کا ایک فیصد چانس نہیں تھا لیکن کون ہو سکتا ہے۔ بہر حال خالم نے اتنا جان لیا حملہ کیا تھا کہ میں دکھ کر رہ گئی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اس کا حملہ کارگر رہا۔ اور میں شدید تکلیف میں مبتلا ہوں۔ لہذا اس نے مجھے ٹھوکروں پر رکھ لیا اور پھر اچانک ہی اس نے پیچ ہٹ کر میرے پیٹ پر لات ماری۔ میرا سارا وجود کراہ کر رہ گیا تھا لیکن وہ مجھ پر قابو پانے میں ناکام رہا اور پھر اچانک ہی اس نے ایک زوردار آواز کے ساتھ پانی میں چھلانگ لگا دی لیکن اس کا ہاتھ اب بھی میری کمرز میں تھا البتہ اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ میں ایک ماہر لڑائی ہوں اور وہ عمل کروں گی جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ میرے دونوں ہاتھوں کی قوت اب اس کی کلائی پر صرف ہو رہی تھی اور وہ اپنی کلائی کو پانی سے اوپر رکھے ہوئے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اب اس کی کلائی کو چھو گیا تو خود اس کی بھی مصیبت آئے گی۔ لہذا اس نے کلائی کو فلواد بنا لیا تھا اور اسی فلواد سے میں نے فائدہ اٹھایا۔ اچانک ہی میں نے اپنے جسم کی اس کی کلائی کی مدد سے گھمایا اور ایک مخصوص انداز میں اوپر اٹھادیا۔ پھر میں نے اس کی کلائی چھوڑ دی اور کنارے پر جا پڑی لیکن جیسے ہی میں نے اس کی کلائی چھوڑی اس کا آلے والا ہاتھ پانی میں ڈوب گیا اور پھر ہی لحوں میں ایک ہولناک چیخ ابھری۔ وہ جانوروں کی طرح پانی میں ترپتا رہا اور پھر ساکت ہو گیا۔ مساب چونکہ اب بھی چل رہا تھا اس لئے اس کی گھون گھون کی خوفناک آواز اب بھی فضا میں گونج رہی تھی۔ میں نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کا سونچ آف کر دیا اور برق رفتاری سے وہاں سے عقبی دروازے کی جانب چل پڑی۔ راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں اور کوئی مقامی زبان میں کچھ چیخا بھی جا رہا تھا۔ میں عقبی دروازے کی جانب بھاگی۔

”کون ہو تم؟“ اور کیا چاہتے ہو؟“

”مظلوم لڑکی! بڑا دکھ بھرا لمحہ ہے تمہارا۔ میں جو کچھ چاہتا ہوں ابھی اس کے بتانے کا وقت نہیں آیا ہے لیکن بہت جلد میں تمہیں بتا دوں گا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔“

”مجھے فون کیوں کیا ہے؟“

”صرف یہ بتانے کہ تمہارا دوست تم سے زیادہ دور نہیں ہے۔“

”اگر میں تم سے ملنا چاہوں تو؟“

”مجھ سے؟“

”ہاں۔ کیا تم مجھ سے ملنا پسند کرو گے؟“

”کیوں نہیں؟ کیوں نہیں۔ ظاہر ہے ہمارے درمیان ابھی کوئی دشمنی کا رشتہ قائم نہیں ہوا ہے۔“

”کہاں مل سکتی ہوں میں تم سے؟“

”یہاں ہوٹل ڈائنوسار بڑا مشہور ہے حالانکہ نہ وہ فائو اسٹار ہے نہ فور اسٹار نہ تھری اسٹار لیکن اس کے باوجود لوگ یہاں کافی تعداد میں آتے ہیں اور یہاں قیام کرتے ہیں۔ اصل میں اس ہوٹل میں دنیا کے وہ تمام بہترین کھانے ملتے ہیں جنہیں بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ کیا خیال ہے؟“

”میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں وقت اور جگہ بتائے دیتا ہوں۔ تم اگر چاہو تو پہنچ جاؤ۔ ویسے ایک بات

بتاؤں۔ مجھ سے ملاقات تمہارے فائدے میں ہے۔"

"میں بھی یہی سمجھتی ہوں۔ میرا انتظار کرنا۔ میں تم سے ضرور ملوں گی کیونکہ مجھے تم سے ذاتی طور پر بھی کچھ کام ہے۔"

سلسلہ منقطع کرنے کے بعد میں سوچ میں ڈوب گئی۔ اس شخص سے ملنا واقعی بڑا ضروری ہے۔ کم یہ تو پتہ چلے کہ یہ کون ایسا شخص ہے جو مجھے دونوں شکلوں میں پہچانتا تھا۔ روہن گپتا کی صورت میں مجھ اور شاہ نور کی صورت میں بھی۔ بہر حال مقررہ وقت پر میں تیار ہو کر نکل کھڑی ہوئی۔ تھوڑے فاصلے پر چلنے کے بعد میں نے ٹیکسی حاصل کی اور اس میں بیٹھ کر مطلوبہ جگہ چل پڑی۔ پھر میں وہاں پہنچ گئی جہاں کا مجھے مکمل طور پر پتہ بتایا گیا تھا۔ یہ ایک درمیانہ درجے کا ہوٹل تھا۔ غالباً بہت پرانی عمارت تھی جسے ٹیپ ٹاپ کے درست کر لیا گیا تھا۔ یہی وہاں کی مکمل کیفیت تھی۔ لفٹ کے قریب پہنچی تو میں نے وہاں تین لفٹیں دیکھیں جو لابی کے مشرقی گوشے میں تھیں۔ ان کے برابر ہی ٹیلی فون بوٹہ لگا ہوا تھا۔ میں لفٹ کے قریب پہنچ گئی۔ درمیان والی لفٹ ناکارہ تھی۔ اس کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور لفٹ سے آپریٹر غائب تھا۔ میں ابھی ایک لمحے کے لئے الجھن کا شکار ہی ہوئی تھی کہ دائیں جانب سے ایک ہوٹل ملازم آیا اور اس نے والی لفٹ میں جا کر شائستہ لہجے میں کہا۔

"لفٹ خراب نہیں ہے میڈم۔ آئیے تشریف لائیے۔" میں نے لفٹ میں قدم رکھ دیا تو اس نے ہلن دیا کہ دروازہ بند کر دیا۔ اسی وقت میری نگاہ لابی پر پڑی۔ وہاں اور بھی بہت سے افراد داخل ہوئے تھے لیکن آپریٹر نے ان میں سے کسی کا انتظار کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اس نے دوسرا ہلن دیا اور لفٹ چل پڑی۔ لفٹ کشادہ تھی لیکن اس کی چھت بہت نیچی تھی اور مجھے ایک طرح اس چھت کے نیچے سر جھکانا پڑ رہا تھا۔ بہت ہی تیز رفتار لفٹ تھی اور ہوٹل کی عمارت پہتہ نہیں کتنی بلند تھی۔ اس کا اندازہ میں نے پہلے نہیں لگا تھا۔ لفٹ انتہائی تیز رفتار تھی اس لئے جب وہ جھٹکے سے چل کر تھوڑی دور کی تو میں نے سوٹ کیس اٹھا کر دروازے کی جانب دیکھا اور اس امید پر کہ دروازہ اب کھلنے ہی والا ہے، دو قدم آگے بڑھ گئی لیکن دروازہ نہیں کھلا تھا۔ میں نے حیرت سے بورڈ کی طرف دیکھا تو لفٹ مسلسل اوپر جا رہی تھی۔ بہر حال، وہ بار بار جھٹکوں سے رکتی تھی اور پھر خود بخود چل پڑتی تھی۔ میری حیران نگاہیں اب بھی بورڈ کا جائزہ لے رہی تھیں کہ اچانک لفٹ رک گئی۔ بورڈ پر اب کوئی منزل نہیں تھی لیکن میں نے لفٹ کو چودھویں منزل سے گزرتے دیکھا تھا۔ میں نے حیران نگاہوں سے آپریٹر کی جانب دیکھا تو حیرت کا ایک اور جھٹکا میرے ذہن کو لگا۔ آپریٹر عجیب انداز میں مسکرا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہے اور اس کے بعد اس نے واقعی چھلانگ لگا دی لیکن مجھ پر نہیں بلکہ کب میں لٹکے ہوئے ٹیلن ٹون پر اور پھر اس نے ٹیلی فون کا ریسیور پکڑا اور اسے جھٹکے سے کھینچ لیا۔ اس کا تار ٹوٹ گیا تو اس نے ریسیور فرش پر پھینک دیا۔ اسی وقت اچانک ایک دھماکا سا ہوا اور لفٹ تیزی سے نیچے جانے لگی۔ اتنی تیزی سے کہ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ میرا معدہ اچھل کر میرے منہ سے باہر آنے کی کوشش کرنے لگا۔ میرے بدن کے سارے روتے کھڑے ہو گئے۔ کہہ نہیں سکتے اپنی زندگی میں کبھی ایسی چویش کا سامنا نہیں کیا تھا۔ لفٹ

تیزی سے نیچے جا رہی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کو سنبھالنے والے فولادی تار ٹوٹ گئے ہیں۔ پھر لفٹ کو ایک جھٹکا لگا اور وہ رک گئی۔ آپریٹر جو خود بھی نیچے گر پڑا تھا مجھ سے پہلے ہی فرش سے پھر جب میں نے اپنا توازن سنبھالا تو مجھے فولادی تاروں کے ترننے کی آواز سنائی دی۔ گویا میرا خیال ٹھیک تھا۔ اوپر لگے ہوئے فولادی تار ٹوٹ رہے تھے اور شاید ان میں سے ابھی کوئی تار سلامت تھا۔ لفٹ لٹکے لٹکی۔ آپریٹر کے چہرے پر بھی شدید خوف کے آثار تھے اور وہ چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک ہی اس نے مجھ پر چھلانگ لگائی اور ایک خوفناک دھاوا مجھ پر آزمایا۔ اس کی ٹانگ پھر کی طرح ٹیٹھی اور میں جو ایک لمحے کے لئے غافل ہو گئی تھی، اس کی دو میں آگئی لیکن شکر تھا کہ میرے سر پر نہ والا اس کی ٹانگ کا وار ہلا تھا لیکن اس پر بھی میری آنکھوں میں تارے چمک گئے اور شاید دماغ کا خون نکل آنکھوں میں آگیا۔ چونکہ مجھے اب لفٹ کی ہر چیز سرخ دکھائی دے رہی تھی۔

لاٹ کھاتے ہی میں دائیں جانب جا گئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اسی برق رفتاری سے وہ دوسری بار حملہ کرے گا اور مجھے سنبھالنے کا موقع نہیں ملے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ مکمل اس بات پر قائل کیا ہے مجھے لفٹ میں ہلاک کر دے لیکن جو وار مجھ پر ہوا تھا وہ اتنا ماہرانہ تھا کہ میں خود کو نہیں سنبھال سکی تھی۔ ہچاڑ کے لئے میں فرش پر بیٹھ گئی اور دوسری بار اس کی ٹانگ گھوی تو میرے سر سے صرف چند ملی میٹر فاصلے سے گھوم گئی۔ خیریت ہی رہی تھی کہ میں اس بار محفوظ رہی ورنہ میرا بھیجہ باہر نکل پڑتا۔ پچھلے میں جو لات میرے سر پر پڑی تھی اس کے نتیجے میں دماغ بھائیں بھائیں کر رہا تھا اور کانوں میں سیٹیاں بج رہیں۔ آپریٹر نے دو تین بار ہابو کی آوازیں منہ سے نکالیں اور اپنی جگہ اچھلا کوا تو لفٹ چند فٹ مزید چلی گئی اور کچھ اور تاروں کے ٹوٹنے کی آوازیں آئیں۔ لفٹ میں لگی روشنی اچانک مدہم ہو گئی اور یوں جیسے میں تاروں کی روشنی میں کھڑی ہوں۔ لفٹ نیچے گری تو میں اس وقت ٹیک لگائے تھی، اس لئے نیچے رکنی جگہ آپریٹر ڈھیر ہو گیا۔ میرے لئے اتنا موقع کافی تھا۔ میں نے لفٹ رکستے ہی اس کے بیٹ پر لات لائی اور اس کے حلق سے ایک دردناک چیخ نکل گئی۔ وہ دہرا ہو گیا۔ میری دوسری لات اس کی کھوپڑی پر لادی۔ یقیناً اس کی آنکھوں میں بھی کمکشائ اتر آئی ہوگی۔ میں نے یہ دو وار کئے اور دائیں جانب ہو گئی۔ وہ مجھے پکڑ نہ سکے اور نہ ہی میرے حملوں کا دفاع کر سکے۔ پے در پے دو ٹھوکریں کھا کر اس نے خود کو ہٹ کر لیا اور میرا نیا حملہ بے سود رہا۔ اس نے مجھے دھکا دے کر دور کر دیا۔

اس وقت میری نگاہ چھت میں جڑے ہوئے ہنگامی دروازے پر پڑی۔ دروازہ کسی قدر کھل گیا تھا۔ نا ہے جس وقت اس نے دروازہ کھول کر چھت پر بارودی شے رکھی ہو، اس وقت صحیح طور پر دروازہ بند کر دیا ہو۔ وہ دھاک بے سبب نہیں ہوا تھا اور نہ ہی لفٹ کو سنبھالنے والی تاریں بلاوجہ ٹوٹی تھیں۔ اس لفٹ میں سوار ہونے سے بہت پہلے اس کی چھت پر کوئی بم فٹ کر دیا تھا جس کا تعلق اس نے ٹیلی فون پر سے کر دیا تھا۔ جب اس نے ریسیور کھینچا تھا، دھاک اسی لمحے ہوا تھا۔ اب یہ بات تو خیر ایک لمحے کے سوچی جا سکتی تھی کہ اس ہلاکت خیزی کا منصوبہ پہلے سے بن چکا تھا۔ اس نے مین آمد سے پیشگی یہ تمام نکالت کئے تھے اور اس کا دروازہ کھول کر وہ غائب ہو گیا تھا جیسے وہ خراب ہو چکی ہو۔ جبکہ حقیقت میں

ج بات ہے کہ موت اور زندگی کی کشمکش بڑی عجیب ہوتی ہے اور شاید اسے الفاظ میں یاد نہیں کیا جا

ایسا نہیں تھا۔ مجھے آتے دیکھ کر وہ لپک کر ادھر آیا اور پھر اس نے باقی سارے کام کئے تھے لیکن بات یہ تھی کہ اس ساری کارروائی میں خود اس کی زندگی بھی اسی طرح خطرے میں تھی جیسے میری کے حادثے میں، میں تو مرنے لیا تھا۔ کیا وہ بھی میرے ساتھ مرنے والا تھا؟ سوال یہ پیدا کیوں؟

البتہ ابھی ان حالات میں اس کیوں کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ وہ میرے مد مقابل تھا اور اچھ لڑائی بھڑائی کا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کے پس منظر میں کوئی خاص بات ہے۔ جیسے ہی وہ میری جانب بڑھا، میں نے اچھل کر ہنگامی دروازے کا پھندل پکڑ لیا اور پوری قوت سے اپنی ٹانگیں گھما دیں۔ یہ زبردست وار تھا۔ اس کے جڑے کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئی اور دوسری بار ناک بھی ٹوٹ گئی۔ اس کی ناک سے خون کی موٹی موٹی بوندیں ٹپکنے لگیں۔ وہ ایک دم دونوں ہاتھ پھیلا ہوا۔ اب اس کے حلق سے کتوں جیسی آوازیں نکل رہی تھیں۔ تیسری بار میں نے اس کے سینے کو زور اور میری فولادی ایڑی اس کے دل کے مقام پر پڑی۔ وہ ایک دم سے ٹیڑھا ہو کر فرش پر جا گرا اور بعد ایسے گرا کہ اسے دوبارہ اٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ میرا اندازہ یہی تھا کہ پوری قوت سے دل کے پڑنے والی ٹھوکر نے دل کی حرکت بند کر دی۔ ممکن ہے اس کا دل پھٹ گیا ہو۔

میں چھلانگ لگا کر دوبارہ فرش پر آئی اور پھر میں نے بالوں سے پکڑ کر اس کی گردن اٹھائی اور ہتھیلی کا وار کیا۔ چٹ کی ہلکی سی آواز آئی اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ اس کا سر ادھر ادھر چھوڑا۔ آخری وقت اس کے حلق سے ایسی چیخ نکلی تھی جیسے کوئی بظلم مر رہی ہو۔ لفٹ چند انچ اور نیچے اتر گئی۔ آدھ تار اور چیخ گیا تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ اب کتنے تار باقی ہیں۔ میری زندگی ختم ہونے میں کتنی ہے۔ ایک بار پھر میں نے اچھل کر ہنگامی دروازہ پکڑ لیا۔ اسے کھول کر جائزہ لیا تو میری روح فنا ہو گئی۔ آخری تار سے جھول رہی تھی۔ آخری تار بھی کسی لمحے ٹوٹ سکتا تھا۔ اس کے باوجود وہ تار جس سے ٹوٹ کر نیچے آیا تھا، وہ بھی چھت سے تقریباً علیحدہ ہو چکی تھی۔ تار اگر نہ بھی ٹوٹتا تو وہ گراری ہا چھوڑ سکتی تھی۔ اگر گراری کے بولٹ ڈھیلے ہو گئے تھے تو پھر اس کا رکنا نامکن ہی تھا اور وہ چند لمحوں بعد گرنے ہی والی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک بولٹ نیچے گرا اور لفٹ دو انچ نیچے اور سرک گئی۔ یہ فرش پر گر کر پھرتی ہے اپنا بریف کیس اٹھایا۔ پہلے اسے دروازے سے گزارا اور پھر خود بھی لفٹ کی پر پہنچ گئی۔ میں نے برابر والی لفٹ کا جائزہ لیا۔ دائیں بائیں خلا تھا اور میں ادھر پہنچ سکتی تھی لیکن اونچائی سے گرنے سے میری ہڈیاں یقیناً سرمہ بن جائیں۔ میں نے فولاد کی ان ہلیٹوں کا جائزہ لیا جو سارے لفٹ پھسلتی ہے۔ میں انہیں پکڑ کر پھسلتی ہوئی نیچے جا سکتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ میں انہیں پکڑتی، پھسل کر نیچے جا کرتی۔

ابھی میں کسی مشکل میں کھڑی اپنی جان بچانے کی تدبیر سوچ رہی تھی کہ چھت سے ایک بولٹ لفٹ چرچرائی اور چرخی مزید جھک گئی۔ میری زندگی کی چند گھنٹاں اور کم ہو گئیں۔ موت کا فرشتہ میری بڑھ رہا تھا۔ اگر میں یہ کہوں کہ اس وقت زندگی کا سب سے مشکل مرحلہ آگیا تھا تو غلط نہیں ہوگا

اچانک ہی گہری تاریکی سے میرے برابر سے روشنی کی ایک لکیر گزری۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے نے احساس ہوا کہ وہ برابر والی لفٹ ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف جا رہی ہے۔ میں نے برق رفتاری پناہ بریف کیس اس پر اچھلا اور خود بھی اس پر چھلانگ لگا دی۔ کچھ لمحے تک تو میں نیچے گئی پھر میرا جسم زوردار دھماکے کے ساتھ لفٹ کی چھت سے ٹکرایا۔ میرا سارا وجود بل کر رہ گیا لیکن زندگی تھی اور اس کے مقابلے میں باقی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ میں نے چھت میں لگا ہوا ہنگامی دروازہ کھولا۔ لفٹ میں کود گئی۔ اندر صرف آپرٹر تھا۔ میں نے کدوے ہی اس کی کھوپڑی پر وار کیا اور وہ حلق سے آواز نکال کر رہ گیا۔ اس وقت اسے بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے بحالت مجبوری بے ہوش کیا ورنہ وہ بے نکلے سوال کر کے میرا ذہن خراب کر دیتا۔ شکر تھا کہ اس وقت لفٹ خالی تھی دوسروں کے ساتھ بھی مجھے کوئی ناانصافی اور نامناسب عمل کرنا پڑتا۔ میں نے لفٹ پر لگا ہوا بٹن تین بار اور لفٹ اوپر جانے لگی۔ سوہوس منزل پر جا کر میں نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ ایک انتہائی خوفناک دھماکہ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بم پھٹا ہو۔ پوری عمارت بل کر رہ گئی ہو۔ میں خود اپنی جگہ تھرا گئی تھی۔ اگر بے اعصاب درست نہ ہوتے تو یقیناً میں منہ کے بل گر پڑتی۔ میں بڑی مشکل سے اپنے جسم کو سنبھال کر اسے باہر نکل آئی اور اس کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں زندہ ہوں۔ اس وقت میری کیفیت یہ تھی کہ ابھی میرا راستہ روکنے کی کوشش کرتا تو زندگی سے محروم ہو جاتا۔ چنانچہ شاید یہ دوسروں کی ہی خوش فہمی کہ کوئی میرے سامنے نہیں آیا۔ وہ لفٹ آپرٹر جو کسی دوسری لفٹ میں تھا صرف اس لئے میرے ب کا شکار ہوا کہ مجھے خوف تھا کہ وہ مجھ سے میرے بارے میں سوال کرے گا۔ پھر اس کے بعد مجھے اپنے دل تک پہنچنے میں کوئی ایسی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی البتہ یہ ان لوگوں کی خوش قسمتی تھی جو مجھے پریشان کرنا چاہتے تھے۔ بہر طور میں اپنے ہوش کے کمرے میں آگئی اور میں نے اپنے زخموں پر غور کیا۔ بہت زیادہ زخم نہ تھے لیکن کافی چوٹیں لگی تھیں۔ مجھے خود ہی ان چوٹوں کا خیال کرنا تھا۔ تمام کاموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں خاموشی سے بستر پر آکر لیٹ گئی اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی کچھ سوچنا سمجھنا بھی ہی چاہتی تھی۔ نہ جانے کب تک وقت گزرتا رہا اور پھر میں گہری نیند سو گئی۔ غالباً ایک یا دو گھنٹے سوئی۔ کچھ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے ایک دم سے اپنا ریوالور نکال لیا اور دبے قدموں سے دروازے کی جانب بڑھی۔ اس سلسلے میں، میں نے اتنی احتیاط کی تھی کہ خود مجھے اپنے قدموں کی آہٹ نہ مل رہی تھی۔ دفعتاً ہی باہر سے آواز آئی۔

”دروازہ کھولو“ میں بلٹ ہوں۔“ میں نے ایک گہری نگاہ دروازے پر ڈالی اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔ بلٹ مجھ سے اجازت لے کر اندر آ گیا تھا۔ میں نے ریوالور سنبھال کر بستر کے ٹکٹے کے نیچے چھپا دیا تھا۔

”میزم! میں کچھ مصروف تھا“ اس لئے آپ تک نہیں پہنچ سکا۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو

بتائیے۔“
نجانے کیوں مجھے محسوس ہوا کہ بلٹ کی ٹٹولنے والی آنکھیں مجھے گہرائیوں سے دیکھ رہی ہوں۔
لے کے اندر اندر میرے دل میں ایک عجیب سا خیال پیدا ہوا لیکن میں نے فوراً ہی اس احساس کو اپنے
دبایا اور بلٹ سے کہا۔

”چلو، خیر کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے البتہ میں اس دوران خاصی تفریح کرتی رہی ہوں۔“
”کیا مطلب؟“

”بس کسی کی طلبی پر وہاں گئی تھی کہ لفٹ آپریٹر نے میرے ساتھ کھیل شروع کر دیا۔“

”میڈم سمجھ میں نہیں آیا آپ کیا کہہ رہی ہیں۔“ میں نے مختصر الفاظ میں اسے سب کچھ بتا دیا۔

اس کے بعد چہرے کا جائزہ لینے لگی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے یہ تفصیل سن رہا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے میری
قہمی کا شکار ہوں لیکن بہر حال میں اپنے ذہن سے نکالنا نہیں چاہتی تھی جب تک کہ مجھے اس سلسلے
اطمینان نہ ہو جائے کہ بلٹ اس سلسلے میں کسی کا آلہ کار نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا۔

”عجب کی بات ہے میڈم! تعجب کی بات ہے۔ خیر مجھے بتائیے کہ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟“

”نہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ ویسے میں اس رہائش گاہ کو چھوڑنے کے بارے میں سوچ رہی

ہوں۔“

”آپ اگر پسند کریں میڈم تو میں آپ کے لئے ایک بہت ہی اچھی رہائش گاہ کا بندوبست کر

ہوں۔ یہاں سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک علاقہ ہے جو انتہائی خوبصورت علاقہ ہے۔ صحیح معنوں

آپ وہاں زندگی کا لطف لے سکتی ہیں اور آپ کو وہاں بڑا اچھا لگے گا۔“

”اگر ایسی بات ہے تو میں واقعی ان شہری بنگاموں سے کچھ فاصلہ اختیار کرنا چاہتی ہوں۔“

”بنگاک کے نواح میں ایسے ایسے حسین علاقے ہیں میڈم کہ اگر آپ انہیں دیکھیں تو آپ کو

آجائے گا۔“

”ٹھیک ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو تم میرا بندوبست وہاں کر دو۔“ میں سوچنے لگی۔ پھر ایک دم

میں نے چونک کر کہا۔ ”بلٹ وہ لفٹ آپریٹر مرچکا ہے۔ اگر تم مجھے اس کے بارے میں مزید معلومات

کر کے بتاؤ تو میں خوشی محسوس کروں گی۔“

”کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔“

”اصل میں“ میں یہ چاہتی ہوں بلٹ کہ جو غلطی میں کر چکی ہوں، اس کا ازالہ کروں۔“

”کیسے؟“

”بس یہ بات میرے ذہن میں اٹکی ہوئی ہے کہ وہ شخص مجھے کیوں ہلاک کرنا چاہتا تھا اور اس

ہلاکت جس میں خود اس نے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔“

بلٹ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اصل میں جرائم پیشہ افراد میں بھی ایک جذبہ ہوتا ہے یعنی یہ کہ وہ

کام اپنے سپرد لیں، اس کی تکمیل کریں۔ اگر میڈم کوئی آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے تو ظاہر ہے اس نے اس

بہ دیا ہوگا اور اس معاوضے کو حلال کرنا تو اس کی ڈیوٹی تھی۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ وہ اپنی ڈیوٹی سرانجام
رہا ہوگا۔ اس نے اپنے بچاؤ کے لئے کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیا ہوگا لیکن اب اسے کیا معلوم تھا کہ
اس کے مقابل ایک ایسی طاقتوں ہیں جو اس جیسے افراد کو ٹھیک کر سکتی ہیں۔“

”تم ذرا مجھے یہ معلوم کر کے بتاؤ کہ..... میرا مطلب ہے کہ اس کی لاش کہاں ہے۔ اگر ہم اس
لباس کی تلاشی لیں تو ہو سکتا ہے مجھے کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے میں اس کے بارے میں معلومات
مل کر سکوں۔“

”میں یہ معلوم کر کے آپ کو بتا دیتا ہوں میڈم! ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔“

”اور اس کے علاوہ“ تم وہ بندوبست کرو میرے لئے جس کے بارے میں تم نے مجھ سے کہا ہے۔“

”میں کر دوں گا۔ آپ بالکل اطمینان رکھئے۔ میرے کچھ ایسے وسائل ہیں جن سے میں یہ کام کر سکتا

ہے۔“ اس نے کہا اور میں اس کے لئے تیار ہو گئی۔ کافی دیر تک وہ بیٹھا مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ اس سے

کار کے میں کافی بہتر کیفیت میں آ گئی تھی۔ بہر حال یہ سارا مسئلہ چلتا رہا۔ کوئی تین چار گھنٹے کے بعد مجھے

کا فون موصول ہوا تھا۔

”میڈم! ایک کام میں نے کر لیا ہے۔ آپ نام لکھ لیجئے۔ وہ اشار گولڈ نامی ہسپتال ہے۔ آپریٹر کی لاش

ہسپتال کے مردہ خانے میں پہنچ چکی ہے۔ ابھی اس کے بارے میں کوئی مناسب کارروائی نہیں ہوئی

کہ ہوٹل کے مالکان سے رابطہ نہیں ہو سکا ہے، ان سے پوری تفصیلات معلوم کرنے کے بعد ہی اس کی

زیادہ رسومات ادا کی جائیں گی۔“

”ٹھیک!“ میں نے کہا اور پھر میں نے اس سے اشار گولڈ ہسپتال کے بارے میں مزید معلومات حاصل

کر لیں اور اس نے یہ معلومات مجھے فراہم کر دیں۔ تب میں سلسلہ منقطع کر کے خاموشی سے اپنے اگلے قدم

کے بارے میں سوچنے لگی۔ میں نے بہت کچھ سوچا تھا۔ میرا ذہن بڑی برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔

حال اس کے بعد میں نے یہی فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے مجھے دوسرے تمام کام چھوڑ کر اس لفٹ آپریٹر کے

لباس کی تلاشی لینی چاہئے بشرطیکہ وہ ابھی کسی ایسی کیفیت کا شکار نہ ہوا ہو۔ پھر میں دوسری صبح آٹھ بجے اشار

گولڈ ہسپتال پہنچ گئی۔ بنگاک جیسی جگہ بھی وہی آسانیاں حاصل تھیں جو دنیا کے بہت سے ممالک میں حاصل

نہیں ہیں یعنی رشوت۔ مردہ خانے کے منتظم سے میں نے کہا۔

”اصل میں“ میں ایک خوفناک کہانیاں لکھنے والی رائٹر ہوں۔ مجھے مردہ گھر کو دیکھنا ہے اور میں یہ دیکھنا

چاہتی ہوں کہ ایک زندہ انسان پر مردے کا اثر ڈالتے ہیں۔ اگر آپ مجھے اس کی اجازت دیں تو میں ایک نظر

لے چاہتی ہوں۔ خاص طور سے ایک لفٹ آپریٹر یہاں آیا ہے جسے لفٹ کے اندر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ میں

اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔“

”میں آپ کی ہر قسم کی مدد کے لئے تیار ہوں میڈم لیکن ان لاشوں کو دیکھنا بڑے دل گردے کا کام

ہے کیا آپ اس بات پر یقین کریں گی کہ مردہ خانے میں روحوں کا راج ہے اور ہر طرح کی روحمیں وہاں

نہایت پھرتی ہیں؟ آپ کو کسی مشکل کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔“

”میں خود بھی ایک آوارہ روح ہوں۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن یہ بات بھی میں آپ کو بتا دیتا چاہتا ہوں کہ مردہ خانے میں جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ آپ نے جو معاوضہ مجھے دیا ہے، اس کا تذکرہ کئے بغیر نہیں رہ سکوں گا معاوضے کو وصول کرنے کے بعد میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں لیکن ایک بات آپ کو بتا دی جائے۔ روشنی میں آپ وہاں جاسکتے کیونکہ دن بھر وہاں لوگوں کا آنا جانا رہتا ہے۔ میں کسی غیر متعلق اندر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ یہ میری سرکاری ذیولٹی ہے۔“

”لیکن میں ہر قیمت پر اس لفٹ آپریٹر کی لاش دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”اس کے لئے آپ کو آدھی رات کا انتظار کرنا پڑے گا۔“

”مطلب؟“

”ٹھیک بارہ آپ یہاں آجائیے۔ میں آپ کو مردہ خانے پہنچا دوں گا لیکن آپ اپنے رسک پر جائیں گی۔“

”اس کے لئے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن کیا آپ اس وقت یہاں موجود ہوں گے؟“

”ہاں۔ میں اب سے کچھ دیر بعد چلا جاؤں گا۔ میری دو شفٹوں میں ڈیوٹی ہوتی ہے۔ چنانچہ شفٹ میں رات کے بارہ بجے میں یہیں موجود ہوں گا۔ البتہ اس وقت باقی دوسرے ملازم جا چکے ہوتے؛ اگر اتفاق سے رات کے کسی حصے میں کوئی لاش آجاتی ہے تو ہم صبح مردہ خانے کے ملازموں کے انتظار کرتے ہیں۔ وہی اس لاش کو وہاں پہنچاتے ہیں۔“

”اور آپ کی ڈیوٹی یہیں ہوتی ہے؟“

”میں آپ کو یہاں اسی ٹیبل پر ملوں گا۔ آپ وہاں جاسکتی ہیں۔ میں آپ کو وہاں پہنچا دوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں پہنچ جاؤں گی۔“

مردہ خانے کے منتظم نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا پھر مسکرا کر بولا۔ ”میڈم ویسے تو آپ شخصیت واقعی بڑی زبردست ہے لیکن میں اس کے دوسرے پہلو سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ آپ بہت بات خاتون ہیں ورنہ کسی خاتون کے لئے تو مردہ خانے کا تصور ہی بہت خوفناک ہے جبکہ آپ آدھی رات کو مردہ خانے میں داخل ہونے کی ہمت رکھتی ہیں۔“

میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور پھر وہاں سے چلی آئی۔ جب میں اپنے ہوٹل واپس پہنچ بلٹ وہاں موجود تھا۔ میں ہوٹل کے دروازے سے اندر داخل ہوئی تو وہ مجھے نظر آگیا۔ اس نے میرے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

”میں نے سوچا کہ کسی طور آپ کو میری ضرورت ہو۔“

”نہیں۔ اگر ہوتی تو میں تمہیں ٹیلی فون کر دیتی۔ ارے ہاں تم کیسے آئے ہو، کیا تمہارے پاس کارڈ وغیرہ ہے؟“

”جی میڈم! میں نے تو آپ کو پہلے ہی پیشکش کی تھی۔ آپ نے خود ہی مجھ سے ایسا کوئی اہم کام نہ

لہ خود ہی مصیبتوں میں گرفتار ہوتی پھر رہی ہیں۔“

میں نے ایک گہری نگاہ بلٹ پر ڈالی اور کہا۔ ”مجھے جب بھی تمہاری ضرورت ہوگی بلٹ تو میں تمہیں تکلیف دوں گی۔ وقت سے پہلے کسی کو اپنے لئے استعمال کرنا میری فطرت کا حصہ نہیں ہے۔“

”جی جی۔“

”مہار کی چابی مجھے دے دو۔ مجھے اس کی ضرورت پیش آئے گی۔“

”اس کے علاوہ میڈم! اور کوئی چیز درکار ہو تو مجھے بتا دیجئے اور میں آپ سے ایک درخواست کرنا ہوں۔ اپنی زندگی خطرے میں نہ ڈالیں۔ بنگاک آئی ہیں۔ آرام سے سیر دیانت کریں۔“

”آرام سے؟“ میں نے اسے گہری نگاہ سے دیکھا۔

”نہیں میرا مطلب ہے کہ.....“

”سنو۔ میری بات سنو۔ تمہارا لباس کہاں ہے؟“

”پتہ نہیں میڈم! کیا لباس اپنے بارے میں اپنے ملازموں کو بتاتے ہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہیں اور ملیں گے؟“

”نہیں۔ میں نے ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔ تم بہت زیادہ جذباتی ہونے کی کوشش مت کرو۔“

”نہیں میڈم! میں بھلا ایسی جرات کر سکتا ہوں!“ بلٹ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر وہاں سے چلا اور میں اپنے کمرے میں آگئی۔ اپنے آپ کو ذہنی طور پر شفٹ اور تروتازہ رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا میں پرسکون رہوں۔ چنانچہ میں نے کوئی اور ذمہ داری اپنے سر پر نہیں لی اور آرام کرنے کے لئے لیٹ رہا۔ رات کو مقررہ وقت پر میں اپنی جگہ سے اٹھی۔ لباس وغیرہ تبدیل کیا اور باہر نکل آئی۔ میری کار سے استعمال کے لئے تیار تھی اور اس وقت میں اپنے آپ کو بہت ہلکا محسوس کر رہی تھی۔ پھر بوسے کے مطابق میں وہاں پہنچ گئی۔ میں نے اپنی کار وہاں سے پیچھے کھڑی کی تھی اور اس کے بعد میں ہال میں داخل ہو گئی تھی۔ مردہ خانے کا منتظم میرا منتظر ملا۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور مردہ خانے کے دروازے تک پہنچ گیا۔

”آپ اپنے رسک پر نیچے جا رہی ہیں میڈم۔“

”ہاں بالکل مطمئن رہو۔“ میں نے جواب دیا اور مردہ خانے میں اتر گئی۔ وسیع و عریض تہ خانہ تھا اس وقت بالکل تاریک پڑا ہوا تھا۔ پہلا دروازہ کھول کر میں تہ خانے کے اندر داخل ہوئی۔ وہاں ایک دروازہ تھا جو اس وقت بند تھا۔ میں نے اپنے لباس سے خاص قسم کی چابی نکالی اور اس دروازے کے لئے پر جھک گئی۔ کچھ منٹ کے بعد وہ ہلکی سی کلک کے ساتھ کھل گیا۔ میں نے دروازہ کھولا اور اندر جا کر سے بند کر دیا۔ کچھ لمحے میں وہاں خاموش کھڑی وہاں کے ماحول کا جائزہ لیتی رہی۔ یہ اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ وہاں میرے علاوہ کوئی اور تو نہیں ہے یا پھر وہ کردار، روحیں جو یہاں بسیرا رکھتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی ہسپتال کے مردہ خانے میں نہ جانے کیسے کیسے مردہ جسم آتے ہیں۔ کچھ روحوں کا ان کے مولا سے تعلق بھی رہتا ہے۔ یہ صرف سنی خانی باتیں تھیں۔ ورنہ اس سے پہلے نہ میں نے کوئی مردہ گھر

لی میرے لئے باعث غور تھی کہ یہ زندہ انسان یہاں کیسے آ گئے ہیں۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ مردہ نے کا محافظ جس قدر پرسکون تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے اپنے کام میں بے ایمانی نہیں کی ہے۔ دو افراد کو یہاں نہیں بھیجا۔ یہ دونوں کسی خفیہ طریقے سے یہاں پہنچے ہیں۔ بہر حال یہ کون ہیں، کیا ہیں، ان کا اندازہ مجھے نہیں ہو سکا تھا کیونکہ ان کے جسموں سے بھی جو کچھ برآمد ہوا تھا، اس سے ان کی شخصیتوں کوئی روشنی نہیں پڑ سکتی تھی۔ البتہ یہ بات میں نے ضرور سوچی کہ ذرا دیکھوں تو سہی کہ وہ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک کینٹ نکلا ہوا ہے اور وہ یقیناً اسی کینٹ سے کچھ تلاش کر رہے تھے۔

میں نے لمبی ٹارچ اٹھائی اور کینٹ پر روشنی ڈالی۔ یہ مردہ جسموں کا کینٹ تھا اور اس وقت جس کینٹ کا دروازہ وہ لوگ کھینچ چکے تھے اس میں اسی لفٹ آپریٹر کی لاش موجود تھی۔ لفٹ آپریٹر کا چہرہ سو جا تھا اور متعدد زخموں سے بری طرح گنبا ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ پہچانا جاسکتا تھا۔ اس کا چہرہ انسانی ایک ہو رہا تھا۔ میں نے اس پر غور کیا اور بہت سے احساسات میرے ذہن سے گزر گئے۔ کیا مرنے کے انسانی جسموں میں کچھ اور قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں؟ یعنی یہ کہ میں اس کی قاتل تھی۔ میں نے اسے ہلاک کیا تھا اور اس وقت وہ مردہ شکل میں میرے سامنے موجود تھا۔ رات کا ایک تاریک حصہ گزر رہا تھا۔ مردہ نے میں دو انسان اگر زندہ بھی تھے تو اب وہ ہوش و حواس سے عاری تھے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی مردہ کسی سے انتقام لینے کی کوشش کرے تو اس کی قوتیں کیا ہو سکتی ہیں۔ پھر مجھے خود ہی اپنے آپ پر ہنسی آئی۔ مردوں کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ یہ دو زندہ انسان جو ہیں۔ یہ اگر ابھی اٹھ کھڑے ہوں تو بے ساختہ کیا سلوک کریں۔ ویسے ان کے بارے میں بھی یہ سوچا جاسکتا تھا کہ یہ دونوں بھی یہاں قانونی طور پر آئے ہیں اور اس آپریٹر کے جسم میں کوئی چیز تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ یقیناً وہ کوئی چیز اتنی ہی بت کی مالک ہوگی کہ انہوں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا۔ بہر حال میں نے ہاتھ آگے بڑھا کر آپریٹر کے جسم سے چادر ہٹائی اور پھر ہر چیز سے بے نیاز ہو کر پھرتی سے اس کے لباس کی تلاشی لینے لگی۔ کوئی خاص چیز رہے ہاتھ نہیں لگی تھی۔ بس گھڑی، انگوٹھی، ایک پیکٹ میں اس کے سامان کی کچھ اور چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں نے لاش پر دوبارہ کپڑا ڈال دیا اور وہ کینٹ اندر کر دیا۔ پھر مرنے والے دوسرے کینٹ کھول کر دیکھے۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں نے ان دونوں کی طرف دیکھا جو اب بھی بے ہوش پڑے تھے۔ ایک لمحے کے لئے تو میں نے سوچا کہ ان دونوں کو بھی کینٹ سے ڈال دوں مگر پھر یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ بلاوجہ دو انسانوں کی زندگیاں چلی جائیں گی۔ بھلا یہاں انہیں کون ہول کر دیکھے گا۔ کسی بھی بے مقصد شخصیت کو ہلاک کرنا میرے لئے حرام تھا۔ بس راستے میں آنے والی کوئی بھی چیز کو جو نقصان پہنچانے کا باعث بنے، راستے سے ہٹا دینا کوئی بری بات نہیں تھی اور یہی میں کرتی تھی۔ پھر میں نے ٹارچ سے اس ہال کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لیا اور کوئی ایسی خاص چیز نظر نہیں آئی تھی جو قابل توجہ ہوتی۔ میں نے ٹارچ بجھائی اور دروازے کی طرف چل پڑی۔ وہاں رک کر میں نے ناگہن لی اور جب یہ اطمینان ہو گیا کہ باہر کوئی نہیں ہے تو دروازہ کھولا اور جیسے دروازہ کھلا، ایک ٹھوس اجڑا میرے سینے پر ٹک گئی۔ یہ ایک خوفناک ریوالور کی ٹالی تھی جو ایک بھاری جسم والے خوفناک آدمی

دیکھا اور نہ کسی روح سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ بہر حال میں نے اس دوسرے کمرے کا اچھی طرح لیا جس میں اسٹیل کی تین میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ تینوں میزوں میں پینے لگے ہوئے تھے۔ سامنے ایک دروازہ تھا۔ میں نے اس دروازے کی جانب رخ کیا اور اس کے قریب پہنچ گئی۔ پھر میں نے اسے دوسری طرف تاریکی نظر آئی۔ مگر اس تاریکی میں بھی ایک مضبوطی سی روشنی گردش کر رہی تھی۔ میں غور سے دیکھتی رہی۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ وہ دو افراد ہیں جو ایک دروازہ کھول کر ایک لاش کا جائزہ رہے ہیں۔ دیوار میں بہت سے کینٹ لگے ہوئے تھے جنہیں کھینچ کر کھولا جاتا تھا اور اس میں لاشیں اور نکالی جاتی تھیں۔ نہ جانے کیوں میرے دل کو ایک شدید دھڑکن کا احساس ہوا۔ نہ جانے یہ کون تھے اور نہ جانے کیوں وہ یہاں موجود تھے۔ جبکہ مردہ خانے کے محافظ نے مجھے بتایا تھا کہ یہاں کسی اور وجود نہیں ملے گا۔ البتہ آوارہ روحوں سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

تو کیا یہ روحمیں ہیں؟ لیکن جو کوئی بھی ہیں بہر حال مجھے ان سے غمنا تھا۔ وہ دونوں سرگوشی میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی آوازیں اس قدر مدہم تھیں کہ بس ایک گنگناہٹ کی سی آواز مجھ تک پہنچتی تھی اور یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہیں۔ بہر حال میں خاموشی سے ان کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر یہ آوارہ روحمیں بھی ہیں تو بہر حال اس وقت میں انہیں چھوڑوں گی۔ اگر انڈیشز کی جھنجھٹ فضا میں گونج رہی تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر آہستہ آہستہ جانب چل پڑی۔ کوئی دو یا تین منٹ ایک جگہ رک کر میں نے صورت حال کا جائزہ لیا اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر ان کے قریب پہنچ گئی۔ دفعتاً ہی ان دونوں نے مجھ پر چھلانگ لگا دی تھی۔ غالباً وہ بھی یہ چکے تھے کہ ان کے علاوہ بھی یہاں کوئی اور موجود ہے لیکن میں چونکہ اس وقت تیار تھی اور ان دونوں سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی چنانچہ جیسے ہی انہوں نے مجھ پر چھلانگ لگائی میں بیٹھ گئی۔ ان دونوں سرپوری طاقت سے ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔ ایسا لگا تھا جیسے دو برتن آپس میں ٹکرائے ہوں۔ کی سی آواز ہوئی تھی۔ اس وقت ٹکرائے کا جو نتیجہ ہونا چاہئے تھا، وہی ہوا۔ یعنی وہ دونوں چکر کھانے اور مجھے موقع سے فائدہ اٹھانے کی مہلت مل گئی۔ میں نے اچھل کر دونوں کے بال پکڑے اور ایک ہاتھ ان کے سر پرست سے آپس میں ٹکرا دیے۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔ بے مقصد زندگی لینا میرے لئے ممکن نہ تھا۔

نجانے کیوں میرا دل چاہا کہ میں ان کے لباس کی بھی تلاشی لوں چنانچہ میں نے ان کی جیبوں کی خاک لے ڈالی۔ وہ واقعی بے ہوش ہو گئے تھے لیکن ان کی جیبوں سے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے ان شناخت ہو سکے۔ البتہ وہ دونوں مسلح تھے اور ان کے پاس بہترین قسم کے ریوالور موجود تھے۔ میں ایک تک سوچتی رہی۔ دونوں ریوالور میں سے اپنے قبضے میں کر لئے تھے اور اس کے بعد میں نے ان کے آ پاس بھی دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک کے قریب ہی ایک لمبی ٹارچ پڑی ہوئی تھی جو یقیناً ان میں سے ایک کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر گر چکی تھی۔ میں نے وہ ٹارچ بھی اٹھالی۔ اب کم از کم مجھے یہ یقین ہو چکا تھا کہ وہ مردہ خانے کی روحمیں نہیں بلکہ زندہ انسانوں کی زندہ روحمیں ہیں۔ میں اس تصور سے ہنسی لیکن یہ

کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر ہی ایک دم سے خوف سا طاری ہو جاتا تھا۔ دونوں گالوں پر ہونی ناک، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، ناک ہی کی مناسبت سے پھیلا ہوا منہ کا دہانہ، چہرہ بالکل گول اور جڑ ہوا۔ بالکل کارٹون معلوم ہوتا تھا لیکن ایک خوفناک کارٹون۔ اس کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔
”وہ دونوں مر گئے؟“

”نک..... کون دونوں؟“ میں نے سوال کیا۔

”جو اندر تھے۔“

”مجھے نہیں معلوم۔ اندر تو کوئی بھی نہیں تھا۔“

ریوالور کی نال کا دباؤ میرے سینے پر بڑھ گیا اور اس نے مکروہ لہجے میں کہا۔ ”صرف ایک لمحہ اس بعد تم بھی مر جاؤ گی۔ سچ بولو۔“

”وہ مرنے کے قریب ہیں۔ اگر تم انہیں بچانا چاہتے ہو تو اندر جاؤ۔“

”کیوں کیا بات ہے؟“

”بس جو میں نے کہہ دیا اس پر غور کرو۔“

”ٹھیک ہے۔ چلو اندر چلو۔“ اس نے میرے سینے پر دباؤ ڈالا۔ زور اتنا لگایا تھا اس نے کہ میں خود پیچھے ہٹ گئی۔ ریوالور کی نال سینے پر چھ رہی تھی۔ وہ خود بھی پیچھے ہٹا۔ واہنے پاؤں سے اس نے دروازہ کیا اور ایک ہاتھ سے اس کا بولٹ چڑھا دیا۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ میں اس وقت چاہتی تھی تو کچھ نہ کہہ کیونکہ وہ پوری طرح محتاط تھا۔ صرف انگلی کی ذرا سی جنبش مجھے زندگی سے محروم کر دیتی۔ اس نے دباؤ اور مجھے پیچھے ہٹنے کے لئے کہا۔ میں اس وقت اس سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔ لہذا چلتے چلتے میں اچانک بیٹھ گئی اور میں نے بیٹھتے ہی ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ اس کی ٹانگیں میری گرفت میں آ گئیں۔ میں نے اسے کرکھینچا تو وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف جا پڑا۔ میں نے سارے کی طرح بل کھایا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئی، اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا، میں نے اس کی گردن پر اپنے انگوٹھے کے ناخن جمائے۔ میری گرفت اس کے زرخرے پر تھی اور میں نے اس پر شدید دباؤ ڈالا رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ میں نے انگوٹھوں کا دباؤ تھوڑا سا کم کیا اور غرا ہوئی آواز میں بولی۔

”کس نے بھیجا ہے تمہیں یہاں؟“

اس نے منہ کھولا اور بند کر لیا۔

”جلدی سے جواب دو ورنہ میں تمہاری زندگی چھین لوں گی۔“

اچانک ہی اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی۔ وحشیانہ چمک اور اس نے ایک دم سے پھر پھڑانے کی کوشش کی۔ میں اس وقت حقیقی معنوں میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی چنانچہ میں نے دونوں انگوٹھوں کا شدید دباؤ اس کے زرخرے پر ڈالا اور مجھے اس کی امید نہیں تھی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ میرے انگوٹھے اس کے حلق میں گھس گئے تھے اور ایک عجیب سی آواز آئی تھی۔ پھر اس کا ترپنا میرے لئے

پہلی یقین تھا۔ میں خود ہی اس کے اوپر سے اٹھ گئی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس طرح موت کو لے لے لے گا کہ میرے انگوٹھے اس طرح اس کے حلق میں داخل ہو جائیں گے جیسے کسی نرم چیز میں گھس لے ہوں۔ یہ بات خود میرے لئے ناقابل یقین تھی بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ قتل کرنے کا ایک اور رشتہ میرے علم میں آیا تھا کہ انگوٹھوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ اس طرح انسانی زرخرہ پھاڑ دیں۔ زرخرے کے سوراخوں سے خون اگلنے کا جو منظر تھا، وہ ناقابل یقین تھا۔ بالکل اسی طرح معلوم ہو رہا تھا جیسے ایک پھوار سی چل رہی ہو۔ اگر میں برق رفتاری سے پیچھے نہ ہٹ جاتی اور مخالف سمت میں نہ ہٹ جاتی تو براپورا جسم خون آلود ہو جاتا۔

میں ایک لمحے تک حیرت سے کھڑی اس کا چہرہ دیکھتی رہی اور جب اس نے ترپ ترپ کر لمحوں کے دردم توڑ دیا تو میں نے گردن جھٹکی۔ وہ خود دیوانگی پر آمادہ ہو گیا تھا اور شاید میں اسے زندہ ہی چھوڑ دیتی۔ رحال دے بے ہوش اور ایک مردہ چھوڑ کر میں وہاں سے چل پڑی اور باہر نکل آئی۔ پھر جب میں اپنی کار ں بیٹھی تو میں نے اسے فوراً اشارت نہیں کیا کیونکہ ایک بار پھر میرے ذہن میں سوچوں کا حملہ ہوا تھا۔ یہ یال برابر مجھے پریشان کر رہا تھا کہ صرف دو آدمی ہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی میرے معمولات سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میں کیا کرنے والی ہوں۔ ایسا کیسے ہو رہا ہے؟ یہ کون ہے جو میرے بارے میں میرے نام معلوم دشمنوں کو معلومات فراہم کر رہا ہے؟ لے دے کے ایک ہی نام میرے ذہن میں آتا تھا، اور وہ تھا ٹ۔ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ بلٹ ڈیل کراس کر رہا ہو۔ ایک طرف وہ عظمت جلال کا وفادار بنا ہوا ہے تو دوسری طرف کچھ ایسے لوگوں کا آلہ کار بھی بنا ہوا ہے جو عظمت جلال کے خلاف ہیں۔ خیر مجھے اس سے کوئی زف نہیں تھا کہ کوئی عظمت جلال کے خلاف ہو لیکن اس سے خوف تھا کہ اس ڈیل کراس کے چکر میں، میں نقصان نہ اٹھا جاؤں۔ مجھ پر مسلسل حملے ہو رہے تھے اور میرے تمام معمولات کا علم کچھ اور لوگوں کو بھی تھا۔ ایک لمحے کے لئے دل میں سوچا کہ اس سے حقیقت اگلوادیں لیکن فوری طور پر یہ بھی خطرناک ہی ہو گا۔ اس وقت وہ میرا گائیڈ ہے اور بہت سے معاملات میں میرے کام آ رہا تھا۔ کسی نئی رہائش گاہ کے سلسلے میں بھی مجھے کہہ رہا تھا۔ دیکھ لوں کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر وہ دشمن بھی ہوا تو دیکھ لوں گی اس کو بھی۔

مجھے زیادہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ خیر تم بھی سہی میرے دشمنو! مجھے تو یوں لگتا ہے کہ اس دنیا میں اب میرے لئے دشمن ہی دشمن رہ گئے ہیں اور انہی دشمنوں نے میرے دوستوں کی تعداد بھی تقریباً ختم ہی کر دی ہے۔ کچھ نہ ملے مجھے۔ ساری دنیا میری دشمن بن جائے۔ بس ماں باپ اور بہنیں مل جائیں۔ اس کے بعد میں اپنی زندگی کے لئے ایک ایسا لائحہ عمل ترتیب دوں گی جو میرے دشمنوں کے لئے بھی خوشی کا باعث ہی ہو گا۔ میں نے دل میں سوچا تھا اور اس کے بعد آنکھیں بند کئے لیٹ گئی تھی۔ نہ جانے کب نیند میری آنکھوں میں داخل ہو گئی تھی۔ پھر اس وقت جاگی تھی جب کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ مجھوتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور دروازہ کھول دیا۔ خیال تھا کہ ویٹر ہو گا لیکن وہ بلٹ تھا۔

”سوری میڈم! آپ جن حالات سے گزر رہی ہیں، ان میں تشویش لازمی بات ہے۔ میں دروازہ کھولنے پر مجبور ہو گیا کیونکہ بہت دیر سے بیٹھا ہوا آپ کے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا اور اب صورت حال

میرے لئے تشویش ناک ہو گئی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں۔“

میں پیچھے ہٹ گئی اور وہ میرے پیچھے اندر آ گیا۔ اس نے خود دروازہ بند کر دیا تھا۔

”تم بیٹھو میں واش روم سے آتی ہوں۔“ میں نے کہا اور اس نے گردن خم کر دی۔ میں واش روم میں داخل ہو گئی تھی۔ میں نے بڑے اطمینان سے غسل کیا کیونکہ اس کے بغیر میری رات کو جاگنے کی کوئی گارنٹی نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر باہر نکل آئی اور میں نے کہا۔

”یقیناً تم نے ناشتے کے لئے کہہ دیا ہو گا۔“

”جی میڈم“ اور اپنے لئے بھی کافی طلب کر لی ہے کیونکہ ناشتہ میں کر چکا ہوں۔“ میں مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔ میں گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ جہاں ایک سمت کچھ مشتبہ خیالات اس کے منہ زہن میں آ رہے تھے وہیں اس کی صورت دیکھ کر اور کچھ دوسری باتوں کا خیال کر کے خود ہی اپنے خیال تردید ہو جاتی تھی۔ وہ اگر میرے دشمنوں کا آلہ کار ہوتا تو بہت سے ایسے مرحلے بھی آئے تھے جب وہ برا راست خود اپنے ہاتھوں سے مجھے قتل کر سکتا تھا۔ ایسی کوئی کوشش اس نے آج تک نہیں کی تھی۔ یہ بار قابل غور تھی اور اس سے اس کی شخصیت پر سے شبہ ہٹ جاتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

”رات کو دراصل میں دیر سے سوئی تھی، اس لئے صبح کو نہیں جاگی۔“

”میں بھی آپ کو بے آرام نہ کرتا میڈم لیکن جس رہائش گاہ کا میں نے ذکر کیا تھا، اسے میں ابھی بنا کر آ رہا ہوں اور اب آپ کا وہاں چلنا ضروری ہے۔ وہ بہت ہی اچھی جگہ ہے اور آپ کے لئے بڑا پرسکون رہے گی۔ ہو سکتا ہے آپ ہر طرح کے ہنگاموں سے دور ہو جائیں۔“

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن خم کر دی تھی۔ بنکاک اور اس کے نواحی علاقوں سے مجھے زیادہ واقفیت تو نہیں تھی لیکن بہر حال یہ بات میں جانتی تھی اور میں نے سنا بھی تھا کہ مضافاتی بنکاک اصل بنکاک سے زیادہ حسین تھا۔ گاڑی موجود تھی۔ میں نے چابی بلٹ کے حوالے کر دی تھی اور وہ کار اشارت کر کے آگے بڑھ گیا۔ آبادی سے کوئی دس بارہ میل آگے جانے کے بعد دھان کے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ چاروں طرف کسان مرد اور عورتیں کام کر رہے تھے۔ میں اس وقت ایک مخصوص حصے سے گزر رہی تھی اور یہ حصہ اتنا خوبصورت تھا کہ میرے ہونٹوں پر اسے دیکھ کر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

”بنکاک کے مضافات کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا لیکن یہ تو واقعی بہت خوبصورت ہیں۔ جو جگہ تم نے میرے لئے منتخب کی ہے، کیا وہ بھی اسی طرح خوبصورت ہے؟“

”میڈم! ایک چھوٹی سی جمیل کا ایک سرا ہے جس کا فاصلہ کم ہے اور اس پر لکڑی کا ایک پل بنا ہوا ہے۔ آپ کو اس پل سے گزر کر جانا ہو گا۔ جمیل کے درمیان میں وہ خوبصورت گھر بنا ہوا ہے جو آپ کی رہائش گاہ کے لئے منتخب کیا گیا ہے اور جب آپ اپنے گھر کے دروازے سے نکل کر ریٹنگ کے پاس آکر کھڑی ہوتی ہیں تو جمیل میں پھیلے ہوئے بطخوں کے غول آپ کے سامنے آکر جمع ہو جاتے ہیں۔ بس آپ کو ایک الٹ سے کام کرنا پڑے گا کہ ان بطخوں کو ان کی غذا دینی پڑے گی پھر آپ دیکھیں کہ وہ آپ سے کتنی محبت کرتی ہیں۔ جیسے ہی آپ باہر آئیں گی وہ آپ کی خوشبو سونگھ کر آپ کے پاس پہنچ جائیں گی۔“

”خوب۔ بڑی مسرت کی بات ہے۔ مجھے ایسے مناظر واقعی بہت پسند ہیں اور تم نے جو کچھ کہا ہے وہ سب کچھ سچ ہے تو میرے لئے بڑی خوشی کی بات ہے۔“

تھوڑی دیر کے بعد ایک پہاڑی سلسلہ شروع ہو گیا۔ سڑک اس پر سے مل کھاتی ہوئی اوپر چلا تھی اور جگہ خاصی خطرناک تھی۔ اگر میں خود ڈرائیو کر رہی ہوتی تو یقینی طور پر مجھے خوف محسوس ہوتا۔ بلٹ ان راستوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا لیکن کچھ ہی لمحوں کے اچانک اس کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔

”میڈم! ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔“

میں نے ایک دم پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ اس طرح تعاقب کرنے والے ہوشیار ہو جاتے ہیں؟ سائیز مرر میں، میں نے ایک پیلے رنگ کی لمبی کار کو دیکھا جو لیوینز تھی اور ہمارے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ پہلے تو اس کار کی رفتار دھیمی رہی اور وہ فاصلہ دے کر تعاقب میں لگی لیکن جب سڑک تنگ شروع ہوئی تو اچانک ہی اس کی رفتار تیز ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہم پر چڑھ دوڑے گی۔ نے گہری سنجیدگی سے گردن جھٹکی اور بلٹ سے بولی۔

”ہاں۔ اندازہ ہو رہا ہے کہ اس میں کتنے افراد ہیں؟“

”تین ہیں میڈم! ویسے میرا خیال ہے یہ شہر ہی سے ہمارے پیچھے لگے ہیں۔ پھر آپ بتائیے کیا چاہتے؟“

”چلتے رہو۔ آگے پہنچنے کے بعد ہم دیکھیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔“ میں نے کہا۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک خیال اور بھی گزرا تھا۔ وہ یہ کہ ایسی پوزیشن ضرور پیدا کرنی چاہئے جس سے یہ پتہ چلے کہ خود بلٹ میرے دشمنوں میں شامل ہے یا نہیں۔ اگر وہ اپنی زندگی خطرے میں ڈال دیتا ہے تو اسے مطلب یہ ہوگا کہ وہ خود میرے دشمنوں میں شامل نہیں ہے اور اگر وہ اپنے بچاؤ کا بندوبست کرتا ہے تو اس سازش میں اسے بھی شریک سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ ایک امتحان کی جگہ آگئی تھی۔ ابھی میں اسی کوٹ میں تھی کہ اچانک پیچھے آنے والی کار سے فائر ہوا اور گولی ہماری کار کی چھت سے ٹکرائی۔ پھر دوسرا فائر اور گولی ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والے دروازے پر پڑی۔ میں نے فوراً اپنا سر نیچے کر لیا کیونکہ میں باجہ مرر میں اس شخص کو دیکھ چکی تھی جو کھڑکی سے سر نکالے تیسرا فائر کرنے والا تھا۔ ایک لمحے کے اندر میرے ذہن پر پھر وہی کیفیت سوار ہو گئی جو خطرناک موقعوں پر ہو جاتی تھی اور جس کیفیت کے زیر اثر ہوش دھواں کھو بیٹھتی تھی اور مجھ پر جنون سوار ہو جاتا تھا۔ آہ۔ کاش اس وقت اسٹیرنگ میرے ہاتھ نہ ہوتا تو میں ان لوگوں کو بتاتی لیکن پھر بھی میں اب ہر طرح کا خطرہ مول لینے کو تیار تھی۔ اگر یہ سب کچھ تو پھر یہی سہی۔ پتہ چلنا چاہئے کہ میرے دشمن کون ہیں اور وہ مجھ پر یہ قاتلانہ حملے کیوں کر رہے ہیں؟ چنانچہ میں تیار ہو گئی۔

بے لمبی کا ایک عجیب سا احساس میرے ذہن پر صرف ایک لمحے کے لئے سوار ہوا تھا۔ مجھے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ پیچھے آنے والوں کے خلاف میں کوئی مؤثر کارروائی نہیں کر سکتی۔ اچانک کار لڑکھائی ایکا

جاگ ہوا تھا اور کار لڑکھائی ہو گئی تھی لیکن وہ صرف لڑکھائی ہی نہیں ہوئی تھی جس رفتار سے وہ دوڑ رہی تھی اس کے بعد گولی ٹائر پھاڑ دے اور ڈرائیو کار کو سنبھال لے تو وہ ڈرائیو نہیں۔ کوئی مافوق الفطرت شئی ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایک لمحے کے اندر کار نے فلا بازی کھائی اور فلا بازیاں کھاتی چلی گئی اب اس میں بٹے ہوئے لوگ انسان ہی تھے۔ کسی فلمی ہیرو کی طرح ایسے عالم میں بھی کار سے نکل کر نہیں بھاگ سکتے تھے۔ تقریباً دو یا تین فلا بازیاں کھائی گئی تھیں اور اس کے بعد کم از کم میں تو خود فلا بازی ہو گئی تھی۔ یعنی برازیل فلا بازی کھا گیا تھا اور ہوش و حواس رخصت ہو گئے تھے۔

☆=====☆=====☆

بہر حال صبح شام سفید سیاہ۔ یہ ساری چیزیں زندگی سے گہرا تعلق رکھتی ہیں اندھیرے کے بعد روشنی ہوتی ہے اگر زندگی قائم ہے اور زندگی کی بقاء کا مسئلہ بالکل مختلف ہے۔ حادثے اہمیت رکھتے ہیں اندھیرے کے بعد روشنی ہوتی ہے اگر زندگی قائم ہے اور زندگی کی بقاء کا مسئلہ بالکل مختلف ہے۔ حادثے اہمیت رکھتے ہیں لیکن اگر وہ حادثے موت کے لئے نہیں ہوں تو پھر کون سی طاقت بھلا انہیں موت کے منہ میں دھکیل گئی ہے۔ ہوش میں آگئی۔ نہ جانے کب کہاں اور کیسے ماحول اور حالات تبدیل ہوئے تھے۔ پوری طرح ہوش میں آئی اور اپنے آپ کو ایک شاندار بستر پر دراز پایا۔ گزرے ہوئے لمحات ذہن کو دکھانے لگے۔ دماغ میں ایک دکھن سی تھی میں نے ایک لمحے کے لئے اپنی قوت ارادی سے کام لے کر خود کو سوچ سے آزادی دے دی۔ اس طرح یہ دکھن کم ہو سکتی ہے۔ میں نے دل میں سوچا اور جب اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئی تو دوبارہ آنکھیں کھول کر ماحول کا جائزہ لیا بڑا سا کمرہ تھا۔ یقینی طور پر کوئی ہسپتال وغیرہ نہیں تھا۔ سر میں زبردست قسم کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جو گردن سے بھی ہو کر گئی تھی اس کا مقصد ہے اودہ۔ کار کا حادثہ ہوا۔ فائوگیاں چلائی گئی تھیں ٹارٹل گئی تھی۔ بلٹ میرے ساتھ تھا۔ یہ ہسپتال تو نہیں ہے۔ ظاہر ہے جس ماحول سے ہم گزر رہے تھے اور ہمارے ارد گرد جو کچھ بکھرا ہوا تھا اس میں ہسپتال کو نظر انداز ہی کیا جانا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری حیثیت ایسی تھی کہ ہر جگہ ہمارے لئے ضرورت کی جگہ بن سکتی تھی۔ یعنی ہسپتال گھر پر بھی آسکتا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زخمی حالت میں مجھے یا میرے ساتھ موجود شخص کو لانے والے کون ہیں۔ دشمن یا دوست۔ بس یہی تصور میرے ذہن میں تھا۔ خیر اب وہ دشمن ہو یا دوست۔ اگر سر کے زخم کا علاج کیا گیا ہے تو یقینی طور پر وہ کم از کم ہمیں فوری طور پر زندگی سے محروم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس خیال نے دل کو تقویت دی اور سوچا کہ ذرا سکون سے آنے والے وقت کا انتظار کیا جائے۔ پھر تقریباً آدھا گھنٹہ اس خاموشی اور سوچ میں گزارا تھا اور اس کے بعد دروازے سے کچھ لوگ اندر داخل ہوتے ہوئے نظر آئے۔ میں نے آنکھوں میں جھری پیدا کر کے انہیں دیکھا تھا۔ شاید دماغ میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بینائی پر بھی کچھ اثرات پڑے تھے۔ کیونکہ آدھ کھلی آنکھوں سے وہ لوگ صاف نظر نہیں آ رہے تھے لیکن پھر جیسے جیسے وہ قریب آتے گئے نمایاں ہوتے گئے اور اس کے بعد دماغ کو جو شدید جھٹکا لگا تھا اس نے صحیح معنوں میں چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔ میں نے آنے والوں میں سے دو کو پہچان لیا تھا ان میں سے ایک الماس آراء بیگم تھیں دوسرا عظمت جلال اور تیسرا ایک بلند قامت شخص جو چہرے سے

مشرقی ہی لگتا تھا یعنی میرے ہی ملک کا باشندہ لیکن الماس آراء، عظمت جلال، میں۔ میرے خدا کوئی نہیں۔
کھیل ہو گیا ہے بہت ہی بڑا۔ آنکھیں تو بند کر لیں تھیں۔ ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے کی بہت کم
تھی لیکن کان اور دماغ کے دروازے پوری طرح کھلے ہوئے تھے۔ ان کی قدموں کی چاپ قریب آتی ہوئی
صاف سنائی دے رہی تھی۔ پھر وہ میرے بالکل قریب پہنچ گئے۔ کچھ لمحات کے لئے مکمل خاموشی طاری ہو
گئی۔ پھر عظمت جلال نے کہا۔

”یہ ہے۔ ڈاکٹر دانیال آپ براہ کرم اس کا جائزہ لیجئے۔“

”ہوں۔“ آواز ابھری۔ پہلی آواز عظمت جلال کی تھی اور دوسری یقینی طور پر اس شخص کی جو ہاتھ
آیا تھا۔ تو یہ ڈاکٹر ہے۔ میں نے دل میں سوچا۔

”مجھے اس طرح اس کا معاملہ کر کے کچھ نہیں معلوم ہو گا عظمت جلال! اس کا فائل تو ہو گا۔“

”ہوں۔ یہ رکھا ہوا ہے اس کے سرانے۔ علاج کیا جا رہا ہے اس کا۔ میں نے ایک نرس مقرر کر دی
ہے اور ضروری ہدایات لے لی ہیں۔ تقریباً بارہ دن ہسپتال میں رہی ہے اور وہاں اس کی بھرپور دیکھ بھال
ہوتی رہی ہے لیکن بحالت مجبوری مجھے اسے یہاں منتقل کرنا پڑا۔ کیونکہ کچھ ایسی ہی الجھنیں پیش آئی
تھیں۔“

”جی..... بہر حال ساری باتیں اپنی جگہ ہیں مجھے اس کا فائل دے دیجئے۔ کون کون سی دوائیں
استعمال کی جا رہی ہیں۔ وہ نرس کہاں ہے جو اس کی تیمارداری کرتی ہے؟ ذرا اسے بلائیے۔“

”میں بلاتا ہوں۔“ عظمت جلال نے کہا اور اس کے بعد قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ باہر نکل گیا۔

پھر شاید نرس آگئی تھی اس دوران ڈاکٹر نے میرا سر ہانہ ٹٹول کر میرا فائل نکال لیا تھا اور اس کا جائزہ لے رہا
تھا جبکہ الماس آراء بیگم پر سکتہ سا طاری تھا۔ ڈاکٹر نرس سے سوالات کرنے لگا اور نرس اسے جواب دیتی
رہی۔ نرس کا تعلق غالباً تھائی لینڈ سے ہی تھا کیونکہ اس دوران میں خاصا وقت وہاں گزار چکی تھی اور وہاں
کی انگریزی کا بھی اچھی طرح جائزہ لے چکی تھی۔ نرس ڈاکٹر دانیال کو میرے بارے میں تفصیلات بتاتی رہی
اور جو تفصیلات نرس کی زبانی مجھے معلوم ہوئیں وہ یہ تھیں کہ کار کے ایکسیڈنٹ کے بعد میرے سر میں چوٹ
لگ گئی۔ میرا ساقھی مرچکا تھا۔ میں بارہ دن تک ہسپتال میں زیر علاج رہی اور اس کے بعد عظمت جلال مجھے
یہاں لے آیا۔ جو جو دوائیں مجھے استعمال کرائی جا رہی تھیں نرس اس کے بارے میں بتاتی رہی۔ ڈاکٹر دانیال
سوالات سے فارغ ہوا۔ وہ بدستور فائل بھی دیکھتا جا رہا تھا کبھی کبھی میری آنکھوں میں ہلکی سی جھری پیدا
جاتی۔ کوئی محسوس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کچھ دیکھ رہی ہوں۔ کچھ سوچ رہی ہوں۔ میں نے اب اپنے چہرے
کے تاثرات پر بھی قابو پایا تھا کیونکہ میں جانتی تھی کہ میرے سامنے اور کچھ نہیں تو کم از کم دوائیے شامل
موجود ہیں جو چہرے میں رونما ہونے والی ذرا سی تبدیلی کو نوٹ کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر کافی دیر تک سوالات کرتا رہا پھر اس نے کہا۔

”دیکھیں مسٹر عظمت جلال۔ دماغی چوٹ ہے۔ دماغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مفلوج ہو سکتا ہے۔ ابھی تو ہم
یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اس دماغی چوٹ کی وجہ سے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوا ہے یا نہیں۔ البتہ

رے وغیرہ موجود ہیں۔ اگر آپ براہ محسوس کریں تو انہیں میرے پرائیویٹ کلینک بھیجیں۔ میں سرکاری
ہال میں بھی ہوتا ہوں وہاں بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ سرکاری ہسپتالوں میں ذمے
دار کے ساتھ وہ سارے کام نہیں کئے جاسکتے۔ میرے اپنے کلینک میں انہیں آسانی ہوگی۔ میں ان کے دو
ایکمرے کروں گا۔ سی ٹی اسکین کرنی ہوگی اور اس کے بعد اگر ضرورت سمجھی گئی تو ایک چھوٹا سا آپریشن
ہاں یہ بتائے گا کہ دماغ کی چوٹ ایسی شدید تو نہیں ہے کہ جسم کو مفلوج کر دے۔ یا یادداشت چھین
دے۔ یہ ذہن میں رکھنا ہو گا۔“

”یار..... تم ڈاکٹر لوگ ایسی ہی خوفناک باتیں کرتے ہو۔ میرے بھائی! جتنی تمہارے کلینک کی
باتیں ہے یا آپریشن وغیرہ کے جتنے اخراجات ہیں۔ اس کا چار گنا کر کے مجھ سے وصول کر لو لیکن جلد ہی
برکنا ہو گا۔“

”عظمت جلال! دو باتیں ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ میں ڈاکٹر ہوں۔ دوسری بات یہ کہ تم مجھے اپنا دوست
کہتے ہو۔ مجھے دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میں ہر کام اپنے طور پر کرنا چاہتا
ہوں۔ دیے تم مجھے جو بھی حکم دو گے میں اس کی تعمیل کر لوں گا۔“
”یہ ٹھیک کہتے ہیں۔“ الماس آراء کی آواز پہلی بار ابھری تھی۔
”تو پھر کیا کرنا ہے؟“

”میں نے کہا تھا تو یہ سب کچھ مشکل ہو جائے گا۔“
”اصل میں پہلی بات میں تم سے ہی کہنا چاہتا تھا ڈاکٹر دانیال۔ تم اپنا پورا کلینک یہاں لے آؤ بات یہ
کہ یہ لڑکی کچھ ایسے دشمنوں میں گھری ہوئی ہے کہ ہم اسے کسی ایسی دیکھی جگہ نہیں چھوڑ سکتے۔ یہی وجہ
ہے کہ میں اسے ہانگ کانگ سے یہاں لے آیا ہوں۔“

”تم بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو عظمت جلال! یہاں ہسپتال کیسے آسکتا ہے۔ لاتعداد مشینیں ہیں بہت
مگنوں سے اسے گزارنا ہو گا۔“

”ہوں۔ چلو ٹھیک ہے ہم مشورہ کر لیتے ہیں۔ نرس! ڈاکٹر دانیال کو لے جاؤ اور ڈاکٹر کوئی ضروری
نٹ تو نہیں کرنا۔“

”نہیں۔ جو میڈیسن دی جا رہی ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کیا جائے
ہوش میں آجائے تب بھی صورت حال بہتر ہو سکتی ہے۔ ہوش میں آنے کا مطلب یہ ہو گا کہ زیادہ سے
زیادہ ٹینکس فیصدی خرابی کے امکانات ہیں۔ ورنہ باقی ٹھیک ہو جائے گی۔ ہاں اگر آپریشن کئے بغیر ہوش میں
نہ آتی تو پھر ذرا دوسری باتوں پر بھی غور کرنا ہو گا۔“

”او کے..... او کے..... اچھا تو میں تمہیں فون کروں گا اور اس سلسلے میں تم سے تمام باتیں
ہوں گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ ڈاکٹر دانیال نے کہا اور اس کے بعد جاتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ نرس
سامنے ہی چلی گئی تھی۔

سامنے ہی چلی گئی تھی۔

سامنے ہی چلی گئی تھی۔

”خیر! مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کم بخت ہانگ کانگ میں کیا کر رہی تھی۔“
”اب اتنی معلومات میں نے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ کی جاسکتی ہیں۔“
”دیکھیے؟“

”بھئی وہ تباہ شدہ کار جس میں یہ موجود تھی اس کے ساتھ ایک شخص پولیس کے پاس اس کی رپورٹ ہو گئی۔ لیکن وہی بات ہے تمہیں آم کھانے سے مطلب۔ پڑھنے سے کیا فائدہ۔ ویسے تمہارے خوف کے بھاگی بھاگی تو پھر رہی تھی۔“

”شیطان کی اولاد ہے۔ یہ کم بخت شیطان کی اولاد میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ منہ سی کوئیل میرے ہاتھوں کے سائے میں سر اٹھائے کھڑی ہے۔ میری کی ہوئی آبیاری سے پروان چڑھ رہی ہے۔ اس روح ایک خوفناک آدم خور درخت بن جائے گی۔ آہ۔ اس نے میرے بھائی کو کھالیا ہے۔ معاف نہیں رکھتی اسے۔ خادر جلال کی موت کا انتقام لینا ہے مجھے اس سے حالانکہ تم بھی خادر جلال کے بھائی ہو۔ لیکن دونوں بھائیوں کے دلوں میں میں نے اپنے بھائی کے لئے وہ تڑپ نہیں پائی جو اس کے لئے پیدا ہو گئی ہے۔ میرا سینہ دھونکتی بنا ہوا ہے میرا سینہ جل رہا ہے مگر ایسے نہیں میں چاہوں تو اس نے بھی اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتی ہوں لیکن فائدہ کیا ہوگا ایک مردہ وجود کے ٹکڑے کرنے سے؟“
”تو یہ ہے کہ اس میں زندگی کی لہر کب دوڑے گی۔ عظمت جلال ڈاکٹر دانیال سے کہو کہ جو بھی زچات آئیں میں ادا کروں گی وہ اسے ٹھیک کر دے۔ اچھا سنو، میں جذباتی باتیں کر رہی ہوں۔ یہ ہسپتال لے گی میں نہیں جانتی اس کے ارد گرد کون لوگ بکھرے ہوئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اسے حاصل کر لے۔“

”اس کی ذمہ داری تم مجھ پر چھوڑ دو۔“
”میرے بھائی! یہ مجھے زندہ اور ہوش و حواس میں چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہوش میں آکر یہ نکل لے۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ڈاکٹر دانیال بے شک اسے اپنے کلینک لے جائے گا لیکن میرے آدمیوں اصرار اس کے ارد گرد ہوگا۔ تم اس کی بالکل فکر مت کرو۔“

”تب مجھے تمہارا یہ تحفہ قبول ہے۔“ الماس آراء کے لہجے میں ایک شوخی سی پیدا ہوئی۔
”شکریہ، جواب میں مجھے کیا دو گی؟“

”میں کیا دے سکتی ہوں۔ تم لوگوں نے مجھے ایک گدھے کے پلے باندھ دیا جو بذات خود کچھ بھی نہیں لے۔“

”ارے چھوڑو۔ الماس آراء بتاؤ کیا چاہتے تھیں؟“
”نہیں شکریہ۔ واقعی اگر تمہارا یہ تحفہ ہوش و حواس کے عالم میں مجھے مل جائے تو میرے لئے اس کا قیمتی تحفہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ مگر ایک بار پھر میں تمہیں ہدایت کرتی ہوں کہ اس کے ارد گرد سے ہٹا کر رہنا۔ ویسے یہ لڑکی کمال ہے۔ کمال ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اس قدر آتش کیسے بن گئی۔“

”ہاں۔ الماس آراء بیگم میرا تحفہ آپ کو کیا لگا؟“
”عظمت جلال! میرے دل و دماغ کو جو اذیت ہو رہی ہے تم شاید اس کا مذاق اڑانا چاہتے ہو؟ یہ ہے؟“

”ارے۔ کیا مطلب..... کیا یہ لڑکی تمہیں درکار نہیں تھی۔ کیا میری محنت بیکار کرنا چاہتی ہے؟“
”ہانگ کانگ سے لایا ہوں اسے تمہارے لئے۔“

”بیٹھو..... بیٹھ جاؤ۔ میں کھڑے کھڑے تھک گئی ہوں۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے عظمت بھائی! دونوں مجھ پر کیا کیفیت گزر رہی ہے۔ میں شاید زندگی کے سب سے بدترین دور سے گزر رہی ہوں۔ ایسا نہیں ہوا میرے ساتھ۔“

”اس کی وجہ صرف یہ لڑکی ہے نا۔ یا کوئی اور بات ہے۔“

”نہیں اور کسی بات کو میں اہمیت نہیں دیتی ہمیں ایک شدید مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اسے بھی جوتے کی نوک پر مارتی ہوں۔ عزت جلال کو جو شدید نقصان پہنچا ہے اس نے انہیں بھی ذہنی طور پر بہت چڑھا کر دیا ہے لیکن یہ الگ باتیں ہیں البتہ اس لڑکی نے میرے دل پر جو وزن ڈالا ہے اگر مہر ترین قوت ارادی کی مالک نہ ہوتی تو پاگل ہو چکی ہوتی یا مر چکی ہوتی۔“

”ارے بابا۔ میں نے تمہاری بدترین دشمن تمہارے حوالے کی ہے اور تم اسے گردانتی ہی نہیں ہو جانتی ہو جب میں نے اسے ہانگ کانگ کی سڑک پر کار کے حادثے میں زخمی پڑے ہوئے پایا تو اس دن میرے دل میں صرف ایک انسانی ہمدردی کا احساس ہو گا جس نے مجھے اس تک پہنچایا لیکن جب میں نے اسے کی شکل دیکھی۔ ایک لمحے کے اندر میرے دل و دماغ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس کے بعد میں نے ہوش میں لانے کے لئے جو جدوجہد کی ہے، تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ میں نے اپنا تمام کام ترک کر کے ہسپتال میں پہنچایا۔ اس کا علاج کرایا اور ڈاکٹروں کو ہزاروں ڈالر دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اسے رخصت کر لے۔ صرف اس لئے کہ اپنی پیاری بہن کو اس کے دشمن کا تحفہ دے سکوں۔“

”مگر ایسا مفلوج تحفہ۔“

”کیا مطلب.....“

”اگر میں اسے قتل کر دوں تو اسے پتہ بھی نہیں چلے گا کہ اسے ہلاک کرنے والا کون ہے۔ دشمن بھی ایک مقام ہوتا ہے عظمت جلال۔ اگر دشمن عظمت اور بے ہوشی کے عالم میں ہمارے ہاتھوں مارا جا تو اسے کیا پتہ چلے گا کہ اس کی دشمنی نے اسے کیا نقصان پہنچایا۔ بات تو صرف یہ ہے کہ وہ پورے ہوش و حواس میں بے بسی محسوس کر کے ہمارے ہاتھوں مرے۔“

”ہاں ہاں۔ میں سمجھ رہا ہوں تمہاری ذہنی کیفیت، مگر بے فکر رہو ڈاکٹر دانیال سے بڑا کوئی نیا سرجن ہمارے ملک میں موجود نہیں ہے اور پھر ڈاکٹر دانیال نے ایسے ایسے شاندار کارنامے سرانجام دیے ہیں۔ نیوروسرجری میں کہ لوگ اسے بہت بڑا مقام دیتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ میرا دوست ہے اور بالکل اسے دوستانہ انداز میں ذیل کر رہے ہیں۔“

لے لیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اپنے وطن واپس آگئی ہوں چنانچہ واپس چلی اور مزید کوئی اندازہ لگائے
 اپنے کمرے میں آکر واپس بستر پر آکر لیٹ گئی۔ نرس ابھی تک گہری نیند سو رہی تھی ایک لمحے میں اس
 کی گردن دبا کر اسے ختم کر سکتی تھی لیکن کیا فائدہ! اس رہائش گاہ کو میں نے اچھی طرح پہچان لیا تھا۔
 غمت جلال کی کوشی ہی تھی اور میں پہلے اسے دو تین بار دیکھ چکی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کرنا
 چاہئے۔ کیا یہاں سے نکل جاؤں لیکن نکلنا کافی خطرناک تھا اب صرف ایک امید باقی رہ جاتی تھی۔ وہ یہ
 ڈاکٹر دانیال مجھے اپنے کلینک لے جائے گا۔ بس اس وقت تک انتظار کرنا ضروری ہے۔ مزہ آیا تھا
 غمت جلال بے نقاب ہو گیا تھا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تشنگی اپنے دل سے کیسے مٹاؤں جو ماں باپ
 و طلب کی تشنگی تھی کبھی کبھی تو یہ احساس ہونے لگتا تھا کہ میری تقدیر مجھے بھی اپنے ماں باپ تک نہیں
 پہنچے دے گی۔ سب کچھ چھین گیا ہے مجھ سے اپنے آپ کو کتنا ہی تمیں مار خان سمجھ لوں لیکن اپنے ماں
 باپ کے لئے کچھ بھی نہیں کر پائی تھی ابھی تک۔ نہ جانے کب تک انہی سوچوں میں ڈوبی رہی اور پھر نیند
 بی۔ دوسرا دن معمول کے مطابق تھا کوئی دس بجے کے قریب الماس آراء میرے پاس آگئی۔ نرس موجود
 اس وقت عظمت جلال اس کے ساتھ نہیں تھا۔

”اس وقت کیا کیفیت ہے اس کی؟“ الماس آراء کا لہجہ سخت اور کھردرا تھا۔

”میڈم! معمول کے مطابق۔“

”ہوش تو نہیں آیا اسے؟“

”نہیں میڈم! اگر انہیں ہوش آجائے تو سارے مسئلے ہی حل ہو جائیں گے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے نرس تم بھی ہر حال ڈاکٹروں کے ساتھ رہی ہو۔ اسے ہوش آجائے گا؟“

”میڈم! یقیناً ہوش آجائے گا۔ اصل میں ان کا جسمانی چیک آپ کیا ہے میں نے۔ ہر چیز بہترین کام کر
 رہی ہے۔ دل طاقتور ہے۔ نبض ٹھیک ہے۔ کوئی ایسی کمزوری نہیں ہے جس سے یہ احساس ہو کہ ان کی
 زندگی کو کوئی خطرہ ہے۔“

”اوہ۔ مجھے اس کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اسے
 مابک آئے گا۔ اس کا دماغ ٹھیک رہے گا یا نہیں؟“

”سوری میڈم! میں نرس ہوں ڈاکٹر نہیں۔“ نرس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

”ایک بار۔ صرف ایک بار اسے ہوش آجائے۔ اس کتیا کی بیٹی کو یہ پتہ چل جائے کہ آخر کار یہ
 ما آراء کا نشانہ بن گئی۔ اسے یہ اندازہ ہو جائے کہ الماس آراء نے اسے اولاد کی طرح پرورش کیا اس
 ذہن تک یہ بات نہیں پہنچنے دی کہ یہ الماس آراء کی بیٹی نہیں ہے لیکن اس نے یہ معلوم ہونے کے
 غمخوار کی ہے مجھ سے جس طرح اس نے مجھ پر حملے کئے ہیں مجھ پر وار کئے ہیں۔ جس طرح اس نے
 اذیتیں دی ہیں۔ اس کی ایک ایک بوٹی اسے زندہ رکھ کر کاٹوں اور اسے تڑپتے ہوئے دیکھوں تو دل کو
 ناہو۔ ورنہ ورنہ۔ میں بھی تشنگی کا شکار ہو کر ہی مرجاؤں گی۔“ یہ باتیں الماس آراء اردو میں کہہ رہی
 اس لئے نرس کی سمجھ میں تو نہ آسکیں البتہ یقینی طور پر الماس آراء کے چہرے کا تاثر دیکھ کر اس کے

”تم بالکل بے فکر رہو۔“ دونوں وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گئے میں نے کھلی آنکھوں سے ان دو
 دیکھا اور میرے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے دل میں کہا کہ عظمت جلال بڑا
 انسان ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی ایک خاندان میں اتنے کینے کیسے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ تم آخر کار وہی
 جو تمہیں ہونا چاہئے تھا لیکن تمہیں یہ اندازہ نہیں ہے کہ میں بھی وہی ہوں جو مجھے ہونا چاہئے۔ ہر حال
 کے بعد سوچوں کے علاوہ اور کیا رہ جاتا تھا۔ میں پوری طرح ہوشیار تھی۔ اس بہت بڑی مصیبت سے
 مل گئی تھی۔ یعنی یہ کہ میں جن ہنگامہ آرائیوں میں پڑ گئی تھی وہ میرے شایان شان نہیں تھیں۔ حادہ
 یقینی طور پر عظمت جلال کو میرے بارے میں علم ہو گیا۔ بلکہ کیا کیا جاسکتا ہے ان جرائم پیشہ افراد کے با
 میں۔ ذہن میں نادیدہ کا خیال آیا اس کے علاوہ میں جانتی تھی کہ اور بھی بہت سے کردار مجھ سے متعلق
 خاص طور سے حاکم شیرازی جسے ہسپتال میں داخل کیا ہوا ہے۔ اس کی دیکھ بھال بھی نادیدہ ہی کر رہی۔
 یہ سارے معاملات بڑے سنسنی خیز تھے اور تقدیر نے مجھے زندہ رہنے کا موقع دیا تھا تو اس کا مطلب یہ
 کہ باقی معاملات سے ابھی تک میرا چھٹکارا نہیں ہوا ہے اور مجھے ان میں ملوث رہنا ہے۔ کمال کی بات۔
 عظمت جلال اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ایک سال تک اگر میں اس کے لئے کام کرتی ہوں تو وہ
 میرے ماں باپ کے بارے میں بتا دے گا۔ اعتبار نہیں کیا جانا چاہئے کسی پر دنیا قابل اعتبار ہے ہی نہیں
 لیکن دنیا کے ہاتھوں بے بس ہونا مجھے کسی قیمت پر قبول نہیں تھا۔ اب جو کچھ ہوگا اس کے ذمے دار
 لوگ ہوں گے۔ عظمت جلال سے جو امیدیں وابستہ تھیں وہ ختم ہو گئی تھیں۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر
 مجھے نئے سرے سے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔ یہ جگہ کون سی ہے۔ اس کے بارے میں بھی پتہ لگانا ضرور
 تھا۔ چنانچہ سکون سے انتظار کیا۔ اگر ڈاکٹر دانیال مجھے یہاں سے لے جاتا ہے تب بھی صورت حال کو بدل
 کی کوشش کروں گی لیکن اس دن ایسا نہ ہوا نرس میری دیکھ بھال کرتی رہی اور پھر رات ہو گئی مجھے نا
 انجکشن اور ڈراپ وغیرہ کے ذریعے غذا دی جاتی رہی تھی۔ ویسے بارہ دن کے بعد کی بات تو عظمت جلا
 نے میرے سامنے ہی کی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ بارہ پندرہ دن تک بے ہوش رہی ہوں لیکن جسم
 کسی قسم کی کمی کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ میری غیر معمولی قوتیں ہوں جنہوں نے مجھے تروت
 رکھا ہو۔ یا پھر جدید ترین طریقے سے مجھے جسمانی غذائیں دی جاتی رہی ہوں۔ یہ تمام سوچیں بے مقصد
 تھیں۔ رات کے تقریباً ساڑھے بارہ یا ایک کا وقت ہوگا۔ نرس تھوڑے فاصلے پر ایک آرام دہ کرسی پر گہرا
 نیند سو رہی تھی۔ مجھے اس کے بارے میں اندازہ ہو گیا تھا چنانچہ میں خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی پورے
 طرح ماحول کا جائزہ لیا۔ پھر دبے قدموں چلتی ہوئی دروازے تک پہنچی۔ دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔
 میرے سامنے ایک کوریڈور پھیلا ہوا تھا۔ میں نے ایک لمحے تک سوچا کہ کوریڈور کی کون سی سمت اختیار
 کروں۔ پھر بائیں سمت چل پڑی۔ کوریڈور آگے جا کر پھر بائیں سمت گھوم جاتا تھا اور یہاں سے باہر کارائ
 نظر آتا تھا۔ گیٹ پر چوکیدار موجود تھا احاطے میں مسلح افراد گشت کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ کتے بھی تھے۔
 مجھے اندازہ ہو گیا کہ انتہائی سخت پہرہ ہے خاص طور سے کتے میری موجودگی کو فوراً محسوس کر لیں گے۔ اور
 وقت باہر نکلنے کا کوئی چانس نہیں تھا۔ نرس کو بھی شے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ جگہ نما اچھی طرح جانا

ل جلدی سے بول پڑا۔

”یہ ایک کلینک ہے یقینی طور پر ڈاکٹر دانیال کے لئے کچھ غیر متعلقہ افراد کا میاں رہنا ایک ناخوشگوار سا ہوگا۔ اصل میں الماس آراء تم بہت زیادہ متاثر ہو۔ ڈاکٹر دانیال میرے راز دار ہیں۔ میں نے انہیں یہی صورت حال بتادی ہے۔ پھر ویسے ڈاکٹر دانیال یہ جانتے ہیں کہ یہ پولیس کو مطلوب لڑکی ہے۔ اس کے بعد وہ خود بھی محتاط رہیں گے۔ باہر کے لوگوں کا میاں رہنا غیر مناسب ہے اور پھر تم یہ بتاؤ کہ تمہیں کس کا فخر ہے۔ میں نے اسے تمہارے حوالے کیا ہے‘ میں اس بات کا ذمہ دار اب بھی ہوں کہ اس کے دل میں آنے کے بعد اسے تمہارے سپرد کر دوں۔“

”میں بس ایسے ہی‘ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ ایک شدید احساس ہے کہ یہ ہوش میں آکر رہنا ثابت ہوگی۔“

”آپ مطمئن رہیں میڈم! جب یہ ہوش میں آئے گی تو ہم اسے اس طرح مفلوج کر دیں گے کہ یہ ری مرضی کے بغیر اپنے ہاتھوں اور پیروں سے جنبش بھی نہ کر سکے۔“ ڈاکٹر دانیال نے کہا۔

”مگر ایسی بات ہے ڈاکٹر دانیال تو ٹھیک ہے۔ بس میرے دل میں یہی عجیب سا احساس رہتا ہے البتہ لٹ جلال میں خود میاں ضرور رہوں گی۔“

”تمہاری مرضی ہے الماس آراء۔ تمہاری مرضی ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ تم بہت زیادہ جذباتی لڑکی ہو اس سلسلے میں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ جذباتی کیفیت ہی تمہیں اب تک نقصان پہنچاتی رہی ہے۔ تم نے اس لڑکی کو نہ جانے کیا سے کیا دیا ہے جبکہ بہر حال یہ ہمارے ہی خاندان میں پرورش پائی ہوئی لڑکی ہے بلکہ تمہارے ہاتھوں پرورش پائی ہوئی۔“

الماس آراء نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں دل ہی دل میں ہنسنے لگی تھی۔ بہر حال وہ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے رہے اور پھر میری مسلسل دیکھ بھال کی جانے لگی۔ میرے سامنے ڈاکٹر دانیال نے انہیں باہر کا مہرا سی ٹی سکین وغیرہ ہوگا میں اس سلسلے میں تو کچھ نہیں کر سکتی تھی لیکن یہ میں نے طے کر لیا تھا کہ اب میں بہت عرصے میاں نہیں رہوں گی بلکہ اگر تھوڑا سا سوچنے کا موقع مل جائے تو اپنا آئندہ لائحہ عمل ضرور بنالوں گی۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ ہسپتال کون سے علاقے میں ہے لیکن اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ اب میں واقعی اپنے شرم میں پہنچ چکی ہوں۔ میاں نادیا کی کوٹھی ہے۔ سلطان شاہ کا اڈا ہے۔ باقی تمام نہیں تو مشکوک ہو چکی تھیں۔ حاکم شیرازی بدستور ہسپتال میں تھا۔ نادیا کی طرف سے اس وقت تک مجھے دل اور رپورٹ نہیں ملی تھی۔ جب تک میں ہوش و حواس میں بائیں تھی اور عظمت جلال کے لئے کام کر رہی تھی۔ یہ بات بھی میں اچھی طرح جانتی تھی کہ نادیا اب عظمت جلال کی ساتھی تھی۔ کمال کی بات یہ ان لوگوں نے کیسے لے لے جال پھیلانے ہوئے تھے۔ پھر تمام لوگ چلے گئے صرف ایک نرس میاں رہ گئی تھی جسے میں نے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی چلی گئی۔ میں نے اس کمرے کا اڈہ لیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ قدرت انسان کے لئے بہت سے انتظامات خود کر دیتی ہے۔ میرے داہنی سمت ایک بڑی سی کھڑکی تھی جس میں سلاخیں نہیں لگی ہوئی تھیں۔ سلاخوں کا تو خیر آج

چہرے پر بھی خوف ابھر آیا ہوگا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں مسکراؤں لیکن اپنے اعصاب پر قابو پانا بھی بہت بڑا مشکل کام ہے۔ یہ کوئی مجھ سے اس وقت پوچھتا۔ میں اس وقت اپنے چہرے کو بے تاثر رکھے تھی۔ حالانکہ میرے کان کام کر رہے تھے اور مجھے اس وقت یہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ الماس آراء باتیں کہیں مجھے مسکرانے پر مجبور نہ کر دیں۔ کاش میری سماعت ختم ہو جائے ورنہ یہ شیطان صفت چالاک عورت میرے چہرے کے تاثر سے کہیں یہ اندازہ نہ لگالے کہ میں ہوش و حواس میں ہوں۔ بہر حال الماس آراء تقریباً پندرہ منٹ تک میرے پاس رہی اور اس کے بعد جب وہ وہاں سے چلی گئی تو میرے کان کا گھبراہٹ سا سنس لیا۔ باپ رے باپ اس وقت بڑے مشکل مرحلے سے گزری ہوں اب دیکھو آگے کیا ہے۔

پھر کافی وقت ایسے ہی پڑے پڑے گزارنا پڑا تھا۔ ہوش میں آنے کا خیال بھی دل میں نہیں آتا تھا۔ بڑے صبر آزمائے لڑکے لیکن آخر کار یہ لمحات ختم ہوئے۔ اس وقت کمرے میں عظمت جلال آراء ڈاکٹر دانیال اور اس کے ساتھ چند اور افراد داخل ہوئے تھے۔ آنے والے ڈاکٹر دانیال کے کلینک کے ملازم تھے۔ بہترین انتظامات کے ساتھ آئے تھے۔ آنکھوں کی جھری سے الماس آراء کا چہرہ دیکھا۔ کچھ زمانے میں یہ چہرہ میرے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہوا کرتا تھا۔ اس کو دیکھ کر میرے دل میں لاڈ ابھر آتا تھا۔ لیکن اب یہ ایک خوفناک اور مکروہ چہرہ تھا۔ ان لوگوں نے مجھے اسٹریچر پر منتقل کیا اور اس کے بعد مجھے چل پڑے۔ الماس آراء کس قدر مستعد ہے اسٹریچر پر لیٹے لیٹے میں یہ بات سوچ رہی تھی۔ ایک لمبے لمبے بھی وہ مجھے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھی۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بھی ایک بھرپور تھی۔ پھر اس کے بعد مجھے امیبولینس میں منتقل کیا گیا۔ الماس آراء اور عظمت جلال اور ڈاکٹر دانیال کو گاڑی میں گئے ہوں گے۔ امیبولینس میں ہسپتال کے ملازم موجود تھے ان لوگوں سے مجھے کوئی تعرض نہ تھا۔ میں جانتی تھی کہ پیچھے دوسری گاڑیاں بھی آرہی ہوں گی۔ اس وقت دل میں ایک بڑی آرزو تھی۔ راستوں کا تعین ہو جائے لیکن ہر کام اپنی خواہش کے مطابق ہی تو پورا نہیں ہو جاتا۔ آخر کار امیبولینس ہسپتال کی عمارت میں داخل ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے ایک شاندار کمرے میں منتقل کر دیا۔ اندازے کے مطابق یہ ڈاکٹر دانیال کا پرائیویٹ کلینک تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ سب بھی اندر آئے۔ میرا اندازہ بالکل درست نکلا وہ لوگ میرے پیچھے پیچھے ہی چلے آ رہے تھے۔ الماس آراء نے ڈاکٹر دانیال کو کہا۔

”ڈاکٹر دانیال! ہو سکتا ہے میرے بھائی عظمت جلال اس بات پر مجھ سے اتفاق نہ کریں لیکن اگر ایسی بات میں آپ سے کہوں‘ جو نہ آپ کے لئے نقصان دہ ہو اور نہ کسی اور کے لئے تو اسے ماننے آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔“

”نہیں نہیں میڈم! کئے کیا بات ہے؟“

”میں چاہتی ہوں کہ چار آدمی میاں رہ کر اس کی نگرانی کریں۔“

”جی.....“ ڈاکٹر دانیال نے شدید حیران نگاہوں سے عظمت جلال کی طرف دیکھا تھا۔

ب سے زیادہ ہوش مند تھی۔ ڈاکٹر دانیال بھی یقینی طور پر چکر ہی چلائے ہوئے تھے۔ اپنا بل بنانے کے لئے درنہ سیدھی سی بات تھی کہ میرے دماغ میں اسے کوئی خرابی نظر نہیں آئی ہوگی لیکن بہر حال وہ ہر کام اس طرح کرنا چاہتا ہوگا کہ کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونے پائے۔ چنانچہ وہ بھی تیار تھا اور میں بھی تیار تھی۔ آپریشن کے تمام انتظامات مکمل کر لئے گئے۔ ڈاکٹر دانیال کے ساتھ کھڑی ہوئی ڈاکٹر بی بی وہ ڈاکٹر صفیہ کہہ کر پکار رہا تھا۔ ڈاکٹر دانیال کی معاونت کے لئے تیار تھی۔ دونوں نرسیں بھی بالکل صحیح کنڈیشن میں تھیں۔ پھر ڈاکٹر دانیال میرے قریب پہنچا۔ بس اب اس کے بعد اور کوئی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے آنکھیں کھول دیں میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کہا۔

”ہیلو ڈاکٹر۔“ ڈاکٹر کے ساتھ جتنے بھی لوگ تھے وہ اچھل پڑے۔ میں نے مسکرا کر اسے آنکھ ماری اور کہا۔

”یہ بات آپ جانتے ہیں ڈاکٹر دانیال کہ نہ میرے دماغ میں کوئی خرابی ہے اور نہ میں بے ہوش ہوں۔ کیا خیال ہے آپ کا جانتے ہیں نا آپ؟“ ڈاکٹر دانیال کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے عجیب سی حماقت پیدا ہوئی۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

”تم ہوش میں ہو؟“

”شروع سے ڈاکٹر دانیال بہت عرصے سے۔“

”تت..... تو پھر..... یہ سب کیا تھا۔“

”بس یونہی ڈاکٹر۔ تھوڑی سی تفریح بھی تو زندگی کے لئے بہت ضروری ہوتی ہے۔ ذرا پیچھے نہیں۔“ میں نے اس سے کہا اور وہ بے اختیار پیچھے ہٹ گیا اور میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”ہاں۔ ڈاکٹر دانیال! کیا خیال ہے اب آپ کا؟“

”جاؤ۔ اطلاع دو باہر کہ وہ ہوش میں آگئی ہے۔“ ڈاکٹر دانیال نے ایک نرس سے کہا اور نرس نے واپسی کے لئے قدم بڑھائے لیکن اسی وقت میں نے اپنا لمبا ہاتھ بڑھا کر نرس کی گردن پیچھے سے پکڑ لی۔

”اے میڈم، تھوڑی دیر کے لئے ڈاکٹر دانیال کے احکامات کو بھول جائیے اس لئے کہ اس وقت میرے احکامات زیادہ ضروری ہیں۔“

”تم..... تم کیا بد تمیزی کر رہی ہو یہ اطلاع دو باہر۔ الماس آراء باہر موجود ہے۔“ دانیال نے دوسری نرس سے کہا لیکن اب میں اچھل کر نیچے اتر آئی تھی۔ میں نے زیادہ ڈرامے بازی کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ صورت حال سنگین تھی میں نے دوسری نرس کو دیکھا اور کہا۔

”خبردار! ایک قدم آگے بڑھایا تو ڈسے دار تم خود ہوگی۔“ ڈاکٹر دانیال جلدی سے آگے بڑھا لیکن اسی وقت میرے پاؤں کی الٹی ٹھوکر اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر پڑی اور اس کے حلق سے ایک تیز چیخ نکل گئی۔ وہ ڈاکٹر جو اس کی معاونت کے لئے موجود تھی۔ دروازے کی جانب لپکی تو میں نے دونوں نرسوں کو زور سے دھکا دے کر اچھل کر اسے پکڑ لیا۔

”بی بی! تم لوگ میری دشمن کیوں بنی ہوئی ہو۔ اگر میں تم سے دشمنی پر آمادہ ہوگئی تو تمہارے لئے کیا

کل رواج ہی نہیں ہے۔ البتہ شیشے بھی اس میں فکس نہیں تھے۔ یعنی اگر نکل کر بھاگنے کا مؤڈہ بنے میں کوئی خاص وقت نہ ہو۔ یہ بعد میں دیکھی جانے والی بات تھی۔ وقت گزرتا رہا میں نے دل میں یہ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ابھی تھوڑا سا وقت یہاں آسانی سے گزارا جاسکتا ہے۔ کوئی رسک لینے والا نہیں ہونی چاہئے۔ شام کو کوئی ساڑھے چھ بجے کا وقت تھا۔ جب الماس آراء ڈاکٹر دانیال کے ساتھ میں آئی اور میرے قریب آکر بیٹھ گئی۔

”کم بخت لڑکی! ہوش میں آجا۔ دائمی بے ہوشی کے لئے تھوڑی دیر کے لئے تو ہوش میں آجا۔ اب آپ کیا کر رہے ہیں ڈاکٹر دانیال؟“

”بس میڈم! آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اب میری سرکاری ذمے داریاں ختم ہوگئی ہیں اس کے بعد بالکل فری ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم انہیں سی ٹی سکن کے لئے لے جائیں گے اور پھر میں فیملہ کر کے مجھے کیا کرنا چاہئے۔“ یہ سارے کام ہوئے۔ میں مختلف مراحل سے گزری اور اس کے بعد رات ہو میں رات کو یہاں آرام سے سو گئی تھی کیونکہ مختلف ٹیرج سے گزارنے کے لئے مجھے شاید بے ہوش انجکشن دئے گئے تھے۔ دوسرے دن کوئی ساڑھے دس بجے جاگی۔ نرس نے ڈرپ لگا رکھی تھی اور میری ڈرپ وغیرہ اتار رہی تھی۔ میں تھوڑی دیر کے لئے تو کچھ نہیں سمجھ پائی البتہ میں نے اپنے براہ تو انائیوں کو محسوس کیا۔ پھر کچھ افراد آگئے مجھے ایک اسٹریچر پر منتقل کیا گیا اور وہ لوگ مجھے لے کر چل پڑے۔ باہر الماس آراء کم بخت موجود تھی۔ عظمت جلال البتہ نہیں تھا۔ اس نے ڈاکٹر دانیال کے ساتھ چلے گئے۔

”ڈاکٹر دانیال! یہ آپریشن کامیاب ہونا چاہئے۔“

”بالکل بے فکر رہیں آپ میڈم! اس کی تمام تر تفصیلات کا میں اندازہ لگا چکا ہوں۔ بہر حال دیکھتے کیا کرنا ہے۔“

”کیا آپریشن تھمیں میں آپ کے ساتھ رہ سکتی ہوں ڈاکٹر دانیال؟“

”دیکھئے میڈم میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں لیکن پلیز آپ میرے معاملات میں مداخلت نہ میں خاصا الجھ گیا ہوں آپ کے روپے کی وجہ سے۔“ اس کے نتیجے میں الماس آراء بیگم نے کیا سوچا یہ تو پتہ نہیں چل سکا تھا لیکن وہ خاموش ہوگئی تھی۔ آخر کار ڈاکٹر دانیال مجھے لے کر آپریشن تھمیں میں رہا ہو گیا۔ ایک بار پھر میں نے آنکھوں میں جھری پیدا کر کے یہاں کے ماحول کو دیکھا۔ جدید ترین مشینیں ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر دانیال تھا ایک ڈاکٹر تھی اس کے ساتھ اور دو نرسیں تھیں کل یہ چار افراد تھے۔ میں دیکھا کہ انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا ہے۔ دروازے پر پردے بھی ڈال دیئے گئے تھے تاکہ ان شیشوں سے اندر نہ جھانکا جاسکے۔ یہ بات میرے لئے باعث سکون تھی سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی جو ڈاکٹر، ڈاکٹر دانیال کی معاونت کر رہی تھی وہ عورت تھی اور جسامت میں میرے ہی جیسی۔ میرے ڈاکٹر میں ایک شیطانی منصوبہ پروان چڑھنے لگا۔ کم از کم اب یہ ایسی صورت حال نہیں تھی کہ میں خاموشی حالات کا کھیل دیکھتی رہوں۔ اگر انہوں نے میرا دماغ کھول دیا تو پھر تو میرا کباڑ ہی ہو جائے گا۔ میں

آراء بیگم موجود تھی اس کے ساتھ دو اجنبی آدمی بھی تھے۔ جنہیں میں نہیں جانتی تھی اور ایک لمحے میں اندازہ ہو جاتا تھا کہ ان کا تعلق کم از کم ہسپتال سے نہیں ہے۔ الماس آراء بیگم نے اس وقت چونک کر دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ جب میں نے دروازے سے قدم باہر نکالے تھے۔ پھر وہ مضطربانہ انداز میں میرا جائزہ لیتی رہی تھی۔ اس نے کچھ پوچھنا بھی چاہا تھا لیکن میری رفتار اتنی تیز تھی کہ میں اس کے سامنے سے تیزی سے گزر کر آگے بڑھ گئی۔ البتہ جب کو ریڈور کے آخری سرے پر پہنچی تو اچانک ہی میں نے پلٹ کر دیکھا۔ الماس آراء کی قدر مضطرب تھی اور اچانک ہی اس نے چیخ کر میری جانب کوئی اشارہ کیا تھا۔ کم بخت کو شبہ ہو گیا تھا اب میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں یہ چھوٹے جوتے اتار کر دوڑنا شروع کر دوں۔ ان جوتوں کی موجودگی مجھے دوڑنے میں دشواری پیدا کر رہی تھی۔ میں نے دونوں جوتے اچھالے اور ننگے پاؤں ایک جانب دوڑ پڑی۔ الماس آراء کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں لیکن دوسرے لمحے میں ایک چھوٹی دیوار کو دو کر لان پر آگئی۔ ایک گاڑی آکر رکی تھی اور اس کا ڈرائیور اس کے نزدیک ہی کھڑا ہوا تھا۔ غالباً اس نے نیچے اتر کر گاڑی سے آنے والے کے لئے دروازہ کھولا تھا۔ میں لپک کر اس کے پاس پہنچ گئی۔ دوسرے لمحے میں نے زور سے ڈرائیور کے پیٹ میں لات ماری اور اس کی گردن پکڑ کر اسے دور اچھال دیا۔ چابی انگلیشن میں لگی ہوئی تھی۔ میں پھرتی سے اندر بیٹھی اور اس کے بعد میں نے کار برق رفتاری سے آگے بڑھا دی۔ پیارے ڈرائیور نے ٹانگیں سمیٹ لی تھیں۔ ورنہ گاڑی اس کی ٹانگوں پر سے گزر جاتی۔ میں نے پھرتی سے گاڑی گیٹ کی جانب موڑی۔ گیٹ بھی کھلا ہی ہوا تھا۔ دوسرے لمحے گاڑی تیرکی طرح گیٹ سے باہر نکل گئی۔ جو بھی سڑک سامنے نظر آئی میں نے گاڑی اس سڑک پر دوڑا دی اور پھر برق رفتاری سے ڈرائیونگ کرنے لگی۔ دوسری طرف غالباً خاصی ہنگامہ آرائی ہو چکی تھی۔ الماس آراء کے آدمی بھی کار لے کر دوڑ پڑے تھے لیکن اب ان کے لئے مشکل تھا کہ وہ مجھے پالیں۔ آن کی آن میں، میں بہت دور نکل آئی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کہاں جاؤں۔ میرا ہی شہر تھا۔ ساری میری آبادی تھی لیکن ساری کی ساری میری دشمن، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت کیا صورت حال ہو۔ پھر کئی سڑکوں سے گزرتے ہوئے اچانک ہی میرے ذہن کے کچھ خانے روشن ہو گئے۔ ایک دلچسپ لطیفہ ذہن میں آیا تھا۔ دو افراد جو دونوں کے دونوں چور تھے کسی ایک جگہ قیام کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ ان میں سے ایک کی جیب میں بڑی رقم تھی اور دوسرا اس رقم کی تاک میں تھا۔ دونوں ایک ہی کمرے میں منتقل ہوئے تھے۔ رات کو اس شخص نے جس کی جیب میں رقم تھی اپنی جیب سے رقم نکالی اور چور کے کوٹ کی جیب میں ڈال دی اور اس کے بعد اطمینان سے سو گیا۔ آدھی رات کو چور اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے ہر جگہ کی تلاشی لے ڈالی لیکن اسے رقم نہ ملی۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رقم خود اس کے کوٹ کی جیب میں ہوگی۔ بہر حال وہ تھک ہار کر سو گیا لیکن دوسری صبح اس نے اپنے ساتھی سے بڑی ایمانداری سے سوال کیا۔

”دوست! میں تمہاری رقم چرانا چاہتا تھا لیکن یقین کرو تم نے جہاں اسے چھپایا ہے وہ جگہ میں اپنی آخری کوشش کے باوجود تلاش نہیں کر سکا۔ اب میں صاف نیکی سے تم سے یہ سوال کر رہا ہوں کہ آخر تم نے وہ رقم چھپا کہاں رکھی تھی۔ اب میں اسے چرانے کے لئے کوئی کوشش نہیں کروں گا۔“

گنجائش رہ جائے گی یہ تم نہیں جانتیں۔“ وہ ڈاکٹر چونکہ خود بھی لمبی چوڑی تھی چنانچہ اس نے پلٹ کر خود مجھ سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن دوسرے لمحے میں نے ایک کھڑا ہاتھ اس کی گردن کی ایک مخصوص رگ پر مارا اور اس کے طلق سے ”اممہ“ کی آواز نکل گئی۔ اس آواز کے ساتھ ہی میں نے دوسرا ہاتھ اس کی گردن پر پھر رسید کیا۔ اب اس کے بعد وہ ہوش میں رہ جاتی تو مجھ پر لعنت تھی۔ وہ لڑکھڑا کر دھڑم سے نیچے گری دونوں نرمیں خوفزدہ تھیں۔ انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے لپک کر انہیں پکڑ لیا اور اس کے بعد ضروری تھا کہ میں انہیں بھی ہوش و حواس سے بیگانہ کر دوں۔ ڈاکٹر دانیال نے البتہ پاس رکھا ہوا ایک ایسا اوزار اٹھالیا تھا جس سے وہ مجھ پر حملہ کر سکتا تھا۔

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے شاید۔“

”ہو سکتا ہے پہلے خراب نہ ہوا ہو اب ہو گیا ہو۔“ میں نے ڈاکٹر دانیال کے جواب میں کہا۔ ڈاکٹر دانیال نے وہ لمبا سا آلہ لیا اور میری طرف لپکتا ہوا بولا۔

”میں تمہارا دماغ آپریشن کے لئے تیار کر دوں۔“

”ہاں۔ ڈاکٹر یہ ضروری ہے۔“ میں نے کہا۔ ڈاکٹر دانیال نے اس لمبے آلے سے مجھ پر حملہ کیا ورنہ اور مضبوط آلہ تھا لیکن بھلا مجھ پر کیسے پڑ سکتا تھا البتہ میں نے اس کی بغل میں کرائے کا کھڑا ہاتھ مارا اور ڈاکٹر دانیال اپنی جگہ سے دو فٹ اونچا اچھل گیا۔ آلہ اس کے ہاتھ سے نیچے نکل گیا تھا اس نے منہ سے آوازیں نکلنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کا منہ پیچھ لیا تھا اور پھر اس کے بعد میں اس کی گردن کی رگوں پر مخصوص دباؤ ڈالنے لگی۔ بات اصل میں یہ تھی کہ ڈاکٹر دانیال کا کلیک تھا۔ دروازہ بے شک اندر سے بند کر لیا گیا تھا مگر کوئی بھی اندر آ سکتا تھا۔ چنانچہ میرے لئے کوئی رسک لینا اب ممکن نہیں تھا۔ جب یہ سب کچھ کر چکی تھی تو اس سے آگے بھی اب کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا۔ چنانچہ میں نے ڈاکٹر دانیال کو بھی بے ہوش کر دیا پھر اطمینان نے اسے اپنے بازو میں اٹھا کر بستر پر لایا جو آپریشن تھیمٹر کا بستر ٹائبل تھی۔ اس کے بعد میں اس لیڈی ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئی پہلے ہی تاڑ چکی تھی اسے۔ اس کا بلند قد و قامت میرے اس وقت اس قدر فائدہ مند ثابت ہوا تھا یہ کوئی مجھ سے پوچھے۔ بڑی پھرتی سے میں نے اس کا لباس اتارا اور اپنا لباس اتار کر اس کا لباس اپنے جسم پر پہن لیا۔ بے شک یہ لباس اب بھی میرے جسم پر تھوڑا سا ٹائٹ تھا۔ شلوار بھی ذرا سی اونچی تھی کیونکہ میرا قد اس سے تھوڑا زیادہ تھا لیکن اس دور میں عورتوں نے شلواروں کا مسئلہ تھوڑا ٹیڑھا کر دیا ہے اونچی شلواریں۔ اونچے جوتے باقی سب خیریت ہے۔ چنانچہ اونچی شلوار سے کام چل گیا البتہ اس کا جوتا میرے پاؤں میں خاصا چھوٹا تھا لیکن فی الحال یہاں سے نکلنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا چونکہ آپریشن تھیمٹر سے باہر جانے کے لئے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ مجھے دروازے سے ہی گزر کر باہر جانا تھا اور پتہ نہیں دروازے کے باہر کون کون ہو بہر حال چونکہ یہ لوگ آپریشن کر رہے تھے اس لئے میں نے بھی وہ بڑی مامک اس کے چہرے سے اتار کر اپنے چہرے پر لگائی۔ پھر دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے دروازے کی سمت قدم اٹھا دیئے۔ مامک چہرے پر لگی ہوئی تھی میں نے ہاتھ میں ایک اسپرن بھی لے لیا اور دروازہ کھول کر تیزی سے قدم اٹھا کر کو ریڈور میں آگے بڑھنے لگی۔ تھوڑے فاصلے پر الماس

اپنی تمام تر دانش کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی داستان کا احاطہ کرنے کے لئے اس پاس کی منظر کشی بھی ضروری ہوتی ہے تاکہ بات مکمل طور پر سمجھ میں آجائے۔ یہ نہیں کہ ہم نے کہہ دیا اور آپ نے سن لیا اور مان لیا۔ بہر حال کیا کہا جاسکتا ہے ان غیر دانش مندوں کو۔ سوچوں کا عمل زندگی کا ایک حصہ ہوتا ہے اور میں اس عمل سے گزرتی رہی یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ اب بھوک پیاس کا مسئلہ بھی ہوتا ہے لیکن بات وہی ہے زندگی کے دوسرے مسائل کون خاطر میں لاتا ہے۔ رات کا نہ جانے کون سے وقت تھا جب اندھیرے کمرے میں روشنی ہوئی اور میں ایک دم چونک پڑی۔ یہ روشنی روشن دان سے بھی باہر جھانکنے لگی تھی۔ اندر باتیں کرنے کی آوازیں سنائیں دیں تو میں کوئی چار چھ انچ آگے کھسک کر روشن دان کے سامنے پہنچ گئی۔ یہاں سے میں اندر جھانک سکتی تھی۔ دن کی روشنی میں، میں نے اندر جھانک کر یہ جائزہ لے لیا تھا کہ اگر اندر کی باتیں سننے کی کوشش کی جائے تو مجھے کیا دقت پیش آسکتی ہے اور دقت کا حل بھی میں نے تلاش کر لیا تھا۔ آنے والا عظمت جلال بنی تھا اور اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال آسکتا تھا وہ یہ کہ یہ عورت الماس آراء بیگم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ میں نے دلچسپی سے اندر جھانکا اور جس شخصیت کو دیکھا اسے دیکھ کر میری دلچسپی شدت سے بیدار ہوگئی۔ یہ نادیہ تھی۔

”بیٹھو نادیہ۔ میں نے تمہیں ایک اہم کام کے لئے بلایا ہے۔ تم صبح وقت پر پہنچی ہو۔“

”جی سر۔ مجھے یہی ہدایت ملی تھی کہ میں اس وقت آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔“

”ہاں میں بھی ابھی چلا آ رہا ہوں۔ غالباً تم باہر آمدے میں بیٹھی تھی۔“

”مجھے آئے ہوئے دو منٹ گزرے ہیں سر۔“ نادیہ نے کہا۔

”بیٹھو۔ میں ذرا لباس تبدیل کر لوں۔“

”سر میں باہر چلی جاؤں۔“

”نہیں۔ میرا ڈرائنگ روم اس دیوار کی دوسری جانب ہے۔“ عظمت جلال نے کہا۔ نادیہ بالکل میرے سامنے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہیں نشستیں لگی ہوئی تھیں میں مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ بڑی پیاری لگ رہی تھی اس وقت چہرہ دھلا دھلا سا تھا پہلے سے کمزور بھی ہوگئی تھی۔ کیا عجیب زندگی ہے اس عورت کی بھی۔ کہہ چکی ہے کہ اس کے جینے کا کوئی مقصد نہیں ہے لیکن جینے جا رہی ہے کسی نہ کسی جال میں پھنسی ہوئی۔ عظمت جلال تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا۔ اس نے ایک گاؤں پنا ہوا تھا۔ ایک کرسی پر بیٹھ کر وہ بولا۔

”کچھ پینا چاہوگی؟“

”نہیں سر۔ بہت بہت شکریہ۔“

”میں نے بھی ابھی کافی پی ہے چنانچہ میرا موڈ نہیں ہے البتہ اگر تم چاہو تو۔“

”بہت بہت شکریہ۔ میں کچھ نہیں پینا چاہتی۔“ نادیہ نے جواب دیا۔ کچھ دیر کے لئے مکمل خاموشی طاری ہوگئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد عظمت جلال کی آواز ابھری۔

”تمہارے کوٹ کی جیب میں۔“ اس نے جواب دیا۔ اس لطفے کے تحت میرے ذہن میں یہ خیال آتا تھا کہ اگر میں پھر اسی جگہ جا پہنچوں یعنی عظمت جلال کی کونجی میں۔ تو میرے لئے اس سے عمدہ جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس سے پہلے بھی اس طرح کے تجربات کر چکی تھی۔ میں نے اندازہ لگانے کے بعد کار کارخ اس جانب کر دیا۔ البتہ اس کار کو مجھے ذرا فاصلے پر چھوڑنا تھا پھر ایک مخصوص جگہ کار کھڑی کر کے میں وہاں سے آگے چل پڑی سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ میں اس وقت کوئی مجھے ننگے پاؤں دیکھ نہ سکے ورنہ میری جانب متوجہ ہو سکتا ہے لیکن کوشش کر کے میں نے یہ کام کر لیا تھا۔ عظمت جلال کی کونجی میں داخل ہونے کے لئے بھی میں نے ایک ایسے خفیہ راستے کا انتخاب کیا جہاں سے دوسرے متوجہ نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک دیوار پر چڑھ کر مجھے دوسری جانب کو دنا پڑا تھا۔ اگر میری جسمانی قوتیں اس طرح میرا ساتھ نہ دیا کرتیں تو شاید میں اپنی زندگی کے ان مسکوں سے اتنی آسانی سے نہیں نمٹ سکتی تھی عظمت جلال کی کونجی میں داخل ہونے کے بعد میری تیز نگاہوں نے ایک ایسی جگہ بھی تلاش کر لی جہاں میں چھپ سکتی تھی۔ یہ رہائشی کمروں کے پچھلے حصے تھے اور یہاں بڑے معقول انتظامات تھے۔ روشن دان بڑے بڑے تھے اور ان میں شیشے لگے ہوئے تھے اور اس طرح کے جھجے بنے ہوئے تھے۔ جن سے روشن دانوں میں ارتزا جاسکتا۔ ان چیموں میں چیموں نے اپنے گھونسلے بنا رکھے تھے اور ویسے بھی کافی گندے تھے لیکن زندگی ان تمام چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔ زندگی بچانا انسانی فرض ہے چنانچہ یہاں سیدھے سیدھے لیٹ کر مجھے صبح معذور میں زندگی کا لطف آ رہا تھا۔ کیا کمال کے ہنگامے ہوئے تھے۔ اب تک جو کچھ ہوتا رہا تھا بلکہ میں تو یہی کہوں گی کہ میں طرح بار بار میری زندگی بچتی رہی تھی۔ یہ پتہ نہیں کس کی کرم فرمائی تھی۔ صرف ایک ہی بات سوچی جاسکتی ہے۔ قدرت جسے زندہ رکھنا چاہتی ہے اسے زندگی کے لئے ہزاروں موقع مہیا کرتی ہے۔ چنانچہ مزے کی بات دیکھئے کہ آپریشن تھیٹر سے میں یہاں تک پہنچ چکی تھی اور میں سمجھتی تھی کہ وہ لوگ ساری دنیا میں مجھے تلاش کر سکتے ہیں۔ یہ خیال ان کے دل میں نہیں آئے گا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ خود دشمن کی آڑ میں۔

نہ جانے مجھے کیا خیال آیا میں آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور اس بڑے روشن دان کے پاس پہنچ گئی۔ جہاں سے با آسانی اندر جھانکا جاسکتا تھا۔ ادھر تو یہ چوڑا چمچا موجود تھا جس میں، میں لیٹی ہوئی تھی لیکن دوسری جانب دیوار بالکل سپاٹ تھی اور یہاں سے میں جائزہ لے سکتی تھی یہ دیکھ کر میرے دل میں مسرت کی ایک لہر بیدار ہوگئی کہ یہ خود عظمت جلال کی خوابگاہ تھی اور پہلے بھی ایک بار میں اس خوابگاہ میں آچکی تھی۔ بہر حال اس کے بعد باقی وقت نہ جانے کیسی کیسی سوچوں میں گزرا، سوچوں کا تذکرہ کیا جائے تو اوگ تنقید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کتنا آسان ہوتا ہے تنقید کرنا۔ کسی بھی زندگی کے واقعے کو تحریر کرنے کے لئے آس پاس کے ماحول سے روشناس کرنا ضروری ہوتا ہے اور تنقید کرنے والے لمحوں کے اندر اندر یہ کہہ دیتے ہیں کہ داستان کو طوالت دی گئی ہے۔ بہت آسان کام ہے تمام واقعات کو مربوط کر کے زندگی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ یہ ان داستانوں سے روشناس ہونے والے نہیں سوچ سکتے۔ وہ اپنی دانش کا مظاہرہ کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ کہہ دیا کرتے ہیں چند الفاظ میں اور ان چند الفاظ کو وہ

”نادیہ۔ ایک بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں میں۔ میں نے تمہیں خاص طور سے اسی لئے تکلیف دی ہے۔ اس مشکل کے حل میں مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔“

”سر میں حاضر ہوں۔“ نادیہ نے جواب دیا۔

”شاہ نور کے بارے میں تم سے بات کر رہا ہوں میں۔ ہانگ کانگ میں وہ میرے لئے اہم ترین خدمات سرانجام دے رہی تھی۔ بالکل ٹھیک جا رہی تھی وہ لیکن اچانک ہی اس کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا۔ کچھ دشمنوں نے اسے ختم کرنے کی کوشش کی تھی کار الٹ گئی اور وہ شدید ترین دماغی جوت کا شکار ہو گئی۔ زندگی تو اس کی بچ گئی تھی لیکن بس وہاں کے ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اس کا ذہنی توازن بھی درست نہیں ہو سکے گا۔ ایک طرح سے ڈاکٹر نے اسے مرہ ہی قرار دے دیا تھا۔ مجھے اس حادثے کا بہت دکھ تھا چونکہ وہ میرے لئے اہم ترین کام سرانجام دے رہی تھی اور میں بھی اس سے غیر متعلق نہیں تھا لیکن جب مجھے اس بات کا علم ہوا کہ اب وہ میرے قابل نہیں رہی اور کچھ بھی نہیں کر پائے گی تو میں نے سوچا کہ میں کیوں نہ اسے الماس آراء کے حوالے کر دوں۔ الماس آراء اس کی بدترین دشمن ہے۔ شاید میں نے تمہیں ایک بار شاہ نور کے بارے میں تفصیل بتائی تھی۔“

”جی سر۔ مجھے علم ہے کہ محترمہ الماس آراء بیگم نے اس لڑکی کی پرورش کی تھی اور بعد میں وہ ان سے کس بنیاد پر باغی ہو گئی تھی۔“

”ہاں۔ بالکل وہی۔ الماس آراء اس کے لئے اس قدر دیوانی تھی کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا لیکن بہر حال اپنے اپنے معاملات ہوا کرتے ہیں۔ وہ میرے لئے ایک انتہائی کار آمد لڑکی تھی۔ چنانچہ میں نے اسے اپنے لئے استعمال کیا البتہ جب وہ اس قابل نہ رہی کہ میرے لئے کوئی کام کر سکے تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ الماس آراء پر ہی احسان کر دوں اور اسے تحفے کے طور پر الماس آراء کے حوالے کر دوں۔ چنانچہ میں اسے وہاں سے یہاں لے آیا۔ وہ مسلسل بے ہوش تھی میں نے اسے یہیں عمارت میں رکھا اور الماس آراء بیگم کو اطلاع دی لیکن الماس آراء بیگم بھی ایک سخت مزاج عورت ہے۔ بہت ہی دیوانگی ہے اس کے اندر بھی بلکہ ایک طرح سے یوں سمجھ لو کہ تھوڑی سی جنونی ہے۔ اس نے سب سے پہلا مطالبہ مجھ سے یہی کیا کہ یہ لڑکی اسے دیوانگی کی کیفیت میں قبول نہیں ہے۔ اسے ہوش میں آنا چاہئے مجھے پہچانا چاہئے تاکہ اسے یہ پتہ چلے کہ آخر کار الماس آراء کی دشمنی نے اس سے زندگی چھین لی۔ اسے اسی وقت خوشی ہو گئی جب اس لڑکی کو ہوش میں لانے کے بعد مارا جائے۔ بہر حال میرا ایک بہت ہی قریبی ساتھی اور یہاں کے ایک بڑے ہسپتال کا نیورو سرجن ڈاکٹر دانیال اس سلسلے میں اس کا علاج کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ شاید کبھی تم نے ڈاکٹر دانیال کا نام سنا ہو۔ اس سے اچھا نیورو سرجن پورے ملک میں کوئی نہیں ہے۔ ڈاکٹر دانیال نے اس کا آپریشن کرنے کا فیصلہ کیا اور اسے اپنے کلینک لے گیا۔ جب اسے آپریشن تھیں میں لے جایا گیا تو اس نے نہ صرف ڈاکٹر دانیال بلکہ دو نرسوں اور ایک لیڈی ڈاکٹر کو بھی زخمی کیا اور وہاں سے نکل گئی۔ اب وہ لاپتہ ہے۔“ میں دلچسپی سے اندر کی روداد سن رہی تھی اور دیکھ بھی رہی تھی۔ اندر اچھی خاصی روشنی تھی اور میں وہاں کے ہر عمل کا جائزہ لے سکتی تھی۔ میرے زخمی ہونے کی داستان سن کر نادیہ کے چہرے پر ایک لمحے

کے لئے جو رنگ آیا تھا وہ بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں رہا تھا اور اب جب اسے یہ بات معلوم ہوئی تو اس کی خوشی بھی بے مثال تھی اور اگر عظمت جلال کا چہرہ اس کی طرف ہوتا تو یقینی طور پر وہ یہ دیکھ لیتا کہ نادیہ کے تاثرات کیا ہیں۔ بہر حال یہ ساری باتیں میں اچھی طرح نوٹ کر رہی تھی۔ نادیہ کچھ لمحات کے لئے ہم صدم ہو گئی عظمت جلال خاموش ہوا۔ پھر کہنے لگا۔

”تمہیں میں نے ایک خاص مقصد کے لئے بلایا ہے نادیہ۔ ظاہری بات ہے کہ وہ آزاد ہونے کے بعد کہیں نہ کہیں کا رخ اختیار کرے گی جب تم سے اس کی ملاقات ہوئی تھی تو کیا تم نے اپنی رہائش گاہ کے بارے میں اسے بتایا تھا۔“

”نہیں جناب۔ اس طرح کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا۔“

”اچھا خیر۔ میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ویسے تو میرا ایک ایک شخص اس کا پتہ لگانے کی کوشش کرے گا لیکن اگر کسی طرح اس کا تم سے رابطہ قائم ہو جائے تو نادیہ جو کارنامہ تم سرانجام دو گے اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا۔ میں اس لڑکی کو کھو کر سخت شرمندہ ہوں۔ کاش! مجھے اس بات کا علم ہو جاتا کہ وہ کبھی ذہنی طور پر درست ہو سکتی ہے تو میں اسے کھونے کی کوشش کبھی نہ کرتا۔ خیر جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا اگر کبھی وہ ہاتھ آجائے تو یہ تمہاری ذمہ داری ہو گی کہ اس کا تحفظ بھی کرو اور اسے میرے فیور میں لانے کی کوشش کرو۔“

نادیہ خاموشی سے عظمت جلال کی باتیں سن رہی تھی ایک بار پھر کچھ دیر کے لئے خاموشی طاری ہو گئی۔ رفتاً ہی میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا اور میں اپنی عادت کے مطابق اس نئے خیال پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ عظمت جلال کی رہائش گاہ تو اب میرے علم میں ہے ہی۔ نادیہ یقینی طور پر اپنی کار میں آئی ہو گی جیسا کہ ابھی ان دونوں کے درمیان بات چیت ہوئی تھی۔ یہ ایک بات ہے کہ دونوں ساتھ ساتھ ہی پہنچے تھے۔ نادیہ کی کار بھی میں اچھی طرح پہچانتی تھی اور عظمت جلال کی کار بھی۔ اگر میں کسی طرح نادیہ کی کار تک پہنچ جاؤں تو اس کے ساتھ اس کے گھر جا سکتی ہوں اور یہ ایک بہترین طریقہ ہو گا۔ نادیہ سے تنہائی میں ملاقات ضروری تھی اور اگر وہاں سے واپسی مقصود ہوئی تو عظمت جلال کی کوششیں میں اب میں اس نئے راستے سے با آسانی داخل ہو سکتی ہوں۔ اس چوڑے جھجے پر بھی پہنچنا میرے لئے مشکل نہ تھا۔ بات صرف اتنی سی ہوتی ہے کہ کوئی بات اگر دل کو لگ جائے تو اس پر فوری عمل کرنا ہی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے اب ادھر ادھر کے خیالات میں ڈوبے رہنا ظاہر ہے کسی تنہا آدمی کے لئے مشکل کام ہوتا ہے چنانچہ میں برق رفتاری سے اپنی جگہ سے اٹھی اور کھسکتی ہوئی وہاں سے کافی فاصلے پر گر گئی تاکہ کسی طرح کی آہٹ نہ ہو سکے۔ پھر اس کے بعد نیچے اترا میرے لئے کوئی مشکل کام ثابت نہ ہوا۔ البتہ درختوں کی آڑ لے کر کونھکی کے پورچ تک پہنچنا ایک مشکل کام تھا اس وقت نہ جانے کیوں پہرے داری کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ اس کی وجہ بھی چند لمحات کے بعد میری سمجھ میں آگئی۔ پہلے تو میں یہاں موجود تھی۔ میری وجہ سے یہ سکورٹی رکھی گئی تھی کہ کتے بھی گشت کر رہے تھے اور انسان بھی اس وقت ان کا وجود کہیں نظر نہیں آتا تھا لیکن پھر بھی اچھی خاصی روشنی تھی یہاں۔ اس روشنی سے ایک فائدہ مجھے ضرور

”ہاں آؤ۔“ نادیا نے کہا اور ہم دونوں اندر چل پڑے۔ نادیا مجھے بالکل ہی اندرونی نشست گاہ میں لے گئی اور پھر اس نے محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”میں نہیں جانتی تم میری کار میں کہاں سے وارد ہوئیں۔ خدا کی قسم دیوانہ کر دیا ہے تم نے مجھے۔
 ہے نہ مانو۔ اب میں صرف تمہارے لئے جی رہی ہوں ایسا بھی ہوتا ہے اس دنیا میں لوگ بے شک کرتے ہیں ایک دوسرے کے لئے ایثار بھی کرتے ہیں۔ دوست سہیلی اور ایسے ہی محبت کے ناموں کے ہندو گزارتے ہیں لیکن کوئی کسی کے لئے اس قدر دیوانہ ہو جائے یہ شاید پہلا ہی واقعہ ہے۔ یقین کرو اپنا یقین نہیں کر پائی تھی کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے اور وہ بھی جس طرح کی زندگی گزار رہی میرے لئے خود حیران کن تھی لیکن اب“ اب میں جو کچھ کر رہی ہوں صرف تمہارے لئے کر رہی ہوں میری اس بات پر۔“

”باگل ہو تم۔ یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے۔ یہی حقیقتیں تو احساس دلاتی ہیں کہ انسان ابھی ایک دوسرے کا قدر بے گانہ نہیں ہوا ہے۔ میں تمہاری ہر بات کو دل سے تسلیم کر رہی ہوں۔“
 ”دل چاہ رہا ہے کہ خوب روؤں لیکن خوشی میں رونے کا فن مجھے نہیں آتا۔“
 ”رونے کی ضرورت نہیں ہے ہم لوگ زندگی کی تمام منزلیں آسانی سے طے کر رہے ہیں۔“
 ”ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ تم واقعی تم زندہ ہو اور ان لوگوں کو تم نے یہ احساس دلادیا ہے جیسی زندہ لڑکی کو چھیڑ کر انہوں نے اپنی تباہی کے سوا اور کچھ نہیں خریدا۔“

”ہاں نادیا! میں بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں تم سے، پہلے تم یہ سمجھ لو کہ وہاں جس کے بارے میں معلومات حاصل ہیں میں عظمت جلال کے لئے زبردست محنت کر رہی تھی۔ ایک انوکھی دنیا ہے یہ ن فروشن کی۔ عظمت جلال جو کھیل، کھیل رہا ہے میرا خیال ہے وہ کھیلتا رہے گا اس نے اس کھیل کی ساری پونجی لگا دی ہے۔ وہ منشیات کے اسمگلروں کی دنیا میں سب سے بڑا بننا چاہتا ہے۔ دوسرے ن فروشن کو موت کے گھاٹ اتار کر اور انہیں ان کے عظیم الشان اثاثوں سے محروم کر کے وہ پوری منشیات فروشی سے اپنی اجارہ داری چاہتا ہے اور اسی کے لئے وہ کام کر رہا ہے اور اس کا ایک بڑا ن نے میرے سپرد کیا ہوا تھا۔ میں سہرا حال اس کے لئے یہ تمام کام سرانجام دے رہی تھی کیونکہ اس سے وعدہ کیا تھا کہ ایک سال کے اندر اندر وہ مجھے میرے ماں باپ اور بہنوں کے بارے میں بتا دے مایوں سمجھ لو کہ یہی ایک آس تھی۔ یہ کم بخت خاندان ہی بدکاروں کا ہے۔ عزت جلال، خاور جلال عظمت جلال اور پھر الماس آراء بیگم پتہ نہیں کم بخت کسی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ وفاداری اور ان کی فطرت میں ہے ہی نہیں۔ میں اس کے دشمنوں کے ہاتھوں حادثے کا شکار ہوئی تو اس نے مجھے بچھڑا کر اپنی بہن پر احسان کرنے کا فیصلہ کیا یہ تمام باتیں وہ تمہارے سامنے کرچکا ہے۔“

”میرے خدا۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے۔“
 ”میں تمہارا تعاقب کرتی ہوئی اس کی کوششی سے آ رہی ہوں۔“ میں نے کہا اور پھر مختصر الفاظ میں ذرے ہوئے واقعات کی تفصیل بتائی اور پھر کہا۔

ہوا کہ مجھے نادیا کی کار نظر آگئی۔ وہ کار جسے میں اچھی طرح پہچانتی تھی۔ یہ بھی ایک اندازہ تھا کہ کار لاک نہیں کی گئی ہوگی کیونکہ کاریں لاک اس جگہ کی جاتی ہیں جہاں کوئی پبلک پلیس ہو۔ یہ کوشی عظمت جلال کو کوشی تھی ان ساری باتوں کو نظر انداز کر کے سب سے پہلا مسئلہ کار تک پہنچنے کا تھا۔ چاروں طرف کا جائزہ لیتے ہوئے آخر کار میں نادیا کی کار تک پہنچ گئی۔ میرا اندازہ بالکل درست تھا۔ نادیا کی کار کا دروازہ کھلا ہوا تھا نہ صرف دروازہ نہیں بلکہ کار کا شیشہ تک کھلا ہوا تھا ڈرائیونگ سائیڈ کا۔ میں نے کار کے قریب پہنچ کر پھرتی سے کار کی بچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور پھر اندر داخل ہو گئی۔ شاندار اور لمبی کار تھی اس کی سینور کے درمیان لینا یقیناً کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن میں لیٹی نہیں تھی بلکہ پھنس پھنس کر بیٹھ گئی تھی تاکہ قرب و جوار پر نگاہ رکھ سکوں۔ بس اب اس طرح کے خطرے تو مول لینا ہی پڑتے ہیں انسان کو۔ جب د ایسے کسی مسئلے میں ملوث ہو۔ بہت دیر تک میں بیٹھی رہی اور پھر مجھے نادیا نظر آئی تنہا ہی تھی۔ یہ اندازہ مجھے ہو ہی چکا تھا کہ عظمت جلال نے اسے میرے لئے بلایا ہے۔ میں آرام سے دونوں سیٹوں کے درمیان لیٹ گئی۔ پھر نادیا قریب پہنچی اس نے دروازہ کھولا اندر بیٹھ کر انٹیشن میں چابی لگائی کار اسٹارٹ کی اور اسے ریورس کرتی ہوئی گیٹ تک لے آئی۔ چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا ریورس میں ہی کار باہر نکل آئی تھی۔ پھر نادیا نے اسے سیدھا کیا اور چل پڑی۔ میں اطمینان سے سیٹوں کے درمیان لیٹی رہی تھی اب مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ نادیا سیدھی گھر جانے گی یا نہیں اور کار سفر کرتی رہی اور پھر اپنا سفر طے کرنے کے بعد وہ نادیا کی کوشی کے گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔ چوکیدار کی آواز میں نے صاف پہچان لی تھی۔ نادیا نے اس سے سوال بھی کیا تھا۔

”کوئی آیا تو نہیں۔“

”نہیں بابا صاحب کوئی نہیں آیا۔“ نادیا نے کار پورج میں کھڑی کی تو میں اپنی جگہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی کار کا انجن بند نہ ہوتا اور وہ تیز ہوتی تو یقینی طور پر کوئی حادثہ ہو جاتا۔ نادیا اتنی زور سے اچھلی تھی کہ اس کا سر کار کی چھت سے ٹکرایا تھا۔ اس نے ونڈ اسکرین پر مجھے دیکھ لیا تھا اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ سامنے ایک ایسی دیوار تھی جو منعکس ہوتی تھی اور اس کا عکس شیشے پر پڑ رہا تھا جس کی وجہ سے شیشہ مرکزی ہو گیا تھا۔ نادیا نے فوراً ہی حلق سے نکلتی ہوئی آواز پر قابو پایا اور میری طرف مڑی اس کی آنکھیں شدت حیرت سے پٹی ہوئی تھی۔

”کوئی گزربڑ تو نہیں ہے اندر چل سکتی ہوں تمہارے ساتھ؟“ میں نے سوال کیا نادیا کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ وہ ابھی تک حیرت زدہ تھی۔ میں نے خود ہی بچھلا دروازہ کھولا اور اس سے کہا۔
 ”اب کار میں ہی بیٹھی رہو گی یا مجھے اندر لے چلو گی۔“ نادیا سنبھل گئی اور اس کے بعد دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ پھر وہ بے اختیار مجھ سے چٹ گئی۔

”تم میں..... میں یہ بات تسلیم کرتی ہوں کہ تم دنیا کی حیرت انگیز لڑکی ہو۔ بلاشبہ وہ لوگ جو بڑے بڑوں کو ناک پنے چہوا دیتے ہیں سمجھ نہ کچھ ضرور ہوتے ہیں۔“
 ”بابا صاحب اندر چلے نہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری پول کھل جائے۔“

نی نہیں معلوم اور اب جب وہ یہ محسوس کر رہا ہے کہ تم اس کے لئے ناکارہ نہیں ہوئی ہو تو مال بالکل بدل گئی ہے۔ اب وہ کس منہ سے تم سے یہ باتیں کرے گا لیکن ایک ایسا شخص جو بے شک سب کچھ اس کے لئے مشکل نہیں ہے۔ ہم اس بارے میں بہتر انداز میں سوچیں گے۔ بلکہ میں یہ کہوں گی کہ ذرا سا ٹھنڈا کر کے کھاؤ کام بن جائے گا۔

مطلب..... میں نے نادبہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اسے یہ پتہ چل گیا ہے کہ تم بالکل ٹھیک ہو اور اپنی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کی مالک ہو۔ جن کے ساتھ تم اس کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔ وہ تم سے ایک بار پھر مفاہمت کے لئے تیار ہے لیکن اسے بلیک میل کرو۔

”بلیک میل؟“

”ہاں۔“

”وہ کیسے؟“

”تم اس کے بست سے رازوں سے واقف ہو۔ تم اس سے کہو کہ وہ تمہیں تمہارے ماں باپ کے میں بتائے۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو تم اعلیٰ پیمانے پر کام کرتے ہوئے منشیات فروشوں کے ان بارے میں گروہوں سے ملاقات کرو گی جو مصروف عمل ہیں اور انہیں ساری تفصیل بتاؤ گی کہ کس طرح جلال نے ان کے خلاف کام شروع کر رکھا ہے اور ان کے ذخائر تباہ کر کے اپنی اجارہ داری چاہتا میں دعویٰ سے کہتی ہوں کہ عظمت جلال کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ وہ لوگ ابھی زندہ ہیں اربوں ڈالر کا نقصان اٹھانا پڑا ہے کیا وہ عظمت جلال کے خلاف ایک محاذ قائم نہیں کر لیں گے۔“ میرا داغ بھگ سے اڑ گیا تھا۔ نادبہ کا منصوبہ واقعی انتہائی سنسنی خیز اور سنگین تھا۔ عظمت جلال کے حوصلے ہو جائیں گے۔ میں نے کہا۔

”اور اس کے صلے میں اس سے کیا مانگوں؟“

”چند ہفتوں کے اندر اندر اپنے ماں باپ کے بارے میں معلومات، مکمل اور صحیح معلومات۔“ اتنی ہوئی تھی مجھے نادبہ کی اس تجویز سے کہ میں بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔ نادبہ نے میرا شانہ چھپتے چھپاتے کہا۔

”بس یوں سمجھ لو کہ خدا کی قدرت ہے یہ مسئلہ حل ہونے والا ہے اور یقینی طور پر یہ بات بڑی ہی مت ہوگی۔ لطف آجائے گا۔“

”کیوں نہیں۔“

”مگر ایک بات میں تمہیں بتاؤں۔ اس کے لئے وقت گزارنا ہوگا تھوڑا سا۔“

”مطلب کیا۔“

”الاس آراء تمہاری تلاش میں ہے۔ اسے پتہ چل گیا ہے کہ تم ہو۔ عظمت جلال بھی تمہیں حاصل کرنے کے لئے پریشان ہے۔ اگر ابھی تم نے عظمت جلال سے رابطہ کر لیا تو معاملہ ٹھیک نہیں رہے گا۔“

”بس۔ اس کے بعد میں نے اس کی کوششی میں رہنا مناسب نہیں سمجھا حالانکہ وہ میرے بہترین پناہ گاہ ہے اور اب بھی کبھی مجھے موقع یا ضرورت پیش آئی تو میں ایسا ہی کروں گی۔“

”ہوں۔ کمال ہے۔ واقعی کمال ہے۔“

”خیر چھوڑ تم بتاؤ کیا کرتی رہی ہو ان دونوں۔“

”بس ہمارا گروہ تو ختم ہو ہی گیا۔ میرا کی ہنگامہ آرائی بھی تقریباً ختم ہو ہی چکی ہے اب سے کام شروع ہوا ہے۔ تمہارے سلسلے میں باقی عظمت جلال اب بھی مجھ پر اعتبار کرتا ہے۔ اور وہ ہے کہ اسے میرے اور تمہارے بارے میں ذرہ برابر تفصیل نہیں معلوم۔ اگر ایک لمحے کے لئے؛ شبہ ہو جاتا کہ میرا اور تمہارا کوئی ایسا رابطہ ہے تو وہ ذرا مختلف قسم کا آدمی ہے۔ راستے کی گھاس ماسا ہوا چلتا ہے۔ میں شاید زندہ نہ رہتی۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تمہیں قتل کرنے والے اپنے پورے خاندانوں سے محروم ہو سکتے ہیں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا اور نادبہ مجھے محبوبانہ انداز میں دیکھنے لگی پھر بولی۔

”اور خوشخبری بھی ہے تمہارے لئے۔ تم پوچھو یا نہ پوچھو لیکن میں اس خوشخبری کو برداشت پا رہی۔ تمہیں بتانا بہت ضروری ہے۔“

”کیا.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”حاکم شیرازی تقریباً ٹھیک ہو چکا ہے۔ اس کی ذہنی قوتیں واپس آگئی ہیں۔ بس کچھ کمزور جنہیں دور کرنے کے لئے اسے فضل ہسپتال میں رکھا گیا ہے۔“ نہ جانے کیوں واقعی اندر سے ایک احساس ہوا تھا۔ میں نے کہا۔

”تم نے خود دیکھا۔“

”نہیں۔ میں نے یہ خطرہ مول نہیں لیا لیکن ظاہر سے مجھے مسلسل رپورٹیں ملتی رہتی ہیں۔ وہ جانتا ہے اور اس سے کتنا رہتا ہے کہ آخر وہ کون ہے اور اس کے لئے اتنی بھاگ دوڑ کیوں کر رہا ہے نے یہ بھی کہا ظاہر سے کہ وہ ذرا اس کے گھر کا جائزہ لے کر بتائے کہ اس کی ماں اور بہنیں واپس آئیں۔ ظاہر نے اس سے کہہ دیا کہ اس نے جہاں ان کو بھیجا ہے وہ وہیں ہیں۔ اس بات سے وہ ہو گیا ہے۔

”گویا اسے معلوم ہے کہ اس کی ماں بہنیں کہاں ہیں؟“

”ہاں۔ میں نے کہا تاکہ وہ مکمل طور پر اپنی صحیح ذہنی کیفیت پر واپس آ گیا ہے۔“ ایک لمحے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ حاکم شیرازی سے ملاقات کی جائے شاید میرے اس احساس کو نادبہ نے پڑ فوراً ہی بولی۔

”اب اگر تم یہ سوچتی ہو کہ عظمت جلال تمہارے لئے وہ کچھ کرے گا جس کا تم سے اس نے ا ہے تو میں سمجھتی ہوں شاہ نور! یہ تمہاری بھول ہوگی۔ یہ لوگ بڑے ہی کینے ہیں جیسا کہ تم خود کہہ چکی ہو۔ آخر عظمت جلال کس طرح تمہارے ماں باپ کے بارے میں معلومات حاصل کرے

ہمیں تھوڑا سا وقت گزارنا ہوگا۔ یہ وقت تم کہیں بھی گزارو بلکہ میں تو سمجھتی ہوں کہ اس قدر بڑے کے بعد خاص طور سے زخمی ہونے کے بعد تمہارے اندر کچھ کمزوریاں بھی پیدا ہو گئی ہوں گی کمزوریوں پر قابو پاؤ اور جست و چلاک ہو جاؤ۔ بلکہ اگر میری رائے مانو تو تقدیر کے اس حسین فائدہ اٹھاؤ۔

”تقدیر کا حسین فیصلہ؟“ میں نے سوالیہ نگاہوں سے نادیا کو دیکھا۔

”حاکم شیرازی۔“ دیکھو اب میرے اور تمہارے درمیان کوئی پردہ نہیں رہا ہے۔ میں جانتی تمہارے دل کے گوشوں میں حاکم شیرازی کے لئے گنجائش موجود ہے اور وہ تو تمہارے لئے اپنی بیٹھا ہے۔ اب ٹھیک ہوا ہے تو کچھ وقت اس کے ساتھ گزارو۔ یہ میری تجویز ہے باقی تم جیسے سمجھو۔“ میں نادیا کو دیکھتی رہی اور دفعتاً ہی میرے دل میں ایک عجیب سا احساس ابھر آیا۔ ایک اداسی۔ میں نے اداس لہجے میں کہا۔

”نادیا تم سچ کہہ رہی ہو۔ ایسا احساس ہے میرے دل میں، اس نے بھی واقعی میرے لئے اپنا لٹا دی ہے لیکن نادیا میری دنیا بھی آباد کہاں ہے۔ میں تو آج بھی سر پر دوپٹہ اوڑھ کر اپنے گھر کے آگے جھاڑو لگانے کے لئے تیار ہوں لیکن گھر اور آنگن تو ملے مجھے۔ کہاں ہیں میرے ماں باپ، کہاں ہیں ماں بہنیں۔ جنہوں نے پتہ نہیں اپنی زندگی میں کتنے دکھ اور کتنے سکھ دیکھے ہیں۔ کہاں ہیں بخت بابا؟ تو نہیں ہے اور میرے اپنے باپ جن کی میں نے کوئی شکل نہیں دیکھی۔“

”تقدیر پھر بھروسہ کرنا انسان کی اولین ذمہ داری ہے۔ تمہیں تقدیر پر بھروسہ کرنا ہوگا۔“

سب کچھ تمہیں ضرور ملے گا۔ بڑی باتیں ہو گئیں یہ بتاؤ کچھ کھانے پینے کا بندوبست کروں۔“

”نہیں پلیز۔ بالکل نہیں جدوجہد کرتے کرتے طبیعت کچھ ایسی اکتا سی گئی ہے۔ اگر تم میرا آرام کرنے کا بندوبست کر دو تو۔“

”کمال کرتی ہو۔ یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے میں تمہیں تہ خانے میں رکھوں گی۔“

”ہاں وہی جگہ میرے لئے مناسب ہے۔“ پھر نادیا مجھے لے کر تہ خانے میں داخل ہو گئی۔

دودھ کا ایک گلاس اور کچھ سکون آور گولیاں اس وقت میرے لئے بڑی نعمت کی حیثیت رکھتی تھیں اس وقت تک میرے پاس بیٹھی رہی جب تک کہ میری پلکیں جڑ نہ گئیں اور اس کے بعد میں گہری

گئی تھی یہ تہ خانہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی نادیا کو کوٹھی کے اس تہ خانے

چکی تھی۔ بہت دیر تک سوئی۔ آنکھیں کھلیں تو تہا تھی لیکن اس وقت کی تہا ہی بڑی اچھی لگ رہی

البتہ کچھ دیر کے بعد نادیا اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس میں بہت ہی خوش

تر و تازہ پھل رکھے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر وہ خوش ہو گئی اور اس نے کہا۔

”چلو۔ وہ سامنے غسل خانہ ہے۔ منہ ہاتھ وغیرہ دھو لو میں تمہارے لئے ناشتہ لاتی ہوں۔“

”بس صرف ایک پیالی چائے اور کچھ نہیں۔“

”کیوں۔“

”یہ پھل اتنے اچھے ہیں کہ انہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔“

”پورا دن پڑا ہے ان کے لئے۔ میں چلی جاؤں گی تو تم ان پھلوں سے کھیتی رہنا۔“ نادیا نے کہا پھر

رہائے لے آئی۔ چائے کے ساتھ ناشتے کا ہلکا پھلکا سامان بھی تھا۔ ہم دونوں نے ساتھ ہی ناشتہ کیا۔

نادیا سے پوچھا کہیں جانا ہے۔

”ہاں۔ عظمت جلال کی طرف سے بلاوا آگیا ہے۔ میرا خیال ہے خاصا پریشان ہے تمہارے لئے ہو سکتا

اس کے ساتھ مل کر مجھے تمہیں تلاش کرنا پڑے۔ یہی کام ہو سکتا ہے اس وقت اور کچھ نہیں کرے گا

”ٹھیک ہے مجھے کچھ رسالے اور کتابیں وغیرہ بھجوا دینا۔“

”میں ابھی خود دے جاؤں گی۔“ نادیا مجھے رسالے کتابیں دے کر چلی گئی اور میں وہاں پرسکون وقت

نے لگی۔ پورا دن اور کوئی نہیں آیا تھا۔ رات کو کوئی نوبت کے قریب نادیا آئی۔ حسب معمول

پینے کی چیزیں ساتھ لائی تھیں۔ میں نے اس سے کہا۔

”میں نے بڑا اچھا دن گزارا ہے ہلکے پھلکے رہ کر اور میرا ارادہ ہے کہ پورے دن یہاں سکون کے

رہوں گی۔“

”ٹھیک ہے بالکل پرسکون رہو۔ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ ایک بار پھر باولے کتے ہو گئے

”کیا مطلب؟“

”تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ بہن بھائیوں میں اچھی خاصی جھڑپ ہوئی ہے۔ الماس آراء نے

م لگا دیا ہے کہ عظمت جلال نے جان بوجھ کر تمہیں آزاد کر دیا ہے اور وہ صرف الماس آراء کو بے

ہٹا رہا ہے۔ عظمت جلال بھی کسی قدر تلخ ہو گیا ہے۔ بہر حال اس نے مجھ سے یہی درخواست کی ہے

ہاں منت کے ساتھ تمہیں تلاش کروں۔ وہ لوگ اس بات کے لئے پریشان ہیں کہ تم کہاں روپوش

ہو با کہاں روپوش ہو سکتی ہو۔“

”حاکم شیرازی کا نام تو نہیں آیا۔“

”بالکل آیا تھا۔ اس سلسلے میں بھی الماس آراء نے عظمت جلال پر ہی الزام لگایا ہے۔“

”چلو لڑنے دو سرور کو۔ حاکم شیرازی کے بارے میں کیا رپورٹ ہے۔“

”میں نے طاہر کو اور زیادہ ہوشیار کر دیا ہے طاہر کا کہنا ہے کہ حاکم شیرازی بالکل بہتر کیفیت میں ہے

لوقت کا انتظار کر رہا ہے۔“

”ہوں۔“ کافی دیر تک ہم لوگ باتیں کرتے رہے دوسرا دن اور پھر تیسرا دن نادیا مجھے یہی رپورٹ

دیتی تھی کہ وہ لوگ میری تلاش سے مایوس ہو گئے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ میں شہر سے کہیں اور

ناہوں اب ایک بار پھر خاموشی سی طاری ہو گئی ہے۔

”یہ اچھی بات ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ چھ دن میں نے اور نادیا نے مل کر یہ پروگرام بنایا کہ

سراوی میں نے کہا۔

”نہیں حاکم شیرازی! تمہاری ہر چیز ہر بات مجھے گوارا ہے میں خود بھی کبھی اس بات پر غور نہیں اب تو صرف یہ ہے کہ ہم ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں۔“ حاکم شیرازی نے چونک کر مجھے دیکھا پھر

”بڑی کہنی چیز ہوتی ہے یہ انسان بھی۔ کچھ دن پہلے زندگی کے ہی لالے پڑے ہوئے تھے اور اب ملی ہے تو اپنی پسند کا اظہار ہو رہا ہے۔ جس کشتی کی تم بات کر رہی ہو شاہ نور! اس کشتی کی ایک ہی ہے اور اس کشتی میں ہم دونوں سوار ہیں۔ کہا ہے نا تم نے کہ ہم ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں یہ اور یہ کشتی جہاں بھی جا کر ساحل سے لگے گی ہم دونوں ساتھ ہی ہوں گے۔“ میں نے محبت بھری اسے حاکم شیرازی کو دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”یہ بتاؤ۔ ماں اور نہیں کہاں ہیں؟“

”اگر اللہ تعالیٰ نے ان کا تحفظ اس طرح کیا ہے جس طرح میں زندہ ہوں اور تم زندہ ہو۔ وہ بھی ہوں گی۔ وہ خیر گزشتہ میں ہیں۔ بڑا اچھا ماحول ہے وہاں کا میں سمجھتا ہوں وہ خوش ہوں گی۔ سوائے دکھ کے ہو سکتا ہے میری برسی بھی ہوگئی ہو۔ ویسے ایک سال ہو گیا۔“

”کیا ایسا ہی محسوس کرتے ہو؟“

”بھئی۔ میرے احساسات تو موت کی نیند سو گئے ہیں۔ ایک طویل عرصہ میری زندگی سے نکل گیا ہے۔ اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔“

”ہوا کیا تھا؟“

”گرفتار کر لیا گیا تھا ایک ایسی اندھی کوٹھری میں میرا خیال ہے دو مہینے گزارے تھے جہاں لیٹ کر پاؤں میں پھیلائے جاسکتے تھے۔ مجھ سے ایک ہی سوال کیا جاتا تھا۔ شاہ نور کہاں ہے۔ شاہ نور کہاں ہے۔ بس کے بعد مجھے وہیں بند کر دیا جاتا تھا۔ کھانے پینے کو دیا گیا تو دیا گیا ورنہ نہیں پھر میں آہستہ آہستہ دھنی اکھوتا چلا گیا اور پھر نہ اندھی کوٹھری یاد رہی نہ کچھ اور بعد میں یہاں ہوش آیا۔“

”بڑی بات ہے بڑی بات ہے۔ تم نے میرے لئے اتنا کچھ کر ڈالا۔“

”نہیں کہو ایسی بات۔ بنیادی بات یہ ہے کہ تمہارے لئے نہیں میں نے جو کچھ کیا ہے اپنے لئے کیا

”حاکم شیرازی! میں بھی ابھی زندگی کے دورا ہے پر ہوں۔ ایک راستہ وہ ہے کہ کوئی بھی پُرسکون

انہاں لوں۔ تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لوں۔ باقی سب کو بھول جاؤ اور دوسرا۔“

”ایک منٹ۔ ایک منٹ۔ ایک منٹ۔ جس پہلے گوشے کے بارے میں تو نے بات کی ہے نا محترم! وہ اٹھلا ہو گوشہ ہے بغیر چھت کا جبکہ ہمیں ایک چھت چاہئے۔ ہماری زندگی کا ایک ہی تو مقصد ہے۔ ماں کا اور بہنوں کا حصول اپنے بارے میں ہم اس کے بعد سوچیں گے۔ اگر پہلے اس بارے میں سوچ لیا تو کرو نہ تم مجھ پر اعتماد کرو گی اور نہ میں۔“

حاکم شیرازی سے ملاقات کی جائے۔ طاہر کو اس سلسلے میں ہدایات جاری کر دی گئیں اور ایک جگہ کا بھی طاہر ہی نے کر دیا۔ طاہر واقعی کام کا آدمی ثابت ہو رہا تھا کچھ عجیب سی فطرت کا نوجوان تھا پوری طرح اس بات پھر بھروسہ رکھتی تھی کہ طاہر دھوکا نہیں دے گا۔ طاہر نے مجھ سے ملاقات کر کے جس مکان کا میں نے بندوبست کیا ہے میڈم وہ بے شک آپ کے شایان شان نہیں ہے اگر سی ہستی کا ایک چھوٹا سا مکان ہے۔“

”اس سلسلے میں بالکل فکر مت کرو طاہر! ویسے تم نے ہم پر احسان کیا ہے ہم خود ہی تمہارے کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی کام ہے تو ہمیں بتاؤ۔“

”میرا کام ہو رہا ہے میڈم! بس ہر انسان کے اپنے کچھ مسائل ہوتے ہیں آپ میرا مسئلہ حل ہیں میں آپ کی خدمت کر رہا ہوں۔“ پھر وقت مقررہ پر میں اس مکان میں داخل ہو گئی چار پائیاں چائیں۔ صحن تھا۔ دالان تھا ایک بڑا سا کمرہ تھا جو صاف ستھرا تھا میں اور نادبہ وہاں پہنچ گئے تھے۔ طاہر شیرازی کو لے آیا۔ میں حاکم شیرازی کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔ کوئی پاشت بھری داڑھی تھی۔ مونچھیں اور بال بھی خوب بڑے ہو گئے تھے۔ بہت ہی دبلا ہو گیا تھا لیکن آنکھوں میں زندگی کی وہ چمک کشش باقی تھی اور نتوش میں وہ دلکشی موجود تھی جو یا تو اپنی نظر کا ورثہ ہوتی ہے یا پھر واقعی حاکم میں کوئی ایسی کشش تھی جس کی بنا پر وہ مجھے اچھا لگا تھا۔ طاہر نے ہمیں تنہا چھوڑ دیا۔ نادبہ بھی باہر تھی۔ حاکم شیرازی دروازے میں کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر جو تاثر بھٹک رہا تھا۔ جانے کیوں میرے دل میں اسے دیکھ کر ایک شرم کا سا احساس جاگ رہا تھا۔ ایک بالکل اجنبی کیفیت اس وقت مجھ پر طاری تھی۔ کچھ دیر تک حاکم شیرازی اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پھر آہستہ قدموں آگے بڑھ آیا۔ ”شاہ نور۔“

”ہاں شیرازی میں ہی ہوں۔“

”دنیا گول ہے نا۔ میں کہتا ہوں تقدیر بھی گول ہے گھما پھرا کر وہاں لے آتی ہے جہاں انسان آتا ہے۔“

”بیٹھو حاکم۔“

”شیرازی کو۔ تمہارا حاکم نہیں ہوں۔“ حاکم شیرازی نے کہا۔

”کیسے ہو؟“

”بہت اچھا ہوں۔ اگر تم سمجھتی ہو کہ میں نے دکھوں میں وقت گزارا ہے تو اس خیال کو اپنے سے نکال دو۔ انسان زندگی میں ایک ہی چیز تو خریدتا ہے بڑی چاہت کے ساتھ اور اپنی خریدی ہوئی چیز اپنے سینے سے لگا لیتا ہے۔ وہ اس کی پہلی اور آخری پسند ہوتی ہے میں نہیں جانتا کہ ماضی میں میں نے کس طرح پیش آتا رہا ہوں۔ تم کہتا تھا یا آپ کہتا تھا۔ اس بے تکلفی سے بات کر لیتا تھا یا نہیں کرتا تھا یقین کرو یہ سب کچھ بھول چکا ہوں۔ اس لئے اگر اس وقت میرا طرزِ خطاب تمہارے لئے اجنبی یا ناگوار ہو تو مجھے معاف کر دینا۔ میں دماغی مریض رہ چکا ہوں۔ ہو سکتا ہے کچھ شک اب بھی باقی ہے۔“

”تم اگر اتنے بڑے نہ ہوتے حاکم شیرازی تو یقین کرو میں تمہاری جانب کبھی متوجہ نہ ہوتی۔ ایک طویل دور بڑے ناز و نعم سے گزارا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ الماس آراء بیگم نے کبھی یہ نہیں ہونے دیا کہ کسی بھی جگہ میرے لئے کوئی کمی ہے اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی اپنی م فطرت کے مطابق ہی ہوا لیکن تم بہت بڑے انسان ہو۔ واقعی بہت بڑے انسان ہو۔ ہاں۔ ہماری کا ہی رخ کو جاری ہے اور جب بھی ہمیں منزل ملے گی ہم دونوں ساتھ ہوں گے۔“

”وعدہ؟“

”ہاں۔ حاکم شیرازی وعدہ۔“ حاکم نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے اس کا چوڑا ہاتھ ا میں لے لیا پھر وہ بولا۔

”دیکھا تم نے؟ ارے کون کتنا ہے کہ محنت بے کار جاتی ہے۔ ہم نے ہمت کی اور محنت کی اور پالیا جو ہمارے لئے کوہ نور سے زیادہ قیمتی ہے۔“ میں مسکرا دی تھی۔ حاکم شیرازی سے اچانک ج بے تکلفی ہو گئی تھی۔ اس کے لئے تو نہ جانے کتنے مرطے باقی تھے۔ نادیہ نے ہمارے درمیان کافی بعد مداخلت کی اور کہنے لگی۔

”ہم بھی باہر موجود ہیں جناب۔ اگر ہمارے لئے کوئی حکم ہو تو بتا دیا جائے۔“

”آ جاؤ نادیہ! ہمیں تم ہی سے ہدایات لینی ہیں۔“

”ارے نہیں، نہیں نہیں۔ اس وقت کسی اور کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ پوچھا ہوں کہ محترمین چلیں گے یا نہیں۔“

”کہاں جانا ہے محترمہ؟“ حاکم شیرازی سے پوچھا۔

”میرے گھر۔“

”اگر ہم آپ سے یہ اجازت مانگیں کہ یہ جگہ ہمیں اگر دو چار دن کے لئے مل جائے تو کیا یہ اجازت مل جائے گی؟“

”بھئی..... میاں گزارہ کر لیں گے آپ لوگ؟“ نادیہ نے حیران کن لہجے میں کہا۔

”ہاں..... بڑی اچھی طرح گزارہ کر لیں گے۔“

”کیوں..... شاہ نور کیا کہتی ہو؟“

”ہاں۔ ہم گزارہ کر لیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ بھلا ہڈی کی کیا گنجائش ہے۔ ظاہر! میاں ان لوگوں کے لئے ضروری اشیاء فراہم کر تمہاری ہی ذمہ داری ہے۔“ اندر کی آواز باہر آسانی سے سنی جاسکتی تھی اس لئے ظاہر بھی ساری بات نہ رہا تھا اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو آپ بے فکر ہو کر میاں رہ سکتے ہیں۔ کوئی مشکل نہیں پیش آ گی۔“ بہر حال کچھ ضروری تیاریاں کی گئیں۔ ظاہر اور نادیہ چلے گئے تھے لیکن نادیہ مجھے موبائل فون دے تھی۔ تاکہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو اس سے رابطہ قائم کیا جاسکے۔ حاکم شیرازی سے اس قدر باتیں ہونے کے

”ٹھیک ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو آپ بے فکر ہو کر میاں رہ سکتے ہیں۔ کوئی مشکل نہیں پیش آ گی۔“ بہر حال کچھ ضروری تیاریاں کی گئیں۔ ظاہر اور نادیہ چلے گئے تھے لیکن نادیہ مجھے موبائل فون دے تھی۔ تاکہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو اس سے رابطہ قائم کیا جاسکے۔ حاکم شیرازی سے اس قدر باتیں ہونے کے

”ٹھیک ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو آپ بے فکر ہو کر میاں رہ سکتے ہیں۔ کوئی مشکل نہیں پیش آ گی۔“ بہر حال کچھ ضروری تیاریاں کی گئیں۔ ظاہر اور نادیہ چلے گئے تھے لیکن نادیہ مجھے موبائل فون دے تھی۔ تاکہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو اس سے رابطہ قائم کیا جاسکے۔ حاکم شیرازی سے اس قدر باتیں ہونے کے

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے ہمیں خیر گزری چلنا چاہئے لیکن یہ بات میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ان لوگوں نے میری تلاش کے سلسلے میں شاید پورے ملک میں اپنے جال بچھا ڈالے ہیں۔“

”مجھے تو اس بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔“

”تو میں تمہیں اپنی داستان حیات سناتی ہوں نا۔“

”ابھی نہیں۔ مجھے ہموک لگ رہی ہے۔“ حاکم شیرازی نے کہا۔

”ارے پھر دیکھتے ہیں۔“ میں باہر نکلی ایک کونے میں ٹوٹا پھوٹا بادریچی خانہ بنا ہوا تھا۔ کوئی بھی نہیں تھی وہاں لیکن تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ آنے والا ظاہر تھا اور خوب کیا تھا لوگوں نے ساری ہی کھانے پینے کی چیزیں لے کر آگئے تھے۔ نادبہ بھی تھی غالباً اس کی ہدایت پر ظاہر خریداری کی تھی۔ نادبہ نے ساری چیزیں میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

”دو چار دن کی گھریلو زندگی بھی گزار کر دیکھ لو۔ مجھے رشک آ رہا ہے کہ کتنا اچھا لگے گا تمہیں ہمارے میں چلتی ہوں وہی بڑی والی بات۔ اوکے۔“ لائی ہوئی اشیاء سے کھانے پینے کی اشیاء نکالنے کے بعد میں شیرازی کے سامنے جا بیٹھی۔ واقعی نہ جانے کیسا لگ رہا تھا الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ لیکن چند لمحات لئے ذہن خوشی محسوس کر رہا تھا۔ کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں حاکم شیرازی کو اپنی کہ سناتے لگی اور حاکم شیرازی پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتا تھا۔ جب پوری کہانی ختم ہو چکی تو اس نے کہا۔

”خدا کی پناہ۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس قدر شاندار شخصیت کی مالک ہوگی۔“

”جنم میں جائے یہ شاندار شخصیت مجھے اپنی ماں باپ اور بہنیں مل جائیں تو یہ سمجھ لو کہ زندگی پڑ سکون ہو جائے۔ ایسے ہی کسی گھر میں آرام کی زندگی گزار سکتی ہوں۔“

”انشاء اللہ تعالیٰ۔ وہ سب ملیں گے ویسے نادبہ صاحبہ بھی بڑی زبردست خاتون ہیں۔ بلاشبہ صحافت کی زندگی میں بہت سارے کرداروں سے واقفیت ہوئی۔ بڑے اونچے نیچے لگ سامنے آئے لیکن صرف کام کی حد تک یعنی سن لیا ان کے بارے میں البتہ عملی زندگی میں، میں پہلی بار اتنے اہم کرداروں کو دیکھ ہوں۔“

”بس یوں سمجھ لو حاکم شیرازی! ہر انسان مشکلات کا شکار ہو کر ہی نہ جانے کیسے کیسے راستوں سے گزرتا ہے۔ ورنہ زندگی تو واقعی ایک ایسی ہی پڑ سکون چیز ہے کہ اگر تقدیر موقع فراہم کر دے تو انسان ایک گوشے میں بیٹھ کر حیات کا آخری لمحہ گزار دے۔“

”مجھ پر بھی وہ لوگ تمہارے سلسلے میں تردد کرتے رہے ہیں لیکن میں نے ہمیشہ ان سے یہی کہا کہ بے وقوفو! اگر نکال سکتے ہو تو اسے میرے دل سے نکال لو۔ باقی مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے۔“

”ہمیں باقاعدہ ڈرامہ بازی کرنا پڑے گی حاکم شیرازی۔“

کیسی ڈرامہ بازی؟

”بس یوں سمجھ لو کہ میک اپ کر کے یہاں سے نکلنا پڑے گا۔“ موبائل پر نادبہ سے رابطہ قائم کیا تو اور اس سے خاص قسم کے لباس کی فرمائش کی تھی اور ساتھ ہی میک اپ کا سامان بھی۔ حاکم شیرازی نے

میں پوچھا تھا مجھ سے۔

”تم میک اپ کر سکتی ہو؟“

”وقت نے بہت کچھ سکھا دیا ہے حاکم شیرازی! کر لیتی ہوں ایسے کام بھی۔“

”بڑی بات ہے لیکن میں تم سے ایک بات پھر کہنا چاہتا ہوں۔“

”تو پوچھتے کیوں ہو۔“

”پہلے کیوں نہ ہم اپنا یہ مشن پورا کریں۔“

”نہیں، تم میرے ماں باپ کی تلاش کی بات کر رہے ہو نا۔“

”ہاں۔“

”نہیں۔ ایسا نہیں ہے ہمیں تھوڑے دن تک اس شہر سے باہر نکل کر روپوش رہنا ہوگا۔ اس طرح میں ماں بہنوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ پھر اس کے بعد ایک مکمل لائحہ عمل کے تحت باہر کی دنیا میں نکلیں گے اور اپنا کام سرانجام دیں گے ویسے حاکم شیرازی میری مالی حالت کافی مستحکم ہے۔ پتہ نہیں ماں کے پاس کیا صورت حال ہو۔“

”ہاں۔ میں نے کہا نا کہ میرے نانا کا انتقال ہو چکا ہے ماموں ہیں وہ بھی آل اولاد والے ہیں۔ دو چار دن کی تو کوئی بات نہیں تھی لیکن میرا خیال ہے ماں بہنوں کو خاصی تکلیف ہوگی۔“

”ہم اس کا بندوبست کر کے چلیں گے۔“ حاکم شیرازی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ بہر حال نادبہ کی دے ہم تیاریاں کرتے رہے۔ ظاہر بہت ہی قابل اعتماد ساتھی تھا لیکن پھر بھی۔ اس وقت دنیا کے کسی بھی فن پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ نادبہ کو تمام صورت حال میں نے بتا دی تھی اور نادبہ نے بھی اس بات سے اتفاق کیا تھا کہ ظاہر کو اس جگہ کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے جہاں ہم لوگ جا رہے ہیں۔ نادبہ نے

”کتنے دن رہو گی وہاں؟“

”نادبہ۔ تقریباً ایک مہینے تک میں بالکل خاموشی اختیار کر لوں گی۔“

”بہت اچھا فیصلہ ہے لیکن مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ تم وہاں پڑ سکون ہو؟“

”کوئی ذریعہ نہیں ہے اس کا۔“

”ٹھیک ہے۔ پھر اس کے بعد تمہارا کیا پروگرام رہے گا؟“

”وہی جو میری تم سے گفتگو ہوئی ہے۔“

”میں نے بھی اس پر اچھی طرح غور کیا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اس سے اعلیٰ اور کوئی بات نہیں

دلی۔“

”ہاں بالکل۔“

”تو بس ٹھیک ہے۔ یہ کام تم بخوبی سرانجام دو، رواں گی کب تک ہوگی؟“

”نادبہ۔ شاید کل۔“

ایک بستی ہے۔ غلام مولانا نے زیادہ تر وقت غیر ممالک میں گزارا ہے اور بہت ہی دولت مند وڈیرہ ہے
خیر گڑھی کے لئے اس نے کوئی خاص کام نہیں کیا جبکہ اس کے بیٹوں کا اس سے خاصا اختلاف چل رہا
غلام مولانا کا کہنا ہے کہ گوٹھ کے اس قدر جدید نہیں ہونا چاہئے کہ بڑے اور چھوٹے کی پہچان مٹ
جے۔ بہر حال اسٹیشن سے کافی دور نکلنے کے بعد ایک مخصوص جگہ سے خیر گڑھی کے لئے ایک بیل گاڑی
رائی اور بیل گاڑی کا یہ سفر بھی کمال کا سفر تھا۔ سست رفتار لیکن جیسے ہی ہم آگے بڑھے موسم خوشگوار
پاک کی پگڈنڈی کا یہ سفر میرے لئے بڑا ہی دلچسپ تھا۔ راستہ طے کرتے ہوئے حاکم شیرازی نے کہا۔
”تم تو ملک سے باہر بہت سے ملکوں کا دورہ کر چکی ہو۔ کیسا لگ رہا ہے یہ سفر؟“

”بات اصل میں یہ ہے حاکم شیرازی کہ انسان بے حد تن آسان ہو گیا ہے۔ آسانیوں اور آسائشوں کی بات اس قدر گہری ہو گئی ہے کہ وہ مشقت کا کوئی کام کرنا ہی نہیں چاہتا۔ میں ایک عام سی بات کر رہی ہوں۔ اس زندگی میں جو حسن ہے۔ زندگی کے کسی اور عمل میں نہیں ہے۔ بہت ہی اچھا لگ رہا ہے مجھے پھر موسم نے تو یہ سزا اور بھی خوشگوار بنا دیا ہے۔“ نیل گاڑی آگے بڑھتی رہی۔ طویل ترین سفر طے کیا یا اور پھر رکھت آگئے۔ ان سارے مرحلوں سے گزرتے ہوئے آخر کار ہم خیر گڑھی میں داخل ہو گئے۔ یہی خاصی آبادی تھی۔ رداقتی قسم کا گاؤں نہیں نظر آ رہا تھا بلکہ یہاں اچھے خاصے کچے پکے مکانات تھے اور ہاکی ایک ترتیب بھی تھی اور بازار بھی تھے۔ آبادی سے باہر کے علاقے سرسبز و شاداب تھے۔ ایک طرف سے درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے اور بہت دور تک چلے گئے تھے۔

”یہ غلام مولا کا باغ ہے اور اسی کے آخری سرے پر غلام مولا کی حویلی ہے۔ یہ حویلی کئی سو سال پرانی ہے اور بڑی روایتوں کی حامل ہے۔“ میں محسوس کر رہی تھی کہ حاکم شیرازی کے انداز میں ایک بے چینی ہے وہ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ہے لیکن اتنے عرصے کے بعد اپنی ماں اور بہنوں سے ملنے کا تصور اس کے لئے بڑا سنسنی خیز تھا۔ یہاں مجھے ایک عجیب سی حسرت کا احساس ہوا۔ کاش کسی دن میں بھی اپنی ماں، بہنوں اور باپ سے ملنے کے لئے اسی طرح بیجان کا شکار ہو جاؤں۔ جس مکان کے دروازے پر تیل گاڑی گئی تھی اس کی دیواریں کچی تھیں لیکن احاطہ بے حد وسیع تھا۔ تیل گاڑی والے کو معاوضہ ادا کر دیا گیا۔ چھوٹے نوٹوں کا بھی خاصا بندوبست کر لیا گیا تھا۔ بڑے نوٹ بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ ہمارا حلیہ کچھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم اس قدر دولت مند لوگ ہوں گے۔ دروازے پر دستک دی گئی۔ ایک تیرہ چودہ سال کے لڑکے نے دروازے کھولا اور سوالیہ نگاہوں سے ہمیں دیکھنے لگا تھا۔

”توفیق! میں حاکم ہوں۔ حاکم شیرازی۔“

”بڑے بھائی جان آپ۔ مگر..... مگر..... ارے..... پھوپھی جان۔ پھوپھی جان۔ دیکھئے کون آیا ہے۔ حاکم بھیا آگئے۔“ لڑکا خوش خوشی اندر داخل ہو گیا۔ بس اس کے بعد کے مناظر کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ ایک تاج شدہ گھرانہ جو بے حد کسپہری کی زندگی گزار رہا تھا جس شکل میں ہو سکتا ہے۔ یا ایسے لواٹل کے بعد جو جذباتی مناظر دیکھنے میں آسکتے ہیں وہ سامنے تھے۔ ماموں صاحب جن کا نام ریاض احمد تھا۔ ایک غریب آدمی تھے۔ لے دے کر بس یہ آبائی ملکیت یعنی ان کا گھرانہ کے اثاثے کی حیثیت رکھتا تھا۔

”میرا خیال ہے یہ ہماری آخری ملاقات ہے اس وقت ان حالات میں۔ دوسری ملاقات جب جب میں خود تمہیں مخاطب کروں گی یہ موبائل میں رکھے رکھتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ اس جگہ پر کچھ نہیں ہوگا جہاں میں جا رہی ہوں۔“

”ہاں۔ لیکن کسی بڑے اسٹیشن پر۔“

”ہاں میں وہیں سے تم سے رابطہ قائم کروں گی۔“

”او کے۔ پھر خدا حافظ۔“ نادیہ خود بھی کوئی خطرہ مول نہیں لیتا چاہتی تھی اس نے اس دوران بتایا تھا کہ عظمت جلال ایک طرف اور الماس آراء نیگم دوسری طرف اپنے بھرپور ذرائع سے کام لے کر تلاش کر رہی ہے۔ چنانچہ اس سفر کے لئے مجھے بہت ہی مستحکم طریقہ اختیار کرنا تھا۔ پھر میں نے حاکم شرا پر ایک دہائی کا میک اپ کیا۔ بڑی بڑی مونچھیں، آنکھوں کے گرد حلقے، آنکھوں میں کاجل۔ بڑی داڑھ میں نے چھوٹا کرا دیا تھا اور اس کے بعد ایک خاص قسم کی گولڈی اور لباس۔ حاکم شیرازی اپنا حلیہ دیکھ کر نہیں تھا بلکہ سکتے میں رہ گیا تھا۔ پھر اس نے منہ سے کچھ نہیں کہا تھا لیکن اس کا چہرہ اس کے احساسات تصویر بنا ہوا تھا۔ غالباً وہ اس بات پر افسردہ تھا کہ مجھے زندگی کے لئے کیسے کیسے سوانگ بھرنے پڑے۔ میں نے اپنا میک اپ کیا اور ایک دہائی لڑکی بن گئی لیکن ساتھ میں خاص قسم کا برقع بھی حاصل کر لیا تھا۔ پیروں میں بہت ہی گھٹیا قسم کے جوتے پہنے تھے اور خوب مٹی ڈال کر پیروں کو گندا کر لیا گیا تھا۔ کیفیت ہاتھوں کی بھی تھی۔ خاص قسم کے لوٹن سے کنہیوں تک ہاتھ گندے کئے تھے۔ لیکن یہ سب ضروری تھا کیونکہ یہ بات مجھے معلوم تھی کہ کتنے شاطر لوگوں سے واسطہ پڑا ہے میرا اور خاص طور۔ عظمت جلال جو بین الاقوامی طور پر منشیات کے گروہوں کو دھوکا دے رہا تھا۔ بہر حال اس حلقے میں ہم گم سے واپس نکل آئے اور ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ حاکم شیرازی بھی لطف لے رہا تھا۔ سستی کلاس کے کمر خریدے گئے تھے۔ ظاہر ہے اس حلقے میں کسی اچھے کمپارٹمنٹ میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔ ٹرین چل پڑی اور ہمارے دلچسپ سفر کا آغاز ہو گیا۔ جو سالان ہم اپنے ساتھ لائے تھے دیکھنے میں مظاہر بہت گھٹیا تھا لیکن صرف ایک میلے سے ٹرین کے صندوقچے میں لاکھوں روپیہ رکھا ہوا تھا۔ ضرورت کے لئے یہ رقم بہت ضرور تھی۔ ٹرین کا سفر دو معصوم دہائیوں کی حیثیت سے طے کیا گیا۔ راستے بھر الٹی سیدھی چیزیں کھاتے پیتے آئے تھے۔ پھر وہ اسٹیشن آگیا جہاں ہمیں اتارنا تھا۔ دن کا وقت تھا۔ کچھ کچے مکانات دھوپ سے تپ رہے تھے۔ ریلوے اسٹیشن زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ہم نیچے اتر آئے اور اس کے بعد اپنے مختصر سفر سالان کے ساتھ آگے بڑھ گئے ابھی تک اس بات کا شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ کسی نے ہماری جانب توجہ دی ہے۔ میں بہت عمدگی کے ساتھ نکل آئی تھی۔ پھر ہم دونوں ریلوے اسٹیشن سے باہر نکل آئے۔ ریلوے اسٹیشن کے آس پاس جو مکانات تھے وہ اس شر کے بارے میں کوئی بہت اچھا اثر نہیں پیش کر رہے تھے لیکن اندر کے شر میں خاصی رونق تھی۔ حاکم شیرازی مجھے اس شر کے بارے میں تفصیلات بتا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہاں بڑے بڑے بازار ہیں اور اس کی آبادی خیر گڑھی یہاں سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ خیر گڑھی غلام

ت بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ نادیہ کو ابھی تک کوئی الجھن درپیش نہیں ہے اگر ہوتی تو میں اسے ساری میل تیار کر آتی تھی۔ وہ مجھ سے ضرور رابطہ قائم کر لیتی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔

☆=====☆=====☆

حاکم شیرازی کی کیفیت بہت بہتر نہیں تھی اور یہ طے کیا گیا تھا کہ ابھی وہ خیر گڑھی ہی میں رہے گا، یہ اب محفوظ جگہ ہے۔ میں بہر حال یہاں خوش تھی، لیکن اتنی بھی نہیں کہ اب یہیں رہ جانے پر غور کرتی۔ ام شیرازی کو یہاں تک لانا تھا۔ لے آئی تھی اور اس کے بعد خاصا مناسب وقت یہاں گزارا تھا لیکن یہ اب بھی طے تھی کہ اس سے زیادہ وقت نہیں گزارا جاسکتا تھا کیونکہ اپنے مشن سے دست بردار تو نہیں دیتی تھی۔ ابھی تو تلاش میری منزل تھی اور مجھے یہ منزل پانی تھی اس منزل کو کھونے کا تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اس کے لئے تو میں نے زندگی کو ہدیٰ تھی چنانچہ حاکم شیرازی سے اس سلسلے میں بات ہوئی اور میں نے اس سے کہا۔

”حاکم! اب تم بہتر حالت میں ہو، میں چاہتی ہوں کہ اپنے ماں باپ کی تلاش کا سلسلہ پھر سے جاری کروں۔“ اس دوران میں نے حاکم شیرازی کو وہ ساری تفصیلات بتا دی تھیں جو میری زندگی کا حصہ تھیں اور جو اب تک کے واقعات کی شکل میں میرے ساتھ پیش آتی رہی تھیں۔ حاکم شیرازی ششدر رہ گیا تھا بلکہ اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

”ایسا! بڑی خطرناک خاتون سے واسطہ پڑا ہے۔ اگر ہم زندگی میں کبھی یکجا ہو گئے تو بڑی احتیاط برتنی پڑے گی۔“ میں جانتی تھی کہ حاکم شیرازی یہ الفاظ کس طرح کہہ رہا ہے۔ چنانچہ اس کی بات کا برا ماننے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا بلکہ میں نے کہا۔

”ہاں شیرازی یہ سچ ہے، واقعی تمہیں بڑا محتاط رہنا پڑے گا۔ اگر تقدیر نے ہمیں اس کا موقع دیا۔“ حاکم جذباتی ہو گیا کہنے لگا۔ ”اگر کیوں کہتی ہو شاہ نور..... جب زندگی نے مجھ پر یہ احسان کیا ہے اور مسائل طے ہوتے گئے ہیں تو پھر اگر تو کوئی مناسب لفظ نہیں ہے، کیا سمجھیں؟“

”ہاں..... یہ بھی ٹھیک کہتے ہو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ حاکم شیرازی فکر مندی سے بولا۔

”گویا تم ایک بار پھر جنم کا رخ کر رہی ہو۔“

”انسان کی زندگی میں جو کچھ ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے حاکم شیرازی..... میرے دل کے اندر جو آگ سلگ رہی ہے کاش تم اس کی پیش محسوس کر سکو۔ کیا کچھ نہیں کر لیا میں نے، منشیات کی اسمگلر بنی، دنیا کے بڑے بڑے مجرموں سے مڈبھڑ ہوئی۔ میرے سینے میں سنگتی ہوئی آگ میرے سارے وجود کو خاکستر کر رہی ہے۔ جب تک یہ آگ سرد نہیں ہوگی، میں کیسے سکون پا سکتی ہوں۔ تمہاری یہ نگری بہت خوبصورت ہے، خدا کرے مجھے زندگی میں دوبارہ یہاں آنا نصیب ہو اور میں تمہارے ساتھ بیس خوشی کے کچھ لمحات گزار لوں۔ ایسا نہ ہو سکے حاکم شیرازی تو بس یہ سمجھ لینا کہ ایک بد نصیب لڑکی نے جو کچھ چاہا تھا تقدیر اسے وہ سب کچھ دینے کی آمادہ نہیں تھی۔ تقدیر تو بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی کیا کر سکتا ہے۔“

”شاہ نور! میں تمہارے ساتھ چلوں؟“ حاکم شیرازی نے اتنے عجیب لہجے میں کہا کہ میں تملکا کر رہ گئی

معمولی سی آمدنی تھی بے چاری حاکم شیرازی کی والدہ اور دونوں بہنیں بڑی بے کسی کی زندگی گزار رہی تھیں۔ حاکم شیرازی کی دونوں بہنیں، چٹائیوں سے پٹھے بناتی تھیں اور ریاض احمد صاحب کا چھوٹا بیٹا بیچ بازار میں فروخت کر دیا کرتا تھا۔ اس طرح ان کا گزارہ ہو رہا تھا۔ گزارہ بھی کیا۔ میلے کچیلے کپڑے، کدو، حاکم شیرازی انہیں دیکھ کر رو دیا۔ میں ایک خاموش تماشائی بنی ہوئی اپنے ذریعے پھٹنے والی جانی دیکھ رہی تھی۔ ورنہ اچھا خاصا وقت گزار رہے تھے وہ لوگ۔ بہر حال پھر ریاض احمد صاحب سے بھی ملاقات ہوئی چھوٹا سا خاندان تھا۔ ریاض احمد ان کی بیگم دو بیٹے، دو بیٹیاں اور پھر یہ نئے لوگ بھی آگئے تھے جن کی تعداد تین تھی۔ ریاض احمد صاحب بیچارے جس طرح بھی بن پڑ رہا تھا بوجھ اٹھا رہے تھے ان کے دونوں بیٹے ابھی چھوٹے تھے لیکن بہر حال اب ان کی تقدیر کھل گئی تھی۔ پتہ چلا ریاض احمد صاحب نے ایک دکان کھول دی ہے اور بس اسے چلا رہے ہیں۔ حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے یہ دکان بہت مختصر سی تھی لیکن جن جگہ یہ دکان ڈالی گئی تھی وہ بہت بڑی تھی۔ بہت سے کام کرنے تھے مجھے۔ زندگی کا ایک اور رخ سامنے آیا تھا۔ بہر حال یہاں آنے کے بعد حاکم شیرازی نے اپنا حلیہ بالکل تبدیل کر لیا تھا۔ حاکم شیرازی کی والدہ بہ صابر خاتون تھیں۔ جس طرح سے گزارہ کرتی رہی تھیں معمولی بات نہیں تھی لیکن اب صورت حال بالکل مختلف ہو گئی تھی۔ میں نے حاکم شیرازی سے کہا۔

”ماموں صاحب کی دکان میں توسیع کرانی ہے اور ان لوگوں کو معاشی مسائل کے بوجھ سے آزاد کرنا ہے۔ کوئی اعتراض ہے تمہیں؟“ اس نے ہنستی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

”نہیں۔ اور وجہ بھی نہیں بتاؤں گا۔“

”کوئی وجہ ہے ہی نہیں۔ سمجھ رہے ہیں جناب۔“ کیا لطف آ رہا تھا۔ ان دنوں سارے مسائل بھول گئی تھی۔ ان لوگوں سے پتہ چلا کہ حاکم شیرازی کی والدہ نے صرف اتنا بتایا ہے کہ مصافحت کی زندگی میں دشمنیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ کسی کے خلاف کچھ لکھ دیا تھا جس کی وجہ سے اسے گرفتار کر لیا گیا اور مصیبت آگئی۔ میرے بارے میں حاکم شیرازی کے بجائے اس کی والدہ نے بتایا تھا کہ میں اس کے ایک بہت ہی قریبی عزیز کی بیٹی ہوں یعنی حاکم شیرازی کے ایک بزرگ دوست کی بیٹی۔ وہ لوگ میرا بے حد احترام کر رہے تھے۔ تقریباً پندرہ دن ہو گئے تھے ہمیں یہاں آئے ہوئے اور اس دوران بڑی بڑی تقریبی گفتگو ہوئی تھی۔ ماموں ریاض احمد کی دکان میں خوب وسیع کر دی گئی تھی عارضی طور پر کاروبار بند کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد میں اور حاکم شیرازی خود شہری آبادی میں جا کر بے شمار سامان خرید کر لائے تھے۔ چھکڑے کے چھکڑے بھر کر دکان میں سجاد دیئے گئے تھے۔ گاؤں ہی کے دو لڑکے ملازم رکھ دیئے گئے تھے۔ ماموں ریاض احمد ہرچیز کو پچھنی پچھنی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر ان کی بہن بھی بہت خوش تھیں۔ ہم نے حلیہ تبدیل کر لیا تھا۔ ویسے خیر گڑھی ایک اچھی جگہ تھی۔ غلام مولانا نے اس کی ترقی کے لئے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن مقامی لوگ اس پر خاصی محنت کر رہے تھے۔ یہ سڑک جو یہاں تک آئی تھی غلام مولانا نے اس لئے نہیں بننے دی تھی کہ اس پر آمدورفت عام نہ ہو جائے لیکن باقی اندر کے معاملات بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ میں اکثر اب تنہا گھومنے پھرنے نکل جاتی تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ادھر کے معاملات کو بالکل ٹھنڈا ہو جانا چاہئے۔

کچھ لمحے کے بعد میں نے کہا۔

”حاکم! مجھے تمہاری دعائیں چاہئیں، رابطہ اگر نہ ہو سکے تو اس کے لئے فکر مند نہ ہونا۔“

”لیکن اتنا بے حس بھی تو نہیں ہوں میں کہ تمہیں یاد نہ کروں۔ اچھا ایک اجازت دو مجھے۔“ وہ کہنے

”کیا.....؟“

”اے میری مرضی میں چھوڑ دو کہ اپنے طور پر اگر کبھی دل زیادہ گھبرائے تو تمہاری تلاش میں نکل

ں، اس وقت تمہاری بالکل ذمہ داری نہیں ہوگی کہ میرے لئے تحفظ کی فضا پیدا کرو، میں نے بھی

کی زندگی گزاری ہے۔“

”تمہارے اس حق سے میں انکار بھلا کیسے کر سکتی ہوں۔ یہ تو غلط ہوتا ہے لیکن اگر مجھے یہ نہ بتاتے تو

چاہتا۔“

”خیر چھوڑو۔ میں تمہیں الجھن میں نہیں ڈالنا چاہتا۔“ حاکم شیرازی نے کہا۔

”تمہاری مہربانی ہوگی، واقعی مجھے الجھن میں نہ ڈالو۔“ میں نے کہا اور اس کے بعد میں وہاں سے چل

و روپ میں نے دھارا تھا وہ میرے لئے بڑا کار آمد تھا۔ چالیس پینتالیس سال کی ایک صاف ستھری

لوگ عزت و احترام کا مقام ہی دے رہے تھے۔

میں نے بس کا ذریعہ سفر اختیار کیا تھا اور براہ راست کس لیے سفر کے بجائے ایک ایسی جگہ کا ٹکٹ

ا۔ جہاں ایک آدھ دن قیام کرنے کے بعد میں آگے بڑھ سکتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ خاص

میری جانب متوجہ ہو سکے۔

سفر جاری رہا۔ ایک شہر سے دوسرے شہر جانا تھا اور جس دوسرے شہر جانا تھا اس کا نام نیاز گڑھی تھا۔

یک بہت بڑا وڈیرا تھا جس کے نام سے یہ آبادی بنائی گئی تھی۔ نیاز گڑھی کا سفر کوئی ساڑھے پانچ گھنٹے

دلی تین گھنٹے کے بعد بس ایک ایسے اڈے پر رکی جو بس والوں نے خود ہی بنایا ہوا تھا اور وہاں انہوں

کے مسافروں کے آرام کے لئے ایک عمدہ جگہ بنائی تھی جہاں چائے اور دوسرے لوازمات کا معقول

ا۔ بس کے مسافر بس سے اتر کر چائے خانے کی جانب جانے لگے، میں بھی نیچے اتر آئی تھی۔ دور

کے علاقے اجاڑ اور ویران تھے۔ آبادی ذرا دور جا کر تھی، لیکن اس جگہ کے آس پاس کئی دکانیں

راگنی تھیں۔ پھل والے تھے، ہلکی پھلکی چیزیں بیچنے والے تھے، البتہ ایک طرف میں نے ایک

دیشیے ہوئے دیکھا۔ ہاتھ پھیلائے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ بس یونہی گر دو پیش پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے

انہ نگاہیں اٹھ گئی تھیں، لیکن جو شکل مجھے نظر آئی تھی اس نے میرے سارے وجود کو لرزا کر رکھ

ہ ناقابل یقین..... ناقابل یقین۔ کچھ لمحے تک تو میرا بدن اس طرح سن ہو گیا کہ میں خود ہی گھبرا

ن خون جیسے رک گیا ہوں۔ منہس بھی دہنی ہو گیا تھا۔ میں نے بے بسی کی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا

ام تر قوت ارادی کو جمع کیا اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔ ”میرے معبود کیا

ہے، میرے معبود کیا یہ ممکن ہے؟“ میں نے دل میں سوچا، میرے قدم آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے

”اس میں کوئی شک نہیں حاکم کہ اگر وقت نے موقع دیا تو تم میری ساری زندگی پر محیط ہو گے

ان سارے واقعات کو ذہن میں لا کر مجھے یہ بتاؤ کہ کیا اس وقت تمہارا میرے ساتھ ہونا مناسب ہوگا۔

دونوں ایک دوسرے کی حفاظت کے لئے عمل کرتے رہیں گے اور ہمارے دشمن ہماری اس کمزوری

فائدہ اٹھالیں گے۔ میں تمہاں سے لڑ رہی ہوں مجھے لڑنے دو اور صرف اتنا کرو میرے لئے کہ اپنا خیال رکھ

اور مجھے سکون سے کام کرنے دو۔“

حاکم شیرازی خاموش ہو گیا۔ میری مشکل کو سمجھتا تھا البتہ جس طرح ہم لوگ میک اپ کر کے ہمار

آئے تھے میری واپسی بھی اسی طرح ہونی چاہئے تھی۔ وہاں نادیدہ تھی، باقی لوگوں سے تو رابطے کٹ چکے تھے

یہ اتنا وقفہ بہت مناسب تھا۔ عظمت جلال کی کیننگی بھی ذہن میں تھی، اس نے جب مجھے ناکارہ دیکھا تو سو

کہ بہن کو ہی خوش کر دے اور الماس آراء بیگم اپنی دلیری کے اظہار میں مشکل کا شکار ہو گئیں۔ وہ اگر

چاہتیں تو بے ہوشی کے عالم میں ہی مجھے ختم کر دیتیں لیکن وہ یہ بتانا چاہتی تھیں کہ وہ کامیاب ہو گئی ہیں۔ یہ

الگ بات ہے کہ کامیابی ان کے مقدر میں نہیں تھی اور پھر جب عظمت جلال نے دیکھا کہ میں اتنی ہی چاڑ

و چوبند ہو گئی ہوں تو اس نے ایک بار پھر نادیدہ کے ذریعے مجھ پر جال ڈالنے کی کوشش کی۔ نادیدہ نے مجھے

مشورہ دیا تھا کہ میں عظمت جلال کو بلیک میل کروں۔ یہ بھی ایک انتہائی مؤثر حربہ تھا اور میں نے اسے اپنے

ذہن میں رکھا تھا لیکن مسئلہ وہی ہو جاتا ہے کہ ایک بار پھر ہنگاموں کی دنیا میں واپس آ جاؤں، یہ واپسی اس

شکل میں تو مناسب تھی کہ میں عظمت جلال سے وہی مطالبہ کرتی کہ اپنے وعدے کے مطابق میرے ماں

باپ اور میری دونوں بہنوں کو بازیاب کرائے، لیکن اگر وہ ایسا نہ کر پاتا اور محاذ آرائی پر آمادہ ہو جاتا تو مجھے

ایک بار پھر شدید رد عمل کا اظہار کرنا پڑتا کیونکہ بہرحال وہ ایک جرائم پیشہ انسان تھا اور اس کے وسائل

لامحدود تھے۔

پھر ان ساری چیزوں کو نظر انداز کر کے میں نے فیصلہ کیا کہ اب کم از کم صحیح طور پر واپسی تو ہو جائے

اور اس کے لئے میں نے اپنے چہرے پر میک اپ کیا تھا۔ میں نے خود کو ایک عمر رسیدہ عورت کی شکل دی

تھی اور بڑی محنت سے یہ میک اپ ترتیب دیا تھا۔ حاکم شیرازی پریشان ہونے کے باوجود میری یہ شکل دیکھ

کر مسکرا پڑا کہنے لگا۔

”باپ رے باپ! تم نے تو ابھی سے اپنے اوپر بوہلا طاری کر لیا۔ میرا کیا ہو گا؟“ جواب میں ایک دکھ

بھری مسکراہٹ میرے ہونٹوں میں پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

”نہیں حاکم شیرازی! میں اس شکل میں تمہارے سامنے نہیں آنا چاہتی، میں نے تو زندگی کا کوئی

خوبصورت روپ دیکھا ہی نہیں ہے۔“ وہ ایک دم شرمندہ ہو گیا کہنے لگا۔

”خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے اس مذاق پر تم دھی ہو جاؤ گی۔ میں معافی چاہتا ہوں۔“

”بچوں جیسی باتیں مت کرو، بس انسان کے اندر کچھ شدتیں ہوتی ہیں۔“

”اب یہ بتاؤ میرا تمہارا رابطہ کس طرح رہے گا؟“ اس نے کہا۔

خاصی دیر تک میں سوچتی رہی، پھر اچانک ہی مجھے کچھ خیال آیا اور میں وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ چند کا قاتل ملے کرنے کے بعد میں پھلوں کے اس ٹھیلے کے پاس پہنچ گئی جس کے پاس ایک فicus کھڑا ہوا تھا۔

”بھائی! اس آبادی کا نام کیا ہے؟“

”سراے پور..... آپ بھکی ہوئی مسافر تو نہیں ہیں..... جو بس میں نہیں جاسکیں۔“

”ارے..... تمہیں کیسے معلوم ہے؟“

”وہ بس کا کنڈکٹر سب سے پوچھتا پھر رہا تھا کہ ایک ماٹی نہ جانے کہاں چلی گئی ہے، وہ بیچارے بھی نہیں رک سکتے تھے، اب آپ کو دوسری بس سے جانا پڑے گا۔“

”نہیں..... میں یہیں رکنا چاہتی ہوں، یہاں سے آبادی کتنی دور ہے؟“

”زیادہ دور نہیں ہے جی، اصل میں بات یہ ہے کہ یہاں سے کچھ آگے چل کر ذرا ڈھلان شروع ہو گئی ہے، آبادی انہی ڈھلانوں میں ہے، اس لئے نظر نہیں آ رہی ہے لیکن فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔“

”سراے پور کی آبادی کتنی ہے؟“

”بہن جی..... ہمیں کیا معلوم۔“

”کیوں..... تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو؟“ میں نے سوال کیا۔

”کمال کرتی ہیں بی بی جی، رہتے ہم یہاں ہیں مگر آبادی تھوڑی گنتے پھرتے ہیں۔“ اس نے جواب دیا مجھے ہنسی آگئی۔

”ہاں یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو، چلو خیر کوئی بات نہیں ہے۔ یہ تھوڑے سے کیلے دو۔“ میں نے اسے کیلے خریدے اور اس کے بعد بخت بابا کے پاس آگئی، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ پھر میں بخت بابا کے پاس بیٹھ گئی۔

”بابا جی کیلے کھاؤ گے؟“ میں نے تین چار کیلے ان کے ہاتھوں پر رکھ دیئے اور پھر بے کسی سے انہیں نہ لگی۔ بخت بابا کے ہاتھوں میں لرزش ہوئی۔ انہوں نے دو کیلے خود کھائے اور دو اپنے لباس میں ڈال دیئے۔

”بابا جی! یہ دو کیلے آپ نے کیوں رکھ لئے؟“

”وہ..... بس..... میں.....“ بخت بابا نے کہا۔

”بابا جی آپ کا نام کیا ہے؟“

”بی بی..... اللہ کے نام پر کچھ دے دو، میرے نام سے تمہیں کیا لینا ہے۔“

”بابا جی..... آپ یہاں کہاں رہتے ہو؟“

مجھے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ بخت بابا نے میری آواز نہیں پہچانی ہے۔ ظاہر ہے عمر رسیدہ تھے اب تو بیچارے بے پناہ کمزور ہو گئے تھے، دماغی صلاحیتیں بھی ختم ہی ہو گئی ہوں گی، لیکن کیا وفادار انسان کہ ہے، یہ دو کیلے جو اس نے اپنی گدڑی میں چھپائے ہیں، پتہ نہیں کس کے لئے ہیں۔ میں نے دل میں

اور میں زمین پر بیٹھے بڑے فقیر کے پاس پہنچ گئی۔ آہ۔

بخت بابا تھے، سو فیصد بخت بابا تھے۔ ان کے ہاتھ پھیلے ہوئے تھے، سامنے بچے ہوئے کپڑے، پڑے ہوئے تھے اور وہ بالکل خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ پتھر کی طرح ساکت، لیکن دوسری بات یہ محسوس کی اس نے ایک بار پھر میرے دماغ میں گرم گرم لہریں دوڑا دیں۔ بخت بابا کی آنکھیں تھیں، لیکن وہ کچھ دیکھ نہیں رہے تھے۔ یعنی طور پر وہ کچھ نہیں دیکھ رہے تھے۔ میں نے ان آنکھوں کی طرف ایک بار پھر میرے دل کی دھڑکن بند ہونے لگی۔ ان آنکھوں کی جگہ دو گہرے گڑھے تھے آنکھوں کے دیدے حلقوں میں نہیں تھے اور ایسا عام حالات میں نہیں ہوتا۔

بخت بابا کی آنکھیں تو بہت خوبصورت تھیں، باہر کو اچلتے ہوئے ڈھیلے، میں نے کتنی ہی آنکھوں کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ گھر کے ملازم تھے لیکن اللہ کی دین ہر ذی روح کے لئے ہوتی ہے۔ سوچا تھا کہ بخت بابا کی آنکھیں کس قدر خوبصورت ہیں اور ان آنکھوں کی پذیرائی کرنے والا ہے۔ آہ نظر لگ گئی تھی شاید میری ان آنکھوں کو۔ اس وقت ان آنکھوں کی جگہ دو گڑھے تھے، میرے سامنے دیر تک کھڑی رہی لیکن ان کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔

میری آنکھوں سے نہ جانے کب آنسو بہنے لگے تھے۔ پھر میں اس وقت چوکی جب بس کا ڈور بار بارن بجا رہا تھا۔ مسافروں کو بلانے کے لئے اور مسافر چائے خانے سے نکل نکل کر اس طرف تھے۔ ایک لمبے کے اندر فیصلہ کرنا تھا۔ دل کی حالت خراب ہو رہی تھی بدن اٹھنا جا رہا تھا۔ میں تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ تھوڑے درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ ایک جگہ ایک چھوٹی سی عمارت بنی ہوئی تھی جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کیسی عمارت ہے، اب ظاہر ہے اس بس سے آگے کا سفر تو مشکل۔ ترکیب بھی ذہن میں نہیں آ رہی تھی چنانچہ تیز رفتاری سے یہاں سے ہٹ کر اس عمارت کی جانب بڑی۔ عمارت خالی تھی بلکہ عمارت کیا تھی ایک نامعلوم سی جگہ تھی جہاں اینٹوں کے انبار لگے ہو۔ کچھ غلافیتیں بھی پڑی ہوئی تھیں لیکن اس وقت سب کی نگاہوں سے بچنا تھا۔ میں عمارت میں جا بیٹھ شہید بدلو پھیل ہوئی تھی، لیکن اس وقت تو دل و دماغ کی عجیب سی کیفیت تھی، اگر بخت بابا تو کیا میری ماں اور بہنیں بھی یہاں نہیں ہوں گی۔ آہ کیا تقدیر نے کوئی خوبصورت فیصلہ کر لیا ہے۔ ہی دل میں سوچ رہی تھی۔ کاش ایسا ہی ہو۔ کاش ایسا ہی ہو۔

بس کا بارن بڑی تیزی سے بج رہا تھا۔ شاید بس کنڈکٹر مجھے تلاش بھی کر رہا ہوگا، میں خاموش بیٹھی رہی۔ تین چار منٹ گزر گئے تو بس اشارت ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے اسے سرک ہوئے دیکھا۔ پھر وہ سیدھی آگے بڑھ گئی تھی۔ اب مجھے اطمینان ہوا، میں آگے نہیں جاؤں چاہتی تھی بلکہ کو متوجہ کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔ میں نے اپنا پرس سنبھالا اور اس بدلو ذرا عمارت کی طرف سے آگے آئی، کسی نے میری جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ میں تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد بخت بابا پہنچ گئی اور انہیں دیکھتی رہی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔

رہی۔ میں نے اسے بازوؤں میں بھینچ لیا اور راجہ ایسے بلک بلک کر روئی کہ میرا کچھ پانی ہو گیا۔ میں پارسے چپ کر رہی تھی۔

”نہیں راجہ، نہیں میری بیٹی، نہیں میری بیٹی،“ نہیں راجہ۔ ”بخت بابا آگے بڑھ کر ایک چارپائی پر بیٹھ۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ راجہ روتی رہی۔ میں نے حیران ہو کر ادھر دیکھا۔

”ہاں۔ ماں کہاں ہے؟“ میں نے سوال کیا تو راجہ کی سسکیاں اور تیز ہو گئیں اور دوسرے لمحے میرے ایک گھونسا سا پڑا۔ میں نے راجہ کے دونوں بازو پکڑے اور اسے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

”راجہ ماں کہاں ہیں؟“

”نہیں ہیں۔ ماں نہیں ہیں۔“ راجہ نے کہا اور پھر ایک بار میرے سینے میں سر چھپا کر سسک پڑی۔

میں نے بھی اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ زندگی کے جن نشیب و فراز سے گزری تھی انہوں نے یا تھا لیکن ماں کا وجود بڑے بڑے پتھروں کو پگھلا دیتا ہے۔ ماں کا خیال، ماں کا احساس میرے بھی سینے کی بن گیا اور اس کے بعد میں بھی راجہ سے لپٹ کر اس طرح روئی کہ زمین و آسمان ہل گئے۔ بخت چارپائی پر بیٹھے رو رہے تھے۔ ایک دم مجھے پھر کچھ خیال آیا میں نے کہا۔

”اور فوزیہ؟“

”وہ آتی ہوگی۔ ابھی بلاتا ہوں میں اسے۔“ بخت بابا نے کہا اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہ سکے۔ میں دینے سے لگائے آگے بڑھی اور دوسری چارپائی پر بیٹھ گئی۔

”راجہ خود کو سنبھالو۔ ماں..... ماں کب سے اس دنیا سے چلی گئیں؟“

”کتنی دن ہو گئے۔ کافی دن ہو گئے۔ خون تھوکتے تھوکتے مر گئیں بے چاری، انتظار ہی کرتی رہیں کہ آئے گی۔ علاج کرائے گی ان کا۔ ہسپتال میں دکھائے گی۔ دعویٰ سے کتنی تھیں کہ تم دیکھ لیتا ساری

۔ طرف شاہ نور ایک طرف۔ وہ جس قدر بہادر ہے اور جس طرح دنیا سے مقابلہ کرنا جانتی ہے میں

ول۔ وہ آئے گی میرے پاس مجھے ہسپتال لے جائے گی۔ میرا علاج ہوگا اور میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ پھر

ان انہیں خون کی بہت بڑی الٹی ہوئی اور وہ آخری جملہ۔ باقی آخری جملہ شاہ نور..... تم.....

..... وہ گئیں کہہ کر مر گئیں۔“ راجہ زار و قطار روتے ہوئے یہ داستان سن رہی تھی اور میں اپنی

نا پر اندر ہی اندر کٹ رہی تھی۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ ماں کا چہرہ یاد آ رہا تھا بد نصیب وہ نہیں میں تھی جس نے زندگی بھر اسے دیکھا اور اپنا نہیں سمجھا۔ غیر سمجھ کر اس کے ساتھ

کا سلوک کرتی رہی۔ یہاں تک کہ میں نے اس کے منہ پر تھپڑ بھی مار دیا۔ وہ ماں تھی میری۔ آہ یہ

بھٹا اس آراء کی وجہ سے ہوا۔ کیسے ظالم لوگ ہیں یہ۔ اچانک ہی میں نے کہا۔

”فوزیہ گئی کہاں ہے آخر؟“ وہ ابھی تک کیوں نہیں آئی؟“ راجہ نے جھجکتی ہوئی نگاہیں مجھ پر ڈالیں اور

بابا کی طرف دیکھا۔ بخت بابا پیارے کس کے تاثرات کا بھلا کہاں جائزہ لے سکتے تھے۔ خود ہی

.....

”بیٹی..... وہ سامنے والی کوٹھیوں میں کام کرنے جاتی ہے، جھاڑو برتن وغیرہ کرتی ہے کپڑے دھوتی

”نہیں بابا انہیں رہنے دیجئے۔ انہیں رہنے دیجئے۔ اس کپڑے پر بیچے ہوئے سارے سکے میرے کے داغ بن گئے ہیں۔ انہیں رہنے دیجئے بخت بابا۔“ بخت بابا نے گردن جھکا کر پھر بولے۔

”بیٹا سمیٹ لو عجیب لگے گا۔ لوگ جانتے ہیں کہ میں یہاں بیٹھا ہوتا ہوں۔ اگر اس طرح یہ سب چھوڑ کر یہاں سے چل پڑا تو لوگ حیران ہوں گے اور میرے بارے میں نہ جانے کیا کیا سوچیں گے۔“

”ٹھیک ہے بابا۔“ بخت بابا نے وہ کپڑا سمیٹا۔ نے تے ہاتھوں سے سکے جھولی سے اٹھا کر اپنے گ

جیسے لباس میں ٹھونے۔ کپڑا مٹی میں دبایا اور اسے جھاڑ کر کندھے پر ڈال لیا۔ پھر میرا بازو پکڑ کر چل پڑ۔

”ہمیں یہاں سے سیدھا چلنا ہے۔ ڈھلان آئے گا۔ ڈھلان سے اترتے ہی ہمیں بائیں سمت

ہے۔“ میں نے بخت بابا کا ہاتھ پکڑا اور آہستہ آہستہ ڈھلان سے اتر کر بائیں سمت مڑ گئے۔ کافی فاصلہ

کرنے کے بعد بخت بابا نے کہا۔

”اب کچھ درخت ہوں گے بیٹا۔“

”ہاں ذرا سے فاصلے پر ہیں۔“

”بالکل بالکل درختوں کے پیچھے ہی جانا ہے۔ زیادہ فاصلہ نہیں طے کرنا پڑے گا۔ وہاں قبرستان ہے

”ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا اور بخت بابا کو ساتھ لے ہوئے اس طرف چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے

میں درختوں کے پیچھے پھیلے ہوئے قبرستان پر پہنچ گئی۔

”ادھر جمونپڑی نظر آ رہی ہوگی تمہیں۔“

”جی بخت بابا.....“

”بس وہیں چلنا ہے.....“

”آپ یہاں رہتے ہیں؟“

”ہاں فقیر محمد بہت ہی نیک آدمی ہے۔ بیوی بچوں والا ہے۔ خدا ترس ہے۔ قبریں کھودتا ہے۔

نے مجھے جمونپڑی بنا کر دے دی ہے۔ بیٹا اور ہمیں کہاں جگہ ملتی۔“

”بخت بابا آپ یہاں رہتے ہیں میری بہنیں اور میری ماں۔“ میں نے کہا اور میری سسکیاں

ہو گئیں۔ بخت بابا کچھ نہیں بولے تھے۔ بہر حال ہم یہ فاصلہ طے کر کے قبروں کے درمیان میں سے گزر

ہوئے جمونپڑی پر پہنچ گئے۔ چھوٹی سی جمونپڑی تھی۔ برابر کی جمونپڑی اس جمونپڑی سے بڑی تھی۔ سا

ایک چھوٹا سا احاطہ تھا جس میں کچھ مٹی کا چولہا اور کچھ برتن وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ اوپر گھاس پھوس

ایک سائبان ڈال دیا گیا تھا۔ بخت بابا نے آواز دی۔

”راجہ..... راجہ بیٹی۔“ اور اندر سے راجہ نکل آئی۔

بکھرے ہوئے چیکٹ بال میلے کپڑے پہنے۔ خشک چہرہ زندگی سے محروم آنکھیں۔ باہر نکلی بخت

دیکھا۔ مجھے دیکھا اور پھر ششدر رہ گئی۔ اس کا منہ کھلا اور وہ جمونپڑی کی دیوار سے ٹک گئی۔ میں

دونوں ہاتھ پھیلانے اور آگے بڑھی اور پھر میں نے راجہ کو اپنی ہاتھوں میں سمیٹ لیا۔ میرے مقابلے

ہے، میں بھیک مانگتا ہوں، راجہ گھر سمعالتی ہے، یہ ہم تینوں کی زندگی ہے۔“
میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تقدیر کتنا ہنساری ہے مجھے، کیسے غم دیئے ہیں مجھے میری تقدیر سے کہنے لگی۔

”بائی میں آپ کے لئے چائے بناؤں؟“

”رہنے دو راجہ ابھی کچھ مت کرو۔“

”بیٹی! ویسے تو بہت کچھ ہے کہنے سننے کے لئے، زندگی اسی کو کہتے ہیں، کہیں خوشی کہیں غم، اندھیرا اجالا، کالا سفید یہی زندگی ہے، راجہ چائے بنا لو بیٹا۔“

”راجہ تم ایک کام کرو۔“

”جی باجی بتائیں۔“

”فوزیہ جہاں بھی کہیں ہے اسے بلا لاؤ۔“

”وہ..... باجی۔“

”راجہ..... جاؤ فوزیہ کو بلا کر لاؤ۔ اس سے کہہ دو کہ جو کچھ بھی کر رہی ہے اسے چھوڑ کسی سے اجازت لئے ہوئے واپس آ جائے۔ جاؤ..... کتنی بار کہنا پڑے گا تم سے؟“

”جی باجی میں جاتی ہوں۔“ راجہ چلی گئی۔ میں غم کے آنسو بہا رہی تھی، کیا گزری ہے ان لوگوں میری بہنیں، میری ماں۔ میں نے بے اختیار بخت بابا سے پوچھا۔

”بابا صاحب! میرے باپ کا کوئی پتہ چلا؟“

”نہیں بیٹا۔“

”آپ مجھے بتائیں گے نہیں کیا ہوا تھا؟“

”اس وقت کی بات تھی بیٹا جب کوٹھی سے آنے کے بعد میں نے الگ رہائش اختیار کر لی تھی وہاں آگئی تھیں۔ تم تو سنی ہوئی تھیں کسی کام سے، پیچھے سے ایک جپ آکر رکی اور بہت سے مسک ہمارے گھر میں گھس آئے۔ فوزیہ، راجہ اور قدیر کو ان لوگوں نے پکڑ لیا۔ میں نے مزاحمت کی تو میرے

پر راکٹل کا دستہ مار کر مجھے بے ہوش کر دیا گیا لیکن وہ لوگ مجھے بھی اٹھا لئے تھے۔ پڑوسیوں کو انہوں دھمکی دی تھی فائرنگ کر کے کہ اگر کسی نے زبان کھولی تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ بیچارے

سیدھے سادے لوگ سسم گئے۔ بہر حال اس کے بعد جب ہماری آنکھ کھلی تو ہم ایک کھنڈر نما عمارت تھے۔ گندہ سا ایک کمرہ تھا اور بس۔ وہاں قدیر اور اس کی دونوں بیٹیاں موجود تھیں۔ دروازہ باہر نہ

تھا۔ بڑے سے کمرے میں بغیر پلاسٹر کی اینٹیں جھانک رہی تھیں۔ سارا کمرہ انتہائی گندہ تھا اور ہم نہ پڑے ہوئے تھے۔ بہر حال انتظار کرنے کے بعد کافی گھنٹے گزرے تھے کہ دو آدمی اندر داخل ہوئے اور

انے کھانے پینے کی چیزیں ہمارے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ ہم شرافت سے کھالیں، کسی نے کوئی گڑباز اسے اسی جگہ ختم کر دیا جائے گا۔ پانچ دن تک ہم وہاں اسی طرح قید رہے جو زندگی ہم نے ان پانچ دنوں

گزارش بیٹا اس کا تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ کمرے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا ضروریات زندگی میں اپنی

اپنی آنکھوں سے دھکنا پڑتی تھی بس، پھر اس کے بعد ہمیں وہاں سے نکال کر کسی اور عمارت میں پہنچایا گیا اور یہاں اس کتے عزت جلال نے ہم سے ملاقات کی، الماس آراء بیگم بھی ساتھ تھیں۔ ہمارے بارے

میں پوچھا جا رہا تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تمہیں ان ساری باتوں کے بارے میں کیسے پتہ چلا۔ مجھ پر تو خاص طور سے تشدد کیا گیا تھا۔ بہر حال کئی بار انہوں نے ہمیں اپنے پاس بلایا اور پوچھا۔ میں تنگ آ گیا تھا۔

ایک دن میں نے اس وقت جب عزت جلال اور الماس آراء ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور عزت جلال نے مجھ سے کہا تھا کہ کہ قدیر، راجہ اور فوزیہ کو وہ اپنے پاس رکھ رہے ہیں، اگر میں نے کوئی غداری کی تو ان

تینوں کو ختم کر دیا جائے گا۔ مجھ پر دیوانگی طاری ہو گئی، میں نے عزت جلال کو گالیاں سنائیں اور کہا کہ کیونے انسان آخر تو اتنا بڑا شیطان کیوں ہے۔ بس اس نے میری دونوں آنکھیں نکلوا دیں۔ بیٹا، اس نے کہا کہ میں

اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہوں، دونوں آنکھیں نکلوا دیں میری اور اس کے بعد مجھے مرنے کے لئے چھوڑ دیا لیکن میں کیسے مرجاتا۔ میری بچیوں کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ میں بے کس لاجپار ان کی قید میں

پڑا رہا۔ وہ بھی بیزار آگئے تھے ہم سے۔ کوئی خاص نگرانی نہیں ہوتی تھی ایک دن قدیر کو موقع ملا تو وہ میرا اور دونوں بچیوں کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل آئی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ بخت بابا جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہ شہر

چھوڑ دینا چاہئے۔ ہم اتفاقیہ طور پر نکل آئے ہیں بیٹا، ہم اس کے بعد ریل میں آ بیٹھے اور بغیر ٹکٹ ہی سفر کر رہے تھے۔ تقدیر ہمارے لئے فیصلے کر رہی تھی۔ جب ٹکٹ چیکر ٹکٹ چیک کرنے کے لئے آیا تو میں نے

اس سے درد بھرے لہجے میں کہا کہ ہم سفر نہیں کر سکتے، اس نے نجبر کھینچ کر ریل روکائی اور ہمیں یہاں اتار دیا۔ تقدیر نے ہمارے لئے بیس دانہ پانی لکھ دیا تھا۔ بے سارا ریلوے پلیٹ فارم پر بیٹھے تھے کہ کہیں سے

فقیر محمد آنکلا اسے ہم تینوں سے ہمدردی محسوس ہوئی تو وہ ہمیں یہاں لے آیا۔ قبرستان میں ایک ایسی جگہ ہوئی ہے جہاں انسان کو آخری پناہ مل جاتی ہے۔ میں نے بھی سوچا کہ چلو آخری پناہ کے لئے یہ جگہ کوئی

بڑی جگہ نہیں ہے۔ اس بیچارے نے یہاں جھونپڑی بنا دی ہمارے لئے، اللہ کا نیک بندہ ہے، بڑا خیال رکھتا ہے ہمارا، باقی زندگی گزارنے کے لئے ہمیں جو کچھ کرنا پڑ رہا ہے وہ تمہارے سامنے ہے، بس یہ ہے ہماری

زندگی بیٹا۔“

میں اپنے جذبات پر قابو پائے ہوئے تھی، صرف رونے پینے یا غم کرنے سے کام نہیں چلتا، ماں کی موت کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ ٹی بی اپنی آخری انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ آخر کار ماں اس دنیا سے چلی گئی

اور اپنی حسرتوں کو سمیٹ کر زمین کی آغوش میں جا سوئی۔ بخت بابا مجھے یہ ساری تفصیل بتا رہا تھا کہ اچانک ہی دروازے سے فوزیہ اور راجہ اندر داخل ہوئیں۔ فوزیہ نے ایک دلدوز چیخ ماری اور مجھ سے آکر لپٹ

گئی۔ میں نے اپنی دونوں بہنوں کو سینے میں بھینچ لیا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ ”نہیں فوزیہ بیٹے، نہیں راجہ..... میں ماں ہوں تمہاری..... میں ہوں ماں کی جگہ اب، بخت

بابا ہمارے باپ ہیں، میں تمہاری ماں ہوں فوزیہ، میں تمہاری ماں ہوں بیٹا، بالکل فکر مت کرو، اتنی اونچی دیوار کھڑی کر دوں گی تمہارے ارد گرد کہ کوئی ٹیڑھی نگاہ تم تک نہیں پہنچ سکے گی۔ نہیں بیٹا..... بالکل نہیں رونا ہے سمجھیں بالکل نہیں رونا ہے۔“ بمشکل تمام میں ان دونوں کو خاموش کرنے میں کامیاب ہوئی۔

دل کا سارا غبار نکل چکا تھا جو نقصانات ہوئے تھے ان کی واپسی تو ممکن ہی نہیں تھی۔ بس اپنے آپ سنبھالنے کے سوا اور کیا چارہ کار ہو سکتا تھا۔ رابعہ نے چائے بنائی۔ بہت ہی غرت اور بے کسی کا وقت تو فوزیہ نے کہا۔

”رابعہ ضد کر کے مجھے لے آئی ہے، باجی تھوڑی دیر کے لئے اگر اجازت ہو تو‘ بس آخری گھر“

”فوزیہ..... یہ جو اٹھاؤ اور میرے منہ پر مارو بیٹا..... مگر مجبوری تھی‘ میں تم سے بالکل لاپرواہ نہ ہوتی مگر کیا کروں تمہیں پانے میں ناکام رہی تھی‘ اب ایسی باتیں مت کرو کہ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے جائے۔ تم گھروں میں کام کرنے کے لئے نہیں پیدا ہوئی ہو بیٹا..... میں تمہیں وہ زندگی دوں گی‘ تمہاری ساری زندگی کی کوفت دور ہو جائے گی۔ میں تمہیں وہی زندگی دوں گی۔“

اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ٹھیک ہے انتقام کے جذبے اپنی جگہ‘ سینے میں سلگتی ہوئی آگ بھڑکائے رکھنا ایک ضروری عمل‘ لیکن بہنوں کا فرض ادا کرنا ضروری ہے‘ کہیں ماں کی طرح‘ یہ بھی اس سے رخصت نہ ہو جائیں۔ باپ کے بارے میں تو ابھی کچھ پتہ ہی نہیں تھا لیکن ماں کو کھوکھری دلی رنج تھا۔ میں نے اپنی بہنوں کو اپنے ماں ہونے کا یقین دلانا تھا۔ چنانچہ اس رات بہنوں سے تقریباً صبح پانچ بجے تک باتیں کرتی رہی۔ بخت بابا سو گئے تھے۔ میں ان سے مستقبل کے لئے بہت سے منصوبے بناتی رہی مگر اور درحقیقت میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں ان کی زندگی بھر کی کوفت دور کر دوں گی اور اس کے لئے مجھے بڑے زبردست انتظامات کرنے تھے۔

پھر دوسری صبح کھانے پینے کی اشیاء بازار سے لائی گئیں۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ہم شر چلیں گے۔ ایک بار پھر اسی دشمنوں کے شر جانا تھا جہاں چپے چپے پر ہمارے لئے موت کا سامان تھا‘ لیکن اب میرا نظر بالکل بدل چکا تھا اور میں ذرا مختلف انداز میں سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

ہم نے بس کے ذریعے ایک شہری آبادی تک کا سفر کیا۔ فوزیہ اور رابعہ تو بیچاری شکلوں سے ہی کلاس لڑکیاں معلوم ہونے لگی تھیں۔ مرجھائے ہوئے چہرے‘ وقت کی گرد سے اٹے ہوئے‘ میں نے بھی اذیت خراب ہی بنایا ہوا تھا۔ شہری آبادی میں پہنچنے کے بعد ہم نے تھوڑا سا حلیہ بدل لیا اور کسی قدر مناسب کپڑے پہن کر وہاں سے بھی آگے کا سفر شروع کیا۔ اب میک اپ کا سامان تو تھا نہیں میرے پاس کہ میرے سب کے چہرے بدل دیتی اور پھر یہ مسخرہ پن میں کرنا بھی نہیں چاہتی تھی ان کے ساتھ۔ میں چاہتی تو انہیں وہیں چھوڑ کر شر آسکتی تھی اور سارے انتظامات کرنے کے بعد انہیں لاسکتی تھی لیکن اب ایک لمحے کے لئے بھی انہیں چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔

چنانچہ شر میں داخل ہو گئی۔ یہ شر میرا اپنا تھا اور میں جانتی تھی کہ عارضی طور پر ہم کہاں محفوظ رہ سکتے ہیں‘ ایک بہت ہی چھوٹا سا ہوٹل میں نے منتخب کیا اور اس میں ایک بڑا کمرہ حاصل کر کے بخت بابا‘ فوزیہ اور رابعہ کو اس میں منتقل کر دیا۔ پھر اس کے بعد سب سے پہلے میں نے باہر نکل کر میک اپ کا سامان خریدا۔ واپس آئی اور چہرے میں تبدیلی پیدا کی۔ میری دونوں بہنیں میرے باہمت ہونے کا بار بار اعتراف

”تھیں اور کہتی تھیں کہ باجی تم ہماری بہن لگتی ہی نہیں ہو۔ پتہ نہیں ماں نے تمہیں اور ہمیں اس قدر کیوں پیدا کیا۔ تم کہاں اور ہم کہاں۔“

”دیکھو! اپنے آپ کو ایک لمحے کے لئے مجھ سے جدا نہ سمجھو‘ مجھے شدید دکھ ہوگا اگر تم نے ایسے دوبارہ استعمال کئے۔“

میک اپ کرنے کے بعد میں باہر نکلی اور اس کے بعد میں نے سب سے پہلے اپنی جمع شدہ رقوم میں ایک بڑی رقم حاصل کی اور اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ نادیہ سے بھی ابھی نہیں ملنا چاہتی تھی۔ بنیادی یہ تھی کہ اگر کوئی اور اطلاع وہاں سے مل گئی تو جو مشاغل میں نے اپنے طور پر سوچے ہوئے ہیں ان تبدیلی رونما ہو جائے گی اس لئے میں صرف اپنی بہنوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی تھی۔ حلیہ تبدیل کرنے کے بعد میں کچھ پراپرٹی ڈیلرز سے ملی‘ مجھے ایک مکان کی ضرورت تھی اور ایک بہت ہی اچھے علاقے ایک بہت ہی خوبصورت مکان میں نے خریدا اور اس کی نقد ادائیگی کر دی۔ یہ سارے کام وقت طلب اور میں انہیں وقت دے رہی تھی اور میں نے اس کے لئے ایک اور ہوٹل کا کمرہ حاصل کر لیا تھا تاکہ میں کوئی مشکوک کیفیت ہو تو اس کا اثر میری بہنوں اور بخت بابا پر نہ پڑے‘ لیکن اب اتنے بھی دنیا کو بے دالے لوگ نہیں تھے کہ میری چالاکیوں کا پیچھا کر سکتے۔ عظمت جلال نے خاص طور سے میری جو بات کی تھی اس نے مجھے یہ بتا دیا تھا کہ دنیا میں کس طرح گزارا کیا جاسکتا ہے۔

خوبصورت مکان جب پوری طرح آرامت ہو گیا تو میں نے کچھ ملازموں کا بندوبست کیا‘ اس کام میں اگلی بائیس دن لگ گئے‘ اس دوران میری بہنیں اور بخت بابا بڑے آرام سے اس ہوٹل میں رہ رہے۔ میں نے ان کے لئے بے شمار چیزیں میا کر دی تھیں ایسی جو ہوٹل تک پہنچانی جاسکتیں‘ باقی میں نے ان کو کپڑے سجادیے تھے۔ ریڈی میڈ ملبوسات‘ دنیا کی ہر آسائش‘ کارڈرائیور‘ ہر وہ چیز میں نے انہیں میا کر دی جو پُر آسائش زندگی کے لئے ضروری ہوتی ہے اور آخر کار میں ان کے سامنے پہنچ گئی۔

چند ہی روز میں دونوں بہنوں کے چہرے کے نقوش بدل گئے تھے‘ جس بے کسی اور کسپری میں وہ ماضی گزار رہی تھیں انہیں سوچ کر ہی دل پر ہول طاری ہوتا تھا۔ میری بہنیں قبرستان میں رہ رہی تھیں‘ ایک گورکن کے ساتھ‘ ماں اس قبرستان میں دم توڑ چکی تھی۔ گھروں میں کام کر کے زندگی گزار رہی وہ بخت بابا بھکاری بنے ہوئے بھیک مانگتے تھے۔ اس طرح گھر کا کاروبار چل رہا تھا جبکہ میرے پاس نہ کے انبار تھے جس طرح چاہتی اسے نکالتی اور استعمال کر سکتی تھی۔

ماں انتظار کرتے کرتے مر گئی۔ سوچتی تو کبھی خون ہو جاتا تھا‘ لیکن اپنی ان تمام سوچوں کو میں نے اپنی آگ میں ڈھال لیا تھا۔ بہر حال فوزیہ اور رابعہ اور بخت بابا بیچارے اس درمیانے درجے کے ہوٹل میں ہوئی زندگی گزار رہے تھے۔ میں نے کہا۔

”چلو لباس تبدیل کرلو‘ اپنا سامان سمیٹو‘ ہم یہ ہوٹل چھوڑ رہے ہیں۔“

”کیوں باجی‘ خیریت تو ہے نا؟“ فوزیہ نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”بالکل خیریت ہے بیٹا‘ اب میں موجود ہوں۔ تمہیں ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ وہ وقت

کہ کسی کی صورت جس سے میری کوئی شناسائی نہیں تھی اور جیسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا ایک ایسی امید کے ساتھ میرے ذہن میں روشن تھی اور اس کے لئے میرے دل میں ایک ہلکی سی ہوک مار رہی تھی لیکن کسی ایک عمل کے لئے اپنے آپ کو بے ترتیب کر دینا اب مجھے گوارہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے ساتھ تقریباً ڈیڑھ مہینے تک گھر میں مسلسل رہی۔ گھونٹے پھرنے کے پروگرام بھی ہوتے تھے۔ میں نے کئی چہرے دیکھے تھے میری بہنوں کے چہرے کسی کی نگاہوں میں نہیں ہوں گے لیکن اپنے لئے میں نے کئی چہرے کر رکھے تھے اور اب یہ سب میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ بہنوں کی جو کنڈیشن تھی اسے دیکھ کر کوئی بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ وہ مظلوم لڑکیاں ہوں گی جن پر دشمنوں نے ظلم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے۔ ہم گھونٹے پھرنے بھی جاتے تھے۔ ہوٹل، کلب، سینما، دوسری سیرگاہیں، پبلک، بخت بابا کو بھی ہم ساتھ لے جاتے تھے اور بخت بابا ایک شاندار کوٹ اور سوٹ میں ملبوس ایک ایسے بزرگ نظر آتے تھے جنہیں ہر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ کسی گھر کے ملازم ہوں گے وہ اپنے آپ پر ہنستے تھے اور کبھی کبھی رو پڑتے تھے۔ کہتے تھے۔

”ہاش میں اپنی اس بندر جیسی شکل کو خود بھی دیکھ سکتا۔ یہ جو تم لوگ مجھے کپڑے پہنا دیتی ہو نا پس اپناؤں۔ انہیں پن کر مجھے کتنی شرم آتی ہے۔“

”یہ ضروری ہے بخت بابا ہمارے دشمن کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ جیسا سوئڈ بوئڈ آدمی بخت بابا سکتا ہے۔ وہ جسے انہوں نے زندگی کے آخری موڑ تک پہنچا دیا تھا۔“

بخت بابا کی آنکھوں پر ہلکے رنگ کا چشمہ لگا رہتا تھا لیکن یہ چشمہ اتنا ضرور تھا کہ ان کی بے نور نگاہیں نظر نہیں آتی تھیں۔ عام طور سے میں ایک الگ گاڑی میں ہوا کرتی تھی اور وہ دونوں اور بخت بابا لگاڑی میں۔ ایسا میں احتیاط کرتی تھی تاکہ قرب و جوار پر نگاہ رکھ سکوں۔ بعد میں جب ہمیں یہ اطمینان ملا کہ ہم پر کوئی نگاہ رکھنے والا نہیں تھا۔ تو ہم یکجا ہو جاتے تھے۔ ایسا اکثر پکنکوں میں ہوا کرتا تھا۔

اس دن بھی ہم ساحل سمندر میں پہنچے تھے۔ آسمان ابر آلود تھا اور موسم بے حد خوبصورت ہم ابرے اطمینان کے ساتھ ساحل کے ایک بالکل ویران گوشے میں پہنچ گئے۔ یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ کسی کی جہاں ہمارا جانب نہیں ہے۔ یہاں ہم لوگوں نے دریاں وغیرہ بجھائیں اور اپنی رنگ رلیوں میں مست ہو گئے۔ پہاڑی میں نہاتے ہوئے اچانک ہی میری نظر ایک جانب اٹھ گئی۔ فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا لیکن وہ بہت قریب بھی نہیں تھی۔ ایک لمحے میں میں نے اسے پہچان لیا۔ نادیدہ تھی۔ پتھر کی ایک چٹان پر اداس سی بیٹھی وہی سمندر دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال فضاؤں میں اڑ رہے تھے۔ جب مجھے اس بات کا پورا پورا یقین ہو گیا کہ وہ نادیدہ ہی ہے تو میں تیزی سے اس کی جانب چل پڑی۔ دونوں ہمیں کنارے پر چلیں کر رہی تھیں۔ رفت بابا در پی پر نیم دراز تھے۔ کھانے پینے کی لاتعداد اشیاء ہمارے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ ہمارے دونوں رانیور ہم سے کافی فاصلے پر گاڑیوں کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے اور آپس میں تاش کھیل رہے تھے۔ میں تیز قدموں سے چلتی ہوئی عقب سے نادیدہ کے قریب پہنچ گئی۔ وہ کچھ اس طرح گم صم بیٹھی تھی کہ اسے میرے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دی۔ میرے ران میں ایک دم شرارت سی ابھری۔ یہ تو میں دیکھ چکی تھی کہ نادیدہ

گزر گیا جب ہمارے دشمنوں نے ہم پر قابو پایا تھا۔“

”بیٹا پھر بھی احتیاط اچھی چیز ہوتی ہے۔“ بخت بابا نے کہا۔

”ہاں بخت بابا آپ کی ہدایت کے مطابق میں مسلسل احتیاط برت رہی ہوں۔“ نیچے ہماری چوڑائیور کے ساتھ موجود تھی۔ میں دونوں بہنوں کو ساتھ لے ہوئے کوٹھی میں آگئی۔ اس شاندار اور عمارت کوٹھی میں داخل ہوتے ہوئے راجہ نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”یہ کس کا گھر ہے؟“

”تمہارا۔“ میں نے جواب دیا لیکن میرا یہ جواب ان دونوں کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔

”یہاں شاید مولسری کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ خوشبو آ رہی ہے۔“

”جی بابا آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ میں نے جواب دیا اور انہیں لئے ہوئے اندر آگئی۔ دونوں ہمیں پچھی پچھی آنکھوں سے پورا گھرو دیکھ رہی تھیں۔ اس بار فوزیہ نے کہا۔

”بابی یہاں تو کوئی نظر نہیں آ رہا۔ آپ کا کوئی جاننے والا رہتا ہے یہاں؟“

”میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہی بیٹا۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ جو میں نے تمہارے لئے خریدا۔ تمہارے لئے تیار کر دیا ہے اسے۔ اب تک تم جو زندگی گزارتی رہی ہو وہ تمہاری زندگی نہیں تھی۔ وہ مصنوعی زندگی تھی۔ اب زندگی کا آغاز ہوا ہے۔ کاش ماں بھی ہمارے درمیان ہوتی لیکن اب تو صرف کی یادیں رہ جاتی ہیں اور کچھ نہیں۔“

”بابی یہ..... یہ ہمارا گھر ہے ہم یہیں رہیں گے؟“ راجہ نے بڑی معصومیت سے کہا۔

”ہاں بیٹا ہم یہیں رہیں گے۔“ بخت بابا کو بھی ان دونوں نے اس گھر کے بارے میں قہقہے بنائیں۔ بخت بابا گردن جھکا کر خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔

”اب تو کج بخت جو کیداری بھی نہیں کر سکتا لیکن میرے کان بہت تیز ہیں۔ ہلکی سے ہلکی آہٹ سکتا ہوں۔ چنانچہ تم لوگ مجھے۔“

”بخت بابا آپ ہمارے باپ ہیں۔ باپ تو ویسے ہی اپنی بیٹیوں کا چوکیدار ہوتا ہے۔ بس اتنی چوکیداری کریں آپ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے“ میں نے کہا اور بخت بابا کی بے نور آنکھیں ہلکی گئیں۔

بہر حال راجہ اور فوزیہ کی وحشتوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ پوری کوٹھی میں پھلانگیں مارتی پھر رہی تھیں۔ ایک ایک چیز دیکھ رہی تھیں اور ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں۔ قبرستان کی وہ چھوٹی سی جھونپڑ جہاں صرف مردوں سے شناسائی تھی اور اب یہ جگہ جہاں ملازمتیں ان کی دیکھ بھال کے لئے موجود تھیں۔ میں نے ان کے جسموں کے ساز کے لباس الماریوں میں بھرا دیئے تھے۔ اس کے علاوہ آرائش کی دوسری تمام چیزیں۔ ایک ایک کے بارے میں وہ یہ پوچھ رہی تھیں کہ یہ واقعی ان کی ہی ہیں اور میں انہیں دلاسنے کی کوششوں میں تھی۔ غرض یہ کہ یہ دن بڑے پر لطف گزرنے لگے۔ میں نے بھی فیصلہ کر لیا تھا اپنی بہنوں کے ساتھ ایک طویل وقت گزار دوں گی۔ جدوجہد اور تلاش کا وہ سلسلہ کچھ وقت کے لئے ہو گیا تھا اب تو صرف انتقام تھا۔ یہ پھر ایک اور مدہم سا تصور۔ کاش باپ کے بارے میں ہی کچھ معلوم

کے آس پاس کوئی موجود نہیں ہے۔ اس کی گاڑی بھی میں نے دیکھ لی تھی جس کا ڈرائیور ساتھ نہیں گیا وہ خود ہی ڈرائیور کرتی ہوئی یہاں تک آئی ہے اس لئے اب کوئی چھ نہیں تھی۔ ایک چٹان کی اوڑھ چھپ کر میں نے آواز لگائی۔

”نادیہ۔“ اور توقع کے مطابق میں نے نادیہ کو چوکتے ہوئے دیکھا۔ وہ ادھر ادھر نگاہیں پھاڑتھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور پھر ایک اونچی چٹان کی جانب بڑھ گئی۔ مجھے خدشہ ہوا کہ اس سے وہ مجھے دیکھ لے گی لیکن آس پاس کوئی اور ایسی جگہ بھی نہیں تھی جہاں میں چھپ سکتی۔ نادیہ اس چٹان پر پہنچی اور پھر وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا اس نے مجھے دیکھ لیا اور اس کے بعد جس طرح وہ اختیار ہو کر چٹانوں پر دوڑی مجھے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں گر نہ پڑے۔ میں نے زور سے چیخ کر کہا۔

”وہیں رک میں آرہی ہوں۔“ نادیہ رک گئی لیکن میں نے اس کے اندر ایک ہیجانی کیفیت دیکھ لی تھی۔ میں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے اتنی ہی محبت کرنے لگی ہے کہ اب اس کی کیفیت یہی ہو سکتی ہے۔ اس کے قریب پہنچی تو وہ بے اختیار میری جانب بڑھی اور میں نے اس کی پذیرائی کی۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے تھے۔ نادیہ کے اندر شدید جذباتی ہیجان نظر آ رہا تھا۔ میں نے کچھ لمحے کے بعد سنبھالے ہوئے کہا۔

”اور میں تم سے ایک ہزار بار کہہ چکی ہوں بابا صاحب کہ میری جانب سے فکر مند مت ہوا کرو۔ میرے دشمن انشاء اللہ میرے سلسلے میں ہمیشہ ناکام ہی رہیں گے۔ تمہیں اس بات پر یقین رکھنا چاہئے۔“

”مجھے یقین ہے۔“ اس نے مجھے چومتے ہوئے کہا پھر ایک دم چونک کر بولی۔

”ارے میں نے تمہیں ابھی ادھر دیکھا تھا۔ وہ وہاں جو لڑکیاں نما رہی ہیں۔ میرا مطلب ہے۔ وہ پانی کے اندر تم وہیں تھیں نا؟“

”دیکھا تھا تو پھر آئیں کیوں نہیں؟“

”سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ تم ہوگی۔ وہ کون ہیں؟“

”آؤ بیٹھیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔“ میں نے کہا اور نادیہ کا ہاتھ پکڑ کر وہیں جا بیٹھی جہاں تھوڑی دیر قبل بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے کہا۔

”مگر تم یہاں کیا کر رہی تھیں بابا صاحب؟“

”بس ایسے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اب تو یہ کہوں گی کہ تمہیں تلاش کرتی ہوئی یہاں آگئی تھی۔ یار کمال کی بات ہے فلموں میں ہم بہت سے عجیب و غریب مناظر دیکھتے ہیں۔ ہیرو ہیروئن کو تلاش کرنا ہوا اسی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ جہاں ہیروئن کا قصور بھی نہیں ہو سکتا لیکن ہیروئن اسے وہاں مل جاتی ہے پہلے میں ان فلموں کا مذاق اڑایا کرتی تھی لیکن اب میں کہتی ہوں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ اگر نہیں ہو سکتا تو تم اس وقت مجھے یہاں کیسے مل جاتیں۔“

”تو کیا تم مجھے تلاش کرتی ہوں یہاں تک آئی تھیں؟“ میں نے سوال کیا۔

”نہیں۔ میں یہ تو امید نہیں رکھتی تھی کہ تم مجھے یہاں مل جاؤ گی لیکن تمہاری یاد، تمہاری آس ہمیشہ

میں رہی۔ ان لڑکیوں کے ساتھ تم نما رہی تھیں نا؟“

”ہاں۔“ میں نے جواب دیا۔

”کون ہیں وہ؟“

”فوزیہ اور رابعہ۔“ میں نے جواب دیا۔

”کیا؟“ نادیہ اچھل پڑی۔

”یہ نام تمہیں یاد ہیں؟“

”کیوں نہیں یاد ہوں گے۔ جب تم یاد ہو تو یہ نام بھی یاد ہوں گے۔ مگر واقعی، کیا واقعی وہ مل گئیں؟“

یہ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔

”ہاں نادیہ وہ مل گئیں۔“

”اور ماں؟“ نادیہ نے ایک دم سوال کیا۔

”ماں اپنے علاج کا انتظار کر کے اس دنیا سے چلی گئی۔ نادیہ مجھے ایک لاکھ روپے چاہئے تھے اور میں مارے ہاں ان ایک لاکھ روپوں کے لئے چوری کرنے لگی تھی۔ لیکن..... لیکن میرے پیچھے وہ سب کچھ لیا۔ ماں انتظار کرتی رہی کہ میں انہیں سینی ٹوریم میں داخل کرا دوں لیکن میں وہاں نہیں پہنچ سکی اور وہ ماں کو لے گئے اور پھر ماں بے کسی سے انتظار کرتی اس دنیا سے چلی گئی۔“ نادیہ کی آنکھیں نم ہو گئی ہیں۔ بہت دیر تک وہ خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔

”اور وہ شاید بخت بابا ہیں؟“

”ہاں“ وہ بخت بابا ہیں۔“

”تمہیں یہ لوگ کہاں سے ملے؟“ نادیہ نے سوال کیا اور میں ٹھہرے ہوئے لمبے میں نادیہ کو اس طے کی پوری تفصیل بتاتی رہی۔ نادیہ پتھرے ہوئے انداز میں یہ سب کچھ سنتی رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

”ہاں، حاکم شیرازی یہاں آچکا ہے۔“

”کیا؟“ اب میرے حیران ہونے کی باری تھی۔

”ہاں، تمہیں کافی عرصہ ہو گیا وہاں سے نکلے ہوئے۔ حاکم شیرازی کو تم نے اپنے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی۔“

”تم نے کیا کہا ہے، وہ یہاں آگیا ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں۔ بے چین ہو کر یہاں آگیا ہے۔“

”اور اس کی ماں بہنیں؟“

”انہیں وہ خیر گڑھی میں ہی چھوڑ آیا ہے۔“

”اوہ، کیا اس نے غلطی نہیں کی ہے؟“

”بس کیا کہا جائے۔ وہ بھی بے چارہ وقت کا مارا ہوا ہے۔“

”کیوں خیریت، کچھ اور واقعہ پیش آگیا اس کے ساتھ؟“

”نادیہ مجھے معاف کرنا تم لوگ میری ذہنی کیفیت سے اس طرح واقف نہیں ہو سکتے جس طرح میری بات ہے۔ کیا تم اس بات پر یقین کرو گی کہ ماں کو میں ہر روز خواب میں دیکھتی ہوں۔ باتیں کرتی رہے کہ ماں اس وقت تک بے سکون رہوں گی جب تک کہ اپنے دشمنوں کو ختم نہ کر دوں۔ اصل یہی کہی انسان ایسے جذباتی رشتوں میں منسلک ہو جاتا ہے کہ اپنی سوچوں کو احمقانہ سمجھتے ہوئے وہ انکشاف کرتا ہے اور انہیں ہی مناسب سمجھتا ہے۔ میری بھی اس وقت یہی کیفیت ہے۔“

نادیہ کو میرے جنون کا احساس تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”حاکم شیرازی سے ملنا بھی کرو گی؟ میرا مطلب ہے کچھ دیر کے لئے بھی۔“

”نہیں نادیدہ۔ بالکل نہیں۔“

”کیوں؟“

”انسان ہوں۔ بھٹک بھی سکتی ہوں۔ کوئی ایسی بات بھی ہو سکتی ہے جو میرے قدم کزور کر دے۔ ہوں نا اور جذبات سے عاری بھی نہیں ہوں۔“

”مجھے احساس ہے۔“ نادیدہ نے کہا۔

”ان وحشیوں نے بخت بابا کی دونوں آنکھیں نکال لیں۔ ان کی وجہ سے میری ماں مر گئی۔ میرا باپ بخت بابا بھیک مانگ کر گزارا کر رہے تھے۔ فوڑیہ گھروں میں برتن مانجھ رہی تھی۔ یہ حال کیا انہوں نے خاندان کا اور میں انہیں معاف کر دوں! کیا یہ ممکن ہے؟“

”بالکل نہیں۔“ نادیدہ نے کہا۔

”میں تم سے یہ کہنے میں عار نہیں محسوس کرتی نادیدہ کہ حاکم شیرازی میرا محبوب ہے۔ اس نے میرے رکھا ہے۔ میرے لئے مشکلیں اٹھائی ہیں۔ میں اس کے لئے دل میں بہت سے جذبات رکھتی ہوں۔ اس کی قربت حاصل ہو گئی تو بہت کچھ بھول جاؤں گی اور میں بھولنا نہیں چاہتی۔“

”اچھا ایک بات بتاؤ۔“

”ہوں۔ بولو۔“

”وہ تمہاری وجہ سے خیر گزشتہ چھوڑ کر آیا ہے۔“

”ہاں۔ تم بتا چکی ہو۔“

”اور تمہارے لئے سرگرداں ہے۔“

”ہوں۔“

”کیا میں اسے اس ملاقات کے بارے میں بتا دوں؟“ نادیدہ نے سوال کیا اور میں سوچ میں ڈوب گئی نے کہا۔

”اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

”پھر ایک کام کرو۔ اس کے فون پر بات کر لو۔“

”کسے؟“

”ہاں۔“ نادیدہ نے کہا اور میرا دل دھک سے ہو گیا۔ میں نادیدہ کی صورت دیکھتی رہی۔ نادیدہ کا چہرہ کافی سنجیدہ ہو گیا تھا جب وہ دیر تک کچھ نہ بولی تو میں نے اس سے کہا۔

”بتاؤ گی نہیں مجھے کیا ہوا اسے۔ کیا وہ اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ یہاں آ گیا ہے؟“

”نہیں۔ تمنا ہے۔ ماں بہنیں وہیں خیر گزشتہ میں ہیں۔“

”مگر ہوا کیا ہے اس کے ساتھ؟“

”بے چارے کو عشق ہو گیا ہے۔“

”کیا؟“ میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بھنوس سکڑیں تو نادیدہ بے اختیار ہنس پڑی۔

”ہاں۔ وہ عشق گزیدہ ہے۔“

”یار کیا کہہ رہی ہے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

”جب تم اتنے عرصے تک اس سے نہ ملیں اور نہ ہی تم نے اپنے بارے میں اسے کوئی خبر دی تو وہ بے چین ہو گیا کہ کہیں تمہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ بس بھاگ نکلا وہاں سے ان لوگوں کو چھوڑ کر تمہاری تلاش میں۔ سب سے پہلے مجھے تلاش کر کے مجھ سے ملا۔“

”کیا یہ حماقت نہیں ہے؟“

”نہیں حماقت نہیں محبت ہے یہ۔“

”نادیدہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ ان حالات میں اسے یہاں آنا چاہئے تھا۔“

”اصل میں اس کا کہنا ہے کہ پچھلی بار تو وہ نادانستگی میں پھنس گیا اب اتنا چاہا بھی نہیں ہے کہ عظمت جلال یا عزت جلال اسے اتنی آسانی سے ٹرپ کر لیں۔ پہلے اسے اس بات کی کوئی امید نہیں تھی اور نہ ہی کوئی تجربہ تھا اور نہ ہی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ لوگ اس کی جانب اس قدر توجہ دیں گے۔ وہ کہتا ہے کہ اب یہ سب کچھ مشکل کام ہے۔ سب سے زیادہ پریشان وہ تمہارے لئے ہے۔“

”اس سے رابطے کا کوئی ذریعہ ہے؟“

”ہاں! ایک ٹیلی فون نمبر ہے میرے پاس۔“

”وہ کہاں رہ رہا ہے؟“

”کسی خفیہ جگہ۔ کہتا ہے جگہیں تبدیل کرتا رہے گا لیکن اس نمبر پر اگر وہ نہ ملے تو اسے میسج دے دیا جائے آخر کار اسے پتا چل جائے گا۔“

”ہوں تو اب پھر تم کیا کرو گی؟“

”پہلی فرصت میں اسے تم سے ملاؤں گی۔“ نادیدہ نے جواب دیا پھر جلدی سے بولی۔ ”یار تم سمجھتی نہیں کتنا پریشان ہے وہ تمہارے لئے۔“

”دیکھو ایسا ہوا تھا نادیدہ کہ میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ میری زندگی کا مشن دوسرا ہے۔ اگر اس مشن میں کامیابی حاصل ہو گئی تو میں دوبارہ اس سے ملوں گی۔ ورنہ وہ میرا تصور بھی دل سے نکال دے۔“

”واہ۔ باقاعدہ ایک فلمی پیشکش بن گئی ہے۔“

”کوئی وقت مقرر کر لو۔ میں تمہیں ایک فون نمبر دیے دیتی ہوں۔ تم مجھے وقت بتا دو۔“
 تمہیں وہاں مل جائیں گے۔ تم فون کر لیتا۔“
 ”اوکے۔ فون نمبر دو۔“ میں نے کہا۔ نادیا نے مجھے ایک فون نمبر دے دیا۔ میں نے فون نمبر لیا تھا۔ نادیا کچھ سوچتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔
 ”اور یار ان چن کے بارے میں کیا حکم ہے؟“ اس کے ان الفاظ پر میں حیرانی سے اسے دیکھ کر پھر میں نے کہا۔

”یار ان چن کون؟“

”عظمت جلال۔ عزت جلال۔ الماس آراء بیگم۔“

”یہ قابل نفرت ہستیاں۔ ان کے بارے میں تمہیں بتا چکی ہوں۔“

”میں نے ایک تجویز پیش کی تھی تمہیں؟“

”مجھے یاد نہیں ہے۔“

”ہاں میں بتاتی ہوں۔ وہ لوگ یوں تو نہیں مل جائیں گے یا پھر یوں کرو، مجھے ان سے نہیں ملا تم مجھے ان سے ملاؤ پھر کسی وقت مجھ سے دوبارہ ملاقات کرو اور اس وقت ہم بیٹھ کر باتیں کریں گے۔“
 ”ہیشہ اس بات سے خوفزدہ رہی ہوں کہ کہیں میرے اور تمہارے تعلقات ان کے علم میں جائیں اور تم مشکل میں نہ پڑ جاؤ۔“ میرے ان الفاظ پر ماریہ مسکرا دی پھر بولی۔
 ”قتل کر دیں گے نا مجھے، یا اس سے زیادہ بھی کچھ کریں گے؟“

”خدا تمہیں سینکڑوں برس کی زندگی دے۔“

”ہاں وہ زندگی جس میں تمہاری کے سوا کچھ نہیں۔“ نادیا نے ایک سسکی لی۔

”میں ہوں نا۔“

”جو کہوں گی، برا تو نہیں مانو گی۔“ نادیا بولی۔

”نہیں مانوں گی۔“

”کون ہوں میں تمہاری۔ کوئی بھی تو نہیں ہوں۔“

”کیوں؟“ میں نے چونک کر کہا۔

”تین مہینے سے یہاں ہو۔ مجھ سے ملنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ آج بھی اتفاق سے مل گئی ہو۔ تم نہ ملتیں۔ کتنے ہی خطرے ہوں، تمہیں ملنا تو چاہئے تھا۔ میں تو کبھی تم سے دور نہیں ہوئی۔“
 میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ”نہیں نادیا۔ میں تو خود سے بھی شرمندہ ہوں۔ کیا کروں؟ اتنے دسوا نہیں ہیں کہ اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کر دوں۔ تمہیں اپنی سگی بہنوں کی طرح چاہتی ہوں۔ اگر دل گوا دے تو یقین کر لو ورنہ میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔“
 ”میں بھی تمہارے سوا کسی کو اپنا نہیں سمجھتی۔“

”کاش وقت مجھے موقع دے کہ میں اپنے دل میں تمہارا مقام تمہیں دکھا سکوں۔“

”چلو معاف کر دو۔ آؤ مجھے ان سے ملاؤ۔“ نادیا نے کہا اور ہم دونوں وہاں سے چل پڑے۔ پھر میں اونیٹر کے پاس پہنچ گئی۔

”بخت بابا میری دوست نادیا سے ملیں۔ یوں سمجھ لیں اس کائنات میں میری واحد دوست ہیں جو لئے ہمیشہ ڈھال بنی رہی ہیں۔ فوزیہ، رابعہ۔ تمہاری چوتھی بہن۔ یاد رکھنا کبھی میں نہ رہوں تو قدرت میں تمہا نہیں چھوڑا۔ نادیا ہیں۔“

نادیا نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر کافی دیر تک ہم ایک ساتھ رہے تھے اور وقت بے حد بیت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کئی وعدے ہوئے اور پھر نادیا وہاں سے چل گئی۔ اس کے جانے کے کافی ہم نے واپسی کی تیاریاں کی تھیں اور پھر گھر واپس پہنچ گئے تھے۔

رات کو بستر پر لیٹی تو نادیا ذہن میں گھس آئی۔ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا اور وہ اعلیٰ ظرفی سے ی تھی لیکن پھر اس کا ضبط ساتھ چھوڑ گیا اور وہ شکایت کر بیٹھی۔ اب غور کیا تو احساس ہوا کہ اس کی بالکل بجا ہے۔ یہ لوگ میرے لئے اپنا سب کچھ کھو بیٹھے تھے۔ سلطان شاہ، حاکم شیرازی، نادیا۔ نادیا رابست ساتھ دیا تھا۔ حاکم شیرازی بھی بے چارہ سب کچھ ختم کر بیٹھا تھا۔ اس نے اپنا کیریئر تباہ کر لیا تھا لئے۔

دل اس طرح بے چین ہوا کہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ واقعی نادیا کے ساتھ میں نے نا انصافی کی تھی۔ ازالہ ہونا چاہئے۔ جذباتی اقدامات کی عادی تھی۔ حالانکہ رات کافی ہو گئی تھی لیکن سب کچھ نظر انداز لے اٹھ گئی۔ لباس تبدیل کیا، تھوڑا سا حلیہ تبدیل کیا اور باہر نکل آئی۔ نگاہ بخت بابا پر پڑی جو مصلیٰ بیٹھے کچھ پڑھ رہے تھے۔ میری آہٹ سن کر وہ چونک گئے اور بولے۔

”کون؟“

”میں ان کے قریب پہنچ گئی اور میں نے کہا۔“ میں ہوں بخت بابا۔“

”شاہ نور؟“

”جی۔“

”کیا بات ہے؟ نیند نہیں آ رہی؟“

”ہاں۔“

”آؤ میں تم پر کچھ پڑھ کر دم کر دوں۔ اللہ کا نام لے کر سو جاؤ۔“ میں نے ان کے قریب بیٹھ کر کہا۔ ”آپ مجھ پر دم کر دیں۔“ بخت بابا چند لمحے پڑھتے رہے پھر انہوں نے مجھ پر پھونکیں ماریں اور

”جاؤ۔ سو جاؤ۔“

”میں جا رہی ہوں بخت بابا۔“

”ایں۔ کہاں؟“

”کچھ کام ہے۔“

”اس وقت؟“

”جی۔“ میں نے کہا اور بخت بابا خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اللہ کی پناہ میں۔ اللہ کے تحفظ میں۔ واپسی کس وقت ہوگی؟“

”آجائو گی بخت بابا۔ آپ آرام کریں۔“ میں نے کہا اور پھر باہر نکل آئی۔ اپنی کار نہیں لی تھی کچھ فاصلے پر دوسرے شہروں کو جانے والی بسوں کا اڈہ تھا۔ وہاں ٹیکسی اسٹینڈ بھی تھا اور چونکہ رات کے مسافروں کی آمدورفت ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے ٹیکسیاں بھی مل جاتی تھیں۔ ایک ٹیکسی سے میں نادیا کو بھی پر پہنچ گئی اور جب ٹیکسی کی سرخ روشنیاں معدوم ہو گئیں تو پیدل فاصلے طے کر کے نادیا کی کوٹھی کے اس پچھلے حصے پر پہنچ گئی جو نادیا کی کوٹھی میں داخل ہونے کا قدرتی خفیہ دروازہ تھا۔ یہ دروازہ درجنوں بار استعمال کر چکی تھی۔ بہت عرصے قبل میں نے نادیا کے کتے کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس کے بعد، نادیا نے آ نہیں پالا تھا۔ یہ بچت تھی ورنہ اس خفیہ دروازے سے داخل ہونا بے حد مشکل کام تھا۔

بہر حال اندر داخل ہو گئی اور پھر مختلف راستے طے کرتی ہوئی آخر کار نادیا کی خواب گاہ پر پہنچ گئی۔ جہانک کر دیکھا۔ نادیا سو رہی تھی۔ نائٹ بلب جل رہا تھا۔ مسمری پر سوتی ہوئی نادیا بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ کمرے کا دواڑہ اندر سے بند نہیں تھا۔ میں اندر داخل ہو گئی اور بے آواز چلتی ہوئی نادیا کے سرانے پہنچ گئی۔ اسے دیکھتی رہی پھر میں نے جھک کر اس کا رخسار چوم لیا۔ نادیا نے آنکھیں کھول دیں تھیں۔ نیند میں ڈوبی گلابی آنکھوں سے وہ مجھے دیکھتی رہی۔ میں مسکرائی تو وہ اچھل پڑی۔ اس نے دشت زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر اچھل کر بیٹھ گئی۔

”سوری نادیا۔“ میں نے کہا۔

”شاہ نور۔“ وہ بولی۔

”ہوں۔“

”میں جاگ رہی ہوں نا؟“

”ہاں۔“

”کیا بجا ہے؟“

”ڈھائی۔“

”رات ہے نا؟“

”ہاں۔“

”تم اس وقت؟ خیریت تو ہے نا؟“

”بس تمہیں تنگ کرنے کو دل چاہا تھا۔“

”ہم۔ ہم آج ہی طے تھے نا؟“

”ہاں۔“ میں نے کہا اور مسمری پر اس کے قریب لیٹ گئی۔

”میں پریشان ہو گئی ہوں۔“

”کیوں؟“

”تمہارے اس وقت آنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی ہے۔“

”اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے۔“

”کون سی غلطی؟“

”جس کی تم نے شکایت کی تھی۔“

”شکایت؟“ وہ جیسے کچھ یاد کرنے لگی پھر اس نے مجھے ہوئے انداز میں مجھے دیکھا اور بولی۔ ”میں ذرا ن روم جا رہی ہوں۔ پلیر ابھی آئی۔“ میں نے گردن ہلا دی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنے رویے، فیصلہ بننے کے لئے تھوڑا سا وقت چاہتی ہے۔ بہر حال میں انتظار کرتی رہی۔ داش روم سے وہ اپنے آپ کو وار کر باہر نکلتی تھی۔ پھر اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

”اصل میں نیند سے جاگی تھی۔ دماغ پکرایا ہوا تھا۔ سوچ رہی تھی کہ پتہ نہیں ٹھیک طرح سے باتیں رہی ہوں یا یوں ہی بک بک کر رہی ہوں ہاں۔ اب بتاؤ اس وقت کیسے آنا ہوا؟“

”تم نے ایک شکایت کی تھی مجھ سے وہ یہ کہ اتنے دن ہو گئے یہاں آئے ہوئے۔ میں تم سے نہیں“

”ا۔“

”یقین کرو۔ وہ شکایت نہیں تھی۔ بس احساس کی بات ہوتی ہے لیکن بعد میں مجھے یہ اندازہ ہوا کہ ان حماقت کی باتیں کر رہی ہوں۔ مجھے یہ فضول بک بک نہیں کرنی چاہئے تھی۔ واقعی اتنے عرصے کے بعد ہنری ہوئی بہنیں اگر ملیں اور وہ بھی اس شدید تلاش کے بعد تو پھر انسان کی کیفیت یہی ہونی چاہئے۔ ویسے ان تمہیں سچ بتاؤں۔ پتہ نہیں یہ عشق و محبت کیا چیز ہوتی ہے۔ جتنی قصے کہانیاں ہیں۔ میں نے ان میں ایک رد اور ایک عورت کی ہی داستان سنی ہے۔ اگر میں اپنے دل کا حال تمہیں بتا دوں۔ تو تم بھی ہنسو گی اور دنیا ٹی ہنسے گی۔ میں نہ جانے کیا سمجھتی ہوں خود کو تمہارا‘ بس یہی ایک احساس زبان بن گیا تھا۔“

”شرمندہ مت کرو نادیا! بات اصل میں یہ ہے کہ ہمیشہ اس بات سے خوفزدہ رہتی ہوں کہ کہیں نہیں میرے اور تمہارے درمیانی معاملات کا علم نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ چھپتی پھرتی ہوں۔“

”مجھے اس کا بھی اندازہ ہے یقین کرو مجھے اس کا اندازہ ہے خیر تو اس وقت۔“

”میں نے کہا نا۔ بس وہ احساس مجھے کھینچ لایا۔ میں نے سوچا کہ اب تم سے دور رہنا مناسب نہیں ہے۔“

”بہت شکریہ۔ شاہ نور! بہت بہت شکریہ۔“

”اب یہ بتاؤ کرنا کیا چاہئے؟“

”اب تک کی جو صورت حال ہے وہ بڑی اطمینان بخش ہے۔ وہ لوگ اپنے برے عمل میں کتنے ہی دور نکل گئے ہیں لیکن قدرت تمہیں محفوظ رکھے ہوئے ہے۔“

”خاک محفوظ ہوں نادیا! ماں بغیر علاج کے چل بسی باپ کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ بس مجبوری کا نام صبر ہے۔“ نادیا نے غمزہ انداز میں گردن جھکا لی پھر بولی۔

”کاش! یہ سب کچھ نہ ہوتا۔“

”اب ہو چکا ہے اور جو ہو چکا ہے وہ ہمارے بس سے باہر ہے لیکن ایک بات طے ہے نا دیہ! ہر حساب لوں گی ان سے۔ اسی کے لئے زندگی وقف کر دی ہے۔ میں تم سے کہہ دیتی ہوں چھوڑو گے! ان لوگوں کو۔“

”ہاں۔ ان سے انتقام لینا ضروری ہے۔ میں بھی تمہیں اب اس سے منع نہیں کروں گی۔ نہ مرز بلکہ تم کو کہ میری ڈیوٹی کیا ہے۔ میں اسے سرانجام دوں گی۔“ کافی دیر تک خاموشی طاری رہی پھر اچانک وہ کہنے لگی۔

”کچھ پیوگی؟“

”نہیں یقین کرو۔ اس وقت طبیعت پر ایک عجیب سا کدھر چھایا ہوا ہے کچھ پینے پلانے کا کوئی نہیں ہے۔“

”ویسے میں تمہیں سچ بتاؤں میں نے جو تجویز تمہیں پیش کی تھی وہ آج بھی میرے ذہن میں اتنی مستحکم ہے۔“

”تجویز۔“

”ہاں۔“

”ذرا پھر سے تفصیل بتاؤ۔“

”یار بھول گئیں کیا؟“

”ان دنوں بہت کچھ بھول گئی ہوں۔“

”ہاں خیر اس حقیقت سے تو میں انکار نہیں کروں گی کہ جو جذباتی کیفیت اس وقت تمہاری ہوگی بڑی سنسنی خیز ہے خیر چھوڑو ان باتوں کو میں تمہیں یہ کہہ رہی تھی کہ یہ بہترین موقع ہے۔ شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ عظمت جلال ہر قیامت پر تم سے دوبارہ رابطہ چاہتا ہے۔ درجنوں بار مجھ سے تذکرہ کر رہا ہے۔ بہت ہی افسوس کرتا ہے۔ کہتا ہے بڑی غلطی ہو گئی۔ اصل میں اسے سمجھنے میں غلطی ہو گئی یا پھر یہ اپنی عقل کا قصور ہے وہ تو کبھی سمجھائی لڑکی تھی۔ اب طوفان ہے وہ طوفان طوفان کے آگے بند نہیں باندھے جاسکتے۔ وہ آندھی اور طوفان ہی کی طرح آگے بڑھتی ہے اور اس کے جھکڑ اس کے راستے میں آجائے والی ہر رکاوٹ کو سمیٹ لے جاتے ہیں۔ مجھ سے زیادہ اسے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ آہ۔ کاش! میں اس کی دیکھ

بھال کر لیتا لیکن میں نے یہی سوچا تھا کہ اب وہ ایک ناکارہ وجود ہے تو چلو اپنی بہن کو ہی خوش کروں لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ قدرت ابھی اسے بہت کچھ دینا چاہتی ہے۔ یہ تمام باتیں کرتا رہتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ نا دیہ اسے تلاش کرو۔ بہر حال تمہاری تلاش تو مجھے تھی اور زیادہ آزادی سے تھی لیکن اب میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ اگر میری مان لو۔ اسے بلیک میل کرو۔ پوری طرح بلیک میل۔“

”کیسے؟“ اس کے بعد میں نے سوال کیا۔

”اس سے کہو کہ اب ایک سال کا معاہدہ تو ختم ہو گیا۔ چند روز کے اندر اندر وہ تمہاری والدہ اور

بہنوں کو تمہارے سامنے پیش کرے۔“

”مطلب؟“

”مطلب یہ کہ اس طرح یہ بات مستحکم ہو جائے گی کہ تم ابھی ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔ اس سے معذوری کا اظہار کرے تو پھر تم اپنے باپ کی بات کرو۔ مقصد یہ کہ اسے پریشان کرنا ہے۔ تو بیان ہی کرنا چاہئے اسے۔ وہ بد بخت بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ پورا خاندان انسانیت سے باہر ہے۔ یہ لوگ نہ جانے کیسی سوچوں کے حامل ہو جاتے ہیں۔ انسانیت تو ان سے اتنی دور چلی جاتی ہے کہ سمجھ میں آتا کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔“ میں خاموشی سے نا دیہ کی باتیں سنتی رہی۔ پھر میں نے کہا۔

”نا دیہ! اور بھی بہت سی سوچیں ہیں مگر ایک بات بتاؤ۔ اب ذرا سی تفصیل ہو جائے۔ میں اسے بلیک رنے کے لئے کیا کہہ سکتی ہوں۔“

”ہاں وہ میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں۔“

”بتاؤ۔“ میں نے کہا۔

”دیکھو۔ اس کا ایک منصوبہ تھا۔ وہ یہ کہ بڑے بڑے گروہوں کو ختم کر دے۔ ان کے منشیات کے تباہ کر دے۔ وہ خود بدستور خریداری میں لگا ہوا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اس کا مد مقابل نہیں ہے۔ آزادی سے سارے علاقوں سے خریداری کر رہا ہے اور جگہ جگہ انہیں اسٹور کر رہا ہے کابھائی عزت جلال اس کی خفیہ ڈھال ہے لیکن عزت جلال کو بھی یہ بات معلوم نہیں کہ کروڑوں پے کی منشیات جو خریدی گئیں وہ کیسے تباہ ہو گئیں۔ وہ تو خود بری طرح برے حالات کا شکار ہو گیا ہے۔ کاندازہ اس سے مل کر بھی کیا جاسکتا ہے۔ ادھر الماس آراء بیگم بھی اپنا سرمایہ یعنی کمال احمد کا سرمایہ اس میں ضائع کر چکی ہیں۔ بڑی کسپرسی کا شکار ہیں یہ لوگ ان دنوں اور انہیں اپنی عزت اپنی ساکھ بھال مشکل ہو گیا ہے لیکن بہر طور کام کر رہے ہیں اور خاص طور سے عظمت جلال اب تمہاری تلاش میں۔ کہہ رہا تھا مجھ سے کہ اگر وہ مل جائے تو بہت سے مسئلوں کا حل بن سکتی ہے تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اوقت کئی گروہ ایسے ہیں جنہیں شدید نقصان پہنچ چکا ہے اور کئی گروہ ایسے ہیں جو اس شخص کی تلاش میں جس نے یہ ساری کارروائی کی ہے۔ یہ گروہ عام نہیں ہیں۔ زیر زمین دنیا کے ایسے خطرناک گروہ کہ اگر کسی کے پیچھے پڑ جائیں تو اسے پاتال سے بھی کھود کر نکال سکتے ہیں۔ تم انہی کے نام پر اسے بلیک کر سکتی ہو۔“

”مجھے ان گروہوں کے بارے میں معلوم ہو سکتا ہے؟“ میں نے سوال کیا اور نا دیہ مسکرا دی پھر بولی۔

”تمہاری یہ بہن کس لئے ہے۔ میرے ذہن میں ایک تجویز آئی تھی اور میں نے سوچ لیا تھا کہ کسی نہ تم سے اس چیز کا سختی کے ساتھ مطالبہ کروں گی کہ تم اس تجویز پر عمل کرو۔ بہر حال اس کے لئے میں یہ تمام ریکارڈ اکٹھا کیا ہے۔ میں ابھی تمہیں فائل دکھاتی ہوں لیکن زبانی میں تمہیں یہ بتاتی ہوں کہ ان اسے پہلے گروہ کا نام ہے ڈی ایس، دوسرے کا نام ہے سانتا گوریا، تیسرے کا نام ہے ڈان البرونو یہ تینوں ناکتوں کی طرح اس شخص کی تلاش میں ہیں۔ ایک مشترکہ شخص کو اس سلسلے میں مصروف کیا گیا ہے۔ جو

فوراً ہی میں نے سنبھل کر کہا۔

”حاکم۔“

”کون؟“ حاکم چونکی ہوئی آواز میں بولا۔

”شاہ نور پور رہی ہوں۔“ اب حاکم شیرازی کے خاموش ہونے کی باری تھی۔ کچھ لمحے وہ خاموش

راس نے کہا۔

”کون شاہ نور؟“

”شاہ نور ہی ہوں حاکم شیرازی کسی قسم کا شبہ مت کرو۔“

”کہاں ہیں آپ؟“ اب حاکم شیرازی کے لمحے میں شکایت پیدا ہو گئی تھی۔

”جہاں بھی ہوں محفوظ جگہ ہوں۔“

”میرا نمبر کیسے معلوم ہوا؟“

”ہمت سی باتیں ایسی ہیں جو ابھی نہیں بتائی جاسکتیں۔ میں صرف آپ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں

شیرازی۔“

”چھوٹی ناک یہاں کیوں آگیا جبکہ مجھے ہدایت کر کے آئی تھیں۔ آپ یہی بات ہے نا؟“

”ہاں۔“

”بس۔ بہت عرصہ ہو گیا تھا کچھ نہیں معلوم ہوا تھا۔ آپ نے بھی بتانے کی ضرورت نہیں محسوس

تلاش کرتا ہوا یہاں تک آگیا۔“

”تلاش کر لیا؟“ میں نے سوال کیا۔

”نہیں، مانتا ہوں لیکن ایک بحران ہے میرے اندر۔ ایک جنون ہے کچھ لیجئے آپ شاہ نور۔ اس بار

ناداؤ پر لگا دوں گا۔ مزہ نہیں آ رہا ہے جینے میں کیا سمجھیں۔“

”حاکم! بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ پہلے میرے مشن میں شریک ہوئے تو دوبارہ ہو گئے۔ میں نہیں

ماکہ میری وجہ سے یہ سب کچھ ہو۔“

”آپ نہیں چاہتی نا۔ ٹھیک ہے مگر میں تو چاہتا ہوں۔“

”حاکم پلیز دیکھو۔ میں آخر کار اپنا کام کر لوں گی۔ ویسے تمہیں ایک بات بتاؤں۔ ماں کا انتقال ہو چکا

۔ بہنیں اور بخت بابا مل گئے ہیں۔ انہیں ساتھ لے کر یہاں آگئی ہوں۔“

”کیا واقعی؟“ حاکم شیرازی چونکی ہوئی آواز میں بولا۔

”ہاں۔“

”کہاں ہیں مجھے نہیں ملوادی ان سے؟“

”ابھی نہیں حاکم، ابھی نہیں۔ ابھی وہ سب آزاد ہیں۔ دیکھو میں جس پیانے پر کام کر رہی ہوں۔ اس

اگر لمحہ زندگی موت سے بچ کر رہتی ہے۔ تم اس کھیل میں اپنی ٹانگ نہ اڑاؤ۔ میں یہ نہیں کہتی کہ

میں یہ حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن تم ایک بار ان سے نقصان اٹھا چکے ہو میں نہیں چاہتی کہ دوبارہ

ایک بہت بڑا مجرم ہے جس کا نام ہے وکٹر ڈان، وکٹر ڈان ایک بہت بڑے گروہ کا مالک ہے۔ دنیا بھر میں

جال پھیلانے ہوئے ہے۔ اس کے سپرد یہ ڈسے داری کی گئی ہے کہ منشیات کے ذخائر تباہ کرنے والے

نام پر معلوم کرے۔ اس کے بعد باقی تمام صورت حال ہے اور یہ تمام باتیں عظمت جلال اچھی طرح

ہے۔ سمجھ رہی ہوتا تم۔ اس وقت اگر ان ناموں پر اسے بلیک میل کیا جائے تو سمجھ لو اس کی تائی

گی۔ وہ ہر قیمت پر تم سے تعاون پر آمادہ ہوگا۔“

”ہوں۔ ٹھیک۔ تو پھر اب یہ بتاؤ میں کیا کروں؟“

”اس سے رابطہ اور اسے بتاؤ کہ تم کیا کرنے والی ہو۔ سمجھ رہی ہو نا؟“ میں نے مسکراتے

گردن ہلائی تو نادیا نے کہا۔

”موبائل نمبر میں تمہیں دے دوں گی اس کا تازہ نمبر وہ بذات خود اپنے پاس رکھتا ہے اور

ایک ایسا موبائل نمبر دے رہی ہوں جس سے خود موبائل کمپنی والے یہ پتہ نہیں چلا سکتے کہ یہ کال کون

نمبر سے کی گئی ہے۔ یہ بھی میں نے تمہارے لئے مہیا کیا ہے ایک ایسا چکر چلا کر کہ تم سوچ بھی

سکتیں۔“ میں نے مسکراتی نگاہوں سے نادیا کو دیکھا اور کہا۔

”واقعی نادیا! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم نے ہمیشہ میری اس طرح سے مدد کی ہے کہ

پاس تمہارے لئے شکریہ کے الفاظ نہیں ہیں۔“

”شکریہ ادا کرو گی میرا اور پھر مزید مجھے ناراض کر رہی ہو تم۔ کیا میں نے پہلے یہ بات نہیں

تمہارے لئے کوئی کام تمہارا سمجھ کر نہیں کرتی ہوں میں۔ اچھا اب میری بات سنو۔ ابھی جانا ہے۔“

”نہیں۔ ابھی۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ باقی وقت ہمیں گزاروں گی۔“

”چلو۔ پھر باتیں کرتے ہیں۔“ پھر ہم صبح تک باتیں کرتے رہے تھے صبح کو نادیا نے بہترین قسم کا

کرایا اور ناشتہ کے بعد کہنے لگی۔

”اب حاکم شیرازی کی بھی مشکل حل کر دو۔“

”کیا مطلب؟“

”بھئی اس سے ملاقات کر لو۔ بات کر لو۔ کتنا پریشان ہے وہ تمہارے لئے تم نہیں جانتیں۔“

”نادیا راستہ بھٹکا دے گا وہ میرا۔“

”نہیں اس سلسلے میں سخت رہو۔ بس اسے تسلی دے دو اور کو کہ ہو سکے تو وہ یہاں سے جلدی

جائے اس وقت تک کے لئے جب تک کہ تم اپنے دشمنوں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچا دیتیں۔“ میں

پُر خیال انداز میں گردن ہلا دی تھی۔ نادیا نے کہا۔

”اب جلدی کر دو۔ ہو سکتا ہے حاکم شیرازی نکل جائے۔ اس سے پہلے اسے ٹریس کر لینا ہے۔“

نے فون پر نمبر ملایا اور کچھ لمحوں کے بعد کہا۔

”حاکم شیرازی۔ ہاں۔ اچھا۔ بات کیجئے۔ یہ بات کیجئے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ کون ہے۔“ یہ کہ

اس نے موبائل میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے موبائل لیا ایک لمحے کے لئے میری آواز نہیں نکل سکی تھی

ایسا ہو اور تمہیں میری بات ماننا ہوگی۔ ورنہ دوسری شکل میں حاکم شیرازی میں تم سے کنارہ کشی اختیار کی۔ سمجھو اور کھل کر یہ بات کہو گی کہ میرے معاملے میں پلیز ٹانگ مت اڑاؤ۔“ حاکم شیرازی در خاموش رہا تھا پھر اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے شاہ نور! میں یہیں ہوں۔ اس نمبر پر تم مجھ سے رابطہ قائم کر سکتی ہو۔ ویسے میری ایل۔ آئی پر تمہارا نمبر بھی آگیا ہے۔ پتہ نہیں یہ فون تمہارے پاس رہے گا یا نہیں۔“

”نہیں۔ تم کو شش کر کے دیکھ لینا۔ نہ ہی تم اس سے یہ معلومات حاصل کر سکتے ہو کہ میں کیوں۔ بس تم سے کہنا تھا کہ اگر آبی گئے ہو تو بالکل ان معاملات میں ٹانگ مت اڑانا۔“

”ایک بات کہو؟“

”ہاں بولو۔“

”پھر دوبارہ یہ مت پوچھنا کہ میں یہ کیسے کہہ رہا ہوں۔“

”بناؤ۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”آج شام کو ساڑھے سات بجے عظمت جلال اور الماس آراء عظمت جلال کی کوٹھی میں ملاقات رہے ہیں اور عظمت جلال نے کہا ہے کہ وہ انتہائی اہم موضوع پر الماس آراء سے بات کرنا چاہتا ہے انفارمیشن ہے تمہارے لئے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔“

”ایک منٹ، ایک منٹ یہ انفارمیشن تمہیں کہاں سے حاصل ہوئی؟“

”نہیں بتاؤں گا۔“ حاکم شیرازی خدی لبے میں بولا۔

”حاکم۔“

”جی نہیں۔ محکم خدا حافظ۔“ حاکم شیرازی نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں چار بار ٹرائی کرتی رہی لیکن اس نے موبائل بند ہی رکھا تھا۔ البتہ اس کے ان الفاظ نے مجھے حیران کر دیا اسے یہ سب کچھ کیسے معلوم؟ اس کا مطلب ہے کہ کافی گہرائی میں جا کر کام کر رہا ہے۔ نادیہ کو میں نے بارے میں بتایا تو وہ حیران رہ گئی۔

”کیا واقعی؟“

”ہاں۔ وہ شاید ان لوگوں کے بہت قریب پہنچ چکا ہے۔ یہ تو بڑا ٹیڑھا مسئلہ ہو جائے گا کیا کرنا؟ اب؟“ نادیہ اس سلسلے میں کوئی جواب نہیں دے سکی۔ بہت دیر تک ہم دونوں سوچ میں ڈوبے رہے۔ نادیہ نے کہا۔

”وہ بھی عاشق صادق ہے۔ جان کی بازی لگائے ہوئے ہے حالانکہ اس سے پہلے اس نے مجھے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا لیکن تمہاری تلاش میں وہ کسی نہ کسی طرح ان لوگوں تک پہنچ گیا ہے البتہ غلطی کی ہے کہیں وہ ان کی نگاہوں میں نہ آجائے۔ بتا چکی ہوں کہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ انسانی زندگی تو ان کی نگاہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں ہے لیکن بتاؤ کیا کر سکتے ہیں ہم لوگ؟“ میں بہت دیر تک سوچتی اور پھر میں نے کہا۔

”عظمت جلال کی کوٹھی میں جانا ہو گات کو۔“

”کیا مطلب؟“

”میں ذرا بہن بھائیوں کی ملاقات دیکھوں گی۔“

”تم بھی دیوانی ہو شاہ نور! میں تم سے ایک بات کہوں اگر برا نہ مانو تو۔“

”جانتی ہوں کیا کہنا چاہتی ہو یہی کہو گی تاکہ اب دونوں بہنوں کے ساتھ گوشہ نشین ہو جاؤں لیکن بھی باپ بھی تو ہے۔ ماں تو اس طرح چلی گئی اس دنیا سے۔ باپ کی زندگی اور موت کا تو کوئی پتہ نہیں ہے۔ ماں کے لئے صبر کر لوں گی لیکن باپ کے لئے کیسے صبر کر سکتی ہوں جسے کہیں میں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا بھی نہیں ہے۔“ میری آواز بھرا گئی۔ نادیہ غم آلود نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی تھی۔ بہر حال عظمت جلال کی کوٹھی میں پہلے بھی خاصا وقت گزار چکی تھی۔ بڑی عجیب و غریب زندگی تھی میری بھی جن لوگوں سے میرا تعلق تھا ان کے گھر دن کے چور دروازے میں نے تلاش کر لئے تھے اور میری آمد و رفت کے لئے یہی چور دروازے موزوں ہوا کرتے تھے۔ ایک بار پھر عظمت جلال کی کوٹھی میں داخل ہو گئی اور دل ہی دل میں دعا کرنے لگی کہ وہ جگہ محفوظ ہو جہاں میں نے پچھلے دنوں بسیرا کیا تھا اور عظمت جلال کا مخصوص کمرہ بھی اسی طرح ہو۔ دعائیں پوری ہو جاتی ہیں۔ ہاں کبھی کبھی کچھ دعائیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو کبھی نہیں پوری ہوتیں۔ بہر حال میں اپنی مخصوص جگہ چسپ گئی۔ یہاں سے باہر کے مناظر بھی نظر آتے تھے۔ کوئی سات بجے کے قریب عظمت جلال اپنی کوٹھی میں داخل ہوا۔ ایک شاندار قیمتی کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ پٹھان ڈرائیور نے نیچے اتر کر دروازہ کھولا اور عظمت جلال اتر کر اندر کی جانب چل پڑا۔ میں نے اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ ساڑھے سات بجے الماس آراء کو آنا تھا پھر ساڑھے سات بجے الماس آراء بھی آئی لیکن اس کے ساتھ عزت جلال بھی تھا۔ دونوں بھائی بہن ایک ہی کار میں آئے تھے۔ عزت جلال کو بہت عرصے کے بعد دیکھا تھا۔ یہ اس گروپ کا سب سے خطرناک آدمی تھا اور یہ کہنا چاہئے کہ اس نے باقی سب کو خطرناک بنا دیا تھا۔ بہر حال تینوں اسی کمرے میں آئے تھے اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہو گیا تھا لیکن میں نے اپنے دروازے کھول لئے تھے۔ میں انہیں دیکھ بھی سکتی تھی اور ان کی آوازیں بھی سن سکتی تھی۔ ایک لمحے کے لئے میرے دل میں خیال آیا کہ اگر اس وقت میرے پاس سائینسٹر لگا ہوا روباںور ہوتا تو ان تینوں کو شوٹ کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوتی ویسے یہ جگہ خاصی کارآمد تھی اور اسے کبھی کسی وقت ایسے موقع کے لئے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ بہر حال اب اس کے بعد اس میٹنگ کی وجہ معلوم کرنا چاہتی تھی چنانچہ دم سادھ کر خاموش ہو گئی۔ تینوں بیٹھ گئے تھے۔ الماس آراء کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ عزت جلال نے کہا۔

”اور کیا ضرورت تھی تمہیں ایک ٹانگن کی پرورش کرنے کی۔ تم جانتی ہو سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے۔ آخر کار تمہیں اس نے ڈس لیا۔ میرا ایک بھائی ہم سے جدا ہو گیا۔ الماس آراء میں تمہیں اس سلسلے میں قصور وار قرار دیتا ہوں۔“

”آہ۔ کون سوچ سکتا تھا تم سوچ سکتے تھے عزت جلال۔ بھائی عظمت جلال تم سوچ سکتے تھے کہ وہ

ناگن نکلے گی۔ بس چوک ہو گئی۔ بھول ہو گئی ذرا سی۔" میں ہونٹوں ہی ہونٹوں میں مسکرا دی۔ موضوع ہی تھی۔

"چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو قرضے ہم لوگوں کو ادا کرنے ہیں ان کی ادائیگی کے لئے کیا طریقہ کار استعمال کیا جائے۔ تو ایک طرح سے یوں سمجھ لو کہ ہم تباہی کی جانب چل پڑے عظمت جلال کروڑوں روپے کا معاملہ ہے اگر میں نے اپنا قرض چھتیس کروڑ روپے ادا نہ کر دیا تو یقین ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ الماس آراء تم نے کمال احمد سے بات کی؟"

"اس بیوقوف سے میں کیا بات کروں۔ اس کے تو سارے مالی اثاثے میرے سامنے ہیں۔ مجال ہے مجھ سے ایک پیسہ چھپا کر رکھ جائے۔ دہشت سے مر جائے گا اور میں اب یہ جانتی ہوں کہ میرا شوہر باقلاش ہے۔ ہم لوگ زندگی کے ایک بہت شدید بحران سے دوچار ہو چکے ہیں۔ میں بھی مقروض ہو گئی ہوں مجھے تیرہ کروڑ روپے ادا کرنے ہیں اور اس کے لئے مجھ پر مسلسل تقاضے ہو رہے ہیں۔ کمال بھی ذہنی طور سخت پریشان ہیں۔ عظمت جلال بھائی آپ بتائیے کیا کرنا چاہئے ہمیں۔"

"کمال کرتے ہو تم لوگ۔ تم تو اپنے اپنے مسائل کے لئے رو رہے ہو۔ میرا واسطہ تو بین الاقوامی گروہوں سے ہے۔ میرا کیا ہو گا یہ سوچو۔ تم تو خیر جن لوگوں کے مقروض ہو۔ وہ تمہاری ساکھ کا خیال کر۔ تمہارے ساتھ نرمی برت سکتے ہیں لیکن جن گروہوں کو مجھے رقم ادا کرنی ہے وہ تو بڑے ٹیڑھے ہیں۔ ہمارے پیچھے لگ گئے تو ان سے گلو خلاصی مشکل ہو جائے گی۔"

"مگر بھائی عظمت جلال اب آج میں یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ آپ نے ہم سب کو تباہ کر دیا ہے سب کیا دھرا آپ ہی کا ہے تجربہ دھوکا کھا گیا ہے۔" عظمت جلال ان الفاظ پر بری طرح چڑ گیا تھا۔ ایک اندر اندر اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی اور اس نے کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ لوگ۔ دنیا کو جس طرح آپ لوگ چلا رہے ہیں بھائی عزت جلال اس کے بعد مجھ جیسا معمولی سا آدمی آپ کو بھلا کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ آپ نے اپنے ذہن میں کوئی ایسا نقشہ تیار کر لیا ہے جس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"نقشے سے تمہاری کیا مراد ہے بھائی عظمت جلال؟"

"مطلب یہ ہے کہ آپ خود بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے ہیں۔ کاروبار میں تو نفع نقصان ہوتا ہی رہتا ہے۔"

"مگر جس کاروبار میں تم نے ہمیں ملوث کر دیا تھا عظمت جلال وہ ہم نے کبھی نہیں کیا اور نہ ہی اس میں ہمیں کوئی تجربہ تھا۔ میں خود بھی بہت بڑی رقم گنوا بیٹھا ہوں اور جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے مسائل اب سر پر آکھڑے ہوئے ہیں لیکن مجھے سب سے زیادہ افسوس الماس آراء کا ہے۔ بہن کے معاملے میں ہمیں محتاط رہنا چاہئے تھا اور اگر ہم بے فکر ہو گئے تو صرف تمہاری وجہ سے۔ کوئی ذمہ داری تو لینی چاہئے تھی تمہیں۔"

"میں آپ لوگوں کو بالکل واضح الفاظ میں یہ کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے آپ کو اس کے

بیک اور روشن پہلو دکھا دیئے تھے۔ آپ نے سب کچھ جاننے کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ آپ اپنی رقومات کاروبار میں لگائیں۔ نقصان ہو گیا اگر منافع ہوتا تو آپ صرف یہی کہتے کہ آپ نے دانش مندی سے کام لیا۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم جن مشکلات کا شکار ہیں ان کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ تم اس لمحے میں ہماری کیا مدد کر سکتے ہو؟"

"بالکل معافی چاہتا ہوں۔ آپ لوگوں نے شاید اس بات پر غور نہیں کیا کہ آپ لوگوں سے کہیں زیادہ فہمیری لگی ہوئی تھی۔"

"گویا تم بالکل ہاتھ صاف کر کے پیچھے ہٹنا چاہتے ہو۔" عزت جلال نے کہا۔

"میں کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو صرف اس لئے آپ کے ساتھ شامل ہو گیا تھا اس وقت کہ اگر آپ لوگ کہیں سے کچھ مزید سرمایہ مہیا کر سکیں تو ہم اپنی کھوئی ہوئی ساکھ کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔ اس وقت صورت حال بڑی سنگین ہے لیکن کچھ ایسے روشن پہلو بھی ہیں کہ اگر تقدیر ساتھ دے گی تو شاید اپنا پرانا سلسلہ بھی کور کر لیں۔"

"بات یہ ہے عظمت جلال کہ میرے کھیل دوسرے ہیں۔ میں دوسرے کھیل کھیلتا ہوں اور ان میں بری دولت نہیں بلکہ میری ساکھ لگی ہوتی ہے اور وہیں سے مجھے میری مرضی کے مطابق منافع ملتا ہے۔ بے کسی احمقانہ کھیل میں دوبارہ شریک نہیں ہونا چاہتا میں۔"

"مرضی ہے تم لوگوں کی لیکن افسوس یہ ہے کہ اس رقم کے ضائع ہوجانے کے بعد مجھ پر الزامات اٹے جارہے ہیں۔"

"الزامات کی ایسی تیسری ابھی تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آگے ہم پر کیا بیتی ہے اور اس میں ہم تمہیں بھی دشت کرتے ہیں۔ ہمارے مشکل حالات کا سامنا تمہیں بھی کرنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے یہ جائیدادیں یہ پلازے رکشیں ہمیں سب کچھ فروخت کرنا پڑے اور اس میں تمہاری جائیداد اور مارکٹیں بھی شامل ہوں گی جن کا ہم مجھے ہے مکمل طور سے۔"

"زبردستی شامل ہوں گی؟"

"مجبوراً شامل ہوں گی چاہے تم اسے زبردستی کا نام دے لو۔"

"مرگئے مجھے مجبور کرنے والے۔ اب جب تم یہ دھمکیاں مجھے دے رہے ہو عزت جلال! تو مجھے بھی

بکنے میں عار نہیں ہے کہ میں بھی چوہا نہیں ہوں۔ تم ملک میں سیاست کا کھیل کھیلتے ہو، میں بین الاقوامی پلانے پر یہی کھیل کھیلتا ہوں۔ تمہاری سیاست اقتدار حاصل کرنے تک محدود ہے لیکن میں انٹرنیشنل پلانے پر اقتدار حاصل کر رہا ہوں۔ مجھے بھی ایک نقصان پہنچا ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ وہ نقصان میں برداشت کر سکتا ہوں۔ میرے ساتھ کسی نئے کھیل کا آغاز مت کرنا۔ کبھی کبھی اس قسم کے اختلافات خاندانوں کی تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔"

"ارے آپ لوگ اس قدر تلخ کیوں ہو گئے۔ میرا مسئلہ تو درمیان میں رہ ہی گیا۔" الماس آراء نے

”تمہارا مسئلہ اب میرا مسئلہ نہیں رہا ہے لباس آراہیم! جب تم لوگ ایک لمحے کے اندر آنکھیں بدل سکتے ہو تو پھر کیسے رشتے کاہے کے ناطے۔“

”گویا تم رشتہ توڑ رہے ہو عظمت جلال۔“ عزت جلال اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

”نہیں۔ میں نہیں توڑ رہا یہ رشتہ تمہارے الفاظ نے توڑا ہے۔“

”رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے تم دونوں یہ کیا کر رہے ہو! اول تو ہم اپنا ایک بھائی کھو بیٹھے ہیں۔ تم دو ہو تو تم آپس میں اس طرح لڑنے لگے۔ میں کہتی ہوں کہ میرا بھی تو پیسہ لگا ہوا ہے۔ میں اس پر لعنت بھیجتی ہوں جیسا بھی ہو گزارہ کر لیں گے۔ کمال احمد جانے اور ان کا کام۔“

”یہی تو دلچسپ بات ہے۔ تم تو کمال احمد کے نام پر چھوٹ جاتی ہو۔ میرا کیا ہو گا؟“ عزت جلال نے کہا۔

”اور اس کے علاوہ لباس آراء تم مجھے بار بار خادر جلال کی یاد دلاتی ہو۔ وہ بھی صرف تمہاری وجہ سے موت کے گھاٹ اترے۔“

”اور ان کی موت کا انتقام لینا تم پر فرض نہیں ہے نا؟“ لباس آراء نے عظمت جلال کو گھورتے ہوئے کہا۔

”کیا فرض ہے اور کیا نہیں ہے آج بہت سی باتوں کا انکشاف ہو گیا ہے۔ ارے دنیا اس قدر خود غرض ہے تو مجھے کیا پڑی ہے کہ اپنی گردن ٹخنچے میں دباؤں۔“

”ٹھیک ہے لباس آراء! عظمت جلال نے ہمیں اپنے گھربلا کر ذلیل کیا ہے۔ ایسے موقعوں پر واقعی سارے رشتے پس پشت چلے جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے میں اس قدر اعلیٰ ظرف نہیں ہوں کہ ان باتوں کے بعد اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکوں۔ تم اگر چلنا چاہو تو میرے ساتھ چلو ورنہ تم بھائی بن جانو۔“ یہ کہہ کر عزت جلال باہر نکل گیا۔ لباس آراء بیٹھی رہی تھی۔ عظمت جلال نے بھی عزت جلال کے جانے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ کافی دیر تک خاموشی طاری رہی میں اس دلچسپ منظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ پھر لباس آراء نے کہا۔

”مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے ہمارا شیرازہ منتشر ہو رہا ہے۔“

”ہو گیا۔ اب کیا ہے؟“

”اور میں اس کا مطلب ہے کہ میں اس چوبیس کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ اب کوئی امکان نہیں ہے کہ وہ قابو میں آجائے۔“

”معاف کرنا لباس آراء کم از کم اب میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔“

”تب پھر انتظار کرو کہ میں اور عزت جلال مل کر کام کریں اور اس کام میں جو بھی پیٹ میں آ جائے۔“ لباس آراء نے کہا اور پاؤں بٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔ عظمت جلال غصیلی نگاہوں سے دروازے کو دیکھتا رہا پھر ایک دم اسے ہنسی آئی۔ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”یہ بیوقوف اپنے آپ کو بہت تیس مار خان سمجھتے ہیں۔ انہیں عظمت جلال کی عظمت کا بالکل احساس ہے اور جہاں تک رہا اس لڑکی کا معاملہ بہر حال میں نے غلطی کی ہے۔ مجھے اسے ہاتھوں سے نہیں کھونا تھا۔ بس ایک غلط فہمی بہت کچھ خراب کر گئی۔ ہر قیمت پر ہر قیمت پر وہ مجھے ملنی چاہئے۔“ میں نے اپنی جگہ یہ سب کچھ دیکھتی اور سنتی رہی تھی۔ گاڑیوں کے اشارت ہو کر باہر نکلنے کی آوازیں دیں جس کا مطلب تھا کہ ایک کے بعد دیگرے دونوں گاڑیاں باہر نکل گئیں۔ عظمت جلال بھی لباس آراء کے لئے اٹھ گیا تھا۔ میں کچھ دیر وہاں موجود رہی اور سوچتی رہی کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ عظمت کی کوٹھی میں بی بی اقبال میرا کوئی کام نہیں تھا۔ یہاں آنے کا جتنا بڑا فائدہ مجھے حاصل ہوا تھا۔ میں اس کا لگا رہی تھی اس کے بعد عزت اور احتیاط کے ساتھ یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے احتیاطی تدابیر کے بعد باہر کی جانب رخ کیا اور کچھ دیر کے بعد باہر نکل آئی۔ پھر وہاں سے میں نے کی سمت ہی رخ کیا تھا۔ کبھی کبھی مجھے اپنے آپ پر ہنسی آنے لگتی تھی۔ گھروں میں داخل ہونے کے چور دروازے میری تقدیر بن گئے تھے اور دلچسپ بات یہ تھی کہ مجھے ایسے راستے مل بھی جاتے تھے جن میں اندر داخل ہو جاتی تھی۔ بہر حال نادیدہ کے گھر میں بھی چور دروازے سے ہی داخل ہوتی تھی اور یہ نہ ہوتی کہ خود میرے اپنے گھر میں بھی کوئی چور دروازہ ہونا ضروری ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کا فضل تھا بخت بالا۔ فوزیہ اور رابعہ محفوظ تھے اور کسی کی توجہ ان کی جانب نہیں تھی لیکن پھر بھی کم از کم ابھی کے لئے ماحول سازگار نہیں تھا۔ نادیدہ کے گھر میں داخل ہو گئی اور پھر نادیدہ کو پریشان کرنا بھی زندگی کا ایک ہی بن گیا تھا۔ مگر بہت اچھی دوست، بہت اچھی ساتھی تھی۔ کبھی اس کی پیشانی شکن آلود نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بے تکلفی سے مجھ سے بولی۔

”جناب عالی! میں نہیں جانتی آپ کتنی تھکی ہوئی ہیں اور کیا کیا کر کے آئی ہیں لیکن کافی آپ ہی بنا کر بن گئی میرا شدید موڈ ہو رہا ہے۔“ مجھے اس کا یہ انداز بہت اچھا لگا تھا اور اس کے بعد میں نے سب سے بچن میں آکر کافی بنا کر تھی اور ٹرے میں سجا کر اس کے بیڈ روم میں داخل ہوئی تھی۔ نادیدہ بستر پر پالتی ہے بیٹھی ہوئی تھی۔ بڑی محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

”صحیح معنوں میں مجھے بھی اپنے خاندان کا لطف آگیا ہے۔ ایک چھوٹی بہن ہی سہی اللہ نے کچھ تو عطا ہے۔“ میں نے کافی اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

”محترمہ! یہ رشتہ مجھے ہزار جان سے قبول اور صرف ایک چھوٹی بہن کی بات نہ کریں۔ تین چھوٹی بہن ہیں آپ کی۔ ذرا حالات درست ہو جائے دیکھئے۔ ساتھ ہی رہیں گے۔ ارے ہمیں کیا کرنا ہے بہت بے ثباتان کا۔“

”نہیں۔ اب اس خاندان میں تین افراد کا مزید اضافہ ہو گا بلکہ چار افراد کا ایک ہمارے بہنوئی صاحب بی بی ان کی والدہ اور دو بہنیں، یار بڑا اچھا لگے گا۔ کسی دیہی علاقے میں چلیں گے۔ وہاں ایک کچی کوٹھی ملے گی جس میں دنیا کی ہر آسائش اکٹھی کر لیں گے اور پھر وہیں زندگی گزار دی جائے گی۔“

”خیر گڑھی بڑی اچھی جگہ ہے۔ یقین کر داتی ساوگی ہے وہاں کے ماحول میں کہ دل چاہتا ہے وہیں

قیام کیا جائے پھر سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ سندھ کا علاقہ ہونے کے باوجود انتہائی سرسبز و شاداب اگر وہاں زمینوں پر محنت کر لی جائے تو کیا بات ہوگی۔ ”کافی کے دوران ہم یہی باتیں کرتے رہے اور رہے۔ پھر نادبہ ہی چونکی اور اس نے کہا۔

”اب یہ شیخ جلی پن کی باتیں ختم کر لی جائیں۔ کیا کر کے آئی ہو؟“

”ایسے خواب دکھائے ہیں تم نے نادبہ کہ سارا کیا دھرا بھول گئی ہوں۔ ویسے کچھ پُر لطف باتیں ہیں۔“ اور اس کے بعد میں نے نادبہ کو عظمت جلال کی کوٹھی میں ہونے والی ساری باتیں بتا دیں پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

”نوعیت لمحہ تبدیل ہو رہی ہے۔ ویسے ان سارے واقعات سے تو تم اچھی طرح واقف ہو نا؟ مطلب ہے ان سارے معاملات میں تم براہ راست ملوث رہی ہو۔“

”ہاں۔ مجھے معلوم ہے کہ عظمت جلال نے کیا کیا ہے۔ بہر حال اب یہ بتاؤ کہ اب کیا کرنا ہے۔“ ”تم نے کچھ اور سوچا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ تجویز تو میں نے تمہیں بتائی تھی۔ ڈی ایس گوریا، ڈان البرونو وغیرہ۔“

”ہاں بالکل وہ مجھے یاد ہے۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ ان بھائیوں میں آپس میں کیوں نہ چلا جائے۔ لوہا گرم ہے اس طرح سے ان کی طاقت ٹوٹ جائے گی۔ تدبیر ہونی چاہئے۔“

”ویری گڈ آئیڈیا۔ الماس آراء خود بھی بھڑکی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے اب ان کے آخری لہ آگئے ہیں۔ حالات خود بخود وہ راستہ اختیار کر رہے ہیں۔“

”بالکل بالکل۔“

”تو پھر اب بولو۔“

”ہمیں اس سلسلے میں پلاننگ کرنی چاہئے۔“

”دیکھو۔ میں تمہیں ایک بات بتاؤں اس وقت عزت جلال مشکل میں گرفتار ہے۔ جو طاقت اس حاصل کی ہے اس میں ایک دم کی واقعی ہوئی ہے اور اس کی وجہ بھی تمہارے علم میں ہے۔ الماس آ بھی بہر حال مالی طور پر بھی شدید متاثر ہوئی ہے۔ معاف کرنا کمال احمد صاحب تو ایک ڈبی ہیں ان کی تو کو حیثیت ہی نہیں ہے۔ حالانکہ دولت ان کی گئی ہے لیکن میرا خیال ہے وہ بول بھی نہیں سکتے۔ ان کو چھوڑو۔ یہاں پر مسئلہ یہ آجاتا ہے کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔“

”بالکل بالکل یہی بات میرے ذہن میں ہے۔ تو پھر اب یہ کرتے ہیں کہ تم اپنا سلسلہ جاری رکھو۔“

یہ دو افراد ڈپریمان ہیں۔ عظمت جلال کو صرف یہ پریشانی ہے کہ تم اس کے ہاتھ نہیں لگیں اور آزاد ہو اس کے علاوہ اسے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس کے لئے پریشانی پیدا کر دو۔ اسے اس موقف سے آگاہ کر دو۔ اس سے یہ ہوگا کہ عظمت جلال، الماس آراء کے پیچھے پڑے گا۔ الماس آراء دینے ہی مشکل کا شکار ہے عزت جلال بھی الماس آراء کا ہی ساتھ دے گا۔ دونوں بھائیوں اور بہن میں کافی گڑبڑ ہو جائے گی اور ہم اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اس کے علاوہ میں یہ سمجھتی ہوں کہ عزت جلال کو عظمت

جلال کے خلاف بھڑکا دو۔ اسے تفصیلات بتا دو کہ کیا ہوا ہے۔ مزہ آجائے گا۔“ ”آہ۔ کاش! کسی طرح ان لوگوں کے معاملات کو قریب سے دیکھا جاسکے۔ عظمت جلال کی کوٹھی میں میں نے اپنے لئے بے شک جگہ بنالی ہے لیکن وہ ایک رکنی معاملہ ہے اور پھر کیا ضروری ہے کہ عظمت جلال کی کوٹھی سے ہی سارے انکشافات ہوں۔ الماس آراء کے گھر میں بھی داخل ہو سکتی ہوں۔ اب وہ عین صورت حال نہیں ہے۔ ویسے میں راستے میں آتے ہوئے ہنس رہی تھی کہ مجھے گھروں میں داخلے کے لئے صرف چور دروازے ہی ملتے ہیں۔ الماس آراء کے گھر میں بھی ایک چور دروازہ ہے جہاں سے میں داخل ہو سکتی ہوں لیکن بہر حال یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ زندگی میں نہ جانے کتنے چور دروازے ہوتے ہیں۔ کون ان چور دروازوں کے چکر میں پڑے۔“

”تو پھر اب کیا ارادہ ہے یہ بتاؤ۔“ ”ہم دونوں دیر تک خاموش بیٹھے رہے پھر میں نے نادبہ سے کہا۔ ”بس کام شروع کرتے ہیں۔ ویسے بہت ہی خوبصورت بات ہے۔ اس وقت تینوں بہن بھائی ایک دوسرے سے ناراض ہیں اور ان لوگوں کو آسانی سے لڑوایا جاسکتا ہے لیکن اس کے لئے ایک عمدہ پلان درکار ہوگا۔“

”ہاں یقیناً۔“

”میرا خیال ہے جیسا کہ تم نے کہا نادبہ! انہیں ایک دوسرے کی تمام تر صورت حال سے آگاہ ہو جانا چاہئے۔ مثلاً عزت جلال کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ عظمت جلال نے اصل مسئلہ کیا کیا ہے اور یہ بات اس کے کالوں تک پہنچانے کے لئے میں یا تم نہیں کوئی تیسری شخصیت استعمال ہونی چاہئے۔“

”تیسری شخصیت ہمارے پاس ہے۔ اب تک اس نے نہایت اعتماد کے ساتھ سارا کام کیا ہے۔ میری مراد ظاہر ہے ہے۔ ظاہر اس سلسلے میں ہمارے لئے بہترین ساتھی ثابت ہوگا اور ہم اس پر بھرپور بھروسہ کر سکتے ہیں۔“

”ویری گڈ ویری گڈ۔ بالکل صحیح ہے ظاہر کو اس پلاننگ کے لئے استعمال کیا جائے۔ نہ صرف یہ بلکہ اگر ہم ظاہر سے یہ بات بھی کہیں کہ وہ ہمارے لئے کچھ اور کام بھی کرے تو وہ خوشی سے تیار ہو جائے گا۔ اعلیٰ کارکردگی کا مالک شخص ہے اور کوئی ایسی بات نہیں ہے جو شے کا باعث بن سکے۔“

”ہاں ٹھیک ہے مانتی ہوں تو پھر کیا نادبہ اس سلسلے میں کام شروع کر دیا جائے۔“

”ہاں۔ البتہ ایک بات میں ضرور کہوں گی۔“

”کیا.....“ ”میں نے پوچھا اور نادبہ سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر کہنے لگی۔

”دیکھو احتیاط شرط ہے۔ میں جانتی ہوں کہ دنیا میں اپنوں سے زیادہ اور کوئی نہیں ہوتا۔ ہمیں ’بخت‘ ایسا مرد حق یہ چاہتا ہے کہ میں فوراً ان سے جا کر مل لوں لیکن ابھی نہیں ملوں گی میں جب تک ان کے لئے مناسب تحفظ نہ ہو۔ تم ان سے مل لو، ان سے کہو کہ مصروف ہو کچھ کر رہی ہو اور ان سے جدا رہو گی۔ ابھی انہیں تحفظ ملنا چاہئے اور اس کے لئے ہم تین چار آدمی وہاں متعین کر دیتے ہیں جو اس گھر کی حفاظت کریں گے۔ ان کے بارے میں گھروالوں کو بھی علم نہیں ہونا چاہئے۔ یا اگر مناسب سمجھو تو بتا دو لیکن بچیاں

خوفزدہ ہو جائیں گی۔ یہ چار گارڈ دور دور رہ کر اس گھر کی نگرانی کریں گے۔ بھرپور طریقے سے انہیں معاوضے ادا کئے جائیں تاکہ وہ خوش اسلوبی سے اپنا کام انجام دے سکیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔“

”میں تم سے اتفاق کرتی ہوں۔“ میں نے کہا اور اس کے بعد ہم دونوں بہت دیر تک اس موضوع پر پلاننگ کرتے رہے کہ کس طرح ہمیں آغاز کرنا چاہئے اور پھر یہ پلاننگ ہمارے اپنے ذہن میں مکمل ہو گئی۔ سب سے پہلے بہنوں کے تحفظ کا بندوبست کرنا تھا۔ ظاہر واقعی ہر مرض کی دوا تھا۔ کئے لگا۔

”ویسے تو سکیورٹی گارڈ با آسانی مل جاتے ہیں۔ بہت سی کمپنیاں ہیں جو پورے اعتماد کے ساتھ سکیورٹی گارڈ مہیا کرتی ہیں لیکن وہ لوگ تربیت یافتہ نہیں ہوتے۔ میرا مطلب ہے کسی ایسے مسئلے میں جو اپنی نوعیت میں الگ ہو۔ میں ایسے آدمیوں کا بہ آسانی بندوبست کر دوں گا میڈم! اور انہیں وہاں تعینات کر دوں گا۔ آپ مجھے جگہ بتا دیجئے۔“

”ظاہر! میں تمہیں خود ساتھ لے کر جا کر وہ جگہ دکھا دوں گی۔“ میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے میڈم! جیسا آپ پسند کریں۔“ کام چونکہ یہ طے کر لیا گیا تھا کہ بتدریج کئے جائیں گے اور ادھر ادھر جلدی جلدی بھاگ دوڑ نہیں کی جائے گی کیونکہ اس طرح سے کچھ خطرے پیش آسکتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر نے ان لوگوں کا انتظام کر دیا اسے جگہ دکھا دی گئی تھی۔ چار سکیورٹی گارڈ مختلف اوقات میں اس مکان کی بہترین نگرانی کے لئے متعین ہو گئے۔ اب اس کے بعد میری اپنی رہائش گاہ کا مسئلہ تھا۔ ویسے تو بہت سے بندوبست ہو سکتے تھے لیکن اس بار نادیر نے کمال کیا۔ اس نے اپنے عقب میں ایک چھوٹا سا مکان خرید لیا تھا۔ اس کا انکشاف اس نے اس وقت کیا جب میری رہائش کا مسئلہ پیش آیا۔ نادیر نے بڑے سستی خیر انداز میں ایک زیر زمین تہ خانے میں داخل ہو کر ایک دروازہ کھولا ایک چوڑی اور کشادہ سرنگ سامنے نظر آئی جس میں اچھی خاصی تیز روشنی تھی۔ سرنگ بھی پختہ بنی ہوئی تھی۔ میں نے حیرانی سے اس سرنگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس سے پہلے یہ میرے علم میں نہیں تھی۔“

”اس سے پہلے یہ عالم وجود میں بھی نہیں تھی۔“

”میں سمجھی نہیں۔“

”وہی سمجھانے جا رہی ہوں تمہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ انسان جب کسی سے عشق کرتا ہے تو پھر اس کے ذہن میں اپنے محبوب کے لئے بہت سے خیالات آتے رہتے ہیں اور یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ میرا محبوب میرے ہی جیسا ہے۔“ وہ سرنگ کا فاصلہ طے کرتے ہوئے بولی۔ ہم چند میڑھیاں اوپر چڑھے اور آخر کار ایک کمرے میں پہنچ گئے لیکن جتنا فاصلہ طے کیا گیا تھا وہ میرے لئے حیران کن تھا۔ نادیر کی کوٹھی کا حدود اربعہ مجھے معلوم تھا۔ میرا خیال ہے زیر زمین ہم اس کی حدود سے باہر نکل آئے تھے۔ چنانچہ جس چھوٹے سے گھر میں ہم داخل ہوئے اس میں تین بیڈ روم تھے۔ ایک ڈرائنگ ڈائننگ تھا بہت ہی چھوٹا سا لان تھا۔ اسی میں کار پارکنگ تھی۔ یہ اس مکان کی اصل حیثیت تھی۔ میں نے حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ ساری تمہاری کوٹھی ہے میرے خدا! کیا یہ مکان اب تمہاری ملکیت ہے؟“

”یقین کرو کہ صرف اس خیال سے خریدنا تھا کہ تمہیں ادھر ادھر رہنا پڑتا ہے۔ یہ انتہائی محفوظ جگہ ایک آپ کر کے یہاں رہو گی۔ گھر سے باہر نکلو گی تو کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ کون ہے۔ گھر میں ل ہو گی اور اگر کوئی بھی مشکل پیش آئی تو سرنگ کے ذریعے دوسرے گھر میں آجاؤ گی۔ یہاں کوئی گڑبڑ آنا اور جلی جاؤ گی۔ کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا کہ ایسا چکر چلایا ہے۔“

”یہ واقعی شاندار اور جو اہمیت تم نے مجھے دی ہے بہر حال اس کو تو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ نادیر اس محبت کا۔“

”ادھ ہاں۔ ٹیلی فون وغیرہ بھی ہے لیکن اس کے باوجود ہم یہ ٹیلی فون استعمال نہیں کریں گے۔ یہاں کچھ فاصلے پر ایک پبلک کال بوتھ ہے۔ وہ تمہارے لئے بہترین رہے گا۔“ مکان ہر طرح سے آراستہ میں واقعی بہت زیادہ خوش ہوئی تھی اس طرح یہ آسانی ہو گئی تھی کہ ہمارا ہر لمحہ ساتھ گزر سکتا تھا اور اطویل عرصے تک کسی کو کوئی شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ایسا کوئی چکر چلا ہوا ہے۔ بہر حال میں بہت مطمئن تھی۔ اب تمام اطمینان کرنے کے بعد میں نے اپنے کام کا آغاز کیا۔ پبلک کال بوتھ ایک ایسی جگہ تھا بالکل لوگ نہیں ہوا کرتے تھے۔ کافی فاصلے پر ایک پوسٹ آفس تھا۔ بس وہاں تھوڑی بہت رونق ہوتی تھی۔ میں اپنے تمام تر منصوبے کے بعد پبلک کال بوتھ میں داخل ہو گئی اور میں نے ٹیلی فون پر عظمت جلال نمبر ڈائل کئے۔ عظمت جلال سے رابطہ قائم ہونے کے لئے دو افراد کے درمیان سے گزرتا پڑا تھا۔ میں عظمت جلال سے رابطہ قائم کیا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہاں کون ہے۔ کیا بات ہے جب تمہیں بتا دیا گیا تھا کہ میں ابھی تم سے نہیں مل سکتا یہ ضد کیوں کی تم نے؟“

”اس لئے اٹکل جلال کہ میں ہر قیمت پر آپ سے ملنا چاہتی تھی۔“ میں نے کہا اور عظمت جلال آواز پہچان گیا۔

”شاہ نور!“

”جی اٹکل میں ہی ہوں۔“

”ادھ۔ بیٹا کہاں ہو؟ کتنی ناراض ہو اس کا تو مجھے اندازہ ہے لیکن اس کے باوجود میں تم سے ملنا چاہتا۔“

”اٹکل! آپ کو یہ باتیں کرتے ہوئے کبھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ آپ کی عمر کیا ہے اور صبح بات کہ میرا آپ سے رشتہ کیا ہے۔ یہ تمام باتیں سوچنی تو پڑتی ہیں نا اٹکل! اس کے بعد ایسا کوئی مسئلہ یعنی کہتے ہیں کہ آپ میرے لئے بے چین ہیں۔“

”ہاں۔ ٹیلی فون پر بات کرو گی یا اپنے تمام تر اعتماد کے ساتھ مجھے یہ بتاؤ گی کہ مجھ سے کہاں مل سکتی نہیں اس کا اختیار دیتا ہوں میں اور یہ جان کر اختیار دیتا ہوں کہ تم مجرموں کے گرد ہوں کے خلاف کام ماہو۔ یقینی طور پر تم جیسی شاندار لڑکی بے دست و پا نہیں ہو سکتی۔ تم اپنے تمام تر سکیورٹی انتظامات

میں نے اپنے ٹیکسی ڈرائیور کو اشارہ کیا اور وہ اس ٹیکسی کا تعاقب کرنے لگا۔ شر سے کافی فاصلے پر خوبصورت پارک میں طاہر نے عظمت جلال کو اتار دیا۔ اسی وقت میری ٹیکسی بھی تھوڑے فاصلے پر جا رک گئی۔ عظمت جلال چونک کر ادھر دیکھنے لگا تھا۔ میں ٹیکسی کا دروازہ کھول کر نیچے اتری تو عظمت جلال ہماری نگاہوں سے میرا جائزہ لیا۔ کم بخت کرو فریب سے بھرے ہوئے تھے سارے کے سارے۔ اس کے چہرے پر ایسی محبت تھی کہ دیکھنے والا اگر اس شخص کی گہرائیوں میں نہ اترا ہو تو اسے یہ پس ہو کہ کتنا پُر محبت اور پُر اخلاق انسان ہے یہ۔ وہ اسی انداز میں چلتا ہوا مجھ تک پہنچا تھا اور اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

”میری بچی! میری بیٹی!“ میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔ میں مسکراتی آگے بڑھی اور میں نے کہا۔

”ہاں انکل!“

”ہاں۔ تمہارا جو بھی رویہ ہو میرے ساتھ میں اسے جائز قرار دوں گا۔“

”کیسے ہیں آپ؟“

”ٹھیک ہوں۔ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔“

”آئیے ادھر بیٹھتے ہیں کیا خوبصورت جگہ ہے۔“ میں نے پارک کی ایک بچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور عظمت جلال نے گردن جھکا دی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے ساتھ آگے بڑھنے لگا اور پھر ہم دونوں بچہ بیٹھ گئے۔ ہمارے سیوری گاڑڈ تھوڑے فاصلے پر آکر کھڑے ہو گئے۔ ٹیکسی آگے بڑھ گئی لیکن وہ ٹیکسی موجود تھی جسے طاہر ڈرائیور کرتا ہوا لایا تھا۔ میری ٹیکسی تھوڑے فاصلے پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ دیکھتے ہی میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے رکنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ یہ اس کی مرضی کی بات تھی کہ وہ رہے اور وہ تو غالباً اس آس میں رک گیا تھا کہ شاید میں واپس جاؤں۔ بہر حال میں عظمت جلال کے ساتھ بچہ بیٹھ گئی تو عظمت جلال نے چونک کر ان دونوں افراد کو دیکھا جو زبردست قسم کی گنیں لئے ہوئے اُسے فاصلے پر موجود تھے۔ اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

”یہ..... یہ کون ہیں۔“

”میرے ساتھی ہیں انکل! اصل میں آپ کا رویہ تبدیل ہونے کے بعد مجھے سیوری کی شدید ضرورت محسوس ہوئی اور میں نے اس کا انتظام کر لیا۔“ عظمت جلال نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا۔

”ہاں۔ کبھی کبھی ایک چھوٹی سی غلطی انسان کی پوری شخصیت کو داغدار کر دیتی ہے۔ میرے اور اسے درمیان بڑے اچھے معاملات چل رہے تھے۔ تم زخمی ہو گئیں اور شیطان مجھ پر حملہ آور ہو گیا۔ نہ تو میں بک گیا تھا میں۔“

”انکل! آپ کو اندازہ ہے کہ میں اس قدر بے وقوف نہیں ہوں۔ بات کچھ بھی ہو انکل ہر شخص اپنی ماکا بندہ ہے۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ کیونکہ شکایت کسی اپنے سے کی جاتی ہے۔ آپ نے مجھ کو ایک کاروباری عمل تھا اور یہ کاروباری عمل اب بھی جاری ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ لوگ بھی

کے ساتھ مجھ سے مل لو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے کس جگہ پہنچنا ہے۔ میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ نے اپنے دل میں سوچا کہ واقعی ٹیلی فون پر اتنی طویل گفتگو تو نہیں کی جاسکتی اور جو کچھ مجھے عظمت جلال بتانا ہے وہ بتایا جاسکتا ہے لیکن آسنے سانسے بیٹھ کر۔ میں نے ایک پارک کا انتخاب کیا اور عظمت جلال کہا۔

”انکل! آپ ایئر پورٹ روڈ تک اپنی کار میں تنہا آئیں گے۔ بلومون سائٹ پر آپ اپنی کار کریں گے وہاں کوئی ٹیکسی تلاش کریں گے۔ بلکہ ایسا کروں گی ٹیکسی میں بیجوں گی آپ کے پاس۔ آپ ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑیں گے۔ ٹیکسی ڈرائیور کو علم ہوگا کہ آپ کو کہاں جانا ہے۔ میں اس بات کی یقین کروں گی کہ آپ اپنے ساتھ کسی کو لائے ہیں یا نہیں۔ یہ تمام کام جو آپ کو کرنا ہوں گے انکل اور اس بعد جب اس جگہ آپ پہنچیں گے جہاں میں آپ سے ملنا چاہوں گی تو میرے اور آپ کے درمیان ہوگی۔“

”مجھے منظور ہے لیکن کب؟“

”کل ٹھیک گیارہ بجے آپ اپنی کار میں بیٹھ کر اپنی کوٹھی سے نکلیں گے اور بلومون سائٹ پہنچ جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا تم بالکل بے فکر رہو۔“ میں نے اپنے طور پر تمام طریقہ کار صحیح انداز اختیار کیا تھا۔ یہاں بھی طاہر ہی سے کام لیا گیا اور میں نے طاہر کو تمام پیشکشیں بتائی۔ طاہر اب ہمارا ساتھی تھا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ہماری بے شمار مشکلات کا حل۔ ناویہ اسے معاوضہ بھی اتنا زبردست دے تھی کہ اب بھلا اس کا ہم سے غداری کرنے کا کیا سوال تھا اور ویسے بھی عزت جلال اور عظمت جلال کے خاندان سے اس کی گہری چلی ہوئی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ ان لوگوں نے اسے بہت نقصان پہنچا حالانکہ وہ اسے نہیں جانتے لیکن درپردہ اسے بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس لئے ان کے خلاف کرتے ہوئے اس کے اپنے جذبات کا معاملہ بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ طے یہ ہوا کہ طاہر خود ٹیکسی ڈرائیور حیثیت سے وہاں جائے گا۔ ایک کھلے پارک میں یہ ملاقات ہوگی۔ پارک میں دو مسلح افراد قرب و جوار نگرانی کریں گے اور ذرا بھی عظمت جلال کی طرف سے کوئی گڑبڑ پائی گئی تو وہ بھرپور مداخلت کریں گے ایک بہترین انتظام تھا۔ میں نے ناویہ کو بھی اس بارے میں بتا دیا اور ناویہ نے اطمینان کا اظہار کیا۔ ہم پورا پیپر ورک کر لیا تھا اور یہ ہوم ورک کرنے کے بعد ہم اپنے عمل کے لئے تیار تھے۔ چنانچہ میں ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑی۔ میں نے بھی ٹیکسی ہی استعمال کی تھی اور یہ عام ٹیکسی ڈرائیور تھا جسے میں بہترین معاوضہ دے کر اپنے ساتھ کام کے لئے تیار کر لیا تھا۔ دوسری ٹیکسی میں طاہر موجود تھا۔ بلومون سائٹ پر ہم نے اپنے لئے مخصوص جگہ منتخب کی۔ ٹھیک گیارہ بجے عظمت جلال کی کار بلومون ساحل سمندر اور عظمت جلال کار سے نیچے اتر کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ٹیکسیاں اور بھی تھیں لیکن طاہر کی ٹیکسی عظمت جلال کے سامنے جا کر رک گئی تھی۔ عظمت جلال چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا اور طاہر نے اسے شاید منصوبے مطابق اپنی ٹیکسی میں بیٹھنے کی پیشکش کی تھی۔ عظمت جلال پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور ٹیکسی آگے

مرف ایک بار ایک غلطی ہوئی ہے مجھ سے، اسے معاف کر دے۔ سمجھ رہی ہوں میں نے بڑا نقصان اٹھایا ہے تمہیں کھو کر۔ میں چاہتا ہوں کہ اب تم اپنے دل سے ہر برائی دور کر دو۔ میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور کہا۔

”انگل! آپ کو میری اب تک کی باتیں بری نہیں لگیں۔ میں نے آپ کو سانپ کہا ہے۔ میں نے کہا ہے کہ یہ سانپوں کا خاندان ہے۔ سانپ اور بچھوؤں سے بہتری کی توقع رکھنا سب سے بڑی حماقت ہے۔ یہ حماقت انسان بار بار تو نہیں کر سکتا۔“

”میری بات سنو۔ شاہ نور میری بات سنو۔“

”آپ انتہائی کینے انسان ہیں انگل۔ بہت ہی کینے انسان ہیں آپ بہت زیادہ کینے ہیں اور آپ یقین لیں مجھے یہ بات پہلے نہیں معلوم تھی۔ ورنہ شاید میں آپ کو آپ کی کیننگی کا مزہ پہلے ہی چکھا دیتی۔“

عظمت جلال بہرحال کچھ بھی تھا اب اس قدر بے غیرت بھی نہیں تھا کہ مجھ سے خاموشی کے ساتھ ایسا سن سکتا۔ اس نے کہا۔

”تم جس قدر بد تمیزی کر رہی ہو مجھ سے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم مجھ سے کنارہ کشی کا آخری ملہ کر چکی ہو۔“

”میں نے کہا نا آپ انتہائی کینے انسان ہیں۔ بے پناہ کینے، بے پناہ ذلیل ورنہ اس طرح کی بات نہ کرتے آپ مجھ سے۔“ رفتہ رفتہ عظمت جلال کے چہرے سے وہ تڑی غائب ہو گئی اور اس میں ایک کرختگی باہو گئی۔ اس نے سرد نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”صرف ان دو گارڈز کی موجودگی میں اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ تم ہر طرح سے محفوظ ہو تو ٹھیک ہے۔ یہ تمہیں محفوظ کئے ہوئے ہیں لیکن میں ذرا مختلف قسم کا آدمی ہوں مجھے معاف کرنا عزت جلال یا الماس راء وہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ تمہیں نقصان پہنچا سکیں۔ تم اگر اسی معیار پر مجھے دیکھ رہی ہو تو یہ تمہاری قوت ہے۔ فرق کو محسوس کر لو۔ عزت جلال ملکی طور پر سیاست کر رہا ہے اور معصوم انسانوں کے اس ملک مادہ کسی حد تک کامیاب ہے مگر مکمل حد تک نہیں۔ الماس آراء تو خیر ہم دونوں کے کاندھوں پر ہی چلتی ہیں، لیکن میرا مسئلہ بین الاقوامی ہے۔ میں اگر تم سے دشمنی پر آمادہ ہو گیا تو تمہیں بہت سے نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔ یہ بات تمہیں ذہن نشین کر لینی چاہئے۔“

”نہیں۔ میں نے کہا تھا آپ بے وقوف بھی ہیں ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ کیونکہ یہ تمام بات پتہ جانتے ہیں کہ آپ نے مجھے اپنے بدترین دشمنوں کے مقابلے پر بھیجا تھا۔ یقینی طور پر آپ میرے سلسلے ابھی اپنے انہی ہر کاروں سے کام لیں گے۔ میرا مطلب کہنے کا یہ ہے کہ مجھے یہ دھمکی نہ دیں کہ آپ خطرناک آدمی ہیں۔ میں آپ کی یہ دھمکی قبول نہیں کروں گی۔ اب آجائے کام کی باتوں پر تو انگل جو نہ درمیان میں ادھوری رہ گئی تھی اور جس کے لئے آپ نے فرمایا تھا کہ آپ مجھ سے براہ راست بات نہ چاہتے ہیں وہ یہ تھی کہ میرے ماں باپ کی تلاش کے سلسلے میں آپ نے ایک سال کی بات کی تھی۔ اس سے کئی ماہ گزر گئے لیکن اب مسئلہ ایک سال کا نہیں رہتا ہے۔ اب میں یہ چاہتی ہوں کہ ایک ہفتے

سانپ ہیں انگل! کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے لیکن گھٹیا قسم کے آدمی ہیں آپ۔ انسان اگر سانپ سانپ بن کر جیسے کچھ میں کیوں بدل جاتا ہے۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے لیکن بات وہی آ جاتی ہے۔ کا ایک معیار ہوتا ہے انگل! برائی کا بھی ایک معیار ہوتا ہے۔ آپ بھرپور طور سے برائی بھی نہیں کر اس لئے کہ آپ کی اپنی کوئی صلاحیت ہے ہی نہیں۔ خیر چھوڑیے میں آپ کو گالیاں دینے یا برا بھلا کر لئے نہیں آئی۔ برا بھلا انہیں کہا جاتا ہے جو برے نہ ہوں۔ جو برے ہوں وہ اپنے بارے میں جانتے ہیں وہ کتنے برے ہیں۔ ہم انہیں لاکھ برا کتے رہیں ان کا کیا بگڑتا ہے۔“

”ٹھیک کہتی ہو۔ واقعی ٹھیک کہتی ہو۔ چلو خیر چھوڑو میں تم سے ملنا چاہتا تھا لیکن میں مل سکا۔ تم مجھ سے ملی ہو تو یقیناً اس ملاقات کے لئے تم نے اپنے ذہن میں کچھ طے کیا ہوگا۔ صرف مجھے براہ تھایا کوئی اور کام بھی تھا۔“

”کام تھا انگل! برے بھلے کے بارے میں کہہ چکی ہوں کہ کسی اچھے کو برا کہا جائے تو بات ہوتی کسی برے کو کتنا ہی برا کہہ لو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصل میں میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے میرے والدین کے بارے میں معلومات حاصل کر کے بے گے۔ بقول آپ کے میں زخمی ہو گئی اور آپ نے مجھے ایک ناکارہ شے سمجھ کر اپنی بہن کے لئے خفے کے پر قبول کر لیا۔ اب میں زندہ ہوں۔ میں نے آپ کے لئے بہت کام کیا ہے انگل! اب سال بھر کی بات ہو گئی۔ آپ یہ بتائیے کہ کیا آپ کو میرے والدین کا پتہ معلوم ہے؟“

”اپنی سب سے قیمتی شے کی قسم، نہیں۔“

”پہلے بھی نہیں معلوم تھا آپ کو لیکن آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کوشش کر کے میرا یہ کام کر گے۔ اب بتائیے کیا ارادہ ہے آپ کا؟“

”دیکھو، میں تم سے صرف ایک بات کہتا ہوں۔ جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ میرے ساتھ پھر پہلے رابطے قائم کر لو۔ اب سال بھر کی شرط واقعی ختم ہو جاتی ہے۔ میں کسی بھی طرح کوشش کر کے الماس سے یہ معلومات حاصل کر لوں گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اس پر تشدد ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔“

”اپنی بہن پر تشدد کریں گے آپ؟“ میں نے سوال کیا۔

”بات اصل میں یہ ہے کہ اس دنیا میں سب غرض کے بندے ہیں۔ کیا بہن، کیا بھائی، بے میرے دل میں اس کے لئے ایک بھائی کا جذبہ تھا۔ اب نہیں ہے اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو بہن ثابت نہیں کیا۔ ایک چھوٹے سے مسئلے میں ان لوگوں کو میری وجہ سے کچھ مالی نقصانات پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھ سے ہر طرح کے رابطے توڑ لئے بلکہ ایک طرح سے یوں کو دشمنی کا اظہار کیا اور اس کے امکانات بھی ہیں کہ وہ لوگ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔ تمہارے ذریعے مجھے جتنے فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ میں جانتا ہوں اور یہ طے کیا تھا میں نے کہ اب تم سے رابطہ رکھوں گا۔ یقین کر لو تمہاری تلاش میں دن رات ایک کئے ہوئے ہے۔ میں نے اس سے درخواست کی تھی کہ نا ہی اگر شائد کہیں سے تمہیں حاصل ہو جائے تو میری طرف سے اس سے معافی مانگنا اور اس سے کہنا کہ صرف ایک

یا زیادہ سے زیادہ دو ہفتے کے اندر اندر، دو ہفتے بھی بلکہ بہت ہیں بہتر تو یہ ہوگا کہ اس دوران جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔ آپ اپنا وہ عمل کیجئے جس سے آپ کو میرے والدین کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں۔ میری والدہ اور میری دونوں بہنیں مجھے درکار ہیں۔ مجھے اپنے والد کا پتہ چاہئے۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ۔ یہ ساری باتیں مجھے آٹھ یا دس دن کے اندر اندر آپ مجھے بتا دیجئے۔

”فرض کرو۔ اگر میں ایسا کروں تو مجھے اس سے کیا حاصل ہوگا؟“

”زندگی انکل! زندگی۔“ میں نے کہا اور عظمت جلال پھر چونک پڑا۔

”کیا تم مجھے قتل کرنے کی دھمکی دے رہی ہو؟“

”نہیں۔ میں آپ کو اپنے ہاتھوں سے نہیں مارنا چاہتی انکل! لیکن آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی بتائی میرے ہاتھوں ہو سکتی ہے اور بنیادی وجہ یہ ہے انکل! کہ آپ نے مجھے بہت سی دے داریاں سوچنی تھیں۔ کئی گروہوں کے میرے ذریعے نقصان پہنچایا تھا۔ میں آپ کو سکا سکا کر ماروں گی سمجھ رہے ہیں نا آپ اور طریقہ کار کیا ہوگا، یہ بھی میں آپ کو بتائے دیتی ہوں۔ مثلاً ڈی ایس یہ گروہ منشیات کا بہت بڑا گروہ ہے اور آپ نے اسے شدید نقصانات پہنچائے ہیں۔ سانتا گوریا، ڈان البرو، وکٹر ڈان اور کتنے نام لوں آپ کے سامنے۔ اگر ان پر ثبوتوں کے ساتھ یہ انکشافات ہو جائیں کہ آپ کا منصوبہ کیا ہے اور کس طرح آپ نے منشیات کے عظیم اٹھان ذخائر شور کئے ہوئے ہیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ آپ پر چاروں طرف سے یلغار ہو جائے گی۔ اتنے طوفان آپ کی جانب بڑھیں گے انکل کہ آپ ایک منٹ کی مانند حیثیت اختیار کر جائیں گے۔ یہ کام میں کر سکتی ہوں اور میرا انتقام آپ سے یہی ہوگا۔“ میں نے عظمت جلال کے چہرے کی طرف دیکھا اور مجھے ہنسی آنے لگی جن طوفانوں کا میں نے تذکرہ کیا تھا وہ تو نہیں آئے تھے لیکن عظمت جلال سو فیصدی طوفان زدہ معلوم ہو رہا تھا۔ بری حالت ہو گئی تھی اس کی۔ بری حالت ہو گئی تھی۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

”تم مجھے میری اس حماقت کا ازالہ کرنے کا موقع دو۔ اس قدر جلدی نہ کرو ٹھیک ہے۔ میں تمہارے اس مطالبے کو تسلیم کرتا ہوں۔ میں ایک بار پھر تمہیں دعوت دوں گا کہ میرے ساتھ مل کر کام کرو لیکن اس طرح کہ پہلے میں تمہارا کام کروں۔ دیکھو لڑکی کوئی احمقانہ قدم نہ اٹھا بیٹھنا۔ میں تمہاری صلاحیتوں کا پہلے ہی معترف ہوں۔ بلاشبہ تم اتنی ہی ذہین ہو اور بہت اعلیٰ پیمانے پر کام کر سکتی ہو۔ مگر پلیز یہ سب کچھ مت کرنا۔ مجھے وقت دو۔ میں تمہیں یقینی طور پر بہت جلد رزلٹ دوں گا۔“ عظمت جلال پانی کی طرح بہہ گیا تھا اور میں محسوس کر رہی تھی کہ وہ شدید خوفزدہ ہو گیا ہے۔ بہر حال یہ سارے کام میری پسند کے مطابق ہی ہوئے تھے۔ میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے اب آپ یہ بتائیے کہ میرا آپ سے رابطہ کیسے ہوگا؟“

”تم جس طرح سے چاہو۔ میں بہت جلد تمہیں اچھا رزلٹ دوں گا لیکن پلیز میری ایک درخواست

مان لو۔“

”کیا.....؟“

”کوئی وقت نہ لگاؤ۔ بس یوں سمجھ لو کہ ہم پورے خلوص اور دیانت کے ساتھ ایک دوسرے کے کام کریں گے۔ میں الماس آراء کو مجبور کروں گا سمجھ رہی ہوں۔“

”ہاں۔ بالکل میں سمجھ رہی ہوں لیکن انکل! اس بات کا خیال رکھئے کہ مجھے میری ماں اور باپ کا صحیح پتا چاہئے۔“

”ٹھیک ہے بالکل ٹھیک ہے۔“

”اب میں چلتی ہوں۔ آپ یہاں رکیں اور تھوڑی دیر بعد عیسیٰ کر کے اپنی کار تک پہنچ جائیں۔

انکل مجھے گا آپ کی طرف سے اگر مجھے ذرا برابر یہ شبہ ہو گیا کہ آپ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے

ہیں تو انکل بہت برا ہوگا آپ کے حق میں۔ بہت ہی برا ہوگا۔“

”نہیں نہیں بے فکر رہو میرے اندر اتنی ہمت نہیں رہی ہے کہ ایسا کر سکوں۔“ بہر حال میں وہاں

ہاتھ گئی۔ بڑا اچھا جواب ملا تھا مجھے اور میں یہ سمجھتی تھی کہ میرا یہ قدم بہترین رہا ہے۔ بہر حال اس کے

مدد واپس نادیہ کی کوششی میں آگئی اور اسے ساری تفصیلات بتا دیں۔ نادیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ظاہر ابھی تھوڑی دیر کے بعد آنے والا ہے۔ اس نے ایک ایسا سسٹم تیار کر لیا ہے جس کے ذریعے

بغیر کسی کی نگاہوں میں آئے عظمت جلال اور عزت جلال وغیرہ سے بات چیت کر سکتا ہے۔ یعنی بات تو

بلی فون پر ہی ہوگی لیکن یوں سمجھ لو کہ ٹیلی فون ایجنٹ بھی اپنا ہی ہوگا اور کسی کو پتہ نہیں چل سکے گا کہ

کہاں سے بات کی جا رہی ہے۔“ ظاہر اسی دن ہمارے پاس آگیا۔ اپنے ساتھ وہ خاص طرح کی مشین لایا تھا

جس میں بہت سارے ڈائل اور تار وغیرہ لگے ہوئے تھے۔ ظاہر نے کہا۔

”میڈم! یہ میں نے جرمنی سے منگوائی ہے۔ بڑے فکشن ہیں اس کے۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ اس

قدر دید مشین ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ ڈکٹو فون نامی ایک چیز ہوتی ہے جسے آپ کسی بھی کمرے

میں لگا دیجئے وہاں سے ہر آواز سنی جاسکتی ہے۔ اسی طرح وائرلیس بھی ایجاد ہو گئے۔ وائرلیس ڈکٹو فون کی

بات کر رہا ہوں کہ اسے لگا کر تار بچھانے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی لیکن یہ مشین ایک ایسی دلچسپ چیز

ہے کہ آپ تصور نہیں کر سکتیں۔ اس کے ذریعے ہم اپنی مطلوبہ جگہ کی تمام گفتگو سن سکتے ہیں اور اگر ہم

چاہیں تو ٹیلی فون پر رابطہ قائم کر کے وہاں سے تمام تفصیلات معلوم کر سکتے ہیں۔ ہمیں کام صرف اتنا سا کرنا

ہوگا کہ اپنا ایک ننھا سا وائرلیس وہاں تک پہنچانا ہوگا جو مخصوص جگہوں پر نصب ہو جائے گا اور اس کا حجم

آپ دیکھئے۔“ ظاہر نے جب سے بٹن کے جیسی چند چیزیں نکالیں اور انہیں ہمارے سامنے رکھ دیا۔

”یہ صرف امریکن سی آئی اے کے پاس ہیں یا پھر ہم نے انہیں حاصل کیا ہے۔ بس کسی بھی طرح

انہیں ایک بار ان جگہوں تک پہنچا دینا ہوگا۔ جہاں کی باتیں ہمیں سننی ہیں۔ یہ دیکھئے کسی بھی معمولی سی جگہ

انہیں نصب کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی صرف اس طرح کہ لوہے کی کسی چیز پر مینٹ کی طرح ان کو چپکا دیا

جائے۔ اب آپ یہ بتائیے کہ انہیں کہاں کہاں نصب کرنا ہے؟“ میں بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

میں نے کہا۔

”ظاہر پہلے ہم اس کا تجربہ تو کر لیں۔“

”جی ضرور۔ آپ ایسا کیجئے میڈم! اسے اپنی گاڑی میں لے کر کہیں بھی چلی جائے اور کوئی موبائل نہ ہمیں دے دیجئے یا اپنے ٹیلی فون کا نمبر۔ میں آپ کو تجربہ کر کے دکھاتا ہوں اس کا۔“

”ٹھیک ہے، کیوں ناویہ؟“

”ہاں۔ بھئی بڑی ٹایاب چیز ہے اور اس سے زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ یہ ظاہر کے قبضے پر ہے۔ ٹھیک ہے ظاہر ہم دونوں ہی یہ تجربہ کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔“

”جی میڈم! آپ ضرور جائیے لیکن ایک بات سن لیجئے کہ یہ میں آپ کو کمرائے پر دوں گا اور اس معاوضہ بہت زیادہ ہوگا۔“

”یار ظاہر تم ایک بات بتاؤ۔ اتنے سارے پیسوں کا کرو گے کیا؟ پیسوں کے بغیر تم کوئی بات ہی نہیں کرتے۔“ جواب میں ظاہر مسکرا دیا اور اس نے کہا۔

”جائے دیجئے میڈم! پیسہ ایک الگ کمائی ہوتا ہے اور اس کے حصول کے لئے شدید جدوجہد کرنا والوں کا ایک پس منظر بھی ہوتا ہے۔ پھر کبھی بتا دوں گا آپ کو کہ یہ پیسہ میری کون سی ضروریات پوری کرتا ہے۔“ واقعی یہ ایک دلچسپ بات تھی صرف ایک ریسپور لے کر ہم وہاں سے چل پڑے تھے اور ظاہر ناویہ کی کوٹھی میں ہی تھا۔ کوئی پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد ہم ایک سنسان سی جگہ رک گئے۔ ٹیلی فون پر میں نے ظاہر کا نمبر ڈائل کیا تو ظاہر کی آواز فوراً سنائی دی۔

”جی میڈم! اب آپ مجھ سے ٹیلی فون پر بات کر رہی ہیں نا۔ میں اس ریسپور کے ذریعے آپ کی آواز الگ سے سن رہا ہوں اور اس آواز کی ریکارڈنگ آپ کے واپس آنے کے بعد میں آپ کو سناؤں گا۔ اس سے آپ کو تجربہ ہو جائے گا۔ ویسے میں آپ کو موبائل پر رنگ کرتا ہوں۔ کوئی نمبر کہیں سے بھی نہیں کیا جائے گا۔“ خاصی دیر تک ہم اس تجربے میں مصروف رہے۔ پھر جب کوٹھی واپس پہنچے تو ظاہر ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے جو ریکارڈنگ ہمیں سنائی وہ کار میں ہونے والی گفتگو تھی۔ اس قدر واضح اور صاف کہ حیرت ہوتی تھی۔ میں نے کہا۔

”اس کے کتنے ریسپور میں تمہارے پاس ظاہر؟“

”میں۔“

”اوہو۔ مجھے تین چاہئیں۔“ میں نے کہا۔

”میڈم! صرف کمرائے پر مل سکتے ہیں۔“

”ہاں ہاں بھئی ادا بیگی کر دی جائے گی۔“ اور اس کے بعد ظاہر ہمیں اس پورے سسٹم کے بارے میں تفصیلات بتاتا رہا۔ ناویہ نے مجھ سے پوچھا۔

”یہ تین ریسپور تم کہاں کہاں لگاؤ گی؟“

”عظمت جلال۔ الماس آراء اور عزت جلال۔“

”دو جگہ کے بارے میں تو مجھے معلوم ہے کہ تم نے وہاں بقول تمہارے چور راستے تلاش کئے ہوئے ہیں لیکن عزت جلال کے لئے کیا کرو گی؟“

”ناویہ! پوری زندگی خطرات کا مجموعہ ہے۔ یہ خطرات تمہیں اپنے گھر کے داش روم میں بھی پیش آسکتے ہیں۔ معمولی سی مثال ہے بجلی کا ٹھن دباؤ کرنٹ آ جائے پاؤں پانی میں ہوں کیا ہوگا۔ ایک چھوٹی سی مثال دی ہے میں نے۔ عزت جلال کی کوٹھی میں داخل ہو کر مجھے یہ کام کرنا ہوگا۔ بچپن میں ایک بار یہ کوٹھی دیکھی تھی۔ بعد میں کبھی دوبارہ جانا ہی نہیں نصیب ہوا۔ میں اس دور کو بچپن کا دور کہتی ہوں جو الماس آراء کے ساتھ گزرا کیونکہ اس کے بعد میں بچی نہیں رہی مجھ سے میرا بچپن چھین لیا گیا۔“

عظمت جلال کی کوٹھی میں یہ ڈکٹو فون نصب کرنا سب سے آسان کام تھا۔ اس کی خواہگاہ اور اس کی نفست گاہ ایک ہی تھی اور میری وہاں تک بہ آسانی رسائی ہو سکتی تھی۔ اپنی مخصوص جگہ سے میں نے اس ڈکٹو فون کو ایک جگہ نصب کیا۔ پوری طرح اندازہ لگانے کے بعد وہاں سے چل پڑی۔ اسی رات الماس آراء کی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ یہ بھی ایک خطرناک عمل تھا لیکن بہر حال میں پہنچ گئی تھی جو کام کرنا تھا وہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ وہاں بھی میں نے ڈکٹو فون لگایا اور اس کے بعد عزت جلال کی کوٹھی پہنچ گئی۔ یہ جگہ میرے لئے بہت مشکل تھی کیونکہ ایک سیاستدان کی کوٹھی تھی۔ بے شمار دشمن۔ دروازے پر ہی بہت زیادہ روشنی ہو رہی تھی اور چار پانچ کلاشنکوف بردار بستر بچائے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ کوٹھی کا گشت بھی کرتے تھے اور اس وقت دو افراد گشت پر تھے۔ یہ ایک سیاستدان کا مسئلہ تھا۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ کسی اور وجہ سے نہیں تھا۔ میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ کوٹھی کا ایک چکر لگایا اور اس کے بعد اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ اپنے ساتھ لائی ہوئی رسی اور کند کو استعمال کروں۔ چنانچہ میں نے ایک جگہ سنسان دیکھ کر اس وقت جب گشت کرنے والے دونوں گاڑیوں سے گشت کر کے نکل گئے اپنے ساتھ لائی ہوئی رسی جس میں لوہے کا ایک آنکڑا بندھا ہوا تھا اچھالی اور دیوار میں پھنسا دی۔ دیوار پر بھی لمبے لمبے خطرناک شیشے لگے ہوئے تھے۔ میں اوپر پہنچی اور پھر بڑی مہارت کے ساتھ میں نے ایک قلابازی کھائی اور شیشوں پر سے گزرتے ہوئے دوسری طرف جا گری دوسری طرف کیاری تھی جس میں پھول لگے ہوئے تھے۔ میں اسی کیاری میں گر گئی تھی۔ کیاری کافی چوڑی تھی لیکن شاید اس میں نئی نئی کھاد ڈالی گئی تھی۔ میرے پاؤں اس کھاد میں لٹھڑ گئے۔ اس کے علاوہ ہلکی ہلکی بد بو بھی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے دور دور تک نگاہیں دوڑائیں اور پھر اچانک ہی مجھے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کتے کافی فاصلے پر تھے لیکن ان کے کان بہت حساس ہوتے ہیں۔ مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ کتوں نے میری آوازیں سن لی ہیں۔ ایک لمحے کے اندر اندر میں نے چاقو نکال لیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نے دوڑ لگا دی۔ ایک سنگین لمحہ آگیا تھا۔ دوڑتی ہوئی میں اصل عمارت کی دیوار تک پہنچی۔ کتے تیزی سے بھونک رہے تھے اور غالباً ان کے محافظ انہیں کنٹرول کئے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں وہ کھلے ہوئے تھے یا صرف محافظوں کے ساتھ تھے۔ میں پھرتی سے ایک ایسے پائپ تک پہنچ گئی جو اوپر جاتا تھا اور اس کے بعد انتظار کئے بغیر میں نے اپنی تمام تر مہارتوں کو استعمال کرتے ہوئے اس پائپ پر چڑھنے کی کوشش کی مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ پائپ پلاسٹک کا ہے یا سینٹ کا یا لوہے کا۔ بس میری خواہش تھی کہ میں اوپر اس بالکونی تک پہنچ جاؤں جو عقبی حصے میں نظر آرہی تھی اور جس کا اس سمت کوئی جواز نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے بس کمرے کے سامنے بنادی گئی ہو۔

میں پھرتی سے ابر چڑھتی ہوئی بالکونی تک پہنچی۔ پاپ سے اس کا فاصلہ کوئی ڈھائی فٹ کا تھا۔ میں نے برق رفتاری سے اپنی لمبی ٹانگوں کا سہارا لے کر بالکونی میں چھلانگ لگا دی اور پھر سیدھی سیدھی لیٹ گئی۔ بالکونی کے دوسری جانب کا دروازہ بند نہیں تھا لیکن میں نے کتوں کے دوڑنے کی آوازیں سن لی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی انسانی قدموں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ کتوں کو ابھی سمت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ بس وہ آہٹ پر دوڑے تھے۔ چنانچہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے چار خوفناک کتے چوڑیاں بھرتے ہوئے بالکونی کے نیچے سے آگے بڑھ گئے۔ ان کے پیچھے ہی نارچیں لے ہوئے محافظ بھی دوڑ رہے تھے۔ میں نے دھڑکتے دل پر قابو پانے کی کوشش کی پھر اپنی جگہ سے اٹھی۔ مٹی اور کھاد میں تھڑکی ہوئی ٹانگوں سے بدبو اٹھ رہی تھی لیکن جان بچانا ضروری تھا۔ ان خوفناک کتوں کی فطرت سے میں واقف تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ سرحال اس جگہ کو تلاش کر لیتے اور پھر انہیں مجھ تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ چنانچہ میں نے بالکونی کے دوسری طرف کا دروازہ کھولا اور یہ سوچے سمجھے بغیر کہ یہ دروازہ کہاں کھلتا ہو گا اندر داخل ہو گئی۔ ایک کمرہ تھا۔ عزت جلال کی کوٹھی سے میں بہت زیادہ واقف نہیں تھی۔ لیکن اس کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے سب سے پہلے دوسرا دھڑنگاں دوڑائیں۔ کمرے میں تاریکی تھی لیکن میری آنکھیں پوری قوت سے کام کر رہی تھیں۔ مجھے واش روم نظر آ گیا اور میں پھرتی سے اس جانب بڑھ گئی۔ واش روم میں پہنچنے کے بعد میں نے سب سے پہلے اپنے پیروں سے وہ غلاظت دور کی جو تے بھی اس میں بھر گئے تھے۔ میں نے وہیں جوتے اتار دیئے۔ ان جوتوں کو صاف کرنا ممکن نہیں تھا بعد میں جو کچھ ہو گا وہ دیکھا جائے گا وہ الگ بات ہے۔ فی الحال میں اس ہاتھ روم میں تھوڑا سا وقت گزارنے کے لئے تیار ہو گئی تھی لیکن پھر میں نے سوچا کہ کتے سرحال اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر پاپ تک کی نشاندہی کر دیں گے اور اس کے بعد بالکونی کی بھی۔ اس کمرے کو چھوڑ دینا چاہئے۔ میں نے بروقت فیصلہ کیا اور کمرے سے باہر نکل آئی میرے کان تمام تر حساس آوازوں کو سننے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے کتوں کی آوازیں بالکونی کے نیچے رکتے ہوئے سنی تھیں۔ چنانچہ میں واش روم سے باہر نکل آئی پھر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر ایک راہداری میں پہنچ گئی۔ راہداری کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن اب جب یہاں تک آئی ہوں تو اتنے فاصلے پر نکل جانا چاہئے کہ وہ لوگ مجھے تلاش نہ کر سکیں۔ میں چھپی ہوئی لمبی کی طرح راہداری میں دوڑنے لگی۔

آگے جا کر راہداری دائیں سمت گھوم جاتی تھی۔ کتوں کے بھونکنے کی ہلکی ہلکی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے نیچے جانے والا زینہ نظر آیا تو میں زینے سے نیچے اترنے لگی۔ یہ زینہ ایک بہت ہی وسیع و عریض ہال میں کھلتا تھا جس میں موٹا قالین بچھا ہوا تھا۔ ہال میں مدہم مدہم روشنیاں تھیں جن سے پورے ہال کا منظر نظر آتا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا ہال میں مدہم مدہم روشنیاں تھیں جن سے پورے ہال کا منظر نظر آتا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ ہال میں تین دروازے تھے جن پر بہت ہی قیمتی پردے لٹکے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک دروازے کا انتخاب کر کے جو میرے قریب ہی تھا میں پردہ ہٹا کر ان میں داخل ہو گئی۔ یہ بھی ایک چھوٹی سی راہداری تھی اور اس کے بعد ایک اور نشست گاہ میں کھلتی تھی۔ یہاں شیشے کے بڑے بڑے دروازے لگے ہوئے تھے۔ جن سے باہر کا منظر نظر آتا تھا اس کا مطلب ہے

کہ یہاں سے باہر نکلا جاسکتا ہے لیکن باہر نکلتا خطرناک تھا کیونکہ کتے چاروں طرف مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ میں نے ایک اور دروازے کی جانب رخ کیا جو سیدھا کھلتا تھا اور پھر وہاں سے باہر نکل کر جو سامنے کمرہ نظر آیا۔ اس کا ہینڈل کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ بہت ہی احتیاط کے ساتھ سانس روکے ہوئے میں اندر پہنچی تھی لیکن اچانک ہی کچھ ہوا ایک ہلکی سی آہٹ ہوئی اور اس سے پہلے کہ میں پلٹی میرے سر پر ایک زوردار ضرب پڑی۔ میں نے اپنا ایک ہاتھ سر پر رکھا اور خود کو کنسہالتے ہوئے خنجر والا ہاتھ گھمانے کی کوشش کی۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ جو شخص بھی میرے سر پر ضرب لگانے کا باعث بنا ہے وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا ہے۔ میں نے خنجر سے دوسرا وار کیا لیکن فوراً ہی دوسری ضرب بھی میری گردن پر پڑی اور اس بار بری طرح چکر آ گیا تھا۔ تیسری ضرب نے بہر حال مجھے بے حال کر دیا۔ اپنے آپ کو کنسہالتے کی کوشش کی تھی اور اس کے بعد قالین پر ڈھیر ہو گئی تھی۔ اگر یہاں قالین نہ ہوتا تو یقینی طور پر گرنے سے چوٹ لگتی۔ بس اس کے بعد کچھ ہوش میں رہا تھا۔

نہ جانے کب تک بے ہوش رہی تھی اس کا صحیح اندازہ تو خیر ممکن ہی نہیں تھا۔ ہوش آیا تو یوں محسوس ہوا جیسے بینائی چلی گئی ہو۔ چاروں طرف گھور اندھیرا طاری تھا۔ روشنی کی کوئی رمت نظر نہیں آ رہی تھی۔ دل بہت شدت سے دھڑکا۔ گزرے ہوئے واقعات یاد آئے۔ یہ بھی یاد آیا کہ سر کی چوٹ بعض اوقات بینائی چھین لیتی ہے۔

دہشت بھرے انداز میں سر کو ٹٹولا تو سر پر پتی بندھی ہوئی تھی۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے میں نے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑیں تو ایک سکون کا احساس ہوا۔ کچھ فاصلے پر غالباً کوئی روشن دان تھا اور اس روشندان سے باہر کا منظر نظر آ رہا تھا۔ ایک ستارہ تھا جسے اس وقت اگر اپنے احساسات کے سہارے سوچا جاتا تو یہ اندازہ ہوتا کہ یہ میری تقدیر کا ستارہ ہے کیونکہ اس نے مجھے بینائی بحال ہونے کا احساس دلایا تھا۔ البتہ کچھ دیر اس پر نگاہیں جمائے رہی یہ سوچ کر کہ یقین آ جائے اور یہ صرف میرا وہم نہ ہو۔ ستارہ واضح طور پر چمکتا رہا اور مجھے یہ یقین ہو گیا کہ بینائی نہیں متاثر ہوئی بلکہ جس جگہ میں موجود ہوں وہاں گہرا اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس جگہ کا تعین کیسے ہو۔ گزرے ہوئے واقعات یاد آئے عزت جلال کی کوٹھی میں تھی۔ جلدی سے اس ڈکٹو فون کو تلاش کیا جو یہاں نصب کرنا چاہتی تھی لیکن ایک لمحے کے اندر اندر احساس ہوا کہ ڈکٹو فون تو درکنار بدن پر وہ لباس بھی نہیں ہے جس لباس میں یہاں تک آئی تھی۔ بلکہ ایک ڈھیلا ڈھالا جیژن ٹاپ کا لباس بدن پر لمبوس ہے اور اس کے نیچے..... ایک بار پھر دل دہشت سے دھڑک اٹھا۔ گھاؤں کے نیچے بہت مختصر لباس تھا میرا اصل لباس اتار لیا گیا تھا۔ میرے بدن میں چنگاریاں بھر گئیں۔ عزت جلال کی کوٹھی میں کس نے میرے جسم سے یہ لباس اتارا ہوگا۔ اپنے احساسات پر توجہ ہوئی تو احساس ہوا کہ عالم بے ہوشی میں میرے ساتھ اور کوئی نازیبا سلوک نہیں کیا گیا ہے لیکن میرے جسم کا لباس تبدیل کرنا یا اتار لینا ہی ایک ایسا جرم تھا کہ اگر مجھے اس بات کا پتہ چل جائے کہ یہ کون سے ہاتھ تھے جنہوں نے یہ عمل کیا تو ان ہاتھوں کو دوبارہ تحریک سے محروم کر دوں۔ خون کھول اٹھا تھا۔ سرحال یہ کہنے

لوگ تھے۔ ہو سکتا ہے عزت جلال نے مجھے قید کرنے کے بعد یہ سوچا ہو کہ وہ میرے ساتھ کوئی وحشیانہ کھیل کھیلے گا۔ سامنے آ جا بیٹے میں تجھے دکھاؤں گی کہ وحشت کیا چیز ہوتی ہے۔ آؤ سہی ایک بار۔ رفتہ رفتہ آنکھیں تاریکی کی عادی ہوتی جا رہی تھیں اور اب اس کمرے کی مدہم مدہم چیزیں نظر آنے لگیں تھیں۔ یہ مضبوط سا کمرہ تھا۔ دروازے کھڑکی کوئی نہیں تھی۔ چھت کے پاس دیوار میں یہ روشن دان تھا۔ اچانک ہی میرے ذہن کو ایک اور بھی احساس ہوا۔ یہ کمرہ میں پہلے بھی دیکھ چکی ہوں۔ یہ بستر وہ سامنے رکھے ہوئے میز یہ کمرہ..... یہ کمرہ میرے خدا! یہ عزت جلال کی کوٹھی نہیں تھی۔ یہ تو الماس آراء کا گھر تھا۔ گھر جہاں میں نے بچپن سے لے کر جوانی تک کی زندگی گزار لی تھی۔ یہ کمرہ مشرق گوشے کا ایک بے کار کمرہ تھا۔ جس میں ایک بستر پڑا ہوا تھا۔ یہ ایک میز تھی قالین تھا اور بس باقی کچھ بھی نہیں تھا۔ برسوں یہ کمرہ نہیں کھلتا تھا کیونکہ اس کا کوئی مصرف ہی نہیں تھا۔ تو مجھے اس کمرے میں لا کر ڈال دیا گیا ہے لیکن عزت جلال کی کوٹھی سے میں یہاں تک کیسے منتقل ہوئی؟ بہت سے سوالات میرے دل میں ابھرے اور پھر میں خود ہی سوالات کے جواب بن گئی۔

کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ سر پر ضرب لگا کر مجھے بے ہوش کر دیا گیا۔ اب یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس وقت وہ لوگ کیا سمجھتے تھے لیکن اس کے بعد جب مجھے عزت جلال کے سامنے پیش کیا گیا ہو گا تو ظاہر ہے میں اس کے لئے اجنبی تو نہیں تھی۔ اس نے بھی یہی سوچا یعنی یہ کہ وہ مجھے اپنی بہن کو تختہ دے دے۔ ایسا ہی ہوا ہے میں صحیح معنوں میں الماس آراء کے لئے ایک تحفہ ہی تو تھی۔ الماس آراء نے مجھے یہاں قید کیا ہے۔ اس کمرے کے بارے میں میں اچھی طرح جانتی تھی کہ اس میں صرف یہی ایک دروازہ ہے۔ ہاتھ روم وغیرہ بھی نہیں تھا نہ کوئی کھڑکی تھی۔ مضبوط دیواریں۔ دروازہ بھی بے پناہ مضبوط تھا اور باہر سے بند ہونے کے بعد کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اسے توڑا یا کھولا جاسکے۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ گرد کی ہلکی ہلکی بو پھیلی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کمرہ گرد آلود ہی تھا۔ صفائی بھی بہت کم ہوا کرتی تھی اس کی۔ ہفتے پندرہ دن میں بس ایک بار جھاڑ پونچھ کر لی جاتی تھی۔ میں اندازے سے چلتی ہوئی دروازے تک پہنچی۔ میرا اندازہ بالکل درست تھا۔ مضبوط دروازہ باہر سے بند تھا۔ بالکل بے کار ہے کیا اسے بجاؤں ہنگامہ کروں؟ میں نے دل میں سوچا لیکن ایک بات میں اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر میں دیواروں سے سر پھوڑ پھوڑ کر اپنا پیچھے بھی باہر نکال لوں تو الماس آراء کو ذرہ برابر غم نہیں ہو گا بلکہ وہ خوش ہوگی۔ نہیں عقل سے کام لینا چاہئے۔ گڑ بڑ ہوگی۔ سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ عزت جلال کی کوٹھی درحقیقت میرے لئے چوہے دان ثابت ہوئی۔ باقی دونوں جگہیں تو میری دسترس میں تھیں لیکن عزت جلال کی کوٹھی گڑ بڑ ہوگی۔ اس کوٹھی کو میں نے بہت اچھی طرح نہیں دیکھا تھا۔ کوئی اور ترکیب سوچنی چاہئے تھی۔ دفعتاً ذہن میں ایک خیال آیا اور میں اپنی اس حماقت پر خود شرمندہ ہو کر رہ گئی۔ دل چاہا کہ سر پر جوتے لگاؤں لیکن جوتے تھے ہی کہاں۔ اپنے جوتے تو میں نے عزت جلال کی کوٹھی کے داش روم میں اتار دیئے تھے۔ مجھے اس وقت حاکم شیرازی کا خیال آیا تھا۔ ایسے ذہنی بحران کا شکار تھی کہ حاکم شیرازی کے چند الفاظ بھول گئی تھی۔ اس نے ٹیلی فون بند کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ عزت جلال، عظمت جلال اور الماس آراء بیگم ملاقات کر رہے ہیں۔ ارے باپ

اپنی زندگی کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور سوچ رہی ہوں دوسروں کے بارے میں۔ ایک بار پھر میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سر میں ہلکی ہلکی ٹیسس ہو رہی تھیں۔ باقی بدن پر سکون تھا میں دیر تک سوچتی رہی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے ہو گا کیا؟ یہ تمام باتیں قابل غور تھیں اور میں خاموشی سے بستر پر لیٹی ہوئی سوچ میں ڈوبی اس اکلوتے ستارے کو دیکھ رہی تھی جو دور سے چمک رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ میری تقدیر کی روشنی تھی یا پھر روشنی کا آخری احساس۔ نیند بھلا کب آتی رات جس طرح کئی میرا دل ہی جانتا تھا۔ اس روشن دان سے روشنی جھلکنے لگی۔ ستارہ ڈوب گیا۔ سورج نے ماحول پر قبضہ جمالیا۔ باقی رات آنکھوں میں کئی تھی اس لئے سر میں درد بھی ہو رہا تھا اور پھر چوٹ کی تکلیف بھی تھی۔ میں انتظار کرتی رہی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ ہلکی ہلکی آہٹ ابھری تھی اور پھر دروازہ کھلا اور سب سے پہلے الماس آراء اندر داخل ہوئی۔ بلند وبالا قد و قامت کی مالک یہ عورت کسی زمانے میں میرے لئے بڑی محترم تھی۔ دنیا کا ہر لاڈ کیا کرتی تھی اس سے لیکن اس وقت وہ ایک بھیاں تک چڑیل لگ رہی تھی۔ اس کے پیچھے عزت جلال اور عظمت جلال دونوں تھے۔ ایک اور آدمی بھی سفید سوٹ میں ملبوس موجود تھا اور اس کے پیچھے ایک اور شخص جو شخص سفید سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے گلے میں سینتھو سکوپ پڑا ہوا تھا گویا وہ ڈاکٹر تھا۔ چھپے ایک اور شخص بیک لٹکائے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔ اس طرح یہ بہت سے افراد اندر پہنچ گئے۔ میں نے کسی قسم کی اداکاری کرنا ضروری نہیں سمجھی تھی۔ الماس آراء بیگم بہت چالاک تھی اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ باہر بھی یقینی طور پر کچھ لوگ موجود ہوں گے۔ خاص طور سے اور کوئی نہ بھی سہی تو عظمت جلال اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ میں کس طرح کارکردگی کی مالک ہوں۔ میں آنکھیں کھولنے نہیں دیکھ رہی تھی۔ الماس آراء کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ ابھر آئی۔

”تو ہوش آگیا تمہیں؟“ میں بھی مسکرا دی اور میں نے آہستہ سے کہا۔

”ابھی کہاں؟“ دونوں کے جملے معنی خیز تھے۔ عزت جلال غور سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے

آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”دیکھو۔ میں تمہیں ایک بات بتا دوں۔ اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ مجھے نقصان پہنچا دو گے تو یہ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ اصل بات تو تمہیں یہ سوجنی چاہئے تھی کہ میں عزت جلال کی کوٹھی میں داخل کیوں ہوئی۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میرا منصوبہ کیا تھا۔“

”مگر تمہارا کوئی منصوبہ تھا بھی تو وہ ناکام ہو چکا ہے اور ہمیں ناکام منصوبوں سے کوئی خوف نہیں محسوس ہوتا۔“

”مجھے صرف یہ بتا دو کہ میری ماں ہمیں اور میرا باپ کہاں ہے؟“

”ہم تمہیں یہ تو نہیں بتا سکتے کہ تمہاری ماں ہمیں کہاں ہیں۔ ہاں یہ اطمینان دلا سکتے ہیں کہ جس طرح تمہارے باپ کا اس دنیا میں کوئی وجود نہیں ہے اسی طرح صرف چند روز کے اندر اندر تمہاری ماں اور دونوں بہنوں کا بھی وجود نہیں ہوگا۔ ہم نے انہیں تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی وہ ہمارے جنگل سے نکل گئی تھیں۔ وہ بد معاش بڑھا جس کی ہم نے آنکھیں بھی پھوڑ دی تھیں۔ ان کے ساتھ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا لیکن ہمارا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ مرنے کے بعد تمہیں اس کا پتہ چل جائے گا کہ تمہاری ماں ہمیں بھی مر چکی ہیں۔“ میرے پورے جسم میں سنسناہٹ دوڑ رہی تھی۔ میں نے کہا۔

”میرے باپ کی کیا کیفیت ہے؟“

”ادھو۔ ہاں۔ ہم تمہیں تمہارے باپ کی کیفیت دکھانا چاہتے ہیں مگر اس سے چلو ملائیں تمہیں اس سے آجاؤ۔ سارا دواسے ڈاکٹر! یہ بڑی خطرناک لڑکی ہے۔ آپ خود بھی ہوشیار ہیں۔ ایسا کرو اس کے ہاتھ پیچھے باندھ دو۔ فوراً ہاتھ پیچھے باندھ دو اس کے چلو۔ تم یہ کام کرو۔“ الماس آراء نے سب سے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی سے کہا اور اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھیلے سے ایک ٹائیلون کی رسی نکال لی۔ میں اس وقت واقعی اس خبر سے بے ہوش ہو گئی تھی کہ میرا باپ اس دنیا میں نہیں ہے۔ میرا ذہنی توازن درست نہیں رہا تھا۔ چنانچہ میں کوئی حرکت نہیں کر سکی اور انہوں نے اس مضبوطی سے میرے ہاتھ پست پر کسے کہ میری کلائیاں ٹوٹنے لگیں۔ مگر میں خاموش ہی رہی تھی۔ میرے ذہن میں اس وقت کوئی جنون نہیں تھا۔ غم کا ایک احساس دل و دماغ پر طاری تھا۔ اگر یہ کم بخت عورت سچ کہہ رہی ہے اور میرا باپ بھی اس دنیا میں نہیں ہے تو میرے لئے اس سے زیادہ غم کی بات بھلا اور کون سی ہو سکتی تھی۔ میں ان کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ عظمت جلال اور عزت جلال ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ ڈاکٹر بھی میرے ساتھ ساتھ ہی تھا۔ وہ لوگ مجھے پیدل چلاتے رہے اور کوٹھی کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے مغربی حصے میں آگئے۔ یہاں ایک کمرے میں داخل ہو کر ایک تہ خانے کا دروازہ کھولا گیا اور یہ سچ تھا کہ اس تہ خانے کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ پتہ نہیں اس کا جائے وقوع کیا تھا۔ ہرجاں بارہ میڑھیاں اترنے کے بعد ایک وسیع و عریض ہال میں داخل ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد الماس آراء بیگم مجھے ایک مسہری کے پاس لے گئیں۔ میں نے مسہری پر ایک انسانی جسم کے پتھر کو پڑے ہوئے دیکھا۔ سوکھی ہوئی ہڈیوں کا ڈھانچہ بستر پر مڑا پڑا ہوا تھا۔ الماس آراء بیگم نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور کہنے لگی۔

”اپنے باپ سے ملو یہ جمال احمد ہے اور اس بات میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ عزت جلال سے ایک

”بھئی کمال ہے۔ گھر کی پٹی ہوئی اگر ایسی نکل آئے تو بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ بڑی بات بڑی بات ہے۔“ کوئی اور کچھ نہیں بولا تھا۔ میں نے نگاہیں اٹھا کر عظمت جلال کی طرف دیکھا تو عظمت جلال کے چہرے پر ہلکی سی بوکھلاہٹ طاری ہو گئی لیکن پھر وہ فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھالنے میں کامیاب ہوا اور آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچ گیا۔

”عزت جلال کی کوٹھی میں کیوں جا بھی تھیں؟“ اس نے سوال کیا۔

”آپ نے منع بھی تو نہیں کیا تھا اٹکل! بلکہ آپ نے یہی کہا تھا کہ احتیاط کے ساتھ اپنا کام کرو اور وہ کاغذات لے کر آؤں۔“ میرے الفاظ پر عظمت جلال ایک لمحے کے لئے تو بھونچکا ہوا۔ اس کے بعد ایک ہلکا سا قہقہہ فضا میں بلند ہوا اور وہ کہنے لگا۔

”کان پکڑنے کو دل چاہتا ہے۔ اس لڑکی کے سامنے الماس آراء! کاش تمہارا اس سے اختلاف نہ ہوتا۔ کاش! کسی طرح وہ بھانڈا نہ پھوٹتا تو یقین کرو یہ وہ لڑکی ہے جو آسمان میں سوار کر دیتی۔ بی بی! مجھے بہت افسوس ہے کہ تمہاری ہر چال ناکام ہو گئی۔ جب تم حادثے میں زخمی ہوئی تھیں تو میں نے تجھے کے طور پر تمہیں اپنی بہن کو پیش کر دیا تھا۔ میرے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ تم مکاری کر رہی ہو۔ الماس آراء اس وقت تمہاری حفاظت نہیں کر سکیں اور تم نے تو صحیح معنوں میں ہم سب کے سر تڑوا دیئے تھے۔ مگر قدرت نے ہمیں بچالیا۔ اب تمہیں یہ سن کر بہت زیادہ خوشی ہوگی کہ ہمارے درمیان مکمل مفاہمت ہے۔ ہم نے آپس میں سمجھوتہ کر لیا ہے نہ عزت جلال کو اس پیسے کی فکر ہے جو اس نے کاروبار میں لگایا تھا اور نہ مجھے ان تمام گروہوں کی جان کی دھمکی تم نے مجھے دی یعنی۔ ڈی۔ ٹو۔ ایس۔ سائنٹا گوریا۔ ڈان البرڈ اور وکٹر ڈان وغیرہ۔ ہم نے ساری مشکلات کا حل تلاش کر لیا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ انسان اپنی قدر نہیں کرتا۔ تمہیں تو کم از کم یہ ماننا چاہئے تھا کہ ایک عام سا پاکستانی ہوتے ہوئے میں نے کس طرح اتنے بڑے بڑے گروہوں کو انگلی پر نچا ڈالا۔ اب اگر تم یہ بھی سوچو کہ تم انہیں میرے بارے میں بتا دو گی اور ساری تفصیل بتا دو گی تو نہیں بابا تمہیں اس کی اجازت بالکل نہیں دی جاسکتی۔ ہم سب نے مل کر تمہارے بارے میں مناسب فیصلے کر لئے ہیں۔“

”اس کیتیا کی بچی سے ہر شخص کا الگ الگ حساب ہے۔ اس نے میرے بھائی کو ہلاک کر دیا اس نے مجھے زخمی کیا۔“

”اور اس نے میری اربوں ڈالر کی مالیت کی رقم ڈبوا دی۔“ عزت جلال نے کہا اور میں نے چونک کر عزت جلال کو دیکھا۔ یہ بات ذرا اجنبی تھی میرے لئے لیکن عظمت جلال فوراً بول اٹھا۔

”اور آگ لگاؤ اور آگ لگاؤ۔ میں ہی تمہارا ایک ہمدرد تھا لیکن تم نے مجھے بلیک میل کرنے کی بات کی تو مجھے تمہارے بارے میں ذرا مختلف انداز میں سوچنا پڑا۔“

”اور کچھ۔ تم سب بھونکے ہو؟“ میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”اب تم بھونک لو بھونکو، بھونکو، بھونکو، بھونکنا چاہتی ہو؟“ عظمت جلال بولا۔

”میں جاتا ہوں۔“ عظمت جلال واپسی کے لئے مڑا اور پھر اچانک ہی اس کے حلق سے ایک عجیب سی نکل کر رہ گئی۔ تمہ خانے کے داخلی دروازے کی میڑھیوں پر کوئی کھڑا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے نکلنے آواز پر سب نے چونک کر ادھر دیکھا اور ایک لمحے کے لئے سب کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ پھر الماس کی بگڑی ہوئی آواز ابھری۔

”تم یہاں کیوں مر رہے ہو کمال احمد؟“ کمال احمد سرد نگاہوں سے ان تینوں کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے دی لمبے میں کہا۔

”تم تینوں کی کمائی سن رہا تھا۔ تم تین جانوروں کو دیکھ رہا تھا۔ تعجب کی بات ہے کوئی ماں تو ضرور لی تمہاری اور اس نے تمہیں اپنے پیٹ میں رکھا ہوگا۔ اسے کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ اس کے شکم میں بڑے پرورش پا رہے ہیں۔ اس نے تمہیں جنم بھی دے دیا پھر تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ لعنت ہے اس ماں جس نے تم جیسے وحشی بھیڑیے جنم دیئے۔“ عظمت جلال اور عزت جلال تو بوکھلا کر ایک دوسرے کی شکل بنے لگے لیکن الماس آراء غرا کر بولی۔

”ہمت دماغ بھک رہا ہے۔ کوئی کمائی پڑھ کر آگئے ہو کیا۔ جانتے نہیں ہو میں کون ہوں اور جانتے ہی ہو یہ کیا ہے۔“ اس بار اشارہ بستر پر پڑے ہوئے انسانی ڈھانچے کی طرف تھا۔

”بھائی ہے یہ میرا“ بھائی ہے اور آج میں بھی اپنے آپ پر لعنت بھیج رہا ہوں۔ ہماری ماں بری نہیں لیکن کہ اس نے جمال احمد جیسے بیٹے کو جنم دیا جس نے ہمیشہ میری اطاعت کی۔ ہاں۔ اپنے آپ پر ضرور لعنت بھیجتا ہوں کہ میں نے بھی اسی ماں کے پیٹ سے جنم لیا ہے۔ جس نے جمال احمد جیسے بیٹے کو جنم دیا۔ کی بچی! بڑی بے غیرت عورت ہے تو۔ بڑی بے غیرت عورت ہے۔ تو نے کیا کیا ہے اور میں! میں بھی اے کم بے غیرت نہیں ہوں کہ میں نے اپنے بھائی کو تیری بیہوش چڑھا دیا جس کا مجھے کوئی حق نہیں تھا۔ نے اپنی بھانج اور اس کی بچیوں کو اس طرح نظر انداز کر دیا کہ اب سوچتا ہوں تو شرم سے پانی پانی ہوا آتا ہوں۔ بے غیرت عورت! تجھے احساس ہے کہ موت کیا چیز ہوتی ہے تجھے احساس ہے کہ ہر انسان کے دم میں زندگی ہوتی ہے۔ تم لوگ خود بھی آسانی مخلوق نہیں اور دوسرے زمین پر رہنے والے کیڑے نہیں لیکن تم یہی سمجھتی ہو نا۔“

”کمال احمد! پہلی بات تو یہ ہے کہ تم یہاں آئے کیوں ہو۔ دوسری بات یہ کہ تمہیں کس نے یہ زبان لی جو تم میرے بھائیوں کے سامنے بکواس کر رہے ہو۔ نیچے آ جاؤ۔“ عظمت بھائی، عزت بھائی اس کتے کو پکڑ لے آئے۔ اسے اس کے بھائی کے ساتھ ہی موت کے نیند سو جانا چاہئے۔“ عظمت جلال، عزت جلال اس کے۔ اب اس قدر بار بار نہیں تھے کہ کسی سے جا کر ٹکرانے کی کوشش کرتے جبکہ کمال احمد کے چہرے پر کدورت ایک انتہائی سنگین اور خوفناک کیفیت نظر آ رہی تھی اس نے اپنا پیچھے کیا ہوا ہاتھ سامنے کیا تو اس کے ہاتھ میں آٹو میٹک پستول چمکتا ہوا نظر آیا۔ عظمت جلال اور عزت جلال کے حلق سے ایک بار پھر آواز ٹل گئی اور وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ الماس آراء کے چہرے پر البتہ وہی غرور چمک رہا تھا۔ کمال احمد نے کہا۔

آدمی قتل ہو گیا تھا اور اس وقت صورت حال ہمارے لئے بہت سنگین تھی۔ کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اگر عزت جلال کو اس چکر سے نکال لیا جاتا تو عزت جلال اس مسئلے کو ہموار کر سکتا تھا۔ کمال احمد کے ذریعے جمال احمد کو اس بات پر مجبور کیا گیا کہ اس قتل کا الزام وہ اپنے سر لے لے کیونکہ مد مقابل بھی بہت پاور فل لوگر تھے۔ جمال احمد کو کمال احمد نے مجبور کیا۔ وہ بڑے بھائی کی عزت پاگلوں کی طرح کیا کرتا تھا اور بڑا بھائی اگر کوئی لفظ کہتا تو وہ اپنی عقل سے سوچتا بند کر دیتا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ ہم اسے جیل سے نکال لیں گے اور اسے سزا نہیں ہونے دیں گے۔ شاید یہ کام ہم کر بھی لیتے لیکن جمال احمد کچھ اس طرح کی بکواس کرنے لگا تھا کہ مجبوراً اس کے لئے کچھ اور فیصلہ کرنا پڑا۔ وہ کہتا تھا کہ وہ سارا راز فاش کر دے گا۔ وہ کسی کے جرم میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔ وہ کیا گیا ہے جو نہیں کرنا چاہئے تھا۔ چنانچہ ہم اسے جیل سے نکال لائے اور لانے کے بعد یہاں اس تمہ خانے میں قید کر دیا۔ یہ بہت ضروری تھا۔ یہاں کافی دن تک وہ اپنے جنون کا شکار رہا۔ کہتا تھا کہ میں اپنی بیوی بچوں کے درمیان جانا چاہتا ہوں مجھے زندگی دو لیکن ہمارے لئے خطرناک تھا۔ وہ ہم اسے چھوڑ کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ فیصلہ یہی کیا گیا کہ اسے یہیں مرجانے دیا جائے اور وہ اسی قید خانے میں بھوکا پیاسا مر گیا۔ اس قید خانے میں کسی کا آنا نہیں ہوتا کوئی ضرورت ہی نہیں پیش آتی۔ چنانچہ وہ یہیں مرکب کر ختم ہو گیا اور کمائی ختم ہو گئی سمجھ گئی تم۔ تمہاری ماں اور دونوں بہنیں ہماری قید میں تھیں لیکن وہ بوڑھا شیطان..... میں نے اس کی آنکھیں نکال لی تھیں لیکن نہ جانے کس طرح وہ فرار ہو گیا۔ یہ پوری کمائی ہے اور اب مجھے دعائیں دو کہ میں نے تمہیں یہاں تک پہنچا دیا۔ میرا خیال ہے تمہیں اپنے باپ کی موت کا تجربہ کر لینا چاہئے کیا سمجھیں۔“ وہ رکی اور پھر تھک مار کر ہنس پڑی۔ پھر اس نے کہا۔

”زندگیاں اسی طرح کھوئی جاتی ہیں۔ اس شیطان نے تم سے کہا اور تم میرے خلاف ہو گئیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ تم نے مجھے زندگی کے شدید ترین نقصانات پہنچائے ہیں۔ بھلا تم جیسی ناگن کو چھوڑ دینا کہاں کی دانش مندی ہے۔ کیوں بھائی عزت جلال اور عظمت جلال آپ کیا کہتے ہیں؟“

”خیر میری بات نہ کرو میں تم سے پہلے بھی اپنے تاثرات کا اظہار کر چکا ہوں۔ ایسی حیرت انگیز لڑکی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ بے پناہ صلاحیتوں کی مالک ہے آہ۔ کاش! اس کی ذہنی رو اس طرح نہ بھگ گئی ہوتی اور یہ انسان کی بچی ہوتی تو اس قدر شاندار شخصیت کی مالک ہوتی کہ ہمیں اربوں کم کر دیتی۔ میں جانتا ہوں کہ اس کا بدل تلاش کرنا ممکن ہی نہیں ہوگا۔“

”تو پھر ٹھیک ہے کیا خیال ہے اسے ایسے ہی چھوڑ دیا جائے یا ختم کر دیا جائے؟“ عزت جلال نے کہا اور الماس آراء کچھ دیر تک خاموش ہو کر سوچتی رہی پھر بولی۔

”نہیں بھائی عزت جلال! یہ اس قدر خوفناک لڑکی ہے کہ اگر میں نے اسے زندہ چھوڑ دیا تو میرے ذہن پر بوجھ ہی رہے گا۔ یہ یہاں سے نکل بھی سکتی ہے۔“

”تو پھر ٹھیک ہے ختم کر دو اسے۔ جاؤ عظمت جلال! تم باہر سے کوئی ایسا ہتھیار لے کر آؤ۔ الماس آراء نے پہلے نہیں کہا ورنہ۔“

”کتیا! میں اگر چاہوں تو تجھے قانون سے بھی سزا دلوا سکتا ہوں لیکن اب کوئی قانون، قانون نہیں ہے۔ میرا بھائی، میرے سامنے ہے۔ جمال احمد تیرا مجرم تیرے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ میں سخت شرمندہ تجھ سے۔“

”کک..... کیا بکواس کر رہے ہو۔ میں کہتی ہوں کیا..... ارے..... ارے.....“
 ”الماس آراء چیچی لیکن دو فائر ہوئے۔ کمال احمد کا شانہ بڑے غضب کا تھا۔ الماس آراء ماتھے کے عین درمیان سوراخ ہو گیا اور دوسرا سوراخ اس کے سینے میں دل کے مقام پر ہوا۔“
 ”اگر کوئی اور موقع ہوتا تو میں تیرے دونوں گھٹنوں میں گولیاں مار کر تجھے ترپنے کے لئے چھوڑ دیتا لیکن اس وقت یہ موقع نہیں ہے۔ ابھی ان دونوں کو بھی۔“

”ارے۔ ارے۔ کوئی میری بات تو سنو۔ دیکھو..... میرا..... میرا تو کوئی قصور نہیں ہے، عظمت جلال دیوار سے جا لگا۔ عزت جلال اپنی جگہ ساکت کھڑا ہوا تھا۔ کمال احمد نے مزید فائر کئے اور دونوں دیر کے بعد ان دونوں کی لاشیں زمین پر ترپنے لگیں۔ میں خاموش کھڑی ہوئی تھی آخر تایا صاحب کا ہنر جاگ اٹھا تھا لیکن بہت سے نقصانات کروانے کے بعد۔ پھر وہ آہستہ آہستہ نیچے اتر کر میرے قریب آگئے اور انہوں نے کہا۔

”نہ تم سے معافی مانگوں گا نہ معذرت کروں گا شاہ نور کیونکہ یہ بیوقوف بنانے والی باتیں ہوتی ہیں میں سب سے بڑا مجرم ہوں سمجھیں لیکن ہو جاتا ہے انسان اسی طرح اندھا ہو جاتا ہے اور بنب آکھ کلم ہے تو بہت سی سوچیں دامن گیر ہوتی ہیں لیکن بہت غلط ہے۔ نہ معافی مانگنی چاہئے نہ اپنے آپ کو معصم سمجھنا چاہئے۔ گناہ تو گناہ ہی ہوتا ہے۔ میرا بھائی چلا گیا۔ خیر میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ان تینوں کی لاشیں اسی تہہ خانے میں دفن کرنا ہوں گی اور میرا بھائی بھی یہیں دفن ہو گا۔ یہ تہہ خانہ نہیں ایک قبرستان بن جائے گا۔ آؤ بیٹا! چلتے ہیں۔ بس کہنے کے لئے کچھ نہیں میرے پاس۔ اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ میں خود گ کر لوں گا تو میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ میرا گناہ اتنا شدید نہیں ہے۔ زندگی گزاروں گا۔“ میں آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اپنے باپ کے بنجر کے قریب پہنچی اسے دیکھتی رہی اور پھر میرے منہ سے غم آواز نکلی۔

”اب تو ماں پہنچ گئی ہوگی آپ کے پاس بابا! کاش میں آپ کی اصل صورت بھی دیکھ سکتی لیکن بڑا ہے ایسے واقعات ہوتے ہیں اس کائنات میں اگر نہ ہوتے تو ایسا بھی نہ ہوتا۔ چلے ٹھیک ہے آپ دونوں میری تقدیر میں نہیں تھے۔ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔“ میں نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا اور آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی کمال احمد کے ساتھ باہر نکل آئی۔ یہ خونی تہہ خانہ بڑا ہولناک لگا تھا مجھے۔ باہر آکر بہت دیر تک میں نے کمال احمد صاحب کے بیڈ روم میں بیٹھی رہی۔ وہ بھی میرے سامنے ہی بیٹھے ہوئے تھے پھر انہوں نے کہا۔

”بیٹا! تم یہاں نہیں رہ سکو گی لیکن جہاں بھی رہو گی تمہیں تمہارا حق دیں مل جائے گا۔ کیا کروا حالات ہی ایسے ہیں۔ ان سب کی تدفین میں کر دوں گا۔ بس اور کیا کہوں تم سے باقی ساری باتیں بے مشغ

☆=====ختم شد=====☆